کیمیائے سعادت

حُجّۃ الاسلام امام ابُو حامد مُحمّد الغزالی رحمہ اللہ



مکتبہ رحمانیہ
اردو بازار ۔ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ ناشر

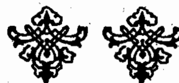
حضرت امامِ غزالی قدس سرہٗ کی کتاب کیمیائے سعادتؒ کی اہمیت مُسلم ہے۔ علماء اور عوام برابر اِس سے استفادہ کرتے اور اِس کے مضامین عالیہ سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ اصل کتاب فارسی میں تھی جس کے متعدد تراجم ہوئے اور کئی تراجم اب بھی چل رہے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ بعض تراجم کی زبان محاورہ کے اعتبار سے خاصی پُرانی ہو چکی ہے تو بعض کے مترجم اپنے مخصوص مسالک کے اعتبار سے اِس کا حق ادا کرنے سے محروم رہے۔ ہم نے اپنے دوست محمد سعید الرحمٰن علوی کو اِس سلسلہ میں توجہ دلائی اُنھوں نے اِس کام کو اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ بوجوہ کسی قدر تاخیر تو ہوئی لیکن الحمد للہ کہ ہم اس مقصد میں کامیاب ہو گئے اور آج آپ کے سامنے وہ ترجمہ پیش کر رہے ہیں۔

اس سے قبل ہم نے ''مشکوٰۃ المصابیح'' جیسی معرکہ آراء اور مقبول عام کتاب کا ترجمہ شائع کیا۔ بحمد اللہ اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور اب بھی برابر مانگ جاری ہے اسی طرح ''بہشتی زیور'' جیسی معروف کتاب جسے بجا طور پر ''انسائیکلوپیڈیا'' کہنا چاہیے وہ برابر شائع ہو رہی ہے پھر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ اور مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح حیات اللہ تعالیٰ نے شائع کرنے کی توفیق دی۔ علاوہ ازیں حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ کے سیاسی مکتوبات کا اُردو ترجمہ اور ''تذکرہ مصنفین درسِ نظامی'' اللہ تعالیٰ کی توفیق سے شائع ہوا۔ قادرِ مطلق کے حضور درخواست ہے کہ ہماری بے چارگی اور ضعف کو اپنی رحمت کی چادر سے ڈھانپ لے اور ہمیں مزید علمی نوادرات پیش کرنے کی توفیق دے —— اس ذاتِ باری سے اُمید قوی ہے کہ یہ ترجمہ مقبولِ عام ہو گا اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق اِس سے بھرپور استفادہ کرے گی۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ☆ وَتُبْ عَلَيْنَآ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ

مقبول الرحمٰن عفی عنہ

مکتبۂ رحمانیہ' اُردو بازار' لاہور





فہرست



مُقدمة

فقیر پُر تقصیر محمد سعید الرحمٰن علوی بن حضرت الحاج الحافظ مولانا محمد رمضان صاحب علوی زیدت معالیھم عرض پرداز ہے کہ میرے محترم بزرگ دوست جناب محمد نعمت اللہ صاحب قادری کی توسط سے مکتبہ رحمانیہ اُردو بازار لاہور کے مالک جناب مقبول الرحمٰن صاحب نے ارشاد فرمایا کہ میں حضرت امام غزالی قدس سرہٗ کی کتاب کیمیائے سعادتؒ کا اُردو ترجمہ کر دوں۔ میرے جیسے ہیچ میدان اور عِلم و عمل سے کورے آدمی کے لیے یہ خاصا مشکل کام تھا لیکن ان مہربانوں کے اصرار جس میں خلوص کی جھلک تھی نے مجھے اس کام پر آمادہ کر دیا اور میں نے اپنے ابا حضور سے عرض کر کے ان کی دُعاؤں سے کام شروع کر دیا۔ بندہ مختلف امراض کا ایک عرصہ سے شکار ہے جس کی وجہ سے میری توقع سے وقت زائد خرچ ہو گیا لیکن الحمد للہ کہ تکمیل ہو گئی۔ مقبول صاحب نے ساتھ ہی ساتھ کتابت کا کام شروع کرا دیا اور اس مرحلہ کے طے ہو جانے کے بعد ایک فاضل بزرگ حافظ شاہ محمد صاحب نے پروف ریڈنگ کی جس کے بعد آخری مرحلہ میں مجھے سرسری طور پر نظر ثانی کا موقع ملا۔ اس طرح یہ کتاب مکمل ہو کر سامنے آ رہی ہے اس میں جہاں تک ظاہری خوبیوں کا تعلق ہے وہ تو صاحب مکتبہ کے خلوص اور دریا دلی کی مرہون ہیں ترجمہ کی معنوی خوبیوں کا نہ مجھے دعویٰ ہے اور نہ میں اس میدان کا آدمی تھا۔ ان حضرات نے خلوص سے یہاں لا کھڑا کر دیا اللہ کی توفیق اور دستگیری سے بات بن گئی اس لیے اس عنوان سے جو خوبی ہو وہ حضرت حق جل و علیٰ کی عنایت اور بعدہٗ میرے اساتذہ و والدین کی دُعاؤں کا فیضان ہو گا جنھوں نے مجھے اپنی محبتوں سے سرفراز فرمایا اور جو خامیاں اور نقائص ہوں گے ان کا میں خود ذمہ دار ہوں اور اہل کرم سے عفو و درگزر کی اُمید رکھتا ہوں اور درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنے صائب مشوروں سے آگاہ فرمائیں گے۔ جزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔ احقر نے اپنے برادر مکرم مولوی حافظ محمد عزیز الرحمٰن صاحب خورشید کی معیت میں ملتان کی مشہور دینی درسگاہ خیر المدارس میں ابتدائی علوم حاصل کیے وہاں فارسی سکھانے کا اعلیٰ اور معقول انتظام تھا۔ سال بھر ہم اس محنت میں مشغول رہے اور واقعہ یہ ہے کہ خوب استعداد بہم پہنچائی افسوس کہ میدان سیاست کی جفانمائیوں نے علمی شغل نہ رہنے دیا اور بعض مہربانوں نے اسی میدان میں ہمیں خوب گھسیٹا جس کے نتیجہ میں خاصا علمی نقصان برداشت کرنا پڑا۔ مالک الملک کا شکر ہے کہ اب پھر اس طرف توجہ ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ استقامت نصیب فرمائے تو اُمید ہے کہ ان شاء اللہ حیاتِ مستعار کے لمحات میں کوئی کام کر سکوں گا۔

حضرت امام غزالی قدس سرہٗ جو ۴۵۰ھ مطابق ۱۰۵۸ء میں طوس کے ایک موضع غزالہ میں پیدا ہوئے اور ۴ جمادی الاخری ۵۰۵ھ مطابق ۸ دسمبر ۱۱۱۱ء میں صرف ۵۵ سال کی عمر میں اِس دُنیا سے رخصت ہو گئے۔ اپنی خصوصیات اور کمالات کے اعتبار سے ممتاز شخصیت کے مالک تھے۔ "فلسفۂ غزالی" سے کون صاحب عِلم واقف نہیں اس معاملہ میں ان کی قائدانہ عظمت مسلم ہے۔ عروس البلاد بغداد کی مرکزی درس گاہوں میں ان کے عِلم و فضل کا چرچا تھا اور وہ ان درسگاہوں میں مسند صدارت کے واحد مستحق گردانے جاتے تھے لیکن عجیب معاملہ ہوا کہ موصوف اس مسند کو

چھوڑ چھاڑ کر صحرا نوردی کی زندگی میں آ گئے اور کامل دس برس کی بادیہ پیمائی کے بعد انھیں فقر و تصوف کی آغوش میں سکون نصیب ہوا۔ اس انقلاب کے مد و جزر پر تفصیلاً گفتگو ہو سکتی ہے لیکن بہتر ہو گا کہ موصوف کی خود نوشت سوانح "المنقذ من الضلال" کی طرف اپنے باہمت قارئین کو توجہ دلاؤں جس کا اُردو ترجمہ شائع ہو چکا ہے تاکہ خود امام کے قلم سے آپ اس انقلاب سے واقف ہو سکیں اور معلوم کر سکیں کہ ایسا شخص جسے علومِ فلسفہ میں "امام" کا مقام حاصل تھا اور جسے دُنیوی عزت و وقار اور جاہ و منصب سب کچھ حاصل تھا وہ کس خلش کی بنیاد پر سب کچھ چھوڑ کر عزلت و درویشی کی زندگی کی طرف آیا؟ واقعہ یہ ہے کہ اُنھوں نے محسوس کیا کہ صوفیا کا گروہ ہی ایسا طائفہ ہے جس کے اخلاق و عادات پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے اور یہی گروہ ہے جو روشن خیالی اور روشن ضمیری کے ساتھ ساتھ تزکیہ و تخلیہ کی نعمتوں سے پوری طرح بہرہ مند ہے کیونکہ ان کے ہاں تصوف و سلوک کی راہ پر گامزن ہونے کی پہلی شرط یہی ہے کہ خواہشات و جذبات سے ماوراء ہو کر عقل و فکر اور ذہن و قلب کو ریاضت و مجاہدہ سے اس طرح چمکایا جائے کہ ان پر انوارِ الٰہیہ منعکس ہو سکیں۔ امام کا تجربہ یہ ہے کہ جب اس بادیہ پیمائی کی زندگی میں وہ آئے تو نہ صرف یہ کہ ان کا دامن فکر بہت سے کشوف سے مالا مال ہوا، نظری علوم کی بہت سی گرہیں بھی ان پر کھلیں۔ بہرحال "المنقذ من الضلال" اپنی نوعیت کی منفرد کتاب ہے اور راہِ حق کا ایک مسافر اِس سے برابر استفادہ کر سکتا ہے۔ موصوف کے ذخیرۂ کتب میں احیاء العلوم جیسی معرکۃ الآراء کتاب شامل ہے جس کا جابجا آئندہ کتاب کے ترجمہ میں آپ کو ذکر ملے گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب میں موصوف نے علم و فکر کے دریا بہا دیئے ہیں اِس کے علاوہ تہافت الفلاسفہ، تفسیر جواہر القرآن اور عقائد غزالی وغیرہ ان کی معروف کتابیں ہیں۔

کیمیائے سعادت، ان کی فارسی تصنیف ہے جس کے دیباچہ میں موصوف نے اِس کا مقصد واضح کیا ہے اور لکھا ہے کہ اِس کتاب کا مقصد صرف عوام کو سمجھانا ہے اسی واسطے بعض لوگوں نے درخواست کی کہ یہ کتاب فارسی میں لکھی جائے تاکہ مطالب کا ہمارے لیے سمجھنا آسان ہو۔

اس لیے اِس میں مشکل عبارات سے گریز کیا ہے۔ تفصیلات میں نہیں گئے اور اس قسم کے معاملات کے لیے احیاء العلوم اور جواہر القرآن کی طرف توجہ دلائی ہے۔ یہ بے نظیر کتاب فارسی میں بار بار چھپی۔ ترجمہ کے دوران جو نسخہ احقر کے پیش نظر رہا وہ مطبع منشی نول کشور لکھنؤ کا طبع شدہ ہے جو ۲۰ x ۲۶ سائز کے ۵۷۸ صفحات پر مشتمل ہے یہ نسخہ ۱۲۷۰ھ کا طبع شدہ ہے۔ اِس کا اغلباً پہلا اُردو ترجمہ بھی نول کشور لکھنؤ میں ہی شائع ہوا جو ۲۰ x ۲۶ کے ۹۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ احقر کے پاس اِس کا جو نسخہ ہے وہ ماہ ذی قعدہ ۱۳۴۷ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۲۹ء کا مطبوعہ ہے اور چوتھا ایڈیشن ہے۔ یہ ترجمہ فرنگی محلی علماء میں سے ایک فاضل مولانا فخر الدین احمد صدیقی مرحوم و مغفور کا ہے جو مولانا ظفر احمد صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ملک العلماء محمد حیدر رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے اور مولانا محمد قدرت علی قدس سرہٗ کے پوتے تھے۔

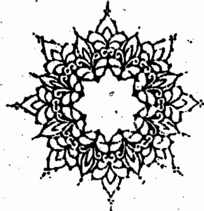
اس ترجمہ کے بعد اور بھی تراجم ہوئے جن میں سے ایک ترجمہ ۱۳۴۷ھ کا مطبوعہ ہے جسے ملک دین محمد اینڈ سنز لاہور نے چھاپا۔ صاحب ترجمہ کا نام ملک محمد عنایت اللہ صاحب ہے۔ ان دیار میں غالباً یہی ترجمہ قدیم ترین کہلانے کا مستحق ہے باقی تراجم قارئین چاہیں تو خود معلوم کر سکتے ہیں۔ میں یہاں ایک بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں نے ترجمہ

کے دوران نول کشور کے شائع شدہ ترجمہ سے برابر استفادہ کیا اور یہ ایسا ہی ہے جیسے قرآن مجید کا سب سے پہلا اُردو ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی قدس سرہٗ نے کیا اور پھر محاورہ کے قدیم ہو جانے کے سبب شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو سامنے رکھ کر زبان و بیان کو نئے اسلوب میں ڈھالا۔ احقر اِن پرانے بزرگوں کی علمی محنتوں کا قدر دان اور خوشہ چین ہے ان کا کام ہی اصل میں ہمارے لیے روشنی کا مینار ہے اور میں نے اِس روشنی کے مینار سے برابر روشنی حاصل کی ہے جہاں تک نفس کتاب اور اس کے مضامین کا تعلق ہے اس سے متعلق کوئی بات کہنی مناسب نہیں۔ غزالیؒ جیسا عظیم عبقری جسے "حجۃ الاسلام" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس کی کتاب پر نقد و تبصرہ میرے جیسے انسان کے لیے مناسب نہیں۔ ان شاء اللہ قارئین اِس کی لطافتوں سے خود محظوظ ہوں گے —— رہ گیا ترجمہ تو آج کے محاورہ کے پیش نظر بھرپور کوشش کی گئی ہے اس میں مجھے کس حد تک کامیابی ہوئی اس کا فیصلہ قارئین کریں گے —— میں اِنھیں الفاظ پر اکتفا کرتا ہوں اور اپنے محترم قارئین سے دُعا کی درخواست کے کے ساتھ رخصت ہوتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ اِس حقیر علمی خدمت کو قبول فرما کر اپنی مرضیات کی پابندی کی توفیق عطا فرما دے تو زہے نصیب —— اور مجھے اِس ذات کریم سے بہرحال اچھی اُمیدیں وابستہ ہیں۔

محمد سعید الرحمٰن علوی
۱۲- اے شاہ جمال لاہور

۱۶ صفر المظفر ۱۴۰۱ھ ۲۵ دسمبر ۱۹۸۰ء
یوم الخمیس بوقت چاشت





نَحمدہٗ ونصلی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

دیباچہ

آسمان کے ستاروں' بارش کے قطروں' درختوں کے پتوں' صحرا کی ریت اور زمین و آسمان کے ذروں کی مانند بے انتہا شکر و تعریف کی مستحق صرف اللہ کی ذات ہے کہ اکیلا اور تنہا ہونا اس کی صفت اور بزرگی و برتری نیز بڑائی اور اچھائی جس کی خوبی ہے' اللہ تعالیٰ کے جلال کی حقیقت سے کوئی فرد بشر آگاہ نہیں اور اس کی حقیقی معرفت کا اس کے سوا کوئی جاننے والا نہیں بلکہ اس کی معرفت کی حقیقت کے معاملہ میں اپنی عاجزی کا اقرار کرنا صدیقوں کی معرفت کی انتہا ہے[1] ۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا میں اپنی تقصیر کا اقرار کرنا فرشتوں اور انبیاء علیہم السلام کی ثنا کی انتہا ہے اس کے جلال کی پہلی چمک میں حیران رہ جانا عقل مندوں کی عقل کی غایت ہے اور اس کے جمال کا قرب تلاش کرنے میں حیران رہ جانا سالک و ارادت مند کی انتہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت کی اُمید ترک کر دینا جی ہارنا ہے اور اُس کی معرفت میں دعویٰ کمال تشبیہہ اور تمثیل کا خیال کرنا ہے' اس کی ذات کے جمال کے ملاحظہ سے چکا چوند ہو جانا آنکھوں کا حصّہ ہے اور اس کی عجیب و غریب صنعتوں کی معرفت عقل و دانش کا حقیقی ثمرہ ہے۔

کوئی شخص ایسا نہیں جو اس کی ذات کی عظمت کے متعلق سوچے کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اور کوئی دل ایسا نہیں جو اس کی عجیب و غریب صنعتوں سے ایک لحظہ غافل رہے کہ ان کی ہستی کیا ہے اور یہ کس کی قدرت سے بن اور چل رہی ہے' اسی طرح یہ پہچاننا ممکن ہو گا کہ یہ سب کچھ اسی کی قدرت کے آثار اور اسی کی عظمت کے انوار ہیں۔ اور تمام عجائب و غرائب اس کی حکمت کا کرشمہ ہیں۔ اور سب کچھ اسی کے جمال کا پَرتو ہیں اور جو کچھ ہے حقیقت میں اسی کے کرم اور اسی کے سبب ہے بلکہ حقیقت میں وہی سب کچھ ہے کیونکہ کسی چیز کی اس کے بغیر کوئی ہستی نہیں اور حقیقت میں سب کا وجود اسی کے نورِ ہستی کا پَرتو اور پرچھائیں ہے۔

---

[1] یہ اشارہ ہے امیر المؤمنین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے اس قول کی طرف کہ اَلْعِجْزُ عَنْ دَرکِ الاِدْرَاکِ اِدْرَاکٌ یعنی اللہ تعالیٰ کو پہچاننے سے اپنے آپ کو عاجز جاننا ہی اس کی حقیقی پہچان ہے —— اضافہ از مترجم

[2] دِل میں تُو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا ☆ میں جان گیا تیری پہچان یہی ہے —— علوی

بے انتہا درود حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر جو سب نبیوں کے سردار اور ہر صاحب ایمان کے رہبر و رہنما ہیں۔ آپ اسرارِ ربوبیت کے امین اور اللہ تعالیٰ کے مقرب و محبوب ہیں' نیز اس کے مستحق آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جن میں سے ہر ایک اُمت کا پیشوا اور شریعت غرا کی راہ دکھانے والا ہے۔

وجہ تالیف :

امابعد : اے پیارے' اس بات کو سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو لہو و لعب کے واسطے پیدا نہیں کیا بلکہ اس کا مقصد زندگی بہت بلند ہے اور اس کے لیے خطرات[1] بھی بہت ہیں۔ اس لیے کہ اگر انسان ازلی نہیں تو ابدی تو بہرحال ہے یعنی اگر ہمیشہ سے نہیں تو ہمیشہ تک اسے رہنا تو ہے اور اگرچہ اس کا جسم مٹی جیسی ناچیز سے بنا ہے لیکن اِس کی رُوح کی حقیقت تو ربانی ہے اور بہت باعزت ہے اور انسان کی اصل اگرچہ چرندوں اور درندوں اور شیاطین کی صفات سے ملتی جلتی ہے اور اس میں میل بھری ہوئی ہے لیکن جب مشقت کی بھٹی سے گزرتی ہے تو آلائشوں سے پاک ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے قربت حاصل ہو جاتی ہے اور اس میں اس کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسفل السافلین سے اعلٰی علیین تک سب اونچ نیچ کا تعلق اسی سے ہے۔ اگر وہ شیاطین اور چرند و پرند کی طرح خواہش اور غُصّہ کے پھندے میں پھنس جائے تو گویا اسفل السافلین میں گر پڑا اور جب اس نے خواہش اور غُصّہ سے نجات حاصل کر لی تو ملائکہ کے درجہ کو پہنچ گیا اور اعلٰی علیین میں مقام حاصل کر لیا۔ مقصد یہ ہے کہ خواہش و غُصّہ دونوں اُس کے ہاتھ میں قیدی ہوں اور یہ ان دونوں کے لیے بمنزلہ بادشاہ ہو۔

پھر جب اسے بادشاہی کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی بندگی و عبادت کے قابل ہو جاتا ہے اور بندگی کی قابلیت ملائکہ کی صفت ہے اور اس سے آدمی مرتبۂ کمال کو پہنچ جاتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ کے جمال کی مُحبت کا مزہ انسان کو نصیب ہو جاتا ہے تو اس کے دیدار سے ایک لمحہ صبر نہیں کر سکتا۔ اس کے لازوال جمال کا دیدار اس کی بہشت ہو جاتی ہے اور انسان کی آنکھ' پیٹ اور شرمگاہ کی شہوت کے حصّہ میں جو بہشت ہے وہ اس کے نزدیک ہیچ محض ہو کر رہ جاتی ہے۔

چونکہ انسان کی پیدائش میں اس کی اصل ناقص اور ناچیز ہے اس لیے اسے درجۂ نقصان سے درجۂ کمال تک پہنچانا ممکن نہیں البتہ مشقت اور علاج سے ایسا ممکن ہے۔ جیسے وہ کیمیا جو تانبے اور پیتل کو پاک صاف کر کے سونا بنا دیتی ہے اسے پہچاننا ہر ایک کے بس میں نہیں اسی طرح جس کیمیا سے آدمی حیوانوں کی کثافت کے درجہ سے فرشتوں کی نفاست و پاکیزگی تک پہنچتا ہے اسے بھی پہچاننا ہر ایک کے بس میں نہیں اسی صفائی اور پاکیزگی کی بدولت انسان کو ابدی سعادت نصیب ہوتی ہے۔

اس کتاب کی تالیف سے اسی کیمیا کے اجزاء بیان کرنے مقصود ہیں جو حقیقت میں کیمیائے سعادت ہے اور اسی لیے ہم نے اس کا نام کیمیائے سعادت رکھا ہے۔

---

[1] خطرات یہ ہیں کہ کہیں آدمی حیوانیت کے گڑھے میں نہ گر پڑے۔

کیمیا کا نام اس کتاب کے لیے اس لیے مناسب ہے کہ تانبے اور سونے میں زردی اور بھاری پن کے سوا اور کوئی فرق نہیں جبکہ اس کیمیا سے دُنیا میں مالدار ہونے کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ پھر جبکہ یہ دُنیا ہی چند روزہ ہے تو دولتِ دُنیا کی کیا حیثیت ہے؟

البتہ حیوانات اور ملائکہ کی صفات میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور اس کیمیا کا ثمرہ نیک بختی ابدی ہے کیونکہ اس کی مدت کی کوئی غایت نہیں اور اس کی نعمتوں کی قسموں کی انتہا نہیں۔ اور یہ نعمتیں ایسی صاف ہیں کہ انھیں کوئی میل نہیں یہ کتاب فی الحقیقت کیمیا ہے اور اس کے سوا کسی اور چیز کو کیمیا کہنا محض عاریت ہے۔

فصل : اے جانِ من' یہ بھی سمجھ لو کہ جس طرح کیمیائے زر ہر بڑھیا کی جھونپڑی میں نہیں ملتا بلکہ بڑے آدمیوں اور بادشاہوں کے خزانوں میں ملتا ہے اسی طرح کیمیائے سعادت بھی ہر جگہ نصیب نہیں ہوتا بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے خزانہ میں ملتا ہے اور اللہ کا خزانہ آسمان میں فرشتوں کی ذات ہے تو زمین میں انبیاء علیہم السلام کے دِل۔ جو آدمی بارگاہ نبوت کے سوا کہیں اور اس کیمیا کو تلاش کرے گا وہ راہ سے بھک جائے گا اور خیالِ خام کے سوا اس کے ہاتھ کچھ نہ آئے گا اور قیامت میں اس کا شمار نادار اور مفلس لوگوں میں ہوگا۔ تمام مخلوق اس کے کھوٹے پیسے سے واقف ہو جائے گی اور اس کی اُلٹی سمجھ اس پر منکشف ہو جائے گی۔

﴿ فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴾ (الذاریات)

تب آواز آئے گی کہ ارحم الراحمین کی رحمتوں میں سے ایک رحمت یہ ہے کہ اس نے ایک لاکھ چوبیس ہزار (کم و بیش) پیغمبر صلوات اللہ وسلامہ علیہم دُنیا میں بھیجے تاکہ اس کیمیا کا نسخہ اللہ کی مخلوق کو سکھائیں۔ نقد دِل کو مشقت کی بھٹی میں رکھنے کا طریق بتلائیں تاکہ وہ بُرے اخلاق سے پاک ہو وہ برے اخلاق جن سے انسان کا دِل میلا اور کثیف ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ بتلائیں کہ اخلاقِ حسنہ سے انسان کا دِل کس طرح معمور ہوتا ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ نے جس طرح پاکی و بادشاہی کے ساتھ اپنی تعریف کی اسی طرح انبیاء علیہم السلام کو بھیجنے پر اپنی توصیف کی اور مخلوق پر اپنا احسان جتلایا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ○ هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ○ ﴾ (الجمعہ)

﴿ يُزَكِّيْهِمْ ﴾ کے یہی معنی ہیں کہ بُرے اخلاق جو جانوروں کی صفت ہیں رسول ان سے لوگوں کو پاک کرے اور : ﴿ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ سے یہ مراد ہے کہ ملائکہ کی صفات کا لباسِ فاخرہ اُن کو پہنائے۔

اور اس کیمیا سے یہی غرض ہے کہ وہ باتیں جو نقصان کی ہیں ان سے آدمی پاک اور معری ہو اور صفاتِ کمال سے آراستہ و پیراستہ! سب سے بڑی کیمیا یہ ہے کہ آدمی دُنیا سے مُنہ پھیر کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے جیسا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے خود تعلیم دی۔

﴿ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا○ ﴾ (المزمل)

اس کے یہی معنی ہیں کہ سب سے رشتہ تعلق توڑ کر اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں دے دے۔

یہ اس کیمیا کا مجمل بیان ہے لیکن اس کی تفصیل بہت طویل ہے البتہ بنیادی طور پر چار چیزوں کا پہچاننا ضروری ہے اور یہی اس کا عنوان ہے اور چار معاملوں کی پہچان اس کے ارکان ہیں جب کہ ہر رُکن کی دس اصلیں ہیں۔

پہلا عنوان تو یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو پہچانے۔ دوسرا عنوان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہچانے۔ تیسرا عنوان یہ ہے کہ دُنیا کی حقیقت کو پہچانے اور چوتھا عنوان یہ ہے کی آخرت کی حقیقت کو پہچانے۔ ان چار چیزوں کا پہچاننا حقیقت میں اسلام کی معرفت کا عنوان ہے اور اسلامی معاملات کے ارکان چار ہیں جن میں سے دو کا تعلق ظاہر سے اور دو کا باطن سے ہے۔ جن دو کا تعلق ظاہر سے ہے ان میں سے پہلا رُکن تو اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لانا ہے جسے عبادت کہتے ہیں اور دوسرا رُکن اپنی حرکات و سکنات اور اپنی معیشت کو نگاہ میں رکھنا ہے۔ اسے معاملات کہتے ہیں اور دوسرے دو ارکان جن کا تعلق باطن سے ہے ان میں سے پہلا رُکن یہ ہے کہ بُرے اخلاق مثلاً غُصّہ' کنجوسی' غرور و تکبر' خود بینی وغیرہ سے دِل کو پاک رکھنا۔ اِنھی اخلاقِ ذمیمہ کو مہلکات کہتے ہیں نیز یہی راہ دین کے عقبات[1] کہلاتے ہیں۔ اور دوسرا رُکن اچھے اخلاق مثلاً صبر' شکر' اُمید و توکل وغیرہ سے دِل کو آراستہ کرنا۔ ان اخلاق کو منجیات[2] کہتے ہیں۔

پہلا رُکن جس میں عبادت کا بیان ہے اس میں دس اصلیں ہیں۔

(۱) اہل سنت کے عقائد کے بیان میں۔ (۲) طالب عِلم کے بیان میں (۳) طہارت کے بیان میں۔ (۴) نماز کے بیان میں (۵) زکوٰۃ کے بیان میں (۶) روزہ کے بیان میں (۷) حج کے بیان میں (۸) تلاوتِ قرآنِ حکیم کے بیان میں (۹) ذکر' دُعا اور وظائف کے بیان میں (۱۰) وظائف کی ترتیب کے بیان میں۔

دوسرا رُکن معاملات کے آداب سے متعلق ہے اس میں دس اصلیں ہیں۔

(۱) کھانا کھانے کے آداب (۲) نکاح کے آداب (۳) تجارت اور پیشہ و ہنر کے آداب (۴) طلب حلال کا بیان (۵) آدابِ صحبت (۶) گوشہ نشینی کے آداب (۷) سفر کے آداب (۸) راگ اور حال و وجد کے آداب (۹) امربالمعروف اور نہی عن المنکر کے آداب (۱۰) رعایا پروری اور بادشاہی کے آداب۔

تیسرا رُکن جو مہلکات سے متعلق ہے اس میں بھی دس فصلیں ہیں :

(۱) ریاضت نفس کا بیان (۲) پیٹ اور شرم گاہ کی شہوت کا علاج (۳) گفتگو کی ہوس اور زُبان کی آفتوں کا علاج (۴) غُصّہ اور اس کے متعلقات کا علاج (۵) دُنیا کی محبت کا علاج (۶) حُب مال کا علاج (۷) جاہ و حشمت کا علاج (۸) ریا اور نفاق کا علاج (۹) تکبر اور نخوت کا علاج (۱۰) غرور اور غفلت کا علاج۔

چوتھا رُکن جو منجیات سے متعلق ہے اس میں بھی دس فصلیں ہیں :

(۱) توبہ کا بیان (۲) صبر و شکر کا بیان (۳) خوف و رجا (اُمید) کا بیان (۴) درویشی و زہد کا بیان (۵) نیت خلوص اور سچائی کا بیان (۶) مراقبہ اور محاسبہ کا بیان (۷) تفکر کا بیان (۸) توحید اور توکل کا بیان (۹) محبّت اور عشق الٰہی کا بیان (۱۰) موت کو

---

[1] عقبہ وہ گھاٹی ہے جہاں مسافر لُٹ جاتے ہیں۔ [2] باعث نجات۔

یاد کرنے اور اس کے حال کا بیان۔

کیمیائے سعادت کے ارکان اور اصول کی یہی فہرست ہے جو ہم نے بیان کی۔ ہم اس کتاب میں چار عنوان اور چالیس فصلوں کی صاف صاف شرح کریں گے اور قلم کو مشکل عبارت اور دقیق مضامین سے پاک رکھیں گے تاکہ یہ کتاب عام فہم ہو۔ اگر کسی کو تحقیق کی رغبت اور شوق ہو تو اسے دوسری کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے جو عربی میں ہیں مثلاً احیاء العلوم[1]، جواہر القرآن یا دوسری تصانیف جو اس علم سے متعلق ہیں۔ اس کتاب کا مقصد صرف عوام کو سمجھانا ہے اسی واسطے بعض لوگوں نے درخواست کی کہ یہ کتاب فارسی میں لکھی جائے تاکہ مطالب کا ہمارے لیے سمجھنا آسان ہو۔

اللہ تعالیٰ ان کی اور میری نیت کو پاک و صاف رکھے اور تکلف کے میل سے بچائے، اپنی رحمت کا اُمیدوار بنائے، صواب و درستگی کا دروازہ کھول دے۔ اس کی توفیق مددگار ہو جو زُبان پر آئے اُس پر عمل کی توفیق ہو کیونکہ جس بات پر عمل نہ ہو وہ رائیگاں ہے کہنا اور عمل نہ کرنا قیامت کو موجب وبال و زیاں ہے! نعوذ باللّٰہ منہا۔

---

[1] یہ حضرت الامام غزالی قدس سرہٗ کی تصانیف ہیں۔

اپنے آپ کو پہچاننے کا بیان

اے عزیز' اس حقیقت کو اچھی طرح جان لے کہ اپنے آپ کو پہچاننا ہی معرفت حق کی کنجی ہے اسی واسطے کہا گیا ہے:

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ سَنُرِيْهِمْ اٰيَاتِنَا فِى الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ﴾ (حم السجدہ)

اے پیارے! ساری دُنیا میں کوئی چیز تیرے مقابلہ میں تجھ سے زیادہ قریب نہیں۔ اگر تُو اپنے آپ کو نہیں پہچانے گا تو اور کس کو جانے گا؟ اگر تُو یہ کہے کہ ہم اپنے آپ کو پہچانتے ہیں تو غلطی کر گیا کیونکہ ایسی پہچان اللہ تعالیٰ کی معرفت کی کنجی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس طرح تو جانور بھی اپنے آپ کو پہچانتے ہیں جیسے تُو اپنے ظاہری اعضاء سر' مُنہ' ہاتھ اور گوشت کو پہچانتا ہے اور اپنے باطن سے اتنا واقف ہے کہ بھوک کے وقت روٹی کھاتا ہے' غصّہ میں ہوتا ہے تو کسی سے اُلجھ پڑتا ہے اور شہوت کا غلبہ ہوتا ہے تو نکاح کر گزرتا ہے اس بات میں جانوروں اور تجھ میں کوئی فرق نہیں۔ اصل میں تجھے یہ جاننا چاہیے کہ تو کون ہے؟ کہاں سے آیا ہے؟ کہاں جائے گا؟ یہاں آیا کیوں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے تجھے کیوں پیدا کیا؟ تیری نیک بختی کس میں ہے اور بد بختی کس میں؟ جو صفات و عادات تیرے اندر ہیں ان میں سے بعض چرندوں اور پرندوں میں بھی ہیں اور بعض شیاطین میں ہیں اور بعض میں تو اور فرشتے برابر ہیں —— تیری اصل کیا ہے اور کون کونسی صفات تیرے اندر عاریۃً ہیں جب تک تو یہ نہیں پہچانے گا سعادت حاصل نہیں کر سکے گا —— ان میں سے ہر ایک کی غذا جدا جدا ہے اور سعادت و نیک بختی کے اسباب و عوامل بھی جدا جدا ہیں۔ کھانا' پینا' سونا' موٹا اور قوی ہونا چارپایوں کی غذا اور سعادت ہے' اگر تو بھی چارپایہ ہے تو رات دن تیری یہی خواہش و کوشش ہو گی کہ تیرے پیٹ اور شرم گاہ کا کام بنے' مارنا اور مار ڈالنا جیسی چیزیں درندوں سے متعلق ہیں یہی ان کی غذا اور سعادت ہے جبکہ شر اور حیلہ اور مکر و فریب شیطان کا کام ہے۔ اگر تیرا تعلق شیاطین سے ہے تو تو بھی انھی کاموں میں مشغول رہ تاکہ تجھے آرام ملے اور نیک بختی تیرے ہاتھ آئے۔ اللہ تعالیٰ کا جمال دیکھنا فرشتوں کی غذا اور سعادت ہے' چارپایوں اور درندوں کی صفات کا ان میں دخل نہیں۔ پس اگر تو فرشتوں سے ہے تو تو بھی کوشش کر کہ تُو اللہ تعالیٰ کو پہچانے اور تجھے اس کے جمال کا مشاہدہ نصیب ہو اور تجھے شہوت و غُصّہ سے چھٹکارا نصیب ہو اور اس بات کی تلاش و جستجو میں اتنا منہمک ہو جا کہ تجھے معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے چرندوں اور درندوں کی صفات تیرے اندر کیوں پیدا کیں؟ اس لیے کہ وہ تجھے اپنا قیدی بنائیں اور تجھ سے خدمت لیں اور دن رات تجھ سے بیگار لیں یا اس واسطے کہ تو انھیں اپنا قیدی بنائے اور تجھ کو جو سفر پیش ہو تو اس میں تو انھیں تابع بنائے اور ایک کو بطور سواری اور دوسرے کو بطور ہتھیار استعمال کرے اور دُنیا کی چند روزہ زندگی میں ان کو

اپنے کام میں لائے تاکہ ان کی مدد سے سعادت کا بیج تیرے ہاتھ لگے اور تو انھیں ماتحت و مغلوب رکھ کر مقامِ سعادت کی طرف متوجہ ہو جائے۔

خاص لوگ اس مقام کو جناب الہیت اور عوام جنت کہتے ہیں اور تیرا فرض ہے کہ تو یہ سب باتیں جانے تاکہ تجھے اپنی معرفت نصیب ہو اور جس نے ان حقائق کو نہ جانا دین سے خجالت اس کا مقدر رہا اور وہ دین کی حقیقت سے محروم رہا۔

فصل : اے پیارے اگر تو اپنے آپ کو جاننا چاہتا ہے تو تجھے یہ بات سمجھنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے دو چیزوں سے پیدا کیا ہے۔ ایک ظاہری ڈھانچہ جسے بدن کہتے ہیں اور جسے ظاہری آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے دوسرے باطنی حقیقت جسے نفس' دِل اور جان کہا جاتا ہے اور اسے فقط باطن کی آنکھ سے پہچان سکتے ہیں۔ ظاہر کی آنکھ سے اس کو نہیں دیکھ سکتے۔ یہی باطنی معنی تیری حقیقت ہے اس کے سوا جو چیزیں ہیں وہ اس کی تابع اور خدمتگار ہیں اور ہم اس حقیقت کو دِل کہتے ہیں۔ ہم جب دِل کی بات کہیں گے تو اس سے انسان کی حقیقت مراد ہو گی۔ اس حقیقت کو کبھی رُوح کہتے ہیں کبھی نفس اور دِل سے وہ گوشت کا لوتھڑا مراد نہیں جو سینہ میں بائیں طرف موجود ہے کیونکہ وہ تو جانوروں اور مُردوں کے بھی ہوتا ہے۔ اس دِل کو جو حقیقت انسان ہے ظاہری آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے جو چیز ظاہری آنکھ سے دکھائی دے اس کا تعلق اس عالم سے ہے جس کو عالمِ شہادت کہا جاتا ہے اور دِل کی حقیقت کا اس عالم سے کوئی تعلق نہیں ہاں اس عالم میں مسافرانہ طور پر آیا ہے اور بس۔

ظاہری گوشت کا لوتھڑا اس دِل کی سواری اور ہتھیار اور بدن کے سب اعضاء اس کا لشکر ہیں۔ وہ تمام بدن کا بادشاہ اور افسر ہے' اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے جمال کا مشاہدہ اسی دِل کی صفت ہے اور یہی عبادت کا مکلف ہے خطاب اسی کو ہوتا ہے اور ثواب و عذاب کا تعلق بھی اسی سے ہے۔ سعادت و شقاوت اسی سے متعلق ہیں اور ان تمام باتوں میں بدن اس کا تابع ہے اس کی حقیقت اور صفات کا پہچاننا اللہ تعالیٰ کی معرفت کی کنجی ہے۔

اے پیارے! تجھے ایسی کوشش کرنی چاہیے کہ تو اس کو پہچانے کیونکہ وہ ایک عمدہ گوہر ہے اور اس کا تعلق ملائکہ کی جنس سے ہے۔ بارگاہِ ربوبیت اس کا معدنِ اصلی ہے' اسی سے وہ آباد ہے وہیں اس نے جانا ہے۔ کیونکہ یہاں اس کی آمد محض مسافرانہ ہے۔ اس مسافرت کے دَور میں وہ تجارت و زراعت میں مشغول رہتا ہے ان کے معانی آگے بیان ہوں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

فصل : اے پیارے! یہ سمجھ لے کہ جب تک تو دِل کی ہستی کو نہ جانے گا اس کی حقیقت کو نہیں پہچان سکے گا۔ پہلے تو دِل کی ہستی کو جان پھر اس کی حقیقت کو پہچان۔ اس کے بعد دِل کا لشکر معلوم کر اور پھر دِل اور اس کے لشکر کے باہمی تعلق کو سمجھ! پھر اس کی صفت پہچان کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اسے کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟ اور وہ معرفت سے سعادت تک کس طرح پہنچتا ہے؟ ان میں سے ہر ایک کا بیان آگے آئے گا؟ لیکن جہاں تک دِل کی ہستی کا تعلق ہے تو

ظاہر ہے کہ اپنی ہستی میں تو آدمی کو کوئی شک نہیں اور اس کی ہستی کا دار و مدار اس کے ظاہری ڈھانچے پر نہیں اس واسطے کہ یہ بدن تو مُردہ کی مانند ہے اور دِل سے ہمارا مقصد رُوح کی حقیقت ہے جب رُوح نہ ہو گی تو بدن مُردہ ہو گا۔

اگر کوئی اپنی آنکھ بند کرے اور اپنے ظاہری خاکے اور دُنیا و مافیہا کو جسے آنکھ سے دیکھ سکتے ہیں بھلا دے تو اپنی ہستی کو ضرور پہچان لے اگرچہ اپنے کالبد اور دُنیا و مافیہا سے بے خبر ہو لیکن اپنے آپ کو ضرور جان لے گا کیونکہ اصل جاننا تو دِل ہی کا ہے اور اگر کوئی اس معاملہ میں خوب غور کرے تو آخرت کی بھی حقیقت پہچان لے اور اسے معلوم ہو جائے کہ جب اس کالبد چھین لیں گے تو اس کا قائم رہنا فنا نہ ہونا مناسب و روا ہے۔

فصل : دِل کیا ہے اور اس کی خاص صفت کیا ہے؟ اس کے بیان کرنے کی شریعت نے اجازت نہیں دی۔ اسی واسطے جناب رسول اللہ ﷺ نے اس کی کوئی تشریح نہیں فرمائی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی :

﴿ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۚ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ ﴾ (بنی اسرائیل)

یعنی رُوح اللہ تعالیٰ کا اَمر ہے اس سے زیادہ کہنے کی اجازت نہیں۔

﴿ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ ﴾ (الاعراف)

عالمِ خلق اور عالمِ امر جدا جدا ہیں۔ جس چیز میں ناپ، مقدار اور کمیت کا دخل ہو اسے عالمِ خلق کہتے ہیں، اس واسطے کہ لغت میں خلق کا معنیٰ اندازہ کرنے کا ہے اور آدمی کے دِل کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اس واسطے وہ تقسیم قبول نہیں کرتا اور اگر وہ تقسیم کے قابل ہوتا تو اس میں بیک وقت کسی ایک ہی چیز کے متعلق جہالت اور عِلم کا موجود ہونا درست ہوتا اور ایک ہی وقت میں وہ اس کا عالم بھی ہوتا اور جاہل بھی! جبکہ یہ باتیں بالکل محال ہیں باوجودیکہ رُوح تقسیم نہیں ہوتی اور مقدور کا اس میں دخل نہیں لیکن ہے وہ مخلوق ہی کیونکہ وہ پیدا کی گئی ہے اور جیسا کہ خلق کا معنیٰ اندازہ کرنے کا ہے اسی طرح اس کا معنیٰ پیدا کرنا بھی ہے تو اس معنیٰ کے اعتبار سے رُوح کا تعلق عالمِ خلق سے ہے اور جہاں تک دوسرے معنیٰ کا تعلق ہے تو اس کے اعتبار سے رُوح عالمِ امر سے ہے خلق سے نہیں اس واسطے کہ عالمِ امر سے مراد وہ چیزیں ہیں جن میں ناپ اور اندازہ کو دخل نہیں ہوتا۔

جو لوگ رُوح کو قدیم سمجھتے ہیں ان کا خیال بالکل غلط ہے اور جو رُوح کو عرض کہتے ہیں وہ بھی غلط کہتے ہیں کیونکہ عرض خود قائم نہیں ہوتا بلکہ دوسرے کے تابع ہوتا ہے اور رُوح آدمی کے لیے اصل ہے اور بدن اس کا تابع ہے تو رُوح عرض کیسے ہوئی؟۔

اور جن لوگوں نے رُوح کو جسم کہا انھیں بھی دھوکا ہوا کیونکہ جسم ٹکڑے ہو سکتا ہے بخلاف رُوح کہ وہ ٹکڑے نہیں ہو سکتی۔ ایک چیز اور ہے جسے رُوح کہتے ہیں اور وہ ٹکڑے بھی ہو سکتی ہے اور جانوروں میں ہوتی ہے لیکن جس روح کو ہم دِل کہتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کا محل ہے اور جانور اس روح سے محروم ہیں۔ وہ نہ تو جسم ہے اور نہ عرض بلکہ فرشتوں کی جنس سے ایک جوہر ہے جس کی حقیقت کا جاننا دُشوار ہے اور اس کی تفصیل کی اجازت نہیں اور راہِ دین میں چلنے والے کو اس کے پہچاننے کی ضرورت بھی نہیں کیونکہ اس راہ میں محنت اور مشقت درکار ہے جب کوئی

شخص کماحقہ محنت مشقت کرے گا تو یہ پہچان اسے خود بخود حاصل ہو جائے گی۔ یہ معرفت منجملہ اس ہدایت کے ہے جس کا اس آیت میں ذکر ہے :

﴿ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ﴾ (العنکبوت)

اور جس نے محنت و مشقت کا حق ہی ادا نہیں کیا اسے رُوح کی حقیقت بتلانا اور سمجھانا درست ہی نہیں' البتہ مجاہدہ اور ریاضت سے پہلے دِل کے لشکر کا جاننا ضروری ہے جو لشکر کو نہیں جانے گا وہ جہاد کیا خاک کرے گا۔

فصل : اے پیارے! اس بات کو سمجھ لے کہ بدن دِل کی مملکت ہے اور اس مملکت میں دِل کے مختلف لشکر ہیں :

﴿ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ ﴾ (المدثر)

اس آیت سے یہی مراد ہے۔ دِل کو آخرت کے لیے پیدا کیا گیا اور سعادت کی تلاش اس کا کام ہے اور اس کی سعادت اللہ تعالیٰ کی معرفت پر موقوف ہے اور صانع کی معرفت مصنوعات سے اس کو حاصل ہوتی ہے اور اس کا تعلق عالم جس سے ہے اور عجائباتِ عالم کی معرفت ظاہر و باطن کے حواس سے اسے حاصل ہوتی ہے اور جہاں تک حواس کا تعلق ہے انھیں بدن کے ساتھ ثبات ہے۔ معرفت دِل کا شکار اور حواس پھندا جبکہ بدن سواری اور پھندے کا اٹھانے والا ہے' اس واسطے دِل کے لیے کالبد کی ضرورت ہوئی اور کالبد پانی مٹی گرمی اور ہوا سے مل کر بنا ہے اس واسطے اس کی طاقت کم ہے۔ باطن میں بھوک اور ظاہر میں آگ اور پانی جیسے دشمن درندوں کے سبب اس کے لیے خطرہ ہلاکت ہے اس وجہ سے اس کو کھانے پینے کی حاجت ہوئی اور دو لشکروں کی اسے ضرورت محسوس ہوئی۔ ایک ظاہری لشکر جیسے ہاتھ' پاؤں' مُنہ' دانت اور معدہ دوسرا باطنی لشکر جیسے بھوک اور پیاس۔ ظاہری دشمن سے بچنے کے لیے دو لشکروں کی ضرورت محسوس ہوئی' ہاتھ پاؤں جیسے ہتھیار تو ایک ظاہری لشکر ہیں جبکہ غُصّہ اور خواہش باطنی لشکر!

چونکہ بے دیکھے چیز مانگنا اور ان دیکھا دشمن ہانکنا ممکن نہ تھا اس لیے ظاہری اور باطنی حواس کی ضرورت محسوس ہوئی دیکھنا' سُننا' سونگھنا' چکھنا اور چھونا پانچ ظاہری حواس ہیں اور خیال تفکر حفظ توھم اور تذکر کی قوتیں جو دماغ سے متعلق ہیں پانچ باطنی حواس ہیں ہر قوت کا خاص کام ہے اور ایک قوت میں خلل پڑ جائے تو آدمی کے دین و دُنیا کے کاموں میں خلل پڑتا ہے۔ یہ تمام ظاہری اور باطنی لشکر دِل کے اختیار میں ہیں اور دِل سب کا بادشاہ ہے۔ زبان' ہاتھ' پاؤں' آنکھ' قوت' تفکر سب دِل کے حکم سے کام کرتے ہیں اور سب کو اللہ تعالیٰ نے خوشی سے دِل کا تابع بنایا ہے تاکہ بدن کی حفاظت کریں اور دِل اپنا توشہ لے لے اور اپنا شکار پکڑ لے اور آخرت کی تجارت کو پورا کرے اور سعادت حاصل کرے۔ یہ لشکر دِل کی ایسی اطاعت کرتے ہیں جیسے فرشتے اللہ تعالیٰ کی اطاعت خوشی سے کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف کوئی کام نہیں کرتے۔

فصل : دِل کے لشکر کی تفصیل بہت طویل ہے۔ اے پیارے تجھے اصل مطلب ایک مثال سے معلوم ہو جائے گا جس کی تفصیل یہ ہے کہ بدن گویا ایک شہر ہے ہاتھ پاؤں اس شہر کے اربابِ پیشہ ہیں' خواہش اس کا عامل' غُصّہ

کوتوال، دِل بادشاہ اور عقل وزیر ہے۔ بادشاہ کو اُمورِ مملکت کے لیے ان سب کی ضرورت ہے لیکن خواہش جو عامل کا مقام رکھتی ہے جھوٹی بھی ہے اور زیادتی کرنے والی بھی۔ عقل جو وزیر کی مانند ہے ہمیشہ اس کے خلاف کہتی اور چلتی ہے اور ہمیشہ یہی چاہتی ہے کہ سلطنت میں جتنا مال ہے سب خراج کے بہانے ہتھیا لے اور غُصّہ جو کوتوال کی مانند ہے نہ صرف شریر بلکہ تند خو اور تیز بھی ہے، مار ڈالنا اور زخمی کرنا اس کی عادت ہے اور یہی باتیں اسے بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ جس طرح بادشاہ سب باتوں میں وزیر سے مشورہ کرتا ہے اور جھوٹے، طمع دار عامل کی گوشمالی کرتا رہتا ہے اور وزیر کی رائے کو اس کی رائے پر ترجیح دیتا ہے اور کوتوال کو اس پر متعین کرتا ہے تاکہ اس کو زیادتی سے باز رکھے اور ضرورتاً کوتوال کو بھی دباؤ میں رکھتا ہے تاکہ وہ بھی حد سے تجاوز نہ کرے اس طرح سلطنت کا نظام صحیح رہتا ہے۔

اس طرح دِل جو مانند بادشاہ ہے اگر وزیر یعنی عقل سے مشورہ کرے اور خواہش و غُصّہ کو رام کر کے عقل کو اپنے لیے تو محکوم بنائے لیکن اسے ان کا محکوم نہ بنائے تو بدن کا نظامِ سلطنت بھی درست رہے گا اور سعادت کی راہ میں چل کر بارگاہِ الوہیت میں بے روک ٹوک پہنچ جائے گا اور اگر عقل، غُصّہ اور خواہش کی قیدی بن گئی تو ملک تباہ ہو جائے گا اور بادشاہ یعنی دِل ہلاک ہو جائے گا۔

فصل : یہ سب کچھ جو بیان کیا گیا اس سے یہ بات بخوبی معلوم ہو گئی ہو گی کہ خواہش اور غُصّہ کو اکل و شرب اور بدن کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے گویا یہ بدن کے خدمت گار ہوئے اور کھانا پانی بدن کا چارہ اور خوراک ہے اور بدن کو حواس کا بوجھ اٹھانے کے لیے پیدا کیا گیا ہے تو بدن حواس کا خادم ہوا اور حواس عقل کے لیے جاسوس ہیں تاکہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی عجیب و غریب صنعتوں کو پہچانے تو حواس عقل کے خادم ہوئے اور عقل دِل کے لیے ہے تاکہ دِل کے لیے شمع و چراغ کا کام دے اور اس کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کا جمال دِل کو نظر آئے کہ یہی دِل کی جنت ہے تو عقل دِل کی خادمہ ہوئی اور دِل کو جمال الٰہی کے نظارے اور دید کے لیے پیدا کیا ہے۔ جب دِل اس نظارہ و دید میں مشغول ہوا تو بندہ بارگاہِ ربوبیت کا خادم بنا اور یہی معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کا جس کے الفاظ ہیں :

﴿ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ○ ﴾ (الذاریات)

اور دِل کو پیدا کر کے اللہ تعالیٰ نے اسے سلطنت، لشکر اور سواری عطا فرمائی تاکہ عالمِ سفلی سے عالمِ بالا کی سیر کرے۔ اگر کوئی اس نعمت کا حق ادا کرنا اور حق بندگی ادا کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ بادشاہ کی طرح سلطنت کی مسند پر براجمان ہو اور بارگاہِ ربوبیت کو اپنا مقصود و قبلہ بنائے اور آخرت کو اپنا حقیقی وطن تصور کرے اور دُنیا کو محض عارضی منزل سمجھے نیز بدن کو سواری، ہاتھ پاؤں کو خادم، عقل کو وزیر، خواہش کو مال کا نگہبان، غُصّہ کو کوتوال اور حواس کو جاسوس بنا کر ہر ایک کو مناسب کام پر لگائے تاکہ وہاں کی خبریں لائیں اور قوتِ خیال جو دماغ میں اگلی طرف ہے اسے اخباری ہرکاروں کا افسرِ اعلیٰ بنائے تاکہ جاسوس تمام اخباری رپورٹیں اس کے ہاں لائیں اور قوتِ حافظہ جو دماغ میں پچھلی طرف ہے اس کو خبروں کا محافظ بنائے تاکہ وہ ان کی حفاظت کر سکے اور انھیں محفوظ رکھے اور حسب ضرورت وقت پر عقل جو وزیر ہے

اس کے سامنے بیان کرے اور وزیر ان سب چیزوں کو جو سلطنت کے مختلف حصوں سے اسے پہنچتی ہیں ملک کا انتظام اور بادشاہ کے سفر کا پروگرام بنائے وزیر اگر کسی وقت یہ دیکھے کہ لشکر میں سے کوئی مثلاً غصّہ یا خواہش وغیرہ بادشاہ کی اطاعت سے پھر گیا ہے اور بغاوت پر آمادہ ہے تو جہاد کی تدبیر کرے تاکہ وہ راہِ راست پر آ جائے۔ حتی الوسع مار ڈالنے سے گریز کرے کیونکہ نظامِ سلطنت کے لیے ہر ایک کا وجود اپنی اپنی جگہ ضروری ہے بلکہ حکمت عملی و مصلحت سے سب کو قابو رکھے تاکہ جو اخروی سفر آنے والا ہے اس میں وہ یار و مددگار ثابت ہوں نہ کہ دشمن بن کر چوری' ڈکیتی پر اُتر آئیں۔ اس طرح تو وہ سعید اور نیک بخت ہو گا اور حق نعمت ادا کرنے والا ہو گا اور اس خدمت کے عوض اسے کامیابی کا تاج نصیب ہو گا اور اگر اس کے خلاف ہوا تو باغیوں اور مجرموں میں سے ہو جائے گا۔ اور نمک حرامی کا ارتکاب کر کے شقی و بدبخت ہو جائے گا اور اس بداعمالی کی سخت سزا پائے گا۔

فصل : جاننا چاہیے کہ آدمی کا باطنی لشکر کے ساتھ ایک تعلق ہے اور ہر لشکر کے سبب آدمی میں ایک مخصوص صفت ہے۔ ان میں سے بعض بُرے اخلاق ہیں جو آدمی کو تباہ کر دیتے ہیں اور بعض اچھے جو اسے نیک بختی کے مقام پر فائز کر دیتے ہیں۔ یہ اخلاق ہیں تو بہت لیکن مجموعی اعتبار سے ان کی چار قسمیں ہیں۔ چارپایوں کے اخلاق درندوں کے اخلاق' شیطانوں کے اخلاق اور فرشتوں کے اخلاق' چونکہ آدمی میں لالچ اور خواہش ہے اس لیے وہ چارپایوں جیسے کام کرتا ہے مثلاً کھانا پینا اور تعلقات زن و شوئی۔ پھر چونکہ اس میں غُصّہ ہے اس لیے وہ درندوں جیسے کام کرتا ہے مثلاً مارنا اور مار ڈالنا' گالی گلوچ' ہاتھاپائی اور حیلہ و مکر کے ذریعہ لوگوں میں فساد ڈالنے کی عادت اس میں ہے اس وجہ سے وہ شیطانوں جیسے کام کرتا ہے اور عقل و شعور آدمی میں موجود ہے اس وجہ سے وہ فرشتوں کے سے کام کرتا ہے۔ مثلاً عِلم سے پیار' بُرے کاموں سے پرہیز اور لوگوں کی بھلائی کی خواہش۔ مکروہ اور گھٹیا کاموں سے بچنا تاکہ عزت محفوظ رہے' ہر کام میں حق کو پہچان کر خوش ہونا اور جہالت و نادانی کو عیب جاننا۔

حقیقت میں دیکھا جائے تو آدمی کی طبیعت میں چار چیزیں ہیں۔ کتاپن' سورپن' شیطنیت اور ملکیت۔ کتا اپنی صورت کی وجہ سے بُرا نہیں بلکہ حقیقت میں اپنی عادات کی وجہ سے بُرا ہے کہ آدمیوں سے اُلجھ جاتا ہے حتیٰ کہ اپنی جنس ہی کو دیکھ کر چلانا اور چیخنا شروع کر دیتا ہے۔ اس طرح سور بھی اپنی صورت کے اعتبار سے بُرا نہیں بلکہ اس وجہ سے بُرا ہے کہ ناپاک اور گندی چیزوں کی طمع رکھتا ہے اور کتے سور کی یہی حقیقت ہے اور آدمی میں بھی یہ چیزیں موجود ہیں اس طرح شیطنیت اور ملکیت کے یہی معنی ہیں۔ آدمی کے لیے حکم یہ ہے کہ عقل کا نور جو فرشتوں کے انوار و آثار سے ہے اس کی بدولت شیطانی مکر و حیلہ معلوم کرے تاکہ رُسوا نہ ہو اور شیطان اس سے فریب نہ کر سکے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : "ہر آدمی پر ایک شیطان مسلط ہے حتیٰ کہ میرے ساتھ بھی ایک شیطان تھا۔ لیکن میرے اللہ نے اس پر مجھے غلبہ عطا فرمایا اور وہ مغلوب ہو گیا۔ اب وہ مجھے بُرائی کا حکم نہیں دے سکتا"۔

اسی طرح آدمی کو یہ بھی حکم ہے کہ لالچ اور خواہش کے سور اور غُصّہ کے کتے کو قابو میں رکھے اور عقل کو ان پر

حاکم بنائے تاکہ وہ اس کے حکم سے حرکت کریں جو آدمی ایسا کرے گا اس کو اچھے اخلاق حاصل ہوں گے اور اسے سعادت نصیب ہو گی اور ایسا اگر نہیں کرے گا اور خود ان کا محکوم ہو جائے گا تو بُرے اخلاق سے دوچار ہو گا جو بدبختی کا باعث ہوں گے۔

اگر خواب یا بیداری میں اس کو اس کے حال کی مثال دکھائیں تو اپنے تئیں دیکھے گا کہ ایک سور یا کتے یا شیطان کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا ہے۔ اگر کوئی کسی مسلمان کو کسی کافر کے سپرد کر دے تو وہ کافر اس کا جو حال کرے گا وہ معلوم ہی ہے اور اگر فرشتہ کو کتے' سور یا شیطان کی قید میں دیدیں تو اس فرشتہ کا حال مسلمان سے بھی بدتر ہو گا۔ اگر لوگ انصاف سے کام لیں اور سوچیں تو انھیں معلوم ہو گا کہ وہ دن رات اپنے نفس کی خواہشات کا شکار ہیں اور گو کہ وہ ظاہر میں آدمی کے مشابہ ہیں لیکن روزِ حشر یہ راز کھلے گا اور ظاہر و باطن یکساں ہوں گے جن پر تو خواہش اور لالچ غالب ہیں لوگ انھیں سور کی شکل میں دیکھیں گے اور جن پر غُصّہ غالب ہے وہ کتے یا بھیڑیئے کی شکل میں ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے بھیڑیئے کو خواب میں دیکھا تو اس کی تعبیر یہ ہو گی کہ یہ شخص ظالم ہے اور اگر کسی نے سور کو خواب میں دیکھا تو اس کی تعبیر نجس و ناپاک آدمی سے ہو گی کیونکہ نیند موت کی بہن ہے اور نیند کے سبب اس جہان سے جتنا دُور ہوا اسی کے مطابق صورت سیرت کے مطابق ہو گی اور ہر شخص کو ویسے ہی دیکھے گا جیسا اس کا باطن ہے یہ بڑا اہم راز ہے جس کی یہ کتاب متحمل نہیں۔

فصل ۴ : جب یہ معلوم ہو گیا کہ باطن میں یہ حکم دینے والے موجود ہیں تو اب اپنی حرکات و سکنات کو دیکھ کہ چاروں میں سے تُو کس کا تابع ہے اور تیری عادات پر کس کا غلبہ ہے؟ اور تو یقین کر کہ تو جو حرکت کرے گا اس سے تیرے دِل میں ایک صفت پیدا ہو جائے گی اور اگلے جہان میں وہ تیری مصاحب و رفیق ہو گی۔ انھی صفات کو اخلاق کہتے ہیں اور سب اخلاق انھی چار حکم کرنے والوں کے سبب پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی اگر تُو خواہش کے سور کا مطیع ہے تو پلیدی' بے حیائی' لالچ' خوشامد' گندگی' دوسرے کی بُرائی پر خوش ہونا جیسی صفات پیدا ہوں گی اگر تو اس سور کو دبانے اور قابو کرنے میں کامیاب ہو گیا تو قناعت' حیا' شرم' دانائی' پارسائی' بے طمعی اور غریبی جیسی صفات پیدا ہوں گی۔

اور اگر تو غضب کے کتے کے تابع ہو گیا تو نڈر ہونا' ناپاکی' بڑا بول بولنا' غرور و تکبر' خود نمائی' طنز و تمسخر دوسرے کو حقیر جاننا اور لوگوں سے اُلجھنا اور لڑنا جیسی باتیں تیرے اندر پیدا ہو جائیں گی اور اگر تو اس کتے کو قابو میں رکھ سکا تو صبر' بردباری' درگزر' استقلال' بہادری' سکوت اور بزرگی جیسے اوصاف تیرے اندر نمایاں ہوں گے۔

اور اگر تو اس شیطان کی اطاعت کرے گا جس کا کام کتے اور سور کو ورغلا کر دلیر کرنا اور مکر سکھانا ہے تو دھوکہ دینا' خیانت کرنا' جعل سازی جیسے اوصافِ خبیثہ تیرے اندر پیدا ہوں گے اور اگر تو نے اس کو زیر کر لیا اور اس کے مکر و فریب میں نہ آیا اور عقل کے لشکر کی مدد کرتا رہا تو دانائی' معرفت' علم' حکمت' صلاحیت' حسن اخلاق اور بزرگی جیسی صفات پیدا ہوں گی اور یہ اوصاف جو تیرے ساتھ رہیں گے تو تیری نیک یادگار ہوں گی اور تیری نیک بختی کا بیج ثابت ہوں گے اور

جن کاموں سے بُرے اخلاق پیدا ہوتے ہیں انھیں گناہ کہتے ہیں اور جن کاموں سے اچھے اخلاق پیدا ہوتے ہیں انھیں عبادت کہتے ہیں۔ آدمی کے حرکات و سکنات کا معاملہ دو طرح کا ہے جن کا ابھی ابھی ذکر ہوا ہے۔ گویا دِل ایک روشن آئینہ ہے اور بُرے اخلاق دھواں اور تاریکی ہیں۔ ان کے اثرات سے آئینۂ دِل تاریک و سیاہ ہو جاتا ہے اور اگر ایسا ہو گیا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دیدار سے ایسا انسان محروم رہے گا اور نیک اخلاق روشنی اور نور کی مانند ہیں جو آئینۂ قلب کو اُجلا کر دیتے ہیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((اَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا.))

ہر بُرائی کے بعد نیکی کرے تاکہ بُرائی کا اثر ختم ہو جائے۔

اور اس کا اثر مٹا دے اور قیامت میں آدمی کا دِل یا تو روشن ہو گا اور یا تاریک اور نجات اسے نصیب ہو گی جو روشن ہو گا۔

فَلَا يَنْجُوْ اِلَّا مَنْ اَتَى اتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ

نجات صرف اسے نصیب ہو گی جو گناہوں سے پاک دِل لے کر آیا۔

ابتدائے تخلیق کے اعتبار سے آدمی کا دِل لوہے جیسا ہے جس سے روشن آئینہ بنتا ہے کہ تمام عالم اس کے ذریعہ دکھائی دیتا ہے۔ بشرطیکہ اسے حفاظت سے رکھے اور اگر حفاظت نہیں کرے گا تو اسے زنگ لگ جائے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ ﴾ (المطففین)

فصل : اے عزیز! شاید تم یہ کہو کہ آدمی میں چونکہ درندوں، چارپایوں اور شیطانوں کی صفات ہیں تو ہم کیسے سمجھیں کہ ملکیت یا فرشتہ پن اس کی اصل ہیں اور باقی چیزیں عارضی ہیں اور یہ کس طرح معلوم ہو کہ آدمی فرشتوں کے اخلاق حاصل کرنے کے لیے پیدا ہوا ہے اور باقی صفات سے اس کا کوئی تعلق نہیں تو تجھے یہ سمجھنا چاہیے کہ آدمی چارپایوں اور درندوں سے اشرف اور افضل ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو جو کمال دیا ہے وہی اس کے لیے نہایت و انتہا ہے اور اسی واسطے اسے پیدا کیا ہے مثلاً گھوڑا گدھے کے مقابلہ میں زیادہ عزت والا ہے کیونکہ گدھا محض بوجھ اُٹھانے کے لیے پیدا ہوا ہے اور گھوڑا لڑائی اور جہاد میں دوڑانے کے واسطے تاکہ شہسوار اسے اپنی مرضی سے دوڑا سکے۔ حالانکہ وہ گدھے کی طرح بوجھ بھی اٹھا سکتا ہے اور اسے کمال گدھے کے مقابلہ میں زیادہ ملا ہے۔ اگر وہ اپنے کمال سے محروم ہو جائے تو وہ بھی گدھے کا مرتبہ حاصل کر لے گا اور محض بوجھ اٹھانے کے قابل رہ جائے گا۔

اسی طرح بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم محض کھانے پینے اور تعلقاتِ زن و شوئی کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اور ساری عمر اسی میں گنوا دیتے ہیں اور بعض کا خیال یہ ہے کہ ہمیں دوسروں کو زیر کرنے اور ان پر غلبہ جمانے کے لیے پیدا کیا گیا ہے جیسے عرب، ترک اور کردیہ اقوام! یہ دونوں خیال غلط ہیں اس واسطے کہ کھانا پینا اور تعلقاتِ زن و شوئی کا دارو مدار خواہش پر ہے اور یہ خواہش جانوروں میں بھی ہے بلکہ اونٹ کھانے کے اعتبار سے اور گرگریا جماع کے اعتبار سے

انسان سے کہیں بڑھے ہوئے ہیں تو پھر آدمی ان سے افضل کیسے ہوا؟ اور دوسرے کو مغلوب کرنا غُصّہ کے سبب ہوتا ہے اور غُصّہ درندوں میں بھی ہے جیسا چرندوں اور درندوں کو غُصّہ سے حصّہ ملا ایسے ہی انسان کو بھی ملا تو پھر فرق کیا ہوا؟ اصل بات یہ ہے کہ آدمی کو اس کے سوا بھی کمال نصیب ہوا ہے اور وہ عقل ہے کہ اس کے سبب اپنے مالک کو پہچانتا اور اس کی عجیب و غریب صنعتوں کو جانتا ہے اور اسی عقل کی وجہ سے آدمی اپنے غُصّہ اور خواہش سے نجات حاصل کرتا ہے اور یہی فرشتوں کی صفت ہے اور اسی کے سبب آدمی چرندوں اور پرندوں بلکہ سب مخلوقات پر غالب اور ان سے افضل ہے اور جو کچھ اس زمین میں ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے آدمی کے تابع بنایا۔ ﴿ وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا ﴾ آدمی کی حقیقت وہی ہے جس پر اس کے کمال کا دار و مدار ہے اور باقی صفات تو محض عارضی ہیں اور آدمی کے کمال کے واسطے پیدا کی گئی ہیں اور پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ جب آدمی مرجاتا ہے تو نہ خواہش باقی رہتی ہے نہ غُصّہ! بلکہ محض ایک جوہر رہ جاتا ہے جو فرشتوں کی طرح اللہ تعالیٰ کی معرفت سے آراستہ ہوتا ہے اور وہی انسان کا رفیق ہوتا ہے' یہی جوہر فرشتوں کا بھی رفیق ہے کہ وہ ہمیشہ بارگاہِ ربوبیت میں رہتے ہیں :

﴿ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝ ﴾ (القمر)

یا آدمی کے ساتھ ایک اندھی تاریک شے ہوتی ہے جو تاریک اس سبب سے ہے کہ گناہ کی وجہ سے اس میں زنگ لگ جاتا ہے اور اندھی اس وجہ سے ہے کہ غُصّہ وغیرہ کے ذریعہ اسے آرام ملتا تھا غُصّہ تو یہاں رہ گیا اب اس کا دِل اسی طرف رہے گا کیونکہ اس کی خواہش اور مقصد تو یہاں ہے اور یہ جہان اُس جہان سے نیچے ہے چونکہ اب وہ جنان ہے اس لیے اس کا سرنیچا ہوگا۔

﴿ وَلَوْ تَرٰى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ (السجدہ)

کا یہی معنی ہے اور جو ایسا ہوگا وہ شیطان کے ساتھ ﴿ سِجِّيْن ﴾ میں جائے گا۔ ﴿ سِجِّيْن ﴾ کے معنی ہر کسی کو معلوم نہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ وَمَا اَدْرٰكَ مَا سِجِّيْنٌ ۝ ﴾ (الانفطار)

فصل : دِل کی دُنیا کے جو عجائبات ہیں ان کی انتہا نہیں اور تمام جسم میں دِل کو جو بزرگی اور شرافت حاصل ہے وہ اسی سبب سے ہے کہ وہ سب سے نرالا ہے لیکن اکثر لوگ اس سے غافل ہیں۔

دِل کی بزرگی اور شرافت دو وجہ سے ہے ایک تو عِلم کے سبب دوسرے قدرت کے سبب! عِلم کی وجہ سے جو بزرگی ہے وہ دو قسموں پر مشتمل ہے ایک تو ساری مخلوق جان سکتی ہے دوسری نہایت پوشیدہ اور عمدہ ہے اور اسے کوئی نہیں پہچان سکتا۔ وہ صورت جسے سب جان سکتے ہیں یہ ہے کہ تمام علوم اور صنائع کی معرفت کی قوت اسے حاصل ہے اور اسی قوت کے سبب وہ دِل کی تمام صنائع کو پہچان اور جان لیتا ہے اور جو کچھ کتابوں میں مدون ہے اسے پڑھ لیتا ہے۔ جیسے ہندسہ' حساب' طب' نجوم اور عِلمِ شریعت اور اس کے باوجود کہ دِل کے ٹکڑے نہیں ہو سکتے مگر اس میں علوم سب سما جاتے ہیں بلکہ اس کے اعتبار سے سارا جہان ایسا ہے جیسے صحرا میں ذرہ! اور لحہ بھر میں زمین سے آسمان تک اور مشرق

سے مغرب تک دِل اپنی فکر اور حرکت سے جاتا ہے اور باوجودیکہ یہ زمین پر ہے لیکن تمام آسمان کو ناپتا اور سب ستاروں کو جانتا ہے کہ کتنے کتنے فاصلہ پر ہیں اور مچھلی کو حیلہ کے ذریعہ دریا سے باہر نکالتا ہے اور پرندہ کو ہوا سے زمین پر لا پھینکتا ہے اور اونٹ گھوڑا اور ہاتھی جیسے زور آور جانوروں کو اپنا مطیع کر لیتا ہے اور اس جہان میں جو جو علوم ہیں وہ اس کا پیشہ ہیں اور یہ سب انھی پانچ حواس سے حاصل ہوتے ہیں اور اسی سے ظاہر ہوتا ہے کہ سب حواس کو دِل کی طرف راہ ہے اور بڑے تعجب کی بات ہے کہ جیسے عالمِ محسوسات یعنی عالمِ جسمانی کے پانچوں حواس دِل کے دروازے ہیں اسی طرح عالمِ ملکوت یعنی عالمِ روحانی کی طرف سے بھی دِل میں ایک دروازہ کھلا ہے اکثر لوگ عالمِ جسمانی ہی کو محسوس جانتے ہیں اور حواسِ ظاہری کو علم کا راستہ اور ذریعہ سمجھتے ہیں حالانکہ یہ دونوں ذرا ذرا سے ہیں یہی اِن کی حقیقت ہے اور جہاں تک دِل کا تعلق ہے تو اس کے بہت دروازے ہیں جو علوم کی خاطر کھلے ہیں۔ اس پر دو دلیلیں ہیں۔ پہلی خواب کہ جب آدمی سوتا ہے تو ظاہری حواس بند ہو جاتے ہیں اور دِل کا دروازہ کھل جاتا ہے اور عالمِ ارواح اور لوحِ محفوظ میں غیب کی چیزیں نظر آنے لگتی ہیں جو کچھ آئندہ ہونے والا ہے یا تو دکھائی دینے لگتا ہے یا صاف معلوم ہو جاتا ہے اور یا مثال میں نظر آتا تو تعبیر کی حاجت محسوس ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ جو جاگتا رہتا ہے لوگ اس کو معرفت کا زیادہ مستحق سمجھتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ جاگنے کی حالت میں حواس سے غیب کی چیزیں نظر نہیں آتیں۔

اور خواب کی حقیقت اور اس کی تفصیلات اس کتاب میں بیان کرنا ممکن نہیں لیکن اجمالی طور پر اتنا سمجھ لیں کہ دِل آئینہ کی مانند ہے اور لوح محفوظ اس آئینہ کی مانند ہے جس میں سب موجودات کی تصویریں ہیں۔ صاف آئینہ کو جب تصویر والے آئینہ کے سامنے کرتے ہیں تو اس میں سب تصویریں دکھائی دینے لگتی ہیں' اسی طرح دِل جب آئینہ کی طرح صاف ہو اور محسوسات سے قطع تعلق کر لے تو اسے لوح محفوظ سے مناسبت ہو جاتی ہے اور پھر وہاں موجودات کی سب تصاویر دِل میں نظر آنے لگتی ہیں اور دِل جب تک محسوسات میں مشغول رہتا ہے عالمِ روحانی کی سیر کرتا ہے۔ لیکن خواب میں حواس تو علیحدہ ہو جاتے ہیں البتہ خیال باقی رہتا ہے اسی وجہ سے عالمِ مثال میں خیال نظر آتا ہے۔ صاف حال نہیں کھلتا اور جب آدمی مرجاتا ہے تو نہ خیال باقی رہتا ہے نہ حواس۔ اس وقت کوئی آڑ نہیں ہوتی۔ سارا معاملہ صاف ہو جاتا ہے اس وقت اس سے کہا جاتا ہے :

﴿ فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ﴾ (ق)

اور وہ جواب میں کہتا ہے :

﴿ رَبَّنَا اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ۝ ﴾ (السجدہ)

اور عالمِ ملکوت کی طرف دِل کا دروازہ ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں جس کے دِل میں فراست اور نیک خطرات الہام کے طور پر نہ آتے ہوں اور وہ حواس کی راہ سے نہیں بلکہ دِل میں ہی پیدا ہوتے ہیں اور وہ جانتا ہی نہیں کہ یہ خطرات کہاں سے آ رہے ہیں انتخابات سے یہ معلوم ہو گیا کہ تمام علوم محسوسات کے سبب نہیں اور دِل کا تعلق اس جہان سے نہیں بلکہ عالمِ روحانی سے ہے اور حواس کو اس عالم کے واسطے پیدا کیا گیا ہے خواہ مخواہ اس جہان کو دیکھنے میں آڑ ہوں گے اور جب تک اس جہان سے فارغ نہیں ہو گا اُس جہان کی طرف راہ نہیں پا سکے گا۔

فصل: تم یہ نہ گمان کرنا کہ عالمِ رُوحانی کی طرف دِل کا دروازہ تب ہی کھلتا ہے جب آدمی سوئے یا مَر جائے بلکہ اگر کوئی شخص محنت و مشقت سے کام لے اور خواہشات و غُصّہ پر قابو پالے اور بُرے اخلاق سے اپنے آپ کو پاک کرلے اور خالی جگہ میں بیٹھ کر آنکھ بند کرکے اور حواس کو بیکار کرکے دِل کی عالمِ رُوحانی کے ساتھ اتنی مناسبت پیدا کردے کہ ہمیشہ دِل سے اللہ اللہ کہے زُبان سے نہیں حتیٰ کہ اپنے آپ اور تمام جہان سے بے خبر ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی خبر نہ رکھے جب ایسا ہو جائے تو اگرچہ جاگتا ہو پھر بھی دِل کا دروازہ کھلا رہے گا اور لوگ جو کچھ خواب میں دیکھیں گے وہ یہ جاگتے میں دیکھے گا۔ فرشتوں کی ارواح اچھی صورتوں میں اِس پر ظاہر ہوں گی۔ انبیاء علیہم السلام کو دیکھنے لگے گا اور ان سے بہت فائدہ اور مدد پائے گا۔ زمین و آسمان کے ملکوت اسے نظر آنے لگیں گے اور جس کسی پر یہ راہ کھل گئی وہ عجیب عجیب تماشے اور بڑے بڑے کام جن کی تعریف امکان سے باہر ہے دیکھے گا۔ جناب رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد اسی سے متعلق ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ موت اور نیند کے بغیر بھی بہت کچھ نظر آتا ہے:

((زُوِيَتْ لِيَ الْأَرْضُ فَأُرِيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا))

اور اللہ تعالیٰ کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقائع میں یہ فرمانا بھی اسی قبیل سے ہے۔

﴿وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرَاهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ﴾ (الانعام)

بلکہ انبیاء علیہم السلام کے علوم اِسی طرح کے تھے ان کا تعلق حواس اور سیکھنے سے نہ تھا بلکہ سب کا آغاز ریاضت و مجاہدہ سے تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا﴾ (المزمل)

جب ایسا ہو تو اللہ تعالیٰ سب کام درست فرما دیتے ہیں کہ وہی کارسازِ حقیقی ہیں۔

﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا﴾ (المزمل)

اور جب اِس کارسازِ حقیقی کو اپنا وکیل بنالیا تو سب سے تعلق توڑ کر صرف اسی سے جوڑ لے۔

﴿وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا﴾ (المزمل)

یہ سب ریاضت اور مشقت کی تعلیم ہے تاکہ مخلوق کی دشمنی اور دنیا کی خواہشات و محسوسات کے مشغولیت سے دل صاف ہو اور پڑھ کر یہ کیفیت حاصل کرنا اہل عِلم کا کام ہے۔ یہ بھی بڑا درجہ اور کمال ہے لیکن نبوت کی راہ اور انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ کے عِلم کی نسبت جو آدمیوں کو سکھائے بغیر بارگاہِ ربوبیت سے حاصل ہوتا ہے کم درجہ ہے۔ بہت سے لوگوں کو اِس طریق کا صحیح اور درست ہونا تجربہ اور عقلی دلائل سے معلوم ہوا ہے۔

اے پیارے! اگرچہ تجھے یہ ذوق حاصل نہ ہو اور سیکھنے سے بھی معلوم نہ ہو اور عقلی دلائل سے بھی معلوم نہ ہو سکے لیکن اتنا تو کر کہ اُس پر ایمان لا اور تصدیق کر۔ تاکہ تینوں درجوں سے محروم نہ رہے اور کافر نہ ہو۔ یہ معاملات دِل کی دُنیا کے عجائبات سے تعلق رکھتے ہیں اور انھی سے آدمی کے دِل کی بزرگی و شرافت معلوم ہوتی ہے۔

فصل: تم یہ مت گمان کرو کہ جن اُمور کا ذکر ہوا وہ صرف انبیاء علیہم السلام کے لیے ہیں بلکہ ہر آدمی اپنی اصل کے اعتبار سے اِس قابل ہے جیسے کوئی لوہا اپنی اصل کے اعتبار سے ایسا نہیں کہ اِس سے آئینہ نہ بن سکے۔ جس میں

جہان کی اشیاء کی تصاویر نظر آئیں اور یہ کہ اِس میں زنگ لگ جائے اور اِس کی اصل میں پیوست ہو کر اسے خراب نہ کر دے۔ یہی حال دِل کا ہے کہ اگر دُنیا کی حرص اور خواہشات نیز گناہ کا جذبہ اِس پر غالب آ جائے اور اُس میں گھر کر لے تو دِل زنگ آلود ہو کر میلا ہو جائے گا اور یہ قابلیت اس میں نہیں رہتی جیسا کہ حدیث شریف میں ہے :

((كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُّوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ))

رہ گئی یہ بات کہ ہر آدمی میں اس کی لیاقت و اہلیت ہے تو اس کی خبر خود اللہ تعالیٰ نے دی چنانچہ ارشاد ہے :

﴿ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ — قَالُوْا بَلٰى ﴾ (الاعراف)

اگر کسی عقلمند سے پوچھیں کہ کیا دو ایک سے زیادہ نہیں تو جواب یقیناً اثبات میں ہو گا کسی عقلمند نے ایسا کان سے سنا ہو یا نہ اور ایسے ہی آنکھ سے دیکھا ہو یا نہ لیکن اس جواب کی صداقت میں کسی کو شبہ نہیں۔ تمام انسانوں کی خلقت کی طرح اللہ تعالیٰ کی معرفت بھی سب آدمیوں کی فطرت کا تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ﴾

مزید ارشاد فرمایا :

﴿ فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ﴾ (الروم)

عقلی دلیل اور تجربہ بھی اس بات پر شاہد ہے کہ یہ اُمور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ خاص نہیں کیونکہ وہ بھی جنس بشر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ﴾ (الکھف)

جس شخص پر یہ راہ کھلی ہے اگر تمام مخلوق کی اصلاح کا طریق اللہ تعالیٰ اسے بتلائے اور وہ سب مخلوق کو ہدایت کی طرف بلائے تو جو کچھ اللہ تعالیٰ نے اس شخص معین (نبی) کو بتلایا اُسے شریعت کہتے ہیں اور خود اس شخص کو پیغمبر! اور اس کے مخصوص حالات کو معجزات کے نام سے یاد کرتے ہیں اور اگر وہ شخص باقی مخلوق کو بلا کر اس کی ہدایت میں مشغول نہ ہو تو اسے ولی کہتے ہیں اور اس کے مخصوص حالات کو کرامات کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

یاد رکھنا چاہیے کہ جس شخص کے یہ حالات ہوں ضروری نہیں کہ وہ مخلوق کی ہدایت میں مشغول ہو بلکہ یہ قدرتِ الٰہی پر منحصر ہے۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ اسے اس وقت ہدایت کے کام میں اس لیے مشغول نہ کرے کہ ہنوز شریعت تازہ ہو اور فی الوقت اس کی ضرورت نہ ہو۔ یا بعض ایسی شرائط ہوں جو اس میں نہ پائی جاتی ہوں۔ تجھے چاہیے کہ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کی ولایت ان کی کرامات کے معاملہ میں اپنا اعتقاد درست رکھے اور یہ محسوس کر کہ یہ معاملہ محنت سے تعلق رکھتا ہے اور اس میں محنت کی شدید ضرورت ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ کھیتی میں محنت کرنے والے کو غلہ ضروری حاصل ہو اور سفر طے کرنے والا ضرور ہی منزل پر پہنچے اور ڈھونڈنے والا ضرور ہی مطلوبہ چیز پا لے جو کام اہمیت کا حامل ہوتا ہے اس کی شرطیں بہت ہوتی ہیں اور اس کا حصول کارے دارد! اور مقامِ معرفت میں آدمی کے جو درجات ہیں تو یہ کام ان میں سے سب سے بڑے درجے والا ہے نہ تو یہ بغیر کوشش نصیب ہوتا ہے اور نہ ہی مرشد کامل کے بغیر! اور اگر یہ دونوں نصیب ہو جائیں تو پھر بھی امداد و توفیق الٰہی کے بغیر کامیابی مشکل ہے اس کے ساتھ ہی تقدیر ازلی میں اس کے مقدر میں اس

سعادت کا لکھا ہونا بھی ضروری ہے ورنہ ساحل مراد کو پہنچنا مشکل ہے اور علم ظاہری میں درجہ امامت کا حصول اور باقی اس جیسے سبھی کام ایسے ہی ہیں۔

فصل : یہ تو معلوم ہو گیا کہ آدمی کی اصل دِل ہے اور اسے معرفت کی وجہ سے جو بزرگی حاصل ہے اس بیان سے وہ بزرگی پرچھائیں سی معلوم ہوتی ہے۔ اب معلوم ہونا چاہیے کہ بوجہ قدرت بھی اسے عظمت حاصل ہے۔ یہ فرشتوں کی خاصیت ہے اور حیوانوں کو یہ بزرگی حاصل نہیں۔ جہاں تک دِل کی قدرت کا تعلق ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ جس طرح عالمِ اجسام فرشتوں کا مسخر ہے کہ فرشتے جب مناسب سمجھتے ہیں اور مخلوق کو ضرورت مند دیکھتے ہیں تو اللہ کے حکم سے مینہ برساتے ہیں' موسم بہار میں ہوائیں چلاتے ہیں اور بچہ دانی میں حیوان کی طرح روئیدگی کا نظام قائم کرتے ہیں گویا ہر ہر کام پر فرشتوں کی ایک جماعت متعین ہے جو اس نظام کو چلاتی ہے اسی طرح آدمی کا دِل بھی فرشتوں کی جنس سے ہے اور اس کو بھی اللہ نے یہ قدرت دی ہے کہ بعض اجسام اس کے تابع ہیں۔ ہر ایک کا بدن خاص جہان ہے اور یہ دِل کا تابع ہے اس واسطے کہ یہ بدیہی حقیقت ہے کہ نہ تو دِل اُنگلی میں ہے اور نہ علم و ارادہ اُنگلی میں ہے مگر جب دِل حکم دیتا ہے تو اُنگلی حرکت کرنے لگتی ہے اور جب دِلِ غُصّہ میں ہوتا ہے تو تمام جسم پسینہ پسینہ ہو جاتا ہے اور جب دِل میں جنسیت کا تقاضا پیدا ہوتا ہے تو اس کا اثر متعلقہ اعضاء پر پڑتا ہے اور جب دِل میں کھانے کا خیال پیدا ہوتا ہے تو زبان کے نیچے کی قوّت خدمت کے لیے اُٹھ کھڑی ہوتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ دِل پورے بدن میں متصرف ہے اور بدن دِل کے تابع ہے لیکن یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ بعض دِل جو زیادہ باعظمت ہیں اور فرشتوں کے زیادہ قریب ہیں بدن کے علاوہ اور اجسام بھی ان کے تابع ہو سکتے ہیں بلکہ ہوتے ہیں۔ مثلاً اس دِل کی ہیبت اگر شیر پر پڑے تو وہ عاجز اور مطیع ہو جائے۔ اگر بیمار کے معاملہ میں وہ دِل ہمّت دکھائے تو بیمار اچھا ہو جائے۔ اور اگر تندرست کی طرف ہمّت کرے تو وہ بیمار پڑ سکتا ہے اگر چاہے کہ فلاں شخص ہمارے پاس آئے تو اس کا دِل بھی ایسا ہی چاہے گا اگر اس پر ہمّت باندھے کہ بارش برسنے لگے تو ایسا بھی ممکن ہے۔ یہ سب عقلی طور پر ممکن اور تجربہ سے ثابت ہے۔ نظر لگنا اور جادو بھی اسی قبیل سے ہیں۔ تمام چیزوں میں آدمی کے نفس کو دخل ہے۔ مثلاً حاسد نفس اگر کسی چارپایہ کو دیکھ کر ازراہِ حسد اس کے ہلاک ہونے کا خیال کرے تو ایسا ممکن ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے :

((اَلْعَيْنُ تُدْخِلُ الرَّجُلَ الْقَبْرَ وَالْجَمَلَ الْقِدْرَ))

"نظرِ بد آدمی کو قبر میں اور اونٹ کو ہنڈیا میں ڈال دیتی ہے"۔

دِل کو جو قدرتیں حاصل ہیں ان میں سے یہ ایک عجیب قدرت ہے۔ ایسی خاصیت اگر کسی نبی سے ظاہر ہو تو وہ معجزہ ہے' ولی سے ظاہر ہو تو وہ کرامت ہے۔ اس قسم کی خاصیت والا آدمی نیک کاموں میں مشغول رہتا ہے تو اسے ولی کہتے ہیں اور اگر بُرے کاموں میں رہتا ہے تو وہ جادوگر ہے اور سحر ہو یا کرامات و معجزات سب کا تعلق آدمی کے دِل کی قدرت سے ہے اور ان میں جو فرق ہے اس کی یہاں گنجائش نہیں۔

فصل : اب تک جو کچھ بیان کیا گیا اسے جو نہ جانے گا وہ حقیقت نبوت کو نہیں پہچان سکتا ہاں گفت و شنید کے ذریعہ کچھ نہ کچھ جان لے گا۔ اس واسطے کہ نبوت اور ولایت آدمیؑ کے دِل کے بڑے درجات میں سے، ایک درجہ

ہے اور اس درجہ سے تین خاصیتیں حاصل ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ جن حالات سے عوام کو خواب میں واسطہ پڑتا ہے وہ حالات اس درجہ والے کو جاگنے میں معلوم ہو جاتے ہیں۔ دوسری یہ کہ عوام کے نفوس فقط ان کے بدن میں اثر کرتے ہیں مگر اس درجہ والے آدمی کا نفس بدن سے باہر کی چیزوں میں بھی اثر کرتا ہے لیکن اس انداز سے کہ اس میں بناؤ بگاڑ نہ ہو تیسری یہ کہ جو چیزیں عوام کو سیکھنا پڑتی ہیں اس درجہ والے کو بغیر سیکھے دِل کے ذریعہ معلوم ہو جاتی ہیں اور چونکہ یہ بات ممکن ہے کہ جو شخص تیز عقل اور صاف دِل والا ہوتا ہے بغیر سیکھے بعض علوم اس کے دِل میں آ جاتے ہیں تو یہ بھی ممکن ہے کہ جو شخص بہت ہی تیز عقل اور بہت ہی صاف دِل والا ہو وہ بہت سے عِلم یا سارا ہی خود بخود جان لے اور ایسے عِلم کو عِلمِ لدنی کہتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴾ (الکہف)

اور جس شخص کو یہ تینوں خاصیتیں حاصل ہوں وہ انبیاء علیہم السلام یا اولیائے کبار رحمۃ اللہ علیہم میں سے ہوتا ہے اور جسے ان میں سے ایک خاصیت حاصل ہے اس کو بھی یہ درجہ حاصل ہے اور ہر ایک میں بھی بہرحال فرق ہے اس لیے کہ کسی کو تھوڑا کمال حاصل ہوتا ہے تو کسی کو بہت اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ باکمال تھے کہ آپ کو تینوں خاصیتوں بکمال و تمام حاصل تھیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ مخلوق کو آپ کی نبوت کا حال بتلایا جائے تاکہ لوگ آپ کی پیروی کریں اور سعادت کی راہ سیکھیں تو ان تینوں خاصیتوں میں سے ہر ایک شائبہ ان کو عنایت کیا ایک سے تو خواب دکھایا دوسری سے مخلوق کی سمجھ درست کی اور تیسری سے علوم میں ان کے دلوں کو راست کر دیا اور یہ ممکن نہیں کہ آدمی ایسی چیز پر ایمان لائے جس کی جنس اس کے دِل میں موجود نہ ہو اس لیے کہ جس چیز کا شائبہ آدمی میں نہ ہو گا اس چیز کی صورت اس کی سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ حقیقت الٰہیہ کو کماحقہ کوئی نہیں پہچان سکتا۔ ہاں اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور اس کی تحقیق ہم نے معانی اسماء اللہ[1] میں تفصیل سے پیش کی ہے۔ غرض تو یہ ہے کہ ہم اس اَمر کو جائز سمجھتے ہیں کہ اولیاء رحمۃ اللہ علیہم و انبیاء علیہم السلام کے واسطے ان تینوں خاصیتوں کے سوا اور خاصیتیں بھی ہوں۔ جن کا ہم میں شائبہ نہیں اس وجہ سے ہم انھیں نہ جانتے ہوں اور جیسا ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ کو اُس کے سوا پوری طرح کوئی نہیں جانتا اسی طرح ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول کو بھی کماحقہ، کوئی نہیں جان سکتا وہ یا تو اپنے آپ کو خود جانتا ہے یا جو اس سے مرتبہ میں زیادہ[2] ہو۔ تو معلوم ہوا کہ آدمیوں میں نبی کی قدر و منزلت نبی ہی جانتا ہے اور ہمیں اس سے زیادہ معلوم نہیں، اس واسطے کہ لوگ اگر ہم سے ذکر کرتے تو ایک شخص گر پڑتا ہے اور بے حس و حرکت پڑا رہتا ہے نہ دیکھتا ہے نہ سنتا ہے اور نہ یہ جانتا ہے کہ کل کیا ہو گا اور جب دیکھنے سننے والا ہوتا ہے تو اپنا حال بھی نہیں جان سکتا۔ اگر ہم نیند سے محفوظ ہوتے تو ہم لوگوں کا یہ کہنا کبھی نہ مانتے اس واسطے کہ آدمی کی فطرت ہے کہ جو اُس نے نہ دیکھا ہو اس کا اعتبار نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

1. امام غزالی قدس سرہٗ کی کتاب جس میں آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اسماءِ حسنیٰ کی شرح لکھی ہے۔

2. چونکہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق میں سب سے افضل ہیں اس لیے مخلوق میں تو کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کماحقہ نہیں جانتا۔

﴿ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ﴾ (الکہف)

مزید ارشاد فرمایا:

﴿ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَآ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ﴾ (ھود)

تمھیں اس بات کا تعجب نہ کرنا چاہیے کہ انبیاء علیہم السلام و اولیاء رحمۃ اللہ علیہم میں ایسی کوئی صفت ہو اور کسی کو اس کی کچھ خبر نہ ہو اور انھیں اس صفت کے سبب عمدہ لذتیں حاصل ہوں۔ اس واسطے کہ یہ مشاہدہ ہے کہ جس کو شعر کا ذوق نہ ہو وہ راگ سے بھی لطف اندوز نہیں ہو سکتا اگر کوئی اس بے ذوق کو شعر کا معنی سمجھانا چاہے تو ایسا ممکن نہ ہو گا۔ کیونکہ اسے شعر کی خبر ہی نہیں اسی طرح ایک اندھا رنگ اور دیدار کی لذت کا معنی نہیں سمجھ سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے تعجب نہ کرنا چاہیے کہ درجۂ نبوت کے بعض ادراک پیدا کرے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔

فصل: سابقہ بیانات سے تمھیں بندگی کی اصلیت معلوم ہو گئی ہو گی اور یہ بھی معلوم ہو گیا ہو گا کہ صوفیوں کی راہ کیا ہے؟ تم نے یہ سنا ہو گا کہ صوفیاء کرام کہتے ہیں کہ علم اس راہ کی آڑ ہے اور تم نے اس کا انکار کیا ہو گا حالانکہ تمھیں انکار نہیں کرنا چاہیے کیونکہ صوفیا کا یہ کہنا بالکل صحیح اور حق ہے اس لیے کہ اگر تو محسوسات اور ان کے علم کے ساتھ مشغول رہے گا تو یہ شغل اس حال سے پردہ اور حجاب ہو گا اور جہاں تک دل کا تعلق ہے وہ حوض کی مانند ہے اور حواس گویا پانچ نہریں ہیں جن کے ذریعے حوض میں پانی جاتا ہے اگر تو یہ چاہے کہ حوض کی تہہ سے صاف پانی نکلے تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ جو پانی باہر سے حوض میں آتا ہے اور جس کے سبب کیچڑ ہو جاتا ہے اسے حوض سے نکال دے اور نہروں کا راستہ بند کر دے تاکہ باہر سے پانی نہ جانے پائے اور حوض کو کھود تاکہ اس کی تہہ سے صاف پانی نکلے۔ یاد رکھ جب تک بیرونی پانی حوض میں بھرا رہے گا ممکن نہیں کی اس کی تہہ سے پانی نکل سکے۔

اسی طرح جب تک باہر والے علم سے دل خالی نہیں ہو گا اندرونی طور پر جو علم پیدا ہوتا ہے پیدا نہیں ہو سکے گا۔ ہاں عالم اگر اپنے کو سیکھے ہوئے علم سے خالی کرے اور اس کے ساتھ مشغول نہ رہے تب وہ علم حجاب نہیں ہو گا اور ممکن ہے کہ اس عالم کو کشف حاصل ہو۔ اسی طرح اگر کوئی شخص محسوسات کے خیال سے اپنا دل خالی کر لے تب وہ خیالات بھی حجاب نہ ہوں گے۔ حجاب کا سبب یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص نے اہل سنت کے عقائد و معتقدات سیکھے اور گفتگو اور مباحثہ کے لیے دلائل بھی سیکھے اور اپنے آپ کو اس کے لیے وقف کر دیا اور یہ فرض کر لیا کہ اس علم کے سوا کوئی دوسرا علم ہے ہی نہیں تو اب اس کے دل میں جو آئے گا تو وہ یہی کہے گا کہ جو کچھ میں نے سیکھا ہے یہ اس کے خلاف ہے اور چونکہ اس کے خلاف ہے لہٰذا باطل ہے تو ایسے آدمی کو کاموں کی حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی کیونکہ جو معتقدات لوگوں کو سکھائے جاتے ہیں وہ حقیقت نہیں بلکہ ڈھانچہ ہیں' حقیقت اور پوری معرفت وہ ہے کہ حقائق ڈھانچے سے ایسے کھل جائیں جیسے ہڈی سے گودا!

اے پیارے تجھے جاننا چاہیے کہ جو عالم عقائد کی تائید کے لیے جھگڑنے کا طریقہ سیکھتا ہے اس پر کوئی حقیقت نہیں کھلتی جب اُس نے یہ سمجھ لیا کہ تمام علوم تو میں جانتا ہوں تو یہ خیال اور سمجھ اس کے لیے حجاب بن جاتی ہے اور چونکہ سمجھ اس پر غالب ہوتی ہے اس لیے ایسے لوگ اس درجہ سے محروم رہتے ہیں اور جو عالم اس سمجھ کو دُور کرے اس کا علم

اس کے لیے آڑ اور حجاب نہیں ہو گا بلکہ یہ کشف اسے نصیب ہو جائے گا اور اس کا درجہ کامل ہو گا اور اس کی راہ اس شخص کی راہ سے بہت سیدھی ہو گی جس کا قدم علم میں پہلے سے مضبوط نہ ہو اور مدت تک باطل خیال میں پھنسا رہا ہو اور تھوڑا سا شبہ بھی اس کے لیے آڑ بن جائے بخلاف عالم کے کہ وہ ایسے خطرات سے بے خوف ہوتا ہے۔

اے پیارے! اگر تو کسی صاحب کشف سے سنے کہ علم آڑ اور حجاب ہے تو اسے اس کا معنی سمجھنا چاہیے نہ کہ اس کا انکار کرنا چاہیے۔ لیکن غیر مباح کو مباح ٹھہرانے والے نفس پرست لوگ جو اس زمانہ میں آموجود ہوئے ہیں ان کا یہ حال بالکل نہیں انھوں نے صوفیوں کی بتائی ہوئی بعض واہیات باتیں سیکھی ہیں۔ ان لوگوں کا شغل یہ ہے کہ سارا دن اپنے آپ کو دھوتے ہیں' لنگ' گودڑی اور جانماز سے اپنے آپ کو آراستہ کر کے علم اور علماء کی مذمت کرتے ہیں۔ یہ لوگ قابل قتل ہیں[1] کیونکہ یہ لوگ انسانوں کے شیطان اور اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے دشمن ہیں۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے علم اور علماء کی تعریف کی ہے اور سارے جہان کو دعوت علم دی ہے۔ یہ بدبخت جو نہ صاحب حال ہوتے ہیں اور نہ انھوں نے علم سیکھا ہوتا ہے تو انھیں علم اور علماء کی برائی کرنا کیسے جائز ہے اور اس بدبخت کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے سنا ہو کہ کیمیا سونے سے بہتر ہے اس لیے کہ کیمیا سے بے انتہا سونا ہاتھ آتا ہے اور جب سونے کا خزانہ اس کے سامنے رکھیں تو ہاتھ نہ بڑھائے اور کہے کہ سونا کس کام کا اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ مجھے تو کیمیا چاہیے جو سونے کی اصل ہے اور سونا نہ لے اور کیمیا اس نے دیکھی ہو اور نہ ہی وہ اسے جانتا ہو ایسا شخص بدبخت ہونے کے ساتھ ساتھ بھوکا اور مفلس بھی رہتا ہے اور محض اس بات سے خوش رہتا ہے کہ کیمیا سونے سے بہتر ہے اور بڑھ بڑھ کے باتیں بناتا ہے تو یاد رکھو کہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کا کشف تو کیمیا کی مانند ہے اور علماء کا علم سونے کی مانند ہے اور کیمیا کے مالک کو سونے کے مالک پر فوقیت حاصل ہے۔

لیکن یہاں پر ایک اور نکتہ بھی ہے کہ اگر کسی کے پاس اتنا ہی کیمیا ہو جس سے سونے کے سو دینار سے زیادہ حاصل نہ ہو سکتے ہوں تو ایسے شخص کو اس شخص پر کوئی فضیلت حاصل نہیں جس کے پاس سونے کے ہزار دینار موجود ہیں اور جیسا کہ کیمیائی کتابیں اور باتیں نیز اس کی تلاش و جستجو تو بہت ہے لیکن اس زمانے میں اسکی حقیقت کمیاب ہے اور اکثر تلاش و جستجو کرنے والے دھوکہ کھا جاتے ہیں' ایسا ہی حال صوفیوں کا ہے اصل صوفی پن ان لوگوں میں ہے ہی نہیں' جو ہے تو وہ بہت تھوڑا اور درجۂ کمال کو پہنچیں یہ بہت کم ہے۔ تو سمجھ لینا چاہیے کہ جو کوئی تھوڑا سا صوفی ہو اسے ہر عالم پر فضیلت حاصل نہیں کیونکہ ان میں سے اکثر کا حال یہ ہے کہ ابتدا میں کچھ خلل ان پر ظاہر ہوتا ہے اس وقت اس درجہ سے گر پڑتے ہیں اور مقامِ کمال کو نہیں پہنچتے اور بعض ایسے ہوتے ہیں کہ سودا اور خیالِ خام ان پر غالب ہوتا ہے جس کی کچھ اصل نہیں۔ اور وہ اسے ہی حق اور مستحکم کام سمجھنا شروع کر دیتے ہیں کہ سودا اور خیالِ خام ان پر غالب ہوتا ہے جس کی کچھ اصل نہیں۔ اور وہ اسے ہی حق اور مستحکم کام سمجھنا شروع کر دیتے ہیں بلکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہوتا۔ اور

---

[1] یعنی جھوٹے صوفی جو علم و علماء کی مذمت کرتے ہیں۔

جیسا خواب میں اصل حقائق بھی نظر آتے ہیں اور واہیات خیالات بھی۔ اسی طرح اس حال میں بھی ہوتے ہیں بلکہ عالموں[1] پر اس صوفی کو فضیلت حاصل ہے جو اس حال میں ایسا کامل ہوا ہو کہ جو علمِ دین سے تعلق رکھتا ہو اور اوروں کے سیکھنے سے حاصل ہوتا ہے۔ وہ صوفی جو بغیر سیکھے اس علم کو جان لے لیکن ایسا معلوم ہے بہت کم! تو تمھیں چاہیے کہ اے پیارے تصوف کی اصل راہ اور صوفیوں کی بزرگی کو تو تسلیم کر اور اس زمانہ کے صوفیوں کے سبب اُن اصلی صوفیوں سے بدگمان نہ ہو اور ان میں سے جو علم اور اہل علم پر طعنہ زنی کرے تو تو سمجھ لے کہ وہ نادان ہے۔

فصل : شاید تم کہو کہ یہ کیسے معلوم ہوا کہ آدمی کی سعادت و نیک بختی کا راز اللہ تعالیٰ کی معرفتِ میں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آدمی کی سعادت کا راز معرفت الٰہی میں مضمر ہونا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز کی سعادت اس کام میں ہوتی ہے جس میں اسے مزہ اور چین نصیب ہو اور ہر چیز کا مزہ اسی کام میں ہوتا ہے جسے اس کا جی چاہے اور جی اس کام کو چاہتا ہے جس کے واسطے وہ چیز پیدا ہوئی ہو جیسا کہ شہوت کا مزہ اس میں ہے کہ آدمی کی آرزو پوری ہو اور غصّہ کا مزہ اس میں ہے کہ دشمن سے بدلہ لے۔ آنکھ کا مزہ اچھی چیز دیکھنے میں' کان کا مزہ اچھی آواز سننے میں' اور دل کا مزہ اس اَمر میں ہے جو دِل کی خاصیت ہے اور جس کے واسطے اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا ہے اور وہ اَمر کاموں کی حقیقت کو پہچاننا ہے کیونکہ یہی دِل کا خاصہ ہے لیکن خواہش اور غُصّہ اور پانچوں حواس سے محسوسات کی پہچان تو چارپایوں کو بھی حاصل ہے اور چونکہ کاموں کی اصل حقیقت کی معرفت دِل کی خاصیت ہے اس واسطے آدمی جو چیز نہیں جانتا اسے دریافت کرنے کو اس کا جی چاہتا ہے اور جس کو جان لیتا ہے اس پر خوش ہو کر فخر کرتا ہے۔ اگر وہ بری چیز مثلاً شطرنج سیکھنے کی فکر میں ہے اور وہ جانتا ہے اس سے اگر کہا جائے کہ تو اسے نہ سکھاتا تو اس کے لیے صبر دُشوار ہوتا اور اس عجیب کھیل کو جان کر خوش ہوتا اور چاہتا ہے کہ اس پر فخر ظاہر کرے۔

اے پیارے! جب یہ بات تجھے معلوم ہو گئی کہ دِل کی لذت کاموں کی معرفت میں ہے تو یہ بھی جان لے کہ جتنی اچھی اور عمدہ چیز کی معرفت ہو گی اس سے دِل کو اتنی ہی زیادہ لذت حاصل ہو گی اس لیے کہ جو شخص وزیر کے رازوں سے خبردار اور واقف ہوتا ہے وہ خوش ہوتا ہے کہ اگر بادشاہ کا محرم راز ہو جائے اور اس کے اُمورِ مملکت کے متعلق واقف ہو جائے تو اس کی خوشی دوچند ہو جائے گی اور جو شخص علمِ ہندسہ کی مدد سے آسمانوں کی شکل اور مقدار کو جانتا ہو وہ اس شخص کے مقابلہ میں بہت زیادہ خوش ہو گا جو شطرنج کھیلنا جانتا ہو اور جو محض شطرنج بچھانا جانتا ہے اس کے مقابلہ میں شطرنج کھیلنے والا زیادہ خوش ہو گا۔ اسی طرح ایک معلوم چیز جتنی اچھی اور عمدہ ہو گی اس کا علم جاننا بھی اتنا ہی عمدہ اور خوش کن ہو گا اور اس میں اسی قدر زیادہ لذت نصیب ہو گی اور چونکہ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں سے زیادہ اشرف ہیں کیونکہ تمام چیزوں کا شرف انھی کی وجہ سے ہے۔ وہی تمام جہانوں کا بادشاہ ہے اور تمام جہان کے عجائبات اسی کی عظمت کی نشانیاں ہیں تو کسی چیز کی معرفت اللہ تعالیٰ کی معرفت سے زیادہ شریف اور مزیدار نہ ہو گی اور اللہ تعالیٰ کے دیدار سے بہتر کسی چیز کا دیدار نہیں اور دِل اس کے دیدار کو چاہتا ہے کیونکہ ہر چیز کی طبیعت اسی خاصیت کو چاہتی ہے جس کے واسطے

---

[1] ہر صوفی کو ہر عالم پر فضیلت حاصل نہیں ہاں صوفی کامل کو ظاہری عالم پر ضرور فضیلت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا ہے۔ اگر کوئی دِل ایسا ہو جس سے حضرت حق کی معرفت کی خواہش زائل ہو گئی ہو تو وہ دِل اس بیمار کی مانند ہے جسے کھانے کی خواہش نہ رہی ہو اور روٹی کی بہ نسبت مٹی اسے بھلی معلوم ہوتی ہو۔ اگر اس بیمار کا علاج نہ کریں جس سے اسے دوبارہ کھانے کی خواہش پیدا ہو تو وہ بیمار بڑا بدنصیب شمار ہو گا اور ہلاک ہو جائے گا۔ اسی طرح وہ شخص جس کے دِل میں اللہ تعالیٰ کی معرفت کے مقابلہ میں اور چیزوں کی زیادہ خواہش ہے وہ بھی بیمار ہے وہ اس جہان میں بدبخت متصور ہو گا اور ہلاک ہو جائے گا۔ اور تمام خواہشات اور محسوسات کی لذتیں چونکہ آدمی کے بدن سے تعلق رکھتی ہیں اس لیے آدمی کی موت کے ساتھ ہی وہ زائل ہو جائیں گی اور ان خواہشات کے لیے اس نے جو مشقت برداشت کی وہ بھی رائیگاں جائے گی اور اللہ تعالیٰ کی معرفت کی لذت کا تعلق چونکہ دِل سے ہے اس لیے وہ مرنے کے ساتھ زائل ہو جانے کے بجائے دوچند ہو جائے گی اس لیے کہ دِل مرتا نہیں اور معرفت جس کا تعلق دِل سے ہے برقرار رہتی ہے بلکہ دِل کہیں زیادہ روشن ہو جائے گا اور دوسری چیزوں کی خواہشات سے جتنی تکلیف ہوتی ہے اس سے زیادہ لذت محسوس کرے گا۔ اس کی تفصیل محبّت کے باب میں بیان ہو گی جو کتاب کے آخر میں ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

فصل : ہر آدمی کا جتنا حال بیان کیا گیا ہے اس کتاب میں اتنا ہی ممکن تھا زیادہ تفصیل درکار ہو تو عجائب القلوب[1] نامی کتاب میں دیکھی جائے ویسے سچّی بات یہ ہے کہ ان دونوں کتابوں سے بھی آدمی پوری طرح اپنے آپ کو نہیں پہچان سکتا۔ کیونکہ دِل تو آدمی کا ایک حصّہ ہے اور اب تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ دِل کی تمام صفات میں سے بعض کا بیان ہے جبکہ آدمی کا دوسرا حصّہ اس کا بدن ہے جس کی تخلیق و پیدائش میں بے پناہ عجائبات ہیں۔ آدمی کے ہر ظاہری اور باطنی عضو میں عجیب عجیب حکمتیں ہیں اس کے بدن میں کئی ہزار رگیں' ریشے اور ہڈیاں ہیں اور جس طرح ہر ایک کی صورت اور صفت علیحدہ ہے اسی طرح ہر ایک کی غرض بھی جدا ہے۔ تم لوگ ان سب سے بے خبر ہو تمھاری معلومات فقط یہی ہیں کہ ہاتھ پکڑنے کے لیے پاؤں چلنے کے لیے اور زُبان بولنے کے لیے ہے لیکن یہ بات بھی تو سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے دس پردوں سے آنکھ کو بنایا ہے جن میں سے ہر پردہ دوسرے سے مختلف ہے ان میں سے اگر ایک پردہ بھی کم ہو تو آدمی کے دیکھنے میں خلل پڑ جائے اور تمھیں یہ تو معلوم ہی نہیں کہ ہر پردہ ہے کس واسطے؟ اور آدمی دیکھنے میں ان کا محتاج کیوں ہے؟ آنکھ کی مقدار جتنی کچھ ہے اتنی ہی ظاہر ہے جس کی تفصیل بہت سے لوگوں نے اپنی اپنی کتابوں میں لکھی ہے۔ جب تجھے آنکھ کے پردوں کی کیفیت کا عِلم نہیں تو اس میں تعجب نہ ہونا چاہیے کہ تو اندرونی اعضاء مثلاً جگر' پتا اور گردہ اور تلی وغیرہ کے متعلق نہ جانتا ہو کہ انھیں کیوں بنایا گیا ہے۔ جگر اس لیے بنایا گیا ہے کہ وہ طرح طرح کی غذائیں جو معدہ میں پہنچتی ہیں ان سب کو ایک خاص انداز پر خون میں تبدیل کرے تاکہ وہ ہفت اندام[2] کی غذا بن سکے۔ جب خون جگر میں تیار ہوتا ہے تو اس کے نیچے تلچھٹ رہ جاتی ہے یہی تلچھٹ سودا کا رنگ اختیار کر لیتی ہے تلی کا کام یہ ہے کہ اس کو جگر سے چوس لے اور اس کے اوپر جو زرد رنگ کا مادہ پیدا ہوتا ہے وہ صفرا کہلاتا ہے پتا اس کو کھینچ لیتا ہے'

---

[1] حضرت امام غزالی قدس سرہٗ کی تصنیف ہے۔

[2] سر' سینہ' پیٹھ' دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں ہفت اندامِ ظاہری کہلاتے ہیں۔

خون جب جگر سے باہر نکلتا ہے تو پتلا اور بے قوام ہوتا ہے گردہ یہاں اپنا عمل کرتا ہے اور پانی کو خون سے جدا کر دیتا ہے تب وہ بغیر سودا و صفراء قوام ہو کر رگوں میں پہنچ جاتا ہے اگر پتے میں کوئی آفت یا تکلیف ہوتی ہے تو صفراء خون میں رہ جاتا ہے اس کے ذریعہ پھر صفراوی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اور اگر تلی کو صدمہ پہنچتا ہے تو سوداء خون میں رہ جاتا ہے جس کی وجہ سے سوداوی بیماریاں جنم لیتی ہیں۔ اگر گردہ کو تکلیف پہنچتی ہے تو خون میں پانی رہ جاتا ہے جس کی وجہ سے استسقاء کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ اسی طرح انسان کے تمام ظاہری اور باطنی اعضاء کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایک کام کے واسطے پیدا کیا ہے جس کے بغیر بدن میں خلل پڑتا ہے بلکہ آدمی کا بدن گو دیکھنے میں چھوٹا ہے لیکن حقیقت میں تمام جہان کے لیے ایک مثال ہے اس واسطے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمام جہان میں پیدا کیا ہے آدمی کا بدن اس کا نمونہ ہے۔ ہڈی پہاڑ کا نمونہ ہے تو پسینہ بارش کا۔ بال درخت کی مثال ہیں تو دماغ آسمان کی مانند ہے اور حواس گویا ستارے ہیں جس کی تفصیل بہت لمبی ہے بلکہ جہان میں جس جس قسم کی جو مخلوق ہے مثلاً سور، کتا، بھیڑیا، چوپایہ، دیو، پری اور فرشتہ ان سب کی مثال آدمی کے بدن میں موجود ہے اور یہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ حتیٰ کہ جو جو پیشہ ور اس دُنیا میں ہیں ان سب کے نمونے انسانی جسم میں موجود ہیں جو قوت معدہ میں کھانا ہضم کرتی ہے وہ باورچی کی مانند ہے اور جو قوت خالص صاف شدہ غذا کو جگر اور فضلات کو آنتوں میں پہنچاتی ہے وہ... ہے اور جو قوت غذا کو جگر میں خون میں تبدیل کرتی ہے وہ رنگریز ہے اور جو قوت خون کو عورت کی چھاتیوں میں پہنچا کر دودھ بناتی ہے اور مرد کے خصیوں میں مادہ منویہ بناتی ہے وہ گویا دھوبی ہے اور جو قوت غذا کو ہر ہر جوڑ میں پہنچاتی ہے وہ.... ہے اور جو قوت پانی کو جگر سے کھینچ کر مثانہ میں بہا دیتی ہے وہ سقہ کی مانند ہے اور جو قوت فضلات کو پیٹ سے باہر گرا دیتی ہے وہ حلال خور کی مانند ہے۔ اور جو قوت سودا اور صفراء کو انسانی جسم میں اس واسطے پیدا کرتی ہے کہ وہ تباہ ہو وہ گویا مفسد جعل ساز ہے اور جو قوت صفرا وغیرہ بیماریوں کو دُور کرتی ہے وہ منصف رئیس کی مانند ہے اور اس کی تفصیل بھی بہت لمبی ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ تمھیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ تمھارے اندر کئی طرح کی قوتیں مشغول ہیں اور تُو ہے کہ خوابِ خرگوش میں پڑا ہوا ہے جبکہ وہ قوتیں برابر مصروف ہیں اور کوئی بھی غافل نہیں تو نہ تو ان قوتوں کو جانتا ہے اور نہ ہی اس کا احسان مانتا ہے جس نے انھیں پیدا کیا۔ اگر کوئی شخص اپنا خادم تیری خدمت کے واسطے ایک دن کے لیے بھیج دے تو تمام عمر اس کا شکر گزار رہے گا اور جس ذات نے تیرے اندر کئی ہزار پیشہ ور تیری خدمت کے لیے مقرر کیے ہیں جو تیری خدمت سے لحہ بھر کے لیے غافل نہیں تو اسے یاد تک نہیں کرتا؟

بدن کی ترکیب اور انسانی اعضاء کی منفعت جاننے کا نام عِلم تشریح ہے اور یہ بہت بڑا عِلم ہے مخلوق اسے نہ پڑھتی ہے نہ جانتی ہے اور جو پڑھتا ہے تو محض اس لیے کہ عِلم طبّ میں استاد ہو جائے۔ رہ گیا عِلم طبّ تو گو وہ خود تو مختصر اور بے حقیقت ہے لیکن اس کی حاجت بہرحال ہے اگرچہ دین سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ہاں اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عجیب عجیب صنعتیں دیکھنے کی غرض سے اس عِلم کا مطالعہ کرے تو اسے اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے تین تو معلوم ہو ہی

جائیں گی۔ ایک تو یہ کہ اس قالب کا بنانے والا اور اس جسم کا پیدا کرنے والا اتنا صاحب قدرت ہے کہ اس کی قدرت میں نقصان کا شائبہ تک نہیں اور عاجزی اس کے قرب تک نہیں پھٹکی۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے اور دُنیا میں اس سے زیادہ کوئی عجوبہ نہیں کہ ایک قطرہ پانی سے ایسا جسم پیدا کر دیتا ہے اور جو اس عجوبہ پر قادر ہے وہ مرنے کے بعد زندہ کرنے پر بھی قادر ہے۔

دوسری صفت یہ معلوم ہو گی کہ وہ خالق اکبر ایسا عالم ہے کہ اس کا علم تمام اشیاء کو محیط ہے کہ یہ عجائبات اپنی عجیب وغریب حکمتوں کے ساتھ کمالِ علم کے بغیر ممکن نہیں۔

تیسری صفت یہ معلوم ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت اور لطف و رحمت اپنے بندوں پر بے حساب ہے کیونکہ بندہ کو جس جس چیز کی ضرورت تھی وہ پیدا کر دی۔ جگر' دِل اور دماغ حیوان کی اصل ہیں وہ بھی انسان کو عنایت فرمائیں اور بعض چیزیں ایسی ہیں جن کی ضرورت نہیں فقط حاجت ہے مثلاً ہاتھ پاؤں' زُبان وہ بھی عطا فرمائیں اور بعض چیزیں ایسی ہیں جن کی نہ ضرورت تھی نہ حاجت مگر ان پر زینت کا دار و مدار تھا وہ بھی عنایت فرمائیں مثلاً بالوں کی سیاہی' لبوں کی سرخی' اَبروؤں کا نشان' آنکھوں اور پلکوں کی ہمواری' یہ سب چیزیں محض اس لیے عنایت فرمائیں کہ ان سے آدمی زیادہ بھلا ہو اور یہ لطف و کرم محض آدمی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ سب مخلوقات کے ساتھ ہے یہاں تک بھڑ' شہد کی مکھی اور عام مکھی کو بھی جن چیزوں کی ضرورت تھی انھیں عطا فرمائیں اور ان کی ظاہری صورت اچھے اچھے نقشوں سے آراستہ کی تو عمدہ سے عمدہ رنگوں سے پیراستہ! اور جہاں تک آدمی کی تخلیق کا تعلق ہے۔ اسے تفصیل کے ساتھ پورے غور سے دیکھنا اللہ تعالیٰ کی صفات کو پہچاننے کی کنجی ہے اس لیے عِلمِ تشریح کی عظمت ہے نہ کہ اس لیے کہ ایک طبیب کو اس کی حاجت ہے اور شعر تصنیف اور کسی صنعت کو تو جتنا زیادہ جانتا ہے اتنا ہی شاعر' مصنف اور صانع کی عظمت کا تو زیادہ قائل ہوتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی عجیب عجیب صنعتیں اس باکمال صانع کی عظمت دریافت کرنے کی کنجی ہے اور یہ عِلم بھی معرفتِ نفس کا راستہ ہے لیکن معلوم ہونا چاہیے کہ علم دِل کی بہ نسبت تنگ اور چھوٹا ہے اس واسطے کہ یہ بدن کا علم ہے اور بدن سواری کی مانند ہے جب کہ دِل سوار کی طرح ہے اور پیدا کرنے سے سواری مقصود نہیں سوار مقصود ہے سوار کے لیے گھوڑا ہوتا ہے گھوڑے کے لیے سوار نہیں ہوتا۔

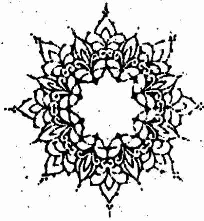
اتنا جو کچھ بیان ہوا تو اس لیے کہ تو اس بات کو سمجھ لے کہ کوئی چیز تیری ذات سے زیادہ تیرے نزدیک نہیں لیکن اس کے باوجود تو اپنے آپ کو نہیں پہچانتا اور جو اپنے آپ کو تو نہ پہچانے اور دوسروں کے پہچاننے کا دعویٰ کرے وہ اس مفلس کی طرح ہے جو اپنا پیٹ تو بھر نہیں سکتا اور دعویٰ یہ کرتا ہے کہ شہر کے تمام محتاج اس کے دسترخوان پر کھانا کھاتے ہیں اس کا یہ دعویٰ بے ہودہ اور تعجب کا باعث ہو گا۔

فصل: اے پیارے ان تمام تفصیلات کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کو معلوم ہو جائے کہ اس کا دل کتنا باعظمت اور صاحب شرف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت تجھے عطا فرمائی اور اسے تجھ سے پوشیدہ رکھا۔ اگر تو اس کی تلاش نہیں کرے گا اور اس کو ضائع کر دے گا اور اس سے غافل رہے گا تو یہ بڑے نقصان اور خسارہ کی بات ہو گی پس تیرا کام یہ ہے کہ خوب جدوجہد کر اور اس نعمت کی حقیقت کو جان اور اسے دُنیا کے مشغلہ سے نکال کر کمالِ بزرگی کے درجہ پر پہنچا تاکہ اس جہان میں بزرگی اور عزت ظاہر ہو۔ یعنی تو ایسی خوشی دیکھے جس کے بعد رنج نہ ہو ایسی بقا تجھے نصیب ہو جس کے بعد زوال سے پالا نہ پڑے اور تو ایسی قدرت سے مالا مال ہو جس کے بعد عاجزی کا منہ نہ دیکھنا پڑے اور بے شبہ معرفت نصیب ہو اور ایسا جمال تیرا مقدر ہو جس میں کسی قسم کی کدورت نہ ہو۔ اس جہان میں دِل کی بزرگی کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ اُس جہان میں حقیقی عزت اور شرافت پانے کی صلاحیت و اہلیت حاصل کر لے نہیں تو اس سے زیادہ عاجزی اور نقص اور کوئی نہیں کہ گرمی، سردی، بھوک، پیاس، بیماری، دکھ اور درد و غم میں پھنسا ہو اور جس چیز میں اس کی لذت و راحت ہے وہی اس کے لیے موجب نقصان و مضرت ہو اور جو چیز اس کو نفع پہنچانے والی ہے وہ رنج اور تلخی سے خالی نہیں اور جو شخص بزرگ اور صاحب عزت ہوتا ہے وہ عِلم یا قدرت و قوّت یا ارادہ و ہِمّت یا اچھی صورت کی وجہ سے صاحب وقار ہوتا ہے۔ آدمی کے عِلم کی طرف اگر دیکھا جائے تو اس سے زیادہ کوئی جاہل نہیں کہ اگر ایک رگ بھی اس کے دماغ میں ٹیڑھی ہو ہلاکت اور جنون کا اندیشہ ہوتا ہے اور وہ یہ نہیں جانتا کہ اس کا سبب اور علاج کیا ہے اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس کی دوا اس کے سامنے ہوتی ہے وہ دیکھتا ہے لیکن نہیں جانتا کہ یہی میری دوا ہے اگر آدمی کی قوّت اور قدرت کا خیال کیاجائے تو اس سے زیادہ کوئی عاجز نہیں کہ ایک مکھی پر قابو نہیں پا سکتا اگر ایک شیر کو اللہ تعالیٰ اس پر مسلط کر دے تو اس سے ہلاک ہو جاتا ہے اور اگر ایک بھڑ اس کو ڈنگ مار دے تو بے قرار ہو جاتا ہے۔ اگر آدمی کی ہِمّت کی طرف دیکھا جائے تو ایک دانگ[1] چاندی کا نقصان ہو جائے تو ملول اور پریشان ہو جاتا ہے۔ اگر بھوک کے وقت ایک نوالہ اسے نہ ملے تو بدحواس ہو جاتا ہے، اس سے زیادہ کنجوس اور کون ہو گا اگر آدمی کے جمال اور صورت کا خیال کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ نجاست کے ڈھیر پر ایک چمڑا شامیانہ کی مانند تان دیا گیا ہے اگر دو دن آدمی اپنا بدن نہ دھوئے تو ایسی ایسی خرابیاں ظاہر ہوں کہ اپنے آپ سے اُکتا جائے بدن سے بدبو آنے لگے اور نہایت رسوا ہو۔ آدمی سے زیادہ کوئی چیز گندی نہیں اس واسطے کہ اس کے اندر ہمیشہ نجاست رہتی ہے اور یہ اسے اُٹھائے اُٹھائے پھرتا ہے ہر روز کئی بار نجاست دھوتا ہے یعنی استنجا کرتا ہے۔

ایک حکایت نقل کی گئی ہے کہ ایک دن شیخ ابوسعید قدس سرہٗ صوفیوں کے ہمراہ کہیں جا رہے تھے ایک مقام پر جو پہنچے تو دیکھا کہ وہاں لوگ سنڈاس صاف کرنے کا کام کرتے ہیں۔ راستہ میں نجاست پڑی تھی تمام لوگ وہاں ٹھٹھک گئے اور ناک بند کر کے ایک طرف بھاگے لیکن شیخ وہیں کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ اے لوگو سنو یہ نجاست مجھ سے کیا کہہ رہی

[1] اکثر لوگوں کے نزدیک چھ رتی کے برابر وزن کو دانگ کہتے ہیں۔

ہے لوگوں نے پوچھا تو فرمایا کہ یہ کہہ رہی ہے کہ میں کل تک بازار میں تھی یعنی میوہ اور مٹھائی وغیرہ کی شکل میں سب لوگ مجھے حاصل کرنے کے لیے روپیہ بہاتے تھے شب بھر میں ان کے پیٹ میں رہی پھر متعفن اور نجس ہو گئی۔ مجھے تم سے بھاگنا چاہیے یا تمھیں مجھ سے؟ حقیقت یہ ہے کہ آدمی اس دنیا میں بالکل ناقص عاجز اور بے کس ہے قیامت میں اس کی گرم بازاری ہو گی۔ اگر کیمیائے سعادت کو ذِل میں جگہ دے گا تو چارپایوں کے مرتبہ سے نکل کر فرشتوں کے درجہ تک پہنچے گا۔ لیکن اگر دُنیا اور اس کی خواہشات کی طرف متوجہ ہو گا تو کل قیامت میں کتے اور سور اس سے بہتر ہوں گے کیونکہ وہ خاک ہو جائیں گے اور رنج و محن سے نجات پائیں گے اور آدمی عذاب میں مبتلا رہے گا مقصد یہ ہے کہ جب انسان نے اپنی بزرگی پہچانی ہے وہاں اپنا نقصان اور بے چارگی اور بے کسی بھی پہچانے اس واسطے کہ اپنے نفس کو اس طرح پہچاننا معرفتِ الٰہی کی کنجی ہے۔ اس قدر بیان اپنے آپ کو پہچاننے کے لیے کافی ہے اور اس سے زیادہ کی اس کتاب میں گنجائش نہیں۔



اللہ تعالیٰ کی معرفت کا بیان

اے پیارے تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں مذکور ہے کہ اُن سے اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا :

اعْرِفْ نَفْسَكَ تَعْرِفْ رَبَّكَ

"اپنے نفس کو پہچان تاکہ تو اپنے ربّ کو پہچان لے"۔

اور آثارِ صحابہ علیہم الرضوان اور اخبار و احادیثِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والتسلیم میں یہ قول بہت مشہور ہے کہ :

((مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ))

"جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اُس نے اپنے ربّ کو پہچان لیا"۔

اور ان باتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کا دِل آئینہ کی مانند ہے جو اس میں غور کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ لے گا لیکن بہت سے افراد ایسے ہیں جو اپنے آپ میں غور کرتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانتے تو جس لحاظ سے کہ دِل اللہ تعالیٰ کی معرفت کا آئینہ ہے اِس اعتبار سے دِل کی حقیقت کا جاننا از بس ضروری ہے اور اس جاننے کی دو صورتیں ہیں ایک تو بہت مشکل ہے جس کا سمجھنا اکثر عوام کے بس میں نہیں اور چونکہ عوام اسے سمجھ نہیں سکتے اس لیے اس کا بیان کرنا مناسب نہیں البتہ وہ صورت بیان کرنی مناسب ہے جسے سب سمجھ سکیں اور وہ صورت یہ ہے کہ آدمی اپنی ہستی سے اپنے ربّ کو پہچانے اور اپنی صفات سے اپنے مالک کی صفات کو جانے اور اپنی سلطنت یعنی اپنے بدن اور اعضاء میں آدمی کو جو تصرف و اختیار ہے اس سے اس تصرف کو سمجھے جو اللہ تعالیٰ کو تمام جہان میں حاصل ہے اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ آدمی اس بات کو سمجھے کہ میں پہلے کچھ نہ تھا اور اب کچھ ہوں یعنی پہلے نیست تھا اب ہست ہوں یہی بات اللہ تعالیٰ نے فرمائی :

﴿ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا۝ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا۝ ﴾ (الدھر)

اور جس چیز سے آدمی اپنی اصل خلقت کو پہچان سکتا ہے کہ میں اپنے وجود سے پہلے کیا تھا وہ نطفہ ہے جو ناپاک پانی کا ایک قطرہ ہے جس میں عقل، سماعت، بصارت، سر، ہاتھ، پاؤں، زبان، آنکھ، رگ، پٹھا، ہڈی، گوشت اور چمڑا کچھ بھی نہ تھا بلکہ وہ ایک طرح کا سفید پانی تھا پھر اس میں یہ سب عجائبات یعنی عقل، سر، ہاتھ، پاؤں وغیرہ ظاہر ہوئے۔ بندہ نے اپنے آپ کو پیدا نہیں کیا بلکہ اسے کسی اور نے پیدا کیا ہے اس لیے کہ اس حقیقت کے باوجود کہ وہ درجہ کمال کو پہنچا ہے لیکن یہ بھی تو یقینی بات ہے کہ وہ بذاتِ خود ایک بال بھی پیدا کرنے سے عاجز ہے تو اب جب وہ ایسا عاجز ہے تو اسے معلوم ہو گا کہ وہ سمجھ لے گا کہ جب محض پانی تھا اور وہ بھی ایک قطرہ کی مقدار میں تو اور زیادہ عاجز ہو گا۔ چنانچہ اسے اندازہ اور احساس ہو گا کہ وہ اپنے آپ کو پیدا نہیں کر سکتا تھا اس طرح اسے اپنی پیدائش سے اپنے خالق کی ہستی کا علم ہو گا اور جب اپنے بدن کے ظاہری و باطنی عجائبات کو دیکھے گا تو اپنے خالق کی قدرت اس پر ظاہر ہو گی اور اسے معلوم ہو گا کہ میرا

خالق بڑا قادر ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور وہ اس بات کو سمجھ لے گا کہ اس سے زیادہ قدرت کیا ہو سکتی ہے کہ پانی کے ایسے ناپاک اور ذلیل قطرہ سے ایسی شکل و صورت بنا ڈالی جس میں جمال و کمال کے سارے جو ہر موجود ہیں اور اس مشت خاک میں اس نے کیا کیا عجائبات پیدا کر دیئے ہیں۔

آدمی جب اپنی عجیب و غریب صفات کو دیکھتا ہے اور اس کے اعضاء میں جو منافع ہیں انھیں دیکھتا ہے ہر عضو ظاہری مثلاً ہاتھ' پاؤں' آنکھ' زبان' دانت اور اعضاءِ باطنی مثلاً جگر' تلی' پتا وغیرہ کو اللہ تعالیٰ نے کس حکمت کے واسطے پیدا کیا ہے تو اس طرح اپنے خالق کے عِلم کو پہچاننا آسان ہو جاتا ہے کہ کیسے عِلمِ اَتم کا مالک ہے اور کس طرح وہ تمام اشیاءِ عالم پر محیط ہے اور یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ ایسے عالم سے کوئی چیز پوشیدہ اور غائب نہیں ہو سکتی۔

اگر تمام عقل مند اپنی عقل کو اجتماعی طور پر کام میں لائیں اور ان کو لمبی عمر نصیب ہو جائے اور وہ اس مسئلہ پر سوچیں کہ ان انسانی اعضاء میں سے کسی ایک عضو کی بھی کوئی ایسی صورت نکال لیں جو اس موجودہ صورت سے بہتر ہو تو ناممکن ہے مثلاً دانتوں کی موجودہ صورت کی کیفیت یہ ہے کہ کھانے کی چیز کاٹنے کے واسطے سامنے کے دانت تو تیز ہیں لیکن کھانے کی چیز کو باریک کرنے کے لیے دوسرے دانت چوڑے ہیں اور دانتوں کے قریب زبان کے آبخورے کی مانند ہیں جو اناج کو چکی میں ڈالتی ہے اور جو قوت زبان کے نیچے ہے اس کا کام خمیر بنانے اور پانی چھڑکنے والے کی مانند ہے کہ جس وقت جتنا پانی بہانا چاہتی ہے اتنا بہا کر کھانا تر کر دیتی ہے اور وہ حلق سے اُتر جاتا ہے اور گلے میں پھنسنے نہیں پاتا۔ اس صورت کے خلاف تمام دُنیا کے عقلاء مل کر کوئی اور شکل نہیں بنا سکتے۔ اسی طرح ہاتھ میں پانچ اُنگلیاں ہیں جن میں سے چار تو ایک طرح کی ہیں اور ایک انگوٹھا ان اُنگلیوں کی نسبت دُور' لمبائی میں چھوٹا لیکن ہر اُنگلی کے ساتھ کام کرنے کے قابل ہے وہ تمام اُنگلیوں کے ساتھ کام کرتا اور سب پر پھرتا ہے' ہر اُنگلی میں تین تین گرہیں ہیں جبکہ انگوٹھے میں دو۔ اور ان کا انداز ایسا ہے کہ آدمی جب چاہے ان سے آبخورے بنالے چاہے تو چلو بنالے اور چاہے تو اُنگلیاں بند کر کے گھونسا بنالے اور اس کو اپنے ہتھیار کے طور پر استعمال کرے یعنی دشمن کو مارے اور چاہے تو مٹھی کھول کر پنجہ کو طباق بنا لے اور مختلف طریقوں سے کام میں لائے۔ اب اگر تمام دُنیا کے عقلاء کوئی اور تجویز کریں کہ مثلاً سب اُنگلیاں بالکل یکساں ہوں یا تین ایک طرف ہوں تو دو ایک طرف یا پانچ کی بجائے چھ ہوں یا چار یا تین گرہوں کے بجائے دو یا چار ہوں تو ان میں سے جس مسئلہ پر سوچیں گے تو یہی فیصلہ کریں گے کہ ہماری سوچ کا ہر انداز ناقص اور غلط ہے اور جس انداز پر خالق کائنات نے اِن کو پیدا کیا وہی صحیح اور درست ہے اِس بیان سے معلوم ہوا کہ خالق کا علم ہر شخص پر محیط ہے اور وہ سب چیزوں پر مطلع ہے اور آدمی کے ہر ہر عضو میں ایسی ایسی حکمتیں رکھی گئی ہیں کہ جو شخص اِن حکمتوں کو جتنا زیادہ جانے گا اللہ تعالیٰ کی عظمت کے معاملہ میں اسے زیادہ تعجب ہو گا۔

اور جب ایک آدمی اپنی ضرورتوں کو دیکھے تو پہلے تو وہ یہ دیکھے گا کہ اسے اعضاء کی احتیاج اور ضرورت ہے پھر روٹی کپڑا اور مکان کی ضرورت سامنے آئے گی پھر اس کی خوراک کے لیے بارش' ہوا' گرمی اور سردی کی ضرورت محسوس ہو گی اور پھر ان صنعتوں کا مسئلہ سامنے آئے گا جو اس کی خوراک کو کھانے کے قابل بنائیں اور ان صنعتوں کے لیے مختلف قسم کی دھاتوں کی ضرورت ہو گی مثلاً لوہا' تانبہ' پیتل اور شیشہ وغیرہ جن سے یہ اوزار بنتے ہیں پھر ان اوزار کے بنانے کا

انداز اور طریقہ معلوم کرنا پڑے گا! جب آدمی اپنی ان ضرورتوں اور حاجات کو دیکھے گا تو اسے یہی کہنا پڑے گا کہ ہر چیز کی تخلیق خوب خوب ہوئی ہے اور تمام مصنوعات کی بنیاد خوب وضع پر ہوئی ہے اور ہر چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے اگر نہ بناتا تو اس کا بنانا تو کیا کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ آتا کہ اسے کیسے بنایا جائے تب اسے اندازہ ہو گا کہ تمام مخلوقات و مصنوعات اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے پیدا کی ہیں۔ اس کی بدولت آدمی کو یہ معلوم ہو گا کہ سارے جہان پر اللہ تعالیٰ کی عنایت اور مہربانی ہے اور اس صفت میں اہل اللہ کی زندگی کا راز ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی ہے جناب رسول اکرم ﷺ کی زبانی اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ))

اور جیسا کہ جناب رسولِ مقبول ﷺ نے فرمایا کہ دودھ پیتے بچوں پر مشفق ماں کی جتنی شفقت ہے اس سے کہیں زیادہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ غرض جب آدمی اپنی پیدائش کے عمل سے اللہ تعالیٰ کی ہستی کو پہچانے گا اور اپنے اعضاء کی کثرت سے اللہ تعالیٰ کی کمالِ قدرت کو پہچانے گا اور عجیب و غریب حکمتوں اور اپنے اعضاء کی منفعتوں سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کو دیکھے گا اور جن چیزوں کی حاجت یا ضرورت اسے ہے یا جن سے فقط زیب و زینت درکار ہے انھیں اپنے پاس دیکھنے کا متمنی ہے ان کے ذریعہ جب پروردگارِ عالم کے لطف و رحمت کو دیکھے گا تو نفس کی پہچان جو ایسی ہے ان شاء اللہ وہ معرفتِ حق کی کنجی ثابت ہو گی۔

فصل: آدمی نے جس طرح اپنی صفات سے اللہ تعالیٰ کی صفات کو اور اپنی ذات سے اس کی ذات کو پہچانا اور جانا اسی طرح اپنی تنزیہ و تقدیس کے ذریعہ اس کی تنزیہ و تقدیس کو جانتا اور پہچانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس کا معنی یہ ہے کہ انسانی وہم و خیال میں جو کچھ آتا ہے اللہ تبارک و تعالیٰ اس سے پاک اور بلند و برتر ہے اور کوئی جگہ ایسی نہیں جو اللہ تعالیٰ کے احاطہ و اختیار و تصرف میں نہ ہو مگر وہ کسی جگہ سے منسوب نہیں اور آدمی اس تنزیہ و تقدیس کا نمونہ اپنی ذات میں دیکھتا ہے اس طرح کہ انسانی جان کی حقیقت جسے ہم دِل کہتے ہیں وہ بھی ان چیزوں سے پاک اور منزہ ہے جن کا وہم ہو سکتا ہے اس لیے کہ نہ تو دِل کی کوئی مقدار و کمیت ہے اور نہ وہ قابل تقسیم ہے جب دِل ان تمام چیزوں سے ماوراء ہے تو یہ بھی لازم ہے کہ وہ بے رنگ بھی ہو اور جس چیز کا نہ رنگ ہو گا نہ مقدار وہ کبھی انسانی خیال میں نہیں آ سکتی۔ اس لیے کہ خیال میں وہی چیز آتی ہے جسے خود یا اس کی جنس کو آنکھ دیکھ سکتی ہو اور ظاہر ہے کہ رنگ اور شکل کے سوا تو نہ کچھ خیال میں آتا ہے اور نہ نظر میں اور انسانی طبیعت کا جو یہ تقاضا ہوتا ہے کہ معلوم کریں کہ فلاں چیز کیسی ہے تو اس کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ اس چیز کی شکل کیسی ہے؟ وہ چھوٹی ہے یا بڑی اور جو چیز ان صفات یعنی صورت' رنگ' چھوٹا پن یا بڑا پن سے مبرا ہو اس کے متعلق پوچھنا کہ وہ کیسی ہے بے جا سی بات ہے۔ جانِ من! جس چیز میں ان صفات کا دخل نہیں دریافت کرنا ہے تو اپنی حقیقت پر غور کر کے دیکھ۔ تیری حقیقت جو معرفتِ ربّانی کی جگہ ہے وہ قابل تقسیم ہے اور نہ اس کی کچھ مقدار اور کمیت و کیفیت ہے۔ اگر کوئی سوال کرے کہ رُوح کیا چیز ہے تو اس کا جواب یہی ہو گا کہ اس کا اس میں دخل نہیں۔ جب تو نے اپنے تئیں یہ سمجھ لیا کہ تو کیف و کم سے پاک اور مبرا ہے تو اب یہ بھی سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ بھی کیف و کم سے پاک اور منزہ ہے۔ بلکہ وہ پاک ہونے میں کہیں اولیٰ ہے لوگ تعجب

کرتے ہیں کہ بے چون و بے چگوں کوئی چیز کیسے موجود ہو گی وہ اپنی حقیقت کو نہیں جانتے کہ وہ خود جو بے چوں و بے چگوں موجود ہیں۔ بلکہ آدمی اگر اپنے اندر تلاش کرے تو ہزار چیزوں کو ایسے پائے گا۔ اپنے اندر درد کو دیکھو غُصّہ کو دیکھو اسی طرح عشق اور مزہ کو دیکھو اور پھر چاہو کہ ان کی کیفیات وغیرہ کو معلوم کرو تو ایسا قطعاً ممکن نہیں اس لیے کہ ان چیزوں کی نہ رنگت ہے نہ صورت تو یہ سوال کہ فلاں چیز کیونکر ہے اور کیسے ہے اس کا غُصّہ درد وغیرہ میں جب دخل نہیں تو معلوم ہوا کہ اور چیزیں بھی ایسی موجود ہیں جن میں ان چیزوں کو دخل نہیں۔ بلکہ اگر کوئی شخص آواز یا مزہ یا بو کی حقیقت دریافت کرنا چاہے کہ یہ چیزیں کیسی ہیں تو ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کے دریافت کرنے میں آدمی عاجز ہے اور عاجزی کا سبب یہ ہے کہ یہ چیزیں تو ان خیالات پر مبنی ہیں جو حاسۂ بصری سے حاصل ہوتا ہے اور پھر خیال ہر چیز میں آنکھ کا حصّہ ڈھونڈتا ہے اور جو چیز کان کی مِلک ہے جیسے آواز اس میں آنکھ کا کوئی حصّہ نہیں بلکہ آواز کی کیفیات کی دریافت محال ہے اس لیے کہ جس طرح رنگت اور صورت حاسۂ سمعی سے بے تعلق اور مبرا ہے اسی طرح آواز حاسۂ بصری سے پاک اور منزہ ہے اور جو چیز حاسۂ قلبیہ میں آتی ہے اور محض عقل سے پہچانی جاتی ہے وہ تمام دوسرے حواس سے پاک ہے اس میں کسی حاسہ کا کوئی حصّہ نہیں ہوتا۔ اور یہ کیفیات محسوسات میں ہوتی ہیں۔ یہ مقامِ غور و تحقیق ہے اور اس کی تفصیلات کے لیے معقولات کی کتابوں کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اس کتاب میں بقدر ضرورت بیان کر دیا گیا ہے اس پر اکتفا کرنا چاہیے اور اس بیان سے غرض و مقصد یہ ہے کہ انسان اپنی بے چونی و بے چگونی سے اللہ تعالیٰ کی بے چونی و بے چگونی کو پہچان سکتا ہے۔

اے پیارے! اس بات کو تُو اچھی طرح سمجھ لے کہ جان اور رُوح موجود ہے اور بدن کی بادشاہی نیز بدن میں جن میں چیزوں کو یہ کیفیات نصیب ہیں (یعنی چونی و چگونی) وہ اس بادشاہ کی مملکت ہیں اور جان بذات خود بے چون و بے چگون ہے اسی طرح جہانوں کے بادشاہ کا مقام ہے کہ وہ بھی بے چون و بے چگون ہے اور محسوسات اس کی مملکت ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی تنزیہ کا مسئلہ ایک اور طرح بھی بیان ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کو کسی جگہ کے ساتھ منسوب نہیں کر سکتے کہ خُدا اس جگہ ہے اور جان کو کسی عضو کے ساتھ محسوس نہیں کر سکتے کہ وہ ہاتھ میں ہے یا پاؤں میں یا سر میں ہے یا کسی اور عضو میں۔ بلکہ بدن کے سب اعضاء تو قابل تقسیم ہیں لیکن جان و رُوح قابل تقسیم نہیں اور جو چیز قابل تقسیم نہ ہو قابل تقسیم چیزوں میں اس کا سما جانا محال ہے کیونکہ اگر وہ ان میں سما جائے گی تو وہ بھی ایسی ہی ہو گی۔ اس حقیقت کے باوجود کہ جان و رُوح کسی عضو کے ساتھ مخصوص نہیں لیکن کوئی عضو اس کے تصرف سے خالی نہیں بلکہ تمام اعضاء اس کے تصرف سے خالی نہیں بلکہ تمام اعضاء اس کے تصرف میں ہیں اور اس کے حکم کے تابع اور جان و رُوح تمام اعضاء میں بادشاہ کی مانند ہیں اسی طرح سارا جہان بادشاہِ عالم یعنی اللہ تعالیٰ کے تصرف میں ہے اور اس کے باوجود اللہ تعالیٰ اس اَمر سے پاک و منزہ ہیں کہ انھیں کسی جگہ کے ساتھ منسوب کریں۔ تقدس و تنزیہ کا تمام حال تو جب عیاں ہو سکتا ہے جب رُوح کی خاصیت اور بھید صاف صاف بیان ہو اور ایسا کرنے کی اجازت نہیں اور :

﴿ إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ ﴾

"اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر پیدا کیا" کا تمام حال اسی سے ظاہر ہو گا۔ (واللہ اعلم)

فصل : جب اللہ تعالیٰ کی ذاتِ پاک کی معرفت نصیب ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس کی صفات بھی بے چون و بے چگون ہیں اور یہ کہ وہ کسی جگہ کے ساتھ منسوب بھی نہیں اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ معرفتِ نفس معرفتِ حق کی کنجی ہے تو اب ایک بات باقی رہ جاتی ہے اور وہ یہ کہ اپنی سلطنت و حکومت میں اللہ تعالیٰ کی پادشاہی کیونکر ہے اور اس کی حکمرانی کس طرح ہے؟ اور اس کا فرشتوں کو حکم دینا اور اُن کا حکم بجالانا اور آسمان سے زمین پر حکم بھیجنا اور آسمان اور اس کے سیاروں کو حرکت میں لانا' زمینی باشندوں کے کاموں کو آسمان سے وابستہ کرنا' اور رزق کی کنجی حوالہ آسمان کرنا یہ تمام امور کیسے ہیں؟ اللہ کی معرفت میں یہ باب بڑا اہم ہے اور جس طرح پہلے ابواب کو معرفتِ ذات و صفات کا نام دیا جاتا ہے اس باب کو معرفتِ افعال کہا جاتا ہے اور جس طرح معرفتِ نفس معرفتِ ذات و صفات کی کنجی ہے معرفت افعال کی بھی کنجی ہے جب تک تجھے یہ معلوم نہ ہو گا کہ تو اپنی مملکت (بدن) میں کیسے حکمرانی کرتا ہے اس وقت تک تو یہ بھی معلوم نہ کر سکے گا کہ شاہِ عالم کس طرح حکمرانی فرماتے ہیں اس لیے پہلے تو اپنے آپ کو پہچان اور اپنے ایک ایک کام کو جان۔

مثلاً جب تو کاغذ پر بسم اللہ لکھنا چاہتا ہے تو پہلے تو اس کی خواہش تیرے دِل میں پیدا ہوتی ہے پھر دِل میں حرکت و جنبش پیدا ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ وہ دِل جو گوشت کا ہے اور انسان کے بائیں پہلو میں ہے اس میں حرکت نہیں ہوتی بلکہ دِل سے ایک لطیف جسم حرکت کر کے دماغ میں جاتا ہے اس جسم لطیف کو طبیب لوگ رُوح کا نام دیتے ہیں جو احساس و حرکت کی قوتوں کو اٹھائے ہوئے پھرتی ہے۔ یہ رُوح ایک مختلف چیز ہے جو چارپایوں میں بھی ہوتی ہے اور موت کو اس میں عمل دخل ہے اور وہ رُوح جسے ہم دِل کہتے ہیں وہ مختلف چیز ہے وہ چارپایوں میں نہیں ہوتی اور یہ رُوح کبھی مرتی نہیں اس لیے کہ یہ معرفتِ حق کی جگہ ہے۔ یہی رُوح جنبش کرتی ہے اور جب دماغ میں پہنچتی ہے تو دماغ کے پہلے خزانہ میں جو قوت خیال کی جگہ ہے بسم اللہ کی صورت پیدا ہوتی ہے اور دماغ سے پٹھوں میں اثر پہنچتا ہے' پٹھے دماغ سے تمام بدن میں پہنچتے ہیں اور اُنگلیوں میں تاگے کی طرح بندھے ہوئے ہیں جو شخص دبلا پتلا ہو اس کے بازو میں ان پٹھوں کو لوگ دیکھ سکتے ہیں۔ غرض کہ اس اثر سے یہ پٹھے جنبش کرتے ہیں اور پھر اس سے انگلی کا سرا قلم کو جنبش دیتا ہے تو بسم اللہ کی صورت خیالیہ کے موافق سامنے آ جاتی ہے اور اس میں باقی حواس بالخصوص حاسۂ بصری کی اعانت بھی شامل ہوتی ہے تو جس طرح اس کام یعنی لکھنے کی ابتدا رغبت سے ہوتی ہے جو انسان میں پیدا ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے تمام کاموں کی ابتداء و آغاز اس کی صفاتِ عالیہ میں سے ایک صفت ہے جسے ارادۂ باری کہا جاتا ہے جس طرح لکھنے کے ارادہ کا اثر پہلے تیرے دِل میں ہوتا ہے پھر دِل کے واسطہ سے اور جگہ پہنچتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ارادہ کا اثر پہلے تو عرش پر پیدا ہوتا ہے پھر اور مقامات تک پہنچتا ہے اور جیسے بخارات کی طرح جسم لطیف دِل کی رگوں کی راہ سے انسانی دماغ میں پہنچتا ہے اور اسے رُوح کہتے ہیں ایسے ہی حضرت حق کا بھی ایک جوہر ہے جو اللہ کے ارادہ کو عرش سے کرسی تک پہنچاتا ہے' اس جوہر کو فرشتہ اور رُوح القدس کہتے ہیں اور جیسے دِل سے دماغ تک اثر پہنچتا ہے اور دماغ دِل کی حکومت اور تصرف میں ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے ارادہ کا اثر پہلے تو عرش سے کرسی تک پہنچتا ہے۔

اور جس طرح بسم اللہ لکھنا تیرا مقصد ہے اور اسے تیرا فعل کہتے ہیں اور اس کی صورت دماغ کے خزانہ خیالیہ میں

پیدا ہوتی ہے اور اس کے موافق، فعل ظاہری شکل اختیار کر لیتا ہے اسی طرح جس چیز کی صورت دُنیا میں ظاہر ہوتی ہے اس کا نقش پہلے طرح محفوظ میں ظاہر ہوتا ہے اور انسانی دماغ میں جس طرح لطیف قوّت ہے جو پٹھوں کو جنبش دیتی ہے تاکہ پٹھے ہاتھ اور انگلی کو جنبش دیں اور اُنگلی قلم کو حرکت میں لائے اسی طرح جوہر لطیف یعنی فرشتہ جو عرش و کرسی پر مامور ہیں آسمانوں اور تاروں کو حرکت دیتے ہیں اور جس طرح دماغی قوّت رگوں اور پٹھوں کی اعانت سے اُنگلیوں کو جنبش دیتی ہے اسی طرح وہ جوہر لطیف تاروں اور ان کے شعاعی اثرات کے واسطہ سے عالمِ سفلی میں اس کی بنیادی چیزوں کی طبائع میں جنبش پیدا کرتے ہیں ان کو گرمی سردی خشکی اور تری کا نام دیا جاتا ہے۔

اور جس طرح قلم سیاہی کو جنبش دے کر پراگندہ چیز کو مجتمع کرتا ہے تاکہ بسم اللہ کی صورت پیدا ہو اسی طرح یہ گرمی سردی بھی پانی اور مٹی اور ان مرکبات کی اصل شکلوں کو جنبش دیتی ہیں اور جس طرح کاغذ قلم کی سیاہی کو قبول کر لیتا ہے اسی طرح تری ان مرکب شکلوں کو قابل صورت بناتی ہے اور خشکی ان کی محافظ ہو جاتی ہے تاکہ مرکبات اس شکل کی حفاظت کریں اور اس کو ضائع نہ ہونے دیں۔ ظاہر ہے کہ تری نہ ہوگی تو مرکبات کی شکلیں نہ بنیں گی اور خشکی نہ ہو تو شکل کی حفاظت مشکل! اور جب قلم اپنا کام پورا کر لیتا ہے تو قوّتِ خیالیہ میں جو شکل تھی وہ آنکھ کی مدد سے واضح اور ظاہر ہوتی ہے اسی طرح گرمی سردی جب ان مرکبات کی بنیادی حقیقتوں کو حرکت دیتی ہیں تو فرشتوں کی مدد سے حیوانات اور نباتات وغیرہ کی صورتیں لوحِ محفوظ کی صورتوں کے مطابق ظہور پذیر ہو جاتی ہیں۔ اور جس طرح تیرے کاموں کا اثر تیرے دِل سے چل کر تمام اعضاء میں پراگندہ ہو جاتا ہے اسی طرح عالمِ اجسام کا آغاز عرش میں ہوتا ہے اور جس طرح اس خاصیت کو پہلے دِل قبول کرتا ہے اور اس کے بعد باقی اعضاء اس کے بعد اور لوگ دِل کی تیرے ساتھ نسبت کرتے ہیں اور جانتے ہیں تو دِل میں رہنے والا تو ہے اسی طرح سب چیزوں پر تصرف عرش کے واسطے سے ہوتا ہے اس لیے کہ لوگوں کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر رہتے ہیں اور جس طرح تو دِل پر غالب ہے اور دِل کا کام درست ہو جانے سے تو بدن کے لیے تدبیر کرتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ عرش پیدا کر کے عرش پر مستوی ہوئے اور عرش مغلوب ہو گیا تو تمام جہان کی تدبیر ہو گئی خود حضرت حق فرماتے ہیں:

﴿ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ﴾ (یونس)

تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ سب کچھ حق ہے اور صاحب بصیرت لوگ مکاشفہ سے صاف معلوم کر لیتے ہیں اور پھر اس کی حقیقت واضح ہوتی ہے۔

((اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ))

اور اس بات کو اچھی طرح سمجھ کہ بادشاہ کو بادشاہوں کے سوا کوئی نہیں جانتا اگر تجھے تیری مملکت میں بادشاہی نصیب نہ ہوتی اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مملکت کا ہلکا سا نمونہ تیرے اندر پیدا نہ کیا ہوتا تو تُو اللہ تعالیٰ کو کبھی نہ پہچان سکتا لہٰذا اس بادشاہِ حقیقی کا شکریہ ادا کر جس نے تجھے پیدا کر کے رتبۂ بادشاہی عنایت فرمایا اور اپنی مملکت کے نمونہ کے طور پر تجھے بھی سلطنت و مملکت بخشی۔

تیرا عرش حیوانی رُوح ہے جس کا منبع دِل ہے اسی سے اللہ تعالیٰ نے تیرا اسرافیل بنایا ہے اور تیری کرسی خزانہ خیالی

سے تیرے لیے بطور لوحِ محفوظ بنائی۔ آنکھ 'کان وغیرہ حواس فرشتوں کی مانند ہیں دماغ کا گنبد جو تمام انسانی پٹھوں کا منبع ہے اس کو تیرا آسمان بنایا اور اُنگلی قلم سیاہی وغیرہ سے بنیادی چیزیں تیرے تابع کیں اور تیرے دِل کو تمام کیفیات سے پاک پیدا کر کے سب اعضاء پر اسے بادشاہ بنایا اور پھر تجھ سے فرمایا کہ اپنی اور اپنی مملکت سے لمحہ بھر کے لیے غافل نہ رہنا ورنہ اپنے خالق سے غافل اور دُور ہو جاؤ گے۔

((فَإِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰى صُوْرَتِهٖ فَاعْرِفْ نَفْسَكَ يَا اِنْسَانُ تَعْرِف رَبَّكَ))

"پس اللہ نے پیدا کیا آدم علیہ السلام کو اپنی صورت پر سوائے انسان تُو اپنے آپ کو پہچان تاکہ تو اپنے رب کو پہچان سکے"۔

فصل : یہ جو بیان ہوا کہ آدمی کی سلطنت و بادشاہی مالک الملک کی سلطنت کا نمونہ ہے تو اس سے دو بڑے اہم علموں کی طرف اشارہ ہوتا ہے ایک تو آدمی کے نفس کا عِلم اور مختلف قوّتوں اور صفات کے ساتھ انسانی اعضاء کا تعلق نیز انسانی دِل کے صفات مختلف اور متفرق قوّتوں کا تعلق و نسبت اس عِلم کی تفصیلات کی یہ کتاب متحمل نہیں دوسرا عِلم یہ ہے کہ شاہِ عالم کی سلطنت کو فرشتوں سے' فرشتوں کو آپس میں اور آسمان' عرش اور کرسی سے علاقہ و تعلق ہے یہ بھی بہت اہم عِلم ہے اور اس سے اشارہ اس طرف کرنا مقصود ہے کہ جو آدمی زیرک اور ہوشیار ہو گا وہ ان چیزوں پر یقین و اعتقاد رکھے گا اور ان سب اشیاء و معلومات کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی عظمت کو جانے گا اور جو احمق و بیوقوف ہو گا اسے یہ بھی معلوم نہیں ہو سکے گا کہ وہ غافل اور نادان ہے اور مبتلائے مصیبت کیوں ہے کہ ایسی باجبروت و صاحب عظمت ذات کے حسن و جمال اور دیدار سے محروم ہے باقی مخلوق کو حضرت حق کے جمال کی حقیقت تک رسائی ہو جائے تو یہ مشکل ہے بس ایک جھلک مقصود ہے اور اس کے لیے جتنا کچھ بیان کیا گیا وہ کافی ہے تاکہ مخلوق اپنے آپ کو پہچان سکے کہ وہ خود کیا ہے۔

فصل : جو لوگ علومِ طبیعیہ اور عِلمِ نجوم سے واقف و آگاہ ہیں وہ اپنی محرومی کی وجہ سے تمام اُمور کا تعلق مختلف عناصر اور ستاروں سے جوڑتے ہیں ان کی مثال کچھ ایسی ہے جیسے کوئی چیونٹی کاغذ پر چلتی ہو جس سے محسوس ہوتا ہے کہ کاغذ سیاہ ہوتا جا رہا ہے اور اس پر نقش بن رہا ہے پھر غور کر کے جو قلم کو دیکھے تو خوش ہو کہ میں نے اس کام کی حقیقت پہچان لی ہے کہ کاغذ پر قلم ہی نقش بناتا ہے۔ یہی حال علومِ طبیعیہ کے جاننے والوں کا ہے کہ وہ آخری درجہ کے محرک کے سوا کچھ جانتے ہی نہیں۔ پھر اس کے بعد دوسری چیونٹی دیکھی اس کی آنکھ پہلی کے مقابلہ میں بڑی اور نگاہ تیز ہے وہ پہلی چیونٹی سے کہے کہ تُو نے غلطی کی ہے اس قلم کو تو میں تابع دیکھتی ہوں اور قلم کے علاوہ ایک اور چیز بھی دیکھتی ہوں جو نقاشی کرتی ہے اور وہ خوش ہو کر کہے کہ حق وہی ہے جو میں نے جانا اور سمجھا یعنی یہ کہ اُنگلیاں نقاشی کرتی ہیں قلم نہیں بلکہ قلم اُنگلیوں کے تابع ہے۔ یہ نجوی کی مثال ہے کہ عالمِ طبعی سے اس کی نگاہ جو دُور پہنچی تو اس نے دیکھا کہ طبائع ستاروں کے مسخر اور مطیع ہیں لیکن اس نے یہ نہ سمجھا کہ ستارے بھی تو فرشتوں کے حکم کے ماتحت ہیں اور اس کے ناقص عِلم سے جو چیز بلند تھی وہ اس پر نہ پہنچ سکا۔ اور جس طرح نجوی اور طبیعی کے درمیان عالمِ اجسام میں یہ تفاوت و فرق ہے جس کی وجہ سے یہ اختلاف سامنے آیا اُسی طرح ان لوگوں کے درمیان اخلاق ہے جو عالمِ رُوحانیت میں ترقی

کرتے ہیں کیونکہ اکثر لوگ تو بس عالمِ اجسام تک رہے اس سے آگے اُن کا طائر پرواز نہ جا سکا۔ یہ لوگ تو پہلے ہی درجہ پر رُک گئے اور عالمِ رُوحانیت کی طرف معراج کی راہ اُن پر مسدود ہو گئی۔ اور عالمِ ارواح جنھیں عالمِ انوار سے ہی تعبیر کیا جا سکتا ہے چونکہ دشوار گزار گھاٹیاں اور مراحل ہیں اس لیے اِن میں سے بعض کے درجات تو ستاروں کی مانند ہیں اور بعض کے ماہتاب کی مانند جبکہ بعض کے آفتاب کی مانند! اور یہ ان لوگوں کی معراج کے مراتب ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے ملکوتِ آسمانی کی سیر کرائی جیسا کہ وہ خود فرماتے ہیں :

﴿ وَكَذٰلِكَ نُرِىٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ (الانعام)

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی بنیاد پر کہا کہ :

﴿ اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ﴾ (الانعام)

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((اِنَّ لِلّٰهِ سَبْعِيْنَ اَلْفَ حِجَابٍ مِّنْ نُوْرٍ لَوْ كَشَفَهَا لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْهِهٖ كُلَّ مَنْ اَدْرَكَهٗ بَصَرُهٗ[1] .))

"اللہ تعالیٰ کے نور کے ستر ہزار پردے ہیں اگر وہ ان پردوں کو ہٹا دے تو تجلیاتِ الٰہی ہر اس چہرہ کو جلا ڈالیں جو اُن کو دیکھے"۔

پس مقصد تو یہ ہے کہ علومِ طبیعی کے جاننے والے نے اپنی بے چارگی کے سبب کسی چیز کا دار و مدار گرمی سردی پر جو رکھا ہے تو درست ہی رکھا ہے کیونکہ اگر یہ اسباب درمیان میں نہ ہوتے تو علمِ طب باطل ہو جاتا لیکن اس وجہ سے اُس نے غلطی کی کہ اس کی نگاہ کوتاہ تھی وہ مزید آگے نہ بڑھ سکی اور پہلی ہی منزل میں تھک ہار کر رہ گئی اور اُس نے یہ محسوس کر لیا کہ گرمی سردی ہی سب کچھ ہیں حالانکہ یہ اصل نہیں بلکہ مطیع و مسخر ہیں اور مالک نہیں بلکہ نوکر اور خادم ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ گرمی سردی تو ان نوکروں اور خدام کی مانند ہیں جو آخری صفوں میں کھڑے ہوتے ہیں رہ گیا نجومی جس نے ستاروں کو اسبابِ الٰہی میں داخل کیا تو اس بے چارے نے سچ ہی کہا اس واسطے کہ اگر یہ اسبابِ الٰہی نہ ہوتے تو دن رات برابر ہوتے کیونکہ آفتاب ایک ایسا سیارہ ہے کہ روشنی اور گرمی اس جہان میں اسی کے سبب ہے اور پھر یہ کہ سردی گرمی بھی برابر ہو جاتی کیونکہ گرمی میں گرمی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ سورج وسط آسمان کے نزدیک ہوتا ہے اور سردی میں وہ دور ہوتا ہے اور جس مالک کی یہ قدرت ہے کہ سورج کو گرم اور روشن بنایا کیا تعجب کہ اس نے زحل کو سرد خشک اور زہرہ کو گرم تر پیدا کیا ہو یہ سمجھ ایمان کے لیے خلل کا باعث تو نہیں لیکن منجم کی غلطی یہ ہے کہ وہ ستاروں کو ہی اصل سمجھ بیٹھا اور تمام کاموں کا مدار ان پر ٹھہرایا اور اسے یہ محسوس نہ ہوا کہ یہ تو مسخر ہیں۔

﴿ اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ﴾ (الرحمٰن)

---

[1] اِس کی عجیب و غریب تفصیل و تشریح مشکوٰۃ الاسرار اور مصباح الاسرار میں ہے۔

﴿ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرَاتٌ بِاَمْرِهٖ ﴾ (الرعد)

مسخر اس کو کہتے ہیں جسے کام میں لایا جائے تو حقیقت میں ستارے تو کام کرنے والے خادم ہیں اپنی طرف سے کام نہیں کرتے اور نہ کر سکتے ہیں بلکہ جس طرح پٹھے انسانی اعضاء کو حرکت دینے میں اُس قوت کی طرف سے کام آتے ہیں جو دماغ میں ہے اسی طرح ستارے بھی اُن فرشتوں کے توسط سے مصروفِ عمل رہتے ہیں جو عمال ہیں اور گو کہ ستارے نقیبوں کے درجہ کے کم رتبہ نوکر اور خادم ہیں لیکن چار طبائع جو کاتب کے قلم کی طرح سب سے آخری درجہ کے فرمانبردار ہیں اُن کی طرح ستارہ اخیر درجہ کے نوکروں میں شامل نہیں۔

فصل : مخلوق میں ایسے اختلافات کی کمی نہیں کہ مختلف اسباب کے پیش نظر ہر ایک بات سچ ثابت ہو جاتی ہے لیکن لوگ ہیں کہ ایک چیز کو کچھ نہ کچھ دیکھ کر یہ سمجھنے لگے ہیں کہ ہم نے اس کو پورا پورا دیکھ لیا ان لوگوں کا حال اندھوں جیسا ہے وہ جب سنتے ہیں کہ اُن کے شہر میں ہاتھی آتا ہے تو ان میں اس کے پہچاننے کی خواہش پیدا ہوتی ہے اور ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ ہاتھ سے ٹٹول کر ہم اسے پہچان لیں گے اور جب وہ ٹٹولتے ہیں تو کسی کا ہاتھ اُس کے کان پر پڑتا ہے کسی کا پاؤں پر اور کسی کا دانت پر وغیرذالک۔ اور یہ اندھے جب اپنے دوسرے بھائی بندوں کے پاس جاتے ہیں اور وہ ان سے ہاتھی کی کیفیت اور اس کا ڈیل ڈول معلوم کرتے ہیں تو جس کا ہاتھ اُس کے پاؤں پر پڑا تھا وہ کہتا ہے کہ ہاتھی ستون کی مانند ہے اور جس کا ہاتھ دانت پر پڑا تھا وہ اسے عمود کی مانند قرار دیتا ہے اور کان کو ٹٹولنے والا اسے کمل کی طرح کہتا ہے مختلف وجوہات و اسباب کے پیش نظر تو سب سچے ہیں لیکن انھوں نے دھوکہ اس لیے کھایا کہ انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ ہم نے سارے ہاتھی کو پہچان لیا ہے جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں۔

بے چارہ نجومی اور علومِ طبیعی کا ماہر اللہ تعالیٰ کے ایک خادم کو دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے اور اس کی سلطنت قاہرہ اور قدرتِ کاملہ کے پیش نظر نوکر کو ہی بادشاہ کہنا شروع کر دیتا ہے یہی راز ہے۔

هٰذَا رَبِّيْ کا اور جس کسی کو اللہ تعالیٰ راہِ راست بتلا دیتے ہیں اور معبودانِ باطلہ کے نقصانات اس پر منکشف ہو جاتے ہیں تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ جسے میں ربّ اور خُدا سمجھا تھا وہ تو دوسرے کے حکم کے تابع ہے اور جو ایسا ہے وہ مستحق خدائی نہیں۔

﴿ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴾ (الانعام)

فصل : کواکب اور طبائع نیز بروج اور آسمان کواکب جو بارہ برجوں پر تقسیم ہے اور عرشِ عظیم ایک وجہ سے ان سب کی مثال اِس بادشاہ کی سی ہے جس کا ایک خاص حجرہ ہو اور اس حجرہ کے اِردگرد بارہ دروازوں پر کارواں ہو اور ہر دروازہ میں اس وزیر کا ایک ایک ماتحت بیٹھا ہو اور اس کا وزیر اس حجرہ میں بیٹھا ہو اور سات نقیب سوار باہر سے ان دروازوں کے گرد پھرتے ہوں اور ماتحتوں کو وزیر سے جو احکام ملتے ہوں انھیں سنتے ہوں اور چار پیادے ان سات سواروں سے دور کھڑے ہوں اور ان سواروں کو دیکھ رہے ہوں کہ درِ دولت سے ان کو کیا حکم ملتا ہے اور ان چاروں پیادوں کے ہاتھ میں چار کمندیں ہوں جنھیں ڈال کر کسی گروہ کو حکم کے مطابق حاضر کریں اور کسی کو دور کریں اسی طرح کسی گروہ کو خلعت و انعام سے نوازیں اور کسی کو سزا دیں تو عرش تو حجرۂ خاص کی مانند ہے جو وزیر مملکت کے بیٹھنے کی جگہ

ہے جو ایک بڑا مقرب فرشتہ ہے اور تاروں والا آسمان رواق ہے اور بارہ برجوں کی مثال بارہ دروازوں کی سی ہے جبکہ اس کے وزیر کے نائب دوسرے فرشتے ہیں جن کا درجہ اس مقرب فرشتہ سے کم ہے اور ان میں سے ہر ایک کے ذمہ ایک ایک کام ہے سات سیارے سات سواروں کی مانند ہیں جو نقیبوں کی طرح ان دروازوں کے ارد گرد ہمیشہ پھرتے رہتے ہیں اور ہر دروازہ سے انھیں ایک ایک قسم کا حکم پہنچتا رہتا ہے اور چار عنصر یعنی آگ' پانی' ہوا اور مٹی چار پیادوں کی مانند ہیں جو اپنے وطن سے باہر نہیں جاتے اور ان کے اثرات و طبائع یعنی گرمی' سردی' رطوبت اور خشکی چار کمندیں ہیں جو ان چار پیادوں کے ہاتھ میں ہیں۔ جب کسی کا حال بدلتا ہے یعنی دُنیا سے منہ پھیرتا ہے اور رنج و درد اس پر مسلط ہو جاتا ہے اور دُنیا کی نعمتیں اسے بھلی معلوم نہیں ہوتیں اور انجام کا فکر و غم اسے گھیرلیتا ہے تو طبیب کہتا ہے کہ یہ مالیخولیا کا مریض ہے اور افتیمون کا جوشاندہ اس کا علاج ہے اور علومِ طبیعی کا ماہر کہے گا کہ خشکی دماغ میں غالب آگئی ہے جس سے یہ بیماری پیدا ہوئی ہے اور جاڑوں کی ہوا اس خشکی کا سبب ہے جب تک فصل بہار نہیں آئے گی اور ہوا میں رطوبت پیدا نہیں ہو گی اس وقت تک بیمار اچھا نہ ہو گا نجومی کہے گا کہ اس شخص کو سودا ہے عطارد اور مریخ کی منحوس مشاکلت سے سودا پیدا ہوتا ہے جب تک عطارد سعدین کے مقابلہ یا تثلیث پر نہیں آئے گا۔ یہ شخص تندرست نہیں ہو گا طبیب و طبیعی اور نجومی سب اپنی جگہ سچے ہیں۔ ذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ لیکن حضرت حق کی طرف سے اس شخص کی سعادت کا فیصلہ ہوتا ہے تو دو نقیب آزمودہ کار عطارد مریخ کو بھیجا جاتا ہے کہ بارگاہِ قدس کے پیادوں میں سے ہوا کو خشکی کی کمند سے ٹکرائے اور مارے اور اِس شخص کے دماغ میں خشکی ڈال دے اور دُنیا کی لذتوں سے اس شخص کا منہ پھیردے اور ڈر اور رنج کے کوڑے سے سرزنش کرے تاکہ طلب حق کی مہار اسے درگاہِ الٰہی میں لے آئے یہ بات' نہ عِلمِ طب میں سے نہ عِلمِ طبیعت میں اور نہ عِلمِ نجوم میں ہے بلکہ یہ گوہر آبدار علومِ نبوت کے ناپیدا کنار سمندر سے نکلتا اور ملتا ہے جو سلطنت کے تمام کناروں اور حضرت حق کے تمام عالموں' نقیبوں اور نوکروں پر محیط ہے اور جانتا ہے کہ ہر عامل کس لیے ہے اور کس کے حکم سے حرکت کرتا ہے اور مخلوق کو کہاں بلاتا اور کہاں سے باز رکھتا ہے۔ تو ہر ایک نے جو کہا سچ ہی کہا لیکن بادشاہ مملکت اور تمام سپہ سالاروں کے بھید سے اُس نے خبر و آگاہی حاصل نہ کی۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح سودا کی بیماری کے بغیر محنت کے ذریعہ مخلوق کو اپنے حضور طلب کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ بیماری نہیں بلکہ ہماری مہربانی کی کمند ہے جس کے ذریعہ ہم اپنے دوستوں کو اپنے حضور طلب کرتے اور بلاتے ہیں:

اِنَّ الْبَلَاءَ مَوَكَّلٌ بِالْاَنْبِيَاءِ ثُمَّ الْاَوْلِيَاءِ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَا الْاَمْثَلُ مِثْلُ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعِدْنِيْ

"یقیناً مصائب اور پریشانیوں میں سب سے زیادہ پالا انبیاء علیہم السلام پھر اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کو پڑتا ہے پھر ایمان و یقین کے اعتبار سے ان کے قریب تر (اللہ تعالیٰ کا ارشاد) کہ میں بیمار تھا پس اے بندے تُو نے میری عیادت نہ کی"۔

انھی لوگوں کے حق میں ہے کہ جنھیں تم بیمار سمجھتے ہو وہ بیمار نہیں بلکہ کشتۂ عشق حق ہیں۔ آدمی کی بادشاہی جو اس کے بدن کے اندر ہے پہلی مثال سے تو اس کا حال معلوم ہوتا ہے اور وہ بادشاہی جو آدمی کے بدن سے باہر ہے دوسری مثال سے اس کا حال واضح ہوتا ہے اور اسی وجہ سے بدن کے باہر کی بادشاہی کی پہچان بھی اپنے آپ کو پہچاننے سے حاصل ہوتی ہے اسی وجہ سے ہم نے معرفتِ نفس کو پہلے عنوان میں ذکر کیا اور اس کو اولیت دی۔

فصل: اب تمھیں سبحان اللہ ' الحمد للہ ' لا الٰہ الا اللہ اور اللہ اکبر کے معنی جاننے چاہئیں کیونکہ یہ چار چھوٹے سے کلمات معرفتِ الٰہی کے جامع ہیں۔ جب تم نے اپنی پاکی اور تنزیہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی پاکی اور تنزیہ کو پہچان لیا تو گویا تو نے سبحان اللہ کو پہچان لیا۔ اور جب تو نے اپنی بادشاہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی بادشاہی تفصیل سے معلوم کرلی اور یہ بھی معلوم کرلیا کہ تمام اسباب اسی کے تابع ہیں تو الحمد للہ کے معنی تجھے معلوم ہو گئے کیونکہ جب اس کے سوا کوئی نعمت دینے والا نہیں تو حمد و شکر اس کے سوا کسی کے لیے نہیں ہو سکتا اور جب تو نے یہ بات معلوم کرلی کہ احکم الحاکمین کے سوا کوئی دوسرا حاکم نہیں تو لا الہ الا اللہ کے معانی تجھے معلوم ہو گئے اور اب وہ مرحلہ آگیا کہ تو اللہ اکبر کے معنی پہچانے اور یہ بات معلوم کرے کہ یہ سب کچھ تو نے پہچانا اور جانا ہے تو اس سے اللہ تعالیٰ کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے بزرگ ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ربّ العزت اس بات سے بزرگ اور بڑے ہیں کہ مخلوق اسے قیاس کے ذریعہ پہچان سکے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ دوسروں سے بڑا اور بزرگ ہے کیونکہ اس کے ساتھ کوئی دوسری چیز فی الحقیقت موجود ہی نہیں کہ وہ اس سے بزرگ اور بڑا ہو اس لیے کہ تمام موجودات اسی کے نور کا پرتو ہیں اور سورج کا نور سورج کے علاوہ کوئی چیز نہیں کہ یہ بات کہہ سکیں کہ سورج اپنے نور سے بزرگ تر ہے بلکہ اللہ اکبر کے معنی یہ ہیں کہ اللہ اس امر سے بڑا ہے کہ عقلی قیاس سے آدمی اس کو پہچان سکے۔

معاذ اللہ کہ حق تعالیٰ کی پاکی اور تنزیہ آدمی کی پاکی اور تنزیہ جیسی ہو وہ تو تمام مخلوقات کی مشابہت سے پاک ہے اور معاذ اللہ کہ حق تعالیٰ کی حکومت و سلطنت آدمی کی حکومت و سلطنت کے مانند ہو جو آدمی کو اپنے بدن پر حاصل ہے اور اللہ پناہ دے اس بات سے کہ کہا جائے کہ اس کی صفات علم و قدرت وغیرہ انسان کی صفات کی مانند ہوں بلکہ یہ تو ایک شائبہ ہے تاکہ تجھے آدمی کی عاجزی کی قدر اور حضرت حق کے جمال جہاں آراء کا کچھ اندازہ ہو سکے اور اس کی مثال یوں ہو سکتی ہے کہ کوئی لڑکا ہم سے سوال کرے کہ ریاست و حکومت میں کیا مزہ ہے تو ہم اس سے یہی کہیں گے کہ جو گیند بلا کھیلنے میں ہے اس واسطے کہ کودکِ ناداں کو اس کے سوا کچھ پتہ ہی نہیں اور جو مزہ اسے حاصل نہیں اسے قیاس سے وہ خاک پہچانے گا۔ ہاں اس مزہ کو البتہ پہچان جائے گا جس کا شائبہ اسے حاصل ہو اور یہ سب کو معلوم ہے کہ حکومت و سلطنت کی لذت کا گیند بلا کی لذت سے کوئی علاقہ و تعلق نہیں لیکن بہرحال لذت و خوشی کا نام دونوں پر صادق آسکتا ہے تو نام کی وجہ سے دونوں یکساں ہیں۔ بہرحال معرفتِ الٰہی کا جو شائبہ مذکور ہوا اور مثالیں بیان ہوئیں ایسا ہی انھیں بھی جان لے اور معلوم کرے کہ اللہ تعالیٰ کی حقیقت کو تمام و کمال کوئی نہیں جانتا۔

فصل: اللہ کی معرفت کی تفصیل کا مسئلہ بہت طویل ہے اور یہ کتاب اس کی متحمل نہیں۔ جتنا کچھ بیان ہوا وہی کافی ہے تاکہ لوگ آگاہ ہو جائیں اور آدمی میں اپنی بساط کے مطابق مزید تحقیق و جستجو کا ذوق پیدا ہو۔ اس لیے کہ آدمی کی سعادت کا راز اسی میں ہے بلکہ اس کی سعادت کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور عبادت ہے۔ یہ بات کہ آدمی کی سعادت کا راز اللہ کی معرفت میں ہے پہلے بیان ہو چکا اور جہاں تک عبادت و بندگی کا تعلق ہے تو اس کی وجہ واضح ہے کہ جب آدمی مرگیا تو اس کا واسطہ اسی ذات حق سے پڑے گا۔ حضرت حق فرماتے ہیں : ((اِلَیْہِ الْمَرْجِعُ وَالْمَصِیْرُ))

اور جس شخص کو جس کے پاس رہنا ہے اس کے اعتبار سے موجب سعادت یہی ہے کہ وہ اسے محبوب رکھے یہ اسے

جتنا زیادہ دوست اور محبوب رکھے گا اتنی ہی اس کی سعادت میں اضافہ ہو گا اس لیے کہ محبوب کے دیدار میں لذت اور راحت بہت ہے اور اللہ تعالیٰ کی دوستی معرفت اور ذکر کی کثرت سے ہی ہوتی ہے وجہ ظاہر ہے کہ جو جس کو جتنا زیادہ دوست رکھتا ہے اتنا ہی اس کا ذکر کرتا ہوتا ہے اسی وجہ نے اللہ تعالیٰ سے حضرت داؤد علیہ السلام کو فرمایا :

﴿ اَنَابُدَّکَ اَللّازِمُ فَالْزِمُ بُدَّکَ ﴾

"میں تیرا سہارا ہوں اور تیرا واسطہ مجھ ہی سے ہے ایک لمحہ مجھ سے غافل نہ ہو"۔

اور ذکر کا غلبہ کثرتِ عبادت سے ہوتا ہے اور فراغت و اطمینان سے عبادت جب ہوتی ہے جب آدمی خواہشات سے رشتہ توڑ لے اور خواہشات کا سلسلہ تب منقطع ہوتا ہے جب گناہوں سے ہاتھ اُٹھالے اور گناہوں سے ہاتھ اُٹھانا فراغت دِل کا سبب ہے اور عبادت کرنا غلبۂ ذکر کا سبب ہے اور یہ دونوں مُحبّت کے اسباب ہیں اور مُحبّت سعادت و نیک بختی کا بیج ہے۔ سعادت نام ہے نجات و فلاح کا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ (مومنون)

مزید ارشاد فرمایا :

﴿ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴾ (الاعلی)

اور چونکہ عبادت کے سارے کام نہیں ہو سکتے بعض ہوتے ہیں بعض نہیں اور تمام خواہشات سے دست بردار ہونا ممکن ہے نہ درست کیونکہ آدمی کا کھانا بھی ایک خواہش ہے اگر آدمی نہیں کھائے گا تو ہلاک ہو جائے گا۔ تعلقات زن و شوئی کی خواہش پوری نہ کرے گا تو نسل منقطع ہو جائے گی۔ معلوم ہوا کہ بعض خواہشات چھوڑنے کے قابل ہیں اور بعض عمل کے قابل تو ایک انداز چاہیے جو دونوں قسم کی خواہشات میں تمیز کر دے اور یہ یا تو اس طرح ممکن ہے کہ آدمی اپنی عقل سے کر لے اور غور و فکر کو کام میں لا کر حدود متعین کر لے اور یا پھر دوسرے پر اعتماد کرے اور ان سے حدود متعین کروا لے۔

یہ امر محال ہے کہ آدمی کو بالکلیہ اپنی تجویز و اختیار کے سپرد کر دیں اس واسطے کہ اس پر خواہش غالب ہوتی ہے اور حق پوشیدہ رہتا ہے اور جس چیز سے آدمی کی مراد پوری ہوتی ہو وہ اسے ہر حال میں اچھی نظر آتی ہے اس لیے ضروری ہے کہ اسے بالکلیہ خود مختار نہ کیا جائے بلکہ اسے دوسرے کا تابع فرمان رکھا جائے اور ہر کوئی اس قابل نہیں کہ اس کی فرمانبرداری کی جائے بلکہ اس مقصد کے لیے بہت بڑے دور اندیش آدمی کی ضرورت ہے اور یہ دُور اندیشی صرف انبیاء علیہم السلام کو نصیب ہے تو شریعت کی اتباع کرنا اور اس کی حدود کا احترام اور اس کے احکامات کو ماننا یقیناً سعادت کی راہ ہے اور یہی بندگی کے معنی ہیں تو جو کوئی شریعت کی حدود سے تجاوز کرے گا اپنے ہاتھوں ہلاک ہو جائے گا اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

﴿ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ﴾ (الطلاق)

فصل : غیر مباح کو مباح جاننے والے جو اللہ تعالیٰ کی حدود اور احکامات سے دستبردار ہو گئے ان کی غلطی اور نادانی کی وجوہ سات ہیں :

نمبرایک : اس فرقہ کی نادانی ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتا وہ اس ذاتِ بے چوں کو وہم و خیال کے خزانہ میں مخصوص کیفیات کے ساتھ اس کی تلاش میں نکلتا ہے اور جب اسے نہیں پاتا تو انکار کر دیتا ہے اور مختلف کاموں کو طبائع اور ستاروں کے حوالہ کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ آدمی اور حیوانات اور یہ جہان اس حکمت اور ترتیب کے ساتھ خود بخود پیدا ہو گیا یا یونہی ہمیشہ سے موجود ہے اور یا یہ سب محض طبیعات کا کرشمہ ہے اور جب علمِ طبیعی کا عالم اپنے آپ سے خود بے خبر ہے تو وہ اور کیا پہچانے گا اور انکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اچھا سا خط دیکھے اور یہ سمجھے کہ اپنے آپ یہ معرضِ وجود میں آ گیا ہے کاتب کے علم' قدرت اور ارادہ کا اس میں کوئی دخل نہیں یا یہ کہ یہ خط بس یونہی لکھا ہوا تھا جس کا اندھا پن ایسا ہو وہ بدبختی اور گمراہی کی راہ سے کبھی نہیں پلٹے گا رہ گیا نجومی اور طبیعی تو اُن کی غلطی بیان ہو چکی دوسری وجہ اس گروہ کی جہالت اور نادانی ہے جو آخرت کا معتقد نہیں وہ کیونکر یہ جانے گا کہ آدمی گھاس پھوس کی مانند ہے یا حیوانوں کی مانند؟ اور جب مر جائے گا وہ فنا ہو جائے گا اس پر نہ کبھی عتاب ہو گا نہ حساب اور نہ اسے عذاب ہو گا نہ ثواب! اور اپنے آپ کو نہ پہچاننا اس جہالت کا سبب ہے حیرت ہے کہ گدھا بیل یا گھاس پھوس کی حقیقت کو تو جان لیتا ہے اور انسانی رُوح جو آدمیت کی حقیقت ہے اسے نہیں جانتا حالانکہ وہ ہمیشہ رہے گی کبھی مرے گی نہیں لیکن اس کا ڈھانچہ تو بہرحال تہس نہس ہو گا اور اسی کو موت کہتے ہیں ان شاء اللہ موت کی حقیقت چوتھے عنوان میں بیان کی جائے گی۔

تیسری وجہ انکی جہالت اور نادانی ہے جو حضرتِ حق اور قیامت پر ایمان تو رکھتے ہیں مگر شریعت کے معنی نہیں جانتے اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری عبادت کی کیا ضرورت ہے اور ہمارے گناہ سے اسے کیا رنج اور اذیت ہو گی کیونکہ وہ تو بادشاہ ہے اور ہماری عبادت سے بے نیاز! اس کے نزدیک عبادت اور گناہ سب برابر ہے یہ جاہل قرآن شریعت کو نہیں دیکھتے کہ اس میں کیا لکھا ہے : ﴿ وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ ﴾ اور ﴿ مَنْ جَاهَدَ فَاِنَّمَا يُجَاهِدُ لِنَفْسِهٖ ﴾ (العنکبوت) اور ﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ ﴾ (حم السجدہ)

یہ بدبخت شریعت سے جاہل ہے یہ جانتا ہے کہ شریعت اللہ کے لیے کام کرنے کا نام ہے یہ نہیں کہ اپنے لیے اور اپنی مرضی سے کام کئے جائیں یہ معاملہ تو ایسا ہے کہ کوئی بیمار پرہیز تو نہ کرے اور کہے کہ طبیب کا کیا کہ میں اس کی بات مانوں یا نہ مانوں۔ یہ صحیح ہے کہ طبیب کا کیا بگڑ گیا لیکن بہرحال یہ مریض ہلاک ہو جائے گا کیونکہ طبیب نے اسے وہ راہ بتائی جس میں اس کی صحت کا راز ہے اب اگر بیمار نہیں مانتا تو طبیب کا کیا بگڑے گا ہلاک تو یہ مریض ہو گا۔ جیسے بدن کی بیماری اس جہان میں ہلاکت کا باعث ہے دِل کی بیماری اگلے جہان میں شقاوت و بربادی کا سبب ہے اور جیسے دوا اور پرہیز بدن کی صحت و سلامتی کا سبب ہے عبادت و معرفت اور گناہوں سے پرہیز دِل کی سلامتی کا باعث ہے لا ینجوا اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ

چوتھی وجہ ان لوگوں کے جہالت اور نادانی کی دوسری وجوہات سے بے خبری ہے وہ لوگ بے خبری کی وجہ سے کہتے ہیں کہ شریعت حکم فرماتی ہے کہ خواہش' غُصّہ اور ریا سے دِل کو پاک کرو اور یہ بات ممکن نہیں اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کو پیدا ہی ان چیزوں کے لیے کیا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص یہ چاہے کہ سیاہ کو سفید کر دے تو اس حکم کی تعمیل محال و مشکل ہے حالانکہ یہ احمق نہیں سمجھتے کہ شریعت نے یہ حکم نہیں فرمایا کہ غُصّہ وغیرہ کو دور

کر دو بلکہ یہ حکم دیا ہے کہ انھیں ادب سکھاؤ اور اس طرح دبا کر رکھو کہ وہ شریعت اور عقل پر غالب نہ ہونے پائیں اور سرکشی نہ کرنے پائیں اور شریعت مطہرہ کی حدود کو نگاہ میں رکھے اور گناہِ کبیرہ سے دور رہے تاکہ اللہ رب العزت ان کے صغیرہ گناہ بخش دے اور بہت لوگ اس درجہ پر پہنچے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نہ تو غُصّہ چاہیے اور نہ عیش و نشاط حالانکہ آپ ﷺ کے حرم میں ۹ بیویاں تھیں اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمھاری طرح انسان ہی ہوں : ((اَغْضِبُ بِمَا یَغْضِبُ الْبَشَرُ)) "دوسرے انسانوں کی طرح مجھے بھی غُصّہ آتا ہے۔" اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا : وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ (ال عمران) گویا اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی تعریف فرمائی جو غُصّہ کو پینے والا ہو۔ اس کی تعریف نہیں کی جس میں غُصّہ ہے ہی نہیں۔

پانچویں وجہ ان لوگوں کی جہالت و نادانی کی یہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفات عالیہ سے بے خبر ہو کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ وہ رحیم و کریم ہے جس حال میں ہوں گے ہم پر رحم فرمائے گا حالانکہ انھیں جاننا چاہیے کہ وہ کریم ہے تو شدید العقاب بھی ہے وہ یہ نہیں دیکھتے کہ وہ رحیم و کریم ہونے کے باوجود مخلوق کے اکثر حصّہ کو مختلف قسم کی بلاؤں' بیماریوں اور بھوک میں بھی مبتلا کر دیتا ہے جو درحقیقت اعمال بد کی وجہ سے ہوتا ہے اور وہ یہ نہیں دیکھتے کہ جب تک لوگ کھیتی باڑی اور تجارت نہیں کرتے مال ہاتھ نہیں آتا' اسی طرح جب محنت کرتے ہیں عِلم سیکھتے ہیں اور دُنیا کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں تو اس وقت خُدا کا رحیم و کریم ہونا انھیں یاد نہیں آتا کہ بغیر کیے بھی وہ دے سکتا ہے لیکن دیتا انھی کو ہے جو کچھ کرتے ہیں کہ یہ اصولِ فطرت ہے اللہ تعالیٰ ہر کسی کے رزق کا ضامن و کفیل ہے جیسا کہ اس نے فرمایا :

﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ﴾ (هود)

لیکن رزق کے لیے محنت و عمل پھر بھی ضروری ہے۔ اسی طرح اس نے آخرت کی نجات و فلاح کا مسئلہ بھی انسانی اعمال پر رکھا ہے۔

﴿ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی ﴾ (نجم)

جب رزق کی تلاش میں سرگرداں رہتے ہیں اور اس کے کرم پر ایمان نہیں رکھتے تو اُخروی نجات کے متعلق یہ باتیں محض زبانی ہیں بلکہ شیطان کی نصیحت اور اس کا دھوکہ ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں۔

چھٹی وجہ جہالت اور نادانی کی یہ ہے کہ لوگ اپنے معاملہ میں غرور کا مظاہرہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اس درجہ پر پہنچ چکے ہیں کہ گناہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور کہہ دیتے ہیں کہ ہمارا دین قلتین[1] کی مانند ہے جسے گناہوں کی نجاست ناپاک نہیں کرتی۔ یہ احمق ایسے کم ظرف ہوتے ہیں کہ اگر کوئی ان سے ایسی بات کرے جس سے ان کا غرور و تکبر ٹوٹتا ہو تو عمر بھر اس کے دشمن بن جاتے ہیں اور ایک نوالہ جس کا انھیں لالچ ہے نہ ملے تو سارا جہان ان کی نگاہوں میں تاریک ہو جاتا ہے۔ یہ احمق ابھی تک انسانیت اور مردانہ خصائل میں قلتین کے درجہ تک نہیں پہنچے اس لیے انھیں ایسی باتوں سے احتیاط برتنی چاہیے یہ باطل دعویٰ ہے کہ ہم صاحب حال ہیں اس لیے گناہ ہمیں نقصان نہیں پہنچا سکتے جب یہ دعویٰ

---

[1] ایک پیمانۂ آب جس کی تفصیل فقہ کی کتابوں میں ملے گی۔

باطل ہے تو اس کا اظہار کب مناسب ہے! بالفرض اگر کوئی شخص ایسا ہے بھی جو دشمنی، غصہ، خواہش اور ریا وغیرہ سے پاک ہے تب بھی یہ دعویٰ غلط ہے بلکہ تکبر کا باعث! کیونکہ یہ کچھ ہو اس کا درجہ انبیاء علیہم السلام کے درجہ سے بڑھ تو نہیں سکتا۔ وہ پاک نفوس اپنی چوک اور لغزش[1] پر روتے اور بارگاہ قدس میں توبہ کرتے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم چھوٹے بڑے گناہوں سے پرہیز فرماتے بلکہ شبہ کے خوف سے حلال چیزوں سے بھی بھاگتے تھے۔ اس احمق نے کیسے سمجھ لیا کہ وہ شیطان کے مکر کا شکار نہیں ہوا اور اسے کیسے معلوم ہو گیا کہ وہ انبیاء علیہم السلام و صحابہ رضی اللہ عنہم سے مرتبہ میں بڑھ گیا۔

اگر یہ احمق یہ کہے کہ انبیاء علیہم السلام تو ایسے تھے کہ گناہ انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا البتہ وہ نالہ و زاری اور توبہ محض مخلوق کو تعلیم دینے کی غرض سے کرتے تھے تو اسے بھی مخلوق کے لیے ایسا ہی کرنا چاہیے۔ آخر یہ ایسا کیوں نہیں کرتا۔ واقعہ یہ ہے کہ جو کوئی اس کے قول و فعل کو دیکھتا ہے وہ برباد ہوتا ہے اور اگر یہ کہے کہ مخلوق کے تباہ ہونے سے میرا کیا نقصان ہو گا تو سوال یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مخلوق کے تباہ ہونے سے کیا نقصان ہوتا تھا؟ آپ بھی تو تقویٰ و پرہیز گاری کے معاملات میں حد درجہ محنت فرماتے اور عبادت میں خوب جدوجہد کرتے۔ آپ نے صدقہ کی ایک کھجور منہ سے نکال کر پھینک دی اگر کھا لیتے تو اس سے مخلوق کا کیا نقصان ہوتا اُلٹا کھانا سب کے لیے درست ہو جاتا اور اگر آپ کا اس کھجور سے کوئی نقصان نہیں ہوتا تھا تو ان احمقوں کا شراب کے پیالوں سے بھی نقصان نہیں ہوتا؟ کیا اس احمق کا درجہ اللہ کے رسول سے زیادہ ہے اور شراب کے سو پیالوں کا درجہ ایک کھجور سے زیادہ ہے یہ احمق گویا اپنے آپ کو ایک ایسا دریا سمجھتا ہے جس کو شراب کے سو پیالے بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور معاذ اللہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا چھوٹا برتن تصور کرتا ہے جسے ایک کھجور بھی خراب کرنے کے لیے کافی ہے۔ ضرورت ہے کہ شیطان اس احمق کی مونچھیں مروڑے اور دُنیا بھر کے بے وقوف اس کو مسخرہ بنائیں اس واسطے کہ عقلمند تو اس سے بات کرنے سے رہے اور وہ تو اس کے ساتھ ہنسی میں عار محسوس کریں گے۔

بزرگانِ دین وہ لوگ ہیں جو یہ بات جانتے ہیں کہ جس نے خواہشات کو اپنا قیدی و مطیع نہیں بنایا وہ آدمی ہی نہیں بلکہ جانور ہے تو سمجھنا چاہیے کہ آدمی کا نفس انتہائی مکار اور دغا باز ہے وہ جھوٹے دعوے کرتا اور ڈینگیں ہانکتا ہے کہ میں بڑا زبردست آدمی ہوں۔ پس آدمی کو اپنے نفس سے ان دعووں پر دلیل مانگنی چاہیے ہاں جب وہ شریعت کا مطیع ہو تو پھر دلیل کی ضرورت ہی نہیں۔ اگر وہ شریعت کی اطاعت میں ہمیشہ خوش اور مستعد رہتا ہے تو بہت خوب اور اگر شرعی احکام میں رخصت، تاویل یا حیلہ ڈھونڈتا ہے تو وہ شیطان کا غلام ہے اور ولایت کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے۔ آخر دم تک اس سے دلیل مانگنی چاہیے ورنہ وہ مغرور اور دُنیا پر لٹو ہو کر تباہ ہو جائے گا۔ آدمی کو یہ محسوس کرنا چاہیے کہ نفس کا شریعت مقدسہ کی اطاعت میں رہنا اسلام کا پہلا درجہ ہے۔

ساتویں وجہ غفلت اور خواہش کے سبب پیدا ہوتی ہے جہالت اور نادانی سے نہیں۔ یہ غیر مباح کو مباح ٹھہرانے والا وہ فرقہ ہے جس نے ان تمام وجوہاتِ مذکورہ میں سے کچھ نہ سنا ہو لیکن کسی گروہ کو دیکھا کہ وہ اباحت و جواز کی راہ پر چلتا

---

[1] انبیاء علیہم السلام کی عصمت وغیرہ کے مسائل کی تفصیل عقائد کی کتابوں میں دیکھنا ضروری ہیں تاکہ عقیدہ متاثر نہ ہو۔

ہے' فساد ڈالتا ہے اور چکنی چپڑی باتیں کرتا ہے اور صوفیاء کا سا لباس پہن کر تصوف و ولایت کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کو بھی یہ طریقہ پسند آتا ہے۔ اس واسطے کہ اس کی طبیعت میں لغویت اور خواہش کا غلبہ ہوتا ہے وہ اس کو مائل بہ فساد کرتی ہے اور یہ نہیں جانتا کہ فساد کے سبب مجھ پر عذاب نازل ہو گا۔ اگر وہ ایسا محسوس کرے تو پھر وہ فساد کو تلخ اور مشکل سمجھے گا۔ وہ کہتا ہے کہ یہ فساد کہاں بلکہ اسے فساد کہنا تہمت اور نئی بات ہے جس کو وہ حدیث سے تعبیر کرتا ہے حالانکہ اسے نہ تو تہمت کا معنی آتا ہے اور نہ حدیث کا! ایسا آدمی غافل اور شہوت پرست ہوتا ہے اور اس پر شیطان مسلط ہوتا ہے ایسا آدمی سمجھانے سے راہِ راست پر نہیں آتا کیونکہ اسے شبہ تو نہیں پڑا کہ سمجھانا فائدہ مند ہو۔ اس گروہ کا تعلق اکثر ان لوگوں سے ہوتا ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِىْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ﴾

مزید فرمایا :

﴿ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴾

اس لیے ان لوگوں کے ساتھ ہمیشہ ڈنڈے کی زبان سے بات کرنی چاہیے نہ کہ دلیل و تقریر کے ذریعہ۔

اس عنوان میں نصیحت کی تفصیل اور ہر چیز کو مباح ٹھہرانے والوں کی غلطی کے بیان میں بس اتنا ہی کافی ہے جو بیان ہوا کہ اس غلطی اور گمراہی کا سبب یا تو یہ ہے کہ اس نے اپنے آپ کو نہیں پہچانا اور یا یہ ہے کہ اُس نے اپنے خالق کو نہیں پہچانا یا یہ کہ اُس نے علومِ شریعت کو نہیں سیکھا اور جب آدمی کی نادانی ایسے کام سے متعلق ہو جو اس کی طبیعت کا تقاضا ہے تو ایسی گمراہی کا زائل ہونا از حد مشکل ہوتا ہے اس وجہ سے لوگ کچھ سوچے سمجھے بغیر جواز کی راہ میں قدم بڑھا لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم تو حیران ہیں اگر ان سے پوچھیں کہ بھائی تم کس چیز سے حیران ہو تو جواب نہیں دے سکیں گے۔ اس لیے کہ نہ یہ طالب ہیں اور نہ شبہ کا شکار۔ ان لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسا کوئی شخص طبیب سے کہے کہ میں بیمار ہوں لیکن بیماری بتائے نہیں تو جب تک وہ اس کی بیماری نہیں جانے گا اس کا علاج بھی نہیں کر سکے گا۔ اس لیے اس قسم کے لوگوں کا جواب یہی ہے کہ اچھا تم جس چیز میں چاہو حیران و متحیر رہو۔ لیکن یہ سمجھ لو کہ تم بندے ہو اور تمھارا خالق قادرِ مطلق اور علام الغیوب ہے جو چاہتا ہے کر سکتا ہے اور یہ بات اس کو دلیل سے سمجھنی چاہیے جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔



دُنیا کی معرفت کا بیان

جانِ من! اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو کہ دُنیا دین کے راستہ کی منزلوں میں سے ایک منزل اور حضرتِ حق کی بارگاہ کے مسافروں کا راستہ ہے اور یہ دُنیا مسافروں کے زادِ رہ کے لیے صحرا کے کنارے ایک آراستہ و پیراستہ بازار ہے دُنیا اور آخرت کا تعلق دو مختلف قسم کے حالات سے ہے جو حالت موت سے پہلے ہوتی ہے اور آدمی کے بہت زیادہ قریب ہے اسے تو دُنیا کہتے ہیں اور جو حالت موت کے بعد آتی ہے اسے آخرت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور دُنیا سے مقصود زادِ آخرت کا حصول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کو ابتدا میں سادہ اور ناقص تو پیدا کیا لیکن اسے اس قابل نہیں بنایا کہ وہ کمال حاصل کر سکے اور صورت ملکوتی کو اپنا نقش دِل بنا لے تاکہ بارگاہِ قدس کے لائق ہو سکے۔ یعنی وہاں کی حاضری اسے نصیب ہو اور حضرت حق کے دیدار کے نظارہ میں مشغول ہو یہی اس کی بہشت ہے اور یہی اس کی سعادت کی انتہا! اور خالق کائنات نے اسے پیدا ہی اس مقصد کے لیے کیا ہے۔ جب تک اس کی آنکھ نہیں کھلے گی اور اس کے لازوال جمال کو نہیں پہچان لے گا نظارہ کیا کر سکے گا اور پہچان تو معرفت ہی سے حاصل ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی عجیب عجیب صنعتوں کی پہچان اللہ تعالیٰ کی جمال کی معرفت کی کنجی ہے اور آدمی کے حواس اِن صنعتوں کی معرفت کا ذریعہ اور کنجی ہیں اور اس ڈھانچے کے بغیر جو پانی اور مٹی سے بنا ہے حواس کا وجود ممکن نہ تھا اس وجہ سے آدمی اس خاکدانِ عالم میں آن پڑا تاکہ اس سے توشہ حاصل کرے اور اپنے نفس کی معرفت اور تمام جہانوں کا پتہ حواس کے ذریعہ ہوتا ہے تاکہ اس کی معرفت کی کنجی سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرے۔ جب تک یہ حواس آدمی کے ساتھ رہتے ہیں اور مخبری کا فریضہ انجام دیتے ہیں کہ فلاں دُنیا میں ہے اور جب یہ حواس رخصت ہوتے ہیں اور وہ خود اور اس کی ذاتی صفات باقی رہ جاتی ہیں تو لوگ کہتے ہیں کہ فلاں دُنیا سے رخصت ہو گیا تو دُنیا میں آدمی کے رہنے کا سبب بس یہی ہے جس کا بیان ہوا۔

فصل: آدمی کو اس دُنیا میں دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک تو یہ کہ دِل کو اسبابِ ہلاکت سے بچائے اور اس کے لیے غذا حاصل کرے دوسرے یہ کہ بدن کو ہلاک کرنے والی چیزوں سے محفوظ رکھے اور اس کے لیے غذا حاصل کرے اور دِل کی غذا تو اللہ تعالیٰ کی معرفت اور مُحبّت ہے اس واسطے کہ حقیقت میں ہر چیز کی غذا وہی ہے جو اس کی طبیعت کی خواہش کے مطابق ہو اور اس کی خاصیت ہو چنانچہ آدمی کی خاصیت کا بیان ہو چکا اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز کی مُحبّت میں ڈوبا رہنا آدمی کے دِل کی ہلاکت کا سبب ہے اور بدن کی خبر گیری اصل میں دل ہی کے لیے ہے کیونکہ بدن تو فنا ہو جائے گا اور محض دِل ہی باقی رہے گا اور دِل کے واسطے بدن کی مثال ایسی ہے جیسے کعبۃ اللہ کی راہ میں حاجی کے لیے اونٹ! اونٹ حاجی کے لیے ہوتا ہے نہ کہ حاجی اونٹ کے لیے۔ جب تک وہ کعبۃ اللہ میں پہنچ نہ جائے اور اونٹ سے بے فکر اور بے پروا نہ ہو جائے اس وقت تک حاجی کو اونٹ کے لیے چارے اور پوشش کا انتظام کرنا ہو گا تاکہ اس کی کفالت کر سکے لیکن یہ کفالت بقدرِ ضرورت ہو گی نہ کہ حاجی سارا دن اسی میں مشغول رہے گا۔ اگر وہ سارا دن اسی میں مشغول رہا تو وہ قافلہ سے بچھڑ جائے گا اور ہلاک ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر آدمی رات دن بدن کی خبر گیری میں لگا رہے گا یعنی اس کی غذا کی فراہمی میں مشغول رہے گا اور اسے اسبابِ ہلاکت سے بچانے کی فکر میں رہے گا تو اپنی سعادت

سے محروم ہو جائے گا۔

انسانی بدن کو دُنیا میں فقط ان تین چیزوں کی ضرورت و حاجت ہے کھانا' پہننا اور گھر۔ کھانا غذا ہے ' پہننا لباس ہے اور گھر وہ ہے جو گرمی سردی اور دوسرے اسبابِ ہلاکت سے اس کو بچائے تو بدن کو اس کے سوا اور کسی چیز کی ضرورت نہیں بلکہ یہی تین چیزیں دُنیا کی اصل ہیں دِل کی غذا معرفت ہے وہ جتنی زیادہ ہو اتنی ہی بہتر ہے جبکہ بدن کی غذا کھانا ہے لیکن اگر وہ حد سے زیادہ ہو گا تو ہلاکت کا سبب بن جائے گا۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے خواہش کو آدمی پر متعین کر دیا ہے تاکہ کھانے' کپڑے اور گھر کا تقاضا کرے تاکہ بدن جو انسان کی سواری ہے وہ ہلاک نہ ہوجائے اور اس خواہش کی خلقت و پیدائش ایسی نہیں جو ایک حد پر نہیں ٹھہرتی اور زیادہ بھی طلب کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عقل کو اس واسطے پیدا کیا ہے کہ خواہش کو ایک حد پر رکھے اور انبیاء علیہم السلام کی زبانی شریعت اس لیے مقرر فرمائی ہے کہ خواہش کی حد ظاہر کر دیں لیکن چونکہ خواہش کی حاجت تو تھی اس لیے خدا نے اس کو بچپن ہی میں پیدا کیا اور اس کے بعد عقل کو پیدا کیا چونکہ خواہش پہلے پیدا ہوئی تھی اس لیے اُس نے جگہ حاصل کر لی اور غالب آ گئی اور عقل و شرع جو بعد میں پیدا ہوئی ہیں ان سے سرکشی کرتی ہیں تاکہ آدمی ہر وقت خورد و نوش اور مسکن کی تلاش میں لگا رہے اس لیے آدمی اپنے آپ کو بھول جاتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ یہ اشیاء کس کے واسطے درکار ہیں اور آدمی دُنیا میں آیا کیوں ہے اور دِل کی غذا جو زادِ آخرت ہے اسے بھول جاتا ہے۔ اے پیارے! ان سب باتوں سے دُنیا کی حقیقت اور آفت اور حاجت تو تو نے جان لی اب تیرا فرض ہے کہ دُنیا کی شاخوں کو پہچان کر دُنیا میں جو اصل شغل ہے اس کی قدر کرے اور اسے جانے!

فصل: اگر تم دُنیا کی حقیقت میں غور کرو گے تو تمہیں معلوم ہو گا کہ دُنیا اپنی اصل کے اعتبار سے تین چیزوں کا نام ہے ایک تو وہ اشیاء جو زمین پر پیدا ہوتی ہیں یعنی نباتات' معدنیات اور حیوانات ہے کیونکہ زمین سکونت نفع رسانی اور زراعت کے لیے ہے اور معدنیات مثلاً تانبا' لوہا اور پیتل مختلف قسم کے اوزاروں کے لیے ہیں اور حیوانات سواری اور کھانے کے لیے ہیں۔ آدمی اپنے دِل اور بدن کو ان چیزوں میں مشغول رکھتا ہے۔ دِل کو تو تُو ان چیزوں کی محبت اور خواہش میں مغلوب رکھتا ہے اور ہاتھ پاؤں کو ان کی درستگی میں لگائے رکھتا ہے۔ دِل کو ان چیزوں کے ساتھ مشغول رکھنے سے دِل پر ایسی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں جو ہلاکت کا سبب اور ذریعہ بن جاتی ہیں جیسے حرص' بخل اور عداوت وغیرہ اور جب ہاتھ پاؤں کو اِن چیزوں کے ساتھ مشغول رکھتا ہے اور وہ ان میں اٹک کر رہ جاتا ہے اور اپنے آپ کو بھول کر دُنیا کے کاموں میں ہمت دکھاتا ہے اور جس طرح دُنیا میں تین چیزیں ہیں یعنی خوراک' لباس اور جائے سکونت۔ اسی طرح جن صنعتوں اور مشغلوں کی ضرورت ہے وہ بھی تین ہیں سنار کی صنعت' جولاہے کی صنعت' معمار کی صنعت لیکن ان میں سے ہر ایک کی شاخیں ہیں کوئی تو اسباب مہیا کرتا ہے جیسے روئی دھننے والا اور سوت کاتنے والا جولاہے کے لیے اسباب مہیا کرتا ہے اور بعض ان کے کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچاتے ہیں جیسے درزی کہ وہ جولاہے کا کام پورا کرتا ہے اور ان سب کو لکڑی لوہے اور چمڑے وغیرہ کے اوزار کی ضرورت ہے تو لوہار' بڑھئی پیدا ہوا اور ہر ایک دوسرے کی مدد کا محتاج ہے اس واسطے کہ کوئی آدمی تنہا کام نہیں کر سکتا تو دُنیا میں سب اکٹھے ہو گئے جیسے درزی جولاہے اور لوہار کا کام کرتا ہے اور لوہار دونوں کا۔ اسی طرح ہر ایک دوسرے کا کام کرتا ہے چنانچہ ان سب میں معاملت ہوئی جس کے سبب عداوتیں پیدا ہوئیں اور کوئی

بھی اپنا حق دوسرے کو دینے پر راضی نہیں ہوتا اور دوسرے کے درپے ہوتا ہے تو اس کے لیے تین چیزوں کی مزید ضرورت محسوس ہوئی۔ ایک سیاست و سلطنت دوسرے قضا و حکومت، تیسرے علمِ فقہ جس کے ذریعہ مخلوق کو سلطنت اور سیاست کے قواعد معلوم ہوتے ہیں اور یہ کام کرنے والے اگرچہ پیشہ وروں کی طرح ہاتھ سے کام نہیں کرتے لیکن یہ بھی پیشہ ہی ہے اس وجہ سے دُنیا میں مشاغل بہت ہو گئے اور آپس میں اُلجھ کر رہ گئے اور مخلوق نے اپنے آپ کو ان میں گم کر دیا اور یہ نہ سمجھے کہ ان سب کی اصل تو فقط تین اشیاء ہیں یعنی خوراک و پوشاک اور مسکن۔ دُنیا کے تمام مشاغل ان ہی تین چیزوں کے واسطے ہیں اور یہ تینوں چیزیں اللہ نے بدن کے واسطے پیدا کی ہیں اور بدن دِل کے لیے ہے تاکہ دِل کی سواری کا فریضہ سرانجام دے اور دِل اللہ تعالیٰ کے لیے ہے پس لوگ اپنے آپ کو اور اللہ تعالیٰ کو بھول گئے جیسا کہ حاجی اپنے آپ کو اور کعبہ کو نیز سفر کو تو بھول جائے اور سارا وقت اونٹ کی خبر گیری میں ضائع کر دے تو اے پیارے دُنیا کی حقیقت یہی کچھ ہے جو بیان ہوئی اور جو آدمی دُنیا میں پاؤں پر سر رکھ کر آمادۂ سفر نہ ہو اور آخرت پر اس کی نظر نہ ہو اور ضرورت سے زیادہ دُنیا میں اپنے آپ کو مشغول کر لے اس نے دُنیا کو پہچانا ہی نہیں اور اس جہالت و نادانی کا سبب یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دُنیا ہاروت اور ماروت سے زیادہ جادوگر ہے اس سے بچو جب دُنیا اتنا بڑا جادو ہے تو اس کے مکر و فریب کو جاننا اور مثال کے ذریعہ اس کی حقیقت دُنیا پر ظاہر کرنا ضروری ہوا لہٰذا اب اس کی مثال بیان کی جاتی ہے۔

فصل: پہلی مثال: اس نکتہ کو اچھی طرح سمجھ لو کہ دُنیا کا پہلا جادو تو یہ ہے کہ وہ تجھے یہ فریب دیتی ہے کہ تیرے ساتھ ٹھہری ہوئی ہے حالانکہ ایسا ہے نہیں۔ بلکہ وہ تجھ سے مسلسل بھاگ رہی ہے اس کا یہ عمل ایسا نہیں جس سے یہ اندازہ ہو کہ وہ تیزی سے بھاگ اور دُور ہو رہی ہے بلکہ یہ عمل بڑی سُست روی کے ساتھ جاری ہے اس کی مثال یوں سمجھو! گویا وہ سایہ ہے سایہ کو جب دیکھو ٹھہرا ہوا نظر آئے گا لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ مسلسل کھسکتا جاتا ہے اور تجھے معلوم ہے کہ تیری عمر کا ایسا ہی سلسلہ ہے وہ آہستہ آہستہ کم ہوتی جاتی ہے یہ دُنیا ہی تو ہے جو یوں گزر جاتی ہے لیکن تجھے خبر تک نہیں ہوتی دُنیا کے جادو کی دوسری مثال یہ ہے کہ وہ بظاہر اپنے آپ کو تیرے دوست کے طور پر ظاہر کرتی ہے اور اس طرح تجھے اپنا لٹو بناتی ہے اور اس کا انداز ایسا ہوتا ہے گویا تیرے ساتھ ہمیشہ وفا کرے گی اور کسی کے پاس نہ جائے گی لیکن دفعتاً ایسا ہوتا ہے کہ وہ تجھے چھوڑ چھاڑ کر تیرے دشمن کے پاس پہنچ جاتی ہے اس کی مثال ایک آوارہ اور فاحشہ عورت کی ہے جو مردوں کو لبھا لبھا کر اپنا عاشق بناتی ہے اور گھر لے جا کر انھیں موت کا مزہ چکھاتی ہے۔ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نے مکاشفہ میں دُنیا کو زنِ عجوزہ کی شکل میں دیکھا اور اس سے پوچھا کہ تُو نے کتنے خاوندوں سے شادی رچائی؟ اُس نے کہا اس کا گننا مشکل ہے۔ آپ نے پوچھا کہ وہ مر گئے یا طلاق کے ذریعہ علیحدگی ہوئی؟ اس نے کہا بلکہ میں نے سب کو مار ڈالا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ان احمقوں پر تعجب ہے کہ پہلوں کا حشر اور انجام دیکھنے کے باوجود تیری طرف دوڑتے ہیں اور عبرت حاصل نہیں کرتے۔ اَللّٰهُمَّ اعْصِمْنَا مِنْ سِحْرِهَا

تیسری مثال یہ ہے کہ دُنیا اپنے ظاہر کو بڑا آراستہ و پیراستہ رکھتی ہے اور جو امتحانات اور محنت و مشقت ہے اسے پوشیدہ رکھتی ہے تاکہ نادان لوگ اس کی ظاہری شکل و صورت دیکھ کر فریفتہ ہو جائیں گویا جیسی بوڑھی عورت جس نے

اپنا منہ چھپا رکھا ہو اور لباس فاخرہ اور بیش بہا زیور سے اپنے آپ کو پیراستہ کر رکھے حتیٰ کہ جو کوئی اسے دُور سے دیکھے تو اس پر عاشق ہو جائے اور جب اس کے مُنہ سے نقاب ہٹائے تو ذلیل ہو کر اس کی صورت سے بیزار ہو جائے۔ حدیث میں ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے قیامت کے دن دُنیا کو بد صورت بڑھیا کی شکل میں پیش کریں گے' اُس کی آنکھیں سبز ہوں گی اور دانت بڑے بڑے۔ اتنے بڑے کہ منہ سے باہر کو نظر آئیں گے۔ مخلوق جب اسے دیکھے گی تو کہے گی نعوذ باللہ یہ بدصورت اور روسیاہ کون ہے فرشتے کہیں گے کہ یہ وہی دُنیا ہے جس کے واسطے تم آپس میں حسد و دشمنی کرتے تھے اور ایک دوسرے سے لڑتے تھے حتیٰ کہ تم نے آپس کے تعلقات منقطع کر لیے اور اس پر فریفتہ ہو گئے پھر دُنیا کو دوزخ میں ڈال دیں گے وہ کہے گی کہ اے بار الٰہ میرے دوست کہاں ہیں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اس کے دوستوں کو بھی اس کے ساتھ جہنم میں پہنچا دو۔ نعوذ باللہ۔

چوتھی مثال : اگر کوئی شخص حساب کرے کہ ازل سے اب تک کتنا زمانہ گزرا ہے جس میں دُنیا نہ تھی اور ابد تک کتنا زمانہ باقی ہے جس میں دُنیا نہ ہو گی تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ دُنیا کی مثال ایسی ہے جیسے مسافر کہ اس کی ابتداء گہوارہ اور اس کی انتہا قبر ہے اور درمیان میں گنتی کی چند منزلیں ہیں ہر برس گویا ایک منزل ہے' ہر ماہ فرسنگ اور ہر دن میل!- ہر سانس قدم اور وہ رواں دواں ہے کوئی ایک فرسنگ چلتا ہے کوئی زیادہ اور کوئی کم! اور یہ یوں بیٹھا ہے گویا ہمیشہ وہیں رہے گا۔ دُنیا کے کاموں کی ایسی تدبیر کرتا ہے کہ دس برس تک ان کاموں کا پھر محتاج نہ ہو چاہے اس دن میں زیر زمین چلا جائے۔

پانچویں مثال : اس حقیقت کا یقین کر لیں کہ دُنیا سے لوگ جو فائدہ اُٹھاتے ہیں اور اس کے بدلے قیامت میں جو ذلت اور مصیبت برداشت کریں گے ان کا آپس میں تناسب کچھ اس طرح ہے کہ کوئی آدمی خوب عمدہ کھانے کھائے جس میں چکنائی اور مٹھاس خوب ہو حتیٰ کہ اس کا معدہ خراب ہو جائے۔ پھر اس وقت قے کرتا ہے اور جلاب کے ہاتھ رُسوا ہوتا ہے۔ شرم اور پشیمانی اس کا مقدر بن جاتی ہے اور محسوس کرتا ہے کہ لذت تو گئی اس کے بدلے یہ ذلت پلے پڑی۔ کھانا جتنا بھاری اور عمدہ ہوتا ہے اتنا ہی اس کا ثقل بدبودار غلیظ اور گندہ ہوتا ہے اسی طرح دُنیا کی لذت جتنی زیادہ ہوتی ہے عاقبت میں اتنی اس کی رُسوائی اور ذلت ہو گی۔ اور یہ سلسلہ جان کنی کے وقت شروع ہو جاتا ہے کہ جس شخص کے پاس جتنی زیادہ نعمتیں ہوں از قسم باغات' لونڈی یا غلام' سونا چاندی' اتنا ہی ان کی جدائی کا رنج بھی ہوتا ہے جب کہ ایک مفلس کو کوئی رنج نہیں ہوتا اور یہ رنج ایسا ہے جو عذاب یا موت سے زائد نہیں ہوتا بلکہ اور زیادہ ہو جاتا ہے اس واسطے کہ دُنیا کی دوستی تو دِل کا معاملہ ہے اور دِل موت کے بعد بھی برقرار رہتا ہے۔

چھٹی مثال : دُنیا کا جو کام پیش آتا ہے وہ بظاہر تھوڑا دکھائی دیتا ہے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں مشغولیت بہت کم ہو گی لیکن ہوتا یوں ہے کہ ایک کام سے سو کام مزید پیدا ہو جاتے ہیں اور تمام عمر اسی میں گزر جاتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ دُنیا کے طالب کی مثال ایسے ہے جیسے سمندر سے پانی پینے والا۔ وہ جتنا زیادہ پانی پیتا ہے اس کی پیاس اتنی ہی زیادہ بڑھتی ہے حتیٰ کہ وہ پیتے پیتے ہلاک ہو جاتا ہے لیکن اس کی پیاس نہیں بجھتی۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بات ناممکن ہے کہ ایک شخص پانی میں جائے لیکن اس پر پانی کا اثر نہ ہو۔ اسی طرح یہ بھی ناممکن ہے کہ ایک شخص دُنیا

کے دھندوں میں پڑے اور آلودہ و متاثر نہ ہو۔

ساتویں مثال : جو شخص دُنیا میں آتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی میزبان کے پاس کوئی مہمان آیا' اس میزبان کی عادت یہ ہو کہ ہمیشہ مہمانوں کے واسطے دکان آراستہ رکھتا ہو اور مہمانوں کو گروہ در گروہ بلا کر سونے کے طباق اور عود اور خوشبو کی سلگتی چاندی کی انگیٹھی ان کے سامنے رکھے تاکہ وہ معطر ہو جائیں اور پھر یہ چھوڑ چھاڑ واپس چلے جائیں اور دوسرے مہمان آئیں اب جو مہمان تو اس میزبان کی عادت سے واقف ہے اور ساتھ ہی عقلمند بھی وہ تو آتا ہے اور خوشبو ڈال کر معطر ہوتا ہے اور سامان چھوڑ کر واپس چلا جاتا ہے اور اس کا شکریہ ادا کرتا ہے لیکن جو مہمان احمق ہے اس کا خیال ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ مجھے مل جائے گا چنانچہ وہ پلٹتا ہوا سب کچھ سمیٹنے کی کوشش کرتا ہے لیکن اس کے ہرکارے اس سے سب کچھ لے لیتے ہیں تو یہ ملول ہوتا ہے اور چلاتا ہے تو دُنیا بھی ایک مہمان سرا ہے تاکہ مسافر آئیں ضرورت کا سامان لیں اور سب کا لالچ نہ کریں۔

آٹھویں مثال : دُنیا کے کاموں میں مشغول ہونا اور آخرت کو بھول جانے کی مثال ایسی ہے جیسے آدمیوں کی ایک جماعت کسی کشتی میں سوار ہو اور وہ کشتی کسی جزیرہ میں پہنچ جائے۔ وہ جماعت انسانی ضروریات اور جسمانی طہارت کے لیے کشتی سے باہر آئے اور ملاح اعلان کر دے کہ زیادہ وقت خرچ نہ کریں بس اپنی ضروریات سے جلدی فارغ ہو جائیں کیونکہ کشتی جلدی روانہ ہو جائے گی۔ لیکن لوگ تتر بتر ہو گئے ایک جماعت جو عقلمند اور دانا بینا تھی اُس نے تو پھرتی سے فراغت حاصل کر لی اور جلدی سے واپس آ کر کشتی میں جہاں مناسب جگہ ملی نشست سنبھال لی اور ایک دوسرا گروہ جزیرہ کے عجائبات میں پڑ گئے وہاں خوش رنگ پھول اور خوش آواز جانور اور منقش سنگریزے دیکھنے میں لگ گئے اور جب واپس آیا تو کشتی میں کشادہ جگہ ندارد! تنگ و تاریک جگہ میں بیٹھنا پڑا اور تکلیف اٹھائی۔ ایک تیسرے گروہ نے وہاں کے نظارے دیکھنے پر ہی کفایت نہیں کی بلکہ وہاں سے عمدہ قسم کے سنگریزے چن لائے اور کشتی میں ان کے رکھنے کی جگہ نہ ملی تو خود تو تنگ و تاریک جگہ پر بیٹھ گیا اور سنگریزوں کا بوجھ اپنی گردن پر لاد لیا اور جب دو دن گزرے اور سنگریزوں کا عمدہ رنگ بدل کر سیاہ ہو گیا اور بدبو آنے لگی تو اِن بے کار و بد رنگ سنگریزوں کو پھینکنے کی بھی جگہ نہ ملی تو اب لگا پچھتانے اور پشیمانی و ندامت سے اس بوجھ کو گردن پر لادنا پڑا۔ ایک اور گروہ نے تو حد کر دی اور وہ اس جزیرہ کے عجائبات دیکھنے میں ایسا مشغول ہوا کہ کشتی چل نکلی اور یہ پڑا رہا۔ ملاح کی بات کی طرف توجہ نہ دی تو جزیرہ میں رکنا پڑا حتیٰ کہ اس گروہ کے بعض آدمی بھوک کے مارے مر گئے بعض درندوں کا شکار ہو گئے۔ سو پہلے گروہ کی مثال تو مسلمانوں کی ہے اور آخری گروہ جو ہلاک ہوا اس کی مثال کافروں کی سی ہے کہ اپنے تئیں اللہ اور اس کے رسول نیز آخرت کو بالکل بھلا دیا اور اپنے آپ کو بالکل دُنیا کے حوالے کر دیا۔ استحبوا الحیاۃ الدُّنیا علی الاخرۃ اور بیچ والے دونوں گروہ گنہگاروں کی مانند ہیں انھوں نے ایمان کو محفوظ رکھا لیکن دُنیا کی مُحبّت سے ہاتھ نہ کھینچا۔ ایک گروہ نے افلاس کے ساتھ سیر کی اور ایک سیہ کاری کا شکار ہوا اور سنگریزے لا کر اپنے آپ کو بوجھل کر لیا۔

فصل : یہ جو دُنیا کی بُرائی بیان کی گئی ہے اس سے یہ گمان نہ کرنا کہ دُنیا میں جو کچھ ہے سب ہی برا ہے بلکہ دُنیا میں ایسی بھی چیزیں ہیں جو بظاہر دُنیا میں ہیں لیکن فی الحقیقت ایسا نہیں مثلاً علم و عمل تو ظاہری طور پر دُنیا میں ہے

لیکن حقیقت میں ایسا نہیں بلکہ یہ تو آخرت میں بھی آدمی کے ساتھ جائے گا علم تو اسی طرح آدمی کے ساتھ رہتا ہے اور عمل کا اثر رہتا ہے اور اس اثر کی دو قسمیں ہیں ایک تو دل کی پاکی اور صفائی جو ترکِ گناہ سے نصیب ہوتی ہے اور ایک اللہ تعالیٰ کے ذکر کی محبت جو ہمیشہ عبادت کرنے سے حاصل ہوتی ہے تو یہ سب باقیات الصالحات ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ وَالْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ﴾ (الکهف)

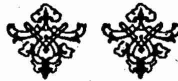
علم اور مناجات کی لذت اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کی الفت سب لذتوں سے بڑھ کر ہے اور ظاہری طور پر دُنیا میں ہے لیکن فی الحقیقت دُنیا میں نہیں تو مقصد یہ ہے کہ دُنیا کی سب لذتیں بُری نہیں بلکہ جو لذتیں فنا ہو جاتی ہیں اور باقی نہیں رہتیں وہ بھی سب بُری نہیں ہیں بلکہ اس کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ لذت جو دُنیا میں ہے اور مرنے کے بعد فنا ہو جاتی ہے لیکن آخرت کے کاموں اور علم و عمل اور مسلمانوں کی بڑھوتری میں مددگار ہوتی ہے جیسے نکاح اور وہ خوراک و پوشاک جو دُنیا میں کفاف کا ذریعہ ہو اور آخرت کے لیے ضروری! جو شخص دُنیا میں اس قدر قناعت کرے اور فراغت سے دُنیا کا کام کرنے کی نیت کرے وہ شخص فی الحقیقت دُنیا دار نہیں۔

مذموم اور بُری وہ دُنیا ہے جس سے دین کا کام مقصود نہ ہو بلکہ وہ اس جہان میں غفلت اور اترانے اور دِل لگانے کا باعث ہو اور اگلے جہان سے نفرت کا باعث ہو اسی واسطے جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((الدُّنيا ملعونة و مَلعونٌ مَا فيها اِلاَّ ذِكر اللّٰه و مَا والاه))

"دُنیا اور جو کچھ اس میں ہے سب ملعون ہیں۔ ہاں اللہ کی یاد اور اس میں ممد و معاون چیزیں ملعون نہیں بلکہ باعث خیر و برکت ہیں"۔

دُنیا کی حقیقت کی تفصیل اور دُنیا سے جو مقصود ہے اس کا بیان اسی قدر یہاں کافی ہے۔ باقی چیزیں جو دین کے راستہ میں کھٹکے کا ذریعہ بنتی ہیں وہ اِن شاء اللہ ارکانِ معاملہ کی تیسری قسم میں بیان ہوں گی وہاں تمام حقیقت منکشف ہو جائے گی۔



آخرت کی معرفت کا بیان

یاد رکھو جب تک موت کی حقیقت معلوم نہیں ہو گی اس وقت تک کوئی شخص آخرت کو نہیں پہچان سکے گا اور موت کی حقیقت کا دارومدار زندگی کی حقیقت جاننے پر منحصر ہے جبکہ زندگی کی حقیقت کا علم رُوح کی حقیقت معلوم کرنے پر ہو گا اور رُوح کی حقیقت کا انحصار اپنے نفس کی حقیقت جاننے پر ہے جس کا کسی قدر بیان اوپر گزرا۔

ہم نے پہلے بتلایا ہے کہ آدمی کی تخلیق دو چیزوں سے ہوئی ہے ایک روح دوسرا ڈھانچہ! رُوح تو سوار ہے اور ڈھانچہ سواری کی مانند ہے اور آخرت میں کالبد کی وجہ سے رُوح یا جنت میں ہو گا یا دوزخ میں! اور قالب کی شرکت و مداخلت کے بغیر بھی رُوح کا معاملہ جنت یا دوزخ میں سے کسی ایک سے ہو گا اور وہ یا سعادت مند ہو گی یا شقی و بدبخت! اور دِل کی وہ نعمتیں اور لذتیں جو بغیر قالب ہوں انھیں بہشت رُوحانی کہا جاتا ہے اسی طرح دِل سے متعلق وہ رنج و الم جو بغیر قالب ہوں آتشِ رُوحانی سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن وہ بہشت اور دوزخ جس میں واسطہ قالب کا ہے وہ خود ظاہر ہے۔ باغ، نہریں، حوریں! بڑے بڑے محلات، کھانا پینا وغیرہ جنت میں ہو گا جب کہ سانپ بچھو خار دار درخت وغیرہ دوزخ میں! اور اس دوزخ و جنت کا ذکر قرآن مجید میں موجود و مشہور ہے اور سب کی سمجھ میں آ سکتا ہے اس کی تفصیل احیاء العلوم (امام غزالی قدس سرہٗ کی معرکہ آراء کتاب) کے باب ذکر الموت میں ہے اور یہاں اسی پر اکتفا کرتے ہیں یعنی جنت و جہنم کا رُوحانی ذکر محض اشارتاً اور موت کا ذکر تفصیلاً کرتے ہیں کیونکہ اسے ہر کوئی نہیں جانتا اور نہ ہر کس و ناکس پہچانتا ہے۔ حدیثِ قدسی میں ہے کہ:

((اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر))

تو یہ رُوحانی جنت میں ہی ہو گا اور انسانی دِل عالمِ ملکوت کی طرف ایک کھڑکی ہے جس کے ذریعہ یہ اسرار معلوم ہوتے ہیں اور ان میں کوئی شک و شبہ نہیں رہتا۔ جس دِل میں عالمِ ملکوت کی طرف کھڑکی کھلی ہوتی ہے اسے آخرت کی شقاوت و سعادت کا کامل یقین ہو جاتا ہے۔ وہ فقط سن کر نہیں بلکہ مشاہدہ و معائنہ سے باور کر لیتا ہے جس طرح طبیب اس بات کو جانتا ہے کہ اس جہان میں انسانی بدن کے لیے سعادت و شقاوت ہے جس کا نام صحت و علالت ہے اور اس کے مختلف اسباب ہیں مثلاً دوا پینا، پرہیز کرنا سعادتِ بدن کا سبب ہے اور بہت کھانا اور پرہیز نہ کرنا شقاوت کا سبب اور ذریعہ ہے اسی طرح اس شخص کو مشاہدے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ دِل یعنی روح آدم کے لیے سعادت و شقاوت ہے اس سعادت کی دوا اور سبب معرفت و عبادت ہے جبکہ اس کا زہر جہل و معصیت ہے اور اس کا جاننا بہت بڑا علم ہے۔ بہت سے حضرات جو علماء کہلاتے ہیں وہ نہ صرف اس علم سے غافل بلکہ اس کے منکر ہیں وہ محض بدنی جنت و جہنم کو مانتے ہیں اور آخرت کو محض سماعت اور تقلید ہی سے جانتے ہیں اور ہم نے دلائل سے اس امر کی تحقیق و تشریح میں عربی کتابیں لکھیں ہیں اور اس کتاب میں تو اتنا ہی کہا جاتا ہے تاکہ جو شخص زیرک اور چالاک ہے اور جس کا باطن تعصب اور تقلید کی آلائش سے پاک ہے وہ یہ راہ پالے گا اور آخرت کا حال اس کے دِل میں محکم ہو جائے گا کیونکہ آخرت کے معاملہ میں اکثر لوگوں کا ایمان ضعیف اور متزلزل ہے۔

فصل : اگر تم موت کی حقیقت جاننا چاہتے ہو اور اس کے معانی پہچاننا چاہتے ہو تو یہ بات سمجھ لو کہ ایک آدمی کی دو روحیں ہوتی ہیں ایک تو حیوانات کی جنس سے ہوتی ہے جسے رُوحِ حیوانی کہا جاتا ہے اور ایک ارواحِ ملائکہ کی جنس سے ہوتی ہے جس کا نام رُوح انسانی ہے۔ اس رُوحِ حیوانی کا سرچشمہ دِل ہے یعنی گوشت کا وہ لوتھڑا جو سینہ میں بائیں طرف لٹکتا ہے اور یہ رُوح حیوان کے باطنی اخلاط کا لطیف بخار ہے اس کا مزاج معتدل ہے جو دِل سے رگوں کے ذریعہ نکل کر دماغ اور باقی اعضاء میں جاتی ہے۔ یہی رُوح ہے جو حس و حرکت کی قوت کو اٹھائے ہوئے ہے جب یہ دماغ میں پہنچتی ہے تو اس کی گرمی کم ہو جاتی ہے اور وہ نہایت معتدل ہو جاتی ہے آنکھ اس کے ذریعہ دیکھ سکتی ہے اور کان سن سکتے ہیں اسی طرح تمام حواس حاصل ہو جاتے ہیں۔ اس رُوح کی مثال چراغ جیسی ہے کہ چراغ جب گھر میں آتا ہے تو جہاں پہنچتا ہے وہاں گھر کی دیواریں روشن ہو جاتی ہیں جس طرح چراغ سے دیواروں میں روشنی پیدا ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت سے رُوح کی بدولت آنکھوں میں نور اور کانوں میں سننے کی طاقت اور تمام حواس پیدا ہو جاتے ہیں اگر کسی رگ میں گرہ پڑ جاتی ہے تو جو عضو اس گرہ کے بعد ہے وہ بیکار اور فالج زدہ ہو جاتا ہے اس میں کسی قسم کی قوت اور حس و حرکت نہیں رہتی۔ طبیب کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ گرہ کھل جائے گویا رُوح چراغ کی لو ہے اور دِل بتی اور غذا تیل۔ اگر تیل نہ ڈالا جائے تو چراغ ٹھنڈا ہو جاتا ہے اسی طرح اگر غذا نہ ملے تو رُوح کا معتدل مزاج مختل ہو جاتا ہے اور حیوان مرجاتا ہے اگر تیل تو ہو لیکن بتی تیل زیادہ کھینچے تو بتی خراب ہو جاتی ہے حتی کہ پھر تیل نہیں پیتی۔ اسی طرح ایک زمانہ کے بعد دِل بھی ایسا ہو جاتا ہے کہ غذا قبول نہیں کرتا اور جس طرح چراغ پر کسی چیز سے ضرب لگائی جاتی ہے تو باوجود تیل بتی ہونے کے چراغ بجھ جاتا ہے۔ اس طرح شدید زخم سے حیوان مرجاتا ہے اور اس رُوح کا مزاج جیسا چاہیے ویسا جب تک رہتا ہے تو اللہ کے حکم سے فرشتے آسمان کے انوار سے لطیف اشیاء مثلاً حس و حرکت کی قوت کو قبول کرتی ہے اور جب وہ مزاج حرارت یا برودت کے غلبہ سے یا کسی دوسرے سبب سے اپنی اصل حالت پر نہیں رہتا تو رُوح ان اثرات کو قبول کرنے کے قابل نہیں رہتی۔ جس طرح آئینہ ہے جب تک اس کا ظاہر صاف اور درست ہوتا ہے تو وہ صورت والی اشیاء کی شکلیں قبول کرتا ہے اور جب اس کا ظاہر خراب اور زنگ آلود ہو جاتا ہے تو ایسا نہیں ہوتا یعنی اس میں عکس نظر نہیں آتا۔ ایسا اس وجہ سے نہیں ہوتا کہ صورت معدوم و ہلاک ہو گئی بلکہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ آئینہ اس قابل نہیں رہا۔ اسی طرح اس لطیف و معتدل بخار یعنی رُوحِ حیوانی میں حس و حرکت قبول کرنے کی صلاحیت اس کے مزاج کے معتدل ہونے کے ساتھ وابستہ ہے جونہی وہ اعتدال زائل ہو جاتا ہے تو یہ حس و حرکت کی قوتوں کو قبول نہیں کرتی اور جب یہ قبول نہیں کرتی تو اعضائے انسانی اس کے انوار سے محروم ہو جاتے ہیں اور بے حس و حرکت رہتے ہیں اور لوگ کہتے ہیں کہ حیوان مرگیا۔ مرگِ حیوانی کے یہی معنی ہیں اور جو شخص رُوحِ حیوانی کا اعتدال دُور کرنے کے اسباب جمع کرنے والا ہے وہ بندگانِ خدا میں سے ایک بندہ ہے جسے ملک الموت کہتے ہیں مخلوق اس کا نام تو جانتی ہے لیکن اس کی حقیقت نہیں پہچانتی کیونکہ اس کا پہچاننا دشوار ہے۔ مرگِ حیوانات کے یہی معنی ہیں لیکن آدمی کی موت مختلف طرح پر ہے کیونکہ اس میں رُوحِ حیوانی جو حیوانات میں ہوتی ہے وہ تو ہے ہی اس کے علاوہ اور رُوح بھی ہے جس کا نام رُوحِ انسانی اور دِل ہے اوپر بعض فصلوں میں اس کا ذکر ہو چکا ہے وہ رُوح اس رُوحِ حیوانی کی جنس سے نہیں

ہے جو سوائے لطیف اور پختہ و صاف بخارات کی مانند ایک جسم ہے۔ یہ رُوحِ انسانی جسم نہیں ہے اُس واسطے کہ یہ تقسیم قبول نہیں کرتی اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اس میں سما جاتی ہے اور جس طرح اللہ تعالیٰ ایک ہے اور تقسیم قبول نہیں فرماتا اسی طرح اس کی معرفت بھی ایک ہے وہ بھی تقسیم قبول نہیں کرتی تو معرفت کسی قسمت پذیر جسم میں نہیں سماتی بلکہ اس چیز میں سماتی ہے جو یگانہ ہو اور قسمت پذیر نہ ہو۔

اے پیارے! انسان میں بھی بتی 'لو' روشنی تینوں چیزیں فرض کر لے بتی تو گویا قالب ہے اور چراغ کی ٹیم رُوحِ حیوانی اور روشنی انسانی رُوح ہے۔ جس طرح چراغ کی روشنی چراغ کے مقابلہ میں بہت لطیف ہوتی ہے اور روشنی کی طرف اشارہ نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح انسانی رُوح بھی حیوانی رُوح کی نسبت لطیف ہوتی ہے اور اس کی طرف بھی اشارہ نہیں ہو سکتا۔ اگر لطافت کی نظر سے خیال کیا جائے تو یہ مثال ٹھیک ہے لیکن اور وجہ سے ٹھیک نہیں کیونکہ چراغ کی روشنی چراغ کے تابع ہے جب چراغ گل ہو تو بالکل زائل ہو جائے اور انسانی رُوحِ حیوانی کے تابع نہیں بلکہ رُوح انسانی اصل ہے اور حیوانی رُوح کے زائل ہونے سے یہ باطل نہیں ہوتی اس کی مثال چاہتے ہو تو ایک نور کی مثال لو جو چراغ کے مقابلہ میں بہت لطیف ہوتا ہے اور چراغ کا قیام اسی کے سبب ہے اس کا قیام چراغ کے سبب نہیں تب یہ مثال ٹھیک ہو گی۔ اور رُوحِ حیوانی ایک وجہ سے انسانی رُوح کی گویا سواری ہے اور ایک وجہ سے اس کا ہتھیار ہے۔ جب رُوحِ حیوانی کا مزاج زائل ہو جاتا ہے تو قالب مُردہ ہو جاتا ہے اور رُوحِ انسانی برقرار رہتی ہے لیکن سواری اور ہتھیار کے بغیر رہ جاتی ہے سواری تباہ ہو جانے سے سوار تباہ و برباد تو نہیں ہوتا۔ البتہ بے سوار اور تنہا ہو جاتا ہے اور یہ ہتھیار اس سوار کو اس لیے مرحمت ہوا ہے کہ ہماری مُحبّت اور معرفتِ الٰہی کے عنقا کو شکار کرے اگر یہ شکار میں کامیاب ہو گیا تو ہتھیار کا ضائع ہو جانا اس کے حق میں بہتر ہے کیونکہ اس طرح بوجھ سے سبکدوش ہو جاتا ہے اور جنابِ رسالت مآب ﷺ نے یہ جو ارشاد فرمایا کہ موت مومن کا تحفہ اور ہدیہ ہے وہ یہی بات ہے جو کوئی شکار کھیلنے کو دام لیے ہوئے ہو اور بوجھ اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہو جب شکار اس کے ہاتھ آتا ہے تو دام کا ضائع ہو جانا غنیمت سے شمار ہوتا ہے اور خُدا نہ کرے اگر شکار ہاتھ آنے سے قبل ہی دام ضائع ہو جائے تو شکاری حسرت کا نمونہ بن جاتا ہے اور بے پناہ مصیبت اٹھاتا ہے جس کی ابتدا عذابِ قبر سے ہوتی ہے۔

فصل: جاننا چاہیے کہ اگر کسی کے ہاتھ پاؤں شل ہو جائیں تو وہ خود تو سلامت رہتا ہے کیونکہ وہ ہاتھ ہے نہ پاؤں۔ بلکہ ہاتھ پاؤں اس کے آلات ہیں اور وہ ان کو اپنے کام کے لیے استعمال کرتا ہے تو اے پیارے جس طرح ہاتھ پاؤں تیری اصل حقیقت نہیں اسی طرح پیٹھ پیٹ سر بلکہ تمام قالب بھی تیری اصل ماہیت نہیں ہیں اگر یہ سب شل ہو جائیں تب بھی تیرا برقرار رہنا ممکن ہے اور موت کے یہی معنی ہیں کہ تمام بدن شل ہو جاتا ہے اس واسطے کہ ہاتھ کے شل ہو جانے کا یہی معنی ہے کہ وہ تیرا فرمانبردار نہیں رہا یعنی تجھے اس پر اختیار نہیں رہا اور ہاتھ میں ایک صفت تھی جسے قدرت کہا جاتا تھا اس کی وجہ سے ہاتھ خدمت کرتا تھا وہ صفت رُوحِ حیوانی کے چراغ کی روشنی تھی جو ہاتھ کو پہنچتی تھی' جن رگوں کی راہ سے وہ ہاتھ میں جاتی تھی جب ان میں گرہ پڑی وہ قدرت جاتی رہی اور ہاتھ خدمت سے معذور ہو گیا۔ اسی طرح تمام بدن جو تیری خدمت اور اطاعت کرتا ہے وہ رُوحِ حیوانی کے باعث کرتا ہے جب رُوحِ حیوانی کا مزاج

زائل ہو جاتا ہے بدن اطاعت نہیں کر سکتا اسی کو موت کہتے ہیں اگرچہ تیرا فرمانبردار بدن اپنی جگہ برقرار رہتا ہے لیکن تو اپنی جگہ برقرار نہیں رہتا۔

تیرے وجود کی حقیقت یہ قالب کیونکر ہو سکتا ہے اگر تو سوچے تو یہ بات جان لے گا کہ تیرے یہ اعضاء وہ نہیں جو لڑکپن میں تھے اس واسطے کہ وہ تو سب بخار کی وجہ سے تحلیل ہو گئے اور غذا کے ذریعہ ان کے بدلے اور اعضاء پیدا ہو گئے تو قالب وہ نہیں رہا البتہ تو وہی ہے پس تیرا وجود جو اس قالب کے سبب نہیں اگر وہ تباہ بھی ہو جائے تو تو اپنی ذات سے اسی طرح زندہ رہے گا۔ لیکن تیرے اوصاف کی دو قسمیں ہیں ایک میں تو قالب کی شرکت ہے جیسے بھوک' پیاس' نیند یہ اوصاف بے مادہ اور بغیر جسم ظاہر نہیں ہوتے البتہ موت سے زائل ہو جاتے ہیں اور اوصاف کی دوسری قسم میں قالب کی شرکت نہیں جیسے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کے جمالِ لازوال کی زیارت اور ان باتوں سے جو مسرت اور فرحت حاصل ہوتی ہے یہ تیری ذاتی صفت ہے اور تیرے ساتھ رہے گی اور یہی معنی ہیں باقیات صالحات کے! اور اگر معرفت کے بجائے جہل ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی پہچان نہیں تو یہ بھی تیری ذاتی صفت ہے اور تیرے ساتھ رہے گی اور یہ جہل ہی تیری رُوح کا اندھاپن اور تیری بدبختی کا تخم ہے۔

﴿ مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴾ (بنی اسرائیل)

تو جب تک آپ ان دونوں رُوحوں کی حقیقت اور ان دونوں کا فرق اور ان کا باہمی تعلق نہیں پہچانے گا حقیقت بھی نہیں جان سکے گا۔

فصل: اب یہ بات سمجھو کہ رُوحِ حیوانی کا تعلق عالمِ سفلی سے ہے اس واسطے کہ وہ خلطوں کے بخارات کی لطافت سے مرکب ہے اور خلط چار ہیں خون' بلغم' صفراء' سوداء اور ان چاروں کی اصل یہ چار چیزیں ہیں۔ پانی' آگ' مٹی اور ہوا۔ ان کے مزاج میں اختلاف اور اعتدال گرمی' سردی' تری اور خشکی کی کمی بیشی سے ہوتا ہے۔ علمِ طب کی غرض یہی ہے کہ ان چاروں کے متعلق خصوصی لحاظ رکھے تاکہ یہ انسانی رُوح اس رُوح کی سواری کے لائق ہو جائے جسے ہم رُوحِ انسانی کہتے ہیں جو عالمِ سفلی سے نہیں بلکہ عالمِ علوی اور فرشتوں کی اصل سے ہے اور اس کا اس جہان میں آنا مسافروں کی مانند ہے اس کی ذاتی خواہش کا اس میں دخل نہیں۔ اس کا یہ سفر اس غرض سے ہے کہ یہ ہدایت سے اپنا توشہ حاصل کر لے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ (البقرہ)

اور اللہ تعالیٰ نے یہ جو فرمایا کہ:

﴿ اِنِّيْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ○ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ ﴾

تو یہ دراصل ان دونوں رُوحوں کے اختلاف کی طرف اشارہ ہے کہ ایک کا تو مٹی کے حوالہ سے ذکر کیا اور اس کے مزاج کے اعتدال کو ﴿ سَوَّيْتُهٗ ﴾ سے تعبیر فرمایا پھر ارشاد فرمایا ﴿ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ ﴾ تو گویا اس کو اپنی طرف منسوب کیا اس کی مثال یوں ممکن ہے کہ کوئی شخص روئی کے کپڑے سے مشعل تیار کرے جب وہ جلنے کے قابل ہو جائے

تو اس کو آگ کے قریب لے جائے تاکہ اس میں آگ لگ جائے اور جس طرح رُوحِ حیوانی سفلی کا اعتدال ہے اور عِلمِ طب اس اعتدال کے اسباب میں شامل ہے تاکہ رُوحِ حیوانی سے بیماری کو دفع کر کے اسے ہلاکت سے بچائے اس طرح انسانی رُوح جو علوی ہے اور اس کی حقیقت دِل ہے اس کے لیے بھی اعتدال ہے جس کا دار و مدار عِلم، اخلاق و ریاضت پر ہے ایسی ریاضت جس کا شریعت پر مدار ہو وہی اس کو اعتدال میں رکھتی ہے اور یہی امر انسانی رُوح کی صحت کا سبب ہے ان شاء اللہ اس کا ذکر مسلمانی کے ارکان میں آئے گا تو معلوم ہوا کہ جس نے رُوح کی حقیقت کو نہیں پہچانا وہ ناممکن ہے کہ آخرت کو کماحقہ پہچانے اپنے آپ کو پہچانے بغیر اللہ تعالیٰ کی معرفت ناممکن ہے کَمَا مَرَّ! تو گویا اپنی معرفت حضرت حق کی معرفت کی کلید ہے اسی طرح ارواح کی حقیقت کی معرفت آخرت کی معرفت ہے۔

اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت پر ایمان لانا دین کی اصل بنیاد ہے اسی سبب سے ہم نے اس کی معرفت کا ذکر مقدم کیا لیکن ایک راز اس کے اوصاف کے رازوں میں سے ایسا ہے جو اس کی اصل ہے ہم نے اس کو بیان نہیں کیا کیونکہ اس کے بیان کرنے کی اجازت نہیں اور ہر کسی میں اس کے سمجھنے کی طاقت نہیں اور حق کی معرفت نیز آخرت کی معرفت اس پر موقوف ہے۔

تمھیں ایسی محنت کرنی چاہیے کہ اپنی کوشش اور طلب سے تم خود اس کو پہچان لو۔ اس لیے کہ اگر تم اس بھید کو کسی دوسرے سے سنو گے تو اس کی تاب نہ لا سکو گے۔ بہت سے حضرات نے وہ صفت اللہ تعالیٰ کی شان میں سنی اور باور نہ کی اور اس کے سننے کی تاب نہ لا سکے تو انکار پر اڑ گئے اور کہنے لگے یہ ممکن نہیں اور یہ تنزیہ و پاکی نہیں بلکہ تعطیل اور بیکاری ہے۔ جب یہ حال ہے تو آدمی کے حق میں اس صفت کو سننے کی تم تاب کیسے لا سکو گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا نہ تو صریحاً حدیث میں ذکر ہے اور نہ ہی قرآن میں۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ اسے سنتے ہیں انکار کر دیتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام نے فرمایا: کَلِّمُوا النَّاس علی قدر عُقُولِهِمْ اور بعض انبیاء علیہم السلام پر وحی آئی کہ ہماری صفات میں جس صفت کو لوگ نہ سمجھ سکیں اسے بیان نہ کرو کیونکہ اگر وہ نہ سمجھ سکیں گے تو انکار کر دیں گے اور یہ بات ان کے حق میں مضر ہو گی۔

فصل: اس ساری تفصیل سے تم نے یہ معلوم کر لیا کہ آدمی کی جان کی حقیقت اپنی ذات سے قائم و وابستہ ہے اور اپنی ذات نیز خاص صفات کے قیام میں قالب سے آدمی مستغنی اور بے پروا ہے اور اس کی نیستی اور موت کے یہ معنی نہیں بلکہ قالب سے اس کے تصرف کا منقطع ہو جانا موت کے مترادف ہے بعث اور اعادت کے یہ معنی نہیں کہ نیستی کے بعد اسے پھر وجود میں لائیں گے بلکہ یہ معنی ہیں کہ اسے اور قالب دے دیا جائے گا یعنی جیسے پہلے کیا تھا پھر ایک بار اسے تصرفات قبول کرنے پر مہیا کر دیں گے اور یہ بہت ہی آسان ہو گا اس واسطے کہ پہلی بار پیدا کرنا تھا اور ساتھ ہی رُوح کا بھی مسئلہ تھا اور اب رُوح برقرار ہے اور قالب کے اجزاء اپنے اپنے مقام پر موجود ہیں ان کا جمع کرنا ایجاد کرنے سے بہت ہی آسان ہو گا یہ آسانی ہمارے دیکھنے کے اعتبار سے ہے۔ بلکہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کے فعل سے آسانی کا کوئی تعلق اور لگاؤ نہیں اس لیے کہ وہاں دشواری اور آسانی کچھ نہیں بلکہ قدرت کا معاملہ ہے۔ باقی دوبارہ زندہ کرنے میں پہلے والے قالب کا عطا کرنا ضروری نہیں اس واسطے کہ قالب مرکب یعنی سواری ہے سواری بدل جائے تو بدل جائے سوار تو

رہے گا لڑکپن سے بڑھاپے تک قالب کے اجزاء دوسری غذا کے اجزاء سے خود بدلتے رہتے ہیں البتہ انسانی رُوح وہی رہتی ہے جو ابتدا میں تھی۔ جن لوگوں نے یہ شرط لگائی ہے کہ دوبارہ زندگی کے بعد وہی قالب ملے گا ان پر اعتراضات ہوئے اور پھر ان اعتراضوں کے جواب دیئے گئے جو حقیقت میں ضعیف جواب ہیں حالانکہ اس تکلف کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ لوگوں نے کہا کہ اگر ایک آدمی دوسرے آدمی کو کھا جائے اور دونوں کے اجزاء آپس میں یکجان ہو جائیں تو وہ اجزاء حشر میں کسے دیئے جائیں گے اور کسی کے بدن سے ایک عضو کاٹ لیں اور عضو کٹنے کے بعد وہ شخص عبادت کرے تو اس کٹے ہوئے عضو کو ثواب ملے گا یا نہیں؟ اگر ثواب نہیں ملے گا تو وہ شخص اس عضو کے بغیر جنت میں جائے گا اور اگر وہ عضو جو زندگی میں کٹ گیا تھا اس کے بدن میں ہو گا تو ثواب میں وہ دوسرے اعضاء کے ساتھ کیونکر شریک ہو گا نیک کام کے وقت تو وہ شریک نہ تھا۔ لوگ ایسے بہت سے واہیات اعتراضات کرتے ہیں اور دوسرے لوگ یہ تکلف جواب دیتے ہیں لیکن اے پیارے جب تو نے دوبارہ زندہ ہونے کی حقیقت پہچان لی اور یہ سمجھ لیا کہ پہلے قالب کی چنداں ضرورت نہیں تو ایسے سوال و جواب فضولِ محض ہیں اور ان اعتراضات کی بنیاد یہی تھی کہ لوگوں نے خیال کر لیا تھا کہ تیری ہستی درحقیقت تیرا یہی قالب ہے۔ پہلے والا قالب جب بعینہٖ نہیں ہو گا تو وہ بھی نہیں ہو گا اسی سبب سے یہ لوگ اشکال میں پڑ گئے جب کہ اس بات کی اصل ہی مضبوط نہیں۔

فصل : شاید تم یہ کہو کہ فقہاء اور متکلمین کا مذہب تو یہ ہے کہ آدمی کی جان موت سے معدوم ہو جاتی ہے اور دوبارہ اس کو پیدا کرتے ہیں اور ابھی جو بیان ہوا وہ اس کے خلاف ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ دوسروں کی بات پر چلنے وہ اندھا ہے اور جو انسانی جان کی فنائیت کا قائل ہے وہ نہ مقلد ہے نہ مبصر! اگر اہل بصیرت میں سے ہوتا تو وہ اس حقیقت سے آگاہ ہوتا کہ موت آدمی کے قالب کی حقیقت کو نیست و نابود نہیں کرتی اور اگر اہل تقلید میں سے ہوتا تو اسے معلوم ہوتا کہ قرآن وحدیث کے نقطۂ نظر سے آدمی کی رُوح مرنے کے بعد اپنے مقام پر برقرار رہتی ہے۔ رُوح کی دو قسمیں ہیں اشقیاء کی رُوح اور سعداء کی روح! سعداء کی رُوحوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ (آل عمران)

اور بدر کے کفار جو اشقیاء میں سے تھے جب انھیں رسول اللہ ﷺ نے قتل کیا تو انھیں نام لے کر پکارا اور فرمایا کہ میرے اللہ نے میرے دشمنوں کے بارہ میں جو کچھ فرمایا تھا وہ تو اُس نے سچ کر دکھایا۔ اللہ تعالیٰ نے تم سے عذاب کے جو وعدے کیے تھے ان کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟ لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ یہ لوگ تو مُردہ ہیں اور آپ ان سے گفتگو فرما رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا قسم ہے اس ذاتِ کبریا کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ یہ لوگ میری بات کو تم سے زیادہ بہتر طریق سے سنتے ہیں البتہ جواب سے عاجز ہیں۔

جو شخص قرآن اور ان احادیث میں غور کرے گا جو مُردوں کے حق میں وارد ہیں اور جن میں یہ مضمون ہے کہ مُردے اہل ماتم اور اہل زیارت سے ہی واقف نہیں بلکہ جو کچھ اس جہان میں ہوتا ہے اس سے بھی واقف ہیں تو اسے یقین ہو جائے گا کہ مُردوں کا نیست و نابود ہو جانا شریعت مقدسہ میں کہیں وارد نہیں بلکہ وہاں تو یہ ہے کہ صفت بدل جاتی

ہے۔ گھر بدل جاتا ہے اور قبر دوزخ کے غاروں میں سے ایک غار یا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ پس تمھیں یقین ہونا چاہیے کہ مرنے سے نہ تو ذات فنا ہوتی ہے اور نہ ہی خاص صفات! البتہ تیرے حواس' حرکات اور وہ خیالات جو دماغ میں آتے ہیں اور جن کا تعلق اعضاء سے ہوتا ہے وہ سب زائل ہو جائیں گے اور تو جیسا یہاں سے گیا ہے ویسا ہی مجرد اور تنہا وہاں رہے گا۔

یہ بات تو واضح ہے کہ گھوڑے کے مرنے سے نورباف سوار عالم اور اندھا بینا نہیں ہو جاتا بلکہ وہ پیادہ ہو جاتا ہے تو انسانی قالب بھی مرکب یعنی سواری ہے جیسے گھوڑا اور تو سوار ہے۔ اسی وجہ سے ایسا ہوتا ہے کہ جو لوگ اپنے آپ سے اور محسوسات سے خود غائب ہو جاتے ہیں اور اپنی دُنیا میں اُتر کر یادِ خُدا میں ڈوبتے یعنی مراقبہ کرتے ہیں جیسا راہِ تصوف کا آغاز ہے تو قیامت کا حال ان کو نظر آنے لگتا ہے اس واسطے کہ ان کی رُوح حیوانی گو کہ اعتدال سے نہیں پھرتی لیکن سُست ضرور ہو جاتی ہے اور جب خوفِ خُدا اور فکر آخرت اس میں پیدا ہوتی ہے تو رُوحِ حیوانی ان کی ذات کو اپنی طرف مشغول نہیں رکھتی۔ تب ان لوگوں کا حال مُردے کے حال کے قریب تر ہو جاتا ہے اور لوگوں کو مرنے کے بعد جو معلوم ہوتا ہے وہ ان پر یہیں کھل جاتا ہے پھر وہ حالت ختم ہوتی ہے اور عالم محسوسات میں آدمی پلٹتا ہے تو اکثر تو ایسے ہوتے ہیں کہ انھیں کچھ یاد ہی نہیں رہتا البتہ کچھ نہ کچھ اثر باقی رہتا ہے۔ اگر اُس نے جنت کی حقیقت دیکھی ہے تو اس کی خوشی اور راحت ساتھ رہتی ہے اور اگر دوزخ کی حقیقت سامنے آئی ہے تو اس کی اُداسی اور پریشانی مسلط رہتی ہے اگر کوئی بات اسے یاد رہی ہو تو وہ دوسروں کو خبر دیتا ہے اور اگر خیال کے خزانہ نے اسے کسی کی مثال سے تشبیہ دی ہو تو ممکن ہے کہ وہ مثال اسے خوب یاد رہے اور وہ اسی کی خبر دے جیسے جناب رسول اللہ ﷺ نے نماز میں ہاتھ پھیلایا اور فرمایا کہ جنت کے انگور کا خوشہ مجھے دکھایا گیا میں نے چاہا کہ اسے اس جہان میں لے آوں۔

تم یہ گمان نہ کرنا کہ انگور کا خوشہ جس حقیقت کی مثال تھا اسے اس جہان میں لانا ممکن تھا' نہیں بلکہ یہ امر محال تھا کیونکہ اگر ایسا ممکن ہوتا تو جناب نبی کریم ﷺ اسے ضرور دُنیا میں لاتے۔ باقی اس معاملہ کے محال ہونے کو سمجھنا ہے مشکل اور تمھارے لیے اِس کا سمجھنا ضروری بھی نہیں۔

علماء کے مدارج و مراتب کا فرق ایسا ہے کہ کوئی تو یہ سوچتا ہے کہ جنت کے انگور کا خوشہ کیسا ہے کہ آپ نے تو اسے دیکھا لیکن باقی شرکاء نماز نے نہ دیکھا اور کوئی اس فعل کی بنیاد پر محض اتنا کہتا ہے کہ آپ ﷺ نے ہاتھ ہلایا تو :

الفعل القَلیل لا یبطل الصلٰوۃ "تھوڑا سا کام نماز کو فاسد نہیں کرتا[1]۔"

اس معاملہ کی تفصیل میں وہ غور کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اگلے پچھلوں کا ظاہری عِلم یہی کچھ ہے جس نے اس کو جان لیا اور اسی پر قناعت کی اور دوسرے عِلم یعنی تصوف کے ساتھ مشغول نہ ہوا وہ بیکار ہے اور عِلمِ شریعت سے اسے انکار ہے اور اس بیان سے مقصود یہ ہے کہ تم یہ گمان نہ کرو کہ جناب رسول اللہ ﷺ جنت کا حال حضرت جرائیل امین علیہ السلام سے سن کر محض تقلیداً خبر دے دیا کرتے تھے جس طرح حضرت جرائیل علیہ السلام سے سننے کے معنی کو

---

[1] گویا عمل کثیر و قلیل کی بحث چھڑ گئی جس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے۔

تو تُو جانتا ہے اور اس کام کو بھی دوسرے کاموں کی مانند سمجھتا ہے لیکن جناب رسول اللہ ﷺ نے جنت کو ملاحظہ فرمایا' جب کہ اس دُنیا میں جنت کو کوئی نہیں دیکھ سکتا تو مقصد یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اُس جہان میں تشریف لے گئے اور اس جہان سے غائب ہو گئے یہ غیبوبت معراج جیسی تھی۔

غیبوبت کی دو قسم ہیں ایک تو رُوحِ حیوانی کے مرنے سے ہوتی ہے دوسرے اس کے بے طاقت ہونے سے! اس جہان میں کوئی شخص جنت کو نہیں دیکھ سکتا' جس طرح ساتوں آسمان اور ساتوں زمین پستے کے چھلکے میں نہیں سما سکتے اسی طرح جنت کا ایک ذرہ اس جہان میں نہیں سما سکتا بلکہ قوتِ سامعہ جس طرح اس بات سے معذور ہے کہ آنکھ میں آسمان اور زمین کی صورت جیسی پیدا ہوتی ہے ویسی ہی اس میں بھی پیدا ہو۔ اسی طرح اس جہان کے تمام حواس بہشت کے ذروں سے معذور ہیں اور اس جہان کے حواس بالکل جدا ہیں۔

فصل : اب عذابِ قبر کے پہچاننے کا وقت ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ عذابِ قبر کی دو قسمیں ہیں۔ ایک رُوحانی اور ایک جسمانی۔ جسمانی کو تو سب جانتے ہیں لیکن رُوحانی کو کوئی نہیں جانتا مگر وہ شخص جو اپنے آپ کو پہچانتا ہو اور اُس نے رُوح کی حقیقت کو جان لیا ہو کہ وہ اپنی ذات سے قائم ہے اور اپنے قائم ہونے میں وہ قالب کی محتاج نہیں تو یہ بھی سمجھ لے گا کہ موت کے باوجود وہ رُوح باقی رہے گی موت اس کو فنا نہیں کر سکے گی لیکن ہاتھ' پاؤں' آنکھ کان سب حواس اس سے واپس لے لیے جائیں گے اور جب حواس اس سے واپس لے لیے گئے تو بیوی' لڑکے' مال' کھیتی' لونڈی' غلام' گائے' بیل' گھر بار' عزیز و اقارب بلکہ آسمان و زمین اور تمام وہ چیزیں جو ان حواس کے ذریعے دریافت ہو سکتی ہیں وہ سب اس سے واپس پھیر لیں گے۔ اگر تو یہ چیزیں اس کی محبوب و معشوق تھیں اور اُس نے اپنے آپ کو بالکل اُن کے حوالہ کر دیا تھا تو موت کے بعد بلاوجہ ان چیزوں کی جدائی کی وجہ سے مبتلائے رنج و الم رہے گا اور اگر تمام اشیاء سے لاتعلق تھا اور یہاں کسی چیز کو محبوب و معشوق نہیں رکھتا تھا بلکہ اسے موت کی آرزو رہتی تھی تو راحت و آرام میں رہے گا اور اگر اُس نے اللہ تعالیٰ کی دوستی و تعلق حاصل کر لیا تھا اور اس کی یاد سے محبّت و انس کا درجہ پالیا تھا اور اپنے آپ کو اُس کے حوالہ کر دیا تھا اور دُنیا نیز اسبابِ دُنیا سے بیزار رہتا تھا تو ظاہر ہے کہ مرنے کے بعد اپنے مطلوب و مقصود کے پاس پہنچ گیا۔ مزاحمت کرنے والا اور تشویش میں رہنے والا تو درمیان میں رہا اور یہ اپنی سعادت کو پہنچ گیا۔

غور کرو کہ جو کوئی یہ سمجھ لے کہ موت کے بعد میں باقی رہوں گا اور میری مرغوب و محبوب چیزیں دُنیا میں رہ جائیں گی تو پھر اسے یقین ہو جائے گا کہ میں تو رُخصت ہو جاؤں گا اور اپنی محبوب و مرغوب اشیاء کی جدائی سے رنج اٹھاؤں گا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا :

((اَحْبِبْ مَا اَحْبَبْتَ فَاِنَّكَ مُفَارِقُهٗ))

"تُو جس کو دوست رکھتا ہے رکھ لیکن یہ سمجھ لے کہ تُو اسے چھوڑنے والا ہے"

اور جب کوئی یہ سمجھ لے کہ میرا حقیقی محبوب اللہ تعالیٰ ہے اور اپنے توشہ کو لے کر باقی دُنیا اور اسبابِ دُنیا کو دشمن سمجھے تو اسے یقین ہو جائے گا کہ جب میں دُنیا سے جاؤں گا تو رنج سے نجات حاصل کروں گا جو کوئی اس بات کو سمجھ لے گا اسے عذابِ قبر میں ہرگز شبہ نہیں ہو گا اور اسے یقین ہو جائے گا کہ عذابِ قبر برحق ہے اور یہ پرہیز گاروں کے لیے نہیں

بلکہ دُنیا داروں کے لیے ہے اور ان لوگوں کے واسطے ہے جنھوں نے اپنے آپ کو بالکل دُنیا کے حوالے کر دیا نیز اسے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ اس حدیث کا مفہوم کیا ہے:

((الدُّنیا سِجن المومن وجنّةُ الکافِرِ))

فصل: تم نے عذابِ قبر کے متعلق جان لیا کہ دُنیا کی مُحبّت اِس کا بنیادی سبب ہے۔ اب یہ سمجھنا چاہیے کہ اس عذاب میں فرق ہے۔ کسی کو بہت ہوتا ہے تو کسی کو کم۔ جو جتنا دُنیا کی مُحبّت میں غرق ہے اسے اتنا ہی معصیت و عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔ جو شخص دُنیا میں محض ایک ہی چیز سے مُحبّت رکھتا ہے اسے اس شخص کے برابر عذاب نہیں ہو گا جو زمین، اسباب، لونڈی، غلام، ہاتھی، گھوڑے، اور جاہ و حشمت وغیرہ سبھی چیزوں میں دِل لگائے ہوئے ہے، یہ ایسے ہی ہے کہ کسی کا ایک گھوڑا چور لے جائیں تو اسے رنج و غم تو ہو گا لیکن اس شخص کے مقابلہ میں کم جس کے دس گھوڑے بیک وقت چور لے جائیں۔ اسی طرح کسی کا نصف مال چھن جائے تو اس کے مقابلہ میں اس کو زیادہ غم ہو گا جس کا سارا مال چھن جائے۔ ان چیزوں کا رنج و غم اس مصیبت و پریشانی سے بہت کم ہے جس میں جورو اور لڑکے بھی چھن جائیں اور سلطنت کے خاتمہ، مال و منال کی بربادی اور جو کچھ دُنیا میں ہے سب کا غارت ہو جانا تو ایک شخص کو بالکل بے یارو مددگار اور لاچار و تنہا کر کے چھوڑ دیتا ہے اور یہی زندگی کا انجام ہے اور موت اسی کا نام ہے تو ہر شخص کی راحت و تکلیف کا دار و مدار دُنیا کے ساتھ اس کی مُحبّت و عداوت پر ہے جس شخص کے ساتھ اسبابِ دُنیا نے بہمہ وجوہ موافقت کرلی اور اس نے اپنے آپ کو بالکل دُنیا کے سپرد کر دیا اور دُنیا کے ساتھ یوں مُحبّت کی جس کا نقشہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں کھینچا ہے: ﴿ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمُ اسْتَحَبُّوْا الْحَیَاۃَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَۃِ ﴾ (النحل) تو ایسے شخص پر سخت ترین عذاب ہو گا۔ اس عذاب کی تعبیر کے متعلق یوں کہا جا سکتا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ تمھیں معلوم ہے یہ آیت کن معنوں میں نازل ہوئی ﴿ مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَہٗ مَعِیْشَۃً ضَنْکًا ﴾ (طٰہٰ) تو انھوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ تب آپ ﷺ نے فرمایا کہ قبر میں کافر پر یوں عذاب ہوتا ہے اس پر ۹۹ اژدھے مسلط کر دیئے جاتے ہیں۔ ہر اژدہے کے نو نو سر ہوتے ہیں جو اس کو قیامت تک ڈستے رہیں گے اور اس پر پھنکارتے رہیں گے"۔ اہل نظر نے ان سانپوں کو دیدۂ دِل سے دیکھا اور بے نگاہ احمقوں نے یوں کہہ کر بات اُڑا دی کہ ہم نے کافروں کی قبروں کو دیکھا کہ کچھ موجود نہ تھا اگر وہاں سانپ ہوتے تو ہماری آنکھیں انھیں ضرور دیکھتیں۔

ان احمقوں کو چاہیے کہ اس بات کو جان لیں کہ یہ سانپ مردوں کی ارواح ہیں ان کے باہر نہیں کہ انھیں ہر کوئی دیکھ سکے۔ بلکہ یہ سانپ تو موت سے قبل بھی اس کے اندر تھے لیکن یہ بے خبر و غافل تھا۔ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ سانپ اس کافر کی صفات سے بنے ہیں اور ان کے سروں کی تعداد اس کی بداخلاقی کی شاخوں کے برابر ہے۔ دُنیا کی دوستی اس سانپ کا ضمیر ہے اور اس کے اتنے ہی سر پیدا ہوتے ہیں جتنے بُرے اخلاق دُنیا کی مُحبّت کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں مثلاً حسد، کینہ، ریا، تکبر، حرص، مکر، فریب اور دُنیوی جاہ و حشمت کے ساتھ مُحبّت رکھنا۔ ان سانپوں کا اصل مادہ اور ان کے سروں کی کثرت کو آدمی نورِ بصیرت سے پہچان سکتا ہے اور اُن کی تعداد نورِ نبوت سے معلوم کر سکتا ہے تو حقیقت میں یہ سانپ کافر کی جان میں پوشیدہ رہتے ہیں۔ اس کا سبب یہ تو نہیں کہ وہ اللہ اور اُس کے رسول سے ناواقف ہے بلکہ اس کا

باعث یہ ہے کہ اس نے اپنے آپ کو بالکل دُنیا کے لیے وقف کر دیا چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ﴾ (النحل)

اور ارشاد فرمایا :

﴿ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ﴾ (الاحقاف)

اگر ایسا ہوتا تو یہ سانپ کافر کی جان کے باہر ہوتے جیسا لوگ سمجھتے ہیں تو کافر پر بہت آسانی ہوتی کیونکہ یہ سانپ کبھی لمحہ بھر کے لیے تو اس سے باہر رہتے لیکن چونکہ یہ اس کی جان کے اندر رہتے ہیں اس لیے یہ اس کی صفات کی مانند ہیں تو کافر ان سے کیسے بھاگ سکے گا۔ جیسے کسی شخص نے لونڈی بیچی اس کے بعد پھر اس پر فریفتہ ہو گیا تو اب جو سانپ اسے کاٹتا ہے وہ اس کا عشق ہی ہے جو اسے لونڈی کے ساتھ تھا اور اس کے دِل میں پوشیدہ تھا جس وقت تک وہ سانپ اسے کاٹنے پر آمادہ نہیں ہوا اس وقت تک اس عاشق کو اس کی خبر تک نہ تھی۔

اسی طرح یہ ننانوے سانپ اس کافر کے باطن میں موت سے پہلے پوشیدہ تھے اور اس کو ان کی خبر نہ تھی حتیٰ کہ اب انھوں نے اس کو کاٹنا شروع کر دیا۔ وہ جب تک اپنی معشوقہ کے ساتھ تھا تب تک تو یہ عشق و فریفتگی اس کی راحت کا سبب بنا رہا اور فراق کی نوبت آئی تو رنج و مصیبت کا سماں پیدا ہو گیا۔ اگر عشق نہ ہوتا اور محبّت نہ ہوتی تو فراق میں عذاب بھی نہ ہوتا اور نہ ہی مصیبت سے دوچار ہونا پڑا۔ اسی طرح دُنیا کی الفت اور محبّت جو زندگی میں باعث راحت ہوتی ہے وہی موت کے بعد باعث رنج و الم ہوتی ہے۔ دولت' مال اور گھربار وغیرہ کی محبّت اپنے اپنے مقام پر سانپ کی مانند ہے۔ لونڈی کا عاشق جس طرح معشوقہ کے فراق میں اپنے آپ کو دریا میں ڈالنے اور آگ میں جلانے پر آمادہ ہو جاتا ہے یا اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ مجھے کوئی چیز کاٹ کھائے اور میں اس کے فراق سے نجات پاؤں اسی طرح جب کسی پر عذابِ قبر ہوتا ہے تو وہ یہی چاہتا ہے کہ کاش ان سانپوں کی جگہ وہ سانپ بچھو ہوتے جنھیں دُنیا میں لوگ جانتے ہیں کہ وہ باہر سے حملہ آور ہو کر بدن کو ڈستے ہیں جبکہ یہ سانپ اندرونی طور پر زخمی اور مجروح کرتے ہیں اور ان کو ظاہری آنکھوں سے کوئی نہیں دیکھ سکتا تو حقیقت میں ہر شخص اپنے عذاب کا سبب یہاں سے اپنے ساتھ ہی لے جاتا ہے جو دراصل اس کے باطن میں مخفی و پوشیدہ ہے اسی واسطے جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّمَا هِيَ اَعْمَالُكُمْ تُرَدُّ اِلَيْكُمْ))

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

﴿ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ○ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ○ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ﴾ (التکاثر)

اور فرمایا :

﴿ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكَافِرِيْنَ ﴾

اس میں یہ بتلانا مقصود ہے کہ دوزخ کافروں کو محیط ہے نہ یہ کہ آئندہ محیط ہو گی۔

فصل : شاید تم یہ کہو کہ ظاہر شریعت سے تو اندازہ ہوتا ہے کہ سانپ ظاہری آنکھوں سے نظر آتے ہیں اور جو باطن میں ہیں وہ تو نظر نہیں آتے اس کا جواب یہ ہے کہ ان سانپوں کا دیکھنا ممکن ہے لیکن مُردہ ہی دیکھ سکتا ہے جو

لوگ اس جہان میں ہیں وہ نہیں دیکھ سکتے اس واسطے کہ اس جہان کی چیزیں اِس جہان کی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا اور یہ سانپ مُردہ کو اس طرح متشکل نظر آتا ہے گویا اُس نے اس جہان میں دیکھا تھا۔ لیکن تم اسے نہیں دیکھ سکتے جس طرح سونے والا آدمی اکثر دیکھتا ہے کہ مجھے سانپ کاٹ رہا ہے اور جو شخص اس کے پاس بیٹھا ہے وہ نہیں دیکھ سکتا حالانکہ وہ سانپ اس شخص کے پاس موجود ہے جو سوتا ہے اور اس سانپ کے سبب اس شخص کو رنج و عذاب ہوتا ہے اور بیدار کے لیے تو وہ سانپ کالمعدوم ہے اور یہ بات کہ بیدار آدمی اسے نہیں دیکھ رہا تو اس کے رنج و عذاب میں کچھ کمی نہیں ہو جاتی اور جو کوئی خواب دیکھے کہ مجھے سانپ کاٹ رہا ہے تو یہ دشمن کا زخم ہے کہ اس خواب دیکھنے والے پر فتح یاب ہو گا اور خواب میں سانپ کے کاٹنے کا رنج رُوحانی ہوتا ہے کیونکہ اس کا اثر دِل پر ہی پڑتا ہے۔ اس کی مثال اگر اس جہان میں معلوم کرنا چاہیں تو ایک سانپ ایسا ہوتا ہے کہ جب دشمن اس خواب دیکھنے والے پر فتح حاصل کر سکتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں نے اپنے خواب کی تعبیر ٹالی کاش مجھے سانپ کاٹتا اور یہ دشمن مجھ پر فتح یاب نہ ہوتا اس واسطے کہ یہ رنج جس کا تعلق دِل سے ہے اس رنج کے مقابلہ میں بہت بڑا ہے جس کا تعلق بدن سے ہے۔

اگر تم یہ کہو کہ وہ سانپ تو کالمعدوم ہے خواب دیکھنے والے پر جو گزرتی ہے محض خیال ہے لیکن تیرا یہ کہنا بہت بڑی غلطی ہے حقیقت میں وہ سانپ موجود ہے کیونکہ موجود چیز ہی پائی جاتی ہے معدوم نہیں۔ جسے تو نے خواب میں پایا اور دیکھا وہ تیرے حق میں موجود ہے اگرچہ باقی مخلوق اسے نہ دیکھ سکے اور جسے تو نہ دیکھے وہ تیرے حق میں معدوم ہے اگرچہ ساری مخلوق اسے دیکھے اور جب عذاب اور سبب عذاب دونوں مُردے اور سونے والے نے پا لیے تو کوئی دوسرا نہ بھی دیکھے تو کوئی حرج نہیں بس اتنا ہوتا ہے کہ سونے والا جلدی جاگ جاتا ہے اور عذاب و تکلیف سے جلد چھٹکارا حاصل کر لیتا ہے اور لوگ کہہ دیتے ہیں کہ بس اسے محض خیال تھا۔ لیکن مُردہ دیر تک مبتلائے رنج و الم رہتا ہے اس واسطے کہ اس کی انتہا نہیں تو رنج اس مُردہ کے ساتھ ہے اور اس عالم کے محسوسات کی طرح اسے بھی ثبات ہے اور شریعت میں ایسا تو ہے نہیں کہ جو سانپ بچھو قبر میں ہوتے ہیں عوام الناس اسے ظاہری آنکھوں سے دُنیا میں دیکھ سکتے ہیں لیکن اگر کوئی اس دُنیا سے دُور ہو جائے یعنی سو جائے اور اس مُردہ کا حال اس پر ظاہر ہو جائے تو مُردہ سانپ بچھو کو دیکھ لے گا رہ گئے انبیاء علیہم السلام و اولیاء رحمۃ اللہ علیہم تو وہ جاگتے میں بھی دیکھتے ہیں۔ اس واسطے کہ اوروں کو جو کچھ خواب میں معلوم ہوتا ہے انھیں بیداری میں نظر آتا ہے اس واسطے کہ عالم محسوسات یعنی دُنیا اس جہان کے معاملات دیکھنے میں ان لوگوں کے واسطے آڑ نہیں ہے تو یہ طولِ کلام اس سبب سے ہوتا ہے کہ کچھ احمق قبروں میں دیکھتے ہیں اور انھیں ظاہری آنکھ سے کچھ نظر نہیں آتا تو عذابِ قبر سے انکار کر دیتے ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ انھیں اس جہان کے معاملات کا علم نہیں۔

فصل: شاید تم یہ کہو کہ اگر عذابِ قبر اس جہت سے ہوتا ہے کہ دِل کا اس عالم سے تعلق ہے تو ایسا کون ہے جو جاہ و مال اور اہل و عیال کو دوست نہ رکھتا ہو تو اس طرح تو سب پر عذاب ہو گا اور کوئی بھی اس سے محفوظ نہیں رہے گا تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا نہیں اس واسطے کہ ایسے بہت لوگ ہیں جو دُنیا سے آسودہ ہو گئے اور انھیں دُنیا میں خوشی اور آسائش کا کوئی محل باقی نہیں رہا۔ وہ موت کے آرزو مند رہتے ہیں اور بہت مسلمان ایسے ہیں جو فقیر ہوتے ہیں لیکن وہ لوگ جو مالدار ہوتے ہیں انکی بھی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ ہیں جو اسبابِ دُنیا کو دوست رکھتے ہیں مگر اس کے ساتھ

اللہ تعالیٰ کو بھی دوست رکھتے ہیں تو اگر وہ دُنیا اور اسبابِ دُنیا سے اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب رکھتے ہیں تو ان لوگوں پر بھی عذابِ قبر نہیں ہو گا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کا کسی شہر میں ایک مکان ہو اور اسے وہ مکان بہت پسند ہو لیکن ریاست اور سلطنت اور محل باغ کو اس سے بھی زیادہ عزیز رکھتا ہو تو جب اسے حکم سلطانی پہنچے گا تو اسے وطن سے نکلنے میں کچھ زیادہ رنج نہ ہو گا اس واسطے کہ ریاست کی مُحبّت جو بہت غالب ہے اس کے سامنے گھر اور شہر کی مُحبّت ناچیز اور ناپائیدار معلوم ہوتی ہے اور اس کا کچھ اثر باقی نہیں رہتا تو انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمۃ اللہ علیہم اور متقی مسلمانوں کے دِل میں اگرچہ کسی نہ کسی درجہ میں فرزند و زن اور شہر و وطن کی مُحبّت موجود ہو لیکن جب اللہ تعالیٰ کی مُحبّت و الفت پیدا ہوتی ہے تو سب محبتیں اس کے سامنے ہیچ معلوم ہوتی ہیں اور یہ لذت موت سے پیدا ہوتی ہے اس لیے یہ لوگ عذابِ قبر سے بے خوف ہیں لیکن جو لوگ دُنیا کی خواہشات کو بہت زیادہ عزیز رکھتے ہوں وہ اس عذاب سے نجات نہیں پائیں گے اور یہ لوگ تعداد میں بہت زیادہ ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ﴾ (مریم)

تو اس قسم کے افراد مدت تک مبتلائے عذاب رہیں گے پھر جب انھیں دُنیا سے گئے ہوئے طویل زمانہ گزر جائے گا اور دُنیا کی لذت بھول جائیں گے تو اللہ تعالیٰ کی دوستی جو دِل میں پوشیدہ تھی' ظاہر ہو جائے گی۔ ان لوگوں کی مثال اس شخص کی سی ہے جو ایک گھر کے مقابلہ میں دوسرے گھر کو ایک شہر کی نسبت دوسرے شہر کو اور ایک عورت کے مقابلہ میں دوسری عورت کی نسبت بہت زیادہ عزیز رکھتا ہو تو ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر شہر ہر گھر اور ہر عورت ہی محبوب ہے لیکن دونوں کی مُحبّت میں فرق تو ہے اب اگر اس سے اس کو علیحدہ کر دیں جن سے زیادہ پیار ہے تو ظاہر ہے کہ وہ ایک عرصہ تک رنجیدہ خاطر رہے گا اور جب ایک عرصہ کے بعد اسے بھول جاتا ہے اور دوسرے محبوب کے معاملہ میں دِل کی کیفیت بدل جاتی ہے تو اصل دوستی جو مغلوب تھی' غالب ہو جاتی ہے لیکن جو لوگ اصلاً اللہ تعالیٰ کو محبوب ہی نہیں رکھتے وہ ہمیشہ اس عذاب میں مبتلا رہیں گے اس واسطے کہ انھیں اس چیز کے ساتھ دوستی ہے جو ان سے پھیرلی گئی یعنی دُنیا تو اب یہ اس عذاب سے کیونکر نجات پائیں گے۔ کافر جو ہمیشہ عذاب میں رہیں گے تو اس کا سبب یہی ہے جو ابھی بیان ہوا۔

جو کوئی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو ہی دوست رکھتا ہوں یا اللہ تعالیٰ کو دُنیا سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں اور سارے جہان کا زبانی طور پر یہی مذہب ہے تو اس کی آزمائش کی ایک کسوٹی ہے اور وہ یہ کہ جب کسی کا نفس کسی خواہش کا حکم کرے اور اللہ کا حکم اس کے خلاف ہو تو اگر وہ اللہ کے حکم کی طرف اپنے دِل کو زیادہ مائل دیکھے تو گویا وہ اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب رکھتا ہے جس طرح کسی شخص کے دو دوست ہوں اور وہ ان میں سے ایک کو کم عزیز رکھتا ہو تو جب ان دونوں میں جھگڑا واقع ہوتا ہے تو وہ اس کا زیادہ لحاظ کرتا ہے جس سے اسے زیادہ پیار ہے اسی سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ کس کی طرف اس کا دِل زیادہ مائل ہے ایسا نہ ہو تو محض زبان سے دعویٰ کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ فی الحقیقت ایسا کہنا جھوٹ ہے۔ اسی واسطے جناب رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہنے والے اگر دُنیوی معاملات کو دینی معاملات پر ترجیح نہ دیں تو وہ اپنے آپ کو اللہ کے عذاب سے بچا لیتے ہیں اور اگر ایسا نہ کیا یعنی دُنیوی معاملات کو دینی معاملات پر ترجیح دے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم جھوٹ کہتے ہو کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ایسے معاملہ میں کہنا جھوٹ ہے۔ تو

اے عزیز ان تمام باتوں سے جو تمھیں معلوم ہوئیں تو نے سمجھ لیا کہ صاحب نظر مشاہدۂ باطنی سے دیکھتے ہیں کہ کون شخص ہے جو عذابِ قبر سے چھوٹ جائے گا اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اکثر مخلوق ایسی ہے جو چھوٹ نہ سکے گی لیکن جس طرح دُنیا کے تعلقات میں تفاوت ہے کسی کو کم اور کسی کو زیادہ ہوتا ہے اسی طرح عذاب کا معاملہ ہے جو کسی کو کم اور کسی کو زیادہ ہوتا ہے۔

فصل : شاید تم یہ کہو کہ بعض احمق کہتے ہیں کہ اگر یہی عذابِ قبر ہے تو ہم اس سے بے خطر ہیں کیونکہ ہمارا دُنیا سے کوئی تعلق نہیں دُنیا کا ہونا نہ ہونا ہمارے لیے برابر ہے لیکن ان حمقاء کا یہ دعویٰ بالکل لغو اور فضول ہے تاہم جب تک یہ آزمانہ لیں گے مانیں گے نہیں اگر ایسے شخص کا کل سرمایہ و متاع چور لے جائیں اور اسے جو مقبولیت اور عزت حاصل ہے وہ اس کے کسی ہمسر کو مل جائے اور اس کے مرید و معتقد اس سے منحرف ہو جائیں اور اس کی مذمت کرنے لگیں اس کے باوجود اس کے دِل میں کچھ اثر و رنج نہ ہو اور وہ شخص یہ سمجھے کہ میرا نہیں کسی اور کا مال گم ہوا ہے اور میری نہیں کسی دوسرے کی عزت و مقبولیت زائل ہوئی ہے تو پھر تو اِس کا یہ دعویٰ سچا ہے کہ میں ایسا آدمی ہوں جس کے لیے دُنیا کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ جب تک اس کا مال چور نہ لے جائیں اور اس کے مرید منحرف نہ ہو جائیں تب تک وہ معذور اور نادان ہے اسے چاہیے کہ اپنا مال اپنے سے جدا کر دے اور اپنی مقبولیت اور عزت کی پروا نہ کرے اس طرح اپنا امتحان کر کے اعتماد کے ساتھ یہ بات کرے۔ اس لیے کہ اکثر لوگ کہنے کو تو کہہ دیتے ہیں کہ ہمیں جورو لونڈی سے کوئی تعلق نہیں لیکن جورو کو طلاق دیتے ہیں یا لونڈی کو بیچ ڈالتے ہیں تو پھر ان کے دِل میں دبی ہوئی آتشِ عشق بھڑک اٹھتی ہے اور وہ دیوانگی کا شکار ہو جاتے ہیں تو جو شخص چاہے کہ عذابِ قبر سے محفوظ رہے اسے چاہیے کہ دُنیا کی کسی چیز سے تعلق نہ رکھے مگر اتنا ہی جتنا ناگزیر ہے جیسے پائخانہ کی حاجت ہوتی ہے تو اس جگہ آدمی مجبور ہو کر بیٹھتا ہے اور اس کی کوشش ہوتی ہے کہ وہاں سے جلدی سے نکلے تو آدمی کو چاہیے کہ جس طرح وہ بغیر رغبت محض پیٹ خالی کرنے کی غرض سے پائخانہ جاتا ہے اسی طرح کھانا فقط پیٹ بھرنے کی نیت سے کھائے۔ کیونکہ یہ دونوں مجبوری کی باتیں ہیں علیٰ ھذا القیاس سب دُنیوی کام اسی نقطۂ نظر سے کرے اور اگر تعلق دُنیا سے اپنا دِل خالی نہ کر سکے تو چاہے کہ عبادت اور ذکر الٰہی کے ساتھ اپنے آپ کو مانوس کرے اور اس پر مداومت کرے اور اپنے دِل پر یادِ خُدا کو ایسا غالب کر لے کہ اس کی دوستی دُنیا کی محبت پر غالب آ جائے اور اس معاملہ میں اپنے آپ سے یوں دلیل طلب کرے کہ شریعت کی متابعت کرے اور نفسانی خواہشات پر حکم الٰہی کو مقدم رکھے اور اگر اس معاملہ میں نفس اس کی اطاعت کرے تو پھر بھروسہ رکھے کہ میں عذابِ قبر سے محفوظ ہو جاؤں گا اور اگر نفس نافرمانی کرے تو اپنے بدن کو عذابِ قبر کے سپرد کر دے مگر ارحم الراحمین کی رحمت شامل ہو جائے تو البتہ نجات حاصل ہو سکتی ہے۔

فصل : اب ہم رُوحانی دوزخ کے معانی بیان کرتے ہیں اس سے مقصود یہ ہے کہ وہ دوزخ جو خاص رُوح کے لیے ہے بدن سے اس کا تعلق نہیں۔ ارشادِ ربّانی ہے :

﴿ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ﴾ (الھمزہ)

اس سے مراد رُوحانی دوزخ ہی ہے جو دِل کو احاطہ کیے ہوئے ہے اور جو آگ بدن میں لگتی ہے اسے دوزخِ جسمانی کا

نام دیا جاتا ہے یاد رکھو کہ رُوحانی دوزخ میں تین قسم کی آگ ہے ایک تو دُنیا کی خواہشات سے جدائی کی آگ۔ دوسرے رُسوائیوں سے شرمندگی کی آگ تیسرے اللہ تعالیٰ کے جمالِ جہاں آرا سے محروم رہنے اور نااُمید ہونے کی آگ! یہ تینوں قسم کی آگ دِل و جان سے متعلق ہے انسانی بدن سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ ان کے الگ الگ اسباب کا بیان کرنا ضروری ہے۔ اس لیے وہ بیان کیے جاتے ہیں ہم نے بتلایا کہ پہلی قسم دُنیا کی خواہشات سے جدائی کی آگ ہے اس کا سبب عذابِ قبر کے بیان میں ذکر ہو چکا ہے کہ جب تک آدمی اپنی محبوب چیز کے ساتھ رہتا ہے تو گویا وہ دِل کے عشق اور رغبت کی جنت میں رہتا ہے اور جونہی اپنی محبوب چیز سے جدا ہوا تو گویا دوزخ میں جاگرا پس دُنیا کا عاشق جب تک دُنیا میں ہے تو وہ بہشت میں ہے۔ الدُّنْيَا جَنَّتُ الكَافِرِ کا یہی مطلب ہے جب آخرت میں ہو گا تو بایں معنیٰ دوزخ میں ہو گا کہ اس کی محبوب چیز اس سے چھن گئی تو ایک ہی چیز مختلف حالتوں میں لذت کا سبب بھی بن سکتی ہے اور تکلیف کا سبب بھی۔ دُنیا میں اس کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی بادشاہ ہو تمام دُنیا اس کا کہا مانتی ہو وہ ہمیشہ خوبصورت لونڈی، غلام اور عورتوں سے ہمکنار رہتا ہو اور عمدہ قسم کے باغات، عمارتیں اور اس انواع کی چیزیں اس کے قبضہ میں ہوں اور وہ ان میں گھومتا پھرتا ہو اچانک کوئی دشمن اسے پکڑ کر غلام بنا لے اور اس کی رعایا کے سامنے اس کو کتوں کی خدمت پر مامور کر دے اور اس کے غلام لونڈیوں کو اپنے تصرف میں لائے اور خزانہ میں موجود بیش قیمت اشیاء اس کے دشمنوں کو دے ڈالے تو تم سوچو کہ اس ناگہانی آفت سے اس پر کیا گزرے گی، سلطنت، فرزندوں، خزانہ اور لونڈی غلاموں کی نعمتوں کی جدائی اس کے دِل میں آگ لگا دے گی اور اسے غیر محسوس طور پر یوں جلاتی رہے گی کہ وہ چاہے گا اے کاش میں دفعتاً ہلاک کر دیا جاتا یہ لوگ مجھے ایسا سخت عذاب دیتے کہ میں اس رنج سے نجات حاصل کر لیتا۔ سلسلۂ نعمت جس قدر زیادہ ہو گا یہ آتشِ فراق اسے اور زیادہ جلائے گی تو جسے دُنیا میں تمتع اور کامیابی زیادہ ہو گی دُنیا اس کے ساتھ زیادہ موافقت کرے گی اور اسے دُنیا کا عشق اتنا ہی زیادہ ہو گا اور فراق کی آگ اتنی ہی زیادہ بھڑکے گی۔ واقعہ یہ ہے کہ اس دُنیا میں اس آگ کی مثال ہے مشکل و محال کیونکہ اس دُنیا میں دِل کو جو رنج ہوتا ہے وہ ہر وقت دِل میں نہیں رہتا بلکہ وہ آدمی جب اِدھر اُدھر مشغول ہوتا ہے تو رنج کم ہو جاتا ہے اور جب شغل ختم ہو جاتا ہے تو رنج بڑھ جاتا ہے اور یہ بھی ہے کہ جب مصیبت زدہ سو کر اٹھتا ہے تو مصیبت اور رنج کا بہت زیادہ اثر ہوتا ہے اس لیے کہ سونے کی وجہ سے اس کی طبیعت ہر قسم کی مشغولیت سے بالکل صاف ہو جاتی ہے اور محسوسات میں مشغولیت سے پہلے جس چیز سے پالا پڑتا ہے وہ بہت اثر انداز ہوتی ہے۔ اگر آدمی جاگتے میں اچھی آوازیں سننا شروع کر دے تو ان کا اثر زیادہ ہو گا۔ دِل کی صفائی کا اثر محسوسات کے اثر سے زیادہ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اس دُنیا میں دِل پوری طرح صاف نہیں ہوتا۔ اس لیے جب آدمی مرتا ہے تو چونکہ محسوسات کے اثر سے بالکل صاف ہوتا ہے اس وجہ سے راحت یا اذیت جو بھی ہو انتہا کی ہوتی ہے اور یہ خیال بھی نہ کرنا چاہیے کہ وہ آگ دُنیا کی آگ کی مانند ہے بلکہ اسے ستر پانیوں سے ٹھنڈا کر کے اس دُنیا میں بھیجا گیا ہے دوسری قسم جس کا ذکر ہوا تھا وہ ہے رُسوائیوں کے سبب شرم و ندامت کی آگ۔ اس کی مثال یوں ہے کہ بادشاہ کسی کمینہ شخص کو اعزاز و منصب عطا کرے اور اسے اپنی نیابت بخش دے اور اپنی حرم سرا میں آنے جانے کی اجازت دے دے حتیٰ کہ کوئی اس سے پردہ نہ کرے اور اپنے خزانے اس کے سپرد کر دے اور تمام کاموں میں اس پر اعتماد کرے وہ شخص نعمتوں اور

راحتوں کو پا کر بغاوت و سرکشی پر مائل ہو جائے اور شاہی خزانہ میں تصرف شروع کر دے اور حرمِ سلطانی و محل میں خیانت شروع کر دے لیکن ظاہر میں بادشاہ کے سامنے امانت داری کا مظاہرہ کرے۔ پھر ایسا ہو کہ اچانک بادشاہ اسے محل سرا میں ایسے عالم میں دیکھ لے کہ وہ مبتلائے خیانت ہو اور بادشاہ کا یہ دیکھنا کسی جھروکہ سے ہو تو یہ خیال کرے کہ شاید بادشاہ روز ہی مجھے اس طرح دیکھتا ہے تو اسے اس بات کا احساس ہو کہ یہ سلسلہ کہیں میری ہلاکت اور عتابِ شاہی کا ذریعہ نہ بن جائے۔

اب تم سوچو کہ اس وقت اس وزیر کے دِل پر کیا گزرے گی۔ اسے ذلت و رسوائی کی آگ لپیٹ میں لے لے گی گو کہ اس کا بدن سلامت رہے گا اس وقت اس نالائق وزیر کی خواہش ہو گی کہ زمین پھٹ جائے تو میں اس میں دھنس جاؤں اور اس ذلت و رسوائی سے نجات پاؤں۔ اسی طرح لوگ اس دُنیا میں اپنی عادت کے موافق ایسے کام کرتے ہیں کہ بظاہر وہ اچھے معلوم ہوتے ہیں لیکن ان کی حقیقت بہت بڑی ہوتی ہے تو قیامت میں جب ان کاموں کی حقیقت کھلے گی تو رسوائی کا ذریعہ بنے گی۔ یہاں تک کہ وہ ندامت کی آگ میں جلے گا۔ مثلاً آج کسی کی غیبت کرتا ہے تو کل قیامت کے دن یوں دیکھے گا جیسے اس جہان میں کوئی اپنے مُردہ بھائی کا گوشت کھا رہا ہے بظاہر وہ بھنا ہوا مرغ سمجھتا ہے لیکن جب حقیقت کھلتی ہے تو رسوائی کا شدید احساس ہوتا ہے اور آدمی اس آگ میں جلنے لگتا ہے غیبت کی یہی حقیقت ہے جو اب تو پوشیدہ ہے لیکن کل قیامت کو ضرور ظاہر ہو گی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص خواب میں دیکھے کہ مُردے کا گوشت کھاتا ہے تو اس کی تعبیر غیبت سے ہے۔

اگر تو دیوار پر پتھر مارتا ہو اور کوئی تجھے آ کر بتلائے کہ یہ تو تیرے گھر میں پڑ رہے ہیں اور تیری ہی اولاد کی آنکھیں پھوڑ رہے ہیں اور تو ناگہانی گھر میں جا کر دیکھے تو واقعی تیرے لڑکوں کی آنکھیں تیرے ہی پتھروں سے اندھی ہو چکی ہوں تو تو خیال کر کہ تیری کیا حالت ہو گی اس وقت تیرے دِل میں جو آگ بھڑکے گی اور جو رسوائی ہو گی اس کا اندازہ کرنا آسان نہیں۔ اس دُنیا میں اگر کوئی حسد کرتا ہے تو قیامت کے دن اپنے آپ کو اسی حالت میں دیکھے گا حسد کی حقیقت یہی ہے کہ تو تو دشمن کے نقصان کا ارادہ کرتا ہے لیکن اس کا کچھ نہیں بگڑتا الٹا تیرا ہی نقصان ہو جاتا ہے۔ اور تیرا دین برباد ہو جاتا ہے اور تیری عبادت و بندگی جو اس دُنیا میں تیری آنکھ کا نور ہے وہ تو فرشتے اس کے اعمال نامہ میں منتقل کر دیں گے جس پر تو نے حسد کیا تو تو خالی ہاتھ رہ جائے گا۔ آج تو لڑکوں کی آنکھیں تجھے بہت عزیز ہیں لیکن روزِ قیامت ان کے مقابلہ میں تیری عبادت تیرے کام آئے گی۔ اس واسطے کہ عبادت تو سعادت کا ذریعہ ہے جب کہ فرزندوں کا یہ معاملہ نہیں۔ تو قیامت کے روز صورتیں حقیقتوں اور ارواح کے تابع ہوں گی۔ اور آدمی جو چیز دیکھے گا اسی صورت پر دیکھے گا جس کے معنی اس میں ہوں گے وہاں فضیحت اور رسوائی ہو گی اور اس وجہ سے کہ نیند اس جہان سے نزدیک ہے خواب میں کام اسی صورت میں دکھائی دیتے ہیں جو معنوں کے موافق ہوں۔ چنانچہ ایک شخص مشہور ماہر تعبیرات امام ابنِ سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا اور کہا کہ خواب میں میں نے دیکھا ہے کہ ایک انگوٹھی میرے ہاتھ میں ہے جس کے ذریعہ میں مَردوں کے منہ اور عورتوں کی شرمگاہ پر مہریں کر رہا ہوں۔ انھوں نے فرمایا کہ تو مؤذن ہے رمضان کے مہینہ میں صُبح سے پہلے اذان کہہ دیا کرتا ہے اس نے عرض کیا کہ واقعی ایسا ہی ہے۔

اب دیکھو کہ خواب میں اس کے معاملہ کی حقیقت کس طرح بیان کی اس واسطے کہ رمضان میں اذان آواز اور ذکر کی صورت پر ہے کھانے اور جماع کا منع کرنا اس کی حقیقت ہے اور تعجب یہ ہے کہ قیامت کا یہ سب نمونہ خواب میں تجھے دکھائی دیتا ہے اور تجھے کسی چیز کی خبر تک نہیں یہی مضمون حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن دُنیا ایسی بدشکل بڑھیا کی صورت میں لائی جائے گی کہ لوگ اسے دیکھ کر کہیں گے نعوذ باللہ منک تب فرشتے کہیں گے کہ یہی تو وہی ہے جس پر تم لٹو اور فریفتہ تھے اس وقت لوگوں کو ایسے ندامت ہو گی کہ چاہیں گے کہ ہمیں آگ کھالے اور اس شرم و ندامت سے ہم نجات پائیں۔ اس رسوائی کی مثال اس حکایت سے خوب واضح ہوتی ہے کہ ایک بادشاہ نے اپنے لڑکے کی شادی کی۔ شب زفاف میں دولہا نے بے تحاشہ شراب پی لی اور بدمست ہو گیا اسی حال میں دلہن کی تلاش میں نکلا لیکن خلوت خانہ کی راہ بھول گیا حتیٰ کہ چلتے چلتے ایک مقام پر پہنچا جہاں ایک گھر میں چراغ جل رہا تھا وہ اسے خلوت خانہ سمجھ کر اندر چلا گیا کچھ لوگ سو رہے تھے آوازیں دیں تو کسی نے جواب نہ دیا حتیٰ کہ ایک سونے والے کو دیکھا کہ جو نئی چادر تانے سو رہا ہے تو اسے دلہن سمجھ کر اس کے پہلو میں لیٹ گیا اس پر سے چادر اُتاری تو دماغ خوشبو سے معطر ہو گیا اب اسے یقین ہو گیا کہ واقعی یہی دلہن ہے تو اس کے ساتھ جماع کرنے لگا اور اپنی زبان اس کے منہ میں دے دی اس کی نمی جو اسے پہنچی تو بڑا خوش ہوا کہ میری خاطر مدارت کر رہی ہے۔ لیکن جب صبح شہزادہ ہوش میں آیا تو اس نے دیکھا کہ آتش پرستوں کا مقبرہ ہے اس کے خیال میں جو سو رہے تھے وہ حقیقت میں مُردے تھے جس کی چادر نئی تھی اور جسے اس نے دلہن سمجھا تھا وہ ایک بدصورت بڑھیا تھی جو حال ہی میں مری تھی جو خوشبو محسوس ہوئی وہ درحقیقت کافور وغیرہ تھا اور رطوبت اس بڑھیا کی نجاست اور ناپاکی تھی۔ شہزادے نے دیکھا کہ اس کا تمام بدن نجاست سے لت پت ہے اور اس کے لعاب سے اس کا منہ بدمزہ ہو چکا ہے اس ذلت و رسوائی کے سبب اس نے چاہا کہ میں مر جاؤں اور ڈر ہوا کہ میرے باپ اور اس کی فوج و سپاہ نے اگر مجھے اس حالت میں دیکھ لیا تو کیا ہو گا۔ اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ اس کا باپ لشکر کے افسروں سمیت اس کی تلاش میں آ نکلا اور اسی ناگفتہ بہ حالت میں اسے دیکھ لیا تو شہزادہ کو از حد ندامت ہوئی اور سوچنے لگا کہ اے کاش زمین پھٹ جاتی تو میں اس میں سما جاتا اور اس ذلت و رسوائی سے نجات پاتا۔ یاد رکھو کہ کل قیامت میں دُنیا پرست دُنیا کی لذتوں کو اسی حال میں دیکھیں گے۔ دُنیوی خواہشات میں مبتلا رہنے کے سبب ان کے دِل میں جو اثر رہا ہو گا اس کی مثال اسی نجاست اور تلخی جیسی ہو گی جس کا شہزادہ کی حکایت میں ذکر ہے۔ دُنیا دار حقیقت میں اس سے بھی زیادہ رسوا ہوں گے اور سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے اس واسطے کہ اُس دُنیا کے کاموں کی تمام و کمال تختی کی مثال اس جہان کی چیزوں سے نہیں دی جا سکتی یہ قِصّہ اس آگ کی حقیقت کا نمونہ تھا جس کو انسانی جسم سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ محض دِل و جان کو جلاتی ہے اور اس کا نام ذلت و ندامت کی آگ ہے۔

تیسری قسم حضرت حق کے جمال بے مثال سے محرومی اور اس سعادت سے مایوسی ہے اس نامرادی و مایوسی کی جو آگ اس جہان کے ساتھ لے گیا وہ اس کا سبب ہے یعنی اس دُنیا میں اس نے حضرت حق کی معرفت حاصل نہ کی اور ایسی تعلیم و کوشش سے بھی محروم رہا جو دِل کی صفائی کا ذریعہ ہے تاکہ مرنے کے بعد حضرت حق کا جمال اس طرح نظر آئے جیسے صاف آئینہ میں عکس نظر آتا ہے بلکہ گناہ اور دُنیا کی خواہشات کے زنگ نے اس کے دِل کو اندھا اور تاریک بنا دیا۔

اس آگ کی مثال ایسی ہے جیسے تو کسی گروہ کے ساتھ اندھیری رات میں کہیں پہنچے۔ وہاں بہت سے سنگریزے پڑے ہوں اور تو ان کا رنگ نہ دیکھ سکے تیرے ساتھی تجھے یہ کہیں کہ جتنے اٹھا سکتے ہو اٹھالو کیونکہ ہم نے سنا ہے کہ یہ بہت فائدہ مندہیں لیکن تو نہ اُٹھائے اور تیرا یہ خیال ہو کہ یہ محض حماقت ہے کہ خواہ مخواہ اپنے سر پر بوجھ لادوں خُدا معلوم یہ کل کام آئیں یا نہ آئیں۔ پھر وہ رفقاء تو بوجھ اٹھا کر چل دیں اور تو خالی ہاتھ ساتھ ہو۔ اور تو ان پر ہنسے اور انھیں احمق سمجھ کر ان پر افسوس کرے اور تیرا یہ خیال ہو کہ جس کسی کو عقل اور شعور ہوتا ہے وہ میری طرح آرام و اطمینان سے جاتا ہے اور احمق اپنے آپ کو گدھا بنالیتا ہے۔ حتیٰ کہ روشنی میں پہنچ کر جب ان سنگریزوں کو دیکھیں تو وہ سرخ یاقوت اور اس طرح کے قیمتی پتھر ہوں جن میں سے ہر ہر دانہ کی قیمت لاکھوں اشرفیوں کے برابر ہو تو انھیں افسوس ہو گا کہ ہم زیادہ کیوں نہ اٹھالائے لیکن تو تو ہلاکت کے قریب پہنچ جائے گا اور تجھے حسرت کی آگ لپیٹ میں لے لے گی اور تو سوچے گا کہ میں بھی کیوں نہ اٹھالایا۔ پھر وہ لوگ ان جواہرات کو بیچ کر جو نعمت چاہیں حاصل کر لیں جو چاہیں کھائیں' پہنیں اور جہاں چاہیں رہیں اور تجھے بھوکا ننگا رکھیں اور تجھ سے غلاموں جیسا کام لیں تو ان کی ہزار منت کرے کہ ان نعمتوں میں سے مجھے بھی کچھ عطا کردو لیکن وہ قطعاً انکار کردیں تو ایک محرومِ سعادت کا یہی حال ہو گا چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَاءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰهُ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَی الْکَافِرِیْنَ ﴾

(الاعراف)

بلکہ وہ کہیں گے کہ تو ہمارا مذاق اُڑاتا تھا اور ہم پر ہنستا تھا آج ہمارا موقع ہے :

﴿ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْکُمْ کَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴾ (مومنون)

تو جنت کی نعمتیں اور اللہ تعالیٰ کے دیدار سے محروم ہو جانے کی یہ ایک مثال ہے ورنہ حقیقی معنی میں اس حسرت کا تو اندازہ بھی کرنا مشکل ہے۔ جن لوگوں نے دُنیا سے عبادات کے جواہرات اور موتی نہ سمیٹے اور یہ کہا کہ قرض کے لیے ہم سردست نقد رنج کیوں برداشت کریں وہ روزِ قیامت چلائیں گے اور کہیں گے :

﴿ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَاءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰهُ ﴾ (الاعراف)

لیکن جواب سن کر انھیں حسرت ہو گی اور کیوں نہ ہو کہ اس دن اللہ کے نیک بندوں کو ایسی ایسی نعمتوں سے نوازا جائے گا کہ دُنیا کی تمام عمر کی نعمتیں ایک طرف اور وہاں کی ایک ساعت کا انعام ایک طرف' حتیٰ کہ جو گنہگار سب سے آخر میں دوزخ سے نکالا جائے گا اس کو بھی دُنیا کے مقابلہ میں دس گنا نعمتیں ملیں گی۔ دُنیا کی نعمتوں کے ساتھ ان نعمتوں کی مشابہت اندازہ اور ناپ تول سے نہیں بلکہ اس سے مُراد رُوحِ نعمت میں مشابہت اور خوشی و لذت ہے۔ جیسے کہتے ہیں کہ ایک موتی دس اشرفیوں کی مثل ہے تو وہ حقیقت میں ناپ اور تول میں ایسا نہیں ہوتا بلکہ مالیت کے اعتبار سے ایسا کہا جاتا ہے یہی بات دُنیا اور آخرت کی نعمتوں کے معاملہ میں ملحوظ رکھنی چاہیے۔

فصل : جب تُو نے رُوحانی آگ کی تینوں قسمیں پہچان لیں تو اب یہ بھی سمجھ کہ یہ آگ جسمانی آگ سے زیادہ تیز ہے۔ اس لیے کہ جب تک تکلیف اور درد کا اثر جان کو نہیں پہنچتا بدن کو کچھ محسوس نہیں ہوتا تو بدن کی تکلیف جان میں جا کر بڑھ جاتی ہے پس جو آگ اور درد جان کے اندر سے آتا ہے وہ یقیناً جسمانی آگ کی شدت و الم سے

تیز ہو گا۔ یہ آگ جان کے اندر ہی سے لگتی ہے باہر سے کچھ نہیں آتا۔ طبیعت کی خواہش کے خلاف اس پر کسی چیز کا غالب آنا بھی تکلیفوں کا سبب اور ذریعہ ہوتا ہے اور بدن کا طبعی تقاضا یہ ہے کہ اس کے تمام اعضاء مجتمع رہیں۔ جب زخم کے سبب ایک عضو دوسرے سے جدا ہو گا تو یہ بات بدن کے طبعی تقاضوں کے خلاف ہو گی اور بدن میں درد محسوس ہو گا اور ظاہر ہے کہ زخم ایک کو دوسرے سے جدا کر دیتا ہے اسی طرح آگ بھی تمام اعضاء میں در آتی ہے اور ایک کو دوسرے سے جدا کر دیتی ہے تو ہر ہر عضو میں سخت درد ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ آگ کا درد بہت سخت ہے تو یاد رکھنا چاہیے کہ جو چیز دِل کا طبعی تقاضا ہے جب اس کے خلاف ہو گا تو جان میں درد ہو گا اللہ تعالیٰ کا دیدار اور اس کی معرفت دِل کا طبعی تقاضا ہے اور جب ایسا نہیں ہو گا تو بہت زیادہ درد و اضطراب ہو گا۔ اگر لوگوں کے دِل اس دُنیا میں بیمار نہ ہوتے تو اس جہان میں بھی اندھے پن کی تکلیف اٹھاتے۔ جب ہاتھ پاؤں بیکار اور سن ہو جاتے ہیں تو آگ لگانے سے آدمی کو کچھ خبر نہیں ہوتی اور جب یہ تکلیف جاتی رہتی ہے اس کے بعد جب بدن کو آگ چھوتی ہے تو فوراً عظیم صدمہ ہوتا ہے۔ اس طرح دُنیا میں دِل بیکار ہو جاتا ہے لیکن موت سے وہ کیفیت ختم ہو جاتی ہے تو دفعتاً یہ آگ جان سے نکلتی ہے اور کہیں باہر سے نہیں آتی۔ اس واسطے کہ یہ وہ بڑا سرمایہ ہے جو وہ خود اپنے ساتھ لے گیا چونکہ اسے عِلم الیقین نہ تھا اس لیے آگ کو نہ دیکھ سکا اب جو عِلم الیقین حاصل ہوا تو اس آگ سے بھی مطلع ہو گیا یہی معنی سورۂ تکاثر کی اس آیت کا ہے کہ : ﴿ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ○ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ○ ﴾ (التکاثر)

شریعت میں جسمانی دوزخ اور بہشت کا اکثر حال بیان کیا گیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے ساری مخلوق جان سکتی ہے اور آسانی سے سمجھ سکتی ہے رہ گئی رُوحانی دوزخ تو تُو اس کو جس کے سامنے بیان کرتا ہے وہ اسے ناچیز محض سمجھتا ہے اور اس کی صعوبت اور تکلیف کو نہیں جانتا جس طرح تو کسی لڑکے سے کہے کہ لکھنا پڑھنا سیکھ لے ورنہ تیری ریاست اور تیرے باپ کی دولت تجھے مل نہ سکے گی اور تو اس سعادت سے محروم رہے گا تو وہ لڑکا تیرا یہ کہنا خاک سمجھے گا؟ اس کے دل میں ذرہ برابر اثر نہ ہو گا۔ لیکن اگر تو اس لڑکے کو یوں یوں کہے کہ اگر تو نے نہ پڑھا تو استاد تیری گوشمالی کرے گا تو اس سے وہ ڈرے گا کیونکہ وہ اس کی حقیقت کو جانتا اور سمجھتا ہے جس طرح استاد کی گوشمالی درست ہے اور تعلیم و تربیت سے محروم لڑکے کا باپ کی ریاست وغیرہ سے محروم رہنا صحیح ہے اسی طرح جسمانی دوزخ بھی حق ہے اور حضرت حق کی بارگاہ سے محرومی بھی حق اور درست ہے اور جس طرح ریاست سے محرومی کے مقابلہ میں گوشمالی کی کوئی حیثیت نہیں اسی طرح دیدارِ الٰہی سے محرومی کے مقابلہ میں دوزخِ جسمانی کی تکلیف بھی بہت خفیف ہے۔ شاید تم یہ کہو کہ جو کچھ علماء نے کہا اور اپنی کتابوں میں لکھا ہے یہ تفصیل اس کے خلاف ہے اس لیے کہ ان کا کہنا ہے کہ محض تقلید اور سننے سے آدمی یہ باتیں جان لیتا ہے عقل اور بصیرت کی اس میں ضرورت نہیں اس کا جواب یہ ہے کہ اہل عِلم کی معذوری پہلے بیان ہو چکی ہے اور یہ بات اس کے خلاف نہیں ہے اس لیے کہ آخرت کے متعلق اہل عِلم نے جو کچھ کہا وہ درست ہے البتہ یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ وہ محض محسوسات میں رہتے ہیں رُوحانیات سے ان کا زیادہ واسطہ نہیں یا تو انھوں نے اسے پہچانا نہیں اور اگر پہچانا ہے تو اس لیے بیان نہیں کیا کہ اکثر لوگ اسے سمجھیں گے نہیں اور جسمانی حالات صاحب شریعت کی تقلید اور ان سے سنے بغیر معلوم نہیں ہوتے۔ یہ دوسری قسم رُوح کی حقیقت کی معرفت کی ایک شاخ ہے اور اس کے

جاننے کا دار و مدار بھی بصیرت و مشاہدۂ باطن پر ہے اس مرتبہ کو وہی لوگ پہنچ سکتے ہیں جو اپنے وطن سے نکل جائے اور اپنے مولد میں نہ ٹھہرے اور دینی راہ کا سفر اختیار کرے یہاں وطن اور مولد سے شہر اور گھر مراد نہیں کہ وہ تو محض انسانی قالب کا وطن ہے جس کے سفر کی کوئی حقیقت نہیں لیکن جو رُوح کہ آدمی کی حقیقت ہے اس کی بھی ایک قیام گاہ ہے جس جگہ سے وہ ظاہر ہوئی وہ اس کا وطن ہے وہاں سے وہ سفر کر کے آئی ہے راستہ میں اسے بہت ساری منزلیں طے کرنا پڑتی ہیں اور ہر منزل ایک مستقل جہاں ہے پہلی منزل محسوسات کی ہے پھر عالمِ تخیلات' پھر عالمِ موہومات پھر عالمِ معقولات۔ یاد رہے کہ عالمِ معقولات چوتھی منزل ہے اس منزل میں اسے اپنی حقیقت کی خبر ہوتی ہے اس کے آگے پھر کچھ خبر نہیں ہوتی۔ ایک مثال کے ذریعہ ان چاروں عالموں کو آدمی سمجھ سکتا ہے۔ مثال یہ ہے کہ ایک آدمی جب تک محسوسات میں ہے پتنگوں کی مانند ہے جو چراغ پر گرتے پڑتے ہیں وجہ یہ ہے کہ پتنگے کی بینائی تو ہے لیکن خیال اور یاد رکھنے کی قوت سے وہ محروم ہے تاکہ اندھیرے سے بھاگنے کے لیے کھڑکی اور راستہ تلاش کرے وہ چراغ کو کھڑکی سمجھتا ہے اور اسی پر گر پڑتا ہے' تب آگ سے پالا پڑتا ہے تو یہ تکلیف یاد نہیں رہتی اور اسے اس کا کچھ خیال نہیں رہتا اس واسطے کہ اسے حفاظت اور خیال کی قوت نصیب نہیں اور وہ اس رتبہ پر نہیں پہنچ سکا اس وجہ سے بار بار چراغ پر گرتا ہے حتیٰ کہ ہلاک ہو جاتا ہے اگر اسے خیال و حافظہ کی قوت نصیب ہوتی تو ایک بار دکھ اٹھانے کے بعد وہ دوبارہ چراغ کے قریب نہ جاتا کیونکہ باقی حیوانات ایک بار مار کھا چکنے کے بعد دوبارہ اس چیز کے قریب نہیں جاتے وہ محض لکڑی دیکھ کر بھاگ جاتے ہیں تو آدمی کی پہلی منزل عالمِ محسوسات کی ہے۔ دوسری منزل عالمِ تخیلات کی ہے جب تک آدمی اس درجہ پر رہتا ہے حیوانات اور جانوروں کے برابر رہتا ہے۔ تیسری منازل عالمِ موہومات کی ہے۔ اس درجہ میں جا کر آدمی بکری گھوڑے کے برابر ہو جاتا ہے بن دیکھے صدمہ سے بھاگتا ہے اپنے دشمنوں کو پہچانتا ہے اس واسطے کہ جس بکری نے بھیڑیئے کو نہ دیکھا ہو اور جس گھوڑے نے شیر کو نہ دیکھا ہو وہ پہلی بار بھی دیکھ کر دشمن سمجھ کر بھاگتے ہیں حالانکہ بیل' اونٹ' ہاتھی' بھیڑیئے اور شیر سے جو قد و قامت میں بہت بڑے ہیں وہ ان سے نہیں بھاگتے۔ یہ سوجھ اور سوچ اللہ تعالیٰ نے انھیں عطا فرمائی ہے اس کے باوجود اس سے نہیں بچتے اس واسطے کہ یہ رتبہ چوتھی منزل میں نصیب ہوتا ہے۔ وہ چوتھی منزل عالمِ معقولات کی ہے یہاں تک تو آدمی بہائم کے درجہ پر رہتا ہے اور اس منزل پر آ کر بہائم کے درجہ سے گزر جاتا ہے فی الحقیقت یہیں سے آدمی عالمِ انسانیت کی حدود میں قدم رکھتا ہے اور ایسی چیزیں دیکھتا ہے کہ تخیل اور وہم کو ان میں دخل نہیں ہوتا اور آئندہ ہونے والی چیز سے پرہیز کرتا ہے اور مختلف کاموں کی حقیقت کو ان کی ظاہری صورت سے جدا کرتا ہے اور ہر چیز کی حقیقت کو جو اس کی صورتوں کو شامل ہوتی ہے پہنچتا ہے اور جو چیزیں اس عالم میں دکھائی دے سکتی ہیں بے نہایت نہیں اس لیے کہ جو چیز محسوس ہوتی ہے اس کا جسم بھی ہوتا ہے اور جسم کا جہاں تک تعلق ہے وہ انتہا کو قبول کرتا ہے اور محسوسات کی دُنیا میں آدمی کا تردد اور چلنا ایسا ہی ہے جیسے زمین پر چلنا پھرنا کہ ہر ایک ایسا کر سکتا ہے اور چل پھر سکتا ہے۔ چوتھے عالم یعنی عالمِ معقولات میں اس کا چلنا کاموں کی حقیقت اور رُوح کی تفحص کے واسطے ہوتا ہے اور وہ ایسا ہی ہے جیسے پانی پر چلنا اور موہومات میں اس کا تردد ایسا ہے جیسے کشتی میں سوار ہونا کہ مٹی اور پانی میں اس کا درجہ ہے اور درجہ معقولات کے اس طرف ایک مقام ہے جو انبیاء علیہم السلام اور اہل تصوف اولیاء کرام رحمہم اللہ کا ہے

اس کی مثال ایسی ہے جیسے ہوا میں سیر کرنا یہی مضمون تھا کہ جنابِ رسالت مآب ﷺ سے لوگوں نے عرض کیا کہ کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام پانی پر چلتے ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

((ولو ازداد یقینًا لمشی فی الھواء.))

"اگر ان کا یقین اور زیادہ ہوتا تو ہوا میں چلتے"

تو آدمی کے سفر کی منزلیں عالمِ ادراک میں ہیں۔ آخری منزل پر جب ملائکہ کے مرتبہ پر پہنچنے کا ارادہ کرتا ہے تو چارپایوں کو جو آخری اور اسفل درجہ ہے وہاں سے فرشتوں کے اعلیٰ ترین درجہ تک آدمی کی مختلف منازل ہیں جو ذریعہ معراج ہیں اور سب اونچ نیچ اسی کا کام ہے وہ اسی خطرہ میں ہے کہ ﴿ اسفل السافلین ﴾ میں گرتا ہے یا ﴿ اعلیٰ علیین ﴾ پر چڑھتا ہے اس خطرہ کو قرآنِ مجید نے یوں بیان فرمایا:

﴿ اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ۝ ﴾ (الاحزاب)

اس واسطے کہ جو جمادات ہیں ان کا تو درجہ بدلتا نہیں کہ وہ بے خبر ہیں تو انھیں خطرہ نہیں اور فرشتے ﴿ اعلیٰ علیین ﴾ میں ہیں ان کے لیے اپنے مقام سے اُترنا ممکن نہیں کہ ہر ایک اپنے مقام و مرتبہ کے لیے وقف ہے جیسا کہ قرآن شریف نے فرشتوں کا قول نقل کیا:

﴿ وما منا اِلّا له له مقام معلوم ﴾ (صافات)

اور چوپائے ﴿ اسفل السافلین ﴾ میں ہیں ان کے لیے ترقی ممکن نہیں رہ گیا انسان تو وہ دونوں کے درمیان ہے اور وہ خطرہ میں ہے اس لیے کہ وہ ملائکہ کے درجہ تک بھی پہنچ سکتا ہے اور حیوانات کی پستی تک بھی اتر سکتا ہے اور امانت اٹھا لینے کے یہی معنی ہیں کہ خطرناک کام کو اس نے اختیار کر لیا ہے اور اب ممکن نہیں کہ آدمی کے سوا کوئی دوسرا اس بوجھ کا متحمل ہو سکے۔

اس بیان سے مقصود یہ ہے کہ جو کچھ تو نے کہا کہ اکثر آدمی یہ بات نہیں کہتے اس کا حال تجھے معلوم ہو جائے کہ ان کا کہنا تعجب کی بات نہیں اس لیے کہ مسافر ہمیشہ مقیم کے خلاف ہوتا ہے اکثر لوگ مقیم ہیں اور مسافر خال خال۔ محسوسات اور مخیّلات کی منزل کو جو شخص اپنا وطن بنا کر رک جائے گا اسے کسی کام کی حقیقت معلوم نہ ہو سکے گی اور درجہ رُوحانیت پر وہ شخص کبھی فائز نہ ہو سکے گا اس لیے اس کا بیان کتابوں میں کم ہے۔ آخرت کی معرفت کے متعلق ہم اس پر اکتفا کرتے ہیں کہ اکثر لوگ اس سے زیادہ نہ سمجھ سکیں گے بلکہ بہت سے لوگ تو اتنا بھی سمجھنے سے معذور ہوں گے۔

فصل : بہت سے احمق جو بصیرت سے محروم ہوں اور نہ ہی شریعت کی بات مانیں وہ اُخروی زندگی کے معاملات میں متحیر و حیران ہیں اور وہ شک کا شکار ہیں۔ ہوتا یہ ہے کہ جب خواہش غالب آتی ہے اور آخرت کا انکار انھیں پسند ہوتا ہے تو ان کے دِل میں انکار پیدا ہو جاتا ہے اور شیطانی دسیسہ کاریاں اسے بڑھاتی ہیں اور وہ خیال کرنے لگتا ہے کہ دوزخ کے ضمن میں جو کچھ سامنے آیا ہے محض ڈرانے کے واسطے ہے اور جنت کے معاملہ میں جو کچھ بتلایا اور فرمایا گیا

ہے وہ شعبدہ ہے اسی وجہ سے وہ لوگ خواہشات کی پیروی کا شکار ہو جاتے ہیں اور شریعت سے انکار کر گزرتے ہیں اور اہل شریعت کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگتے ہیں اور یہ احمق سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ لوگ گدڑی میں مست ہیں۔ ایسے احمقوں کا یہ نصیب کہاں کہ وہ بھید و راز کی ان باتوں کو معلوم کر سکیں اور دلیل سے سمجھ سکیں۔ اسے ایک ظاہری بات میں تامل کی دعوت دینی چاہیے اور کہنا چاہیے کہ اگر تیرا یہی خیال ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار (کم و بیش) انبیاء علیہم السلام اور تمام حکماء، علماء اور اولیاء رحمہم اللہ غلطی پر تھے اور سبھی دھوکہ کا شکار تھے تو اس حماقت اور غرور کے باوجود اُس نے یہ سمجھا۔

ممکن ہے تجھ سے غلطی ہوئی ہو اور تو دھوکہ کی وجہ سے آخرت کی حقیقت اور رُوحانی عذاب کو نہ سمجھ سکا ہو اور رُوحانیت کی مثال کی وجہ سے عالم محسوسات کو نہ پہچانا ہو۔ اگر وہ ایسا ہی احمق ہے کہ کسی طرح اپنی غلطی کو روا نہ رکھے اور کہے کہ جس طرح میں دو کو ایک سے زیادہ جانتا ہوں اسی طرح میں یہ بھی جانتا ہوں کہ رُوح کی حقیقت کچھ نہیں اور اسے بقا حاصل نہیں اور رُوحانی و جسمانی رنج و راحت ممکن ہی نہیں ایسے شخص کا مزاج بگڑ گیا ہے اس سے کسی قسم کی اُمید رکھنی فضول و عبث ہے یہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

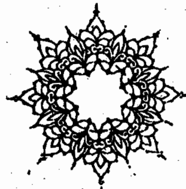
﴿ وان تدعهم الى الهدى فلن يهتدوا اذا ابدا ﴾ (الکهف)

اور اگر وہ یوں کہے کہ اُمورِ آخرت کے محال ہونے کی مجھے تحقیق نہیں ہے کیونکہ اگرچہ ممکن تو ہیں لیکن ہیں عقل سے بعید اور جب اس بات کی نہ مجھے تحقیق ہو نہ اس کا گمان غالب ہو تو ساری عمر پرہیزگاری کی کوٹھی میں کیوں گزاروں اور دُنیا کی لذتوں سے بلا وجہ ہاتھ کیوں کھینچے رکھوں تو ہم اسے جواب دیں گے اتنا تو نے اقرار کر لیا تو اب عقلاً تجھ پر لازم ہے کہ شریعت کی راہ پر چلے کیونکہ جب بہت بڑے خطرہ کا ذرا سا بھی گمان ہو جائے تو لوگ اس سے بھاگتے ہیں۔ اگر تو کھانے کے لیے ہاتھ بڑھائے اور کوئی کہہ دے کہ اس میں سانپ نے مُنہ ڈالا ہے تو تُو فوراً ہاتھ کھینچ لے گا۔ اگرچہ یہ گمان ہو سکتا ہے کہ کہنے والے نے جھوٹ کہا ہو تاکہ تو کھانا نہ کھا سکے اور وہ ہڑپ کر جائے لیکن یہ بھی تو ممکن ہے کہ اُس نے سچ کہا ہو تو اپنے دِل میں کہے گا کہ اسے نہ ہی کھاؤں کیونکہ بھوکا رہنے کی تکلیف برداشت کرنی آسان ہے اور اگر کھا لیا تو اس کے سچا ہونے کی صورت میں ہلاک ہو جاؤں گا۔ اسی طرح اگر تو بیمار ہو اور ہلاک ہو جانے کا خطرہ ہو اور تعویذ لکھنے والا یوں کہے کہ ایک روپیہ بھر چاندی دے تاکہ تیرے لیے تعویذ لکھ دوں اور نقش بنا دوں تو اس کے باوجود کہ تجھے ظن غالب ہو کہ تعویذ و نقش کا تندرستی کے ساتھ کوئی لازمی معاملہ نہیں پھر بھی تو ایک روپیہ دے ہی دے گا اور اگر نجومی یہ کہے کہ جب چاند فلاں مقام پر پہنچے تو فلاں کڑوی دوا کھانے سے صحت ہو جائے گی۔ اس کے قول کے مطابق تو دوا استعمال کرے گا اور اس کے کڑوے پن کی تکلیف برداشت کرے گا محض اس لیے کہ شاید سچ کہتا ہو اور مجھے صحت ہو جائے۔ تو ایک لاکھ چوبیس ہزار (کم و بیش) انبیاء علیہم السلام کا قول اور دُنیا کے تمام بزرگوں یعنی حکماء، علماء اور اولیاء رحمہم اللہ کا اس پر متفق ہونا کسی صاحب عقل کے نزدیک ایک نجومی یا لکھنے والے یا آتش پرست طبیب سے کم معتبر نہ ہو گا۔ حیرت ہے کہ ان لوگوں کے کہنے سے تو تو تھوڑا بہت رنج برداشت کر لیتا ہے تاکہ تکلیف سے نجات پائے اور تھوڑا رنج و تکلیف دوا وغیرہ کی بیماری کی بڑی تکلیف سے تجھے آسان معلوم ہوتی ہے۔ اگر کوئی دُنیا کی عمر کا حساب کرے اور یہ معلوم

کرے کہ ابد سے اس کی نسبت کیا ہے جس کی انتہا ہی نہیں تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ دُنیا میں شریعت کا اتباع اور اس سلسلہ میں تکلیف بشرطیکہ ہو بھی تو بہت آسان ہے اس خطرہ کے مقابلہ میں جس کا انبیاء علیہم السلام وغیرہ ذکر کر گئے اگر تو اپنے دِل میں ایسا خیال کرے کہ اگر یہ لوگ سچ ہی کہتے ہوں اور ان کے کہنے کے مطابق میں واقعی ہمیشہ کے لیے سخت عذاب میں مبتلا ہو گیا تو پھر کیا کروں گا اور دُنیا کی وقتی چند روزہ راحت میرے کس کام آئے گی۔ ابد کے معنی ہیں کہ اگر سارے جہان کو رائی کے دانوں سے بھر دیں اور ایک چڑیا سے کہیں کہ ہزار ہزار برس میں ایک ایک دانہ اس میں سے اُٹھائے جب وہ تمام دانے پورے ہو جائیں تب بھی ابد میں سے کچھ کم نہ ہو گا اگر اتنی مدت جسمانی یا رُوحانی عذاب ہو تو ائے جانِ پدر سوچ کہ اسے کیوں کر برداشت کر سکے گا اور یہ بھی خیال کر کہ دُنیا کی عمر ابد کی اس مدت کے مقابلہ میں کتنی ہے۔

ایسا کون عقل مند ہے کہ اس معاملہ میں غور کرے اور یہ نہ خیال کرے کہ اگرچہ یہ امر وہمی ہی ہے اور اس سے بچنے میں بالفعل یقینی رنج ہے لیکن اتنے بڑے عظیم خطرہ سے احتیاط اور بچ کر چلنا لازم و ضروری ہے اس واسطے کہ لوگ تجارت کے لیے اگر کشتی میں بیٹھتے ہیں اور بڑے بڑے سفر کرتے ہیں اور ان میں رنج و تکلیف برداشت کرتے ہیں تو محض اس گمان پر کہ تجارت میں فائدہ اور منفعت ہو گی۔ تو اگرچہ اس احمق کو آخرت کے عذاب کا یقین نہیں لیکن ذرا سا گمان تو ہے پس اگر ذرا سی اور ہمت کرے گا تو تقویٰ و پرہیز گاری کا بوجھ برداشت کرنا آسان ہو جائے گا اسی واسطے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک دن ایک ملحد کو مناظرہ میں فرمایا کہ جیسا تو کہتا ہے اگر واقع میں بھی ایسا ہو تب تو بھی جھوٹا اور ہم بھی جھوٹے اور اگر حقیقت وہ ہے جو ہم کہتے ہیں تو فقط ہم ہی جھوٹے ہوں گے لیکن تو ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہے گا۔ جناب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ جو کچھ فرمایا تو اس کے قصورِ فہم کے مطابق فرمایا نہ یہ کہ معاذ اللہ آپ کو اس میں شک تھا آپ سمجھے کہ یقین کا راستہ اس ملحد کی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ تو اس بیان سے معلوم ہوا کہ جو شخص دُنیا میں زادِ آخرت کے سوا کسی اور چیز میں مشغول رہا وہ بڑا احمق ہے۔ غفلت اور امورِ آخرت میں فکر کرے ورنہ آخرت کے عذاب کا جس کو یقین ہو اور جسے ظن غالب ہو اور جس کا ایمان کمزور ہو سب پر عقلی نقطۂ نظر سے لازم و ضروری ہے کہ اس عظیم خطرہ سے ڈرے اور احتیاط کی روش اختیار کرے۔

والسلام علی من اتبع الهدی نفس، اللہ تعالیٰ، دُنیا اور آخرت کی معرفت کا الگ الگ بیان ہو چکا۔ اور اسلام اور مُسلمانی کے عنوان سے جو کچھ ہم نے کہنا تھا کہہ لیا اب ان شاء اللہ تعالیٰ اسلامی معاملات پر گفتگو ہو گی۔



اسلام اور مُسلمانی کے ارکان

جب اسلام و مُسلمانی کے ارکان یعنی اپنی معرفت' اللہ تعالیٰ کی معرفت اور دُنیا و آخرت کی معرفت کو تو جان چکا تو اب معاملات کا ذکر ہو گا۔ یہ تو معلوم ہو ہی چکا ہے کہ انسان کی سعادت کا راز اللہ تعالیٰ کی معرفت و بندگی میں مضمر ہے اور اس کی معرفت ان چار چیزوں کے جاننے سے حاصل ہوتی ہے جن کا ذکر ہو چکا۔ جہاں تک اس کی عبادت کا تعلق ہے اس کا دار و مدار بھی چار ارکان پر ہے ایک تو یہ کہ آدمی اپنے ظاہر کو عبادت و بندگی سے آراستہ رکھے یہ عبادات کا حصّہ کہلاتا ہے۔ دوسرا یہ کہ آدمی اپنی زندگی اور اپنی حرکات و سکنات کو شرعی ادب کی حدود میں رکھے یہ معاملات کا حصّہ ہے۔ تیسرا یہ کہ اپنے دِل کو برے اخلاق سے پاک و محفوظ رکھے یہ مہلکات کا حصّہ ہے اور چوتھا یہ کہ اپنے دِل کو اچھے اخلاق سے آراستہ و پیراستہ رکھے یہ منجیات کا حصّہ ہے۔

پہلا حصّہ ——— عبادات

اس میں عبادات کا مفصل بیان ہو گا۔ اس میں دس فصلیں ہیں۔ ۱) اہل سنت و جماعت کے مطابق عقیدہ کی درستگی۔ ۲) عِلم کی تلاش و جستجو میں مشغول ہونا۔ ۳) طہارت و پاکیزگی۔ ۴) نماز۔ ۵) زکوٰۃ۔ ۶) روزہ۔ ۷) حج۔ ۸) قرآن پڑھنا۔ ۹) ذکر و تسبیحات۔ ۱۰) اوراد و وظائف کی ترتیب اور عبادات کے وقت کی محافظت۔

فصل اوّل ——— اہل سنت کا عقیدہ

جو مُسلمان ہے اس پر فرض ہے کہ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ جو اس نے زُبان سے پڑھا ہے اس کا معنیٰ بھی جانے اور اسطرح کہ اس میں کسی قسم کا شبہ نہ رہے جب اسے یہ سعادت حاصل ہوگئی اور اس کے دِل کو پوری طرح اطمینان حاصل ہو گیا تو اتنی بات اسلام کے لیے کافی ہے دلیل سے اس کے معنیٰ کو جاننا ہر مُسلمان پر فرض عین نہیں اس لیے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے اہل عرب کو دلیل کی تلاش اور عِلم کلام پڑھنے نیز شبہات کی جستجو کا حکم نہیں دیا بلکہ ان معانی کی تصدیق و یقین پر کفایت فرمائی۔ اور عوام کا درجہ اس سے زیادہ ہے بھی نہیں تاہم کچھ لوگ ایسے ہونے ضروری ہیں جو گفتگو کا طریقہ جانتے ہوں اور اس کی دلیل بیان کر سکیں تاکہ اگر کوئی شخص عوام کو گمراہ کرنا چاہے اور ان کے عقائد کو مشتبہ کرنا چاہے تو وہ مخصوص افراد عوام کے نمائندہ و ترجمان بن جائیں اور ان شبہات کا ازالہ کریں اس عِلم کو عِلم کلام کہتے ہیں۔ اور یہ فرض کفایہ ہے۔ ہر بستی میں اس عِلم کے جاننے والے چند افراد کا ہونا ضروری ہے عوام تو محض عقیدہ رکھنے والے ہوتے ہیں۔ لیکن متکلم کی حیثیت کوتوال کی ہے جو ان کے عقائد کا نگہبان ہوتا ہے البتہ معرفت کی حقیقت کی راہ اور ہی ہے اور ان دونوں مذکورہ مقامات سے جدا ہے جس کا آغاز ریاضت و مشقت سے ہوتا ہے جب تک مُسلمان اس راہ پر نہیں چلے گا وہ معرفت کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اور اس کے لیے معرفت کا دعویٰ صحیح نہیں۔ کیونکہ اس میں نفع سے زیادہ نقصان ہے اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص پرہیز تو نہ کرے لیکن دوا استعمال کرے تو

اس میں جان کی ہلاکت کا خوف ہے اس لیے کہ دوا بھی ویسی ہی ہو جاتی ہے جیسے اور فاسد اخلاط اس کے معدہ میں ہوتے ہیں تو اس دوا سے صحت ہونے کی بجائے بیماری اور بڑھ جاتی ہے۔ پچھلے ابواب میں جو کچھ ہم نے بیان کیا وہ معرفت کی حقیقت کا محض ایک نمونہ تھا تاکہ جو شخص اس قابل ہے وہ تلاش کرے اور تلاش وہی کر سکتا ہے جسے دُنیا سے تعلق نہ ہو اور تمام عمر اللہ کی تلاش میں رہا ہو اور یہ ہے بہت مشکل! تو ایسی چیز جو تمام مخلوق کے لیے غذا کی مانند ہے یعنی عقائد اہل سنت ہم انھیں بیان کرتے ہیں تاکہ ہر شخص صحیح عقیدہ دِل میں جما لے کہ یہی سعادت کا بیج ہے تو تمھیں اس بات کا یقین کرنا چاہیے کہ تم مخلوق ہو اور تمھارا ایک خالق ہے تمام جہان اور اشیاء کو اُسی نے پیدا کیا ہے۔ وہ یکتا و تنہا ہے کوئی اس کا شریک نہیں۔ وہ یگانہ ہے کوئی اس کا ہمسر نہیں وہ ہمیشہ سے ہے کہ اس کی ابتدا نہیں اور ہمیشہ رہے گا یعنی اس کے وجود کی انتہا نہیں اس کی ہستی ازل و ابد میں ہے اس لیے کہ نیستی و معدومیت کا اس میں قطعاً کوئی دخل نہیں۔ اس کی ہستی اس کی ذات سے ہے اس لیے کہ اس کو کسی سبب کی پرواہ نہیں اور کوئی چیز اس سے بے نیاز و بے پروا نہیں۔ بلکہ وہ خالق مطلق تو قائم بالذات ہے لیکن تمام اشیاء کا قیام اس کی وجہ سے ہے۔

تنزیہ: وہ نہ جوہر ہے نہ عرض، نہ کسی چیز میں وہ حلول کرتا ہے اور نہ وہ کسی چیز کی مانند ہے اور نہ ہی کوئی چیز اس کی مانند ہے اس کی کوئی صورت و شبیہ نہیں کیفیت و کمیت کا اس میں کوئی دخل نہیں بلکہ انسانی قلوب میں جو کیفیت و کمیت کا تصور آئے وہ اس سے بھی پاک ہے۔ کیونکہ تمام صفات اس کی مخلوق و پیدا کردہ ہیں اور وہ مخلوق کی کسی صفت پر نہیں حتیٰ کہ وہم و خیال جو صورت جمائیں وہ اس کا بھی پیدا کرنے والا ہے چھوٹا بڑا ہونا یا مقدار و اندازہ کسی چیز کا اس سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ یہ صفات اجسام کی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا جسم نہیں۔ اور نہ ہی اس کا جسم کے ساتھ کسی قسم کا جوڑ ہے وہ نہ کسی جگہ پر ہے نہ کسی جگہ میں بلکہ اس کی ذات استقرار حاصل کرنے والی ہی نہیں جو کچھ دُنیا میں ہے سب عرش کے نیچے ہے اور عرش اللہ تعالیٰ کی قدرت تلے مسخر ہے اور وہ عرش پر ہے لیکن ایسے نہیں کہ جیسے کوئی جسم کسی جسم کے اوپر ہوتا ہے اس لیے کہ وہ جسم ہے ہی نہیں اور عرش نے اسے اٹھا نہیں رکھا۔ بلکہ عرش اور حاملانِ عرش سب کو اس کی قدرت و مہربانی نے تھاما ہوا ہے۔ عرش پیدا کرنے سے قبل جو اس کی صفت و حقیقت تھی آج بھی وہی ہے اور ابد تک یوں ہی رہے گا اس لیے کہ اس کی ذات و صفات میں تغیر و گردش کو کچھ دخل نہیں۔ کیونکہ اگر معاذ اللہ صفاتِ نقصانیہ کے ساتھ تغیر ہو تو پھر وہ خدائی کے قابل نہ ہو گا اور اگر صفاتِ کمالیہ تغیر پذیر ہوں تو مطلب یہ ہو گا کہ پہلے وہ ناقص تھا اور اس کمال کا محتاج۔ حالانکہ محتاج مخلوق کی صفت ہے ایسی چیز خدائی کے قابل کہاں؟ اور باوجود اس کے کہ وہ ساری مخلوق کی صفات سے پاک ہے مگر اس دُنیا میں پہچاننے کے لائق ہے اور اگلی دُنیا میں دیکھنے کے! اِس جہان میں اسے بے چون و بے چگوں پہچانتے ہیں تو اُس جہاں میں اسے اسی طرح دیکھیں گے کیوں کہ اُس جہان کا دیکھنا اِس جہان کے دیکھنے سے مختلف ہے۔

قدرت: وہ کسی چیز کی مانند نہیں اور سب چیزوں پر قادر ہے اس کی قدرت اس طرح درجۂ کمال کی ہے کہ کسی طرح کے عجز و نقصان اور ضعف کا اس میں سے گزر تک نہیں بلکہ اس ذات حق نے جو چاہا کیا اور جو چاہے گا کرے گا ساتوں آسمان و زمین اور عرش و کرسی وغیرہ جو کچھ ہے سب اس کے قبضۂ قدرت میں لیے مغلوب و مسخر ہیں اللہ

کے سوا کسی کا کسی چیز پر اختیار نہیں اور پیدا کرنے میں کوئی اس کا یارومددگار نہیں۔

عِلم : وہ دانا ہے ہر چیز کا جاننے والا۔ اس کا عِلم ہر چیز پر محیط ہے۔ عرشِ اعلیٰ سے تحت الثریٰ تک کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کے احاطۂ عِلم سے باہر ہو اس لیے کہ ہر چیز اسی کے حکم سے ظاہر ہوتی ہے حتیٰ کہ ریگستانوں کی ریت' درختوں کے پتے' دلوں کے خطرات و وساوس اور ہوا کے ذروں کے عدد تک اس کے عِلم میں یوں ہیں جیسے آسمانوں کے عدد و گنتی سے وہ واقف ہے۔

ارادہ : جو کچھ دُنیا میں ہے وہ اللہ تعالیٰ کے چاہنے اور ارادے سے ہے کوئی چیز چھوٹی یا بڑی' کم ہو یا زیادہ' اچھی ہو یا بری' گناہ کی ہو یا عبادت سے متعلق' کفر کے قبیل سے ہو یا ایمان کے قبیل سے یا نفع کی ہو یا نقصان کی' باعث رنج ہو یا راحت' بیماری ہو یا صحت اسی کی تقدیر و مشیت اور حکم سے ہوتی ہے۔ اگر جن' آدمی' شیطان اور فرشتے سب اکٹھے ہو کر دُنیا میں ایک ذِرہ کو ہلانا چاہیں یا کسی جگہ رکھنا چاہیں یا اٹھانا چاہیں یا گھٹانا بڑھانا چاہیں تو اللہ کی مشیت و ارادہ کے بغیر سب عاجز ہوں گے اور کچھ بھی نہ کر سکیں گے حتیٰ کہ وہ نہ چاہے تو کوئی چیز پیدا نہیں ہو سکتی کوئی چیز اس کی مرضی کے مطابق ہو کوئی اسے دفع نہیں کر سکتا المختصر جو کچھ تھا اور ہو گا سب اُسی کے تقدیر و تدبیر کے تابع ہیں۔

سمع و بصر : جس طرح وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے اسی طرح ہر چیز کا دیکھنے اور سننے والا بھی ہے اس کی شنوائی میں دُور و نزدیک سب برابر ہیں اور روشنی تاریکی اس کی بینائی میں یکساں۔ اندھیری رات میں چیونٹی کے پاؤں کی آواز سنتا ہے تحت الثریٰ میں موجود کیڑے کی رنگت و صورت کو دیکھتا ہے اس کی بینائی کا مدار آنکھ پر نہیں اور اس کی شنوائی کا مدار کان پر نہیں۔ جس طرح اس کی سمجھ کا تدبیر و سوچ پر مدار نہیں اسی طرح کسی کا پیدا کرنا بھی آلہ پر منحصر نہیں۔

کلام : اس کا فرمان ساری مخلوقات کے لیے واجب التعمیل ہے جو خبر اُس نے دی وہ سچی ہے اس کا وعدہ وعید سب سچا' جو حکم' خبر' وعدہ' وعید ہے سب اسی کا کلام ہے جس طرح وہ حی و قیوم' دانا و بینا ہے اسی طرح وہ متکلم بھی ہے اُس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بلاواسطہ کلام فرمایا۔ اس کی بات کام و زُبان اور لب و مُنہ سے نہیں ہوتی بلکہ جس طرح آدمی کے دِل میں بے آواز و بے حرف بات ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بات بھی بے حرف و بے آواز ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ پاک و منزہ' قرآن' تورات' زبور اور انجیل اور باقی انبیاء علیہم السلام پر جو کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے سب اسی کا کلام ہیں اور بالکل سچا کلامِ الٰہی اس کی صفت ہے اور اس کی تمام صفات قدیم ہیں اور ہمیشہ سے ہیں! اور جس طرح اس کی ذات قدیم ہے اور ہمارے دِل میں معلوم اور زُبان پر مذکور ہوتا ہے اسی طرح اس کا کلام بھی قدیم ہے اور ہمارے دِل میں محفوظ زُبان سے پڑھا گیا اور مصحف پر لکھا ہوا ہے ہمارا محفوظ سرمایہ مخلوق ہیں' حفظ مخلوق ہے پڑھا گیا' مخلوق نہیں پڑھنا مخلوق ہے اور مکتوب مخلوق نہیں کتابت مخلوق ہے۔

افعال : دُنیا اور اس میں جو کچھ ہے سب اس کی مخلوق ہے۔ جس چیز کو اس نے پیدا کیا وہ اس طرح کہ اس سے بہتر پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر دُنیا کے تمام عقلاء اپنی اپنی عقل کو مجتمع کر کے سوچیں اور چاہیں کہ اس دُنیا کی اس سے اچھی صورت تجویز کر لیں اور اس سے بہتر کوئی تدبیر اختیار کریں یا کمی زیادتی کر لیں تو ناممکن ہے اگر وہ یہ سوچیں کہ

اس سے بہتر ہونا چاہیے تھا تو غلطی و خطا کا ارتکاب کریں گے اور اللہ تعالیٰ کی مصلحت و حکمت سے غافل رہیں گے۔ ایسے لوگوں کی مثال اس اندھے جیسی ہے جو کسی گھر میں جائے وہاں ہر چیز قرینہ کے ساتھ لگی ہوئی ہو وہ اسے تو دیکھے نہیں لیکن جب گر پڑے تو کہے کہ یہ چیز راہ میں کیوں پڑی ہے حالانکہ اسے تو سوجھتا ہی نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو عدلِ تام اور حکمت بالغہ کے ساتھ بنایا ہے اور جیسا چاہیے تھا ویسا ہی پیدا فرمایا ہے اگر اس سے زیادہ کاملیت ممکن ہوتی اور وہ نہ کرتا تو یا عاجزی کے پیش نظر اور یا بخل[1] کے سبب اور اللہ ان دونوں سے پاک و منزہ ہے۔ اُس نے جو دکھ' بیماری' فقر و ناداری یا عاجزی پیدا فرمائی وہ سب تقاضائے عدل ہے۔ کیونکہ ظلم تو وہاں ممکن ہی نہیں اس لیے کہ ظلم تب ہے جب غیر کی ملکیت میں تصرف ہو اور اللہ کسی کی ملکیت میں تصرف نہیں فرماتے کیونکہ اصل میں مالک ہی وہ ہیں' کسی دوسرے کی ملکیت تو عارضی اور وقتی نیز موہوبہ ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو کچھ تھا اور ہے نیز ہو سکتا ہے وہ سب مملوک ہے اور اللہ سب کا مالک! اور اس کا کوئی ہمسر و شریک نہیں۔

آخرت : اللہ تعالیٰ نے جہان کو دو قسم پر پیدا فرمایا ایک عالم اجسام اور دوسرا عالم ارواح۔ عالم اجسام آدمیوں کی رُوح کا مقام و مستقر ہے تاکہ اس سے زادِ آخرت حاصل کر سکیں اور ہر شخص کے قیام کی ایک مدت مقرر فرمائی جس کی انتہا اجل ہے بڑھنے گھٹنے کا اس میں قطعاً دخل نہیں اجل آتی ہے تو جان کو بدن سے جدا کر لیتے ہیں اور روز قیامت جو حساب اور مکافات کا دن ہے اس دن جان کو پھر انسانی قالب میں عطا فرمائیں گے اور سب کو اٹھا کر کھڑا کریں گے اور ہر ایک اپنے اپنے کردار کو اعمالنامہ میں دیکھے گا جو کچھ اُس نے دُنیا میں کیا سب اسے یاد دلایا جائے گا عبادت اور گناہ کی مقدار کو ایسی میزان میں تولیں گے جو اس کے لائق و قابل ہو گی وہ میزان اس جہان کی میزان کے مشابہ نہیں۔

صراط : پھر تمام کو پل صراط پر چلنے کا حکم ہو گا وہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے جو کوئی اس دُنیا میں صراطِ مستقیم یعنی شریعت مطہرہ پر جا رہا ہے وہ پل صراط پر آسانی سے گزر جائے گا اور جس نے اس دُنیا میں سیدھی راہ اختیار نہ کی۔ وہ اس پر چل نہ سکے گا بلکہ دوزخ میں جا گرے گا اور تمام لوگوں کو اس پر روک کر اعمال کی پوچھ ہو گی سچے ایمانداروں سے ان کی سچائی کی حقیقت معلوم کریں گے اور منافق و ریاکاروں کو خجالت و شرمندگی سے دوچار ہونا پڑے گا اور فضیحت و رسوائی میں مبتلا ہوں گے۔ کسی جماعت کو تو بے حساب جنت میں داخلہ نصیب ہو گا کسی گروہ کا حساب آسانی سے اور کسی کا مشکل سے ہو گا رہ گئے کافر تو وہ دوزخ میں بھیج دیئے جائیں گے اور انھیں کبھی نجات نہیں ہو گی۔ فرمانبردار مُسلمان جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے اور گنہگار مُسلمان دوزخ کے سپرد کر دیئے جائیں گے۔ انبیاء و صلحاء ان میں سے جس کی شفاعت کریں گے ارحم الراحمین اسے بخش دے گا اور جس کی شفاعت نہ کریں گے۔ اسے فرشتے دوزخ میں لے جائیں گے اور اس کے گناہوں کے مطابق اسے سزا و عذاب برداشت کرنا پڑے گا پھر اسے بھی جنت

---

[1] یہود نے اللہ تعالیٰ پر بخل بہتان باندھا ﴿ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ﴾ (المائدہ) اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت فرمائی وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا — اسی طرح ہمارے شاعر مشرق رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فرمان " پیاسے کو ملے .... قطرہ شبنم۔ بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں۔ روایتی شاعری ہے جو اللہ کی بارگاہ میں قطعاً پسند نہیں جیسا کہ سورۃ الحشر اور سورۃ یٰسٓ میں ہے اللہ تعالیٰ اس قسم کے تصورات سے بچائے۔ (علوی)

میں جانا نصیب ہو جائے گا۔

پیغمبر : چونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات طے فرما دی ہے کہ بندوں کے بعض اعمال ان کی شقاوت و بدبختی کا سبب ہوں گے اور بعض سعادت و نیک بختی کے! لیکن آدمی انھیں پہچان نہیں سکتا کہ کون سے اعمال بدبختی کا سبب ہیں اور کون سے باعث سعادت! تو اللہ نے اپنے فضل و کرم سے انبیاء علیہم السلام کو پیدا فرمایا اور حکم دیا کہ ازل میں جن لوگوں کے لیے کمال سعادت کا حکم ہو چکا ہے انھیں اس بھید سے آگاہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو پیغامِ حق دے کر مخلوق کی طرف بھیجا تاکہ سعادت و شقاوت کی راہ ان کو بتائیں تاکہ کوئی بندہ یہ نہ کہہ سکے کہ اسے عِلم نہیں ہو سکا اور اس پر خُدا کی حجت تمام ہو جائے۔ پھر تمام پیغمبروں کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمارے رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا جو خاتم النبیین اور سیّد الاولین و الآخرین ہیں آپ کو وہ درجہ کمال عطا کیا کہ اس پر زیادتی محال ہے۔ اس واسطے کہ آپ کو خاتم الانبیاء بنایا کہ آپ کے بعد پھر کوئی پیغمبر پیدا نہیں ہو گا اور تمام جِنّ و انسان کو آپ کی اتباع و اطاعت کا حکم دیا۔ تاکہ کوئی آپ کے حلقہ اطاعت سے باہر نہ رہے اور آپ کو تمام انبیاء صلوات اللہ علیہم وسلامہ کا سردار و افسر بنایا اور باقی انبیاء علیہم السلام کے یاروں اور دوستوں سے ہمارے نبی کے اصحاب و احباب رضی اللہ عنہم کو افضل[1] و بہتر بنایا۔

فصل دوم ــــــــ طلب عِلم

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

((طلب العلم فريضة على كل مسلم و مسلمة))

اس معاملہ میں اہل عِلم کی رائے مختلف ہے کہ وہ کونسا عِلم ہے جس کی طلب فرض ہے متکلمین کی رائے ہے کہ اس سے مراد وہ عِلم ہے جس سے اللہ کی معرفت حاصل ہو۔ فقہاء کہتے ہیں کہ عِلمِ فقہ مراد ہے کہ اس کی بدولت آدمی حلال و حرام میں تمیز کر سکتا ہے۔ محدث کہتے ہیں کہ مراد علم تفسیر و حدیث ہے کہ علومِ دینیہ کی اصل یہی ہیں جب کہ صوفیاء احوالِ دِل کا عِلم کہتے ہیں کیونکہ دِل اللہ کی طرف بندہ کی راہ ہے غرضیکہ ہر عالم اپنے عِلم کی عظمت بیان کرتا ہے ہمارے نزدیک اصل بات یہ ہے کہ نہ تو کسی ایک عِلم کی خصوصیت ہے اور نہ ہی تمام علوم فرض ہیں۔ جو تفصیل ہم پیش کر رہے ہیں اس کی وجہ سے یہ اشکال رفع ہو جاتے ہیں۔ تفصیل یہ ہے کہ جو کافر علی الصباح مُسلمان ہو یا جو لڑکا بالغ ہو اس پر تمام

---

[1] جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جن لوگوں نے ایمان کے ساتھ ملاقات کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کا جنھیں شرف حاصل ہوا' انھیں صحابی کہا جاتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعداد مؤرخین نے ۲۵ لاکھ بتائی ہے جس طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل ہیں اسی طرح ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم تمام انبیاء علیہم السلام کے احباب سے افضل ہیں۔ خود ان میں سب سے زیادہ افضل سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں جو خلیفہ بلافصل ہیں ان کے بعد حضرت عمر پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم اس کے بعد درجہ بدرجہ! (اصحابِ بدر)' اصحابِ بیعت رضوان وغیرہ۔ یہ حضرات قرآن و سنت کے نقطۂ نظر سے معیار حق و صداقت ہیں ان میں سے کسی ایک فرد کی توہین دولتِ ایمان کے ضیاع کے مترادف ہے۔ اہل سنت و جماعت کا فرض لازم ہے کہ وہ ان کی عظمت و محبت اپنے دِل میں رکھے اور اُن کے طریقہ و اسوہ کو اپنائے۔ رزقنا اللہ تعالیٰ ایانا و ایاکم اتباع النبی والصحابة علیہم الصلوة والرضوان۔ (علوی)

علوم سیکھنے فرض نہیں بلکہ محض اتنا فرض ہے کہ کلمہ طیبہ کے معانی جانے اور ان معانی کا علم اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ اہل سنت کے عقائد جو پہلی فصل میں بیان ہوئے وہ سیکھے اس طرح سیکھنا کہ ان عقائد کے دلائل بھی جانے اس پر لازم نہیں لیکن ان عقائد کو قبول کرنا ضروری ہے سب کا بالتفصیل جاننا ضروری نہیں ہاں اللہ' رسول' آخرت' جنت و دوزخ اور حشر و نشر کی سب صفات کا یقین کرنا اور یہ جاننا اللہ تعالیٰ ان صفات کا مالک ہے اور اسی نے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا اور ان کے ذریعہ اپنے پیغامات و احکامات ارسال فرمائے اور یہ کہ جو اطاعت کرے گا سعادت حاصل کرے گا اور معصیت کار شقاوت و بد بختی کے غار میں گرے گا اتنا جاننا تو لازم ہے جب یہ جان لیا تو دو طرح کے علوم اس پر لازم ہو گئے ایک کا تعلق دل سے ہے اور ایک کا اعضاء و جوارح سے! جو اعضاء و جوارح سے تعلق رکھتا ہے اس کی پھر دو قسمیں ہیں ایک ان کاموں کا علم جو کرنے کے قابل ہیں اور ایک وہ کام جو نہ کرنے کے قابل ہیں جو کام کرنے چاہئیں ان کا علم ایسا ہے جیسے کوئی صبح کے وقت مسلمان ہوا تو جب ظہر کی نماز کا وقت آئے گا تو اس پر فرض کی حد تک طہارت اور نماز سیکھنا ضروری ہے اور جو چیز سنت ہے اس کا سیکھنا سنت ہے فرض نہیں۔ جیسے مغرب کی نماز کا وقت آئے تو اتنا جاننا لازم ہو گا کہ اس نماز کی تین رکعت فرض ہیں اس سے زیادہ فرض نہیں اور جب رمضان آئے تو روزہ کی فرضیت کا جاننا اور یہ معلوم کرنا کہ اس میں نیت اور صبح سے شام تک کھانا' پینا اور جماع حرام ہے ضروری ہے اگر بیس دینار[1] سونا ہو تو زکوٰۃ کا جاننا ضروری نہ ہو گا ہاں سال گزر جائے تو یہ معلوم کرنا ضروری اور لازم ہے کہ اس کی کتنی زکوٰۃ دینی ہے اور مصارف و شرائط کیا ہیں اور حج نہ کرے تو اس کا علم فرض نہیں اس لیے کہ حج کی عمر سال بھر ہے۔

اسی طرح جب کوئی کام کرتا ہے تو اس کا علم بھی ضروری ہو جاتا ہے مثلاً نکاح کے وقت اس کا علم لازم ہے جیسے یہ جاننا کہ خاوند پر جورو کا کیا حق ہے۔ حالتِ حیض میں جماع کرنا درست نہیں اور حیض کے بعد غسل کرنے تک جماع نہ کرنا چاہیے[2]۔ اُس کے سوا جو چیزیں نکاح سے متعلق ہیں ان سب کا علم لازم ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کسی پیشہ و ہنر کے ذریعہ روزی کماتا ہے تو اس پر فرض ہے کہ متعلقہ پیشہ کے مسائل معلوم کرے تاجر ہے تو سود اور بیع کی شرطیں معلوم کرنا فرض ہے تاکہ باطل کاروبار سے بچ سکے۔ اسی وجہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دکانداروں کو درے مار کر علم سیکھنے کے واسطے بھیجتے اور فرماتے جو کوئی تجارت کے احکام نہیں جانتا اسے تجارت سے احتراز کرنا چاہیے تاکہ وہ کہیں لاعلمی میں سود نہ کھاتا پھرے اور اسے خبر تک نہ ہو اسی طرح ہر پیشہ کا علم ہے حتیٰ کہ اگر کوئی حجام ہے تو اسے چاہیے کہ یہ معلوم کرے کہ آدمی کے بدن سے کیا چیز کاٹنی اور تراشنی چاہیے اور تکلیف کے وقت کونسا دانت اُکھاڑنا چاہیے اور کونسی دوا کس زخم میں متحمل ہوتی ہے علیٰ ہذا القیاس۔ یہ علوم ہر شخص کے حال کے مطابق ہوتے ہیں۔ بزاز کے لیے حجامت کا علم سیکھنا ضروری نہیں اور حجام کے لیے بزاز کا علم فرض نہیں۔ جو کام کرنے کے لائق تھے یہ تو انکی مثالیں

---

[1] مروجہ سکہ کے اعتبار سے ساڑھے سات تولہ سونا اور ۵۲ تولے چاندی زکوٰۃ کا نصاب ہے۔ (ع)

[2] امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حیض کی زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے اگر کسی عورت کو پوری مدت حیض کی عادت ہو تو اس کا خون جب بند ہو اور ایک نماز کا وقت گزر جائے تو بغیر غسل بھی جماع کی اجازت ہے کم مدت والی عورت کے لیے غسل ضروری ہے۔

تھیں اور جو کام کرنے کے قابل نہیں ان کا علم بھی فرض ہے۔ لیکن ہر شخص کے حالات مختلف ہوتے ہیں اگر کوئی شخص اطلس و دیبا استعمال کرنے کی طاقت رکھتا ہے یا شراب نوشوں اور سور کھانے والوں کے پاس رہتا ہے یا جائے غصب میں مقیم ہے یا اس کے قبضہ میں حرام مال ہے تو علماء پر لازم ہے کہ اسے ان باتوں کا علم سکھائیں کہ یہ حرام ہیں تاکہ وہ ان سے بچ سکے اور اگر کوئی عورتوں سے مل جل کر رہتا ہے تو محرم و غیر محرم کا جاننا ضروری ہے اور یہ کہ کس کو دیکھنا درست ہے اور کس کو نہیں۔ اور یہ علم بھی ہر ایک کے حالات اور ضرورت کے مطابق ہے اس واسطے کہ جو کوئی ایک کام میں مشغول ہو اس پر اوروں کے کام کا علم سیکھنا فرض نہیں مثلاً حالتِ حیض میں طلاق کے مسائل کا جاننا عورت پر نہیں مَرد پر فرض ہیں۔[1]

اور جو کام دِل سے تعلق رکھتے ہیں ان کی بھی دو قسمیں ہیں ایک دِل کے حالات سے متعلق ہے تو ایک کا تعلق اعتقادات سے ہے اس کی مثال یہ ہے کہ یہ جاننا فرض ہے کہ کینہ' حسد' تکبر' بُرا گمان اور ایسے کام کرنا حرام ہیں اور ان کا جاننا سب پر فرض ہے اس لیے کہ ان عادات سے کوئی خالی نہیں تو نہ صرف ان کا عِلم ضروری ہے بلکہ ان کے علاج کا عِلم بھی ضروری ہے کیونکہ اس قسم کی بیماریاں عالمگیر قسم کی ہیں اور عِلم کے بغیر ان کا علاج صحیح طریق سے نہ ہو سکے گا۔ البتہ بیع سلم' اجارہ اور رہن وغیرہ جیسے معاملات کا عِلم جو فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے ان کا جاننا فرض عین نہیں بلکہ فرض کفایہ! ان کا جاننا اسی پر لازم ہو گا جو ایسے کام کرتا ہو اکثر مخلوق اس قسم کے معاملات سے خالی نہیں رہ سکتی۔ دوسری قسم جو اعتقادات سے متعلق ہے وہ یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ کسی کے عقیدہ میں کچھ شک پیدا ہو جائے تو اگر وہ شک ایسے عقیدہ میں پیدا ہوا جس میں شک کا آنا درست نہیں تو ایسے شک کو نکال پھینکنا ضروری اور فرض ہے۔ ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ طلب عِلم سب مُسلمانوں پر فرض ہے کیونکہ کوئی مُسلمان جنس عِلم سے مستغنی اور بے پروا نہیں لیکن عِلم ایک ہی قسم کا نہیں اور ہر ایک کے حق میں برابر نہیں بلکہ حالات اور وقت کے ساتھ بدلتا رہتا ہے اور کوئی شخص عِلم کی احتیاج سے خالی نہیں اسی لیے جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کوئی مُسلمان ایسا نہیں جس پر عِلم کا طلب کرنا فرض نہ ہو یعنی جس شخص کو جس عِلم کی احتیاج ہے اس پر اس کا سیکھنا فرض ہے۔

فصل: جب یہ معلوم ہو چکا کہ ہر شخص پر وہ عِلم سیکھنا ضروری ہے جس کا وہ معاملہ کرتا ہو تو معلوم ہوا کہ عوام ہمیشہ اس خطرہ میں رہتے ہیں کہ انھیں کوئی کام پڑے اور وہ یہ سمجھ کر کہ اس میں کوئی خطرہ نہیں اسے بے خوف و خطر نادانی سے کر گزریں۔ اگر تو وہ کام ایسا ہے جس کی اکثر حاجت ہوتی ہے اور وہ کام نادر بھی نہیں تو عوام کی نادانی کا عذر مسموع نہیں ہو گا مثلاً حالتِ حیض یا حیض کے بعد غسل سے پہلے کوئی شخص اپنی جورو کے ساتھ جماع کرے اور یہ کہے کہ مجھے تو معلوم نہ تھا کہ ایسا درست نہیں تو اس کا یہ عذر لغو ہو گا یا کوئی عورت صُبح کے وقت پاک ہو اور مغرب و عشاء کی نماز قضا نہ کرے اور کہے یہ مسئلہ اسے معلوم ہی نہیں یا کوئی مَرد اپنی جورو کو حالتِ حیض میں طلاق دے اور اسے اس

[1] طلاق اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں لیکن ہے ایسی مصیبت کہ اس کا تیر کسی حال میں بھی خطا نہیں جاتا ایک دی تو ایک تین دیں تو تین واقع ہوں گی۔ اسی طرح غصّہ و خوشی کی حالت میں کوئی بحث نہیں۔

مسئلہ کا علم نہ ہو کہ ایسی حالت میں سنگین جرم و گناہ ہے تو اس کی لاعلمی کا عذر قابل قبول نہ ہو گا قیامت کے دن اس سے کہا جائے گا کہ ہم نے تجھے کہہ دیا تھا کہ طلب علم فرض ہے تو تو نے علم کیوں نہ سیکھا کہ گناہ اور جرائم سے بچتا ہاں البتہ جو کام گاہ بگاہ پیش آتے ہوں ان کے معاملہ میں لاعلمی سے خلافِ شرع ہو جائے تو آدمی معذور ہو گا۔

فصل : جب یہ پتہ چل گیا کہ عوام خطرہ سے کبھی خالی نہیں رہتے تو اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا آسان ہے کہ انسان کے لیے علم سے بہتر کوئی شغل نہیں آدمی جو پیشہ اختیار کرتا ہے وہ دُنیا کے لیے کرتا ہے لیکن علم انسان کے لیے اور پیشوں کے مقابلے میں بدرجہا بہتر ہے کیونکہ علم سیکھنے والا چار حالوں سے خالی نہیں یا تو وہ میراث پانے کے سبب سیکھے گا خواہ وہ دُنیا کی طرف سے مطمئن ہی ہو اور اس کے پاس کافی مال ہو تو علم اس کے مال کی حفاظت کا ذریعہ بنے گا۔ وہ دُنیا میں اس کے لیے عزت اور عقبیٰ میں سعادت کا موجب ہو گا۔ اور اگر اس کے پاس کافی مال نہ ہو مگر اس میں قناعت کی صفت ہو کہ جو ہے اسی پر اکتفا کرتا ہے اور مُسلمان ہونے کے ناطہ سے درویشی کی حقیقت و مرتبہ کو جانتا ہے کہ فقیر و درویش امراء سے پانچ سو برس پہلے جنت میں جائے گا تو ایسے شخص کے حق میں علم دُنیا کی آسائش اور عقبیٰ کی سعادت کا ذریعہ ہو گا۔ یا وہ جانتا ہو کہ حصول کے بعد بیت المال سے یا مُسلمان بھائیوں کے ہاتھ اس قدر حلال و جائز مال مجھے ملے گا جو میرے لیے کافی ہو گا اور حرام مال ڈھونڈنا نہیں پڑے گا اور ظالم بادشاہ سے کچھ مانگنا نہیں پڑے گا تو ان تینوں قسم کے طلبہ کے لیے علم حاصل کرنا دین و دُنیا میں سب کاموں سے بہتر ہے چوتھا شخص وہ ہے جو معاش کا ذریعہ نہ رکھتا ہو اور اس کا مقصد طلب علم سے دُنیا حاصل کرنا ہو اور دَور ایسا ہو کہ شاہی روزینہ کے سوا کچھ نہ ملتا ہو جو حرام ہو اور جس میں ظلم کی آمیزش ہو یا لوگوں سے لینے میں ذلت و ریا کا دخل ہو اور تلاشِ معاش کی صورتیں مفقود ہوں تو ایسے شخص کو نیز جس کا طلب علم سے جاہ و مال مقصود ہو اس کے لیے بہتر ہے کہ جو علم فرض نہیں اس سے فارغ ہو کر کسب و ہنر اور دستکاری وغیرہ سیکھے ورنہ ایسا آدمی دوسرے لوگوں کے لیے شیطان کی مانند ہو جائے گا اور اس کے سبب بہت سے لوگ تباہ ہوں گے اور سخت گمراہ ہوں گے جو جاہل اسے دیکھے گا کہ حرام مال لے رہا ہے اور حیلے وغیرہ کرتا ہے وہ دُنیا کے حاصل کرنے میں اس کی اقتدا کریں گے اور بہتری و صلاح کے بجائے لوگوں میں ضلالت و گمراہی پھیلے گی۔ ایسے عالم جتنے تھوڑے ہوں اتنا ہی بہتر ہے ـــــ خس کم جہاں پاک ـــــ آدمی کے لیے بہتر و مناسب یہی ہے کہ دُنیا کو حاصل کرنے کے لیے دُنیوی ذرائع ہی اختیار کرے اور اللہ کا نام اس کی رضا کے لیے دینی کاموں کے ذریعہ دُنیا تلاش نہ کرے گوہر آبدار میں نجاست بھرنا کہاں درست ہے اگر کوئی شخص یہ کہے کہ دُنیا کی طرف سے ہمیں علم خود ہی پھیر لے گا جیسا اگلے لوگوں نے کہا کہ :

تعلمنا العلم بغیر اللہ فابی العلم ان یکون الا للہ

"ہم نے تو خُدا کے لیے علم حاصل نہیں کیا لیکن علم ہمیں خود خُدا کی طرف لے گیا"۔

تو اس کو جواب یہ ملا کہ وہ تو کتاب و سنت، حقائق شریعت اور راہِ آخرت کے اسرار کا علم تھا جو خود اُن لوگوں کو خُدا کی طرف لے گیا معلوم کرنا چاہیے کہ اللہ کی طرف رجوع کا داعیہ ان لوگوں کے دلوں میں تھا۔ دُنیا کے لالچ کو وہ لوگ مکروہ جانتے تھے جب بزرگوں کو دیکھتے کہ وہ دُنیا سے دُور بھاگتے ہیں تو اس بات کی آرزو کرتے کہ ان اہل اللہ کی اطاعت اور اقتداء کریں جب علم وہ تھا اور وہ ویسا تھا تب لوگ اس بات کی اُمید کر سکتے تھے کہ خود بخود علم کے تقاضوں کے مطابق

ہو جائیں گے اور عِلم ان کے تابع نہ ہو گا اور جو عِلم اس زمانے میں پڑھا جاتا ہے مثلاً اپنے مذہب کے خلاف جو عِلم ہیں جیسے فلسفہ' انگریزی' ناگری[1] وغیرہ اور عِلمِ کلام نیز قصّہ کہانی اور واہی تباہی باتیں بطور عِلم پڑھائی جاتی ہیں اور پڑھانے والے معلم حضرات جو اس دَور میں ہیں وہ اپنے عِلم کو دُنیا کی حقیر متاع کا پھندا بنا دیتے ہیں یعنی عِلم سے دُنیا کے حصول کے سوا ان کا کوئی مقصد نہیں ہوتا اور انھیں کبھی دین کا خیال تک نہیں آتا۔ ان کی صحبت اور ان سے عِلم سیکھنا آدمی کو کبھی دُنیا کی طرف سے نہیں پھیرتا۔

لیس الخبر کالمعاینة

"اگلے لوگوں کا حال سنا تھا اس زمانہ کے عِلم اور اہل عِلم کا دیکھا ہے"

ع شنیدہ کے بود مانند دیدہ یہ کبھی برابر نہیں ہو سکتا اور ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔ اس دَور کے اہل دُنیا کو جو ہر قدم دُنیا کے لیے اُٹھاتے ہیں اگلے پاک باز لوگوں سے کیا نسبت جنھوں نے اپنی سعادت و خوبی قسمت سے اپنی زندگی کو دین کے سانچہ میں ڈھال لیا۔[2] دیکھنا یہ ہے کہ اس زمانہ کے علماء دُنیا کے عالم ہیں یا دین کے اور ان کا حال دیکھ کر لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں یا نقصان۔ یقین کرو کہ یہ لوگ ہرگز دین کے عالم نہیں اور ان کے حالات سے لوگ نقصان ہی اٹھاتے ہیں اور بس۔ ہاں اگر عالم متقی و پرہیز گار ہو اور علماء سلف کا متبع اور فرمانبردار ہو اور ایسے علوم پڑھاتا ہو جن میں دُنیا کے غرور اور مکر و فریب سے ڈرنے کا بیان ہو تو ایسے عالم سے پڑھنا تو بڑی بات ہے اس کی صحبت بھی نفع مند ہو گی حتیٰ کہ اس کی محض زیارت سعادت و خیر کا موجب ہو گی۔ ایک آدمی اگر وہ عِلم سیکھے جو مفید ہوتا ہے تو سبحان اللہ یہ سب کاموں سے بہتر و اَرفع ہے۔

مفید علوم وہ ہیں جن سے دُنیا کی حقارت اور عقبیٰ کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہو اور جن کے ذریعہ آدمی آخرت کے منکروں اور دُنیاداروں کی نادانی اور حماقت کو جان لے نیز کبر و ریا' حسد و عجب' مرض اور حب دُنیا کی آفت و مصیبت کا معلوم کر لے اور ان کا علاج بھی جان لے۔ یہ عِلم دُنیا کے لالچی کے حق میں ایسا ہے جیسے پیاسے کے حق میں پانی اور بیمار کے حق میں دوا۔ جب دُنیا کا لالچی فقہ اور خلافِ مذہب علوم مثلاً منطق' حکمت وغیرہ پڑھے گا یا کلام و ادب جیسے علوم سیکھے

---

1. امام رحمۃ اللہ علیہ نے ان علوم اور زُبانوں کے خلاف جو سخت روش اختیار کی ہے اس کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے ہمیں ذرا اپنے دَور کے نظامِ تعلیم کا اندازہ کرنا چاہیے کہ کسی طرح غیر ملکی آقاؤں نے جو ظلم و جبر سے مسلط ہوئے تھے تعلیم و ادب کا جنازہ نکالا اور کس طرح رُوحِ انسانیت کو کچلا ورنہ کوئی عِلم بطور عِلم اور کوئی ادب و زُبان بطور ادب و زُبان سیکھنا اور پڑھنا ناجائز نہیں اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو مختلف اہل عِلم کی کتابوں میں موجود ہیں جن کی طرف رجوع کیا جا سکتا ہے۔ (علوی)

2. حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دَور کے اہل عِلم کو دُنیادار فرما رہے ہیں اور ان کی شدید مذمت کر رہے ہیں اور ان کی صحبت سے مُسلمانوں کو بچنے کی تلقین فرما رہے ہیں افسوس کہ ہمارے زمانہ میں یہ جنس اتنی کمیاب ہے کہ اپنے آپ پر رونا آتا ہے تاہم یہ بات اپنی جگہ ہے کہ کوئی دور بھی اربابِ صدق و صفا اور صاحبانِ عِلم و معرفت کے وجود باجود سے خالی نہیں رہا۔ یہی وہ جنس گراں مایہ ہے جس کی وجہ سے ایمان و یقین کی کھیتی کو مسلسل پانی ملتا رہتا ہے اور وہ سرسبز و شاداب رہتی ہے۔ یقین کریں کہ یہ جنس تھوڑی ہو کر بھی بہت ہوتی ہے اس لیے کہ اللہ کے نزدیک کثرت معیار نہیں بلکہ سچائی کا علمبردار ہونا معیار ہے حضرات اہل عِلم کی تعریف و توصیف قرآن و حدیث میں بکثرت موجود ہے اس کی طرف رجوع فرمائیں۔

گا جن کے ذریعہ دُنیا کی حقارت دل میں نہیں آتی تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بیمار ایسی دوا کھائے جس سے بیماری اور بڑھ جائے اس واسطے کہ یہ علوم اکثر و بیشتر حسد' فخر' ریا' عداوت' خود رائی' مکر اور جاہ و دولت کی تلاش کا تخم انسانی قلوب میں بوتے ہیں اور جتنا زیادہ پڑھتا جاتا ہے اتنے ہی زیادہ یہ ناپسندیدہ اوصاف دل میں جڑ پکڑتے جاتے ہیں اگر آدمی ایسے لوگوں سے مصاحبت و مجالست رکھے جو مدعی تو فقیہ ہونے کے ہوں لیکن مشغول رہتے ہوں ایسے علوم میں جو خلافِ مذہب ہیں تو ان کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ اگر کبھی توبہ کرنا چاہے گا تو دُشواری محسوس کرے گا ـــــ اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے۔



فصل : ۳

طہارت کا بیان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِیْنَ ○ ﴾ (البقرہ)

اور جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ))

مزید ارشادِ نبوی ﷺ ہے :

((بُنِیَ الدِّیْنُ عَلَی النَّظَافَةِ))

ان ارشادات کا یہ مطلب نہیں کہ نظافت و پاکی کا تعلق محض بدن اور کپڑوں سے ہے بلکہ حقیقت میں اس کے چار درجے ہیں پہلا درجہ تو باطن کو ماسوی اللہ سے پاک کرنا ہے۔ ارشادِ باری ہے :

﴿ قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْهُمْ ﴾

اس سے مقصود یہ ہے کہ جب دِل ماسوی اللہ سے پاک ہو گا تو تب ہی وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول و مستغرق ہو گا اور یہی کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ کی تحقیق ہے صدیقین کا درجہ کمالِ ایمان و تصدیق ہے۔ ماسویٰ اللہ سے پاک ہونا ایمان کا نصف حصّہ ہے یعنی ایمان قالب ہے اور یہ جان ہے جب تک ماسویٰ اللہ سے دِل پاک نہ ہو گا وہ یادِ حق سے آراستہ ہونے کے قابل نہ ہو گا۔

دوسرا درجہ حسد' تکبر' ریا' حرص' عداوت' رعونت وغیرہ اخلاقِ رذیلہ سے دل کو پاک کرنا ہے تاکہ تواضع' قناعت' توبہ' صبر' خوف' رجا' محبت وغیرہ اچھے اخلاق سے وہ آراستہ ہو جائے یہ متقی لوگوں کے ایمان کا درجہ ہے اور ناپسندیدہ اخلاق سے دِل کو پاک کرنا نصف ایمان ہے۔

تیسرا درجہ غیبت' جھوٹ' اکل حرام' خیانت' نامحرمات کو دیکھنا اور اس قسم کے گناہوں سے اعضاء و جوارح یعنی ہاتھ پاؤں وغیرہ کو پاک رکھنا تاکہ یہ اعضاء تمام کاموں میں فرمانبرداری و ادب سے آراستہ ہو جائیں۔ یہ زاہدوں کے ایمان کا درجہ ہے اور جوارح کو تمام حرام چیزوں سے پاک رکھنا نصف ایمان ہے۔

چوتھا درجہ کپڑے اور بدن کو نجاست سے پاک رکھنا ہے تاکہ یہ رکوع سجود وغیرہ ارکانِ نماز سے آراستہ ہو جائیں۔ یہ عام مسلمانوں کی طہارت کا درجہ ہے اس لیے کہ مسلمان اور کافر میں نماز ہی فرق کرنے والی چیز ہے اور یہ طہارت بھی نصف ایمان ہے تو معلوم ہوا کہ ایمان کے چاروں درجوں پر پاکی نصف ایمان ہے اور چونکہ پاکی نصف اول ہے اس وجہ سے جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((بُنِیَ الدِّیْنُ عَلَی النَّظَافَةِ))

تو بدن اور کپڑے کی طہارت اور پاکیزگی کی طرف تو سب لوگ متوجہ ہوں اور اس کے لیے سبھی کوشش کرتے ہیں حالانکہ یہ تو آخری درجہ کی پاکی ہے اس میں توجہ اور انہماک کی وجہ یہ ہے کہ طہارت کی باقی اقسام سے یہ آسان ہے اور اس سے نفس بھی خوش ہوتا ہے اور آرام بھی محسوس کرتا ہے اور دوسرے لوگ بھی اس ظاہری پاکی کو دیکھتے ہیں اور اسی سے اس کے زہد و پارسائی کا چرچا ہوتا ہے اس وجہ سے لوگوں کو یہ آسان معلوم ہوتی ہے لیکن جہاں تک حسد' کبر' ریا' حُبِ دُنیا سے دِل کو پاک کرنے اور گناہوں سے بدن کو صاف کرنے کا تعلق ہے اس میں نفس کا کچھ حصہ نہیں یعنی نفس کو مزہ نہیں آتا اور نہ ہی مخلوق کی نگاہ اس پر پڑتی ہے اس لیے کہ یہ باتیں اللہ تو دیکھتا ہے مخلوق نہیں دیکھتی اس لیے عام لوگ اس کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

فصل : ظاہری طہارت اگرچہ آخری درجہ کی طہارت ہے مگر پھر بھی اس کی بڑی فضیلت ہے بشرطیکہ اس کے آداب کا اہتمام کرے۔ وسوسہ اور اسراف کو اس میں دخیل نہ کرے اگر ان چیزوں کو اس میں دخیل کیا تو وہ طہارت مکروہ ہو جائے گی اور ایسا کرنے والا گنہگار ہو گا۔ اور یہ احتیاطی تدابیر جو صوفیاء کی عادت ہے کہ چادر سر پر اوڑھنا اور پاک پانی اور لوٹے وغیرہ کا خیال رکھنا کہ کوئی اس میں ہاتھ نہ ڈالے یہ سب اچھی باتیں ہیں جو فقہا ان باتوں کا لحاظ نہیں کرتے انھیں صوفیاء پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے ہاں کوئی معقول وجہ ہو تو الگ بات ہے اور صوفیاء کو بھی ایسا نہ کرنا چاہیے کہ فقہاء اور دوسرے لوگ جو اتنی احتیاط نہیں کرتے ان پر خواہی نخواہی اعتراض کریں۔

یہ احتیاط بہت اچھی ہے لیکن اس کی چھ شرائط ہیں۔ پہلی شرط یہ ہے کہ اس احتیاط میں اتنا وقت نہ خرچ کرے جس کے سبب کسی اور بہتر کام سے محروم ہو جائے۔ اس واسطے کہ اگر کوئی طلب عِلم میں مشغول ہونے کی استطاعت رکھتا ہے یا تفکر و تدبر میں مشغول ہونے کی قدرت رکھتا ہو جو کشف میں زیادتی کا باعث ہو یا ایسے کسب میں مصروف ہو جو خود اس کی اور اِس کے اہل و عیال کی کفالت کا ذریعہ ہو اور مخلوق سے سوال کرنے کی ضرورت نہ پڑے اور لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانے سے محفوظ ہو جائے تو اس قسم کے کاموں کو ضائع کر کے طہارت و پاکیزگی میں احتیاط برتنا صحیح نہیں کیونکہ یہ معاملات طہارت میں احتیاط سے زیادہ اہم ہیں۔ اس لیے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اس قسم کی احتیاط کی طرف کم ہی متوجہ ہوتے تھے بلکہ وہ جہاد' کسب معاش' طلب عِلم اور اس قسم کے ضروری کاموں میں مشغول رہتے تھے' وہ ننگے پاؤں چلتے تھے' زمین پر نماز پڑھتے تھے' مٹی پر بیٹھ جاتے تھے کھانا کھا کر تلوؤں میں ہاتھ ملتے تھے' گھوڑے' اونٹ وغیرہ کے پسینہ سے پرہیز نہیں کرتے تھے۔ دِل کی پاکی و طہارت کا بہت اہتمام کرتے' بدن کی صفائی کا بھی لحاظ کرتے لیکن اتنا نہیں تو اگر اس طرح کا کوئی آدمی ہو تو صوفیاء کو اس پر اعتراض نہیں کرنا چاہیے۔

ہاں جو شخص سستی اور کاہلی کی وجہ سے یہ احتیاط نہ کرے اسے احتیاط کرنے والوں پر معترض نہیں ہونا چاہیے کہ بہرحال احتیاط کرنا احتیاط نہ کرنے سے بہتر ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اپنے آپ کو ریا اور رعونت سے بچائے رکھے اس واسطے کہ عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ وہ پھر زبان سے ہنگامہ کرنے لگتا ہے کہ میں زاہد ہوں۔ اپنے آپ کو یوں پاک رکھتا ہوں اور اُسے اس بات میں عزت حاصل ہو اگر زمین پر پاؤں رکھے یا کسی اور کے لوٹے سے طہارت کرے اور ڈرے کہ میں کہیں لوگوں کی نگاہ سے نہ گر جاؤں

اسے چاہیے کہ اپنے آپ کو آزمائے لوگوں کے سامنے زمین پر پاؤں رکھے۔ مباح کی راہ اختیار کرے اپنے باطن میں احتیاط کا تدارک کرے اگر اس کا نفس اس سلسلہ میں جھگڑے تو سمجھ لے کہ ریا کی مصیبت نے آ گھیرا ہے اس وقت اس پر لازم ہو جاتا ہے کہ ننگے پاؤں پھرے اور زمین پر نماز پڑھے اور احتیاط سے ہاتھ اٹھائے اس لیے کہ ریا حرام ہے اور احتیاط سنت ہے جب اس سے بغیر احتیاط بچ نہیں سکتا تو احتیاط کو چھوڑ دینا لازم ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ احتیاط کو اپنے اوپر فرض اور لازم نہ کرے۔ ترکِ احتیاط جو مباح ہے کبھی کبھی اس راہ پر بھی چلے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مشرک کے برتن اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بدمذہب عورت کے برتن سے طہارت کی اور ان حضرات نے اکثر اوقات مٹی پر نماز پڑھی اور جو کوئی سونے کے لیے زمین پر کوئی بچھونا وغیرہ نہ بچھاتا ہو اس کی تعظیم کرتے تو جو کوئی ان حضرات کی اچھی عادات کو چھوڑے گا اس کا نفس ان حضرات کی اطاعت کو قبول نہیں کرے گا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے نفس نے اس احتیاط میں چونکہ عزت اور لذت پائی ہے اس لیے اب اس کو اس احتیاط سے ہاتھ کھینچنا مشکل ہو گا۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ جس احتیاط سے مسلمانوں کے دل کو رنج پہنچے اسے چھوڑ دینا چاہیے اس واسطے کہ مسلمان کے دل کو رنج پہنچانا حرام ہے اور احتیاط ترک کرنا حرام نہیں جیسے کوئی غلام راستہ میں ہاتھ پکڑنے کا ارادہ کرے یا معانقہ کرنا چاہے اور اس کے بدن میں پسینہ کی بو ہو اور دوسرا شخص اپنا بدن سمیٹے اور بچائے تو یہ حرام ہے بلکہ لوگوں سے میل جول ہزار احتیاطوں سے بہتر اور افضل ہے۔ اسی طرح اگر کوئی کسی کی جانماز پر پاؤں رکھنا چاہے یا کسی کے لوٹے سے طہارت کرنا چاہے یا برتن میں پانی پینا چاہے تو اسے منع کرنا اور اپنی کراہت ظاہر کرنی مناسب نہیں اس واسطے کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ نے آبِ زمزم طلب فرمایا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس میں تو بہت لوگ ہاتھ ڈالتے ہیں اور ڈول بھی ایسا ہی ہے۔ ذرا توقف فرمائیں تاکہ میں اپنا خاص ڈول منگوا لوں اس سے پانی کھینچ دوں گا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کے ہاتھ کی برکت کو میں پسند کرتا ہوں۔ اکثر پڑھے لکھے جاہل ان باتوں کو نہیں پہچانتے اور جو شخص احتیاط نہ کرے اس سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں اور اسے رنج پہنچاتے ہیں اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ ان کے ماں باپ اور رفیق جب ان کا لوٹا یا کپڑا وغیرہ پکڑتے ہیں تو یہ درشت کلامی سے کام لیتے ہیں یہ تمام حرکات حرام ہیں اور اکثر ایسے ہوتا ہے کہ جو لوگ اس قسم کی احتیاط سے کام لیتے ہیں ان کے دماغ میں تکبر پیدا ہو جاتا ہے اور لوگوں پر یہ احسان جتاتے ہیں کہ ہم یوں احتیاط کرتے ہیں اور اپنے آپ کو لوگوں سے بچا کر انھیں رنج پہنچانا غنیمت شمار کرتے ہیں اور اپنی پاکیزگی کا خالی دوسروں سے ذکر کر کے فخر کا اظہار کرتے ہیں اور دوسروں کو بدنام کرتے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم جس آسان راہ پر چلتے تھے اسے اختیار نہیں کرتے جو شخص فقط پتھر سے استنجا کرے اس فعل کو کبیرہ گناہ قرار دیتے ہیں یہ تمام باتیں برے اخلاق میں شامل ہیں اور جو شخص ایسا کرے گا گویا وہ باطنی طور پر نجاست سے پاک نہیں جب کہ دل کو ایسی مکروہ اور رنجیدہ باتوں سے بچانا فرض ہے کیونکہ یہ اُمور ہلاکت کا باعث ہیں اور اِن باتوں سے الگ رہنا ہلاکت کا موجب نہیں۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ کھانے پینے کی اشیاء میں اور گفتگو میں اس بات کی احتیاط رکھے کہ یہ بہت ضروری ہے اور

جب ضروری امر سے ہاتھ روکا یعنی اسے نہ کیا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دوسری باتوں میں یہ احتیاط یا تو رعونت کے سبب ہو گی یا عادت کے سبب! جیسے کوئی شخص تھوڑی سی بھوک پر کھانا کھا لے اور اس میں احتیاط نہ برتے تو جب تک ہاتھ منہ نہیں دھوتا نماز نہیں پڑھتا اور اتنا بھی نہیں جانتا کہ جو چیز نجس ہو اس کا کھانا حرام ہے اگر وہ نجس ہے تو بلاضرورت کیوں کھاتا ہے اگر پاک ہے تو ہاتھ کیوں دھوتا ہے پھر جب ہاتھ منہ دھویا تو جس کپڑے پر عوام بیٹھتے ہیں اس پر نماز نہیں پڑھتا تو پھر عوام کے گھر کا کھانا کیوں کھاتا ہے اس میں احتیاط کیوں نہیں کرتا حالانکہ لقمہ کی پاکیزگی میں احتیاط بہت ضروری ہے جبکہ اکثر لوگ بازاریوں کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا تو کھا جاتے ہیں لیکن ان کے کپڑے پر نماز نہیں پڑھتے یہ باتیں احتیاط میں سچے ہونے کی دلیل نہیں۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ احتیاط منہیات و منکرات کے ساتھ ادا نہ کرے مثلاً تین بار سے زیادہ طہارت کرے کیونکہ چوتھی بار طہارت منع ہے یا طہارت میں دیر لگانا کہ کوئی مسلمان اس کا منتظر رہے ایسا نہ کرنا چاہیے یا ضرورت سے زیادہ پانی بہائے۔ یا مستحب وقت سے تاخیر کر کے نماز پڑھے یا امام ہو کر لوگوں کو جماعت کی انتظار کرائے یا کسی مسلمان سے کسی کام کا وعدہ کیا ہو اور اس میں تاخیر کرے یا اس وجہ سے اس مسلمان کی کمائی کا وقت ضائع ہوتا ہو یا اس کے اہل و عیال تباہ ہوتے ہوں ایسے کام اُس احتیاط کی وجہ سے جو فرض نہیں درست نہیں ہو جاتے۔ یا کوئی مسجد میں اپنا مصلیٰ اس واسطے ضرورت سے زیادہ پھیلائے کہ کسی اور کا کپڑا اس سے چھو نہ جائے اس میں تین چیزیں ممنوع ہیں۔ ایک تو یہ کہ مسجد کا ایک ٹکڑا دوسرے مسلمانوں سے غصب کیا اور چھین لیا حالانکہ اس کا حق سجدہ کرنے کی جگہ سے زیادہ نہ تھا دوسری یہ کہ مسلمان سے یوں پرہیز کرتا ہے جیسے کتے یا کسی اور ناپاک چیز سے جبکہ ایسا نہیں چاہیے تیسری یہ کہ ایسی صف جس میں بہت لمبا چوڑا مصلیٰ بچھا ہو اس میں خلا اور گڑبڑ واقع ہو گی۔ پس ایسے منکرات بہت ہیں کہ پڑھے لکھے جاہل نام نہاد احتیاط کے سبب ان کے مرتکب ہوتے ہیں اور ان کی حقیقت سے آگاہ نہیں ہوتے۔

فصل: جب تم نے یہ سمجھ لیا کہ ظاہری و باطنی طہارت جدا جدا ہیں اور باطنی طہارت کی تین قسم ہیں۔ گناہوں سے ظاہری اعضاء کی طہارت' برے اخلاق سے ظاہری دِل کی طہارت اور ماسوی اللہ سے باطن دِل کی طہارت۔ تو اب یہ بھی سمجھ لو کہ ظاہری طہارت کی بھی تین قسم ہیں ایک نجاست سے طہارت دوسرے حدث و جنابت سے طہارت۔ تیسرے ان چیزوں سے طہارت جو بدن میں بڑھ جاتی ہیں مثلاً ناخن بال وغیرہ۔

پہلی قسم کے متعلق سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے جمادات کی قسم سے جتنی چیزیں پیدا کی ہیں وہ سب پاک ہیں البتہ شراب جو نشہ کا باعث ہو وہ ناپاک ہے چاہے تھوڑی ہو یا زیادہ اور جتنے جانور ہیں وہ سب پاک ہیں مگر کتا اور سور اور وہ جانور جو مر جائے وہ ناپاک ہیں ہاں آدمی' مچھلی اور ٹڈی اور وہ جانور جن کے بدن میں بہتا ہوا خون نہ ہو جیسے مکھی' بچھو' مماکھی اور کیڑے جو اناج میں پیدا ہوتے ہیں اور وہ چیزیں جو جانوروں کے اندرونی حصوں میں متغیر ہو جاتی ہیں سب نجس ہیں البتہ وہ چیز جو جانوروں کے تخم کا درجہ رکھتی ہے جیسے نطفہ' مرغ کا انڈا اور ریشم کا کیڑا اور جو چیز متغیر نہ ہو وہ پاک ہے جیسے پسینہ اور آنسو اور جو چیز ناپاک ہے اس کے ساتھ نماز درست نہیں البتہ پانچ قسم کی نجاست ایسی ہے جو دشواری کے سبب معاف ہے اوّل وہ نجاست کا اثر جو ڈھیلا استعمال کرنے کے بعد رہ جائے۔ بشرطیکہ اپنے مقام سے پھیلی ہوئی ہو دوسرا وہ

کیچڑ جو سڑکوں پر پھیلا ہوا ہو جس میں نجاست صاف طور پر نظر آئے لیکن راستہ کا کیچڑ اس حد تک معاف ہے جس سے آدمی اپنے آپ کو بچا سکے۔ یہ مطلب نہیں کہ آدمی اپنے آپ کو کیچڑ میں گرا دے یا ہاتھی گھوڑا وغیرہ کیچڑ سے کپڑوں کو خراب کر دے کیونکہ یہ باتیں کبھی کبھار ہوتی ہیں اور یہ معاف نہیں۔ تیسری وہ نجاست جو موزہ میں بھر جائے اور پھر اسے پہن کر نماز پڑھ لے تو وہ معاف ہے۔ چوتھے پسو کا لہو جو کپڑے پر لگ جائے تھوڑی مقدار میں ہو یا زیادہ' معاف ہے اگرچہ پسینہ کی بھی اس میں آمیزش ہو۔ پانچویں سرخی مائل پانی جو چھوٹے چھوٹے دانوں سے نکلے وہ بھی معاف ہے کیونکہ عام طور پر آدمی کا بدن اس سے خالی نہیں ہوتا اسی طرح جو رطوبت بشرطیکہ صاف ہو خارش کے دانوں سے نکلے وہ بھی معاف ہے لیکن جو بڑا دانہ ہو اور اس سے پیپ نکلے اس کا حال پھوڑے جیسا ہے یہ چونکہ کم وقوع پذیر ہوتا ہے اس کا دھونا واجب ہے اگر دھونے کے بعد اس کا کچھ اثر باقی رہے تو اُمید ہے کہ وہ معاف کر دیا جائے گا۔ اگر کسی شخص نے فصد کھلوائی یا کسی کو زخم ہو گیا تو اس کے خون کو دھونا ضروری ہے اگر کچھ رہ جائے اور دھونے میں خطرہ ہو تو نماز قضا کرنی چاہیے کیونکہ یہ عذر نادر اور گاہ بگاہ ہوتا ہے۔

فصل : جو جگہ نجس ہو اور اس پر ایک بار پانی بہا دیا جائے وہ پاک ہو جاتی ہے لیکن اگر عین نجاست ہو تو اس کو دھونا چاہیے۔ اتنا دھوئیں کہ عینِ نجاست زائل ہو جائے۔ اگر متعدد بار دھونے اور کھرچنے کے باوجود رنگت اور بو باقی رہ جائے تو پھر وہ پاک ہو جائے گی۔

جو پانی اللہ نے پیدا کیا ہے وہ پاک ہے وہ نہ صرف پاک ہے بلکہ دوسری چیز کو بھی پاک کرنے والا ہے البتہ چار طرح کا پانی ایسا ہے جس کا حکم مختلف ہے۔ ایک بار جس پانی سے وضو کیا ہو تو وہ خود تو پاک ہو گا لیکن دوسری چیز اس سے پاک نہیں ہو گی۔ دوسرا وہ پانی جس سے نجاست صاف کی جائے وہ نہ خود پاک ہے نہ کسی دوسری چیز کو پاک کرتا ہے البتہ اس کا رنگ' مزہ اور بو نجاست کی وجہ سے نہ بدلا ہو تو پھر وہ پاک ہے تیسرا وہ پانی جو اڑھائی سو من سے کم ہو اور اس میں نجاست پڑ جائے وہ متغیر نہ ہوا ہو تو بھی نجس ہے اور اگر اڑھائی سو من ہو یا اس سے زیادہ تو نجاست کے سبب جب تک متغیر نہ ہو وہ ناپاک نہیں ہوتا۔ چوتھا وہ پانی جس کا رنگ اور بو اور مزہ اس پاک چیز کے سبب بدل جائے جس سے اس پانی کو بچا سکتے ہوں جیسے زعفران' صابن' اشنان آٹا وغیرہ تو یہ پانی پاک تو ہے دوسرے کو پاک کرنے والا نہیں لیکن اس میں اگر کچھ یونہی تغیر نہ ہو جائے تو پاک کرنے والا بھی ہے۔

دوسری قسم طہارت حدث کی ہے اس میں پانچ چیزوں کو جاننا چاہیے : پائخانہ پھرنے' پیشاب کرنے کے آداب' استنجا کرنے کے آداب' وضو' غسل اور تیمم کے آداب۔

فصل : پائخانہ کے آداب : اگر تو آدمی صحرا میں ہو تو اسے چاہیے کہ لوگوں کی نگاہ سے دُور ہو جائے اور ممکن ہو تو دیوار کی آڑ میں چلا جائے اور بیٹھنے سے پہلے شرمگاہ نہ کھولے' سورج کی طرف مُنہ نہ کرے اور قبلہ کی طرف مُنہ نہ کرے نہ پیٹھ۔ لیکن اگر پائخانہ میں ہے تو درست ہے ہاں اولیٰ یہ ہے کہ قبلہ دائیں بائیں ہو اور جہاں لوگ جمع ہوتے ہوں وہاں نہ پائخانہ پھرے نہ پیشاب! اسی طرح پانی میں کھڑے ہو کر پیشاب نہ کرے۔ میوہ دار اور سایہ دار درخت کے نیچے اور کسی بل' سوراخ میں پائخانہ پیشاب نہ کرے سخت زمین سے احتیاط برتے' ہوا کے رخ پیشاب نہ

کرے، پیشاب پائخانہ کے وقت بائیں پاؤں پر زور دے کر بیٹھے جب جانے لگے تو پہلے بایاں پاؤں رکھے اور واپسی پر داہنا پاؤں پہلے رکھے۔ جس چیز میں اللہ کا نام ہو اسے ساتھ نہ لے جائے جب جانے لگے تو یہ دُعا پڑھے :

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الرِّجْسِ النَّجْسِ الْخَبِيْثِ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

اور جب باہر نکلے تو پھر یہ دُعا پڑھے :

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَذْهَبَ عَنِّيْ مَا يُؤْذُوْنَنِيْ وَاَبْقٰى فِيْ جَسَدِيْ مَا يَنْفَعُنِيْ

فصل : استنجا کے لیے تین پتھر یا مٹی کے ڈھیلے استعمال کرے ان کا انتظام پائخانہ سے پہلے کرے۔ فراغت کے بعد بائیں ہاتھ میں لے کر پائخانہ کے مقام کے قریب پاک جگہ پر رکھ کر کھسکائے اور نجاست کے مقام پر لا کر اسے پھیرے اور نجاست صاف کرے دوسری جگہ نجاست نہ بھرنے پائے۔ تین ڈھیلے کام میں لائے اگر پاک نہ ہو تو دو ڈھیلے اور استعمال کرے تاکہ طاق عدد رہے پھر پتھر کا ایک ٹکڑا یا بڑا ڈھیلا دائیں ہاتھ میں لے اور آلۂ تناسل بائیں ہاتھ سے پکڑ کر اس پتھر یا ڈھیلے پر تین بار تین جگہ اس کا سر رکھے، یا دیوار پر تین بار تین جگہ رکھے اور بائیں ہاتھ سے ہلائے دائیں سے نہیں اگر اتنے پر ہی قناعت کرے تو طہارت کے واسطے یہ کافی ہے لیکن زیادہ بہتر یہ ہے کہ ڈھیلے اور پانی دونوں سے استنجا کرے اگر پانی استعمال کرتا ہو تو اس جگہ اُٹھ کر دوسری جگہ جائے تاکہ پانی کے چھینٹے اس پر نہ پڑیں۔ دائیں ہاتھ سے پانی ڈالے بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے ملے حتیٰ کہ نجاست کا اثر باقی نہ رہے جب یہ معلوم ہو جائے تو اس سے زیادہ پانی نہ بہائے اور ملنے میں زیادہ مبالغہ نہ کرے کہ پانی اندر پہنچ جائے لیکن آبدست کے وقت ڈھیلا استعمال کرے۔ آبدست لینے میں جہاں پانی نہیں پہنچ سکتا وہ بدن کا باطن ہے وہ نجاست کے حکم میں نہیں آتا خواہ مخواہ وسوسے میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ اس طرح قطرہ جھاڑنے کے لیے تین بار آلۂ تناسل کے نیچے ہاتھ لے جائے اور تین بار جھٹکے اور تین قدم چلے اور تین ہی مرتبہ کھنکھارے اس سے زیادہ اپنے آپ کو تکلیف میں نہ ڈالے۔ جب ایسا کرے اور پھر بھی یہ احساس ہو کہ استنجا کے بعد تری ظاہر ہوتی ہے تو اپنے کپڑے پر پانی ڈال لے تاکہ وہ تری اس کو معلوم ہو۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے وساوس دُور کرنے کے لیے یہی حکم فرمایا ہے فراغت کے بعد دیوار یا زمین پر ہاتھ مل کر دھو لے تاکہ بو باقی نہ رہے اور پھر یہ دُعا پڑھے :

اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِيْ مِنَ النِّفَاقِ وَحَصِّنْ فَرْجِيْ مِنَ الْفَوَاحِشِ

فصل : وضو کی کیفیت اس طرح ہے کہ جب استنجا کر کے فارغ ہو جائے تو مسواک کرے، مسواک کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے دائیں طرف اوپر والے دانتوں پر مسواک ملے پھر نیچے والے دانتوں کو ملے۔ اس کے بعد اسی طرح مسواک کرے پھر دانتوں کے اندرونی حصہ میں اسی ترتیب کے ساتھ مسواک کرے پھر زبان اور تالو میں مسواک رگڑے اور مسواک کی اہمیت کو محسوس کرنا چاہیے کیونکہ حدیث میں ہے کہ : "مسواک کر کے ایک نماز پڑھنا بے مسواک کیے نماز پڑھنے سے ستر درجہ افضل ہے"۔ مسواک کرتے وقت یہ خیال اور نیت کرے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر و یاد کا راستہ صاف کرتا ہوں اور جب وضو ٹوٹ جائے تو اسی وقت دوبارہ کر لے کیونکہ پیغمبر اسلام ﷺ کا یہی عمل تھا۔ جب بھی وضو کرے تو مسواک سے محروم نہ رہے۔ اگر وضو نہ کیا اور بے کلی کیے سو گیا یا دیر تک مُنہ بند کیے چپکے چپکے بیٹھا رہا یا کوئی

بدبو دار چیز کھائی اور ان وجوہات سے اس کے مُنہ کی کیفیت بدل گئی تو مسواک کرنا سنت ہے۔ مسواک سے فارغ ہو کر بلند جگہ پر قبلہ رو بیٹھے اور تین بار یہ پڑھے :

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَحْضُرُوْنَ

پھر تین بار دونوں ہاتھ دھوئے اور یہ پڑھے :

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْيُمْنَ وَالْبَرَكَةَ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشُّوْمِ وَالْهَلَكَةَ

اور نماز صحیح ہونے اور ناپاکی دُور کرنے کی نیت کرے اور جب تک مُنہ نہ دھوئے نیت کا دھیان رکھے پھر تین بار کلی کر کے غرغرہ کرے البتہ روزہ دار ہو تو پھر غرغرہ نہ کرے اور یہ کہے :

اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَتِلَاوَةِ كِتَابِكَ

پھر تین بار ناک میں پانی ڈالے اور اچھی طرح پانی چڑھائے ہاں روزہ دار ہو تو پانی چڑھانے سے گریز کرے اور یہ کہے :

اَللّٰهُمَّ اَرِحْنِيْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَاَنْتَ عَنِّيْ رَاضٍ

پھر تین بار مُنہ دھوئے اور کہے :

اَللّٰهُمَّ بَيِّضْ وَجْهِيْ بِنُوْرِكَ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهُ اَوْلِيَائِكَ

جو بال چہرہ پر ہوں ان کی جڑوں تک پانی پہنچائے۔ اور اگر داڑھی کے بال گھنے ہوں اور میلے بھی ہوں تو داڑھی پر پانی بہائے اور بالوں میں اُنگلیوں کے ذریعہ خلال کرے اسی کا نام تخلیل ہے کانوں کی لو اور ٹھوڑی کے نیچے سے پیشانی کے بالوں تک مُنہ کی حد تک ہے جس کا دھونا ضروری ہے آنکھ کی پتلی میں اُنگلی ڈال کر اسے صاف کرے تاکہ سرمہ وغیرہ کا جو اثر ہو وہ نکل جائے پھر داہنا ہاتھ آدھے بازو تک تین دفعہ دھوئے اور جس قدر بازو کے نزدیک تک دھوئے گا بہتر ہو گا اور کہے :

اَللّٰهُمَّ اَعْطِنِيْ كِتَابِيْ بِيَمِيْنِيْ وَحَاسِبْنِيْ حِسَابًا يَّسِيْرًا

پھر اسی طرح بایاں ہاتھ دھوئے اگر ہاتھ میں انگوٹھی ہو تو اسے حرکت دے تاکہ پانی اس کے نیچے تک پہنچ جائے اور کہے :

اَللّٰهُمَّ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ تُعْطِيَنِيْ كِتَابِيْ بِشِمَالِيْ اَوْ مِنْ وَّرَاءِ ظَهْرِيْ

پھر دونوں ہاتھ تر کر کے انگلیاں ملا کر اگلی طرف سے سر پر رکھے اور گدی تک لے جائے پھر وہاں سے واپس ہاتھ لائے تاکہ بالوں کے دونوں رُخ تر ہو جائیں یہ تو ایک بار مسح ہوا اسی طرح تین بار کرے[1] اس طرح کہ ہر بار پورے سر کا مسح ہو جائے اور کہے :

اَللّٰهُمَّ غَشِّنِيْ بِرَحْمَتِكَ وَاَنْزِلْ عَلَيَّ مِنْ بَرَكَاتِكَ وَاَظِلَّنِيْ تَحْتَ عَرْشِكَ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّكَ

---

1. حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ چونکہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے بزرگ ہیں اس لیے انھوں نے یہ بات لکھی جبکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مسح ایک بار ہی کرنا ہے۔

پھر دونوں کانوں کا مسح کرے اور تین[1] بار کانوں کے اندر اور انگوٹھے کان کی پشت پر اُتارے اور کہے :

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ

پھر گردن پر مسح کرے اور کہے :

اَللّٰھُمَّ فَکِّ رَقَبَتِیْ مِنَ النَّارِ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنَ السَّلَاسِلِ وَالْاَغْلَالِ

پھر داہنا پاؤں ٹخنوں سمیت تین بار دھوئے اور بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے پاؤں کی اُنگلیوں میں خلال کرے اور داہنے پاؤں کی چھنگلیا سے شروع کر کے بائیں پاؤں کی چھنگلیا پر ختم کرے اور کہے :

اَللّٰھُمَّ ثَبِّتْ قَدَمِیْ عَلَی الصِّرَاطِ یَوْمَ تَزِلُّ الْاَقْدَامُ فِی النَّارِ

پھر اسی طرح بایاں پاؤں دھوئے اور کہے :

اَللّٰھُمَّ اَعُوْذُ بِکَ اَنْ تَزِلَّ قَدَمِیْ عَلَی الصِّرَاطِ یَوْمَ تَزِلُّ اقدَامُ الْمُنَافِقِیْنَ

اور وضو سے فارغ ہو کر کہے :

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنْ عِبَادِکَ الصَّالِحِیْنَ

اور جو شخص عربی سے ناواقف ہو اسے چاہیے کہ ان کے معنی کسی جاننے والے سے معلوم کر لے تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ مجھے کیا کرنا اور کہنا ہے اور حدیث میں ہے کہ جو شخص طہارت میں اللہ کا ذکر کرتا ہے اس کے تمام اعضاء کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اگر ذکر نہیں کرتا تو صرف اتنا فائدہ ہوتا ہے کہ جہاں تک پانی پہنچتا ہے بدن کا اتنا حصّہ پاک ہو جاتا ہے۔

اگر پہلے سے وضو سلامت ہو تب بھی بہتر یہ ہے کہ ہر نماز کے لیے تازہ وضو کر لے اس لیے کہ حدیث میں ہے کہ جو شخص تازہ وضو کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ایمان کو تازگی عطا فرماتے ہیں اور فراغت کے بعد یہ محسوس کرے کہ یہ اعضاء جو پاک کیے ہیں یہ مخلوق کے دیکھنے کی چیزیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نگاہِ رحمت کے پڑنے کی خاص جگہ دِل ہے اگر تو یہ کر کے ناپسندیدہ اخلاق سے دِل کو پاک نہ کیا ہو تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص بادشاہ کو مہمان کے طور پر بلائے اور گھر کا دروازہ تو صاف کرے لیکن گھر کا اندرونی حصّہ جو قیام کی جگہ ہے اسے صاف نہ کرے۔

فصل : وضو میں چھ چیزیں مکروہ ہیں۔ (۱) دُنیوی باتیں کرنا (۲) مُنہ پر زور سے ہاتھ مارنا (۳) ہاتھ جھٹکنا (۴) دھوپ سے گرم ہوئے پانی سے وضو کرنا (۵) پانی بہت بہانا (۶) تین تین مرتبہ سے زیادہ اعضاء کو دھونا۔ البتہ یہ بات منقول ہے کہ مُنہ نہ پونچھے تاکہ عبادت کا اثر دیر تک رہے نیز یہ کہ مُنہ پونچھ دینا یہ بھی ثابت ہے اور دونوں میں اختیار ہے۔ مٹی کے برتن سے وضو کرنا دوسرے برتن کے مقابلہ میں زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں فروتنی اور خاکساری کو دخل

---

[1] امام ابو حنیفہ قدس سرہٗ کے نزدیک صرف ایک بار۔

ہے اور یہ اللہ کو پسند ہے۔

فصل: غسل کا بیان: جو شخص جماع کرے یا جس کو احتلام ہو جائے سوتے یا جاگتے میں، اس پر غسل فرض ہے۔ غسل کے فرائض یہ ہیں تمام بدن دھونا، بالوں کو جڑوں تک پانی پہنچانا اور پانی سے پاک ہونے کی نیت[1] کرنا اور سنت یہ ہے کہ پہلے بسم اللہ کہے اور تین بار ہاتھ دھوئے اور بدن پر جس طرف نجاست لگی ہو اسے دھوڈالے اور وضو کا جو طریقہ بیان ہوا اس کے مطابق وضو کرے اور غسل سے فارغ ہو کر پاؤں دھوئے (بشرطیکہ جگہ کچی ہو اور اگر جگہ مضبوط اور پختہ ہو تو پہلے ہی دھولے) غسل میں بدن پر تین بار دائیں طرف پانی بہائے اور تین بار بائیں طرف! سر سمیت جہاں جہاں ہاتھ پہنچے بدن کو ملے اور جو جگہ بند یا چپکی ہوئی ہو وہاں پانی پہنچانے کی کوشش کرے کیونکہ یہ ضروری ہے اور شرمگاہ سے ہاتھ بچائے۔

فصل: تیمم کا بیان: جس شخص کو پانی نہ ملے یا اتنا تھوڑا ہو کہ مشکل سے استعمال کے لیے کافی ہو یا گھاٹ کی راہ میں درندہ وغیرہ ہو یا کوئی ایسا شخص ہو جس سے ڈر اور خوف ہے یا پانی کسی کی ملکیت ہے اور وہ قیمتاً بھی نہیں دیتا یا بہت گراں بیچتا ہے یا ایسا زخم یا بیماری ہو کہ پانی کے استعمال سے زیادہ نقصان کا اندیشہ ہو کہ بیماری بڑھ جانے کا خوف ہو یا ہلاکت کا خوف ہو تو ان تمام صورتوں میں صبر سے کام لے اور جب نماز کا وقت آ جائے تو پاک مٹی تلاش کرے اور اس پر دونوں ہاتھ مارے۔ نماز مباح ہونے کی نیت کر کے ہاتھ مُنہ پر پوری طرح پھیر لے اور اتنا تکلف نہ کرے کہ مٹی بالوں کے اندر پہنچے اور اگر اُنگلی میں انگوٹھی ہو تو اسے اتار کر انگلیاں کھلی رکھ کر دونوں ہاتھوں پر مٹی پھیرے اور دائیں ہاتھ کی اُنگلیوں کی پشت بائیں ہاتھ کی اُنگلیوں کے روبرو رکھ کر بائیں ہاتھ کی اُنگلیوں کو دائیں ہاتھ کی کلائی کی پشت پر پھیرے۔ اسی طرح پھر دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر پھیرے۔ پھر دونوں ہاتھ کی ہتھیلیاں آپس میں ملے پھر انگلیاں آپس میں ڈال کر ملے اگر ایسا کیا تو ایک ہی ضربہ (ایک بار مٹی پر ہاتھ مارنا) کافی ہوگا[2] اگر یہ نہ ہو سکے تو ایک سے زائد بار ضربہ لگائے تاکہ کہنیوں تک تمام ہاتھ پر مٹی لگے۔ جب اس تیمم سے ایک فرض پڑھ لے تو سنتیں جتنی چاہے پڑھ لے لیکن اگر دوسرا فرض پڑھنا ہو تو از سرِنو تیمم کرے۔[3]

تیسری قسم: بدن میں بڑھی ہوئی چیزوں سے بدن کی طہارت ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں ایک تو میل سے اپنے آپ کو پاک کرنا جو سر وغیرہ کے بالوں میں ہوتی ہے یہ کنگھی پانی، مٹی وغیرہ سے زائل ہو جاتی ہے جناب رسول اللہ ﷺ سفر حضر میں کنگھی ساتھ رکھتے تھے۔ اپنے آپ کو میل سے پاک رکھنا سنت ہے۔ دوسرا وہ میل جو آنکھوں کے کونے میں جمع ہو جاتا ہے اسے وضو میں اُنگلی سے صاف کرنا چاہیے۔ اور کان میں جو میل ہوتا ہے تو حمام سے نکلنے کے بعد

---

1. امام ابو حنیفہ قدس سرہٗ کے نزدیک کلی، ناک میں پانی ڈالنا اور تمام بدن دھونا فرض ہے۔
2. امام ابو حنیفہ قدس سرہٗ کے نزدیک دو مرتبہ ایسا کرنا ہوگا۔ مُنہ کے لیے الگ، ہاتھوں کے لیے الگ۔
3. امام ابو حنیفہ قدس سرہٗ کے نزدیک جب تک کوئی ناقص پیش نہ آئے جتنے چاہے فرض پڑھ لے۔

اسے بھی صاف کرنا چاہیے اور ناک میں جو جمع ہو جاتا ہے اسے پانی ڈال کر دُور کرے اور دانتوں کی جڑوں میں جو زرد نما میل جمع ہو جاتا ہے اسے مسواک یا کلی سے دُور کرے اور جو میل اُنگلیوں کے جوڑوں یا پاؤں کی ایڑی اور ناخن اور سارے بدن میں ہوتا ہے ان سب کو صاف کرنا سنت ہے۔ جہاں کہیں میل جمع ہو جاتا ہو اور وہ پانی کو جسم کی کھال تک جانے میں رکاوٹ نہ بنتا ہو تو طہارت باطل نہیں ہوتی البتہ جب ناخن میں خلافِ عادت بہت میل جمع ہو جائے تو وہ البتہ پانی کی روک کا ذریعہ بنے گا ایسے میل کچیل کو پاک کرنا سنت ہے۔

فصل : جو آدمی حمام میں جائے اس کے لیے چار باتیں واجب اور دس سنت ہیں۔ دو واجب تو اس کی شرمگاہ سے تعلق رکھتے ہیں یعنی ناف سے گھٹنوں تک کے حصہ پر دوسرے لوگوں کی نگاہ نہ پڑے اور بدن ملنے والے کو اس حصہ پر ہاتھ نہ لگانے دے اس لیے کہ ہاتھ لگانا دیکھنے کے مقابلہ میں زیادہ سخت ہے اور خود بھی دوسروں کی شرمگاہ نہ دیکھے اگر کوئی اپنی شرمگاہ کھولے اور خوف نہ ہو تو اسے روکے اگر منع نہیں کرے گا تو گنہگار ہو گا۔ اگر کسی نے ان واجبات پر عمل نہ کیا تو حمام سے گنہگار نکلے گا۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ حمام میں دیوار کی طرف مُنہ کیے آنکھوں پر کچھ باندھے بیٹھے تھے اور عورتوں پر بھی ایسا ہی واجب ہے اور وجیہ عورتوں کو بلاوجہ حمام میں نہ جانا چاہیے کیونکہ اس کی شریعت میں ممانعت ہے اور جو باتیں سنت ہیں وہ یہ ہیں کہ پہلے تو طہارت کی نیت کرے تاکہ نماز وغیرہ کی ادائیگی کے قابل ہو جاؤں۔ اور محض لوگوں میں نمائش مقصود نہ ہو اور حمام والے کو اجرت پہلے دے دینی چاہیے تاکہ وہ نہلانے میں خوش دلی سے کام کرے۔ پھر بایاں پاؤں اندر رکھا جائے اور کہے :

بسم اللہ الرحمن الرحیم اعوذ باللہ من الرِّجْسِ وَالنَّجْسِ الْخَبِیْثِ وَالْمُخْبَثِ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ

اس لیے کہ حمام شیطان کی جگہ ہے اور کوشش کرنی چاہیے کہ وہ خالی ہو جائے۔ یا ایسے وقت جائے جب وہ ویسے ہی خالی ہو اور حمام کے گرم حصہ میں جلدی نہ جائے اس طرح پسینہ بہت نکلے گا اور جب جائے تو اسی وقت طہارت کر کے بدن کے دھونے میں عجلت سے کام لے اور پانی زیادہ نہ بہایا جائے۔ بس اسی مقدار میں بہایا جائے کہ اگر حمام والا دیکھے تو وہ بُرا محسوس نہ کرے حمام کے اندر جا کر کسی سے سلام نہ کہے البتہ مصافحہ کی گنجائش ہے اور اگر کوئی دوسرا سلام کرے تو جواب میں عافاک اللہ کہے اور زیادہ باتیں نہ کرے اگر قرآن شریف پڑھنا چاہے تو آہستگی سے پڑھے۔ اگر محض تعوذ بلند آواز سے پڑھے تو کوئی حرج نہیں۔ غروبِ آفتاب کے وقت نیز مغرب و عشاء کی نمازوں کے درمیان حمام میں نہ جائے کیونکہ یہ وقت شیاطین کے منتشر ہونے کا ہے اور جب گرم مکان میں جائے تو دوزخ کی آگ کو یاد کرے اور ساعت سے زیادہ وہاں نہ رکے تاکہ سمجھنا آسان ہو کہ دوزخ کے قید خانہ میں کیسے رہے گا۔ بلکہ عقل مند شخص تو وہ ہے کہ جو چیز بھی دیکھے تو آخرت کا حال یاد کرے۔ اگر اندھیرا دیکھے تو قبر کی تاریکی کو یاد کرے سانپ پر نظر پڑے تو دوزخ کے سانپوں کا دھیان کرے۔ بُری صورت نظر آئے تو نکیرین اور دوزخ کے داروغہ کا خیال کرے ڈراؤنی آواز سنے تو نفخ صور یاد کرے۔ ذلت و عزت سے پالا پڑے تو اس بات کا خیال کرے کہ قیامت کے دن بعض لوگ مردود قرار دیئے جائیں گے تو بعض مقبول شمار ہوں گے۔ یہ تمام باتیں شریعت کے مطابق سنت ہیں اور اطباء نے کہا ہے کہ ہر مہینہ میں ایک بار چونے کا استعمال فائدہ مند ہوتا ہے اور جب حمام سے باہر نکلنے لگے تو ٹھنڈا پانی پاؤں پر ڈالے تاکہ نقرس کی بیماری سے

محفوظ رہے اور دردِ سر نہ ہو لیکن سر پر ٹھنڈا پانی نہ ڈالے اور گرمی کے دنوں میں حمام سے نکل کر کسی قدر سو جانا شربت و دوا کا کام کرتا ہے۔

فصل : بدن میں بڑھی ہوئی چیزوں سے طہارت و پاکیزگی کا اور بھی طریق ہے لیکن پہلے یہ سمجھیں کہ یہ چیزیں ہیں کتنی؟ سو یہ سات چیزیں ہیں ایک تو سر کے بال جن کا منڈوانا زیادہ بہتر اور اولیٰ ہے البتہ اربابِ شرف بال رکھنا چاہیں تو کوئی حرج نہیں اور ان کے لیے ایسا کرنا درست ہے۔ تھوڑے بال مونڈنا (دورِ حاضر کا بودا) اور لشکریوں کی طرح انھیں پراگندہ چھوڑ دینا منع ہے۔

دوسرے مونچھوں کے بال لب کے برابر کر دینا سنت ہے اور اسے چھوڑ دینا منع ہے تیسرے بغلوں کے بال چالیس دن میں اُکھاڑنا سنت ہے (اور یہ زیادہ سے زیادہ مقدار ہے) اور اگر اُکھڑنے سے اذیت ہوتی ہے تو مونڈوا لے۔ چوتھے زیرِ ناف بالوں کو اُسترے سے صاف کرنا سنت ہے اور اس میں بھی چالیس دن سے زیادہ تاخیر نہ ہونی چاہیے۔ پانچویں ناخن کاٹنا تاکہ ان میں میل نہ جمنے پائے اگر میل جمع ہو گیا تو طہارت حاصل نہیں ہو گی کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک گروہ کو دیکھا کہ ان کے ناخن بڑھے ہوئے ہیں اور میل جمع ہے تو آپ نے ان کے کاٹنے کا حکم دیا البتہ آپ نے نماز قضا کرنے کا حکم نہیں فرمایا نیز حدیث میں ہے کہ جب ناخن بڑھ جاتے ہیں تو شیطان کے بیٹھنے کی جگہ بن جاتی ہے۔ ناخن کاٹنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس اُنگلی سے ابتدا کرے جو زیادہ قابلِ تعظیم ہے اور ہاتھ پاؤں کے مقابلہ میں افضل ہے اور دایاں بائیں سے افضل ہے نیز انگشت شہادت دوسری انگلیوں کے مقابلہ میں زیادہ بہتر ہے تو اسی سے ابتدا کرنی چاہیے اور اس کے دائیں طرف کاٹا جائے یہاں تک پھر اسی اُنگلی تک پہنچ جائے۔ جب دونوں ہاتھوں کی اُنگلیوں کے سرے ملا کر حلقہ بنایا جائے تو دائیں ہاتھ کی انگشت شہادت سے شروع کر کے چھنگلیا تک پہنچے حتیٰ کہ اس کے ساتھ ہی بائیں ہاتھ کی چھنگلیاں کو شروع کر دے اور بائیں ہاتھ کے پانچوں ناخن کاٹ کر دائیں ہاتھ کے انگوٹھے پر ختم کر دے چھٹے ناف کاٹنا سنت ہے اور یہ عمل پیدائش کے وقت ہوتا ہے ساتویں مرد اور عورت کا ختنہ کرنا سنت ہے۔

فصل : داڑھی لمبی ہو تو ایک مشت سے زائد کا کترنا جائز ہے تاکہ حد سے نہ بڑھے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور تابعینؒ کے ایک گروہ سے ایسا ہی منقول ہے جبکہ ایک گروہ کی رائے میں اس کو چھوڑ دینا چاہیے۔ داڑھی کے معاملہ میں دس چیزیں مکروہ ہیں۔ ایک تو سیاہ خضاب کیونکہ حدیث میں سیاہ خضاب کو دوزخیوں اور کافروں کا عمل بتلایا گیا ہے اور یہ سب سے پہلے فرعون نے استعمال کیا۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دورِ آخر میں ایسے لوگ ہوں گے جو سیاہ خضاب استعمال کریں گے یہ لوگ جنت کی بو بھی سونگھنے نہیں پائیں گے۔ نیز حدیث میں ہے کہ بوڑھوں کی جماعت میں وہ بوڑھا بہت بُرا ہے جو اپنے آپ کو جوانوں کے مشابہ بنائے اور بہترین جوان وہ ہے جو اپنے آپ کو بوڑھوں کی مانند بنائے۔ اس ممانعت کا سبب یہ ہے کہ سیاہ خضاب بُری غرض کے پیشِ نظر فریب محض ہے دوسرے سرخ اور زرد خضاب مکروہ ہے ہاں اگر غازیوں کی جماعت اس نقطۂ نظر سے استعمال کرے کہ کافر انھیں بوڑھا اور کمزور سمجھ کر دلیر نہ ہو جائیں تو پھر سنت ہے۔ بعض علماء نے اسی مصلحت کے پیشِ نظر سیاہ خضاب کی بھی اجازت دی ہے بہرحال یہ غرض نہ ہو تو ہر طرح کا خضاب فریب اور دھوکہ ہے۔ تیسرے داڑھی کو گندھک سے

سفید کرنا تاکہ لوگ اسے بوڑھا سمجھ کر عزت کریں حالانکہ یہ محض حماقت ہے کیونکہ عظمت و عزت کا تعلق علم و عقل سے ہے بڑھاپے اور جوانی سے نہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب سرور کائنات ﷺ نے جب انتقال فرمایا تو آپ کے بالوں میں بیس سے زیادہ سفید نہ تھے۔ چوتھے داڑھی کے سفید بال چننا اور بڑھاپے کو ننگ و عار کا ذریعہ سمجھنا۔ اس کی مثال یوں ہے جیسے کوئی اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے نور سے ننگ و عار محسوس کرے اور ظاہر ہے کہ یہ چیز نادانی کے سبب ہوتی ہے پانچویں ہوس کے پیش نظر جوانی کے ابتدائی دَور میں داڑھی کے بال اکھاڑنا یا منڈوانا تاکہ بے ریشوں جیسی صورت معلوم ہو یہ بھی نادانی کے سبب ہوتا ہے۔ اللہ کے فرشتوں کی تسبیح میں منقول ہے کہ وہ کہتے ہیں :

سُبْحَانَ مَنْ زَيَّنَ الرِّجَالَ بِاللُّحٰى وَالنِّسَاءَ بِالذَّوَائِبِ

چھٹے کبوتر کی دُم داڑھی کو تراشنا تاکہ عورتوں کو بھلا معلوم ہو اور وہ اس کی طرف راغب ہوں۔ ساتویں سر کے بالوں کو داڑھی تک بڑھانا اور اہل تقویٰ کی عادت کے خلاف زلفوں کو کان کی لو سے نیچے تک چھوڑنا۔ آٹھویں داڑھی کی سیاہی یا سفیدی کو بنظر تعجب دیکھنا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو پسند نہیں فرماتے جو اپنے آپ کو تعجب سے دیکھتا ہے نویں لوگوں کو دکھانے کی غرض سے کنگھی کرنا حالانکہ اس میں اصل ثواب نیت کا ہوتا ہے اس لیے نیت سنت کی ہونی چاہیے نہ کہ لوگوں کو دکھانے کی اور دسویں بات یہ ہے کہ اپنا زہد جتانے کی غرض سے داڑھی کو پراگندہ کرنا اور اُلجھائے رکھنا تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ اس کو عبادت و بندگی سے اتنی بھی فرصت نہیں کہ بالوں کو صحیح کرے۔

فصل ۴ ———— نماز کا بیان

نماز اسلام کا ستون اور دین کی بنیاد ہے۔ یہ عبادت سب عبادتوں سے افضل اور ان کے سردار و پیشوا کی حیثیت رکھتی ہے۔ جو شخص پانچوں فرض نمازیں تمام تر شرائط کے ساتھ وقت پر ادا کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کی حمایت و امان میں رہے گا جو آدمی گناہِ کبیرہ سے اپنے آپ کو بچائے تو اس کے صغیرہ گناہ نماز کے صدقہ معاف ہو جاتے ہیں اور نماز اس کے لیے کفارہ بن جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ پانچ نمازوں کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کے دروازے پر صاف پانی کی نہر بہتی ہو اور وہ روزانہ پانچ بار اس میں غسل کرے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ پانچ بار دن میں غسل کے بعد جیسے میل کچیل باقی نہیں رہ سکتا اسی طرح پانچ نمازیں پڑھنے والے کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

آپ نے فرمایا نماز دین کا ستون ہے جس نے اسے چھوڑا اُس نے اپنے دین کو ویران کر لیا۔

آپ سے سوال ہوا کہ تمام کاموں میں کونسا کام افضل ہے؟ آپ نے فرمایا وقت پر نماز پڑھنا۔ مزید فرمایا نماز جنت کی کنجی ہے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے توحید کے بعد نماز سے زیادہ کوئی محبوب چیز اپنے بندوں پر فرض نہیں کی۔ اگر نماز سے زیادہ کسی چیز کو محبوب رکھتا تو فرشتوں کو ان میں مشغول رکھتا اور فرشتے ہمیشہ نماز ہی میں مصروف رہتے۔ کچھ فرشتے رکوع میں رہتے ہیں کچھ سجدہ میں، کچھ قیام میں اور کچھ قعود میں۔ آپ نے فرمایا ہے جس نے ایک نماز جان بوجھ کر ترک کی وہ کافر ہو گیا یعنی اس بات کے قریب ہو گیا کیونکہ اس سے ایمان میں خلل پڑ جاتا ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے لوگ کہتے ہیں کہ جنگل میں جس کا پانی ضائع ہو گیا وہ ہلاک ہو گیا یعنی خطرہ میں پڑ گیا۔ آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا

حساب ہو گا اگر شرائط کے ساتھ نماز کا معاملہ صحیح ہوا تو وہ قبول ہو جائے گی اور باقی اعمال اس کے تابع ہوں گے۔ وہ جس حال میں ہوں گے قبول کر لیے جائیں گے اور اگر اللہ نہ کرے نماز ہی ناقص ہوئی تو باقی تمام اعمال سمیت وہ مُنہ پر مار دی جائے گی۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص اچھی طرح طہارت کر کے نماز پڑھے اور صحیح طرح رکوع سجدہ بجالائے اور دِل سے عاجزی اور فروتنی کا مظاہرہ کرے۔ اس کی نماز عرش تک سفید اور روشن ہوتی ہے اور نمازی سے کہتی ہے جیسے تو نے مجھے احتیاط سے ادا کیا اور میری رعایت برتی اسی طرح اللہ تعالیٰ تیری حفاظت فرمائے۔ اور جو شخص وقت پر نماز نہ پڑھے اور صحیح طریق سے طہارت نہ کرے اور رکوع سجود میں عاجزی اور فروتنی سے کام نہ لے اس کی نماز سیاہ ہو کر آسمان تک جاتی ہے اور نمازی سے کہتی ہے جیسے تو نے مجھے ضائع کیا خدا تجھے ضائع کرے جب تک اللہ کو منظور ہوتا ہے اس وقت تک نماز یہی کہتی رہتی ہے پھر اس کی نماز کو پرانے کپڑے کی طرح لپیٹ کر اس کے مُنہ پر مار دیا جاتا ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا سب چوروں میں بدتر چور وہ ہے جو نماز میں چوری کرے۔

نماز کی ظاہری کیفیت

نماز کے ظاہری ارکان کالبد کی مانند ہیں جبکہ اس کی حقیقت اور سرجدا ہے اسے نماز کی رُوح کہتے ہیں۔ پہلے نماز کی ظاہری حالت بیان ہو گی۔ آدمی جب بدن اور کپڑوں کی طہارت سے فارغ ہو جائے اور ستر عورت کر لے تو پاک جگہ میں کھڑا ہو کر قبلہ کی طرف مُنہ کرے اور دونوں قدموں کے درمیان چار اُنگلی کا فاصلہ رکھے۔ پیٹھ سیدھی اور برابر رکھے۔ سر کو آگے کی طرف جھکائے اور سجدہ کی جگہ سے نظر نہ ہٹائے جب سیدھا کھڑا ہو جائے تو شیطان کو اپنے پاس سے دُور کرنے کی غرض سے سورۂ ناس پڑھے پھر اگر کسی کی اقتدا میں نماز پڑھنی ہو تو چلا کر اذان کہے ورنہ فقط تکبیر پر کفایت کرے اور نیت کرے مثلاً دِل میں یوں کہے کہ میں اللہ کے لیے ظہر کی فرض نماز ادا کرتا ہوں جب یہ الفاظ دِل میں اتر جائیں تو کان کے برابر تک ہاتھ اس طرح اُٹھائے کہ اُنگلیوں کے سرے کان کے برابر ہوں اور انگوٹھے کا سرا کان کی لو کے برابر اور ہتھیلی شانہ کے برابر ہوں پھر اللہ اکبر کہہ کر دونوں ہاتھ سینہ[1] کے نیچے باندھے۔ دایاں ہاتھ اوپر رکھے اور کلمہ نیز بیچ کی اُنگلی بائیں ہاتھ کی کلائی کی پشت پر رکھے اور باقی اُنگلیوں کے ذریعہ بائیں کلائی کے گرد حلقہ بنا لے۔ کانوں سے ہاتھ نیچے لا کر چھوڑ دینا اور پھر باندھنا صحیح نہیں بلکہ کانوں سے لا کر سیدھا باندھ لے درمیان میں ہاتھ جھٹکنا یا اِدھر اُدھر لے جانا صحیح نہیں۔ تکبیر میں اتنا مبالغہ نہ کرے کہ اللہ اکبر کے بعد واو پیدا ہو یا اکبر کی با کے بعد الف کی آواز پیدا ہو یعنی اکبار کی صورت بن جائے۔ اس قسم کے جاہل لوگ کرتے ہیں۔ جس طرح نماز سے باہر بے تکلف اور بلامبالغہ یہ کلمہ کہتا ہے اسی طرح نماز میں بھی کہے۔ ہاتھ باندھ لینے کے بعد یہ کہے :

اَللّٰہ اکبر کَبِیْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا سُبْحَانَ اللّٰہِ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلاً

---

[1] امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہاتھ ناف کے نیچے باندھے۔

پھر یہ پڑھے۔[1]

﴿ اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ○ ﴾ (الانعام)

اس کے بعد ثنا' تعوذ اور تسمیہ (سُبْحَانَكَ اللّٰھُمَّ' اَعُوْذُ بِاللّٰہِ اور بِسْمِ اللہ) پڑھے حروف میں مبالغہ نہ کرے بلکہ صحت لفظی کا خاص خیال کرے اور ض۔ ظ میں فرق کرے اگر فرق نہ ہو سکے تو یہی صحیح ہے جب الحمد پوری کرلے تو ٹھہر کر آمین کہے ساتھ ملانا مناسب نہیں۔ اس کے بعد قرآن مجید کی کوئی سورت ساتھ ملائے۔ اگر مقتدی نہ ہو تو فجر کی نماز نیز مغرب و عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں آواز سے پڑھے پھر رکوع کے لیے تکبیر کہے لیکن اس میں یہ احتیاط برتے کہ سورۃ کے آخر کے ساتھ اسے ملائے نہیں۔ اس تکبیر میں اسی طرح کانوں تک ہاتھ اُٹھائے جس طرح تکبیر تحریمہ میں اُٹھائے تھے۔[2] رکوع میں دونوں ہتھیلیاں گھٹنوں پر رکھے اُنگلیوں کو کھلا چھوڑ کر قبلہ رو رکھنا چاہیے۔ سر اور پیٹھ رکوع میں برابر ہوں اور اس کی صورت صرف لام جیسی ہو مرد کو بازو پہلوؤں سے جدا رکھنے چاہئیں جبکہ عورت ملا کر رکھے۔ رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ کہے امام نہ ہو تو سات سے دس مرتبہ تک کہے تو بہتر ہے پھر رکوع سے سیدھا کھڑا ہو جائے اور رفع یدین کرے۔[3] اور سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ کہے ساتھ ہی ربنا لك الحمد ملاء السموات والارض وملاء ما شئت من شی بعدہ کہے۔ فجر کی دوسری رکعت میں دُعائے قنوت پڑھ کر اور تکبیر[4] کہہ کر اس طرح سجدہ میں جائے سجدہ میں جاتے ہوئے اس بات کا خیال کرے کہ جو عضو زمین کے نزدیک ہے وہ پہلے ٹکائے گویا پہلے گھٹنے پھر ہاتھ پھر پیشانی اور ناک زمین پر رکھے۔ دونوں ہاتھ زمین پر کاندھے کے برابر ہونے چاہئیں اور انگلیاں کھلی ہوں جبکہ کلائی زمین سے اٹھا کر رکھے۔ بازو اور پہلو اور پیٹ اور ران کو آپس میں نہ ملائے۔ لیکن عورت تمام اعضاء کو ملا کر رکھے پھر سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی وَبِحَمْدِہٖ تین بار کہے امام نہ ہو تو زیادہ تعداد میں بھی کہہ سکتا ہے اور ایسا کرنا اولیٰ ہو گا۔ اللہ اکبر کہہ کر سجدہ سے اُٹھے اور بائیں پاؤں پر بیٹھ کر دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھ لے اور کہے:

رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَارْحَمْنِیْ وَارْزُقْنِیْ وَاھْدِنِیْ وَاجرنی وَاعْفُ عَنِّی وَعَافِنِی

پھر دوسرا سجدہ اسی طرح کرے پھر برائے نام بیٹھ کر تکبیر کہے[5] اور اُٹھ کر پہلی رکعت کی طرح دوسری رکعت پوری کرے۔ اور الحمد سے قبل تسمیہ پڑھ لے جب دوسری رکعت کے سجدہ سے فارغ ہو تو تشہد کے لیے بیٹھ جائے بیٹھنا اسی طرح ہو جس طرح سجدوں کے درمیان بیٹھا تھا۔ دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے اور اُنگلیوں کو بند کرے البتہ انگشت شہادت کو سیدھا چھوڑ دے اور کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے جب الا اللہ کہے تو اشارہ کرے لیکن لا الہ کہتے وقت اشارہ نہ کرے۔

---

[1] احناف کے نزدیک یہ کلمات تکبیر سے پہلے کہنے چاہئیں۔
[2] [3] رکوع میں جاتے اور اس سے اُٹھتے ہوئے رفع الیدین احناف کے نزدیک نہیں ہے۔
[4] لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دُعائے قنوت وتر کی نماز میں پڑھی جاتی ہے اور بس۔ جبکہ قنوتِ نازلہ کا مسئلہ اپنی جگہ ہے۔
[5] احناف کے نزدیک یہ جلسہ استراحت نہیں بلکہ سجدہ سے سیدھا کھڑا ہو جائے۔

انگوٹھے بھی اگر کھلے چھوڑ دے تو حرج نہیں۔ دوسرے تشہد میں بھی ایسا ہی کرے لیکن دونوں پاؤں کو نیچے سے دائیں طرف نکال لے اور بایاں سرین زمین پر رکھے۔ پہلے تشہد میں اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کہہ کر اُٹھ کھڑا ہو[1] اور دوسرے تشہد میں تمام درود نیز مشہور دُعا پڑھ کر السلام علیکم و رحمۃ اللہ وبرکاتہ کہہ کر دائیں طرف ایسے مُنہ پھیرے کہ جو کوئی اس کے پیچھے دائیں طرف ہو وہ اس کا نصف چہرہ دیکھ لے پھر اسی طرح بائیں طرف سلام پھیرے اور ان دونوں سلاموں میں نماز سے باہر آنے کی نیت کرے اور تمام موجود انسانوں نیز ملائکہ کے لیے سلام کی نیت کرے۔

فصل۔ نماز کے مکروہات

بھوک' پیاس' غصہ اور پائخانہ پیشاب کی حاجت کے وقت نیز کسی بھی ایسے شغل کے وقت جو نماز کے خشوع میں حارج ہو نماز پڑھنا مکروہ ہے اسی طرح دونوں پاؤں پوری طرح ملا لینا' ایک پاؤں کو اُٹھانا۔ سجدہ میں پاؤں کے سرے پر بیٹھنا اور دونوں سرینوں پر بیٹھنا' دونوں گھٹنے سینہ تک لانا۔ ہاتھ کپڑے کے نیچے اور آستین کے اندر رکھنا اور سجدہ کے وقت کپڑے کو آگے پیچھے سے سمیٹنا' کپڑے کے نیچے کمر باندھنا اور ہاتھ چھوڑ دینا' اِدھر اُدھر دیکھنا اور انگلیاں چٹخانا نیز بدن کھجلانا' جمائی لینا اور داڑھی کے بالوں سے کھیلنا' سجدہ کے واسطے کنکریاں ہٹانا نیز اس جگہ پھونک مارنا تاکہ گرد اُڑ جائے اور انگلیاں ملا لینا' پیٹھ ٹیڑھی کرنا' سب مکروہ کام ہیں۔ غرض یہ ہے کہ تمام اعضاء مودب طریق سے نماز میں مشغول ہوں تاکہ نماز پوری ہو اور آخرت کے لیے توشہ بن سکے۔

نماز کے جو ارکان بیان ہوئے ان میں سے چودہ فرض ہیں۔ نیت' تکبیر تحریمہ' قیام' الحمد پڑھنا' رکوع' رکوع میں آرام' قومہ یعنی رکوع سے اُٹھنا' قومہ میں آرام' سجدہ' سجدہ میں آرام' جلسہ یعنی دونوں سجدہ کے درمیان بیٹھنا' آخری تشہد' جناب رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھنا اور سلام۔ اتنی باتوں کا لحاظ رکھے گا تو نماز درست ہو گی[2] جس کا مطلب یہ ہے کہ شمشیر سیاست سے تو بچ گیا لیکن خطرہ پھر بھی ہے اور اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص کسی لونڈی کو بادشاہ کی نذر گزارے جو زندہ تو ہو لیکن ناک' کان' ہاتھ اور پاؤں نہ ہوں تو شک ہے کہ قبول ہو یا نہ ہو۔

نماز کی رُوح اور حقیقت کا بیان

اس سے قبل نماز کی ظاہری صورت اور قالب کا بیان تھا اب اس کی حقیقت کا بیان ہو گا جو اس کی رُوح ہے۔ ہر نماز اور ہر ذکر کے لیے ایک خاص رُوح ہے وہ نہ ہو تو اس کی مثال ایسی ہو گی جیسے بے جان آدمی! اور اگر وہ تو ہو لیکن آداب کی رعایت اور لحاظ نہ ہو تو پھر مثال یوں ہو گی جیسے کسی کی آنکھیں نہ ہوں اور ناک کٹ گئی ہو اور اگر نماز کے

---

1. احناف کے نزدیک تشہد پڑھ کر کھڑا ہو جائے مزید پڑھنے سے سجدۂ سہو لازم آئے گا۔
2. احناف کے نزدیک ۱' ۴' ۶' ۷' ۸' ۱۰' ۱۱ اور ۱۳ فرض نہیں بلکہ بعض واجب اور بعض سنت ہیں۔ تفصیلات کتب فقہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

ارکان وغیرہ تو پورے ہوں لیکن رُوح اور حقیقت نہ ہو تو وہ نماز ایسی ہو گی جیسے کسی شخص کی آنکھ تو ہو لیکن بصارت سے محروم! کان ہوں پر سماعت ندارد۔

نماز کی رُوح یہ ہے کہ ابتداء سے آخر تک خشوع کا اہتمام ہو اور حضورِ قلب پر قائم رہے اس لیے کہ دِل کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ رکھنا اور یادِ الٰہی میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم و ہیبت کا لحاظ و اہتمام ہی نماز کا اصل مقصد ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِىْ ﴾ (طٰه)

اور جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بہت سے نمازی ایسے ہیں کہ جنھیں نماز سے رنج و درماندگی کے سوا کوئی چیز نصیب نہیں ہوتی اور اس کا سبب ان کے دِل کی غفلت ہے کہ وہ محض بدن سے نماز پڑھتے ہیں دِل غافل ہوتا ہے۔

آپ نے مزید ارشاد فرمایا کہ بہت سے نمازی ایسے ہیں جن کی نماز کا چھٹا یا دسواں حصّہ لکھا جاتا ہے اور بس۔ یعنی ان کی نماز بس اسی قدر لکھی جاتی ہے جس میں حضورِ قلب ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نماز ایسے پڑھو جیسے کوئی کسی کو رخصت کرتا ہے یعنی نماز میں اپنی خودی اور خواہشات بلکہ ہر ماسوی اللہ کو اپنے دِل سے رخصت کر دے اور اپنے آپ کو بالکلیہ نماز میں مصروف کر دے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت اُم المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ہمارے ساتھ باتوں میں مشغول ہوتے تھے جب نماز کا وقت آ جاتا تو آپ نہ مجھے پہچانتے نہ میں آپ کو۔ یعنی نماز کا وقت آتے ہی اللہ تعالیٰ کی عظمت و ہیبت ہم پر طاری ہو جاتی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس نماز میں آدمی کا دِل غافل ہو اللہ تعالیٰ اس کی طرف دیکھتا بھی نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق آتا ہے کہ آپ جب نماز شروع فرماتے تو آپ کا دِل اس طرح جوش مارتا جس طرح چولہے کے اوپر پانی والی ہنڈیا جوش مارتی ہے اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ جب نماز کا ارادہ کرتے تو بدن پر کپکپی طاری ہو جاتی اور رنگ متغیر ہو جاتا اور ارشاد فرماتے کہ ایسی امانت اٹھانے کا وقت آ گیا ہے جس کا تحمل آسمان و زمین بھی نہ کر سکے۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جسے نماز میں خشوع حاصل نہیں اس کی نماز ہی نہیں اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس نماز میں حضوریٔ قلب نہ ہو وہ اللہ کے عذاب کے زیادہ قریب ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو شخص نماز میں بالارادہ دیکھے کہ میرے دائیں بائیں کون کھڑا ہے اس کی نماز نہ ہو گی۔ جبکہ حضرت امام ابو حنیفہ اور امام شافعی اور اکثر علماء رحمہم اللہ اگرچہ یہ فرماتے ہیں کہ اگر پہلی تکبیر کے وقت دِل و دماغ حاضر ہوں اور فارغ ہوں تو نماز درست ہو جاتی ہے لیکن یاد رہے کہ انھوں نے یہ فتویٰ ضرورۃً دیا ہے اس واسطے کہ عام طور پر مخلوق غفلت کا شکار ہے اور ان کا یہ فرمان کہ نماز درست ہو جاتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نمازی شمشیرِ سیاست سے تو بچ گیا لیکن زادِ آخرت وہی نماز ثابت ہوتی ہے جس میں دِل حاضر ہو۔ مقصد یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نماز تو پڑھے لیکن فقط تکبیر تحریمہ کے وقت اس کا دِل حاضر ہو تو اُمید کی جا سکتی ہے کہ بالکل نماز نہ پڑھنے والے کے مقابلہ میں قیامت کے دن اس کا حال بہتر ہو گا۔ لیکن اس بات کا بھی کھٹکا ہے کہ اس کا حال بُرا ہو کیونکہ سستی اور غفلت کے ساتھ حاضر ہونے والے پر زیادہ سختی اور شدت ہوتی ہے اس کی بنسبت کہ جو بالکل ہی حاضر نہ ہو۔ اسی واسطے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو

شخص حضوریٔ قلب کے بغیر نماز پڑھتا ہے وہ ثواب کے مقابلہ میں عذاب کے قریب ہے بلکہ حدیث شریف میں آتا ہے جو نمازی اپنی نماز کو بے محل خیالات سے محفوظ نہ رکھے اس کو اللہ تعالیٰ سے دُوری ہی نصیب ہو گی۔ ان آیات و احادیث اور اقوال سے یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ حقیقی معنوں میں جاندار نماز وہی ہے جس میں ابتدا سے آخر تک دِل حاضر رہے اور جس نماز میں فقط تکبیرِ اولیٰ کے وقت دِل حاضر ہو اس میں رتی بھر سے زیادہ رُوح نہیں ہوتی اور وہ نماز اس بیمار کی مانند ہے جو دَم بھر کا مہمان ہو۔

نماز کے ارکان کی رُوح اور حقیقت کا بیان

اب نماز کے اسرار کا ذکر ہوتا ہے سب سے پہلے جو آواز تیرے کان میں پڑتی ہے وہ اذان ہے جس وقت اذان تمھارے کان میں پڑتی ہے تو اسے شوق اور محبت سے سنے اور جس کام میں مشغول ہو اسے چھوڑ چھاڑ کر دُنیا سے مُنہ موڑ لے۔ اگلے لوگوں کا یہی دستور تھا کہ دُنیا کے کام چھوڑ کر اذان سنتے لوہار اگر ہتھوڑا اُٹھائے ہوئے ہوتا تو اذان سن کر فوراً ہی ہاتھ روک لیتا۔ جوتے گانٹھنے والا اگر اپنے اوزار سے چمڑے میں سوراخ نکالنے میں مشغول ہوتا تو اذان کی آواز سن کر اس کو اسی طرح چھوڑ دیتا۔ اس منادی کی ندا سن کر لوگ قیامت کے دن کو یاد کرتے اور اپنے دِل میں خوشی اور مسرت محسوس کرتے کیونکہ جو آج اس آواز کو سن کر دوڑے گا اسے قیامت کے دن سہولت و آسانی میسر آئے گی۔ یاد رکھو کہ اگر تم اپنے دِل میں اس منادی کی آواز سے خوشی محسوس کرو گے تو قیامت کے دن بھی تمھیں خوشی نصیب ہو گی۔

طہارت کا راز یہ ہے کہ کپڑے اور بدن کی پاکیزگی کو یوں سمجھو جیسے پاک غلاف! اور توبہ اور پشیمانی حاصل ہو جائے اور برے اخلاق سے چھٹکارا نصیب ہو جائے تو یہ ظاہری طہارت کی رُوح ہے اس واسطے کہ دِل تو اللہ تعالیٰ کی نظرگاہ ہے جبکہ بدن نماز کی جگہ ہے اور دِل نماز کی حقیقت کی منزل ہے۔

سترِ عورت : اس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ جو عضو تیرے بدن میں باعث شرم و عار ہے اسے مخلوق کی نگاہ سے چھپا کر رکھ اس کا بھید اور رُوح یہ ہے کہ جو امر تیرے باطن میں بُرا ہے اسے اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ رکھ۔ اور یہ سمجھ لے کہ تو اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رکھ سکتا ہاں یہ تو ہے کہ اپنے باطن کو اس سے پاک کر اور باطن پاک کرنے کی صورت یہ ہے کہ گزشتہ گناہوں پر ندامت محسوس ہو اور آئندہ کے لیے پختہ عزم ہو کہ آئندہ گناہ نہیں کروں گا۔

((التائبُ مِنَ الذَّنبِ کَمن لَا ذنب لَهٗ)) (حدیث)

یعنی توبہ گناہوں کو بالکلیہ مٹا دیتی ہے۔ اگر ایسا نہیں کر سکتا تو ان گناہوں پر خوف اور ندامت کا پردہ ڈال کر اس طرح خستگی و شکستگی اور شرمساری کے عالم میں اپنے اللہ کے حضور حاضر ہو جیسے کوئی خطاکار غلام اپنے آقا کے حضور جاتا ہے اور پھر اپنے مالک کے سامنے ڈرتا ہوا آتا ہے اور ذلت کے مارے سر نہیں اُٹھاتا۔

قبلہ رو ہونا: اِس کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ ہر طرف سے اپنا مُنہ پھیر کر قبلہ رو ہو جائے اور بھید یہ ہے کہ دِل کو دونوں عالم سے ہٹا کر اللہ کی طرف متوجہ کرے تاکہ ظاہر و باطن میں یکسانیت پیدا ہو جائے۔ جس طرح کہ ایک ظاہری قبلہ ہے دِل کا قبلہ بھی ایک ہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ!

اور دُنیوی خیالات میں مشغولیت ایسے ہی ہے جیسے مُنہ اِدھر اُدھر کرنا۔ جس طرح اِدھر اُدھر مُنہ پھیرنے سے نماز باقی

نہیں رہتی۔ اسی طرح دِل اپنے مرکز کی طرف متوجہ نہ رہے تو نماز بے حقیقت اور بے رُوح ہو جاتی ہے۔ اسی واسطے جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص نماز کے لیے کھڑا ہو اور اس کا مُنہ' دِل اور تمام خواہشات کا محور و مرکز اللہ کی ذات ہی ہو تو وہ نماز سے جب فارغ ہوتا ہے تو اس کی حیثیت یہ ہوتی ہے جیسے بچہ اپنی ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے یعنی تمام گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے اس بات کا دھیان رکھنا چاہیے کہ جس طرح قبلہ کی طرف سے مُنہ پھیر لینے سے نماز باطل ہو جاتی ہے اس طرح اس شخص کی نماز کی رُوح برباد ہو جاتی ہے جس نے اپنے دِل کو اللہ کی طرف سے پھیر لیا اور دُنیوی خیالات میں غرق ہو گیا۔ بلکہ چاہیے یہ کہ دِل کو اللہ کی طرف متوجہ رکھے اِس واسطے کہ انسان کا ظاہر اِس کے باطن کے لیے غلاف کی مانند ہے اور غرض اسی چیز سے ہوتی ہے جو غلاف کے اندر ہو۔ خود غلاف کی چنداں قدر و قیمت نہیں ہوتی۔

قیام : اِس کی ظاہری حقیقت تو یہی ہے کہ اپنے ڈیل ڈول کے ساتھ غلاموں کی طرح سر جھکائے اپنے مالک کے سامنے کھڑا رہے اور باطنی حقیقت یہ ہے کہ دِل ہر قسم کے خیالات سے یکسو ہو کر اللہ تعالیٰ کی تعظیم پورے انکسار کے ساتھ بجا لائے اور قیامت کے دن کو یاد کرے کہ اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور میری تمام ظاہری و باطنی حرکات اور اعمال و افعال پیش ہیں اور یہ کہ اللہ سب سے واقف ہے میرے دِل میں جو کچھ تھا یا ہے اللہ تعالیٰ جاننے اور دیکھنے والا ہے اور میرے ظاہر و باطن سے آگاہ ہے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ جب کوئی صالح انسان کسی نمازی کو دیکھتا ہے کہ یہ کیسے نماز پڑھتا ہے تو وہ اپنے اعضاء کو مودب کر لیتا ہے اِدھر اُدھر نہیں دیکھتا اسے نماز میں جلدی کرنے اور دوسری طرف التفات سے شرم آتی ہے اور یہ جاننے کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ کی نظر مجھ پر ہے وہ اس سے نہ شرماتا ہے نہ ڈرتا ہے اس سے زیادہ کیا نادانی ہو گی کہ بندہ جس کے اختیار میں کچھ نہیں اس سے تو شرم کرے اور اس کے دیکھنے سے مودب ہو جائے لیکن مالک الملوک سے کچھ شرم نہیں۔ اس واسطے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ' اللہ تعالیٰ سے کیسے شرم کرنی چاہیے؟ آپ نے فرمایا اپنے گھر کے افراد میں جو صالح اور متقی ہوتا ہے اس سے تو جیسے شرماتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ سے بھی شرمانا چاہیے۔ اس غایت درجہ تعظیم کے سبب اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم اس طرح ساکت و صامت کھڑے ہوتے کہ پرندے ان سے بھاگتے تک نہیں تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ یہ پتھر ہیں۔ جس کے دِل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور بزرگی ہوتی ہے وہ اللہ کو اپنے اعمال کو دیکھنے والا سمجھتا ہے اس کا ہر ہر عضو خدا سے ڈرنے والا اور مودب ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ اگر کسی کو نماز میں داڑھی پر ہاتھ پھیرتا دیکھتے تو فرماتے کہ اگر اس کے دِل میں خشوع ہوتا تو اس کا ہاتھ داڑھی کے بجائے دِل پر ہوتا۔

رکوع و سجود : ان کا ظاہری معنی تو یہی ہے کہ بدن کے ذریعہ عاجزی و فروتنی کا مظاہرہ کرنا اور دِل کی عاجزی و فروتنی اس کا حقیقی مقصد ہے جو شخص اِس بات کو جانتا ہو کہ زمین پر مُنہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے جسم کے بہترین عضو کو مٹی پر رکھنا اور یہ بھی اسے معلوم ہو کہ خاک سے بڑھ کر کوئی چیز خوار نہیں تو رکوع و سجود حقیقت میں اسی کے لیے ہیں تاکہ وہ سمجھ لے کہ میری اصل خاک اور مٹی ہے اور مجھے بالآخر اسی میں جانا ہے۔ اپنی اصل کے اعتبار سے تکبر اور اپنی عاجزی و بے کسی کو پہچاننا ضروری ہے۔ اسی طرح ہر کام میں ایک راز ہے۔ آدمی جب اس سے غافل ہو گا تو اسے ظاہری شکل کے بغیر کچھ حاصل نہ ہو گا۔

حقیقت قرأت و اذکارِ نماز کا بیان

جو لفظ انسان نماز میں کہتا ہے اس کی ایک حقیقت ہے جس سے اس کو آگاہ ہونا چاہیے اور یہ بھی لازم ہے کہ قائل کا دِل بھی اس کی صفت کے مطابق ہو تاکہ وہ اپنے قول میں جھوٹا ثابت نہ ہو' مثلاً اللہ اکبر کے معنی ہیں کہ اللہ ربّ العزت اِس بات سے بزرگ تر ہیں کہ انھیں عقل اور معرفت سے پہچان سکیں۔ اگر یہ معنی اس کے عِلم میں نہ ہوں تو وہ جاہل ہے اگر تو جانتا ہو لیکن اِس کے دِل میں اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کسی اور چیز کی اہمیت و عظمت اور بزرگی ہو تو وہ اللہ اکبر کہنے میں جھوٹا ہے اور اِس سے کہا جائے گا کہ کلام تو سچّا ہے لیکن تُو جھوٹا ہے اور جب آدمی اللہ تعالیٰ سے زیادہ کسی اور چیز کا مطیع ہو گا تو اُس کے نزدیک وہ چیز اللہ تعالیٰ سے زیادہ بزرگ اور قابل تعظیم ہوئی اور اُس کا معبود وہی ہوا جس کا وہ مطیع ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ﴾ (جاثیہ)

اور جب انسان نے وَجَّهْتُ وَجْهِيَ کہا تو اس کے معنی یہ ہے کہ میں نے ساری دُنیا سے اپنا دِل پھیر کر اسے اللہ کی طرف متوجہ کر لیا۔ اب اگر اس کا دِل اس وقت کسی اور طرف متوجہ ہو تو اس کا یہ کلام جھوٹا ہے یعنی کلام تو سچّا ہے لیکن یہ کہنے والا جھوٹا ہے اور جب اللہ تعالیٰ سے مناجات میں پہلا کام ہی جھوٹ ہو تو اس کا خطرہ ظاہر ہے اور جب اس نے حَنِيْفًا مُّسْلِمًا کہا تو اس نے اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کیا اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زُبان سے دوسرے لوگ محفوظ رہیں تو جب اس نے یہ دعویٰ کیا تو اسے چاہیے کہ اس صفت سے اپنے آپ کو متصف کرے یا عزم بالجزم کرے کہ اب میں ایسا ہی بنوں گا اور جب الحمد کہے تو اسے چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرے اور اپنے دِل کو شکر گزار بنائے کیونکہ یہ کلمۂ شکر ہے اور شکر دِل سے ہوتا ہے اور اِيَّاكَ نَعْبُدُ پر پہنچے تو اپنے اخلاص کی حقیقت دِل میں تازہ کرے اور جب اِهْدِنَا کہے تو چاہیے کہ اس کا دِل تضرع اور زاری کرے کیونکہ وہ خُدا سے ہدایت طلب کر رہا ہے۔ تسبیح و تہلیل اور قرأت وغیرہ ہر ہر کلمہ میں انسان کو چاہیے کہ جیسے اس کا تقاضا ہو ویسا ہی ہو جائے اور دِل کو اس کلمہ کے معنی کی صفت سے متصف کر لے اس کی تفصیل بہت طویل ہے۔ نماز کی حقیقت سے اگر آدمی بہرہ مند ہونا چاہے تو اسے چاہیے کہ اپنے آپ کو ایسا ہی بنائے جیسا کہ بیان ہوا اور محض ظاہری صورت پر قناعت نہ کرے۔

حضورِ قلب کی تدبیر

نماز میں دو وجہ سے غفلت ہوتی ہے ان میں سے ایک سبب ظاہری ہے تو ایک باطنی۔ ظاہری سبب تو یہ ہے کہ ایسی جگہ نماز پڑھی جائے جہاں شور و ہنگامہ ہو تو دِل اُدھر متوجہ ہو جائے کیونکہ دل' آنکھ اور کان کے تابع ہے اس کی تدبیر یہ ہے کہ ایسی جگہ نماز پڑھے جہاں کچھ سنائی نہ دیتا ہو۔ اور اگر وہ جگہ تاریک ہو یا آنکھیں بند کرے تو زیادہ بہتر ہے۔ اکثر عباد عبادت کے لیے چھوٹا سا الگ مکان بنا لیتے ہیں کیونکہ کشادہ مکان میں دِل پراگندہ ہو جاتا ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ جب نماز ادا کرتے تھے تو قرآن شریف' تلوار اور تمام اشیاء کو جدا کر دیتے تھے تاکہ ان کی

طرف مشغولیت نہ ہو۔ رہ گیا باطنی سبب تو وہ یہ ہے کہ پریشان خیالات اور خطرات و وساوس دِل میں آئیں اس کا علاج بہت دشوار اور نہایت سخت ہے اور اس کی دو قسمیں ہیں ایک تو ایسا کسی کام کے سبب ہوتا ہے کہ اس وقت دِل اس کی طرف مشغول ہو اس کا علاج تو یہ ہے کہ پہلے اس سے فارغ ہو جائے پھر نماز پڑھے جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا حَضَرَ الْعَشَاءُ وَالْعِشَاءُ فَابْدَءُوْا بِالْعَشَاء

علی ھذا القیاس اگر کوئی بات کہنی سننی ہو تو پہلے وہ کہہ دے پھر نماز میں مشغول ہو۔ دوسری قسم ایسے کاموں کا خیال اور اندیشہ ہے جو ایک ساعت میں پورے نہ ہوں یا واہیات خیالات عادت کے موافق خود بخود دِل پر غالب ہو گئے ہوں اس کی تدبیر یہ ہے کہ قرآن اور ذکر جو نماز میں پڑھتا ہو ان کے معانی میں دِل لگائے اور ان پر غور کرے تاکہ وہ خیالات اس سے دُور ہو جائیں اگر خیالات زیادہ غالب نہیں اور کسی کام کی خواہش زیادہ قوی نہیں تو یہ تدبر اور سوچ اسے ان خیالات سے محفوظ کر دے گی لیکن اگر خواہش قوی ہو گی تو اس سوچ سے اس کا خیال رفع نہیں ہو گا اس کی تدبیر یہ ہے کہ مسہل پیئے تاکہ مرض کے مادہ کا باطن سے قلع قمع کر دے اور اس مسہل کا نسخہ یہ ہے کہ جس چیز کا خیال رہتا ہے اسے ترک کرنے کی فکر کرے تاکہ اس سے نجات پائے اگر ترک نہیں کر سکے گا تو اس کے خیال سے ہرگز محفوظ نہیں ہو گا اور اس کی نماز انھی خیالاتِ منتشرہ کی نذر ہو جائے گی۔ اس نمازی کی مثال یوں ہو گی جیسے کوئی شخص درخت کے نیچے بیٹھ کر یہ چاہے کہ چڑیوں کا چہچہانا نہ سنے اور لاٹھی اٹھا کر انھیں اڑا دے۔ ظاہر ہے کہ وہ اسی وقت پھر آ بیٹھیں گی۔ اگر ان سے نجات چاہتا ہے تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ اس درخت کو جڑ سے کاٹ ڈالے اس لیے کہ جب تک وہ درخت رہے گا چڑیاں اس پر ضرور بیٹھیں گی۔ اسی طرح جب تک کسی کام کی خواہش اس کے دِل پر غالب رہے گی تو خیالاتِ منتشرہ بھی احاطہ کیے رہیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے لیے ایک صاحب عمدہ کپڑے کا تحفہ لائے اس میں ایک پودے کا فوٹو تھا نماز میں اس پر جو نظر پڑی تو آپ ﷺ نے فارغ ہوتے ہی اسے اُتار کر اس کے مالک کو دے دیا اور وہی پرانا کپڑا زیب تن کر لیا۔ اس طرح ایک بار نعلین شریف میں نیا تسمہ لگایا۔ نماز میں جو اس پر نظر پڑی تو وہ بھلا معلوم ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسے نکال کر وہی پرانا تسمہ ڈال دو۔ ایک مرتبہ نعلین شریف نئی نئی بنی ہوئی تھیں آپ ﷺ کو اچھی معلوم ہوئیں آپ ﷺ نے سجدہ کیا اور فرمایا کہ میں نے اپنے اللہ کے حضور فروتنی اور عاجزی کی ہے کہ اس نعلین کی وجہ سے وہ مجھے اپنا دشمن نہ ٹھہرائے پھر آپ ﷺ باہر تشریف لائے اور جو سائل پہلے پہل ملا وہ نعلین اسے عنایت فرما دیں۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے ایک عمدہ جانور دیکھا جو درختوں پر اُڑتا پھرتا ہے لیکن درخت اتنے گھنے ہیں کہ اسے راہ نہیں مل رہی آپؓ کا دِل اس کی طرف متوجہ ہو گیا اور یہ بات ذہن سے نکل گئی کہ کتنی رکعت پڑھی ہیں۔ آپ جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کے حضور ساری روداد کہہ سنائی اور اس جرم کے پیش نظر سارا باغ صدقہ کر دیا تو جہاں تک اگلے بزرگوں کا تعلق ہے انھوں نے اکثر ایسے کام کیے ہیں اور انھوں نے ان کاموں کو حضورِ قلب کی تدبیر سمجھا۔ غرضیکہ جب نماز سے پہلے اللہ کا ذکر دِل پر غالب نہ ہو گا تو دِل نماز میں نہیں لگے گا اور جو خیال دِل میں پہلے سے جما ہوا ہے وہ نماز پڑھنے سے دُور نہیں ہو گا تو جو شخص حضورِ قلب کے ساتھ نماز پڑھنا چاہیے تو اسے چاہیے کہ پہلے اپنے دِل کا علاج کرے اور دِل کو خیالات و وساوس سے پاک کرے۔ اور

یہ بات اس طرح ممکن ہے کہ دُنیا کے شغل اپنے دِل سے دُور کرے اور ضرورت کی حد تک دُنیا کی چیزوں پر قناعت کرے اور اس سے بھی صرف یہ مقصد ہو کہ دِل کو فراغت نصیب ہو جائے جب تک یہ بات نہیں ہو گی اس وقت تک نماز میں حضورِ قلب نصیب نہیں ہو گا ہاں بعض حصّہ میں ایسا ہو جائے تو ممکن ہے اس میں یہ بھی اہتمام کرنا چاہیے کہ نفلوں کی مقدار بڑھا دے تاکہ دِل حاضر ہو جائے اور متوجہ ہو جائے کیونکہ نوافل فرائض کے نقصان کی تلافی کرتے ہیں۔

جماعت کے مسنون ہونے کا بیان

جناب رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک باجماعت نماز تنہا ستائیس نمازوں کے برابر ہے اور فرمایا کہ جس نے عشاء کی نماز جماعت سے پڑھی اس نے گویا نصف شب عبادت کی اور جس نے فجر کی نماز جماعت سے پڑھی وہ گویا رات بھر بیدار رہا۔ مزید فرمایا کہ جس نے چالیس دن کی نمازیں اس طرح ادا کیں کہ اس کی کوئی تکبیر اولیٰ فوت نہیں ہوئی تو اس کے واسطے نفاق اور دوزخ سے نجات کا فیصلہ لکھ دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے بزرگوں میں سے جس کی تکبیر تحریمہ فوت ہو جاتی وہ تین دن تک اپنے آپ سے تعزیت کرتے اور اگر جماعت فوت ہو جاتی تو سات دن تک تعزیت کا سلسلہ جاری رہتا۔ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے کہ میرا بیس برس تک اذان سے بھی قبل مسجد میں آنے کا معمول رہا ہے۔ اکثر علماء کی رائے ہے کہ جو شخص بغیر عذر تنہا نماز پڑھے اس کی نماز درست نہیں اس لیے جماعت کو لازمی امر سمجھنا چاہیے اور امامت و اقتداء کے آداب یاد رکھنے چاہئیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ لوگوں کی دلی رضامندی سے امامت کرے اگر لوگ امامت سے پرہیز کریں تو اسے امامت سے احتیاط برتنی چاہیے اور جب کسی کو امام بنایا جائے تو بغیر عذر پہلو تہی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ امامت کا درجہ موذن کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے۔ یہ بھی چاہیے کہ کپڑوں کی طہارت و پاکیزگی میں بھرپور احتیاط کرے اور نماز کے وقت کا دھیان کرے اور مستحب وقت میں نماز پڑھے۔ جماعت کی انتظار میں تاخیر نہ کرے کیونکہ اوّل وقت کی فضیلت جماعت کی فضیلت سے زیادہ ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے جب دو حضرات آ جاتے تو وہ تیسرے کا انتظار نہ کرتے اور جنازہ میں جب چار حضرات آ جاتے تو پانچویں کا انتظار نہ کرتے۔ ایک دن جناب سلطان الانبیاء علیہ افضل الصلاۃ والثناء کو دیر ہو گئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کا انتظار نہیں کیا اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے امامت کرائی جب آپ ﷺ تشریف لائے تو ایک رکعت ہو چکی تھی نماز پوری ہو جانے کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے خوف محسوس کیا لیکن آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے صحیح کیا آئندہ بھی ایسی صورت میں یہی کرنا۔ یہ بھی ضروری ہے کہ اللہ کے لیے خلوص کے ساتھ امامت کرے اور کسی قسم کی مزدوری نہ لے۔[1] صف سیدھی ہو جائے تو تکبیر کہے اور نماز کے اندر کی تکبیرات بلند آواز سے کہے اور امامت کی نیت کر لے تاکہ جماعت کے ثواب سے محروم نہ رہے اگر نیت نہ کی تو جماعت درست ہو جائے گی لیکن جماعت کا ثواب نہیں ملے گا۔ جہری نمازوں میں قرأت بلند

---

1. دورِ آخر کے فقہاء کرام رحمہم اللہ نے ضرورت و مصلحت کے پیش نظر ائمہ و مدرسین کے لیے تنخواہ کے جواز کا فتویٰ دیا کیوں کہ اگر ایسا نہ ہو تو مساجد و جامعات کی بربادی کا خطرہ ہے پہلے تو حکومتیں یہ ذمہ داری سمجھتی تھیں لیکن اب ایسا نہیں اس لیے یہ فتویٰ دیا۔

آواز سے پڑھے اور تین وقفے بجا لائے۔ ایک اس وقت جب تکبیر اوّل کہے اور وَجَّھتُ وَجْھِیَ پڑھے اور مقتدی سورۂ فاتحہ پڑھنے میں مشغول ہوں۔ دوسرے جب سورۂ فاتحہ پڑھ چکے تو دوسری سورت ٹھہر کر پڑھے تاکہ جس مقتدی نے سورۂ فاتحہ مکمل نہ کی ہو یا بالکل نہ پڑھی ہو وہ پوری کر لے یا پڑھ لے تیسرے جب سورت پڑھ لے تو اتنا وقفہ کرے کہ سورۃ کے آخر اور تکبیر رکوع میں فصل ہو جائے اور مقتدی سورۂ فاتحہ کے علاوہ اور کوئی چیز امام کے پیچھے نہ پڑھے[1] ہاں اگر دُور ہو کہ امام کی قرأت نہ سن سکے تو اجازت ہے امام کو چاہیے کہ رکوع سجدہ ہلکا کرے اور تین بار سے زیادہ تسبیح نہ پڑھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ سے زیادہ سبک اور کامل نماز کسی کی نہ تھی۔ اس تخفیف کا سبب یہ کہ جماعت میں ممکن ہے کوئی ضعیف ہو یا کسی کو کہیں کام سے جانا ہو اور مقتدی پر لازم ہے کہ ہر رکن امام کی متابعت میں ادا کرے اس سے آگے نہ بڑھے۔ جب امام کی پیشانی زمین پر لگ جائے تو یہ سجدہ میں جائے اور جب امام رکوع کی حد تک پہنچ جائے تو یہ رکوع کرے کیونکہ اسی کا نام متابعت ہے اگر کوئی مقتدی امام سے پہلے رکوع و سجود میں جائے گا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اور جب سلام پھیرے تو اتنی ہی دیر بیٹھے کہ جتنی دیر میں یہ دُعا پڑھی جا سکے:

اللّٰھم انتَ السَّلام ومِنکَ السَّلام وَاِلَیْکَ یَعُود السَّلام فحیِّنا ربنا بالسَّلام وادخلنا دار السلام تبار کت ربَّنا بالسلام وادخلنا دار السلام تَبَارَکت ربَّنا و تَعَالَیْتَ یاذا الجلال والاکْرَام۔

اس کے بعد پھرتی سے اٹھے اور لوگوں کی طرف مُنہ کر کے دُعا کرے اور مقتدی امام سے پہلے نہ اٹھیں کیونکہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔

جمعہ کی فضیلت کا بیان

جمعہ کے دن کی بڑی فضیلت ہے اسے سید الایام کہا گیا اور یہ مسلمانوں کیلئے عید تصور کیا جاتا ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے بغیر عذر کے تین جمعے ترک کر دیئے اس نے گویا اسلام سے مُنہ پھیر لیا اور اس کا دِل زنگ آلود ہو گیا۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جمعہ کے دن چھ لاکھ انسان دوزخ سے آزاد کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے مزید فرمایا کہ جہنم کی آگ کو دوپہر ڈھلے بھڑکایا جاتا ہے اسلئے اس وقت نماز نہ پڑھو۔ لیکن جمعہ کے دن بھڑکانے کا عمل نہیں ہوتا۔ آپ نے مزید فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن مر گیا وہ شہادت کا ثواب حاصل کر گیا اور قبر کے عذاب سے محفوظ رہے گا۔

جمعہ کی شرائط

جو شرائط نماز کی ہیں وہی جمعہ کی ہیں اور ان کے علاوہ چھ شرائط اور ہیں۔ ان میں پہلی شرط تو وقت ہے اگر مثلاً امام نے جب سلام پھیرا اور عصر کا وقت ہو چکا تھا تو جمعہ کی نماز فوت ہو گئی۔ ظہر کی نماز ادا کرنا ہو گی۔ دوسری شرط یہ ہے کہ یہ نماز صحرا یا خیمہ میں نہیں ہوتی بلکہ شہر میں ہوتی ہے یا اس گاؤں میں ہوتی جہاں چالیس ایسے مرد موجود ہوں جو آزاد'

---

[1] امام شافعیؒ کے مسلک کی بات ہے' امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایسا نہیں کرنا چاہیے اور مقتدی کو خاموشی سے امام کی قرأت سننی چاہیے۔

عاقل اور بالغ ہوں۔ ایسی جگہ اگر مسجد نہ بھی ہو تو بھی نماز درست ہے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ جب تک چالیس آزاد عاقل بالغ مرد نہ ہوں تو نماز درست نہیں۔ اگر خطبہ یا نماز میں اس سے کم لوگ ہوں گے تو ظاہر ہے کہ نماز درست نہ ہو گی۔ چوتھی شرط جماعت ہے یعنی اس گروہ نے الگ الگ اور تنہا تنہا نماز پڑھی تو وہ درست نہ ہو گی۔ لیکن جس نے آخر کی رکعت جماعت سے حاصل کرلی اس کی نماز درست ہو جائے گی۔ اگرچہ وہ دوسری رکعت میں تنہا ہو اور اگر کوئی شخص امام کے ساتھ دوسری رکعت کے بعد شامل ہو تو وہ اقتدا تو کر لے لیکن نیت نماز ظہر کی کرے۔ پانچویں شرط یہ ہے کہ لوگوں نے پہلے جمعہ کی نماز نہ پڑھ لی ہو۔ اس واسطے کہ ایک شہر میں جمعہ کی ایک سے زیادہ جماعت نہ ہونی چاہیے لیکن اگر اتنا بڑا شہر ہو کہ وہاں کی ایک مسجد میں نمازی نہیں سما سکتے یا بہ دقت آتے ہیں تو ایک سے زیادہ جماعت میں مضائقہ نہیں۔ اگر ایک ہی مسجد میں تمام لوگ سہولت اور آسانی سے سما سکتے ہیں تو اس شکل میں اگر دو جگہ نماز پڑھی گئی تو وہ صحیح ہو گی جس کی تکبیر تحریمہ پہلے ہوئی۔ چھٹی شرط خطبہ ہے جو نماز سے پہلے پڑھا جاتا ہے اور جن کی مقدار دو ہے یاد رہے کہ دونوں خطبے فرض ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حمد اگرچہ محض الحمدللہ سے ہو۔ رسولِ مقبول ﷺ پر درود پڑھنا۔ تقویٰ کی وصیت! اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰہِ کی حد تک بھی کافی ہے اور قرآن شریف کی کم از کم ایک آیت پڑھنا۔ جب کہ دوسرے خطبہ میں بھی چار چیزیں فرض ہیں لیکن اس میں قرآنی آیت کی جگہ دُعا فرض ہے۔ یاد رہے کہ جمعہ کی نماز عورتوں، غلاموں، بچوں اور مسافروں پر فرض نہیں اور اگر عذر ہو تو ترکِ جمعہ ویسے بھی درست ہے مثلاً کیچڑ، پانی، بیماری کا ایسا عذر جس میں بیمار کو کوئی سہارا دینے والا نہ ہو۔ ہاں معذور کو یہ احتیاط برتنی چاہیے کہ ظہر کی نماز جب، ادا کرے جب لوگ جمعہ سے فارغ ہو جائیں۔

آدابِ جمعہ

جمعہ کے دن یہ دس چیزیں سنت و ادب کی ہیں جنھیں بھلانا نہ چاہیے۔ پہلا تو یہ ہے کہ پنج شنبہ کے دن سے ہی دل اور سامان درست کر کے اِس مبارک دن کا استقبال کرے یعنی سفید کپڑے کا اہتمام کام کاج سے فراغت تاکہ صُبح کے وقت نماز کی جگہ پہنچ سکے اور جمعرات کے دن ہی عصر کے وقت دُنیا کے کاموں سے خالی اور فارغ ہو کر بیٹھنا اور تسبیح استغفار میں مشغول ہو جانا اس واسطے کہ اس وقت کی بڑی فضیلت ہے اور اس بابرکت ساعت کی مانند ہے جو اگلے دن جمعہ کو ہو گی۔ علماء نے لکھا ہے کہ شب جمعہ میں اپنی بیوی سے جماع سنت ہے تاکہ یہ امر جمعہ کے دن ہر دو کے غسل کا سبب بن سکے۔ دوسرا ادب یہ ہے کہ اگر تو صُبح کے وقت ہی مسجد میں جانے کی عادت ہو تو صُبح ہی غسل کر لے لیکن ایسا نہ ہو تو تاخیر بہت اولیٰ ہے اور جناب رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن کے غسل کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے یہاں تک کہ بعض علماء نے اس کو فرض لکھا۔ مدینہ منورہ کے لوگ جس کسی کو سخت ترین بات کہنا چاہتے تو یوں کہتے کہ یہ تو اس سے بھی بُرا ہے جو جمعہ کو غسل نہیں کرتا۔ اگر جمعہ کے دن کوئی شخص نجس ہو اور غسل کرے تو بہتر یہ ہے کہ جمعہ کے دن غسل کی نیت سے مزید پانی اپنے اوپر بہا لے۔ اور اگر ایک ہی غسل میں دونوں کی نیت کرے تو کافی ہے اور اس سے غسل جمعہ کی فضیلت حاصل ہو جائے گی۔ تیسرا ادب یہ ہے کہ اپنے آپ کو آراستہ و پاکیزہ بنا کر مسجد میں آئے۔ آراستگی و

پاکیزگی کے معنی یہ ہیں کہ بال منڈوائے' ناخن کٹوائے' مونچھوں کے بال کتروائے اور اگر حمام میں پہلے ہی جا کر ان کاموں سے فارغ ہو چکا ہو تو کافی ہے اور آراستگی سے مراد یہ ہے کہ سفید کپڑے پہنے۔ اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ کو سفید کپڑے تمام رنگوں کے مقابلہ میں زیادہ محبوب ہیں۔ نیز نماز کی عظمت و تعظیم کی نیت سے خوشبو استعمال کرے تاکہ اس کے کپڑوں میں بدبو نہ آئے کہ کوئی رنجیدہ ہو کر غیبت کرے۔ چوتھا ادب یہ ہے کہ علی الصبح جامع مسجد میں جائے کیونکہ اس کی بڑی فضیلت ہے۔ اگلے دور میں لوگ چراغ لے کر مسجد میں جاتے پھر بھی اتنی بھیڑ ہوتی تھی کہ مشکل سے گزر ہوتا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایک دن مسجد میں تشریف لے گئے تو تین آدمی پہلے سے وہاں موجود تھے انھیں اپنے اوپر غُصّہ آیا اور کہنے لگے کہ میں چوتھا آنے والا ہوں میرا انجام کیا ہو گا۔ کہتے ہیں کہ دین اسلام میں جو بدعت پہلے پہل ظاہر ہوئی وہ یہی ہے کہ لوگوں نے اس سنت کو ترک کر دیا۔ جب یہودی اور عیسائی ہفتہ اور اتوار کو اپنے اپنے عبادت خانوں میں علی الصبح جائیں تو مُسلمان کا کیا کام ہے کہ وہ تاخیر کرے اور اس سلسلہ میں تقصیر سے کام لے جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن پہلی ساعت میں مسجد میں گیا وہ ایسا ہے جیسے کسی نے اونٹ اللہ کی راہ میں قربان کیا۔ دوسری ساعت میں جانے والے کو گائے کی قربانی کا ثواب نصیب ہو گا۔ تیسری ساعت میں جانے والے کو بکری اور چوتھی ساعت میں جانے والے کو مرغی کی قربانی کا ثواب حاصل ہو گا اور جو پانچویں ساعت میں گیا اُس نے گویا انڈا خیرات کیا اور جب خطیب خطبہ کے لیے نکلتا ہے تو فرشتے اپنا دفتر سمیٹ لیتے ہیں اور وہ بھی خطبہ سننے میں مشغول ہو جاتے ہیں اس کے بعد جو آتا ہے اسے بجز نماز کی فضیلت و ثواب کوئی چیز نہیں ملتی۔ پانچواں ادب یہ ہے کہ اگر دیر میں آئے تو لوگوں کی گردنوں سے نہ پھلانگے اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص ایسا کرے گا تو قیامت کے دن اس کو پل بنایا جائے گا تاکہ لوگ اس کے اوپر سے گزریں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو جب ایسا کرتے دیکھا تو نماز سے فراغت کے بعد اسے بلایا اور فرمایا کہ تم نے جمعہ کی نماز کیوں نہ پڑھی۔ اُس نے عرض کیا کہ میں تو نماز میں آپ ﷺ کے ساتھ تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ تم لوگوں کی گردنوں سے پھلانگ رہے ہو اور جو شخص ایسا کرتا ہے اُس نے گویا نماز نہیں پڑھی۔ ہاں اگر پہلی صف خالی ہو تو اس میں جانے کا قصد درست ہے۔ اس واسطے کہ پہلی صف کو خالی چھوڑ دینا لوگوں کا قصور ہے۔ چھٹا ادب یہ ہے کہ جو شخص نماز پڑھتا ہو اس کے سامنے سے گزرنے سے احتراز کرے کیونکہ ایسا کرنا ممنوع ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ نمازی کے سامنے سے گزرنے سے بہتر یہ ہے کہ آدمی خاک ہو کر برباد ہو جائے۔ ساتواں ادب یہ ہے کہ پہلی صف میں جگہ تلاش کرے اگر جگہ نہ مل سکے تو جتنا امام صاحب کے قریب ہو اتنا ہی بہتر ہے کیونکہ یہ بہت فضیلت کا کام ہے لیکن اگر پہلی صف میں لشکری ہوں یا اطلس کے کپڑے پہنے ہوئے ہوں یا خطیب نے سیاہ ریشمی کپڑا پہنا ہو یا اُس کی تلوار میں سونا لگا ہو یا اِس قسم کی کوئی برائی ہو تو جتنا دُور ہو گا اتنا ہی بہتر ہے اس لیے کہ جہاں کوئی برائی ہو وہاں ارادۃً نہ بیٹھنا چاہیے۔ آٹھواں ادب یہ ہے کہ جب خطبہ پڑھنے والا نکلے تو پھر کسی قسم کی گفتگو نہ کرے بلکہ موذن کے کلمات کا جواب دے اور خطبہ سننے میں مشغول ہو جائے اگر کوئی شخص بات کرے تو اشارہ سے اسے چپ کرا دے زُبان سے منع نہ کرے اس لیے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی خطبہ کے وقت دوسرے کو زُبان سے چپ کرائے اس نے بے ہودہ حرکت کی اور اس کو جمعہ کا ثواب نہیں ملے گا۔ اگر خطیب سے دُوری کے سبب

خطبہ سنائی نہ دے تب بھی خاموشی اختیار کرے۔ جہاں لوگ باتیں کرتے ہوں وہاں بیٹھنے سے احتراز کرے اور اس وقت تحیۃ المسجد کے سوا کوئی نماز نہ پڑھے۔ نواں ادب یہ ہے کہ جب نماز سے فارغ ہو تو سورۃ فاتحہ' اخلاص' فلق اور ناس سات سات بار پڑھے اس لیے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ان سورتوں کا پڑھنے والا اس جمعہ سے اگلے جمعہ تک شیطان سے محفوظ رہتا ہے نیز یہ دُعا پڑھنی چاہیے :

اللهم يا غنى يا حميد يا مبدى يا معيد يا رحيم يا ودود اغننى بحلالك عن حرامك وبفضلك عمن سواك۔

اور بزرگوں نے کہا ہے کہ جو شخص اس دُعا کو ہمیشہ پڑھے گا اسے ایسی جگہ سے روزی ملے گی جو اس کے گمان میں بھی نہ ہو گی اور وہ مخلوق سے بے پروا ہو جائے گا۔ پھر چھ رکعت نماز سنت ادا کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ اتنی ہی مقدار میں ادا فرماتے تھے۔ دسواں ادب یہ ہے کہ عصر کی نماز تک مسجد میں رہے تو بہت بہتر ہے۔ علماء نے کہا ہے کہ یہ امر ثواب میں ایک حج اور عمرہ کے برابر ہے اگر مسجد میں نہ رہ سکے اور گھر چلا جائے تو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ رہے تاکہ وہ قیمتی ساعت جو جمعہ کے دن ہوتی ہے وہ غفلت کا شکار نہ ہو جائے اور اس کی فضیلت سے محروم نہ رہ جائے۔

جمعہ کے دن کے آداب

انسان کو چاہیے کہ جمعہ کے دن سات فضیلتوں کی جستجو کرے ایک تو یہ کہ صبح کو علم کی مجلس میں حاضر ہو اور قِصّہ گو لوگوں سے بچے اور ایسے شخص کی مجلس میں جائے جس کے حال اور جس کی گفتگو سے دُنیا کی رغبت کم ہو اور آخرت کی محبت زیادہ ہو جس کے کلام میں ایسے اثرات نہ ہوں اس کی مجلس علم کی مجلس نہیں کہلا سکتی اور جو شخص ایسا صاحب تاثیر ہو اس کی مجلس میں بیٹھنا ہزار رکعت نماز (نفل) سے زیادہ بہتر ہے۔ یہ بات حدیث سے ثابت ہے۔ دوسری فضیلت یہ کہ جمعہ کے دن ایک ساعت انتہائی قیمتی اور معزز ہے حدیث شریف میں ہے کہ ہر شخص اس ساعت میں اللہ تعالیٰ سے جو کچھ مانگے گا اس کی مُراد بر آئے گی۔ اس ساعت کے تعین میں اختلاف ہے۔ طلوع ' زوال یا آفتاب کے غروب ہونے کے وقت اس ساعت کا ہونا منقول ہے یا جس وقت جمعہ کی اذان ہوتی ہے یا خطیب منبر پر آتا ہے یا جمعہ کی نماز کھڑی ہوتی ہے یا عصر کی نماز کے وقت ' الغرض صحیح بات یہ ہے کہ اس ساعت کا وقت معلوم و متعین نہیں بلکہ شب قدر کی طرح یہ بھی پردۂ خفا میں ہے کہ تمام دن اس کی جستجو اور تلاش رہے اور کوئی وقت اللہ کی یاد اور عبادت سے خالی نہ ہو۔ تیسری فضیلت یہ ہے کہ جمعہ کے دن جناب رسول اللہ ﷺ پر درود بکثرت بھیجے اس لیے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص جمعہ کے دن مجھ پر اسی بار درود بھیجے گا اس کے اسی برس کے گناہ معاف ہو جائیں گے لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ کن الفاظ کے ساتھ درود بھیجیں تو آپ ﷺ نے فرمایا :

اللهم صل عل محمدٍ وعلى آل محمد صلوة تكون لك رضى ولحقه اداء واعطه الوسيلة والفضيلة والمقام المحمود الذى وعدته واجزه عنا ما هو اهله واجزه افضل ما جزيت نبياً عن عن امة وصل على جميع اخوانه من النبين والصالحين يا ارحم الراحمين

کہتے ہیں کہ جو شخص جمعہ کے دن سات بار یہ درود پڑھے گا اسے آپ ﷺ کی شفاعت نصیب ہو گی اور اگر فقط اللّٰھم صَلِّ علی محمد وعلی آلِ محمدٍ پڑھے تو بھی کافی ہے۔

چوتھی فضیلت یہ ہے کہ اس دن قرآن شریف کی تلاوت بکثرت کرے اور بطورِ خاص سورۂ کہف پڑھے۔ حدیث شریف میں اس کی بہت فضیلت وارد ہوئی ہے اور اگلے دَور کے عباد صالحین کی عادت مبارکہ تھی کہ جمعہ کے دن سورۂ اخلاص' درود شریف' استغفار اور سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ہزار ہزار بار پڑھتے تھے۔

پانچویں فضیلت یہ ہے کہ جمعہ کے دن نوافل بکثرت پڑھے اس لیے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص مسجد میں جاتے ہی چار رکعت پڑھے اور ہر رکعت میں ایک بار سورۂ فاتحہ اور پچاس بار سورۂ اخلاص پڑھے تو وہ اس وقت تک دُنیا سے نہیں جائے گا جب تک وہ جنت میں اپنا مقام نہ دیکھ لے یا کسی اور کو نہ بتا دیں کہ وہ اس سے کہہ دے اور مستحب یہ ہے کہ جمعہ کے دن چار رکعت پڑھے اور اس میں یہ چار سورتیں پڑھے انعام' کہف' طٰہٰ اور یٰسٓ اگر یہ نہ پڑھ سکے تو لقمان' سجدہ' دخان اور ملک پڑھے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما جمعہ کے دن صلوٰۃ تسبیح ناغہ نہیں فرماتے تھے۔ یہ نماز بہت مشہور ہے اور بہتر یہ ہے کہ زوال کے وقت تک نفل پڑھے اور جمعہ کی نماز کے بعد سے عصر تک عِلم کی مجلس میں بیٹھے اور مغرب کی نماز تک تسبیح و استغفار میں مشغول رہے۔ چھٹی فضیلت یہ ہے کہ جمعہ کو صدقہ ضرور کرے اور کچھ نہ ہو تو روٹی کا ٹکڑا ہی دے دے کیونکہ جمعہ کے دن صدقہ کی فضیلت بہت ہے جو سائل خطبہ کے وقت سوال کرے اسے زجر و توبیخ بھی جائز ہے اور اس وقت کچھ دینا مکروہ ہے اور ساتویں فضیلت یہ ہے کہ ہفتہ بھر میں جمعہ کا سارا دن آخرت کے لیے وقف کر دے۔ باقی دنوں میں دُنیا کے کام بھی کرے۔ اللہ تعالیٰ کا جو فرمان ہے :

﴿ فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ﴾ (الجمعہ)

تو حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خرید و فروخت اور کسب دُنیا اس آیت کے معنی نہیں بلکہ طالب عِلم' بھائیوں کی ملاقات و زیارت' بیمار کی عیادت' جنازہ کے ساتھ جانا جیسے کام مُراد ہیں۔

مسئلہ : جو باتیں نماز میں ضروری تھیں وہ بیان ہو گئیں۔ مزید جن مسائل کی ضرورت ہو وہ علماء سے پوچھ لیں کہ اس کتاب میں تمام مسائل کی تفصیل نہیں دی جا سکتی۔ لیکن نماز کی نیت میں جو وسوسہ ہوتا ہے بالعموم اس کے سبب تین ہیں یا تو اسے وسوسہ ہوتا ہے جس کی عقل میں خلل ہو یا جسے سودا ہو اور یا جو شریعت کے احکام سے جاہل ہو اور نیت کے معانی سے واقف نہ ہو کہ نیت سے مُراد وہ رغبت ہے جو آدمی کو اللہ تعالیٰ کا حکم بجالانے پر اُبھارتی ہے جیسے کوئی شخص یہ کہے کہ فلاں اہل عِلم آ رہے ہیں ان کی تعظیم کے لیے اٹھو تو اپنے دِل میں کہے گا کہ فلاں اہل عِلم کے عِلم کی عظمت کی خاطر فلاں کے کہنے سے میں کھڑا ہوتا ہوں اور فوراً کھڑا ہو جائے اور زُبان سے کہے بغیر بھی یہ نیت تیرے دِل میں ہو گی اور جو کچھ دِل میں کہا جاتا ہے وہ نفس کی بات ہے نیت نہیں ہے۔ نیت تو وہ رغبت ہے جس نے تجھے اٹھا کر کھڑا کر دیا لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ نیت کے بارہ میں حکم کیا ہے تو بس اس قدر جاننا چاہیے کہ مثلاً ظہر کی نماز ہو یا عصر کی ہو جب اس سے دِل غافل نہ ہو تو اللہ اکبر کہے اور دِل غافل ہو تو یاد کر لے اور یہ خیال نہ کرے کہ ادا اور فرض اور ظہر سب کے معانی مفصل طریق سے ایک بار دِل میں جمع ہو جائیں ہاں جو دِل کے نزدیک ہو اسے باہم جمع کر لے بس اتنی

بات نیت میں کافی ہے کہ اگر کوئی یہ پوچھے کہ آپ نے ظہر کی نماز پڑھی؟ تو آپ کہیں گے کہ ہاں تو جس وقت آپ ہاں کہیں گے اس وقت یہ سب معانی تیرے دِل میں ہوں گے گو مفصل نہ سہی! تو تجھے اپنے آپ کو یاد دلانا اس شخص کے پوچھنے کی مانند ہے اور اللہ اکبر کہنا ایسا ہے جیسے ہاں کہنا۔ اس سے زیادہ کھوج سے دِل اور نماز دونوں پریشان اور پراگندہ ہوں گے۔ اس لیے آدمی کو چاہیے کہ آسان صورت اختیار کرے۔ جتنا بیان ہوا جب اتنی نیت کرلی پھر کوئی سی صورت ہو نماز درست ہو جائے گی۔ اس لیے کہ نماز کی نیت بھی دوسرے کاموں کی نیت کی مثل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں کسی کو نیت میں وسوسہ محسوس نہیں ہوتا تھا۔ اس واسطے کہ وہ اس کو آسان کام جانتے اور جو آسان نہ جانے وہ نادان ہے۔

فصل ۵ ——— زکوٰۃ کا بیان

زکوٰۃ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک ہے اس لیے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے کلمہ طیبہ' نماز' زکوٰۃ' روزہ اور حج' اور حدیث شریف میں ہے کہ جن لوگوں کے پاس سونا چاندی ہو اور وہ زکوٰۃ ادا نہ کریں ان میں سے ہر ایک کے سینہ کو داغا جائے گا حتیٰ کہ وہ پیٹھ سے پار نکل جائے گا اور جب پیٹھ کو داغا جائے گا تو وہ سینہ سے پار ہو جائے گا اور جس شخص کے پاس چارپائے ہوں اور وہ زکوٰۃ ادا نہ کرے تو ان کو قیامت کے دن اس پر مسلط کر دیا جائے گا تاکہ سینگوں سے اپنے مالک کو ماریں اور پاؤں سے روندیں۔ جب تمام چارپائے گزر جائیں گے تو پھر آگے والے پلٹ کر اسے روندنا شروع کر دیں گے اور جب تک سب کا حساب نہ ہو جائے گا یہ عمل جاری رہے گا۔ حدیث میں یہ بھی منقول ہے کہ اہل ثروت و دولت پر زکوٰۃ کا علم سیکھنا فرض ہے۔

زکوٰۃ کی اقسام اور اسکی شرائط

چھ قسم کی زکوٰۃ فرض ہے۔

پہلی قسم تو چارپایوں کی زکوٰۃ ہے ان میں اونٹ گائے اور بکری شامل ہیں۔ گھوڑے گدھے وغیرہ میں زکوٰۃ کی فرضیت کی چار شرائط ہیں پہلی یہ کہ وہ جانور گھر میں نہ پلتے ہوں بلکہ ان کی گزر بسر چراگاہ میں ہوتی ہو تاکہ انکی پرورش پر زیادہ خرچ نہ ہو اگر تمام سال ان کی گزر بسر گھر میں اور چارہ وغیرہ قیمت سے کھلانا پڑے تو زکوٰۃ نہیں ہوگی۔ دوسری شرط یہ ہے کہ یہ جانور تمام سال اس کی مِلک میں رہیں اس لیے کہ اگر دورانِ سال وہ اس کی مِلک سے نکل گئے تو زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی ہاں اگر سال کے آخر میں بچے پیدا ہوں تو ان کو حساب میں شمار کر کے ان کی زکوٰۃ بھی ہوگی۔ تیسری شرط یہ ہے کہ اس مال کی بدولت تونگر ہوا اور وہ مال اس کے تصرف میں رہا ہو اگر وہ کم ہوگیا یا کسی ظالم نے چھین لیا تو اس پر زکوٰۃ نہیں۔ ہاں اگر تمام جانور منافع سمیت اسے واپس مل جائیں تو گزشتہ دَور کی بھی زکوٰۃ لازم ہوگی اور اگر کسی شخص کے پاس مال کے مطابق قرض بھی ہو تو صحیح بات یہ ہے کہ اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی کیونکہ وہ حقیقت میں فقیر ہے۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ مال نصاب کی مقدار کے مطابق ہو کیونکہ تونگری کا یہی سبب ہے اس سے کم کی وجہ سے تونگری نہیں ہوتی۔ پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں جب پانچ ہوں تو ایک بکری زکوٰۃ کے طور پر دینا ہوگی۔ دس اونٹوں میں۔

سے دو بکریاں' پندرہ میں تین اور بیس میں چار بکریاں فرض ہیں۔ بکری کی عمر سال سے کم نہ ہونی چاہیے اور اگر بکرا ہو تو دو برس کا ہونا چاہیے۔ جب اونٹ پچیس ہوں تو یکسالہ اونٹنی زکوٰۃ کے طور پر فرض ہو گی۔ اونٹنی نہ ہو تو دو برس کا اونٹ ادا کرے۔ اونٹوں کی تعداد جب تک ۳۶ نہ ہو جائے زکوٰۃ کی یہی مقدار ہو گی۔ جب ۳۶ ہو جائیں تو دو سال کی عمر کی ایک اونٹنی ادا کرے۔ ۴۶ میں تین برس کی اونٹنی ۶۱ میں چار سالہ اونٹنی ۷۶ میں دو دو برس کی دو اونٹنیاں ۹۱ میں تین تین برس کی دو اونٹنیاں اور ۱۲۱ میں دو دو برس کی تین اونٹنیاں واجب ہیں۔ پھر اسی طرح حساب کر لے کہ ہر چالیس میں دو سالہ اور ہر پچاس میں تین سالہ اونٹنی ادا کرے۔

اور اگر گائے بیل ہوں تو تیس سے کم میں زکوٰۃ فرض نہیں۔ تیس کی صورت میں ایک سال کی عمر کا بچھڑا دینا ضروری ہے۔ ۴۰ میں دو سال کا اور ۶۰ میں ایک ایک برس کے دو بچھڑے ادا کرے۔ پھر ایسا حساب کرے کہ ہر تیس میں ایک سال کی عمر کا ایک اور ہر چالیس میں دو سال کی عمر کا ایک بچھڑا ادا کرے۔ اور بکری ہو تو ۴۰ میں ایک اور ایک سو اکیس میں دو' دو سو ایک میں تین اور چار سو میں سے چار ادا کرنا لازم ہے پھر اسی طرح ہر سو کے ساتھ ایک بکری دینی لازم ہے بکری ایک سال کی ہونی چاہیے اور بکرا دو سال کا ہونا چاہیے اگر دو آدمی اپنی بکریاں اکٹھی رکھتے ہیں اس شکل میں اگر دونوں پر زکوٰۃ فرض ہے یعنی ایک کافر یا مکاتب غلام نہیں تو دونوں کا حصہ ایک ہی مال کا حکم رکھتا ہے اگر دونوں کا حصہ ملا کر چالیس بکریوں سے زیادہ نہ ہو تو ہر ایک پر آدھی آدھی بکری واجب ہو گی اگر دونوں کی بکریوں کی مجموعی تعداد ایک سو بیس ہو تو اگر دونوں مل کر ایک بکری دے دیں تو کفایت کر جائے گی۔

دوسری قسم غلہ وغیرہ کی زکوٰۃ ہے جس کے پاس آٹھ من گیہوں یا جو یا کھجور یا کوئی اور ایسی چیز ہو جو کسی قوم کی غذا یا قوت کا باعث بن سکتی ہے اور جس پر لوگ اکتفا کر سکتے ہیں مثلاً مونگ' چنا' چاول وغیرہ تو اس میں عشر واجب ہے اور جو چیز ایسی نہ ہو جیسے روئی کتان وغیرہ یا میوہ جات تو ان میں عشر واجب نہیں اس لیے کہ زکوٰۃ فرض ہونے کے لیے ایک جنس ہونا ضروری ہے۔ اگر پانی ندی' نہر کاریز کے بجائے کنویں وغیرہ سے لیا گیا ہو اس سے سینچائی کی ہو تو بھی عشر واجب نہیں۔ زکوٰۃ میں انگور اور کھجور کے بجائے منقہ اور چھوہارہ دینا چاہیے ہاں اگر ایسا انگور ہو جو خشک ہو کر منقہ نہیں ہوتا تو پھر انگور ہی دے دے۔ جب تک انگور رنگ نہ پکڑے اور گندم جو کا دانہ سخت نہ ہو جائے تو ان میں اس وقت تک تصرف نہ کرے جب تک تخمینہ لگا کر فقراء کا حصہ علیحدہ نہ کر دے اور جب ان کا حصہ علیحدہ کر دیا تو پھر تصرف جائز ہے۔

تیسری قسم سونے چاندی کی زکوٰۃ ہے چاندی کے دو سو درہم میں پانچ درہم سال کے آخر میں دینا واجب ہے جب کہ خالص سونا اگر بیس دینار ہو تو اس میں نصف دینار ادا کرے اور سونا چاندی جس مقدار میں زیادہ ہو اسی حساب سے ان کی زکوٰۃ ادا کرے۔

اگر سونے چاندی کے برتن ہوں یا گھوڑے کا ساز ہو یا سونا چاندی تلوار میں لگا ہو یا ایسی چیز جو سونے چاندی کی جائز نہیں تو ان سب میں زکوٰۃ فرض ہو گی البتہ عورت کے زیورات یا ایسے زیورات جو مرد بھی رکھ سکتا ہے ان میں زکوٰۃ لازم نہیں اور جو سونا چاندی دوسرے لوگوں کے پاس حفاظت کے لیے رکھا ہو کہ جب چاہے ان سے لے لے تو ان میں

بھی زکوٰۃ واجب ہو گی۔[1]

چوتھی قسم تجارت کے مال میں زکوٰۃ کی ہے جب کوئی آدمی بیس دینار سرمایہ سے کوئی چیز خریدے اور نیت تجارت کی ہو اور اس پر ایک سال گزر جائے تو اسی سرمایہ کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور سال بھر میں جو نفع ہو گا وہ بھی حساب میں شمار ہو گا۔ ہر سال کے آخر میں مال کی قیمت کا حساب لگانا لازمی ہو گا۔ اگر تجارت کا سرمایہ سونے چاندی سے ہوا ہے تو اسی سے زکوٰۃ ادا کرے۔ اگر کسی کے پاس کوئی متاع ہو اور تجارت کی نیت سے اس کے بدلے میں کوئی چیز خریدے تو ابتدائے سال میں محض نیت سے زکوٰۃ واجب نہیں ہو گی لیکن اگر نقد سرمایہ ہو اور نصاب کے مطابق ہو تو مالک ہونے کے وقت ہی سے صاحب نصاب ہو جائے گا اور سال کے دوران اگر تجارت کا ارادہ ختم کر دیا تو زکوٰۃ بھی ساقط نہیں ہو گی واللہ اعلم۔

پانچویں قسم زکوٰۃ فطرانہ کی ہے جو مسلمان عید الفطر کی رات اپنے اور اپنے اہل و عیال کی ضروریاتِ زندگی سے زیادہ استطاعت و قوت رکھتا ہو تو اس پر فطرانہ واجب ہے اس کی ادائیگی میں یہ احتیاط چاہیے کہ جو جنس روز مرہ کی زندگی میں استعمال کرتا ہے اس میں سے فطرانہ ادا کرے۔ فطرانہ میں ایک صاع غلہ دینا واجب ہے صاع کی مقدار پونے تین سیر کے برابر ہے۔ اگر کوئی شخص گیہوں کھاتا ہو تو جو نہ دینے چاہئیں اور جو کھاتا ہو تو گندم نہ دے اور اگر ہر قسم کا غلہ اس کے استعمال میں آتا ہو تو ان میں سے جو بہتر ہو وہ دینا چاہیے اور گندم کے بدلے آٹا وغیرہ دینا مناسب نہیں یہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے جس شخص کا نان و نفقہ اس کے ذمہ واجب ہو تو اس کی طرف سے بھی صدقہ دینا واجب ہے جیسے بیوی' اولاد' ماں' باپ' غلام وغیرہ اور اگر غلام دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہے تو دونوں پر اس کا صدقہ لازم ہے ہاں اگر لونڈی غلام کافر ہے تو اس کا صدقہ نہیں۔ اگر بیوی اپنا صدقہ اپنی طرف سے خود ادا کرے تو اسے اجازت ہے اور اگر شوہر بیوی کی اجازت کے بغیر اس کی طرف سے ادا کر دے تو یہ بھی درست ہے۔ اس حد تک تو زکوٰۃ کے مسائل کا جاننا ضروری تھا۔ اس کے علاوہ اگر کوئی اور صورت پیدا ہو جائے تو علماء سے رجوع کرنا چاہیے۔

زکوٰۃ ادا کرنے کی کیفیت

زکوٰۃ ادا کرنے میں پانچ چیزوں کا خیال رکھنا چاہیے پہلی تو یہ کہ ادا کرتے وقت ادائیگی کی نیت کرے کہ میں فرض زکوٰۃ ادا کرتا ہوں اور اگر ادائیگی کے لیے وکیل مقرر کرے تو تقرر کے وقت نیت کر لے کہ فرض زکوٰۃ تقسیم کرنے کے لیے میں ایسا کر رہا ہوں یا پھر وکیل کو حکم کر دے کہ جب زکوٰۃ تقسیم کرنے لگو تو اس کی ادائیگی کی نیت کر لینا دوسرے یہ کہ جب سال گزر جائے تو زکوٰۃ کی ادائیگی میں جلدی کرے بلا عذر تاخیر نہ کرے۔ اسی طرح صدقۂ فطر کی ادائیگی

---

[1] اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ حضرت امام غزالی قدس سرۂ فقہی اعتبار سے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے پیروکار تھے۔ اُنھوں نے اپنے مسلک کے مطابق جو لکھا بلا کم و کاست اس کا ترجمہ کیا جا رہا ہے کیونکہ تقاضائے دیانت یہی ہے۔ تاہم برادرانِ احناف کو چاہیے کہ وہ مسائل میں اپنے علماء کی طرف رجوع کریں۔ جانوروں اور غلّہ وغیرہ کی زکوٰۃ کے جو احکام اوپر گزرے ہیں حنفی نقطہ نظر سے بہت مختلف ہے اس لیے احتیاط لازم ہے۔

میں عید سے تاخیر نہ کرنی چاہیے بلکہ رمضان میں دے دے تو بہتر ہے ہاں رمضان سے قبل دینا درست نہیں۔ عام مال کی زکوٰۃ میں سال بھر کی جلدی اور تقدیم بھی درست ہے۔ لیکن جس شخص کو زکوٰۃ دی ہو وہ اگر سال گزرنے سے قبل مر جائے یا مالدار ہو جائے یا خدانخواستہ کافر ہو جائے تو اسے دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنا ہو گی۔

تیسرے یہ کہ ہر جنس کی زکوٰۃ اسی جنس سے ادا کرنی چاہیے۔ سونا چاندی کے بدلے اور گیہوں' جو کے عوض کسی اور مال کی مقدار میں قیمت دینا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں مناسب نہیں چوتھے یہ کہ زکوٰۃ وہیں دینی چاہیے جہاں مال ہو اس لیے کہ وہاں کے محتاجوں کا زیادہ حق ہے اور انھیں اِس کی اُمید بھی رہتی ہے اگر کسی دوسرے شہر میں بھیجے گا تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی گو کہ ایسا کرنا بہتر نہیں۔ پانچویں یہ کہ جس قدر زکوٰۃ کا مال ہو اسے آٹھ طبقات میں تقسیم کرنا چاہیے اور ہر طبقہ کے تین تین افراد ہونے مناسب ہیں' ان سے کم نہ ہوں۔ اس طرح گویا چوبیس آدمی ہوئے اگر ایک درہم زکوٰۃ ہو تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے میں سب کو اس میں سے حصہ ملنا چاہیے۔ اس کے آٹھ حصے کر کے ہر حصہ تین تین آدمیوں میں تقسیم کرے یا اس سے زیادہ جیسا چاہے کرے اگر سب میں برابر نہ ہوں تب بھی درست ہے۔ ہمارے دَور میں تین طبقات نادر الوجود ہیں۔ غازی' مؤلفۃ القلوب اور عامل زکوٰۃ' مگر فقیر' مسکین' مکاتب' مسافر اور قرض دار مل جائیں گے تو چاہیے کہ پانچ طبقات کے پندرہ آدمیوں میں ضرور تقسیم کرے۔ یہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے ہے اور حضرت الامام کے مسلک میں یہ دو مسائل بہت مشکل ہیں ایک تو یہی مسئلہ دوسرا یہ کہ ہر چیز کی زکوٰۃ میں وہی چیز دے اس کے بدلے میں کوئی چیز نہ دے۔ امام شافعی کے اکثر پیروکار اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی پیروی کرتے ہیں اُمید ہے کہ وہ مجرم تصور نہیں کیے جائیں گے۔

آٹھ طبقات کا بیان

پہلا طبقہ فقراء کا ہے۔ فقیر وہ ہے جس کی ملکیت میں کوئی چیز نہ ہو اور نہ ہی وہ کوئی کمائی کر سکے۔ اگر کسی کے پاس ایک روز کا کھانا اور ضرورت کا لباس ہو تو وہ فقیر نہیں اور اگر نصف یوم کا کھانا اور ادھورا لباس ہے تو وہ شخص فقیر ہے اور اگر کسی کے پاس اوزار ہوں تو آدمی کمائی پر قادر ہے۔ اگر اوزار بھی نہیں تو اسے فقیر ہی کہا جائے گا۔ اگر طالب عِلم ہے اور کمائی کی شکل میں طلب عِلم سے محروم رہتا ہے تو وہ بھی فقیر ہے اور ایسے فقیر گاہ بگاہ ملتے ہیں مگر لڑکے کے لیے یہ تدبیر کرے کہ کوئی عیالدار فقیر تلاش کرے اور لڑکوں کے لیے اس عیال دار فقیر کو حصہ دے دے۔

دوسرا طبقہ مساکین کا ہے جس شخص کا واجبی خرچ آمدنی سے زیادہ ہو وہ مسکین ہے اگرچہ اس کے پاس مکان اور لباس موجود ہو جب سال بھر کے ضروری اخراجات کے مطابق اس کے پاس سرمایہ نہ ہو اور اس کی محدود آمدنی سال بھر کے لیے کافی نہ ہو تو اسے اتنی مقدار میں دینا کہ اس کا سال اطمینان سے گزر جائے' درست ہے۔ ایسے شخص کے پاس بستر' گھریلو برتن اور کتابیں موجود بھی ہوں تب بھی مسکین ہے۔ ہاں احتیاج سے زیادہ سامان رکھتا ہے تو پھر مسکین نہیں۔ تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو زکوٰۃ کی وصولی اور اس کی تقسیم کا کام سرانجام دیتے ہیں اس قسم کے افراد کو زکوٰۃ کے مال میں سے اجرت دینا صحیح ہے۔ چوتھی قسم مولفۃ القلوب کی ہے یعنی ایسے معزز و شریف مرد جو مسلمان ہو جائیں تو ان کی

مزید رغبت کے لیے انھیں زکوٰۃ دی جائے۔ پانچویں قسم مکاتب کی ہے یعنی وہ لونڈی غلام جو اپنے آپ کو خود مول لے لے اور اپنی قیمت دو یا زیادہ اقساط میں اپنے مالک کو ادا کرے۔ چھٹی قسم ان اشخاص کی ہے جو نیک مقاصد میں قرضدار ہو گئے ہوں۔ فقیر ہو یا امیر لیکن اس نے کسی مصلحت سے قرض لیا جس سے کوئی فتنہ سرد پڑا۔ ساتویں قسم غازیوں کی ہے جن کا روزینہ بیت المال سے مقرر نہ ہو وہ اگرچہ تونگر ہوں لیکن ضروری سفری سامان انھیں زکوٰۃ سے دینا چاہیے۔ آٹھویں قسم ان مسافروں کی ہے جو سفر میں ہوں لیکن ان کے پاس زادِ راہ نہ ہو یا وطن سے سفر کا ارادہ رکھتا ہو تو اس کی زادِ راہ اور کرایہ سے امداد کرنی چاہیے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ میں فقیر یا مسکین ہوں تو اگر اس کا جھوٹا ہونا معلوم ہو فبہا ورنہ اسے سچا تصور کرنا چاہیے۔ اگر غازی اور مسافر کسی وجہ سے جہاد اور سفر میں نہ جائیں تو ان سے روپیہ واپس لے لینا چاہیے اور باقی اقسام کے متعلق معتمد لوگوں سے دریافت کر کے زکوٰۃ دینی چاہیے۔

زکوٰۃ کے اَسرار کا بیان

جس طرح نماز کی ایک صورت اور ایک حقیقت ہے اور وہ حقیقت صورت کی روح ہوتی ہے اسی طرح زکوٰۃ کی بھی ایک صورت اور ایک رُوح ہے جو کوئی اس کی رُوح کو نہ پہچانے گا اس کی زکوٰۃ بھی بے رُوح ہو گی۔ زکوٰۃ میں تین راز ہیں:

پہلا یہ کہ بندوں کو اللہ تعالیٰ سے محبت کا حکم ہے اور کوئی مسلمان ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کا دعویٰ نہ رکھتا ہو بلکہ مسلمان اس بات کے مامور ہیں کہ کسی چیز کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ دوست اور عزیز نہ رکھیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ ــــــ الاية ﴾ (التوبه)

الغرض ایسا کون مسلمان ہے جو یہ دعویٰ نہ کرتا ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کو تمام چیزوں سے زیادہ محبوب رکھتا ہوں اور ہر ایک کا یہ خیال ہے کہ جو کچھ میں کہتا ہوں واقعہ میں بھی ایسا ہی ہے تو ہر دعویٰ کے لیے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ ہر کوئی خالی دعاوی میں مغرور نہ ہو۔ واضح بات ہے کہ مال بھی آدمی کو محبوب ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ انسان کو آزمایا اور فرمایا کہ اگر تو میری دوستی میں سچا ہے تو اپنی اس محبوب چیز کو مجھ پر فدا کر دے تاکہ میری دوستی میں تجھے اپنے درجہ اور صداقت کا علم ہو جائے جو لوگ اس راز کو سمجھ گئے اور معاملہ کی تہہ تک پہنچ گئے ان کے تین درجے ہیں:

پہلا درجہ صدیقین کا ہے کہ جو کچھ ان کے پاس ہوتا ہے سب قربان کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دو سو درہم میں سے پانچ درہم کا خرچ کرنا کیا؟ یہ تو کنجوسوں کا کام ہے ہم تو سب قربان کر دیں گے۔ جیسے حضرت امیرالمومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سارا مال لے آئے تو آپ نے پوچھا کہ اپنے اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑ کر آئے؟ حضرت صدیقؓ نے عرض کیا فقط اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑا ہے اور بعض نے نصف مال اللہ کی راہ دے دیا جس طرح امیرالمؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہ اُنھوں نے نصف مال لا کر ڈھیر کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ

بال بچوں کے لیے کیا چھوڑا؟ تو عرض کیا جتنا یہاں لایا ہوں اتنا ہی گھر میں چھوڑا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((بَیْنَکُمَا مَا بَیْنَ کَلِمیتکما تَفَاوتٌ))

"تم دونوں کے درجات میں بھی ایسا ہی تفاوت ہے جیسے تمھارے کام میں تفاوت و فرق ہے"۔

دوسرا درجہ صالح حضرات کا ہے جنھوں نے اپنا مال ایک بار تو خرچ نہ کیا کہ اس کی انھیں قدرت نہ تھی لیکن اسے محفوظ رکھا اور فقراء کی حاجات کے سلسلہ میں خیرات کی ممکنہ صورتوں کے منتظر رہے اور اپنے آپ کو بھی فقیروں جیسا رکھا اور فقط زکوٰۃ پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ جو محتاج اس کے پاس آیا اسے اپنے اہل و عیال کی طرح سمجھا اور اس کی ہر ممکن خدمت کی۔

تیسرا درجہ ان افراد کا ہے جو دو سو درہم میں سے پانچ درہم ہی خرچ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں اُنھوں نے محض فرض کی ادائیگی کا لحاظ رکھا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو خوشی سے قبول کیا اور اس کی ادائیگی کا جلدی اہتمام کیا اور زکوٰۃ دے کر فقیروں پر احسان نہیں جتلایا یہ آخری درجہ ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے دو سو درہم میں سے جو پانچ درہم بھی نہیں دے سکتا وہ بدنصیب اللہ کی دوستی سے محروم ہے اور جو پانچ درہم سے زیادہ نہیں دے سکتا اس کی دوستی بہت کمزور ہے اور وہ سب دوستوں میں بخیل ہے۔

دوسرا راز بخل کی نجاست سے اپنے دِل کو پاک کرنا ہے انسانی قلوب کے لیے بخل نجاست کی مانند ہے جس طرح ظاہری نجاست انسان کو نماز کی ادائیگی کے قابل نہیں چھوڑتی اسی طرح بخل کی نجاست دِل کو حضرت حق کے قرب کے قابل نہیں چھوڑتی۔ اور مال خرچ کیے بغیر آدمی کا دِل بخل کی نجاست سے پاک نہیں ہوتا اسی سبب سے زکوٰۃ بخل کی ناپاکی کو دِل سے دُور کرتی ہے اور زکوٰۃ اس پانی کی مانند ہے جو ظاہری نجاست کو دُور کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ اور صدقہ کا مال جناب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اہل و عیال پر حرام ہے اس لیے کہ ان کے پاکیزہ منصب کو لوگوں کے میل سے بچانا ضروری ہے۔

تیسرا راز شکر نعمت ہے اس لیے کہ مال دُنیا اور آخرت میں مسلمان کی راحت کے سبب ہے تو جس طرح نماز روزہ اور حج بدن کی نعمت کے شکر کے طور پر ادا کیے جاتے ہیں اسی طرح زکوٰۃ مال کی نعمت کا شکریہ ہے تاکہ آدمی اپنے آپ کو بے پروا ظاہر کر سکے اور دوسرے مسلمان بھائیوں کو جو اس کی مانند ہیں درماندہ و عاجز دیکھ کر یہ کہے کہ یہ بھی تو میری طرح خُدا کا بندہ ہے اللہ کا شکر کہ اُس نے مجھے اس سے مستغنی اور بے پروا کیا۔ اور اسے میرا محتاج بنایا تو مجھے اس کے ساتھ بہتر سلوک کرنا چاہیے ایسا نہ ہو کہ یہ آزمائش ہو اور اگر خاطرمدارت میں کوتاہی ہوئی تو ایسا نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ مجھے اُس جیسا اور اُسے مجھ جیسا بنا دے۔ ہر ایک پر لازم ہے کہ زکوٰۃ کے یہ اسرار سمجھے تاکہ اس کی عبادت بے رُوح نہ رہ جائے۔

زکوٰۃ کے آداب

جو شخص یہ خواہش رکھتا ہو کہ اس کی عبادت مُردہ اور بے رُوح نہ ہو اور ثواب دگنا ملے تو اسے چاہیے کہ ان

سات چیزوں کا التزام کرے۔ پہلی یہ کہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں تعجیل سے کام لے۔ واجب ہونے سے پہلے بھی سال میں کبھی کبھی دے دیا کرے۔ اس کے تین فائدے ہوں گے۔ ایک تو یہ کہ عبادت کے شوق کا اثر ظاہر ہو گا کیونکہ ایک چیز جب واجب ہو جاتی ہے تو اس کی ادائیگی لازم اور ضروری ہو جاتی ہے نہ دیں تو عذاب کا خطرہ ہے اس لیے اس پوزیشن میں کسی فرض کا بجالانے والا عذاب و سزا کے خوف سے بجالائے گا محبت اور دوستی کا شائبہ اس میں نہیں ہو گا اور وہ آدمی بہت بڑا ہے جو ڈر کی وجہ سے ایک کام تو کرے لیکن محبت اور دوستی کا لحاظ نہ کرے۔ دوسرا فائدہ یہ ہو گا کہ جلدی ادائیگی کی وجہ سے فقراء خوش ہوں گے اور خلوص دل کے ساتھ دُعا کریں گے کیونکہ انھیں اس موقع پر جو خوشی ہو گی وہ ناگہانی ہو گی اور فقراء کی دُعا اس کے حق میں بہت ساری آفتوں سے حصار بنے گی۔ تیسرا فائدہ یہ ہو گا کہ ایسا شخص دُنیا کی آفات سے بے فکر ہو جائے گا کیونکہ تاخیر میں ہزار آفتیں پنہاں ہیں ممکن ہے کوئی امر مانع ہو جائے اور آدمی اس خیر و نیکی سے محروم رہے۔ جب آدمی کے دِل میں امر خیر کی رغبت پیدا ہو تو اسے غنیمت جانے کیونکہ یہ صورت اللہ تعالیٰ کی نظر رحمت سے ہوتی ہے اس کے بعد شیطان کے حملہ کا خطرہ ہوتا ہے :

((فَاِنَّ قَلْبَ الْمُؤْمِنِ بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ))

روایت ہے کہ ایک بزرگ کو بیت الخلاء میں خیال آیا کہ اپنا پیرہن کسی فقیر کو دے دوں فوراً مُرید کو بلا کر پیرہن اسے دے دیا اور اسے اپنے ارادہ سے آگاہ کر دیا۔ مُرید نے جب پوچھا کہ اتنی دیر صبر ہی کر لیا ہوتا تو فرمایا کہ میں نے سوچا کہ مبادا دِل میں کوئی خیال آ جائے اور اس اَمرِ خیر سے محروم ہو جاؤں دوسری بات یہ کہ اگر ایک ہی بار زکوٰۃ دینی ہو تو محرم کے مہینہ میں ادا کرے کیونکہ یہ مبارک مہینہ ہے اور سال کی ابتدا ہے یا پھر رمضان المبارک میں دے کیونکہ ادائیگی کا وقت جتنا محترم ہو گا اتنا ہی ثواب زیادہ ملے گا۔ جناب رسول اللہ ﷺ تمام مخلوق سے زیادہ سخی تھے جو کچھ آپؐ کے پاس ہوتا اللہ کے لیے دے دیتے اور رمضان شریف میں تو کوئی چیز پاس نہ رکھتے بلکہ سب راہِ خُدا میں دے دیتے۔

تیسری بات یہ ہے کہ زکوٰۃ پوشیدہ طریق سے دے اس کا اظہار مناسب نہیں تاکہ ریا سے دُور رہے اور اخلاص کا ثواب حاصل کرے۔ حدیث میں ہے کہ پوشیدہ طریقہ سے صدقہ دینا اللہ تعالیٰ کے غُصّہ کو ٹھنڈا کرنے کا باعث ہے اور حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن سات آدمی عرشِ الٰہی کے سایہ تلے ہوں گے' عادل بادشاہ اور دائیں ہاتھ سے اس طرح صدقہ کرنے والا کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو۔[1]

تم نے دیکھا کہ مخفی طور پر صدقہ دینے والا قیامت کے دن عادل بادشاہ کے ساتھ ہو گا۔ حدیث میں بھی آتا ہے کہ جو صدقہ ظاہری طور پر ادا کیا جاتا ہے اسے ظاہری اعمال میں اور جو پوشیدہ دیا جاتا ہے اسے باطنی اعمال میں لکھا جاتا ہے اور جو صدقہ دے کر اس کی تشہیر کرے تو وہ دونوں قسم کی دستاویزات سے مٹا دیا جاتا ہے اور اسے ریا کی دستاویز میں لکھا جاتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ پہلے بزرگ صدقہ کو چھپا کر ادا کرنے میں اتنے مبالغہ سے کام لیتے کہ کوئی تو اندھے فقیر کو تلاش کر

---

[1] ضرورۃً حدیث کا اتنا حصہ حدیث الامام نے نقل کر دیا ہے باقی پانچ آدمی چھوڑ دیئے۔ حدیث کی کتابوں میں تفصیل موجود ہے۔

کے خاموشی سے اس کے ہاتھ میں پکڑا دیتے اور زبان سے قطعاً نہ بولے تاکہ وہ یہ بھی نہ جانے کہ کس نے دیا ہے اور کوئی فقراء کی گزرگاہ پر پھینک دیتا اور کوئی کسی اور ذریعہ کو اختیار کرتا حتیٰ کہ بعض تو سوئے ہوئے فقیر کے کپڑوں میں اس طرح باندھ دیتے کہ اسے خبر تک نہ ہوتی یہ سب باتیں اس لیے اختیار کی جاتیں تاکہ فقیر کو بھی معلوم نہ ہو جبکہ دوسرے لوگوں سے چھپانا تو لازم سمجھتے وجہ یہ ہے کہ اگر آدمی علانیہ صدقہ دے تو دِل میں ریا پیدا ہوتی ہے اگر بخل کا ازالہ ہوتا ہے تو ریا کا اثر زیادہ ہوتا ہے کیونکہ بخل ہو یا ریا یہ سب صفات مہلک ہیں بخل تو بچھو کی مانند ہے اور ریا سانپ کی مانند۔ جو بچھو سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ جب کوئی شخص سانپ کو بچھو کھلاتا ہے تو اس کی قوت میں اور اضافہ ہوتا ہے۔ اس طرح ایک مہلک سے تو بچ جاتا ہے لیکن دوسرے مہلک سے جو قوت میں پہلے سے زیادہ ہے اس کا واسطہ پڑ جاتا ہے۔ ان صفاتِ خبیثہ کے جو اثرات دِل پر ہوں گے وہ قبر میں انھیں جانوروں کی مانند ہوں گے۔ جیسا کہ مسلمانی کے بیان میں ہم ذکر کر چکے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ علانیہ صدقہ کی ادائیگی کا نقصان نفع سے زیادہ ہے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ اگر ریا سے اپنے آپ کو بالکل پاک کر چکا ہو اور اس کا بالکل اندیشہ نہ ہو اور یہ خیال کرے کہ میرے علانیہ صدقہ دینے سے لوگوں کو رغبت ہوگی اور لوگ میری اتباع کریں گے تو ایسے شخص کے لیے علانیہ صدقہ دینا بہتر ہے لیکن ایسا آدمی وہ ہوتا ہے جس کے نزدیک تعریف اور مذمت کی حیثیت یکساں ہو اور تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ کے جاننے پر اکتفا کرتا ہو۔ پانچویں بات یہ ہے کہ احسان جتلانا اور لوگوں کو بتلانا اس سے صدقہ ضائع ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ لَا تُبْطِلُوْا صَدَقَاتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ﴾ (البقرہ)

اذی کا معنی ہے فقراء کو آزردہ خاطر کرنا۔ اس کی صورت یہ ہے کہ اس سے ترش روئی سے پیش آئے یا ناک مُنہ چڑھائے یا اسے سخت کلمات کہے یا محتاج سمجھ کر اور سوال کرنے کی وجہ سے اسے ذلیل سمجھے اور حقارت کی نظر سے دیکھے یہ باتیں جہالت اور حماقت کی وجہ سے ہوتی ہیں یا تو مال کا دینا ناگوار معلوم ہوتا ہے تو آدمی سٹپٹا کر سخت کلامی کرتا ہے اور ظاہر ہے کہ ایک درم کے بدلہ ہزار درم لینے کو ناگوار سمجھنے والا جاہل اور نادان ہی ہے اس لیے کہ اگر زکوٰۃ ادا کرے گا تو جنت اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرے گا اور اپنے آپ کو جہنم سے بچائے گا۔ اگر اس کا ان باتوں پر ایمان ہو زکوٰۃ کی ادائیگی کیوں ناگوار معلوم ہوگی اور حماقت یہ ہے کہ تونگری کے پیش نظر آدمی اپنے آپ کو فقراء سے بہتر سمجھے حالانکہ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ جو اس کے مقابلہ میں پانچ سو برس پہلے جائے گا حقیقت میں وہ افضل ہے اور اس کا درجہ بہت اعلیٰ ہے اور اللہ کے نزدیک فخر اور بزرگی کا باعث فقر ہے تونگری نہیں۔ دُنیا میں فقر کے اشرف ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو دُنیا اور دُنیا کے مال میں مشغول نہیں کیا اور ان کے رنج و ملال میں اس کو مبتلا و معروف کر دیا ہے حالانکہ متمول آدمی کو دُنیا سے وہی نصیب ہوتا ہے جو ضرورت ہے (باقی تو دوسروں کا حق ہے) اور اس پر لازم کر دیا گیا ہے کہ ضرورت کے مطابق فقراء کو دے تو حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے امیر کو فقیر کا بیگاری بنایا ہے رہ گئی آخرت تو اس میں وہ امیر سے پانچ سو برس پہلے جنت میں جائے گا اور امیر اتنی دیر منتظر رہے گا۔

چھٹی بات یہ ہے کہ جس کو دیا ہے اس پر احسان نہ رکھے' احسان کا باعث جہالت ہوتی ہے۔ احسان کی صورت یہ

ہے کہ آدمی یہ سمجھے کہ میں نے فقیر کے ساتھ اپنی ملکیت سے نیکی کی ہے اور اسے دولت سے نوازا ہے اس لیے اسے میرا محتاج اور زیردست رہنا چاہیے ایسا سمجھنے والا اس بات کا اُمیدوار رہتا ہے کہ فقیر میری زیادہ خدمت کرے اور میرے کاموں میں مستعد رہے سلام میں مجھے پہل کرے اور میری زیادہ عزت کرے اور اگر وہ فقیر اس کے حق میں کوئی کوتاہی کرے تو تعجب محسوس کرے حتیٰ کہ یہ کہنا کہ میں نے اس کے ساتھ نیکی کی یہ سب جہالت اور نادانی کی باتیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نیکی تو فقیر نے کی اور احسان تو اس کا ہے جس نے صدقہ قبول کر کے جہنم سے اس کی خلاصی کا سامان کیا اور اس کے دِل کی بخل کی نجاست و آلودگی سے پاک کیا[1] اسی طرح زکوٰۃ کے مال کی موجودگی تو اس کے لیے ہلاکت و نجاست کا باعث تھی۔ بے چارے فقیر کی وجہ سے تو اسے طہارت حاصل ہوئی اور نجات ملی۔ اس لیے صاحب دولت کو اس کا احسان مند ہونا چاہیے نہ کہ اس کو احسان جتلانا چاہیے۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ صدقہ پہلے تو اللہ تعالیٰ کے دست رحمت میں جاتا ہے پھر فقیر کے ہاتھ میں! تو جب حقیقت یہ ہے اور فقیر محض نائب ہے تو اس لیے بھی فقیر کا احسان مند ہونا چاہیے۔

آدمی اگر زکوٰۃ سے متعلق ان رازہائے سربستہ کو معلوم کر لے گا تو وہ سمجھ جائے گا کہ احسان جتلانا نادانی کی بات ہے۔ بزرگانِ سلف رحمۃ اللہ علیہم نے احسان سے پرہیز کے معاملہ میں حد درجہ مبالغہ سے کام لیا اور فقراء کے سامنے عاجزی و فروتنی کا مظاہرہ کیا اور ان سے عرض و فریاد کی کہ اس مال کو قبول کر لیا جائے اور نذر کی طرح فقراء کے سامنے ہاتھ بڑھائے تاکہ وہ پیسے اٹھالیں اور ان کے ہاتھ ہمارے ہاتھ کے نیچے نہ آنے پائیں۔

((اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى))

جب ید علیا بہتر ہے تو پھر احسان جتلانا کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ و حضرت ام سلمہ سلام اللہ علیہما و رضوانہ جب کسی فقیر کے پاس کوئی چیز بھیجتیں تو لے جانے والے سے فرماتیں کہ فقیر جو دُعا دے اس کو یاد رکھنا تاکہ اس کے بدلے ہم بھی اس کے لیے دُعا کر سکیں اور صدقہ اپنی جگہ رہے کیونکہ فقیر سے دُعا کی لالچ بھی مناسب نہیں کیونکہ دُعا تو اس لیے ہوتی ہے کہ دینے والے نے احسان کیا جبکہ حقیقت میں محسن فقیر ہے کہ اُس نے اِس خدمت کو قبول کیا۔ ساتویں بات یہ ہے کہ اپنے مال میں سے اللہ کی راہ میں وہ چیز دے جو اچھا' بہتر اور حلال ہو کیونکہ جو مال مشتبہ ہو وہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ نہیں بن سکتا۔ اللہ خود پاک ہے اور وہ پاک چیز ہی کو قبول کرتا ہے۔

ارشادِ ربّانی ہے:

﴿ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ﴾ (البقرہ)

جو شخص اپنے گھر کی چیزوں سے بدتر چیز مہمان کے سامنے رکھے وہ مہمان کی حقارت کا باعث بنتا ہے تو پھر یہ کیسے صحیح ہو گا کہ بدتر چیز اللہ کی راہ میں دے اور اچھی چیزیں اپنے لیے رکھ چھوڑے بُری چیز دینے کا مطلب تو یہ ہے کہ دینے والا

---

1. اگر کوئی حجام اس امیر کو مفت پچھنے لگائے تو اُسے اِس کا ممنون ہونا چاہیے کہ جو خون باعث ہلاکت تھا وہ اُس نے نکال دیا۔

کراہت سے دیتا ہے حالانکہ صدقہ خوش دلی سے دینا چاہیے اور خوش دلی سے نہ دیا جائے تو اس کے قبول نہ ہونے کا خوف ہوتا ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ایک درہم ہزار درہم پر سبقت لے جائے اس سے مُراد وہی درہم ہے جو خوش دلی سے ادا کیا جائے۔

فقراء کی تلاش

اگرچہ ہر مُسلمان فقیر کو زکوٰۃ دینے سے فرض ادا ہو جاتا ہے لیکن جو شخص آخرت کی تجارت کرتا ہے اسے محنت سے دستبردار نہیں ہونا چاہیے اور جب صحیح جگہ پر خرچ ہو گی تو اس کا ثواب بھی دوگنا ہو گا۔ اس لیے زکوٰۃ دینے والے کو چاہیے کہ ایسا آدمی تلاش کرے جس میں ان پانچ صفات میں سے کوئی ایک صفت ہو۔

پہلی صفت تو یہ ہے کہ وہ متقی پرہیز گار ہو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ((اَطْعِمُوْا طَعَامَکُمُ الْاَتْقِیَاءَ)) اس کا سبب یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو جو کچھ ملتا ہے وہ اس کو اللہ تعالیٰ کی عبادت و بندگی میں معین و مددگار سمجھتے ہیں اور اس طرح دینے والا ثواب میں شریک ہو جاتا ہے کیونکہ دینے والا اس عابد کی عبادت میں مددگار ہوتا ہے۔ ایک حکایت نقل کی ہے کہ ایک امیر ہمیشہ صوفیاء کو ہی صدقہ دیتا تھا اس کا کہنا یہ تھا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی چیز کا قصد و ارادہ نہیں کرتے اگر اُن کی ضرورت و احتیاج ہوتی ہے تو ان کا دھیان بٹ جاتا ہے اور میں ایسے ایک صاحب دِل کو بارگاہِ قدس کی طرف متوجہ کرنے کا باعث بن جاؤں تو یہ ایسے دِلوں کے ساتھ رعایت برتنے سے بہتر ہے۔ یہ صورت جب خواجہ جنید قدس سرہٗ کے سامنے آئی تو آپ نے فرمایا کہ وہ شخص اللہ تعالیٰ کے دوستوں میں سے ہے۔ یہ شخص سبزی بیچتا تھا حتیٰ کہ مفلس ہو گیا کیونکہ فقراء اس سے مال لیتے لیکن رقم ادا نہ کرتے۔ پھر حضرت خواجہ جنید قدس سرہٗ نے دکان کے لیے اسے کچھ سرمایہ دیا اور فرمایا کہ تیرے جیسے آدمی کو تجارت میں کبھی نقصان نہیں ہو گا۔ دوسری صفت یہ ہے کہ زکوٰۃ لینے والا طالبِ عِلم ہو کیونکہ اسے زکوٰۃ دیں گے تو یکسوئی کے ساتھ عِلم حاصل کر سکے گا اور دینے والا اس کے ثواب میں شریک ہو گا۔ تیسری صفت یہ ہے کہ ایسا شخص ہو جو اپنے فقر و احتیاج کو چھپائے رکھے اور زندگی شان و شوکت سے بسر کرتا ہو فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِیَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ﴾ (البقرہ)

یہی لوگ ہیں جنھوں نے اپنے اخلاص کو صبر و تحمل اور شوکت سے چھپایا ہوا ہے تو ایسے لوگوں کو چھوڑ کر پیشہ ور بھکاری کو نہ دے چوتھی صفت یہ ہے کہ وہ شخص عیال دار یا بیمار ہو اس واسطے کہ جو جتنا زیادہ حاجت مند ہو گا اس کی خدمت سے اتنا ہی ثواب ملے گا۔ پانچویں صفت یہ ہے کہ اہل قرابت میں سے ہو کیونکہ اس کو دینا دوگنا ثواب کا باعث ہے۔ خیرات کی ادائیگی اور حق قرابت کا لحاظ جو شخص اللہ کی مُحبت کی وجہ سے کسی سے تعلق رکھے تو وہ بھی قرابت داروں کے مرتبہ میں ہے جس شخص میں یہ تمام صفات یا اکثر پائی جائیں وہ زیادہ بہتر ہے جب ایسے لوگوں کو مال دے گا تو ان کی دُعا اور ہِمت دینے والے کے حق میں حصار ہو گی یہ نفع اس نفعہ کے علاوہ ہے کہ اپنے دِل سے بخل کو دُور کیا، نعمت خُداوندی کا شکر بجا لایا۔ زکوٰۃ دینے والے کو چاہیے کہ سادات کو زکوٰۃ نہ دے کیونکہ یہ لوگوں کے مال کا میل ہے اور

کافروں کو بھی نہ دے کیونکہ یہ مال کافروں کو دینا افسوسناک ہے کہ یہ مسلمانوں کا حق ہے۔

زکوٰۃ لینے والے کے آداب

اِس کو پانچ چیزوں کی رعایت کرنی ضروری اور لازمی ہے ایک تو یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے کچھ بندوں کو محتاج پیدا کیا ہے اور بعض بندوں کو کثرت سے مال عنایت کیا تو اس نے جس پر بہت مہربانی فرمائی اسے دُنیا اور اس کے بکھیڑوں سے محفوظ رکھا اور دُنیا کے حاصل کرنے کا بوجھ اور مال کی نگہبانی کا رنج اور وبال امراء پر ڈال دیا اور انھیں حکم دے دیا کہ ہمارے معزز و ممتاز بندوں کی بقدرِ ضرورت خدمت کریں تاکہ وہ لوگ دُنیا کے بوجھ سے نجات پا کر دلجمعی سے عبادت کریں اور جب حاجت و ضرورت کے سبب پراگندہ خاطر ہوں تو امراء کے ہاتھ سے بقدر ضرورت انھیں پہنچ جایا کرے تاکہ ان کی دُعا امراء کے اعمال کا کفارہ ہو جائے تو فقراء جو کچھ لیتے ہیں انھیں اس نقطۂ نظر سے لینا چاہیے کہ اپنی ضرورتوں میں خرچ کریں تاکہ عبادت میں فراغت و یکسوئی نصیب ہو اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کی قدر معلوم ہو کہ امراء اس کے بیگاری ہیں تاکہ وہ اپنا ذوقِ عبادت پورا پورا کر سکے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ دُنیا کے بادشاہ اپنے مخصوص غلاموں کے متعلق خواہش رکھتے ہیں کہ ہماری غلامی اور خدمت سے غیر حاضر نہ ہوں۔ اس قسم کے لوگوں کو دُنیا کمانے کے لیے رخصت نہیں دیتے اور جو دہقان اور بازاری لوگ ہوتے ہیں' جو خدمت کے لائق نہیں ہوتے وہ ان مخصوص افراد کے لیے خدمت و بیگاری کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں اور ان سے محصول اور خراج لے کر مخصوص افراد کا یومیہ مقرر کرتے ہیں تو جس طرح بادشاہ مخصوص افراد سے خدمت لیتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارادہ تو یہ ہے کہ ساری مخلوق اس کی بندگی کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ ﴾ (الذاریات)

تو فقراء کو چاہیے کہ اس نیت سے لیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دینے والا لینے والے پر فضیلت نہیں رکھتا بشرطیکہ جو کچھ لے اسی نیت سے لے کہ عبادت میں فراغت نصیب ہو۔ دوسرے یہ کہ جو کچھ لیتا ہے یہ سمجھے کہ حق تعالیٰ سے لے رہا ہے اور امراء کو اللہ کے حکم کا مسخر سمجھے اور جانے اس واسطے کہ ایک موکل کو اس کے ساتھ لازم کر دیا ہے وہ اسے دے اور اس کا موکل ایمان ہے۔ اس سبب سے کہ اس کی نجات اور سعادت صدقہ و خیرات سے وابستہ ہے۔ اگر یہ موکل نہ ہوتا تو امراء ایک حبہ بھی کسی کو نہ دیتے۔ تو حقیقت میں فقراء پر اس کا احسان ہے جس نے امراء کے ساتھ ایک موکل لگا دیا تو جب لینے والا یہ سمجھے کہ امیر کا ہاتھ تو محض واسطہ ہے تو اسے اس واسطہ کا بھی شکر ادا کرنا چاہیے۔ حدیث میں ہے : ((مَنْ لَّم يَشكر الناس لم يَشكر اللّٰه)) اور اس کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں اور ان کے کاموں کا خالق ہے مگر یہ بندہ نوازی ہے کہ ان کی تعریف فرماتا ہے اور ان کا شکر بجالاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا : ﴿ نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗ اَوَّابٌ ﴾ (ص) مزید فرمایا : ﴿ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴾ (مریم)

اور اللہ تعالیٰ جسے واسطۂ خیر بناتا ہے اسے معزز بنا دیتا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((طُوْبٰى لِمَنْ خلقته للخير ويسرت الخير علىٰ يديه))

تو جن کو اللہ تعالیٰ نے معزز و مکرم کیا ان کی قدر پہچاننا ضروری ہے اور یہی معنی ہیں شکر کے! اور فقراء کو چاہیے کہ دینے والے کے حق میں یہ دُعا کریں:

طَهَّرَ اللّٰهُ قَلْبَكَ فِيْ قُلُوْبِ الْاَبْرَارِ وَزَكّٰى عَمَلَكَ فِي عَمَلِ الْاَخْيَارِ وَصَلّٰى عَلٰى رُوْحِكَ فِي رُوْحِ الشُّهَدَاء

اور حدیث میں ہے کہ جو کوئی تمہارے ساتھ بھلائی کرے اسے اچھا بدلہ دو اور اگر ایسا نہ ہو سکے تو اس کے حق میں اتنی دُعا کرو کہ تمہارا دِل گواہی دے کہ اس کی بھلائی کا بدلہ اسے مل گیا اور جس طرح دینے والے کے لیے یہ بات لازم ہے کہ جو دے اسے حقیر جانے اگرچہ وہ کتنا ہی ہو اسی طرح لینے والے پر لازم ہے کہ صدقہ کا عیب پوشیدہ رکھے اور تھوڑی چیز کو تھوڑا نہ جانے اور حقیر نہ سمجھے۔ تیسرے یہ کہ جو مال حلال نہ ہو وہ قبول نہ کرے۔ ظالم اور سود خوار سے کوئی چیز قبول نہ کرے۔ چوتھے یہ کہ جتنی احتیاج ہو اتنا ہی لے۔ اگر سفر کی ضرورت سے لے تو کرایہ اور زادِ راہ کی مقدار سے زیادہ نہ لے اگر ادائے قرض کے لیے لیتا ہے تو اسی مقدار میں لے اگر اہل و عیال کی کفالت کے لیے دس درہم کافی ہوں تو گیارھواں نہ لے کیونکہ وہ ایک درہم جو ضرورت سے زیادہ ہے اس کا لینا حرام ہے اور اگر گھر میں کوئی اسباب یا کپڑا ضرورت سے زیادہ موجود ہو تو پھر زکوٰۃ لینی مناسب نہیں۔

پانچویں یہ کہ اگر زکوٰۃ دینے والا عالم نہ ہو تو اس سے پوچھے کہ یہ جو تم دے رہے ہو مساکین کا حصہ ہے یا مثلاً قرض دار کا۔ اگر تو لینے والا اسی صفت کا مالک ہے جس صفت والے کا وہ حصہ دیا جاتا ہے اور دینے والا زکوٰۃ کے آٹھویں حصہ میں سے دیتا ہے تو پھر نہ لینا چاہیے۔ اس لیے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں سارا مال ایک آدمی کو نہ دینا چاہیے۔

فضائل: جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ صدقہ ضرور دو اگرچہ آدھی کھجور ہو اگر یہ بھی ممکن نہیں تو محبت بھری گفتگو ہی سہی! کہ یہ بھی ایک قسم کا صدقہ ہے اور فرمایا کہ جو مُسلمان اپنے حلال مال سے صدقہ ادا کرتا ہے اس کی اللہ تعالیٰ اپنے دست شفقت و رحمت سے اس طرح تربیت فرماتے ہیں جیسے تم اپنے چارپایوں کی پرورش کرتے ہو۔ یہاں تک کہ چند دانے کھجور کوہِ اُحد کے برابر ہو جاتے ہیں۔ اور ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ہر شخص اپنے صدقہ کے سایہ میں ہو گا۔ یہاں تک کہ مخلوق کے حساب کا حکم ہو۔ مزید ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ شر کے ستر دروازے صدقہ کی وجہ سے بند ہو جاتے ہیں۔ لوگوں نے جب پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ کونسا صدقہ افضل ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا جو تندرستی کی حالت میں دیا جائے جب زندگی کی اُمید اور افلاس کا ڈر نہ ہو ایسا نہ ہو کہ آدمی منتظر رہے یہاں تک کہ جب حلقوم میں جان آ جائے تو پھر مختلف لوگوں کے لیے مختلف چیزوں کی وصیت کرنے لگے کیونکہ اب یہ کہے یا نہ کہے وہ چیزیں فلاں اور فلاں کو مل ہی جائیں گی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جس شخص کے دروازے سے سائل محروم چلا جائے اس کے گھر میں سات دن تک رحمت کے فرشتے نظر نہیں آتے۔ جناب رسول اللہ ﷺ دو کام ہر حال میں اپنے ہی ہاتھ سے کرتے فقیر کو صدقہ اپنے ہاتھ سے دیتے اور رات کے وضو کے لیے پانی کا اہتمام خود فرماتے۔ اور فرمایا کہ جو شخص کسی کو کپڑا پہنائے تو جب تک وہ کپڑا اس کے بدن پر رہے گا دینے والے کی اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائیں گے۔ حضرت اُم المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا

نے پچاس ہزار درہم صدقہ کے طور پر دے دیئے جبکہ ان کے اپنے پیرہن میں پیوند لگے ہوئے تھے۔ اپنے لیے نیا پیرہن تک نہ سلوایا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے ستر برس تک عبادت کی اس سے ایک اتنا بڑا گناہ سرزد ہوا کہ وہ سب عبادت رائیگاں چلی گئی یہاں تک کہ وہ ایک فقیر کے پاس سے گزرا اور اسے ایک روٹی بطور صدقہ دی تو اللہ ربّ العزت نے اُس کا گناہ معاف فرما کر سابقہ عبادت کا ثواب اُس کے نامۂ عمل میں لوٹا دیا۔

لقمان حکیم علیہ السلام نے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ جب گناہ سرزد ہو جائے تو صدقہ دو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ صدقہ کے طور پر شکر بہت دیتے اور فرماتے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :

﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾

اور چونکہ مجھے شکر بہت محبوب ہے اس لیے میں اس کا صدقہ بہت دیتا ہوں حضرت امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صدقہ دینے والا اپنے آپ کو فقیر کی ضرورت کے مقابلہ میں ثواب کا جب تک زیادہ محتاج نہ سمجھے اُس کا صدقہ قبول نہیں ہوتا۔ اور حضرت اِمام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بردہ فروش کے پاس خوبصورت لونڈی دیکھی تو پوچھا کہ دو درہم میں بیچو گے؟ اُس نے انکار کیا تو فرمایا میاں اللہ تعالیٰ تو اِس لونڈی سے زیادہ خوبصورت باندی (حور عین) بیچتا ہے یعنی صدقہ کے بدلہ عنایت فرماتا ہے اور تیرا یہ حال ہے!

فصل ۶ —— روزہ کا بیان

روزہ ارکانِ اسلام میں سے ایک رُکن ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حضرتِ حق فرماتے ہیں کہ ہر نیکی کا بدلہ دس سے سات سو گنا تک عطا فرماتا ہوں مگر روزہ خالص میرے لیے ہے اور اس کی جزا میں خود دیتا ہوں اور فرمایا :

﴿ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ (الزمر)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ صبر آدھا ایمان اور روزہ آدھا صبر ہے اور فرمایا کہ روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک کی خوشبو سے بہتر ہے۔ حضرتِ حق فرماتے ہیں کہ میرے بندہ نے کھانا پینا اور جماع میرے واسطے ترک کر دیا میں ہی اسے اس کی جزا دے سکتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزہ دار کا سونا عبادت ہے اور سانس لینا تسبیح اور دُعا قبولیت و اجابت کا باعث ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب رمضان کا مہینہ آتا ہے جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں اور ایک آواز دینے والا آواز دیتا ہے کہ خیر کے چاہنے والے جلدی کر کیونکہ یہی وقت ہے اور شر کے چاہنے والے اب تو رک جا۔ روزہ کی بڑی فضیلت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت اپنی طرف فرمائی اور فرمایا :

﴿ اَلصَّوْمُ لِيْ وَاَنَا اَجْزِيْ بِهٖ ﴾

اگرچہ تمام عبادتیں اسی معبودِ برحق کے لیے ہیں لیکن یہ تخصیص ایسی ہے جیسے تمام مساجد کے مقابلہ میں کعبہ کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف کی۔ روزہ کی دو خاصیتیں ہیں جن کی وجہ سے یہ عمل جناب صمدیت کی طرف منسوب ہونے کے لائق ہوا ایک تو یہ کہ اس کی حقیقت شہوات کا ترک ہے اور یہ باطنی معاملہ ہے لوگوں کی نظر سے پوشیدہ اور

ریا سے خالی ہے دوسری خاصیت یہ ہے کہ شیطان اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے اور شہوات حقیقت میں ابلیس کا لشکر ہے اور روزہ اس کے لشکر کو شکست دیتا ہے۔ اس واسطے کہ روزہ کی حقیقت ہی شہوات کا ترک ہے اسی واسطے جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا کہ شیطان انسان کی رگوں میں اس طرح دوڑتا ہے جیسے اسکے بدن میں خون۔ اس کی راہ بھوک سے تنگ کرو اور یہ بھی آپ نے فرمایا اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ۔

حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جنت کا دروازہ کھٹکھٹایا کرو۔ لوگوں نے پوچھا کس چیز سے؟ فرمایا بھوک سے! اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ روزہ عبادت کا دروازہ ہے۔ یہ تمام فضائل اس وجہ سے ہیں کہ خواہشات تمام عبادتوں کے لیے مانع ہیں اور سیری خواہشات کے لیے معین و مددگار ہے جب کہ بھوک خواہشات کا قلع قمع کر دیتی ہے۔

روزہ کے فرائض

روزہ میں دس چیزیں فرض ہیں۔ پہلا یہ کہ رمضان کا چاند تلاش کرے کہ انتیس کا ہے یا تیس کا ایک عادل گواہ پر اعتماد کرنا درست ہے جب کہ عید کے چاند کے لیے کم از دو گواہ ضروری ہیں۔ جو شخص کسی معتمد اور سچے آدمی سے رمضان کے چاند کا نکلنا سن لے اس پر روزہ فرض ہو جاتا ہے گو قاضی اس کے قول کو تسلیم نہ کرے اور فیصلہ نہ دے اگر کسی ایسے شہر میں چاند دیکھا گیا جس سے کوئی بستی سولہ کوس دُور ہو تو اس بستی والوں پر روزہ فرض نہیں ہو گا اور اگر اس سے کم فاصلہ ہے تو پھر فرض ہو گا۔

دوسرا فرض نیت ہے چاہیے یہ کہ ہر شب نیت کر لیا کرے اور اس بات کو یاد رکھے کہ یہ رمضان کا روزہ ہے اور فرض ہے اور جو مُسلمان اس بات کو یاد رکھے گا اس کا دِل ظاہر ہے نیت سے خالی نہیں ہو گا اگر شک کی رات اس طرح نیت کی کہ اگر کل رمضان ہو گیا تو میں روزہ رکھوں گا تو یہ نیت درست نہیں اگرچہ رمضان کا چاند ہو ہی جائے اور اگر کسی معتمد آدمی کی بات کی وجہ سے شک دُور ہو جائے تو پھر صحیح ہے البتہ رمضان کی آخری رات اس قسم کی نیت صحیح ہے اگرچہ شک کی ہی کیفیت ہو اس واسطے کہ ابھی رمضان کے باقی ہونے کا احتمال ہے اور جب کوئی شخص اندھیری جگہ میں مقید ہو تو سوچ کر تجویز کر لے اور اسی اعتماد پر نیت کرے تو یہ درست ہے۔ اور اگر کسی شخص نے رات کو نیت کر لی اور پھر کچھ کھا بھی لیا تو اس سے نیت پر کوئی اثر نہیں ہو گا اور نیت برقرار رہے گی بلکہ عورت اگر یوں سمجھے کہ حیض بند ہو جائے گا اور اس نے نیت کر لی اور حیض واقعی بند ہو گیا تو روزہ درست ہو گا۔

تیسرا فرض یہ ہے کہ باہر سے کوئی چیز جان بوجھ کر اندر داخل نہ کرے۔ فصد کھلوانا' پچھنے لگانا' سرمہ لگانا' کان کو سلائی سے صاف کرنا' ذکر کے سوراخ میں کسی مجبوری سے روئی رکھنا یہ ایسے اعمال ہیں جن سے روزہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ اس لیے کہ باطن سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کے ٹھہرنے کی جگہ ہو جیسے دماغ' پیٹ' معدہ' مثانہ اور اگر بلا ارادہ کوئی چیز اندر چلی گئی جیسے مکھی' غبار یا کلی کرتے ہوئے پانی تو بھی روزہ کو نقصان نہیں ہوتا ہاں جس نے کلی میں مبالغہ کر کے حلق تک پانی پہنچایا تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور اگر کسی نے بھول کر کچھ کھا لیا تو کوئی قباحت نہیں لیکن اگر کسی نے صبح یا شام کا گمان کر کے کچھ کھایا پھر معلوم ہوا کہ صبح ہو چکی تھی یا ابھی غروبِ آفتاب نہیں ہوا تو روزہ کی قضا کرے۔

چوتھا فرض یہ ہے کہ جماع نہ کرے اگر اتنی قربت کی کہ غسل واجب ہو گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ ہاں روزہ یاد نہ تھا تو پھر نہیں ٹوٹے گا۔ اگر کسی نے رات جماع کیا لیکن مجبوری سے غسل صبح کے بعد کیا تو روزہ درست ہے۔ پانچواں فرض یہ ہے کہ کسی طرح بھی منی نہ نکالے اور نہ ہی ارادہ کرے اگر اپنی بیوی سے لمس وغیرہ کیا گو کہ جماع نہیں کیا اور جوانی کی وجہ سے انزال کا اندیشہ ہے اور انزال ہو بھی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔ چھٹا فرض یہ ہے کہ جان بوجھ کر قے نہ کرے بے اختیاری سے ایسا ہو جائے تو روزہ باطل نہیں ہو گا اور اگر زکام یا کسی اور وجہ سے بلغم کو کھنکھار کر تھوک دیا تو کوئی قباحت نہیں اس واسطے کہ اس سے بچنا دشوار ہے اور اگر منہ میں آنے کے بعد نگل گیا تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

روزہ کی سنتیں

روزہ کی سنتیں چھ ہیں۔ سحری میں تعجیل[1] کرنا' کھجور یا پانی سے جلدی افطار کرنا' زوال کے بعد مسواک سے اجتناب برتنا[2]' فقراء کو کھانا کھلانا' قرآن کی بکثرت تلاوت کرنا' مسجد میں اعتکاف بیٹھنا بالخصوص آخری عشرہ میں جس میں شب قدر ہوتی ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ اس عشرہ میں آرام اور نیند سے دستبردار ہو کر عبادت پر کمربستہ ہو جاتے تھے آپ اور آپ کے اہل و عیال ایک لحہ بھی عبادت و یادِ الٰہی سے غافل نہ ہوتے تھے۔ شب قدر طاق راتوں میں آتی ہے اور بالعموم ستائیسویں کو ہوتی ہے بہتر یہ ہے کہ اس عشرہ میں برابر معتکف رہے اگر نذر مانی ہو تو پھر لازم ہے اعتکاف میں ضروریات کے علاوہ کسی کام کے لیے مسجد سے باہر نہ جانا چاہیے اور جتنی دیر وضو میں صرف ہو اس سے زیادہ گھر میں ٹھہرنے سے احتراز کرے۔ نماز جناز' مریض کی عیادت' گواہی یا طہارت کی تجدید کے لیے نکلنے سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا[3]' مسجد میں ہاتھ دھونا' کھانا کھانا' سونا درست ہے جب کوئی آدمی قضائے حاجت سے فارغ ہو کر آئے تو اعتکاف کی تازہ نیت کرلے۔

روزہ کی حقیقت کا بیان

روزہ کے تین درجے ہیں۔ عوام' خواص اور اخص الخواص کا روزہ۔ عوام کا روزہ تو وہی ہے جس کا بیان ہو چکا یعنی کھانے پینے اور جماع سے بچنا اور یہ روزے کا ادنیٰ درجہ ہے۔ اخص الخواص کا روزہ درجہ کے اعتبار سے اعلیٰ ترین ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی اپنے دل کو ماسوی اللہ کے خطرات سے بچائے۔ اور اپنے آپ کو بالکل اللہ کے سپرد کر دے اور جو چیز اللہ کے سوا ہے اس سے ظاہراً و باطناً الگ ہو جائے۔ جب کلامِ الٰہی اور اس کے متعلقات کے سوا کسی اور چیز کا خیال کرے گا تو پھر روزہ نہیں رہے گا۔ دُنیوی اغراض کا خیال آنا اگرچہ مباح ہے لیکن اس روزہ کو باطل کر دیتا ہے ہاں ایسے دُنیوی امور جو دین کے باب میں مددگار ثابت ہوں وہ کارِ دُنیوی نہیں کہلاتے۔ حتیٰ کہ علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی دن میں افطاری کی تدبیر کرے تو یہ بھی کارِ گناہ ہے اس واسطے کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رزق کے معاملہ

---

[1] امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سحری میں تاخیر زیادہ بہتر ہے۔
[2] امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دن کے کسی بھی حصہ میں مسواک کی جاسکتی ہے' اس میں کوئی قباحت نہیں۔
[3] احناف کے نزدیک اعتکاف باطل ہو جاتا ہے۔

میں جو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اس شخص کو اس پر یقین کامل نہیں۔ یہ مرتبہ انبیاء علیہم السلام اور صدیقین کا ہے ہر شخص اس مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا اور خواص کا روزہ یہ ہے کہ کھانا پینا اور جماع ترک کرنے کے ساتھ ساتھ آدمی اپنے تمام اعضاء و جوارح کو ناشائستہ حرکات سے بچائے اور یہ روزہ چھ چیزوں سے مکمل ہوتا ہے۔

ایک تو یہ کہ آنکھ کو ایسی چیزوں سے بچائے جو دِل کو اللہ کی طرف سے پھیرنے کا موجب ہوتی ہیں بالخصوص ایسی چیز کو دیکھنے سے بچے جو شہوت کا باعث ہو۔ اس واسطے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نظر شیطان کے تیروں میں سے ایک ایسا تیر ہے جو زہر میں بجھا ہوا ہے جو اللہ کے خوف کی وجہ سے اس سے بچے گا اس کو ایمان کا ایسا خلعت نصیب ہو گا جس کی حلاوت انسان اپنے دِل میں محسوس کرے گا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ پانچ چیزیں روزہ کو توڑ دیتی ہیں' جھوٹ' غیبت' چغل خوری' جھوٹی قسم کھانا اور شہوت کے ساتھ کسی کی طرف دیکھنا۔

دوسری چیز یہ ہے کہ بے ہودہ گوئی اور بے مقصد باتوں سے زبان کو بچائے۔ ذکر الٰہی اور تلاوتِ کلامِ مجید میں اپنے آپ کو مشغول رکھے اور یا پھر خاموش رہے بحث اور جھگڑا بے ہودہ باتوں میں داخل ہے لیکن غیبت اور جھوٹ تو بعض علماء کے نزدیک عوام کے روزہ کو بھی باطل کر دیتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کے عہدِ مبارک میں دو عورتوں نے روزہ رکھا تو پیاس کی وجہ سے ہلاکت کے قریب ہو گئیں جب آپ سے روزہ کھولنے کی اجازت چاہی تو آپ نے ایک برتن بھیجا کہ اس میں قے کریں چنانچہ ہر ایک کے حلق سے خون کے ٹکڑے نکلے لوگوں کو اس سے تعجب ہوا تو آپ نے فرمایا کہ ان دونوں عورتوں نے اللہ کی حلال کردہ چیزیں کھا کر روزہ رکھا لیکن اس کی حرام کردہ چیزوں سے توڑ ڈالا یعنی انھوں نے کسی کی غیبت کی اور یہ خون انھی آدمیوں کا گوشت ہے جو انھوں نے کھایا۔

تیسری چیز یہ ہے کہ کان کو بُری بات سننے سے بچائے۔ اس لیے کہ جو بات کہنی مناسب نہیں وہ سُننی بھی مناسب نہیں۔ غیبت اور جھوٹ سننے والا کہنے والے کے گناہ میں شریک ہوتا ہے۔ چوتھی یہ کہ ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء کو ناشائستہ حرکات سے بچائے۔ جو روزہ دار ایسے برے کام کرتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بیمار میوے سے تو پرہیز کرے لیکن زہر استعمال کرے اس واسطے کہ طعام تو غذا ہے جس کا حد سے زیادہ کھانا نقصان کا باعث ہے لیکن اصل غذا مضر نہیں اور گناہ زہر ہے۔ اسی واسطے آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جنھیں بھوک اور پیاس کے سوا روزہ سے کچھ نصیب نہیں ہوتا۔ پانچویں یہ کہ افطار کے وقت حرام اور مشتبہ چیزیں نہ کھائے اور حلال مال بھی بہت زیادہ مقدار میں نہ کھائے۔ اس لیے کہ رات کو جب دن کا حصّہ بھی کھالے گا تو کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ کیونکہ روزہ کا اصل مقصد تو خواہشات کا قلع قمع ہے۔ اور ایک وقت ناغہ کر کے دوسرے وقت خوب کھا لینے سے خواہشات بڑھتی ہیں خصوصاً جب انواع و اقسام کے کھانے ہوں گے تو ان میں مزید اضافہ ہو گا۔ دِل تو اس وقت صاف ہو گا جب معدہ خالی ہو گا بلکہ سنت یہ ہے کہ دن کو زیادہ سوئے بھی نہیں تاکہ بھوک' پیاس اور ضعف کا اثر محسوس ہو اگر رات کو تھوڑا کھانا کھا کر جلدی نہیں سوئے گا تو تہجد کی نماز سے محروم رہے گا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھرے ہوئے معدہ سے کوئی ظرف زیادہ بُرا نہیں۔

چھٹے یہ کہ افطار کے بعد اِس اُمید میں مبتلا رہنا چاہیے کہ روزہ قبول ہوا یا نہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ عید کے

دن ایک قوم کے پاس سے گزرے جو کھیل کود میں مشغول تھے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ماہ رمضان تو ایک میدان بنایا ہے تاکہ اس کے بندے طاعت و بندگی میں پیش قدمی کریں ایک گروہ تو بازی لے گیا لیکن ایک پیچھے رہ گیا۔ تعجب ہے ان لوگوں پر جو کھیل کود میں مشغول ہیں اور اپنی حقیقت کو بھول چکے ہیں قسم ہے پروردگارِ عالم کی اگر پردہ اُٹھ جائے اور حقیقت حال واضح ہو جائے تو جن کی عبادت مقبول ہے وہ خوشی میں اور جن کی عبادت مردود ہے رنج میں مشغول ہو جائیں اور ہنسی کھیل کو سب بھول جائیں۔

ان تمام باتوں سے یہ بات سمجھنی آسان ہے کہ جو شخص محض کھانا پینا ترک کرنے پر اکتفا کرے اس کا روزہ ایسے ہے جیسے بے رُوح صورت! اور روزہ کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو فرشتوں کی مانند بنائے کہ فرشتے خواہشات سے بالکل مبرا ہیں اور چوپائے خواہشات میں غرق ہیں اسی لیے وہ ملائکہ سے دُور ہیں اور جس آدمی پر خواہشات کا غلبہ ہو جائے وہ چارپایوں جیسا ہو جاتا ہے اور جب اس کی خواہشات مغلوب ہو گئیں تو اس نے گویا فرشتوں سے مشابہت پیدا کر لی اور اس وجہ سے انسان صفات کے اعتبار سے فرشتوں کے قریب ہے مکانیت کے اعتبار سے نہیں۔ اور فرشتے اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں تو وہ آدمی بھی اللہ تعالیٰ کا مقرب ہو جائے گا۔ جب مغرب کی نماز کے بعد اہتمام کرے گا اور اپنی خواہش کے مطابق پیٹ بھر کر کھائے گا تو اس کی خواہشات کمزور ہونے کے بجائے قوی ہوں گی اور روزہ کی رُوح فوت ہو جائے گی۔

قضا' کفارہ' امساک اور فدیہ کا بیان

رمضان میں روزہ توڑ دینے سے قضا کفارہ اور فدیہ لازم آتا ہے البتہ ہر ایک کا محل جدا جدا ہے جو مُسلمان کسی عذر یا بغیر عذر کے روزہ نہ رکھے اس پر تو قضا لازم ہے اسی طرح حائضہ' مسافر' بیمار' حاملہ (اگر اسے روزہ رکھنے میں تکلیف ہوتی ہو) اور مرتد پر بھی قضا واجب ہے لیکن دیوانے اور نابالغ پر قضا واجب نہیں اور جب جماع کرے یا اپنے اختیار سے منی نکالے تو اس صورت میں کفارہ لازم ہے۔[1]

کفارہ اس طرح ادا ہو گا کہ ایک لونڈی یا غلام آزاد کرے اگر یہ نہ ہو سکے تو متواتر دو مہینے روزے رکھے اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ساٹھ مسکینوں کو ساٹھ مد اناج دے اور مد ایک تہائی کم ایک من ایک سیر ہوتا ہے۔

امساک کا معنی ہے دن کا باقی حصہ کھانے پینے اور جماع سے رُکے رہنا۔ اور یہ اس شخص پر لازم ہے جو بغیر عذر روزہ توڑ دے اور حائضہ دن میں اگر پاک ہو جائے یا مسافر واپس لوٹ آئے یا بیمار اچھا ہو جائے تو ان میں سے کسی پر امساک نہیں ہے۔ اگر شک کے دن کسی نے چاند دیکھنے کی خبر دی تو جو کوئی کھانا کھا چکا ہو اس پر لازم ہے کہ روزہ داروں کی طرح شام تک کوئی چیز کھائے پیئے نہیں اور جو روزہ دار دن میں سفر کرے اسے روزہ توڑنا نہ چاہیے (یعنی روزہ رکھا پھر سفر پیش آگیا) اور روزہ نہ توڑا اور دن میں ہی کسی شہر میں پہنچ گیا تو پھر بھی نہ توڑے اور مسافر کے لیے روزہ رکھنا بہتر ہے۔ ہاں طاقت نہ ہو تو فدیہ دے فدیہ ایک مد اناج ہے جو مسکین کو دینا پڑے گا۔[2] حاملہ عورت اور دودھ پلانے والی نے

---

[1] احناف کے نزدیک جان بوجھ کر کھانے اور پینے سے بھی کفارہ لازم ہوتا ہے۔

[2] لیکن احناف کے نزدیک فدیہ کی اجازت صرف اس کو ہے جو بالکل طاقت نہ رکھتا ہو یعنی شیخ فانی یا زندگی سے مایوس!

اگر بچے کی ہلاکت کے خوف سے روزہ توڑ دیا تو اسے قضا کے ساتھ فدیہ بھی دینا ہوگا۔ جس بیمار نے اپنی ہلاکت کے سبب روزہ توڑا اس پر فدیہ لازم نہیں اور شیخ فانی جس نے ضعف و کمزوری کے سبب روزہ نہ رکھا وہ بھی فدیہ ادا کرے۔ اگر کسی شخص نے قضا میں اتنی تاخیر کی کہ دوسرا رمضان آگیا تو اس پر ہر روزہ کے عوض قضا کے ساتھ فدیہ بھی واجب ہو گا۔

فصل

پورے سال میں جو ایام متبرک ہیں ان میں روزہ سنت ہے جیسے عرفہ کا دن' عاشورہ کا دن' ذوالحجہ کے پہلے نو دن اور محرم کے پہلے دس دن۔ اور رجب و شعبان۔ حدیث میں ہے کہ رمضان کے بعد محرم کا روزہ سب سے افضل ہے اور سارا محرم روزہ رکھنا سنت ہے جب کہ پہلے عشرہ کی بہت تاکید ہے اور حدیث میں ہے کہ ماہ حرام کا ایک روزہ دوسرے کسی مہینہ کے بیس روزوں سے بہتر ہے اور رمضان کا ایک روزہ ماہ محرم کے بیس روزوں سے بہتر اور افضل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی ماہ حرام میں جمعرات' جمعہ اور ہفتہ کے دن روزہ رکھتا ہے اس کے نامۂ عمل میں سات سو برس کی عبادت کا ثواب لکھا جاتا ہے چار مہینے حرمت کے ہیں یعنی محرم' رجب' ذوالقعدہ اور ذوالحجہ ان میں چوتھا زیادہ افضل ہے کیونکہ وہ حج کا مہینہ ہے۔

اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی وقت کی عبادت ذوالحجہ کے عشرۂ اوّل کی عبادت سے افضل و محبوب نہیں اور اس میں ایک دن کا روزہ ایک برس کے روزوں کے برابر ہے اور ایک رات کی عبادت لیلۃ القدر کی عبادت کی مانند ہے' لوگوں نے عرض کیا کہ کیا جہاد میں بھی اتنی فضیلت نہیں آپ نے فرمایا نہیں۔ ہاں جس شخص کا گھوڑا مارا جائے اور اس کا خون جہاد میں گرایا جائے۔

صحابہ علیہم الرضوان میں سے ایک طبقہ نے اس بات کو مکروہ خیال کیا ہے کہ رجب کا سارا مہینہ روزے رکھے جائیں یہ اس لیے تاکہ رمضان سے مشابہت نہ ہو جائے۔ اس وجہ سے ایک دن کم یا زیادہ انھوں نے افطار کیا اور حدیث میں ہے کہ جب شعبان نصف کو پہنچ جائے تو رمضان تک روزہ نہ رکھے اور آخر شعبان میں افطار کرے تاکہ رمضان اس سے الگ رہے اور آخر شعبان میں رمضان المبارک کے استقبال کے لیے روزے رکھنا مکروہ ہیں ہاں یہ کہ جب نیت استقبال کے سوا کوئی اور ہو تو پھر کوئی حرج نہیں۔ ہر ماہ ایامِ بیض کے روزے افضل ہیں اور ہر ہفتہ میں دوشنبہ' جمعرات اور جمعہ کے روزے تمام سال کے روزوں کو شامل ہیں البتہ سال میں پانچ دن ایسے ہیں جن میں روزہ نہ رکھنا ضروری ہے۔ عید الفطر' عید الاضحیٰ کے دن اور ایامِ تشریق کے تین دن یعنی ذوالحجہ کی گیارہ' بارہ اور تیرہ تاریخ' اپنے اوپر افطار کی ممانعت کر لینا مکروہ ہے اور جو شخص صومِ دہر یعنی سال بھر کے روزے نہیں رکھتا وہ ایک دن روزہ رکھے اور ایک دن افطار کرے اس صورت کو صومِ داؤد کے عنوان سے یاد کیا جاتا ہے یعنی حضرت داؤد علیہ السلام اس طرح روزہ رکھتے تھے اس کی حدیث میں بڑی فضیلت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے جناب سرور کائنات ﷺ سے جب یہ پوچھا کہ رزے کا بہترین طریقہ کیا ہے تو آپ نے صومِ داؤد کے متعلق ہی ارشاد فرمایا۔ جب انھوں نے اس سے بہتر طریقہ

دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے بہتر طریقہ کوئی نہیں اور اس سے کمتر یہ ہے کہ جمعرات اور پیر کے دن کا روزہ رکھے۔ یہاں تک کہ رمضان شریف سال کی ایک تہائی کے برابر قریب آجائے۔ جب کوئی شخص یہ سمجھ لے کہ روزہ کا مقصد خواہشات کا قلع قمع اور دِل کی صفائی ہے تو اسے چاہیے کہ اپنے دِل کی حفاظت و نگہبانی کرے اس صورت میں کبھی روزہ اور کبھی افطار کی صورت بہتر ہو گی۔ جناب رسالت مآب ﷺ کبھی اس قدر روزے رکھتے کہ لوگ گمان کرتے کہ اب آپ کبھی افطار نہیں فرمائیں گے اور جب افطار کی نوبت آتی تو لوگ یہ خیال کرتے کہ اب کبھی روزہ نہیں رکھیں گے کہ آپ کے روزہ رکھنے کی کوئی ترتیب مقرر نہ تھی۔ اہل عِلم نے چار دن سے زیادہ برابر افطار کو مکروہ خیال کیا ہے اور اس کراہت کا منبع عید الاضحیٰ اور ایام تشریق ہیں کہ وہ مسلسل چار دن ہیں اس لیے کہ ہمیشہ افطار سے یہ خدشہ ہے کہ دِل سیاہ ہو جائے اور غفلت غالب ہو کر دِل کو کمزور بنا دے۔

فصل ۷ ــــــ حج کا بیان

حج اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک ہے اور یہ عُمر میں ایک بار فرض ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے حج نہ کیا اور اسی حال میں مرگیا اس سے کہہ دو کہ یہودی مرے یا نصرانی (ہمیں کوئی پروا نہیں) اور فرمایا کہ جس نے اس طرح حج کیا کہ اس میں گناہ' بے ہودہ اور ناشائستہ اعمال و حرکات سے پرہیز کیا تو وہ سابقہ گناہوں سے ایسے پاک ہو جاتا ہے جیسے نومولود بچہ! نیز فرمایا کہ بہت سارے گناہ تو ایسے ہیں کہ میدانِ عرفات میں کھڑا ہونے کے سوا ان کا کوئی کفارہ نہیں اور ارشاد فرمایا کہ عرفہ کے دن سے زیادہ کسی دن شیطان ذلیل و خوار نہیں ہوتا اس واسطے کہ اس دن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بے انتہا رحمت نازل فرماتے ہیں اور بے انتہا کبیرہ گناہ معاف کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا کہ جو شخص حج کی فکر میں اپنے گھر سے نکلے اور دورانِ سفر مرجائے اسے قیامت تک ہر سال ایک حج اور ایک عمرہ کا ثواب نصیب ہوتا ہے اور جو کوئی کعبہ شریف یا مدینہ طیبہ میں پہنچ کر مرے وہ قیامت کے دن حساب کتاب سے پاک ہو گا اور فرمایا کہ ایک حج مبرور دُنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور جنت کے سوا اس کی کوئی جزا نہیں' مزید فرمایا کہ اس سے بڑھ کر کوئی گناہ کی بات نہیں کہ آدمی میدانِ عرفات میں کھڑا ہو اور پھر یہ گمان کرے کہ میں بخشا نہیں گیا۔

علی ابن الموفق رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ تھے انھوں نے کہا کہ ایک سال میں نے حج کیا۔ عرفہ کی شب دو فرشتے خواب میں دیکھے جو سبز لباس میں ملبوس آسمان سے اترے اور ایک نے دوسرے سے کہا کہ تمھیں معلوم ہے کہ اس سال کتنے لوگوں نے حج کیا دوسرے نے کہا نہیں چنانچہ پہلے نے بتلایا کہ امسال چھ لاکھ انسانوں نے حج کیا پھر کہا کہ تمھیں معلوم ہے کہ کتنے آدمیوں کا حج قبول ہوا۔ اس نے کہا نہیں پہلے نے کہا صرف چھ آدمیوں کا حج قبول ہوا۔ علی فرماتے ہیں کہ میں ان کی گفتگو سن کر گھبرا کر اٹھ بیٹھا اور انتہائی پریشانی کے عالم میں اپنے ہی جی میں کہنے لگا کہ ان چھ خوش قسمت انسانوں میں میں تو شامل نہیں ہوں گا اسی حالت میں مشعر الحرام پہنچا اور وہاں سو گیا۔ ان دو فرشتوں کو پھر وہاں دیکھا کہ آپس میں اس طرح گفتگو کر رہے ہیں۔ اس وقت ایک نے دوسرے سے کہا کہ تمھیں معلوم ہے کہ آج کی رات اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے بارے میں کیا حکم فرمایا ہے؟ دوسرے نے کہا نہیں پہلے نے کہا ان چھ آدمیوں کے طفیل چھ لاکھ کو بخش دیا

تب میں نیند سے بیدار ہوا اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالایا۔

جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ ہر سال چھ لاکھ بندے حج کے ذریعہ سے خانہ کعبہ کی زیارت کریں گے اگر کم ہوئے تو فرشتے بھیج دیئے جائیں گے۔ تاکہ یہ عدد پورا ہو جائے اور کعبۃ اللہ پہلی رات کی دلہن کی مانند سنوارا جائے گا اور حجاج اس کے گرد پھرتے ہوں گے اور اس کے پردوں پر ہاتھ مارتے ہوں گے۔ یہاں تک کہ کعبہ شریف جنت میں داخل ہو جائے گا اور لوگ بھی اس کے جنت میں چلے جائیں گے۔

حج کی شرائط کا بیان

جو شخص وقت پر حج کرے گا اس کا حج درست ہو گا۔ شوال' ذوالقعدہ اور ذوالحجہ کے نو دن حج کا وقت ہے جب عید الفطر کی صبح طلوع ہو اس وقت سے حج کے واسطے احرام باندھنا درست ہے اگر اس سے پہلے حج کا احرام باندھا تو وہ عمرہ ہو گا اور باشعور لڑکے کا حج درست ہے اور اگر بچہ شیر خوار ہو اور اس کی طرف سے اس کا ولی احرام باندھے اور اسے عرفات میں لے جائے اور سعی و طواف کرے تو درست ہے گویا حج کی درستگی کی شرط فقط وقت ہے۔ لیکن حج ساقط اور فرض ادا ہونے کی پانچ شرطیں ہیں : (۱) مسلمان ہونا (۲) آزاد ہونا (۳) بالغ ہونا (۴) عاقل ہونا (۵) وقت پر احرام باندھنا۔ اگر نابالغ احرام باندھے اور عرفات پر کھڑا ہونے سے پہلے بالغ ہو جائے یا لونڈی غلام آزاد ہو جائے تو حج ادا ہو جائے گا۔ فرض عمرہ کی ادائیگی کے لیے بھی یہی شرائط ہیں لیکن عمرہ کا وقت پورا سال ہے۔ دوسرے کی طرف سے نیابتاً حج کرنے کی شرط یہ ہے کہ پہلے اپنا فرض ادا کیا ہو اگر اپنا فرض ادا کرنے سے پہلے دوسرے کی طرف سے حج کی نیت کرے گا تو اسی حج کرنے والے کی طرف سے ادا ہو گا اور دوسرے کی طرف سے ادا نہ ہو گا۔ پہلے اپنا حج چاہیے پھر قضا پھر نذر پھر حج نیابت۔ اسی ترتیب سے ادائیگی ہو گی اگرچہ نیت اس کے خلاف کرے۔

اور حج واجب ہونے کی شرائط یہ ہیں۔ اسلام' بلوغت' آزادی' استطاعت' استطاعت کی دو قسمیں ہیں ایک تو یہ آدمی توانا ہو کہ اپنے بھروسے پر حج کر سکے اس استطاعت کا مدار تین چیزوں پر ہے۔ تندرستی راستے کا امن یعنی راستہ میں خطرناک دریا یا کوئی اور دشمن جان و مال نہ ہو تیسرے اتنا مال کہ اگر قرضدار ہے تو قرض ادا کر کے آنے جانے کے ذاتی مصارف اور واپسی تک اہل و عیال کے نان و نفقہ کو کفایت کر سکے اور یہ بھی لازم ہے کہ سواری کا کرایہ اس کے پاس ہو تاکہ پیدل نہ چلنا پڑے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ اپنے ہاتھ پاؤں سے حج نہ کر سکے مثلاً فالج زدہ ہے یا ایسا صاحب فراش کہ صحت مند ہونے کی اُمید نہیں مگر بہت نادر! ایسے شخص کی استطاعت یہ ہے کہ اس کے پاس اتنا مال ہو کہ ایک وکیل کو اُجرت دے کر روانہ کر سکے کہ وہ جا کر اس کا حج کرے اور اگر اس کا بیٹا اس کی طرف سے مفت حج کرنے پر راضی ہو تو اسے اجازت دے دے کیونکہ باپ کی خدمت شرف و عزت کا باعث ہے اور اگر بیٹا یوں کہے کہ میں مال دیتا ہوں کسی کو بھیج دیں تو قبول نہ کرے کیونکہ اس صورت میں احسان ہو گا اور اگر کوئی غیر اس کی طرف سے مفت حج کرے تب بھی اس کے احسان سے بچے۔ جب آدمی کو استطاعت حاصل ہو جائے تو جلدی فرض ادا کرے تاخیر بھی درست ہے لیکن خطرات سے خالی نہیں۔ اگر دوسرے سال حج کرنے کی توفیق ہوئی تو بہتر اور اگر تاخیر کرتے کرتے مرگیا اور حج نہ کر سکا تو

گنہگار ہو گا۔ پھر اس کے ترکہ سے نیابتاً حج کرانا چاہیے۔ اگرچہ اُس نے وصیت بھی نہ کی ہو۔ اس لیے کہ یہ اس پر قرض ہے۔ حضرت امیر المؤمنین عُمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا ارادہ ہے کہ میں دوسرے شہروں میں حکم ارسال کروں کہ جو صاحب استطاعت حج نہیں کرتا اس سے جزیہ لیا جائے۔

حج کے ارکان کا بیان

حج کے ارکان جن کے بغیر یہ درست نہیں ہوتا پانچ ہیں۔ (۱) احرام' (۲) طواف' (۳) سعی' (۴) عرفات میں کھڑا ہونا اور ایک قول کے مطابق (۵) بال منڈوانا اور وہ واجبات جن کے ترک سے حج باطل تو نہیں ہوتا لیکن ایک بکرا ذبح کرنا لازم ہے چھ ہیں۔ (۱) میقات میں احرام باندھنا اگر وہاں سے بغیر احرام گزر گیا تو ایک بکرا ذبح کرنا واجب ہو گا۔ (۲) سنگریزے مارنا' (۳) غروبِ آفتاب تک عرفات پر ٹھہرنا' (۴) رات کو مزدلفہ میں قیام کرنا (۵) اسی طرح منیٰ میں قیام کرنا اور (۶) طواف وداع کرنا۔ ایک قول کے مطابق پچھلے چار واجبات ترک کرنے سے بکرا ذبح کرنا واجب نہیں ہو گا ہاں سنت ضرور ہے۔

حج ادا کرنے کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) افراد' (۲) قران اور (۳) تمتع۔ اِفراد سب سے بہتر ہے جیسے پہلے اکیلا حج کرے جب مناسک حج سے فارغ ہو جائے تو حرم سے باہر آ کر عمرہ کا احرام باندھے اور عمرہ کے مناسک پورے کرے۔ عمرہ کا احرام تنعیم کے بجائے جعرانہ میں باندھنا زیادہ بہتر ہے جبکہ حدیبیہ کے بجائے تنعیم میں افضل ہے اور تینوں مقام سے باندھنا سنت ہے۔

قران کی صورت یہ ہے کہ حج اور عمرہ کی نیت اکٹھی کرے اور کہے اللھم لبیك بحجة وعمرة تاکہ دونوں کا احرام بیک وقت ہو جائے۔ جب حج کے اعمال بجا لائے گا تو عمرہ بھی اس میں داخل ہو گا جیسے وضو غسل میں داخل ہوتا ہے جو شخص ایسا کرے گا اس پر ایک بکرا کی قربانی لازم ہو گی۔ لیکن مکہ معظمہ کے رہنے والوں پر لازم نہیں اس واسطے کہ اس پر میقات سے احرام باندھنا ہی ضروری نہیں بلکہ اس کے احرام ' فرائض' سنن اور آداب کو سمجھنا لازم ہے۔ جو شخص عبادت کو عادت بنا لے اس کے نزدیک فرائض سنن اور آداب سب برابر ہوں گے کیونکہ آدمی مقامِ محبت میں نوافل اور سنن کے ذریعہ پہنچتا ہے جیسا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فرائض ادا کرنے کی وجہ سے بندوں کو میرا بے پناہ تقرب حاصل ہوتا ہے اور جو حقیقی معنوں میں بندہ ہو گا وہ نوافل و سنن کے ذریعہ میرے تقرب سے کبھی سیر نہ ہو گا یہاں تک کہ اس مرتبے کو پہنچ جائے کہ میں اس کے کان' ہاتھ' آنکھ اور پاؤں بن جاؤں وہ مجھ ہی سے سنے مجھ سے ہی دیکھے اور مجھ ہی سے کہے اس لیے عبادت کے سنن و آداب بجا لانا از بس ضروری ہے۔

سامانِ سفر اور راستہ کے آداب

حج کا ارادہ کرنے سے پہلے توبہ کرے' قرض ہو تو وہ ادا کرے' اہل و عیال اور جس کسی کا نفقہ اس کے ذمہ ہو وہ ادا کرے۔ وصیت نامہ لکھے' حلال کی کمائی سے زادِ راہ کا انتظام کرے اور جس مال میں شبہ ہو اس سے پرہیز کرے اس لیے کہ مشتبہ مال خرچ کرنے سے حج کی عدمِ قبولیت کا خوف ہے اور اپنے ساتھ اتنا مال ضرور لے تاکہ راستہ میں فقراء کے کام آسکے اور گھر سے روانگی سے پہلے راستہ کی سلامتی کے لیے کچھ نہ کچھ صدقہ ضرور دے۔ اچھا اور تیز جانور حاصل کرے اور جتنا سامان لے جانا چاہتا ہو وہ جانور کے مالک کو دکھا دے تاکہ بعد میں بدمزگی پیدا نہ ہو اور اچھے' نیک اور تجربہ کار رفقاءِ سفر کی تلاش کرے تاکہ وہ دین کی مصالح اور راستہ کی اونچ نیچ میں اس کے مددگار ثابت ہو سکیں۔ احباب کو الوداع کہے اور اُن سے دُعائے خیر کی استدعا کرے اور ہر ایک سے کہے اَسْتَوْدِعُ اللّٰہ دِیْنَكَ وَاَمَانَتَكَ وَخَوَاتِمَ عَمَلِكَ۔

اور یہ لوگ جانے والے کو اس طرح جواب دیں :

فِي حِفْظِ اللّٰهِ وَكَنِفِهٖ وَزَوَّدَكَ اللّٰهُ التَّقْوٰى وَجَنَّبَكَ تردى وَغَفَرَ ذَنْبَكَ وَوَجَّهَكَ لِلْخَيْرِ اَيْنَمَا تَوَجَّهْتَ۔

جب گھر سے نکلنے لگے تو دو رکعت نماز پڑھے پہلی رکعت میں سورۂ کافرون اور دوسری میں اخلاص پڑھے اور نماز کے بعد یہ دُعا پڑھے :

اَللّٰهم اَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ وَاَنْتَ الْخَلِيْفَةُ فِي الْاَهْلِ وَالْوَلَدِ وَالْمَالِ اِحْفَظْنَا وَاِيَّاهُمْ مِنْ كُلِّ آفَةٍ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ فِي مَسِيْرِنَا هٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰى وَمِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰى۔

جب گھر کے دروازے پر پہنچ جائے تو یہ دُعا پڑھے :

بِسْمِ اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اَللّٰهُمَّ بِكَ اِنْتَشَرْتُ وَعَلَيْكَ تَوَكَّلْتُ

جو شخص قران کرے اگر وہ عرفات پر ٹھہرنے سے پہلے طواف اور سعی کرے گا تو یہ سعی حج اور عمرہ دونوں میں شمار ہو گی لیکن قیامِ عرفات کے بعد طواف لوٹانا چاہیے اس لیے کہ طوافِ رُکن کی یہ شرط ہے کہ وہ قیامِ عرفات کے بعد ہو اور تمتع یہ ہے کہ میقات سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ معظمہ میں جائے اور وہاں جا کر احرام ختم کر دے اور حج کے وقت مکہ میں اس کا احرام باندھ لے ایسے شخص پر ایک بکرا کی قربانی لازم ہے اور جو ایسا نہ کر سکے تو عیدالاضحیٰ سے پہلے تین روزے رکھے متفرق طور پر یا متواتر اور جب وطن پہنچے تو سات روزے رکھے۔ اور جو شخص قران میں بکرے کی قربانی نہ دے سکے تو وہ بھی اسی طرح دس روزے رکھے۔ تمتع کی قربانی اس شخص پر لازم آتی ہے جس نے عمرہ کا احرام شوال' ذیقعدہ یا ذوالحجہ کے عشرہ میں باندھا ہو یا حج کو زحمت کیا ہو اور اس کا احرام اپنے میقات سے نہ باندھا ہو اگر وہ مکہ معظمہ کا

رہنے والا ہے یا مسافر ہے اور حج کے وقت میقات پر گیا یا اتنی مسافرت اختیار کی تو اس پر بکرا واجب نہ ہو گا۔

حج میں چھ چیزیں منع ہیں (۱) لباس پہننا کیونکہ احرام میں روایتی لباس نہ پہننا چاہیے بلکہ ایک تہبند اور چادر کرتے کی جگہ اور نعلین پر کفایت کرے۔ اگر نعلین میسر نہ ہوں تو کفش ہی درست ہے اور تہ بند نہ ہو تو ازار پر گزارہ کرے۔ ستر اعضاء کو تہبند سے ڈھانپنا چاہیے۔ لیکن سر کھلا رکھے اور عورت عادت کے مطابق لباس پہنے ہاں منہ بند نہ کرے اگر وہ محمل یا سائبان میں ہو تو پھر درست ہے (۲) دوسرے خوشبو استعمال کرنا۔ اگر خوشبو استعمال کی یا لباس پہنا تو ایک بکرا دینا ہو گا۔ (۳) تیسرے بال منڈوانا ناخن کٹوانا' ایسا کرنے سے بھی ایک بکرا واجب ہو گا' حمام جانا' فصد کھلوانا' پچھنے لگوانا اور اس طرح بال کھولنا کہ اکھڑنے نہ پائیں درست ہے۔ (۴) چوتھے جماع کرنا' اگر جماع کرے گا تو ایک اونٹ یا ایک گائے یا سات بکرے واجب ہوں گے حج فاسد ہو جائے گا اور قضا لازم ہو گی۔ لیکن اگر پہلی مرتبہ احرام سے آزاد ہو کر جماع کیا تو ایک اونٹ واجب ہو گا اور حج فاسد نہ ہو گا۔ (۵) پانچویں دواعی جماع مثلاً بوس و کنار سے احتراز کرے اور جو چیز عورت و مرد کے باہمی لمس و مس میں ناقض طہارت ہو اس میں عورت سے مزہ اٹھانے میں ایک بکرا واجب ہوتا ہے احرام میں نکاح نہ کرنا چاہیے اگر کرے گا تو نکاح درست نہ ہو گا۔ اسی وجہ سے نکاح میں بکرا وغیرہ لازم نہیں آئے گا۔ (۶) چھٹے شکار نہ کرنا چاہیے ہاں دریائی شکار درست ہے اگر خشکی میں شکار کیا گیا تو اس کی مثل بکرا' گائے' اونٹ لازم ہو گا یعنی جس بہتر جانور سے وہ شکار مشابہ ہو گا ایسا جانور بطور تاوان قربان کرے گا۔

حج کی کیفیت کا بیان

اوّل سے آخر تک حج کے ارکان کی ترتیب وار کیفیت جاننا بہت ضروری ہے۔ مسنون طریقہ کے مطابق فرائض' سنتیں' آداب پہچاننے چاہئیں جو کوئی عادت کی طرح عبادت کرے گا اس کے نزدیک فرائض' سنن اور آداب برابر ہوں گے اس لیے کہ آدمی نوافل و سنن کے ذریعہ مقامِ محبت کو پہنچتا ہے جیسا کہ نبی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ فرائض ادا کرنے سے بندوں کو میرا بڑا تقرب حاصل ہوتا ہے اور جو بندہ ہو گا وہ نوافل و سنن کے ذریعہ میرا تقرب حاصل کرنے سے کبھی آسودہ نہ ہو گا حتیٰ کہ وہ اس مرتبہ اور مقام کو پہنچ جائے کہ میں اس کے کان ہو جاؤں جن سے وہ سنے' میں اس کی آنکھیں ہو جاؤں جن سے وہ دیکھے' میں اس کے ہاتھ اور پاؤں ہو جاؤں جن سے وہ تھامے اور چلے پھرے۔ تو عبادت کے سنن و آداب بجالانا ضروری ہے اور ہر جگہ آداب کو ملحوظِ خاطر رکھنا چاہیے۔

جب حج کا پختہ ارادہ ہو جائے تو پہلے توبہ کرے' قرض خواہوں کے قرض ادا کرے اور آل و اولاد اور جن کے اخراجات اس کے ذمہ ہوں سب ادا کرے۔ اپنا وصیت نامہ لکھے' کسب حلال سے توشۂ سفر حاصل کرے اور مشتبہ مال سے پرہیز کرے کیونکہ مشتبہ مال سے حج کرنے میں حج کے نامقبول ہونے کا خوف ہے۔ اپنے ساتھ کچھ مال بھی لے جائے جس سے فقیروں کے ساتھ حسن سلوک کر سکے۔ سفرِ حج کو نکلنے سے قبل کچھ صدقہ خیرات کر دے تاکہ راستہ میں امن و سلامتی سے رہے۔ سواری کے لیے مضبوط اور تیز سواری کرائے پر لے۔ اپنا اسباب سواری والے کو دکھا دے تاکہ بعد

میں جھگڑے کا سبب نہ بنے۔ نیک اور تجربہ کار ہم سفر تلاش کرے کہ جو مصالح دینیہ اور سفر کے نشیب و فراز میں مدد و معاون ہو۔ دوستوں کو وداع کرے اور دوستوں سے دُعائے خیر کی درخواست کرے اور سب سے یہ کہے : اَسْتَوْدِعُ اللّٰہَ دِیْنَکَ وَاَمَانَتَکَ وَخَوَاتِمَ عَمَلِکَ اور لوگوں کو چاہیے کہ اسے یوں جواب دیں فِیْ حِفْظِ اللّٰہِ وَ کَنَفِہٖ وَ زَوَّدَکَ اللّٰہُ التَّقْوٰی وَ جَنَّبَکَ تَرَدّٰی وَ غَفَرَ ذَنْبَکَ وَ وَجَّھَکَ لِلْخَیْرِ اَیْنَمَا تَوَجَّھْتَ گھر سے نکلتے وقت دو رکعت نماز نفل پڑھے۔ پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد ﴿ قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ ﴾ اور دوسری میں ﴿ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَد ﴾ پڑھے اور آخر میں یہ کہے : اَللّٰھُمَّ اَنْتَ الصَّاحِبُ فِی السَّفَرِ وَاَنْتَ الْخَلِیْفَۃُ فِی الْاَھْلِ وَالْوَلَدِ وَالْمَالِ اِحْفَظْنَا وَاِیَّاھُمْ مِنْ کُلِّ اٰفَۃٍ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ فِیْ مَسِیْرِنَا ھٰذَا الْبِرَّ وَالتَّقْوٰی وَ مِنَ الْعَمَلِ مَا تَرْضٰی اور جب گھر کے دروازے پر پہنچے تو یہ کہے : بِسْمِ اللّٰہِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ اَللّٰھُمَّ بِکَ اِنْتَشَرْتُ وَ عَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَبِکَ اِعْتَصَمْتُ وَاِلَیْکَ تَوَجَّھْتُ اَللّٰھُمَّ زَوِّدْنِی التَّقْوٰی وَاغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَ وَجِّھْنِیْ لِلْخَیْرِ اَیْنَمَا تَوَجَّھْتُ۔

اور جب سواری پر سوار ہو تو یہ دُعا پڑھے :

بِسْمِ اللّٰہِ وَبِاللّٰہِ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ ﴿ سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَلَنَا ھٰذَا وَمَا کُنَّا لَہٗ مُقْرِنِیْنَ وَاِنَّآ اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ ﴾

اور راستہ میں تلاوتِ کلامِ مجید اور ذکرِ الٰہی میں مشغول رہے جب بلندی والی جگہ آئے تو یہ پڑھے :

اَللّٰھُمَّ لَکَ الشَّرَفُ عَلٰی کُلِّ شَرَفٍ وَلَکَ الْحَمْدُ عَلٰی کُلِّ حَالٍ

اگر راستہ میں خوف آئے تو آیت الکرسی ﴿ شَھِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ○ ﴾ (آلِ عمران) اور سورۂ اخلاص، سورۂ الفلق اور سورۂ الناس پڑھ لے۔

احرام باندھنے اور مکّہ معظمہ میں داخل ہونے کے آداب

جب میقات پر پہنچے اور قافلہ وہاں احرام باندھنے کی تیاری کرے تو سب سے پہلے غسل کرے۔ بال اور ناخن کٹوائے جیسا کہ عام طور پر جمعہ کے دن کیا جاتا ہے اور سلے ہوئے کپڑے اتار کر سفید چادر اور تہبند باندھ لے اور احرام سے پہلے خوشبو استعمال کرے اور جب چلنے لگے تو اونٹ کو کھڑا کرے اور حج کی نیت کرکے دل اور زبان سے یہ کلمات ادا کرے :

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ۔

جہاں کہیں چڑھائی یا نشیب ہو یا بکثرت قافلے اکٹھے ہوں تو ان ہی کلمات کو بآوازِ بلند کہے اور جب کعبہ شریف کے قریب پہنچے تو غسل کرے۔ نو اسباب ایسے ہیں جن کی وجہ سے حج میں غسل سنت ہے (۱) احرام، (۲) دخولِ مکّہ، (۳) طوافِ زیارت، (۴) وقوفِ عرفہ، (۵) مقامِ مزدلفہ اور (۶، ۷، ۸) تین غسل پتھر پھینکنے کے واسطے تینوں جمرات پر اور (۹) طوافِ وداع، البتہ جمرۃ العقبہ میں پتھر مارنے کے لیے غسل نہیں۔ جب غسل کرکے مکّہ معظمہ میں جائے اور بیت اللہ پر نگاہ پڑے تو اگرچہ شہر میں ہو مگر یہ کلمات فوراً کہے :

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ وَدَارُکَ دَارُ السَّلَامِ تَبَارَکْتَ یَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ اَللّٰھُمَّ ھٰذَا بَیْتُکَ عَظَّمْتَہٗ وَشَرَّفْتَہٗ وَ کَرَّمْتَہٗ اَللّٰھُمَّ فَزِدْہُ تَعْظِیْمًا وَزِدْہُ تَشْرِیْفًا وَتَکْرِیْمًا

وَزِدْهُ مَهَابَةً وَزِدْهُ مَنْ حَجَّهُ ' بِرًّا وَ كَرَامَةً اَللّٰهُمَّ افْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ وَاَدْخِلْنِيْ جَنَّتَكَ وَاَعِذْنِيْ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ

پھر بنی شیبہ کے دروازہ سے مسجد میں داخل ہو اور حجر اسود کو بوسہ دینے کا قصد کرے اگر رش کے سبب سے بوسہ نہ دے سکے تو اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر یہ کلمات ادا کرے:

اَللّٰهُمَّ اَمَانَتِيْ اَدَّيْتُهَا وَمِيْثَاقِيْ تَعَاهَدْتُه اِشْهَدْ لِيْ بِالْمُوَافَاتِ۔

اور پھر طواف میں مشغول ہو جائے۔

طواف کے آداب

طواف نماز کی مانند ہے بدن اور لباس کی پاکی اور ستر کا ڈھانپنا اس میں شرط ہے تاہم اس میں بات کرنا درست ہے۔ سب سے پہلے اضطباع کی سنت ادا کرے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تہبند کا درمیانی حصہ داہنے ہاتھ کے نیچے ڈال کر اس کے دونوں کنارے بائیں کندھے پر ڈال لے اور بیت اللہ شریف کو پہلو میں لے کر حجر اسود سے طواف شروع کرے اس میں اور بیت اللہ میں تین قدم سے کم فاصلہ نہ رہنا چاہیے تاکہ پاؤں فرش اور پردہ پر نہ پڑے کیونکہ وہ خانہ کعبہ کی حد میں شامل ہے اور جب طواف شروع کرے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اِيْمَانًا وَتَصْدِيْقًا بِكِتَابِكَ بِعَهْدِكَ وَاِتِّبَاعًا لِسُنَّةِ نَبِيِّكَ مُحَمَّدٍ صلى الله عليه واصحابه وسلم۔

اور جب خانہ کعبہ کے دروازہ پر پہنچے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ هٰذَا الْبَيْتُ بَيْتُكَ وَهٰذَا الْحَرَمُ حَرَمُكَ وَهٰذَا الْاَمْنُ اَمْنُكَ وَهٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ النَّارِ۔

اور جب رکن عراقی پر پہنچے تو یہ دعا کرے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الشَّكِّ وَالشِّرْكِ وَالْكُفْرِ وَالنِّفَاقِ وَالشِّقَاقِ وَسُوْءِ الْمَنْظَرِ فِى الْاَهْلِ وَالْمَالِ وَالْوَلَدِ

اور جب میزابِ رحمت کے پاس پہنچے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اَظِلَّنِيْ تَحْتَ عَرْشِكَ يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلَّ عَرْشِكَ اَللّٰهُمَّ اسْقِنِيْ بِكَاسِ مُحَمَّدٍ صَلَّى الله تعالى عليه واصحابه وسلم شَرْبَةً لَا اَظْمَاءُ بَعْدَهُ اَبَدًا

اور جب رکن شامی پر پہنچے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا مَبْرُوْرًا وَسَعْيًا مَشْكُوْرًا وَذَنْبًا مَغْفُوْرًا وَتِجَارَةً لَنْ تَبُوْرَ يَا عَزِيْزُ يَا غَفُوْرُ اِغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَمُ

اور جب رکن یمانی پر پہنچے تو یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْكُفْرِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْفَقْرِ وَمِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ فِتْنَةِ الْمَحْيَا وَالْمَمَاتِ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخِزْيِ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ۔

رُکن یمانی اور حجرِ اسود کے درمیان یہ دُعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا بِرَحْمَتِكَ عَذَابَ الْقَبْرِ وَعَذَابَ النَّارِ۔

اِسی طرح سات بار طواف کرے اور ہر بار اسی طرح یہ دُعائیں پڑھے ہر چکر کو شوط کہتے ہیں۔ تین شوط میں جلدی اور آرام و نشاط کے ساتھ چلے۔ اگر خانہ کعبہ کے پاس اژدحام ہو تو دُور سے طواف کرے تاکہ جلد جلد چل سکے اور اخیر کے چار چکروں میں آہستہ آہستہ چلے اور ہر بار حجرِ اسود کو بوسہ دے اور رُکن یمانی پر ہاتھ پھیرے اور بھیڑ کے سبب اگر ہاتھ نہ پھیر سکے تو محض اشارہ کرے۔ جب ساتوں چکر پورے ہو جائیں تو بیت اللہ اور حجرِ اسود کے درمیان کھڑا ہو جائے۔ پیٹ' سینہ اور دایاں رخسار کعبہ شریف کی دیوار سے لگا دے اور دونوں ہتھیلیاں دیوار پر رکھ کر ان پر سر رکھ دے یا کعبہ شریف کے آستانہ پر سر رکھے' اس مقام کو ملتزم کہتے ہیں یہ جگہ مقامِ اجابت ہے جہاں دُعا قبول ہوتی ہے یہاں یوں دُعا کرے:

اَللّٰھُمَّ يَا رَبَّ الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ اِعْتِقْ رَقَبَتِیْ مِنَ النَّارِ وَاَعِذْنِیْ مِنْ كُلِّ سُوْءٍ وَقَنِّعْنِیْ بِمَا رَزَقْتَنِیْ وَبَارِكْ فِيْمَا اٰتَيْتَنِیْ۔

اس وقت درود شریف پڑھے نیز استغفار پڑھے اور اپنی ضرورت اللہ سے طلب کرے اور اس مقام پر دو رکعت نماز نفل ادا کرے جس کو دوگانۂ طواف کہا جاتا ہے۔ طواف کی تکمیل اسی نماز پر ہوتی ہے پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۂ کافرون اور دوسری میں سورۂ اخلاص پڑھنا بہتر ہے نماز کے بعد دُعا مانگے جب سات چکر پورے ہو جائیں تو ایک طواف پورا ہو گا۔ سات مرتبہ دو گانہ ادا کرے اور اس کے بعد حجرِ اسود کے پاس جا کر بوسہ دے اور پھر سعی میں مشغول ہو جائے۔

سعی کے آداب

صفا نامی پہاڑ کی طرف جا کر اتنا اوپر چڑھے کہ بیت اللہ شریف نظر آنے لگے پھر کعبہ شریف کی طرف متوجہ ہو کر یہ دُعا پڑھے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِیْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَیٌّ لَّا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ وَصَدَقَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَاَعَزَّ جُنْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ۔

پھر دُعا مانگے اور جو مراد ہو اس کی درخواست کرے پھر وہاں سے اتر کر کوہِ مروہ تک آئے آہستہ آہستہ چلے اور یہ دُعا پڑھے: رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَكْرَمُ اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی

الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ اور سبز میل جو مسجد کے کنارے ہے وہاں تک آہستہ آہستہ چلے اور اس کے آگے چھ گز کی مقدار جلدی جلدی قدم اُٹھائے یہاں تک کہ دوسرے میل تک پہنچ جائے پھر آہستہ آہستہ چلنا شروع کرے یہاں تک کہ کوہِ مروہ تک پہنچ جائے اس پر پہنچ کر کوہِ صفا کی طرف مُنہ کرے اور وہی دُعائیں جو اوپر ذکر کی گئی ہیں پڑھے اس طرح ایک چکر پورا ہو گیا۔ جب صفا پر جائے گا تو دو چکر ہو جائیں گے سات بار ایسے ہی سات چکر پورے کرے۔ جب اس سے فارغ ہو تو طوافِ قدوم اور طوافِ سعی کرے۔ یہ طواف سنت ہے اور وہ طواف جو رُکن ہے وہ وقوفِ عرفہ کے بعد ہو گا۔ سعی کرنے کے وقت طہارت سنت ہے جبکہ طواف میں واجب! اور سعی اس قدر کافی ہے اس لیے کہ وقوفِ عرفات کے بعد سعی کرنا شرط نہیں ہے لیکن طواف کے بعد سعی ہونی چاہیے گو وہ طواف سنت ہے۔

وقوفِ عرفہ کے آداب

اگر عرفہ کے دن اہل قافلہ عرفات میں پہنچ جائیں تو طوافِ قدوم میں مشغول نہ ہوں اور اگر اس دن سے پہلے پہنچیں تو پھر طواف قدوم ضرور کریں ترویہ یعنی ۸ ذوالحجہ کو مکّہ معظمہ سے نکل کر منیٰ میں رات گزار کر دوسرے دن عرفات میں جائے۔ وقوف کا وقت عرفہ کے دن زوال کے بعد سے عید کی صبح تک ہے اگر صبح کے بعد کوئی شخص وہاں پہنچا تو اُس کا حج فوت ہو جائے گا۔ عرفہ کے دن غسل کر کے ظہر و عصر کی نمازیں اکٹھی پڑھے اور دُعا میں مشغول ہو جائے۔ عرفہ کے دن روزہ نہ رکھے تاکہ کمزوری نہ ہو اور خوب دُعا مانگ سکے کیونکہ حج کی اصل غرض و غایت یہی ہے اِس سعید و شریف وقت میں اعزہ کے دِل اور ہمتیں جمع ہوتی ہیں اور دُعائیں قبول ہوتی ہیں اس وقت لا الہ الا اللہ تمام تذکروں سے بہتر ہے۔ زوال کے وقت سے شام تک تضرع اور آہ و زاری اور استغفار، توبۂ نصوح اور سابقہ گناہوں سے عذر کا اہتمام کرے۔ اس وقت کے پڑھنے کی دُعائیں بہت ہیں ان کا لکھنا طوالت کا باعث ہے۔ احیاء العلوم میں تفصیلاً اُن کا ذکر کیا ہے وہاں سے یاد کر لینی چاہئیں پھر جو دُعا یاد ہو وہ پڑھے اور تمام ماثورہ دُعائیں اس وقت پڑھنا بہتر ہے اور اگر یاد نہیں کر سکتا تو دیکھ کر پڑھ لے یا کوئی دوسرا پڑھے اور یہ آمین کہے اور غروبِ آفتاب سے پہلے میدانِ عرفات کی حدود سے نہ نکلے۔

حج کے دُوسرے اعمال کے آداب

عرفات کے بعد مزدلفہ میں جائے اور غسل کرے اس لیے کہ مزدلفہ حرم میں داخل ہے اور مغرب کی نماز دیر میں عشاء کے ساتھ ملا کر ایک اذان اور اقامت سے پڑھے اگر ممکن ہو تو یہ رات مزدلفہ میں جاگ کر گزارے کیونکہ یہ رات بہت اہم اور قیمتی ہے اور یہاں رات کو قیام کرنا عبادت ہے اور جو یہاں قیام نہ کرے گا اسے ایک بکرا ذبح کرنا ہو گا۔ منیٰ میں پھینکنے کے واسطے وہاں سے ستر پتھر اٹھا لے کیونکہ ایسے پتھر وہاں کافی مقدار میں موجود ہوتے ہیں۔ رات کے آخری حصہ میں منیٰ کا قصد کرے اور فجر کی نماز اوّل وقت میں پڑھے اور جب مشعرالحرام میں پہنچے تو اُجالا ہونے تک وہاں قیام کرے اور دُعا میں مشغول رہے پھر وہاں سے اس مقام پر پہنچے گا جس کو وادی محسر کہتے ہیں۔ جانور ہو تو اسے تیز چلائے اور پیدل ہو تو جلدی جلدی چلے یہاں تک کہ وہ میدان طے ہو جائے یہ سنت ہے پھر عید کی صُبح کو کبھی تکبیر کبھی تلبیہ کہے یہ عمل جاری رکھے جب تک اس بلندی پر نہ پہنچ جائے جسے جمرات کہتے ہیں اور اس کو عبور کر کے جب اس بلندی پر پہنچے

جو قبلہ رو ہونے کے راستہ میں داہنے ہاتھ واقع ہے اسے جمرۃ العقبہ کہتے ہیں۔ جب سورج ایک نیزہ کی مقدار میں بلند ہو جائے تو سات پتھر اس جمرہ پر پھینکے اس موقع پر قبلہ رو رہنا اولیٰ ہے یہاں لبیک کے بدلے اللہ اکبر کہے اور ہر پتھر پھینکتے وقت یہ الفاظ کہے :

اَللّٰھُمَّ تَصْدِیْقًا بِکِتَابِکَ وَاتِّبَاعًا لِسُنَّۃِ نَبِیِّکَ۔

جب فارغ ہو جائے تو تلبیہ (لبیک) اور تکبیر کہنا موقوف کردے۔ ہاں ایامِ تشریق کے آخری دن کی صبح تک ہر فرض نماز کے بعد یہ کلمات کہے جو عید کے روز سے چوتھا دن ہے۔ پھر اپنی قیام گاہ میں جا کر دُعا میں مشغول ہو جائے پھر اگر ارادہ ہو تو قربانی کرے اور اس کی شرائط کا اہتمام کرے اور اس وقت بال ترشوائے جب پتھر پھینک چکا اور بال اس دن کٹوا چکا تو گویا احرام سے فارغ ہو گیا اور جو چیزیں احرام کی وجہ سے ممنوع تھیں' اب حلال ہو گئیں۔ ہاں جماع اور شکار ابھی تک جوں کے توں ہیں۔ پھر مکّہ معظمہ جا کر طوافِ رکن کرے عید کی شب جب نصف سے زائد گزر جائے تو طواف کا وقت شروع ہو جاتا ہے لیکن عید کے دن طواف کرنا زیادہ اولیٰ ہے اور اس طواف کے وقت کی کوئی انتہا نہیں بلکہ جتنی بھی تاخیر کرے گا یہ فوت نہ ہو گا لیکن اسے احرام سے چھٹکارا حاصل نہیں ہو گا اور جماع کرنا حرام رہے گا۔ جب یہ طواف بھی طوافِ قدوم کی طرح پوری رعایت کے ساتھ ادا کر لیا تو حج کا اختتام ہو جائے گا۔ اب جماع اور شکار بھی حلال ہو جائے گا۔ اگر سعی پہلے کر چکا ہو تو دوبارہ نہ کرے ورنہ سعی اس طواف کے بعد کرے جب پتھر مار چکا اور بال منڈوا چکا اور طواف بھی کر لیا تو حج مکمل ہو گیا اور احرام سے فارغ ہو گیا۔ لیکن ایامِ تشریق میں پتھر پھینکنا اور منیٰ میں رات گزارنا زوال کے بعد ہوتا ہے جب طواف اور سعی سے فارغ ہو جائے تو پھر منیٰ میں آ جائے اور وہاں رات گزارے کیونکہ یہ واجب ہے۔ دوسرے دن آفتاب کے زوال سے پہلے پتھر پھینکنے کے واسطے غسل کرے اور پہلے جمرہ کو جو عرفات کی طرف ہے سات پتھر مارے اور قبلہ رو کھڑا رہے اور سورۂ بقرہ کی مقدار میں دُعا مانگے پھر سات پتھر درمیان والے جمرۃ میں پھینکے اور دُعا کرے پھر سات پتھر جمرۃ العقبہ میں پھینکے اور اس رات کو منیٰ میں قیام کرے پھر عید کے تیسرے دن بھی اسی ترتیب سے اکیس پتھر ان تینوں جمرات پر مارے اگر چاہے تو اسی پر اکتفا کرتے ہوئے مکّہ معظمہ چلا جائے۔ اگر غروب آفتاب تک ٹھہرا رہے گا تو اس رات کو بھی قیام واجب ہو گا اور اگلے دن پتھر مارنا پڑیں گے۔

عمرہ کا بیان

جب عمرہ کرنا چاہے تو غسل کر کے احرام کے کپڑے پہنے اور مکّہ معظمہ سے نکل کر میقات تک جائے۔ میقات جعرانہ' تنعیم اور حدیبیہ ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔ عمرہ کی نیت کر کے یہ الفاظ ادا کرے لَبَّیْکَ بِعُمْرَۃٍ مسجد عائشہ رضی اللہ عنہا میں جا کر دو رکعت ادا کرے پھر مکّہ معظمہ واپس آئے اور راستہ میں تلبیہ کہے۔ جب مسجد میں پہنچ جائے تو تلبیہ کہنا بند کر دے اور جس طرح حج کے باب میں ذکر ہوا اس کے مطابق طواف اور سعی کرے پھر بال منڈوائے۔ بس عمرہ ادا ہو گیا۔ یاد رہے کہ عمرہ سارا سال ہو سکتا ہے جو لوگ مستقلاً مکّہ معظمہ میں مقیم ہوں انھیں چاہیے کہ بکثرت عمرے کریں ورنہ کم از کم طواف کریں یہ بھی نہ ہو سکے تو بیت اللہ کی زیارت کیا کریں۔ جب خانہ کعبہ کے دروازے میں جائے تو دو

ستونوں کے درمیان نماز پڑھے اور ننگے پاؤں تعظیم و تکریم کے ساتھ اندر جائے اور آبِ زمزم پیٹ بھر کر پیے۔ جس نیت سے پیے گا اسے شفا حاصل ہوگی اس موقعہ پر یہ دُعا پڑھے :

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ شِفَاءً مِنْ کُلِّ سُقْمٍ وَارْزُقْنِی الْاِخْلَاصَ وَالْیَقِیْنَ وَالْمُعَافَاتِ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ

طوافِ وداع کا بیان

جب واپسی کا قصد کرے تو پہلے اپنا سامان سنبھالے اور تمام کاموں سے فارغ ہو کر بیت اللہ سے رخصت ہو یعنی سات بار طوافِ وداع کرے اور دو رکعت نماز پڑھے۔ جیسا طواف کے حال میں ذکر ہو چکا ہے اس طواف میں اضطباع اور جلدی جلدی چلنا ضروری نہیں پھر ملتزم میں جا کر دُعا کرے۔ اور کعبہ کو دیکھتا ہوا اُلٹے پاؤں پھرے یہاں تک کہ مسجد سے باہر آ جائے۔

مدینہ منورہ کی زیارت کا بیان

مدینہ منورہ میں جانا بہت بڑا خیر کا کام ہے کیونکہ جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی میری وفات کے بعد میری زیارت کرے گا اُس نے گویا میری زیارت کی۔ اور فرمایا کہ جو شخص محض زیارت کی غرض سے مدینہ منورہ میں آئے اللہ تعالیٰ کے ذمہ لازم ہو جاتا ہے کہ مجھے اس کا شفیع بنا دے۔ مدینہ منورہ کے راستہ میں دُرود شریف کثرت سے پڑھے اور جب مدینہ منورہ کی مقدس دیواریں نظر آئیں تو یہ کلمات کہے : اَللّٰھُمَّ ھٰذَا حَرَمُ رَسُوْلِكَ فَاجْعَلْہُ لِیْ وَقَایَۃً مِّنَ النَّارِ وَاَمَانًا مِنَ الْعَذَابِ وَسُوْءِ الْحِسَابِ۔

پہلے تو غسل کرے پھر مدینہ منورہ میں داخل ہو خوشبو اور سفید کپڑے استعمال کرے۔ جب شہر میں داخل ہو تو فروتنی اور توقیر کے ساتھ رہے اور یہ کلمات کہے : اَللّٰھُمَّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَصِیْرًا

پھر مسجد نبویؐ میں جا کر منبر کے نیچے دو رکعت نماز اس طرح ادا کرے کہ منبر کا عمود اس کے دائیں کندھے کے مقابل ہو اس واسطے کہ یہاں جناب سرورِ کائنات ﷺ کے قیام کی جگہ تھی۔ پھر زیارتِ روضۂ اطہر کا ارادہ کرے اور مشہد اقدس کی طرف متوجہ ہو اور مُنہ پھیر کر پشت قبلہ رُخ ہو جائے۔ روضہ اطہر کی مقدس دیوار پر ہاتھ رکھ کر بوسہ دینا سنت نہیں ہے بلکہ اصل تعظیم دُور رہنا ہے پھر یہ کلمات کہے :

اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا حَبِیْبَ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا صَفِیَّ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا سَیِّدَ وُلْدِ آدَمَ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا سَیِّدَ الْمُرْسَلِیْنَ وَخَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ وَرَسُوْلَ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ وَعَلٰی اٰلِكَ وَاَصْحَابِكَ الطَّاھِرِیْنَ وَاَزْوَاجِكَ الطَّاھِرَاتِ اُمَّھَاتِ الْمُؤْمِنِیْنَ جَزَاكَ اللّٰہُ عَنَّا اَفْضَلَ مَا جَزٰی نَبِیًّا عَنْ اُمَّتِہٖ وَصَلّٰی عَلَیْكَ کُلَّ مَا ذَکَرَكَ الذَّاکِرُوْنَ وَغَفَلَ عَنْكَ الْغَافِلُوْنَ۔

اگر کسی نے حضرت محمد ﷺ کی خدمت میں ہدیۂ سلام پہنچانے کی وصیت کی ہو تو یوں عرض کرے : اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ

یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مِنْ فُلَانٍ السَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مِنْ فُلَانٍ۔

پھر تھوڑا سا آگے بڑھ کر امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی خدمت میں سلام عرض کرے:

السَّلَامُ عَلَیْکُمَا یَا وَزِیْرَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَالْمُعَاوِنِیْنَ لَهٗ عَلَی الْقِیَامِ بِالدِّیْنِ مَا دَامَ حَیًّا وَالْقَائِمِیْنَ بَعْدَهٗ فِیْ اُمَّتِهٖ بِاُمُوْرِ الدِّیْنِ تَتَّبِعَانِ فِیْ ذٰلِكَ آثَارَهٗ تَعْمَلَانِ بِسُنَّتِهٖ فَجَزَاکُمَا اللّٰہُ خَیْرَ مَا جَزٰی وُزَرَاءَ نَبِیٍّ عَلٰی دِیْنِهٖ

پھر وہاں کھڑے ہو کر جتنی دیر دُعا چاہے مانگے اور وہاں سے فارغ ہو کر بقیع غرقد میں جائے اور وہاں آرام فرمانے والے بزرگوں اور رسول اللہ ﷺ کے احباب اور دوستوں کی زیارت کرے۔ جب مدینہ منورہ سے مراجعت کرے تو جناب نبی مکرم، محبوب ربّ العالمین ﷺ کی زیارت سراپا بشارت سے کونین کی سعادت حاصل کر کے رخصت ہو۔

حج کے اسرار کا بیان

حج کے سلسلہ میں جو کچھ بیان ہوا یہ اس کے ارکان و اعمال تھے لیکن ان میں سے ہر رکن میں ایک بھید اور راز ہے اور ہر ایک کی ایک حقیقت ہے۔ اس سے مقصود عبرت اور آخرت کی یاد ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آدمی اسطرح کی مخلوق ہے کہ وہ جب تک اپنا اختیار اپنے مالک کے سپرد نہ کر دے سعادت کی انتہا کو پہنچنا بہت مشکل ہے جیسا کہ کتاب کی ابتدا میں گزر چکا ہے۔ خواہشات کی پیروی بندہ کے لیے موجب ہلاکت ہے۔ جب تک اپنے اختیار میں ہو اس کا کوئی کام شریعت کے حکم سے نہیں ہوتا بلکہ وہ خواہش کی متابعت بن جاتی ہے اور اس کا کوئی بھی کام بندگی کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتا اور بندگی کے سوا کسی کام میں انسان کی سعادت نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے سابقہ ملتوں میں ہر اُمت کو رہبانیت اور سیاحت کا حکم فرمایا یہاں تک کہ عبادت کرنے والے آبادی سے باہر نکل جاتے۔ مخلوق سے تعلقات منقطع کر لیتے اور پہاڑوں میں جا کر ساری عمر مجاہدہ اور ریاضت میں گزار دیتے۔ جناب رسالت مآب ﷺ سے لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ ہمارے دین میں سیاحت اور رہبانیت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں اس کے عوض اللہ تعالیٰ نے ہمیں جہاد اور حج کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رہبانیت کی جگہ اس اُمت کو حج کا حکم دیا کیونکہ اس میں مجاہدہ کا ثواب بھی حاصل ہو جاتا ہے اور عبرتوں کا سامان بھی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ شریف کو فضیلت عطا فرمائی ہے اور اپنی طرف اس کی نسبت کی اور اس کو بادشاہوں کے درِ دولت کی مانند بنایا۔ اس کے اطراف و جوانب کو محترم ٹھہرایا اور اس کی تعظیم کی خاطر وہاں کے شکار اور درختوں کو حرام کر دیا اور میدان عرفات کو شاہی درِ دولت کے جلوہ خانے کی مانند حرم کے سامنے بنایا تاکہ تمام اطراف سے بیت اللہ سامنے ہو اور ہر طرف سے اس کا ارادہ و قصد کیا جا سکے۔ حالانکہ یہ بات معلوم اور طے شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مکانیت اور خانہ کعبہ میں رہنے سے منزہ اور پاک ہے لیکن آدمی کا شوق جب بے انتہا ہو اور اس کی آرزو حد سے زیادہ ہو تو جو چیز دوست کی طرف منسوب ہوتی ہے وہ جان و دل سے بھی زیادہ مرغوب نظر آتی ہے۔ مسلمانوں نے اسی شوق میں اپنے اہل و عیال اور مال وطن کو ترک کیا اور جنگلوں اور بیابانوں کے خطرات برداشت کرتے

ہوئے غلاموں کی طرح سچے دوست اور مالک مطلق کے آستانۂ عالیہ کا قصد و ارادہ کر لیا اور اس عبادت میں انھیں ایسے کاموں کا حکم ہوا جو بظاہر عقل میں نہیں آتے جیسے پتھر پھینکنا' صفا و مروہ پر دوڑنا اور یہ اس لیے کہ جو چیزیں عقل میں آ جاتی ہیں ان کے ساتھ انسانی نفس بھی کسی نہ کسی درجہ میں مانوس ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کام اور اس کی وجوہات کو جب جان لیتا ہے تو اُنس ہو ہی جاتا ہے مثلاً ایک آدمی جانتا ہے کہ زکوٰۃ کے ذریعہ محتاجوں کی مدد ہو گی اور نماز میں معبودِ حقیقی کے سامنے فروتنی اور عاجزی ہو گی۔ روزہ شیطانی لشکر کی شکست کا سامان ہے۔ ممکن ہے کہ آدمی کی طبیعت عقل کے موافق حرکت کرے لیکن کمالِ بندگی یہ ہے کہ بندہ محض اللہ کے حکم سے کام کرے اور اس کے باطن میں اس کام سے اور کوئی خواہش نہ ہو۔ پتھر پھینکنا اور دوڑنا (سعی) اس قسم کے افعال ہیں کہ عبادت و بندگی کے سوا اور کوئی وجہ نہیں جس کے لیے یہ آدمی کام کرے اسی واسطے جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: لبیك لحجة حقا تعبدا ورقا۔

گویا آپ نے بالخصوص حج کی شان میں یہ فرمایا اور عبودیت و بندگی اس کا نام تجویز فرمایا۔ بعض لوگ جو حیرانی کا شکار ہو جاتے ہیں کہ حج کے اعمال سے مقصد کیا ہے تو یہ حیرانی دراصل ان کی غفلت کے باعث ہوتی ہے وہ حقیقت حال سے بے خبر ہوتے ہیں کہ اس کا مطلب یہی ہے کہ یہاں کوئی مطلب نہیں اور اس سے غرض بے غرضی ہے تاکہ محض عبادت کا رنگ ظاہر ہو اور بندہ کی نظر محض اللہ تعالیٰ کے حکم پر ہو جو اس کا مالک ہے۔ اس میں طبیعت اور عقل کا کسی طرح دخل نہ ہو تاکہ آدمی اپنے آپ کو باقی مطلق جل وعلی مجدہ کے لیے فنا کر دے کیونکہ نیستی اور بے نصیبی میں ہی آدمی کی سعادت ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے حکم کے سوا کوئی چیز باقی نہ رہے۔

حج کی عبرتیں

اس سفر کو اللہ تعالیٰ نے سفر آخرت کی مانند بنایا ہے کیونکہ اُس سے مقصود ایک گھر ہوتا ہے تو اس سفر سے اس کے حالات و مقدمات معلوم کرنے چاہئیں۔ جب آدمی اپنے اہل و عیال اور دوست احباب سے رخصت ہو تو یہ سمجھے کہ یہ رخصت اس رخصت کی مانند ہے جو سکرات الموت میں ہو گی۔ اور اس سفر سے پہلے تمام تعلقات سے فارغ ہو کر آدمی نکلتا ہے اسی طرح آخری عمر میں بھی چاہیے کہ تمام دُنیا سے دِل کو خالی کرے ورنہ سفر آخرت اس کے لیے مشکل ہو جائے گا اور جب اس سفر کے لیے توشہ اور زادِ راہ مہیا کرتا ہے اور ہوشیار ہو کر ہر طرح احتیاط کرتا ہے کہ راستہ میں کہیں تکلیف نہ ہو تو اسی طرح خیال کرنا چاہیے کہ میدانِ حشر بہت بڑا اور ہولناک میدان ہے اور وہاں توشہ زادِ آخرت کی سخت محتاجی ہو گی۔ اور جیسے اس سفر میں وہ چیز اپنے ساتھ نہیں لیتا جو بہت جلد خراب ہونے والی ہوتی ہے کیونکہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ میرا ساتھ نہ دے گی اور یہ توشہ زادِ آخرت کے لائق نہیں اسی طرح جس عبادت میں ریا اور قصور شامل ہو اس کے متعلق خیال کرے کہ یہ آخرت کے توشہ کے قابل نہیں۔ اور جب سواری پر سوار ہو تو جنازہ کو یاد کرے کیونکہ جانا تو ہے ہی اور سفر آخرت میں سواری بھی ہو گی اور ممکن ہے کہ سواری سے اترنے کا موقع نہ ملے اور جنازہ کا وقت آ جائے بہرحال چاہیے کہ یہ سفرِ حج سفر آخرت کا نمونہ بن سکے اور جب احرام کے کپڑے تیار کرے اور نزدیک پہنچتے ہی روز مرہ کے کپڑے اتار کر انھیں پہنے گا اور ظاہر ہے کہ وہ دو سفید چادریں ہیں تو اس وقت کفن کو یاد کرے کہ وہ بھی

تو دُنیا کے لباس سے مختلف ہے اور جب پہاڑ کی گھاٹیاں اور جنگل نظر آئیں تو نکیرین اور قبر کے سانپ بچھو یاد کرے کیونکہ قبر سے میدانِ حشر تک بہت بڑا جنگل ہے اور اس میں ان گنت گھاٹیاں ہیں اور جس طرح بغیر رہبر جنگل کی آفتوں سے بچنا ممکن نہیں اسی طرح عبادت کے بغیر قبر کے ہولناک ماحول سے بچنا ممکن نہیں اور جیسے جنگل میں اہل و عیال اور دوست احباب سے الگ تھلگ اور تنہا ہوتا ہے قبر میں بھی اسی طرح تنہا ہو گا اور جب تلبیہ (لبیک) کہنا شروع کرے تو یہ محسوس کرے کہ اللہ تعالیٰ کی صدا و ندا کا جواب ہے یاد رہے کہ قیامت کے دن اسی طرح صدا ہو گی اسی ہولناک ماحول کا خیال کر کے اس کے خطرات میں ڈوبا رہے۔ علی بن حسین رضی اللہ عنہ کا چہرہ احرام کے وقت زرد ہو جاتا تھا اور بدن میں لرزہ پڑ جاتا تھا اور تلبیہ کہنا مشکل ہو جاتا۔ لوگوں نے تلبیہ نہ کہنے کی وجہ معلوم کی تو فرمایا کہ میں ڈرتا ہوں کہ میرے جواب میں کہیں لا لبیک ولا سعدیک نہ کہا جائے یہ کہا اور بے ہوش ہو کر گر پڑے اور حضرت ابن الحواری رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے وہ حکایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابو سلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے اس وقت لبیک نہ کہا اور ایک میل چل کر آپ کو غش پڑ گیا جب ہوش آیا تو فرمایا حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی کی کہ اپنی اُمت کے ظالموں سے کہہ دے کہ نہ تو مجھے یاد کریں اور نہ ہی میرا نام لیں کیونکہ جو مجھے یاد کرتا ہے میں اسے یاد کرتا ہوں اور جب یاد کرنے والے ظالم ہوں تو میں انھیں لعنت کے ساتھ یاد کرتا ہوں اور فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ جو کوئی حج میں مشتبہ مال خرچ کرتا ہے اور لبیک کہتا ہے اس کو جواب یوں دیا جاتا ہے:

لَا لَبَّيْكَ وَلَا سَعْدَيْكَ حَتّٰى تَرُدَّ مَا فِيْ يَدَيْكَ۔

رہ گئے طواف اور سعی تو ان کی حیثیت یہ ہے جیسے غریب و لاچار لوگ سلاطین کے دروازوں پر جاتے ہیں اور محل کے اِرد گرد چکر لگا کر فریاد کا موقع تلاش کرتے ہیں اور جلو خانے میں آتے جاتے اپنے لیے سفارش تلاش کرتے ہیں اور انھیں اُمید ہوتی ہے کہ شاید بادشاہ کی نگاہ پڑ جائے اور وہ ایک نظر ہمیں دیکھ لے۔ صفا و مروہ کے بیچ کا میدان بادشاہی جلو خانے کی مانند ہے جبکہ عرفات پر کھڑا ہونا اور اِدھر اُدھر سے لوگوں کا وہاں اکٹھا ہونا اور مختلف زبانوں میں دُعائیں مانگنا قیامت کے حالات کی مانند ہے وہاں بھی تمام جہان کے لوگ اکٹھے ہوں گے ہر کسی کو اپنی اپنی فکر ہو گی اور ہر شخص اُمید و خوف کا شکار ہو گا کہ میں مقبولِ بارگاہِ حمد بنتا ہوں یا مردود! رہ گئے پتھر تو اس سے فقط بندگی کا اظہار مقصود ہے اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے مشابہت ہے کہ اس جگہ ابلیس نے آپ کے سامنے آکر وسوسہ ڈالنے کی کوشش کی تو آپ نے پتھر مارے اگر تمھارا خیال ہو کہ شیطان انھیں تو نظر آیا تھا ہمیں تو نظر نہیں آتا اس لیے ہم بے فائدہ و بے مقصد پتھر کیوں ماریں تو اس خطرہ کو شیطانی وسوسہ سمجھ کر بے تامل پتھر مار اور شیطان کی پیٹھ توڑ کیونکہ پتھر مارنے سے اس کی کمر ٹوٹتی ہے اور تجھے فرمانبردار بندہ ہو جانا چاہیے کہ جو حکم ہوا اسے بجا لائے اور اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے تصرف و اختیار میں دے دے اور یہ یقین کرے کہ پتھر مارنے سے تو نے شیطان کو مقہور و مغلوب کر لیا۔

حج کے سلسلہ میں عبرتوں کا بیان اسی قدر کافی ہے کیونکہ اگر کوئی شخص اس راہ کو پہچان گیا تو اسے یہ معانی و حالات دکھائی دیں گے اور جن کا ذہن روشن اور شوق کامل ہو گا اور اس کی سعی و کوشش جتنی ہو گی اتنا ہی اس پر حقائق زیادہ روشن ہوں گے اور وہ ہر معاملہ میں حصّہ اور نصیبہ پائے گا۔ اور حقیقت میں یہی عبادت کی رُوح ہے اور جب یہ باتیں

معلوم ہوں گی تو ظاہری صورتوں سے معنوی حقائق کی طرف بڑھنا آسان ہو گا۔

فصل ۸ ——— قرآن کی تلاوت کا بیان

قرآن شریف کی تلاوت تمام عبادتوں سے بہتر ہے بالخصوص نماز میں بحالتِ قیام اس کا پڑھنا تو ایسا باعث ثواب ہے کہ باید و شاید! جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری اُمت کی عبادات میں سب سے افضل تلاوت قرآن ہے اور ارشاد فرمایا کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے قرآن جیسی نعمت عطا فرمائی ہو اگر وہ کسی اور کی نعمت کو دیکھ کر یہ خیال کرے کہ اسے مجھ سے بہتر چیز ملی ہے تو اُس نے ایسی چیز کی تحقیر کی جس کی اللہ تعالیٰ نے تعظیم و توقیر فرمائی ہے اور فرمایا کہ اگر قرآن کو مثلاً کسی کھال میں رکھیں تو آگ اس کو نہیں چھوئے گی اور فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی پیغمبر یا فرشتہ قرآن سے بڑھ کر شفاعت کرنے والا نہ ہو گا۔ آپ ﷺ نے مزید فرمایا کہ جو شخص تلاوتِ قرآن کی مصروفیت کے پیش نظر اور دُعا نہ مانگ سکے تو میں اسے وہ اجر دوں گا جو شکر گزاروں کو زیادہ سے زیادہ دیا جاتا ہے اور فرمایا کہ دِلوں کو زنگ لگ جاتا ہے ایسے ہی جیسے لوہے کو! تو لوگوں نے پوچھا اس کا صیقل کیا ہے تو فرمایا تلاوتِ قرآن اور موت کی یاد! اور ارشاد ہے کہ میں دُنیا میں تمھارے لیے دو واعظ اور ناصح چھوڑ رہا ہوں جو تمہیں ہمیشہ وعظ و نصیحت کرتے رہیں گے ان میں سے ایک بولنے والا دوسرا خاموش ہے۔ بولنے والا قرآن مجید اور خاموش موت ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ قرآن کی تلاوت کرو کیونکہ ہر حرف کے بدلے دس دس نیکیاں اجر میں عطا ہوتی ہیں پھر فرمایا کہ میں یہ نہیں کہتا کہ ﴿ الٓمّٓ ﴾ ایک حرف ہے بلکہ الف' لام اور میم الگ الگ حروف ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا تو میں نے عرض کیا کہ آپ کے قرب کا افضل ترین ذریعہ کیا ہے تو فرمایا کہ قرآن کی تلاوت میں نے عرض کیا کہ معنی سمجھنے کا اس میں کیا دخل ہے تو فرمایا خواہ معنی سمجھتا ہو یا نہیں ثواب اور قرب ہر حال میں نصیب ہوتا ہے۔

غافل لوگوں کی تلاوت

جو قرآن کی تلاوت کرتا ہے اس کی بڑی وقعت ہے اسے چاہیے کہ قرآن کریم کی عزت و توقیر کا خیال کرے اور ناشائستہ باتوں سے اجتناب کرے ہر وقت مؤدب رہے ورنہ اس بات کا اندیشہ ہے کہ کہیں خدا نہ کرے قرآن اس کا دشمن ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری اُمت کے اکثر منافق قرآن خواں ہو گے۔ حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ دوزخ کا فرشتہ دوسروں کی نسبت مفسر قرآن کو جلدی پکڑے گا۔ توریت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل ہے کہ میرے بندے تجھے شرم نہیں آتی اگر تیرے بھائی کا خط تجھے ملتا ہے تو راستہ میں چلتے چلتے رک جاتا ہے یا راستہ سے الگ ہو کر بیٹھ جاتا ہے اس کا ایک ایک حرف پڑھتا ہے اور اس میں غور و تامل کرتا ہے اور یہ کتاب میرا مقدس نامہ و خط ہے میں نے تیری طرف بھیجا تاکہ تو اس میں غور و تامل کرے اور اس پر عمل کرے لیکن تو اس سے انکار کرتا ہے اور عمل نہیں کرتا اور اگر پڑھتا بھی ہے تو غور و فکر سے کام نہیں لیتا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگلے لوگ یہ جانتے تھے کہ قرآن شریف اللہ تعالیٰ کا نامہ مبارک ہے رات کو اِس میں غور و فکر کرتے اور دن کو اس پر عمل کرتے تم لوگوں

نے یہ رویہ اختیار کیا کہ اس کے زیر و زبر کی درستگی میں تو پڑے رہتے ہو لیکن عمل کے معاملہ میں سستی کرتے ہو۔ الغرض قرآن شریف سے اصلی مقصد فقط اس کا پڑھنا نہیں بلکہ اس پر عمل کرنا ہے۔ پڑھنا اس لیے ہے کہ یاد ہو جائے جب کہ یاد رکھنا عمل کے لیے ہوتا ہے۔ جو لوگ پڑھتے تو ہیں اور عمل نہیں کرتے ان کی مثال ایسی ہے جیسے کسی غلام کے پاس اس کے مالک کا نامہ و خط آئے اس میں مالک نے احکامات لکھے ہوں وہ غلام اس کو خوش آوازی سے پڑھے اور اس کے حروف خوب خوب درست طریق سے نکالے اور اس میں جو احکام ہوں ان کی پرواہ نہ کرے تو ایسا غلام بلاشبہ عقوبت و سزا کا مستحق ہوتا ہے۔

قرآن کی تلاوت کے آداب

ظاہری اعتبار سے چھ چیزوں کی رعایت ضروری ہے پہلے یہ کہ تعظیم کے ساتھ تلاوت کرے پہلے وضو کرے قبلہ رو بیٹھے اور عاجزی و انکساری کے ساتھ تلاوت کرے گویا نماز پڑھ رہا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ جو کوئی نماز میں کھڑے ہو کر قرآن کی تلاوت کرے وہ ہر حرف کے بدلے سو سو نیکیاں حاصل کرتا ہے اور بیٹھ کر نماز میں پڑھے تو پچاس پچاس نیکیاں لکھی جاتی ہیں جو باوضو ہو اور نماز کے علاوہ پڑھے تو اس کو ۲۵، ۲۵ نیکیوں کا اجر ملتا ہے اور اگر وضو بھی نہ ہو تو پھر دس دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور رات کے وقت نماز میں تلاوت کرنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس وقت دلجمعی زیادہ ہوتی ہے۔ دوسرا یہ کہ آہستہ آہستہ اور ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرے اور اس کے معنوں میں تامل و غور و فکر کرے جلدی جلدی پڑھ کر ختم کرنے کے چکر میں نہ پڑے بعض لوگ روزانہ ایک ختم کرتے ہیں حالانکہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص تین دن سے کم میں قرآن ختم کرے گا وہ ان فقہی معارف سے محروم رہے گا جو قرآن میں موجود ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ زلزال اور قارعہ جیسی سورتیں تامل اور غور و فکر کے ساتھ پڑھنا مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ بقرۃ اور آلِ عمران جیسی سورتیں جلدی جلدی پڑھوں۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کسی شخص کو جلدی جلدی قرآن پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ یہ شخص نہ تو قرآن پڑھتا ہے نہ خاموش ہے اگر عجمی ہو کہ معنی نہ جانتا ہو تب بھی آہستہ آہستہ قرآن پڑھنا چاہیے کیونکہ قرآن کی عظمت کا تقاضا یہی ہے۔

تیسرے یہ کہ تلاوت کے دوران روئے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ قرآن پڑھو اور رؤو اگر رونا نہ آئے تو تکلف کر کے رؤو اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ سورۂ بنی اسرائیل میں جو سجدہ کی آیت ہے جب اسے پڑھو تو سجدہ کے لیے جلدی نہ کرو تاوقتیکہ رو نہ لو۔ اگر کسی کی آنکھ نہ روئے تو چاہیے کہ وہ اپنے دِل کو رُلائے اور جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا ہے کہ قرآن شریف رنج کے لیے نازل ہوا ہے جب اس کو پڑھو تو اپنی شکل و صورت غمگین بنا لو اور جو شخص قرآنی وعدوں، وعیدات اور احکام میں تامل کرے گا اور اپنی عاجزی و ناچاری کو محسوس کرے گا تو اسے ضرور ہی فائدہ ہو گا بشرطیکہ اس پر غفلت غالب نہ ہو۔

چوتھے یہ کہ ہر آیت کا حق ادا کرے کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ جب عذاب والی آیت پر پہنچتے تو اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے اور جب رحمت کی آیت پر پہنچتے تو اللہ تعالیٰ سے رحمت مانگتے، تنزیہ والی آیت پر پہنچتے تو تسبیح کرتے جب کہ تلاوت

شروع کرنے سے قبل اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ پڑھتے اور فارغ ہوتے تو یہ دُعا پڑھتے : اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ بِالْقُرْآنِ وَاجْعَلْهُ لِیْ اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّهُدًى وَّرَحْمَةً اَللّٰهُمَّ ذَكِّرْنِیْ مِنْهُ مَا نَسِيْتُ وَعَلِّمْنِیْ مِنْهُ مَا جَهِلْتُ وَارْزُقْنِیْ تِلَاوَتَهٗ آنَاءَ اللَّيْلِ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ وَاجْعَلْهُ لِیْ حُجَّةً يَّارَبَّ الْعَالَمِيْنَ

اور جب سجدہ کی آیت پر پہنچے تو پہلے سجدہ کرے جس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے تکبیر یعنی اللہ اکبر کہے پھر سجدہ کرے۔ نماز کی شرائط یعنی طہارت اور ستر عورت وغیرہ کا سجدۂ تلاوت میں لحاظ رکھنا چاہیے فقط اللہ اکبر کہہ کر سجدہ کرنا ناکافی ہے اس میں نہ تشہد ہے نہ سلام!

پانچویں یہ کہ اگر ریا کا شبہ اور اندیشہ ہو یا کسی کی نماز میں خلل پڑتا ہو تو تلاوت آہستہ کرے اس لیے کہ حدیث میں ہے کہ آہستگی سے قرآن پڑھنے والے کی چلا کر پڑھنے والے پر ایسی فضیلت ہے جیسے چھپا کر صدقہ کرنے والے کی فضیلت علانیہ دینے والے پر ہے۔ ہاں اگر ریا یا دوسرے کی نماز میں خلل کا اندیشہ نہ ہو تو پھر آواز سے پڑھنا بہتر ہے تاکہ دوسرے بھی بہرمند ہوں اور انھیں بھی قرآنی علوم سے آگاہی ہو اور اُن کی ہمت جمع ہو کر شوق میں اضافہ ہو اور نیند رخصت ہو جائے اگر یہ تمام نیتیں جمع ہوں تو ہر ہر نیت پر الگ الگ ثواب نصیب ہو گا۔ نیز دیکھ کر پڑھنا بہتر ہے کیونکہ اس طرح آنکھ بھی مصروف ہوتی ہے۔ لوگوں نے کہا کہ قرآن شریف دیکھ کر ایک ختم کرنا سات ختموں کے برابر ہے۔ علماء مصر میں سے ایک عالم حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے تو انھیں سجدہ میں مصروف پایا لیکن یہ دیکھا کہ قرآن شریف کھلا پڑا ہے۔ کہنے لگا کہ فقہ نے تمھیں قرآن شریف سے باز رکھا ہے میں عشاء کی نماز پڑھ کر تلاوت کرتا ہوں اور صبح تک بیدار رہتا ہوں۔ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے تو وہ رات کے وقت نماز میں چپکے چپکے قرآن کی تلاوت کر رہے تھے آپ نے آہستگی کی وجہ پوچھی تو عرض کیا جس کے حضور مناجات کر رہا ہوں وہ تو سنتا ہی ہے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو وہ چلّا چلّا کر پڑھ رہے تھے اُن سے اِس کی وجہ پوچھی تو عرض کیا کہ میں سوتوں کو جگاتا ہوں' شیطان کو بھگاتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دونوں اچھا کرتے ہیں تو ایسے اعمال نیت کے تابع ہیں چونکہ دونوں کی نیت بخیر تھی اس لیے دونوں کو ثواب ملے گا۔ چھٹے یہ کہ خوش آوازی سے پڑھے اس لیے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن کو اچھی آواز سے آراستہ کرو۔ آپ نے حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام کو دیکھا کہ اچھی آواز سے قرآن شریف پڑھ رہا ہے تو فرمایا : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ فِیْ اُمَّتِیْ مِثْلَهٗ اس کی وجہ یہ ہے کہ آواز جتنی اچھی ہو گی قرآن کا اثر بھی اتنا ہی زیادہ ہو گا۔ خوش الحانی سے پڑھنا سنت ہے لیکن قوالوں کی طرح کلمات و حروف میں بہت زیادہ الحان کرنا مکروہ ہے۔

تلاوتِ کلامِ پاک کے باطنی آداب

باطنی آداب بھی چھ ہیں پہلا یہ کہ اس کی عظمت کو پہچانے اور اسے اللہ تعالیٰ کا کلام سمجھے اور جانے اور یقین کرے کہ یہ قدیم کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت ہے یہ اس کی ذات سے قائم ہے اور جو ہم پڑھتے ہیں وہ حروف ہیں اور جیسے زبان سے آگ کہنا آسان ہے ہر ایک کہہ سکتا ہے لیکن اس کی اصل طاقت مختلف ہے اس طرح قرآن کے حروف کا

معاملہ ہے کہ اگر ان کی اصلیت ظاہر ہوجائے تو زمین و آسمان ان کی تجلی کی تاب نہ لا سکیں اللہ تعالیٰ نے اسی وجہ سے ارشاد فرمایا :

﴿ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ﴾ (الحشر)

اللہ تعالیٰ نے قرآن کی عظمت اور اس کے جمال کو حروف کے لباس میں پوشیدہ کر دیا ہے تاکہ زبان اور دِل کو اس سے تقویت ہو۔ یہی ایک صورت تھی جس کے ذریعہ آدمیوں کو اس کلامِ بلاغت نظام کے جمال سے متعارف کرایا جا سکتا تھا۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حروف کے سوا اور بھی کوئی معاملہ ہے جیسے جانوروں کو ہانکنا اور انھیں مختلف اشارات دینا اور کام کی طرف متوجہ کرنا آدمی کے لیے یہ ناممکن تھا کہ وہ اپنے کلام اور الفاظ سے یہ کام لے کیونکہ جانور اس کے کلام کو نہیں سمجھ سکتے۔ ناچار ایسی آوازیں اور اشارات متعین کیے جو جانوروں سے ملتے جلتے ہیں تاکہ ان کے ذریعہ جانوروں کو جتائیں اور وہ یہ آواز سن کر کام کریں۔ رہ گئی اس کام کی حکمت تو جانور اس کو نہیں جانتے اس لیے کہ بیل کو جو آواز دیتے ہیں تو وہ زمین کو نرم کر دیتا ہے لیکن نرم کرنے کی حکمت کیا ہے اسے وہ نہیں جانتا کہ اس سے مقصد یہ ہے کہ مٹی میں ہوا کا گزر ہو اور اس میں پانی جذب ہو تاکہ یہ تینوں مل کر بیج کی غذا اور تربیت کا ذریعہ بنیں۔ اکثر آدمیوں کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے کہ وہ قرآن شریف سے ظاہری آواز اور معنوں کے سوا کچھ نہیں جانتے یہاں تک کہ بعض لوگ تو اسے صرف حروف اور آواز ہی سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ایسا سمجھنا ضعف و خراب دلی کی دلیل ہے اور اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی یہ خیال کرے کہ آتش کی حقیقت الف ' تا اور شین ہے اور یہ نہ خیال کرے کہ آتش کاغذ کو چھوئے تو اسے جلا دیتی ہے اور کاغذ اس کی تاب نہیں لا سکتا۔ لیکن حروف کی حد تک یہ ہمیشہ کاغذ میں لکھے جاتے ہیں اور کوئی اثر نہیں ہوتا۔ جس طرح ہر جسم کے لیے رُوح ہے اور جسم کا مدار ہی رُوح پر ہے اسی طرح حروف کے معانی بھی رُوح کی مانند ہیں اور حروف تو محض ظاہری ڈھانچہ ہیں اس ڈھانچہ کو جو پختہ عظمت اور اہمیت حاصل ہے وہ حروف ہی کی مانند ہے اور اس کی پوری تحقیق اس کتاب میں ممکن نہیں ۔ دوسرا ادب یہ ہے کہ چونکہ یہ کلامِ الٰہی ہے اس لیے تلاوت شروع کرنے سے پہلے اچھی طرح یہ خیال دِل میں جمائے کہ میں کس کا کلام پڑھنے لگا ہوں اور کتنا بڑا کام کرنے والا ہوں۔ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴾

جس طرح مصحف کو ظاہری طور پر نہیں چھوتا تاوقتیکہ اپنے آپ کو پاک نہ کرے اسی طرح وہ دِل جو بُرے اخلاق کی نجاست سے پاک ہو گا وہی اس کی حقیقت کو پائے گا اور اس کی عظمت کے نور سے آراستہ ہو گا۔ یہی سبب تھا کہ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ جب کلام پاک کھولتے تو ان پر غشی طاری ہو جاتی اور فرماتے هُوَ كَلَامُ رَبِّيْ ۔ حقیقت یہ ہے کہ کلام کی عظمت اس وقت تک نہیں جانی جا سکتی جب تک صاحب کلام کی عظمت کو نہ جانا جائے اور آدمی صاحب کلام کی صفات اور افعال کے متعلق نہ سوچے جیسے عرش' کرسی' سات زمین و آسمان اور جتنی چیزیں ان کے درمیان ہیں' فرشتے' جن' انسان چوپائے ' حشرات الارض' جمادات' نباتات اور باقی مختلف النوع مخلوقات ان سب کا خیال کرے اور یہ سمجھے کہ یہ

کلام اسی کا ہے جس کے قبضہ میں یہ سب کچھ ہے اگر وہ ان سب کو ہلاک کر دے تو اسے پرواہ نہیں اور اس کے کمال میں کوئی نقص نہیں آئے گا سب کا خالق' محافظ اور رازق وہی ہے جب ان تمام باتوں کا خیال کرے گا تو اس کی عظمت کا کوئی حصہ دل میں آ ہی جائے گا۔ تیسرا ادب یہ ہے کہ تلاوت کے دوران اپنے دِل کو حاضر رکھے غفلت کا مظاہرہ نہ کرے نفسانی خواہشات میں دِل کو نہ بھٹکنے دے اور جو کچھ غفلت کی حالت میں پڑھا اسے نہ پڑھنے کے برابر خیال کرے اور دوبارہ اس حصہ کی تلاوت کرے۔ اسکی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص باغ کی سیر کے لیے جائے اور وہاں کے عجائبات سے غافل ہو کر اسی حال میں واپس باہر چلا آئے۔ تو قرآن مجید مسلمانوں کے لیے باغ کی مانند ہے جس میں عجائبات اور حکمتیں بہت ہیں اگر کوئی شخص غور و فکر کرے تو وہ کسی دوسری چیز کی طرف متوجہ نہ ہوگا اور جو اس کے معانی اور اس کے عجائبات سے غافل رہا وہ بہت بڑا بدنصیب ہے اس لیے لازم ہے کہ اس کی عظمت دِل میں رکھے تاکہ خیالات دسری طرف منعطف نہ ہوں۔ چوتھا ادب یہ ہے کہ ہرِ لفظ کے معانی کا خیال کرے تاکہ وہ سمجھ میں آئیں اگر ایک مرتبہ نہ سمجھے تو دوبارہ تلاوت کرے اگر کچھ لذت حاصل ہو تو بھی اعادہ کرے زیادہ تلاوت سے ایسا کرنا بہتر ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ نے ایک شب نماز میں اس آیت کو بار بار پڑھا:

﴿ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴾ (الانعام)

اور بیس بار بسم اللہ کا اعادہ کرتے جبکہ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق منقول ہے کہ انھوں نے ساری رات اس آیت میں بسر کر دی۔ ﴿ وَامْتَازُوا الْيَوْمَ اَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ ﴾ (یٰسٓ)

اگر کوئی شخص ایک آیت کی تلاوت کرے اور دوسری آیت کے معنی کا دھیان کرے تو اُس نے اس آیت کا حق ادا نہیں کیا۔ ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ حضرت عامر بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ وساوس کا گلہ فرماتے لوگوں نے ان کی کیفیت پوچھی تو فرمایا کوئی میرے سینہ پر چھری مارے یہ اس کے مقابلہ میں بہت آسان ہے کہ نماز میں خیالات کا تانتا ہو۔ مجھے اس بات کا شدت سے احساس رہتا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور کیسے کھڑا ہوں گا اور وہاں سے کیسے پھروں گا۔ ان کا گویا یہ حال تھا کہ وہ اس قسم کے خیالات کو بھی وساوس میں شمار کرتے اس حکم کی بنا پر آدمی کو چاہیے کہ جو آیت نماز میں پڑھے اس وقت اس کے سوا کسی اور چیز کا خیال نہ کرے کسی اور بات کا خیال کرنا اگرچہ وہ اُمورِ دین میں سے ہو وساوس میں شامل ہے اس لیے لازم ہے کہ جو آیت پڑھے اس کے معنوں میں فکر کرے جب وہ آیتیں تلاوت کرے جن میں اللہ کی صفات کا ذکر ہے تو ان صفات کے اسرار میں غور و فکر کرے مثلاً یہ کہ قدوس' عزیز' جبار اور حکیم وغیرہ کے کیا معنی ہیں اور جب وہ آیتیں پڑھے جن میں اللہ تعالیٰ کے افعال کا ذکر ہے مثلاً ﴿ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ﴾ وغیرہ تو مخلوق کی عجائبات کو دیکھ کر خالق کی عظمت کا خیال کرے اور اس کے کمالِ علم و قدرت کا دھیان کرے حتیٰ کہ ایسا ہو جانا چاہیے کہ ہر چیز میں خدا ہی نظر آئے اور دیکھنے کا ذریعہ بھی اسی کو سمجھے جب یہ آیت پڑھے: ﴿ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ ﴾ تو نطفہ کے عجائب کا خیال کرے کہ ایک طرح کے پانی کے ایک قطرہ سے اللہ تعالیٰ نے کیسی کیسی مختلف چیزیں پیدا کی ہیں مثلاً گوشت پوست' رگ' ہڈی وغیرہ اور اعضاء میں سر' ہاتھ' پاؤں' آنکھ' زبان وغیرہ کیونکر پیدا ہوتے ہیں پھر یہ سوچے کہ سمع' بصر' حیات جیسی عجیب و غریب قوتیں کیونکر ظہور میں آتی ہیں۔ قرآن مجید کے تمام معانی

کا بیان کرنا تو مشکل ہے اس بیان سے غور و فکر کے معاملہ میں آگاہ کرنا مقصود ہے اور یاد رکھنا چاہیے کہ تین آدمی ایسے ہیں جنہیں قرآن شریف کے معانی معلوم نہیں ہو سکتے ایک تو وہ جس نے ظاہری تفسیر نہ پڑھی ہو اور عربی زبان سے نابلد ہو۔ دوسرا وہ جو کسی کبیرہ گناہ کو بار بار کرتا ہو یا کسی بدعت کا اعتقاد اس کے دِل میں جما ہوا ہو اور اس کا دِل گناہ اور بدعت کی ظلمت سے تاریک ہو گیا ہو۔ تیسرا وہ شخص جس نے عِلمِ کلام سیکھا اور اس میں کوئی عقیدہ پڑھا اور وہ اس کی ظاہری ہیئت پر اکتفا کرنے لگا حتیٰ کہ اس کے دِل میں اس کے خلاف جو آتا ہے وہ اس سے نفرت کرنے لگتا ہے تو ناممکن ہے کہ یہ شخص اس ظاہری ہیئت سے پھر جائے۔

پانچواں ادب یہ ہے کہ اس کا دِل صفاتِ مختلفہ کے ساتھ حرکت کرتا رہے جس طرح کی آیات آئیں اسی طرح کا احساس اس کے اندر پیدا ہو مثلاً ایسی آیت آئے جس میں خوف کا ذکر ہو تو دِل پر خوف و ہراس کا غلبہ ہو اور رقت طاری ہو اور رحمت کی آیت پر پہنچے تو دِل میں فرحت و انبساط کی کیفیت پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ کی صفات سامنے آئیں تو عاجزی و انکساری کی تصویر بن جائے۔ اور وہ آیات آئیں جن میں کفار کے عقائد باطلہ اور انکے اقوال کا ذکر ہو مثلاً خدا کے شریک یا فرزند وغیرہ کے اقوال تو آواز ہلکی کر کے پڑھے اور شرم و خجالت کی کیفیت پیدا کرے الغرض اسی طرح ہر آیت کے مقتضیٰ کا خیال کرے تاکہ اس کا حق ادا ہو اور چھٹا ادب یہ ہے کہ قرآن کی تلاوت اس طرح کرے گویا اللہ تعالیٰ سے سن رہا ہے اور یہ فرض کرے کہ فی الحال اسی سے سنتا ہے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ میں قرآن شریف کی تلاوت کرتا تھا لیکن حلاوت و لذت سے محروم تھا۔ یہاں تک کہ میں نے فرض کر لیا کہ میں جناب رسول اللہ ﷺ کی زُبانِ اقدس سے سن رہا ہوں اور ترقی کی تو یہ خیال کیا کہ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام سے سنتا ہوں تو حلاوت میں اضافہ ہوا پھر اور آگے بڑھا اور اس مرتبہ کو پہنچا کہ اب یہ محسوس کرتا ہوں کہ گویا بغیر کسی واسطہ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ سے سنتا ہوں تو اب جو لذت و حلاوت نصیب ہوتی ہے وہ ایسی ہے کہ ایسی کبھی نصیب نہ ہوئی تھی۔

فصل ۹ ——— اللہ تعالیٰ کے ذکر کا بیان

اللہ تعالیٰ کی یاد تمام عبادات کا خلاصہ اور ان کی رُوح ہے کیونکہ نماز اسلام کا ستون تو ہے لیکن مقصد اس سے بھی ذکر الٰہی ہی ہے۔ ارشاد باری ہے :

﴿ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللّٰہِ اَکْبَرُ ﴾

اور قرآن کی تلاوت تمام عبادات سے اس لیے افضل ہے کہ وہ اللہ کا کلام ہے اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتا ہے اور اس میں جو کچھ ہے وہ حق تعالیٰ کے ذکر کی تازگی کا سبب اور واسطہ ہے اور روزہ کا مقصود شہوات و خواہشات کا قلع قمع ہے انسانی دِل جب شہوات و خواہشات سے نجات پاتا ہے تو اس کا تزکیہ ہو جاتا ہے اور پھر وہ اللہ تعالیٰ کا مستقر بن جاتا ہے کیونکہ جب تک اس میں شہوات و خواہشات کا غلبہ ہو گا اس وقت تک اس سے یادِ الٰہی ناممکن ہے اور ذکر موثر بھی نہیں ہوتا اور حج نام ہے اللہ تعالیٰ کے گھر کی زیارت کا اور اس سے مقصد صاحب خانہ کی یاد اور اس کی ملاقات کا شوق ہوتا ہے تو ذکر تمام عبادات کا خلاصہ ہوا بلکہ اسلام کی جڑ اور بنیاد کلمہ طیبہ ہے اور یہ عین ذکر ہے اور تمام عبادات اسی ذکر کی تاکید

اور اس جذبہ کو مستحکم کرنے والی ہیں اور انسانی ذکر کا ثمرہ یہ سامنے آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو یاد کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا ثمر ہو سکتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے : ﴿ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ ﴾ (البقرہ) اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ یاد کرنا چاہیے اور اگر ایسا نہ ہو تو اکثر اوقات تو بہرحال ہونا چاہیے کیونکہ انسان کی فلاح اس سے وابستہ ہے۔ ارشاد ہے : ﴿ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ (الجمعہ) اور اللہ تعالیٰ نے ان بندوں کی تعریف فرمائی جو کھڑے بیٹھے اور ہر وقت ہر حال میں اس کی یاد کرتے ہیں۔ ارشاد ربّانی ہے : ﴿ اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ ﴾

اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ نے اپنی یاد کا حکم دیا اور فرمایا کہ کسی وقت اس فریضہ سے غافل نہ ہونا چاہیے۔ ﴿ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ ﴾ (الاعراف)

جناب رسول اللہ ﷺ سے لوگوں نے پوچھا کہ تمام کاموں میں کون سا عمل افضل ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ مرتے وقت ذکرِ الٰہی سے زُبان کا تر ہونا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں تمھیں وہ کام نہ بتلاؤں جو سب سے بہتر اور مقبول ہیں اور تمھارے لیے انتہائی درجات کا سبب و ذریعہ ہیں اور سونا چاندی صدقہ کے طور پر دینے سے افضل ہیں حتیٰ کہ اللہ کے دشمنوں کے ساتھ اس جہاد سے بھی افضل ہیں جس میں تم دشمنوں کی گردنیں اڑاؤ اور وہ تمھاری گردنیں اڑائیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ وہ کونسا کام ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ذکر اللہ یعنی اللہ کو یاد کرنا اور فرمایا کہ جو شخص ذکر کی وجہ سے دُعا نہیں مانگ سکتا اس کو جو عطیہ ملتا ہے وہ مانگنے والوں سے بہتر ہوتا ہے اور فرمایا کہ ذاکر کی مثال ایسے ہے جیسے مردوں میں زندہ اور سوکھی گھاس میں ہرا درخت اور جہاد سے بھاگے ہوؤں میں ثابت قدمی دکھانے والا غازی۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ اہل جنت کے لیے سب سے زیادہ حسرت کا باعث وہ گھڑی ہو گی جو یادِ الٰہی سے غفلت میں گزری۔

ذکر کی حقیقت کا بیان

ذکر کے چار درجے ہیں ایک تو یہ کہ محض زُبانی ذکر ہو دِل اس سے غافل اور بے فکر ہو گو کہ اس کا اثر کم ہوتا ہے لیکن بالکل بے اثر نہیں ہوتا اس لیے کہ وہ زُبان جو ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو اس سے بہرحال بہتر ہے جو بے ہودہ باتوں میں مصروف ہو یا بالکل بیکار اور معطل ہو۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ دِل سے ذکر ہو لیکن اس میں قرار نہ ہو اور گھر نہ کر لے بلکہ دِل کو تکلف کے ساتھ مشغول رکھنا پڑے اگر یہ جدوجہد اور تکلف نہ ہو تو دِل غفلت یا نفس کے خطرات سے پھر اپنی طبیعت کے مطابق ہو جائے گا۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ ذکر دِل میں قرار پکڑ لے اور ایسا غالب آ جائے کہ دوسرے کاموں کی طرف اسے تکلف سے مشغول کرنا پڑے یہ بڑی سعادت ہے اور چوتھا درجہ یہ ہے کہ جس کا ذکر ہے وہ دِل میں بس گیا ہو اور وہ حضرتِ حق کی ذاتِ گرامی ہے اور ذکر دِل میں نہ ہو کیونکہ جس کا دِل مذکور کو دوست رکھتا ہو وہ اس سے بہتر ہے جو ذکر کو محبوب رکھتا ہو اور ان میں بڑا فرق ہے بلکہ کمال یہ ہے کہ ذکر کا خیال بالکل دِل سے جاتا رہے اور مذکور ہی مذکور رہ جائے۔ اس لیے کہ ذکر چاہے عربی زُبان میں ہو یا فارسی میں سخن نفس سے خالی نہ ہو گا۔ بلکہ عین سخن ہو گا دراصل بات یہ ہے کہ سخن چاہے کسی زُبان میں ہو دِل ان سب چیزوں سے خالی ہو اور دِل میں دوسری کسی چیز کی گنجائش نہ ہو۔

فرطِ محبت جس کو عشق کہتے ہیں یہ صورت اس کا نتیجہ ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ عاشق ہمیشہ معشوق ہی کی طرف متوجہ رہتا ہے اور یہ پوزیشن ہو جاتی ہے کہ اس کے تصور اور اس کے کمالات کے خیال میں اس کا نام بھی بھول جاتا ہے جب استغراق کی یہ کیفیت ہو جائے گی تو انسان اپنے آپ کو اور جو کچھ اللہ کے سوا ہے سب کو بھول جائے گا۔ اور تصوف کے پہلے راستہ پر گامزن ہو جائے گا۔ حضرات صوفیہ رحمۃ اللہ علیہم اس حالت کو نیستی و فنا سے تعبیر کرتے ہیں یعنی جو کچھ ہے وہ اس کے ذکر کی وجہ سے نیست و نابود ہو گیا حتیٰ کہ خود بھی نیست ہو گیا اور اپنے آپ کو بھی بھول گیا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی مخلوقات میں ہزاروں قسم کی وہ مخلوق ہے جس کی ہمیں خبر نہیں وہ ہمارے حق میں نیست ہیں اور جن کی ہمیں خبر ہے وہ گویا ہست ہیں اگر وہ مخلوق جو ہمیں معلوم ہے کسی کو بھول جائے تو گویا اس کے حق میں وہ بھی نیست ہو گئی اور جب اپنی خودی کو بھول گیا تو گویا خود بھی اپنے نزدیک نیست ہو گیا۔ اور جب حضرتِ حق کے سوا کوئی چیز اس کے ساتھ نہ رہی تو اب تنہا وہی ہست اور اس کے سامنے موجود ہو گا۔

جب تم نگاہ دوڑاؤ اور زمین و آسمان کے سوا کوئی چیز نہ دیکھو تو تم یہی کہو گے کہ اس کے سوا کچھ بھی نہیں اور بس یہی جہان ہے اسی طرح یہ ذاکر بھی اللہ کے سوا کچھ نہیں دیکھتا اور کہتا ہے "ہمہ اوست" یعنی اللہ ہی اللہ ہے اور اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ اس مقام پر اس کے اور اللہ کے درمیان جدائی نہیں رہتی اور ایک طرح کی یگانگی حاصل ہو جاتی ہے یہ توحید و وحدانیت کا پہلا عالم ہے گویا جدائی اٹھ گئی۔ جدائی اور دوئی کی خبر ہی نہیں رہتی اس لیے کہ جدائی تو وہ جانتا ہے جو دو چیزیں جانے اور یہ جب اپنے آپ سے بھی بے خبر ہو گیا تو جدائی کہاں؟ آدمی جب اس درجہ پر پہنچتا ہے تو فرشتوں کی صورتیں اس پر ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام کی رُوحیں بڑے جمیل و حسین انداز میں نظر آتی ہیں حضرتِ حق کی جو خاص چیزیں ہیں وہ منکشف ہونے لگتی ہیں اور عجیب و غریب حالات ظاہر ہوتے ہیں جن کا بیان ممکن نہیں ایسا انسان جب کبھی اپنے آپ کی طرف پلٹ کر مختلف کاموں سے آگاہ ہوتا ہے تو اس حالت کا اثر اس میں باقی رہتا ہے اور اس حالت کا شوق ایسا غالب آتا ہے کہ دُنیا و مافیہا سب اسے ناگوار معلوم ہوتی ہے وہ بدن کے اعتبار سے تو آدمی ہوتا ہے لیکن دِل کے اعتبار سے غائب رہتا ہے بلکہ اور لوگوں کو تعجب کی نظر سے دیکھتا ہے کہ یہ دُنیا کے کاموں میں مشغول ہیں اور رحمت و حسرت کی نگاہ سے اس لیے دیکھتا ہے کہ یہ لوگ کتنے عمدہ کام سے محروم ہو کر کہاں پھنسے ہوئے ہیں۔ جبکہ لوگ اس کی دُنیا سے لاتعلقی پر ہنستے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ سودائی ہے۔ اگر کوئی شخص اس درجہ کو نہ پہنچے اور اس پر ایسے حالات ظاہر نہ ہوں بلکہ محض یادِ الٰہی اس پر غالب ہو تب بھی کیمیائے سعادت ہے اس لیے کہ جب ذکر غالب ہو گا تو انس و محبت دِل پر چھا جائے گی حتیٰ کہ وہ حضرتِ حق کو دُنیا و مافیہا سے زیادہ دوست خیال کرے گا اور یہی اصل سعادت ہے اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہو گا تو موت سے اس کے دیدار کے سبب کمالِ لذت سے حصّہ ملے گا اور جس شخص نے دُنیائے دنی کو اپنی محبوب بنایا اور جو اس پیرزال پر عاشق و مفتون ہے وہ اس کی محبت کے پیش نظر رنج و اذیت برداشت کرے گا جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا تو کوئی شخص اگر بہت ذکر کرتا ہو اور صوفیاء والے حالات اس پر ظاہر نہ ہوں تو اسے بیزار و پریشان نہ ہونا چاہیے کیونکہ سعادت کا انحصار اس پر نہیں اس لیے کہ جب دِل ذکر الٰہی کے نور سے منور ہو گیا تو کمالِ سعادت نصیب ہو گی اور جو کچھ اس جہان میں ظاہر نہ ہو گا وہ مرنے کے بعد ان شاء اللہ ظاہر ہو

گا تو آدمی کو چاہیے کہ دِل کے مراقبہ کا التزام کرے تاکہ اللہ تعالیٰ سے تعلق استوار رہے اور غافل نہ ہو اسے یقین کرنا چاہیے کہ دائمی ذکر حضرتِ حق کے عجائبات کی کنجی ہے اور آنحضرت ﷺ نے جو فرمایا کہ جو شخص جنت کے باغوں کی سیر کرنا چاہتا ہو اسے چاہیے کہ بکثرت ذکر کرے' اس کا یہی معنی ہے۔ یہ جو کچھ بیان کیا گیا اس سے معلوم ہوا کہ ذکر تمام عبادات کا خلاصہ ہے اور حقیقی ذکر یہ ہے کہ اوامر و نواہی کے وقت خدا کو یاد کرے اور گناہ سے ہاتھ کھینچ لے' حکم الٰہی کی تعمیل کرے۔ اگر اللہ کی یاد اسے اس منزل پر نہیں لائی تو سمجھ لے کہ وہ ذکر محض سخن نفس اور بے حقیقت ہے۔

تسبیح، تہلیل، تحمید اور صلوٰۃ استغفار کے فضائل کا بیان

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کے ہر عمل کو قیامت کے دن ترازو میں تولا جائے گا۔ البتہ تہلیل یعنی لا الہ الا اللہ کا معاملہ یہ ہے کہ اگر اسے ترازو میں رکھیں تو ساتوں زمین' آسمان اور جو کچھ ان میں ہے ان سب سے یہ کلمہ وزنی ہو گا نیز فرمایا کہ یہ کلمہ پڑھنے والا اگر سچا ہے اور صدقِ دِل اور خلوص کے ساتھ پڑھتا ہے تو اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اگرچہ وہ زمین کی خاک کے برابر ہوں اور فرمایا کہ جس نے خلوص سے یہ کلمہ پڑھا وہ جنت میں جائے گا اور فرمایا کہ جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ روزانہ سو بار پڑھے تو اسے دس غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا اور سو نیکیاں اس کے نامۂ عمل میں لکھی جائیں گی جبکہ سو گناہ مٹا دیئے جائیں گے اور رات تک یہ کلمہ اس کے لیے حصار کا کام دے گا۔ اور صحیح بخاری میں ہے کہ جس نے یہ کلمہ پڑھا اُس نے گویا اولادِ اسماعیل علیہ السلام میں سے چار غلاموں کو آزاد کیا۔

تسبیح اور تحمید کا بیان

جنابِ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دن میں سو مرتبہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ پڑھے گا اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اگرچہ وہ پانی کی جھاگ کے برابر ہوں اور فرمایا کہ جو شخص ہر نماز کے بعد سبحان اللہ ۳۳ بار' الحمد للہ ۳۳ بار اور اللہ اکبر ۳۳ بار کہہ کر سو کا عدد اس کلمہ سے پورا کرے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ تو اس کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے اگرچہ وہ دریا کی جھاگ کے برابر ہوں۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ ایک صاحب آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ دُنیا نے مجھ سے مُنہ موڑ لیا تنگ دستی' عاجزی اور احتیاج کا شکار ہو گیا ہوں مجھے تدبیر بتلایئے' آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم فرشتوں کی اس دُعا اور باقی مخلوق کی اس تسبیح سے بے خبر ہو جو ان کی روزی کا ذریعہ ہے؟ اُس نے عرض کیا کہ وہ کیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ

نمازِ فجر سے پہلے سو بار روزانہ پڑھا کرو تاکہ دُنیا خود بخود تمھاری طرف متوجہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ہر کلمہ سے ایک فرشتہ پیدا کرتے ہیں جو قیامت تک تسبیح میں مشغول رہے گا اور اس کا ثواب تجھے ملے گا اور ارشاد فرمایا کہ یہ کلمات باقیات الصالحات میں سے ہیں:

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ

اور ارشاد فرمایا کہ میں اُن کلمات کو پڑھتا ہوں اور وہ تمام چیزیں جن پر سورج طلوع ہوتا ہے' ان سے یہ کلمات مجھے زیادہ عزیز ہیں اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو یہ کلماتِ اربع تمام کلموں سے زیادہ پیارے ہیں۔ مزید ارشاد ہوا کہ دو کلمے ایسے ہیں جن کا پڑھنا زبان کے لیے بہت آسان ہے لیکن وہ میزان میں بڑے وزنی ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کو وہ بہت زیادہ محبوب ہیں۔ وہ کلمے یہ ہیں :

سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ

صاحب احتیاج لوگوں نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ آخرت کا سارا ثواب تو امراء و اغنیاء لے اُڑے کیونکہ جتنی عبادت ہم کرتے ہیں اتنی ہی وہ بھی کرتے ہیں اور اس کے علاوہ صدقہ بھی کرتے ہیں جس کی ہم میں طاقت نہیں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمھاری محتاجی کے سبب تمھاری تسبیح' تہلیل اور تکبیر صدقہ ہے اسی طرح امربالمعروف اور نہی عن المنکر صدقہ ہے۔ اگر تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کے مُنہ میں ایک لقمہ ڈال دے تو وہ بھی صدقہ ہے۔

تمھیں معلوم کرنا چاہیے کہ درویش کے حق میں تسبیح و تہلیل کی فضیلت اس وجہ سے زیادہ ہے کہ اس کا دِل دُنیا کی ظلمت و تاریکی کی وجہ سے تاریک نہیں ہوتا۔ وہ ایک کلمہ جو کہتا ہے تو وہ اس بیج کی مانند ہوتا ہے جو اچھی اور ستھری زمین میں ڈالا جائے جس طرح وہ بیج موثر ہوتا ہے اور بہت زیادہ پھل دیتا ہے اسی طرح وہ ذکر ہے جو ذکر ایسے دِل سے ہو جو خواہشاتِ دُنیوی سے بھرا ہوا ہو تو اس کی مثال ایسے بیج کی ہوتی ہے جو سیم زدہ اور بیکار زمین میں ڈالا جاتا ہے۔

درود شریف کا بیان

رسول اللہ ﷺ ایک دن گھر سے باہر تشریف لائے تو آپ ﷺ کے چہرۂ انور سے خوشی و مسرت کے آثار ظاہر ہو رہے تھے آپ ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیل امین علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام لے کر تشریف لائے تھے کہ حضرت حق فرماتے ہیں کہ کیا آپ کو یہ بات پسند نہیں کہ آپ کی اُمت میں سے جو شخص آپ پر ایک مرتبہ دُرود بھیجے میں اُس پر دس مرتبہ رحمت بھیجوں اور جو ایک بار سلام بھیجے میں اس پر دس مرتبہ سلام بھیجوں اور فرمایا کہ جو شخص مجھ پر درود بھیجتا ہے تمام فرشتے اس پر دُرود بھیجتے ہیں زیادہ بھیجیں یا کم! اور میرا سب سے زیادہ قرب اس شخص کو حاصل ہو گا جو مجھ پر بکثرت دُرود بھیجے اور جو شخص مجھ پر ایک بار دُرود بھیجتا ہے اس کے نامۂ اعمال میں دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور دس برائیاں مٹا دی جاتی ہیں اور ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص کوئی تحریر لکھے جس میں میرے نام پر دُرود بھی لکھا ہو تو جب تک میرا نام اس میں لکھا ہوا موجود رہتا ہے فرشتے اس کے واسطے مغفرت کی دُعا کرتے رہتے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

استغفار کا بیان

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ قرآن شریف میں دو آیتیں ایسی ہیں کہ جو شخص گناہ کے بعد ان دونوں آیتوں کو پڑھ کر استغفار کرے گا تو اس کا گناہ بخش دیا جائے گا وہ دو آیتیں یہ ہیں :

﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴾ (آلِ عمران)

اور دوسری آیت یہ ہے:

﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ (النساء)

اور اللہ تعالیٰ جناب رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

﴿ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ﴾

اسی وجہ سے جناب رسول اللہ ﷺ اکثر فرماتے:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ

اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص استغفار کرے گا اسے کسی قسم کا رنج ہو اس کی برکت سے خوش ہو جائے گا اور ایسی جگہ سے روزی حاصل کرے گا جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہ ہو اور ارشاد فرمایا کہ میں دن میں ستر مرتبہ توبہ اور استغفار کرتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ کا جب یہ حال تھا تو دوسروں کو کسی بھی طرح توبہ اور استغفار سے غافل نہیں ہونا چاہیے آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص سوتے وقت تین بار اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ پڑھے تو اُس کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اگرچہ وہ کثرت کے اعتبار سے دریا کی جھاگ' صحرا کی ریت' درخت کے پتوں اور دُنیا کے ایام کے برابر ہوں آپ ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا کہ جو شخص گناہ کے بعد اچھی طہارت کر کے دو رکعت نماز پڑھتا ہے اور اس کے بعد استغفار کرتا ہے تو اس کا گناہ بخش دیا جاتا ہے۔

دُعا کے آداب کا بیان

تضرع اور زاری سے دُعا کرنا اس کی مقبولیت کا باعث ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ دُعا تمام عبادات کا مغز اور خلاصہ ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ عبادات سے مقصد اظہارِ عبودیت و بندگی ہے اور اس کا راز اِسی میں ہے کہ بندہ اپنی شکستگی و عاجزی اور پروردگارِ عالم کی عظمت و قدرت کو دیکھے اور یہ دونوں باتیں دُعا میں بطریق اتم موجود ہیں۔ اسی لیے دُعا میں تضرع و زاری جس قدر زیادہ ہو گی اتنا ہی زیادہ فائدہ ہو گا۔

آٹھ آداب ایسے ہیں جن کی رعایت دُعا میں بہت ضروری ہے۔ پہلا تو یہ کہ مبارک ایام اور اوقات کا لحاظ رکھے اور ان میں زیادہ دُعا مانگے مثلاً یومِ عرفہ' رمضان المبارک' جمعہ کا دن' صُبح کا وقت اور رات کا درمیانی حصّہ۔ دوسرا ادب یہ ہے کہ ان حالات کا بھی خیال رکھے جو قبولیت دُعا کا زیادہ سبب ہوتے ہیں جیسے غازی ہے تو جنگ کرنے کا وقت اور بارش اور فرض نماز کا وقت کیونکہ حدیث میں ہے کہ ان اوقات میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ اسی طرح اذان اور تکبیر کا درمیانی عرصہ۔ روزہ کی حالت اور وہ وقت جب دِل پر رقت کا غلبہ ہو اس لیے کہ دِل کی رقت رحمت کا دروازہ کھلنے کی دلیل ہے۔ تیسرا ادب یہ ہے کہ دونوں ہاتھ اٹھائے اور دُعا کے اختتام پر مُنہ پر پھیرے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھائے جائیں اور وہ انھیں خالی واپس لوٹا دے وہ اس سے بہت برتر ہے جناب

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی دُعا کرے گا یا تو اس کے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے یا فوری طور پر کوئی چیز اسے ملے گی یا آئندہ کوئی نعمت دستیاب ہو گی۔ گویا ان تین حالات میں سے ایک نہ ایک حالت پیش آئے گی۔ چوتھا ادب یہ ہے کہ دُعا میں عدمِ قبولیت کا خیال نہ کرے بلکہ دِل کو اس بات پر مطمئن کرے کہ ضرور قبول ہو گی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا :

((اُدْعُوا اللّٰهَ وَاَنْتُمْ مُوْقِنُوْنَ بِالْاِجَابَةِ))

پانچواں ادب یہ ہے کہ دُعا خشوع و خضوع اور حضوریٔ قلب کے ساتھ کرے اور بار بار کرے اس لیے کہ حدیث میں ہے کہ جو دِل غافل ہو اس کی دُعا قبول نہیں ہوتی۔ چھٹا ادب یہ ہے کہ دُعا میں لجاجت اور تکرار کرے اور دُعا کرنا چھوڑے نہیں۔ یہ نہ کہے کہ بہت مرتبہ دُعا کی لیکن قبول نہیں ہوئی۔ اس لیے کہ قبولیت کا وقت اور اس کی مصلحت کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں جب دُعا قبول ہو تو یہ کہنا سنت ہے : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ بِنِعْمَتِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ اور اگر قبولیت میں دیر ہو تو یوں کہے : اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ

ساتواں ادب یہ ہے کہ دُعا سے پہلے اللہ کی پاکیزگی اور رسول اللہ ﷺ پر درود پڑھے اس لیے کہ آنحضرت ﷺ دُعا سے پہلے یہ کلمات ارشاد فرماتے تھے : سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَلِیِّ الْاَعْلَى الْوَهَّابِ

اور آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص دُعا سے پہلے درود پڑھے گا اس کی دُعا قبول ہو گی۔ اللہ تعالیٰ بڑے کریم ہیں ایسا نہیں ہو سکتا کہ دو دُعاؤں میں سے ایک مقبول ہو اور دوسری رد۔ یعنی درود قبول فرلے اور اصل مقصد بر نہ لائے۔

آٹھواں ادب یہ ہے کہ دُعا سے پہلے توبہ کرے گناہوں سے ہاتھ کھینچ لے دِل اللہ کے حوالے کر دے کیونکہ اکثر دُعاؤں کے رد ہونے کا سبب دِل کی غفلت اور گناہوں کی ظلمت ہے۔ حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے زمانہ میں قحط پڑا حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کے ساتھ تین مرتبہ نماز استسقاء کے لیے باہر تشریف لے گئے لیکن دُعا قبول نہ ہوئی اور وحی کے ذریعہ بتلایا گیا کہ تمہارے گروہ میں ایک چغلی کھانے والا ہے۔ جب تک وہ موجود رہے گا میں دُعا قبول نہیں کروں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے اللہ مجھے اس شخص کے متعلق بتا دے تاکہ میں اس کو نکال دوں تو اللہ نے فرمایا کہ میں چغلی کھانے سے منع کرتا ہوں تو خود یہ کام کیسے کروں؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تمام لوگوں کو توجہ دلائی کہ چغل خوری سے توبہ کریں جب سب نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے رحمت کی بارش سے سرفراز فرمایا۔ اسی طرح حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک بار بنی اسرائیل میں قحط پڑا لوگوں نے بار بار نماز استسقاء پڑھی لیکن دُعا قبول نہ ہوئی۔ ان کے پیغمبر پر وحی آئی کہ ان لوگوں سے کہیے کہ تم دُعا کے لیے تو نکلے ہو لیکن تمہارے بدن ناپاک اور پیٹ حرام سے بھرے ہوئے ہیں اور ہاتھ ناحق خون سے آلودہ ہیں جب اس حال میں تم نکلے ہو تو میرا غُصّہ تم پر اور بڑھ گیا اس لیے میرے سامنے سے دور ہو۔

متفرق دُعاؤں کا بیان

ماثورہ دُعائیں جو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمائیں اور صبح و شام اور مختلف نمازوں کے بعد مختلف اوقات میں جن کا

پڑھنا سنت ہے ان کی تعداد بہت ہے جن میں اکثر دُعائیں احیاء العلوم[1] میں جمع کر دی ہیں اور چند دُعائیں بہت عمدہ بدایۃ الھدایہ[2] میں مذکور ہیں جن حضرات کی خواہش ہو وہ ان کتابوں کی طرف رجوع کرے۔ اس لیے کہ اس کتاب میں ان دُعاؤں کا لکھنا طوالت کا موجب ہے ان میں سے اکثر دُعائیں بہت مشہور ہیں اور ہر ایک کو یاد ہیں۔ چند دُعائیں جن کا حوادث کے وقت پڑھنا سنت ہے لیکن لوگوں کو کم یاد ہیں وہ بیان کی جاتی ہیں تاکہ لوگ ان کو یاد کرلیں اور ان کے معنی سمجھ کر وقت پر پڑھا کریں۔ اس لیے کہ کسی وقت بھی بندہ کو اپنے خالق سے غافل نہیں ہونا چاہیے اور جہاں تک دُعا کا تعلق ہے اس میں تضرع کا خاص خیال رکھے۔

بِسْمِ اللّٰهِ رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اُضِلَّ اَوْ اُضَلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔

جب مسجد میں داخل ہو تو یہ دُعا پڑھے اور یہ احتیاط کرے کہ پہلے داہنا قدم اندر رکھے:

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَسَلِّمْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ

جب کسی ایسی مجلس میں بیٹھنا ہو جس میں واہی تباہی باتیں ہوتی ہوں تو یہ دُعا پڑھنا اس کا کفارہ بن جائے گا۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ عَمِلْتُ سُوْءً وَّظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ اِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ

بازار جانا ہو تو یہ کلمات کہے:

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَّا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

جب نیا کپڑا پہنے تو یہ دُعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ كَسَوْتَنِيْ هٰذَا الثَّوْبَ فَلَكَ الْحَمْدُ اَسْئَلُكَ مِنْ خَيْرِهٖ وَخَيْرِ مَا صُنِعَ لَهٗ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهٗ

جب نیا چاند دیکھے تو یہ دُعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اَهِلَّهٗ عَلَيْنَا بِالْاَمْنِ وَالْاِيْمَانِ وَالسَّلَامَةِ وَالْاِسْلَامِ رَبِّيْ وَرَبُّكَ اللّٰهُ

آندھی آئے تو یہ دُعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ خَيْرَ هٰذَا الرِّيْحِ وَخَيْرَ مَا فِيْهَا وَخَيْرَ مَا اَرْسَلْتَ بِهٖ وَنَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّمَا فِيْهَا وَشَرِّ مَا اَرْسَلْتَ بِهٖ

جب کسی کے مرنے کی خبر سنے تو یہ الفاظ کہے:

سُبْحَانَ الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ

---

[1] [2] امام غزالی قدس سرہٗ کی کتابیں۔

خیرات دے تو یہ الفاظ کہے :

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ

نقصان کے وقت یہ کہے :

عَسٰى رَبُّنَا اَنْ يُّبْدِلَنَا خَيْرًا مِّنْهَا اِنَّا اِلٰى رَبِّنَا رَاغِبُوْنَ

جب کوئی نیا کام شروع کرے تو یہ کہے :

رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا

جب آسمان کی طرف نظر کرے تو یہ کہے :

رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ تَبَارَكَ الَّذِىْ جَعَلَ فِى السَّمَاءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُّنِيْرًا

جب آسمان گرجنے کی آواز سنے تو یہ کہے :

سُبْحَانَ مَنْ يُّسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلَآئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ

جب کہیں بجلی گرے تو یہ الفاظ کہے :

اَللّٰهُمَّ لَا تَقْتُلْنَا بِغَضَبِكَ وَلَا تُهْلِكْنَا بِعَذَابِكَ وَعَافِنَا قَبْلَ ذٰلِكَ

پانی برستے وقت یہ دُعا پڑھے :

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ سَقِيًّا هَنِيًّا وَصَبًّا نَافِعًا وَاجْعَلْهُ سَبَبَ رَحْمَتِكَ وَلَا تَجْعَلْهُ سَبَبَ عَذَابِكَ

غُصّہ کے وقت یہ الفاظ پڑھے :

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِىْ ذَنْبِىْ وَاذْهَبْ غَيْظَ قَلْبِىْ وَاَجِرْنِىْ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ

ہیبت اور خوف کے وقت یہ الفاظ پڑھے :

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ وَنَدْرَءُ بِكَ فِىْ نُحُوْرِهِمْ

جب کسی جگہ درد ہو تو وہاں ہاتھ رکھ کر تین بار بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اور سات بار یہ دُعا پڑھے :

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ

رنج کے وقت یہ الفاظ پڑھے :

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْعَلِىُّ الْعَظِيْمُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ

جب کسی کام سے عاجز آجائے تو یہ الفاظ پڑھے :

اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ عَبْدُكَ وَابْنُ عَبْدِكَ وَابْنُ اَمَتِكَ نَاصِيَتِىْ بِيَدِكَ مَاضٍ فِىَّ حُكْمُكَ نَافِذٌ فِىَّ قَضَاءُ كَ اَسْئَلُكَ بِكُلِّ اسْمٍ سَمَّيْتَ بِهٖ نَفْسَكَ وَاَنْزَلْتَهٗ فِىْ كِتَابِكَ وَاَعْطَيْتَهٗ اَحَدًا مِّنْ خَلْقِكَ اَوِ اسْتَاْثَرْتَ بِهٖ فِىْ عِلْمِ الْغَيْبِ عِنْدَكَ اَنْ تَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ رَبِيْعَ قَلْبِىْ وَنُوْرَ صَدْرِىْ وَجِلَاءَ غَمِّىْ وَذِهَابَ حُزْنِىْ

وَھَمِّیْ

جب آئینہ دیکھے یہ دُعا پڑھے :

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَاَحْسَنَ خِلْقَتِیْ وَصَوَّرَنِیْ فَاَحْسَنَ صُوْرَتِیْ

جب کوئی غلام خریدے تو اس کی پیشانی کے بال پکڑ کر یہ دُعا پڑھے :

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَیْرَهٗ وَخَیْرَ مَا جُبِلَ عَلَیْهِ وَ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهٖ وَشَرِّ مَا جُبِلَ عَلَیْهِ

جب سونے لگے تو یہ دُعا پڑھے :

رَبِّ بِاِسْمِكَ وَضَعْتُ جَنْبِیْ وَبِاِسْمِكَ اَرْفَعُهٗ هٰذِهٖ نَفْسِیْ اَنْتَ تَتَوَفَّاهَا لَكَ مَحْیَاهَا وَمَمَاتُهَا اِنْ اَمْسَكْتَهَا فَاغْفِرْلَهَا وَاِنْ اَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا بِمَا تَحْفَظُ بِهٖ عِبَادَكَ الصَّالِحِیْنَ

اور جب جاگے تو یہ الفاظ پڑھے :

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ اَصْبَحْنَا وَاَصْبَحَ الْمُلْكُ لِلّٰهِ وَالسُّلْطَانُ وَالْعَظَمَةُ لِلّٰهِ وَالْعِزَّةُ وَالْقُدْرَةُ لِلّٰهِ اَصْبَحْنَا عَلٰی فِطْرَةِ الْاِسْلَامِ وَكَلِمَةِ الْاِخْلَاصِ وَدِیْنِ نَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَمِلَّةِ اِبْرَاهِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ

فصل ۱۰ ——— اوارد و وظائف کی ترتیب

اس سے قبل مُسلمانی کے عنوان سے جو کچھ بیان کیا گیا اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ انسان اس جہانِ مسافرت میں محض مٹی اور پانی کی مانند ہے اسے تجارت جیسے مقاصد کے لیے دُنیا میں نہیں بھیجا گیا' اس کی رُوح کی حقیقت عالمِ بالا سے متعلق ہے وہ وہیں سے آئی اور وہیں جائے گی۔ اس تجارت میں انسان کی عمر سرمایہ کی مانند ہے جو مسلسل گھٹتا رہتا ہے۔ اگر اس کو صحیح طریق سے استعمال نہ کیا اور اس سے حقیقی طرح فائدہ نہ اُٹھایا تو وہ بالکل ضائع ہو جائے گا۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

﴿ وَالْعَصْرِo اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍo اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِo ﴾

اس کی مثال اس شخص کی مانند ہو گی جس کی پونجی برف ہو وہ اسے گرمی کے موسم میں بیچتا ہو اور یہ کہتا جاتا ہو کہ اے مسلمانوں اس شخص پر رحم کرو جس کی پونجی پگھلتی چلی جا رہی ہے۔ یہی حال عمر کا ہے وہ برابر گھٹ رہی ہے۔ گنتی کے چند سانس ہیں جن کا حقیقی عِلم اللہ کے سوا کسی کو نہیں جن لوگوں نے اس خطرے اور انجام کو دیکھا وہ تو اپنے دِل کی حفاظت کرتے ہیں اور ہر سانس کو ابدی سعادت کے حصول کے لیے گوہر قابل سمجھتے ہیں اور اس پر اتنے مہربان ہیں جتنا کوئی سونے چاندی پر ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ! اس شفقت کا یہ عالم تھا کہ انھوں نے اپنے رات دن کو مختلف نیکیوں کے لیے تقسیم کر لیا اور ہر چیز کا ایک الگ الگ وقت مقرر کر لیا اور اوراد و وظائف متعین کر لیے تاکہ کوئی وقت ضائع نہ ہو۔ یہ سب پاپڑ اس لیے بیلے کہ اسے یہ معلوم ہو گیا کہ آخرت کی سعادت کا دار و مدار اسی پر ہے کہ جو دُنیا سے

اس حال میں جائے کہ اللہ کی محبت اس پر غالب ہو۔ یہ محبت ذکر پر مداومت کے بغیر نصیب نہیں ہو سکتی جب محبت معرفت کے بغیر اور معرفت تفکر کے بغیر نصیب نہیں ہوتی تو معلوم ہوا کہ ہمیشہ ذکر و فکر کرنا سعادت و نیک بختی کا بیج ہے دُنیا اور شہواتِ دُنیا کا ترک نیز معاصی سے اجتناب اس لیے ہوتا ہے کہ انسان ذکر و فکر کے لیے فراغت حاصل کرے۔ دائمی ذکر کے دو طریقے ہیں ایک تو یہ کہ ہمیشہ دِل سے اللہ اللہ کرے زُبان سے نہیں بلکہ دِل سے بھی نہ کہے کیونکہ ایسا کرنا بھی نفس کا تقاضا ہے اصل یہ کہ ہمیشہ اس طرح مشاہدۂ ربّانی میں غرق رہے کہ کبھی اُدھر سے غافل نہ ہو۔ یہ صورت بہت دشوار ہے اور ہر کسی کے بس میں نہیں کہ ہر حال میں اپنے دِل کو ایک خاص حالت پر رکھے۔ اکثر لوگ اس سے خاصی تکلیف اور رنج اٹھاتے ہیں اس لیے مختلف اوراد مقرر کیے گئے ہیں۔ بعض کا تعلق سارے بدن سے ہے جیسے نماز بعض کا فقط زُبان سے جیسے قرآن کی تلاوت اور تسبیح پڑھنا اور بعض کا تعلق دِل سے ہے جیسے فکر تاکہ دِل کو رنج و ملال نہ ہو اس لیے کہ ہر وقت جب نیا شغل ہو گا اور ایک حالت کے بعد دوسری حالت سے سابقہ پڑے گا تو خوشی ہو گی نیز یہ کہ جو اوقات دُنیوی میں خرچ ہوتے ہیں ان میں تمیز اور فرق ہو جاتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ آدمی اگر اپنے تمام اوقات آخرت کے کاموں میں صرف نہیں کر سکتا تو اکثر اوقات تو کرے تاکہ نیکیوں کا پلڑا جھک جائے کیونکہ اگر ایک آدمی نصف اوقات دُنیا اور مباحاتِ دُنیا سے متمتع ہونے میں صرف کرے گا اور دوسرا نصف آخرت کے کاموں میں تو خطرہ ہے کہ دوسرا پلڑا جھک نہ جائے اس لیے کہ انسانی طبیعت اس چیز کی مددگار ہوتی ہے جو اس کا تقاضا ہو اور دِل کو دین کے کاموں میں مصروف رکھنا چونکہ طبیعت کے خلاف ہے اور دین کے کاموں میں خلوص بھی مشکل ہے اور ایسے کام عام طور پر خلوص نہ ہونے کے سبب بے فائدہ ہوتے ہیں تو اس لیے اعمالِ خیر کی کثرت ہونی چاہیے اور ان میں خلوص کا اہتمام کرنا چاہیے تاکہ اکثر اوقات دین کے کام میں خرچ ہوں اور دُنیا کے کام اس کے تابع ہوں حضرتِ حق ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَمِنْ اٰنَاۤءِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴾ (طٰہٰ)

مزید ارشادِ باری ہے:

﴿ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ۝ ﴾ (مزمل)

اور ایک جگہ فرمایا:

﴿ كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ ﴾ (الذاریات)

ان سب آیات میں یہی بات ارشاد فرمائی گئی ہے کہ اکثر اوقات یادِ الٰہی میں صرف ہونے چاہئیں اور یہ بات اس کے بغیر نہیں ہو سکتی کہ آدمی رات دن کے اوقات کو تقسیم کر لے اس لیے تقسیم کا بیان ضروری ہے۔

دن کے اوراد

دن کے پانچ اوراد ہیں پہلے کا تعلق صُبح سے طلوعِ آفتاب تک ہے یہ انتہائی بابرکت وقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی قسمیں کھائی ہیں مثلاً ﴿ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴾ اور ﴿ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴾ اور ﴿ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ﴾ یہ تمام آیات

اس وقت کی عظمت و بزرگی سے متعلق ہیں اس لیے آدمی کو چاہیے کہ اپنے انفاس کی نگہبانی کرے جب نیند سے بیدار ہو تو یہ کلمات پڑھے :

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ

اور کپڑے پہن کر ذکر اور دُعا میں مشغول ہو جانا چاہیے اور لباس میں ستر عورت اور تعمیل حکم کی نیت کر لینی چاہیے۔ لباس میں ریا اور رعونت سے بچنا ازبس لازمی ہے پھر بیت الخلاء جائے اور بایاں پاؤں پہلے اندر رکھے[1] اور فراغت کے بعد[2] منقول شدہ دُعاؤں اور ذکر اذکار کا اہتمام کرتے ہوئے وضو اور مسواک کرے پھر گھر میں فجر کی سنت ادا کرے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا یہی معمول تھا اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول شدہ دُعا پڑھے۔[3] پھر آرام و سکون کے ساتھ مسجد میں جائے اور دایاں پاؤں پہلے اندر رکھے اور مسجد میں داخل ہونے کی دُعا پڑھے اور کوشش کرے کہ پہلی صف میں جگہ مل جائے اگر گھر میں سنت پڑھ کر آیا ہے تو تحیۃ المسجد[4] پڑھے ورنہ سنت بھی ادا کرے اور جماعت کے انتظار میں بیٹھ جائے اور خاموش رہنے کے بجائے تسبیح و استغفار کا اہتمام کرے فرض نماز سے فارغ ہو کر طلوعِ آفتاب تک مسجد میں بیٹھنا بہت بڑے اجر کا باعث ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ طلوعِ آفتاب تک مسجد میں بیٹھنے والا مجھے چار غلام آزاد کرنے والے سے زیادہ محبوب ہے۔ طلوعِ آفتاب تک چار چیزوں یعنی دُعا، تسبیح، تلاوتِ قرآن اور اس تفکر میں مشغول رہے۔ نماز فرض کے بعد دُعا شروع کرے اور یوں کہے :

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَسَلِّمْ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ وَاِلَیْكَ یَرْجِعُ السَّلَامُ حَیِّنَا رَبَّنَا بِالسَّلَامِ وَاَدْخِلْنَا دَارَ السَّلَامِ تَبَارَكْتَ یَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ

پھر وہ دُعائیں پڑھے جو رسول اللہ ﷺ سے منقول ہیں اور بہتر ہے کہ انھیں کسی ایسی کتاب سے یاد کرے جس میں دُعاؤں کا ذکر ہو۔ دُعا سے فارغ ہو کر تسبیح و تہلیل میں مشغول ہو ہر ایک سو یا ستر یا دس مرتبہ پڑھے۔ دس ذکر جب دس دس مرتبہ پڑھے جائیں گے تو مجموعہ سو ہو جائے گا اس سے کم مناسب نہیں۔ ان دس اذکار کے فضائل میں بہت سی احادیث وارد ہیں طوالت کی وجہ سے انھیں ذکر نہیں کیا گیا۔ پہلا ذکر یہ ہے :

۱) لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَهُوَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ بِیَدِهِ الْخَیْرُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ

دوسرا ذکر یہ ہے :

۲) لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ

۳) سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ

---

۱ اندر جاتے ہوئے یہ دُعا پڑھے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ

۲ نکلتے ہوئے دایاں پاؤں پہلے باہر نکالے اور یہ دُعا پڑھے غُفْرَانَكَ ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ

۳ یہ دُعا حضرت امام غزالی قدس سرہٗ کی کتاب بدایۃ الہدایۃ میں مذکور ہے۔

۴ لیکن امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک طلوعِ صبح صادق سے طلوعِ آفتاب تک ۲ رکعت سنت فجر کے علاوہ کوئی سنت اور نفل صحیح نہیں۔

۴) سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ
۵) سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّنَا وَرَبُّ الْمَلَائِکَۃِ وَالرُّوْحِ
۶) اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَسْئَلُہُ التَّوْبَۃَ
۷) یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ لَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ طَرْفَۃَ عَیْنٍ وَاَصْلِحْ لِیْ شَانِیْ کُلَّہٗ
۸) اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا یَنْفَعُ ذَالْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ
۹) اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ
۱۰) بِسْمِ اللّٰہِ الَّذِیْ لَا یَضُرُّ مَعَ اسْمِہٖ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

ان دس کلمات کو دس دس بار پڑھے یا جس قدر ممکن ہوں ہر ایک کی فضیلت جدا جدا اور لذت الگ الگ ہے۔ بعد ازاں قرآن کریم کی تلاوت کرے اگر قرآن نہ پڑھ سکے تو قوارع قرآن مثلاً آیۃ الکرسی' آمَنَ الرَّسُوْلُ (سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں) شھد اللہ (سورۂ آل عمران کی آیت) قُلِ اللّٰھُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ (آل عمران کی آیت) سورۂ حدید کی ابتدائی اور سورۂ حشر کی آخری آیات کو یاد کر کے پڑھا کرے۔ اگر ایسی چیز پڑھنی چاہے جو دُعا' ذکر اور قرآن کی جامع ہو تو پھر وہ مجموعہ پڑھے جو حضرت ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت خضر علیہ السلام نے کشف کے ذریعہ سکھلایا۔ اس کی بڑی فضیلت ہے اور اسے مسبعات عشر کہتے ہیں اور وہ دس چیزیں ہیں جن میں سے ہر ایک سات سات بار پڑھی جاتی ہے۔ سورۂ فاتحہ' کافرون' اخلاص' فلق' ناس' آیۃ الکرسی یہ چھ چیزیں تو قرآن مجید میں سے ہیں جبکہ چار ذکر ہیں ان میں سے پہلا ذکر یہ ہے:

۱) سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ
۲) اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَسَلِّمْ
۳) اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ
۴) اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَافْعَلْ بِیْ وَبِھِمْ عَاجِلًا وَّاٰجِلًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ مَا اَنْتَ لَہٗ اَھْلٌ وَلَا تَفْعَلْ بِنَا یَا مَوْلَانَا مَا نَحْنُ لَہٗ اَھْلٌ اِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ

ان مسبعات عشر کی فضیلت میں ایک بہت بڑی حکایت احیاء العلوم میں ذکر کی گئی ہے۔ جب ان سے فارغ ہو تو پھر تفکر میں مشغول ہو۔ اس کی کئی صورتیں ہیں جن کا ذکر ان شاء اللہ اس کتاب کے آخر میں آئے گا ہاں جو فکر بہت ضروری ہے وہ یہ ہے کہ موت کے قریب ہونے کی فکر کرے اور اپنے دل میں یہ خیال کرے کہ موت میں ایک دن سے زیادہ باقی نہیں۔ اس کا بڑا فائدہ ہے اس لیے کہ مخلوق جو دُنیا پر فریفتہ ہے تو محض اس اُمید پر کہ ابھی لمبا عرصہ جینا ہے اگر اس بات کا یقین ہو جائے کہ ایک ماہ یا ایک برس میں موت آ جائے گی تو جن دُنیوی کاموں میں لوگ مشغول ہیں ان سے دور بھاگیں۔ باقی جب ایک دن میں بھی مرنا ممکن ہے تو اس کے باوجود لوگ ایسے ایسے دُنیوی کاموں میں مشغول ہیں جو دس برس تک مفید ہوں گے اس واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ وَّاَنْ عَسٰی اَنْ یَّکُوْنَ قَدِ

اِقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ ﴾

جب خلوص دِل سے اس کا اہتمام اور فکر کرے گا تو زادِ آخرت مہیا کرنے کی کسک پیدا ہو گی۔ انسان کو چاہیے کہ اس بات کی فکر کرے کہ آج کے دن اُس نے کتنی نیکیاں کیں اور کتنے گناہ کیے اور ان سے کیسے پرہیز کر سکتا ہے اور گزشتہ دنوں میں اس سے کیا کیا کوتاہیاں ہوئیں جن کا تدارک ضروری ہے ان تمام باتوں کی فکر اور تدبیر ضروری ہے اور ہر کسی کو ان کی احتیاج ہے اگر کسی شخص کو کشف کی قوت حاصل ہو تو آسمان و زمین کے عجائبات اور ملکوت کو دیکھنے کی سعی کرے بلکہ جلال و جمالِ الٰہی کا ملاحظہ کرے۔ یہ فکر تمام عبادات اور تفکرات سے بہتر ہے اس واسطے کہ اس کی بدولت اللہ تعالیٰ کی عظمت دِل پر غالب ہو جاتی ہے اور جب تک اس کی عظمت غالب نہ ہو محبت غالب نہیں آسکتی اور جتنا محبت میں کمال حاصل ہو گا اتنی ہی سعادت نصیب ہو گی۔ لیکن یہ درجہ ہر کسی کو نصیب نہیں ہوتا۔ اس لیے اس کے بدلے جو دوسری نعمتیں اللہ نے عطا کی ہیں ان کے متعلق سوچنا چاہیے اور اس دُنیا میں جو مصائب ہیں ان کی فکر کرنی چاہیے کہ اس سے کیوں محفوظ رہا جا سکتا ہے مثلاً بیماری' محتاجی وغیرہ تاکہ یہ سمجھے کہ مجھ پر شکر واجب ہے اور اس کا طریق یہ ہے کہ اللہ کے احکامات کی پابندی کرے اور گناہوں سے دور رہے۔ الغرض کچھ وقت اس فکر میں گزارے کیونکہ طلوعِ صبح سے طلوعِ آفتاب تک فجر کی سنت اور فرضوں کے علاوہ اور کوئی نماز درست نہیں اور اس کے عوض ذکر و فکر ہے۔

دوسرا ورد طلوعِ آفتاب سے چاشت کے وقت تک ہے اگر ممکن ہو تو جب تک سورج ایک نیزہ کے برابر بلند ہو جائے اس وقت تک مسجد میں رکا رہے اور تسبیح میں مشغول رہے جب مکروہ وقت ختم ہو جائے تو ۲ رکعت ادا کرے۔ دن چڑھے نماز چاشت بہت افضل ہے اس وقت چار' چھ یا آٹھ رکعت ادا کرے کیونکہ یہ تعداد منقول ہے۔ آفتاب بلند ہو جانے کے بعد اور ۲ رکعت سے فارغ ہو کر ان نیک کاموں میں مشغول ہو جائے جو اللہ کی مخلوق سے متعلق ہیں جیسے مریضوں کی عیادت' جنازہ اگر ہو تو اس میں شرکت' مسلمانوں کے مختلف کاموں کی تدابیر اور علماء کی مجالس میں حاضری!

تیسرا ورد چاشت کے وقت سے ظہر کی نماز تک ہے۔ یہ ورد لوگوں کے حق میں مختلف صورت رکھتا ہے اور اس کی کل چار صورتیں ہیں۔ پہلی تو جو آدمی علم حاصل کرنے کی قدرت و طاقت رکھتا ہو تو اس کے حق میں اس سے بہتر کوئی عبادت نہیں۔ بلکہ ایسے شخص کو چاہیے کہ فجر کی نماز سے فارغ ہوتے ہی عِلم سیکھنے میں مشغول ہو جائے مگر عِلم وہ حاصل کرے جو آخرت کے کام آئے' آخرت کے کام آنے والے وہ علوم ہیں جو دُنیا کی محبت و رغبت کو کم کریں اور آخرت کی رغبت و محبت میں اضافہ کا سبب ہوں۔ انسانی اعمال میں پیدا ہونے والے عیوب اور مختلف آفتوں کو انسان پر واضح کر دیں اخلاص کا باعث بنیں البتہ جھگڑے' مخالفت' غصّہ اور تاریخ و قصص کے علوم جو عبارت آرائی اور قافیہ بندی سے آراستہ ہوں دُنیوی حرص کو زیادہ کرنے کا باعث ہوتے ہیں اور انسانی قلوب میں حسد و غرور کا بیج بوتے ہیں۔ نفع دینے والے علوم اَحیاء العلوم[1] جواہر القرآن[2] اور اس کتاب میں اپنی اپنی جگہ مذکور ہیں۔ تمام علوم سے پہلے اسے حاصل کرنا ضروری ہے۔ دوسری حالت یہ ہے کہ آدمی تحصیل علم پر تو قادر نہیں البتہ ذکر' تسبیح اور عبادت میں مشغول ہو سکتا ہے یہ عابدوں

۱' ۲۔ یہ دونوں امام غزالی قدس سرہٗ کی کتابیں ہیں۔

کا درجہ ہے اور اس کی بھی بڑی فضیلت ہے خصوصاً جب ایسے ذکر میں مشغول ہو جو دل پر غالب ہو اور اس میں گھر کرے اور دل کے ساتھ لازم ہو جائے۔

تیسری حالت یہ ہے کہ ایسے کاموں میں مشغول ہو جس سے اللہ کی مخلوق کو راحت و آرام نصیب ہو۔ جیسے صوفیاء ' فقہا اور فقراء کی خدمت کرنا یہ کام نفل نمازوں سے بہتر ہیں کیونکہ ان میں عبادت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی راحت کا سامان ہے اور عبادت پر ان لوگوں کی معاونت اور دُعا کی برکت کا بھی بڑا حصّہ ہے اور اس کا بہت اثر ہے۔

چوتھی حالت یہ ہے کہ اس کام پر بھی قادر نہ ہو بلکہ اپنے اہل و عیال کے لیے روزی کمانے میں مصروف ہو تو اگر کسب و تجارت (یا جو اس کا کام ہے) میں امانت کا لحاظ رکھے اور مخلوق اس کے ہاتھ اور زُبان سے محفوظ رہے اور دُنیوی حرص اس کو اس بات میں مبتلا نہ کرے کہ ضرورت سے زیادہ مال اینٹھنے میں لگ جائے بلکہ قناعت سے کام لے تو ایسا شخص گو کہ پہلی حالتوں کے مطابق نہ ہو گا مگر عابدوں کا درجہ حاصل کر کے ﴿ اصحٰب الیمین ﴾ (وہ لوگ جنھیں دائیں ہاتھ میں نامۂ عمل ملے گا) کے درجہ پر پہنچ جائے گا اور درجہ سلامتی کا اہتمام کمتر درجہ ہے جو شخص ان چاروں حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں بھی اپنے اوقات صرف نہ کرے گا وہ ہلاک ہو گا اور شیطان کے متبعین میں اس کا شمار ہو گا۔

چوتھا ورد زوال کے وقت سے نماز عصر تک ہے۔ زوال کے وقت سے پہلے قیلولہ کرنا چاہیے کیونکہ قیلولہ رات کی نماز کے لیے اسی طرح فائدہ مند ہے جیسے روزہ کے لیے سحری کھانا۔ جو شخص رات کو عبادت نہ کرتا ہو اس کے لیے قیلولہ مکروہ ہے کیونکہ زیادہ سونا مکروہ ہے۔ قیلولہ سے بیدار ہو کر وقت سے پہلے طہارت کا اہتمام کرنا چاہیے اور کوشش ہونی چاہیے کہ مسجد میں پہنچ کر اذان سنے اور تحیۃ المسجد ادا کرے اور موذن کے کلمات کا جواب دے اور فرض سے پہلے چار رکعت پڑھے یہ چار رکعت لمبی ہونی چاہئیں اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ یہ چار رکعت لمبی پڑھا کرتے تھے اور ارشاد فرماتے کہ اس وقت آسمان کے دروازے کھلتے ہیں۔

حدیث میں ہے کہ جو شخص یہ چار رکعت پڑھتا ہے ستر ہزار فرشتے اس کے ساتھ نماز میں مشغول ہوتے ہیں اور رات تک اس نماز پڑھنے والے کے لیے دُعائے مغفرت کرتے ہیں پھر امام کے ساتھ فرائض ادا کرے اور دو رکعت سنت پڑھے اس کے بعد عصر تک عِلم سیکھنے سکھانے یا مسلمانوں کی امداد یا ذکر و تلاوت اور یا بقدرِ ضرورت حلال روزی کمانے کے لیے مصروف ہو' اس کے علاوہ کوئی دُنیوی کام نہ کرے۔

پانچواں ورد عصر کی نماز سے غروب آفتاب تک ہے انسان کو چاہیے کہ نماز عصر سے پہلے مسجد میں آئے اور چار رکعت ادا کرے اس واسطے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرماتا ہے جو عصر کے فرائض سے پہلے چار رکعت پڑھتا ہے۔ نماز سے فارغ ہو کر ان کاموں کے سوا جو ہم نے بیان کیے اور کسی دُنیوی معاملہ میں مشغول نہ ہو۔ پھر نمازِ مغرب سے پہلے مسجد جانے کا اہتمام کرے اور تسبیح و استغفار میں مصروف ہو اس لیے کہ اس وقت کی برکت بھی صُبح کے وقت کے برابر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ ﴿ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ﴾ اس وقت سورۂ شمس' لیل' فلق اور ناس کی تلاوت کرنی چاہیے۔ اور جب سورج غروب ہو تو اس وقت استغفار میں مشغول ہونا چاہیے۔ الغرض اوقات منضبط اور تقسیم ہونے چاہئیں اور ہر وقت وہ کام کرے جو وقت کا تقاضا ہو

کہ اس طرح عمر میں برکت ہوتی ہے اور جس شخص کے اوقات پراگندہ ہوں اس کی عمر رائیگاں جائے گی اور وہ کوئی کام نہیں کر سکے گا۔

رات کے اوراد

رات کے اوراد تین ہیں پہلا ورد مغرب کی نماز سے عشاء تک ہے۔ ان دونوں نمازوں کے درمیان جاگتے رہنے کی بڑی فضیلت ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ آیہ کریمہ ﴿ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ ﴾ (ترجمہ' ان کے پہلو بستر سے جدا رہتے ہیں) اسی بارہ میں نازل ہوئی۔ بہتر یہ ہے کہ عشاء کی نماز تک نماز ہی میں مصروف رہے۔ اہل اللہ نے اس صورت کو دن میں روزہ رکھنے سے زیادہ افضل قرار دیا ہے۔ وہ اس وقت کھانا نہیں کھاتے تھے۔ وتر سے فارغ ہو کر گپ شپ اور لہو و لعب میں مشغول نہ ہو کیونکہ تمام اعمال و اشغال کا خاتمہ اسی پر ہوتا ہے ان کاموں کا انجام خیر پر ہونا چاہیے۔

دوسرا ورد سونا ہے کہ نیند عبادت نہیں لیکن اگر آداب و سنن کا لحاظ کیا جائے تو من جملہ عبادات کے ہے۔ سنت یہ ہے کہ قبلہ رو سوئے پہلے داہنی کروٹ پر لیٹنا چاہیے جیسے مُردہ کو قبر میں لٹاتے ہیں۔ نیند کو موت کی بہن اور بیداری کو حشر کے برابر سمجھے یہ بھی ممکن ہے کہ جو رُوح خواب میں قبض ہو جاتی ہے وہ دوبارہ نہ ملے اس لیے چاہیے کہ آخرت کے کام درست کرے۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ سونے سے پہلے طہارت کرے اور توبہ کر کے اس بات کا پختہ ارادہ کرلے کہ اگر جاگنے کی نوبت آئی تو پھر گناہ نہیں کروں گا اور اپنے تکیہ کے نیچے وصیت نامہ رکھ دے آپ کو نہ تو تکلف سے سلائے اور نہ ہی نرم بستر کا اہتمام کرے کہ نیند غالب آ جائے۔ اس لیے کہ سونا عمر کو بیکار ضائع کرتا ہے دن رات میں آٹھ گھنٹے سے زیادہ سونا مناسب نہیں کیونکہ یہ وقت ۲۴ گھنٹے کا تیسرا حصّہ ہے جب ایسا کرے گا تو اس کی عمر ۶۰ برس کی ہو گی تو گویا وہ بیس برس سوتا رہا اور اتنا عرصہ خواب میں ضائع کر دیا۔ اس سے زیادہ ضائع نہ کرنا چاہیے پانی اور مسواک اپنے ہاتھ سے اپنے قریب رکھنا چاہیے تاکہ رات کو یا علی الصبح نماز کے لیے اٹھنا ہو تو وضو کا آرام ہو۔ رات کے قیام یا صُبح اٹھنے کا قصد و ارادہ کرنا ضروری ہے اگر کسی شخص نے ایسا ارادہ کیا اور پھر اس پر نیند غالب آ گئی اور یہ شخص وقت سے زیادہ سو گیا تو بھی ثواب حاصل ہو گیا۔ جب زمین پر پہلو رکھے تو یہ الفاظ کہے : بِاسْمِكَ رَبِّیْ وَضَعْتُ جَنْبِیْ وَبِاسْمِكَ اَرْفَعُهٗ ساتھ ہی آیۃ الکرسی' امن الرسول (سورۂ بقرہ کی آخری آیات) اور سورۂ فلق و ناس کی تلاوت کرے اور سورۂ ملک کی بھی تاکہ طہارت اور ذکر کے عالم میں نیند آئے۔ جو شخص اس طرح سوتا ہے اس کی رُوح کو عرش پر لے جایا جاتا ہے اور جاگنے تک اس کا شمار نماز پڑھنے والوں میں ہوتا ہے۔

تیسرا ورد تہجد ہے اور وہ رات کی نماز ہے آدھی رات کو اٹھ کر یہ نماز ادا کرے کیونکہ نصف شب کو دو رکعت پڑھنا اور بہت سی (نفل) نمازوں سے بہتر ہے اس لیے کہ اس وقت دِل صاف ہوتا ہے دُنیا کا کوئی مشغلہ سامنے نہیں ہوتا اللہ کی رحمت کے دروازے کھلتے ہیں۔ اس نماز کی فضیلت میں بکثرت احادیث وارد ہیں۔ احیاء العلوم (للغزالیؒ) میں ان کا ذکر ہے۔

غرض یہ کہ دن رات کے ہر وقت میں کوئی نہ کوئی مقرر کام ہونا چاہیے اور کسی وقت کو بیکار ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ ایک رات دن جب ایسا کیا تو آخر عمر تک یونہی کرے اگر یہ دشوار ہو تو زندگی کی بڑی اُمید نہ رکھے بلکہ اپنے دِل میں سوچے کہ آج تو ایسا کر ہی لوں شاید آج ہی کی رات موت آ جائے اور آج کی رات توبہ کر لوں شاید کل ہی مرجاؤں ہر روز یونہی سمجھنا چاہیے جب اوراد کی مداومت کی وجہ سے نڈھال ہو جائے تو اپنے آپ کو سفر میں سمجھے اور اپنا اصلی وطن آخرت کو قرار دے۔ ظاہر ہے سفر میں پریشانیاں ہوتی ہی ہیں لیکن آسودگی اس میں ہے کہ مسافر تیز تیز قدم اٹھائے تاکہ جلدی وطن میں پہنچ کر آرام حاصل کرے۔ دُنیوی عمر کی مقدار تو معلوم ہے ہی کہ آخرت کی جاوداں زندگی کے مقابلہ میں اس کی نسبت کتنی ہے اور کیا ہے اگر کوئی شخص دس برس کے آرام کے لیے ایک برس تکلیف برداشت کرے تو اس میں کونسی تعجب کی بات ہے پھر لاکھ برس ہی نہیں بلکہ ہمیشہ کی راحت کے لیے سو برس کی تکلیف باعث تعجب و پریشانی نہیں۔

عبادت سے متعلقہ باب کا ترجمہ تو ہو گیا اب ان شاء اللہ معاملات کی بحث آئے گی۔



باب : ۲

معاملات کا بیان

اس باب میں بھی دس فصلیں ہیں۔ ۱) کھانا کھانے کے آداب' ۲) نکاح کے آداب' ۳) تجارت و کمائی کے آداب' ۴) طلب حلال کا بیان' ۵) اللہ کے بندوں کے ساتھ معیت و محبت کے آداب' ۶) گوشہ نشینی کے آداب ۷) سفر کے آداب' ۸) سماع کے آداب اور وجد کا حکم اور اس کے آداب ۹) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے آداب ۱۰) حکومت کے آداب۔

فصل اوّل ——— کھانا کھانے کے آداب

عبادت کا راستہ اور طریق اور اس کے اسباب بھی عبادت ہی شمار ہوتے ہیں اور جہاں تک زادِ راہ کا تعلق ہے وہ بھی من جملہ راہ ہے گویا دین کی راہ میں جس چیز کی حاجت و ضرورت ہو گی وہ بھی دین میں شمار ہو گی۔ ان تمہیدی کلمات کے بعد کہنا یہ ہے کہ راہِ دین میں کھانا ایک لازمی ضرورت ہے جس سے مفر نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا دیدار تمام سالکین کا مقصد اصلی ہے جس کا تخم اور بیج عِلم و عمل ہیں اور عِلم و عمل کی مداومت بدن کی سلامتی کے بغیر ممکن نہیں اس لیے راہِ دین کے لیے کھانا جب ضروری ہوا تو یہ بھی دین ہی میں سے ہو گا۔ چنانچہ حضرت حق فرماتے ہیں ﴿ كُلُوْا مِنَ طَيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ﴾ (مومنون) کھانے اور اچھا کام کرنے کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں جمع کر دیا ہے تو جو شخص اس نیت سے کھانا کھائے کہ مجھے عِلم و عمل کی قوت اور آخرت کی راہ پر چلنے کی قدرت نصیب ہو تو اس کا کھانا بھی عبادت ہو گا۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کو ہر شے پر ثواب نصیب ہوتا ہے یہاں تک کہ اس لقمہ پر بھی جو وہ اپنے مُنہ میں ڈالے یا اپنے اہل و عیال کے مُنہ میں ڈالے۔ آپ نے یہ بات اس لیے ارشاد فرمائی کہ مسلمان کا مقصد ان کاموں سے یہی ہوتا ہے کہ آخرت سنور جائے۔ کھانا راہِ دین میں جو شمار ہوتا ہے تو اس کی علامت یہ ہے کہ آدمی حرص کی وجہ سے نہ کھائے بلکہ حلال کی کمائی سے بقدرِ ضرورت و حاجت کھائے اور کھانے کے آداب ملحوظ رکھے۔

کھانے کے آداب

کھانا کھانے میں کئی چیزیں سنت ہیں بعض کا تعلق کھانا کھانے سے پہلے ہے بعض کا درمیان سے اور بعض کا بعد سے!

جو چیزیں کھانے سے قبل مسنون ہیں ان میں سے پہلی یہ ہے کہ ہاتھ مُنہ دھوئے' جب کھانا زادِ آخرت کے طور پر کھا رہا ہے تو وہ عین عبادت ہے اس لیے پہلے ہاتھ مُنہ دھونا چاہیے اس سے ہاتھ مُنہ صاف بھی ہو جائیں گے اور یہ ثواب میں وضو کی مانند ہوں گے۔ حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ جو شخص کھانے سے پہلے ہاتھ دھویا کرے گا وہ افلاس اور تنگ دستی سے بے فکر رہے گا۔ دوسری چیز یہ ہے کہ کھانا دسترخوان پر رکھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ ایسا ہی کرتے تھے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ سفرہ سفر کی یاد دلاتا ہے اور دسترخوان پر کھانا فروتنی کی دلیل و علامت ہے۔ اگر کوئی شخص خوان (مروجہ میز کرسی) پر رکھ کر کھائے گا تو بھی کھانا درست ہو گا۔ کیونکہ اس کی مخالفت تو نہیں آئی لیکن دسترخوان پر کھانا

اگلے بزرگوں کی عادت تھی اور خود پیغمبر اسلام علیہ السلام کا یہی عمل مبارک تھا۔

تیسری چیز یہ ہے داہنا زانو اٹھا کر دائیں پنڈلی بچھا کر بیٹھنا چاہیے تکیہ لگا کر بیٹھنے سے احتراز کرے اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ میں تکیہ لگا کر کھانا نہیں کھاتا کیونکہ میں بندہ ہوں بندوں کی طرح بیٹھتا اور انھی کے انداز سے کھاتا ہوں۔ چوتھی چیز یہ ہے کہ اس بات کی نیت کرے کہ میں عبادت کے لیے قوت حاصل کرنے کی غرض سے کھا رہا ہوں۔ اس نیت کی درستی کی علامت یہ ہے کہ قلیل مقدار میں کھائے کیونکہ زیادہ مقدار میں کھانا عبادت کے لیے معاون نہیں ہوتا بلکہ رکاوٹ کا باعث ہوتا ہے اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ چند چھوٹے چھوٹے لقمے جو انسان کی کمر سیدھی رکھیں وہ کافی ہیں اگر اس پر قناعت نہ کر سکے تو پھر ایک تہائی پیٹ کھانے سے بھرے ایک تہائی پانی سے اور ایک تہائی سانس کے لیے خالی رکھے۔

پانچویں چیز یہ ہے کہ جب تک بھوک نہ لگے کھانے میں ہاتھ نہ ڈالے۔ کھانے سے قبل جو چیزیں سنت ہیں ان میں سے بہترین سنت بھوک ہے اس لیے کہ بھوک کے بغیر ہی کھانا مکروہ بھی ہے اور مذموم بھی جو شخص کھانے میں ہاتھ ڈالتے وقت بھی بھوکا رہتا ہو اور بھوک کی حالت میں ہی ہاتھ کھینچ لے وہ طبیب کا کبھی محتاج نہیں ہوگا۔ چھٹی چیز یہ ہے کہ جو چیز حاضر ہو اسی پر قناعت کرے عمدہ عمدہ کھانو کی تلاش میں سرگرداں نہ ہو کیونکہ مسلمان کا مقصد تو اس قوت کی حفاظت ہے جو عبادت میں کام آئے اس کا مقصد عیش و عشرت نہیں نیز روٹی کی تعظیم سنت ہے اس واسطے کہ آدمی کی بقا اسی پر ہے اور روٹی کی غایت درجہ تعظیم یہ ہے کہ سالن وغیرہ کا انتظار نہ کرے بلکہ جب خُدا دے کھا لے اور جیسے ہو کھا لے۔ حتیٰ کہ نماز کے انتظار میں بھی روٹی موخر نہ کرے جب روٹی حاضر ہو تو پہلے اسے کھا لے پھر اطمینان سے نماز ادا کرے۔

ساتویں چیز یہ ہے کہ جو کھانے میں باقاعدہ شریک ہو اس کی آمد سے قبل کھانے میں ہاتھ نہ ڈالے کیونکہ تنہا کھانا اچھا نہیں اور کھانے میں جتنے ہاتھ زیادہ ہوں گے اتنی ہی برکت زیادہ ہو گی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سلطان الانبیاء علیہ السلام والثناء اکیلے کھانا بالکل تناول نہیں فرماتے تھے۔

کھانے کے وقت کے آداب

پہلا ادب یہ ہے کہ ابتداء میں بسم اللہ کہے اور آخر میں الحمد للہ۔ بہتر یہ ہے کہ پہلے نوالہ کے ساتھ بسم اللہ الرحمٰن اور تیسرے کے ساتھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہے۔ یہ کلمات زور سے کہنے چاہئیں تاکہ دوسروں کو بھی یاد آ جائیں۔ دائیں ہاتھ سے کھانا چاہیے اور نمک سے شروع کر کے نمک پر ہی اختتام کرنا چاہیے کیونکہ یہ حدیث شریف میں ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ پہلے ہی لحظہ میں حرص کا علاج ہو جائے۔ نوالہ چھوٹا لے اور خوب چبا کر کھائے۔ جب تک پہلا لقمہ نہ نگل لے دوسرے کو نہ اٹھائے اور کسی کھانے میں عیب نہ نکالے کیونکہ نبی کریم علیہ السلام نے کبھی عیب نہیں نکالا پسند خاطر ہوتا تو تناول فرما لیتے ورنہ ہاتھ روک لیتے۔ یہ بھی سنت ہے کہ اپنے سامنے سے کھائے ہاں طباق میں سے اِدھر اُدھر سے

میوہ چن کر کھانا درست ہے کیونکہ وہ کئی اقسام کا ہوتا ہے۔ ثرید[1] کو پیالے کے بیچ میں سے کھانے کے بجائے کنارے سے کھائے اسی طرح روٹی بھی کنارے سے توڑے۔ روٹی اور گوشت کے لیے چھری استعمال کرنا صحیح نہیں' پیالہ اور اسی قسم کی دوسری چیزیں جو کھائی نہیں جاتیں انھیں روٹی پر نہیں رکھنا چاہیے۔ روٹی سے ہاتھ صاف کرنا صحیح نہیں اور جو لقمہ گر جائے اسے اُٹھا کر صاف کر کے کھالینا چاہیے۔ اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ اگر اسے چھوڑ دے گا تو وہ شیطان کے کام آئے گا۔ اُنگلی پہلے مُنہ سے چاٹے پھر اپنے کسی کپڑے سے پونچھ ڈالے تاکہ کھانے کا نشان ہو جائے۔ ممکن ہے اس میں برکت باقی ہو۔ گرم کھانے کو ٹھنڈا کرنے کے لیے پھونک مارنا صحیح نہیں بلکہ اس کے ٹھنڈا ہونے کا انتظار کرے۔ کھجور یا زرد آلو یا اس قسم کی کوئی چیز کھائی ہو جو گنی جا سکے تو وہ طاق عدد میں کھائے۔ مثلاً سات یا گیارہ یا اکیس تاکہ تمام کاموں کی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناسبت ہو جائے وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ وتر (طاق) ہیں اور وہ وتر ہی کو پسند فرماتے ہیں۔ جس کام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر و تعلق کسی طرح کا نہ ہو وہ بالکل باطل و بے فائدہ ہے اس لیے طاق جفت سے اولیٰ ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ سے مناسبت رکھتا ہے کھجور وغیرہ کی گٹھلی اسی برتن میں نہیں رکھنی چاہیے اور ہاتھ میں بھی اکٹھی نہیں کرنی چاہیے۔ کھانے میں زیادہ پانی کا استعمال مناسب نہیں۔

پانی کے آداب

پانی کا برتن دائیں ہاتھ میں لینا چاہیے۔ ابتداء میں بسم اللہ پڑھے اور آہستہ آہستہ پیے۔ کھڑے کھڑے یا لیٹے لیٹے پانی نہ پینا چاہیے۔ پینے سے پہلے یہ بھی دیکھ لے کہ اس میں کوئی تنکا یا کیڑا تو نہیں۔ اگر ڈکار آئے تو برتن کے بجائے چہرے کا رُخ دوسری طرف کر لینا چاہیے۔ پانی تین سانس میں پینا چاہیے۔ ہر بار بسم اللہ ابتداء میں اور آخر میں الحمد للہ پڑھے۔ برتن پر نظر رکھے تاکہ پانی ٹپکے نہیں۔ جب پانی سے فارغ ہو تو یہ دُعا پڑھے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَهٗ عَذْبًا فُرَاتًا بِرَحْمَتِہٖ وَلَمْ یَجْعَلْهُ مِلْحًا اُجَاجًا بِذُنُوْبِنَا

کھانے کے بعد کے آداب

پیٹ بھرنے سے پہلے ہی ہاتھ کھینچ لینا چاہیے۔ اُنگلی کو مُنہ سے صاف کرنا چاہیے پھر دسترخوان سے روٹی کے ٹکڑے چن کر کھالے اس واسطے کہ حدیث میں ہے کہ جو شخص ایسا کرے گا اس کی روزی میں وسعت ہو گی اور اس کی اولاد بے عیب اور سلامت رہے گی اور وہ ٹکڑے حورعین کا مہر شمار ہوں گے پھر خلال کرے اور جو کچھ دانتوں سے نکل کر زُبان پر آئے اسے نگل لینا چاہیے اور جو کچھ خلال کے ساتھ باہر آ جائے اسے پھینک دینا چاہیے۔ کھانے کے برتن کو اُنگلی سے صاف کرلے اس لیے کہ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص برتن پونچھ لیتا ہے وہ اس کے حق میں دُعا کرتا ہے کہ اے اللہ اِس نے مجھے صاف کر کے جس طرح شیطان سے محفوظ رکھا اسی طرح تو اسے دوزخ کی آگ سے محفوظ فرما اور اگر برتن کو دھو کر اس پانی کو پی لے تو ایک غلام آزاد کرنے کی مانند ثواب ملے گا۔ کھانے کے بعد یہ کلمات پڑھے :

---

[1] ثرید روٹی کے ٹکڑے شوربے میں بھگو دینا حتیٰ کہ وہ یک جان ہو جائیں' اِس کھانے کو ثرید کہا جاتا ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَکَفَانَا وَاٰوَانَا وَھُوَ سَیِّدُنَا وَمَوْلَانَا قُلْ ھُوَ اللّٰہ

نیز سورۃ ﴿ لاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ﴾ کی تلاوت کرے۔ اگر تو رزق حلال کھایا ہے تو شکر ادا کرے اگر مشتبہ مال سے روٹی کھائی ہے تو رنجیدہ ہو کر روئے۔ اس لیے کہ جو شخص کھاتا اور روتا ہو وہ اس جیسا نہیں جو کھائے اور غفلت کے سبب ہنسے۔ جب ہاتھ دھونے لگے تو "اشنان" (ایک قسم کا پتہ جو ہاتھ کو صابن کی طرح صاف کر دیتا ہے۔ وہ نہ ہو تو صابن استعمال کرے) بائیں ہاتھ میں لے۔ پہلے تو دائیں ہاتھ کی اُنگلیوں کے سرے اشنان ملے بغیر دھو لے پھر اُنگلی اشنان میں ڈبو کر ہونٹ ' دانت اور تالو پر رکھ کر اچھی طرح مل لے اور پھر انگلیوں کو دھو لے اس کے مُنہ کو اشنان کے ساتھ صاف کرے۔

کسی کے ساتھ کھانا کھانے کے آداب

کھانا تنہا کھائے یا کسی کے ساتھ ' ان آداب مذکورہ کا تو بہرحال خیال رکھے لیکن اگر کسی کے ساتھ کھانا ہو تو سات مزید آداب ہیں جن کا لحاظ ضروری ہے۔ پہلا تو یہ کہ جو شخص عمر یا عِلم یا تقویٰ و پرہیز گاری میں یا کسی اور سبب سے بڑھا ہوا ہو جب تک وہ پہل نہ کرے اسے کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھانا چاہیے۔ اور اگر یہی سب سے بڑھا ہوا ہے تو پھر جلدی شروع کرے کہ دوسروں کو زحمت انتظار نہ برداشت کرنا پڑے دوسرا یہ کہ چپ رہنا مناسب نہیں کیونکہ یہ اہل عجم کا طریقہ ہے ہاں یہ خیال کرے کہ اہل تقویٰ کے قصے اور حکایات نیز حکمت کی باتیں اور شرعی مسائل بیان کر کے محفل کو رونق بخشنی چاہیے۔ خرافات اور واہیات باتوں سے اجتناب لازم ہے۔

تیسرا یہ کہ جو شخص اس کے ساتھ پیالہ میں شریک ہو اس کا بطور خاص خیال رکھے۔ تاکہ کسی بھی حال میں اس سے زیادہ نہ کھانے پائے۔ اگر تو کھانا مشترک ہو تو یہ بالکل حرام ہے بلکہ مناسب یہ ہے کہ خود تو کم کھائے اور اچھا کھانا اس کے سامنے بڑھا دے اگر شریک طعام کی رفتار سُست ہو تو اصرار کے ساتھ اس کو کھلائے تاکہ وہ بطیب خاطر پوری طرح کھا لے البتہ تین بار سے زیادہ کہنا مناسب نہیں اس واسطے کہ اس سے زیادہ کہنا الحاح اور افراط میں شامل ہے اور کھانے کے لیے قسم دینی مناسب نہیں کیونکہ کھانا قسم کے مقابلہ میں کم حقیقت رکھتا ہے۔ چوتھا ادب یہ ہے کہ ایسی نوبت نہ آنے دے کہ ساتھی اس کو کھاؤ کھاؤ کہے بلکہ جس طرح وہ کھا رہا ہے اسی طرح اس کے ساتھ کھائے جائے۔ اور جو کھانے کی عادت ہے اس سے کم نہ کھائے کیونکہ ایسا کرنا ریا میں شامل ہے اور اپنے آپ کو تنہائی میں بھی اسی طرح باادب رکھے جس طرح لوگوں کے سامنے باادب رکھتا ہے۔ دوسروں کو زیادہ کھلانے کی نیت سے خود کم کھانا چاہیے ہاں البتہ دوسروں کی خوشی کے لیے زیادہ کھا لے تو کوئی حرج نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فقراء کی دعوت کرتے تو ان کے سامنے کھجور رکھتے اور فرماتے کہ جو زیادہ کھائے گا اس کو ایک گٹھلی کے بدلے ایک درم انعام دیا جائے گا۔ پھر گٹھلیوں کا شمار کرتے اور جس کی زیادہ ہوتیں اسے ایک درم فی گٹھلی انعام سے نوازتے۔ پانچواں ادب یہ ہے کہ کھانے کے دوران نگاہ نیچی رکھے دوسروں کے نوالوں کو نہ دیکھے اگر شرکاءِ طعام اُس کا ادب ملاحظہ کرتے ہوں تو دوسروں سے پہلے ہاتھ نہ کھینچے اور اگر دوسروں کے نزدیک کچھ حقارت کا باعث ہے تو ابتدا میں اپنا ہاتھ روکے رکھے تاکہ بعد میں خوب سیر ہو کر کھا سکے

اگر اچھی طرح کھانے میں کوئی عذر ہے تو عذر بیان کر دے تاکہ دوسرے شرمندہ نہ ہوں۔ چھٹا ادب یہ ہے کہ جس بات اور کام سے دوسروں کو نفرت اور کراہت محسوس ہو اس سے اجتناب کرے۔ برتن میں ہاتھ جھٹکنا مناسب نہیں۔ اسی طرح برتن کی طرف اتنا مُنہ جھکانا کہ جو کچھ مُنہ سے نکلے وہ برتن میں جائے یہ بھی ناپسندیدہ عمل ہے اگر ایسا ہو تو فوراً مُنہ پھیر لے۔ چکنا نوالہ سرکہ میں ڈبونا مناسب نہیں اور جو نوالہ دانتوں سے کاٹا ہو اسے دوبارہ برتن میں نہ ڈالے کہ اس سے شرکاء کو کراہت محسوس ہو گی۔ مکروہ چیزوں کے متعلق گفتگو سے اجتناب بھی ضروری ہے۔ ساتواں ادب یہ ہے کہ اگر طشت میں ہاتھ دھونا ہو تو لوگوں کے سامنے اس میں تھوکے نہیں۔ معزز شخص کو مقدم رکھے جب لوگ اس کی تعظیم کریں تو اسے مان لے اور داہنی طرف کو طشت گھمائے اور ہر ایک کے ہاتھ دھلنے کے بعد پانی نہ پھینکے بلکہ سب کا اکٹھا کرکے پھر گرا دے۔ الگ الگ پانی گرانا اہل عجم کی عادت ہے۔ تمام لوگ ایک ہی بار ہاتھ دھو لیں تو بہت اچھا ہے۔ اور یہ کام عاجزی اور فروتنی سے قریب تر ہے۔ کلی کرنی ہو تو آہستہ کرے تاکہ چھینٹے نہ اُڑنے پائیں جو شخص ہاتھ پر پانی ڈالتا ہو اس کا کھڑا رہنا بیٹھے رہنے سے بہتر ہے۔

یہ تمام آداب احادیث میں موجود ہیں۔ انسان اور حیوان میں انھیں سے فرق ہوتا ہے کیونکہ حیوان جس طرح اس کا جی چاہتا ہے کھاتا ہے اچھی بات نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ تمیز ہی نہیں دی اور چونکہ انسان کو یہ تمیز عنایت ہوئی ہے اس لیے اگر وہ اس پر کاربند نہ ہو گا تو گویا اس نے عقل و تمیز کی نعمت کا حق ادا نہیں کیا اور نعمت کا حق ادا نہ کرنا کفرانِ نعمت ہے۔

احباب اور دینی بھائیوں کے ساتھ کھانے کی فضیلت

کسی دوست کی ضیافت کرنا صدقہ سے افضل ہے۔ اس واسطے کہ حدیث میں آتا ہے کہ تین چیزوں کا آدمی سے حساب نہ ہو گا۔ ایک تو اس کھانے کا جو سحری کے وقت کھایا دوسرے افطاری کے کھانے کا تیسرے اس کھانے کا جو دوستوں کے ساتھ کھایا۔ حضرت جعفر بن محمد صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ احباب اور بھائیوں کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھنے کا موقع ملے تو جلدی نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ جتنی دیر ہو گی زندگی کے اتنے حصّہ کا حساب ہو گا لیکن جو دوستوں کو کھلاتا پلاتا ہے اس کا حساب نہیں ہو گا۔ ایک بزرگ کی عادت تھی کہ جب بھائیوں کے سامنے دستر خوان بچھاتے تو بہت کھانا چن دیتے اور فرماتے کہ یہ میں نے اس لیے کیا ہے کہ حدیث میں آتا ہے کہ جو کھانا دوستوں کے سامنے رکھا جائے اس پر حساب کتاب نہیں ہوتا' میں چاہتا ہوں کہ جو کھانا دوستوں کے سامنے چنا گیا ہے اس سے کھاؤں۔ امیرالمؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک غلام آزاد کرنے کے مقابلہ میں ایک صاع کھانا احباب کے سامنے چننا مجھے زیادہ عزیز ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے کہ اے بنی آدم میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔ انسان تعجب کے مارے عرض کرے گا کہ اے اللہ آپ کیسے بھوکے ہوئے؟ آپ تو سارے جہان کے مالک ہیں آپ کو کھانے کی حاجت کیسے ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ تیرا بھائی بھوکا تھا تو اگر اسے کھانا کھلاتا تو گویا مجھے کھلاتا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص مسلمان بھائی کو پیٹ بھر کر کھانا کھلاتا اور پانی پلاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے

جہنم کی آگ سے سات خندق کے فاصلہ کے برابر دُور فرما دیتے ہیں۔ ہر خندق کا فاصلہ پانچ سو برس کی مسافت کے برابر ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((خَيْرُكُمْ مَنْ اَطْعَمَ الطَّعَامَ)) "وہ شخص بہت بہتر ہے جو بہت کھانا کھلائے"۔

جو دوست ایک دوسرے کی ملاقات کو جائیں ان کے کھانا کھانے کے آداب

اس سلسلہ میں چار آداب ہیں۔

پہلا ادب یہ ہے کہ قصداً کھانے کے وقت کسی کے پاس نہ جائے۔ اس لیے کہ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص بن بلائے کسی کے پاس کھانے کی نیت سے جائے گا وہ گنہگار ہو گا اور جو کھائے گا وہ حرام کھائے گا۔ اگر اتفاقاً کھانے کے وقت جا پہنچے تو کہے بغیر نہ کھائے۔ اگر وہ کہیں کہ کھاؤ اور یہ سمجھتا ہو کہ دِل سے نہیں کہہ رہے تو بھی کھانے سے احتراز کرے اور بہ لطائف الحیل انکار کر دے۔ ہاں اگر کسی دوست پر اعتماد ہو تو اس کے گھر کھانے کی نیت سے جانا بھی درست ہے بلکہ ایسے احباب میں ایسا کرنا سنت ہے کیونکہ جناب سرورِ کائنات ﷺ اور امیر المؤمنین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھوک کے وقت حضرت ابوایوب انصاری اور حضرت ابو الہیثم بن التیہان رضی اللہ عنہما کے گھر تشریف لے جاتے اور مانگ کر کھانا تناول فرماتے۔ یہ امر خیر ہر میزبان کے ساتھ ایک طرح کی اعانت ہے بشرطیکہ معلوم ہو کہ وہ اس کی رغبت رکھتا ہے۔ بعض بزرگ ایسے تھے جن کے تین سو ساٹھ دوست تھے وہ بزرگ ہر رات ایک دوست کے گھر گزارتے بعض ایسے تھے جن کے تیس دوست تھے تاکہ ہر مہینہ کا ایک دن ایک دوست کے ساتھ گزاریں۔ اور بعض کے ہفتہ کے سات دنوں کے حساب سے سات سات دوست تھے۔ یہ دوست ان بزرگوں کے لیے کسب و صنعت کا درجہ رکھتے تھے۔ جناب سرورِ انبیاء علیہ افضل الصلوٰۃ والثناء حضرت بریدہ کے گھر تشریف لے گئے اور ان کی عدم موجودگی میں ان کا کھانا کھا لیا کیونکہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ وہ اس بات سے خوش ہوں گے۔ حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ تھے اپنے احباب کے ساتھ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے گھر تشریف لے جاتے اور جو موجود ہوتا کھا جاتے۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ جب گھر تشریف لاتے تو یہ دیکھ کر بہت خوش ہوتے۔ ایک گروہ نے ان کے گھر میں ایسا ہی کیا جب آپ تشریف لائے تو ارشاد فرمایا کہ تم نے گزشتہ دَور کے بزرگوں کے اخلاق مجھے یاد دلا دیئے کہ ان کا طرزِ عمل ایسا ہی بے تکلفانہ تھا۔

دوسرا ادب یہ ہے کہ جب کوئی دوست ملاقات کی غرض سے آئے تو ماحضر سے اس کی تواضع کرے تکلف میں نہ پڑے اگر گھر میں کچھ نہ ہو تو قرض سے بچے اور اگر گھر میں اتنی مقدار میں کھانا ہو کہ محض اہل و عیال کا گزارہ ہوتا ہو تو ان کا زیادہ حق ہے۔ ایک صاحب نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی دعوت کی تو آپؓ نے فرمایا کہ تین شرط سے قبول کروں گا۔ پہلی تو یہ کہ بازار سے کوئی چیز لانے کی اجازت نہ ہو گی دوسری یہ کہ جو گھر میں ہو اسی کو کافی سمجھ اور تیسری یہ کہ اہل و عیال کے حق کی حفاظت کر۔ حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تعلقات کے انقطاع کا ایک سبب تکلفات ہیں اگر ایسا نہ ہو تو لوگ بے دھڑک ایک دوسرے کو مل سکتے ہیں۔ ایک دوست نے کسی بزرگ کے معاملہ میں تکلف کیا تو انھوں نے فرمایا کہ نہ تو تم اکیلے میں ایسا کھانا کھاتے ہو اور نہ میں۔ پھر باہمی ملاقات کے دوران اس قسم کا تکلف کیوں؟ یا تو تم تکلف

کا سلسلہ بند کر دو ورنہ میرا آنا بند ہو جائے گا۔

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تلقین فرمائی کہ تکلف سے بچو اور جو حاضر ہو اس سے دریغ نہ کرو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم مہمانوں کی تواضع روٹی کے ٹکڑے اور خشک کھجور تک سے کرتے اور فرماتے کہ وہ شخص بڑا گنہگار ہے جو ماحضر کو ناچیز سمجھے اور اسی لیے مہمان کے سامنے نہ لائے اور اگر مہمان اسے ناچیز جانے تو وہ بھی گنہگار ہے۔

حضرت یونس علیہ السلام روٹی کے ٹکڑے اور اپنی بوئی ہوئی سبزی سے دوستوں کی تواضع فرماتے اور ارشاد فرماتے کہ اگر اللہ تعالیٰ تکلف کرنے والوں پر لعنت نہ کرتا تو میں ضرور تکلف کرتا۔ کچھ لوگوں میں باہمی تنازعہ تھا تو انھوں نے حضرت زکریا علیہ السلام کی تلاش کی تاکہ وہ فیصلہ فرمادیں۔ یہ لوگ تلاش میں آپ علیہ السلام کے مکان پر گئے تو آپ تشریف فرما نہ تھے البتہ ایک خوبرو بی بی موجود تھی جسے دیکھ کر ان لوگوں نے تعجب کیا کہ آپ پیغمبر ہو کر ایسی خوبصورت عورت کو رکھ چھوڑا ہے؟ بہرحال تلاش پر معلوم ہوا کہ آپ کسی جگہ مزدوری کے لیے تشریف لے گئے ہیں وہاں پہنچے تو آپ کھانے میں مصروف تھے آپ نے ان سے باتیں تو کیں لیکن کھانے میں شریک ہونے کی دعوت نہ دی۔ جب آپ وہاں سے اٹھے تو آپ کے پاؤں میں جوتا نہ تھا۔ لوگوں نے ان تینوں معاملات کے متعلق جب سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ خوبرو عورت میرے دین کے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔ میری آنکھ اور دل کسی دوسری طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ تمھیں کھانے کی دعوت اس لیے نہیں دی کہ میں مزدوری کرتا ہوں کھانا کم کھاتا تو مزدوری میں کوتاہی ہوتی جب کہ پورا کام میرا فرض ہے رہ گیا ننگے پاؤں چلنے کا قصہ تو اس زمین کے مالکان کا باہمی جھگڑا ہے مجھے یہ بات پسند نہیں کہ اس زمین کی مٹی جوتے سے لگ کر دوسری زمین میں جائے۔ اس حکایت سے معلوم ہوا کہ معاملات میں سچائی کا اہتمام تکلف سے بدرجہا بہتر ہے۔

تیسرا ادب یہ ہے کہ جب میزبان پر دشواری کا اندیشہ ہو تو تحکم سے احتراز کرے۔ جب مہمان کو دو چیزوں میں اختیار دیا جائے تو جو آسان ہو اسے منتخب کرے۔ اِس لیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا۔ کوئی شخص حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے پاس گیا انھوں نے جو کی روٹی اور نمک سے اس شخص کی تواضع کی۔ اس شخص نے کہا کہ اگر اِس نمک میں سعتر (ایک قسم کی پتی جو فقراء کھانے میں استعمال کرتے ہیں) ہوتا تو کیا اچھا ہوتا؟ آپ کے پاس اتفاق سے وہ چیز نہ تھی آفتابہ کو گروی رکھ کر سعتر خرید لائے کھانے کے بعد اس شخص نے دُعا مانگی:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ قَنَعَنَا بِمَا رَزَقْنَا

"تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے قناعت نصیب فرمائی اس رزق پر جو اُس نے دیا"۔

حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم میں قناعت ہوتی تو میرا آفتابہ گروی نہ ہوتا۔

البتہ جب یہ خیال ہو کہ میزبان کو دقت نہ ہو گی بلکہ وہ خوش ہو گا تو پھر تقاضا درست ہے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بغداد میں زعفرانی کے گھر قیام پذیر تھے وہ روزانہ کھانے کی اقسام لکھ کر باورچی کو دے دیتا۔ ایک دن امام صاحب نے اپنے دستخط سے ایک کھانا بڑھا دیا۔ جب زعفرانی نے لونڈیا کے ہاتھ میں اس تحریر کو دیکھا تو اتنا خوش ہوا کہ شکریہ کے طور پر اُس کو آزاد کر دیا۔

چوتھا ادب یہ ہے کہ اگر صاحب خانہ مہمانوں کی خواہشات پوری کرنے میں دِل سے راضی ہو تو ان سے پوچھے کہ تم کیا چاہتے ہو اور کونسی چیز تمھیں مرغوب ہے؟ اس لیے کہ مرغوبات کے اہتمام میں ثواب ہو گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان بھائی کی خواہش پوری کرنے میں کوشش اور مستعدی کا مظاہرہ کرنے سے ہزاروں نیکیاں اس کے نامۂ عمل میں لکھی جاتی ہیں اور اسی مقدار میں برائیاں مٹائی جاتی ہیں اور اسی انداز سے اس کے درجات بلند ہوتے ہیں اور جنت کے تین درجات میں اسے جگہ نصیب ہوتی ہے یعنی فردوس' عدن اور خلد میں۔ لیکن مہمان سے یہ سوال کہ فلاں چیز لاؤں یا نہ لاؤں مکروہ امر ہے جو موجود ہو لے آئے اگر وہ نہ کھائے تو لے جائے۔

میزبانی کی فضیلت

اب تک جو کچھ بیان ہوا اس کا تعلق اس سے تھا کہ کوئی شخص بن بلائے آئے۔ دعوت کا حکم الگ ہے۔ اہل اللہ کا مقولہ ہے کہ مہمان خود آئے تو تکلف نہ کر اور اگر دعوت پر آئے تو پھر کچھ اٹھا نہ رکھ۔ ضیافت کی بڑی فضیلت یہی ہے اور اہل عرب کی یہ عادت ہے کہ وہ سفر کے دوران ایک دوسرے کے گھر جاتے اور ایسے مہمان کا حق ادا کرنا بہت اہم ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مہمان نواز نہیں وہ خیر سے محروم ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ مہمان کے معاملہ میں تکلف نہ برتو کہ ایسا کرنا اس کے ساتھ دشمنی ہے اور مہمان سے دشمنی خُدا سے دشمنی ہے اور خُدا سے جو دشمنی کرتا ہے تو وہ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کرتا ہے۔

غریب مہمان کے لیے قرض لے کر بھی تکلف دُرست ہوتا ہے ہاں دوست احباب کے لیے جن کا آپس میں آنا جانا ہو تکلف درست نہیں۔ اس لیے کہ اس وجہ سے محبت کا رنگ پھیکا پڑتا ہے۔ حضور علیہ السلام کے غلام حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ فلاں یہودی سے رجب میں رقم کی ادائیگی کے وعدہ پر آٹا لے آؤ کیونکہ میرا مہمان آیا ہے۔ یہودی نے کہا کہ بغیر کوئی چیز گروی رکھے آٹا نہیں دوں گا۔ حضرت ابو رافع پلٹ کر تشریف لے آئے اور آپ ﷺ کی خدمت میں اس کی بات نقل کر دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بخدا میں زمین و آسمان دونوں ہی جگہ امین ہوں اگر وہ آٹا دے دیتا تو میں ضرور رقم ادا کرتا بہرحال اب میری زرہ لے جاؤ اور گروی رکھوا دو۔ آپ کہتے ہیں کہ میں وہ زرہ لے گیا اور اسے گروی رکھوا دیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام مہمان کو تلاش کرتے ایک دو میل تک چلتے اور مہمان نہ ملتا تو کھانا نہ کھاتے آپ کے صدق و خلوص کی برکت سے ان کے شہر میں رسم ضیافت باقی ہے کوئی رات مہمان سے خالی نہیں جاتی۔ کبھی تو سو دو سو مہمانوں تک نوبت آجاتی ہے اسی لیے اس کے واسطے کئی گاؤں وقف اور معاف ہیں۔

دعوت اور اس کے قبول کرنے کے آداب

داعی کو چاہیے کہ صالحین اور نیکوکار لوگوں کے علاوہ کسی کو نہ بلائے۔ کیونکہ کھانا قوت میں اضافہ کا باعث ہوتا ہے اور فاسق کو کھانا کھلانا اس کے فسق میں مدد دینے کے مترادف ہے نیز اس کا اہتمام کرے کہ فقراء کو بلائے امیروں سے احتراز کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس ولیمہ کے کھانے کو بدتر کھانا قرار دیا ہے جس میں امراء بلائے جاتے ہیں اور فقراء

محروم رہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے مزید ارشاد فرمایا کہ تم لوگ دعوت میں بھی گناہ کا ارتکاب کرتے ہو کیونکہ ایسے افراد کو بلاتے ہو جن کے آنے کا امکان کم ہے اور جن کے امکان کا زیادہ ہو انھیں چھوڑ دیتے ہو۔

انسان کو چاہیے کہ اعزہ اور احباب کو دعوت میں نہ بھولے کیونکہ ایسا کرنا وحشت کا سبب ہے۔ نیز دعوت سے ڈینگ اور بڑائی مقصد نہیں ہونی چاہئے بلکہ سنت کی ادائیگی اور فقراء کی راحت کا خیال ہونا چاہیے۔ جس شخص کے متعلق اندازہ ہو کہ دعوت قبول نہیں کرے گا اسے بلانے سے احتراز کرے کیونکہ اس سے رنج پیدا ہوتا ہے اور جو شخص اس کی دعوت قبول کرنے میں رغبت نہ رکھتا ہو اس کی دعوت سے بھی احتراز کرے اور نہ بلائے اگر کسی وجہ سے وہ مان بھی گیا تو کھانا کراہت سے کھائے گا خوش دلی سے نہیں کھائے گا اور یہ چیز خطا کا سبب ہے۔

قبولیت دعوت کا پہلا ادب: فقراء اور امراء میں فرق نہ کرنا چاہیے اس لیے کہ حضور علیہ السلام فقراء کی دعوت بڑی محبت سے قبول فرماتے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ ایک محتاج طبقہ کے پاس سے گزرے جو روٹی کے ٹکڑے کھا رہے تھے۔ انھوں نے عرض کیا کہ اے فرزند رسول! آپؓ ہمارے ساتھ شریک ہو جائیں آپ سواری سے اتر کر شریک ہو گئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو متکبر لوگ پسند نہیں۔ فراغت کے بعد انھیں اگلے دن کھانے کی دعوت دی جو انھوں نے قبول کر لی۔ چنانچہ اگلے دن ان کے لیے نہایت عمدہ کھانے پکوائے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول کیا۔

دوسرا ادب یہ ہے کہ اگر یہ شبہ ہو کہ میزبان مجھ پر احسان جتلائے گا تو بلطائف الحیل ٹال دے اور دعوت قبول نہ کرے بلکہ میزبان کو احساس ہونا چاہئے کہ مہمان کا دعوت کو قبول کرنا میرے لیے فضیلت کا باعث ہے اور اسے اپنا محسن خیال کرے۔ اِسی طرح اگر یہ خیال ہو کہ دعوت قبول کرنے والے کا کھانا صحیح نہیں بلکہ مشتبہ ہے یا وہاں کا انداز دینی اور معقول نہیں مثلاً وہاں اطلس و کمخواب کا فرش ہے یا چاندی کی انگیٹھی ہے یا دیوار اور چھت میں جانوروں کی تصاویر ہیں یا مزامیر کے ساتھ راگ کا انتظام ہے یا کوئی مسخرا وہاں موجود ہے یا فحش گوئی کا ماحول ہے یا ضیافت سے مقصد لاف زنی اور تکبر ہے تو ایسے شخص کی دعوت قبول نہ کرے اور اگر دعوت قبول کر لی (پہلے سے عِلم نہ تھا) اور وہاں کوئی مکروہ بات دیکھی اور منع کرنے کی پوزیشن میں نہیں تو وہاں سے چلا جانا واجب ہے۔

تیسرا ادب یہ ہے کہ جگہ دُور ہونے کے سبب دعوت رد نہ کرے بلکہ عادت کے مطابق جتنی راہ چل سکتا ہو چل کر جائے توریت میں منقول ہے کہ بیمار کی عیادت کے لیے میل بھر جنازہ کے ساتھ دو میل مہمان کی غرض سے تین میل اور دینی بھائی کی ملاقات کے لیے چار میل تک جانا چاہیے۔

چوتھا ادب یہ ہے کہ روزے کی وجہ سے دعوت کو رد نہ کرنا چاہیے بلکہ ضرور جانا چاہیے اگر میزبان کی خوشی ہو تو محض خوشبو اور اچھی باتوں پر قناعت کرے کیونکہ روزہ دار کی میزبانی یہی ہے اور اگر وہ رنجیدہ ہو تو نفلی روزہ توڑ کر کھانا کھائے کیونکہ مسلمان کا دِل خوش کرنا روزے سے زیادہ ثواب کا باعث ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایسے شخص پر اعتراض فرمایا جو میزبان کی رضامندی کے لیے روزہ نہ کھولے اور فرمایا کہ وہ تو تیرے لیے تکلف کرے اور تو کہے کہ میں روزہ سے ہوں۔

پانچواں ادب یہ ہے کہ محض پیٹ کی خواہش مٹانے کے لیے دعوت قبول نہ کرے کہ یہ جانوروں کا کام ہے بلکہ ایسا اس لیے کرے کہ سنت کی اتباع ہے اور اس بات سے بچنے کی نیت ہو جو نبی کریم ﷺ نے فرمائی کہ جو شخص دعوت قبول نہیں کرے گا وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا مجرم ہو گا۔ اسی وجہ سے علماء کے ایک طبقہ کی رائے یہ ہے کہ دعوت قبول کرنا واجب ہے۔ دعوت قبول کرنے میں مسلمان بھائی کے اعزاز و اکرام کی نیت ہونی چاہیے۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی مسلمان کا اعزاز و اکرام کرتا ہے وہ اللہ کا اعزاز و اکرام کرتا ہے اس میں مسلمان کی دلجوئی اور اس کا دِل خوش کرنے کی نیت ہونی چاہیے۔ حدیث میں ہے کہ جو مسلمان کو خوش کرتا ہے وہ اللہ رب العزت کو خوش کرتا ہے اور اس میں میزبان کی ملاقات کی نیت کر لینی چاہیے کیونکہ دینی بھائیوں کی ملاقات نیکی ہے اور اپنے آپ کو غیبت سے بچانے کی نیت ہونی چاہیے تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ فلاں شخص بدخوئی اور تکبر کی وجہ سے نہیں آیا۔ دعوت میں جانے کی یہ چھ نیتیں ہیں جن کا بیان ہوا۔ ہر نیت کے عوض مستقل ثواب ہو گا اور ایسی ہی نیتوں کے سبب مباح چیزیں اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ بزرگانِ دین کی کوشش ہوتی ہے کہ تمام حرکات و سکنات میں ایسی نیت ہو جسے دین سے مناسبت ہو تاکہ کوئی سانس ضائع نہ جائے۔

حاضری کے آداب یہ ہیں کہ میزبان کو منتظر نہ رکھا جائے۔ جانے میں جلدی ہونی چاہیے۔ اچھی جگہ کی تلاش نہ کرے بلکہ جہاں ممکن ہو بیٹھ جائے یا جہاں میزبان کہے وہیں بیٹھ جائے۔ اگر دوسرے مہمان اچھی جگہ اسے بٹھانا چاہیں تو فروتنی سے کام لے۔ عورتوں کے کمرہ کے قریب بیٹھنے سے احتراز کرے جہاں سے کھانا آتا ہے اُدھر بار بار نہ دیکھے جب بیٹھے تو قریب ترین شخص کی مزاج پرسی کرے۔ خلافِ شرع کوئی چیز سامنے آئے تو اس کا انکار کرنا چاہیے منع نہ کر سکے تو وہاں سے اُٹھ کھڑا ہو۔ اگر مہمان رات ٹھہرے تو میزبان کو چاہیے کہ اسے قبلہ اور طہارت کی جگہ بتا دے۔ کھانا کھانے کے آداب یہ ہیں کہ اس میں جلدی برتے کیونکہ یہ چیز مہمان کے اکرام میں شامل ہے کہ اسے کھانے کا انتظار نہ کرنا پڑے اکثر لوگ اگر آ چکے ہوں اور ایک آدھ باقی ہو تو حاضرین کی رعایت اولیٰ اور بہتر ہے ہاں فقراء نہ آئے ہوں اور انتظار نہ کرنے سے ان کی دِل شکستگی کا خطرہ ہو تو انتظار بہتر ہے نیت اس کی خوشی اور دلجوئی ہونی چاہیے۔

حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تعجیل شیطان کا کام ہے لیکن پانچ چیزیں ایسی ہیں جن میں تعجیل ہونی چاہیے۔ مہمان کو کھانا کھلانے، مُردہ کو تجہیز و تکفین، نکاح، قرض کی ادائیگی اور گناہوں سے توبہ کرنے میں اور دعوت ولیمہ میں جلدی سنت ہے۔

دوسرا ادب یہ ہے کہ کھانے سے پہلے میوہ لائے اور دستر خوان کو ترکاری سالن سے خالی نہ ہونے دے کیونکہ حدیث میں ہے کہ جب دستر خوان پر ہری چیز ہوتی ہے تو فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ مہمان کے سامنے اچھا کھانا رکھنا چاہیے تاکہ اس سے راحت و آسودگی ہو بہت سے کھلانے والوں کی عادت یہ ہوتی ہے کہ ثقیل غذا رکھ چھوڑتے ہیں تاکہ مہمان بہت کھا سکے یہ مکروہ ہے بعض لوگوں کی عادت یہ ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ سب کھانے رکھ دیتے ہیں تاکہ جس کا جو جی چاہے کھائے۔ جب طرح طرح کی چیزیں رکھ دی ہوں تو پھر جلدی اٹھانی نہ چاہیے اس لیے کہ ممکن ہے کوئی صاحب ایسے ہوں جو ہنوز سیر نہ ہوئے ہوں۔

تیسرا ادب یہ ہے کہ تھوڑا کھانا نہ رکھے کہ اس میں بے مروتی ہے اور ضرورت سے زیادہ بھی نہ رکھے کہ اس میں تکبر ہے ہاں اس نیت سے رکھنا کہ جو بچ جائے گا اس میں حساب نہ ہوگا مستحسن ہے۔ حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سا کھانا رکھا۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا کہ تمھیں اسراف کا ڈر نہیں؟ انھوں نے جواب میں کہا کہ ضیافت کے کھانے میں اسراف ہوتا ہی نہیں! انسان کو چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کو پہلے سے الگ کر لے تاکہ ان کی نظر دسترخوان پر نہ رہے اس لیے کہ اگر کچھ نہ بچا تو وہ مہمان کا شکوہ کریں گے۔ اس معاملہ میں مہمان کے ساتھ خیانت ہوتی ہے اور یہ درست نہیں کہ مہمان کھانا باندھ کر ساتھ لے جائے۔ جیسے بعض صوفیا کی عادت ہوتی ہے مگر یہ کہ میزبان ان کی شرم کا لحاظ نہ کرے اور صاف کہہ دے یا یہ جانتے ہوں کہ میزبان دلی طور پر راضی ہے تو پھر کھانا لے جانا درست ہے لیکن یہ ملحوظ خاطر رہے کہ اپنے ہم پیالہ پر ظلم نہ کرے اگر زیادہ لے جائے گا تو حرام ہوگا۔ اور اگر میزبان کی مرضی نہ ہو تب بھی حرام ہے اس طرح لے جانے اور چوری میں کوئی فرق نہیں۔ اور ہم پیالہ شخص اگر کوئی چیز خوشی کے بجائے شرم سے چھوڑ دے تو وہ بھی حرام ہے۔

مہمان خانہ سے باہر آنے کے آداب: اجازت لے کر باہر آنا چاہیے اور مہمان کو دروازہ تک پہنچانا میزبان پر لازم ہے اس لیے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا۔ میزبان کو خندہ پیشانی کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور خوبصورت گفتگو کرنی چاہیے اگر مہمان کوئی قصور دیکھے تو معاف کر دے اور حسن اخلاق سے بات کو چھپا دے کیونکہ ایسا کرنا قربِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔

حکایت: ایک شخص نے لوگوں کی دعوت کی اس کا بیٹا باپ کی اطلاع کے بغیر حضرت جنید قدس سرہٗ کو بھی بلا لایا۔ آپ جب دروازہ پر پہنچے تو باپ نے اندر جانے میں رکاوٹ کی۔ آپ لوٹ آئے لڑکا پھر بلانے آیا تو آپ دوبارہ تشریف لائے لیکن باپ نے اب بھی اندر جانے نہ دیا۔ آپ پھر لوٹ آئے چار مرتبہ ایسا ہی ہوا کہ آپ ہر بار آئے تاکہ لڑکے کا دِل خوش ہو اور چار ہی بار پلٹے تاکہ باپ کا دِل خوش ہو۔ حالانکہ آپ اس سے آزاد اور فارغ تھے اور ہر بار آنے جانے میں آپ کو عبرت ہوتی اور اس معاملہ کو اللہ کی طرف سے خیال فرماتے۔

دوسری فصل ——— نکاح کے آداب

کھانا کھانے کی طرح نکاح کرنا بھی دین کے کاموں میں سے ایک کام ہے اس لیے کہ جس طرح دین کی راہ میں انسان کو اپنی بقا کی خاطر کھانا کھانا ضروری ہے۔اور اس کے بغیر زندگی محال ہے اسی طرح جنس انسانی کی بقا کی بھی ضرورت ہے اور اس کا مدار نکاح پر ہے گویا نکاح تو انسانی وجود کا سبب ہے اور کھانا بقائے وجود کا ذریعہ۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نکاح کو جائز قرار دیا۔ اس کا مقصد محض شہوت و خواہش نہیں بلکہ دیکھا جائے تو شہوت بھی نکاح کی متقاضی ہے تاکہ اللہ کی راہ پر چلنے والوں کا سلسلہ قائم رہے۔ خالق کائنات نے تمام مخلوق کو پیدا ہی اس لیے کیا ہے۔ اِرشادِ ربانی ہے:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ﴾ (الذاریات)

آدمی جتنے زیادہ ہوں گے اتنا ہی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا سلسلہ بڑھے گا اور اتنا ہی نبی کریم علیہ السلام کی اُمت زیادہ ہو گی۔

حضور علیہ السلام نے اسی لیے ارشاد فرمایا کہ نکاح ضرور کرو تاکہ اولاد پیدا ہو اور میں قیامت کے دن تمھاری کثرت کے سبب دوسرے انبیاء علیہم السلام پر فخر کر سکوں حتیٰ کہ وہ حمل بھی فخر کا سبب ہو گا جو تکمیل کو نہ پہنچ سکا اور وقت سے پہلے ضائع ہو گیا۔ جس شخص کی یہ خواہش ہو کہ خُدا کی بندگی کی خاطر اولاد بڑھے اس کے لیے بہت ثواب ہے اسی لیے اولاد پر باپ کا حق بہت ہے اور استاد کا حق اس سے بھی زیادہ ہے کیونکہ باپ ولادت کا ذریعہ ہے اور استاد راہِ دین دکھانے کا۔ اس کے پیش نظر علماء کے ایک طبقہ کی یہ رائے ہے کہ نکاح کرنا نفل عبادت میں مشغول ہونے سے بہتر ہے جب یہ طے ہو گیا کہ نکاح اُمورِ دین میں سے ہے تو اس کے آداب کی تفصیل جاننا ضروری ہو گی۔ نکاح کے آداب کی تفصیل تین ابواب سے معلوم ہو گی۔ پہلا باب نکاح کے فوائد اور آفات پر مشتمل ہے دوسرا عقد نکاح کے آداب پر اور تیسرا نکاح کے بعد کے عیش و نشاط کے آداب میں!

پہلا باب

نکاح کی فضیلت کا راز اس کے فوائد میں ہے اور فائدے پانچ ہیں۔

پہلا فائدہ اولاد ہے جس کے سبب چار طرح کا ثواب نصیب ہوتا ہے۔

پہلا ثواب تو یہ ہے کہ آدمی کی پیدائش اور نسل کی بقا چونکہ اللہ تعالیٰ کو مرغوب و محبوب ہے اس لیے اس میں کوشش ہوتی ہے جو شخص اللہ کی حکمت کو پہچاننے کی کوشش کرے گا تو ظاہر ہے کہ اسے اس بات کا شک نہیں رہے گا کہ یہ بات اسے پسند ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو زراعت کے قابل زمین عطا فرمائے اور اس کے ساتھ بیج، بیلوں کی جوڑی اور دوسرے آلاتِ زراعت بخشے اور اسے کھیتی میں مشغول رکھے تو گو مالک زبان سے نہیں کہتا لیکن انسان بشرطیکہ دولتِ عقل سے مالا مال ہے وہ سمجھ جائے گا کہ اس سے مقصود یہی ہے کہ میں کھیتی میں محنت کر کے فصل اُگاؤں پس جب اللہ تعالیٰ نے بچّہ دانی پیدا کی۔ آلاتِ مباشرت بخشے، مَردوں کی پشت میں اور عورتوں کے سینہ میں اولاد کا بیج پیدا کیا۔ شہوت سے مَرد و عورت کو نوازا تو کسی عقلمند پر مخفی نہیں کہ اس سے مقصود کیا ہے؟ اگر کوئی شخص بیج یعنی نطفہ ضائع کر دے۔ شہوت کو کسی طریقہ سے ٹال دے تو ایسا شخص پیدائش کے مقصود سے منحرف ثابت ہو گا یہی وجہ ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اور اہل اللہ اس بات کو مکروہ خیال کرتے تھے کہ کوئی شخص نکاح کے بغیر مر جائے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی دو بیویاں طاعون میں مبتلا ہو کر مر گئیں خود انھیں طاعون کی شکایت ہوئی تو انھوں نے فرمایا کہ مرنے کا وقت تو متعین ہے میرا مزید نکاح کر دو تاکہ میں اس حال میں نہ مروں کہ میری بیوی نہ ہو۔

دوسرا ثواب یہ ہے کہ جناب نبی کریم علیہ السلام کی موافقت کرنے کے سبب کوشش کرے گا تاکہ آپ کی اُمت زیادہ ہو۔ اس کے سبب آپ قیامت کے دن فخر کریں گے یہی وجہ ہے کہ آپ نے بانجھ عورت سے نکاح سے منع کیا اور فرمایا کہ گھر میں کھجور کی چٹائی بچھی ہو تو وہ بانجھ عورت سے بہتر ہے اور یہ بھی فرمایا کہ بدصورت عورت بشرطیکہ بچّہ جننے والی ہو خوبصورت بانجھ سے بہتر ہے۔ ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح شہوت کے لیے نہیں ہوتا اس لیے کہ شہوت کے واسطے خوبصورت عورت بدصورت عورت کے مقابلہ میں زیادہ بہتر ہے۔

تیسرا ثواب یہ ہے کہ اولاد دُعا کا ذریعہ ہوتی ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ جن نیکیوں کا ثواب منقطع نہیں ہوتا ان میں سے ایک اولاد بھی ہے کہ باپ کی موت کے بعد اس کی دُعا کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور اس کا فائدہ والدین کو ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ دُعا کو نور کے طباقوں میں سجا کر مردوں کو دکھاتے ہیں جس کے ذریعہ مردوں کو راحت نصیب ہوتی ہے۔

چوتھا ثواب یہ ہے کہ لڑکا خدانخواستہ باپ کے سامنے مرجائے تو اسے اس کا رنج ہوتا ہے لیکن لڑکا روزِ قیامت اس کی شفاعت کرے گا۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ لڑکے کو جنت میں جانے کا حکم ہو گا تو وہ مچل جائے گا کہ اپنے والدین کے بغیر نہیں جاؤں گا۔ آپ ﷺ نے کسی کا کپڑا پکڑ کر کھینچا اور فرمایا کہ جس طرح میں تجھے کھینچ رہا ہوں اسی طرح بچّہ والدین کو جنت میں کھینچ کر لے جاتا ہے۔ حدیث میں ہے کہ بچّے جنت کے دروازے پر ہوں گے اور اچانک رونا اور چلّانا شروع کر دیں گے اور اپنے ماں باپ کو ڈھونڈیں گے حتیٰ کہ ماں باپ کو لڑکوں کی جماعت میں جانے کا حکم ہو گا اور ہر بچّہ اپنے والدین کو جنت میں لے جائے گا۔

حکایت: ایک بزرگ نکاح کرنے میں عذر کرتے تھے یہاں تک کہ انھوں نے خواب دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور مخلوق پیاس کے سبب بیتاب ہے لڑکوں کا ایک ایسا گروہ ہے جن کے ہاتھوں میں چاندی سونے کے کٹورے ہیں اور وہ لوگوں کو پانی پلا رہے ہیں ان بزرگ نے پانی مانگا تو لڑکوں نے دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم میں سے آپ کا کوئی لڑکا نہیں وہ صاحب خواب سے بیدار ہوئے اور فوری نکاح کیا۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ آدمی اپنے دین کو ایک قسم کے قلعہ میں محفوظ کر لیتا ہے اور شہوت جو شیطان کا ہتھیار ہے اس سے محفوظ ہو جاتا ہے جناب سرورِ کائنات ﷺ نے اس لیے فرمایا کہ نکاح کرنے والا اپنے دین کو محفوظ کر لیتا ہے۔ نکاح نہ کرنے والا ممکن ہے اپنی شرمگاہ کو بچا لے لیکن بری نگاہ اور قلبی وساوس سے نہیں بچ سکتا۔ نکاح اولاد کی نیت سے ہونا چاہیے، شہوت رانی کے لیے نہیں۔ اس لیے کہ جو کام اللہ تعالیٰ کو محبوب و مرغوب ہے وہ ٹالنے کی نیت سے نہیں کرنا چاہیے۔ شہوت کو پیدا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ نکاح کے لیے متقاضی ہو علاوہ ازیں اس میں اور بھی حکمتیں ہیں مثلاً یہ کہ اس میں مزہ ہے جو آخرت کے مزوں کا نمونہ ہے جیسے آگ کو پیدا کرنے کا ایک سبب آخرت کی تکلیف کا نمونہ دکھانا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ جماع کی لذت اور آگ کی اذیت آخرت کی لذت و مصیبت کے سامنے کوئی چیز نہیں پھر بھی ایک نمونہ تو ہے اور جو کچھ خالق کائنات نے پیدا فرمایا ہے اس میں بہرحال حکمتیں ہیں اور ممکن ہے کہ ایک چیز میں بہت سی پوشیدہ حکمتیں ہوں مگر ان کا ظہور اصحابِ علم اور اہل اللہ پر ہی ہوتا ہو۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر عورت کے ساتھ شیطان ہوتا ہے جب کسی کو کوئی عورت اچھی معلوم ہو تو اسے چاہیے کہ اپنے گھر چلا جائے اور اپنی بیوی سے ہم بستری کرے کیونکہ اس میں سب عورتیں برابر ہیں۔

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ نکاح کے سبب عورتوں سے ایک طرح کی موانست ہو جاتی ہے اور ان کے پاس بیٹھ کر ان سے مزاح کا موقع ملتا ہے جس سے دل کو راحت ہوتی ہے اور اس آسائش کے ذریعہ عبادت کا شوق تازہ ہوتا ہے کیونکہ ہمیشہ عبادت کرنے سے اُداسی اور دل گرفتگی کا خطرہ ہوتا ہے۔ آسائش و راحت عبادت کی اس قوّت کو پھرلانے کا سبب ہو

جاتی ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ دِل سے راحت و آسائش ایک دَم نہ چھین لو کیونکہ اس سے دِل نابینا ہو جائے گا۔ حضور علیہ السلام کو بسا اوقات مکاشفہ میں کسی اہم معاملہ سے دوچار ہونا پڑتا حتیٰ کہ آپ کا نازک جسم اس کا متحمل نہ ہوتا تو آپ ﷺ اُم المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو متوجہ کر کے فرماتے کَلِّمِيْنِيْ يَا عَائِشَةُ (اے عائشہ میرے ساتھ باتیں کرو) اس سے مقصد یہ ہوتا تھا کہ تقویت نصیب ہو تاکہ وحی کا بوجھ اُٹھانے کی قوت پیدا ہو سکے اور جب دوبارہ اس جہان میں واپسی ہوتی تو وہ قوت پوری ہو جاتی تو اس کام کا شوق آپ پر غالب ہو جاتا اور آپ ﷺ فرماتے ارحنا یا بلال (اے بلال مجھے راحت پہنچاؤ) اور آپ نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے۔ کبھی کبھار آپ خوشبو کے ذریعہ دماغ کو قوت دیتے اسی لیے ارشاد ہے :

((حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنیَا کُمْ ثَلَاثٌ اَلطِّيْبُ وَالنِّسَاءُ وَقُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلَاةِ))

"تمھاری دُنیا سے مجھے تین چیزیں پسند ہیں' خوشبو' عورت' میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے"۔

نماز کی تخصیص فرمانے سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ آنکھوں کی روشنی کا سبب تو نماز ہے باقی جسم کی راحت کا مدار عورت اور خوشبو پر ہے تاکہ نماز کی طاقت پیدا ہو اور آنکھوں کی روشنی جس کا مدار نماز پر ہے وہ نصیب ہو۔ اسی لیے آپ دُنیا کا مال جمع کرنے سے منع فرماتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ دُنیا کے بعد ہم کیا چیز اختیار کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا :

لِيَتَّخِذَ اَحَدُکُمْ لِسَانًا ذَاکِرًا وَّقَلْبًا شَاکِرًا وَزَوْجَةً مُّؤْمِنَةً

"ذکر کرنے والی زبان' شکر کا خوگر دِل اور مومن عورت"

چوتھا فائدہ یہ ہے کہ عورت غم خوار ہوتی ہے۔ گھر کا کام کاج' کھانا پکانا' برتن صاف کرنا جھاڑو وغیرہ کاموں کے لیے کفایت کرتی ہے۔ اگر مَرد ان کاموں کو انجام دے گا تو عِلم و عمل اور عبادت سے محروم رہے گا۔ اس لیے راہِ خُدا میں عورت اپنے خاوند کی بہترین مونس و مددگار ہوتی ہے۔ اس لیے ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ نیک عورت دنیوی امور کے بجائے آخرت کے اسباب سے متعلق ہے جو انسان کو فارغ رکھتی ہے تاکہ وہ آخرت کے کاموں میں مشغول ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ایمان کے بعد نیک عورت سے بہتر کوئی نعمت نہیں۔

پانچواں فائدہ یہ ہے کہ عورتوں کے اخلاق پر صبر' انکی ضروریات کا اہتمام اور دینی راہ پر ان کو قائم رکھنا آسان نہیں بلکہ اس میں بڑی کوشش درکار ہے اور یہ کوشش بہترین عبادت ہے۔ حدیث میں ہے کہ عورت کے نفقہ کا انتظام خیرات سے بہتر ہے اور اہل اللہ کا ارشاد ہے کہ اہل و عیال کے لیے حلال کمائی کا اہتمام کرنا ابدالوں کا کام ہے۔ حضرت ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ چند احباب کے ساتھ جہاد میں مشغول تھے کسی نے پوچھا جہاد سے بہتر کوئی کام ہو تو فرمائیں؟ باقی حضرات نے تو لاعلمی کا اظہار کیا لیکن آپ نے فرمایا۔ میں جانتا ہوں کہ جو اہل و عیال رکھتا ہو ان کی صحیح تعلیم و تربیت کرے رات کو اُٹھے اور اتفاق سے کوئی لڑکا ننگا ہو اور اسے کپڑا اوڑھا دے تو یہ عمل جہاد سے افضل ہے۔ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ میں تین کمال ایسے ہیں جن سے میں محروم ہوں وہ یہ کہ اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے لیے حلال کی روزی کماتے ہیں جبکہ میں صرف اپنے لیے کماتا ہوں۔ حدیث میں ہے کہ تمام گناہوں میں ایک گناہ ہے جس کا

کفارہ اہل و عیال کے سلسلے میں رنج و مشقت کے سوا کچھ نہیں۔

حکایت : ایک بزرگ کی اہلیہ کا انتقال ہو گیا لوگوں نے دوسرے نکاح کی کوشش کی لیکن یہ پسند نہ کرتے اور کہتے کہ تنہائی میں حضور قلب اور دلجمعی بہت ہے ایک رات خواب دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھلے ہیں جن سے مَردوں کا ایک گروہ آگے پیچھے اتر رہا ہے۔ ان کے قریب آئے تو ایک نے کہا کہ یہ وہی بخیل مَرد ہے؟ دوسرے نے کہا ہاں! تیسرے نے زیادہ زور دے کر کہا وہی بخیل ہے اور چوتھے نے بھی ہاں سے جواب دیا۔ یہ ان کی ہیبت سے خواب میں ڈرے لیکن پوچھ نہ سکے۔ آخر میں ایک لڑکا آیا اس سے جو پوچھا کہ ان لوگوں نے بخیل کس کو کہا تو اُس نے کہا آپ ہی کو! کیونکہ پہلے آپ کے اعمال مجاہدین کے اعمال کے ساتھ آسمان پر لے جائے جاتے اب معلوم نہیں کیا سبب ہے کہ ایک ہفتہ سے آپ نکال دیئے گئے ہیں وہ بزرگ جاگے تو نکاح کا اہتمام کیا تاکہ پھر سے مجاہدین کی جماعت میں شامل ہو سکیں۔ یہ فوائد ہیں جن کے حصول کے لیے نکاح ضروری ہے۔

نکاح کی آفات

جہاں تک نکاح کی آفتوں کا تعلق ہے تو وہ تین ہیں ایک تو یہ کہ شاید کسب حلال نہ کر سکے اس کا خطرہ اس زمانہ میں اور زیادہ ہے اور شبہ یہ کہ عیال دار ہونے کے سبب مشتبہ یا حرام مال میں مبتلا ہو جائے جبکہ یہ چیز انسان کے دین اور اس کی اولاد کی تباہی کا خطرہ ہے اور کوئی نیکی اس کا تدارک نہیں کر سکتی اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ ایک نیک آدمی کے اعمال پہاڑ کے برابر ہوں گے۔ اسے میزانِ عدل کے پاس لے جا کر پوچھیں گے کہ تو نے اپنے اہل و عیال کا نفقہ اور خرچہ کہاں سے پورا کیا؟ اتنی سی بات پر وہ شخص پکڑا جائے گا اور اس کی تمام نیکیاں برباد ہو جائیں گی۔ اس وقت اللہ کا منادی ندا دے گا کہ یہ وہ شخص ہے جس کی نیکیاں اس کے اہل و عیال نے کھالیں اور یہ گرفتارِ رنج و محن ہوا۔ حدیث میں ہے کہ قیامت کے دن انسان سے اس کے اہل و عیال جھگڑیں گے اور کہیں گے کہ اے اللہ ہمارے اور اس کے درمیان انصاف کر کیونکہ اس شخص نے ہمیں حرام کھلایا۔ جبکہ ہمیں معلوم نہ تھا اور جو کچھ سکھانا چاہیے تھا اس سے غفلت برتی نتیجہ یہ ہے کہ ہم جاہل رہ گئے۔ اس لیے جو شخص حلال ترکہ یا حلال کمائی سے محروم ہو اس کے لیے مناسب یہی ہے کہ نکاح نہ کرے ہاں جب زنا میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو پھر کرے۔

دوسری آفت یہ ہے کہ اہل و عیال کے حقوق کی ادائیگی ممکن نہیں جب تک حسن اخلاق کا مظاہرہ نہ کرے اور ان کی تکالیف پر صبر نہ کرے اور تحمل و بردباری سے کام نہ لے اور اُن کے معاملات کو سرانجام دینے کی فکر نہ کرے۔ یہ کام ہر کسی کے بس میں نہیں اس لیے خطرہ ہوتا ہے کہ اہل و عیال اس کے ہاتھ سے دکھ نہ اُٹھائیں اگر ایسا ہوا تو یہ گناہ گار ہوگا۔ حدیث میں ہے کہ بیوی بچوں سے بھاگنے والا بھگوڑے غلام کی مانند ہے اور جب تک ان کے حقوق پورے نہیں کرے گا نماز روزہ کچھ قبول نہیں ہوگا۔ المختصر ہر آدمی کا اپنا نفس ہے جب تک اس سے عہدہ برآ نہ ہو جائے دوسرے نفس کا بوجھ اٹھانا مناسب نہیں۔ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے نکاح نہ کرنے کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ میں اس آیت سے ڈرتا ہوں :

﴿ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ (بقرہ)

حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں نکاح کیوں کروں جب کہ مجھے اس کی حاجت نہیں اور عورت کا حق ادا کرنے کی ضرورت نہیں۔

تیسری آفت یہ ہے کہ جب انسان اہل و عیال کی فکر میں پڑتا ہے تو آخرت کے تصور و خیال' اس کے لیے زادِ راہ کی تیاری اور اللہ کی یاد میں غفلت ہوتی ہے جو چیز اللہ کی یاد سے غافل کرنے کا سبب ہو وہ انسان کی ہلاکت کا سبب ہوتی ہے۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ (منافقون)

پس جس شخص کا یہ خیال ہو کہ رسول اللہ ﷺ عیالداری کے باوجود جس طرح اللہ تعالیٰ کی یاد میں مشغول رہتے میں اس طرح نہ رہ سکوں گا اور نکاح کے بغیر میرے لیے ایسا ممکن ہے کہ میں اس کی بندگی میں مشغول رہوں گا اور حرام سے بچوں گا تو اس کے لیے نکاح نہ کرنا افضل ہے البتہ جس شخص کو زنا کا خوف ہو اس کے لیے نکاح بہتر ہے اور جسے اس کا خطرہ نہ ہو اس کے لیے نکاح نہ کرنا افضل و بہتر ہے ہاں جو شخص کسب حلال پر قادر ہو اور جسے اپنی خوش خلقی اور جذبہ شفقت پر اعتماد ہو اور یقین ہو کہ نکاح اللہ کی یاد سے غفلت کا سبب نہیں بنے گا اور نکاح کے باوجود میں اس کے ذکر میں مشغول رہوں گا تو اس کے لیے نکاح بہتر ہے واللہ اعلم۔

دوسرا باب : عقد نکاح کی کیفیت اور آداب کا بیان

اس باب میں ان صفات کا بھی ذکر ہو گا جن کا عورت سے متعلق خیال رکھنا ضروری ہے۔ نکاح کی پانچ شرطیں ہیں۔ پہلی شرط ولی ہے کہ اس کے بغیر نکاح درست نہیں ہوتا جس عورت کا کوئی ولی نہ ہو بادشاہ اس کا ولی ہوتا ہے۔ دوسری شرط عورت کی رضامندی ہے ہاں وہ کم سن ہو اور اس کا باپ یا دادا نکاح کر دے تو پھر اس کی رضامندی شرط نہیں اس کو اطلاع کر دینا بہتر ہے اور اس کی خاموشی بھی کافی ہے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ دو گواہ عادل موقعہ پر موجود ہوں جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ متقی اور پرہیزگاروں کی ایک جماعت اس وقت موجود ہو محض دو گواہوں پر اکتفا نہ کیا جائے۔ اگر ایسے دو مَرد موجود ہوں جن کے حالات مخفی ہیں اور مَرد یا عورت کو ان کا فسق معلوم نہیں تو نکاح درست ہو گا۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ جس طرح تزویج کا لفظ صراحتاً کہنا ضروری ہے اسی طرح شوہر اور عورت کے ولی کو ایجاب و قبول کا لفظ بھی صراحتاً کہنا چاہیے۔ اگرچہ کسی زبان میں ہو اور سنت یہ ہے کہ نکاح کے خطبہ کے بعد ولی یوں کہے کہ بسم اللہ والحمد للہ کہ فلاں عورت کا نکاح اتنے حق مہر کے بدلے تیرے ساتھ کر دیا اور شوہر کہے کہ بسم اللہ والحمد للہ اتنے مہر پر میں نے قبول کیا۔ عقد نکاح سے پہلے عورت کو دیکھ لینا بہتر ہے تاکہ پسندیدگی ہو جائے اس طرح الفت و محبت بڑھنے کی اُمید ہے اور نکاح سے اولاد کی خواہش اور دِل و نگاہ کو حرام اور برے کاموں سے بچانا مقصود ہونا چاہیے۔ محض حرص و لذت مطلوب نہ ہو۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ عورت کی حالت ایسی ہو کہ اس سے نکاح درست ہو۔ بیس کے قریب وجوہات ایسی ہیں جن

کے سبب نکاح حرام ہو جاتا ہے اس لیے کہ جو عورت دوسرے کے نکاح یا مدتِ عدت میں ہو یا مرتدہ یا بت پرست یا زندیق ہو یعنی خُدا اور رسول ﷺ پر ایمان نہ رکھتی ہو یا اباحتی ہو یعنی اجنبی مَردوں کے ساتھ بیٹھنا اور نماز نہ پڑھنا اس کے نزدیک درست ہو اور کہے کہ میں ایسا کر سکتی ہوں اور آخرت میں اس وجہ سے مجھ پر عذاب نہ ہو گا یا نصرانی یا یہودی ہو ایسے خاندان سے تعلق رکھتی ہو جس نے زمانہ رسالت کے بعد یہ مذاہب اختیار کیے ہوں[1] یا لونڈی ہو اور مَرد آزاد ہو کہ مہر دینے کی طاقت رکھتا ہو وہ زنا کا خوف نہ رکھتی ہو یا مَرد اس کا مالک ہو کل کا یا بعض کا! یا قرابت کے سبب مَرد کی محرم ہو یا دودھ کے سبب اس پر حرام ہو گئی ہو یا معاصرت کے سبب حرام ہو گئی ہو مثلاً اس کی بیٹی یا ماں یا دادی سے یہی مَرد پہلے نکاح کر کے ہم بستری کر چکا ہو یا اس مَرد کے بیٹے یا باپ کے نکاح میں یہی عورت پہلے آ چکی ہو یا اس کے یہاں پہلے سے چار بیویاں موجود ہوں یہ پانچویں بنتی ہو یا اس عورت کی بہن یا خالہ یا پھوپھی اس کے نکاح میں ہو کیونکہ دو بہنوں اور پھوپھی، بھتیجی اور خالہ بھانجی کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنا درست نہیں ایسی دو عورتیں جن میں ایسی قرابت ہو کہ اگر ایک کو مَرد اور ایک کو عورت فرض کریں تو ان میں نکاح درست نہ ہوتا ہو ایسی عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا درست نہیں۔ یا یہ عورت پہلے اس مَرد کے نکاح میں تھی اور اُس نے اسے تین طلاقیں دے دی تھیں یا تین بار خرید و فروخت کیا تھا۔ ایسی عورت جب تک حلالہ کے عمل سے نہیں گزرے گی پہلے مَرد کا نکاح اس سے درست نہیں یا ان دونوں میں لعان واقع ہوا ہو[2] یا مَرد عورت کا محرم ہو یا حج و عمرہ کا احرام باندھے ہوئے ہو یا وہ عورت کم سن یتیمہ ہو کیونکہ کم عمر یتیمہ جب تک بالغ نہ ہو جائے اس سے نکاح نہ کرنا چاہیے۔ ایسی سب عورتوں کا نکاح باطل ہے۔ نکاح حلال اور درست ہونے کی مستقل شرائط ہیں۔

عورت کے متعلق جن صفات کا دیکھنا ضروری ہے

وہ آٹھ ہیں پہلی صفت پارسائی ہے اس لیے کہ اگر عورت پارسا نہ ہو اور شوہر کے مال میں خیانت کرے تو شوہر ہر وقت متفکر رہے گا اور اگر اپنی عصمت میں خیانت کرے گی اور مَرد خاموش رہے گا تو دین و محبت کا نقصان ہے لوگوں میں روسیاہ اور بدنام ہو جائے گا خاموش نہ رہے گا تو زندگی تلخ ہو جائے گی اور اگر طلاق دے دے تو ممکن ہے کہ محبت زیادہ ہو اور یہ امر باعث زحمت ہو۔ عورت خوبصورت ہو لیکن پارسا نہ ہو تو وہ مصیبت ہے ایسی عورت کو طلاق دینا ہی بہتر ہے۔ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اپنی بیوی کی ناپارسائی کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا طلاق دے دو۔ اُس نے کہا کہ مجھے اس سے محبت ہے۔ فرمایا پھر اسے طلاق نہ دینا کیونکہ اس کے بعد تو مصیبت میں مبتلا ہو جائے گا۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی حسین عورت سے اس کے حسن یا مال کے سبب نکاح کرے گا تو وہ ان دونوں چیزوں سے محروم رہے گا اور دین کے لیے نکاح کرے گا تو دونوں مقصد پورے ہو جائیں گے۔

---

1. اہل کتاب سے نکاح کی اجازت ہے لیکن موجودہ دور میں کوئی یہودی اور عیسائی اہل کتاب نہیں بلکہ سب بت پرست ہیں اس لیے ان سے بچنا ضروری ہے۔ واللہ اعلم۔
2. اِس کی تفصیل قرآنِ مجید میں سورۃ نور کے پہلے رکوع میں ہے۔

دوسری صفت حسن اخلاق ہے کیونکہ بدمزاج عورت ناشکری اور زبان دراز ہوتی ہے اور بیجا مطالبات کرتی ہے ایسی عورت کے سبب زندگی تلخ ہو جاتی ہے اور دین میں خلل پڑتا ہے۔

تیسری صفت جمال ہے جو محبت و الفت کا سبب بنتا ہے اسی لیے نکاح سے قبل لڑکی کو دیکھ لینا سنت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انصاری عورتوں کی آنکھوں میں ایک نقص ہے جو بعد میں کراہت کا سبب بنتا ہے اس لیے ان سے نکاح کرنے والا پہلے انھیں دیکھ لے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ عورت کو دیکھے بغیر جو نکاح کیا جاتا ہے اس کا انجام غم اور پشیمانی کے سوا کچھ نہیں ہوتا اور حضور علیہ السلام نے جو یہ فرمایا ہے کہ عورت دین کے لیے ہونی چاہیے جمال کے لیے نہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ محض حسن و جمال کے پیچھے نہ پڑے یہ مطلب نہیں کہ جمال کی تلاش ہی نہ کرے اگر کوئی شخص نکاح سے اتباعِ سنت کا طلبگار ہے اور اولاد کی خواہش رکھتا ہے تو یہ تقویٰ ہے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے یک چشم عورت کے ساتھ نکاح فرمایا اور اس کی بہن جو خوبصورت تھی اس کی خواہش تک نہ کی اس لیے کہ آپ کو معلوم ہوا تھا کہ یہ یک چشم عقل کے اعتبار سے اس خوبصورت سے بہتر ہے۔

چوتھی صفت یہ ہے کہ مہر کم ہو نبی کریم علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ عورتوں میں بہتر عورت وہ ہے جس کا مہر کم ہو اور حسن و جمال زیادہ ہو۔ زیادہ مہر مکروہ ہے آپ ﷺ نے بعض عورتوں کا مہر صرف دس درہم مقرر فرمایا اور اپنی صاحبزادیوں (رضی اللہ عنہن) کا چار سو درہم سے زیادہ نہیں باندھا۔

پانچویں صفت یہ ہے کہ عورت بانجھ نہ ہو نبی کریم علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ گھر کے کونے میں رکھی ہوئی کھجور کی پرانی چٹائی بانجھ عورت سے بہتر ہے۔

چھٹی صفت یہ ہے کہ عورت کنواری ہو اس لیے کہ اس کے ساتھ محبت زیادہ ہوگی اور جو عورت پہلے ایک شوہر کو دیکھ چکی ہو اس کا دل اکثر اسی کی طرف مائل رہتا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے ایک ایسی عورت سے نکاح کیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے کنواری عورت سے کیوں نکاح نہ کیا تاکہ وہ تیرے ساتھ کھیلتی اور تو اُس کے ساتھ کھیلتا۔

ساتویں صفت یہ ہے کہ عورت شریف النسب ہو۔ دینداری اور تقویٰ کے اعتبار سے۔ کیونکہ عورت اصل میں بداخلاق ہوتی ہے اور خطرہ ہے کہ اس کے بُرے اخلاق اولاد میں اثر نہ کریں۔

آٹھویں صفت یہ ہے کہ عورت قریبی اعزہ میں سے نہ ہو حدیث میں ہے کہ اس سے ضعیف لڑکا پیدا ہوتا ہے شاید اس کا سبب یہ ہے کہ عزیز عورتوں کے معاملہ میں شہوت کم ہوتی ہے۔

عورتوں کی یہی صفات ہیں وہ شخص جو اپنی لڑکی کا نکاح کرتا ہے اسے چاہئے کہ ان کا لحاظ کرے اور اس کی صلاح و فلاح کی فکر کرے۔ ایسا رشتہ تلاش کرے جو شائستہ ہو' بدخو' بدرو نہ ہو اور ایسا ہو جو اس کی کفالت کر سکے۔ مرد اگر عورت کا کفو نہیں ہو گا تو نکاح درست نہیں ہوگا۔ فاسق و بدکار سے بھی نکاح درست نہیں کیونکہ جناب نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا جس نے اپنی لڑکی کا نکاح فاسق کے ساتھ کر دیا وہ قطع رحمی کا شکار ہو جائے گا اور ارشاد فرمایا کہ نکاح کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی کو لونڈی بنانا اس لیے اپنی لڑکی کا نکاح ہوشیار ہو کر کرنا۔

تیسرا باب : نکاح کی ابتداء سے آخر تک عورتوں سے زندگی گزارنے کے آداب

جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ نکاح بھی ایک دینی عمل ہے تو آدمی پر لازم ہے کہ دینی آداب اس ضمن میں ملحوظ خاطر رکھے۔ ورنہ آدمیوں کے نکاح اور جانوروں کے جفتی کرنے کے عمل میں کوئی فرق نہ ہو گا۔ نکاح کے بارہ میں بارہ آداب کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

پہلا ادب ولیمہ کا کھانا ہے جو سنت موکدہ ہے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے نکاح کیا تھا۔ حضور علیہ السلام نے ان سے ارشاد فرمایا :

((اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاۃٍ)) "ولیمہ کرو اگرچہ ایک بکری ہی ہو"۔

اور جو اتنی طاقت بھی نہ رکھتا ہو تو جو چیز احباب کے سامنے رکھ دے گا وہی ولیمہ ہو جائے گا۔ رسول مقبول ﷺ نے حضرت اُم المؤمنین صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا تو کھجور اور ستو ولیمہ میں کھلائے۔ بہرحال جو ممکن ہو وہی کرے اگر تاخیر ہو جائے تو ایک ہفتہ سے زیادہ مناسب نہیں۔ دَف بجا کر اس سے نکاح کا اعلان اور خوشی کا اظہار سنت ہے کیونکہ زمین پر انسان سے زیادہ کوئی مخلوق صاحب عزت نہیں اور نکاح اس کی پیدائش کا سبب ہے اس لیے یہ خوشی روا ہے اور ایسے وقت سماع اور دَف سنت ہے۔ ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ جس رات میں دلہن بنی اس سے اگلے دن رسول اللہ ﷺ تشریف لائے لڑکیاں دَف بجانے میں مصروف تھیں۔ جب آپ ﷺ کو دیکھا تو اشعار میں آپ ﷺ کی تعریف کرنے لگیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جو پہلے کہہ رہی تھیں وہی کہو۔ آپ ﷺ نے اجازت نہ دی اس واسطے کہ آپ ﷺ کی تعریف عمدہ بات ہے مگر فضولیات کے ساتھ اسے ملانا درست نہیں۔

دوسرا ادب یہ ہے کہ عورتوں کے ساتھ مردوں کا معاملہ نیکی اور بھلائی کا ہونا چاہیے انھیں رنج دینے سے گریز کریں بلکہ ان کی تکلیف میں ساتھی بنیں اور ان کی جا و بیجا فرمائشوں اور ناشکرانہ طرزِ عمل پر صبر کریں۔ حدیث میں ہے کہ عورتوں کی تخلیق ضعف اور پوشیدہ رکھنے والی چیز سے ہوئی ہے انکے ضعف کا علاج خاموشی اور پوشیدگی کا علاج یہ ہے کہ انھیں گھر میں احترام سے رکھیں۔ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص اپنی بیوی کی بداخلاقی پر صبر کرے گا اس کو اتنا ثواب ملے گا جتنا حضرت ایوب علیہ السلام کو انکی مصیبتوں پر ملے گا۔ حضور علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت آہستگی سے یہ تین باتیں ارشاد فرمائیں جنھیں لوگوں نے سنا۔ نماز کی تاکید' لونڈی غلاموں کے ساتھ بھلائی اور عورتوں کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کا ڈر! آپؐ نے فرمایا کہ یہ صنف تمھاری قیدی ہے اس سے اچھی طرح نباہ کرو۔ حضور علیہ السلام عورتوں کے غُصّہ پر تحمل فرماتے۔ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نے غُصّہ سے انھیں جواب دیا۔ وہ فرمانے لگے کہ تم یوں جواب دیتی ہو؟ وہ بولیں! ہاں جناب سرور کائنات ﷺ آپ سے افضل تھے اور آپؐ کی ازواجِ مطہرات آپؐ کو جواب دیتی تھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا اگر ایسا ہے تو حفصہ پر افسوس ہے کہیں وہ نگاہِ پیغمبر سے گر نہ جائیں۔ پھر اپنی بیٹی ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا خبردار رسول اللہ ﷺ کو جواب نہ دینا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بیٹی کی ریس نہ کرنا کیونکہ حضور علیہ السلام اسے بہت محبوب رکھتے ہیں اور اس کی ناز برداری کرتے ہیں۔

حضرت نبی کریم علیہ السلام کا ارشاد ہے ((خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ)) تم میں سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں سے

اچھا ہے اور فرمایا کہ میں اپنے گھر والوں کے ساتھ تم سب کے مقابلہ میں زیادہ بہتر سلوک کرتا ہوں!

تیسرا ادب یہ ہے کہ اپنی بیوی کے ساتھ ہنسی خوشی رہے جائز حدود کے اندر مزاح اور ہنسی کھیل سے اس کا دل بہلائے اس سے الگ تھلگ رہنا اور معاشرتی زندگی میں اس کی کمزوری و عقل کا لحاظ نہ رکھنا مناسب نہیں۔ حضور علیہ السلام اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے مزاح فرماتے حتیٰ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مقابلہ میں دوڑ لگائی کہ پہلی مرتبہ حضور علیہ السلام جیت گئے لیکن دوسری بار حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا! تب آپ نے فرمایا یہ پہلے کا بدلہ ہے اب ہم تم برابر ہو گئے۔ ایک دن حبشیوں کی آواز سنی کہ کھیل کود رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ تم دیکھنا چاہتی ہو۔ انھوں نے کہا ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نزدیک تشریف لائے اور ہاتھ پھیلا کر حضرت ام المؤمنین رضی اللہ عنہا آپ کے بازو پر ٹیک لگا کر دیر تک دیکھتی رہیں[1] آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا عائشہ اب بس نہیں کرو گی؟ وہ خاموش رہیں تین مرتبہ ایسا ہی ہوا تب انھوں نے بس کیا۔

امیر المؤمنین حضرت عُمر فاروق رضی اللہ عنہ اس طبعی سختی کے باوجود جو اُن میں تھی' ارشاد فرماتے ہیں کہ انسان کو اپنی بیوی کے ساتھ ایسا ہونا چاہئے جیسے لڑکوں کے ساتھ! البتہ خانہ داری کے معاملات میں اپنی مَردانگی کا بھرپور اہتمام رکھے۔ بزرگوں کا مقولہ ہے کہ مَرد جب گھر میں آئے تو ہنسی خوشی آئے لیکن جب باہر جائے تو خاموشی سے! جو مل جائے وہ کھا لے اور جو نہ ملے اس کا ذکر تک نہ کرے۔

چوتھا ادب یہ ہے کہ مزاح اور کھیل اس حد تک نہ بڑھائے کہ عورت بالکل ہی ڈر سے آزاد ہو جائے۔ برے کاموں میں عورت کے ساتھ کسی حال میں موافقت نہ کرے بلکہ جب کوئی کام انسانی اقدار اور اسلامی روایات کے خلاف دیکھے تو اسے تنبیہ کرے کیونکہ اگر اسے طرح دے گا تو اس کا تمع ہو جائے گا جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ ﴾ (النساء)

حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا :

((تَعِسَ عَبْدُ الزَّوْجَةِ)) "بیوی کا غلام بدبخت ہے"۔

بیوی کا کام یہ ہے کہ وہ خاوند کی لونڈی بن کر رہے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ گھریلو معاملات میں عورتوں سے مشورہ کیا کرو۔ لیکن عمل ان کے خلاف کرو۔ حقیقت یہ ہے کہ عورت کا معاملہ سرکش نفس کی مانند ہے اگر مَرد ذرا بھی اسے ڈھیل دے تو وہ بالکل شتر بے مہار ہو جائے گی اور حدود سے گزر جائے گی جس کا تدارک مشکل ہو جائے گا۔ الغرض عورت میں ایک طرح کا ضعف ہے جس کا علاج تحمل اور بردباری ہے اسی طرح عورت کے مزاج میں کجی ہے جس پر سیاست کے ذریعہ کنٹرول ہونا چاہیے۔ مَرد کا کام ہے کہ حاذق طبیب کی طرح رہے اور ہر چیز کا فوری علاج کرے۔ لیکن صبر و تحمل سے کام لے کیونکہ حدیث میں ہے کہ عورت کی مثال ایسی ہے جیسے پسلی کی ہڈی اگر تو اسے زبردستی سیدھا کرنا چاہے گا تو ٹوٹ جائے گی۔

---

[1] یہ واقعہ آیاتِ حجاب (پردہ) کے نزول سے قبل کا ہے۔[علوی]

پانچواں ادب یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے غیرت کی بات میں اعتدال سے کام لے جو چیز آفت اور مصیبت کا باعث ہو اس سے عورت کو منع کرے اور حتی المقدور اسے گھر سے باہر نہ جانے دے بلکہ چھت اور دروازے پر بھی جانے سے روکے۔ تاکہ وہ نامحرم مَرد کو اور نامحرم مَرد اسے نہ دیکھے۔ اور کھڑکی دروازے سے مَردوں کا تماشہ دیکھنے کی اجازت نہ دے کیونکہ تمام آفتوں کا باعث آنکھ ہے۔ گھر میں بیٹھنے سے آدمی بہت سی مصیبتوں سے محفوظ رہتا ہے۔ عورت تماش بین ہو تو اس پر کنٹرول کرے' اور اس کو معمولی اَمر نہ سمجھے۔ لیکن بلاوجہ اس سے بدگمان ہونا اور اس کی ہجو کرنا بھی مناسب نہیں۔ اسی طرح حد سے زیادہ اس سے شرم و غیرت بھی رکھنی مناسب نہیں اور عورت سے ہر معاملہ کا بھید دریافت کرنے میں اصرار نہ کرے۔ ایک مرتبہ جناب سرور کائنات ﷺ مغرب کے قریب سفر سے واپس آئے اور فرمایا کہ آج کی رات کوئی شخص اچانک اپنے گھر میں نہ جائے۔ ہر شخص کل تک یہیں ٹھہرے۔ صرف دو آدمیوں نے حکم عدولی کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں کو اپنے اپنے گھر میں ناشائستہ حرکات دیکھنا پڑیں۔

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا ارشاد ہے کہ عورتوں پر غیرت کا بوجھ حد سے زیادہ نہ رکھو۔ اگر عام لوگوں کو اس بات کا علم ہو گیا تو وہ طعنہ زنی کریں گے۔ بڑی غیرت یہ ہے کہ نامحرم پر عورت کی نظر نہ پڑنے دے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے سوال کیا کہ عورتوں کے حق میں کونسی چیز بہتر ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ نامحرم مَرد اسے نہ دیکھے اور کسی غیر مَرد کو وہ نہ دیکھے۔ جناب نبی کریم علیہ السلام کو یہ بات پسند آئی۔ صاحبزادی کو گلے لگایا اور فرمایا بضعة منی کہ تم میرا جگر پارہ ہو۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو دیکھا کہ دریچہ سے جھانکتی ہے آپ نے اسے مارا۔ پھر دیکھا کہ اس نے سیب میں سے ایک ٹکڑا خود کھایا ہے اور ایک ٹکڑا غلام کو کھلایا۔ اس پر بھی سرزنش کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عورتوں کو اچھے کپڑے نہ پہناؤ تاکہ وہ گھر میں بیٹھیں جب اچھے کپڑے پہنیں گی تو باہر جانے کی آرزو پیدا ہو گی۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت تھی لیکن اس شرط پر کہ پچھلی صف میں رہیں۔ صحابہ کبار رضی اللہ عنہم نے اپنے وقت میں اس اجازت کو واپس لے لیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ اگر رسول اللہ ﷺ اس حال کو ملاحظہ فرماتے تو آپ مسجد میں کسی کو نہ آنے دیتے۔ اب مسجد اور مجلس میں جانے اور مَردوں کو دیکھنے سے منع کرنا بہت ضروری ہے مگر بوڑھی عورت پرانی چادر اوڑھ کر چلی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اکثر عورتوں کے حق میں مجلس آرائی اور نظارہ بازی آفت اور مصیبت کا باعث ہوتی ہے جہاں فتنہ کا خوف ہو وہاں عورت کو جانے سے روکنا ضروری ہے ایک نابینا رسول اکرم ﷺ کے دولت کدہ پر حاضر ہوا تو آپ نے حضرت عائشہ اور دوسری ازواج رضی اللہ عنہن جو وہاں تشریف فرما تھیں انھیں اُٹھ جانے کو کہا۔ انھوں نے اس کے نابینا ہونے کا عرض کیا تو فرمایا کہ اگر وہ اندھا ہے تو تم تو اندھی نہیں ہو۔[1]

---

[1] یہ قصہ آیاتِ حجاب کے نزول کے بعد کا ہے اِس لیے اب بھی یہی حکم ہے۔

چھٹا ادب یہ ہے کہ عورت کے نان و نفقہ کا اچھی طرح انتظام کرے۔ نہ تو اسراف کا مظاہرہ کرے اور نہ تنگی کرے اور یہ محسوس کرے کہ بیوی کے نان و نفقہ کا اجر و ثواب خیرات سے زیادہ ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ جس شخص نے ایک دینار جہاد میں خرچ کیا یا ایک دینار کا غلام لے کر آزاد کرایا یا ایک دینار کسی مسلمان مسکین کو دیا تو یہ دینار ثواب میں سب سے افضل ہے اور انسان کو چاہیے کہ بیوی سے الگ کوئی اچھا کھانا نہ کھائے اگر کھایا تو اسے پوشیدہ رکھے اور جو کھانا پکوا نہیں سکتا اس کی تعریف عورتوں کے سامنے نہ کرے۔

امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہفتہ میں ایک بار حلوہ یا مٹھائی کا ضرور اہتمام کرے۔ اچانک شیرینی کا اہتمام چھوڑ دینا بے مروتی ہے اگر مہمان نہ ہو تو بیوی کے ساتھ مل کر کھائے۔ حدیث میں ہے کہ جو گھر والے مل کر کھانا کھاتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ رحمت نازل فرماتے ہیں اور فرشتے مغفرت کی دُعا کرتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ نفقہ میں حلال کمائی کا لحاظ کرے کیونکہ حرام مال سے ان کی پرورش بڑی خیانت اور ظلم ہے اس سے بڑھ کر نہ کوئی خیانت ہے نہ ظلم!

ساتواں ادب یہ ہے کہ اتنا علم جو نماز' طہارت اور حیض وغیرہ میں کام آتا ہے اپنی عورت کو ضرور سکھائے۔ اگر یہ خود نہ سکھائے گا تو باہر جا کر عالم سے پوچھنا عورت پر فرض و واجب ہو گا۔ ہاں شوہر نے سکھا دیا تو اس کی اجازت کے بغیر باہر جانا یا کسی اور سے پوچھنا دُرست نہیں اگر دینی معاملات کی تعلیم میں کوتاہی کرے گا تو مرد گنہگار ہو گا۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا ﴾ (التحریم) "اپنے اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ"۔

عورت کو یہ مسئلہ بتلانا بھی ضروری ہے کہ غروبِ آفتاب سے قبل حیض بند ہو جائے تو عصر کی نماز قضا کرے اکثر عورتیں یہ مسئلہ نہیں جانتیں۔

آٹھواں ادب یہ ہے کہ اگر دو بیویاں ہیں تو ان کے درمیان عدل کا لحاظ کرے۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص ایک بیوی کی طرف مائل رہے گا قیامت کے دن اُس کا آدھا بدن فالج زدہ ہو گا۔ عطیہ دینے اور شب بسری میں برابری ضروری ہے لیکن محبت و مباشرت میں ضروری نہیں کہ یہ بات غیر اختیاری ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات ایک بیوی کے پاس رہتے لیکن پیار سب سے زیادہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تھا اور عرض کرتے کہ اے اللہ جو بات میرے اختیار میں ہے اس میں کوشش کرتا ہوں لیکن دِل میرے اختیار میں نہیں۔ اگر کسی شخص کا دِل کسی عورت سے سیر ہو جائے تو بہتر ہے کہ اسے طلاق دے دے اسے قید میں نہ رکھے۔ حضور علیہ السلام نے اسی سبب حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دینا چاہی انھوں نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی لیکن عرض کیا کہ مجھے طلاق نہ دیں تاکہ قیامت کے دن میرا حشر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں میں ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ درخواست قبول فرمالی اور طلاق نہ دی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تو دو رات قیام فرماتے لیکن باقی بیویوں کے پاس ایک شب قیام ہوتا۔

نواں ادب یہ ہے کہ اگر بیوی میاں کی اطاعت نہ کرے اور وہ اس پر قادر بھی نہ ہو تو خاوند کو چاہیے کہ اس سے نرمی و مہربانی سے اپنی اطاعت کرائے اگر پھر بھی فرمانبرداری نہ کرے تو خاوند کو غُصّہ کرنا چاہیے اور سونے کے وقت اس کی طرف پشت کرکے سوئے۔ اس پر بھی مطیع نہ ہو تو تین رات تک اس سے علیحدہ سوئے۔ اگر پھر بھی مفید نہ ہو تو اسے

مارے لیکن منہ کو بچائے۔ اور ایسے زور سے مارنے سے گریز کرے جس سے وہ زخمی ہو جائے اگر نماز یا دین کے کسی اور کام کے سلسلہ میں کوتاہی کرے تو ایک ماہ تک خفگی و ناراضگی کا حق حاصل ہے۔ حضور علیہ السلام مہینہ بھر تمام ازواجِ مطہرات (رضی اللہ عنہن) سے خفا اور علیحدہ رہے۔

دسواں باب ہم بستری کے وقت منہ قبلہ کی طرف نہ کرے اور ہم بستری سے قبل بات چیت کھیل کود اور بوس و کنار کے ذریعہ اس کو خوش کرے۔ حضور علیہ السلام کا اِرشاد ہے کہ مرد کو جانور کی طرح عورت پر گرنا نہیں چاہیے لیکن ہم بستری سے پہلے قاصد سے کام لے۔ لوگوں نے قاصد کے متعلق پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر بوسہ سے فرمائی۔ ابتدا کرنے لگے تو یہ کلمات پڑھے:

بِسْمِ اللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ اللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ

ساتھ ہی اگر سورۂ اخلاص پڑھ لے تو زیادہ بہتر ہے نیز یہ دُعا بھی پڑھے:

اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَجَنِّبِ الشَّيْطَانَ مِمَّا رَزَقْتَنَا

حدیث میں ہے کہ جو شخص یہ دُعا پڑھے اس کا پیدا ہونے والا لڑکا شیطان سے محفوظ رہے گا۔ انزال کے وقت اس آیت کریمہ کا دھیان رکھے پڑھے نہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ مِنَ الْمَاءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَباً وَّصِهْرًا

اس وقت رُکنا چاہیے تاکہ عورت کو بھی انزال ہو جائے۔ حضور علیہ السلام کا اِرشاد گرامی ہے کہ تین چیزیں مرد کی عاجزی کی نشانی ہیں ایک یہ کہ کسی ایسے شخص کو دیکھے جو اس سے دوستی رکھتا ہو لیکن اس کا نام نہ دریافت کرے۔ دوسری یہ کہ کوئی بھائی اس کی تکریم کرے اور یہ اسکی تکریم رد کر دے۔ تیسری یہ کہ بوس و کنار سے قبل بیوی سے محبت کرنے لگے اور جب اس کی خلاصی ہونے لگے تو صبر نہ کرے حتیٰ کہ عورت کی بھی خلاصی ہو جائے۔ حضرت علی، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہم نے روایت کی ہے کہ چاندنی رات، پندرھویں رات اور مہینہ کی اخیر شب ہم بستری کرنا مکروہ ہے کیونکہ ان راتوں میں صحبت کرنے کے وقت شیطان حاضر ہوتے ہیں اسی طرح حالتِ حیض میں ہم بستری سے بچنا چاہیے البتہ حیض والی عورت کے ساتھ برہنہ ہونا دُرست ہے اور حیض کے بعد غسل سے پہلے بھی ہم بستری نہ کرنی چاہیے۔ جب ایک بار ہم بستری سے فارغ ہو جائے اور دوبارہ ارادہ ہو تو اپنا بدن دھو لینا چاہیے۔ اگر ناپاک آدمی کوئی چیز کھانا چاہے تو اسے کم از کم وضو کر لینا چاہیے اسی طرح سونے کا قصد کرے تب بھی وضو کرنا چاہیے۔ سنت طریقہ یہی ہے۔ غسل سے پہلے بال منڈوانا یا ناخن کٹوانا مناسب نہیں تاکہ جنابت کی حالت میں بال اور ناخن اس سے جدا نہ ہوں اور منی بچہ دانی میں پہنچانی چاہیے پھیر لینی مناسب نہیں اور اگر عزل[1] کرے گا تو صحیح یہ ہی ہے کہ حرام نہیں ہو گا۔

---

[1] عزل کا مفہوم یہ ہے کہ انزال کے وقت بچہ دانی سے اپنے آلۂ تناسل کو ہٹا لینا تاکہ منی اس میں نہ جا سکے۔ اس سلسلہ میں امام غزالی قدس سرہٗ نے جو مسلک بیان کیا ہے وہ حضرات شوافع کا ہے مسلک احناف فقہی کتابوں میں ملاحظہ فرمائیں مختصر یہ کہ آزاد عورت کی اجازت کے بغیر ایسا کرنا صحیح نہیں لونڈی کے معاملہ میں اجازت ہے۔

جنابِ رسول اللہ ﷺ سے ایک مرد نے سوال کیا کہ میری ایک لونڈی خادمہ ہے میں نہیں چاہتا کہ وہ حاملہ ہو کیونکہ پھر کام نہیں کر سکے گی۔ آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ عزل کر لو اگر تقدیر میں ہوا تو خود بخود فرزند پیدا ہو جائے گا۔ دوبارہ وہ شخص حاضر ہوا اور لڑکے کی پیدائش کی خبر دی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: کُنَّا نَعْزِلُ وَالْقُرْاٰنُ یَنْزِلُ یعنی ہم عزل کرتے تھے اور قرآن نازل ہو رہا تھا۔ مقصد یہ ہے کہ قرآن نے ہمیں نہیں روکا۔

گیارھواں ادب یہ ہے کہ جب اولاد ہو تو اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں میں تکبیر کہے۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص ایسا کرے گا تو اس کا لڑکا لڑکپن کی بیماری سے محفوظ رہے گا اور نام اچھا رکھنا چاہیے۔ حدیث کے مطابق عبداللہ' عبدالرحمٰن اور اس قسم کے نام اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔ اگر حمل ساقط ہو جائے تو بھی اس کا نام رکھنا چاہیے کہ یہ سنت ہے اور عقیقہ سنت موکدہ ہے۔ لڑکی کے عقیقہ میں ایک بکرا اور لڑکے کے عقیقہ میں دو بکرے ذبح کرنے چاہئیں۔ اجازت کی حد تک ایک بھی دُرست ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اِرشاد ہے کہ عقیقہ کے بکرے کی ہڈی توڑنا صحیح نہیں۔ لڑکے کی پیدائش پر اس کے مُنہ میں میٹھی چیز دینا سنت ہے اور ساتویں دن اس کے بال منڈوانے چاہئیں اور اس کے بالوں کے برابر چاندی یا سونا صدقہ کرنا چاہیے۔ لڑکی سے کراہت اور لڑکے کی پیدائش سے زیادہ خوشی نہ کرنی چاہیے۔ اس واسطے کہ انسان نہیں جانتا کہ بھلائی کس میں ہے؟ لڑکی بہت باعث برکت ہے اور اس کا ثواب زیادہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کی تین بیٹیاں یا بہنیں ہوں گی اور ان کے لیے وہ محنت مشقت برداشت کرے گا تو اس کے سبب اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائیں گے۔ کسی نے دو کے متعلق عرض کیا تو فرمایا دو ہوں تب بھی رحم کا مستحق ہو گا۔ پھر ایک کے متعلق سوال ہوا تب بھی آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک بھی باعث اجر و ثواب ہے۔ آپ ﷺ نے مزید اِرشاد فرمایا کہ جس شخص کے ایک لڑکی ہو وہ رنجور ہے جس کی دو ہوں وہ گرانبار ہے اور جس کی تین ہوں تو اے مسلمانوں اس کے ساتھ تعاون کرو۔ وہ میرے ساتھ جنت میں ایسے جائے گا جیسے ہاتھ کی دو انگلیاں باہم متصل ہیں۔ آپ ﷺ نے یہ بھی اِرشاد فرمایا کہ جو شخص بازار سے پھل خرید کر لاتا ہے وہ صدقہ کی مانند ہے اسے چاہیے کہ پہلے لڑکی کو دے پھر لڑکے کو! جو شخص اپنی لڑکی کو خوش کرے گا وہ ایسا ہے گویا اللہ کے خوف سے رویا اور جو خُدا کے خوف سے روئے گا اس پر دوزخ کی آگ حرام ہو گی۔

بارھواں ادب یہ ہے کہ حتی الامکان طلاق سے گریز کرے کیونکہ طلاق گو مباح ہے لیکن اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں کیونکہ اس لفظ کے زُبان پر آنے سے عورت کو بہت رنج ہوتا ہے اور کسی کو رنج پہنچانا دُرست نہیں۔ لیکن ؎ گر ضرورت بود روا باشد۔ جب ضرورت پڑ جائے تو پھر چاہیے کہ ایک سے زیادہ طلاق نہ دے کیونکہ ایک ہی مرتبہ تین طلاق دینا مکروہ ہے۔ اسی طرح حالتِ حیض میں طلاق دینا حرام ہے اور پاکی کی حالت میں جب ہم بستری کی ہو تب بھی حرام ہے۔ انسان کو چاہیے کہ مہربانی کا وطیرہ اختیار کرتے ہوئے طلاق میں عذر کر لے اور غُصّہ و حقارت کے سبب طلاق نہ دے۔ طلاق کے بعد عورت کو کچھ نہ کچھ بطور تحفہ دینا چاہیے تاکہ اس کے رنج کا کچھ نہ کچھ مداوا ہو جائے۔ عورت کی پوشیدہ باتیں کسی سے نہ کہنی چاہئیں اور کسی کو یہ بتلانا مناسب نہیں کہ میں نے اسے فلاں عیب کے سبب طلاق دی ہے۔ ایک شخص سے لوگوں نے پوچھا تو کہا کہ وہ بیگانی عورت ہے مجھے حق نہیں پہنچتا کہ اس کا راز فاش کروں۔

فصل ۱۱ یہ جو بیان کیا گیا ہے کہ شوہر پر بیوی کا حق ہے لیکن بیوی پر شوہر کا بہت زیادہ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیوی حقیقت میں خاوند کی لونڈی ہے۔ حدیث میں ہے کہ اگر اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں بیوی کو حکم دیتا کہ خاوند کو سجدہ کرے۔ بیوی پر خاوند کے جو حقوق ہیں ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ وہ خاوند کی مرضی کے بغیر گھر سے باہر نہ جائے۔ دروازہ اور چھت پر دیدہ بازی سے اجتناب کرے۔ پڑوسیوں سے دوستی سے گریز کرے اور فضول باتیں نہ کرے نہ ہی بلا ضرورت ان کے گھر آئے جائے۔ اور اپنے خاوند کی بھلائی کے سوا کچھ نہ سوچے۔ خاوند کے ساتھ ہم بستری اور باہمی نباہ میں جو بے تکلفی ہوتی ہے اس کا کسی سے ذکر نہ کرے۔ ہر کام میں خاوند کی خوشنودی اور اس کے مقاصد کا لحاظ کرے۔ اس کے مال میں خیانت سے اجتناب کرے۔ خاوند کے ساتھ محبت و ادب سے پیش آئے۔ جب شوہر کا کوئی ملنے والا آئے اور دروازہ کھٹکھٹائے تو جواب اس طرح دے کہ وہ پہچان نہ سکے کہ کون جواب دے رہا ہے۔ خاوند کے دوستوں سے پردہ ضروری ہے اللہ تعالیٰ جو کچھ دیں اس پر قناعت کرے اور زیادہ کی ہوس میں مبتلا نہ ہو' نہ ہی خاوند کو دق کرے۔ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے خاوند کا حق زیادہ سمجھے اپنے آپ کو ہمیشہ صاف ستھرا رکھے جیسا ہم بستری کے لیے ہونا چاہیے۔ جو کام اپنے ہاتھ سے کرنا ممکن ہو وہ کرنے سے گریز نہ کرے نہ تو خاوند کے سامنے اپنے حسن و جمال پر فخر کرے اور نہ ہی اس کے احسان کی ناشکری کرے۔ یہ بات کہنے سے اجتناب کرے کہ تو نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا۔ نہ تو ہر وقت خرید و فروخت کے تقاضے کرے اور نہ ہی بے سبب طلاق کا سوال کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے جہنم کے مشاہدہ کے دوران اکثر عورتیں دیکھیں جس کا سبب مجھے یہ بتلایا گیا کہ اپنے شوہروں پر لعن طعن اور ناشکری کی وجہ سے ایسا ہوا اور جہنم میں اکثر عورتیں پھینکی گئیں۔

فصل ۳ : کسب و تجارت کے آداب کا بیان

دُنیا آخرت کے راستہ کی ایک منزل ہے اور یہاں آدمی کھانے پینے کا محتاج ہے اور کھانا پینا بغیر کمائی عام طور پر ممکن نہیں۔ اس لیے کسب و تجارت کے شرعی آداب کا لحاظ ضروری ہے کیونکہ جو شخص اپنے آپ کو ہمیشہ دُنیا کمانے میں مصروف رکھے گا وہ بدبخت متصور ہو گا اور جو شخص خُدا پر توکل کر کے اپنے آپ کو اخروی کاموں میں مصروف رکھے گا وہ نیک بخت ہے البتہ اعتدال و توسط کی راہ یہ ہے کہ آدمی آخرت کی فکر کرے تو دُنیا کی بھی فکر کرے لیکن مقصد اصلی آخرت کی بہتری ہو اور دُنیوی معاملات کی دُرستگی و اصلاح کو آخرت کی فلاح کا زینہ بنائے۔ کسب و تجارت کے جن احکام و آداب کا جاننا ضروری ہے ان کا بیان پانچ ابواب میں ہو گا۔

پہلا باب : کسب و تجارت کی فضیلت اور اس کے ثواب کا بیان

اپنی اور اپنے اہل خاندان کی کسب حلال سے کفالت اور انھیں مخلوق سے بے نیاز رکھنا ایک طرح کا جہاد ہے اور کئی انواعِ عبادت سے افضل! جناب سرور کائنات ﷺ ایک دن تشریف فرما تھے صُبح کا وقت تھا۔ ایک قوی اور مضبوط نوجوان کا اِدھر سے گزر ہوا جو ایک دکان میں چلا گیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا اے کاش یہ شخص اللہ کی راہ میں اتنی جلدی اٹھنے کا اہتمام

کرتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ایسا نہ کہو کیونکہ اگر کوئی شخص اپنی اپنے والدین اور بچوں کی کفالت کی غرض سے ایسا کرتا ہے تو یہ بھی اللہ کی راہ میں جدوجہد کا ہی ایک حصّہ ہے ہاں اگر اس کا مقصد محض لاف زنی' تفاخر اور تونگری ہے تو پھر اس کی بھاگ دوڑ شیطان کی راہ میں ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص رزقِ حلال طلب کرتا ہو اور اس کا مقصد مخلوق سے بے نیازی اور اپنے پڑوسیوں اور اعزہ کی کفالت و خدمت ہو تو قیامت کے دن اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح منور اور روشن ہو گا اور فرمایا کہ سچا اور دیانت دار تاجر قیامت کے دن صدیقین اور شہداء کے ساتھ اٹھے گا۔ اور اِرشاد فرمایا کہ ہاتھ سے کام کرنے والے مسلمان کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں۔ نیز یہ بھی اِرشاد فرمایا کہ ہاتھ سے کمائی کرنے والے کا مال سب سے زیادہ حلال و طیب ہے بشرطیکہ اس کا مقصد دینی خیر خواہی ہو۔ آپ ﷺ نے تجارت کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ روزی کے دس حصوں میں سے نو حصّے اللہ تعالیٰ نے تجارت میں رکھ چھوڑے ہیں اور جو شخص سوال کا دروازہ کھولتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ افلاس کے ستر دروازے کھول دیتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو دیکھا تو پوچھا کہ کیا کام کرتے ہو اُس نے عرض کیا کہ عبادت! آپ علیہ السلام نے اس کے معاش کے متعلق سوال کیا تو اُس نے کہا کہ مجھے میرا بھائی کھانا وغیرہ مہیا کر دیتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ وہ تم سے زیادہ عابد ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اِرشاد ہے کہ تجارت و کمائی سے ہاتھ نہ کھینچو اور یہ نہ کہو کہ اللہ تعالیٰ روزی دیتے ہیں کیونکہ آسمان سے سونا چاندی نازل کرنے کی قدرت رکھنے کے باوصف وہ کسی حیلہ سے ہی روزی مرحمت فرماتے ہیں کہ یہ ان کی عادت ہے۔ حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے کو نصیحت کی کہ کسب و تجارت نہ چھوڑنا کیونکہ جو شخص مخلوق کا محتاج ہوتا ہے اس کا دین تنگ' عقل ضعیف اور مروتِ زائل ہو جاتی ہے لوگ اسے حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

ایک صاحب دِل سے سوال کیا گیا کہ عابد اور دیانت دار تاجر میں سے بہتر کون ہے؟ تو آپ نے کہا کہ تاجر اس لیے کہ وہ ایک طرح کا مجاہد ہے کیونکہ شیطان ترازو اور لین دین کے پردے میں اس کا تعاقب کرتا ہے لیکن یہ شخص اس کے خلاف چلتے ہوئے دیانت داری سے کام لیتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اِرشادِ گرامی ہے کہ کسی بھی جگہ موت مجھے اس سے زیادہ دوست نہیں کہ میں بازار سے اپنے اہل و عیال کے لیے حلال روزی کی تلاش میں ہوں اور مجھے موت آ جائے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ اس شخص کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے جو مسجد میں مصروفِ عبادت ہو اور یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے رزق دے گا۔ آپ نے فرمایا وہ جاہل ہے شریعت اسلامیہ کو نہیں جانتا کیونکہ حضرت نبی کریم ﷺ کا اِرشادِ گرامی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری روزی میری جدوجہد میں رکھی ہے۔ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابراہیم ادھم قدس سرہٗ کو دیکھا کہ لکڑیوں کا گٹھا گردن پر اٹھائے چلے آ رہے ہیں۔ تو ان سے سوال کیا میاں یہ سلسلہ کب تک جاری رکھو گے تمہارے مسلمان بھائی تمہاری اس ضرورت کی کفالت کر سکتے ہیں تو انھوں نے فرمایا خاموش رہو۔ کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص حلال روزی کی خاطر ایسی ایسی جگہ کھڑا ہو جو لوگوں کی نظر میں اس کے مرتبہ کے مناسب نہ ہو تو اس کے لیے جنت واجب ہو جاتی ہے۔

سوال : جناب رسالت مآب ﷺ کا اِرشاد ہے :

((مَا اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنِ اجْمَعِ الْمَالَ وَ کُنْ مِّنَ التَّاجِرِیْنَ وَلٰکِنْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنْ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَ کُنْ مِّنَ السَّاجِدِیْنَ وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْیَقِیْنُ))

"میرے ربّ نے مجھے اس بات کا حکم نہیں دیا کہ میں مال جمع کروں اور تاجر بن جاؤں بلکہ یہ فرمایا ہے کہ اپنے ربّ کی تسبیح بیان کر اور سجدہ کرنے والوں میں شامل ہو اور موت کے آنے تک عبادت میں مشغول رہ"۔

تو اس ارشاد سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ عبادت کسب و تجارت سے بہتر ہے؟

جواب: جس شخص کے پاس اپنے اور اپنے بیوی بچوں کے لیے اتنا مال ہو جو اسے کفایت کر سکے تو اس کے لیے عبادت زیادہ بہتر ہے اور ضرورت سے زیادہ کی طلب و حرص فائدہ مند ہونے کے بجائے نقصان دہ اور دُنیا سے دِل لگانے کے مترادف ہے اور اس قسم کی کمائی سب گناہوں سے بڑھ کر ہے اور جو شخص زیادہ مال نہ رکھتا ہو ہاں پاکیزہ مال سے اس کی گزر بسر ہوتی ہو اس کا کمائی نہ کرنا اولیٰ ہے اور یہ بات چار قسم کے لوگوں کے لیے جائز ہے۔ ایک تو وہ شخص جو ایسے علم میں مشغول ہو جس میں لوگوں کا دینی یا دُنیوی فائدہ ہو مثلاً علومِ شرعیہ یا عِلمِ طب' دوسرا وہ شخص جو منصب قضا پر فائز ہو یا کسی وقف کا نگران ہو اور یا اسی قسم کے کسی دوسرے کام میں مشغول ہو جس میں مخلوق کی مصلحتیں ہوں۔ تیسرا وہ شخص جس کا باطن اربابِ تصوف کے حالات و مکاشفات سے آراستہ ہو اور چوتھا وہ شخص جو کسی ایسی خانقاہ میں مقیم ہو جہاں نیک لوگوں کا جمگھٹا ہو اور یہ اوراد اور عبادت میں مشغول ہو۔ ایسے کسب و تجارت نہ کریں تو بہتر ہے۔ ایسے لوگوں کی روزی اگر دوسرے ہاتھوں سے پہنچے لیکن حالات ایسے ہوں کہ بغیر سوال و احسان مندی کام بن جاتا ہو تو پھر تجارت نہ کرے تو کوئی حرج نہیں۔ زمانہ گزشتہ میں ایک ولی کامل تھے جن کے اتفاق سے تین سو ساٹھ دوست تھے۔ یہ شخص ہمیشہ عبادت میں مصروف رہتے اور سال بھر ہر روز ایک دوست کے مہمان ہوتے ان کے دوستوں کی یہی عبادت تھی کہ انھیں فارغ البال رکھیں اور وہ ایسا اس لیے کرتے کہ لوگوں پر خیر کا دروازہ کھلا رہے۔ اس طرح ایک صاحب کے تین دوست تھے وہ ہر روز ایک دوست کے پاس قیام کرتے لیکن جب صورتحال ایسی ہو کہ سوال کیے بغیربات نہ بنے اور لوگ دے کر احسان جتلائیں تو اپنی گزر بسر کے لیے کسب و تجارت بہتر ہے کیونکہ سوال کرنا برا کام ہے جو ضرورۃً جائز ہوتا ہے۔ ہاں ایسا شخص کسب و تجارت نہ کرے لیکن وہ شخص جس سے ظاہری عبادت کے سوا کوئی فائدہ نہ ہو اس کے لیے کسب و تجارت بہتر ہے اسی طرح جو شخص مشغولِ تجارت رہ کر بھی اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھے اس کے لیے بھی تجارت بہتر ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی یاد ہی تمام عبادات کا مغز ہے۔

دوسرا باب: تجارت و کسب کے عِلم کا بیان۔ تاکہ ہر کام شرعی شرائط کے ساتھ ہو

یہ بات بہت طویل ہے کتب فقہ میں اس کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں صرف اتنے حصہ پر قناعت کی جائے گی جس کی اکثر ضرورت پڑتی ہے تاکہ لوگ ضروری اُمور کو جان سکیں اور اگر کوئی مشکل پیش آ جائے تو پوچھ سکیں جو شخص اتنی بات بھی نہ جانے گا وہ حرام میں مبتلا ہو گا۔ تجارت عام طور پر چھ قسم کی ہوتی ہے۔ بیع' ربوا' سلم' اجارہ' قرض' شرکت ان تمام کو الگ الگ شرائط کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

عقدِ بیع : بیع کے مسائل کا جاننا فرض ہے کیونکہ کوئی شخص اس سے بَری نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ بازار میں تشریف لے جاتے اور دُرّے مارتے اور فرماتے کہ جو شخص مسائل سے واقف نہیں وہ کوئی معاملہ نہ کرے ورنہ عمداً یا سہواً سود میں مبتلا ہو جائے گا۔ بیع کے تین ارکان ہیں ایک تو مول لینے والا اور بیچنے والا جنھیں عاقدین کہا جاتا ہے۔ دوسرا رُکن مالِ تجارت ہے جسے معقود علیہ کہتے ہیں اور تیسرا رُکن لفظ بیع ہے۔

پہلا رُکن عاقد ہے انسان کو چاہیے کہ پانچ شخصوں سے معاملہ نہ کرے۔ لڑکا' دیوانہ' غلام' لونڈی اور اندھا حرام کھانے والا۔ جو لڑکا بالغ نہ ہو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اسکی کی ہوئی بیع باطل ہے چاہے ولی کے حکم سے ہو اور دیوانے کا بھی یہی حکم ہے۔ اگر کوئی شخص ان سے کوئی چیز خریدے گا اور وہ ضائع ہو گئی ہو تو مول لینے والے پر تاوان ہو گا۔ اگر انھیں کوئی چیز دی تو ان سے تاوان لینے کا مجاز نہیں کیونکہ اُس نے خود مال ضائع کیا۔ لونڈی غلام کی بیع ان کے مالک کی اجازت کے بغیر باطل ہے۔ قصاب' نانبائی' بنیا وغیرہ جب تک مالک سے اجازت نہ لیں اس وقت ان کا لونڈی غلام سے معاملہ کرنا دُرست نہیں۔ کوئی عادل شخص یہ خبر دے یا شہر میں یہ بات مشہور ہو جائے کہ فلاں شخص کو اس کے مالک نے اجازت دے دی ہے تو اگر مالک کی اجازت کے بغیر اس سے کچھ لیا تو پھر تاوان ہو گا اور اگر اسے کچھ دیا تو جب تک وہ آزاد نہیں ہو جاتا اس سے تاوان نہیں لے سکتے۔ اندھے کا معاملہ سراسر باطل ہے ہاں وکیل کے ساتھ جائز ہے وہ جو کچھ لے گا اس پر تاوان ہو گا۔ حرام خور مثلاً ظالم' چور سود لینے والے' شراب بیچنے والے' ڈاکو' گویئے' نوحہ پڑھنے والے' جھوٹی گواہی دینے والے' رشوت کھانے والے ان تمام کے ساتھ کسی قسم کا معاملہ دُرست نہیں۔ اگر معاملت کی اور یقینی طور پر معلوم ہے کہ جو کچھ لیا ہے وہ انھی کی ملکیت ہے تو پھر دُرست ہے اور اگر یقینی طور پر معلوم ہے کہ جو چیز خریدی ہے وہ ان کی ملکیت نہیں تو پھر معاملہ باطل ہو گا۔ اور جب مال مشتبہ ہو تو اکثریت کا لحاظ ہو گا۔ لیکن بہرحال احتیاط ضروری ہے یہود و نصاریٰ سے معاملہ کرنا دُرست ہے لیکن قرآن شریف ان کے ہاتھ ہدیہ کرنا صحیح نہیں۔ اسی طرح مسلمان لونڈی غلام ان کے ہاتھ نہ بیچنا چاہیے۔ اگر کافر حربی ہو یعنی جس کے ساتھ مسلمان کی جنگ ہو تو اس کے ہاتھ ہتھیار بیچنا بھی دُرست نہیں کیونکہ ایسا کرنا مذہبی نقطہء نظر سے باطل ہے اور بیچنے والا گنہگار ہو گا۔ اہل اباحت چونکہ بے دین ہیں اس لیے ان کے ساتھ بھی تجارت دُرست نہیں بلکہ ایسے لوگوں کا قتل اور ان کا مال لے لینا دُرست ہے۔ یہ لوگ کسی چیز کے مالک نہیں ان کا نکاح دُرست نہیں اور ان کا حکم مرتدوں والا ہے جو شخص شرابی یا بے نماز ہو یا نامحرم عورتوں کے پاس بیٹھتا ہو یا مسلمانی کے عنوان میں ذکر کیے گئے شبہوں میں سے کسی ایک کو دُرست جانے وہ زندیق ہے اس کے ساتھ کسی قسم کا معاملہ اور نکاح نہ کرنا چاہیے۔

دوسرا رُکن مال ہے جو معاملت کا ذریعہ ہے اس میں چھ شرائط کا لحاظ ضروری ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ وہ مال نجس نہ ہو' کتے' سور' گوہ اور ہاتھی کی ہڈی' شراب' مردار کا گوشت اور اس کی چربی کی تجارت باطل ہے ہاں پاک گھی میں اگر نجاست پڑ جائے تو اس کی بیع حرام نہیں اسی طرح جو کپڑا ناپاک ہو جائے اس کی بیع بھی دُرست ہے۔ مشک نافہ اور ریشم کے کیڑوں کے بیج کی تجارت دُرست ہے کیونکہ یہ دونوں پاک ہیں۔

دوسری شرط یہ ہے کہ مال میں کوئی فائدہ ہو کہ مقصد تو یہی ہے چوہا' سانپ' بچھو اور حشرات الارض کی بیع باطل

ہے۔ گیہوں کا ایک دانہ یا اور کوئی ایسی چیز جس میں معتدبہ فائدہ نہ ہو اس کی بیع باطل ہے۔ بلی' مماکھی' چیتا' شیر اور بھیڑیا وغیرہ جس کی ذات میں یا چمڑے میں منفعت ہو اس کی بیع دُرست ہے اسی طرح طوطے' مور اور خوبصورت چڑیوں کی بیع جائز ہے کیونکہ ان میں منفعت یہ ہے کہ آدمی انھیں دیکھ کر راحت محسوس کرتا ہے۔ بربطہ' چنگ' رباب جیسی چیزوں کی تجارت اس لیے باطل ہے کہ ان چیزوں سے منفعت اٹھانا حرام ہے اور ان کا نفع کالعدم ہے۔ لڑکوں کے کھیلنے کے لیے مٹی کے جو کھلونے بناتے ہیں اگر وہ حیوانوں کی شکل میں ہوں تو ان کا توڑنا واجب ہے اور ان کی قیمت حرام ہے البتہ درخت اور پھول پتی بنانا دُرست ہے جس برتن یا کپڑے میں کوئی تصویر بنی ہو اس کی تجارت دُرست ہے کیونکہ اس کپڑے کا تکیہ بچھونا بنانا دُرست ہے لیکن ان کا پہننا دُرست نہیں۔

تیسری شرط یہ ہے کہ مال بیچنے والے کی ملک ہو اس لیے کہ اگر دوسرے کا مال اس کی اجازت کے بغیر بیچے گا تو بیع حرام ہو گی اگرچہ خاوند کا مال ہو یا باپ بیٹے کا ہو اور اگر بیچنے کے بعد مالک نے اجازت دے دی تب بھی تجارت حرام ہو گی۔ اس لیے کہ اجازت پہلے ہونی چاہیے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ ایسی چیز فروخت کرے جو فروخت کے بعد اگلے کے حوالے کر سکے۔ لونڈی غلام بھاگ گیا ہو یا مچھلی پانی میں' چڑیا ہوا میں' بچہ پیٹ میں اور نطفہ گھوڑے کی پیٹھ میں ہو ان کی تجارت دُرست نہ ہو گی کیونکہ یہ اشیاء مول لینے والے کے سپرد نہیں کی جا سکتیں جو مال کسی جانور کی پیٹھ پر ہو یا جو دودھ تھن میں ہو اس کی بیع بھی صحیح نہیں اس لیے کہ جب تک دودھ خریدار کے سپرد نہیں کرے گا نیا دودھ جو پیدا ہوتا ہے وہ اس میں مل جائے گا۔ مرتہن کی اجازت کے بغیر مرہونہ مال کی تجارت باطل ہے جو لونڈی لڑکے کی ماں ہو اس کی تجارت بایں وجہ غلط ہے کہ اس کو خریدار کے حوالے کرنا دُرست نہیں اور ایسی لونڈی جس کا لڑکا چھوٹا ہو ان میں سے کسی ایک کی بیع باطل ہے کیونکہ ان کے درمیان جدائی ڈالنا حرام ہے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ مال اس کی مقدار اور صفت معلوم ہو مال کا معلوم نہ ہونا یوں ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ ایک بکرا اس گلہ سے یا ایک تھان اس گٹھڑی سے جو تو چاہے میں تیرے ہاتھ بیچ دوں گا اس قسم کی تجارت باطل ہے بلکہ جو چیز بیچنی ہے وہ الگ کر کے فروخت کرے اور اگر کوئی یوں کہے کہ اس زمین سے دس گز کا ٹکڑا بیچتا ہے جس طرف سے تو چاہے لے لے تو یہ بھی صحیح نہیں۔ مقدار کا جاننا وہاں ضروری ہے جہاں خریدار عین مال کو آنکھ سے نہ دیکھ سکے مثلاً بیچنے والا کہے کہ میں نے تیرے ہاتھ اتنے داموں بیچی جتنے داموں فلاں شخص نے بیچی یا فلاں چیز کے ہم وزن سونے یا چاندی کے عوض اور نہ مال کا علم ہو نہ قیمت کا تو ایسی تجارت دُرست نہیں۔ لیکن اگر کوئی یوں کہے کہ یہ گیہوں اس پیمانہ سے سونے یا چاندی کے عوض دوں گا اور خریدار پیمانہ کو دیکھ رہا ہے تو پھر تجارت دُرست ہو گی۔ صفت کا مفہوم یہ ہے کہ جو چیز دیکھی ہی نہیں اسے دیکھے یا بہت دن پہلے دیکھی اور چیز ایسی ہے جو متغیر ہو سکتی ہے تو اس کی بیع باطل ہو گی جو باریک کپڑا موٹے کپڑے یا ٹاٹ میں لپٹا ہو یا غلّہ کسی برتن میں بند ہو تو اس کی بیع بھی باطل ہے البتہ اخروٹ' بادام' انار' مرغی کا انڈا ان کی تجارت دُرست ہے اگرچہ چھلکے میں ہوں۔ کیونکہ یہ چیزیں عام طور پر ایسے ہی بیچی جاتی ہیں کچا اخروٹ اور اس نوع کی دوسری چیزیں جو دوہرے چھلکے میں ہوں ضرورۃً ان کی بیع دُرست ہو گی۔ چھٹی شرط یہ ہے کہ جو چیز

خریدی قبضہ کے بغیر اس کو آگے بیچنا دُرست نہیں۔

تیسرا رُکن عقد ہے جس کا زُبان سے کہنا ضروری ہے کہ یہ چیز میں نے تیرے ہاتھ بیچ دی۔ اور مول لینے والا کہے کہ میں نے اس کو مول لیا۔ یا یوں کہے کہ یہ چیز اس کے عوض میں میں نے تجھ کو دے دی۔ وہ کہے میں نے لی یا قبول کی یا اس قسم کا کوئی اور لفظ کہے جس سے تجارت و بیع کا مفہوم معلوم ہوتا ہو گو صریح نہ ہو تو اگر لین دین کے پیشتر لفظ مذکور نہ ہوں تو بیع دُرست نہ ہو گی جیسا کہ اب عادت بن گئی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ عمومی نوعیت کی چیزوں میں اجازت کے سبب ہم اس بات کو جائز قرار دیں کیونکہ اس کا رواج پھیل گیا ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے اور شوافع میں سے بعض حضرات بھی یہی کہتے ہیں۔ اس بات کی اجازت اور اس پر فتویٰ تین وجہ سے دیا گیا ہے ایک تو یہ کہ اس کی حاجت و ضرورت عام ہو گئی ہے دوسرے یہ کہ شاید صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بھی یہی عادت تھی کیونکہ اگر لفظ بیع تکلف سے بولا جاتا تو ان پر دقت ضرور ہوتی اور صحابہ رضی اللہ عنہم اس کا اظہار کرتے سے نہ چوکتے اور یہ بات پوشیدہ نہ رہتی۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ جب عادت ہو جاتی ہے تو پھر فعل کو قول کے قائم مقام کرنے میں کوئی بات محال نہیں ہوتی۔ جیسا کہ ہدیہ ظاہر ہے کہ جو کچھ لوگ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لاتے اس میں ایجاب و قبول کا قطعاً تکلف نہ ہوتا اور یہ بات ہر دور میں رہی ہے۔ جب ایسے معاملہ میں جس میں عوضانہ نہ ہو عادت کے پیش نظر خالی فعل سے ملکیت حاصل ہو جاتی ہو تو بیع کے معاملہ میں جبکہ عوض یعنی قیمت موجود ہو محض فعل سے ملکیت کا حاصل ہو جانا محال نہیں البتہ ہدیہ میں عادت کے پیش نظر تھوڑا بہت فرق نہیں ہوتا جبکہ قیمتی چیز میں بیع کی عادت ہوتی ہے مثلاً مکان' زمین' غلام' جانور' قیمتی کپڑا وغیرہ ایسی چیزوں میں اگر لفظ بیع نہیں کہے گا تو اسلاف کے خلاف کرے گا۔ اور ملکیت حاصل نہ ہو گی ہاں گوشت' روٹی' میوہ' پھل جیسی عام اشیاء اور قیمتی چیزوں میں یہی فرق ہوتا ہے۔ اندازہ یہ لگانا چاہیے کہ جو چیز خریدی یا بیچی جا رہی ہے وہ کس نوعیت کی ہے جب کوئی اندازہ نہ ہو سکے تو محتاط روش اختیار کرنی چاہیے۔ اگر کوئی شخص گدھے کے بوجھ برابر گیہوں خریدے لیکن خریداری میں لفظ بیع و شرا نہ کہے تو وہ اس کی ملکیت نہ ہو گا اس لیے کہ یہ معمولی سوال نہیں اس کو استعمال کرنا اور اس میں تصرف حرام ہو گا۔ ہاں چیز خریدار کے حوالہ ہو جانے سے اباحت حاصل ہو جاتی ہے گو کہ ملکیت حاصل نہ ہو اگر اس گیہوں سے کسی کی دعوت کرے گا تو وہ حلال ہو گی۔ کیونکہ جب مالک نے ایک چیز حوالے کر دی تو یہ اس بات کا قرینہ ہے کہ اس نے اس پر حلال کر دی۔ لیکن اس میں عوضانہ کی شرط لازمی ہے اور اگر مالک صاف لفظوں میں یوں کہہ دے کہ میرا اناج اپنے مالک کو کھلا دینا اور پھر تاوان دے دینا تو ایسا کرنا دُرست ہو گا اور تاوان کی ادائیگی لازم ہو گی اور جب اپنے فعل کو اس امر پر دلیل ٹھہرایا تو یہ حاصل ہو گیا۔ تو لفظ بیع نہ کہنے کا اثر یہ ہوتا ہے کہ وہ اناج خریدنے والے کی ملک نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ اگر وہ کسی کے ہاتھ بیچنا چاہے تو بیچ نہیں سکتا اور مالک چاہے تو پھیر سکتا ہے۔

بیع کی دُرستگی میں یہ شرط بھی ہے کہ کوئی اور شرط ساتھ نہ ہو مثلاً کوئی کہے کہ لکڑیاں میں نے اس شرط پر خریدیں کہ میرے گھر میں پہنچائی جائیں یا گندم اس شرط پر خریدی کہ آٹا پیس کر دو یا کچھ قرض کا مطالبہ ہو یا کوئی اور ایسی شرط ہو تو بیع باطل ہو گی۔ ہاں چھ شرائط ایسی ہیں جو دُرست ہیں ایک تو یہ کہ اس شرط پر بیچنا کہ فلاں چیز میرے پاس گروی رکھ

دی جائے' یا کسی کو گواہ بنانا یا فلاں (متعین) کو ضامن بنانا یا قیمت کی فوری ادائیگی کہ میں اتنے عرصے کا ادھار نہیں مانتا یا تین دن یا اس سے کم عرصہ کے لیے فسخ کا اختیار لینا (تین دن سے زیادہ دُرست نہیں) یا غلام اس شرط پر لینا کہ وہ لکھنا پڑھنا یا کوئی اور پیشہ جانتا ہو۔ یہ شرائط تجارت کو باطل کرنے کا سبب بن جاتی ہیں۔

دوسرا عقد ربوا ہے جو نقد اور غلّہ سے متعلق ہے لیکن نقد میں دو چیزیں حرام ہیں ایک تو اُدھار بیچنا کیونکہ سونے اور چاندی کا آپس میں کاروبار اس وقت تک دُرست نہیں جب تک دونوں موقعہ پر موجود نہ ہوں اور ایک دوسرے سے علیحدہ ہونے سے قبل قبضہ نہ کر لیا جائے اگر اسی مجلس میں قبضہ نہ ہوا تو سودا حرام ہو گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ سونا چاندی خود انھی کے بدلے بیچی جائے تو زیادتی دُرست نہیں۔ سالم دینار کو ٹکڑے کے بدلے بیچنا دُرست نہیں اسی طرح کھرے دینار کو کھوٹے کے بدلے زیادتی سے فروخت کرنا صحیح نہیں بلکہ کھرا کھوٹا اور سالم و شکستہ برابر ہونے چاہئیں اگر کوئی کپڑا مثلاً سالم دینار کے بدلے لیا اور اس شخص کے ہاتھ ٹوٹے ہوئے دینار (ریزگاری) کے بدلے بیچ دیا تو یہ دُرست ہے کیونکہ مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔

ہریوہ نامی شہر کا سونا جس میں چاندی کی آمیزش ہوتی ہے اس کو کھرے سونے یا چاندی یا اس شہر کے زرِ نقد کے عوض بیچنا دُرست نہیں بلکہ اس سے کوئی اور چیز مول لے کر بیچیے' اسی طرح جس نقرئی یا طلائی چیز کا چاندی سونا کھرا نہ ہو تو اس کا یہی حکم ہے جس موتی کی لڑی میں سونا ہو اس کو سونے کے بدلے بیچنا دُرست نہیں بلکہ اس سے کوئی اور چیز مول لے کر بیچیے' اسی طرح جس نقرئی یا طلائی چیز کا چاندی سونا کھرا نہ ہو اس کا یہی حکم ہے۔

جس موتی کی لڑی میں سونا ہو اس کو سونے کے بدلے بیچنا دُرست نہیں ہے اور سونے کی کڑھائی والا کپڑا سونے کے عوض بیچنے کا فلسفہ دُرست نہیں۔ ہاں کپڑے میں سونا قیمت کے برابر ہو کہ اگر کپڑا جلایا جائے تو سونا زیادہ نہ نکلے تو پھر صحیح ہے۔ اور اگر دو جنس ہوں تو بھی اناج اناج کے عوض ادھار بیچنا دُرست نہیں۔ بلکہ ایک ہی نشست میں دونوں کا قبضہ ضروری ہے اور اگر ایک ہی جنس سے ہو جیسے گیہوں کے بدلے گیہوں تو بھی ادھار دُرست نہیں اور نہ ہی زیادتی کا سودا جائز ہے بلکہ ناپنے میں برابری ضروری ہے۔ اگر تولنے میں برابری نہ ہو تو بھی سودا دُرست نہیں بلکہ ہر چیز کی برابری کا اندازہ اسی پیمانہ سے کرنا چاہیے جس کا رواج ہو۔

قصاب کو گوشت کے عوض بکرا دینا' نانبائی کو روٹی کے بدلے گندم دینا' تیلی کو تیل کے بدلے تل اور ناریل دینا دُرست نہیں۔ تجارت صحیح نہیں ہو گی لیکن اگر مقصد تجارت نہ ہو اور ارادہ محض یہ ہو کہ اس سے روٹی لے لی جائے تو اس روٹی کا کھانا مباح ہو گا لیکن روٹی اس کی ملکیت پھر بھی نہ ہو گی اور دوسرے کے ہاتھ بیچ نہ سکے گا۔ رہ گیا نان بائی تو وہ گیہوں میں تصرف تو کر سکتا ہے لیکن بیچ نہیں سکتا۔ گویا روٹی لینے والے کی گندم اور نان بائی کی روٹی ضرورت مند پر قرض ہوتی ہے جب چاہیں مانگ لیں۔ اگر ان میں سے ایک نے معاملہ رفع دفع کر دیا تو دُرست نہ ہو گا کیونکہ اگر ایک شخص دوسرے سے کہے کہ میں نے اس شرط پر رفع دفع کیا کہ تُو بھی ایسا ہی کر دے تو یہ معاملہ باطل ہو گا۔ اور اگر بالصراحت تو شرط نہ کی اور محض اپنی طرف سے رفع دفع کا کہا تو اگر دوسرے کے دِل میں یہ خیال ہے کہ اس کا مقصد یہی ہے کہ میں بھی رفع دفع کر دوں تو یہ معاملہ لاحاصل ہو گا کیونکہ اس رضامندی کا تعلق صرف زُبان سے ہے جس میں دِل کی رفاقت

شامل نہیں اور جب دِل نہیں تو پھر یہ کسی کام کی نہیں لیکن اگر یوں کہے تو معاملہ رفع دفع کر یا نہ کریں تو بہرحال کر رہا ہوں اور دِل میں بھی ایسا ہی ہو تو پھر دُرست ہے۔

اگر دوسرا رفیق بھی رفع دفع کر دے تب بھی یہی حال ہو گا اور اگر ایک دوسرے کے ساتھ رفع دفع نہیں کریں گے اور دونوں چیزیں قیمت اور مقدار میں برابر ہوں گی تو دُنیا میں تو جھگڑا نہیں ہو گا آئندہ جہان میں بدلا ہو جائے گا لیکن اگر کمی زیادتی ہے تو اس جہان کے جھگڑے اور اگلے جہان کی ظلم و تاریکی کا ڈر ہے۔

جو چیز اناج سے بنتی ہو اس کا اس اناج کے بدلے فروخت کرنا صحیح نہیں۔ اگرچہ وہ مقدار وغیرہ میں برابر ہو اب جو اشیاء گندم سے بنتی ہیں جیسے آٹا' روٹی' خمیر وغیرہ تو ان کا گندم کے بدلے بیچنا صحیح نہیں' وقس علی ھذا۔ انگور کو سرکہ اور شہد کے بدلے اور دودھ کو پنیر اور مکھن کے بدلے بیچنا دُرست نہیں' بلکہ انگور کو انگور کے بدلے اور کھجور کو کھجور کے بدلے بیچنا بھی دُرست نہیں تاوقتیکہ انگور منقی نہ بن جائے یعنی جنس بدل نہ جائے۔ اسی طرح کھجور چھوہارہ نہ بن جائے۔ یہ مسئلہ طوالت کا ہے اور اس کا سیکھنا واجب تھا اور جب ایسا مسئلہ پیش آئے جسے نہ جانتا ہو تو علماء سے پوچھ لے تاکہ حرام میں مبتلا نہ ہو کیونکہ جس طرح عِلم پر عمل فرض ہے اسی طرح عِلم کی تلاش بھی فرض ہے۔

تیسرا عقد سلم ہے اس میں دس شرطوں کا لحاظ ضروری ہے۔

پہلی شرط تو یہ ہے کہ عقد میں اس طرح کہے مثلاً کہ یہ چاندی یا سونا یا کپڑا جو بھی ہو ایک گدھے کے بوجھ برابر گندم کے عوض میں دیتا ہوں اور جس قسم کی گندم مقصود ہو اس کا اور باقی لوازمات کا صاف صاف بیان کرنا ضروری ہے۔ تاکہ فریق ثانی کو معلوم ہو جائے اور وہ کہے کہ میں نے یہ سودا تسلیم کیا اور اگر لفظ سلم کے بدلے یوں کہے کہ فلاں فلاں صفت سے موصوف چیز میں نے لے لی ہے تب بھی دُرست ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ جو چیز دینی ہو وہ محض اندازے سے نہ دے بلکہ ناپ تول کر دے تاکہ اگر پھر وہ چیز لینے کی ضرورت محسوس ہو تو یہ جانتا ہو کہ میں نے کیا چیز دی تھی اور کس مقدار میں دی تھی۔

تیسری شرط یہ ہے کہ اسی مجلس میں راس المال حوالے کر دے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ سلم ایسی چیزیں دے جس کا حال اس کی صفات سے معلوم ہو سکے جیسے حبوب' روئی' جانوروں کے بال جسے پشمینہ کہتے ہیں' ریشم' گوشت' حیوان' لیکن جو چیز کئی چیزوں سے مل کر بنی ہو جن کی علیحدہ علیحدہ مقدار کا عِلم نہیں یا ہر ایک چیز سے مرکب ہو جیسے ترکی کمان یا کسی خاص انداز سے بنی ہو جیسے جوتا' موزہ' تراشا ہوا تیر تو ان کی بیع سلم باطل ہے کیونکہ یہ کسی صفت سے متصف نہیں اور صحیح بات یہ ہے کہ روٹی میں سلم دُرست ہے اگرچہ اس میں نمک پانی کی آمیزش ہوتی ہے لیکن اس کی مقدار مقصود نہیں ہوتی اور نہ یہ جہالت کا ذریعہ بنتی ہے۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ اگر وعدہ پر کوئی چیز مول لیتا ہے تو مدت کا تعین ہونا چاہیے۔ یہ کہنا کہ غلّہ تیار ہونے تک مثلاً دُرست نہیں' کیونکہ اس کا موسم یکساں نہیں ہوتا اور اگر نو روز کا مثلاً وعدہ کرے اور نو روز کا دن مشہور ہو تو پھر دُرست ہے۔ اسی طرح اگر محض جمادی کا لفظ کہا تو مراد جمادی الاولی ہو گا۔

چھٹی شرط یہ ہے کہ سلم اس چیز میں دینی چاہیے جو وقت موعود پر دی جا سکے اگر مثلاً میوہ میں سلم دیتا ہے تو جب

تک وہ پک نہ جائے سلم باطل ہے اور اگر اس وقت تک اکثر پک جاتا ہے تو پھر دُرست ہے۔ پھر اگر کسی آفت کے سبب دیر ہو جائے تو اس کی مرضی پر منحصر ہے کہ مہلت دے ورنہ فسخ کر کے مال واپس بھی لے سکتا ہے۔

ساتویں شرط یہ ہے کہ معلوم کر لینا چاہیے کہ مال کہاں سپرد کرنا ہے شہر میں یا گاؤں میں' جہاں سپردگی ممکن ہو اس کا وعدہ کرنا چاہیے تاکہ بعد میں اختلاف نہ ہو اور جھگڑا پیدا نہ ہو۔

آٹھویں شرط یہ ہے کہ کسی چیز کی طرف اشارہ کر کے کہنا کہ اس باغ کے انگور یا اس زمین کی گندم سلم کی ہو گی تو یہ غلط اور باطل ہے۔

نویں شرط یہ ہے کہ نایاب چیز میں سلم نہ دے جیسے بڑے موتی کا دانہ یا خوبصورت لونڈی یا حسین غلام وغیرہ اور دسویں شرط یہ ہے کہ اناج میں سلم نہ دے جبکہ اناج ہی راس المال ہو مثلاً جو یا گندم وغیرہ۔

چوتھا عقد اجارہ ہے جس کے دو رُکن ہیں ایک اُجرت دوسرا منفعت! پہلے رکن اُجرت' عاقد اور لفظ عقد کا وہی حکم ہے جو بیع کے عقد میں بیان ہوا۔ اُجرت کا معلوم ہونا ضروری ہے جیسا ہم نے بیع میں بیان کیا ہے کہ اگر کوئی شخص گھر کی تعمیر کرایہ پر دے تو تعمیر نامعلوم ہونے کی وجہ سے یہ اجارہ غلط ہو گا۔ اور اگر یوں کہا جائے کہ دس درہم لگا کر تعمیر کرو تب بھی دُرست نہیں کیونکہ تعمیر فی نفسہٖ مجہول ہے۔ قصاب کو بکرا صاف کرنے کی اُجرت میں کھال دینا اور آٹا پیسنے والے کو اُجرت میں چوکر بھوسی دینا یا تھوڑا سا آٹا دینا دُرست نہیں۔ جو چیز مزدور کے کام کرنے سے حاصل ہوتی ہے اس میں مزدوری دُرست نہیں۔ اگر کوئی شخص یوں کہتا ہے کہ یہ دکان میں نے ایک دینار ماہانہ کرایہ پر دی تو یہ معاملہ اس لیے ناجائز ہو گا کہ اس میں اجارہ کی کل مدت کا تعین نہیں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ایک سال یا دو سال کے لیے اجارہ پر دی یعنی مدت کا تعین ضروری ہے۔

دوسرا رُکن جیسا کہ بیان ہوا منفعت ہے۔ جاننا چاہیے کہ جو امر مباح ہو اور یہ بھی معلوم ہو کہ اس میں کچھ محنت ہو گی اور اس میں نیابت کی گنجائش ہو گی تو اس میں اجارہ دُرست ہے اس میں پانچ شرائط کا لحاظ ضروری ہے۔

پہلی شرط یہ ہے کہ اس عمل میں قدر و قیمت اور رنج و محنت اگر دکان کی آراستگی کے لیے کسی کا اناج یا کپڑا خشک کرنے کے لیے کوئی درخت یا محض سونگھنے کی خاطر کوئی سیب اجارہ پر لیا تو یہ اجارہ باطل ہے کیونکہ ان کاموں کی کوئی قدر نہیں۔ اور ان کی مثال یہ ہے جیسے گندم کا ایک دانہ بیچنا اگر کوئی آڑھتی جاہ و حشمت والا ہے اور اس کی دلالی سے مال بک جاتا ہے تو اس کی مزدوری مقرر کرنا تاکہ اس کی وجہ سے مال بک جائے تو یہ اجارہ باطل ہو گا اور مزدوری حرام ہو گی کیونکہ اس میں کسی قسم کا رنج و محنت نہیں بلکہ آڑھتی اور دلالی کی مزدوری اس وقت جائز ہوتی ہے جب یہ طے ہو کہ اتنی باتیں کرے اور اتنی مقدار چلے جس میں رنج و محنت اور دشواری و وقت کا احساس ہو لیکن اس میں بھی اُجرت مثل سے زیادہ واجب نہ ہو گی۔

اور یہ عادت جو مقرر کی جاتی ہے کہ مثلاً پانچ روپے سینکڑہ محض بقدر مال لے لیا اور مشقت و ملال کا کچھ دخل نہیں ہوتا تو یہ حرام ہے اور آڑھتی اور دلالی اس طرح جو مال کماتے ہیں وہ حرام کا کماتے ہیں۔ دلال اس تاریکی سے دو طرح سے محفوظ رہ سکتا ہے ایک تو اس طرح کہ جو کچھ اسے دیا جائے وہ لے لے اور تکرار نہ کرے اپنی محنت کی مقدار سے

مطالبہ جائز ہے قیمت کی مقدار پر الجھنا دُرست نہیں۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ہی طے کرلے کہ جب یہ چیز بیچوں گا تو ایک درم لوں گا یا دینار اور مال والا راضی بھی ہو۔ دلال یہ نہ کہے کہ قیمت میں سے پانچ فیصد لوں گا۔ اس لیے کہ یہ مجہول معاملہ ہے قیمت کا علم نہیں خُدا معلوم گاہک کتنے میں خریدے گا؟ اس طرح کی سودا بازی سے اُجرت باطل ہو گی اور اس شکل میں محنت کی مقدار کے سوا کوئی چیز دینی لازم نہ ہو گی۔

دوسری شرط یہ ہے کہ اجارہ منفعت پر ہونا چاہیے اصل پر نہیں۔ اگر باغ یا انگور کا درخت اجارہ پر لیا تاکہ میوہ کھائے یا گائے محض دودھ پر اجارہ پر دی یا اس طرح گائے دی کہ چارہ دے کر دودھ لیا جائے تو یہ تمام صورتیں باطل ہوں گی۔ اس کے باطل ہونے کا سبب یہ ہے کہ چارہ اور دودھ وغیرہ سب چیزیں مجہول ہیں۔ لیکن اگر عورت سے معاملہ کیا جائے تاکہ وہ لڑکے کو دودھ پلا دے تو یہ دُرست ہے کیونکہ اس میں مقصود لڑکے کی نگہبانی ہے اور دودھ تو محض تابع ہے جیسے کاتب کی سیاہی اور درزی کا دھاگہ کیونکہ اس قدر مجہول عمل تبعیت کی وجہ سے جائز ہوتا ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ اجارہ ایسے کام پر کرنا چاہیے جو اس کے سپرد کرنا ممکن اور مباح ہو اگر کسی ناتواں یا کمزور آدمی سے ایسا معاملہ کیا جائے جو اس کے بس میں نہ ہو یا حیض والی عورت کو مسجد کی صفائی کے لیے مقرر کیا جائے تو یہ اجارے باطل ہوں گے۔ اس واسطے کہ یہ افعال حرام ہیں۔

اگر بھلا چنگا دانت اُکھاڑنے یا صحیح سلامت ہاتھ کاٹنے یا لڑکے کے کان میں بالی ڈالنے کی غرض سے چھید کرنے کے لیے اُجرت مقرر کی تو بھی صحیح نہیں کہ یہ باتیں شرعاً دُرست نہیں اور ایسے کاموں کی اُجرت حرام ہے یہی حال جسم گودنے والوں کا ہے مردوں کے لیے اطلس کی ٹوپی اور ریشمی اچکن سینے والے ٹیلر ماسٹر کی اُجرت حرام ہے اور ایسے کاموں کا اجارہ دُرست نہیں۔ علی ھذا القیاس اگر کسی شخص کو رسن بازی یعنی نٹ کا کام سکھانے کے لیے اُجرت پر مقرر کیا تو جس طرح یہ حرام ہے اسی طرح اس کا تماشا بھی حرام ہے اور ایسا کرنے والا اپنی جان کو خطرہ میں مبتلا کرنے کا موجب ہو گا اور اس قسم کے کام کرنے والوں کو کچھ دینے والا گنہگار ہو گا۔ اسی طرح مسخرے، گوئیے، نوحہ گر اور ہجو باز شاعر کو مزدوری دینا حرام ہے اگر قاضی فیصلہ لکھے اور اس لکھائی کی اُجرت لے تو پھر دُرست ہے کیونکہ لکھنا اس پر ضروری نہیں۔ بشرطیکہ اوروں کو لکھنے سے روکے نہیں اور اگر دوسروں کو روکتا ہے اور خود ہی لکھنے کا عادی ہے اور اس لکھائی کی اُجرت جو گھنٹہ بھر میں لکھی ہے دس دینار یا ایک دینار مانگے تو حرام ہے ہاں اوروں کو منع نہ کرتا ہو اور یہ طے کرلے کہ میں اپنے ہی قلم سے لکھوں گا اور دس دینار مثلاً لوں گا تو پھر مزدوری لینی دُرست ہو گی اگر کوئی دوسرا فیصلہ لکھے اور یہ محض دستخط کرے اور اس کے عوض کچھ مانگے اور یہ کہے کہ یہ دستخط کرنا مجھ پر واجب نہیں تو پھر حرام ہے کیونکہ اتنا کام کرنا جس سے لوگوں کے حقوق کا تحفظ ہو جائے قاضی پر واجب ہے اور اگر واجب نہ بھی ہو تو اتنی محنت تو گندم کے ایک دانہ کے برابر ہے جس کی کوئی قیمت نہیں جبکہ اس نشانی کی قدر و قیمت حاکم شرع کا خط ہونے کی وجہ سے بہت ہے جو شخص جاہ و مرتبہ کی وجہ سے حاکم ہو اسے اُجرت سے احتراز کرنا چاہیے ہاں قاضی کا وکیل اُجرت لے سکتا ہے بشرطیکہ ایسے قاضی کا وکیل نہ ہو جس کے متعلق معلوم ہو کہ یہ صاحب حق لوگوں کا حق ضائع کر دیتا ہے وکالت بھی تب دُرست

ہے جب جھوٹ سے بچے فریب کاری نہ کرے حق چھپانے سے احتراز نہ کرے بلکہ اس کا مقصد باطل و غلط کاری کا دفعیہ ہو اور جب حق ظاہر ہو تو خاموشی اختیار کرے۔ لیکن ایسی بات کا انکار جس کے اقرار کے سبب کسی کا حق ضائع ہوتا ہو دُرست اور صحیح ہے۔ ایسا ثالث جو دونوں آدمیوں کے درمیان فیصل ہو اس کے لیے یہ دُرست نہیں کہ وہ دونوں سے الگ الگ کچھ لے اس لیے کہ ایک جھگڑے میں دونوں کا کام دُرست تو ہو نہیں سکتا ہاں اگر ایک فریق کی طرف سے محنت کر کے ایسی مشقت برداشت کرنا پڑی جس کی کچھ قیمت ہو تو پھر اُجرت دُرست ہے بشرطیکہ جھوٹ اور دَغابازی سے کام نہ لے اور جو کچھ فریقین کی طرف سے حق ہو اسے چھپائے نہیں۔ اور ہر ایک کو خواہی نخواہی ڈرانا دھمکانا کہ وہ صلح کی طرف مائل ہو جائیں دُرست نہیں۔ جب یہ بات واضح ہو کہ حقیقت حال جاننے کے بعد وہ صلح نہیں کریں گے تب تو اس حرکت سے بالکل ہی بچنا ضروری ہے۔ ایسی ثالثی سے غالب صلح ہو گی بھی نہیں۔ اور ایسے مواقع پر اکثر ثالثی جھوٹ اور ظلم و فریب کا شکار ہو جاتی ہے اس کی اُجرت بھی حرام ہے۔

جب ثالث کو یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں فریق حق پر ہے تو حق دار کو حیلہ جوئی سے حق سے کم پر صلح کے لیے آمادہ کرنا دُرست نہیں۔ لیکن اگر ایسی بات محسوس کرے کہ وہ ظلم کرے گا اور حیلہ بہانہ سے وہ اس سے باز آ جائے گا تو پھر صحیح ہے ایسا دیانت دار شخص جسے اپنی زبان سے نکالے ہوئے ہر لفظ کی جواب دہی کا احساس ہو اور وہ یہ سمجھے کہ جو کچھ کہا اس کا حساب ہو گا کہ کیوں کہا؟ اس واسطے کہا؟ سچ کہا یا جھوٹ؟ اور مقدمہ میں اس کے عزائم نیک تھے یا بد؟ تو ایسے شخص سے اس بات کی توقع مشکل ہے کہ وہ ثالثی یا وکالت میں خلافِ واقعہ طرزِ عمل اختیار کرے۔ ایسا شخص جو امراء میں سے کسی کے کام کے متعلق سعی و سفارش سے کام لیتا ہے تو محنت کی بقدر اُجرت دُرست ہو گی بشرطیکہ کام ایسا ہو جس میں وقت ہو نہ کہ مقصد فخر اور جاہ ہو۔ جہاں گفتگو ضروری ہو وہاں گفتگو کرے۔

اگر کوئی شخص ظالم کی فتح' حرام یومیہ کمائی کا کہے گا یا سچی گواہی کو چھپائے گا یا حرام کام کے واسطے گفتگو کرے گا تو وہ سخت گنہگار ہو گا اور اس کی اُجرت حرام ہو گی۔ اجارہ کے احکام میں ان دونوں ضروری باتوں کی تفصیل آ گئی جن کا جاننا ضروری ہے کیونکہ اس میں لینے دینے والا دونوں گنہگار ہوتے ہیں۔ اس کی تفصیل تو طویل ہے ہاں جو کچھ بیان ہوا اس سے یہ تو معلوم ہو جائے گا کہ فلاں جگہ اشکال ہے لہٰذا پوچھ لینا چاہیے اس لیے دینی مسائل کی تفصیلات معلوم کرنے کی راہ کھلے گی۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ متعلقہ کام اس پر واجب نہ ہو کیونکہ واجب میں نیابت نہیں چلتی۔ کسی غازی کو اُجرت پر جہاد کے لیے مقرر کرنا دُرست نہیں' اس لیے کہ وہ جب میدانِ جنگ میں آ جائے گا تو اس پر خود لڑنا واجب ہو جائے گا۔ قاضی اور گواہ کی اُجرت بھی اسی وجہ سے دُرست نہیں اور کسی شخص کو اُجرت دینا کہ وہ اس کی طرف سے نماز پڑھ لے یا روزہ رکھ لے صحیح نہیں کیونکہ ان کاموں میں نیابت نہیں۔ البتہ حج کے واسطے اُجرت لینا دُرست ہے بشرطیکہ معذور اور عاجز ہو اور تندرست ہونے کی اُمید رکھتا ہو باقی قرآن شریف پڑھانے یا ایسے علوم سکھانے جو دین کی راہ میں مدد و معاون ہوں کے لیے اُجرت صحیح ہے۔ قبر کھودنے' مُردہ نہلانے' جنازہ اُٹھانے جیسے کام گو کہ فرض کفایہ ہیں مگر اُجرت صحیح ہے۔ نماز کی' تراویح اور مؤذنی کی اُجرت میں علماء کا اختلاف ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس کی اُجرت حرام نہیں کیونکہ یہ

اُجرت اس وقت کی ہے جو خرچ کرتا ہے نماز اور اذان کی اُجرت نہیں ہوتی۔ البتہ یہ اُجرت کراہت اور شبہ سے خالی نہیں۔

پانچویں شرط یہ ہے کہ عمل معلوم ہونا چاہیے جب کوئی جانور کرایہ پر لے تو اسے دیکھ لینا ضروری ہے اور کرایہ پر دینے والا بوجھ کا معلوم کر لے کہ کتنا ہے اور یہ کہ سوار کب ہو گا۔ اور ہر روز کتنا سفر کرے گا اِلاّ یہ کہ عام طور پر کوئی عادت مشہور ہو تو پھر اس پر کفایت کرے۔

جب زمین اجارہ پر لی جائے تو یہ بتلا دینا چاہیے کہ فلاں چیز کاشت کروں گا۔ اسی طرح تمام اجاروں میں علم اور آگاہی ضروری ہے تاکہ آئندہ جھگڑا نہ ہو اور جس اجارہ داری کی پوری تفصیل معلوم نہ ہو اور اس کے سبب جھگڑا برپا ہوتا ہے تو وہ سرے سے باطل ہے۔

پانچواں عقد قراض ہے جس کے تین رُکن ہیں۔

پہلا رُکن سرمایہ ہے جو نقد ہونا چاہیے جیسے سونا چاندی لیکن ورق نقرہ کپڑا اور سامان جو ہو اس کا وزن وغیرہ معلوم ہو اور اس سرمایہ کو وکیل مالک کے سپرد کر دے اگر مالک اپنے پاس رکھنے کی شرط لگائے تو پھر دُرست نہیں۔

دوسرا رُکن نفع ہے اس میں یہ ضروری ہے کہ کام کرنے والے وکیل کو جو کچھ ملے گا وہ معلوم ہو مثلاً نصف یا ثلث وغیرہ اگر یہ ہوا کہ دس درم تو میرے یا تیرے ہوں گے اور باقی بانٹ لیا جائے تو یہ باطل اور غلط ہے۔

تیسرا رُکن عمل ہے جس میں شرط یہ ہے کہ وہ عمل تجارت ہو پیشہ وری نہ ہو اگر نانبائی کو گندم دی جائے کہ روٹی پکا کر نفع بانٹ لیں گے تو دُرست نہیں اسی طرح اسی قسم کی شرط پر تیلی کو بیچ دینا دُرست نہیں۔ تجارت میں ایسی شرط لگانا کہ فلاں شخص کے ہاتھ تمھیں سودا بیچنے یا فلاں سے لینے کی اجازت نہ ہو گی تو یہ محض غلط ہے الغرض ہر وہ شرط جو معاملہ کو تنگ کرے وہ صحیح نہیں۔

عقد قراض کی حقیقت یہ ہے کہ یہ مال میں تمھیں تجارت کے لیے دے رہا ہوں اس کا نفع نصف نصف بانٹ لیں گے؟ فریق ثانی کہے کہ میں نے قبول کر لیا۔ کام کرنے والے نے جب طے کر لیا تو وہ مالک کا گویا وکیل بن گیا۔ مالک کو فسخ کرنے کا اختیار ہر وقت ہو گا۔ اور جب وہ فسخ کرے گا تو اگر تمام مال اور منافع نقد کی صورت میں ہے تو بانٹ لے اور مال جنس کی صورت میں ہو اور نفع نہ ہو تو کام کرنے والا مال مالک کے حوالے کر دے عامل پر مال کا بیچنا لازم نہیں اور اگر وہ بیچنا چاہے تو مالک منع کر سکتا ہے ہاں جب عامل نے کوئی ایسا گاہک تلاش کر لیا جو نفع سے مال لے رہا ہے تو پھر مالک منع نہیں کر سکتا اگر مال جنس کی شکل میں ہو اور اس میں نفع بھی ہو تو عامل مقدار میں بیچ سکتا ہے جتنا سرمایہ تھا زیادہ نہیں اور جب سرمایہ کی مقدار بیچ چکا تو باقی مال تقسیم کر لیں اور اس باقی کا بیچنا عامل پر واجب نہیں۔

ایک سال گزر جائے تو زکوٰۃ کی ادائیگی کے واسطے مال کی قیمت کا جاننا ضروری ہے عامل کے حصہ کی زکوٰۃ خود اس پر لازم ہے۔ مالک کی اجازت کے بغیر عامل کو سفر کی اجازت نہ ہو گی۔ سفر آ گیا تو اس پر تاوان ہو گا۔ ہاں مالک کی اجازت ہو گی تو جس طرح باقی ضروریات کرایہ دُکان وغیرہ مال میں سے لیتا ہے اسی طرح زادِ راہ بھی مال سے لینے کی اجازت ہو گی۔ اور جب سفر سے پلٹے گا تو دستر خوان' لوٹا وغیرہ جو ضرورت کی اشیاء مال میں سے خریدی تھیں وہ سب مال میں داخل ہو

جائیں گی۔

چھٹا عقد شرکت ہے جب دو آدمیوں کی مال میں ہو۔ شرکت یہ ہے کہ مال میں دونوں کو تصرف کی اجازت ہو اگر تو مال دونوں کا برابر ہو تو نفع بھی برابری کی بنیاد پر تقسیم ہو گا اور اگر مال کم زیادہ ہے تو نفع بھی اسی طرح کم زیادہ تقسیم ہو گا ہاں اگر ایک شخص کام بھی کرتا ہو تو اس وجہ سے زیادہ نفع لینے کی شرط طے کر لینا دُرست ہے اور یہ تراضی مع الشرکت کے مثل ہے۔

تین قسم کی اور شرکتوں کا بھی رواج ہے لیکن وہ باطل ہیں۔ ایک مزدوروں اور پیشہ وروں کی شرکت کہ جو کچھ ہم کمائیں گے وہ مشترکہ سرمایہ ہو گا حالانکہ جس نے جو کمایا وہ اسی کا ہے۔

دوسری شرکت مفاوضہ ہوتی ہے کہ دو آدمیوں کے پاس جو کچھ ہو اس کو سامنے رکھ دیں اور یہ کہہ دیں کہ اس میں جو نفع نقصان ہو گا اس میں ہم شریک ہوں گے تو یہ بھی دُرست نہیں۔

تیسری شکل یہ ہے کہ ایک آدمی صاحب مال ہے اور ایک صاحب جاہ۔ صاحب مال' صاحب جاہ کے کہنے پر سودا کرتا ہے اور نفع میں شرکت شرط قرار پائی ہے تو یہ بھی باطل ہے۔

معاملات کے باب میں اِس حد تک تو جاننا ضروری ہے کہ اکثر و بیشتر اِس کی ضرورت پڑتی ہے اِن کے سوا جو صورتیں ہیں وہ نادر الوقوع ہیں جب اِس حد تک آدمی کو معلوم ہو گا تو دوسری شکلوں سے جب پالا پڑے گا تو از خود معلوم کر لے گا اور اگر اس حد تک بھی نہیں جائے گا تو حرام میں گرفتار ہو گا اور جب اسے یہ احساس نہیں ہو گا کہ میں مبتلائے حرام ہوں تو اس وقت اس کا عذر لاعلمی کارآمد نہیں ہو گا۔



باب : ۳

معاملات میں عدل و انصاف کا بیان

اب تک جو کچھ بیان ہوا وہ شریعت کی رُو سے معاملات درست ہونے کی شرائط تھیں۔ کئی معاملات ایسے ہیں کہ ان میں فتویٰ تو معاملات کی درستگی کا ہی دیا جائے گا لیکن وہ معاملہ کرنے والا اللہ تعالیٰ کی لعنت میں گرفتار ہو گا۔ اس قسم کے معاملات وہ ہیں جو مسلمانوں کے رنج و نقصان کا باعث ہوتے ہیں۔

اس قسم کے معاملات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عام ایک خاص۔ جو عام ہیں وہ بھی دو اقسام پر مشتمل ہیں۔

پہلی قسم تو افکار کی ہے یعنی غلّہ مول لے کر اس نیت سے روک رکھنا کہ جب گرانی ہو گی تو بیچ دوں گا ایسا کرنے والے کو محتکر کہتے ہیں اور محتکر ملعون ہے۔ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اس نیت سے ۴۰ دن اناج روکے گا تو اس کے بعد سارا غلّہ خیرات کرنے سے بھی کفارہ ادا نہ ہو گا۔ اور فرمایا کہ جو شخص ۴۰ دن اناج رکھ چھوڑے اللہ تعالیٰ اس سے اور وہ اللہ تعالیٰ سے بیزار ہے۔ اور ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص اناج مول لے کر کسی شہر میں لے گیا اور وہاں کے بھاؤ سے بیچ دیا تو گویا اُس نے صدقہ کیا۔ ایک روایت کے مطابق گویا اُس نے لونڈی یا غلام کو آزاد کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ ۴۰ دن اناج رکھنے والے کا دِل سیاہ ہو جائے گا۔ انھیں کسی محتکر کی جب خبر دی گئی تو فرمایا کہ اس کے غلّہ میں آگ لگا دو۔ اسلاف میں سے کسی نے وکیل کے ذریعہ بصرہ میں غلّہ بیچنے کو بھیجا وکیل وہاں پہنچا تو دام سستے تھے ہفتہ بھر ٹھہر کر دوگنے داموں بیچا اور مالک کو اس تفصیل پر مشتمل خط لکھا نیک دِل مالک نے جواب دیا کہ وہ تھوڑا نفع جو دین کی سلامتی کا باعث تھا میں نے تو اسی پر قناعت کی تھی ایسا کرنا مناسب نہ تھا کہ ڈھیر سارے نفع کے عوض تو نے دین برباد کر دیا چونکہ تو نے یہ گناہ کا کام کیا ہے اس لیے سارا مال خیرات کر دے تاکہ کفارہ ہو جائے اور شاید اس کے باوجود بھی ہم تم نحوست سے آزاد نہ ہوں۔

اس فعل کے حرام ہونے کا سبب مخلوق کا ضرر اور نقصان ہے کیونکہ غلّہ و اناج آدمی کی زندگی کا ظاہری سبب ہے اگر یہ بیچا جائے تو ہر کوئی خرید سکتا ہے کہ ہر کسی کو خریدنا مباح ہے اگر ایک ہی آدمی مول لے کر بند رکھے تو باقی مخلوق کو دستیاب نہیں ہو گا۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص مباح پانی روک لے کہ لوگ ضرورت و پیاس کے سبب زیادہ دام سے خریدیں۔

اس نیت سے اناج مول لینا گناہ ہے ہاں اناج کسی کاشت کار کی ملکیت ہو تو وہ مختار ہے جب چاہے بیچ دے اس کے لیے جلدی بیچنا لازم نہیں۔ بہتر اس کے لیے بھی یہی ہے کہ تاخیر نہ کرے اور اگر اس کے دِل میں گرانی کی خواہش ہو تو یہ خواہش بُری ہے۔ دوا جیسی اشیاء جو انسانی خوراک و قوت کا ذریعہ نہیں انھیں مہنگائی کے خیال سے روک رکھنا حرام نہیں ۔ لیکن اناج کو روکنا حرام ہے اور وہ اشیاء جو احتیاج کے اعتبار سے اناج کے قریب قریب ہیں جیسے گھی، گوشت وغیرہ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ صحیح بات یہی ہے کہ یہ کراہت سے خالی نہیں۔ ہاں اناج کے درجہ کو نہیں پہنچتی۔ اناج کا جمع رکھنا بھی جبھی حرام ہے جب تنگی ہو اور جب آسانی سے ہر کسی کو میسر ہو تو جمع رکھنا حرام نہیں۔ اس لیے کہ اب جمع

رکھنے میں کسی کا نقصان نہیں۔ بعض علماء نے اس وقت بھی حرام لکھا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ مکروہ ہے کیونکہ یہ گرانی کا منتظر ہے جو عوام کے رنج کا باعث ہے اور کسی کے رنج کا انتظار کرنا بُرا ہے۔ اسلاف نے دو قسم کی تجارت کو ناپسند کیا۔ اناج کی تجارت اور کفن کی تجارت! کیونکہ لوگوں کی تکلیف اور موت کی راہ دیکھنا بُرا ہے۔ اسی طرح دو پیشے ایسے ہیں جو ناپسندیدہ ہیں قصاب کا کہ اس سے دل سخت ہو جاتا ہے اور صراف کا کہ اس میں دُنیا کی آرائش ہے۔

دوسری قسم جس سے عام رنج ہوتا ہے وہ ہے کھوٹا سکہ کسی معاملہ میں دینا۔ کیونکہ اگر لینے والا نہ پہچانے تو دینے والا تو ظلم کر چکا اور لینے والا پہچان گیا تو اب ممکن ہے کہ وہ کسی دوسرے کو دھوکہ دے اور وہ کسی کو اور آگے دھوکہ دے۔ اسی طرح ایک مدت تک دغا بازی کا سلسلہ چلتا رہے گا اور جس نے سب سے پہلے دغا کیا سب کا بوجھ اس کی گردن پر ہو گا۔ اسی لیے کسی کا مقولہ ہے کہ ایک درم سو درم کی چوری سے بدتر ہے کیونکہ چوری کا گناہ اسی وقت ہے اور اس کا گناہ اس کی موت کے بعد تک چل سکتا ہے اور وہ شخص بڑا بدبخت ہے جو خود تو مر جائے لیکن اس کا گناہ زندہ ہو اور ایسا گناہ سو برس تک جاری رہ سکتا ہے اور قبر میں اس شخص کے عذاب کا باعث ہو گا جس کے ہاتھ سے اس کی ابتدا ہوئی تھی۔
کھوٹے چاندی سونے میں چار چیزوں کا معلوم کرنا ضروری ہے۔ ایک تو یہ ایسا سکہ جس کے ہاتھ لگے وہ اسے کنویں میں ڈال دے اور کسی کو یہ کہہ کر بھی نہ دے کہ یہ کھوٹا ہے ممکن ہے کہ وہ کسی دوسرے کے ساتھ دغا بازی کرے۔

دوسری بات یہ ہے کہ بازاری کو پرکھ سیکھنے چاہییں تاکہ کھوٹے کھرے کو پہچان سکے یہ اس لیے واجب نہیں کہ خود نہ لے بلکہ اس لیے واجب ہے کہ کسی اور کو دھوکہ نہ دے اور مسلمانوں کا حق ضائع نہ کرے تو جو شخص یہ کام نہیں سیکھے گا اور دھوکہ سے کھوٹا روپیہ اشرفی اس کے ہاتھ سے چل جائے گا وہ گنہگار ہو گا۔ اس لیے کہ جو شخص جو کاروبار کرتا ہے اس پر لازم ہے کہ اس کا عِلم سیکھے۔

تیسری بات یہ ہے کہ جو شخص کھوٹا سکہ اس نیت سے لے جو نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا:

((رَحِمَ اللّٰهُ اِمْرَاءً سَهَّلَ الْقَضَاءَ وَسَهَّلَ الْاِقْتِضَاءَ))

"اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے جو لینے دینے کو سہل بنا دے"۔

تو پھر یہ اچھا کام ہے لیکن لے کنویں میں ڈالنے کی نیت سے! اور اگر خرچ کر ڈالنے کا اندیشہ ہے تو اگرچہ کھوٹا ہونا صاف کہہ بھی لے گا لیکن پھر بھی نہ لے۔

چوتھی بات یہ ہے کہ کھوٹا سکہ وہ ہے جس میں مطلقاً سونا چاندی نہ ہو لیکن وہ سکہ جس میں سونا چاندی ہو اسے کنویں میں ڈالنا واجب نہیں۔ بلکہ اگر اسے خرچ کرے گا تو دو باتیں واجب و لازم ہوں گی۔ ایک تو یہ کہ دوسرے کو بتلا دے کہ یہ ناقص ہے دوسرے یہ کہ اس شخص کو دے جس کے امانت دار ہونے پر اعتماد ہو تاکہ وہ بھی کسی سے دغا نہ کرے۔ اگر یہ خیال ہو کہ یہ خرچ کرتے وقت اس کے نقص کا خیال نہیں کرے گا اور دوسرے کو اس کی اصلیت نہیں بتلائے گا تو اس کی مثال ایسے ہے جیسے انگور ایسے شخص کے ہاتھ بیچنا جس کے متعلق جانتا ہو کہ یہ شراب بنائے گا یا ہتھیار ایسے شخص کے ہاتھ بیچنا جس کے متعلق رہزنی کا عِلم ہے تو ظاہر ہے کہ یہ معاملہ حرام ہے۔ معاملت میں امانت داری چونکہ بہت دشوار ہے اس لیے اسلاف کا مقولہ ہے کہ امانت دار سوداگر عابد سے بہتر ہے۔

دوسری قسم خاص ظلم کی ہے جس کا تعلق اسی سے ہوتا ہے جس سے معاملت ہو اور جس معاملہ میں کوئی خاص ضرر ہو وہ ظلم ہے اور حرام ہے مختصر یہ کہ جو چیز اوروں کی طرف اپنے حق میں پسند نہ ہو اسے کسی کے حق میں بھی پسند نہ کرے۔

ع ہرچہ بر خود نہ پسندی بر دیگراں مپسند

جو شخص جس چیز کو اپنے لیے پسند نہیں کرتا اگر اسے دوسرے کے حق میں صحیح سمجھتا ہے تو اس کا ایمان ناقص ہے اس کی تفصیل چار چیزوں سے معلوم ہو گی۔

ایک تو یہ کہ مال کی تعریف حد سے زیادہ نہ کرے کہ اس میں جھوٹ' دغا اور ظلم کا خطرہ ہے بلکہ جب خریدار بتائے بغیر جانتا ہو تو سچی تعریف کی بھی ضرورت نہیں' بے فائدہ ہے ارشاد فرمایا:

﴿ مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ ﴾ (ق)

یعنی آدمی جو بات کہتا ہے اس کے متعلق اس سے سوال ہو گا کہ کیوں کہی تھی اگر بے ہودہ بات کہی ہو گی تو اس کا کوئی عذر مسموع نہ ہو گا اور جھوٹی قسم تو وہ گناہِ کبیرہ ہے اور سچی قسم بھی ادنیٰ کاموں کے لیے پسندیدہ نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نام کی بے ادبی ہے۔

حدیث میں ہے کہ تاجر برادری پر افسوس ہے کیونکہ وہ بات بات میں کہتے ہیں ہاں واللہ اور نہیں واللہ اور پیشہ وروں پر افسوس ہے کہ وہ معاملہ کل پرسوں پر ٹالتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ جو شخص قسم کھا کر اپنا مال بیچے گا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظرِ التفات نہیں فرمائیں گے۔

یونس بن عبیداللہ ریشم کی تجارت کرتے تھے لیکن تعریف بالکل نہ کرتے ایک دن جو ریشم نکالنے لگے تو شاگرد نے کہہ دیا مولا مجھے جنت کے کپڑے عنایت فرما۔ یونس نے پھر ریشم نکالنا ترک کر دیا اور جس سے ریشم نکالتے تھے اسے پھینک دیا اور اس کی تجارت پھر نہ کی انھیں یہ ڈر معلوم ہوا کہ یہ اپنے مال کی تعریف ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مال میں کوئی عیب ہو تو اسے چھپائے نہیں اور ساری حقیقت کہہ دے اگر چھپائے گا تو عند اللہ دغا باز ہو گا اور نصیحت و خیر خواہی سے الگ ہو کر ظالم اور گنہگار شمار ہو گا۔ اگر کوئی شخص اوپر کی تہہ دکھاتا ہے یا اندھیرے میں مال دکھاتا ہے یا جوتوں موزوں میں سے چھانٹ کر ستھری چیز دکھاتا ہے اور سارا مال ایسا نہیں تو دغا باز اور ظالم متصور ہو گا۔

ایک دن نبی کریم علیہ السلام کا گزر ایک غلّہ فروخت کرنے والے کے پاس سے ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ڈھیر میں جو ہاتھ ڈالا تو اندر نمی محسوس ہوئی۔ اس سے جو پوچھا تو اس نے عرض کی کہ یہ مال بھیگ گیا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے نکالا کیوں نہیں؟ اور فرمایا:

((مَنْ غَشَّنَا فَلَیْسَ مِنَّا))

"جو دغابازی کرے گا وہ ہم میں سے نہیں"

ایک شخص نے ایک اونٹ تین سو درم میں بیچا اس کے پاؤں میں کچھ عیب تھا۔ واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ وہاں کھڑے تھے

تو انھیں خیال نہ رہا اور جب خیال آیا تو خریدار کے پیچھے دوڑے اور اسے بتلایا کہ اس کے پاؤں میں عیب ہے وہ آیا اور اس نے تین سو درم لوٹا لیے۔ تاجر نے ان سے کہا کہ تم نے معاملہ خراب کیوں کیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم علیہ السلام سے سنا کہ کسی چیز کو بیچنا اور اس کا عیب چھپانا درست نہیں اور دوسرے کے لیے بھی جائز نہیں کہ وہ دیکھے اور اگلے کو مطلع نہ کرے۔ اور فرمایا کہ جناب رسول اللہ ﷺ اس بات پر ہم سے بیعت لیتے کہ ہم مسلمانوں کو نصیحت کریں کہ ان پر شفقت کی نگاہ رکھے اور عیب چھپانا نصیحت و خیر خواہی نہیں بد خواہی ہے۔

اے عزیز! ایسا معاملہ کرنا دشوار ہے اور بڑی محنت کا کام ہے۔ دو چیزیں ایسی ہیں جن کے ذریعہ سے آسانی ہو گی ایک تو یہ کہ عیب والا مال نہ خریدے اگر لے چکا ہے تو اس کا عیب ظاہر کرنے کا ارادہ رکھے اگر کسی نے اس سے زیادتی کی ہو تو یہ خیال کرے کہ یہ نقصان مجھ تک ہی رہے دوسرا اس سے متاثر نہ ہو۔ جب خود دغاباز پر لعنت کرتا ہے تو اپنے آپ کو دوسروں کی لعنت کا مستحق نہ بنائے۔

اصل بات یہ ہے کہ یہ محسوس کرے کہ دغابازی سے روزی بڑھتی نہیں۔ بلکہ مال میں جو برکت ہے وہ اُٹھ جاتی ہے۔ عیاری کے ذریعہ رفتہ رفتہ جو کچھ ہاتھ آتا ہے وہ دفعتاً کسی ایک ہی واقعہ سے ضائع ہو جاتا ہے اور تاریکی کے بغیر کچھ باقی نہیں رہتا۔ ایسے شخص کا حال اس جیسا ہو جاتا ہے جو دودھ میں پانی ملاتا تھا اچانک سیلاب آیا اور گائے کو بہا کر لے گیا۔ اُس کے لڑکے نے کہا کہ دودھ میں جو تھوڑا تھوڑا پانی ملاتے تھے وہ سب اکٹھا ہوا اور گائے کو بہا کر لے گیا۔ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ جس معاملہ میں خیانت راہ پالیتی ہے اس کی برکت رخصت ہو جاتی ہے۔ برکت کا معنی یہ ہے کہ کسی کے پاس مال تو تھوڑا ہے لیکن بہرہ مندی بہت ہے اور بہت سے لوگ اس سے راحت حاصل کرتے ہوں اور خیر و بھلائی کے کام عام طور پر اس شخص سے ہوتے ہوں۔ جبکہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے پاس مال تو بہت ہوتا ہے لیکن وہ مال دُنیا اور عقبیٰ میں اس کی تباہی کا باعث ہوتا ہے۔ اور وہ مال اس کے لیے بہرہ مندی کا قطعاً ذریعہ نہیں ہوتا تو گویا اصل میں برکت طلب کرنی چاہیے اور زیادتی و برکت کا دارومدار امانت داری پر ہے جو شخص امانت دار مشہور ہوتا ہے ہر شخص اس کے ساتھ معاملہ کرنے کی خواہش رکھتا ہے اس سے اسے فائدہ ہوتا ہے اور جس شخص کی شہرت خائن کی ہو گئی اس سے سب بھاگتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ بات اچھی طرح سمجھ لے کہ میری عُمر بہت زیادہ ہوئی تو سو برس کی ہو گی جبکہ آخرت کا معاملہ لامتناہی ہے تو پھر یہ کیونکر جائز ہے کہ چند روزہ دُنیا میں سونے چاندی کی خاطر اپنی ابدی زندگی تباہ کی جائے۔ انسان کو ہمیشہ ان باتوں کا خیال کرنا چاہیے تاکہ وہ عیاری اور دغابازی سے محفوظ رہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے غصہ سے مخلوق کے لیے پناہ لا إِلٰہ إِلا اللہ کا کلمہ ہے لیکن جب انسان دُنیا کو دین پر ترجیح دیتا ہے تو اللہ فرماتے ہیں کہ تم جھوٹے ہو' جس طرح تجارت میں دغابازی نہ کرنا ضروری اور فرض ہے۔ اسی طرح سب پیشوں میں فرض ہے اور کھوٹا کام کرنا حرام ہے اِلا یہ کہ پوشیدہ نہ رکھے حضرت الامام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے رفو کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ کام پسندیدہ نہیں ہاں جو شخص اپنے پہننے کے لیے ایسا کرے تو ٹھیک ہے جو شخص رفو کا کام دھوکہ دہی کے لیے کرے گا وہ گنہگار ہو گا اور اس کی مزدوری حرام ہو گی۔ تیسری بات یہ ہے کہ ناپ تول میں دغابازی نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ

فرماتے ہیں ﴿ وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ﴾ یعنی وہ لوگ ہلاکت کا شکار ہو جاتے ہیں جو دیتے ہوئے کم اور لیتے ہوئے زیادہ تولتے ہیں۔ اسلاف کی عادت یہ تھی کہ جب لیتے تو آدھا حبہ کم لیتے اور جب دیتے تو آدھا حبہ زیادہ دیتے اور کہتے کہ یہ آدھا حبہ ہم میں اور دوزخ میں آڑ ہے انھیں ڈر ہوتا کہ پورا نہیں تل سکے گا۔

وہ شخص احمق ہے جو جنت کو جس کی وسعت زمین و آسمان کے برابر ہے۔ نصف حبہ پر بیچ ڈالے اور وہ شخص بھی احمق ہے جو آدھے حبہ پر طوبٰی کو ویل سے یعنی بھلائی کو برائی سے بدل ڈالے۔ جناب رسول اللہ ﷺ جب کوئی چیز خریدتے تو فرماتے کہ قیمت کے موافق تولو اور جھکتا ہوا تولو۔

حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو دیکھا کہ کسی کو دینے کی غرض سے دینار تول رہا ہے تو نقش میں جو میل ہے اسے صاف کرتا جاتا ہے تو فرمایا کہ تیرا یہ کام دو حج اور دو عمروں سے بہتر ہے۔ اسلاف کا کہنا تھا کہ جس شخص کے دو ترازو ہوں کہ ایک سے تو تول کر دے اور دوسرے سے تلوا کر لے تو یہ تمام فاسقوں سے بدتر ہے۔ اسی طرح جو شخص کپڑا مول لیتے وقت تو ڈھیلا ناپے اور دیتے وقت کھینچ کر ناپے تو وہ بھی اسی طبقہ میں داخل ہے جو قصاب ایسی ہڈی گوشت کے ساتھ تول کر دے جس کا رواج نہ ہو وہ بھی ایسا ہی ہے اور جو غلہ بیچے اور اس میں عادت سے زائد گرد اور خاک ہو تو وہ بھی فاسق ہے اور یہ سب باتیں حرام ہیں اور تمام مسلمانوں میں مخلوق کے ساتھ انصاف کرنا واجب ہے کیونکہ کسی کو ایسی بات کہنا جیسی خود سننے کے لیے تیار نہ ہو تو ایسا شخص گویا لینے دینے میں فرق کرتا ہے اس گناہ سے آدمی تب بچ سکتا ہے جب کسی معاملہ میں کسی بات پر اپنے آپ کو دینی بھائی پر فوقیت نہ دے یہ بات بہت مشکل اور سخت ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان:

﴿ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴾ (مریم)

یعنی "کوئی ایسا شخص نہیں جسے دوزخ پر سے گزرنا نہ پڑے البتہ جو پرہیزگار اور صاحب تقویٰ ہوں گے وہ رہائی پا لیں گے"۔

چوتھی بات یہ ہے کہ جنس کے بھاؤ میں گڑبڑ نہ کرے اور صحیح بھاؤ بتلائے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ بات صحیح نہیں کہ کوئی آدمی قافلہ سے الگ ہو کر شہر میں جلدی سے جائے اور شہر کا رُخ بتائے تاکہ خود سستا مال خریدے۔ اگر ایسا ہو تو مال والوں کو حق ہے کہ بیع فسخ کرا لیں۔ آپ ﷺ نے اس بات سے بھی روکا کہ کوئی مسافر شہر میں مال لائے اور سستا بیچے اور کوئی شخص اس سے کہے کہ مال میرے پاس چھوڑ جاؤ کچھ دن بعد گراں قیمت پر بک جائے گا۔ نیز آپ ﷺ نے اس بات سے روکا کہ کوئی شخص کسی سے کسی چیز کی قیمت اس لیے گراں طے کرے کہ کوئی اور آدمی انھیں سچا جان کر زیادہ قیمت دے کر مول لے جائے۔ اگر کسی نے صاحب مال سے یہ معاملہ کیا تاکہ دوسرا فریب میں آ جائے تو راز کھل جانے پر سودا فسخ کرنے کا حق ہو گا۔

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ بازار میں مال رکھتے ہیں جو لوگ واقع میں لینے والے نہیں ہوتے وہ بھاؤ خواہی نخواہی بڑھا دیتے ہیں حالانکہ یہ بات حرام ہے۔ اسی طرح جو سادہ لوح آدمی مال کی حقیقی قیمت سے واقف نہیں اور سستا سودا بیچ رہا ہے اس سے مال لینا درست نہیں۔ اسی طرح جو سادہ منش آدمی بھاؤ سے ناواقف ہونے کے سبب مہنگی چیز خریدتا ہے اس کے ہاتھ سودا بیچنا درست نہیں گو کہ ظاہری فتویٰ اس کی صحت پر دیا جائے گا لیکن چونکہ حقیقت اس سے

پوشیدہ ہے اس لیے گنہگار ہو گا۔ بصرہ میں ایک تاجرہ تھا سوس سے اس کے غلام نے لکھا کہ امسال گنا آفت کا شکار ہو گیا ہے دوسرے لوگوں کو خبر نہ ہونے پائے اور تم شکر کا سٹاک کر لو اس نے بہت سی شکر خرید لی اور وقت پر مہنگے داموں بیچ کر ۳۰ ہزار درہم کا منافع کمایا بعد میں دل میں خیال آیا کہ ایک مسلمان سے میں نے دغا کیا اور گنے کی فصل پر آفت کی بات میں نے اس سے چھپائی ایسا کام درست نہیں۔ ساری رقم جو منافع کی تھی وہ لے کر اس کے پاس گیا اور کہا کہ یہ تیرا مال ہے اس نے پوچھا وہ کیسے؟ اس نے سارا قصہ سنا دیا۔ اس نے کہا میں نے سارا مال تیری نذر کر دیا واپسی پر رات کو گھر میں خیال آیا کہ ممکن ہے کہ اس نے لحاظ داری میں ایسا کہہ دیا ہو تو اس سے دغا بازی کر ہی چکا ہوں۔ اس خیال سے دوسرے دن پھر رقم لے کر گیا اور بالاصرار اسے دینا چاہی تب اُس نے مجبور ہو کر لے لی۔

اے عزیز جاننا چاہیے کہ جو شخص اصلی قیمت بتلاتا ہے اسے سچ کہنا ضروری ہے دغا نہ کرے اور مال میں کچھ نقصان ہو تو بتا دے اور اگر مال مہنگے داموں لیا ہے اور اب معاملہ یوں ہے کہ بیچنے والا اس کا دوست یا عزیز تھا تو بھی کہہ دے اور اگر کوئی چیز دس دینار کی کہہ کر مال کے عوض دے اور حقیقت میں وہ اتنے میں نہ بکتی ہو تو مول لے کر دس دینار مال کی قیمت نہ کہنا چاہیے اور اگر پہلے تو سستا خریدا پھر بھاؤ چڑھ گیا تو قیمت واضح طور پر بتلا دینی چاہیے۔ اس کی تفصیل طویل ہے دکاندار ایسے معاملات میں عام طور پر خیانت کرتے ہیں لیکن اسے خیانت جانتے نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ آدمی جس دغا اور فریب کو اپنے حق میں صحیح خیال نہیں کرتا وہ معاملہ دوسروں کے ساتھ بھی نہ کرے اور اس بات کو کسوٹی بنا لے کیونکہ جو شخص اصلی قیمت کے اعتماد پر چیز خریدتا ہے تو اس کا خیال یہ ہوتا ہے کہ میں نے خوب جانچ پرکھ کر لی اور واجبی دام لے لیے۔ اگر اس معاملہ میں دغا بازی ہو گی تو خریدار راضی نہ ہو گا اور یہی دغا بازی کی بنیاد ہے۔

معاملات میں احسان اور بھلائی کرنا

جس طرح اللہ تعالیٰ نے عدل کا حکم دیا ہے اسی طرح اُس نے احسان کا حکم دیا ہے:

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ ﴾ (النحل)

اور جو کچھ ذکر ہوا وہ از قبیل عدل تھا تاکہ آدمی ظلم سے بچے اب احسان کا بیان ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ (الاعراف)

جس نے محض عدل سے کام لیا اُس نے دینی سرمایہ تو محفوظ رکھا لیکن فائدہ احسان میں ہے اور عقلمند وہی ہے جو آخرت کا فائدہ ترک نہ کرے۔ اور احسان وہ بھلائی ہے جس سے معاملہ کرنے والے کو فائدہ ہو یہ تم پر واجب نہیں۔ درجہ احسان چھ وجھوں سے حاصل ہوتا ہے۔

ایک تو یہ کہ اگرچہ خریدار کسی اپنی ضرورت اور حاجت کے سبب راضی بھی ہو تو بھی نفع لینا روا نہ رکھے۔ حضرت سری سقطی قدس سرہ دکان کرتے تھے اور پانچ روپیہ فی سینکڑہ سے زیادہ نفع نہ لیتے ایک بار ساٹھ دینار کے بادام مول لیے

پھر وہ گراں ہو گئے۔ ایک دلال نے ان سے بادام مانگے تو فرمایا کہ ۶۳ دینار میں بیچنا۔ دلال نے کہا کہ آج ان کی قیمت نوے دینار ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے قصد کر رکھا ہے کہ پانچ فیصد سے زیادہ منافع نہیں لوں گا اور اس قصد کو توڑنا مجھے پسند نہیں۔ دلال نے کہا کہ میں تمھارے مال کو بھاؤ سے کم قیمت پر بیچنا پسند نہیں کرتا۔ غرضیکہ نہ اُس نے بیچا اور نہ آپ زیادہ قیمت لینے پر راضی ہوئے۔ احسان اسی کا نام ہے۔ محمد بن المنکدر رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ تھے۔ دکانداری فرماتے ان کے پاس کپڑے کے کئی تھان تھے کسی کی قیمت دس دینار کسی کی پانچ دینار! ان کی عدم موجودگی میں ان کے شاگرد نے پانچ دینار والا تھان دس دینار میں ایک بدوی کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ یہ تشریف لائے اور اس سودے کا عِلم ہوا تو تمام دن اس بدوی کو تلاش کرتے رہے وہ ملا تو اسے کہا کہ وہ تھان تو پانچ دینار سے زیادہ کا نہیں۔ بدوی نے کہا کہ میں نے خوشی سے لیا ہے لیکن انھوں نے کہا کہ جو بات اپنے لیے پسند نہیں کرتا اسے کسی دوسرے مسلمان کے لیے بھی پسند نہیں کرتا اب یا تو سودا فسخ کرلو یا پانچ دینار واپس لے لو یا میرے ساتھ آؤ کہ اس سے بہتر تھان تمھیں دے دوں۔ بدوی نے پانچ دینار واپس لے لیے اور کسی سے معلوم کیا کہ یہ کون ہیں؟ تو اسے بتلایا گیا کہ یہ محمد بن المنکدر ہیں۔ تب اَعرابی نے کہا کہ سبحان اللہ یہ ایسے مرد ہیں کہ جب بارش نہ ہو اور ہم لوگ طلب باراں کے لیے میدان میں جمع ہو کر ان کا نام لیں تو بارش برسنا شروع ہو جائے۔ اسلاف کی عادت یہی ہے کہ کاروبار بہت کرتے اور نفع کم لیتے اور اس کو وہ اس سے زیادہ بہتر سمجھتے کہ نفع زیادہ لیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفہ کے بازار میں گشت فرماتے اور لوگوں سے کہتے کہ تھوڑے نفع کو رد نہ کرو کہ بہت نفع سے محروم ہو جاؤ گے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے تونگری کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ میں نے تھوڑے نفع کو کبھی رد نہیں کیا۔ اگر کسی نے مجھ سے ایک جانور مانگا اسے بھی دے دیا۔ ایک دن ہزار اونٹ اصلی قیمت پر دے دیئے اور سوائے ان کی ہزار رسی کے اور کوئی نفع نہیں کمایا ایک ایک رسی ایک ایک درم میں بکی اور اونٹوں کے اس دن کے چارہ کی قیمت ہزار درہم میرے ذمہ سے ساقط ہو گئی یوں مجھے دو ہزار درہم کا منافع مل گیا۔

دوسرا یہ کہ محتاج لوگوں کا مال مہنگے داموں لے تاکہ وہ خوش ہوں جیسے بیوہ عورتوں کا سوت اور بچوں اور فقراء کے ہاتھوں سے آیا ہوا میوہ۔ اس لیے کہ یہ تجاہل عارفانہ اور بالارادہ دام بڑھانا صدقہ سے بہتر ہے جو ایسا کرے گا وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کا مستحق ہو گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

((رَحِمَ اللّٰهُ اِمْرَاءً سَهَّلَ الْبَيْعَ وَ سَهَّلَ الشِّرٰى))

"اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو خرید و فروخت کو آسان کر دیتا ہے"۔

لیکن امیر اور صاحب ثروت سے مہنگے داموں مال لینا نہ ثواب ہے نہ موجب تشکر بلکہ دام ضائع کرنے کے مترادف ہے اس لیے اس سے تکرار و اصرار کر کے سستا مول لینا اولیٰ ہے۔ حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی کوشش ہوتی کہ جو کچھ خریدیں ارزاں خریدیں اور جانچ پرکھ بہت کرتے۔ ایک دن لوگوں نے کہا کہ آپ روزانہ ہزاروں درہم خیرات کر دیتے ہیں اور قلیل مقدار کی خریداری پر اتنی تکرار فرماتے ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم جو دیتے ہیں اس کی راہ میں جتنا دیں کم ہے اور تجارت میں دھوکہ کھانا عقل اور مال کا ضیاع ہے۔

تیسرے یہ کہ قیمت لینے میں تین طرح کا احسان ہوتا ہے ایک تو کچھ کم کرنے میں دوسرے ریزگاری اور کھوٹا سکہ لینے میں تیسرے مہلت دینے میں۔ جناب نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس شخص پر اللہ کی رحمت ہو جو داد و ستد میں آسانی کرے اور فرمایا جو آسانی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے کاموں کو آسان فرما دیتے ہیں اور محتاج کو مہلت دینے سے بڑھ کر کوئی آسان کام نہیں اگر وہ نادار ہے تو اسے مہلت دینا واجب ہے احسان نہیں بلکہ منجملہ عدل ہے اور اگر محتاج نادار نہ ہو تو جب تک کوئی چیز نقصان سے نہ بیچے یا جس چیز کی اسے ضرورت ہے اسے فروخت نہ کرے تب تک قیمت ادا نہیں کر سکتا تو اس قسم کے آدمی کو مہلت دینا احسان ہے اور بہت بڑی خیرات ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک شخص کو میدانِ حشر میں لائیں گے اُس نے دین کے مقدمہ میں اپنے اوپر ظلم کیا ہو گا اور اس کے نامۂ اعمال میں کوئی نیکی نہ ہو گی اس سے کہا جائے گا کہ تو نے کوئی نیکی کی ہی نہیں وہ تسلیم کرے گا لیکن عرض کرے گا کہ میں نے اپنے نوکروں اور کارندوں سے کہہ رکھا تھا کہ جو میرا قرض دار تنگ دست ہو اسے مہلت دینا اور تنگ نہ کرنا۔ پس اللہ کی رحمت جوش میں آئے گی اور ارشاد ہو گا کہ آج تو تنگ دست اور بے نوا ہے میرے لیے زیبا یہی ہے کہ میں تیرے ساتھ آسانی کروں چنانچہ اسے بخش دیا جائے گا۔

حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی کو ایک مدت کے لیے قرض دیتا ہے تو جو دن گزرتا ہے ہر دن اسے صدقہ کا ثواب ملتا ہے اور جب مدت گزر جاتی ہے تو اس کے بعد جو مہلت دیتا ہے تو ہر دن اتنا ثواب ملتا ہے گویا تمام قرض صدقہ کر دیا۔ گزشتہ دَور میں کچھ اہل اللہ تھے جو یہ نہیں چاہتے تھے کہ قرض دار قرض ادا کریں کیونکہ ہر روز ان کے واسطے اس کے بدلے تمام قرض صدقہ لکھا جاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے جنت کے دروازے پر یہ بات لکھی ہوئی دیکھی کہ صدقہ کا ہر درم دس درم کے برابر ہے اور قرض کا ہر درم اٹھارہ درم کے برابر ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ قرض وہی شخص لیتا ہے جو ضرورت مند ہو اور صدقہ تو ممکن ہے محتاج کے ہاتھ میں نہ آئے۔

چوتھا یہ کہ قرض ادا کرنا اس میں احسان کا پہلو یہ ہے کہ دوسرے کو تقاضے کی ضرورت محسوس نہ ہو جلدی ادائیگی کا خیال کرے اور کھرا سکہ دے اور اپنے ہاتھ سے ادائیگی کرے اسے اپنے گھر نہ بلائے۔ حدیث میں ہے کہ تم میں سے بہتر شخص وہ ہے جو قرض اچھی طرح ادا کرے اسی طرح حدیث میں ہے کہ جو شخص قرض لے کر یہ نیت رکھتا ہے کہ اچھی طرح ادا کروں گا۔ تو اللہ تعالیٰ چند فرشتے مقرر فرما دیتے ہیں وہ اس کی حفاظت کرتے ہیں اور اس کے قرض کی ادائیگی کی دُعا کرتے ہیں اور قرض دار اگر قرض ادا کر سکتا ہو تو قرض خواہ کی مرضی کے بغیر دیر کرنا درست نہیں۔ ایک ساعت دیر کرنے سے ظالم و گنہگار ہو جائے گا خواہ وہ نماز روزہ میں مشغول ہو یا نیند میں خدا کی لعنت تلے رہے گا اور یہ ایسا گناہ ہے جو سوتے میں بھی چمٹا رہتا ہے اور قدرت میں نقد روپیہ ہونا شرط نہیں بلکہ اگر اپنی کوئی چیز بیچ کر ادا کر سکتا ہو تو کرے تو بھی گناہ گار ہو گا اور اگر بڑا روپیہ پیسہ قرض کے عوض میں دے کہ قرض خواہ کو اس سے کراہت ہو تو بھی گنہگار ہو گا۔ جب تک اسے راضی نہیں کرے گا ظلمت و تاریکی سے محفوظ نہیں ہو گا یہ چیز گناہِ کبیرہ میں شامل ہے لیکن لوگ اپنی کم علمی کی وجہ سے اسے آسان سمجھتے ہیں۔

پانچویں بات یہ ہے کہ جس کسی سے معاملہ کرے اگر وہ معاملت کے بعد پشیمان ہو تو اس سے معاملہ فسخ کر لے کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص کسی بیع کو فسخ کر کے یہ سوچ کہ میں نے کی ہی نہ تھی تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کے متعلق یوں سوچتے ہیں گویا اُس نے کیے ہی نہ تھے۔ یہ چیز واجب تو نہیں لیکن منجملہ احسان کے ہے اور ثواب کا باعث ہے۔

چھٹی بات یہ ہے کہ گو کہ چیز تھوڑی ہو لیکن محتاجوں کے ہاتھ اس نیت سے بیچے کہ اس سے قیمت کا تقاضا نہیں کروں گا اور اگر وہ مر گیا تو بخش دوں گا۔ گزشتہ دَور میں ایسے لوگ تھے جو اپنے پاس دو فہرستیں رکھتے ایک میں مجہول نام ہوتے کیونکہ اس سے مراد فقراء تھے اور بعض تو ایسے تھے کہ فقراء کے نام بھی نہ لکھتے۔ تاکہ اگر مر جائیں تو فقراء سے کوئی مطالبہ نہ کرے ان کا شمار بہتر لوگوں میں نہ تھا بہتر وہ شمار ہوتے تھے جو یادداشت میں فقراء کا نام ہی نہ رکھتے اگر کسی وقت فقراء نے کوئی چیز لوٹا دی تو لے لی ورنہ کوئی طمع نہ رکھتے۔ دیندار لوگ معاملات میں ایسے ہوتے تھے اور دینداری کا اصل درجہ دُنیوی معاملات میں بھی معلوم ہوتا ہے جس نے دین کی خاطر ایک مشتبہ درم پر لات ماری وہ دیندار ہے۔

پانچواں باب

دُنیا کے معاملہ میں دین پر شفقت کا بیان

وہ شخص جسے دُنیا کی تجارت دینی تجارت سے غافل کر دے وہ بدبخت ہے اس شخص کا کیا حال ہو گا جو سونے کے کوزہ کو مٹی کے کوزہ سے بدل لے۔ دُنیا کی مثال مٹی کے کوزے جیسی ہے کہ وہ بُرا بھی ہوتا ہے اور جلدی ٹوٹ بھی جاتا ہے اور آخرت کی مثال سونے کے کوزوں کی ہے کہ وہ اچھا ہونے کے ساتھ دیر تک رہتا ہے بلکہ کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ دُنیا کی تجارت زادِ آخرت ہونے کے قابل نہیں بلکہ دوزخ کی راہ سے بچنے کی غرض سے انسان کو خوب کوشش کرنی چاہیے۔ آدمی کا دین اور آخرت ہی اس کا اصل سرمایہ ہے ان سے غافل نہ ہونا چاہیے۔ دین پر شفقت نہ کرے اور بالکلیہ تجارت و زراعت میں جت جائے مناسب نہیں۔ اس کے لیے سات احتیاطیں لازم ہیں۔

پہلی تو یہ کہ روزانہ صُبح کے وقت نیک مقاصد دِل میں تازہ کر لیا کرے۔ مثلاً یہ نیت کرے کہ بازار جانے کا مقصد یہ ہو گا کہ اپنے لیے اور اہل و عیال کے لیے حلال مال کما لاؤں گا تاکہ مخلوق کی احتیاج نہ ہو اور کسی سے طمع نہ رہے اور اس قدر قوت و فراغت نصیب ہو جائے کہ اللہ کی عبادت کر سکوں اور آخرت کی راہ چل سکوں اور یہ نیت کرے کہ آج اللہ کے بندوں سے شفقت و بھلائی اور امانت داری کا معاملہ کروں گا۔ اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی نیت کرے اگر کوئی گناہ کرے تو اس سے باز پرس کرے اور اس پر راضی نہ ہو ایسے مقاصد کی تازگی اور اس قسم کی نیتیں آخرت کے کاموں میں داخل ہوں گی دین کا دم نقد نفع کا باعث بنے گا۔

دوسری بات یہ کہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ لے کہ جب تک کم از کم ہزار آدمیوں میں سے ہر ایک اس کے ایک ایک کام میں مشغول نہ ہو گا اس کی زندگی محال ہے مثلاً نانبائی، کسان، جولاہا، لوہار اور دوسرے پیشہ ور۔ یہ سب اس کا کام کرتے ہیں اور اسے ان سب کی حاجت ہے ایسا نہ ہونا چاہیے کہ سب تو اس کا کام کریں۔ ہر ایک سے اس کا نفع وابستہ

ہو اور اس سے کسی کو فائدہ نہ ہو۔ تمام لوگ اس دُنیا میں مسافروں کی مانند ہیں اور مسافروں کا فرض ہے کہ ایک دوسرے کی مدد کریں اور ان کی یہ نیت ہو کہ میرا بازار جانا اس لیے ہے کہ جس طرح دوسرے مسلمان میرا کام کرتے ہیں۔ میں بھی ایسا ہی کام کروں جس سے مسلمانوں کو راحت نصیب ہو کیونکہ جتنے پیشے ہیں یہ سب فرض کفایہ کے درجہ میں ہیں۔ انسان کی یہ نیت ہو کہ ان فرائض میں سے کوئی تو میں بھی بجالاؤں۔ اس نیت کی درستگی کی علامت یہ ہے کہ کوئی ایسا کام کرے جس کی اللہ کے بندوں کو ضرورت ہو۔ اس واسطے کہ اگر کام نہ ہو گا تو لوگوں کے کام میں خلل پڑے گا اور کام زرگری' نقاش یا گچکاری جیسا نہ ہو کیونکہ ان کاموں میں تو محض دُنیائی آرائش ہے ان کی ضرورت نہیں بلکہ اگرچہ یہ کام مباح ہیں لیکن ان کا نہ کرنا بہتر ہے اور مردوں کے لیے اطلس کا لباس سینا' سونے کے زیورات بنانا خود حرام ہیں اور جو پیشے اسلاف مکروہ جانتے تھے مذکورہ کام ان میں ہیں۔ اناج اور کفن بیچنا' قصاب کا کام کرنا اور صرافی کہ اس میں سودی معاملات سے اپنے کو بچانا مشکل ہے اور جراحی کہ اس میں یہ گمان ہوتا ہے کہ شاید فائدہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ نہ ہو اور خاکروبی اور جانوروں کی کھال صاف کرنا کہ ان میں کپڑوں کا پاک رکھنا مشکل ہے نیز پست ہمتی کی دلیل ہے اور یہی حکم ہے سائیسی اور ساربانی کا نیز دلالی بھی اسی قسم کا پیشہ ہے کہ اس میں فضول گوئی سے بچنا مشکل ہے اور حدیث میں بزازی کو بہترین تجارت فرمایا گیا ہے اور چھاگل اور مشک وغیرہ بنانے کو بہترین پیشہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ اگر جنت میں تجارت ہوتی تو بزازی کی ہوتی اور دوزخ میں ہوتی تو صرافی کی ہوتی۔ چار پیشے ایسے ہیں جنھیں لوگ حقیر سمجھتے ہیں جولاہا کا پیشہ' روئی بیچنا' سوت کاتنا اور معلمی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ان پیشہ وروں کا اکثر عورتوں اور لڑکوں سے معاملہ رہتا ہے اور کم عقلوں سے جو ملا جلا رہے گا وہ بھی کم عقل ہو جائے گا۔

تیسری احتیاط یہ کہ دُنیا کا بازار آخرت کے بازار سے اسے غافل نہ کردے۔ آخرت کا بازار مساجد ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ﴾ (نور)

اس صورت میں انسان کا جو نقصان ہے وہ واضح ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے تاجروں دن کے اوّل حصّہ میں دینی اور اخروی کام کرو اور آخر حصّہ میں تجارت! اسلاف کی عادت تھی کہ صبح و شام آخرت کے کاموں میں مشغول ہوتے۔ مثلاً مسجد میں ذکر الٰہی اوراد میں مشغولیت' علمی مجالس میں شرکت۔ اس وقت لڑکے اور ذمی لوگ ہریسہ اور سری پائے بیچتے۔

حدیث میں ہے کہ جب فرشتے اعمال نامے لے جاتے ہیں تو اگر آدمی نے دن کے اوّل و آخر حصّہ میں نیکی کی ہے تو وہ برائیاں معاف کردی جاتی ہیں جو درمیان میں کی گئی ہیں اور حدیث میں ہے کہ دن رات کے فرشتے صبح شام کو جمع ہو کر جاتے ہیں اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتے ہیں کہ تم نے میرے بندے کو کس حال میں چھوڑا؟ اگر یہ عرض کرتے ہیں کہ ہم نے نماز کی حالت میں چھوڑا اور جب ہم پہنچے تب بھی وہ نماز پڑھ رہا تھا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم گواہ رہنا کہ میں نے اسے بخش دیا۔

انسان کو چاہیے کہ جب اذان سنے تو پھر توقف نہ کرے جس کام میں مشغول ہو اسے چھوڑ کر مسجد میں جائے اس

آیت کریمہ ﴿ لَا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ ﴾ الایۃ کی تفسیر میں آیا ہے کہ وہ ایسے لوگ تھے کہ ان میں جو لوہار تھا اگر وہ ہتھوڑی اُٹھاتا تو پھر اذان کی آواز سن کر اسے نیچے نہ لاتا یعنی لوہے پر نہ مارتا۔ چمڑا سینے والا اذان کی آواز سن کر اپنا اوزار باہر نہ نکالتا اسی طرح چھوڑ چھاڑ کر نماز کے لیے چل دیتا۔

چوتھی احتیاط یہ ہے کہ بازار میں ذکر' تسبیح اور یادِ الٰہی سے غافل نہ رہے اور حتی الامکان دِل اور زُبان کو غافل نہ رکھے اور یہ خیال کرے کہ اس کے سبب جو فائدہ فوت ہو گا سارا جہان اس کے مقابلہ میں ہیچ ہے اور غافلوں کے درمیان ذکر کرنے والا ایسا ہے جیسے خشک درختوں میں ہرا درخت اور مردوں میں زندہ اور بھگوڑوں میں غازی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص بازار جائے اور یہ کلمات کہے :

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ وَهُوَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ بِيَدِهِ الْخَيْرُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

تو اس کے واسطے دو بار ہزار ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

حضرت جنید بغدادی قدس سرہ نے فرمایا کہ بازار میں بعض لوگ ایسے ہیں کہ اگر صوفیا کے کان پکڑیں اور ان کی جگہ بیٹھیں تو اس قابل ہیں اور فرمایا کہ میں ایک شخص کو جانتا ہوں کہ ہر روز بازار میں تین سو رکعت اور تیس ہزار تسبیح اس کا ورد ہے۔ علماء نے کہا کہ اس سے مراد خود ان کی اپنی ذات ہے۔

الحاصل جو شخص بازار میں محض قوت کی خاطر جائے تاکہ دینی امور فراغت سے ادا کر سکے وہ ایسا ہی ہے کہ اصل مقصود نہیں چھوڑے گا اور جو محض دُنیا طلبی کے لیے جائے گا اس سے یہ بات نہ ہو سکے گی۔

پانچویں احتیاط یہ ہے کہ بازار میں زیادہ رہنے کی حرص نہ کرے مثلاً سب سے پہلے جائے اور سب سے آخر میں آئے مناسب نہیں۔ یا دُور دراز کے دریائی اور پرخطر سفر اختیار کرے کیونکہ یہ معاملات حرص کا سبب ہیں۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ابلیس کے ایک بیٹے کا نام زلنبور ہے وہ اپنے باپ کا نائب بن کر بازاروں میں رہتا ہے۔ ابلیس اسے سکھاتا ہے کہ تو بازاروں میں جا کر جھوٹ' مکر' حیلہ' دغا بازی اور قسم کھانے کی لوگوں کو ترغیب دے اور ایسے شخص پر مسلط رہ جو سب سے پہلے آتا اور سب کے بعد میں جاتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ سب جگہوں میں بری جگہ بازار ہے اور بازار والوں میں بھی بدتر وہ ہے جو سب سے پہلے آئے اور سب سے بعد میں جائے۔ تو دکانداروں کا فرض ہے کہ صُبح کی نماز اور مجلس عِلم سے فراغت کے بغیر بازار نہ جائیں اور جب اس دن کی قوت بقدر کفایت ہو جائے تو بازار سے پلٹ آئیں اور مسجد میں جا کر آخرت کی روزی کا وسیلہ کریں۔ اس واسطے کہ وہ عمر بہت بڑی ہے اور اس کی حاجت بہت زیادہ ہے۔ آدمی اس کے توشہ کے معاملہ میں بہت تہی دست اور مفلس ہے۔ حماد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ حضرت الامام ابو حنیفہ قدس سرہ کے استاذ مقنعہ کی تجارت کرتے جب دو حبہ نفع حاصل ہو جاتا تو گٹھڑی اُٹھا کر گھر آ جاتے۔ ابراہیم بن بشار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ آج میں مٹی کے کام کے واسطے جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تم روزی تلاش کرتے ہو اور موت تمھیں ڈھونڈتی ہے جو تمھیں تلاش کرتی ہے اس سے بچ نہ سکو گے اور جس کی تمھیں تلاش ہے وہ تم سے چھوٹے گی نہیں مگر شاید تم نے حریص کو محروم اور کاہل کو

مرزوق نہیں دیکھا اس نے کہا کہ میرے ملک میں ایک دانگ بقال ہے اور بس فرمایا تمھاری ایمانداری پر افسوس ہے کہ ایک دانگ اپنی ملکیت رکھتے ہو اور پھر کام کی فکر ہے اسلاف میں ایسے لوگ بھی تھے کہ ہفتہ بھر میں دو دن سے زیادہ بازار نہ جاتے اور بعض ہر روز جاتے لیکن ظہر کے وقت پلٹ آتے اور بعض عصر تک رہتے اور ہر شخص اس دن کی ضرورت کے مطابق روزی کما کر مسجد کو سدھارتا۔

چھٹی احتیاط یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو مشتبہ مال سے دُور رکھے۔ اور اگر حرام مال لینے کا ارادہ کرے گا تو فاسق و گنہگار ہو گا۔ جس چیز میں اشتباہ ہے تو اگر خود صاحب دِل ہے تو اس کے لیے اپنے دِل سے فتویٰ پوچھے مفتیوں سے نہیں گو کہ یہ بات نادر ہوتی ہے اور جس چیز میں دِل کو کراہت محسوس ہو اسے نہ خریدے۔ ظالموں اور ان کے متعلقین سے معاملت نہ کرے کسی ظالم کے ہاتھ مال نہ بیچے اس لیے کہ اگر وہ ظالم مرگیا تو قرض خواہ کو رنج ہو گا اور ظالم کے مرنے سے ملول اور اس کی تونگری پر خوش نہ ہونا چاہیے۔ ایسی چیز تو ظالم کے ہاتھ بالکل نہ فروخت کرے جو اس کے ظلم میں استعانت کا ذریعہ بنے ورنہ بیچنے والا بھی شریک جرم ہو گا۔ غرض کہ ہر شخص سے معاملت نہ کرے بلکہ جو اس کے قابل ہو اس سے کرے۔ علماء نے کہا ہے کہ ایک دَور ایسا تھا کہ بازار جانے والا کہتا کہ میں کس سے معاملہ کروں لوگ کہتے جس سے جی چاہے کرلے کہ سب لوگ محتاط ہیں پھر ایک دَور آیا کہ لوگ کہتے کہ سب سے کرلو مگر فلاں فلاں سے بچنا۔ پھر ایک زمانہ آیا کہ لوگ کہتے کہ سب سے بچنا مگر فلاں فلاں سے کرلینا۔ اب اس بات کا ڈر ہے کہ آئندہ ایسا دَور آئے گا کہ کوئی کسی سے معاملہ نہ کرسکے گا اور یہ ہمارے زمانہ سے پہلے لوگوں کا قول تھا۔ اب شاید ہمارے زمانہ میں ایسا ہی ہو گیا ہے کہ معاملہ کرنے میں لوگ بالکل فرق نہیں کرتے۔ اور یہ بات جو نیم عالم اور ناقص دین عقل مندوں سے سنی ہے کہ دُنیا کا تمام مال یکساں ہے اور سب حرام ہے اس سے احتیاط محال ہے اس واہیات بات پر لوگ بہت دلیر ہو گئے ہیں اور یہ بات بہت خطا کی ہے۔ چوتھی فصل جو اس کے بعد حلال و حرام کے پہچاننے میں آئے گی اس میں ان شاء اللہ اس کی تفصیل بیان ہو گی۔

ساتویں احتیاط یہ ہے کہ جس سے معاملہ کرے اس سے قول و عمل اور لینے دینے میں اپنا حساب راست اور درست رکھے اور یقین کرے کہ قیامت کے دن مجھے ہر صاحب معاملہ کے ساتھ کھڑا کر کے مجھ سے حساب لیا جائے گا اور وہاں انصاف ہو گا۔ ایک بزرگ نے کسی تاجر کو خواب میں دیکھا۔ پوچھا کہ کیا بیتی؟ اس نے کہا کہ میرے سامنے پچاس ہزار صحیفے رکھے گئے۔ میں نے عرض کیا اے اللہ یہ کس کے ہیں؟ جواب ملا کہ تو نے اتنے آدمیوں کے ساتھ کاروبار کیا ہر ایک کا الگ الگ صحیفہ ہے اس شخص نے خواب دیکھنے والے بزرگ سے کہا کہ میں نے جس شخص کے ساتھ جو معاملہ کیا وہ اوّل سے آخر تک ان میں موجود ہے۔ الغرض دھوکہ دے کر کسی کا نقصان کیا تو اگر اُس کا ایک دانہ بھی اُس کے ذمہ ہو گا تو اس پر بھی گرفت ہو گی اور جب تک اس سے معافی نہ مانگ لے گا کوئی چیز اس کے لیے مفید نہ ہو گی۔ معاملات میں اسلاف کی عادت اور شریعت کی راہ یہی تھی جو مذکور ہوئی اب اس سنت کا کسی کو پاس نہیں۔ ایسا معاملہ اور اس کا علم اس زمانہ میں لوگ بھول چکے ہیں جو شخص ان میں سے ایک سنت بھی زندہ کرے گا وہ اجر عظیم کا مستحق ہو گا۔ اس لیے کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ایک دَور ایسا آئے گا کہ آج تم جو احتیاط کرتے ہو اس کا دسواں حصہ احتیاط کرنے

والے کو بھی وہ کافی ہو گی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے وجہ معلوم کرنا چاہی تو فرمایا کہ تم لوگ نیک کاموں کو مددگار رکھتے ہو اس لیے وہ کام تم پر آسان ہیں اور وہ لوگ ایسے مددگاروں سے محروم ہوں گے اور غافلوں میں غریب کی سی زندگی گزاریں گے۔ اس لیے یہ بات فرمائی گئی تاکہ جو سنے وہ نااُمید نہ ہو۔ اور یہ نہ کہے کہ صاحب اتنی احتیاطیں کون کر سکتا ہے؟ اس زمانہ میں جس قدر ہو وہی کافی ہے جو شخص یہ یقین رکھتا ہو کہ آخرت دُنیا سے بہتر ہے تو وہ ہر قسم کی احتیاط کر سکتا ہے اس لیے کہ تمام احتیاطوں کا اگر نتیجہ نکلے گا تو یہی فقر و احتیاج کی زندگی گزارے گا اور جو فقر و احتیاج ہمیشہ کی بادشاہی کا سبب ہو اس کا برداشت کرنا آسان ہے اس لیے کہ دُنیا میں مال و دولت یا ملک و سلطنت کی موہوم اُمید پر جب لوگ طویل سفر کرتے اور بے پناہ مصائب برداشت کرتے ہیں تو آخرت کی بادشاہی کے لیے تو یہ معاملہ اور آسان ہے حالانکہ جب موت آجاتی ہے تو دُنیا کی خاطر کی گئی سب محنت اکارت جاتی ہے لیکن آخرت کی خاطر کی گئی محنت ضائع نہیں ہوتی۔ مختصر یہ کہ آخرت کی بادشاہی کے حصول کے لیے رنج و محن کا برداشت کرنا اور اس راہ کی مشکلات پر صبر کچھ دشوار نہیں بشرطیکہ اس کی قدر دِل میں ہو۔

فصل ۴ ——— حلال و حرام کو پہچاننے کا بیان

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

((طَلَبُ الْحَلَالِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ.))

"طلب حلال ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے"۔

اور جب تک تجھے یہ معلوم نہ ہو گا کہ حلال کیا ہے تو اسے طلب کیسے کرے گا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حلال واضح ہے حرام واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان مشتبہات ہیں جو شخص ان میں پڑے گا اس کے حرام میں مبتلا ہونے کا شبہ ہے۔

چونکہ ان چیزوں کے مسائل بڑی علمی بحث اور تفصیلات پر مشتمل ہیں اس لیے ہم نے اس کا ذکر احیاء العلوم میں کیا ہے ان شاء اللہ ایسی بحث دوسری کتابوں میں مشکل سے ملے گی۔ اس کتاب میں محض اتنا حصہ بیان ہو گا جس کی عوام کو ضرورت ہے اور وہ سمجھ سکیں۔ یہ تفصیلات چار ابواب میں بیان ہوں گی۔

حلال طلب کرنے کے فضائل اور اس کا ثواب

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا﴾ (مومنون)

اس لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حلال طلب کرنا مسلمانوں پر فرض ہے اور فرمایا کہ جو شخص چالیس دن ایسی حلال روزی کھائے جس میں حرام کی قطعاً آمیزش نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے دِل پر نور کی تجلی ڈالتے اور حکمت کے چشمے اس کے دِل سے جاری فرماتے ہیں اور ایک روایت میں ہے کہ دُنیا کی محبت اس کے دِل سے نکال دی جاتی ہے۔ حضرت

سعد رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ دُعا فرمائیں کہ میں جو دُعا مانگوں وہ قبول ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا حلال کی روزی کھاؤ دُعائیں قبول ہوں گی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ ان کا کھانا' پہناوا تو حرام ہے پھر وہ ہاتھ اُٹھا کر دُعائیں مانگتے ہیں ایسی دُعا بھلا کب قبول ہو گی۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک فرشتہ بیت المقدس میں رہتا ہے جو ہر روز یہ منادی کرتا ہے کہ جو شخص حرام کھائے گا اس کے نہ تو فرائض قبول ہوں گے نہ سنتیں اور ارشاد فرمایا کہ جو شخص دس درہم دے کر کوئی کپڑا مول لے اور اس میں ایک درہم حرام کا ہو وہ جب تک اس کے بدن پر رہے گا اس کی نماز قبول نہ ہو گی۔ اور فرمایا کہ جو گوشت حرام کھانے سے بدن میں پیدا ہو گا وہ جہنم کی آگ میں جلے گا اور فرمایا کہ جس شخص کو یہ خیال نہ ہو کہ میرا مال کہاں سے آتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی پرواہ نہیں کرے گا کہ اسے کس رُخ سے دوزخ میں ڈالے اور ارشاد فرمایا کہ عبادت کے دس ٹکڑے ہیں جن میں سے نو ٹکڑوں کا انحصار طلب حلال پر ہے اور ارشاد ہوا کہ جو شخص حلال ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک ہار کر گھر جاتا ہے تو جب سوتا ہے تو اس کے سب گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور جب صُبح سو کر اُٹھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر خوش ہوتے ہیں اور فرمایا کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص حرام سے پرہیز کرتا ہے اس سے حساب لیتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے اور ارشاد ہوا کہ سود کا ایک درہم تیس بار زنا کرنے سے بدتر ہے وہ بھی اس شکل میں کہ زنا اسلام کی حالت میں کیا جائے۔

اور فرمایا ہے کہ جو شخص حرام مال کمائے گا وہ اگر صدقہ بھی دے گا تو قبول نہ ہو گا اور اگر وہ رکھ چھوڑ گیا تو دوزخ کے دروازے تک وہ اس کا زادِ راہ ہو گا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک غلام نے انھیں دودھ کا شربت پلایا جب پی چکے تو معلوم ہوا کہ یہ شربت تو حرام مال سے تھا تو فوری طور پر حلق میں انگلی ڈال کر قے کر دی اس کی سختی اور اذیت سے روح اقدس کی مفارقت کا خوف پیدا ہو گیا تھا۔ آپ نے بارگاہِ ربّ العزت میں دُعا کی اے اللہ میں پناہ مانگتا ہوں شربت کے اس حصّہ سے جو میری رگوں میں رہ گیا اور قے کرنے سے نہیں نکلا۔ امیرالمؤمنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بھی ایسا ہی کیا تھا کیونکہ لوگوں نے دھوکے میں صدقہ کا دودھ آپ کو پلوا دیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے کہ اگر تم اتنی کثرت سے نماز پڑھو کہ تمھاری کمر خمیدہ ہو جائے اور اتنے روزے رکھو کہ بال کی طرح دبلے پتلے ہو جاؤ لیکن حرام چیز سے پرہیز نہ ہو تو وہ نمازیں مفید ثابت ہوں گی نہ روزے! حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ جو شخص حرام کے مال سے صدقہ دیتا ہے وہ اس شخص کی مانند ہے جو ناپاک کپڑے کو پیشاب سے دھوتا ہے۔ حضرت یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں کہ عبادت اللہ تعالیٰ کا خزانہ ہے اور اس کی کنجی دُعا ہے جبکہ لقمہ حلال اس کنجی کے دندانے ہیں۔ حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ کوئی شخص ایمان کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا مگر چار چیزوں کی بدولت ایک تو یہ کہ تمام فرائض مسنون طریق سے ادا کرے۔ دوسری یہ کہ حلال لقمہ زہد کی نیت سے کھائے تیسری یہ کہ ظاہر و باطن میں تمام برے کام ترک کر دے اور چوتھی یہ کہ اسی طور طریقے پر تادمِ مرگ صبر کرے۔ اسلاف کا مقولہ ہے کہ چالیس دن مشتبہ مال کھانے والے کا دِل سیاہ ہو جائے گا۔ حضرت ابن المبارک قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ایک درہم جو مشتبہ ہو مالک کو لوٹا دیا جائے تو میرے نزدیک لاکھ درہم صدقہ سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ حضرت سہل تستری نے کہا ہے کہ جو شخص حرام کھاتا ہے اس کا تمام بدن گناہ کا شکار ہو جاتا ہے وہ چاہے یا نہ چاہے۔ اور حلال کھانے والے کے تمام اعضاء طاعت و بندگی میں

جت جاتے ہیں اور توفیق خیر ہمیشہ اس کی مددگار ہوتی ہے اس باب میں اخبار و آثار بکثرت موجود ہیں اس لیے اہل تقویٰ بڑی احتیاط کرتے ایک ان حضرات میں سے حضرت وہب بن الورد رحمۃ اللہ علیہ تھے کہ کوئی چیز اس وقت تک نہ کھاتے نہ پیتے جب تک اس کی اصل حقیقت نہ معلوم ہو جاتی کہ کیسی ہے اور کہاں سے آئی ہے ایک دن ان کی والدہ نے انھیں دودھ کا پیالہ دیا۔ آپ نے پوچھا یہ کہاں سے آیا اور اس کی قیمت آپ نے کہاں سے ادا کی اور کس سے مول لیا؟ جب تمام باتیں دریافت فرمالیں تو پوچھا کہ بکری چرتی کہاں رہی ہے وہ اتفاق سے ایسی جگہ چرتی رہی تھی جہاں مسلمانوں کا حق تھا اس لیے انھوں نے دودھ پینے سے احتراز فرمایا۔ تب ان کی ماں نے انھیں دُعائیں دیں اور کہا کہ بیٹا اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے پھر عرض کیا رحمت تو ضرور کرے لیکن میں پیوں گا نہیں۔ اس لیے کہ پی لیا تو گناہ کر کے رحمت تک پہنچوں گا اور یہ مجھے پسند نہیں۔ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ بڑے محتاط تھے ان سے لوگوں نے سوال کیا کہ آپ کہاں سے کھاتے ہیں فرمایا جہاں سے دوسرے لوگ کھاتے ہیں لیکن اس شخص میں جو کھاتا اور روتا ہے اور اس میں جو کھاتا اور ہنستا ہے بہت فرق ہے آپ نے فرمایا کہ اگر ہاتھ کوتاہ اور لقمہ چھوٹا ہو تو اس سے کمی نہیں ہوتی۔

دوسرا باب:

حلال و حرام میں پرہیزگاری کے درجات کا بیان

حلال و حرام کے مختلف درجات ہیں اور ہر درجہ دوسرے سے مختلف ہے کوئی تو محض حلال کوئی حلال پاک اور کوئی حلال پاک تر ہے اسی طرح حرام کا معاملہ ہے کوئی درجہ سخت تر اور پلید تر اور کوئی کمتر ہے جس طرح کسی مریض کو گرمی سے نقصان پہنچتا ہو تو جو چیز بہت گرم ہوتی ہے وہ زیادہ نقصان کرتی ہے کیونکہ گرم اشیاء میں بھی تفاوت ہے شہد گرمی میں شکر کی مانند نہیں۔

مسلمانوں کے طبقات حرام اور مشتبہ چیزوں کے معاملہ میں پانچ درجات پر مشتمل ہیں۔

پہلا درجہ تو پرہیز عدولی کا ہے اور یہ سب مسلمانوں کا معاملہ ہے کہ جو چیز فقہ و فتویٰ کی رُو سے ظاہری اعتبار سے حرام ہے اس سے دُور رہیں اور پرہیز کریں۔ یہ درجہ سب درجات سے کم تر ہے جو شخص اس کا بھی لحاظ نہ کرے گا اس کی عدالت باطل ہو گی اور وہ فاسق و عاصی شمار ہو گا۔ اس کے پھر کئی درجات ہیں کیونکہ اگر کوئی شخص کسی کا مال عقد فاسد سے اس کی رضامندی سے لے گا تو حرام ہو گا غصباً لے گا تو اور زیادہ حرام ہو گا اور کسی یتیم و محتاج سے لے گا تو معاملہ اس سے بھی شدید ہو گا اور عقد فاسد جب سود کی وجہ سے ہو تو اس کی حرمت سب سے بڑھ کر ہے اگرچہ حرمت کا نام ہر جگہ آتا ہے۔ اور جو چیز زیادہ حرام ہو اس میں عافیت کا خطرہ اور معافی کی امید کم ہی ہوتی ہے جس طرح ایک بیمار جو شہد پی لے تو اسے مصری و شکر سے زیادہ نقصان ہو گا اور اگر زیادہ مقدار میں پی لے تو کم پینے کے مقابلے میں نقصان بھی زیادہ ہو گا۔

حلال و حرام کی تفصیل فقہ پر عبور رکھنے والے کو ہو گی لیکن تمام لوگوں پر فقہ پڑھنا واجب نہیں کیونکہ وہ شخص جس

کی روزی کا ذریعہ مالِ غنیمت اور اہل جزیہ کا جرمانہ نہ ہو اس کو مالِ غنائم اور جزیہ کے مسائل جاننے کی ضرورت نہیں۔ البتہ ہر شخص پر اس قدر جاننا ضروری ہے جتنے کا وہ محتاج ہو۔ مثلاً جب کسی کا ذریعہ آمدن تجارت ہو تو اس پر تجارت کے مسائل جاننا ضروری ہے اور ذریعہ آمدن مزدوری ہو تو اجارہ کا علم پڑھنا ضروری ہے۔ یہی حال ہر پیشہ کا ہے۔

دوسرا درجہ ان نیک اشخاص کی پرہیزگاری کا ہے جنھیں عرفاً صلحاء کہا جاتا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ مفتی یہ فتویٰ دے کہ یہ حرام تو نہیں لیکن اشتباہ سے خالی نہیں تو شخص مذکور اس کو بھی ترک کر دے اور مشتبہات کی تین قسم ہیں ایک تو یہ کہ جس سے پرہیز واجب ہو دوسری وہ جس سے واجب تو نہ ہو لیکن مستحب ہو تیسرے یہ کہ جس سے پرہیز محض بیکار وسوسہ ہو۔ مثلاً کوئی شخص شکار کا گوشت نہ کھائے اور یوں کہے کہ شاید یہ جانور کسی دوسرے کا ہو اور اس کے پاس سے بھاگ آیا ہو یا کسی شخص کے پاس مکان عاریتاً ہو اور اس کو چھوڑ دے اس بنیاد پر کہ اس کا مالک شاید مرگیا ہو اور اب یہ وارث کا حق بن چکا ہو۔ ایسی باتیں محض وسوسہ ہی ہیں جن پر کوئی دلیل نہیں ہوتی۔

تیسرا درجہ اہل تقویٰ کا ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ ایک چیز نہ تو حرام ہے نہ مشتبہ بلکہ مطلق حلال ہو لیکن یہ خطرہ ہو کہ اس کے استعمال سے کسی حرام یا مشتبہ معاملہ میں پڑ جانے کا خطرہ ہو۔ اس خطرہ کے پیش نظر کسی چیز سے دست برداری تیسرا درجہ ہے جناب سرور کائنات ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایسی چیز جس میں کچھ اندیشہ اور باک نہ ہو اسے اس چیز کے خوف سے جس میں اندیشہ ہے ترک نہیں کرے گا تو اہل تقویٰ کے درجہ تک نہ پہنچ سکے گا۔ حضرت عُمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حلال کے دس میں سے نو حصے اس خطرہ سے چھوڑ دیئے کہ کسی حرام میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ یہی وجہ تھی کہ جس کسی شخص کے سو درم کسی پر قرض ہوتے تو وہ ننانوے لیتا اس خطرہ کے سبب کہ سو کے سو لینے سے کہیں زیادہ نہ ہو جائیں۔ حضرت علی بن المعبد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے کرایہ پر ایک مکان لیا۔ ایک خط جو لکھا تو خیال آیا کہ اس خط کی مٹی سے اسے خشک کر لوں پھر یوں خیال آیا کہ مٹی میری مِلک تو نہیں اس لیے اس کا یوں استعمال مناسب نہیں پھر خیال آیا کہ ذرا سی مٹی کی قیمت کیا ہے؟ الغرض مٹی سے خط تو خشک کر لیا لیکن خواب میں ایک صاحب سے ملاقات ہوئی وہ کہہ رہے تھے کہ جو لوگ دوسرے کے مکان کی مٹی کو بے قدر و قیمت جانتے ہیں انھیں کل فردائے قیامت میں معلوم ہو گا۔

تو جو لوگ ایسے متقی ہوں وہ تھوڑی اور آسان چیز سے بھی ایک تو اس لیے پرہیز کرتے ہیں کہ اگر اس کا مزہ پڑ گیا تو دل زیادہ کی خواہش کرے گا دوسرے اس لیے کہ آخرت میں کہیں اہل تقویٰ کے درجہ سے محروم نہ ہو جائیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے صدقہ کی ایک کھجور مُنہ میں ڈال لی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((کنح کنح اَلْقِهَا)) یعنی اس کو تھوک دے۔

حضرت عُمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس غنیمت کا مشک لایا گیا تو اُنھوں نے اپنی ناک بند کر لی اور فرمایا کہ اس کی بُو میں بھی منفعت ہے اور یہ سب مسلمانوں کا حق ہے۔ لکھا ہے کہ ایک بزرگ کسی بیمار کے سرہانے بیٹھے تھے وہ بیمار جب مرگیا تو انھوں نے چراغ گُل کر دیا اور فرمایا کہ اب تیل وارث کا حق ہے۔ حضرت عُمر فاروق رضی اللہ عنہ کے گھر مشک رکھا تھا ایک دن جو گھر تشریف لائے تو اہلیہ کے دوپٹہ سے اس کی خوشبو محسوس ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے سر سے دوپٹہ اُتار لیا اسے بار بار مٹی میں ملتے، دھوتے اور

خوشبو سونگھتے یہاں تک کہ خوشبو بالکل ختم ہو گئی تب انھیں واپس کیا۔ حالانکہ اس کا سبب محض یہ تھا کہ انھوں نے اسے تول کر حصہ داروں کے سپرد کیا تھا اس سبب جو ہاتھ میں لگ گئی تو اسے دوپٹہ سے مل لیا' اتنی سی بات معاف تھی کیونکہ یہ معاملہ مجبوری کا تھا لیکن امیرالمؤمنین نے یہ بات بھی گوارا نہ کی تاکہ پوری طرح سدباب رہے اور معاملہ آگے نہ بڑھے اور اہل تقویٰ کے ثواب سے محرومی نہ ہو۔

حضرت الامام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ اگر کوئی شخص مسجد میں بیٹھا ہو اور وہاں بادشاہ کے مال سے خوشبو سلگائی جائے تو کیا کرنا چاہیے۔ آپ نے فرمایا وہاں سے باہر نکل آئے تاکہ خوشبو سونگھ نہ سکے۔ کیونکہ اس طرح خوشبو سے جو وہ فائدہ حاصل کرے گا یہی تو مقصود ہے۔ پھر آپ سے پوچھا گیا کہ اگر حدیث کا کوئی ورق پڑا ہوا مل جائے تو مالک کی اجازت کے بغیر اس کی نقل لینی درست ہے؟ فرمایا بالکل نہیں! حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی ایک انتہائی محبوب بیوی کو خلافت کے بعد اس خوف سے طلاق دے دی کہ کسی معاملہ میں سفارش نہ کرے۔

جن معاملات کی باز گشت کا سبب دُنیا کی زینت ہے اس کا یہی حکم ہے کیونکہ آدمی معمولی کام میں مشغول ہو گا تو یہ شغل مزید اضافے کا سبب بنے گا۔ اس کا یہی حکم ہے۔ حتیٰ کہ جو شخص پیٹ بھر کر کھانا کھاتا ہے اہل تقویٰ کے درجہ سے وہ بھی محروم رہتا ہے۔ کیونکہ اگرچہ حلال کا کھانا سیر ہو کر کھایا ہے لیکن بہرحال وہ شہوت بڑھانے کا ذریعہ ہے اور اس بات کا خوف ہے کہ کہیں واہیات خیالات نہ دِل میں پیدا ہوں یا بشاشت و مستی پیدا ہو جائے۔ دُنیا داروں کے مال' مکان اور باغ کا دیکھنا اسی قبیل سے ہے کیونکہ دُنیا کی حرص کو تحریک ہوتی ہے اور آدمی اس کے چکر میں پڑ جاتا ہے آخری نتیجہ حرام میں مبتلا ہونے کی صورت میں نکلتا ہے۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لیے فرمایا ہے کہ دُنیا کی محبت تمام گناہوں کی سردار ہے اس سے مُراد دُنیا کا مباح حصہ ہے کیونکہ اس کی محبت دِل کو باؤلا بنا دیتی ہے اور بہت زیادہ کی حرص اور طلب پیدا ہو جاتی ہے لیکن یہ بات گناہ کے بغیر ہوتی نہیں۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کو دِل میں آنے سے روکتی ہے اور دِل اللہ تعالیٰ سے غافل ہو جاتا ہے اور یہ بڑی شقاوت و بدبختی کی بات ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ جب ایک رئیس کے گھر کے سامنے سے گزرے تو آپ کے رفیق نے بغور اس مکان کو دیکھنا شروع کر دیا لیکن آپ نے اُس کو روکا۔ اور فرمایا کہ تم لوگ ان کو نہ دیکھو تو یہ لوگ اسراف نہ کریں۔ گویا تم لوگ بھی فضول خرچی کی ظلمت میں شریک ہوتے ہو۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ مکان اور مسجد کی دیوار کو سیمنٹ جیسی چیز سے پختہ کرنا کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ زمین کو پختہ کرنے میں تو کوئی حرج نہیں تاکہ خاک نہ اُڑے رہ گئی دیوار تو اس کو میرے نزدیک ایسا کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس میں آرائش کا پہلو ہے۔ اسلاف کا قول ہے کہ جس کا لباس باریک اور ہلکا ہو گا اس کا دین بھی ہلکا ہو گا' اس ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ حرام میں مبتلا ہونے کے خوف سے حلال پاک سے احتیاط لازمی ہے۔

چوتھا درجہ صدیقین کا ہے یہ لوگ ایسی چیزوں سے بھی محتاط رہتے ہیں جو حلال بھی ہوتی ہیں اور ان سے حرام میں مبتلا ہونے کا شبہ بھی نہیں ہوتا لیکن ان کے حصول میں کوئی سبب معصیت کا ہوتا ہے اس کی مثال یوں ہے کہ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ بادشاہوں کی کھدوائی ہوئی نہروں کا پانی نہ پیتے تھے اور بعض لوگ سفر حج کے دوران بادشاہوں کے تعمیر کردہ

تالابوں کے پانی سے احتیاط برتتے اور بعض حضرات ان باغوں کے میووں سے احتراز کرتے جن کی سیرابی بادشاہوں کی کھدوائی ہوئی نہروں سے ہوتی۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں خیاطی (درزی کا کام) کو مکروہ سمجھتے اور مسجد میں کوئی کسب کرنا انھیں پسند نہ تھا۔ لوگوں نے پوچھا کہ قبرستان کے گنبد میں کسی کسب والے کا بیٹھنا کیسا ہے؟ فرمایا مکروہ ہے کیونکہ قبرستان آخرت کے واسطے ہے۔ ایک غلام نے بادشاہ کے گھر سے چراغ جلایا تو اس کے مالک نے گل کر دیا۔ ایک بزرگ کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ گیا۔ اتفاق سے بادشاہ کے مقربین مشعل جلائے جا رہے تھے۔ انھوں نے اس کی روشنی میں تسمہ درست کرنا پسند نہ فرمایا۔ ایک عورت سوت کات رہی تھی بادشاہ کا مشعل بردار جو گزرا تو اس اللہ کی بندی نے ہاتھ روک لیا تاکہ اس کی روشنی میں یہ کام نہ ہو۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کو ظالموں نے قید کیا تو کئی دن تک بھوکے رہے۔ ایک صاحب تقویٰ عورت جو اُن کی عقیدت مند تھی اس نے اپنے حلال تاگے کی قیمت سے کھانا اُن کے پاس بھیجا لیکن آپ نے نہ کھایا۔ اس نے گلہ کیا اور کہا کہ میں نے حلال کھانا بھیجا تھا اور آپ بھوکے تھے آپ نے کیوں نہ کھایا؟ آپ نے فرمایا کہ کھانا ایک ظالم کے طباق میں میرے پاس آیا جو قید خانے کے محافظ کی ملکیت تھا اس لیے میں نے احتراز کیا کہ ایک ظالم کے ہاتھ سے ہو کر پہنچا ہے اور ظالم کی قوت حرام مال کا شاخسانہ ہے۔ یہ زہد و اتقاء کا بہت بڑا درجہ ہے جو شخص اسے نہ جانے گا وہ وساوس میں پڑ جائے گا یہاں تک کہ کسی فاسق کے ہاتھ کا کھانا نہ کھائے گا لیکن یہ بات اس ظالم کے ساتھ خاص ہے جو علانیہ حرام کھاتا ہو لیکن جو شخص زانی ہے تو اس کی قوت زنا کا نتیجہ نہ ہو گی اگر وہ کسی کے سامنے کھانا لائے گا تو کوئی حرج نہیں اس لیے کہ کھانا زنا کی قوت کے سبب نہیں پہنچا۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن ایک جنگل میں جا رہا تھا ایک چشمہ کے قریب پہنچ کر ایک درخت کی پتیوں کو دیکھا تو میرے جی میں آیا کہ انھیں کھا لوں کیونکہ حلال کی روزی تو یہی ہے لیکن غیب سے آواز آئی کہ جس قوت نے تجھے یہاں تک پہنچایا وہ کہاں سے آئی؟ میں شرمندہ ہوا اور استغفار کرنے لگا۔ صدیقین کا یہی درجہ اور یہی مقام ہے یہ لوگ چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی احتیاط کرتے ہیں۔ ان بزرگوں نے ایسی باتوں کا لحاظ کیا۔ ننگے پاؤں چلنا جو پانی پینا اسی سے طہارت کرنا کیونکہ ظاہری طہارت محض ظاہر کی آرائش ہے اس طہارت کو مخلوق ہی دیکھتی ہے اور نفس اس کا لالچ کرتا ہے۔ مسلمان کو دھوکہ دے کر اس میں مشغول رکھتا ہے اور اس کے مقابل باطن کی طہارت و آراستگی ہے جسے حضرت حق ہی دیکھتے ہیں اس لیے وہ نفس پر دشوار ہوتی ہے۔

پانچواں درجہ مقرب اور موحد لوگوں کے زہد و اتقاء کا ہے۔ وہ ہر اس چیز کو اپنے لیے حرام خیال کرتے ہیں جو اللہ کے لیے نہ ہو۔ کھانا' سونا' بولنا سب میں ان کا نقطۂ نظر یہی ہوتا ہے۔ یہ لوگ ایک ہمت اور ایک ہی صفت کے مالک ہوتے ہیں اور پورے موحد یہی لوگ کہلاتے ہیں اس سلسلے میں ایک حکایت قابل سماعت ہے۔ یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ نے دوا پی۔ بیوی نے عرض کیا کہ گھر میں چند قدم ٹہلئے' فرمایا اس کی کوئی وجہ میری سمجھ میں نہیں آئی۔ تیس برس سے اپنے حساب پر نگاہ رکھتا ہوں تاکہ دین کے سوا کسی اور مقصد کے لیے کوئی حرکت نہ کروں۔ الغرض ان لوگوں کے دل میں جب تک کوئی دینی مقصد نہیں ہوتا تب تک کوئی حرکت نہیں کرتے' کھاتے ہیں تو محض اتنی مقدار میں جس سے قوتِ عبادت حاصل ہو سکے اور ان کی عقل و زندگی برقرار رہے اگر کہتے ہیں تو وہی بات جو ان کے دین کی راہ ہو اس کے سوا جو کچھ

ہے وہ اپنے اوپر حرام جانتے ہیں۔

زہد و ورع کے یہی درجات ہیں جن کا ذکر ہوا اس سے کم درجات نہیں۔ ان کو سوچو اور اچھی طرح سمجھ لو کہ پہلا درجہ زہد عدول کا ہے اس پر بہرحال نگاہ رہنی چاہیے تاکہ لوگ تجھے فاسق نہ کہیں حالت یہ ہے کہ اس سے بھی عاجز آ جاتا ہے اور جب باتیں کرنے لگتا ہے تو مُنہ پھیلا لیتا ہے اور آسمان اور زمین کے قلابے ملاتا ہے اور شریعت کی واضح اور ظاہر باتیں جو ہیں ان سے گریز کرتا ہے بلکہ تیری خواہش یہ ہوتی ہے کہ بس ہر وقت ہنسی مذاق حتیٰ کہ ہذیان گوئی میں مشغول رہوں۔ حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مخلوق میں سے بدترین لوگ وہ ہیں جو اپنے بدن کو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے آراستہ رکھتے ہیں۔ انواع و اقسام کے کھانے کھاتے اور طرح طرح کے کپڑے پہنتے ہیں۔ پھر مُنہ کھولتے اور اُلٹی سیدھی ہانکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان باتوں سے محفوظ رکھے۔

تیسرا باب :

حلال و حرام کی تمیز اور اُن کے دریافت کرنے کا بیان

بعض لوگوں کا یہ خیال کہ دُنیا کا سارا یا اکثر مال حرام ہے بالکل خام ہے اس چکر میں لوگوں کے تین گروہ ہو گئے۔ ایک فریق جس پر احتیاط پسندی اور زہد نے غلبہ پا لیا تو انھوں نے کہا کہ صحرائی گھاس مچھلی اور شکار کے گوشت جیسی چیزوں کے سوا ہم کچھ نہ کھائیں گے۔ ایک فریق پر شہوت پرستی غالب آئی تو انھوں نے یہ اصول اپنا لیا جو ملے وہی چٹ کر جاؤ حلال و حرام کے فرق کی ضرورت نہیں۔ ایک فریق وہ ہے جس نے اپنے تئیں اعتدال کی زندگی گزاری تو انھوں نے کہا کہ ہر ایک میں سے بقدرِ ضرورت کھایا جائے یہ تینوں تصورات غلط ہیں صحیح بات یہ ہے کہ قیامت تک حلال و حرام واضح کر دیئے گئے اور اُن کے درمیان مشتبہات کی گنجائش ہے یہی بات اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمائی جس شخص کا یہ خیال ہے کہ دُنیا کا بہت مال حرام ہے تو وہ غلطی پر ہے کیونکہ اگرچہ حرام بہت ہے لیکن اکثر نہیں۔ اکثر اور بہت میں بڑا فرق ہے جیسا کہ بیمار، مسافر اور لشکری بہت ہیں لیکن اکثر نہیں اور ظالم بہت ہیں لیکن مظلوم اکثر ہیں۔ اس غلطی کی تشریح احیاء العلوم میں واضح کر دی گئی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ تجھے یہ معلوم کرنا چاہیے کہ بندوں کو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ جو چیز اللہ کے عِلم میں حلال ہے وہی کھائیں۔ اس واسطے کہ یہ بات جاننے کی کسی میں طاقت نہیں بلکہ انسان کو حکم یہ ہے کہ جس چیز کو حلال جانیں یا جس کا حرام ہونا ظاہر نہ ہو اسے کھائیں۔ ایسی چیز کا دستیاب ہونا آسان ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایک مشرک کے برتن سے وضو کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی قسم کی ایک عورت کے برتن سے وضو کرتے اور ضرورت ہوتی تو پی بھی لیتے اور ظاہر ہے کہ ناپاک پانی پینا حرام ہے۔ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ مشرک اور اس قماش کے لوگوں کے ہاتھ ناپاک رہتے ہیں کیونکہ وہ شراب پیتے اور مردار کھاتے ہیں لیکن چونکہ ان حضرات نے ان کی ناپاکی نہیں دیکھی اِس لیے انکو پاک سمجھا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم جس شہر میں جاتے وہاں سے کھانا مول لیتے، لین دین کرتے باوجودیکہ اس زمانہ میں عام طور پر چور، سود

خور اور شراب فروش لوگ تھے اس کے باوجود انہوں نے دُنیا کے مال سے ہاتھ نہ کھینچا اور سبھوں کو برابر جانتے اور ضرورت کے مطابق قناعت کرتے۔

لوگوں کی تیرے حق میں چھ قسم ہیں۔

پہلی قسم تو وہ آدمی ہے جو مجہول ہو کہ اس کا صالح یا بدکار ہونا معلوم ہو مثلاً کسی شہر میں جانا ہو مسافرت کا ماحول ہو تو پھر کسی سے کھانا لے کر کھانا درست ہے اسی طرح کاروباری معاملات صحیح ہیں اِس لیے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے بظاہر اسی کی ملکیت ہے یہ دلیل کفایت کرتی ہے ایسی علامت جو اس کی حرمت پر دلالت کرے پھر تو حرمت کا فتویٰ ہو گا ورنہ لین دین صحیح ہے ہاں اگر توقف کیا جائے اور متعلقہ آدمی کے صالح ہونے کی تحقیق کی جائے تو یہ بات زہد و تقویٰ میں شامل ہو گی لیکن ایسا کرنا واجب نہیں۔

دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کی صلاحیت کا علم ہے تو ان کی چیز کھالینا درست ہے اور ایسی جگہ توقف صحیح نہیں اور نہ تقاضائے تقویٰ ہے بلکہ وسوسہ ہے اگر وہ شخص تیری خواہ مخواہ کی احتیاط پسندی سے رنجیدہ خاطر ہو گا تو گنہگار ہو گا کیونکہ اہل صلاح و تقویٰ کے معاملہ میں بدگمانی خود گناہ ہے۔

تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کے متعلق تجھے معلوم ہو کہ ظالم ہیں یا یہ علم ہو کہ ان کا اکثر یا سب مال حرام کا ہے تو ایسے لوگوں کے مال سے پرہیز کرنا واجب ہے ہاں اگر یہ معلوم ہو کہ کسی حلال جگہ سے لیا ہے تو پھر صحیح ہے یعنی کوئی علامت موجود ہو کہ اُس نے کسی کا مال غصب نہیں کیا۔

چوتھی قسم ان لوگوں کی ہے جن کے متعلق یہ معلوم ہو کہ اکثر مال تو حلال کا ہے لیکن حرام سے بالکل خالی نہیں مثلاً کوئی شخص کسان ہے مگر بادشاہ کی طرف سے عملداری کا کام کرتا ہے یا کوئی سوداگر اور تاجر ہے اور بادشاہ سے متعلق لوگوں سے کاروبار کرتا ہو تو ایسے اشخاص کا مال حلال ہے اس میں اکثر لینا درست ہے کہ اکثر حلال کا ہے لیکن اہل ورع کو اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن المبارک رحمۃ اللہ علیہ کے وکیل نے انہیں بصرہ سے خط لکھا کہ میں ایسے لوگوں سے کاروبار کرتا ہوں جو بادشاہ کے علاقہ داروں سے معاملہ کرتے ہیں۔ انھوں نے جواب میں لکھا کہ یہ لوگ بادشاہوں کے علاوہ کسی اور سے معاملہ نہیں کرتے تو پھر اُن سے معاملت مت کرو اور اگر بادشاہوں کے علاوہ اور لوگوں سے بھی معاملت کرتے ہوں تو پھر درست ہے۔

پانچویں قسم ان اشخاص کی ہے جن کے ظلم سے تو آگاہ نہ ہو اور اُن کے مال کے متعلق علم نہ ہو لیکن ظلم کی علامت نظر آتی ہو مثلاً قبا یا کلاہ پہنتے ہوں یا فوجیوں جیسی صورت بنا رکھی ہو تو یہ ظاہری علامات ہیں ان سے کاروبار کرنا درست نہیں۔ تاوقتیکہ مال کی اصلیت معلوم نہ ہو جائے۔

چھٹی قسم ان اشخاص کی ہے جن میں ظلم کی علامت تو نہ ہو لیکن فسق کی علامت ہو۔ مثلاً ریشمی لباس پہنتے ہوں یا طلائی زیورات استعمال کرتے ہوں یا شراب کے عادی ہوں یا غیر محرم عورتوں سے دیدہ بازی کرتے ہوں تو صحیح بات یہ ہے کہ اُن کے مال سے پرہیز واجب نہیں کیونکہ ان افعال سے مال حرام نہیں ہو گا۔ ہاں یہ احتیاط کر لینی چاہیے کہ جب یہ شخص حلال مال رکھتا ہے اور حرام کام کرتا ہے تو ممکن ہے کہ حرام مال سے بھی احتیاط نہ کرتا ہو۔ اِس لیے اس کے مال

کی حرمت کا حکم کرنا درست نہیں کیونکہ کوئی شخص گناہ سے پاک نہیں ہے اور بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اگرچہ عام گناہوں سے احتیاط نہیں کرتے لیکن ظلم و ستم سے بہرحال احتیاط کرتے ہیں۔

حلال و حرام میں فرق کے لیے یہ قاعدہ یاد رکھنا چاہیے۔ اگر کسی شخص نے احتیاط کے باوجود غیر شعوری طور پر کوئی حرام چیز کھالی تو وہ ماخوذ نہ ہو گا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ نجاست لگی ہو تو نماز درست نہیں۔ لیکن اگر نجاست کے لگ جانے کا علم نہ ہو تو درست ہے۔ نماز کے بعد نجاست کا علم ہو جائے تو ایک قول یہ ہے کہ نماز کی قضا واجب نہیں اس واسطے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے عین نماز میں جوتے مبارک اتارے اور نماز ابتداء سے لوٹائی نہیں اور فرمایا کہ جبریل علیہ السلام نے مجھ سے کہا کہ یہ جوتے ناپاک ہیں۔

جہاں ہم نے یہ کہا کہ اہل تقویٰ کو احتیاط لازم ہے گو کہ واجب نہیں وہاں یوں پوچھنا چاہیے کہ یہ چیز آئی کہاں سے؟ بشرطیکہ اس سوال سے اس کا دل رنجیدہ نہ ہو اور اگر رنجیدہ ہوتا ہو تو پوچھنا حرام ہے اس واسطے کہ تقویٰ احتیاط کی بات ہے جبکہ رنج دینا حرام ہے ایسی صورت میں عذر اور حیلوں کی بنیاد پر نہ کھائے اور اگر عذر نہیں کر سکتا تو کھالے تاکہ وہ ناراض نہ ہو اور اگر کسی دوسرے سے پوچھے اور اس میں یہ خطرہ ہو کہ وہ سن لے گا تو پھر بھی پوچھنا حرام ہے اِس لیے کہ اس میں تجسّس غیبت اور بدگمانی پائی جاتی ہے اور یہ تینوں باتیں حرام ہیں اور محض احتیاط کی خاطر حرام فعل مباح نہیں ہو جاتا۔ جناب رسول اللہ ﷺ کہیں تشریف لے جاتے تو استفسار نہ فرماتے اور اگر کہیں سے ہدیہ آتا تو بھی دریافت نہ فرماتے ہاں جہاں شبہ کی صورت ہوتی وہاں معلوم فرما لیتے۔ ابتدا میں جب آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو لوگ کوئی چیز لاتے تو آپ ﷺ معلوم فرماتے کہ یہ ہدیہ ہے یا صدقہ؟ کیونکہ یہ شک کا مقام تھا اور آپ ﷺ کے اس استفسار سے کوئی شخص رنجیدہ بھی نہ ہوتا۔ اگر کوئی بازار میں بادشاہ کے مال کی دُکان لگائے یا لوٹ مار کر کے لائے اور تجھے معلوم ہو کہ اس بازار کا اکثر سودا حرام کا ہے تو دریافت کیے بغیر خریدنا درست نہیں ہاں تقویٰ و ورع کے خیال سے پوچھنا اور دریافت کر لینا بہتر ہے۔

چوتھا باب:

بادشاہوں سے روزینہ لینے' اُنھیں سلام کرنے اور اُن کے مال میں سے حلال مال لینے کا بیان

جو کچھ اس دَور کے بادشاہوں کے پاس ہے وہ مسلمانوں کا خراج' جرمانہ اور رشوت کے سبب حرام ہے البتہ تین قسم کا مال جو اُن کے پاس ہوتا ہے وہ حلال ہے ایک تو غنیمت کا مال دوسرے ذمیوں سے لیا گیا جزیہ بشرطیکہ شرعی شرائط کے ساتھ لیا گیا ہو اور تیسرے لاوارث کا مال جو مسلمانوں کے کام آتا ہے۔

چونکہ یہ دَور ایسا ہے جس میں حلال مال کا حصول بہت مشکل ہے اور اکثر مال خراج و جرمانہ کا ہوتا ہے اِس لیے

مذکورہ بالا تین وجوہات یا ان میں سے کسی ایک کا جب تک یقین نہ ہو جائے اس وقت تک بادشاہوں سے کچھ لینا درست نہیں۔ ایسا ممکن ہے کہ بادشاہ نے کسی زمین کو آباد کیا ہو تو اس کا محصول اس کے لیے صحیح اور درست ہے لیکن اگر اس میں بیگار کو دخل ہے تو پھر وہ مال مشتبہ ہو جائے گا اگرچہ حرام نہ ہو۔ اگر ذمیوں کے یہاں کاشت والی زمین خریدی تو وہ بھی اس کی ملک ہو گی یعنی اگر اس کی قیمت حرام مال سے دی تو پھر اس میں شبہ کا دخل ہو جائے گا۔

جو شخص جتنا روزینہ حاصل کرتا ہے اگر اس کا تعلق بادشاہ کی خاص ملکیت سے ہے تو وہ درست ہے اور اگر روزینہ کا تعلق ترکوں اور عام مسلمانوں کے مصالح سے ہے تو پھر درست نہیں تاوقتیکہ روزینہ لینے والا ایسا نہ ہو کہ مسلمانوں کی مصالح میں سے کوئی مصلحت اس سے وابستہ ہو۔ مثلاً قاضی یا مفتی ہو یا وقف کا متولی ہو یا طبیب، گویا کسی ایسے کام سے وابستہ ہو جس میں عام لوگوں کا نفع ہے۔ علوم دینیہ حاصل کرنے والے طلبہ بھی اس میں داخل ہیں اور کمانے سے عاجز افراد بھی اس مال کے حقدار ہیں۔ علماء اور عام لوگوں کو لینے میں اس بات کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ کہیں وہ اس کے سبب دین کے معاملہ میں بادشاہ سے نرمی نہ برتیں اور برے کاموں میں اُن کے ساتھ موافقت نہ کریں اور انھیں ظلم کی ترغیب نہ دیں بلکہ اُن کے پاس جائیں ہی نہیں اور اگر جانا ناگزیر ہو تو پھر شرعی انداز سے جائیں۔

فصل اہل عِلم اور غیر اہل عِلم لوگوں کا تعلق سلاطین اور عمالِ حکومت کے ساتھ تین طرح کا ہے۔

پہلی صورت تو یہ ہے کہ نہ یہ اُن کے پاس جائیں نہ وہ اُن کے پاس آئیں۔ دین کی سلامتی اس میں ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ یہ بادشاہوں کے پاس جائیں اور انھیں سلام کریں یہ مذموم کام ہے اِلا یہ کہ کوئی ناگزیر ضرورت ہو۔ ایک مرتبہ جناب سرور کائنات ﷺ ظالم اُمراء کی صفات بیان کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص ان سے پرہیز کرے گا وہ تو بچ جائے گا اور جو اُن کے ساتھ دُنیا کی حرص میں پڑ جائے گا اس کا شمار انھیں میں ہو گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرے بعد ظالم بادشاہ ہوں گے جو شخص اُن کے جھوٹ اور ظلم کا احساس نہیں کرے گا بلکہ پسند کرے گا اس کو میری اُمت سے کوئی تعلق نہیں اور وہ قیامت کے دن میرے حوض کی طرف راستہ حاصل نہیں کر سکے گا اور ارشاد فرمایا کہ وہ علماء اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں جو اُمراء کے پاس جاتے ہیں اور بہترین اُمراء وہ ہیں جو علماء کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اور ارشاد فرمایا کہ علماء انبیاء علیہم السلام کی مقدس امانت کے وارث ہیں جب تک سلاطین سے میل جول نہ رکھیں۔ جب میل جول کیا تو امانت میں خیانت کے مرتکب ہوں گے اِس لیے تم اِس اَمر سے دُور رہو۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ سلاطین کے دروازوں سے دُور رہو کیونکہ ان کی دُنیا سے جتنا حاصل ہوتا ہے اس سے زیادہ دین ضائع ہوتا ہے اور ارشاد فرمایا کہ جہنم میں ایک وادی ہے جس میں صرف وہ علماء جائیں گے جو بادشاہوں کے یہاں جاتے ہیں۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مالدار لوگوں کے ساتھ علماء اور زہاد کی دوستی ان کی ریا کی دلیل ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صاحب تقویٰ شخص جب بادشاہ کے پاس جاتا ہے تو وہ وہاں سے بے دین ہو کر نکلتا ہے۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ وہ وہاں بادشاہ کی خوشنودی کے لیے ایسی چیزیں تلاش کرتا ہے جن میں اللہ کی ناراضگی ہوتی ہے۔ حضرت فضیل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اہل عِلم جس قدر بادشاہوں کے قریب

ہوتے ہیں اسی قدر اللہ سے دُور ہو جاتے ہیں۔ حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بادشاہوں کے پاس جانے والے علماء کا مسلمانوں کے حق میں ضرر اور نقصان حواریوں کے ضرر سے زیادہ ہے۔ حضرت محمد بن سلمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آدمی کی نجاست پر بیٹھنے والی مکھی ان علماء سے بہتر ہے جو بادشاہوں کے درِ دولت پر حاضر ہوتے ہیں۔

فصل اس شدت و سختی کا سبب یہ ہے کہ جو آدمی بادشاہ کے پاس جاتا ہے وہ قول و فعل یا خاموشی و عقیدت کسی بھی وجہ سے ضرور گناہ میں مبتلا ہوتا ہے۔ فعل کے اعتبار سے معصیت یہ ہے کہ بادشاہوں کا گھر بالعموم غصب شدہ زمین یا سرمایہ سے بنتا ہے اِس لیے وہاں جانا صحیح نہیں اور اگر گھر سے باہر ہو مثلاً جنگل یا بیابان میں خیمہ وغیرہ ہو تو فرش یا خود خیمہ کچھ نہ کچھ ضرور حرام ہو گا۔ وہاں جانا اور اس پر پاؤں رکھنا مناسب نہیں لیکن اگر بالفرض مباح زمین پر خیمہ و فرش کے بغیر اس کا قیام ہو تو اگر سر جھکایا اور خدمت کی تو گویا ایک ظالم کے سامنے عاجزی کا مظاہرہ کیا اور ایسا کرنا درست نہیں۔ حدیث میں ہے کہ کسی امیر کے سامنے محض اس کی امارت کے سبب فروتنی کرنا اگرچہ وہ ظالم نہ بھی ہو تو پھر بھی دین کا ایک حصہ ضائع کر بیٹھے گا مختصر یہ کہ سلام کے سوا کوئی چیز درست نہیں۔ اس کا ہاتھ چومنا، اپنی کمر جھکانا یا سر جھکانا درست نہیں ہاں عادل بادشاہ یا عالم یا ایسا شخص جو اپنی دینداری کے اعتبار سے مستحق تعظیم ہو اُن کے سامنے اس طرح کی تعظیم روا ہے۔ بعض بزرگانِ سلف نے یہاں تک مبالغہ کیا ہے کہ ظالموں کے سلام کا جواب تک نہیں دیا تاکہ ان کی اہانت ہو۔

اور جہاں تک قول اور گفتگو کے اعتبار سے معصیت کا تعلق ہے تو وہ اس طرح ہو گی کہ ظالم بادشاہ کے حق میں دُعا کی جائے مثلاً یوں کہنا کہ اللہ تعالیٰ تجھے زندہ رکھے یہ درست نہیں۔ اس واسطے کہ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی ظالم کے حق میں اس کی درازئ عمر کی دُعا کرے گا تو گویا اس کی مرضی یہ ہے کہ زمین پر ایسا شخص ہمیشہ مسلط رہے جو اس کا نافرمان ہو۔ ہاں دُعا کرنی ہو تو یوں کرے۔

اَصْلَحَكَ اللّٰهُ وَوَفَّقَكَ اللّٰهُ لِلْخَيْرَاتِ وَطَوَّلَ اللّٰهُ عُمْرَكَ فِيْ طَاعَتِهٖ

"اللہ تعالیٰ تیری اصلاح فرمائے اور تجھے نیکیوں کی توفیق دے اور اپنی اطاعت کے لیے تیری عمر دراز کرے"۔

جب آدمی دُعاءِ خیر سے فارغ ہوتا ہے تو وہ اپنا اشتیاق ظاہر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میری ہمیشہ یہ خواہش ہوتی ہے کہ خدمت میں حاضر رہوں۔ اگر یہ بات اس کے دِل میں نہیں تو اُس نے جھوٹ بولا اور بلاوجہ نفاق سے کام لیا اور اگر دِل میں واقعی اشتیاق ہے تو جس دِل میں ظالموں سے ملاقات کی شوق ہو گی وہ نورِ اسلام سے خالی ہو گا بلکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا نافرمان ہو اس کی تو صورت سے بیزار رہنا چاہیے جیسے لوگ اپنے مخالف سے کراہت کرتے ہیں۔ اشتیاق نہ بھی ہو تو آدمی بادشاہ کے عدل و کرم کی تعریف کرتا ہے لیکن اس میں بھی جھوٹ اور نفاق کا شائبہ ہوتا ہے کم از کم مرتبہ یہی ہے کہ ان باتوں سے ایک ظالم آدمی کا دِل خوش ہو جائے اور ظاہر ہے کہ یہ درست نہیں ہے اور اکثر یہ ہوتا ہے کہ وہ ظالم کوئی محال بات کہتا ہے تو اس پر سرہلانا اور تصدیق کرنا لازم ہوتا ہے اور یہ سب باتیں گناہ کی فہرست میں ہیں۔

خاموشی کی رو سے معصیت یہ ہے کہ شاہ کے مکان میں اطلس وغیرہ کا فرش اور دیواروں پر تصویریں دیکھیں اس کے بدن پر ریشمی پوشاک اور انگلی میں طلائی انگوٹھی نظر آئی۔ وہاں چاندی کے برتن دیکھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی زبان

سے فحش اور جھوٹ سننا پڑے۔ ایسی باتوں سے اجتناب اور باز پرس لازم ہے چپ رہنا درست نہیں اگر خوف کے مارے باز پرس نہ کر سکا تو معذور ہو گا لیکن وہاں بلا ضرورت جانے میں تو معذور نہ رہ سکے گا۔ اس لیے کہ جہاں معصیت کے کام نظر آئیں اور باز پرس کی ہمت نہ ہو تو وہاں بلا ضرورت جانا ہی نہ چاہیے۔

دلی اور عقیدت کے اعتبار سے معصیت یوں ہوتی ہے کہ اس کی طرف دِل میں رغبت پیدا ہو' اسے دوست خیال کرے' اس کی تواضع کا اہتمام کرے' اس کی دولت دیکھ کر دُنیا کی طرف دھیان پیدا ہو۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اے گروہ مہاجرین اہل دُنیا کے پاس مت جاؤ کہ کیونکہ اُن کے پاس جانے سے تم اس روزی پر جھنجلاؤ گے جو اللہ نے تمھیں عطا کی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے تھے کہ دُنیا داروں کے مال پر نظر نہ کرو کیونکہ ان کی دُنیا کی روشنی تمھارے دِل سے ایمان کی حلاوت کو ختم کر دے گی۔ ان تمام باتوں کا خلاصہ یہی ہے کہ کسی ظالم کے پاس جانے کی اجازت نہیں مگر دو عذر ایسے ہیں کہ جایا جا سکتا ہے ایک تو یہ کہ بادشاہ کا حکم محکم اور اٹل ہو کہ اگر تو نے نہ مانا تو اس بات کا ڈر ہے کہ وہ ایذا نہ پہنچائے یا اس کی سلطنت کا رُعب جاتا رہے اور رعایا دلیر ہو جائے۔ دوسرا عذر اپنی داد خواہی یا کسی مسلمان کی سفارش کے لیے جانے کا ہے اس صورت میں اجازت ہے بشرطیکہ جھوٹ نہ کہے اور تعریف نہ کرے اور درشتی کے ساتھ نصیحت نہ ترک کرے اور ڈر ہو تو نرمی کے ساتھ نصیحت کرے اگرچہ یہ جانتا ہو کہ اس کو مانا نہیں جائے گا اور جھوٹ بولنے اور تعریف کرنے سے احتراز کرے۔ اگر کوئی شخص ایسا ہو جو یہ حیلہ کرے کہ میں تو سفارش کے لیے جا رہا ہوں اور وہ کام کسی اور کی سعی سے پورا ہو جائے یا کسی دوسرے کو بادشاہ کا قرب حاصل ہونے پر غمگین ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ دینی مقاصد کے لیے نہیں جا رہا بلکہ اس کا مقصد طلب جاہ ہے۔

تیسری حالت یہ ہے کہ وہ تو بادشاہوں کے پاس نہ جائے مگر بادشاہ اس کے پاس آئیں اس کی شرط یہ ہے کہ وہ جب سلام کریں تو جواب دیا جائے۔ تعظیم کے لیے کھڑا ہونا درست ہو گا کیونکہ اس کے پاس بادشاہ جو آیا ہے تو یہ علم کی تعظیم ہے پس جس طرح ظلم کے سبب بادشاہ اہانت کے لائق ہوتا ہے اسی طرح نیکی کے سبب وہ تکریم کا مستحق ہوتا ہے۔ لیکن اگر اٹھنے کے بجائے دُنیا کی حقارت اپنے عمل سے ظاہر کرے تو یہ زیادہ اولیٰ ہے مگر یہ کہ اپنی ایذا یا رعیت کے دِلوں میں بادشاہ کی حشمت اور ہیبت باطل ہونے کا خوف ہو اور جب بیٹھا ہو تو تین طرح کی نصیحت واجب ہے۔

ایک تو یہ کہ بادشاہ کوئی حرام کام کرتا ہو لیکن اسے اس کی حرمت کا علم نہ ہو تو اسے آگاہ کر دے۔

دوسری یہ کہ بادشاہ کوئی کام کرتا ہے اور جانتا ہے کہ یہ کام حرام ہے جیسے ظلم اور فسق تو اس صورت میں اسے ڈرائے اور نصیحت کرے اور اسے بتلائے کہ میاں دُنیا کی لذت اس قابل نہیں کہ آدمی اس کی وجہ سے آخرت کی سلطنت ضائع کر دے یا دین کا نقصان کرے۔

تیسری یہ کہ اگر عام لوگوں کی صلاح و فلاح کی کوئی بات جانتا ہو اور بادشاہ اس سے غافل ہو اور اسے اُمید ہو کہ میرے کہنے سے فائدہ ہو گا تو اسے ضرور خبردار کرے۔ یہ تین باتیں اس شخص پر لازم ہیں جو بادشاہ کے پاس جاتا ہو بشرطیکہ قبول کی اُمید ہو اور عالم جب بے نیاز اور باعمل ہو گا تو اس کی بات ضرور سنی اور مانی جائے گی اور دُنیا پرست ہو تو اس کا چپ رہنا ہی بہتر ہے کیونکہ اس کی بات سے جگ ہنسائی کے سوا کچھ نہ پلے پڑے گا۔ حضرت مقاتل بن صالح رحمۃ اللہ علیہ

نے کہا ہے کہ میں حضرت حماد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بیٹھا تھا اُن کے گھر میں ایک چٹائی' چمڑے کے ٹکڑے' قرآن مجید اور لوٹے کے سوا کچھ نہ تھا۔ کسی نے دروازہ پر دستک دی۔ پوچھا کون؟ تو آواز آئی خلیفۂ وقت محمد بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ ۔ خیر وہ اندر آیا اور پوچھا کہ اس کا کیا سبب ہے کہ جب میں آپ کو دیکھتا ہوں تو میرے دِل میں ہیبت پیدا ہو جاتی ہے۔ حضرت حماد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس کا سبب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس عالم کا عِلم سے مقصد محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہوتی ہے اس سے سبھی ڈرتے ہیں اور جس کا مقصد دُنیا ہو وہ سب سے ڈرتا ہے۔ خلیفہ نے چالیس ہزار درہم اُن کے سامنے رکھے اور عرض کیا کہ ان کو اپنے استعمال میں لائیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اصل مالک کو دیئے جائیں۔ خلیفہ نے قسم کھائی کہ میں نے اپنی میراث سے حاصل کیے ہیں۔ پھر آپ نے فرمایا مجھے ضرورت نہیں۔ اُس نے کہا آپ مستحقین میں تقسیم کر دیں۔ آپ نے فرمایا شاید میں تقسیم میں انصاف نہ کر سکوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی یونہی کہہ دے کہ اُس نے انصاف نہیں کیا تب وہ گنہگار ہو گا اور مجھے یہ بھی پسند نہیں۔ الغرض وہ رقم نہیں لی۔ اگلے دَور کے اہل عِلم کی باتیں ایسی ہی ہوتی تھیں اگر وہ بادشاہوں کے پاس جاتے بھی تو یوں جیسے حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ خلیفہ ہشام بن عبدالملک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے — حکایت ہے کہ خلیفہ ہشامؒ جب مدینہ منورہ پہنچے تو کہا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کوئی موجود ہوں تو اُن سے میری ملاقات کا انتظام کیا جائے۔ انھیں بتایا گیا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم انتقال کر گئے پھر تابعین کا کہا تو حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ کو اُس کے پاس لے گئے۔ انھوں نے اندر جا کر جوتا اتارا اور کہا السلام علیک یا ہشام! تم کیسے ہو؟ اسے غُصّہ آیا زیادتی کرنا چاہتا تھا لیکن لوگوں نے کہا یہ جوار رسول ہے اور یہ شخص اکابر علماء میں شمار ہوتا ہے۔ تب ہشام نے پوچھا کہ آپ کی اس جرأت و دلیری کا سبب؟ آپ نے کہا کہ میں نے کیا کہا؟ اس بات سے اور غُصّہ آیا۔ اور کہنے لگا کہ آپ کے عمل میں چار باتیں بے ادبی کی تھیں۔

ایک تو لب فرش جوتا اُتارا جب کہ چاہیے یہ تھا کہ جوتا یا موزہ پہن کر بیٹھا جاتا۔ دوسرے یہ کہ مجھے امیرالمؤمنین نہ کہا۔ تیسرے یہ کہ میرا نام لے کر مجھے پکارا اور میری کنیت نہ بولی حالانکہ میں عرب میں کنیت میں مخاطب زیادہ پسندیدہ ہے اور چوتھے یہ کہ میرے سامنے بغیر اجازت بیٹھ گئے اور میری دست بوسی نہ کی۔ حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تیرے سامنے جوتا اتارنے کا سبب یہ ہے کہ ہر روز پانچ بار اس ربّ العزت کے سامنے جوتا اتارتا ہوں جو سب کا مالک ہے اور وہ مجھ سے کبھی اس حرکت کی وجہ سے ناراض نہیں ہوا۔ امیرالمؤمنین نہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ تیری امارت پر سب لوگ متفق نہیں اگر یہ لفظ کہتا تو گویا جھوٹ بولتا اور کنیت کے بجائے جو نام سے تجھے کہا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کو نام لے کر ہی پکارا ہے جیسے یا داؤد' یا یحییٰ' یا علی اور اپنے دشمنوں کو کنیت سے مخاطب کیا جیسے ﴿ تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ ﴾ اور تیری دست بوسی نہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ امیرالمؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ اپنی بیوی اور بچے کے سوا کسی کا ہاتھ چومنا درست نہیں۔ بیوی کا فطری تقاضوں کے سبب اور بچے کا رحمت و شفقت کے سبب! اور تیرے سامنے بیٹھنے کا سبب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو کسی دوزخی کو دیکھنا چاہے تو وہ اس شخص کو دیکھ لے جو خود تو بیٹھا ہو اور خُدا کے بندے اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہوں۔ یہ باتیں ہشام کو پسند آئیں تو کہنے لگا کہ مجھے نصیحت کیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ دوزخ میں پہاڑ کے برابر سانپ

اور اونٹ کے برابر بچھو ہیں وہ ایسے حکمران کی راہ تک رہے ہیں جو رعایا کے ساتھ عدل نہیں کرتے یہ فرمایا اور اُٹھ کر چلے گئے۔

ایک دوسری حکایت منقول ہے کہ خلیفہ سلیمان بن عبدالملک رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ آئے تو حضرت ابو حازم رحمۃ اللہ علیہ کو بلایا جو علماء کبار میں سے تھے۔ خلیفہ نے آپ سے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ ہم لوگ موت سے ناخوش رہتے ہیں فرمایا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ تم لوگوں نے عقبیٰ سے زیادہ دُنیا کا خیال کیا ہے اور اسے آباد کیا ہے اب آبادی سے ویرانے کی طرف جاتے ہوئے تمھیں ہچکچاہٹ ہوتی ہے۔ پھر پوچھا کہ جب مخلوقات اللہ کے سامنے جائے گی تو اس کا کیا حال ہو گا۔ آپ نے فرمایا کہ نیک آدمی تو اس شخص کی مانند ہو گا جو سفر سے پلٹ کر آیا ہو تا کہ اپنے عزیزوں سے ملے اور بدکار کی مثال اس بھگوڑے غلام جیسی ہے جس کو زبردستی مالک کے پاس پکڑ کے لے جائیں۔ کہنے لگا کاش مجھے معلوم ہو جائے کہ میرا وہاں کیا حال ہو گا؟ فرمایا قرآن شریف کھول کر دیکھ لو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۝ وَّاِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ۝ ﴾

پھر اُس نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا:

﴿ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾

تو سلاطین کے ساتھ علمائے دین کی باتیں ایسی ہوا کرتی تھیں رہ گئے علمائے دُنیا تو ان کی باتیں تعریف و توصیف پر مشتمل ہوتی تھیں اور یہ ایسی باتیں تلاش کرتے جن سے بادشاہ خوش ہوں اور ایسا شرعی حیلہ تلاش کرتے کہ بادشاہوں کی مُراد بر آئے۔ اگر نصیحت کرتے تو یہ مطلب ہوتا کہ اس سے عزت حاصل ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر دوسرا شخص وہی نصیحت کرے تو یہ حسد کرتے ہیں۔ بہرحال ظالموں سے نہ ملنا اور اُن کے ساتھ دوستی نہ کرنا اولیٰ ہے اور اُن کے دوستوں اور مصاحبین سے بھی دوستی نہ کرنی چاہیے۔ گوشۂ عزلت اختیار کیے بغیر اور دوسروں سے قطع محبت کے بغیر اگر ظالموں سے نہ بچ سکے تو گوشۂ تنہائی اختیار کرے۔ جناب رسول اکرم ﷺ نے فرمایا جب تک میری امت کے علماء اُمراء سے موافقت نہ کریں گے اس وقت تک میری امت کے لوگ اللہ تعالیٰ کی حمایت و پناہ میں رہیں گے۔ الغرض رعایا کے حالات کی خرابی کا سبب بادشاہ ہیں اور بادشاہوں کی خرابی کا سبب علماء ہیں کیونکہ انکی اصلاح کرنے کی بجائے ان کی غلطیوں کے باوجود میل جول رکھتے ہیں۔

فصل ۸: اگر کوئی بادشاہ کسی عالم کے پاس رقم بھیجے تاکہ وہ اسے خیرات کر دے تو اگر اس عالم کو معلوم ہے کہ اس مال کا مالک فلاں شخص ہے تو وہ یہ رقم بالکل تقسیم نہ کرے بلکہ اسے کہہ دینا چاہیے کہ یہ مال اس کے مالک کو لوٹا دیا جائے۔ اگر مالک کا ظاہری طور پر علم نہ ہو تب بھی علماء کے ایک گروہ نے اسے لینے اور بانٹنے سے منع کیا ہے اور ہمارے نزدیک بہتر یہ ہے کہ عالم ایسا مال ظالم اُمراء سے لے کر خیرات کر دے تاکہ اس کے پاس نہ رہے اور کسی اور مصیبت کا باعث نہ بنے اور ظلم و فسق کے کاموں میں صرف نہ ہو اور فقراء کو راحت نصیب ہو۔ ایسے مال کو تین شرائط کے ساتھ فقراء میں بانٹ دے۔

پہلی شرط یہ ہے کہ اس کے لینے سے بادشاہ یہ خیال نہ کرے کہ یہ حلال مال ہے اور یہ نہ سمجھے کہ اگر حرام ہوتا تو

یہ عالم اسے نہ لیتا۔ کیونکہ اس صورت میں حرام کا مال اکٹھا کرنے میں وہ بے باک ہو جائے گا۔ تو اس صورت میں خیرات بانٹنے کی بھلائی سے برائی زیادہ ہے۔

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ ایسا عالم نہ ہو کہ دوسرے لوگ وہ مال لیتے ہیں تو اس کی اقتدا کریں لیکن بانٹنے میں غافل رہیں جیسا کہ بعض لوگوں نے دلیل کے طور پر کہا ہے کہ حضرت امام شافعی قدس سرہٗ خلفاء کا مال لیتے تھے لیکن انھیں یہ خبر نہیں کہ لے کر تمام مال خیرات کر دیتے تھے۔

حکایت : حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ حجاج کے بھائی کے پاس گئے۔ حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ اس کو نصیحت کرتے صبح صبح سردی سخت تھی اس کے حکم سے لوگوں نے ایک چادر حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ کے کندھے پر ڈال دی۔ آپ کرسی پر تشریف فرما تھے اور ہل ہل کر باتیں کر رہے تھے چادر اُن کے کندھے سے گر گئی۔ حجاج کے بھائی نے دیکھا تو خفگی کا اظہار کیا جب دونوں بزرگ باہر تشریف لائے تو حضرت وہب نے حضرت طاؤس سے کہا کہ اگر تم چادر لا کر کسی فقیر کو دے دیتے تو بہتر تھا اور یہ امیر بھی خفا نہ ہوتا۔ حضرت طاؤس نے کہا کہ مجھے یہ ڈر تھا کہ کوئی دوسرا میری پیروی میں مال تو لے لے لیکن اسے یہ معلوم نہ ہو کہ میں نے تو فقیر کو دے دیا ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ اس وجہ سے اس کے دِل میں بادشاہ کے لیے عقیدت کے جذبات نہ پیدا ہوں کیونکہ ظالم کی محبت بہت سے گناہوں کا سبب ہوتی ہے نیز یہ چیز چرب زبانی اور خوشامد کا ذریعہ بنتی ہے۔ ظالم کی موت اور معزولی سے رنج ملال اور اس کی حشمت و حکومت کی زیادتی سے شادان اور خوشحال ہونے کا سبب ہوتی ہے اسی لیے جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا مانگی کہ اے اللہ کسی فاسق کو یہ قدرت نہ دے کہ وہ میرے ساتھ احسان کرے کیونکہ اس صورت میں میرا دِل اس کی طرف راغب ہو گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات اِس لیے فرمائی کہ محسن کے لیے دِل میں خواہ مخواہ رغبت پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ﴾

حکایت : کسی خلیفہ نے حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کے پاس دس ہزار درہم بھیجے۔ انھوں نے سارے کے سارے خیرات کر دیئے۔ اپنے لیے ایک درہم بھی نہ رکھا۔ حضرت محمد واسع رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے کہا کہ سچ سچ بتلاؤ کہ ان دس ہزار درہموں کے سبب تمھارے دِل میں خلیفہ کی محبت کچھ زیادہ ہوئی۔ فرمایا ہاں زیادہ ہوئی۔ وہ بولے میں اس بات سے ڈرتا تھا۔ آخر اس مال کی شامت نے اپنا کام دکھایا۔

حکایت : بصرہ میں ایک بزرگ تھے جو بادشاہ سے مال لے کر خیرات کرتے تھے لوگوں نے ان سے کہا کہ کیا تمھیں اس بات کا خوف نہیں کہ اس وجہ سے بادشاہ کی محبت تمھارے دِل میں پیدا ہو جائے گی۔ آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص میرا ہاتھ پکڑ کر جنت میں لے جائے اور پھر گناہ کرے تو اس کو بھی میں دشمن تصور کروں گا اور اس شخص کے لیے بھی دشمن جانوں گا جس نے اسے میرا مطیع کر دیا کہ وہ میرا ہاتھ پکڑ کر جنت میں لے گیا جب کسی شخص کو اپنے دِل پر ایسی قدرت حاصل ہو تو اس کے لیے بادشاہوں کے پاس سے مال لے کر تقسیم کرنا درست اور صحیح ہے۔

فصل ۵ : اللہ تعالیٰ کی مخلوق کا حق ادا کرنے اور عزیزوں، ہمسایوں، لونڈی، غلاموں اور فقیروں کی اللہ کے لیے خدمت کرنے کا بیان

اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کی جو راہ ہے دُنیا اس کی ایک منزل ہے اور تمام لوگ اس منزل کے مسافر ہیں چونکہ سب مسافروں کا مقصد سفر ایک ہے اِس لیے ضروری ہے کہ ان میں محبت و اتحاد اور باہمی تعلق ہو اور یہ ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھیں۔ آنے والے تین بابوں میں انھی حقوق کی تفصیل ہے۔

باب : ۱

وہ دوستی اور بھائی چارہ جو محض اللہ کے لیے ہو اس کا بیان

کسی کے ساتھ اللہ کے لیے دوستی اور بھائی چارگی رکھنا بہترین عبادت اور اونچے درجے کا کام ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس کی بھلائی چاہتے ہیں اسے اچھا دوست عنایت فرما دیتے ہیں تاکہ وہ اگر اللہ کو بھول جائے تو اس کا دوست اسے یاد دلا دے اور اگر وہ اللہ کی راہ میں مصروفِ سفر ہو تو وہ دوست اس کا یار و مددگار ہو اور فرمایا کہ جب دو مخلص مومن آپس میں ملتے ہیں تو ایک دوسرے کو ضرور فائدہ ہوتا ہے اور فرمایا کہ جو کسی کو اللہ کی راہ میں اپنا بھائی بنائے گا اس کو جنت میں ایسا بلند درجہ ملے گا جو کسی اور کام سے حاصل نہیں ہوتا۔ حضرت ابوادریس خولانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں آپ کو اللہ کے لیے دوست رکھتا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ تمھیں بشارت ہو کیونکہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ قیامت کے دن عرشِ الٰہی کے اِرد گرد کرسیاں بچھائی جائیں گی ان پر جو لوگ بیٹھیں گے اُن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے باقی لوگ خوف زدہ ہوں گے لیکن یہ کرسی نشین مطمئن ہوں گے۔ اللہ کے ان دوستوں کو نہ ڈر ہو گا نہ غم! لوگوں نے عرض کیا کہ یہ کون لوگ ہوں گے فرمایا اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِی اللّٰہِ یعنی اللہ کے لیے باہمی دوستی کرنے والے۔

اور فرمایا کہ جو دو آدمی آپس میں اللہ کے لیے محبت رکھتے ہوں ان میں خُدا کا زیادہ پیارا اسے نصیب ہوتا ہے جو اپنے دوست سے زیادہ پیار کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وہ لوگ میری دوستی کے حق دار ہیں جو محض میرے لیے ایک دوسرے سے ملاقات کریں اور میری خاطر ایک دوسرے سے دوستی رکھیں اور میرے لیے مال میں ایک دوسرے سے آسانی برتیں اور ایک دوسرے کی مدد کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ وہ لوگ کہاں ہیں جنھوں نے میرے واسطے آپس میں دوستی و محبت کا برتاؤ کیا تھا تاکہ آج کے دن میں انھیں اپنے عرش کے سایہ میں ٹھکانہ عطا فرماؤں۔ جناب سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن جب کسی کو سایہ نہ ملے گا تو سات آدمی اللہ تعالیٰ کے عرش کے سایہ تلے ہوں گے۔ ایک عادل بادشاہ، دوسرا وہ نوجوان جس نے ابتدائے جوانی سے اللہ کی عبادت میں وقت گزارا ہو۔ تیسرا وہ شخص جو مسجد سے نکل کر جائے تو اس کا دِل مسجد میں اٹکا ہوا ہو۔ چوتھے وہ دو شخص جو اللہ کے لیے دوستی رکھتے ہوں اس کی خاطر اکٹھے ہوں اور اسی کی خاطر علیحدہ ہوں پانچواں وہ شخص جو تنہائی میں

اللہ کو یاد کر کے روئے۔ چھٹا وہ شخص جسے کوئی صاحب مال و جمال عورت اپنے پاس بلائے اور وہ کہے کہ میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں اور ساتواں وہ شخص جس نے دائیں ہاتھ سے اس طرح خیرات دی کہ اس کے اپنے بائیں ہاتھ تک کو خبر نہ ہوئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ کے لیے اپنے دینی بھائی سے ملتا ہے ایک فرشتہ اس کے پیچھے آواز لگاتا ہے کہ تجھے اللہ تعالیٰ کی بہشت مبارک ہو اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص اپنے کسی دوست کی ملاقات کے لیے جا رہا تھا اللہ کے حکم سے اسے راستہ میں فرشتہ ملا اور اس سے پوچھا کہ تم کہاں جا رہے ہو۔ اُس نے کہا کہ اپنے فلاں بھائی سے ملنے جا رہا ہوں۔ فرشتہ نے پوچھا کہ اس نے تیرے ساتھ کوئی بھلائی کی ہے؟ اُس نے کہا کہ نہیں فرشتہ نے سوال کیا پھر آخر جانے کی وجہ؟ اُس نے کہا کہ میں اسے اپنا دوست سمجھتا ہوں اور اللہ کے لیے اس کے پاس جا رہا ہوں۔ فرشتہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تیرے پاس بھیجا ہے تاکہ تجھے خوشخبری دوں کہ اللہ تعالیٰ تجھے دوست رکھتے ہیں اور تیری خاطر انھوں نے جنت کا لازمی فیصلہ کر لیا ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایمان کے باب میں مضبوط ترین دستاویز وہ دوستی اور دشمنی ہے جو اللہ کے لیے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک نبی پر وحی بھیجی کہ تو نے جو زہد اختیار کیا ہے اس سے راحت حاصل کرنے میں تو نے جلدی کی کہ دُنیا اور اس کے رنج سے محفوظ ہو گیا اور میری عبادت میں مشغولیت کی وجہ سے تو نے عزت حاصل کر لی لیکن دیکھ کہ کبھی تو نے میرے دوستوں سے دوستی اور دشمنوں سے دشمنی رکھی ہے؟ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ اہل زمین و آسمان کی تمام عبادتیں تو بجالائے اور ان عبادتوں میں کسی کی دوستی اور دشمنی میرے واسطے نہ ہو تو وہ عبادتیں بے فائدہ ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اللہ کے مجرموں کے ساتھ دشمنی کر کے اپنے آپ کو اللہ کا پیارا بناؤ اور ان سے دُور رہ کر اپنے آپ کو اس کے قریب کرو اور ان پر غُصہ کر کے اپنے لیے اللہ کی رضامندی تلاش کرو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اے رُوح اللہ ہم کس کے پاس بیٹھا کریں؟ فرمایا ایسے شخص کے پاس جس کی زیارت سے تمھیں خُدا یاد آ جائے اور جس کی بات تمھارا عِلم بڑھانے کا ذریعہ بنے اور جس کا کردار تمھیں آخرت کی طرف مائل کرے۔ حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اے داؤد تم لوگوں سے بھاگ کر الگ تھلگ کیوں بیٹھے ہو؟ عرض کیا اے اللہ آپ کی دوستی نے مخلوق کی یاد میرے دل سے بھلا دی اور میں سب سے متنفر ہو گیا۔ فرمایا اے داؤد ہوشیار رہو اور اپنے لیے بھائی پیدا کرو اور جو دین کی راہ میں تمھارے معین و مددگار نہ ہوں ان سے البتہ دُور رہو کہ وہ تمھارے دل کی تاریکی کا سبب بن جائیں گے اور مجھ سے تمھیں دُور کر دیں گے۔ جناب سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ایسا ہے جو آدھا برف اور آدھا آگ سے بنا ہے وہ عرض کرتا ہے کہ اے اللہ تو نے جس طرح برف اور آگ میں باہم ملاپ کر دیا اسی طرح اپنے بندوں کے دلوں میں باہم محبت پیدا فرما دے اور فرمایا کہ جو لوگ اللہ کے واسطے آپس میں دوستی رکھتے ہیں اُن کے لیے سرخ یاقوت کا ایک ستون کھڑا کیا جائے گا جس کی چوٹی پر ستر ہزار دریچے ہوں گے ان پر سے وہ اہل جنت کو جھک کر دیکھیں گے اور اُن کے چہروں کا نور اہل جنت پر اس طرح پڑے گا جس طرح آفتاب کا نور دُنیا پر پڑتا ہے اہل جنت کہیں گے کہ چلو ان کو چل کر دیکھیں ان لوگوں کے بدن پر سبز ریشم کا لباس ہو گا اور انکی پیشانیوں پر لکھا ہو گا: اَلْمُتَحَابُّوْنَ فِی اللّٰہِ "اللہ کے لیے آپس میں دوستی کرنے والے"۔

ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ نے موت کے وقت بارگاہِ قدس میں عرض کیا کہ تو جانتا ہے کہ میں گناہ کرتے وقت تیرے فرمانبرداروں کو دوست رکھتا تھا اے اللہ میرے حق مین اس عمل کو میرے گناہوں کا کفارہ بنا دے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اللہ کے لیے دوستی کرنے والے جب ایک دوسرے کو دیکھ کر خوش ہوتے ہیں تو اُن کے گناہ یوں جھڑ جاتے ہیں جیسے درخت کے پتے۔

اللہ کے لیے کونسی دوستی ہے؟

وہ دوستی جو مکتب' سفر' مدرسہ یا ایک محلّہ میں اکٹھا رہنے سے آپس میں ہو جاتی ہے اس سے مُراد وہ نہیں ہے اور کسی ایسے شخص سے دوستی کرنا جو دیکھنے میں خوبصورت' بات میں شیریں بیان اور دِل کے اعتبار سے ہلکا ہو تو ایسے شخص کی دوستی بھی اس فضیلت کا باعث نہیں۔

اور اگر کسی ایسے شخص سے دوستی کی جائے جس کی وجہ سے تجھے کوئی مرتبہ یا مال حاصل ہوا ہو یا اس سے دُنیا کا کوئی کام اٹکا ہوا ہو تو پھر بھی یہ اجر نہیں ملے گا۔ ایسی دوستی تو ان لوگوں سے بھی ممکن ہے جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے جب کہ اللہ کے لیے جو دوستی ہوتی ہے وہ ایمان کے بغیر نہیں ہو سکتی اس کے دو درجے ہیں۔

پہلا درجہ تو یہ ہے کہ کسی کے ساتھ کسی غرض سے دوستی کی جائے اور وہ غرض ایسی ہو جو اس سے متعلق ہو البتہ یہ ہے کہ وہ غرض دینی اور اللہ کے لیے ہو۔ جیسے تو استاذ کو اِس لیے دوست رکھے کہ وہ تجھے عِلم سکھاتا ہے تو اگر عِلم سے تیرا مقصود آخرت ہے مال و جاہ کی طلب نہیں تو یہ دوستی فی الحقیقت اللہ کے لیے ہے اور اگر تیرا مقصود عِلم سے دُنیا ہے تو استاذ کے ساتھ جو تعلق ہو گا وہ اللہ کے لیے نہ ہو گا۔

اور اگر کوئی استاذ شاگرد سے تعلق خاطر اِس لیے رکھے کہ وہ اس سے علم سیکھے اور عِلم کے ذریعہ سے اسے اللہ کی رضامندی حاصل ہو تو یہ دوستی بھی اللہ کے لیے ہے اور جاہ و حشمت مقصود ہو گا تو پھر یہ دین دوستی نہ ہو گی۔ وہ شخص جو صدقہ ادا کرتا ہو ایسے شخص کو دوست بنالے جو شرعی شرائط کے موافق صدقہ فقراء تک پہنچا دیتا ہو اور فقراء کی مہمانی کرتا ہو یا ایسے شخص سے دوستی جو فقراء کے لیے اچھا کھانا تیار کرتا ہو بلکہ ایسے شخص سے تعلق جو عبادت میں خاطر جمعی کی غرض سے اس کی کفالت کرتا ہو تو یہ تعلق بھی اللہ کے لیے ہو گا۔ بہت سے علماء اور زہاد نے اُمراء کے ساتھ اسی مقصد کے لیے دوستی رکھی اور یہ دونوں فریق اللہ کے دوستوں میں شمار ہوتے ہیں بلکہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے اِس لیے دوستی رکھتا ہے کہ وہ اسے برائی سے بچاتی اور اس کی اولاد کی پیدائش کا سبب ہے جو ان کے حق میں دُعا کرے گی تو یہ دوستی بھی دینی دوستی ہو گی اور اسے جو نفقہ دے گا وہ صدقہ کے حکم میں ہو گا۔ اور اگر کوئی شخص اپنے ماتحت سے ان دو وجھوں سے دوستی رکھتاہے کہ وہ اس کی خدمت کرتا اور اس کے لیے عبادت فراغت کے ساتھ کرنے کا سبب بنتا ہے تو یہ دوستی بھی اللہ کے لیے ہو گی اور اس پر اسے ثواب ملے گا۔

دوسرا درجہ جو پہلے درجہ سے بڑھا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ کسی کو محض اللہ کے لیے دوست بنائے۔ فریقین میں سے کسی کو کوئی غرض نہ ہو نہ سیکھنا نہ سکھانا' نہ عبادت کی فرصت مقصود ہو بلکہ اِس لیے دوستی ہو کہ وہ اللہ کا فرمانبردار ہے یا

محض یہ خیال ہو کہ وہ اللہ کا بندہ اور اس کی مخلوق میں سے ہے تو یہ دوستی اللہ کے لیے ہو گی اور اس پر بہت زیادہ ثواب نصیب ہو گا۔ اِس لیے کہ یہ چیز اللہ تعالیٰ کے ساتھ کمالِ محبت کے سبب پیدا ہوتی ہے جسے عشق کا درجہ کہنا چاہیے۔ مثلاً جب کوئی شخص کسی پر عاشق ہوتا ہے تو معشوق کی گلی اور محلّہ تک کو دوست رکھتا ہے اور خانہ یار کی دیوار تک سے پیار کرتا ہے بلکہ جو کتا معشوق کی گلی میں جاتا ہے وہ اور کتوں سے زیادہ مرغوب ہوتا ہے تو جو اس کے معشوق کو دوست رکھتا ہے یا جسے اس کا معشوق دوست رکھتا ہے اس کو اور معشوق کے فرمانبردار' نوکر اور ماتحت لونڈی غلام کو اور اس کے صاحب تعلق کو خواہی نخواہی دوست رکھے گا اس لیے کہ جو چیز معشوق سے کوئی بھی نسبت رکھتی ہے اس کی دوستی عاشق کے دِل میں سرایت کر جاتی ہے اور عشق جتنا زیادہ ہوتا ہے اتنی ہی اس کی سرایت اور تاثیر بھی اوروں کے مقابلہ میں زیادہ ہوتی ہے تو جس شخص کے دِل میں اللہ کی دوستی عشق کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے وہ بالعموم اس کے بندوں کو دوست رکھتا ہے بالخصوص اس کے دوستوں کو! اس کی ساری مخلوقات کو دوست رکھنے کا سبب یہ ہوتا ہے کہ جو چیز پیدا ہوئی وہ اپنے محبوب کی قدرت اور صنعت کی نشانی ہے اور عاشق اپنے معشوق کے خط اور اس کی صنعت کو بھی دوست رکھتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لوگ جب نیا میوہ حاضر کرتے تو آپ اس میوہ کی تعظیم فرماتے اور اسے اپنی آنکھوں سے لگاتے اور فرماتے کہ اس کا زمانہ اللہ تعالیٰ سے قریب تر ہے یعنی یہ صانع حقیقی کی تازہ صفت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی دوستی دو قسم پر ہے ایک تو وہ دوستی جو دُنیا اور آخرت کی نعمت کے واسطے ہو دوسری وہ جو محض اللہ کے واسطے ہو اور اس میں دوسری کسی چیز کا دخل نہ ہو اور اس کا درجہ بہت بڑا ہے اور اصل محبت جو چوتھے رکن میں ہے اس میں اس کا بیان آئے گا۔

الغرض اللہ کی محبت کی قوت ایمان کی قوت کے ساتھ موافق ہوتی ہے جس قدر ایمان قوی ہو گا اسی قدر محبت بھی قوی ہو گی۔ پھر اللہ کے دوستوں اور مقبولانِ بارگاہِ صمد میں وہ سرایت کرے گی اگر کسی مقصد کی خاطر محبت ہوتی تو انبیاء و اولیاء جو ہو گزرے ہیں ان کی محبت موجود نہ ہوتی حالانکہ ان سب کی دوستی مسلمان کے دِل میں ہوتی ہے جو شخص علماء سادات (یعنی اہل تقویٰ و صلاح) صوفیاء زہاد اور اُن کے خدام اور احباب کو دوست رکھے گا تو یہ دوستی اللہ کے لیے ہو گی۔ مگر دوستی کی مقدار کا حال مال و جاہ کے فدا کرنے میں کھلتا ہے کسی کا ایمان اور دوستی اتنی قوی ہے کہ وہ سب کچھ لٹا دیتا ہے جیسے امیر المؤمنین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سارا مال لٹا دیا اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جو نصف متاع لٹا دیتے ہیں جیسے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ! کوئی ایسا ہوتا جو تھوڑا مال دینے پر اکتفا کرتا ہے بہرحال کسی مومن کا دِل اصل دوستی سے خالی نہیں ہوتا اگرچہ وہ کم ہی ہو۔

اللہ کے لیے کونسی دشمنی ہے؟

جو شخص حضرت حق کے فرمانبرداروں سے اللہ کے لیے دوستی رکھے گا وہ کافروں' ظالموں' گنہگاروں اور فاسقوں سے ضرور بالضرور دشمنی رکھے گا اس لیے کہ جب کوئی کسی سے دوستی رکھتا ہے تو پھر اس کے دوستوں سے دوستی اور دشمنوں سے دشمنی بھی رکھتا ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں وغیرہ سے دشمنی رکھتے ہیں تو اگر کوئی مسلمان فاسق ہو تو اس کے

اسلام کے سبب تو اس سے دوستی رکھنی چاہیے۔ اور اس کے فسق کے سبب اس سے ناراضی ہونی چاہیے۔ گویا دوستی اور دشمنی آپس میں مخلوط ہونی چاہیے جب کوئی کسی کے ایک بیٹے کو لباسِ فاخرہ عنایت کرے اور دوسرے پر ظلم کرے تو وہ ایک وجہ سے دوست اور دوسری وجہ سے دشمن رکھتا ہے اور یہ بات محال نہیں اِس لیے کہ اگر کسی شخص کے تین بیٹے ہوں ایک ہوشیار اور فرمانبردار اور دوسرا احمق اور نافرمان اور تیسرا احمق اور فرمانبردار تو وہ پہلے بیٹے کو دوست رکھے گا دوسرے کو دشمن اور تیسرے کو ایک وجہ سے دوست اور ایک وجہ سے دشمن اور اس کی تاثیر معاملات میں ظاہر ہوتی ہے کہ ایک کی توقیر کرتا ہے اور دوسرے کی تحقیر اور تیسرے کا معاملہ بین بین رہتا ہے۔ الغرض جو اللہ کا نافرمان ہے اسے یوں سمجھ جیسے کوئی تمھارا نافرمان ہو اور تم مخالفت کی حد تک اس سے دشمنی رکھو اور اطاعت و فرمانبرداری کی حد تک دوستی! اس کا اثر باہم معاملت کرنے صحبت اختیار کرنے اور گفتگو میں ظاہر ہونا چاہیے۔ حتیٰ کہ مجرم سے تیزی طبیعت اِبا کرے اور اس سے سخت کلامی سے پیش آئے اور جس کا فسق بہت بڑھا ہوا ہو اسے اِبا اور انکار بھی زیادہ ہو۔ اور جب معاملہ حد سے بڑھ جائے تو پھر بالکل مُنہ پھیر لیا جائے۔ ظالم کے معاملہ میں فاسق سے زیادہ مبالغہ اور تشدد ہونا چاہیے مگر جس نے محض تیرے حق میں ظلم کیا ہو اس سے عفو و درگزر سے کام لینا زیادہ بہتر ہے اس معاملہ میں اسلاف کی عادات مختلف تھیں بعض تو دین کی مضبوطی اور شرعی سیاست کے سبب بہت سختی کرتے تھے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ حارث محاسی رحمۃ اللہ علیہ پر ناراض ہوئے کہ انھوں نے عِلمِ کلام میں ایک کتاب تصنیف کر کے معتزلہ کا رد لکھا تھا اور فرمایا کہ اس کتاب میں تم نے پہلے تو معتزلہ کے شبہات لکھے ہیں پھر ان کا جواب دیا ہے ممکن ہے کہ کوئی ان شبہات کو پڑھے اور یہ اس کے دِل میں جم جائیں اور جب یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں کسی سے کچھ نہیں کہتا اگر بادشاہ مجھے کچھ دے دے تو لے لوں گا تو آپ ان سے بھی ناراض ہوئے اور سلسلۂ کلام منقطع کر دیا۔ انھوں نے معذرت چاہی اور عرض کیا کہ میں مذاق کرتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ حلال روزی کھانا' دینی امور میں سے ہے اور دین میں مذاق درست نہیں لیکن بعض حضرات نے سبھی کو چشمِ رحمت سے دیکھا اور اصل یہ ہے کہ اس کا مدار نیت پر ہے اِس لیے کہ جس کی نظر توحید پر ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ قہر میں سب کو مضطر دیکھتا اور ترحم سے کام لیتا ہے یہ بڑی بات ہے لیکن اس میں احمقوں کے دھوکہ کھا جانے کا شبہ ہے اِس لیے کہ کوئی ایسا شخص ہو گا جس کے دِل میں سہل گیری کا مادہ ہو گا اور وہ اسے توحید سمجھے گا اور خیال کرے گا کہ اس کی علامت یہ ہے کہ اس کو مارا جائے' اس کا مال چھین لیا جائے' اس کی اہانت کی جائے اور اسے گالیاں دی جائیں تو اگر اس کا خیال یہ ہے کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے اور مخلوق کا اس میں کوئی اختیار نہیں تو ناراض نہ ہو اور شفقت کی نظر سے دیکھے جیسا کہ جناب سرورِ کائنات ﷺ کے دندانِ مبارک کافروں نے شہید کر دیئے اور آپ ﷺ کے چہرۂ انور سے خون بہنے لگا لیکن آپ ﷺ یہ دُعا مانگتے تھے :

((اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِی فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ.))

"اے اللہ میری قوم کو ہدایت دے یہ مجھے جانتے نہیں"

لیکن جب کوئی شخص اپنے معاملہ میں تو خفا ہو اور اللہ کے معاملہ میں چپ رہے تو یہ سہل گیری' نفاق اور حماقت ہے توحید نہیں۔ پس جس پر اس طرح توحید غالب نہ ہو اور وہ فاسق کو فسق کے سبب اپنے دِل میں دشمن نہ سمجھے تو یہ اس

کے ایمان کے ضعف اور فاسق کے ساتھ دوستی کی علامت ہے جیسے کسی شخص نے تیرے دوست کو بُرا کہا اور تو اس سے خفا نہ ہوا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تیری دوستی کوئی حقیقت نہیں۔

فصل : اللہ تعالیٰ کے مخالفین کے درجے مختلف ہیں۔ اِس لیے اُن کے ساتھ غصّہ اور تشدد میں بھی تفاوت ہو گا۔ پہلا درجہ حربی کافروں کا ہے اُن کے ساتھ دُشمنی فرض ہے انھیں یا تو قتل کر دینا چاہیے یا قید کر دینا چاہیے۔

دوسرا درجہ ذمی کافروں کا ہے اُن کے ساتھ بھی دُشمنی فرض ہے اور اُن کے ساتھ معاملہ یہ ہونا چاہیے کہ اُن کی تحقیر کی جائے تکریم نہ کی جائے۔ اُن کی راہ تنگ کرنی چاہیے۔ اُن کے ساتھ دوستی نہایت درجہ کی مکروہ چیز ہے بلکہ ممکن ہے کہ وہ حرام کے درجہ میں پہنچ جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ (ممتحنه)

ان لوگوں پر بھروسہ کرنا اور ان کو عامل و حاکم بنا کر مُسلمانوں پر مسلط کرنا اسلام کی اہانت اور کبیرہ گناہ ہے۔

تیسرا درجہ بدعتی کا ہے جو اللہ کی مخلوق کو بدعت کی طرف بلائے اس کے ساتھ بھی دُشمنی ظاہر کرنا ضروری ہے تاکہ مخلوق کو اس سے نفرت ہو بہتر یہی ہے کہ نہ اسے سلام کیا جائے نہ مُنہ لگایا جائے' نہ اس کے سلام کا جواب دیا جائے اِس لیے کہ جب وہ بلائے گا اور لوگ متوجہ ہوں گے تو اس کا شر اور فساد عام ہو جائے گا لیکن اگر وہ عام آدمی ہو اور لوگوں کو نہ بلائے تو اس کا کام بہت سہل ہو گا۔

چوتھا درجہ اس گنہگار کا ہے جو مخلوق کی اذیت کا باعث ہو مثلاً ظالم' جھوٹی گواہی دینے والا اور فیصلہ میں جانب داری کرنے والا۔ اسی طرح شعر میں ہجو کرنا' غیبت کرنا لوگوں میں فساد کی تخم ریزی کرنا تو ایسے لوگوں سے اعراض کرنا اور ان سے سختی بڑی اچھی بات ہے اور اُن کے ساتھ دوستی مکروہ ہے البتہ ظاہراً حرام نہیں اِس لیے کہ ایسا حکم منقول نہیں۔

پانچواں درجہ اس شخص کا ہے جو شراب پینے اور فسق میں مشغول ہو کسی کو اس سے رنج و اذیت نہ ہو اس کا کام آسان ہے ایسے شخص کو نصیحت کرنا بہت بہتر ہے بشرطیکہ قبول ہونے کی اُمید ہو ورنہ اِعراض بہتر ہے مگر اس کے سلام کا جواب دینا چاہیے اور اس پر لعنت نہ کرنی چاہیے۔ ایک شخص نے زمانۂ رسالت میں کئی بار شراب پی۔ اس پر حد لگی صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس پر لعنت کی تو کہا کہ اس کا فساد کب تک رہے گا؟ آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا اور کہا کہ اس کی دُشمنی کے لیے شیطان ہی کافی ہے تو شیطان کا معین و مددگار نہ بن۔

دوسرا باب :

مصاحبت کے حقوق اور شرائط کا بیان

یاد رکھو کہ ہر آدمی مصاحبت اور دوستی کے قابل نہیں بلکہ دوستی ایسے شخص سے ہونی چاہیے جس میں تین خصلتیں ہوں۔ ایک تو یہ کہ وہ عقلمند ہو کیونکہ احمق کی دوستی میں کوئی فائدہ نہیں بالآخر بدمزگی پیدا ہو جاتی ہے وجہ یہ ہے کہ وہ بیچارا بھلائی چاہے بھی تو حماقت کی وجہ سے بُرائی کر بیٹھتا ہے اور ایسے کام بے شعوری میں ہو جاتے ہیں۔ اِس لیے بزرگوں

کا قول ہے کہ احمق سے دُور رہنا ثواب ہے اور اس کے چہرہ پر نظر ڈالنا گناہ ہے۔ احمق وہ ہے جو کاموں کی حقیقت کو نہ پہچانے اور اگر اس سے کوئی بات کی جائے تو نہ سمجھے۔

دوسری خصلت یہ ہے کہ وہ خوش اخلاق ہو کہ بداخلاق آدمی سے سلامتی کی اُمید نہیں ہوتی جب اس کی بدخوئی جنبش کرے گی تو تیرا حق بالائے طاق رکھ کر چھوڑے گا اور قطعاً پروا نہیں کرے گا۔

تیسری خصلت یہ ہے کہ اس میں نیکی کی صلاحیت ہو کیونکہ جو شخص گناہ پر مُصر ہوتا ہے وہ اللہ سے نہیں ڈرتا اور جو اللہ سے نہیں ڈرتا اس پر اعتماد کرنا مناسب نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ﴾ (الکہف)

اگر وہ شخص بدعتی ہے تو اس سے دُور رہنا چاہیے اِس لیے کہ بدعت کی شامت دوسرے میں اثر کرتی ہے اور کوئی بدعت اس سے زیادہ بُری نہیں جو اب پیدا ہوئی کہ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ صاحب اللہ کے بندوں کو روکنا اور فسق و معصیت سے انھیں باز رکھنا ضروری نہیں کیونکہ ہمیں مخلوق کے ساتھ دُشمنی نہیں اور ہم ان پر حاکم نہیں۔ یہ بات اِباحت کی تخم ریزی کا سبب اور زندقہ کی اصل ہے اور بہت بڑی بدعت ہے ایسے لوگوں سے خلط ملط نہ رکھنا چاہیے۔ کیونکہ یہ بات خواہش نفس کے موافق ہے۔ شیطان اس کی مدد کر کے اِس بات کو انسان کے دِل میں آراستہ کر دے گا اور چند روز میں انسان ہر معاملہ میں اِباحتی بن جائے گا۔ حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ پانچ آدمیوں کی صحبت سے اِحتراز کرو ایک تو جھوٹا کہ اس سے ہمیشہ فریب کا خطرہ ہے۔

دوسرا احمق کہ وہ بے شعوری طور پر نفع کی بجائے نقصان کا موجب بنے گا۔ تیسرا بخیل کہ عین وقت پر دوستی سے ہاتھ کھینچ لے گا۔ چوتھا بُزدل کہ وہ ضرورت کے وقت مُنہ موڑ لے گا۔ پانچواں فاسق کہ وہ ایک لقمہ یا اِس سے بھی کم پر تجھے بیچ ڈالے گا۔ لوگوں نے پوچھا کہ لُقمہ سے کم کیا ہے تو فرمایا اُس کی طمع! حضرت جنید قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ وہ اہل علم جو بدخو ہو اس کی دوستی ایسے فاسق سے بُری ہے جو خوش خو ہو۔ چونکہ یہ خصائل بہت کم لوگوں میں جمع ہوتی ہیں اِس لیے تجھے چاہیے کہ صحبت و مصاحبت کی غرض پر تیری نظر ہونی چاہیے اگر مقصد محض اُنس و محبت ہے تو اچھے اخلاق کی فکر کرنی چاہیے اور اگر دین مقصود ہو تو علم و عمل کی تلاش ہونی چاہیے اور جب دُنیا پیش نظر ہو تو سخاوت و کرم پر نظر ہونی چاہیے۔

یاد رکھو کہ مخلوق تین طرح کی ہے بعض لوگ تو غذا کی مانند ہیں کہ ان کے بغیر چارہ نہیں جبکہ بعض دوا کی طرح ہیں اور ظاہر ہے کہ ان سے کبھی کبھار پالا پڑتا ہے اور بعض بیماری کی مانند ہیں کہ ان سے کبھی احتیاج نہیں پڑتی لیکن آدمی اُن میں پھنس جاتا ہے اور پھر نجات کی تدبیر و فکر کرتا ہے الغرض دوستی اس سے کرنی چاہیے جس سے تجھے دینی فائدہ ہو یا اس کو تجھ سے

مصاحبت اور محبت کا بیان

جب کسی سے مصاحبت کا تعلق ہو گیا تو وہ ایسا ہے جیسے عقد نکاح! اور اس کے کچھ حقوق ہیں۔ جناب رسول کریم

ﷺ کا ارشاد ہے کہ دو بھائیوں کی مثال دو ہاتھوں جیسی ہے جن سے ایک دوسرے کو دھویا جاتا ہے۔ یہ حقوق دس قسم کے ہیں۔

پہلی قسم مالی حقوق کی ہے اور یہ بزرگ ترین درجہ ہے کہ اپنے دوست بھائی کے حق کو مقدم سمجھے اور اپنا حصہ اسے دے دے جیسا کہ قرآن شریف میں انصار کے حق میں ہے:

﴿ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ (الحشر)

دوسرا حق یہ ہے کہ دوست بھائی کو اپنی مانند سمجھے اپنے اور اس کے مال کو مشترک خیال کرے اس میں آخری درجہ یہ ہے کہ اسے اپنا غلام اور خادم تصور کرے اور جو چیز اپنی حاجت سے زیادہ ہو وہ بن مانگے اسے دے دے اگر سوال تک نوبت پہنچ گئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دوستی کا حق ادا نہیں ہوا۔ اور اس نے دوست کے معاملہ میں سچی غم خواری کا مظاہرہ نہیں کیا۔ عتبۃ الغلام کے ایک دوست تھے انھوں نے کہا کہ مجھے چار ہزار درہم کی ضرورت ہے کہنے لگے اچھا آؤ میں دیتا ہوں لیکن دیئے ان کی طلب سے کم! دوست نے منہ پھیرلیا اور کہا کہ تمھیں احساس کرنا چاہیے اللہ کے لیے دوستی کا دعویٰ تو کرتے ہو لیکن دُنیا کو اس پر ترجیح دیتے ہو۔

حکایت: کسی بادشاہ کے سامنے چند صوفیا کے خلاف لوگوں نے چغل خوری کی۔ بادشاہ نے ان کے قتل کا فیصلہ کر لیا ان میں حضرت ابوالحسن نوری قدس سرہٗ بھی تھے وہ آگے بڑھے اور کہا کہ مجھے پہلے قتل کیا جائے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تم نے پہل کیوں کی؟ فرمایا کہ یہ سب میرے دوست اور بھائی ہیں میں نے سوچا کہ ایک ساعت پہلے ان پر اپنی جان نثار کر دوں۔ بادشاہ نے کہا سبحان اللہ جن لوگوں میں ایسی مروت ہو انھیں قتل کرنا مناسب نہیں اور سب کو رہا کر دیا۔ حضرت فتح موصلی قدس سرہٗ اپنے ایک دوست کے یہاں گئے اتفاق سے وہ موجود نہ تھے ان کی باندی سے ان کا صندوقچہ لانے کو کہا وہ لائی تو جو کچھ درکار تھا وہ اس میں سے لے لیا جب وہ دوست گھر آیا تو اُس نے سارا ماجرا سنا اور مارے خوشی کے باندی کو آزاد کر دیا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس ایک صاحب نے جا کر کہا کہ میں آپؓ سے دوستی کرنا چاہتا ہوں۔ آپؓ نے فرمایا تمھیں اس کا حق معلوم ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں تو آپؓ نے فرمایا کہ دوستی کا حق یہ ہے کہ تم اپنے مال میں تصرف کا مجھے اپنے سے زیادہ حقدار سمجھو۔ اُس نے کہا کہ میں ہنوز اس مرتبہ کو نہیں پہنچا۔ آپؓ نے فرمایا پھر تم سے یہ کام نہ ہو سکے گا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ ایک صحابیؓ کے پاس کسی نے تیار شدہ سری بھیجی۔ آپؓ نے فرمایا میرا فلاں دوست چونکہ بہت محتاج ہے وہ اس کا زیادہ حقدار ہے اس لیے آپ نے سری اس کے پاس بھیج دی۔ اس نے یہی کہہ کر دوسرے کے پاس بھیج دی۔ اس نے یہی کہہ کر دوسرے کے پاس دوسرے نے تیسرے کے پاس الغرض وہ کئی جگہ سے پھر پھرا کر پھر پہلے ہی دوست کے پاس پہنچ گئی۔

حضرت مسروق اور حضرت خثیمہ رحمہما اللہ میں دوستی تھی اور ہر ایک قرض دار تھا۔ ہر ایک نے دوسرے کا قرض اس طرح ادا کیا کہ دوسرے کو خبر تک نہ ہوئی۔ امیرالمؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ وہ بیس درہم جو کسی

دوست کے لیے خرچ کروں وہ ان سو درہموں کے مقابلہ میں مجھے زیادہ پسند ہیں جو کسی فقیر کو دیئے جائیں۔ جناب سرورِ کائنات ﷺ جنگل میں تشریف لے گئے وہاں آپ نے دو مسواک تیار کیں جن میں سے ایک سیدھی اور ایک ٹیڑھی تھی آپ ﷺ کے ساتھ جو صحابیؓ تھے سیدھی انھیں دے دی اور ٹیڑھی اپنے پاس رکھی۔ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ مسواک بہتر ہے اسے آپ اپنے استعمال میں لائیں۔ فرمایا کہ جب کوئی شخص کسی کے ساتھ گھڑی بھر محبت رکھتا ہے تو قیامت کے دن اس سے سوال ہو گا کہ تم نے مصاحبت کا حق ادا کیا یا ضائع کیا؟ اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ آدمی اپنے کام کی اور پسندیدہ چیز دوسرے کو دے دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دو آدمی جو آپس میں تعلق دوستی رکھتے ہوں ان میں اللہ کے نزدیک زیادہ بڑا وہ ہے جو دوسرے کے حق میں زیادہ شفیق اور مہربان ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ تمام کاموں میں دوست کی خواہش اور درخواست سے پہلے اس کی مدد کا لحاظ و اہتمام کرے۔ کشادہ دلی اور وسعت قلبی کے ساتھ دوست کی خدمت کرے۔ اسلاف کی عادت یہ تھی کہ وہ ہر روز اپنے احباب کے دروازوں پر جا کر گھر والوں سے حالات پوچھتے۔ لکڑی' آٹا' تیل اور نمک جیسی اشیاء صرف کا معلوم کرتے اور اپنے احباب کی ضروریات کا اپنی ضروریات سے زیادہ خیال رکھتے اور لطف یہ کہ کام کر کے ممنونِ احسان بھی ہوتے کہ خدمت کا موقعہ ملا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دینی بھائی مجھے بیوی بچوں سے زیادہ عزیز ہیں اس لیے کہ یہ دین یاد دلانے کا ذریعہ بنتے ہیں اور وہ دُنیا یاد دلانے کا باعث! حضرت عطا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تین دن بعد اپنے دوستوں کی ضرور خبر لو اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت کرو اگر کسی کام میں مشغول ہوں تو ان کی مدد کرو۔ بھول جائیں تو یاد دلاؤ۔ حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا ہے کہ میرا یہ حال ہے کہ میں دُشمن تک کی حاجت روائی کی فکر کرتا ہوں اور یہ کہ وہ بالکل ہی مجھ سے بے پروا نہ ہو جائے جب دُشمن کے معاملہ میں یہ حال ہے تو دوست کے معاملہ میں کیا نہیں کروں گا۔ اسلاف میں سے ایک بزرگ تھے جنھوں نے اپنے دوست کی وفات کے چالیس برس تک حق رفاقت یوں ادا کیا کہ اس کے اہل و عیال کی خدمت کی۔

تیسری قسم زُبان سے متعلق ہے کہ اپنے بھائیوں کے معاملہ میں اچھی بات کہے اور ان کے عیبوں کو چھپائے اگر کوئی ان کے پس پشت ان کا ذکر کرے تو اس کا جواب دے اور یہ سمجھے کہ وہ دیوار کے پیچھے سن رہا ہے جس طرح اپنی پیٹھ پیچھے اس کے طرزِ عمل کا متمنی ہوتا ہے اسی طرح کا رویہ خود بھی اپنائے۔ چرب زُبانی سے اجتناب کرے جب وہ کچھ کہے تو بلاوجہ تکرار نہ کرے اس کا راز راز رکھے اگرچہ اس سے انقطاع ہو چکا ہو کیونکہ اس کے برخلاف کرنا بدطینتی ہے اس کی طرح اس کے اہل و عیال اور دوست احباب کی بھی غیبت نہ کرے اگر کسی نے اس کی شکایت کی ہو تو اس سے بیان نہ کرے کیونکہ وہ رنجیدہ خاطر ہو گا اور اگر لوگ اس کی تعریف کریں تو اسے پوشیدہ نہ رکھے کیونکہ یہ حسد کی دلیل ہے گو اس سے کوئی تقصیر ہو جائے تو معاف کر دے اور اپنے ان قصوروں کو یاد کرے جو خُدا کی عبادت میں سرزد ہوتے ہیں اس طرح دوسرے کے قصور ہلکے نظر آئیں گے اور یہ بھی خیال کرے کہ بے خطا و بے عیب شخص کی تلاش مشکل ہے اور یوں مخلوق کی صحبت تو بالکل ترک ہو جائے گی۔

حدیث میں ہے کہ مومن ہمیشہ عذر تلاش کرتا ہے جبکہ منافق عیب جوئی میں لگا رہتا ہے تا آنکہ ایک نیکی کے بدلے

دس تقصیریں چھپائے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ بُرے شناسا سے پناہ مانگنا چاہیے۔ کیونکہ جب وہ بُرائی دیکھتا ہے تو ظاہر کرتا ہے اور اچھائی دیکھتا ہے تو چھپاتا ہے۔ جب کوئی قصور معذرت کے لائق ہو تو معاف کر کے نیک گمان کرنا چاہیے کیونکہ بدگمانی حرام ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومن کی چار چیزوں کو دوسروں پر حرام کیا ہے مال' جان' آبرو اور بدگمانی۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارا اس شخص کے متعلق کیا خیال ہے جو اپنے سوئے ہوئے بھائی کو ننگا کرنے کی غرض سے اس کی شرمگاہ سے کپڑا اتار پھینکے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اس کام کو کون پسند کرے گا؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم لوگ۔ کیونکہ تم اپنے بھائیوں کے عیب ظاہر کرتے ہو تاکہ لوگ ان سے واقف ہو جائیں۔ اسلاف کا قول ہے کہ جب کسی سے دوستی کرنا چاہو تو پہلے اسے غُصّہ دلاؤ پھر کسی کو اس کے پاس بھیجو جو تمہارا ذکر چھیڑے اگر وہ تمہارا راز فاش کر دے تو سمجھ لو کہ وہ دوستی کے قابل نہیں۔ اسی طرح بزرگوں نے کہا ہے کہ دوستی اس شخص سے کرو کہ وہ تیرا حال اس طرح جانے جس طرح اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور اسی طرح چھپائے جس طرح وہ چھپاتے ہیں۔ کسی شخص نے ایک دوست سے راز کی بات کہہ کر اس سے پوچھا کہ یہ بات تمہیں یاد ہو گی۔ اُس نے کہا نہیں میں تو بھولا ہوا ہوں۔ بزرگوں کا فرمان ہے کہ چار اوقات میں تجھ سے بدل جانے والا دوستی کے قابل نہیں۔ خوشی کے وقت' غصہ' طمع اور خواہش نفسانی کے وقت! اس کا فرض ہے کہ ان اوقات میں تیرے حقوق کا لحاظ رکھے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تمہیں اپنا مقرب بنایا ہے اور تمہیں بوڑھوں پر ترجیح دی ہے۔ پانچ باتوں کا لحاظ رکھنا۔ ایک تو یہ کہ ان کا راز فاش نہ کرنا۔ دوسرے ان کے سامنے کسی کی غیبت نہ کرنا۔ تیسرے ان سے جھوٹی بات نہ کہنا۔ چوتھے یہ کہ ان کے حکم کی خالف ورزی نہ کرنا اور پانچویں بات یہ کہ وہ تجھ سے کوئی خیانت نہ دیکھیں۔

یاد رکھیں کہ دوستی میں مناظرہ بازی اور اختلاف سے بڑھ کر کوئی چیز خلل کا باعث نہیں۔ دوست کی بات کو رد کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تم نے اسے احمق اور جاہل سمجھا اور اپنے آپ کو عاقل و فاضل خیال کیا۔ اس سے تکبر کیا اور اسے چشم حقارت سے دیکھا یہ باتیں دُشمنی کا باعث ہیں دوستی کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ تم اپنے بھائی کے کلام میں اختلاف مت کرو۔ اس سے ہنسی اور ٹھٹھا نہ کرو اور اس کے ساتھ وعدہ خلافی نہ کرو۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ اگر تو نے اپنے بھائی سے کہا کہ ذرا چلو اور اُس نے کہا کہ کہاں؟ تو وہ دوستی کے قابل نہیں بلکہ اسے چاہیے کہ فوراً اٹھ کھڑا ہو اور کچھ سوال نہ کرے۔ حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرا ایک دوست تھا میں اس سے جو مانگتا۔ وہ دے دیتا ایک دفعہ میں نے اس سے کہا کہ فلاں چیز درکار ہے۔ اس نے کہا کہ کس قدر؟ اتنی سی بات سے اس کی دوستی کی حلاوت میرے دل سے رخصت ہو گئی۔ دوستی کا نباہ اس معاملہ میں موافقت سے ہوتا ہے جس میں موافقت کر سکیں۔

چوتھی قسم یہ ہے کہ زُبان سے شفقت اور محبت ظاہر کرے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

((اِذَا اَحَبَّ اَحَدُکُمْ اَخَاہُ فَلْیُخْبِرْہُ))

یعنی جب کوئی کسی کو دوست رکھتا ہو تو چاہیے کہ اسے خبر کر دے۔ یہ آپ ﷺ نے اس لیے فرمایا تاکہ اس کے

دل میں محبت پیدا ہو۔ اس صورت میں دوسرے کی طرف سے دوئی محبت ہو گی۔ اس کے حالات کا پوچھنا اس کے رنج و راحت میں شریک ہونا اور اس کے رنج و خوشی کو اپنی خوشی و رنج سمجھنا چاہیے جب اسے بلائے تو اچھے نام سے بلائے اور اگر اس کا کوئی خطاب ہو تو اس سے مخاطب کرے کیونکہ ظاہر ہے کہ وہ اسے دوست رکھتا ہو گا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ دوستی تین چیزوں سے مضبوط ہوتی ہے ایک تو اچھے نام سے پکارنے سے' دوسرا سلام میں پہل کرنے سے تیسرا یہ کہ اسے بٹھانے میں پہل کی جائے اور یہ بھی ہے کہ پس پشت اس کی تعریف کرے۔ اسی طرح اس کے اہل و عیال اور متعلقین کو بھی خیر و خوبی سے یاد کرے۔ یہ وہ کام ہیں جن سے دوستی مضبوط ہوتی ہے نیز یہ کہ وہ احسان کرے تو اس کا شکر ادا کرے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے بھائی کی نیک نیتی پر شکر نہیں کرے گا۔ انسان کو چاہیے کہ اپنے دوست کی پس پشت مدد کرے یعنی جو شخص اس پر طعن کرے یہ اس کی تردید کرے اور دوست کو اپنی مانند خیال کرے۔ اگر اس کے سامنے اس کے دوست کا بُرائی سے ذکر ہو اور یہ خاموش رہے تو گویا اس نے اپنے دوست کو پٹتے دیکھا اور اس کی مدد نہ کی۔ حقیقت یہ ہے کہ بات کا زخم پٹنے سے زیادہ گہرا ہوتا ہے۔ کسی کا مقولہ ہے کہ جب کسی نے میرے دوست کے پس پشت اس کا ذکر کیا تو میں نے فرض کر لیا کہ وہ دوست موجود ہے اور سنتا ہے تو میں نے ایسے ہی جواب دیا گویا کہ وہ سنتا ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے دو بیلوں کو دیکھا جب بندھے ہوئے تھے حتیٰ کہ جب ایک اٹھا تو دوسرا بھی اٹھا۔ یہ دیکھ کر آپؓ نے بے اختیار رونا شروع کر دیا اور فرمایا کہ دینی بھائی بھی ایسے ہی ہوتے ہیں جو کھڑا ہونے اور چلنے پھرنے میں ایک دوسرے کی متابعت کرتے ہیں۔

پانچویں قسم یہ ہے کہ جتنا دینی علم اس کی ضرورت ہو وہ اسے سکھائے اس لیے کہ اپنے بھائی کو دوزخ کی آگ سے بچانا دُنیا کے رنج و اَلم سے چھڑانے کی نسبت زیادہ بہتر ہے۔ اگر علم سیکھنے کے بعد اس پر عمل کرے تو اس کو نصیحت کرے اور اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرائے لیکن نصیحت تنہائی میں ہونی چاہیے تاکہ فائدہ ہو برملا نصیحت میں بسا اوقات رسوائی کا خطرہ ہوتا ہے جو بات کہنی ہو نرمی سے کہے جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا:

((اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰةُ الْمُؤْمِنِ))

"مُسلمان دوسرے مُسلمان کے لیے آئینہ کی مانند ہے"

اس کا مقصد یہ ہے کہ ایک دوسرے کے ذریعہ اپنے عیب و نقصان معلوم کرے جب تیرے بھائی نے تنہائی میں تیرے عیب پر تجھے مطلع کیا تو اس کا ممنون ہونا چاہیے اور خفگی نہ کرنی چاہیے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص تجھے مطلع کرے کہ تیرے کپڑے کے اندر سانپ یا بچھو ہے تو اس سے کبھی خفا نہ ہو گا بلکہ اس کا احسان مانے گا۔ برے اخلاق آدمی میں سانپ بچھو کی مانند ہیں لیکن ان کا زخم قبر میں معلوم ہو گا اور اس سے روح متاثر ہو گی وہ اس جہان کے سانپ بچھوؤں سے زیادہ موذی ہیں کیونکہ ان کا زخم بدن پر ہوتا ہے۔ حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اس شخص پر اللہ کی رحمت ہو جو میرے عیب کو میرے سامنے بطور ہدیہ پیش کرے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے تو امیر المؤمنین نے فرمایا۔ سلمان میرے حالات میں جو بُری بات تم نے دیکھی اور سنی وہ مجھے سچ سچ بتاؤ۔ انھوں نے ہر چند معذرت کی لیکن حضرت عمرؓ نے مسلسل اِصرار و الحاح سے کام لیا تو حضرت سلمان نے فرمایا کہ میں

نے سنا ہے کہ ایک وقت میں آپ کے دستر خوان پر دو طرح کا کھانا ہوتا ہے اور آپ کے پیراہن دو ہیں ایک دن کا دوسرا رات کا۔ آپؓ نے فرمایا کہ یہ دونوں باتیں صحیح نہیں پھر پوچھا کوئی اور بات جو سنی تو فرمایا کہ نہیں۔ حضرت حذیفہ مرعشی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت یوسف اسباط رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ میں نے سنا ہے کہ تم نے اپنا دین دو دانوں کے عوض بیچ دیا ہے یعنی تم نے بازار میں کس چیز کی خریداری کی۔ اس کے مالک نے کہا کہ یہ چیز ایک دانگ (ایک قسم کا سکہ) کی ہے تو تم نے کہا تین طسوج یعنی دو حبہ (دانے) کے بدلے دے دو۔ اُس نے تمھارے تعارف کی وجہ سے تمھیں دے دی تو چونکہ اُس نے یہ رعایت تمھاری دینداری و پرہیزگاری کے سبب کی ہے اس لیے غفلت کا نقاب سر سے اتار دو اور خوابِ غفلت سے بیدار ہو جاؤ۔

جس شخص نے قرآن اور عِلم حاصل کرنے کے بعد دُنیا کی لالچ کی تو مجھے ڈر ہے کہ وہ آیاتِ الٰہی سے دِل لگی کرتا ہے پس دین کی رغبت کی نشانی یہ ہے کہ آدمی ناصح کا احسان مند ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جھوٹے لوگوں کے متعلق فرمایا ہے :

((وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ))

اور جو شخص ناصح کو دوست خیال نہیں کرتا تو تکبر و غرور اس کے دین و عقل پر غالب آ جاتا ہے۔ یہ ساری باتیں اس جگہ ہوتی ہیں جہاں آدمی اپنا عیب سمجھے ہی نہیں اور اگر سمجھ جائے تو اشارہ کنایہ میں نصیحت ہونی چاہیے۔ صراحت کے ساتھ اور علانیہ مناسب نہیں۔ اور اگر وہ ایسا قصور ہو جس کا تعلق تیری ذات سے ہو تو اسے مخفی رکھنا اور اس سے انجان بن جانا اولیٰ ہے بشرطیکہ دوستی سے دِل میلا نہ ہو اور اگر اس کا خطرہ ہو تو قطع تعلق سے غُصّہ بہتر ہے تاکہ غبار نکل جائے لیکن جھگڑے اور زُبان درازی سے قطع محبت بہتر ہے انسان کا دوستی سے مقصد یہ ہونا چاہیے کہ اپنے بھائیوں کی باتوں سے برداشت اور تحمل کا مظاہرہ کر کے اپنے اخلاق درست کرے یہ نہیں کہ ان سے بھلائی کی اُمید رکھے۔ ابوبکر کتانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرا ایک دوست تھا جس کی وجہ سے میرے دِل پر گرانی تھی۔ میں نے اس نیت سے اسے کچھ کہہ دیا تاکہ گرانی دور ہو جائے۔ اس کے باوجود گرانی دور نہ ہوئی تو میں اسے پکڑ کر اپنے گھر میں لایا اور اُس سے کہا کہ اپنا کف پا میرے منہ پر رکھو۔ اُس نے سختی سے انکار کیا تو میں نے بھی اصرار کیا حتیٰ کہ اُس نے اپنا تلوا میرے مُنہ پر رکھا جس سے وہ گرانی جاتی رہی۔ ابو علی رباطی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عبداللہ رازی رحمۃ اللہ علیہ میرے رفیق سفر تھے۔ انھوں نے کہا کہ راستہ میں امیر میں ہوں گا یا تم ہو گے میں نے کہا کہ تم! انھوں نے کہا جو کچھ میں کہوں گا اس میں میری فرمانبرداری کرنا ہو گی۔ میں نے کہا کہ ضرور! چنانچہ انھوں نے ایک برتن مانگا جس میں سفر کا سارا سامان بھر کر اپنی پیٹھ پر لاد لیا اور چل نکلے۔ میں نے اُن سے بہت اصرار کیا کہ مجھے دے دیجیے لیکن وہ نہ مانے اور کہا کہ تم نے میری امارت تسلیم کی ہے اب تمھیں حکمرانی کا حق نہیں۔ ایک رات جو بارش برسنے لگی تو وہ کمبل تان کر رات بھر کھڑے رہے جب میں بولتا تو فرماتے کہ میں سردار ہوں تمھیں فرمانبرداری کرنا ہو گی۔ تب میں اپنے دِل میں کہتا کہ کاش میں نے انھیں اپنا سردار نہ بنایا ہوتا۔

چھٹی قسم یہ ہے کہ جو بھول چوک ہو جائے اسے بخش دینا چاہیے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ اگر کوئی بھائی قصور کرے تو تجھے اپنی طرف سے ستر طرح کی عذر خواہی کرنی چاہیے پھر بھی تیرا نفس نہ مانے تو اپنے دِل کو ملامت کر کہ تو نہایت بدخو اور بدذات ہے کہ تیرے بھائی نے ستر طرح کے عذر کیے اور تو پھر بھی نہیں مانتا۔ اگر وہ قصور ایسا ہو جس میں گناہ ہو

تو نرمی سے نصیحت کرنی ضروری ہے تاکہ وہ اس کو ترک کردے اگر وہ اصرار نہیں کرتا تو پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہے کہ کیا کرنا چاہیے۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے تعلق توڑ لینا چاہیے کیونکہ جب دوستی اللہ کے لیے تھی تو اب دشمنی اللہ کے لیے ہونی چاہیے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایک گروہ نے فرمایا ہے کہ محبت و تعلق قطع نہ کرنا چاہیے اس لیے کہ ایسی بھی اُمید ہے کہ وہ اس گناہ سے باز آ جائے۔ ہاں ایسے شخص سے ابتداء دوستی نہ کرنی چاہیے اور جب محبت و تعلق کر بیٹھے تو پھر انقطاع درست نہیں۔ حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ کسی بھائی سے گناہ کے سبب قطع تعلق مناسب نہیں۔ اس لیے کہ ممکن ہے کہ آج وہ گناہ کرتا ہے تو کل باز آ جائے اور حدیث میں ہے کہ اہل علم کی خطا کا ڈھنڈھورا نہ پیٹو اس سے عقیدت و محبت کا تعلق منقطع نہ کرو۔ اُمید ہے کہ وہ اس گناہ سے جلدی باز آ جائے۔

حکایت : بزرگانِ اسلاف میں دو دوست تھے جن میں سے ایک نفسانی خواہش کے سبب کسی پر عاشق ہو گیا اور اپنے دوست سے کہا کہ میرا دل مریض عشق ہو گیا ہے تیرا جی چاہے تو اخوت و محبت کا تعلق منقطع کر لے اس نے کہا معاذ اللہ کہ ایک گناہ کے سبب تعلق توڑ لوں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہ مرضِ عشق کی وجہ سے اپنا تعلق توڑ لوں! بلکہ اُس نے پختہ ارادہ کر لیا کہ شافی مطلق اس مرض سے جب تک میرے بھائی کو شفا نہ دے گا اس وقت تک نہ کھاؤں گا نہ پیوں گا۔ چنانچہ چالیس دن اس حال میں گزر گئے پھر جو پوچھا تو معلوم ہوا کہ ہنوز وہی شب و روز ہیں پھر آب و دانہ سے ہاتھ کھینچ لیا حتیٰ کہ کمزوری اور نقاہت ہونے لگی تو دوست نے آ کر اپنی صحت کی اطلاع دی تب اُس مخلص دوست نے کھانا کھایا اور اللہ کا شکر بجا لایا۔ ایک شخص سے لوگوں نے کہا کہ تیرا بھائی دینداری کے بجائے معصیت میں پڑا ہوا ہے تو اس سے دوستی چھوڑ کیوں نہیں دیتا۔ اُس نے جواب دیا کہ آج ہی تو اسے دوستی کی ضرورت ہے کیونکہ اس کا کام خراب ہو گیا ہے میں اسے کیسے چھوڑ دوں؟ اب اس کی دستگیری کا وقت ہے تاکہ اسے سمجھاؤں اور دوزخ سے بچاؤں۔

حکایت : بنی اسرائیل میں دو دوست ایک پہاڑ پر عبادت کرتے ان میں سے ایک بازار سے کچھ ضروریات خریدنے گیا تو بدقسمتی سے اس کی نظر ایک بدکار عورت پر پڑ گئی حتیٰ کہ عاشق ہو کر وہیں رہ گیا۔ کئی دن گزرے تو اس کا دوست تلاش میں نکلا اور یہ ماجرا سن کر اُس کے پاس آیا۔ اُس نے مارے شرمندگی کے کہہ دیا کہ میں تجھے جانتا ہی نہیں۔ اُس نے جواب دیا میاں غم نہ کرو آج کے دن مجھے تم سے جتنی ہمدردی ہے پہلے نہ تھی یہ کہہ کر اس کے گلے میں ہاتھ ڈال کر اسے جو بوسہ دیا تو وہ سمجھا کہ اس کا تعلق میرا ساتھ جوں کا توں ہے اور میں اس کی نظروں سے نہیں گرا۔ یہ حسن اخلاق دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا اور توبہ کر کے اس کے ساتھ ہو لیا تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا مذہب سلامتی کے نزدیک ہے جبکہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا طریقہ پاکیزہ اور فقیہانہ ہے۔ اس واسطے کہ توبہ کا سبب بنتا ہے اور آدمی کو عاجزی و درماندگی کے وقت دینی بھائیوں کی حاجت پڑتی ہے تو ان کو کیسے چھوڑ دیا جائے۔ فقہ کی وجہ یہ ہے کہ دوستی کا جو تعلق استوار کیا وہ قرابت کا حکم رکھتا ہے تو گناہ کے سبب قطع رحمی صحیح نہیں۔ حضرت حق کا فرمان ہے :

﴿ فَإِنْ عَصَوْكَ فَقُلْ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴾

جس کا مطلب یہ ہے کہ میں تمھارے برے عمل سے تو بیزار ہوں تم سے نہیں۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے کہا کہ تمھارا بھائی گناہ کے کام کرتا ہے آپ اس سے دُشمنی کیوں نہیں کرتے۔ فرمایا کہ میں اس کے گناہ سے تو بیزار ہوں لیکن بہرحال وہ میرا بھائی ہے۔ ہاں یہ یاد رہے کہ ابتدا میں ایسے آدمی سے تعلق جوڑنا نہ چاہیے کیونکہ ایسا کرنا خیانت نہیں۔ ہاں ترکِ تعلق خیانت ہے اور اس حق کا چھوڑ دینا ہے جو پہلے ثابت ہو چکا۔ تمام علماء نے کہا کہ اگر تیرے بھائی نے تیرے حق میں کوتاہی کی تو اس کو بخش دینا ہی اولیٰ ہے اور اگر وہ عذر خواہی کرے تو اگرچہ تو جانتا ہو کہ جھوٹ بول رہا ہے مگر پھر بھی عذر قبول کر لے۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ جو شخص اپنے بھائی کا عذر قبول نہ کرے تو یہ اس شخص کی مانند ہے جو راستہ میں مسلمانوں سے زبردستی ٹیکس وصول کرے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان جلدی ناراض ہوتا اور جلدی خوش ہو جاتا ہے۔ حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عقیدت مند سے فرمایا کہ جب تیرا دوست تجھ پر زیادتی کرے تو تو اس پر عتاب نہ کر کہ ممکن ہے کہ اس کے بعد تجھے ایسی بات سننا پڑے جو اس جفا سے زیادہ سخت ہو۔ مرید نے کہا کہ میں نے جب اس بات کو آزمایا تو ایسے ہی پایا۔

ساتویں قسم یہ ہے کہ تو اپنے دوست کو زندگی میں اور موت کے بعد دُعا میں یاد رکھ اور جس طرح اپنے اہل و عیال کے لیے دُعا کرتا ہے اسی طرح اس کے اہل و عیال کے لیے دُعا کر اور ایسی دُعا حقیقت میں اپنے حق میں ہوتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو اپنے بھائی کے لیے اس کے پس پردہ دُعا کرتا ہے تو فرشتہ اس کے جواب میں کہتا ہے کہ خُدا کرے تجھے بھی یہ بات حاصل ہو اور ایک روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ پہلے میں تیری مُراد پوری کروں گا۔ جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ دوستوں کی وہ دُعا جو ان کی عدم موجودگی میں ہو اس کو اللہ تعالیٰ رد نہیں فرماتے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ستر دوستوں کے لیے سجدہ میں نام بنام دُعا کرتا ہوں۔ اسلاف کا کہنا ہے کہ بھائی تو وہ ہے جو تیرے مرنے کے بعد اس وقت دُعا کرے جب ورثا مال لینے میں مصروف ہوں اور اسے اندیشہ ہو کہ حق تعالیٰ جل شانہ تجھ سے کیا سلوک فرمائیں گے۔ پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا کہ مُردہ کی مثال اس شخص جیسی ہے جو ڈوب رہا ہو اور سہارا تلاش کرتا ہو۔ مُردہ بھی بیوی بچوں اور احباب سے دُعا کا منتظر رہتا ہے اور زندہ لوگوں کی دُعا کو وہ نور بن کر قبروں میں پہنچتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ دُعا نور کے طباقوں میں مُردوں کے سامنے پیش کی جاتی ہے اور اسے کہا جاتا ہے کہ یہ فلاں شخص کا ہدیہ ہے چنانچہ مُردہ اسی طرح خوش ہوتا ہے جس طرح زندہ آدمی ہدیہ سے خوش ہوتا ہے۔

آٹھویں قسم یہ ہے کہ دوستی میں وفا کرے۔ وفاداری کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ دوست کے مرنے کے بعد اس کے بیوی بچوں اور متعلقین و احباب سے غافل نہ ہو۔ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک بوڑھی عورت حاضر ہوئی۔ آپ ﷺ نے اس کی تعظیم فرمائی۔ لوگ اس بات سے متعجب ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ عورت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے زمانہ میں ہمارے یہاں آیا کرتی تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ دوستی نبھانا ایمان میں داخل ہے۔ وفاداری یہ ہے کہ جس کا کسی سے دوستی کا تعلق ہو تو اس کے فرزند و غلام اور شاگرد وغیرہ سب کو شفقت و محبت کی نظر سے دیکھے اور اس کے ساتھ مہربانی سے پیش آئے اور اپنے دِل میں اس کے لیے وہی جذباتِ ترحم محسوس کرے جو اپنے دوست کے متعلق

محسوس کرتا تھا اور وفاداری کا مفہوم یہ بھی ہے کہ اگر کسی کو منصب و دولت یا حکومت مل گئی ہو تو اگلی سی تواضع اور مدارات کا خیال رکھے۔ اپنے احباب کے معاملہ میں غرور نہ کرے اور اس کا مفہوم یہ بھی ہے کہ ہمیشہ دوستی رکھے اور کسی سبب سے ترکِ تعلق نہ کرے اس لیے کہ شیطان کا بڑا کام یہی ہے کہ وہ بھائیوں کے تعلقات میں رخنہ اندازی کرتا ہے۔ حضرت حق کا ارشاد ہے:

﴿ اِنَّ الشَّیْطَانَ یَنْزَغُ بَیْنَھُمْ ﴾

اور حضرت یوسف علی نبینا وعلیہ السلام کا ارشاد ہے:

﴿ مِنْ بَعْدِ اَنْ نَزَغَ الشَّیْطَانُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اِخْوَتِیْ ﴾

اور اس کا مفہوم یہ بھی ہے کہ دوست کے حق میں کوئی اسے بھڑکائے تو یہ اس کی پرواہ نہ کرے اور اس کی باتوں میں نہ آئے بلکہ دوست کے مقابلہ میں سب کو جھوٹا جانے۔

اور اس کا مفہوم یہ بھی ہے کہ دوست کے دُشمن کے ساتھ دوستی نہ کرے بلکہ اس کے دُشمن کو یہ بھی اپنا دُشمن تصور کرے اس لیے کہ جو شخص کسی کا دوست ہو اس کے دُشمن کا بھی دوست ہو تو یہ دوستی ضعیف ہوتی ہے۔

نویں قسم یہ ہے کہ تکلف کا مظاہرہ نہ کرے جس طرح خود اکیلا رہتا ہے اسی طرح دوست کے ساتھ رہے اگر تکلف کرے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ دوستی ناقص ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ وہ دوست تمام دوستوں سے بدتر ہے جس سے معذرت اور تکلف کی ضرورت پڑے۔ حضرت جنید قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ میں نے بہت سے دوست دیکھے ہیں لیکن ایسے دو دوست کبھی نہیں دیکھے جن میں سے ایک کی حشمت دوسرے کی وحشت کا باعث ہو مگر یہ کہ کسی میں کوئی عیب ہو۔

اسلاف کا کہنا ہے کہ اہل دُنیا کے ساتھ تو ادب سے رہو اور اہل آخرت کے ساتھ علمی شخصیت کا مظاہرہ کرو۔ جب کہ اہل معرفت کا معاملہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ جیسے جی چاہے رہو کچھ صوفیا کے تعلقات کی نوعیت ایسی تھی کہ وہ اس شرط کے ساتھ دوستی کا مظاہرہ کرتے کہ اگر کسی نے ہمیشہ روزہ رکھا یا ہمیشہ کھانا کھایا یا تمام شب قیام کیا یا سویا تو دوسرا نہیں پوچھے گا کہ ایسا کیوں کیا؟ الغرض اللہ کے لیے دوستی کا معنی یہ ہے کہ تعلقات میں یگانگت ہو اور ظاہر ہے کہ یگانگت میں تکلف نہیں ہوتا۔

دسویں قسم یہ ہے کہ اپنے آپ کو تمام دوستوں سے کمتر سمجھے اور ان سے کسی بات کی اُمید اور طمع نہ رکھے اور کوئی رعایت نہ چھپائے اور سب حقوق ادا کرتا رہے۔ حضرت جنید قدس سرہٗ کے سامنے کسی شخص نے کہا کہ اس زمانے میں سچے دوست کمیاب ہیں اور یہ بات اُس نے مکرر سہ کرر کہی۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ اگر تو ایسا شخص چاہتا ہے جو تیری خدمت گزاری اور غم خواری کرے تو البتہ ایسا شخص یقیناً کمیاب ہے اور اگر ایسا شخص چاہتا ہے کہ تو اس کی خدمت گزاری اور غم خواری کرے تو البتہ ایسے لوگ بہت مل جائیں گے۔ اسلاف نے کہا کہ جو شخص اپنے آپ کو دوستوں سے بہتر شمار کرے گا وہ خود گنہگار ہو گا اور وہ اس کے حق میں گنہگار ہوں گے اور اگر اپنے آپ کو ان کے برابر سمجھے گا تو خود بھی غمگین ہو گا اور وہ بھی رنجیدہ رہیں گے اور اگر اپنے آپ کو ان سے کمتر شمار کرے گا تو یہ بات دونوں کے

حق میں راحت و آرام کا باعث ہو گی۔

حضرت ابو معاویہ الاسود رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ میرے سب دوست مجھ سے بہتر ہیں کہ مجھے ہر معاملہ میں مقدم کرتے اور میری بزرگی کا لحاظ رکھتے ہیں۔

تیسرا باب :

عام مُسلم برادری، متعلقین، ہمسایوں اور ماتحت لونڈی غلاموں کے حقوق

یاد رکھنا چاہیے کہ ہر کسی کا حق اس کی قرابت و تعلق کی بنا پر ہوتا ہے جس قدر قرابت داری کے درجات ہیں اسی مقدار میں حقوق ہیں اور جو تعلق اللہ کے لیے ہوتا ہے اس سے بڑھ کر کوئی رابطہ نہیں اس کے حقوق ذکر ہو چکے ہیں۔ جس شخص کے ساتھ دوستی نہ ہو محض دینی قرابت ہو اس کے بھی کئی حق ہیں۔

پہلا حق یہ ہے کہ آدمی جو چیز اپنے لیے پسند نہیں کرتا وہ کسی مُسلمان کے لیے بھی پسند نہ کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ مُسلمانوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک جسم۔ جب ایک عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو سبھی اعضا اس تکلیف کو محسوس کرتے ہیں۔ اور فرمایا کہ جو شخص دوزخ سے نجات کا متمنی ہے اسے چاہیے کہ کلمۂ ایمان پر مرجائے اور جس چیز کے متعلق اسے پسند نہیں کہ لوگ اس کے ساتھ کریں وہ اسے دوسروں کے ساتھ بھی نہ کرے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا کہ اے اللہ تیرے بندوں میں بڑا عادل کون ہے۔ فرمایا کہ جو شخص آپ سے انصاف کرے۔

دوسرا حق یہ ہے کہ کسی مُسلمان کو اس کے ہاتھ اور اس کی زُبان سے رنج اور تکلیف نہ پہنچے۔ جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمھیں معلوم ہے کہ مُسلمان کون ہے؟ لوگوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مُسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زُبان سے دوسرے مُسلمان محفوظ اور سلامت رہیں۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول مومن کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مون وہ ہے جس سے دوسرے مومن جان و مال میں بے فکر ہوں۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ مہاجر کون ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہاجر وہ ہے جو بُرے کام چھوڑ دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی مُسلمان کے لیے یہ بات صحیح نہیں کہ وہ اپنی آنکھ سے ایسا اشارہ کرے جس سے دوسرے مُسلمان کو رنج پہنچے۔ اور یہ بھی حلال نہیں کہ ایک مُسلمان ایسا کام کرے جس سے دوسرا مُسلمان ڈرے اور خوف کھائے۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ دوزخیوں کو خارش کی بیماری میں مبتلا کریں گے جس سے وہ اتنا کھجلائیں گے کہ ہڈیاں نکل آئیں گی ایک پکارنے والا پوچھے گا کہ اس کی اذیت کس قدر ہے؟ وہ کہیں گے کہ بہت سخت۔ آواز آئے گی کہ اس کا سبب یہ ہے کہ تم دُنیا میں مُسلمانوں کو ستاتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ایک شخص کو جنت میں دیکھا کہ وہ جدھر چاہتا سیر کرتا یہ عیش اسے اس لیے نصیب ہوئی کہ اس نے راستہ سے ایک ایسے درخت کو کاٹ دیا تھا جو لوگوں کے لیے باعث اذیت تھا۔

تیسرا حق یہ ہے کہ کسی کے ساتھ تکبر نہ کرے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ متکبروں سے دُشمنی رکھتا ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ پر وحی نازل ہوئی کہ اے لوگو عاجزی اختیار کرو اور کوئی کسی پر فخر نہ کرے۔ اس لیے آپ خود بیوہ

عورتوں اور مساکین کی حاجت روائی کرتے۔ آدمی کے لیے یہ مناسب نہیں کہ وہ کسی کو حقارت کی نظر سے دیکھے ممکن ہے کہ وہ اللہ کا برگزیدہ بندہ ہو اور اسے خبر نہ ہو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دوستوں کو پوشیدہ رکھا ہوا ہے تاکہ کوئی اُن کی طرف راہ نہ پائے۔

چوتھا حق یہ ہے کہ کسی مُسلمان کے حق میں چغل خوری کی بات نہ سنے کیونکہ بات صالح اور نیکوکار کی سُنی چاہیے جب کہ چغل خور فاسق ہے۔ حدیث میں ہے کہ کوئی چغل خور جنت میں نہ جائے گا۔ نیز تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ جو شخص تمھارے سامنے دوسروں کی بُرائی کرے گا وہ دوسروں کے سامنے تمھیں بھی معاف نہیں کرے گا ایسے شخص سے دور رہنا ضروری ہے اسے سچّا نہ سمجھنا چاہیے۔

پانچواں حق یہ ہے کہ کسی آشنا سے تین دن سے زیادہ سلسلۂ کلام منقطع نہ کرے اس لیے کہ اس بات سے نبی اسلام ﷺ نے منع فرمایا اور فرمایا کہ بہتر شخص وہ ہے جو پہلے سلام کرے۔ حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام سے فرمایا کہ میں نے تمھارا نام اور مرتبہ اس لیے بڑھایا کہ تم نے اپنے بھائیوں کی خطاؤں کو معاف کیا۔

اور حدیث میں ہے کہ اگر تم اپنے کسی مُسلمان بھائی کے قصور کو معاف کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمھاری عزت کو بڑھائیں گے۔

چھٹا حق یہ ہے کہ حتی المقدور ہر کسی سے بھلائی سے پیش آؤ اگرچہ وہ نیک ہو یا بد! حدیث میں ہے کہ جس کے ساتھ ممکن ہو اس سے نیکی کرو اگرچہ وہ اس قابل نہ ہو یہ سوچو کہ تم تو اس کے قابل ہو۔ نیز حدیث شریف میں ہے کہ ایمان کے بعد عقل کا کام یہ ہے کہ آدمی مخلوق سے دوستانہ مراسم رکھے اور ہر نیک و بد سے احسان و مروت سے پیش آئے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص بات کرنے کے لیے نبی علیہ السلام کا ہاتھ پکڑتا تو جب تک وہ خود نہ چھوڑتا آپ ﷺ کوشش نہ فرماتے۔ اور دورانِ گفتگو آپ ﷺ اس کی طرف بھرپور توجہ دیتے اور اس کی بات ختم ہونے تک صبر سے کام لیتے۔

ساتواں حق یہ ہے کہ بوڑھوں کی تعظیم بجا لائے اور بچوں پر شفقت کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص بڑوں کی عزت نہ کرے گا اور بچوں کے ساتھ شفقت سے پیش نہیں آئے گا وہ میری اُمت میں سے نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سفید بالوں کی تعظیم اللہ کی تعظیم ہے اور فرمایا کہ جو نوجوان بوڑھوں کی عزت و تکریم کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے بڑھاپے میں جوانوں کو اس کی عزت و تکریم کی توفیق دے گا۔ بوڑھوں کی تعظیم کرنا چھوٹوں کے لیے درازیٔ عمر کی دلیل ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب سفر سے واپس تشریف لائے تو لوگ برکت و تیمن کے لیے اپنے لڑکوں کو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے۔ چنانچہ آپ ﷺ کسی کو سواری پر اوپر بٹھاتے تو کسی کو پیچھے۔ لڑکے آپس میں فخر کرتے اور کہتے کہ آپ ﷺ نے مجھے آگے بٹھایا اور تمھیں پیچھے بٹھایا۔ ایک چھوٹے بچے کو آپ ﷺ کی خدمت میں لایا گیا کہ آپ ﷺ اس کا نام رکھ دیں اور اس کے حق میں دُعائے خیر دیں آپ ﷺ نے اس کو گود میں لے لیا۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی لڑکا

پیشاب کرنے لگتا تو لوگ شور مچا دیتے تاکہ آپ ﷺ سے واپس لے لیں۔ لیکن آپ ﷺ فرماتے کہ اس کو رہنے دو تاکہ پورا پیشاب کر لے اس کا پیشاب نہ روکو۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ لڑکے کے باپ یا دوسرے متعلقین کے سامنے کپڑا دھوتے بھی نہیں تاکہ اسے رنج نہ ہو جب وہ باہر چلا جاتا تو پھر دھوتے۔

آٹھواں حق یہ ہے کہ تمام مُسلمانوں کے ساتھ کشادہ پیشانی اور خوش روئی سے رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو دوست رکھتے ہیں جو کشادہ رو اور سہل گیر ہو۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپس میں سہولت و آسانی' کشادہ روئی اور شیریں زُبانی مغفرت کا باعث ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک غریب عورت آنحضرت ﷺ کا راستہ روک کر کھڑی ہو گئی اور عرض کرنے لگی کہ مجھے آپ ﷺ سے کام ہے۔ آپ ﷺ نے اسے گلی میں بیٹھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ میں بھی بیٹھ جاتا ہوں۔ پھر جب تک اس نے عرض مدعانہ کر لیا آپ ﷺ وہاں سے نہیں اُٹھے۔

نواں حق یہ ہے کہ کسی مُسلمان سے وعدہ خلافی نہ کرے۔ حدیث میں ہے کہ جس شخص میں تین چیزیں پائی جائیں وہ منافق ہے۔ اگرچہ نمازیں بھی پڑھتا ہو اور روزے بھی رکھتا ہو۔ ایک تو یہ کہ وہ جھوٹ بولتا ہو دوسرے وعدہ خلافی کرتا ہو اور تیسرے امانت میں خیانت کرتا ہو۔

دسواں حق یہ ہے کہ ہر کسی کے مقام و مرتبہ کے مطابق اس کی تعظیم کرے جو شخص لوگوں میں معزز گردانا جاتا ہو اس کی زیادہ تعظیم کرے جب کوئی شخص لباسِ فاخرہ اور گھوڑے کی سواری وغیرہ پر ہو تو سمجھ لے کہ یہ معزز آدمی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک سفر میں تھیں۔ دستر خوان بچھا تو ایک فقیر آیا آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اسے روٹی دے دو۔ اسی اثناء میں ایک گھڑسوار آ گیا آپ رضی اللہ عنہا نے اسے بلانے کا حکم دیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے فقیر کو چھوڑ کر امیر کو بلایا ہے تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس کسی کو جتنا مرتبہ عطا فرمایا ہے ہمیں اس کی قدر کرنی چاہیے۔ فقیر تو ایک روٹی سے خوش ہو جاتا ہے لیکن دوسرا اس سے خوش نہ ہوتا اس لیے اس کے ساتھ وہ رویہ اختیار کیا جائے جس سے وہ خوش ہو۔ حدیث میں ہے کہ جب کسی قوم کا معزز آدمی تمھارے پاس آئے تو اس کی تعظیم کرو۔ بعض لوگ ایسے بھی تھے کہ آنحضرت ﷺ ان کے لیے اپنی چادر بچھا دیتے۔ ایک بڑھیا جس نے آپ ﷺ کو دودھ پلایا تھا آپ ﷺ کے پاس تشریف لائیں تو آپ ﷺ نے ان کے لیے چادر بچھا دی اور فرمایا اے میری ماں آپ کا تشریف لانا باعث برکت ہو۔ جو آپ چاہیں مانگیں میں آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ مالِ غنیمت میں سے جو حصّہ آپ کو ملا تھا آپ نے اسے عنایت فرما دیا۔ اس نیک بخت خاتون نے وہ مال دس لاکھ درہم کے عوض حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس فروخت کیا۔

گیارھواں حق یہ ہے کہ جب دو مُسلمان آپس میں ناراض ہوں تو ان میں صلح کی کوشش کی جائے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں تمھیں وہ چیز نہ بتاؤں جو نماز روزہ اور صدقہ سے افضل ہے۔ لوگوں نے خواہش ظاہر کی تو آپ ﷺ نے فرمایا مُسلمانوں میں صلح کرا دینا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جناب نبی کریم ﷺ ایک دن بیٹھے بیٹھے مسکرانے لگے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہنسنے کی کیا وجہ؟ آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے حضور دو شخص زانو کے بل گریں گے ایک تو کہے گا کہ اے اللہ اس سے میرا انصاف کر دے اُس نے مجھ پر ظلم کیا۔ اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ اس کا حق دے دو۔ وہ عرض کرے گا کہ اے اللہ میری تمام نیکیاں تو مدعیوں نے لے لیں

اب میرے پاس کچھ نہیں تو اللہ تعالیٰ صاحب حق سے فرمائیں گے کہ اب؟ اس کے پاس تو کوئی نیکی نہیں وہ عرض کرے گا کہ میرے گناہ اس کے حوالہ فرما دیجیے چنانچہ گناہ اس کے سر پر ڈال دینے کے باوجود معاملہ برابر برابر نہ ہو گا اس موقعہ پر آپ ﷺ روئے اور فرمایا کہ یہی تو اصل میں بڑا دن ہے۔ ہر شخص کی یہی خواہش ہو گی کہ اس سے اس کے گناہوں کا بوجھ اتار لیا جائے تب اللہ تعالیٰ صاحب حق سے فرمائیں گے کہ سر اٹھا کر دیکھو تمہیں کچھ دکھائی دیتا ہے؟ وہ عرض کرے گا کہ اے اللہ میں چاندی اور سونے کے مکانات دیکھ رہا ہوں جو جواہرات اور موتیوں سے جڑے ہوئے ہیں کیا یہ کسی نبی کی ملکیت ہیں یا کسی شہید یا صدیق کی؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ اس کی ملکیت ہیں جو ان کی قیمت ادا کرے وہ عرض کرے گا کہ ان کی قیمت کون دے سکتا ہے۔ فرمائیں گے کہ تم اس طرح قیمت دے سکتے ہو کہ اپنے بھائی کے گناہ معاف کر دو۔ وہ بے اختیار بول اٹھے گا کہ میں نے اس کے گناہ معاف کر دیئے۔ ارشاد ہو گا کہ اٹھ اور اس کا ہاتھ پکڑ کر تم دونوں جنت میں چلے جاؤ۔ یہ ارشاد فرمانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کی مخلوق میں صلح کراؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مُسلمانوں میں صلح کرائیں گے۔

بارھواں حق یہ ہے کہ مُسلمانوں کے عیوب اور ان کی پوشیدہ بُرائیوں کو چھپایا جائے۔ اس لیے کہ حدیث میں ہے کہ جو شخص اس دُنیا میں مُسلمانوں کی پردہ پوشی کرے گا تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کی پردہ پوشی کریں گے۔ امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جسے پکڑتا ہوں خواہ چور ہوں یا شرابی میری خواہش ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو چھپا دے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے لوگو تم نے فقط زُبان سے کلمہ پڑھا ہے ابھی تمھارے دلوں میں ایمان نہیں آیا نہ تو لوگوں کی غیبت کرو نہ ان کی پوشیدہ بُرائیوں کا تجسّس کرو جو شخص کسی مُسلمان کا عیب ظاہر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا عیب فاش کر دیتے ہیں تاکہ وہ رُسوا ہو اگرچہ گھر کے اندر ہو۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے یاد ہے کہ جب پہلے پہل ایک شخص کو لوگوں نے چوری میں پکڑا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لائے تاکہ آپ ﷺ اس کا ہاتھ کاٹیں تو آپ ﷺ کے چہرۂ انور کا رنگ متغیر ہو گیا۔ لوگوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ کو اس عمل سے کراہت محسوس ہوئی؟ فرمایا کیوں نہ ہوتی؟ اپنے بھائیوں کی دُشمنی میں شیطان کا مددگار بنوں۔ اگر تم چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں بخش دے اور تمھارے گناہ چھپا دے اور معاف کر دے تو تمھیں یہی چاہیے کہ لوگوں کے گناہ چھپاؤ کیونکہ جب معاملہ حاکم تک پہنچ گیا تو پھر حد قائم کیے بغیر چارہ نہ ہو گا۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ ایک رات گشت کے لیے نکلے تو ایک گھر سے گانے کی آواز آئی۔ آپ چھت پر چڑھ گئے جب گھر میں گئے تو ایک مَرد کو دیکھا جو رنڈی کے ساتھ شراب پی رہا ہے۔ آپ نے فرمایا اے اللہ کے دُشمن تیرا کیا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے اس گناہ کو چھپا دے گا۔ اُس نے کہا اے امیر المؤمنین عجلت سے کام نہ لیں میں نے ایک گناہ کیا ہے تو آپ نے تین گناہ کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ﴿ لَا تَجَسَّسُوْا ﴾ (الحجرات) اور آپ نے تجسّس فرمایا۔ اللہ میاں کا ارشاد ہے : وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا (البقرہ) اور آپ چھت پر سے ہو کر آئے ہیں۔ نیز ارشاد باری ہے : ﴿ لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰى اَهْلِهَا ﴾ (النور) اور آپ نے نہ اجازت لی نہ سلام کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں معاف کر دوں تو تم توبہ کرو گے۔ اُس نے وعدہ کیا کہ آئندہ ہرگز ایسے کام کے

قریب نہ جاؤں گا۔ آپ نے معاف کر دیا اور اُس نے توبہ کر لی۔ حضرت رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے لوگوں کی ایسی باتیں سننے کے لیے کانوں کو متوجہ کیا جنکے متعلق لوگ سنانا پسند نہیں کرتے تو قیامت کے دن سیسہ پگھلا کر اس کے کان میں ڈالا جائے گا۔

تیرھواں حق : تہمت سے دور رہے تاکہ دوسرے مُسلمان بدگمانی اور عیب جوئی سے محفوظ رہیں کیونکہ جب کوئی مُسلمان کسی گناہ کا باعث و سبب بنتا ہے تو وہ خود بھی اس گناہ میں شریک ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ شخص کیسا ہے جو اپنے ماں باپ کو گالی دے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ایسا کون شخص ہے جو اپنے ماں باپ کو گالی دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک شخص دوسرے کے ماں باپ کو گالی دیتا ہے وہ جواب میں اس کے ماں باپ کو گالی دیتا ہے نتیجہ یہ کہ یہ شخص خود اپنے ماں باپ کو گالی کا سبب بنا۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تہمت کی جگہ بیٹھنے والے کو اگر کوئی ملامت کرتا ہے تو اسے اس سے بدگمان نہ ہونا چاہیے۔ حضور علیہ السلام رمضان کے مہینہ میں اپنی اہلیہ محترمہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے مسجد میں باتیں کر رہے تھے ایک شخص اِدھر آ نکلا۔ آپ ﷺ نے اسے بلا کر فرمایا کہ یہ میری بیوی ہیں۔ اہلیہ محترمہ نے عرض کیا کہ یہ لوگ کسی اور سے بدگمانی کریں تو کریں آپ کے حق میں نہیں کر سکتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ شیطان انسان کے بدن میں یوں سیر کرتا ہے جیسے لوگوں میں خون۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے راستہ میں ایک مَرد کو دیکھا جو کسی عورت سے محو کلام تھا۔ آپ نے درے سے اس کی گوشمالی کی تو اُس نے عرض کیا کہ یہ میری بیوی ہے۔ آپؓ نے فرمایا کہ تم ایسی جگہ کیوں باتیں نہیں کرتے جہاں کوئی دوسرا دیکھنے والا نہ ہو۔

چودھواں حق : اگر صاحب جاہ و مرتبہ ہے تو کسی کے کام آنے میں دریغ نہ کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ مجھ سے اپنی ضروریات کے متعلق تقاضا کرو میں از خود تمھیں کوئی چیز دینا چاہتا ہوں لیکن دیر اس لیے کرتا ہوں کہ تم میں سے کوئی کسی کی سفارش کرے تو اس کو بھی اجر ملے۔ سفارش سے ثواب ملتا ہے اور ارشاد فرمایا کہ کوئی صدقہ زُبانی صدقہ سے بہتر نہیں۔ لوگوں نے پوچھا کہ زُبانی صدقہ سے کیا مُراد ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ کوشش جو کسی کی جان بچانے کا ذریعہ بنے یا کسی نفع رسانی یا اذیت سے بچانے کا سبب ہو۔

پندرھواں حق : یہ ہے کہ جب کسی کو دیکھے کہ وہ کسی مُسلمان کے حق میں زُبان درازی کر رہا ہے اور اس کی آبرو یا مال پر اس کی بُری نظر ہے اور وہ مُسلمان خود موجود نہیں تو جواب دینے میں اس کا نائب بن جائے۔ اور اسے ظلم سے بچائے۔ رسول کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ جو مُسلمان ایسی جگہ کسی کی امداد کرے گا جہاں لوگ اسے بُرا بھلا کہتے ہیں اور اس کی بے عزتی کے درپے ہوں تو اللہ تعالیٰ اس کی امداد کرنے والے کی وہاں مدد کرے گا جہاں وہ امداد کا بہت زیادہ محتاج ہو گا اور جو مُسلمان ایسی جگہ اس کی نصرت سے جی چرائے گا جہاں لوگ اس کی بے عزتی کر رہے ہوں تو اللہ تعالیٰ نصرت و امداد سے جی چرانے والے کو بھی اس وقت ذلیل کرے گا جب وہ اپنے لیے نصرت و امداد کا از حد محتاج ہو گا۔

سولھواں حق : جب کسی بڑے آدمی کی صحبت میں پھنس جائے تو علیحدگی تک عزت و احترام کے ساتھ پیش آئے اور بالمشافہ سختی سے احتراز کرے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے آیہ کریمہ ﴿ وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ ﴾ کے معنی

اس طرح کیے ہیں کہ سلام اور حسن اخلاق و مدارات سے بُرائی کا بدل چکاؤ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ایک شخص نے نبی کریم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو اجازت دے دو کہ یہ شخص اپنی قوم کا بہت بُرا آدمی ہے۔ وہ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خاطر مدارات کی جس سے میں نے اندازہ کیا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک صاحب مرتبہ ہے جب وہ چلا گیا تو میں نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بُرا بھی کہا اور خاطر مدارات بھی کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ کے نزدیک وہ شخص انتہائی بدتر ہو گا جس کے شر کے خوف سے لوگ اس سے رعایت برتیں۔ حدیث میں ہے کہ بدزُبان لوگوں کی زُبان سے اپنی آبرو کی حفاظت جس ذریعہ سے کی جائے وہ صدقہ ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بہت سارے لوگ ایسے ہیں جن کی موجودگی میں ہم ہنستے ہیں لیکن ہمارا دِل ان پر لعنت بھیجتا ہے۔

سترھواں حق یہ ہے کہ فقراء کے ساتھ دوستی اور صحبت رکھے اور اُمراء سے احتراز کرے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ مُردوں کے پاس مت بیٹھو۔ لوگوں نے اسکی تفصیل معلوم کرنا چاہی تو فرمایا کہ اس سے مُراد اُمراء ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا معمول تھا کہ جہاں کوئی فقیر دیکھا اس کے پاس بیٹھ گئے اور فرماتے مسکین مسکین کے پاس بیٹھا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جو نام سب سے زیادہ پسند تھا وہ تھا مسکین! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی کہ اے اللہ جب تک مجھے زندہ رکھ تو مسکین کی حالت میں اور موت آئے تو بھی اسی حال میں اور میرا حشر بھی مساکین کے زمرہ میں ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت حق سے سوال کیا کہ میں آپ کو کہاں تلاش کروں؟ آپ نے فرمایا شکستہ دلوں کے پاس!

اٹھارھواں حق مُسلمانوں کی خوشنودی اور ان کی حاجت روائی کی کوشش ہونی چاہیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی مُسلمان کی حاجت روائی کی وہ ایسا ہے جیسے کسی نے تمام عمر حق تعالیٰ کی خدمت کی اور فرمایا کہ جو شخص کسی مُسلمان کی آنکھ ٹھنڈی اور روشن کرے گا تو قیامت میں اللہ تعالیٰ اس کی آنکھ روشن کریں گے اور فرمایا کہ جو شخص دن یا رات ایک گھڑی مُسلمان کے کام کے لیے جاتا ہے تو کام ہو یا نہ ہو لیکن جانے والے کے لیے وہ گھڑی مسجد میں دو ماہ کے برابر اعتکاف سے زیادہ قیمتی ہے اور فرمایا کہ جو شخص کسی مظلوم کو ظلم سے چھڑائے یا کسی غمزدہ کو راحت پہنچائے تو اللہ تعالیٰ اسے ۷۳ مغفرتیں عطا فرمائیں گے۔ نیز ارشاد فرمایا کہ اپنے بھائی کی امداد کرو وہ ظالم ہو یا مظلوم' لوگوں نے عرض کیا کہ ظالم کی امداد کیسے کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے ظلم سے روکنا ہی اس کی اعانت ہے اور فرمایا کہ کسی مُسلمان کا دِل خوش کرنے سے زیادہ بہتر عبادت اللہ کے نزدیک کوئی نہیں اور فرمایا کہ شرک کرنا اور لوگوں کو ستانے سے بدتر کوئی گناہ نہیں۔ اسی طرح ایمان لانے اور مخلوق کو راحت پہنچانے سے زیادہ بہتر کوئی عبادت نہیں۔ نیز ارشاد ہوا کہ جس کے دِل میں مُسلمان کا غم نہیں وہ میری امت میں سے نہیں۔ حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ کو لوگوں نے دیکھا کہ رو رہے ہیں۔ وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں ان غریب مُسلمانوں کے غم میں رو رہا ہوں جنھوں نے مجھ پر زیادتی کی۔ صبح قیامت میں ان سے ظلم کے متعلق سوال ہو گا تو وہ رُسوا ہوں گے اور ان کے پاس کوئی عذر نہیں ہو گا۔ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص تین بار روزانہ یہ پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ۔ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْ اُمَّةَ مُحَمَّدٍ

اَللّٰھُمَّ فَرِّجْ عَنْ اُمَّۃِ مُحَمَّدٍ۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ

تو اُس کا نام اَبدالوں کی فہرست میں لکھا جائے گا۔

اُنیسواں حق یہ ہے کہ جس کے پاس جائے گفتگو سے قبل سلام کر کے مصافحہ کرے۔ رسولِ مقبول ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص سلام سے پہلے بات کرے اسے کسی قسم کا جواب نہ دو جب تک پہلے سلام نہ کر لے۔ ایک شخص جنابِ رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُس نے سلام نہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا باہر جاؤ پھر آ کر پہلے سلام کرو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب آٹھ برس میں نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے انس طہارت پوری طرح کرو تاکہ تمھاری عمر دراز ہو اور جس کے پاس جاؤ تو پہلے اسے سلام کرو تاکہ تمھاری عمر دراز ہو اور جس کے پاس جاؤ تو پہلے اسے سلام کرو تاکہ تمھاری نیکیاں زیادہ ہوں۔ اور جب اپنے گھر میں جاؤ تو اہل و عیال سے سلام علیک کیا کرو تاکہ تمھارے گھر میں برکت اور خیر زیادہ ہو۔ ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا سلام علیکم۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کے واسطے دس نیکیاں لکھی گئیں۔ دوسرا شخص حاضر ہوا تو اُس نے کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ آپ ﷺ نے فرمایا اس کے واسطے بیس نیکیاں لکھی گئیں۔ تیسرے نے آ کر کہا السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کے لیے تیس نیکیاں لکھی جائیں گی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب گھر میں جاؤ تب بھی سلام کرو۔ پہلا سلام پچھلے سلام سے افضل نہیں۔ اور فرمایا کہ جب مُسلمان آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو ستر رحمتیں ان میں تقسیم کی جاتی ہیں۔ ۶۹ رحمتیں اس کے حصہ میں آتی ہیں جو ان دونوں میں زیادہ کشادہ رو اور خوش اخلاق ہوتا ہے اور جب دو مُسلمان آپس میں سلام کرتے ہیں تو انھیں سو رحمتیں نصیب ہوتی ہیں جن میں سے ۹۰ اس کو ملتی ہیں جس نے ابتدا کی اور دس اُس کو جو جواب دیتا ہے۔ بزرگانِ دین کے ہاتھ کو بوسہ دینا سنت ہے۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ جب ہم کسی دوست کے پاس جائیں تو اس کے سامنے جھکیں؟ آپ ﷺ نے منع فرمایا پھر دست بوسی کا پوچھا تو آپ ﷺ نے اس سے بھی منع فرمایا اور اس کے بعد مصافحہ کے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے اس کی اجازت دی۔ یوں جب کوئی سفر سے پلٹ کر آئے تو اس کے منہ پر بوسہ دینا اور بغل گیر ہونا سنت ہے۔ رسول اللہ ﷺ سروقد کھڑا ہونے سے خوش ہوتے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ سے زیادہ محبوب ہمارے لیے کوئی نہ تھا لیکن ہم آپ ﷺ کے لیے بھی سروقد کھڑے نہ ہوتے کیونکہ یہ چیز آپ ﷺ کو پسند نہ تھی۔ لیکن جہاں یہ عادت ہو وہاں کوئی کھڑا ہو تو اس میں مضائقہ نہیں ہاں کسی کے سامنے دست بستہ کھڑا ہونا منع ہے۔ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ جس کو یہ بات پسند ہو کہ وہ خود تو بیٹھا رہے لیکن لوگ اس کے سامنے دست بستہ کھڑے ہوں تو اسے کہہ دو کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔

بیسواں حق یہ ہے کہ چھینکنے والے کا جواب دے۔ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی اُمی علیہ السلام نے ہمیں یہ تعلیم دی کہ جب کسی کو چھینک آئے اور وہ الحمدللہ ربُّ العالمین کہے تو اس کے جواب میں یرحمك اللّٰه کہا جائے پھر وہ کہے یرحمك اللّٰه لی ولکم اور جب کوئی شخص الحمد للّٰہ نہ کہے تو وہ یرحمك اللّٰه کا مستحق نہیں۔ نبی کریم علیہ السلام کو جب چھینک آتی تو آپ آواز پست فرماتے اور منہ پر ہاتھ رکھ لیتے اگر حاجت کے دوران چھینک آئے تو دل میں الحمد للّٰہ

کہے۔ حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول زبان سے بھی مضائقہ نہیں۔ حضرت کعب الاحبارؒ نے کہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے اللہ تو نزدیک ہے کہ آہستہ بات کروں یا دُور ہے زور سے آواز دوں تو ارشاد ہوا کہ جو مجھے یاد کرے گا میں اس کا ہم نشین ہوں گا۔ پھر عرض کیا کہ میرے حالات مختلف ہیں مثلاً جنابت' قضائے حاجت وغیرہ ان حالات میں تجھے یاد کرنا بے ادبی ہے؟ فرمایا مجھے ہر حال میں یاد کرو اور کسی قسم کا اندیشہ نہ کرو۔

اکیسواں حق یہ ہے کہ جسے پہچانتے ہو اس کی بیمار پرسی کرو اگرچہ دوست نہ ہو۔ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ بیمار کی عیادت کرنے والا جنت میں جائے گا اور جب عیادت کر کے لوٹتا ہے تو ستر ہزار فرشتے مقرر ہوتے ہیں تاکہ اس کے لیے شام تک دُعائیں کریں۔ مسنون طریقہ یہ ہے کہ بیمار کی پیشانی پر اپنا ہاتھ رکھ کر احوال پرسی کرے اور کہے :

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اُعِيْذُكَ بِاللّٰهِ الْاَحَدِ الصَّمَدِ الَّذِی لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ مِنْ شَرِّ مَا تَجِدُ

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بیمار تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کئی بار تشریف لائے اور یہی دُعا پڑھی اور بیمار کے لیے یہ دُعا بھی سنت ہے :

اَعُوْذُ بِعِزَّةِ اللّٰهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ

اور جب کوئی بیمار پرسی کرے تو شکایت نہ کرنی چاہیے۔ حدیث میں ہے کہ جب کوئی بیمار ہوتا ہے تو اس پر دو فرشتے مقرر کیے جاتے ہیں جن کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ دیکھیں کہ عیادت کے لیے آنے والوں سے بیمار شکایت کرتا ہے یا شکر بجا لاتا ہے اگر تو شکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ خیریت ہے اور الحمدللہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھ پر واجب ہے کہ اگر میں اس بیماری میں بندے کو لے جاؤں تو رحمت کے ساتھ لے جا کر جنت میں پہنچاؤں اور صحت دوں تو اس بیماری کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دوں جو گوشت اور خون پہلے رکھتا تھا اب اس سے بہتر عطا کروں گا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ جس کے پیٹ میں درد ہو وہ اپنی بیوی کے مہر سے کچھ پیسے لے کر شہد خریدے اور برسات کے پانی میں گھول کر پیئے تو ان شاء اللہ شفا پائے گا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مینہ کے پانی کو باعث برکت اور شہد کو باعث شفا قرار دیا ہے اور عورتوں کا مہر جو وہ بخش دیں خوشگوار قرار دیا ہے جب یہ تینوں چیزیں باہم ملیں گی تو شفا ہو گی۔ الغرض بیماری کے لیے ضروری ہے کہ شکایت اور بے صبری کا مظاہرہ نہ کرے اور یہ امید رکھے کہ یہ بیماری اس کے گناہوں کا کفارہ ہو گی اور جب دوا پیے تو دوا پیدا کرنے والے پر بھروسہ کرے دوا پر نہیں۔ اور عیادت کے آداب یہ ہیں کہ بیمار کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھے اور زیادہ احوال پرسی نہ کرے اس کی صحت کی دُعا مانگے اور اس کی بیماری کے پیش نظر اپنے آپ کو غمگین بنائے اور گھر کے اندر دیواروں وغیرہ کو نہ دیکھے بلکہ مریض کی طرف متوجہ رہے۔ دروازے پر جائے تو اجازت چاہے اور دروازے پر کھڑا نہ رہے بلکہ ایک طرف کھڑا ہو کر دروازہ آہستگی سے کھٹکھٹائے اور یوں نہ پکارے کہ اے غلام' یعنی زور سے آواز نہ دے۔ اور اندر سے پوچھا جائے کہ کون ہے تو جواب میں "میں" نہ کہے بلکہ اے غلام کے بدلے سبحان اللہ اور الحمدللہ کہے جو کوئی کسی کا دروازہ کھٹکھٹائے وہ یوں ہی عمل کرے۔

بائیسواں حق جنازہ کے ساتھ جانا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنازہ کے ساتھ جانے والا ایک قیراط اور دفن تک

انتظار کرنے والا دو قیراط ثواب پائے گا جبکہ ہر قیراط اُحد پہاڑ کے برابر ہے۔ جنازہ کے ساتھ جانے کا ادب یہ ہے کہ چپ رہے ہنسی سے اِحتراز کرے۔ عبرت کے ساتھ موت کو یاد کرے۔ حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب ہم جنازہ کے ساتھ جاتے تو یہ پہچاننا مشکل ہو جاتا کہ کس سے تعزیت کریں اس لیے کہ ہر ایک دوسرے سے زیادہ غمگین نظر آتا کچھ لوگ ایک مردہ کے غم میں مبتلا تھے ایک صاحب دِل نے کہا کہ میاں اپنا غم کرو اس نے تو تین مصیبتوں سے رہائی پا لی۔ ملک الموت کا مُنہ اس نے دیکھ لیا' موت کی تلخی چکھ لی اور خاتمہ کے ڈر سے نکل گیا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ دوست' مال اور عمل تین چیزیں ہیں جو مردہ کے پیچھے جاتی ہیں دست اور مال تو پھر آتے ہیں اور عمل ساتھ رہتے ہیں۔

تیسواں حق زیارتِ قبور کے لیے جانا اور مردوں کے لیے دُعائے مغفرت کرنا اور عبرت حاصل کرنا چاہیے اور یہ خیال کرنا چاہیے کہ یہ پہلے جا چکے ہیں مجھے بھی جانا اور مٹی تلے سونا ہے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص قبر کو بکثرت یاد کرے گا اس کی قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بن جائے گی اور جو قبر کو بھلا دے گا اس کی قبر دوزخ کے غاروں میں سے ایک غار ہو گی۔ حضرت ربیع بن خیثم رحمۃ اللہ علیہ جن کا مزار طوس میں ہے تابعین کے طبقہ کے ایک بڑے بزرگ تھے انھوں نے اپنے گھر میں ایک قبر کھودی تھی جب اپنے دِل میں ذرا غفلت محسوس کرتے تو قبر میں لیٹ جاتے ساعت بعد کہتے کہ یا الٰہی مجھے پھر دُنیا میں بھیج تاکہ میں اپنے گناہوں کا تدارک کر سکوں۔ اس کے بعد باہر آ جاتے اور کہتے کہ اے ربیع تجھے پھر دُنیا میں بھیج دیا اس لیے جو کوشش اب کرنی ہے کر لے کہ ایک نوبت ایسی بھی آئے گی کہ دُنیا میں تجھے جانے کی اجازت نہ ہو گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول مقبول ﷺ قبرستان میں تشریف لے گئے اور ایک قبر پر بیٹھ کر بہت روئے۔ میں آپ ﷺ کے پاس تھا۔ رونے کی وجہ پوچھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ میری والدہ کی قبر ہے۔ اللہ تعالیٰ سے میں نے ان سے ملنے اور ان کی مغفرت کی دُعا کی اجازت چاہی ملنے کی اجازت تو مل گئی لیکن دُعا کی اجازت نہ ہوئی۔ شفقت مادری نے دِل میں جوش مارا اس لیے میں رونے لگا۔ اسلامی نقطۂ نظر سے مُسلمانوں کے حقوق کا خیال رکھنا چاہیے۔ انھی کی تفصیل پیش خدمت کی گئی —— واللہ اعلم

ہمسایوں کے حقوق اس کے علاوہ ہیں۔ پیغمبر اسلام علیہ السلام فرماتے ہیں کہ بعض ہمسائے ایسے ہوتے ہیں جن کا ایک حق ہوتا ہے یہ کافر ہمسایہ ہے لیکن مُسلمان ہمسائے کے دو حق ہیں اور جو ہمسایہ مُسلمان بھی ہو اور اعزہ میں سے بھی ہو تو اس کے تین حق ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے ہمسایہ کے حقوق کی اس حد تک نصیحت و تلقین کی کہ میں یہ سمجھنے لگا کہ ہمسایہ وراثت کے مال میں شریک قرار دے دیا جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان لایا اُسے چاہیے کہ ہمسایہ کا احترام کرے اور فرمایا کہ جس شخص کے شر سے اس کے پڑوسی محفوظ نہیں وہ مُسلمان نہیں۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن دو شخص آئیں گے جو آپس میں جھگڑتے ہوں گے اور یہ دونوں پڑوسی ہوں گے اور فرمایا کہ جس نے پڑوسی کے کتے کو پتھر مارا اُس نے حقیقت میں پڑوسی کو ایذا دی۔ لوگوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ فلاں عورت دن کو روزہ رکھتی اور رات کو نماز پڑھتی ہے لیکن اپنے پڑوسی کو ستاتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ دوزخ میں جائے گی۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ تیرے مکان کے اِرد گرد چالیس مکانوں تک تیرا پڑوس ہے۔ حضرت امام زہری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفصیل بیان کی کہ آگے پیچھے دائیں بائیں چالیس چالیس مکان

مُراد ہیں۔

ہمسایہ کا یہی حق نہیں کہ اسے ستایا نہ جائے بلکہ اس کے اوپر احسان کرنا ضروری ہے کیونکہ حدیث میں ہے کہ فقیر پڑوسی قیامت کے دن امیر سے جھگڑے گا کہ اے اللہ اس سے پوچھ کہ اِس نے میرے ساتھ بھلائی کیوں نہ کی؟ مجھے اپنے مال میں تصرف کا حق کیوں نہ دیا۔ ایک صاحب کے گھر میں چوہے بہت تھے جن سے اسے بہت تکلیف تھی کسی نے بلی پالنے کا مشورہ دیا تو اُس نے کہا کہ میں بلی اس لیے نہیں پالتا کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ چوہے بلی کا شہرہ سن کر پڑوسی کے گھر میں نہ چلے جائیں تو جو بات میں اپنے لیے پسند نہیں کرتا وہ دوسرے کے لیے کیسے پسند کروں؟ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تمھیں معلوم ہے کہ پڑوسی کا کیا حق ہے؟ پھر خود ہی فرمایا کہ اس کا حق یہ ہے کہ اگر تم سے امداد طلب کرے تو اس کی امداد کرو۔ قرض مانگے تو دے دو محتاج ہونے کی صورت میں اس کی خدمت کرو۔ بیمار ہو تو عیادت کرو مرجائے تو جنازہ میں جاؤ۔ خوشی میں مبارک دو تو غمی میں صبر دلاؤ۔ اپنے گھر کی دیوار اتنی بلند نہ کرو کہ اس کی دھوپ اور ہوا رک جائے پھل خریدو تو بطور ہدیہ اسے بھی بھیجو۔ اگر نہ بھیج سکو تو خفیہ رکھو اور اپنے لڑکے کو ہاتھ میں لے کر باہر مت جانے دو تاکہ اس کا لڑکا رنجیدہ خاطر نہ ہو حتیٰ کہ اگر اسے کھانا نہیں بھیج سکتے تو اپنے باورچی خانہ کے دھوئیں سے اسے پریشان نہ کرو۔

آپ ﷺ نے فرمایا تمھیں معلوم ہے کہ پڑوسی کا کیا حق ہے؟ پھر فرمایا قسم ہے اس خُدا کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ پڑوسی کا حق وہی ادا کرتا ہے جس پر اللہ کی رحمت ہو۔ ہمسایہ کے حقوق میں یہ حق بھی ہے کہ چھت پر سے اس کے گھر میں نہ جھانکے اگر وہ تیری دیوار پر ضرورت کی کوئی چیز بنائے تو اسے منع نہ کرو اس کا پرنالہ بند نہ کرو۔ اگر تمھارے گھر کے دروازے پر کسی ضرورت سے مٹی ڈالے تو اس سے لڑو مت! اس کا کوئی عیب معلوم ہو تو اسے پوشیدہ رکھو۔ دِل دکھانے کی بات نہ کرو۔ اس کی مستورات سے اپنی آنکھ بچاؤ۔ یہ باتیں عام مُسلمانوں کے حقوق سے سوا ہیں۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے محبوب دوست ﷺ نے مجھے نصیحت فرمائی کہ جب سالن تیار کرو تو شوربہ زیادہ بنالو اور اپنے پڑوسی کی خدمت کرو۔ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ میرا پڑوسی میرے غلام کا شکوہ کرتا ہے اور اگر بغیر دلیل اِسے ماروں تو گنہگار ہوتا ہوں نہیں مارتا تو پڑوسی بُرا مناتا ہے۔ اب حیران ہوں کہ کیا کروں؟ آپ نے فرمایا ذرا توقف کرو تاکہ غلام کوئی ایسی نادانی کا کام کرے جس کے سبب وہ سیاست و ادب کے قابل ہو جائے۔ اسے ادب سکھانے میں تاخیر کرنا کہ پڑوسی تجھ سے شکایت کرے اس کے بعد غلام کو سزا دے تاکہ دونوں کا حق ادا ہو جائے۔

اعزہ کے حقوق پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اِرشاد ہے کہ میں رحمٰن ہوں اور قرابت داری جو حقیقت میں رحم کا پرتو ہے اسے میں نے اپنے نام سے چھانٹا ہے جو شخص صلہ رحمی سے کام لیتا ہے میں اسے ملتا ہوں اور جو قطع رحمی سے کام لیتا ہے میں بھی اس سے مُحبت قطع کرلیتا ہوں۔

پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا جو شخص درازی عمر اور فراخ روزی کا خواہش مند ہو اُس سے کہہ دو کہ اپنے اقربا کے ساتھ نیکی کرے نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ صلہ رحمی سے زیادہ کوئی عبادت باعث ثواب نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ لوگ

فسق و فجور میں مبتلا رہتے ہیں لیکن جب وہ صلہ رحمی سے کام لیتے ہیں تو اس کی برکت سے اُن کے مال و اولاد میں برکت ہوتی ہے اور فرمایا کہ جو رشتہ دار تیرے ساتھ جھگڑتے ہوں انھیں جو صدقہ دیا جائے گا وہ سب سے بہتر صدقہ ہے۔ صلہ رحمی کا معنی یہ ہے کہ تیرے جو رشتہ دار تجھ سے قطع تعلق کریں تو ان سے صلہ رحمی کر۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ سب فضیلتوں میں سے افضل ترین فضیلت یہ ہے کہ جو لوگ تم سے تعلقات منقطع کریں تم ان سے جوڑو اور جو تمھیں محروم کرنا چاہیں تم انھیں عطیہ دو اور جو تم پر ظلم کریں تم انھیں معاف کر دو۔

ماں باپ کے حقوق : ان کی قرابت کا تعلق چونکہ زیادہ ہے اس لیے ان کا حق بھی زیادہ ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ باپ کا حق اس وقت تک ادا نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کو غلامی سے خرید کر آزاد نہ کرے (یعنی اتنی بڑی قربانی کے بغیر باپ کے حق کی ادائیگی مشکل ہے) اور فرمایا کہ والدین کے ساتھ حسن سلوک نماز روزہ' حج و عمرہ اور جہاد سب سے افضل عمل ہے۔ اور فرمایا کہ لوگ جنت کی خوشبو پانچ سو برس سے سونگھیں گے لیکن والدین کا نافرمان اور قطع رحمی کرنے والا اس سے محروم رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ جو شخص والدین کی اطاعت نہیں کرتا میں اسے اپنے مجرموں کی فہرست میں لکھتا ہوں۔ پیغمبر اسلام ﷺ کا ارشاد ہے کہ ماں باپ کی طرف سے صدقہ دینے والے کا کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ والدین کو ثواب ملتا ہے اور دینے والے کو مستقل جدا۔ ایک شخص دربارِ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے ماں باپ انتقال کر گئے ان کا مجھ پر کیا حق ہے؟ فرمایا اُن کے لیے نماز پڑھو اور مغفرت کی دُعا مانگو' ان کی وصایا اور عہد و پیمان کی پابندی کرو۔ اور اُن کے دوستوں کے ساتھ احترام کا معاملہ کرو۔ اور اُن کے عزیزوں کے ساتھ نیکی و مروت کا معاملہ کرو۔ نیز آپ ﷺ نے فرمایا کہ ماں کا حق باپ سے دوگنا ہے۔

اولاد کے حقوق : ایک شخص نے جناب سرور کائنات ﷺ سے پوچھا کہ میں کس کے ساتھ نیکی اور بھلائی کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنے والدین کے ساتھ! اس نے عرض کیا کہ وہ تو انتقال کر گئے آپ ﷺ نے فرمایا تم اپنی اولاد کے ساتھ بھلا کرو۔ کیونکہ جس طرح والدین کا حق ہے اسی طرح اولاد کا حق ہے۔

اولاد کے حقوق میں یہ بات بھی شامل ہے کہ بدخوئی کے سبب اسے عاق نہ کیا جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس باپ پر رحمت کرے جو اپنے بیٹے کو نافرمانی کی راہ سے بچائے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب لڑکا سات دن کا ہو اس کا عقیقہ کرو اور نام رکھو اور پاک کرو۔ چھ برس کا ہو تو ادب کی تعلیم دو نو برس کا ہو جائے تو اس کا بستر جدا کر دو۔ تیرہ برس کی عمر میں نماز کے لیے مارو۔ سولہ برس کا ہو جائے تو اس کا نکاح کر دو اور اس کا ہاتھ پکڑ کر کہہ دو کہ میں نے تجھے ادب سکھایا۔ تیری تربیت کر دی تیرا نکاح کر دیا اب اللہ کی پناہ مانگتا ہوں دُنیا میں تیرے فتنہ سے اور عقبیٰ میں تیرے عذاب سے۔ اولاد کے حقوق میں یہ بات بھی شامل ہے کہ داد و دہش اور پیار و محبت میں سب بھائیوں میں برابری و مساوات کا خیال رکھے جبکہ چھوٹے بچہ کو پیار کرنا اور بوسہ دینا سنت ہے۔ جناب نبی اکرم ﷺ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو بوسہ دیتے۔ اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے دس لڑکے ہیں میں نے کبھی کسی کو بوسہ نہیں دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو رحم نہیں کرتا اس پر اللہ کی رحمت نازل نہیں ہوتی۔ ایک دن آپ ﷺ منبر پر تشریف فرما تھے حضرت حسن رضی اللہ عنہ گرتے پڑتے آئے تو آپ ﷺ منبر سے اتر آئے اور انھیں گودی میں اٹھالیا اور یہ آیت پڑھی :

﴿ اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ﴾ (الانفال)

ایک دفعہ آپ ﷺ سجدہ میں تھے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کمر پر چڑھ گئے آپ ﷺ نے دیر تک توقف فرمایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم سمجھے کہ شاید وحی نازل ہو رہی ہے کہ اتنا لمبا سجدہ فرمایا۔ سلام کے بعد پوچھا تو فرمایا کہ حسینؓ نے مجھے اپنی سواری بنا رکھا تھا میں نے اسے جدا کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ الغرض اولاد کے حقوق کی نسبت والدین کے حقوق کی زیادہ تاکید ہے اس لیے کہ ان کی تعظیم اولاد پر فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تعظیم کا اپنی عبادت کے ساتھ ذکر کیا ہے:

﴿ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ﴾ (بنی اسرائیل)

اور اُن کے حق کی عظمت کے سبب سے دو چیزیں واجب ہیں ایک تو یہ کہ اکثر علماء اس بات پر متفق ہیں کہ کھانا حرام نہ ہو مشتبہ ہو اور والدین اولاد سے کھانے کا کہیں تو کھا لیا جائے کیونکہ ان کی خوشی و رضامندی ضروری ہے۔ دوسرے یہ کہ ان کی اجازت کے بغیر سفر نہ کرنا چاہیے الا یہ کہ سفر فرض ہو جیسے فرائض دینیہ سیکھنے کے واسطے سفر ہو لیکن اس میں بھی شرط یہ ہے کہ وہاں کوئی فقیہ موجود نہ ہو۔ سفر حج ماں باپ کی اجازت کے بغیر درست ہے کیونکہ اس میں تاخیر مناسب نہیں ایک شخص نبی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور جہاد میں جانے کی اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ تمھارے والدین زندہ ہیں۔ اُس نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا پہلے ان سے اجازت مانگو اگر وہ اجازت نہ دیں تو ان کی اطاعت کرو اس لیے کہ توحید کے بعد اللہ کے نزدیک کوئی عبادت اس سے بہتر نہیں۔ یاد رکھیں کہ بڑے بھائی کا حق باپ کے حق کے قریب تر ہے۔ اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ بڑے بھائی کا حق چھوٹے بھائی پر ایسا ہے جیسے باپ کا حق بیٹے پر۔

لونڈی غلاموں کے حقوق :

پیغمبر اسلام ﷺ نے فرمایا کہ لونڈی غلاموں کے معاملہ میں تم اللہ سے ڈرو۔ جو خود کھاؤ وہی انھیں کھلاؤ جو خود پہنو وہی انھیں پہناؤ۔ ایسا مشکل کام انھیں نہ کہو جو وہ نہ کر سکیں۔ اگر وہ تمھارے کام کے نہ ہوں تو انھیں بیچ دو۔ اور اللہ کی مخلوق کو اذیت مت دو۔ اللہ نے انھیں تمھارے زیردست کر دیا ہے وہ چاہتا تو تمھیں اُن کے زیردست کر دیتا۔ کسی نے پوچھا کہ ایک دن میں کتنی بار لونڈی غلاموں کا قصور معاف کروں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ستر بار۔ احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے حلم و بردباری کس سے سیکھی۔ فرمایا کہ قیس بن عاصم رحمۃ اللہ علیہ سے کہ ان کی لونڈی سیخ پر بھنا ہوا بکری کا بچہ لائی تو اتفاق سے اس کے ہاتھ سے گر گیا نیچے ان کا بچہ تھا وہ انتقال کر گیا۔ لونڈی ڈر کے مارے بے ہوش ہو گئی۔ انھوں نے اسے ہوش دلایا اور فرمایا اس میں تمھارا کوئی قصور نہیں حتیٰ کہ اسے آزاد کر دیا۔

حضرت عون بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ جب اپنے غلام سے نافرمانی دیکھتے تو فرماتے کہ تو نے بھی اپنے آقا کی عادت اختیار کر لی جس طرح تیرا آقا اپنے مالک کا گناہ کرتا ہے اسی طرح تو بھی اپنے مالک کا گناہ کرتا ہے۔ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ غلام کو مار رہے تھے اچانک کان میں آواز پڑی کہ کسی نے کہا "یا ابا مسعود! پلٹ کر دیکھا تو حضور علیہ السلام تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جتنی قدرت تمھیں اس غلام پر ہے اس سے زیادہ تمھارے ربّ کو تم پر قدرت حاصل ہے۔

لونڈی غلام کا حق یہ ہے کہ انھیں روٹی سالن اور کپڑے سے محروم نہ رکھا جائے۔ حقارت کی نظر سے نہ دیکھا جائے

اور یہ سمجھے کہ وہ بھی میری طرح آدمی ہیں۔ اگر وہ کوئی خطا کریں تو ان کا آقا یہ خیال کرے کہ وہ بھی اپنے مالک کی نافرمانی کرتا ہے۔ غُصّہ آئے تو احکم الحاکمین کی اس قدرت کو یاد کرے جو اسے اس پر حاصل ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا کہ جب تمھارا ماتحت محنت و مشقت کر کے تمھارے لیے کھانا تیار کرے تو اسے اپنے ساتھ بٹھا کر کھلاؤ اور اگر ایسا کسی وجہ سے ممکن نہ ہو تو ایک لقمہ سالن میں ڈبو کر اس کے مُنہ میں دے دے اور اسے کہے کہ یہ کھا لو۔



فصل : ٦

گوشہ نشینی کا بیان

اس باب میں علماء کا اختلاف ہے کہ گوشہ نشینی بہتر ہے یا عوام سے مل جل کر رہنا! حضرت سفیان ثوری' حضرت ابراہیم ادھم' حضرت داؤد طائی' حضرت فضیل عیاض' حضرت ابراہیم خواص' حضرت یوسف اسباط' حضرت حذیفہ مرعشی اور حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہم اور اکثر بزرگوں اور اہل تقویٰ کی رائے یہ ہے کہ گوشہ نشینی بہتر ہے جبکہ علماء ظاہر کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ عوام سے میل جول بہتر ہے۔ حضرت امیرالمؤمنین عمرفاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ گوشہ نشینی میں اپنے حصہ پر نگاہ رکھو! اور حضرت ابنِ سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ گوشہ نشینی عبادت ہے۔ ایک شخص نے حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا کہ مجھے کوئی نصیحت فرمائیں۔ فرمایا کہ دُنیا سے ایسا روزہ رکھ کہ موت کے وقت تک افطار نہ کر اور لوگوں سے اس طرح بھاگ جس طرح لوگ شیر سے بھاگتے ہیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ توریت میں لکھا ہے کہ آدمی قناعت کی وجہ سے بے پروا اور بے نیاز ہو جاتا ہے' جب مخلوق سے الگ تھلگ ہوتا ہے سلامتی پالیتا ہے اور خواہش کو پاؤں تلے روند ڈالنے سے آزاد ہو جاتا ہے' حسد سے چھٹکارا حاصل کر لے تو بامروت بن جاتا ہے' صبر کا مظاہرہ کرے تو وہ عوام کا محبوب بن جاتا ہے۔ حضرت وہب ابن الورد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حکمت کے دس حصے ہیں نو کا تعلق خاموشی اور دسویں کا تعلق گوشہ نشینی میں ہے۔ حضرت ربیع بن خثیم اور ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا کہ علم سیکھو اور لوگوں سے الگ تھلگ رہو۔ حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ بھائیوں کی ملاقات' بیماروں کی عیادت اور جنازہ کے ساتھ تشریف لے جاتے حتیٰ کہ ایک ایک کام چھوڑ کر گوشہ نشین ہو گئے۔ حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اس شخص کا انتہائی احسان مند ہوں جو میرے پاس سے گزرے اور سلام نہ کرے اور میں بیمار ہوں تو میری عیادت کو نہ آئے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہما مدینہ منورہ کے قریب عقیق نامی جگہ میں قیام فرماتے۔ ان کا معمول تھا کہ وہیں رہتے حتیٰ کہ وہیں انتقال فرمایا۔ ایک حکمران نے حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ کوئی حاجت؟ فرمایا کہ حاجت یہ ہے کہ نہ تم مجھے دیکھو نہ میں تمھیں دیکھوں۔ ایک شخص نے حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ ہم آپس میں میل جول رکھیں۔ فرمایا کہ جب ایک مر جائے گا تو دوسرا کس سے تعلقات رکھے گا اس نے کہا اللہ میاں کے ساتھ۔ فرمایا اب بھی اس کے ساتھ رہنا چاہیے۔

اس مسئلہ میں ایسے ہی اختلاف ہے جیسا نکاح کے مسئلہ میں کہ کرنا بہتر ہے یا نہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ حکم کا تعلق آدمی کے حالات سے ہوتا ہے بعض کے لیے تو گوشہ نشینی بہتر ہوتی ہے جبکہ بعض کے لیے مخالطت! گوشہ نشینی کے فوائد اور آفات کی تفصیل کے بغیریات واضح نہ ہو گی تو پہلے فوائد ملاحظہ کریں۔

پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ ذکر اور فکر کے لیے فراغت نصیب ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا اس کی پیدا کردہ عجیب و غریب اشیاء اور زمین آسمان کی مملکت میں فکر اور اس کے اسرار کو پہچاننا افضل ترین عبادت ہے بلکہ یہ بات درجہ کے اعتبار سے بہت بڑھی ہوئی ہے کہ آدمی اپنے آپ کو یادِ الٰہی میں غرق کرے اور ماسوی اللہ سے بے خبر ہو جائے۔ حتیٰ کہ اللہ کے

سوا اپنی بھی اسے خبر نہ ہو اور یہ کام خلوت اور عزلت نشینی کے بغیر ناممکن ہے اس لیے کہ ماسوی اللہ سے تعلق رکھنے والی ہر چیز اللہ سے پھیرنے والی ہے بالخصوص اس شخص کے لیے جو اس بات پر قادر نہ ہو کہ مخلوق میں رہ کر باخدا رہے اور مخلوق سے جدا! جیسے انبیاء علیہم السلام کا معاملہ تھا۔ جناب نبی کریم ﷺ نے اپنے کام کی ابتداء میں عزلت و گوشہ نشینی اختیار فرمائی اور کوہ حرا میں تشریف لے گئے۔ مخلوق سے قطع تعلق کر لیا حتیٰ کہ نورِ نبوت سے مشرف ہوئے تو اب حالت یہ تھی کہ ظاہری جسم کے اعتبار سے تو مخلوق میں رہتے لیکن دل اللہ کے ساتھ متعلق تھا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں کسی کو اپنا دوست بناتا تو جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بناتا لیکن اللہ کی محبت کے سبب کسی دوسرے کی گنجائش نہیں رہی۔

حالانکہ لوگ جانتے ہیں کہ آپ کو ہر کسی سے محبت ہے تعجب نہیں کہ اولیاء کرام رحمہم اللہ بھی اس درجہ کو پہنچ جائیں۔ حضرت سہیل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تیس برس ہوئے میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمکلام ہوتا ہوں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ مخلوق کے ساتھ کلام کرتا ہوں اور یہ بات محال نہیں اس لیے کہ کوئی تو ایسا ہوتا ہے کہ اس پر کسی آدمی کا عشق اس قدر غالب ہو جائے کہ وہ لوگوں میں ہونے کے باوجود اپنے محبوب کے ساتھ مشغول ہو اور اس وجہ سے نہ کسی کی بات سنے اور نہ لوگوں کو دیکھے۔ لیکن ہر شخص کو اس بات پر مغرور نہ ہونا چاہیے کیونکہ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ لوگوں میں رہنے کے سبب پروردگارِ عالم کی سرکار سے مردود ہو جاتے ہیں۔ ایک شخص نے کسی راہب سے کہا کہ تنہائی بڑے دِل گردے کا کام ہے۔ اُس نے کہا میں تنہا نہیں ہوں اللہ کا ہم نشین ہوں جب اس سے راز کی بات کرنا چاہتا ہوں تو نماز میں مشغول ہو جاتا ہوں جب یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھ سے باتیں کرے تو توریت پڑھنے لگتا ہوں۔ لوگوں نے کسی بزرگ سے پوچھا کہ گوشہ نشینوں نے اس سے کیا فائدہ اٹھایا؟ اُس نے جواب دیا کہ اللہ کا اُنس حاصل کر لیا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے کہا کہ یہاں ایک شخص ہمیشہ ستون کے پیچھے رہتا ہے۔ فرمایا جب وہ حاضر ہو تو مجھے بتلاؤ چنانچہ آپ کو بتلایا گیا تو آپ اس سے ملے اور فرمایا کہ تم اکیلے کیوں رہتے ہو۔ مخلوق سے کیوں نہیں ملتے۔ اُس نے کہا کہ مجھ پر ایک بوجھ ہے جس نے مخلوق سے مجھے جدا کر دیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تم حسن کے پاس کیوں نہیں جاتے اور اس کی باتیں کیوں نہیں سنتے۔ اُس نے کہا کہ حسن اور تمام لوگوں سے علیحدگی کا سبب وہی کام ہے۔ آپ نے کام کی تفصیل پوچھی تو اُس نے کہا کہ کوئی ایسا وقت نہیں ہوتا جب اللہ تعالیٰ مجھے نعمت نہ دے اور میں گناہ نہ کروں اس کی نعمت کا شکر اور اپنے گناہ سے استغفار میں مشغول رہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تم اپنی جگہ ڈٹے رہو کہ تم حسن سے زیادہ فقیہہ ہو۔ حضرت ہرم بن حیان رحمۃ اللہ علیہ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے۔ حضرت اویس نے آنے کا سبب پوچھا تو فرمایا کہ آپ کے پاس آنے کا سبب یہ ہے کہ میں آسائش پاؤں۔ حضرت اویس نے فرمایا کہ میرا خیال یہ ہے کہ جو خُدا کو جانتا ہو وہ دوسرے سے آسائش کی توقع نہیں رکھتا۔ حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب رات کی تاریکی پیدا ہوتی ہے تو میرا دِل خوش ہوتا ہے اپنے جی میں کہتا ہوں کہ صبح تک اپنے رب کے ساتھ خلوت میں بیٹھوں گا۔ اور صبح کی روشنی نمودار ہوتی ہے تو میرا دِل رنجیدہ ہوتا ہے اور میں اپنے دِل میں کہتا ہوں کہ اب لوگ مجھے خُدا سے باز رکھیں گے۔ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص مخلوقات کے ساتھ باتیں کرنے کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات کے ذریعہ ہم کلامی سے زیادہ دوست رکھتا ہے اس کا علم بہت قلیل ہے اس کا دِل اندھا ہے اور اُس نے اپنی عمر ضائع کر دی۔

کسی حکیم کا قول ہے کہ جس کسی کی یہ خواہش ہو کہ کسی کو دیکھوں اور اس سے بات کروں تو یہ اس کا نقصان ہے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ جس کو لوگوں کے ساتھ انس ہو وہ مفلس ہے۔

ان اقوال اور روایات سے یہ جان لے کہ جس کسی کو اس بات کی قدرت ہو کہ ہمیشہ ذکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ انس پیدا کرے یا ہمیشہ فکر کرنے سے اس کے جلال و جمال کی معرفت حاصل کرے تو یہ امران سب عبادات سے افضل ہے جو مخلوقِ خُدا سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس واسطے کہ سعادت کی غایت یہ ہے کہ جو کوئی اس جہان میں جائے تو اللہ تعالیٰ کی مُحبّت اس پر غالب ہو اور انس و مُحبّت ذکر کی بدولت کامل ہوتی ہے اور مُحبّت ثمرۂ معرفت ہے اور معرفت فکر کا ثمرہ ہے اور یہ باتیں خلوت سے ہو جاتی ہیں۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ گوشہ نشینی کی بدولت آدمی بہت سے گناہوں سے بچ جاتا ہے۔ چار گناہ ایسے ہیں جو عام طور پر مخالطت میں ہو جاتے ہیں اور ہر کوئی ان سے نہیں بچ سکتا۔ ایک تو عیب کرنا یا عیب سننا اور یہ بات گناہ ہے اور دین کی تباہی کا سبب ہے دوسرا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ اس لیے کہ آدمی اگر خاموش رہے گا تو فاسق اور گنہگار ہو گا ناراض ہو گا تو وحشت اور خصومت کا خطرہ ہے۔

تیسرا ریا اور نفاق ہے کہ مخالطت میں یہ لازم آتی ہیں اس لیے کہ اگر مخلوق کے ساتھ تعلق رکھے گا تو ظاہر ہے وہ ستائے گی اور ریا کا بھی خطرہ ہے کیونکہ نفاق اور ریا ایسی چیزیں ہیں جو تعلقات کا لازمہ ہیں اگر دو دشمنوں سے تعلق رکھے گا تو ہر کسی سے اس کے مزاج کے مطابق بات کرنا پڑے گی۔ اور یہی نفاق ہے اور ایسا نہ کرے گا تو انکی دشمنی سے نجات نصیب نہ ہو گی۔ ادنیٰ ترین بات یہ ہے کہ جسے دیکھے گا اس سے کہے گا کہ میں ہمیشہ تمھارا مشتاق رہتا ہوں جب کہ یہ بات اکثر جھوٹی ہوتی ہے اگر ایسا نہ کہے گا تو لوگ اس سے متوحش ہوں گے اور اگر اس کے ساتھ تو بھی کہے گا تو نفاق اور جھوٹ ہو گا۔ ایک یہ بھی ہے کہ بظاہر تو ہر کسی سے یہ پوچھتا پھرتا ہے کہ تم کیسے ہو اور تمھارے اہل و عیال کیسے ہیں لیکن بباطن اسے پرواہ نہیں ہوتی اور ظاہر ہے کہ یہ نفاق ہے۔

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ کوئی ایسا شخص ہوتا ہے کہ باہر جاتا ہے کسی سے تعلق خاطر رکھتا ہے نفاق کی وجہ سے اس کی اس قدر تعریف کرتا ہے کہ دین اس کے سر پر رکھ کر اللہ کو ناراض کر کے اپنے گھر پلٹ آتا ہے۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی بھائی میرے پاس آتا ہے اور میں اپنی داڑھی کے بال سیدھے کرنے کے لیے ہاتھ پھیرتا ہوں تو مجھے ڈر ہوتا ہے کہ میرا نام کہیں منافقوں کے دفتر میں نہ لکھا جائے۔ حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ ایک جگہ تشریف فرما تھے ایک شخص ان کے پاس آیا تو پوچھا کہ کیوں آئے ہو؟ اُس نے کہا کہ آپ کے دیدار کی غرض سے! آپ نے فرمایا بخدا یہ بات وحشت اور بگاڑ کے بہت زیادہ قریب ہے۔ تیری آمد کا اصل مقصد یہ ہے کہ میری جھوٹی تعریف کرے اور اپنے اوپر منافقت کی تہمت لے لے یا پھر میں منافق ہو جاؤں۔ جو شخص ایسی باتوں سے پرہیز کر سکتا ہے اسے مخالطت سے کوئی نقصان نہیں ہو گا۔ اسلاف کی عادت یہ تھی کہ جب وہ ایک دوسرے سے ملتے تو دُنیا کا حال پوچھنے کے بجائے دین کا حال معلوم کرتے۔

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ نے حامد لفاف رحمۃ اللہ علیہ سے حال پوچھا تو انھوں نے کہا کہ خیر و عافیت سے ہوں کہ سلامتی پل صراط

پر گزرنے کے بعد نصیب ہو گی اور عافیت دخول جنت کے بعد۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لوگ پوچھتے کہ آپ کیسے ہیں تو فرماتے کہ جس چیز میں میرا فائدہ ہے وہ میرے قبضہ میں نہیں اور جس چیز میں میرا نقصان ہے اس کو دفع کرنے پر بھی قادر نہیں۔ میں اپنے کام کے ساتھ متعلق ہوں اور میرا کام دوسرے کے ہاتھ ہے۔ کوئی محتاج ایسا نہیں جو مجھ سے زیادہ بیچارہ ہو۔ حضرت ربیع بن خیثم رحمۃ اللہ علیہ سے لوگ سوال کرتے کہ آپ کیسے ہیں تو فرماتے کہ ضعیف اور گنہگار ہوں اپنی روزی کھاتا اور موت کا امیدوار ہوں۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے لوگ پوچھتے کہ آپ کیسے ہیں؟ تو فرماتے کہ دوزخ سے اطمینان ہو جائے تو خیر ہے۔ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگ پوچھتے کہ آپ کیسے ہیں تو فرماتے کہ میاں وہ کیسا ہو گا جسے صبح کے وقت یہ نہ معلوم ہو کہ میں شام تک جیوں گا اور شام کو اسے یہ نہ معلوم ہو کہ صبح تک زندگی ہو گی یا نہیں؟ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا جاتا تو فرماتے کہ میاں اس شخص کی کیا بات کرتے ہو جس کی عمر تو گھٹتی جا رہی ہو لیکن گناہ بڑھتے جا رہے ہوں کسی حکیم سے جو سوال ہوا تو اس نے کہا کہ روزی تو اللہ کی دی ہوئی کھاتا ہوں لیکن حکم اس کے دشمن شیطان کا پورا کرتا ہوں۔ حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا تو فرمایا کہ اس شخص کی کیا بات کرتے ہو جو آرزوؤں میں پھنسا ہوا ہو لیکن روزانہ آخرت کے قریب تر ہو رہا ہو۔

حامد لفاف رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا تو فرمایا کہ یہ خواہش ہے کہ ایک دن عافیت میں میں گزر جائے۔ لوگوں نے پوچھا کہ اب آپ عافیت میں نہیں تو فرمایا کہ عافیت تو اس کو نصیب ہو گی جو گناہوں سے بچ جائے۔ ایک صاحب دل سے موت کے وقت پوچھا گیا تو فرمایا کہ اس شخص کی کیا حالت ہو گی جو طویل سفر پر جا رہا ہو لیکن اس کے پاس زادِ راہ نہ ہو اور اندھیری قبر میں بے مونس و غم خوار ہو اور عادل بادشاہ کے سامنے اس کے پاس کوئی دلیل و حجت نہ ہو۔

حضرت حسان بن سنان رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا تو فرمایا کہ اس شخص کا کیا حال ہو گا جسے یہ یقین ہو کہ مجھے مر کر پھر اُٹھنا ہے اور حساب کے لیے کٹہرے میں کھڑا ہونا ہے۔ حضرت ابنِ سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص سے حال پوچھا وہ بولا کہ اس شخص کا کیا حال ہو گا جو پانچ سو درہم کا قرض دار ہو اور اہل و عیال کے لیے اس کے پاس کچھ نہ ہو۔ حضرت ابنِ سیرین رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر تشریف لائے اور اس شخص کو ہزار درہم دے کر فرمایا کہ نصف تو قرض ادا کرو اور نصف تمھارے خرچ کے لیے ہیں میں نے یہ عہد کر لیا ہے کہ اب کسی سے حال نہ پوچھوں گا کہ تو کیسا ہے؟ حضرت ابنِ سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اس لیے فرمایا کہ جب میں کسی کی غم خواری نہیں کر سکتا تو کسی سے پوچھنا چہ معنی؟ یہ تو نفاق ہے۔ اسلاف نے فرمایا ہے کہ ہم نے بعض لوگوں کو دیکھا کہ ایک دوسرے کو سلام نہ کرتے اور ضرورت کے باوجود ایک دوسرے سے تقاضا نہ کرتے۔ اب ایسے لوگ آ گئے ہیں کہ ملتے ہیں تو گھر کی مرغی تک کا حال پوچھتے ہیں اگر ایک دوسرے سے گستاخانہ طریق سے ایک درہم بھی طلب کیا جائے تو نہ ملے۔ جب مخلوق کی یہ کیفیت ہو تو جو کوئی مخالطت کرے گا اگر موافقت سے کام لے گا تو نفاق اور جھوٹ میں شریک ہو گا۔ مخالطت کا رویہ اپنائے گا تو دشمنی مول لے گا اور سنگدل کہلائے گا سبھی لوگ اس کی غیبت کریں گے۔ اس کا دین ان حرکات کی وجہ سے خراب ہو گا۔

چوتھا گناہ جو باہم ملنے جلنے کے سبب لازم آتا ہے یہ ہے کہ جس کے پاس تمھارا اُٹھنا بیٹھنا ہو گا اس کی خوبو اور عادات و اطوار تمھارے اندر سرایت کر جائیں گی۔ اور بسا اوقات غیر شعوری طور پر تم اثر قبول کر لو گے ایسا بھی ممکن ہے

کہ اس کی حرکات کے سبب تم گناہوں کا شکار ہو جاؤ۔ اس لیے کہ دُنیا داروں کو جب دیکھا جائے تو ان کی دُنیوی طمع بہرحال اثر انداز ہو گی اور ویسی باتیں تمھارے اندر پیدا ہو جائیں اور فاسق و فاجر کی صحبت اور تعلق اس کا فسق و فجور تمھاری نظروں میں ہلکا محسوس ہو گا کیونکہ لوگوں کی عادت ہے کہ جب عام طور پر کسی گناہ کو دیکھتے ہیں تو وہ ہلکا معلوم ہونے لگتا ہے یہی وجہ ہے کہ کسی صاحب عِلم کو ریشمی لباس میں ملبوس دیکھتے ہیں تو سبھی کے دِل میں خلجان پیدا ہوتا ہے لیکن اگر یہ ہی عالم سارا دن غیبت میں مبتلا رہے تو شاید کسی کے دِل میں بھی انکار نہ پیدا ہو گا حالانکہ غیبت ریشمی لباس سے بھی بدتر ہے بلکہ بسا اوقات زنا سے بھی سخت تر۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہماری ہر مجلس غیبت سے مملو ہوتی ہے اس لیے اس کی بُرائی کا اثر دلوں سے نکل چکا ہے حالانکہ جس طرح حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے احوال سننا از حد مفید ہیں اسی طرح اہل غفلت کا حال سننا باعث نقصان! بزرگوں کے تذکرہ کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے۔ حدیث میں ہے :

((عِنْدَ ذِكْرِ الصَّالِحِيْنَ تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ))

"نیکوکار لوگوں کے تذکرہ کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے"۔

نزولِ رحمت کا سبب یہ ہے کہ نیکوکار لوگوں کی باتیں سن کر دین کی رغبت پیدا ہوتی ہے جب کہ دُنیا کی رغبت کم ہوتی ہے۔ اسی طرح اہل غفلت کے ذکر کے وقت لعنت برستی ہے اس لیے کہ غفلت اور دُنیا کی رغبت کا سبب لعنت ہے جب ان کا ذکر بھی لعنت کا سبب ہے تو ان کا دیدار زیادہ لعنت کا باعث ہو گا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باہمی میل جول کے سلسلہ میں فرمایا کہ بُرا ہم نشین تو لوہار کی مانند ہے کہ اس کی دکان کے پاس بیٹھنے والے کے کپڑے جلنے سے بچ گئے تو بھی دھوئیں سے ضرور متاثر ہو گا۔ جب کہ اچھے اور نیک ہم نشین کی صحبت کی مثال عطر فروش کی ہے کہ اگر اُس نے عطر اور مشک نہ دیا تو خوشبو تو آئے گی۔ اس لیے برے لوگوں کے پاس بیٹھنے کے بجائے تنہائی بہتر ہے اور تنہائی کے مقابلہ میں نیک لوگوں کے پاس بیٹھنا افضل ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اس لیے ایسے لوگوں کے پاس بیٹھنا بہت غنیمت ہے جن کی صحبت وصول الی اللہ کا سبب بنے ایسے لوگوں کی صحبت لازمی سمجھ لو اور جو ایسا نہ ہو اس سے دُور رہو۔ بالخصوص اس عالم سے دُور رہو جو دُنیا کا حریص ہو اور جس کے قول و عمل میں تضاد ہو۔ کیونکہ آدمی اپنے دِل میں سوچتا ہے کہ اگر ایمانداری کی کچھ حقیقت ہوتی تو یہ عالم زیادہ ایماندار ہوتا کیونکہ اگر کوئی شخص لذیذ خوراک کا طباق سامنے رکھ کر کھا رہا ہو لیکن شور یہ مچاتا ہو کہ اس سے دُور رہو کہ یہ زہر ہے تو اس کی بات کو کون تسلیم کرے گا؟ اور جس رغبت سے وہ کھا رہا ہے یہ اس کی دلیل ہوگی کہ کھانے میں زہر کی ملاوٹ نہیں۔ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو حرام کھانے اور گناہ پر دلیر نہیں ہوتے لیکن جب سنتے ہیں کہ فلاں عالم ایسے کرتا ہے تو وہ دلیر ہو جاتے ہیں اسی لیے عالم کی غلطی بیان کرنا حرام ہے اور اس کے دو سبب ہیں۔ ایک تو یہ کہ ایسا کرنا غیبت ہے دوسرے یہ کہ لوگ اس بات کو سن کر گناہوں پر دلیر ہو جائیں گے اس عالم کے افعال و اعمال کو سن کر اس کی پیروی کریں گے اور شیطان اس کی مدد کے لیے کھڑا ہو جائے گا اور اسے اس بات پر آمادہ کرے گا کہ جب فلاں عالم یہ کام کرتا ہے تو تم بھی ایسا کرو کیونکہ تم اس سے زیادہ متقی نہیں عوام کو چاہیے کہ جب کسی عالم کی کوئی غلطی دیکھیں تو دو باتوں کا خیال کریں ایک تو یہ کہ عالم اگر غلطی کرتا ہے تو ممکن ہے کہ اس کا عِلم اس کے لیے کفارہ بن جائے اس لیے کہ عِلم شفاعت کا ذریعہ ہے اور عوام چونکہ عِلم سے محروم ہیں اس لیے اگر

وہ ایسا کریں گے تو کس برتتے پر۔ دوسرے اس بات کا لحاظ ضروری ہے کہ کسی عالم کا یہ جاننا کہ حرام مال کھانا درست نہیں ایسا ہی ہے جیسے عوام کا یہ جاننا کہ شراب اور زنا حرام ہے تو شراب و زنا کے معاملہ میں تو ہر شخص عالم ہے۔ عوام میں سے اگر کوئی شخص شراب پیے تو اسے دیکھ کر دوسرا اثر قبول نہیں کرے گا تو عالم کا بھی یہی حال ہے کہ اس سے بھی غلطی ممکن ہے اس کی غلطی کو بنیاد بنانا صحیح نہیں۔

حرام خوری پر اکثر وہی لوگ دلیر ہوتے ہیں جو محض نام کے عالم ہوتے ہیں لیکن وہ علم کی حقیقت سے غافل ہوتے ہیں یا عالم لوگ جو بڑا کام کرتے ہیں تو اس کے متعلق کوئی عذر یا تاویل اُن کے ذہن میں ہوتی ہے جس سے عوام واقف نہیں ہوتے اس لیے عوام کو چاہیے کہ وہ اس بات کو بھی ذہن میں رکھیں۔ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہ السلام کا قصہ قرآنِ مجید میں ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام نے کشتی میں سوراخ کر دیا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اعتراض کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انھی مصالح کے پیش نظر اس واقعہ کو بیان فرمایا۔ چونکہ حالات ایسے ہیں کہ صحبت و ہم نشینی سے اکثر نقصان ہوتا ہے اس لیے عام لوگوں کے حق میں گوشہ نشینی بہتر ہے۔

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ کوئی جگہ لڑائی جھگڑے اور فتنہ و تعصب سے خالی نہیں جس شخص نے گوشہ نشینی اختیار کرلی وہ ان مصائب سے بچ جاتا ہے اور جب اختلاط کی زندگی گزار گیا تو اپنے دین کو خطرہ میں ڈال لے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم لوگوں کو دیکھو کہ ایک دوسرے کی بانہوں میں بانہیں ڈال کر باہر نکلتے ہیں تو گھر میں بیٹھ جاؤ اور زبان کو سنبھال کر رکھ۔ اپنے ہی کام سے کام رکھ اور دوسروں کی فکر نہ کر! حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک ایسا وقت آئے گا کہ لوگوں کا دین سلامت نہیں رہے گا لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ ایک پہاڑ سے دوسرے پہاڑ اور ایک گھاٹی سے دوسری گھاٹی پر بھاگیں گے جیسے لومڑی اپنے آپ کو لوگوں سے چھپاتی ہے۔

لوگوں نے اس دَور کے متعلق پوچھا تو فرمایا: جب بغیر گناہ روزی نہ ملے اس وقت مخلوق سے دُور رہنا ہی حلال کا ذریعہ ہو گا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ہمیں نکاح کا حکم فرمایا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس وقت آدمی اوّل تو اپنے ماں باپ کے ہاتھوں ورنہ بیوی بچوں کے ہاتھوں اور بصورتِ آخر عزیزوں کے ہاتھوں ہلاک ہو گا۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ تنگ دستی اور محتاجی کی وجہ سے لوگ اسے ملامت کریں گے اور اس سے وہ چیز مانگیں گے جس کی اسے طاقت نہ ہو گی یہاں تک کہ وہ ہلاک ہو جائے۔ یہ حدیث اگرچہ مخلوق سے الگ تھلگ رہنے سے متعلق ہے لیکن اس سے گوشہ نشینی بھی معلوم ہوتی ہے اور یہ زمانہ جس کی خبر مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے دی وہ ہمارے زمانہ سے بہت پہلے آچکا ہے۔ حضرت سفیان رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ میں فرماتے :

وَاللّٰهِ لَقَدْ حَلَّتِ الْعُذُوْجَةُ "بخدا مخلوق سے دُور رہنا اب حلال ہو گیا"۔

چوتھا فائدہ آدمی لوگوں کے شر سے بچ جاتا ہے کیونکہ جب تک لوگوں میں مل جل کر رہے گا تو ان کی غیبت اور بدگمانی کے رنج سے بچ نہیں سکے گا اور محال چیزوں کے طمع سے چھوٹ نہیں سکے گا۔ ایسا ممکن ہے کہ بعض کام لوگوں کی سمجھ میں نہ آئیں اور لوگ اس پر زبان دراز کریں۔ انسان اگر چاہے کہ لوگوں کے تمام حقوق از قسم تعزیت، تہنیت اور

مہمانداری وغیرہ پورے کرے تو اس کے تمام اوقات اسی کے نذر ہو جائیں گے اور اپنے ضروری کام بھی انجام نہیں دے سکے گا اور اگر یہ چاہے کہ بعض خاص خاص لوگوں کے حقوق کی ادائیگی تک اپنے آپ کو محدود کرے تو دوسرے لوگ اس سے ناراض ہو جائیں گے اور اسے تکلیف پہنچائیں گے اور جب گوشہ نشینی اختیار کرلے گا تو سب سے نجات پالے گا اور سب خوش رہیں گے ایک بزرگ یا تو قبرستان میں رہتے یا کتاب کے مطالعہ میں مصروف رہتے۔ لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں نے تنہائی سے بڑھ کر کسی حال میں امن و سلامتی نہیں دیکھی۔ اور قبر سے زیادہ کوئی ناصح اور کتاب سے زیادہ کوئی مونس نہیں دیکھا۔ حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری کو خط لکھا کہ مجھے معلوم ہوا کہ آپ حج کے لیے جا رہے ہیں ممکن ہو تو مجھے رفیق سفر بنالیں انھوں نے جواب میں معذرت چاہی اور فرمایا کہ اللہ کے شہر میں باہم مل جل کر رہنے میں کوئی ایسی بات نہ ہو جائے جو ہمیں ایک دسرے کا دشمن بنا دے۔ ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ مروت کا پردہ برقرار رہتا ہے اور باطن کا حال مخفی رہتا ہے۔

پانچواں فائدہ لوگوں کی طمع اس سے اور اس کی طمع لوگوں سے منقطع ہو جائے گی جبکہ ان دو طرفہ طمعوں سے رنج اور گناہ کے سوا کچھ پلے نہیں پڑے گا۔ دُنیا داروں کو دیکھے گا تو دُنیا کی حرص اس میں پیدا ہو گی اور طمع حرص کے تابع ہے جب کہ ذلت و خواری طمع کی تابع ہے اس واسطے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ ﴾

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص دُنیا کے اعتبار سے تم سے بڑھا ہوا ہے اسے مت دیکھو کیونکہ اللہ کی نعمت تمھاری نگاہوں میں حقیر معلوم ہو گی اور جو شخص امراء کی دولت دیکھے گا تو اس کی تلاش میں مارا مارا پھرے گا لیکن پا نہ سکے گا اور آخرت کا نقصان الگ ہو گا اور اگر تلاش نہیں کرے گا تو دقت اور صبر میں پڑ جائے گا —— یہ بھی مشکل ہے۔

چھٹا فائدہ یہ ہے کہ کاہلوں، احمقوں اور ایسے لوگوں سے آدمی نجات پالیتا ہے جن کا دیکھنا طبیعت کو مکروہ معلوم ہوتا ہے۔ حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کی آنکھوں میں خلل کیوں پیدا ہوا۔ فرمایا کہ میں نے کاہلوں کو دیکھا اس لیے ایسا ہو گیا۔ جالینوس نے کہا ہے کہ جس طرح جسم کے لیے تپ ہے اسی طرح جان کے لیے تپ ہے اور وہ کاہلوں کو دیکھنا ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں انجان آدمی کے پاس بیٹھا تو میرے بدن کا وہ حصہ جو اس کی طرف تھا بھاری ہو گیا۔ یہ فائدہ اگرچہ دُنیوی ہے لیکن دینی بھی اس کے ساتھ ملا ہو اس لیے کہ جب ایسے آدمی کو دیکھتا ہے جس کا دیکھنا ناگوار ہوتا ہے تو زبان سے ورنہ دل سے ضرور غیبت کرتا ہے اور تنہا رہے گا تو ان سب باتوں سے نجات حاصل کرتا رہے گا۔

گوشہ نشینی کی مصائب، بعض دینی اور دُنیوی مقاصد ایسے ہوتے ہیں جو دوسروں کے بغیر حاصل نہیں ہوتے اور باہمی اختلاط کے بغیر ان کا حصول مشکل ہو جاتا ہے ان میں پہلی مصیبت اور نقصان تو یہ ہے کہ آدمی علم سیکھنے اور سکھانے سے محروم رہتا ہے جو علم سیکھنا فرض ہے وہ نہ سیکھا تو گوشہ نشینی اختیار کرلی تو یہ کام حرام ہے اور جس نے فرض کی حد تک علم حاصل کرلیا اور پھر عبادت کے لیے گوشہ نشینی اختیار کرلی تو پھر درست ہے اور جس نے شریعت کے تمام علوم سیکھ لیے اس کے لیے گوشہ نشینی نقصان دہ ہے کیونکہ جو شخص حصولِ علم سے پہلے گوشہ نشینی اختیار کرلیتا ہے وہ خواہ

بیکاری اور واہی تباہی خیالات میں بالعموم وقت ضائع کرتا ہے اور عِلم کی مضبوطی کے بغیر تمام دن اگر عبادت میں مشغول رہے تو پھر غرور اور تکبر کا اندیشہ ہے اور عقائد میں خطا کا اندیشہ ہے ممکن ہے کہ اسے اللہ کی شان میں ایسے خطرات نظر آئیں کہ جو کفر یا بدعت ہوں اور اسے معلوم تک نہ ہو الغرض عزلت اہل عِلم تو اختیار کر سکتے ہیں عوام نہیں کہ وہ بیمار کی مانند ہیں اور بیمار کو طبیب سے بھاگنا مناسب نہیں کیونکہ اپنا علاج اگر خود کرے گا تو جلد ہلاک ہو جائے گا اور حصول عِلم کی فضیلت بہت ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو شخص عِلم حاصل کرے گا اور اس پر عمل کرے اور دوسروں کو سکھائے فرشتوں آسمانوں میں اس کی تعریف کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ گوشہ نشینی کے ساتھ یہ کام نہیں ہو سکتا۔ تعلیم گوشہ نشینی سے افضل ہے بشرطیکہ آدمی کی نیت دین کی خدمت ہو نہ کہ مال و جاہ کی خواہش۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ ایسا عِلم سکھائے جس میں دین کا فائدہ ہو اور جو عِلم زیادہ ضروری ہو اس سے ابتدا کرے مثلاً جب عِلمِ طہارت شروع کرے تو کہہ دے کہ کپڑے اور بدن کی طہارت تو ذرا سی بات ہے اس سے مقصود کچھ اور ہی ہے اور وہ ہے گناہوں سے احتراز۔ اور اس ضمن میں آنکھ، کان، زبان، ہاتھ اور سب اعضاء کی تفصیل بیان کر دے اور شاگرد کو حکم دے کہ عِلم کے موافق عمل کرے اگر ایک حکم پر عمل نہ کرے اور دوسرا سیکھنے کی خواہش ظاہر کرے تو سمجھ لے کہ اس کا مقصد طلب جاہ ہے اور جب طہارت کے مسائل سے فارغ ہو تو یہ بھی بتلا دے کہ اس ظاہری طہارت سے مقصد دُنیا اور ماسوی اللہ کی محبت سے دِل کو پاک کرنا ہے اور یہی لا الٰہ الا اللہ کی حقیقت ہے اور جو شخص اپنی خواہش کا پابند ہے اس نے اپنی خواہش کو معبود بنا لیا قرآنِ کریم میں ہے: ﴿ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰهُ ﴾۔

جو ارکان مہلکات اور منجیات میں ہم نے بیان کیے ہیں جب تک انسان انھیں نہیں پڑھے گا۔ اس وقت تک خواہشات سے نجات کا طریقہ نہیں پہچان سکے گا اور یہ طریقہ جاننا ہر شخص پر فرض ہے۔ طالب عِلم اگر اس سے پہلے حیض و طلاق اور خراج وغیرہ کے مسائل میں پڑ جائے یا عِلمِ کلام اور معتزلہ اور کلامیہ وغیرہ فرقوں سے مناظرہ وغیرہ کے اصول میں پڑتا ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس کا مقصد جاہ و مال ہے دین نہیں۔ ایسے شاگرد سے دور رہنا ضروری ہے اس کا شر بہت سخت ہوتا ہے۔ شیطان اسے خرابی اور تباہی کی طرف بلاتا ہے اور اس کا نفس اس کا شدید دشمن ہے جب وہ فقہی معاملات میں امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ اور کلامی مسائل میں معتزلہ وغیرہ کے ساتھ جھگڑتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ شیطان پوری طرح اسے قابو میں لے چکا ہے اور اس کے کرتوتوں پر خندہ زن ہے اور باطن میں چھپی ہوئی مذموم صفات از قسم حسد، کبر ریا، عجب، دُنیا پرستی، جاہ و مال کی حرص پیدا ہو چکی ہے ان سب ناپاکیوں کو آدمی اپنے دِل سے پاک نہ کرے اور اس میں مشغول ہو جائے تو فتاویٰ میں نکاح، طلاق وغیرہ کی فکر میں پڑ جائے تو یہی فکر اس کے تباہ اور ہلاک ہونے کا سبب بن جائے گی اگر کسی نے ان مسائل میں خطا اور غلطی کی تو اس کا کچھ نقصان نہیں سوائے اس کے کہ اس کو ایک اجر ملے گا کیونکہ پیغمبر اسلام ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جس مجتہد کا اجتہاد صحیح ثابت ہوا تو اسے دوہرا اجر ملے گا ورنہ ایک اجر تو بہرحال ملے گا تو آدمی حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مذہب اختیار کرے یا امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا اس سے زیادہ فائدہ نہ ہوگا اور اگر ان بُری صفات کو دِل سے مٹائے گا نہیں تو اس کا نتیجہ دین کی تباہی کی شکل میں نکلے گا۔ حالات ایسے ہیں کہ

کسی بڑے شہر میں ایک دو سے زیادہ ایسے آدمی نہیں ملتے جنہیں ایسی تعلیم کا شوق ہو۔ تو مدرس کی گوشہ نشینی بھی بہت بہتر ہے۔ اس واسطے کہ ایسے طالب عِلم کو پڑھانا جس کا مقصد دُنیا ہو ایسے ہی ہے جیسے راہزن کے ہاتھ تلوار بیچنا اور اگر کسی کا خیال ہو کہ کبھی تو یہ دین کا ارادہ کر ہی لے گا تو یہ ایسے ہی ہے جیسے آدمی یہ سوچے کہ راہزن ایک دن مجاہد بن جائے گا۔ اگر یہ کہا جائے کہ تلوار اسے توبہ کی طرف نہیں بلاتی جبکہ عِلم توبہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہے تو یہ کہنا بھی غلط ہے اس لیے کہ فتاویٰ کا عِلم اور خصومات و معاملات کا عِلم اسی طرح کلام' نحو اور لغت کا عِلم کسی کو اللہ کی طرف رہنمائی کا ذریعہ نہیں کیونکہ ان میں کوئی وجہ ترغیب نہیں بلکہ ان میں سے ہر ایک حسد' غرور اور تعصب کا بیج دل میں بوتا ہے وَلَیْسَ الْخَبَرُ کَالْمُعَایَنَۃِ

ع شنیدہ کے بود مانند دیدہ

اس دعویٰ پر دلیل کی ضرورت نہیں۔ تم دیکھو کہ جو لوگ ان علوم میں مشغول رہے ان کا انجام کیا ہوا اور مدت کیسی ہوئی؟ جو عِلم آدم کو آخرت کی طرف بلاتا ہے اور دُنیا سے نجات کا ذریعہ بنتا ہے وہ حدیث و تفسیر کا عِلم ہے ان کا ذکر ہم نے مہلکات اور منجیات میں کر دیا ہے (ہلاک اور نجات دینے والی چیزیں) اس لیے اہل عِلم کو چاہیے کہ یہی علوم پڑھائے کہ یہ ہر ایک کے دل میں اثر کرتے ہیں اب سنگدل کون نہ ہو گا جس پر یہ اثر نہ کریں تو یہ شرط جو بیان ہوئی اس کے ساتھ جو عِلم سیکھنا چاہیے اس سے کنارہ کشی گناہِ کبیر ہے جو شخص عِلم تفسیر و حدیث اور اسی طرح کے ضروری علوم سیکھنے کے ساتھ ساتھ حب جاہ و مال کا بھی شکار ہو اس کی تعلیم سے بھاگنا ضروری ہے۔ اس لیے کہ اس کی تعلیم میں اگرچہ دوسروں کا فائدہ ہے لیکن وہ خود تو تباہ ہو گا۔ یہی بات جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دین کی خدمت ایسے لوگوں سے بھی لے لیتا ہے جنھیں خود کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اس کی مثال شمع جیسی ہے کہ اس سے سارا مکان تو روشن ہوتا ہے لیکن وہ خود جل اور گل جاتی ہے اس لیے حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے جو احادیث بزرگوں سے سن رکھی تھیں اور تحریری ذخیرہ فراہم کیا تھا اسے تلف کر دیا اور کبھی روایت نہ کی اور فرمایا کہ چونکہ میں اپنے اندر روایت کرنے کی خواہش دیکھتا ہوں اس لیے اسے تلف کر دیا۔ اگر چپ رہنے کا ذوق میرے اندر ہوتا تو ضرور روایت کرتا۔ اسلاف نے کہا ہے کہ حدثنا دُنیا کا ہی ایک باب ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ مجھے مسند پر بٹھالیں۔ امیرالمؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک شخص کے پاس سے گزرے جو کرسی پر بیٹھا تھا۔ فرمایا کہ یہ شخص کہتا ہے اَعْرِفُوْنِیْ کہ مجھے پہچانو۔ ایک شخص نے امیرالمؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ آپ نصیحت کو منع فرماتے ہیں؟ فرمایا میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ غرور تیرا دماغ آسمان پر نہ پہنچا دے۔ حضرت رابعہ عدویہ رحمہا اللہ تعالیٰ نے سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ اگر تم دُنیا کو دوست نہ رکھتے تو بہت خوب آدمی تھے۔ انہوں نے پوچھا میرے کس عمل سے آپ نے اندازہ لگایا۔ فرمایا کہ روایت حدیث کے عمل سے۔ حضرت ابوسلیمان خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جو اس زمانہ میں عِلم سیکھنا اور صحبت رکھنا چاہے تو اس سے احتراز کرو اور دُور بھاگو کہ ان کے پاس نہ مال ہے نہ جمال۔ بظاہر دوستی کا اظہار کرتے ہیں اور بباطن دشمنی کا مظاہرہ کرتے ہیں منہ پر تعریف اور پس پردہ مذمت ان کا شیوہ ہے۔ یہ سب اہل نفاق' سخن چین' مکار اور فریبی ہیں۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ اپنی فاسد اغراض کے لیے تمھیں سیڑھی بنائیں اور تمھیں گدھا بناتے ہیں تاکہ ان کی

خواہش کے لیے تم شہر کے گرد چکر لگاؤ اور تمھارے پاس آنے سے احسان جتلاتے ہیں اور اس بات کی خواہش رکھتے ہیں کہ تم اپنی آبرو اور جان و مال اس کے بدلے اُن پر نثار کر دو۔ تاکہ وہ تمھارے پاس آتے رہیں۔ اُن کی خواہش ہے کہ تم اُن کے اور اُن کے اعزہ کے حقوق ادا کرتے رہو' اُن کے سامنے اُلو بنے رہو اور ان کے دشمنوں کے ساتھ حماقت کا مظاہرہ کرو' اگر کسی معاملہ میں تم ان سے اختلاف کرو تو پھر دیکھو کہ وہ تمھارے اور تمھارے علوم کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ اور کس طرح تمھاری دشمنی میں ننگے ہو جاتے ہیں۔

اصل بات وہی ہے جو حضرت ابو سلیمان رحمۃ اللہ علیہ نے کہی اس لیے کہ اب کوئی شاگرد بلاوجہ استاذ کو قبول نہیں کرتا۔ اول تو یہ چاہتا ہے کہ اس کے سبب سے میری آمدنی کا دھندا جاری رہے۔ مدرس بے چارہ نہ تو اس کی طاقت رکھتا ہے کہ شاگرد کو چھوڑ دے کہ اس میں بے عزتی کا خدشہ ہے اور نہ اُن کی طاقت رکھتا ہے کہ ظالموں کے پاس جائے بغیر اور ان کی خوشامد کیے بغیر شاگرد کی آمدنی جاری رکھے تو شاگرد کے پیچھے اپنا ایمان کھو بیٹھتا ہے اور فائدہ کچھ ہوتا نہیں! تو اگر عالم ان آفتوں سے بچ کر تعلیم جاری رکھ سکتا ہے تو پھر تعلیم عزلت و گوشہ نشینی سے افضل ہے۔ عوام پر لازم ہے کہ جب کسی معلم و مدرس کو دیکھیں تو بدگمانی کا شکار نہ ہوں بلکہ یہ سوچیں کہ درس و تعلیم دے رہا ہے ایسا سمجھنا فرض ہے جب آدمی کا باطن ناپاک ہوتا ہے تو نیک گمان کی اس میں گنجائش نہیں رہتی۔ اس لیے کہ ہر شخص وہی سوچتا ہے جو اس کے اندر ہوتا ہے۔ یہ بیان اس لیے ہوا تاکہ عالم اپنی شرائط پہچان لیں اور عوام اپنے فرائض سمجھ لیں اور اپنی حماقت کا بہانہ کر کے علماء کی تعظیم میں کوتاہی کا ارتکاب نہ کریں کہ اس بدگمانی کے سبب وہ تباہ ہو جائیں گے۔

دوسری آفت یہ ہے کہ گوشہ نشینی کے سبب نفع لینے اور نفع پہنچانے سے محروم رہے گا۔ نفع لینے سے کسب مراد ہے کہ باہمی میل جول کے بغیر یہ ممکن نہیں۔ جو شخص عیال دار ہو وہ کسب و تجارت چھوڑ کر عزلت و گوشہ نشینی اختیار کرے گا تو اہل و عیال کو تباہ کر لے گا اور یہ گناہِ کبیرہ ہے ہاں کسی کے پاس مال کی بہتات ہو یا عیال دار نہ ہو تو پھر گوشہ نشینی افضل ہے۔ اور نفع پہنچانے سے مراد نمونہ بننا اور مسلمانوں کا حق بجا لانا مراد ہے اگر گوشہ نشینی میں ظاہری عبادت کے علاوہ کسی کام میں مشغول نہیں ہو گا تو کسب حلال اور صدقہ دینا گوشہ نشینی سے افضل ہے لیکن اگر اس کے باطن کا راستہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور ذکر کے لیے کھلا ہے تو پھر گوشہ نشینی افضل ہو گی اس لیے کہ سب عبادات سے مقصود یہی ہے۔

تیسری آفت یہ ہے کہ مجاہدہ اور ریاضت جو لوگوں کے بُرے اخلاق پر صبر کرنے سے نصیب ہوتی ہے اس سے محروم رہے گا ویسے جو شخص ریاضت میں کامل نہ ہو اس کے لیے الگ تھلگ رہنا ہی فائدہ مند ہے اس لیے کہ نیک خوئی جو تمام عبادتوں کی جڑ ہے وہ آپس میں ملے جلے بغیر نصیب نہیں ہوتی کیونکہ خوش خلقی اس کا نام ہے کہ آدمی لوگوں کی اذیت ناک چیزوں پر صبر کرے۔ صوفیاء کے خدام اس لیے لوگوں سے مصاحبت رکھتے ہیں تاکہ عوام سے سوال کر کے اپنی رعونت اور تکبر کا علاج کریں اور صوفیا کی خدمت کر کے آپ بخل کا علاج کریں اور ان کی فرمانبرداری کے ذریعہ اپنے دل سے بُری عادات کا قلع قمع کریں۔ نیز ان کی خدمت کے ذریعہ ان کی دعائیں حاصل کریں۔ اسلاف کے خدام کا مقصد یہی ہوتا تھا اگرچہ اب نیت بدل گئی ہے کیونکہ بعض لوگوں کا مقصد جاہ و مال بن کر رہ گیا ہے۔ تو ریاضت کے عادی شخص

کے حق میں تو گوشہ نشینی افضل ہے کیونکہ ریاضت کا یہ مقصد نہیں کہ آدمی ہمیشہ تکالیف برداشت کرے جس طرح دوا سے مقصد تلخی برداشت کرنا نہیں بلکہ بیماری کا دفعیہ مقصود ہے جب بیماری کا دفعیہ ہو جاتا ہے تو کوئی آدمی اپنے آپ کو تلخی میں گرفتار رکھنا پسند نہیں کرتا اسی طرح ریاضت کا معاملہ ہے جب مقصد ذکر الٰہی سے انس ہے اور ریاضت سے مقصد یہ ہے کہ جو چیز انس کے لیے مانع ہو اس سے اپنے آپ کو دُور رکھا جائے تاکہ انس میں مشغول رہ سکے یاد رکھیں جس طرح ریاضت ضروری ہے اسی طرح ریاضت کے لیے جدوجہد اور اس کے آداب کا سیکھنا بھی ضروری ہے اور یہ بات گوشہ نشینی سے حاصل نہیں ہو سکتی اس لیے پیر کا مریدوں سے ملنا ضروری ہے ان کی کنارہ کشی صحیح نہیں تاہم جس طرح علماء کو مال و جاہ سے بچنا ضروری ہے اسی طرح پیروں کے لیے بھی لازم ہے تو جب مریدوں سے ملنا شرائط کے موافق ہو گا تو یہ عزلت سے اَولیٰ ہو گا۔

چوتھی آفت: ممکن ہے کہ گوشہ نشینی میں دِل میں وساوس پیدا ہوں اور دِل یادِ الٰہی سے اُچاٹ ہو جائے اکتاہٹ کا علاج لوگوں سے میل جول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اگر مجھے وساوس کا ڈر نہ ہوتا تو لوگوں کے پاس قطعاً نہ بیٹھتا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کہ لوگو! دِل کی راحت میں خلل نہ ڈالو اس واسطے کہ جب دِل پر اچانک جبر کرو گے تو وہ اندھا ہو جائے گا اس لیے چاہیے کہ آدمی گھڑی دو گھڑی دوستوں کی صحبت میں بیٹھے اور ان سے راحت اور دِل کا نشاط حاصل کرے لیکن دوست ایسا ہونا چاہیے جو دین دار ہو اور دین کے کاموں سے متعلق لوگ اس سے مشورہ کرتے ہوں رہ گئے غافل تو ان کی لمحہ بھر کی صحبت بھی نقصان کا باعث ہو گی اور وہ طہارت و پاکیزگی جو دن بھر کی محنت سے حاصل ہوئی۔ لمحہ بھر کی مصاحبت سے فنا ہو جائے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر شخص اپنے دوست کے طور طریقوں پر ہوتا ہے اس لیے دوستی میں نیکی کا لحاظ ضروری ہے۔

پانچویں آفت یہ ہے کہ گوشہ نشینی کی وجہ سے بیمار پرسی' جنازہ کی شرکت' دعوت میں شمولیت وغیرہ جیسے حقوق ضائع ہوں گے۔ ان کاموں سے متعلق بھی بہت سی آفتیں ہیں۔ نفاق اور تکلف عام طور پر ان کاموں میں دخیل ہو جاتے ہیں کوئی ایسا ہوتا ہے جو اپنے آپ کو ان آفتوں سے نہ بچا سکے اور ان کی شرطوں پر قائم رہ سکے اس لیے گوشہ نشینی اَولیٰ ہے اور اسلاف میں سے اکثر لوگوں نے ایسا ہی کیا اور ان کاموں کو چھوڑ دیا کہ بچاؤ اسی میں تھا۔

چھٹی آفت یہ ہے کہ لوگوں سے ملتے رہنے میں ایک قسم کی فروتنی ہے اور گوشہ نشینی میں ایک قسم کا تکبر ہے ممکن ہے اس میں یہ بھی جذبہ ہو کہ ہم لوگوں کے پاس کیوں جائیں بلکہ لوگ ہمارے پاس ہماری زیارت کو آئیں۔ حکایت بنی اسرائیل میں ایک حکیم تھا جس نے حکمت میں ۳۶۰ کتابیں لکھی ہیں حتیٰ کہ اس کا خیال یہ تھا کہ اللہ کے یہاں میرا بڑا مرتبہ ہے۔ اس زمانہ کے نبیؑ کے پاس وحی آئی کہ اس حکیم سے کہہ دیں کہ تم نے تمام روئے زمین میں اپنا نام اور شہرہ حاصل کر لیا ہے اور تمھاری بڑی دھاک ہے جب کہ میں تیری اس شہرت و نام آوری کو پسند نہیں کرتا۔ حکیم نے ڈر محسوس کیا اور تنہائی میں بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ اللہ راضی ہوں گے وحی سے معلوم ہوا کہ اب بھی راضی نہیں چنانچہ وہ بازار میں نکلا لوگوں سے میل جول شروع کیا لوگوں کے پاس اٹھتا بیٹھتا' کھاتا پیتا اور کوچہ و بازار میں جاتا تب وحی آئی کہ اب اُس نے میری خوشنودی حاصل کی۔

تو کوئی شخص تو ایسا ہوتا ہے جو تکبر کی وجہ سے تنہائی اختیار کرتا ہے کیونکہ وہ خیال کرتا ہے کہ محافل و مجالس میں لوگ میری عزت نہیں کریں گے یا وہ ڈرتا ہے کہ کہیں لوگ علم و عمل میں میری کوتاہیوں سے واقف نہ ہو جائیں تو گوشۂ خمول کو وہ اپنے لیے آگ بناتا ہے اور ہمیشہ اسی آرزو میں رہتا ہے کہ لوگ میری زیارت کے لیے آئیں اور مجھ سے دُعالیں۔ میرے ہاتھ چومیں' یہ گوشہ نشینی بالکل نفاق ہے۔ رہ گئی وہ عزلت جو اللہ کے لیے ہو تو اس کی دو علامتیں ہیں ایک تو یہ کہ آدمی گوشہ میں بیکار نہ بیٹھے یا تو ذکر و فکر میں مشغول رہے یا علم و عبادت میں۔ دوسرے یہ کہ اس بات کو ناپسند کرے کہ لوگ اس کی زیارت کو آئیں اِلا یہ کہ دینی فائدہ ہو۔ خواجگانِ طوس میں سے مشہور بزرگ حضرت ابوالحسنِ ماتمی رحمۃ اللہ علیہ شیخ ابوالقاسم گورگانی رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات کے لیے گئے تو معذرت چاہی کہ میں آپ کی خدمت میں بہت کم حاضری دیتا ہوں۔ انھوں نے فرمایا کہ معذرت کی ضرورت نہیں کیونکہ دوسرے لوگ کسی کے آنے سے احسان مند ہوتے ہیں لیکن میں نہ آنے سے ممنون ہوتا ہوں کیونکہ ملک الموت کی وجہ سے مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔

ایک امیر حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کوئی حاجت؟ فرمایا میری خواہش یہ ہے کہ دوبارہ نہ تم مجھے دیکھو نہ میں تمھیں دیکھوں۔ یاد رکھئے لوگوں سے اپنی تعظیم کرانے کی نیت سے گوشہ نشینی بڑی حماقت ہے پہلا مرتبہ یہ ہے کہ وہ یہ جانتا ہے کہ گوشہ نشینی کے سبب سے میرے حالات کا کسی کو علم نہیں ہو گا۔ حالانکہ اسے محسوس کرنا چاہیے کہ اگر پہاڑ پر جا کر بیٹھ گیا تو عیب چین مکر و فریب کا فتویٰ چپکا دے گا۔ شراب خانے میں جائے گا تو تیرا دوست اور مرید بھی کہے گا کہ لوگوں کی نظریں گرنے کے واسطے ملامت کا نشانہ بنا ہے۔ تم جس حال میں ہو گے لوگ تمھارے حق میں دو فریق بن جائیں گے۔ اس لیے دِل دین میں لگانا چاہیے مخلوق میں نہیں۔

حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرید سے ایک کام کہا اُس نے جواب دیا کہ لوگوں کی لعن طعن کی وجہ سے میں یہ کام نہیں کر سکتا۔ حضرت سہل اپنے احباب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ آدمی جب تک دو صفتوں میں سے ایک حاصل نہ کر لے تب تک اس کام کی حقیقت کو نہیں پہنچ سکتا ایک یہ کہ یا تو لوگ اس کی نظر سے گر جائیں کہ اپنے خالق کے سوا اور کسی کو دیکھے ہی نہیں یا اس کا نفس اس کی نظر سے گر جائے کہ مخلوق اس کے متعلق کوئی بھی رائے قائم کرے وہ پرواہ نہ کرے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے کہا کہ کچھ لوگ آپ کی خدمت میں آتے ہیں اور پھر آپ کی باتیں کر کے اعتراض اور عیب جوئی کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے نفس کو ٹٹولا کہ فردوسِ اعلیٰ اور اللہ تعالیٰ کی مجاورت کی طمع کے بغیر کوئی خواہش نہیں۔ لوگوں سے سلامت رہنے کی کوئی خواہش نہیں اس لیے کہ جب ان کا خالق ان کی زبانوں سے نہیں بچ سکا تو میری کیا حقیقت ہے؟ اس تفصیل سے تم نے گوشہ نشینی کے فوائد اور نقصانات دیکھ لیے اب ہر کسی کو اپنے حالات کے مطابق عمل کرنا چاہیے کہ کونسی چیز اس کے لیے بہتر ہے۔

گوشہ نشینی کے آداب

جب کوئی گوشہ نشینی اختیار کرے تو اسے یہ نیت کرنی چاہیے کہ اپنے آپ کو لوگوں کے شر سے بچانے کے لیے میں

نے ایسا کیا ہے میرا مقصد ان سے سلامتی ہے نیز میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں فراغت اور دلجمعی کا طالب ہوں نیز اس بات کا لحاظ رکھے کہ ایک لمحہ بھی بیکار نہ بیٹھے بلکہ ذکر و فکر اور علم و عمل میں مشغول رہے لوگوں کو اپنے پاس نہ آنے دے نہ کسی سے شہر کی خبریں معلوم کرے اس لیے کہ جو بات سنے گا۔ گویا ایک بیج سینے میں ڈال لے گا جو اُگ کر پریشانی کا ذریعہ بنے گا خلوت کا بڑا مقصد یہ ہے کہ نفسانی خطرات باقی نہ رہیں تاکہ اللہ کا ذکر پاک صاف طریق سے ہو سکے۔ لوگوں کی باتیں نفسانی خطرات کا تخم ہوتی ہیں نیز اس بات کا لحاظ رکھے کہ کھانے پینے اور لباس میں بہت کم پر قناعت کرے ورنہ مخلوق سے ملنے جلنے کی احتیاج محسوس کرے گا۔ نیز پڑوسیوں کی ایذا پر صبر سے کام لے وہ اس کے حق میں جو کچھ کہیں اس کی پرواہ نہ کرے خواہ اس کا تعلق تعریف سے ہو یا مذمت سے! لوگ اسے منافق و ریاکار کہیں یا صاحب اخلاص و انکسار اسی طرح وہ متکبر کہیں یا منکسر المزاج کوئی بات نہ سنے نہ کسی کی پرواہ کرے کیونکہ اس کی وجہ سے وقت ضائع ہو گا اور گوشہ نشینی کا مقصد آخرت کے کاموں میں مشغولیت ہے۔

فصل ۷:

سفر کے آداب

سفر دو طرح کا ہے باطنی اور ظاہری' باطنی سفر کا تعلق ملکوت السماوات والارض اور اللہ تعالیٰ کی عجیب و غریب صنعتوں اور دین کی راہ کی منزلوں کا سفر ہے۔ یہی وہ سفر ہے جس میں آدمی کا بدن تو گھر میں ہوتا ہے لیکن دل بہشت میں سیر کر رہا ہوتا ہے جس کی وسعت زمین و آسمان کے برابر بلکہ زیادہ ہے۔ عالمِ ملکوت عارفین کی بہشت ہے کسی طرح کی روک ٹوک کا اس میں دخل نہیں۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو اسی سفر کی طرف بلاتے ہیں۔ ارشادِ باری ہے:

﴿ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ ﴾

وہ شخص جو اس سفر پر قادر نہیں وہ ظاہری سفر کرے مختلف جگہ پھرے تاکہ وہ ہر جگہ سے فائدہ اٹھا سکے اس کی مثال اس شخص کی ہے جو ظاہر طور پر کعبۃ اللہ کو جائے تاکہ اسے دیکھ سکے اور دوسرے شخص کی مثال ایسی ہے جو اپنی جگہ سے نہ ہلے بلکہ کعبہ اس کے پاس آئے۔ اس کے گرد طواف کرے اور اپنے اسرار سے اسے آگاہ کرے ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ اسی واسطے حضرت شیخ ابو سعید قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ نامَردوں کے تو پاؤں میں چھالے پڑ گئے اور مَردوں کے دل میں! ہم اس کتاب میں ان شاء اللہ دو ابواب میں ظاہری سفر کے آداب نقل کریں گے۔ رہ گیا سفر باطن تو وہ چونکہ بہت دقیق ہے اس لیے اس کتاب میں اس کی گنجائش نہیں۔

باب : ۱

سفر کی نیت اور اس کے آداب و اقسام

سفر کی پانچ قسمیں ہیں :

قسم اوّل وہ سفر ہے جو طلب علم کے لیے کیا جائے۔ جب علم سیکھنا فرض ہو تو یہ سفر بھی فرض ہوتا ہے اور جب علم سنت ہو تو سفر کی بھی یہی پوزیشن ہو گی۔ علم کے لیے سفر تین طرح پر ہے ایک تو علمِ شریعت سیکھنے کے لیے اس کے متعلق حدیث میں ہے کہ جو شخص علم سیکھنے کے لیے گھر سے نکلا ہے جب تک لوٹ نہ آئے وہ اللہ کی راہ میں ہوتا ہے۔ اسی طرح حدیث میں ارشاد ہے کہ فرشتے اپنے پر طلبہ کے لیے بچھاتے ہیں۔ اسلاف میں ایسے لوگ بھی تھے جنھوں نے ایک ایک حدیث کے لیے دُور دراز کا سفر کیا۔ حضرت شعبی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ایک کلمہ کی خاطر شام سے یمن تک کا سفر کرنے والے کا سفر بھی ضائع نہیں ہو گا بشرطیکہ اس میں دین کا فائدہ ہو۔ یہ بات ضروری ہے کہ سفر بھی علم کی خاطر کیا جائے جو آخرت کے لیے زادِ راہ ہو اور وہ علم جو دُنیا سے آخرت، حرص سے قناعت، ریا سے اخلاص اور مخلوق کے ڈر سے خالق کے ڈر کی طرف ترغیب کا ذریعہ نہ بنے وہ نقصان کا سبب ہے دوسرے یہ کہ آدمی اپنے بُرے اخلاق کی اصلاح کی خاطر کرے یہ بھی ضروری ہے اس لیے کہ اب تو آدمی اپنے گھر میں رہتا ہے اس کی خواہش کے مطابق کام ہوتے رہتے ہیں تو وہ اپنے معاملہ میں اچھا گمان کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ میرے اخلاق اچھے ہیں لیکن سفر کے ذریعہ سے اخلاقِ باطنہ کا پردہ اُٹھ جاتا ہے اور ایسے اُمور پیش آتے ہیں کہ کینہ، بدخوئی اور اپنا عجز اس پر ظاہر ہو جاتا ہے اور علاج کی فکر تب ہی ہوتی ہے جب بیماری سامنے آئے۔ اسی طرح جو آدمی سفر نہیں کرتا وہ چالاکی و پھرتی سے بھی محروم رہتا ہے حضرت بشر رحمۃ اللہ علیہ علماء کو سفر کی تلقین فرماتے اور کہتے کہ جب پانی ایک جگہ جمع ہو جائے تو گندہ ہو جاتا ہے۔

تیسرے اس لیے سفر کرے کہ پہاڑ، دریا، جنگل اور میدان نیز نئے نئے شہروں میں اللہ تعالیٰ کی عجائباتِ قدرت کو دیکھے اور طرح طرح کی مخلوقات، نباتات وغیرہ سے آنکھیں ٹھنڈی کرے اور خیال کرے کہ ہر چیز اپنے مالک کی تسبیح میں مشغول ہے اور اس کی وحدانیت پر گواہی دے رہی ہے اور جس شخص کو یہ ادراک اور بصیرت نصیب ہو جائے کہ جمادات کی بات سن لے جو نہ حرف ہے نہ ظاہری تحریرات، اسے پڑھ لے اور اللہ تعالیٰ کی مملکت کے اسرار کو پہچانے اس کو دُنیا کے اِرد گرد خراب ہونے کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ ایسا شخص ملکوتِ آسمان میں نظر دوڑائے جو دن رات اس کے گرد خود پھرتے اور اس سے کہتے ہیں : ﴿ وَكَأَيِّنْ مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴾ بلکہ اگر کوئی شخص اپنے اعضاء کی تخلیق میں غور و فکر کرے تو وہ بھی ساری عمر ایک طرح کی سیر میں مشغول رہ سکتا ہے اسے اپنے جسم میں عجیب و غریب کیفیات کا اس وقت پتہ چلے گا جب وہ ظاہر کی آنکھ بند کر کے باطن کی آنکھ کھول لے۔ کسی بزرگ کا مقولہ ہے کہ آنکھیں کھولو تاکہ تمھیں عجیب و غریب صنائع نظر آئیں میں کہتا ہوں کہ آنکھیں بند کرو تو تمھیں صنائع قدرت نظر آئیں گی۔ یہ دونوں باتیں صحیح ہیں کیونکہ پہلی منزل یہی ہے کہ آدمی ظاہر کی

آنکھ کھول کر ظاہری عجائبات کو دیکھے تب ہی وہ دوسری منزل پر پہنچتا ہے اور باطن کی آنکھ سے باطنی عجائبات اسے نظر آتے ہیں۔ جہاں تک ظاہری عجائبات کا تعلق ہے ان کی ایک انتہا ہے کیونکہ ان کا تعلق عالمِ اجسام سے ہے جو متناہی ہیں اور باطن کے عجائبات کی کوئی انتہا نہیں اس لیے کہ ان کا تعلق رُوح اور حقائق سے ہے اور حقائق کی کوئی انتہا نہیں ہر ایک صورت کی ایک حقیقت اور ایک رُوح ہے صورت تو ظاہری آنکھ سے دیکھی جاتی ہے اور حقیقت چشم بطن سے نظر آتی ہے صورت نہایت مختصر اور حقیر ہیں اس کی مثال یوں ہے جیسے کوئی شخص زُبان کو دیکھ کر یہ سمجھے کہ یہ تو گوشت کی ایک بوٹی ہے اور دِل کو دیکھ کر یہ خیال کرے کہ سیاہ خون کا ایک لوتھڑا ہے حالانکہ زبان اور دِل کی حقیقت کے سامنے ظاہری جسم کے علاوہ چشم بصیرت نہیں دی وہ جانوروں کے قریب ہے لیکن بعض چیزوں کے حق میں ظاہری آنکھ باطنی آنکھ کے لیے کنجی کی مانند ہوتی ہے اس لیے عجائبات کا سفر بہرحال فائدہ سے خالی نہیں ہوتا۔

دوسری قسم اس سفر کی ہے جو عبادت کے لیے کیا جائے جیسے حج اور جہاد' انبیاء علیہم السلام و اولیاء رحمۃ اللہ علیہم صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمۃ اللہ علیہم کی قبروں کی زیارت بلکہ علماء و بزرگانِ دین کی ملاقات بھی باعث برکت ہے ان کی صورت دیکھنا عبادت اور ان کی دُعا باعث برکت ہے ان کی ملاقات کے منجملہ فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ ان کی پیروی کا شوق پیدا ہوتا ہے اس لیے ان کی زیارت عبادت ہے اور عبادتوں کا تخم بھی' جب ان بزرگوں کی باتیں اور اقوال تمھاری نظر میں ہوں گے تو اس کے فوائد دوچند ہوں گے بالارادہ بزرگوں کی قبر پر جانا درست اور صحیح ہے اور حضور علیہ السلام نے یہ جو فرمایا کہ ((لَا تَشُدُّوا الرِّحَالَ اِلاَّ اِلٰی ثَلَاثَةِ مَسَاجِدَ)) یعنی مکہ معظمہ مدینہ منورہ اور بیت المقدس کے سوا اور کسی جگہ کے لیے سفر کا قصد نہ کرو تو یہ بظاہر اس بات کی دلیل ہے کہ ان تین مسجدوں کے سوا دوسری مساجد اور مشاہد سے برکت حاصل نہ کرو کہ باقی سب برابر ہیں لیکن جو علماء زِندہ ہیں چونکہ وہ اس حکم میں شامل نہیں اس لیے مرنے والے بھی شامل نہیں تو اس نیت سے انبیاء علیہم السلام و اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کی قبروں کی زیارت کے لیے جانا اور اس نیت سے سفر کرنا درست ہے۔

تیسری قسم وہ سفر جس کا مقصد ان چیزوں سے فرار ہو جو دین کے لیے باعث تشویش ہیں۔ جیسے جاہ و مال' حکومت اور دُنیوی مشاغل' جو شخص دُنیوی مشاغل کے ساتھ دینداری کو نہیں اپنا سکتا اس کے حق میں یہ سفر فرض ہے کیونکہ دین کی راہ تو فراغت اور دلجمعی کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ آدمی اپنی حاجات اور ضروریات سے بالکل بے نیاز نہیں ہو سکتا لیکن ان کا بوجھ کم تو کر سکتا ہے۔ وَقَدْ نَجَی یعنی دینی مشاغل کا بوجھ ہلکا کرنے والے رہائی حاصل کر لیتے ہیں جس کسی کو کہیں دولت مل جاتی ہے اور اِدھر اُدھر شناسائی ہو جاتی ہے تو اکثر یہ دیکھا جاتا ہے کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی روزی کا ذریعہ بنتی ہیں۔

حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اِس زمانہ میں گمنام آدمی خطرہ سے محفوظ نہیں تو جو شہرت یافتہ ہیں ان کا کیا حال ہے؟ یہ ایسا دَور ہے کہ جہاں تیری پہچان زیادہ ہو جائے وہاں سے بھاگ جا اور ایسی جگہ چلا جا جہاں تجھے کوئی پہچانتا نہ ہو لوگوں نے انھیں دیکھا کہ کمر پر بوجھ اٹھائے چلے جا رہے ہیں پوچھنے پر بتلایا کہ فلاں گاؤں میں جا رہا ہوں میں نے سنا ہے کہ وہاں اناج سستا ہے لوگوں نے کہا یہ بات آپ کو پسند ہے تو فرمایا کہ ہاں جہاں روزی کی وسعت ہوتی ہے وہاں دین سلامت رہتا ہے اور دِل کو اطمینان رہتا ہے۔ حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کسی شہر میں چالیس دن سے زیادہ قیام نہ فرماتے۔

چوتھی قسم وہ سفر ہے جو بغرضِ تجارت کیا جائے یہ مباح ہے اگر تاجر اس نیت سے سفر کرتا ہے کہ تجارت کے ذریعہ میں خود اور میرے اہل و عیال مخلوق سے بے نیاز ہو جائیں تو یہ عبادت ہے۔ لیکن اگر فخر اور دُنیا طلبی مقصود ہو تو پھر یہ سفر شیطان کی راہ میں شمار ہو گا۔ اور اس قسم کا ارادہ رکھنے والا بالعموم ساری عمر تکلیف میں مبتلا رہے گا۔ کفایت سے زیادہ ایک بار آدمی جب لالچ کرتا ہے تو پھر کوئی انتہا نہیں رہتی۔ اس قسم کا آدمی یا تو راہزنوں کا شکار ہو جائے گا یا اچانک سفر میں اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے گا ایسی شکل میں اس کے مال و سرمایہ پر حکومت قابض ہو جائے گی۔ ویسے حکومت قبضہ کرے یہ اس سے بہتر ہے کہ وارث ہتھیالیں اور اپنی خواہشات میں اڑا دیں اور اسے یاد تک نہ کریں بلکہ اس کی وصیت تک پوری نہ کریں اور یہ قرض دار ہو تو اس کے قرض تک کی ادائیگی کی فکر نہ کریں اور آخرت کا وبال اس کی گردن پر رہے اس سے زیادہ نقصان کی کیا بات ہو گی کہ ساری عمر رنج برداشت کیا آخرت کا وبال اپنے سر لیا اور مزے کسی نے لوٹے۔

پانچویں قسم اس سفر کی ہے جو سیر اور کھیل کود کی غرض سے کیا جائے۔ اس قسم کا سفر اگر تو گاہ بگاہ کیا جائے تو پھر تو مباح ہے لیکن اگر کوئی شخص اپنی عادت بنا لے اور نئے نئے شہروں میں گھومنے اور نئے نئے آدمی دیکھنے کے سوا اسے کوئی کام نہ ہو تو پھر علماء کی رائے مختلف ہے ایک طبقہ کی رائے ہے کہ یہ تو بلاوجہ تکلیف اُٹھانے والی بات ہے ایسا کرنا مناسب نہیں۔ ہماری رائے یہ ہے کہ یہ سفر حرام تو نہیں کہ کھیل کود بھی ایک مشغلہ ہے گو کہ بُرا ہے ہر کسی کا مباح عمل اس کے لائق ہوتا ہے ایک خسیس الطبع انسان ہے تو اس قسم کا سفر اس کے لیے مناسب ہے لیکن ایک بوریہ نشین فقیر ہے اس نے عادت بنالی ہے کہ خواہی نخواہی شہر شہر اور قریہ قریہ پھرتا ہے اس کی غرض یہ نہیں کہ مجھے کوئی صاحب دل ملے اور میں اس کی چاکری کروں بلکہ اس کا مقصد محض سیر و تماشا ہے وہ فرض عبادت تک پر مداومت نہیں کرتے ان کا دل تقویٰ و طہارت کی راہ سے دور ہے بیکاری و کاہلی کے سبب کسی اہل دِل کے حکم سے کہیں بیٹھ نہیں سکتے کہ مخلوق کو فائدہ ہو بلکہ شہروں میں یہ لوگ پھرتے ہیں تاکہ اچھے اچھے کھانوں سے کام و دہن کی تواضع کریں جہاں تو یہ مقصد حاصل ہو گیا وہاں قیام لمبا کر لیا ورنہ خدمت گزار کو کوسنا شروع کر دیا اُدھر جہاں کسی نے وسیع دستر خوان کی خبر دی اُٹھ کر چل دیئے اور پھر لطف یہ ہے کہ بہانہ مزارات کی زیارت کا کرتے ہیں یہ سفر حرام نہیں لیکن مکروہ ضرور ہے اور اس قسم کے لوگ فاسق تو نہیں البتہ اچھے بھی نہیں۔ جو شخص صوفیوں کی روٹی کھائے بھیک مانگے اور اپنے آپ کو صوفی ظاہر کرے وہ فاسق اور عاصی ہے وہ جو کچھ لیتا ہے وہ حرام ہے اس لیے کہ ہر بوریہ نشین محض پنج وقتہ نماز کی ادائیگی سے صوفی نہیں بن جاتا صوفی وہ ہوتا ہے جس کا مقصد رضائے الٰہی ہو اور وہ ایسے کاموں کی طرف متوجہ ہو یا مقصد میں کامیاب ہو گیا ہو یا اپنی حد تک اس کے لیے کوشاں ہو یا پھر ایسا ہو کہ اس کے دِل میں رضائے الٰہی کا جذبہ نہ ہو اور وہ اس سلسلے میں کوشاں ہی نہ ہو اور نہ ہی صوفیاء کی خدمت کرتا ہو وہ محض گودڑی پہننے سے صوفی نہیں بن جاتا۔ بلکہ جو چیز لوگوں نے گرہ کٹوں اور اچکوں کے لیے وقف کی ہو اس کے لیے اس کا لینا مباح ہے کیونکہ اہل تصوف کا روپ دھارنا لیکن ان کی سیرت نہ اپنانا نفاق اور اچکا پن ہے۔ اس قوم میں سب سے بُرا وہ شخص ہے جو صوفیاء کی چند باتیں اپنا کر بے ہودہ بکا کرے وہ سمجھے کہ اسے تمام علوم حاصل ہو گئے ہیں اس قسم کا آدمی ان باتوں کی شامت کے پیش نظر اس حد تک بھی پہنچ جاتا ہے کہ علماء

اور ان کے علم کو چشم حقارت سے دیکھنے لگتا ہے اور کیا عجب کہ شریعت بھی اس کی نگاہ میں حقیر اور ناچیز معلوم ہو اور وہ کہنا شروع کر دے کہ شریعت تو ضعیف لوگوں کے لیے ہے اور جو لوگ راہِ طریقت میں قوی ہو گئے ہیں شریعت انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ اُن کا دین ایسے حوض کی مانند ہو گیا ہے جس کا پانی کبھی ناپاک نہیں ہوتا۔ بوریہ نشین جب اس درجہ کو پہنچ جائیں تو ان میں سے ایک کو قتل کرنا روم و ہند میں ہزار کافر مارنے سے افضل ہے۔ کیونکہ لوگ اپنے آپ کو کافر سے بچانے کی فکر کرتے ہیں اور یہ ملعون تو اپنے آپ کو مسلمان کہلا کر اسلام کو بیخ و بن سے اکھاڑنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس زمانہ میں شیطان نے جو پھندے پھیلائے ہیں ان میں یہ پھندہ سب سے زیادہ مضبوط اور خطرناک ہے۔ ہزاروں آدمی اس پھندے میں پھنس کر ہلاک ہو چکے ہیں۔ العیاذ باللہ

ظاہری سفر کے آداب

پہلا ادب : اگر مقروض ہو یا کسی کا کوئی حق اس کے ذمہ ہو تو سفر سے پہلے اس کی ادائیگی کا اہتمام کرے۔ کسی کی امانتیں اس کے پاس رکھی ہوں تو انھیں مالکوں کو واپس لوٹائے جن کا نان و نفقہ اس کے ذمہ ہو مہیا کرے اور حلال مال سے زادِ راہ حاصل کرے اور اتنا سامان سفر میں ساتھ لے کہ اپنی ضروریات سے زیادہ احباب کی خدمت کر سکے کیونکہ کسی کو کھانا کھلانا اور حسن گفتگو سے پیش آنا نیز کرایہ کی سواری والے لوگوں کے ساتھ مدارات مکارمِ اخلاق میں سے ہیں۔

دوسرا ادب سفر میں ایسے شائستہ رفقاء کی رفاقت تلاش کرے جو دینی کاموں میں مددگار ثابت ہوں۔ حضور علیہ السلام نے تنہا سفر سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ جب تین آدمی ہوں تو وہ جماعت ہو گی اور ارشاد فرمایا کہ مسافروں پر لازم ہے کہ اپنے میں سے ایک کو امیر بنا لیں کیونکہ قدرتی طور پر سفر میں رائیں مختلف ہوتی ہیں اور جو کام ایک شخص سے متعلق نہیں ہو گا وہ خراب ہو گا دُنیا کا نظام دو خداؤں سے متعلق ہوتا تو وہ تباہ ہو جاتا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ امیر ایسے شخص کو بنانا چاہیے جو اخلاقی اعتبار سے سب سے بہتر اور سفر کے اعتبار سے زیادہ تجربہ کار ہو۔

تیسرا ادب یہ ہے کہ اپنے دوست احباب کو رخصت کرنا چاہیے اور ہر ایک کے لیے یہ دُعا پڑھنی چاہیے جناب رسول مقبول ﷺ کا یہی معمول تھا۔

((اَسْتَوْدِعُ اللّٰهَ دِيْنَكَ وَاَمَانَتَكَ وَخَوَاتِيْمَ عَمَلِكَ

"میں تیرا دین، تیری امانت اور تیرے انجام کار کو اللہ کے سپرد کرتا ہوں"۔

اور جب آپ کے پاس سے کوئی سفر کے لیے جاتا تو آپ ﷺ ارشاد فرماتے :

((زَادَكَ اللّٰهُ التَّقْوٰى وَغَفَرَ ذَنْبَكَ وَوَجَّهَ لَكَ الْخَيْرَ حَيْثُ مَا تَوَجَّهْتَ

"اللہ تعالیٰ تجھے پرہیز گاری عطا فرمائے تیرے گناہ بخش دے اور جدھر تیرا رُخ ہو تیرا پالا نیکی سے پڑے"۔

مقیم کے لیے سنت ہے کہ وہ مسافر کے لیے یہ دُعا پڑھے اور رخصت ہوتے وقت سب کو اللہ کے سپرد کرے۔

حکایت : امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ ایک دن خیرات دے رہے تھے ایک صاحب لڑکے کے ہمراہ تشریف لائے آپ نے فرمایا سبحان اللہ اس لڑکے کی شکل و صورت جتنی تمھارے ساتھ مشابہت رکھتی ہے اتنی مشابہت

میں نے کسی بیٹے کی باپ کے ساتھ نہیں دیکھی۔ اس نے عرض کیا اس لڑکے کی سرگزشت بڑی عجیب و غریب ہے میں آپ کی اجازت سے بیان کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا کہ میں سفر کے لیے جانے والا تھا اور اس کی ماں حاملہ تھی۔ اُس نے کہا کہ تم مجھے اس حال میں چھوڑ کر جا رہے ہو۔ میں نے کہا اَستَودِعُ اللّٰہَ مَا فِی بَطنِكِ یعنی جو تیرے پیٹ میں ہے میں اسے اللہ کے سپرد کرتا ہوں۔ میری واپسی ہوئی تو اس کی ماں مرچکی تھی میں ایک رات بیٹھا باتوں میں مشغول تھا تو دُور سے مجھے ایک آگ نظر آئی میں نے پوچھا تو لوگوں نے کہا کہ یہ تیری بیوی کی قبر کی روشنی ہے جسے ہم ہر روز دیکھتے ہیں۔ میں نے کہا کہ وہ نماز و روزہ کی پابند تھی میں نے جا کر اس کی قبر کو کھولا تو دیکھا کہ ایک چراغ ہے اور یہ لڑکا اس سے کھیل رہا ہے۔ مجھے آواز آئی کہ اے فلاں تو نے اس لڑکے کو ہمارے سپرد کیا تھا ہم اسے تیرے حوالے کرتے ہیں اگر تو اس کی ماں کو بھی ہمارے سپرد کرتا تو ہم اسے بھی تیرے حوالے کرتے۔

چوتھا ادب یہ ہے کہ ایک تو سفر سے پہلے استخارہ کرے استخارہ کی نماز اور دُعا مشہور ہے (فقہ و احکام کی کتابوں میں ملاحظہ فرمالیں۔ مترجم) دوسرے یہ کہ باہر نکلتے وقت ۴ رکعت ادا کرے کیونکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرا سفر کا ارادہ ہے میں نے وصیت نامہ لکھا ہے اسے باپ کے سپرد کروں یا بیٹے کے یا بھائی کے؟ آپ ؐ نے فرمایا کہ سفر جانے والے کے لیے اللہ کے نزدیک ان چار رکعتوں سے بہتر خلیفہ کوئی نہیں جو یہ پڑھتا ہے جب سامانِ سفر تیار کر چکے تو اس نماز کو پڑھے اور اس میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھے اور یہ دُعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَتَقَرَّبُ بِهِنَّ اِلَيْكَ فَاخْلِفْنِیْ بِهِنَّ فِیْ اَهْلِیْ وَمَالِیْ وَهِیَ خَلِيْفَةٌ فِیْ اَهْلِهٖ وَمَالِهٖ دَوَّرَتْ حَوْلَ دَارِهٖ حَتّٰی يَرْجِعَ اِلٰی اَهْلِهٖ

"میں ان رکعتوں کے ذریعہ اللہ کا قرب تلاش کرتا ہوں۔ اے اللہ ان رکعتوں کو میرا قائم مقام بنا دے میرے اہل و عیال اور مال و منال میں وہ خلیفہ ثابت ہوتی ہیں اس کے اہل و مال میں اور اس کی واپسی تک اس کے گھر کے اِردگرد گھومتی رہتی ہے"

پانچواں ادب یہ ہے کہ گھر کے دروازے پر پہنچے تو یہ الفاظ ادا کرے:

بِسْمِ اللّٰهِ وَبِاللّٰهِ تَوَكَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ رَبِّ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَضِلَّ اَوْ اُضَلَّ اَوْ اَظْلِمَ اَوْ اُظْلَمَ اَوْ اَجْهَلَ اَوْ يُجْهَلَ عَلَیَّ

"اللہ کے نام سے سفر شروع کرتا ہوں اور اس کی ذات پر بھروسہ کرتا ہوں اس کے بغیر کوئی قوت و طاقت کا مالک نہیں اے میرے رب میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ میں گمراہ ہو جاؤں یا گمراہ کیا جاؤں میں کسی پر ظلم کروں یا کوئی مجھ پر ظلم کرے میں جہالت کا کام کروں یا میرے ساتھ جہالت برتی جائے۔"

اور جب سواری پر سوار ہونے لگے تو یہ دُعا پڑھے:

سُبْحَانَ الَّذِیْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ ' وَاِنَّا اِلٰی رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ

"اللہ پاک ہے جس نے ہمارے لیے اس سواری کو مسخر اور تابع بنایا ہم اپنے تئیں اس پر قادر نہ تھے یقیناً ہم اپنے

پروردگار کی طرف لوٹنے والے ہیں"

چھٹا ادب یہ ہے کہ جمعرات کی صبح کو سفر کی کوشش کرے کہ پیغمبر اسلام ﷺ ایسا ہی کرتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سفر کا ارادہ کرنے والے کو چاہیے کہ صبح سویرے سفر کرے۔ حضور علیہ السلام نے دعا فرمائی:

((اَللّٰھُمَّ بَارِكْ لِاُمَّتِیْ فِیْ بُکُوْرِھَا یَوْمَ السَّبْتِ))

"اے اللہ میری اُمت کو برکت عطا فرما ہفتہ کے دن کی صبحوں میں"

اور یہ بھی دعا مانگی جس میں یوم السبت کے بجائے یوم الخمیس ہے یعنی جمعرات کا دن تو گویا ان دو دن کی صبح مبارک ہوئی۔

ساتواں ادب یہ ہے کہ جانور پر بوجھ کم لادے اس کی پیٹھ پر کھڑا نہ ہو اور سونے سے گریز کرے اس کے منہ پر مارے نہیں اور صبح و شام کچھ دیر پیدل چلے تاکہ اس کا جسم سواری پر بیٹھے بیٹھے اکڑ نہ جائے اور سواری کو بھی کسی قدر راحت نصیب ہو۔ اس طرح سواری کے مالک کا بھی دل خوش ہو گا۔ اسلاف اس شرط پر سواری کرتے کہ اتریں گے نہیں لیکن پھر بھی اترتے تاکہ یہ اترنا جانور کے حق میں صدقہ ہو جائے جس جانور کو بغیر کسی وجہ کے مارا یا اس پر سامان لادا وہ قیامت کے دن جھگڑے گا۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا اونٹ مر گیا تو آپ نے فرمایا کہ اے اونٹ اللہ سے میری شکایت نہ کرنا اس لیے کہ تو جانتا ہے کہ میں تیری طاقت کے موافق تیرے اوپر بوجھ لادتا تھا۔ نیز یہ ضروری ہے کہ بوجھ کی مقدار سے جانور کے مالک کو مطلع کر دیا جائے تاکہ اس کی رضامندی شامل ہو جائے اور معاہدہ سے زائد سامان نہ لادے۔ حضرت ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ اونٹ پر سوار تھے کسی نے ایک خط دیا کہ فلاں کو دے دینا آپ نے معذرت چاہی اور فرمایا کہ میں نے اونٹ والے سے یہ شرط نہیں کی گو کہ اس کا وزن کچھ نہ تھا لیکن تقویٰ کے اعتبار سے یہ بڑی بات تھی۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام سفر پر تشریف لے جاتے تو کنگھی، آئینہ، مسواک، سرمہ دانی اور مدری ہمراہ رکھتے۔ مدری اسے کہا جاتا ہے جس سے سر کے بال سیدھے کیے جاتے ہیں۔ ایک روایت میں نہرنی (نیل کٹر) اور شیشہ بھی منقول ہے جب کہ صوفیاء نے ڈول رسی کا بھی اضافہ کر لیا اگلے لوگوں کی یہ عادت نہ تھی کہ جہاں جاتے تیمم پر اکتفا کرتے اور محض پتھر سے استنجا کر لیتے اور جس پانی کو پاک جانتے اسی سے وضو کر لیتے گو کہ اگلے بزرگوں کی یہ عادت نہ تھی لیکن ان لوگوں کے حق میں یہی بہتر ہے کہ اس طرح سفر نہ کریں۔ احتیاط بہتر ہے اگلے لوگوں کا سفر جہاد جیسے اہم اُمور کے لیے ہوتا اور وہ ایسی احتیاطوں میں نہ پڑتے۔

آٹھواں ادب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام سفر سے واپس تشریف لاتے اور مدینہ طیبہ پر نگاہ پڑتی تو فرماتے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لَنَا بِھَا قَرَارًا وَّرِزْقًا حَسَنًا

"اے اللہ تو اس کو ہمارے لیے اچھا مستقر بنا اور پاکیزہ روزی کا ذریعہ بنا"

پھر کسی کو اطلاع کے لیے بھیج دیتے۔ آپ احباب کو اس بات سے منع کرتے کہ اچانک کوئی گھر میں چلا جائے۔ ایک مرتبہ دو آدمیوں نے حکم عدولی کی تو اپنے گھر میں ایسے حالات دیکھے جو ان کی رنجیدگی کا باعث بنے۔ سفر سے واپسی پر آپ کا معمول مسجد میں دو رکعت پڑھنے کا تھا۔ گھر میں تشریف لے جاتے تو فرماتے:

تَوْبًا تَوْبًا لِرَبِّنَا اَوْبًا لَا یُغَادِرُ عَلَیْنَا حَوْبًا

"میں اپنے گھر میں اپنے اللہ کے حضور توبہ کرتے ہوئے واپس آیا میں نے ایسی توبہ کی جو کوئی گناہ باقی نہ رہنے دیتی"

گھر والوں کے لیے تحائف سنت موکدہ ہیں۔ حدیث میں ہے کہ اگر آدمی کے پاس کچھ نہ ہو تو ایک پتھر ہی توبڑہ میں ڈال لے۔

باطنی سفر کے آداب

اس قسم کے اشخاص جب تک یہ نہیں جان لیتے کہ ان کے دین کی ترقی کا مدار سفر میں ہی ہے اس وقت تک وہ سفر نہیں کرتے اور اثنائے سفر میں جب کوئی نقصان دیکھتے ہیں تو واپس پلٹ آتے ہیں ان کی نیت یہ ہوتی ہے کہ جس شہر میں جائیں گے نیک اور صالح لوگوں کی قبروں پر حاضری دیں گے اہل اللہ کو تلاش کر کے ملیں گے اور ہر ایک سے استفادہ کریں گے۔ اہل اللہ کی تلاش کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ لوگوں کے سامنے مختلف حضرات سے ملنے کا ڈھنڈھورہ پیٹیں بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے کہ اہل اللہ سے مل کر ان کے نقوشِ پا کو اپنائیں اس قسم کے لوگ کسی شہر میں زیادہ دن نہیں ٹھہرتے اور یہ کہ کسی مَردِ صالح کی حضوری مقصود ہو۔ ویسے کسی بھائی کی ملاقات کو جانے والے پر لازم ہے کہ تین دن سے زیادہ نہ ٹھہرے کیونکہ اس کی آخری حد یہ ہے اور اگر میزبان زیادہ ٹھہرانے پر مصر ہو تو الگ بات ہے۔ اگر کسی بزرگ کی خدمت میں محض زیارت و ملاقات کی غرض سے جانے کا اتفاق ہو تو رات دن سے زیادہ نہ ٹھہرے کسی سے ملنے کے لیے جانا ہو تو دروازہ نہ توڑے کسی کے باہر آنے کا انتظار کرے اور جب تک اس سے ملاقات نہ ہو جائے کسی دوسرے کام میں مشغول نہ ہو۔ اپنی طرف سے سلام کلام شروع نہ کرے جتنی بات میزبان پوچھے اس سے زیادہ نہ بتلائے۔ گو اسے کوئی بات معلوم کرنی ہو تو پہلے اجازت طلب کرے۔ دوسری جگہ جا کر عیش و عشرت میں نہ پڑ جائے کہ اس وجہ سے خلوص متاثر ہو گا۔ راستہ میں اللہ کی تسبیح اور اس کی یاد میں مشغول رہنا چاہیے۔ یا پھر قرآن شریف آہستگی سے پڑھتا رہے جب کوئی بات کرے تو تسبیح وغیرہ موقوف کر کے اسے جواب دے جس چیز کو دل چاہتا ہو اگر وہ وطن میں میسر ہو تو سفر سے اجتناب کرے ورنہ کفران نعمت کا مرتکب ہو گا۔

دوسرا باب:

سفر سے متعلقہ مسائل

مسافر پر لازم ہے کہ شارع علیہ السلام نے سفر سے متعلق جن اُمور میں اجازت و رخصت دی ہے انھیں اچھی طرح سیکھے۔ اگر رخصت پر کاربند ہونے کا مقصد نہ ہو پھر بھی سیکھنا ضروری ہے ممکن ہے کسی وقت ضرورت پڑ ہی جائے۔ سفر میں قبلہ اور نماز کے وقت سے متعلق تفصیلات جاننا ضروری ہے جہاں تک طہارت کا تعلق ہے تو سفر میں اس ضمن میں دو اجازتیں ہیں۔ ایک تو موزے پر مسح کرنا دوسرے تیمم۔ اسی طرح نماز میں بھی دو رخصتیں ہیں ایک تو قصر کرنا دوسرے جمع

بین الصلاتین کرنا جہاں تک نفل نماز کا تعلق ہے وہ سفر میں جانور پر اور پیدل چلتے ہوئے بھی پڑھنے کی اجازت ہے۔ رہ گیا روزہ تو اس میں افطار کی رخصت ہے یوں کل سات قسم کی رخصتیں ہیں۔

پہلی رخصت کا تعلق موزہ کے مسح سے ہے جس مسافر نے مکمل وضو کے بعد موزہ پہنا ہو تو وہ تین دن رات تک موزہ پر مسح کر سکتا ہے جبکہ مقیم ہونے کی حالت میں اس کی اجازت ایک رات دن کے لیے ہے اس کی پانچ شرطوں میں پہلی شرط تو یہ ہے کہ وضو کے بعد موزہ پہنا ہو اگر کسی شخص نے دوسرا پاؤں دھونے سے قبل ایک پاؤں دھو کر موزہ پہن لیا تو امام شافعی قدس سرہٗ کے نزدیک مسح کی اجازت نہیں۔ تاوقتیکہ مکمل وضو کر کے موزہ نہ پہنا ہو دوسری شرط یہ ہے کہ موزہ ایسا ہونا چاہیے جسے پہن کر تھوڑا سا چلنے کی عادت ہو۔ چمڑے کا موزہ نہ ہو تو مسح درست نہیں۔ تیسری شرط یہ ہے کہ جتنی مقدار میں پاؤں دھونا فرض ہے اتنی مقدار میں موزہ درست ہونا چاہیے اگر اتنے حصہ میں کوئی سوراخ ہو یا پاؤں نظر آتا ہو تو امام شافعیؒ کے نزدیک مسح درست نہ ہو گا (امام ابوحنیفہ قدس سرہٗ کے نزدیک اس کی مقدار تین چھوٹی انگلیوں کے برابر ہے۔ مترجم) امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پھٹا ہوا موزہ پہن کر چل سکتا ہو تو مسح درست ہے۔ امام شافعیؒ سے بھی یہ قول منقول ہے اور ہمارے نزدیک یہ زیادہ بہتر ہے۔ اس لیے کہ راہ میں اکثر موزہ پھٹ جاتا ہے اور ہر وقت اس کا سینا ممکن نہیں۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ مسح کر لیا تو موزہ کو اتارے نہیں۔ جب اتار لیا تو نئے سرے سے طہارت کرنا ہو گی اور محض پاؤں دھونے پر اکتفا کر لیا تو درست ہے پانچویں شرط یہ ہے کہ مسح پنڈلی پر نہ کرے بلکہ پاؤں کی پشت پر مسح کرے گو کہ ایک ہی انگلی پر مسح درست ہے لیکن زیادہ بہتر تین انگلیوں سے ہے (امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تین انگلیوں سے لازم ہے) (مسح ایک بار کرنا چاہیے بار بار نہیں اگر کسی صاحب نے سفر کے ارادہ سے پہلے مسح کیا تو ایک شبانہ روز پر اکتفا کرے۔ موزہ پہننے سے پہلے اسے جھاڑ لینا چاہیے۔ ایک مرتبہ حضور علیہ السلام نے موزہ پہننا چاہا ابھی ایک پاؤں میں ہی پہنا تھا کہ ایک کوا دوسرے کو اٹھا کر لے گیا اور ہوا میں لے جا کر چھوڑ دیا اچانک اس میں سے سانپ نکلا تو آپ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے کہہ دو کہ موزہ جھاڑے بغیر مت پہنے۔

سفر میں دوسری رخصت تیمم سے متعلق ہے۔ طہارت کے باب میں اس کا بیان ہے یہاں مکرر بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔

تیسری رخصت نماز سے متعلق ہے کہ جو فرض نماز ۴ رکعت پر مشتمل ہے اسے دوگانہ کر کے پڑھے لیکن چار شرطوں کا لحاظ رکھے۔ ایک تو یہ کہ وقت پر ادا کرے تو قصر کرے قضا کی شکل میں ۴ رکعت ادا کرے (امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قصر کی قضا بھی قصر ہے) دوسری یہ کہ قصر کی نیت کرے اگر پوری نماز کی نیت کرے گا یا شک میں پڑے گا کہ میں نے پوری نیت کی ہے یا نہیں تو پوری نماز پڑھنا لازم ہے (لیکن عند الاحناف پوری نماز گناہ ہے) تیسری شرط یہ ہے کہ پوری نماز پڑھنے والے کی اقتدا میں نماز پڑھی تو پوری پڑھنا ہو گی۔ امام کے مقیم ہونے کا گمان بھی ہو تب بھی پوری پڑھے اس لیے کہ مسافر کی پہچان تو مشکل ہے اور جب یقین ہو جائے کہ امام بھی مسافر ہے تو پھر قصر کرے اس لیے کہ نیت کا معاملہ تو پوشیدہ ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ سفر شرعی (عند الاحناف مروجہ ۴۸ میل فی میل ۸ فرلانگ) اور مباح ہو جو غلام لونڈی بھاگے

ہوئے ہوں یا وہ شخص جو راہ زنی کے لیے جا رہا ہو یا حرام آمدنی کے لیے جانے والا' اسی طرح والدین کی اجازت کے بغیر جانے والا سب حرام سفر ہیں ان میں رخصت صحیح نہیں۔ اسی طرح وہ شخص جو قرض خواہ سے بھاگتا ہو باوجودیکہ اس کے پاس قرض کی ادائیگی کی طاقت ہے اسے بھی رخصت نہیں۔ سفر شرعی سے مراد سولہ فرسخ (مروجہ ۴۸ میل) کا سفر ہے کہ اس سے کم میں رخصت نہیں۔ ہر فرسخ بارہ ہزار قدم پر مشتمل ہوتا ہے سفر کی ابتدا تب ہوتی ہے جب آدمی شہر سے نکل جائے۔ شہر کے ڈھیر اور باغات وغیرہ کا اعتبار نہیں آبادی کا اعتبار ہے اور سفر کی انتہا یہ ہے کہ اپنی آبادی میں پلٹ آئے یا کسی دوسری بستی میں جا پہنچے جہاں تین دن ٹھہرنے کا قصد ہو (عند الاحناف ۱۴ دن) اگر کسی نے ٹھہرنے کا ارادہ نہیں کیا اور کام کاج میں پھنسا رہا اور ہر روز یہی اُمید رہی کہ آج فارغ ہو جاؤں گا تو صحیح قول کے مطابق قصر ہی کرتا رہے۔ کیونکہ یہ مسافر ہے جس کا ارادہ ٹھہرنے کا نہیں مجبوری الگ چیز ہے۔

چوتھی رخصت جمع بین الصلاتین سے متعلق ہے۔ شرعی سفر اور مباح ہو تو یہ بات درست ہے کہ آدمی ظہر کی نماز تاخیر کر کے اور عصر کی نماز ابتدا وقت میں پڑھ لے یا عصر کی نماز میں تقدیم کر کے ظہر کی نماز کے ساتھ پڑھ لے۔ مغرب عشاء کی نماز کا بھی یہی حکم ہے۔ عصر ظہر کی نماز اگر ملا کر پڑھے تو پہلے ظہر کی نماز پڑھے پھر عصر کی' سنتیں بھی پڑھ لی جائیں تو بہتر ہے تاکہ ان کی برکات سے محروم نہ رہے اور چاہے تو سنتیں جانور کی پشت پر بھی پڑھ سکتا ہے اور پیدل چلنے میں بھی ایسا کر سکتا ہے۔ اس کی شکل یہ ہے کہ ظہر کی ۴ سنت پہلے پڑھے۔ پھر وہ ۴ رکعت ادا کرے جو عصر سے پہلے پڑھی جاتی ہیں پھر اذان اور تکبیر کہہ کر ظہر کی فرض نماز ادا کرے پھر عصر کی تکبیر کہہ کر عصر کے فرض ادا کرے۔ اگر تیمم کیا ہو تو تیمم دوبارہ کرے اور دونوں نمازوں کے درمیان میں تیمم اور تکبیر سے زیادہ دیر نہ لگائے پھر وہ دو رکعت ادا کرے جو ظہر کے بعد پڑھی جاتی ہیں جب ظہر کی تاخیر عصر تک کی تو پھر اسی ترتیب سے پڑھے اور اگر عصر پڑھ چکا اور غروب آفتاب سے قبل شہر میں پہنچ گیا تو عصر کا اِعادہ نہ کرے' مغرب و عشاء کا بھی یہی حکم ہے۔ شرعی سفر نہ ہو تب بھی ایک قول کے مطابق اسی طرح جمع درست ہے۔

(استدراک: حضرت امام ابوحنیفہ قدس سرہٗ کے نزدیک جمع کی صرف صوری شکل منقول ہے یعنی ایک نماز تاخیر کر کے آخری وقت میں پڑھی جائے اور دوسری مقدم کر کے ابتدائی وقت میں پڑھی جائے باقی سنتوں سے متعلق جو تفصیلات امام غزالی نے لکھی ہیں وہ عند الاحناف درست نہیں۔ مترجم)

پانچویں رخصت یہ ہے کہ سنن و نوافل جانور کی پیٹھ پر درست ہیں اور قبلہ رو ہونا بھی ضروری نہیں۔ ہاں البتہ اگر سواری قبلہ رو جاری ہو تو اس کا رخ بدلنے سے نماز باطل ہو جائے گی۔ ہاں سہواً سواری نے رخ پھیر لیا یا جانور چرنے لگا تو نماز میں کوئی حرج نہیں ہو گا۔ رکوع سجدہ اس شکل میں اشارہ سے کرے رکوع میں پیٹھ کم جھکائے لیکن سجدہ میں اس سے زیادہ اتنا جھکنا کہ جس سے آدمی گر پڑے صحیح نہیں۔

چھٹی رخصت کہ چل پھر کر بھی سنن و نوافل ادا کر سکتا ہے تکبیر تحریمہ کے وقت قبلہ رو ہونا ضروری ہے جبکہ سواری کی شکل میں ایسا ضروری نہیں کیونکہ پیدل چلنے میں ایسا کرنا آسان ہے اور سواری میں مشکل ہے۔ رکوع سجدہ اشارہ سے کرے اور التحیات پڑھتا ہوا چلتا جائے۔ یہ احتیاط برتے کہ پاؤں نجاست پر نہ پڑے ہاں نجاست عین راہ میں ہو

تو پھر تکلف اور دشواری کی ضرورت نہیں جو شخص دشمن کے مقابلہ میں ہو یا جنگ کے میدان میں ہو یا سیلاب اور بھیڑیئے سے خوفزدہ ہو تو وہ جانور کی پشت پر یا چلتا ہوا فرض نماز ادا کرے اس کو اِس کی اجازت ہے۔

ساتویں رخصت روزہ سے متعلق ہے جو شخص سفر میں ہو اور روزہ کی نیت کر چکا ہو اس کے لیے اجازت ہے کہ وہ روزہ افطار کر لے اگر صبح کے بعد شہر سے نکلا تو پھر افطار درست نہیں۔ اگر مسافر روزہ کھول کر کسی شہر میں پہنچے تو دن میں کھانا کھانے کی اسے اجازت ہوگی اور اگر روزہ سے ہوا اور کسی شہر میں پہنچے تو پھر روزہ کھولنے کی اجازت نہیں۔ پوری نماز سے قصر بہتر ہے تاکہ اختلاف کے شبہ میں نہ پڑے۔ اس واسطے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو پوری نماز پڑھنا درست ہی نہیں لیکن افطار سے روزہ بہتر ہے تاکہ قضا کی مشقت سے بچ جائے۔ لیکن جب روزہ کی طاقت ہی نہ رکھتا ہو تو پھر افطار بہتر ہے۔ ان سات رخصتوں میں تین یعنی قصر' افطار اور موزوں پر مسح کا تعلق تو شرعی سفر سے ہے جبکہ تین رخصتیں تھوڑے سفر میں بھی جائز ہیں یعنی جانور کی پشت پر اور باپیادہ چلنے میں سنن و نوافل کی ادائیگی' جمعہ سے دست بردار ہونا اور تیمم (عند الضرورت) اور جہاں تک جمع بین الصلاتین کا تعلق ہے اس میں اختلاف ہے زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ تھوڑے سفر میں ایسا نہ کرے۔

جب سفر میں کسی شخص سے مسائل سیکھ سکتا ہو تو پھر تو درست ہے ورنہ سفر سے قبل یہ مسائل سیکھ لینے چاہئیں۔ راہ میں ایسا گاؤں اگر نہ ہو جس میں مسجد و محراب کا پتہ چلنا مشکل ہو تو پہلے سے قبلہ کی پہچان اور نماز کے اوقات کی شناخت کر لینی ضروری ہے اور کم از کم اتنا سیکھ لینا ضروری ہے کہ ظہر کے وقت آفتاب کس مقام پر ہوتا ہے۔ غروب و طلوع کے وقت کیا پوزیشن ہوتی ہے قطب کہاں ہوتا ہے اور راستہ میں پہاڑ ہو تو یہ جاننا کہ قبلہ کے دائیں طرف ہے یا بائیں طرف ضروری ہے۔



فصل : ۸

سماع اور وجد کے آداب نیز سماع کا حکم

اس ضمن میں جو مسائل ہیں وہ ان شاء اللہ دو ابواب میں بیان کیے جائیں گے۔

پہلا باب سماع کے مباح ہونے کے بیان میں ہے نیز اس میں یہ ذکر ہو گا کہ اس میں کونسی چیز حلال ہے اور کونسی حرام؟

یاد رکھو کہ انسان کے دِل میں اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا بھید مخفی ہے جیسے آگ لوہے اور پتھر کے درمیان ہے جس طرح لوہا پتھر پر مارنے سے آگ نکلتی اور صحرا میں لگ جاتی ہے اسی طرح اچھی اور موزوں آواز سنانے سے آدمی کے دِل میں جنبش پیدا ہوتی ہے اور بے اختیار دِل میں ایک چیز پیدا ہو جاتی ہے۔ عالمِ علوی جسے عالمِ ارواح بھی کہا جاتا ہے اس کے ساتھ ہر آدمی کو کچھ نہ کچھ مناسبت ہے وہی مناسبت دِل ہلانے اور بے اختیار ایک چیز پیدا کرنے کے لیے کافی ہے۔ عالمِ علوی در حقیقت عالمِ حسن و جمال ہے اور حسن و جمال میں بہرحال تناسب ہوتا ہے جو چیز متناسب اور موزوں ہوتی ہے وہ اسی عالمِ جمال کے کسی خاص وصف کی نمود ہوتی ہے اور اسی عالمِ محسوس میں جو حسن و تناسب ہے وہ اس عالم کے حسن و جمال کا ثمرہ ہوتی ہے تو اچھی اور موزوں آواز بھی اس عالم کے عجائبات سے مشابہت رکھتی ہے اور اس سبب سے دِل میں حرکت پیدا کرنے اور شوق و اشتیاق کا ذریعہ بنتی ہے یہ بات اس دِل میں پیدا ہوتی ہے جو سادہ منش ہو اور عشق و شوق سے خالی ہو لیکن اگر دِل خالی نہ ہو اور کسی چیز کے ساتھ مشغول ہو تو جس چیز کے ساتھ مشغول ہوتا ہے اچھی آواز سننے سے وہ چیز اس طرح حرکت میں آ جاتی ہے جیسے پھونک سے آگ بھڑکتی ہے جس کے دِل میں عشق الٰہی کی آگ ہو اس کے لیے سماع ضروری ہے تاکہ وہ آگ مزید بھڑکے اور جس کا دِل غلط قسم کی محبت کا شکار ہو اس کے لیے سماع حرام اور زہر قاتل ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ سماع حلال ہے یا حرام؟ جن علماء نے حرام کہا ہے وہ اہل ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں کیونکہ ان پر یہ راز ابھی نہیں کھلا کہ اللہ تعالیٰ کی مُحبّت آدمی کے دِل میں نزول فرماتی ہے اور انکا خیال یہ ہے کہ آدمی کی دوستی اپنے ہم جنس سے ہوتی ہے۔ جو چیز اس کی جنس سے نہ ہو گی اور نہ کوئی چیز اس کے مانند ہو گی اسے آدمی کیسے دوست رکھ سکے گا۔ ایسے علماء کے نزدیک مخلوق کے عشق کے سوا عشق کی کوئی دوسری صورت ممکن ہی نہیں اگر اللہ کا عشق دِل میں جگہ پکڑ بھی لے تو خیالات کے سبب ان کے نزدیک وہ باطل ہو گا اسی لیے وہ کہتے ہیں کہ سماع یا تو کھیل ہے یا مخلوق کے عشق کی وجہ سے ہے اور یہ دونوں باتیں دینی اعتبار سے مذموم ہیں اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ اللہ کی مُحبّت اور دوستی جو مخلوق پر لازم ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ تو وہ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب عبادت و فرمانبرداری ہے ان لوگوں کی یہ بھول ہے کہ منجیات (باعث نجات) میں جہاں مُحبّت کی حالت بیان ہو گی وہاں اس کا بھی ذکر ہو گا۔ یہاں تو ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ سماع کے متعلق فتویٰ اپنے دِل سے لینا چاہیے کیونکہ جو چیز دِل میں نہیں ہوتی سماع اسے پیدا نہیں کر سکتا بلکہ سماع اسی چیز کو حرکت میں لاتا ہے جو دِل میں ہوتی ہے تو جس شخص کے دِل میں ایسی چیز جو شرعاً پسندیدہ ہو اور اس کا قوی ہو جانا مطلوب ہو تو جب سماع اس کو قوی کرے گا تو سننے والے کو لازماً ثواب ملے گا اور جس کے دِل میں وہ چیز

ہو جو شرعاً مذموم اور بُری ہو تو سننے والے کو عذاب ہو گا اور جس کا دل دونوں سے خالی ہو اور وہ محض کھیل کے طور پر سنتا ہو اور محض طبعی لذت حاصل کرتا ہو تو اس کے لیے سماع مباح ہے گویا سماع کی تین قسمیں ہیں۔

قسم اوّل: آدمی غفلت کے ساتھ بطور کھیل تماشہ سماع سنے۔ یہ اہل غفلت کا طریقہ ہے اور ظاہر ہے کہ دُنیا جب ایک کھیل ہے تو اس قسم کا سماع بھی اسی جیسا ہو گا۔ باقی یہ بات درست نہیں کہ چونکہ سماع بھلا معلوم ہوتا ہے اس لیے وہ حرام ہے کیونکہ جتنے کام بھلے معلوم ہوتے ہیں وہ سبھی حرام تو نہیں اور خوش کن کام کے حرام ہونے کا سبب یہ نہیں کہ وہ خوش کن اور بھلا معلوم ہوتا ہے بلکہ حرام ہونے کا سبب وہ فساد و نقصان ہوتا ہے جس کا تجربہ ضروری ہے یوں تو پھر پرندوں کی آوازیں مرغوب ہیں لیکن حرام تو نہیں اور بندہ کو جاری پانی اور پھول بڑے بھلے معلوم ہوتے ہیں لیکن حرام نہیں تو اچھی آواز کان کے حق میں ایسی ہے جیسے آنکھ کے حق میں سبزہ اور آب جو' اسی طرح خوشبو ناک کے حق میں' اچھا کھانا زُبان کے حق میں اور حکمت و دانائی کی باتیں عقل کے حق میں بھلی اور اچھی لگتی ہیں۔ جہاں تک آنکھ' ناک' زُبان اور عقل کا تعلق ہے ان میں سے ہر ایک سبزہ و خوشبو وغیرہ سے بہرطور لذت یاب ہوتے ہیں تو پھر سماع ہی حرام کیوں ہو گا۔ خوشبو سونگھنا' کھیل دیکھنا اور سبزہ کی سیر حرام نہیں اس پر دلیل یہ ہے کہ حضرت اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حبشی لوگ عید کے دن مسجد میں مصروفِ کھیل تھے۔ آپ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تم دیکھنا چاہتی ہو میں نے کہا ہاں۔ آپ ﷺ دروازے پر کھڑے ہو گئے اور ہاتھ مبارک بڑھائے حتیٰ کہ میں نے اپنی ٹھوڑی آپ ﷺ کے ہاتھ پر رکھ لی اور اتنا جی بھر کر دیکھا کہ آپ ﷺ نے کئی بار فرمایا کہ اب بس نہیں کرو گی۔ میں نے عرض کیا کہ نہیں! یہ حدیث صحیح ہے اور اس سے پانچ قسم کی اجازتیں سامنے آتی ہیں ایک تو یہ کہ کھیل اور اس نوع کی چیزیں کبھی کبھار دیکھنا حرام نہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ حضرات مسجد میں مشغول تھے تیسرے یہ کہ جب آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو وہاں لے گئے تو فرمایا: ((دُوْنَکُمْ یَا بَنِیْ اَرْفِدَۃَ)) اس میں کھیل کا حکم ہے تو اگر کھیل حرام ہوتا تو آپ ﷺ ایسا حکم کیوں دیتے۔ چوتھے یہ کہ آپ نے اُم المؤمنین سے پہل فرمائی اور فرمایا کہ تم دیکھنا چاہتی ہو اس میں ایک طرح کا تقاضا ہے برخلاف اس کے کہ وہ پہلے سے دیکھ رہی ہوتیں اور آپ خاموش رہتے تو ممکن تھا کہ کوئی کہہ دیتا کہ انھیں رنجیدگی سے بچانے کے لیے منع نہیں کیا کیونکہ رنجیدہ کرنا بُری بات ہے۔ پانچویں یہ کہ آپ خود حضرت اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا کے ساتھ دیر تک کھڑے رہے اس کے باوجود کہ نظارہ بازی آپ کا کام نہ تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں اور بچوں کی موافقت کے سبب ایسے کام جائز ہیں تاکہ ان کا دل خوش ہو اور اپنے طور پر پارسا بننے سے یہ بہتر ہے۔

حدیث میں ہے کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں بچی تھی اور بچیوں کی عادت کے موافق گڈے گڑیاں سنوارتی چند سہیلیاں بھی آ جاتیں جب نبی کریم ﷺ تشریف لاتے تو وہ بھاگ جاتیں آپ ﷺ ان کو پھر میرے پاس بھیج دیتے۔ آپ ﷺ نے ایک دن ایک بچی سے پوچھا کہ یہ گڑیا کیا چیز ہے؟ تو اُس نے کہا کہ یہ میری بیٹی ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا ان کے درمیان کیا بندھا ہے؟ اُس نے کہا کہ ان کا گھوڑا ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ گھوڑے کے اوپر کیا ہے؟ اُس نے کہا کہ یہ اس کے بال و پَر ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا یہ کہاں سے آئے حالانکہ ایسا تو نہیں ہوتا اُس نے کہا کہ آپ ﷺ نے نہیں سنا کہ سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے کے بال و پَر تھے۔ آپ ﷺ ہنس پڑے حتیٰ کہ آپ ﷺ کے

دندانِ مبارک کھل گئے۔ یہ حدیث میں نے اس لیے ذکر کی کہ معلوم ہو جائے کہ خواہی نخواہی تقدس و پرہیز گاری جتانا اور ترش روئی اختیار کرنا اور اپنے آپ کو ایسے کاموں سے الگ تھلگ رکھنا دینداری نہیں' بالخصوص لڑکوں اور ایسے اشخاص کے حق میں جو مناسب کام کریں وہ کام ان کے حق میں نازیبا نہ ہوں۔ باقی یہ حدیث اس کے حق میں دلیل نہیں کہ تصویر درست ہے اس لیے کہ کھلونے تو لکڑی اور کپڑے کے ہوتے ہیں اور ان کی پوری تصویر نہیں ہوتی اس لیے کہ حدیث میں ہے کہ گھوڑے کے بال کپڑے کے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یہ بھی روایت فرماتی ہیں کہ عید کے دن لونڈیاں میرے پاس بیٹھی دف بجا رہی تھیں آپ ﷺ تشریف لائے تو منہ دوسری طرف کر کے بستر پر لیٹ گئے۔ میرے ابا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو ان لڑکیوں کو ڈانٹا اور فرمایا کہ اللہ کے نبی کے گھر میں یہ شیطانی آلات؟ آپ ﷺ نے متوجہ ہو کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ انکو چھوڑ دو آج یومِ عید ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ دف بجا کر گانا مباح ہے اس میں شک نہیں کہ آپ ﷺ کے مبارک کان میں آواز پہنچتی تھی تو آپ ﷺ کا سننا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو روکنا کہ انھیں کچھ نہ کہو اس کے مباح ہونے کی دلیل ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ دل میں بری خواہش ہو تاکہ لذت یابی حاصل ہو یا اس کی عدم موجودگی میں سماع میں مشغول ہو تاکہ شوق اور بڑھے یا گانے میں زلف و گیسو' خدو خال اور حسن و جمال کا ذکر ہو اور اس کا دھیان اپنے محبوب چھوکرے یا رنڈی کی طرف ہو تو یہ سماع حرام ہوگا۔ اکثر جوان لوگ اسی میں مشغول ہوتے ہیں اس کے حرام کا سبب یہ ہے کہ عشق باطل کی آگ کو تیز کرتا ہے تو جس آگ کا بجھانا واجب ہے اس کا بھڑکانا کیونکر درست ہوگا لیکن اگر یہ عشق اپنی بیوی بچوں کے ساتھ ہو تو یہ سماع بہت درست ہوگا ہاں طلاق دینے کے بعد یا لونڈی کو بیچنے کے بعد حرام ہوگا۔

تیسری قسم یہ ہے کہ دل میں کوئی اچھی صفت ہو اور سماع اس کے لیے باعث تقویت ہو یہ چار نوع سے ہے پہلی نوع تو یہ ہے کہ کعبۃ اللہ وغیرہ سے متعلق حجاج کے اشعار پڑھے جائیں تاکہ دل میں اللہ کے گھر کی محبت اور شوق پیدا ہو تو جس شخص کا حج کے لیے جانا درست ہے اس کے حق میں یہ سماع باعث اَجر و ثواب ہوگا لیکن جس کے ماں باپ اجازت نہ دیں یا کوئی اور معقول وجہ رکاوٹ ہو تو اس کے لیے سماع درست نہ ہوگا بلکہ یہ آرزو اپنے دل میں اور مضبوط کرے اور وقت کا انتظار کرے ہاں اگر وہ اس بات پر قادر ہو کہ نہ جا کر بھی اپنے حال پر قائم رہے تو پھر ٹھیک ہے۔ غازیوں کا سرود و سماع بھی اس کے قریب قریب ہے کہ خُدا کے دشمنوں کے ساتھ لڑنے اور اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر قربان کرنے کی خواہش ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ ثواب کا کام ہے جیسے لڑائی میں اشعار پڑھے جاتے ہیں تاکہ مَرد دلیر ہوں اور خوب لڑیں تو اگر کافروں سے لڑائی ہو تو اس میں تو ثواب ہے لیکن اہل حق کے ساتھ ہو تو پھر حرام ہے۔

دوسری نوع اس سرود و نغمہ کی ہے جو نوحہ اور رُلانے کا باعث بنتا ہے اور دل میں رنج بڑھاتا ہے اس میں بھی ثواب ہے بشرطیکہ نیت یہ ہو کہ اعمال میں جو کوتاہی اور تقصیر ہے اس پر رویا جائے اور جو درجات عالیہ اللہ تعالیٰ نے دیئے ہیں ان پر محبت کا رونا رویا جائے جیسے حضرت داوٗد علیہ السلام کا حال تھا اور اگر دل میں رنج حرام ہے تو اس پر نوحہ بھی حرام ہے جیسے کوئی عزیز دُنیا سے رخصت ہو گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ لِكَيْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ ﴾ "جو گزر گیا اس پر رنج مت کھاؤ"

اگر کوئی شخص قضاءِ الٰہی سے کراہت کھاتے ہوئے رنج واندوہ میں مبتلا ہوتا ہے اور اس پر نوحہ وگریہ کرتا ہے تو یہ حرام ہے اسی لیے نوحہ گر کی اجرت بھی حرام ہے اور وہ خود گنہگار ہے بلکہ جو شخص وہ نوحہ سنے گا وہ بھی مجرم ہے۔

تیسری نوع یہ ہے کہ دل میں جو خوشی ہے اس کے ازدیاد کے لیے ایسا کرے کیونکہ خوشی کی بات پر خوش ہونا مباح ہے تو یہ کام ثواب کا ہوگا۔ جیسے رسم عروسی' ولیمہ اور عقیقہ کے مواقع اسی طرح لڑکا پیدا ہونے' اس کا ختنہ کرانے یا پھر سفر سے واپسی کا موقعہ۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ پہنچے تو لوگ خوشی کے مارے آپ کے آگے آگے یہ شعر پڑھتے :

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَى اللّٰهَ دَاعٍ

اسی طرح عید کے دنوں میں خوشی اور اس سبب سے سماع درست ہے علی ہذا القیاس۔ جب احباب کی نشست ہو اور مل جل کر کھانا کھائیں تو محفل کو طرب زا بنانے کے لیے اس کی اجازت ہوگی۔

چوتھی نوع یہ ہے کہ کسی کے دل میں اللہ کی مُحبّت غالب ہو کر عشق کے درجہ میں پہنچ گئی ہو اس شخص کے لیے سماع ضروری ہے اور ممکن ہے بہتیری رسمی نیکیوں سے اثر زیادہ ہو اور ہر جو چیز اللہ کی مُحبّت و دوستی کے ازدیاد کا سبب بنے اس کا اَجر بھی زیادہ ہوتا ہے۔ صوفیاء کا سماع اسی نوع سے تعلق رکھتا تھا۔ اگرچہ اب محض ایک رسم کی شکل میں باقی رہ گیا ہے اب لوگ ظاہری طور پر صوفیاء کی شکل اختیار کر لیتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ بے بہرہ اور مفلس ہوتے ہیں۔

بہرحال انھیں عشق الٰہی کی آگ بھڑکانے میں سماع کا بڑا اثر ہے۔ صوفیاء میں بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ سماع میں انھیں مکاشفات نصیب ہوتے ہیں اور اس کے سبب انھیں وہ لذت حاصل ہوتی ہے جو بغیر سماع کے حاصل نہیں ہوتی' وہ احوالِ لطیف جو سماع کی بدولت انھیں عالمِ غیب سے حاصل ہوتے ہیں انھیں یہ لوگ وجد کا نام دیتے ہیں اور حالتِ سماع میں ان لوگوں کا دل ایسا پاک صاف ہوتا ہے جیسے آگ پر تپانے سے چاندی پاک ہو جاتی ہے۔ اسی طرح سماع دل میں آگ لگا کر اسے تمام کدورتوں سے پاک کر دیتا ہے۔ یہ حرارت اور اس کے سبب کدورتوں کا دفعیہ جس طرح سماع سے حاصل ہوتا ہے بہتیری ریاضتوں سے حاصل نہیں ہوتا۔ انسانی رُوح کو عالمِ ارواح سے جو مناسبت ہے سماع اِس میں تحرک کا ذریعہ بنتا ہے حتیٰ کہ رُوح کا اِس جہان سے کوئی تعلق نہیں رہتا اور اس جہان میں جو کچھ ہوتا ہے انسانی رُوح اس سے بالکل بے خبر ہوتی ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ صوفی کے اعضاء کی قوّت ساقط ہو کر رہ جاتی ہے وہ گر پڑتا ہے اور بے ہوش ہو جاتا ہے اس حالت میں اس کا بڑا درجہ ہوتا ہے۔ حاضرینِ مجلس میں سے جو شخص اس حالت میں عقیدت رکھتا ہے وہ بھی اس کی برکات سے محروم نہیں رہتا بلکہ اس میں اکثر لوگ غلطی کر جاتے ہیں اور سمجھ بوجھ میں اکثر خطا واضح ہو جاتی ہے اس کے حق و باطل کی پہچان وہ حضرات جانتے ہیں جو پختہ کار ہوتے ہیں۔ مرید کو اس بات کا حق نہیں پہنچتا کہ خواہش پیدا ہوئے بغیر وہ سماع میں مشغول ہو۔ حضرت شیخ ابوالقاسم گورگانی کے مریدین میں سے ایک صاحب تھے جن کا نام علی حلاج تھا انھوں نے سماع کی اجازت چاہی آپ نے فرمایا تین دن کھانا مت کھاؤ اسکے بعد عمدہ کھانا سامنے آنے پر اگر تجھے خواہش نہ ہو اور اس کے مقابلہ میں سماع پسند ہو تو پھر یہ خواہش درست ہوگی۔ لیکن جس مرید

کی دلی کیفیات ایسی نہ ہوں اور وہ معاملات کے سوا کچھ نہ جانتا ہو یا اس کے دِل کا حال تو ایسا ہو لیکن اس کی خواہش کشتہ و شکستہ ہو تو پیر پر لازم ہے کہ اسے سماع سے منع کرے کیونکہ اسے فائدہ کے بجائے نقصان زیادہ ہو گا۔

جو شخص صوفیا کے سماع اور وجد و حال کا انکار کرتا ہے وہ اپنی تنگ دلی اور کم ظرفی کے سبب ایسا کرتا ہے وہ اس انکار میں معذور اور بے قصور ہے اس لیے کہ جو چیز اسے حاصل نہیں وہ اس کو کیسے مان سکتا ہے اس کا حال مخنث جیسا ہے جو لذتِ جماع سے محروم ہے کیونکہ یہ لذت تو قوتِ مردی کے سبب نصیب ہوتی ہے اور مخنث اس سے محروم ہے اسی طرح سبزہ اور آب دیکھنے سے جو لذت حاصل ہوتی ہے اس کو اندھا کیا جائے گا؟ اگر وہ اس کا انکار کرے تو تعجب کی بات نہیں کہ اس کی آنکھیں ہی نہیں، جن سے وہ نظارہ بازی کر سکے اسی طرح ریاست، سلطنت فرمانروائی اور ملک داری میں جو لذت ہے اس کا اگر کوئی لڑکا انکار کرے تو تعجب نہیں کہ وہ ہنوز کھیل کود میں مشغول ہے اسی طرح کوئی شخص عقلمند ہو یا جاہل صوفیاء کے حالات کے معاملہ میں لڑکوں کی مانند ہے کہ وہ ابھی اس چیز کو پہچانتا نہیں اس لیے اس کا انکار کرتا ہے جو شخص کچھ زیرکی و دانائی کا سرمایہ رکھتا ہو گا وہ اتنی بات ضرور جانے گا کہ ان حالات سے میں بے خبر ہوں لیکن یہ جھوٹ نہیں۔ وہ صوفیاء کی مخصوص کیفیات پر یقین ضرور رکھتا ہو گا لیکن ایسا شخص جسے یہ لذت نصیب نہیں اور وہ اسے دوسروں کے حق میں بھی محال جانتا ہو وہ بڑا احمق ہے اور ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے :

﴿ وَاِذْ لَمْ يَهْتَدُوْا بِهٖ فَسَيَقُوْلُوْنَ هٰذَاۤ اِفْكٌ قَدِيْمٌ ﴾

"جب وہ راہِ حق سے محروم رہتے ہیں تو پھر یوں کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ یہ تو پرانا جھوٹ ہے"

فصل : جہاں سماع کے مباح ہونے کا ذکر آیا وہاں پانچ اسباب ایسے بھی ہیں جن کے سبب وہ حرام ہو جاتا ہے ان اسباب کی تفصیل دی جا رہی ہے تاکہ ان سے احتراز کیا جائے۔ پہلا سبب تو یہ ہے کہ سماع عورت یا اَمرد سے سنے کیونکہ یہ دونوں شہوت کا باعث ہیں، اس لیے سماع حرام ہو گا اگرچہ سننے والے کا دل اللہ کی یاد میں ہی مستغرق ہو کیونکہ شہوت اور جذبات فطری چیزیں ہیں اور جونہی اچھی صورت نظر آئے گی تو شیطان متحرک ہو جائے گا اور سماع شہوت اور حیوانی جذبات کے تابع ہو کر رہ جائے گا۔ البتہ ایسا اَمرد جو باعث شہوت نہ ہو اس سے سماع مباح ہو گا لیکن عورت بدصورت ہو تب بھی مباح نہ ہو گا اس لیے کہ عورت کیسی ہی کیوں نہ ہو اس پر نظر ڈالنا حرام ہے البتہ اگر پردہ کی آڑ سے سنتا ہے اور اس میں بھی عشق و زنا کا خوف ہو تو حرام ہو گا ورنہ مباح۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں دو کنیزیں تھیں جن کی آواز نبی کریم ﷺ سنتے کیونکہ باندیوں کی آواز عورت نہیں جیسے لونڈوں کا چہرہ عورت نہیں۔ یعنی جس طرح لونڈوں پر اپنا چہرہ چھپانا فرض نہیں اور لوگوں کے لیے اس کا دیکھنا حرام نہیں۔ اسی طرح کنیزوں کا اپنی آواز کو بند رکھنا فرض نہیں اور مردوں کے لیے ان کی آواز حرام نہیں لیکن لونڈوں کو شہوت کی نظر سے دیکھنا فتنۂ لواطت کے خوف سے حرام ہے اسی طرح عورت کی آواز فتنہ عشق و زنا کے سبب حرام ہے اس حکم کا تعلق حالات سے ہے اس لیے کہ بعض لوگ تو اپنی ذات کے معاملہ میں مطمئن اور مامون ہوتے ہیں جب کہ بعض کا یہ حال نہیں ہوتا۔ یہ ایسی بات ہے جیسے روزہ میں اپنی بیوی کا بوسہ لینا کہ اس کی اس کے لیے تو اجازت ہے جو شہوت سے مطمئن ہو لیکن جس کو مباشرت تک پہنچنے کا خطرہ ہو اس کے لیے حرام ہے یا اس سے محض بوسہ سے انزال کا خطرہ ہو۔

دوسرا باب یہ ہے کہ سرود کے ساتھ ساتھ رباب' چنگ' بربط اور رود یا عراقی نائے ہو (یہ سب آلاتِ مزامیر ہیں) اس لیے کہ ان سے منع کیا گیا ہے اس کا سبب یہ نہیں کہ یہ خوش نظر اور موزوں ساز ہیں کیونکہ آلات مزامیر خوش نظر اور موزوں نہ ہوں تب بھی حرام ہیں۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ شراب خوروں کی عادات میں شامل ہیں اور ان کی طبیعت کے پیش نظر ان کو حرام قرار دیا گیا ہے اس لیے کہ یہ شراب یاد دلانے اور اس کی ترغیب کا ذریعہ بنیں گی اور جہاں تک طبل' شاہین اور دَف کا تعلق ہے وہ حرام نہیں کیونکہ ان کے متعلق کوئی حکم نہیں آیا اور نہ ہی یہ شراب خوروں کے شعار میں شامل ہیں بلکہ دف تو نبی کریم ﷺ کے سامنے لوگوں نے بجایا اور شادی اور تقریباتِ عروسی میں آپ نے اس کی اجازت دی۔ تو دف میں جلاجل بڑھا دینے سے وہ حرام نہیں ہو جاتا اور حجاج اور غازیوں کا طبل بجانا بجائے خود ایک رسم ہے لیک مخنثوں کا طبل حرام ہے کہ یہ ان کا شعار ہے۔ یہ لمبا ہوتا ہے بیچ میں پتلا اور اطراف سے موٹا اور جہاں تک شاہین کا تعلق ہے وہ کسی قسم کا ہو حرام نہیں اس لیے کہ یہ چرواہوں کی عادت تھی (موجودہ بانسری) بقول امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اس کے حلال ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس کی آواز حضرت نبی کریم ﷺ کے کان مبارک میں پڑی تو آپ ﷺ نے کانوں میں انگلی دے لی لیکن حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ کان رکھ کر سنو اور جب آواز بلند ہو جائے تو مجھے بتا دینا ایک صحابی کو اجازت دینا ہی اس کے مباح ہونے کی دلیل ہے اور جہاں تک آپ ﷺ کا تعلق ہے تو آپ نے کانوں میں انگلی دے لی تو اندازہ یہ ہوتا ہے کہ آپ اس وقت کسی خاص حالت میں ہوں اور آپ کا یہ خیال ہو کہ وہ آواز مجھے اسی حالت سے باز رکھے گی اس لیے کہ حضرت حق کی محبّت اور شوق کو حرکت دینے میں سماع کا بڑا دخل ہے تاکہ خُدا سے دُور لوگوں کو نزدیک کیا جائے اور یہ بات ان بے چاروں کے حق میں بڑی موثر ہے جو اس حال سے محروم ہوں لیکن جو شخص ہو ہی عین حالتِ استغراق میں اور ہر وقت یادِ الٰہی میں منہمک ہو تو ممکن ہے کہ سماع اس کے لیے مانع ہو اور اس کے حق میں نقصان کا ذریعہ بنے اس لیے شاہین نہ سننا اس کی حرمت کی دلیل نہیں بلکہ اس کا معاملہ آپ ﷺ کی ان کیفیات و حالات سے ہے جہاں تک دوسروں کی رسائی نہیں۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ سرود میں فحش گوئی یا ہجو ہو یا دین کے معاملہ میں طعن! جیسے صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق رافضیوں کے اشعار یا کسی معروف عورت کی تعریف کہ مردوں کے سامنے اس کی اجازت نہیں اور ایسے اشعار کا پڑھنا اور سننا حرام ہے البتہ ایسے اشعار جن میں زلف و خال اور صورت و جمال کی تعریف ہو اور وصال و فراق کا ذکر ہو جیسے عشاق کی عادت ہوتی ہے تو ان اشعار کا پڑھنا سننا حرام نہیں ہاں کسی رنڈی یا لونڈے کا اس میں خیال ہو تو پھر حرام ہو گا لیکن رجحان اپنی بیوی کی طرف ہو تو پھر درست ہے۔ صوفیا اور ایسے لوگ جو اللہ کی محبّت میں مستغرق رہتے ہوں اور اس سلسلہ میں سماع کرتے ہیں ان کے لیے ایسے اشعار موجب نقصان نہیں کیونکہ لوگ ہر لفظ سے اپنے ذوق کے مطابق مفہوم و معانی مراد لیتے ہیں۔ ممکن ہے کہ وہ زلف سے کفر کی ظلمت اور چہرہ کی چمک سے نورِ ایمان مراد لیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ زلف سے مراد ان کی وہ اشکالات ہوں جن کا تعلق حضرت حق سے ہے۔ جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے ؎

گفتم بشارم سر یک حلقه زلفش تابو که به تفصی سر جمله بر آرم
خندید بمن برسر زلفش مشکیں یک پیچ به پیچید و غلط کرد شمارم

تو ممکن ہے کہ اس زلف سے اس کی مراد اشکالات سے ہو جس کا یہ خیال ہو کہ اس کی عقل اس مرتبہ تک پہنچ جائے کہ عجائباتِ الٰہی کو پوری طرح پہچان لے تو اس میں محض ایک پیچ پڑ جانے سے تمام شمار غلط اور تمام عقلیں مدہوش ہو جائیں گی اور جب شراب و مستی کا شعر میں ذکر ہو تو اس سے ظاہری معنی مراد لینے درست نہیں مثلاً یہ شعر ؎

گرمے دو ہزار رطل در پیمائی   تاے نخوری بنا شدت شیدائی

اور اس سے یہ بھی سمجھنا چاہیے کہ باتوں اور محض تعلیم سے دین کا کام درست نہیں ہوتا بلکہ اس میں ذوق و شوق کو بھی بڑا دخل ہے اس لیے کہ محبت، عشق، زہد اور توکل جیسی صفات کے متعلق گفتگو کرنا ان کے متعلق کتابیں لکھنا اور کاغذ سیاہ کرنا کوئی فائدہ نہ دے گا جب تک ان کو عملاً اپنا نہ لے۔ خرابات کے متعلق سامنے آئیں تو کچھ اور خیال کرنا چاہیے۔ جیسے یہ شعر ؎

ہر کو بخرابات نہ شد بیدین است   زیرا کہ خرابات اصول دین است

اس خرابات سے صفات بشریہ کی خرابی سمجھنا چاہیے کیونکہ دین کا یہی اصول ہے کہ یہ صفت خراب ہو تاکہ جو ناپید ہے وہ گوہر و موتی آدمی میں پیدا ہو جائے ان اکابر کے فہم کی تفصیل کا قصہ دراز ہے کیونکہ ہر ایک کی فہم اس کی نظر کے موافق ہوتی ہے یہاں اس قدر جو بیان کیا گیا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ متبدعین کا ایک گروہ ان بزرگوں پر طعن و تشنیع کرتا ہے کہ یہ لوگ صنم و زلف اور خال و مستی نیز خرابات کی باتیں کرتے اور سنتے ہیں اور یہ حرام ہے اور یہ حمقاء جانتے ہیں کہ ہم نے جو یہ کہا ہے تو یہ بڑی حجت ہے اور ان متبدعین و منکرین کو بزرگوں کے حالات کی قطعاً خبر نہیں۔ ان حضرات کو خود وجد آتا ہے جو اشعار کے معانی پر نہیں بلکہ محض آواز پر بھی حتیٰ کہ شاہین کی آواز جو کہ اپنے اندر معنی نہیں رکھتی وہ بھی ان کے لیے باعث وجد ہے۔ جو عربی نہیں جانتے انھیں عربی اشعار پر وجد ہو جاتا ہے اور احمق لوگ ہنستے ہیں کہ انھیں عربی تو آتی نہیں وجد کیوں کرتے ہیں ان احمقوں کو کون سمجھائے کہ اونٹ عربی چھوڑ کچھ بھی نہیں سمجھتا لیکن حدی خوان کے وجد کی خوشی اور قوت کے سبب بھاری بوجھ لیے چلتا رہتا ہے حتیٰ کہ جب منزل پر پہنچ جاتا ہے اور وجد موقوف ہو جاتا ہے تو ایک دم زمین پر گر پڑتا ہے اور بسا اوقات ہلاک ہو جاتا ہے ان احمقوں کو چاہیے کہ اونٹ اور گدھے سے جنگ کریں اور مناظرہ رچائیں کہ تم عربی تو جانتے نہیں یہ رقص کیسا اور خوشی کیسی؟ اور ایسا بھی ممکن ہے کہ عربی اشعار سے یہ بزرگ ان کے معانی کے خلاف کوئی مضمون سمجھیں اور اپنے خیال کے مطابق معانی تصور کریں اس لیے کہ انھیں شعر کی تفسیر تو مقصود نہیں ہوتی جیسے ایک شخص نے یہ پڑھا مَا زَارَنی فِی النومِ الاخیالکمْ اس پر ایک صوفی صاحب کی حالت بدل گئی لوگوں نے بعد میں سبب جو پوچھا تو کہا کہ تمہیں کیا معلوم وہ کیا کہہ رہا تھا؟ وہ کہتا ہے کہ تم اور ہم سب زار و ناچار ہیں اور بات صحیح ہے کہ ہماری یہ حالت ہے تو ان حضرات کا وجد ایسا ہوتا ہے کہ جس کے دل پر جو اثر غالب ہو گیا وہ ہو گیا وہ جو سنتا ہے وہی سنائی دیتا ہے اور جو دیکھتا ہے وہی دکھائی دیتا ہے جو عشق حقیقی یا کم از کم عشق مجازی کی آگ میں نہ جلا ہو گا اس کے پلے کیا پڑے گا؟

چوتھا سبب یہ ہے کہ سننے والا جوان ہو جس پر شہوت غالب ہو اور اسے اللہ کی محبت کا علم ہی نہ ہو کہ کیا چیز ہے تو خطرہ ہے کہ وہ جب زلف و جمال کا ذکر سنے گا تو اس کی گردن پر شیطان مسلط ہو جائے اور اس کی شہوت کو بھڑکا کر خوبرو

عورتوں کا عشق اس کے دِل میں راسخ کر دے عشاق کے حالات جو سنتا ہے تو ظاہر ہے کہ اسے پسند آئیں گے اور وہ خواہش کر کے اس کوچہ میں قدم بڑھائے گا۔ مردوں اور عورتوں میں ایسے بہت ہیں جو صوفیا جیسا لباس استعمال کرتے ہیں اور اس کام میں مشغول رہتے ہیں پھر وہ لایعنی باتوں سے عذر بدتر از گناہ کرتے اور کہتے ہیں کہ فلاں آدمی کے دِل میں سودا سمایا ہوا ہے اور عشق کی بیماری لگ گئی ہے ان کا کہنا ہوتا ہے کہ عشق تو اللہ کا پھندا ہے خُدا اسے اپنی محبّت میں کھینچتا اور کہتا ہے اس کے دِل کی حفاظت کرنا اور یہ کوشش کرنا کہ وہ معشوق کو دیکھے تو بڑی بات اسے یہ لوگ نیک خوئی اور فسق و لواطت کا نام سودا رکھتے ہوں اور یوں بھی ہوتا ہے کہ اپنا عذر اس طرح بیان کرے کہ فلاں بزرگ کا فلاں امرد کے ساتھ عشق کا معاملہ تھا اور یہ بات ہمیشہ بزرگوں کو پیش آئی ہے اور یہ لواطت نہیں بلکہ شاہد بازی ہے کہ خوبرو کو دیکھنا غذائے رُوح ہے' اس قسم کی خرافات اور واہیات باتیں وہ بکتے ہیں تاکہ ایسی باتیں کر کے اپنی خباثت کو چھپائیں جو شخص اِس اَمر کو فسق نہ سمجھے اسے اِباحتی سمجھ کر قتل کر ڈالنا مباح ہے اور ان مردودوں کا یہ کہنا کہ فلاں فلاں پیر نے فلاں فلاں لڑکے کو دیکھا تو یہ محض اپنے کرتوتوں کے عذر کے طور پر جھوٹ کہتے ہیں اوّل تو یہ بات غلط ہے اور دیکھا بھی ہو گا تو نظر بد سے نہیں بلکہ اس طرح دیکھا ہو گا جیسے کوئی شخص سرخ سیب یا شگوفے کو دیکھتا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس پیر سے بھی خطا ہو گئی ہو کہ وہ کوئی معصوم تو نہیں اس کا عمل سند دینی نہیں اور کسی پیر سے گناہ کا صدور گناہ کو مباح نہیں کر دیتا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت داوٗد علیہ السلام کا قصہ اسی واسطے قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے کہ کوئی یہ گمان نہ کرے کہ ان زلات سے ہر شخص مامون ہے ان کی نوحہ و زاری اور توبہ و انابت بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اسے دلیل سمجھ کر اپنے آپ کو معذور تصور کرے۔[1]

ایک سبب اور بھی ہے گو وہ بہت کم ہے کہ کسی شخص کو صوفیا پر وارد ہونے والے حالات دکھائی دیتے ہیں۔ ارواح انبیاء و ملائکہ کا کشف ہوتا ہے یہ کشف سراپا حسن و جمال آدمی کی صورت میں بھی ممکن ہے اس لیے کہ مثال بہرحال حقیقت معنی کے موافق ہوتی ہے جہاں تک معانی کا تعلق ہے وہ عالمِ ارواح کی مانند ہیں وہ معانی درجہ کمال پر ہوتے ہیں اس لیے عالمِ صورت میں اس کی مثال بھی غایت درجہ جمال پر ہوتی ہے۔ دُنیائے عرب میں حضرت دِحیہ کلبی رضی اللہ عنہ سے زیادہ خوبصورت کوئی نہ تھا اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرائیل علیہ السلام کو ان کی شکل میں دیکھتے اور یہ بھی ممکن ہے کہ عالمِ ارواح سے کوئی چیز حسین امرد کی صورت پر کشف ہو کہ وہ صورت اس چیز کی مثال ہو اور شاید اس معنیٰ کو پھر دیکھ نہ

---

1. حضرت امام غزالی قدس سرہٗ نے حضرت داوٗد علیہ السلام کے ضمن میں جو اشارات کیے ہیں بظاہر ان کا تعلق اوریا کے اس روایتی قصہ سے جوڑا ہے جو حاطب اللیل قسم کے لوگوں نے تفسیری ذخیروں میں بھر دیا ہے حالانکہ داوٗد علیہ السلام کی توبہ و اِنابت کا معاملہ ہی الگ ہے جس کی تفصیل اہل علم و تحقیق کے یہاں دیکھی جا سکتی ہے۔ حضرت العلام مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم نے اپنے استاذ محترم حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ قرآن پر جو حواشی لکھے ہیں اُن میں اِس مسئلہ کی صحیح وضاحت موجود ہے دیکھیں۔ سورۃ صٓ پارہ ۲۳۔ [علوی]

سکے۔ اس وقت اگر صوفی کی نظر کسی اچھی چیز پر پڑ جائے تو جو صورت معانی کے ساتھ مناسبت رکھتی ہو وہ حالت اس پر تازہ ہو جاتی ہے۔ اس گمشدہ معنی کو وہ پھر پا لیتا ہے اور وہ خوبصورت دیکھ کر اسے وجد آ جاتا ہے اس لیے اس بات کی اجازت ہے کہ کوئی بزرگ اس حالت کی خاطر کسی خوبرو کو دیکھنے کی رغبت اور شوق اپنے دل میں پیدا کرے جو شخص اس راز سے واقف نہیں ہو گا وہ اس بزرگ کی رغبت کو دیکھ کر یہی گمان کرے گا کہ وہ بھی میری طرح ہی دیکھ رہا ہے کیونکہ اسے اپنی حالت کی تو خبر ہے دوسروں کے حال کی خبر نہیں۔

الغرض صوفیا کا کام بڑا نازک' خطرناک اور پوشیدہ ہے اس لیے جتنی غلطی صوفیاء کے کام میں ہو سکتی ہے اتنی کسی دوسری چیز میں ممکن نہیں ہم نے محض اشارہ کر دیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے یہ بیچارہ مظلوم طبقہ ہے لوگ جانتے ہیں کہ وہ بھی اسی جنس سے ہیں جس جنس کے صوفی صورت لیکن شیطان سیرت ہمارے زمانہ میں موجود ہیں اور فی الحقیقت مظلوم وہ ہے جو ان حضرات کو ایسا تصور کرے اس لیے کہ وہ بلا سوچ سمجھے اپنے اوپر ظلم کر رہا ہے اور ان حضرات کے بارہ میں اس قسم کی خطرناک سوچ رکھتا ہے اور انھیں بھی معاشرہ کے اوباش طبقہ پر قیاس کرتا ہے۔

پانچواں سبب یہ ہے کہ عوام جو سماع کو بطور عادت اور بر سبیل کھیل و عشرت سنتے ہیں وہ مباح ہے۔ بشرطیکہ اس کو پیشہ نہ بنالیں۔ اس لیے کہ بعض صغیرہ گناہ جب پیشہ بنا لیے جائیں تو وہ کبیرہ کے درجہ کو پہنچ جاتے ہیں کہ بعض چیزیں اس شرط کے ساتھ مباح ہوتی ہیں کہ گاہ ماہ ہوں جب وہ اکثر کی جائیں گی تو معاملہ بگڑ جائے گا۔

حبشی حضرات نے ایک دفعہ مسجد میں کوئی کھیل کیا تو حضور اقدس ﷺ نے منع نہیں فرمایا لیکن اگر مستقلاً مسجد کو بازی گاہ بنا لیتے تو آپ ﷺ یقیناً منع فرماتے۔ اسی طرح آپ ﷺ نے حضرت اُم المؤمنین سیدہ طاہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیکھنے سے بھی نہیں روکا لیکن اگر کوئی شخص بازی گروں کے ساتھ ہی پھرنا شروع کرے یا کوئی کھیل تماشا نہ چھوڑے اور اسے پیشہ بنالے تو درست نہیں۔ گاہ ماہ ہنسی مزاج کی بھی اجازت ہو گی لیکن عادت بنا لینے سے انسان مسخرہ مشہور ہو جائے گا جو کسی طرح بھی درست نہیں۔

دوسرا باب:

سماع کے آداب اور آثار کا بیان

سماع میں تین مقام ہیں پہلا مقام فہم کا ہے پھر وجد اور پھر حرکت۔ ان کی تفصیل الگ الگ ہے جہاں تک فہم کا تعلق ہے جو شخص طبعی تقاضوں کے پیش نظر یا غفلت کی وجہ سے اور یا کسی مخلوق کے خیال میں راگ سنے وہ بہت بڑا خسیس اور بدتر انسان ہے وہ اس قابل نہیں کہ اس کے فہم و حالات پر گفتگو کی جائے لیکن جس شخص پر دین اور حضرت حق کی مُحبت کا غلبہ ہو تو اس کے دو درجے ہیں پہلا درجہ تو مرید کا ہے کہ راستہ ڈھونڈنے اور چلنے میں قبض و بسط' آسانی و دشواری اور قبولیت و عدم قبولیت کے آثار میں مختلف حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے اس وجہ سے اس مرید کا دل بجھا بجھا سا رہتا ہے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جب ایسا کلام سنتا ہے جس میں عتاب' قبولیت و عدم قبولیت' وصل و ہجر' قرب و بعد' رضا و

ناراضی، امید و یاس، خوف و امن، وفائے عہد و بد عہدی اور شادی وصال و اندوہ فراق کا ذکر ہوتا ہے یا اس قسم کی اور باتیں مذکور ہوتی ہیں تو وہ ان باتوں کو اپنے حال پر ڈھالتا ہے اور جو کچھ اس کے باطن میں ہوتا ہے وہ مشتعل ہو جاتا ہے اور اس میں مختلف حالات پیدا ہو جاتے ہیں ان مختلف حالتوں میں اسے طرح طرح کے خیالات آتے ہیں۔ اب اگر وہ علم و عقیدہ کے اعتبار سے مضبوط نہیں ہوتا تو ایسا ہوتا ہے کہ اسے گانا سننے میں ایسے خیالات آئیں جو علانیہ کفر ہوں جیسے راگ سن کر اللہ تعالیٰ کی شان میں کوئی ایسی بات سمجھے جو محال ہو مثلاً کوئی یہ شعر سنے ؂

زاول بخت میل بدان میل کجا است　　و امروز ملول گشتن از بہر چراست

جس مرید کی ابتدا تو تیز اور رواں ہوئی ہو لیکن پھر وہ سست پڑ گیا ہو تو وہ خیال کرے گا کہ اللہ تعالیٰ کی اس پر عنایت تھی اب نہیں رہی تو اس تغیر کو اگر خدا کی شان میں سمجھے گا تو یہ کفر ہو جائے گا۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا تغیر میں کوئی دخل نہیں کیونکہ وہ تو بدل دینے والا ہے نہ کہ بدل جانے والا۔ بلکہ یہ خیال کرنا چاہیے کہ میری صفت بدل گئی اور جو اسرار و رموز پہلے نصیب ہوئے تھے ان سے محروم ہو گیا وہاں منع و حجاب اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا کہ اس کی بارگاہ تو کشادہ ہے جیسے آفتاب ہے کہ اس کا نور تو پھیلا ہوا ہے اب اگر کوئی شخص دیوار کی آڑ میں کھڑا ہو جائے اور آفتاب کی روشنی اور نور اس پر نہ پڑے تو اس وقت یوں کہا جائے گا کہ اس شخص کی حالت بدل گئی نہ کہ آفتاب کی۔ اس کی ترجمانی اس شعر سے ہوتی ہے ؂

خورشید برآمد اے نگارین دیر است　　برمن اگر نتابد از ادبیر است

تو ادبار و تنزل کو اپنے حالات کے تغیر پر محمول کرنا چاہیے منع و حجاب کو اللہ کی طرف منسوب کرنا مناسب اور صحیح نہیں۔ اس مثال سے مقصد یہ ہے کہ نقص و تغیر کی صفات کو تو اپنی شامت اعمال پر محمول کرے اور جو جمال و جلال ہے اسے اللہ کی طرف سے خیال کرے۔ اگر مرید یہ علمی سرمایہ نہیں رکھتا تو خطرہ ہے کہ وہ بہت جلد کفر کی مصیبت میں پڑ جائے گا اور اسے اس کا شعور بھی نہیں ہو گا۔ اسی وجہ سے اللہ کی محبت میں سماع کا بڑا خطرہ ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ راگ سننے والا مریدوں کے درجہ سے گزر گیا اور حالات و مقامات کو اُس نے پیچھے چھوڑ دیا ہو اور وہ اس حالت کی انتہا کو پہنچ چکا ہو جسے ماسوی اللہ کی طرف سے مضاف کریں تو فنا اور نیستی کہا جاتا ہے اور اللہ کی طرف اضافت کرتے ہیں تو اس کا نام توحید و یگانگی ہو گا۔ ایسے آدمی کو سماع معنی سمجھنے کی راہ سے نہیں ہوتا بلکہ نفس سماع کے ساتھ ہی نیستی و یگانگی اس پر تازہ ہو جاتی ہے اور وہ اپنے سے بے خبر اور غافل ہو جاتا ہے اور ممکن ہے کہ آگ میں گر پڑے اور اسے وجد نہ ہو۔ شیخ ابوالحسن نوری قدس سرہٗ حالتِ وجد میں گنے کے کٹے ہوئے کھیتوں میں دوڑے تو اس کی کھونٹیوں سے پاؤں شدید زخمی ہو گئے لیکن انھیں احساس تک نہیں ہوا یہ کامل وجد کہلاتا ہے تاہم مریدین کا وجد صفاتِ بشریہ کے ساتھ متصف ہوتا ہے۔ اس وجد کی تعریف یہ ہے کہ اپنے آپ کو فراموش کر دیا جیسے زنانِ مصر کہ انھوں نے حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کو دیکھا تو خود فراموشی میں انگلیاں کاٹ ڈالیں۔ تمھیں چاہیے کہ انکار مت کرو اور یہ نہ کہو کہ میں تو اسے دیکھتا ہوں پھر وہ نیستی کیسے ہو گیا اس لیے کہ وہ وہ نہیں جسے تم دیکھتے ہو کیونکہ یہ تو وہ شخص ہے کہ جب مر جاتا ہے تو تب بھی تو اسے دیکھتا ہے حالانکہ وہ نیست ہوتا ہے اس کی حقیقت وہ لطیف معانی ہیں جو محل معرفت ہیں جب تمام چیزوں کی

معرفت اس سے غائب ہو گئی تو اس کے حق میں تمام چیزیں گویا نیست ہو گئیں اور جب وہ اپنے آپ سے بے خبر ہو گیا تو اپنے حق میں بھی نیست ہو گیا اور جب اللہ تعالیٰ اور اس کے ذکر مبارک کے سوا کچھ باقی نہ رہا تو جو کچھ فانی تھا وہ جاتا رہا اور جو باقی ہے وہی رہ گیا۔ یگانگی کے یہی معنی ہیں کہ جب آدمی اللہ تعالیٰ کے سوا اور کچھ نہیں دیکھتا تو خیال کرتا ہے کہ سب کچھ وہی ہے میں بھی نہیں ہوں اور یا کہتا ہے کہ میں خود وہی ہوں البتہ ایک گروہ نے یہاں یوں غلطی کی اس نیستی کو حلول سے تعبیر کر لیا اور ایک گروہ نے اتحاد کے ساتھ اور یہ ایسا ہے جیسے کبھی کسی نے آئینہ نہ دیکھا ہو اور جب دیکھے اور اس میں اپنی شکل نظر آئے تو یہ خیال کرے کہ وہ خود آئینہ میں اتر آیا ہے اور یا یہ خیال کرے کہ وہ صورت خود آئینہ کی صورت ہے اور یہی آئینہ کی صفت ہے کہ وہ سرخ و سفید ہوتا ہے پہلی صورت کو حلول اور دوسری کو اتحاد سے تعبیر کرتے ہیں اور اصولاً یہ دونوں باتیں غلط ہیں نہ تو یہ صورت بنتا ہے اور نہ صورت آئینہ بنتی ہے ہاں ایسا دکھائی ضرور دیتا ہے جو تمام معاملات کو من کل الوجوہ نہیں سمجھتا وہ ایسا خیال کرتا ہے اس کتاب میں اس کی تفصیل مشکل ہے کیونکہ یہ بڑا علم ہے ہم نے احیاء العلوم میں اس کی تفصیل بیان کی ہے۔

دوسرا مقام یہ ہے کہ فہم سے فراغت کے بعد حال پیدا ہوتا ہے جسے وجد کہتے ہیں وجد کا معنی پانے کے ہیں اس کا مفہوم یہ ہو گا کہ ایسی حالت پائی جو اس سے پہلے کبھی نہ تھی وجد کی جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے تو اس میں سلسلۂ گفتگو بہت دراز ہے صحیح بات یہ ہے کہ وجد کی کئی اقسام ہیں بنیادی طور پر وہ دو سبب سے ہوتا ہے۔ احوال کے سبب اور مکاشفات کے سبب۔ لیکن احوال یوں ہوتے ہیں کہ کوئی صفت اس پر غالب ہو جائے اور اسے مست کر دے یہ صفت کبھی شوق کی شکل میں ہوتی ہے کبھی خوف کی شکل میں۔ اسی طرح کبھی آتشِ عشق، کبھی طلب، کبھی اندوہ، کبھی حسرت وغیر ذالک۔ اور جب وہ آگ دل پر غالب ہو جاتی ہے اور اس کی حرارت دماغ کو پہنچتی ہے تو اس کے حواس مغلوب ہو جاتے ہیں پھر وہ نہ دیکھتا ہے نہ سنتا ہے گویا کہ سو رہا ہے لیکن اگر کسی درجہ میں دیکھتا سنتا ہے بھی تو ہوتا غائب اور غافل ہی ہے جیسے مست آدمی۔

دوسری قسم جو مکاشفات سے تعلق رکھتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اسے بعض اشیاء دکھائی دینے لگتی ہیں جن میں سے بعض مثالی طور پر نظر آتی ہیں بعض صریحاً۔ اس میں سماع کا جو اثر ہے وہ یہ ہے کہ وہ دل کو صاف کرتا ہے کیونکہ دل گرد آلود آئینہ کی مانند ہے سماع اسے گرد سے پاک کرتا ہے حتیٰ کہ اس میں مختلف صورتیں نظر آنے لگتی ہیں۔ اس کے معنی میں جتنا کچھ الفاظ کا جامہ پہنایا جا سکتا ہے وہ ایک علم ہوتا ہے یا قیاس یا مثال۔ جو شخص اس مرتبہ کو پہنچ جاتا ہے اس کے سوا اسے کسی چیز کی حقیقت معلوم نہیں ہوتی اور ہر کسی کو اپنے مقام کی حقیقت کا علم ہوتا ہے اگر ایسا شخص دوسرے میں تصرف کرتا ہے تو اپنے مقام کے مطابق۔ قیاس سے جو کچھ ظاہر ہوتا ہے اس کا تعلق بھی علم سے ہے ذوق سے نہیں۔ لیکن اتنا جو بیان کیا تو محض اس لیے کہ جن لوگوں کو یہ حال ذوق سے نصیب نہ ہو وہ اس کو حال ہی میں باور کر لیں اور کم از کم انکار تو نہ کریں۔ اس لیے کہ انکار انھیں نقصان پہنچائے گا اور وہ شخص بڑا احمق ہے جس کا یہ خیال ہو کہ جو چیز میرے گنجینہ میں نہیں اس سے بادشاہوں کے خزانے بھی خالی ہیں اور اس سے زیادہ احمق وہ ہے جو تھوڑے سے سرمایہ کی وجہ سے اپنے آپ کو بڑا بادشاہ جاننے لگے اور یہ خیال کرے کہ میں نے تمام مراتب حاصل کر لیے اور مجھے سب

کچھ حاصل ہو گیا ہے اور جو چیز میرے پاس نہیں اس کا وجود ہی نہیں۔ انکار کی بنیاد اسی قسم کی حماقتیں ہوا کرتی ہیں اور جو وجد تکلف کی وجہ سے ہو وہ عین نفاق ہے۔ ہاں یہ درست ہے کہ آدمی اسبابِ وجد پیدا کرنے کی کوشش کرے کہ شاید حقیقت پیدا ہو جائے۔

حدیث پاک میں ہے کہ تم جب قرآن سنو تو روؤ' رو نہ سکو تو رونے والوں جیسی شکل بنالو۔ یہی مطلب ہے ہماری گفتگو کا کہ تکلف کر کے رنج و حزن کے اسباب اپنے دل میں لاؤ اس تکلف میں اثر ہے شاید وہ تکلف حزن کی حقیقت پیدا کر دے۔

سوال کیا جا سکتا ہے کہ اگر سماع حق ہے اور اللہ کے لیے ہے تو اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ دعوتوں میں پڑھنے والوں کو بلایا جاتا قرآن پاک سنا جاتا اور قوالوں سے احتراز کیا جاتا کیونکہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کا سننا ہر اعتبار سے اولیٰ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن پاک کی آیات پر سماع بہت ہوتا ہے اور اس سے وجد بہت آتا ہے بہت سے لوگ ایسے ہیں جو قرآن شریف سنتے سنتے بے ہوش ہو جاتے ہیں اور ایسے بھی لوگ تھے کہ انھوں نے قرآن سنا اور اُن کی رُوح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ ان کی حکایات کا یہ موقع نہیں ہم نے احیاء العلوم میں خاصی حکایات ذکر کی ہیں لیکن صوفیا قرآن کے بجائے اشعار جو سنتے ہیں تو اس کے پانچ سبب ہیں۔

پہلا سبب تو یہ ہے کہ قرآن کریم کی تمام آیات عشاق کے حال سے مناسبت نہیں رکھتیں اس لیے کہ قرآن شریف میں کافروں کے قصّے بھی ہیں' دُنیوی کاروبار اور معاملات کا بھی ذکر ہے اور بھی بہت سی چیزیں ہیں کیونکہ قرآن شریف تو مخلوق کی سبھی اقسام کے لیے باعث شفا ہے۔ آدمی میراث والی آیات پڑھتا ہے کہ ماں کا چھٹا حصّہ ہے اور بہن کا ایک تہائی یا ایسے مسائل پڑھتا ہے کہ جس عورت کا خاوند مر جائے وہ چار ماہ دس دن عدت کے طور پر گزارے تو اس قسم کی آیات ہر ایک کے عشق کو بھڑکانے کا سبب نہ بن سکیں گی البتہ ایسے اشخاص جن کی آتشِ عشق بہت تیز ہو اور ہر چیز سے اسے وجد آ جاتا ہے اس کے لیے تو ممکن ہے لیکن ظاہر ہے کہ ایسے گوہر تو نایاب ہی ہیں۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ اکثر لوگوں کو کلام مجید یاد ہوتا ہے اور بہت سے لوگ اسے پڑھے ہوئے ہوتے ہیں اور جو چیز بہت سنی ہو وہ اکثر اوقات دِل کو آگاہی نہیں بخشتی حتیٰ کہ تمھارا تجربہ ہو گا کہ جو پہلی بار سنتا ہے اسے حال آ جاتا ہے اور دوسری بار ایسا نہیں ہوتا تو اشعار نئے نئے ہوں گے قرآن تو نیا نہیں جناب نبی کریم ﷺ کے زمانۂ اقدس میں جب عرب حاضری دیتے اور کلام مجید تازہ تازہ سنتے تو خوب روتے اور اُن پر ایک خاص کیفیت طاری ہو جاتی۔

كُنَّا كَمَا كُنْتُمْ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُنَا

"ہم بھی تمھارے جیسے تھے اب ہمارے دل سخت ہو گئے"۔

یعنی قرآنِ پاک پر ٹھہر گئے اور اس کے عادی بن گئے تو مطلب یہ ہے کہ جو چیز نئی ہوتی ہے اس کا اثر بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اس لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حجاج کو حکم فرماتے تھے کہ اپنے اپنے شہروں کو جلدی سے پلٹ جاؤ کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ اگر تم زیادہ وقت یہاں ٹھہرے تو دِل سے کعبہ کی عظمت اور اس کا شوق جاتا رہے گا۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ بہت سے دِل ایسے ہوتے ہیں کہ جب تک ان کے سامنے خوش آوازی سے نہ پڑھا جائے تب

تک وہاں حرکت نہیں ہوتی اور آپ نے دیکھا کہ کلام سے زیادہ حسن صوت پر وجد آ جاتا ہے پھر اشعار کے پڑھنے کا ہر انداز ایک الگ اثر رکھتا ہے اور قرآن کریم کو گا گا کر پڑھنا اور اس میں تصرف مناسب نہیں بلکہ بعض صورتوں میں شدید گناہ اور موجب کفر ہے (العیاذ باللہ) لہٰذا جب بغیر گائے قرآن پڑھا جائے گا تو گرما گرم عشق کو تو فائدہ ہو گا عام طور پر وہ بات نہ بنے گی۔

چوتھا سبب یہ ہے کہ خوش آوازی کو اور مؤثر بنانے کے لیے خارجی عوامل استعمال میں لانے چاہئیں تاکہ اثر زیادہ ہو جیسے وہ آلات جن کا پہلے ذکر ہو چکا ان چیزوں میں بہرحال ایک طرح کی بے احتیاطی ہے اور قرآن ان چیزوں سے ماوراء ہے کہ اس کی تلاوت کے ساتھ ان کا اہتمام ہو۔

جناب نبی کریم ﷺ ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف لے گئے تو ان کی باندیاں دف بجا کر اشعار پڑھ رہی تھیں آپ ﷺ کو دیکھا تو آپ ﷺ کے مدحیہ اشعار پڑھنے شروع کر دیئے۔ آپ ﷺ نے انھیں روک کر فرمایا کہ جو پہلے پڑھ رہی تھیں وہی پڑھو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تعریف اس سے ماوراء ہے کہ اس کے ساتھ دف وغیرہ بجائی جائے۔

پانچواں سبب یہ ہے کہ ہر کسی کے حالات مختلف ہوتے ہیں اور ہر ایک کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنے حسب حال اشعار سنے اور جب شعر اس کے حسب حال نہیں ہوتا تو وہ اس سے کراہت کرتا ہے اور ایسا بھی ممکن ہے کہ وہ روک دے اس لیے ایسے موقع پر قرآن پڑھنا جہاں روک دینے کا خدشہ ہو مناسب نہیں اشعار کا معاملہ الگ ہے۔

ممکن ہے قرآن کی آیات (آیت) ہر کسی کے حال کے موافق نہ ہوں شعر اس کے حسب حال نہ ہو تو روک بھی سکتا ہے اور حسب حال ڈھال بن سکتا ہے اس لیے کہ ایسا تو لازم نہیں کہ شعر کے وہی معانی مراد لیے جائیں جو شاعر کا مقصود ہیں اس کے برعکس قرآن کو حسب منشا ڈھالنا جرم اور سنگین جرم ہے ان تمام معانی کا ماحصل دو ہی چیزوں کی طرف رجوع کرتا ہے ایک تو سننے والے کے ضعف و نقصان کی طرف اور دوسرے عظمت قرآن کی طرف۔

تیسرا مقام سماع میں حرکت اور رقص کا ہے نیز اس میں کپڑے وغیرہ پھاڑنا بھی شامل ہے جو شخص مغلوب اور بے اختیار ہو گا وہ تو ان باتوں کے سبب ماخوذ نہ ہو گا اور جو شخص واقعتاً ایسا نہیں اور وہ قصد و تکلف سے محض لوگوں کو دکھانے کی غرض سے ایسا کرتا ہے تو یہ حرام اور نفاق ہو گا۔ حضرت ابوالقاسم نصیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے خیال میں لوگوں کا سماع میں مشغول ہونا غیبت سے بہتر ہے۔ حضرت ابو عمر بن نجید رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے کہ آدمی تیس برس غیبت کرے تو اس سے بہتر ہے کہ سماع میں جھوٹ موٹ حالت دکھائے۔

اصل یہ ہے کہ یہ تو صوفی کا منتہٰی ہے کہ وہ اشعار سنے اور ساکت و صامت رہے اور اس کی حالت میں کسی قسم کا تغیر پیدا نہ ہو۔ اس کو اتنی قوت نصیب ہو جائے کہ وہ اپنے آپ کو بچا سکے۔ اس لیے کہ حرکت اور آواز نکالنا اور رونا ضعف کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے لیکن ایسی قوت بہت کم لوگوں میں ہوتی ہے اور وہ جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول پہلے نقل ہوا تو ممکن ہے کہ اس کے یہی معنی ہوں کہ قَسَتْ قُلُوْبُنَا کہ ہمارے دل قوی ہو گئے کہ ہم اپنے آپ کو ظاہری تغیر سے بچانے کی طاقت رکھتے ہیں اور جو شخص اس کی طاقت نہ رکھتا ہو اسے بھی چاہیئے کہ جب تک ضرورت کی حد کو نہ پہنچ

جائے اس وقت تک اپنے آپ کو بچائے رکھے اور حال ظاہر نہ ہونے دے۔ ایک نوجوان حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ کی مجلس میں آتا جونہی وہ شعر سنتا تو چیخ مارتا۔ آپ نے فرمایا کہ اگر یہی کیفیت ہے تو میری مجلس میں مت آؤ۔ اس نے صبر سے کام لیا اور بڑی جدوجہد کی اپنے آپ کو سنبھالا حتیٰ کہ ایک دن اتنے زور کی چیخ ماری کہ اس کا پیٹ پھٹ گیا اور وہ مرگیا۔ لیکن اگر کوئی شخص از خود تو حالت ظاہر نہ کرے اور رقص کرنے لگے یا تکلفاً روئے تو ایسا کرنا درست ہے کیونکہ رقص مباح ہے کہ حبشی حضرات نے مسجد میں رقص کیا اور حضرت اُم المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا دیکھنے تشریف لے گئیں۔ جناب نبی کریم ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جب فرمایا کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے' تو انھوں نے اس خوشی میں رقص کیا اور کئی بار عرب کی عادت کے پیش نظر زمین پر پاؤں مارا اور جب آپ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم صورت و سیرت میں میری مانند ہو تو انھوں نے بھی خوشی سے رقص کیا۔ اسی طرح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو جب آپ نے اپنے بھائی اور مولیٰ (دین دوست) قرار دیا تو انھوں نے مارے خوشی کے رقص کیا۔

اب جو شخص رقص کو حرام کرتا ہے وہ صحیح نہیں کہتا زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ یہ کھیل کود ہے اور ظاہر ہے کہ کھیل کود حرام نہیں۔ اور جو شخص اپنے دِل کی حالت کو قوی کرنے کی غرض سے رقص کرتا ہے تو یہ اور بہتر ہے لیکن جان بوجھ کر کپڑے پھاڑنا درست نہیں کہ اس میں مال کا ضیاع ہے۔ ہاں آدمی مغلوب الحال ہو تو پھر الگ بات ہے ایسا آدمی اختیار سے کپڑے پھاڑے تب بھی درست ہے لیکن ایسا بالعموم حالتِ اضطرار میں ہوتا ہے اور چاہے بھی کہ ایسا نہ کروں تو نہیں کر سکتا۔ اس واسطے کہ بیمار کا نالہ و فریاد گو کہ اختیاری چیز ہے لیکن اگر وہ اسے روکنا چاہے تو بالعموم روک نہیں سکتا۔ کیونکہ ہر کام جو ارادے سے کیا جاتا ہے اس سے ہر وقت دستبردار ہونا بہت مشکل ہے۔ آدمی جب ایسا مغلوب الحال ہو گا تو پھر اس پر مواخذہ بھی نہ ہو گا۔

صوفیاء اپنے اختیار سے کپڑوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے جو بانٹ دیتے ہیں تو اس فعل پر ایک گروہ نے اعتراض کیا ہے کہ ایسا نہ کرنا چاہیے لیکن اس میں معترض نے خود غلطی کی کیونکہ کپڑے کو جو ٹکڑے ٹکڑے کیا جاتا ہے تو پیراہن سینے کی غرض سے اس لیے کپڑے کو ضائع کیے بغیر کسی مقصد سے ٹکڑے کریں تو درست ہے اس طرح کپڑوں کو چاروں طرف سے جو اس غرض سے پراگندہ کرتے ہیں کہ سب لوگوں کو اس میں سے حصّہ مل جائے اور اپنی جائے نماز اور گدڑی سی لیں تو یہ درست ہو گا کیونکہ اگر کوئی شخص اپنے کپڑے کے چار سو ٹکڑے بھی کر کے ایک ایک ٹکڑا ہر فقیر کو دے دے بشرطیکہ وہ کام آسکے تو یہ مباح ہے۔

آدابِ سماع

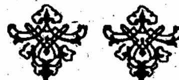
تین باتوں کا سماع میں لحاظ رکھنا ضروری ہے وقت' مکان اور حاضرین۔ نماز یا کھانے کے وقت سماع ہو یا ایسے وقت جب کسی کا دِل پراگندہ ہو تو پھر صحیح نہیں اسی طرح مکان کی کیفیت گزرگاہ کی ہو یا تاریک اور گندی جگہ ہو یا کسی ظالم کا مکان ہو تو یہ سب صورتیں غلط ہیں اور جہاں تک حاضرین کا تعلق ہے وہ اگر متکبر' دُنیادار یا منکر سماع ہوں یا متکلف ہو کہ ہر وقت تکلف سے حال اور رقص کرتا ہو یا غافلین کی جماعت ہو جو باطل خیالات کے سبب اشعار سنتے ہوں یا بے ہودہ

باتیں کرتے ہوں اور اِدھر اُدھر دیکھتے ہوں انھیں محفل کی عظمت کا خیال ہی نہ ہو یا محفل میں مرد اور عورتوں کا مخلوط اجتماع ہو تو ان تمام صورتوں میں سماع کا کوئی فائدہ نہیں بلکہ نقصان لابدی ہے۔ اسی بات کی طرف حضرت جنید قدس سرہٗ نے توجہ دلائی اور فرمایا کہ سماع میں زمان' مکان اور اخوان شرط ہیں ایسی جگہ بیٹھنا حرام ہے جہاں جوان عورتیں دیکھنے آئیں اور جوان مرد اہل غفلت اور باطل پرست ہوں جن پر شہوت و دُنیا غالب ہو اس لیے کہ اس وقت سماع جانبین سے شہوت کی آگ کو تیز کرے گا اور ہر ایک دوسرے کو دیکھے گا اور اس میں یہ بھی خطرہ ہے کہ کوئی ایک دوسرے سے دل نہ اٹھالے اور یہ باتیں بہت سے فسق و فساد کا باعث ہیں اس لیے ایسا سماع ہرگز نہ ہونا چاہیے۔ پھر اہل سماع جب بیٹھیں تو ادب یہ ہے کہ سر کو جھکالیں ایک دوسرے کو نہ دیکھیں' ہاتھ اور سر نہ ہلائیں اور تکلف سے کوئی حرکت نہ کریں بلکہ جس طرح نماز میں تشہد کی حالت میں مؤدب بیٹھتے ہیں اسی طرح بیٹھیں اور اپنا دل اللہ کے ساتھ جوڑ کر رکھیں اور اس بات کے منتظر رہیں کہ قدرت کی طرف سے کیا راز ہمارے دل پر کھلتا ہے اور اپنے آپ پر نظر رکھیں' اپنے اختیار سے کھڑے نہ ہوں اور حرکت و جنبش نہ کریں۔ اگر غلبۂ وجد کے سبب کوئی شخص کھڑا ہو جائے تو اس کے ساتھ سب کھڑے نہ ہو جائیں کسی ایک کی پگڑی گر جائے تو سب پگڑیاں نہ اُتار دیں۔ یہ تمام باتیں گو کہ صدرِ اوّل سے منقول نہیں لیکن ایسا بھی نہیں کہ ہر نئی بات بری ہو کیونکہ بہت سی باتیں قابل قدر ہیں بقول حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نماز تراویح میں جماعت کا اہتمام حضرت خلیفہ ثانی عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کیا اور ظاہر ہے کہ یہ کام باعث صلاح و فلاح ہے۔ نئی باتیں وہ بری ہیں جو سنت نبوی کے خلاف ہوں لیکن جہاں تک حسن اخلاق کا تعلق ہے یہ بات تو شریعت میں پسندیدہ ہے۔ ہر قوم کی ایک عادت ہوا کرتی ہے اس کے ساتھ ان عادات میں مخالفت بد خوئی کی دلیل ہے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

((خَالِقِ النَّاسَ بِاَخْلاَقِهِمْ))

"ہر ایک کے ساتھ اس کی اچھی عادت کے مطابق گزر بسر کرو"

اور چونکہ یہ لوگ اس موافقت کے سبب خوش ہوتے ہیں اور موافقت نہ کرنے سے رنجیدہ اور متوحش ہوتے ہیں اس لیے ان کی موافقت کارِ خیر میں شمار ہو گی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اُٹھتے نہیں تھے اس لیے کہ حضور علیہ السلام کو اس طرح کا قیام پسند نہ تھا لیکن جہاں اس کی عادت ہو اور عدمِ قیام سے لوگ متوحش ہوتے ہوں وہاں ایسا کرنا بہتر ہے اس لیے کہ ہر قوم کی عادات مختلف ہوتی ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب



فصل : ۹

آمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بیان

آمر بالمعروف اور نہی عن المنکر دینِ اسلام کی بنیادی حقیقتوں میں شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو اسی لیے دُنیا میں بھیجا۔ یہ حقیقت اگر مفقود ہو جائے اور مخلوق میں اس کا وجود نہ رہے تو شریعت کے تمام احکام باطل ہو جائیں۔ ان کا بیان تین ابواب میں کیا جائے گا۔

پہلا باب :

وجوب کا بیان

آمر بالمعروف اور نہی عن المنکر واجب ہے جو شخص وقت پر بغیر کسی عذر کے اس کو ترک کرے گا تو وہ گنہگار ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ (آل عمران)

اس آیت سے اس کی فرضیت کا علم ہوتا ہے لیکن فرض کفایہ' اس لیے جب کچھ لوگ اس کام میں مستعد ہوں گے تو کافی ہو گا لیکن اگر کوئی بھی یہ کام نہ کرے گا تو سب مجرم ہوں گے اللہ تعالیٰ کا دوسرا ارشاد ہے :

﴿ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ (الحج)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو اقامت صلوٰۃ اور ایتاءِ زکوٰۃ کے ساتھ ذکر فرمایا اور اس کے ساتھ ہی دین داروں کی تعریف بھی فرمائی۔ جناب نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ آمر بالمعروف کیا کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر اس شخص کو مسلط کر دیں گے جو تم میں سب سے بدتر ہو گا۔ اس وقت اس کی بھی دُعا قبول نہ ہو گی جو تم میں سب سے بہتر ہو گا۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب نبی کریم علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ جس قوم میں گناہ کا رواج ہو جائے اور لوگ اس کا بُرا نہ منائیں تو اللہ تعالیٰ جلدی ہی عذاب نازل کرتا ہے جس میں سبھی مبتلا ہو جاتے ہیں اور ارشاد فرمایا کہ جہاد کے مقابلہ میں تمہارے نیک کام ایسے ہیں جیسا بڑے دریا کا ایک قطرہ جبکہ آمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مقابلہ میں جہاد کی مثال ایسے ہے جیسے دریا میں ایک قطرہ!

اور ارشاد فرمایا کہ آدمی جو بات بھی کہتا ہے وہ اس کو نقصان پہنچاتی ہے ہاں آمر بالمعروف نہی عن المنکر اور اللہ کا ذکر ایسی چیزیں ہیں جو فائدہ پہنچاتی ہیں اور فرمایا کہ اللہ کے خاص بندوں میں جو بے گناہ ہوتا ہے عوام کے سبب سے اللہ میاں اس پر عذاب نازل نہیں فرماتے ہاں وہ خاص بندے جب بُرا کام دیکھیں اور منع کرنے کی طاقت کے باوجود منع نہ

کریں تو پھر معاملہ دگرگوں ہو جاتا ہے اور فرمایا کہ جہاں کسی شخص کو لوگ ظلم کی وجہ سے ہلاک کیے ڈالتے ہوں یا مارتے پیٹتے ہوں وہاں کھڑے نہ ہونا چاہیے کیونکہ ایسا شخص جو یہ کیفیت دیکھے اور منع کرنے کی طاقت کے باوجود منع نہ کرے اس پر لعنت برستی ہے اور فرمایا جہاں بے جا حرکت ہو وہاں بیٹھنا اور باز پرس نہ کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ باز پرس اس کی روزی اور عمر کو گھٹا کر تھوڑا کر دے گی؟

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ظالموں کے گھر یا ایسی جگہ جہاں بے جا حرکت ہو اور جانے والا باز پرس نہ کرے تو وہاں بغیر ضرورت جانا ہی درست نہیں۔ اسی واسطے اسلاف گوشہ نشینی اختیار کر لیتے کیونکہ بازار اور گزر گاہیں بالعموم بُرے کاموں سے خالی نہیں رہتیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس کے سامنے گناہ کا کام کیا جائے اور وہ اس پر ناراضی کا اظہار کرے تو وہ ایسا ہے گویا وہاں تھا ہی نہیں اور یہ گناہ اس کی عدم موجودگی میں ہوا لیکن اگر وہ اس کام سے راضی ہے تو پھر یوں ہے کہ گویا گناہ اس کے سامنے ہو رہا ہے نیز ارشاد فرمایا کہ ہر رسول کے حواری یعنی مخصوص اصحاب ہوتے ہیں وہ خُدا کی کتاب اور رسول کی سنت کے موافق عمل کرتے ان کے بعد ایسے لوگ آ گئے جو منبروں پر تو بڑی خوبصورت باتیں کرتے لیکن ان کے کام بُرے ہوتے ہر مُسلمان پر فرض ہے کہ ایسے لوگوں کے خلاف جہاد کرے ہاتھ سے ممکن نہ ہو تو زُبان سے ورنہ کم از کم دِل سے اور اس سے کم ایمان کا کوئی درجہ نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتے کو ایک بستی کے اُلٹنے کا حکم دیا تو اُس نے عرض کیا کہ وہاں ایک شخص جس نے آنکھ جھپکنے کی دیر بھی گناہ نہیں کیا۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ فرمایا اُلٹ دے کیونکہ وہ دوسروں کو گناہ میں مبتلا دیکھ کر کبھی رنجیدہ خاطر بھی تو نہیں ہوا۔

اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے شہر پر عذاب بھیجا جس میں اٹھارہ ہزار افراد ایسے تھے جن کے اعمال انبیاء علیہم السلام کے اعمال کی مانند تھے لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر عذاب کیسے آیا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے واسطے مجرموں سے نہ تو باز پرس کرتے تھے اور نہ ہی ان پر غُصّہ کھاتے۔ حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ لوگوں نے حضرت نبی کریم علیہ السلام سے پوچھا کہ یارسول اللہ شہداء سے افضل کون ہے؟ فرمایا وہ شخص جو جابر بادشاہ کا احتساب کرے اور اس سے باز پرس کرے تاکہ بادشاہ اسے قتل کرا دے اگر ایسا نہ ہوا تو پھر قلم اس پر اثر انداز نہ ہو گا اگرچہ وہ کتنی ہی عمر پائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع بن نون علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ میں تیری قوم میں سے ایک لاکھ آدمی ہلاک کروں گا جن میں سے ساٹھ ہزار تو بُرے ہوں گے جبکہ چالیس ہزار نیک۔ انھوں نے نیکوں کی ہلاکت کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ ان کے سامنے برائی ہوتی رہی اور انھوں نے بُرا نہ منایا بلکہ ان کے ساتھ کھانے' پینے' نشست و برخاست اور معاملت تک کرنے سے پرہیز نہ کیا۔



دوسرا باب

احتساب کی شرائط کا بیان

احتساب سب مسلمانوں پر فرض ہے اس لیے اس کا علم اور اس کی شرائط کا جاننا بھی ضروری ہے کیونکہ جس فرض کی شرائط معلوم نہ ہوں اس کو کماحقہ پورا کرنا مشکل ہے۔ احتساب کے رکن چار ہیں پہلا محتسب دوسرا وہ جس کا احتساب ہو تیسرا وہ اَمر جس میں احتساب کیا جائے اور چوتھے احتساب کی کیفیت۔

جہاں تک محتسب کا تعلق ہے تو اس کی شرط فقط یہی ہے کہ مسلمان ہو اور مکلف ہو اس لیے کہ احتساب کرنا گویا دینی حق کا ادا کرنا ہے تو جو شخص دیندار ہے وہ محتسب ہونے کی قابلیت رکھتا ہے۔ اس معاملہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ محتسب کے لیے عدالت اور بادشاہ کی اجازت شرط ہے یا نہیں ہمارے نزدیک صحیح بات یہی ہے کہ شرط نہیں اور جہاں تک عدالت کا تعلق ہے یعنی تقویٰ و پرہیزگاری تو اگر اس کو شرط قرار دیا جائے تو پھر کبھی احتساب نہ ہو سکے گا۔ اس لیے کہ ایسا کون ہے جس نے کبھی کوئی گناہ نہ کیا ہو۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اگر ہم احتساب اس وقت کریں جب بالکل گناہ کیا ہی نہ ہو تو احتساب کی کوئی صورت کبھی نظر نہ آئے گی۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے عرض کیا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ آدمی اس وقت کسی کا احتساب نہیں کر سکتا جب تک خود اپنے آپ کو پاک نہ کرے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بات اسے شیطان نے سجھائی ہے تاکہ احتساب کا دروازہ بند ہو جائے۔ اس مسئلہ میں انصاف کی راہ یہ ہے کہ احتساب دو طرح کا ہوتا ہے ایک تو نصیحت اور وعظ کے طور پر اس کے متعلق تفصیل یہ ہے کہ جو شخص خود کوئی کام کرے اور دوسرے کو نصیحت کرے اور کہے کہ یہ کام مت کرو تو اس سے لوگ اس پر ہنسیں گے اور کوئی مزید فائدہ نہ ہوگا۔ فاسق آدمی کو اس قسم کا احتساب نہیں کرنا چاہیے بلکہ جب اسے یہ خیال آئے کہ لوگ سننے کے بجائے اس پر ہنستے ہیں تو احتساب گناہ کا باعث ہوگا کہ اس کے اس عمل سے وعظ کی رونق اور شریعت کا احترام لوگوں کی نظروں سے گر جائے گا۔ اس لیے ایسے علماء کا وعظ جو ظاہری طور پر فسق و فجور میں مبتلا ہوں لوگوں کے لیے نقصان کا باعث ہوتا ہے اور ایسے علماء گنہگار ہوتے ہیں۔ اس لیے جناب سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے شب معراج میں ایک ایسا گروہ دیکھا کہ ان کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کترے جا رہے ہیں۔ میں نے ان کے متعلق پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ لوگ ہیں کہ ایک کام کا حکم تو کرتے تھے لیکن اپنا عمل نہ تھا اور بری باتوں سے روکتے لیکن خود نہ رُکتے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اے مریم کے بیٹے پہلے اپنے آپ کو نصیحت کر اگر تو خود نصیحت کو مان لے تو پھر دوسروں کو بھی نصیحت کر ورنہ مجھ سے شرم محسوس کر۔

احتساب کا دوسرا طریق یہ ہے کہ ہاتھ اور طاقت سے کام کرے مثلاً شراب دیکھے تو اسے بہا دے، چنگ و رباب کی آواز سنے تو اسے توڑ دے اگر کوئی فساد کا ارادہ کرے تو زور سے اسے منع کرے ایسا احتساب فاسق بھی کر سکتا ہے اس لیے کہ ہر شخص پر دو باتیں لازم ہیں ایک تو یہ کہ خود برا کام نہ کرے دوسرا یہ کہ دوسرے کو بھی ایسا نہ کرنے دے۔ اب

اگر ایک بات سے ہاتھ کھینچا ہے تو دوسرے سے کھینچنا کیا ضروری ہے؟ اگر کوئی شخص اعتراض کرے کہ یہ بڑی بات ہے اور یہ نازیبا فعل ہے کہ ایک شخص خود تو ریشمی لباس پہنے اور دوسرے کو منع کرے اور اس کے بدن سے اُتار لے یا خود تو شراب پیے اور دوسرے کو روکے اور اس کی شراب بہا دے تو اس کا جواب یہ ہے کہ بڑی بات اور بُرا کام اور چیز ہے جبکہ اس کا یہ عمل دوسری چیز ہے۔ یہ بات تو اس لیے بُری ہوئی کہ ایک ضروری اَمر کو اُس نے چھوڑ دیا نہ کہ یہ اس لیے بُرا ہوا کہ فی نفسہٖ ایسا نہ کرنا چاہیے کیونکہ ایک شخص اگر روزہ رکھتا ہے لیکن نماز نہیں پڑھتا تو اس فعل کو اس لیے بُرا فعل تصور کیا جائے گا کہ اس نے ایک ضروری کام ترک کر دیا ہے نہ اس لیے کہ معاذ اللہ روزہ رکھنا کوئی باطل ہے لیکن نماز چونکہ اہم ہے اس لیے کہا جائے گا کہ اُس نے نماز چھوڑ کر بُرا کیا ایسا ہی خود کام کرنا بھی دوسرے کو حکم کرنے سے اہم اور ضروری ہے لیکن ہیں دونوں اپنی اپنی جگہ واجب نہ کہ ایک دوسرے کی شرط۔ اگر شرط ہوتی تو یہ مضمون پیدا ہوتا کہ کسی کو شراب نوشی سے منع کرنا اس وقت واجب ہے جب آدمی نے خود شراب نہ پی ہو اور جب خود شراب پی لی تو یہ واجب اس سے ساقط ہو گیا حالانکہ یہ مضمون درست نہیں۔ دُوسری شرط بادشاہ کا اجازت دینا اور احتساب کا فرمان لکھ دینا ہے یہ بات بھی شرط نہیں کیونکہ اسلاف تو خود بادشاہوں اور اُمراء کا احتساب کرتے تھے اگر یہ حکایات لکھی جائیں تو بات لمبی ہو جائے گی۔ اس بات کی حقیقت اس وقت کھلے گی جب احتساب کے درجات معلوم ہوں تو احتساب کے چار درجے ہیں پہلا درجہ تو نصیحت اور خُدا سے ڈرنے کا ہے اور یہ سب مُسلمانوں پر لازم ہے اس میں فرمان وغیرہ کی حاجت و ضرورت نہیں بلکہ بڑی عبادت یہ ہے کہ بادشاہ کو نصیحت کی جائے اور خُدا سے ڈرایا جائے۔ دوسرا درجہ سخت گوئی کا ہے یعنی یوں کہنا کہ او فاسق او ظالم او احمق او جاہل کیا تجھے خُدا کا خوف نہیں جو ایسا کام کرتا ہے فاسق کے حق میں یہ باتیں سب سچی ہیں۔ اس لیے سچ کہنے میں کسی فرمان کی ضرورت نہیں۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ ہاتھ سے منع کرے جیسے شراب پھینک دے چنگ و رباب توڑ دے ' ریشمی پگڑی سر سے اُتار لے یہ کام ایسے ہی واجب ہیں جیسے عبادت! ہر مُسلمان کو شریعت نے بادشاہ کی اجازت کے بغیر بھی یہ حکومت عنایت فرمائی ہے۔

چوتھا درجہ یہ ہے کہ مار پیٹ اور تنبیہ سے کام لے اس میں فساق کی طرف سے مقابلہ کا خطرہ ہے اس صورت میں اسے بھی کمک کی ضرورت ہو گی اور اپنے احباب و متعلقین کو جمع کرنا ہو گا اگر بادشاہ نے اجازت نہ دی تو اس احتساب سے فتنہ پیدا ہو گا۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ اس قسم کا احتساب بادشاہ کی اجازت کے بغیر نہ ہو۔

اِحتساب کے درجات بدلتے رہتے ہیں تعجب کی بات نہیں مثلاً اگر کوئی لڑکا اپنے باپ کا اِحتساب کرے تو اسے نرمی کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کوئی سخت بات مثلاً احمق یا جاہل یا اس قسم کی بات کہہ کر باپ کو رنجیدہ خاطر کرنا درست نہیں۔ باپ اگر خدا نخواستہ کافر ہو تو اس کو قتل کر دینا یا بیٹا جلادی کے عہدہ پر فائز ہو تو باپ پر حد جاری کرنا درست نہیں لیکن اس کی شراب پھینک دینا' اس کے بدن سے ریشمی کپڑے اُتار لینا اور بطور حرام اُس نے کسی سے کچھ لیا ہو تو باپ سے چھین کر مالک کو لوٹانا' چاندی کے برتن توڑ دینا' اس کی دیوار سے تصاویر مٹا دینا سب باتیں درست ہیں اگرچہ باپ کو غُصّہ ہی کیوں نہ آئے۔ اس لیے کہ یہ اِحتساب بالکل درست ہے اور باپ کا غُصّہ ناحق اور بیجا ہے اس قسم کے اِحتساب سے باپ کی

ذات میں تصرف نہیں ہوتا جیسے مارنے یا گالی دینے سے ہوتا ہے اگر کوئی یوں کہے کہ باپ جب بہت رنجیدہ خاطر ہو تو اِحتساب نہ کرنا چاہیے یہ کہنا ممکن ہے چنانچہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب باپ غُصّہ میں ہو تو بیٹے کو خاموش ہو جانا چاہیے اور اس کو نصیحت نہ کرنا چاہیے۔

غلام کا اِحتساب اپنے آقا کے متعلق بیوی کا خاوند کے متعلق اور رَعیت کا بادشاہ کے حق میں ایسا ہی ہے جیسے بیٹے کا باپ پر اس لیے کہ ان سب کے حقوق بہت ہیں لیکن شاگرد کا اِحتساب استاذ پر بہت آسان ہے کیونکہ اس کی بزرگی و احترام کا باعث تو فقط دین ہے اگر استاذ اس عِلم پر کاربند ہو جو شاگرد نے اس سے سیکھا تو مشکل نہیں بلکہ جو عالم اپنے عِلم پر عمل نہ کرے وہ ذلیل و خوار ہوتا ہے۔

دوسرا رُکن وہ چیز ہے جس میں اِحتساب ہو جو کام بُرا ہو اور فی الوقت موجود ہو اور محتسب تجسّس کے بغیر اسے پہچانتا ہو اور اس کام کا بُرا ہونا اسے یقینی طور پر معلوم ہو تو اس میں اِحتساب بالکل درست ہیں اس کی چار شرطیں ہیں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ کام بُرا ہو اگرچہ گناہ نہ ہو یا گناہ صغیرہ ہو مثلاً کسی دیوانے یا کسی لڑکے کو جانور کے ساتھ جماع کرتے دیکھے تو منع کرے حالانکہ یہ گناہ نہیں کیونکہ وہ دونوں مُکلف نہیں لیکن فی نفسہٖ یہ کام شریعت میں بُرا ہے اگر کسی دیوانے کو دیکھے کہ شراب پی رہا ہے یا کوئی لڑکا ہو جو کسی کا مال تلف کر رہا ہو تو منع کرے اور جو کام گناہ ہو اگرچہ صغیرہ ہو تو اس میں اِحتساب ضروری ہے۔ مثلاً حمام میں شرمگاہ کھولنا' عورتوں کو دکھانا' خلوت میں ان کے ساتھ کھڑا ہونا۔ سونے کی انگوٹھی اور ریشمی کپڑا استعمال کرنا' چاندی کے کٹورے میں پانی پینا وغیرہ۔

دوسری شرط یہ ہے کہ گناہ بالفعل موجود ہو اگر کوئی شخص شراب پی چکا ہو تو اس کے بعد نصیحت کے سوا اس کو ستانا درست نہیں کہ حد جاری کرنا تو حاکم کا کام ہے اسی طرح اگر کسی کا یہ ارادہ ہو کہ آج رات شراب پیوں گا تو اس کو ستائے بغیر نصیحت کرے کہ ممکن ہے وہ باز آجائے۔ اور اگر وہ کہے کہ میں نہیں پیوں گا تو بدگمانی درست نہیں۔ لیکن جب کوئی شخص تنہائی میں کسی عورت کے پاس بیٹھا ہو تو صحبت کرنے سے پہلے اِحتساب ضرور کرے کہ خلوت بجائے خود معصیت ہے بلکہ اگر حمام کے دروازے پر کھڑا ہو تاکہ جو عورتیں نکلیں انھیں دیکھے تو بھی تو اِحتساب ضروری ہے کہ ایسا کرنا گناہ ہے۔

تیسری شرط یہ ہے کہ گناہ تجسّس کے بغیر ظاہر ہو تجسّس مناسب نہیں۔ جو شخص اپنے گھر میں جا کر دروازہ بند کر لے تو اس کی اجازت کے بغیر اندر جانا اور اس سے معلوم کرنا کہ تم کیا کر رہے تھے درست نہیں۔ اسی طرح دروازے اور چھت سے کان لگا کر سننے کی کوشش کرنا بھی صحیح نہیں بلکہ جس کام کو اللہ تعالیٰ نے مخفی رکھا ہے اسے مخفی ہی رکھنا چاہیے ہاں اگر ساز کی یا مست لوگوں کی آواز باہر آتی ہو تو بغیر اجازت اندر جانا اور اِحتساب کرنا درست ہے۔ کوئی فاسق آدمی کوئی چیز دامن میں چھپا کر لے جا رہا ہو اگرچہ وہ شراب ہو تو اس کو کہنا کہ میں تمھاری تلاشی لوں گا درست نہیں۔ ہاں شراب کی بُو آئے اسے لے کر پھینک دے۔ شراب کے علاوہ کوئی چیز ہو تو انجان بن جائے۔ امیرالمؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قِصّہ مشہور ہے کہ ساز کی آواز سن کر کوٹھے پر سے ایک گھر میں اُتر کر دیکھا کہ ایک شخص کسی کے ساتھ مل کر شراب نوشی کر رہا ہے ہم نے اس قصہ کو محبّت کے حقوق کے باب میں بیان کیا ہے اور ایک روز آپ نے منبر پر صحابہ رضی اللہ عنہم سے

مشورہ لیا کہ اس معاملہ میں تمھاری کیا رائے ہے کہ جب حاکم اپنی آنکھ سے کسی کو بُرائی میں مشغول دیکھے تو حد جاری کرنا صحیح ہے؟ بعض لوگوں نے کہا کہ درست ہے لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حد کے لیے دو عادل گواہوں کو لازمی ٹھہرایا ہے اس لیے ایک شخص کا دیکھنا کافی نہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک اپنی دانست میں حاکم کا عمل درست نہیں بلکہ اس کو مخفی رکھنا واجب ہے۔ چوتھی شرط یہ ہے کہ اس کام کا بُرا ہونا حقیقت میں معلوم ہو گمان اور اجتہاد کا اس میں دخل نہ ہو پس حنفی جب ولی کے بغیر نکاح کردے تو شافعی کا اعتراض درست نہیں لیکن شافعی اگر ولی کے بغیر نکاح کردے یا کھجور کا نبیذ استعمال کرے تو اس کو روکنا درست ہے کہ کسی کام میں اپنے امام کی مخالفت کسی کے نزدیک درست نہیں۔

اور بعض علماء نے کہا ہے کہ اِحتساب شراب و زنا جیسے کاموں میں درست ہے جن کی حرمت کا بالیقین علم ہے اجتہادی امور کا اس میں دخل نہیں لیکن یہ کہنا درست نہیں کیونکہ اس اَمر پر علماء کا اتفاق ہے کہ جو شخص اپنے اجتہاد یا اپنے امام کے خلاف کام کرے گا وہ گنہگار ہو گا اگرچہ دوسرا شخص اسے صواب پر ہی سمجھے۔ اور بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ جس امام کا مذہب چاہے اختیار کرلے درست ہے تو یہ بات بے ہودہ ہے قابل اعتماد نہیں بلکہ ہر شخص پر لازم ہے کہ اپنے یقین کے مطابق کام کرے مثلاً اس کا یقین ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ افضل ہیں تو نفسانی خواہش کے سوا ان کی مخالفت کا ظاہر ہے کوئی عذر نہ ہو گا لیکن وہ بدعتی جو اللہ تعالیٰ کے جسم کا قائل ہے اور قرآن کو مخلوق کہتا ہے اور اس کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتے اور اس طرح کی باتیں کرتا ہے تو اس کا اِحتساب ضروری ہے اگرچہ مالکی اور حنفی پر اِحتساب نہ کریں اس لیے کہ اس قسم کے بدعتی کی خطا بالکل یقینی ہے اور فقہی مسائل میں یقینی خطا معلوم نہیں ہوتی۔ لیکن بدعتی پر ایسے شہر میں اِحتساب ہونا چاہیے جہاں بدعتی شاذ و نادر ہوں اور اہل سنت و جماعت کی اکثریت ہو لیکن جب ایسی دو جماعتیں ہوں کہ تم بدعتی کا اِحتساب کرو اور وہ تمھارا کر کے فتنہ پیدا کریں تو بادشاہ کی اجازت کے بغیر اس قسم کا اقدام درست نہیں۔

تیسرا رُکن وہ شخص ہے جس پر اِحتساب ہو اس کی شرط یہ ہے کہ وہ شخص مُکلف ہو تاکہ اس کا فعل گناہ ہو اور اس کی بزرگی اِحتساب میں مانع نہ ہو جیسے باپ کہ اس کی بزرگی تنبیہ' تادیب اور اہانت سے مانع ہے لیکن محتسب دیوانے اور لڑکے کو خواہش سے روک سکتا ہے کَمَامَرَّ لیکن اسے منع کرنے کا نام اِحتساب نہ ہو گا بلکہ اگر کسی جانور کو ہم مُسلمانوں کا اناج کھاتا دیکھیں تو مُسلمانوں کے مال کی حفاظت کے واسطے اسے ہنکا دیں گے لیکن یہ واجب نہیں لیکن اگر یہ اَمر آسان ہو اور اس میں کچھ نقصان نہ ہو تو اسلامی حق کے نقطۂ نظر سے واجب ہے جیسے کسی مُسلمان کا مال ضائع ہوتا ہو اور یہ اس کا گواہ ہو اور راستہ دُور نہ ہو تو اسلامی حق کے نقطۂ نظر سے گواہی دینا واجب نہیں۔ جب کوئی ذِی عقل و ذی ہوش کسی کا مال ضائع کرتا ہو تو البتہ یہ ظلم اور گناہ ہے۔ اس میں گو کہ تکلیف ہے لیکن اِحتساب لازم ہے اس لیے کہ فسق و معصیت سے باز آنا یا کسی کو اس سے منع کرنا تکلیف و رنج کے بغیر نہیں ہوتا۔ اس لیے رنج و تکلیف اٹھانا ہی چاہیے اگر ایسی تکلیف ہو جس کی برداشت کی طاقت نہ ہو اور اِحتساب سے فرض اسلامی شعائر کا اظہار ہو تو اس میں تکالیف کا تحمل لازم ہے مثلاً کسی جگہ اس کثرت سے شراب ہو کہ اسے پھینکنے میں بہت وقت خرچ ہوتا ہو اور تھکاوٹ کا

خطرہ ہو تو پھر بھی ایسا کرنا لازم ہے لیکن اگر بہت سے جانور ہوں جو کسی کی کھیتی اجاڑتے ہوں اور ان کو ہانکنے میں تھکاوٹ کا شائبہ ہو اور تضییع اوقات ہو تو ایسی محنت واجب نہیں اس لیے کہ اپنے حق کی حفاظت کرنا بھی تو ضروری ہے اور وقت اس کا حق ہے لیکن دین کے لیے وقت صرف کرنا اور گناہ سے منع کرنا لازم ہے اور اِحتساب میں ہر طرح کی مشقت لازم نہیں بلکہ اس میں بھی تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر عاجز ہے تو خود معذور ہے اس لیے محض دل سے انکار واجب ہے لیکن اگر معذور نہیں لیکن مار سے ڈرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میرا کہنا بے فائدہ ہو گا تو اس کی چار صورتیں ہیں پہلی یہ کہ اسے یقین ہو کہ مجھے ماریں گے لیکن گناہ سے باز نہیں آئیں گے تو اِحتساب لازم نہیں مباح ہے کہ زُبان یا ہاتھ سے روکے اور مار دھاڑ پر صبر کرے کہ اس کے ذریعہ ثواب پائے گا۔ حدیث میں ہے ایسے شہید کو افضل شہید کہا گیا ہے جو بادشاہ کے اِحتساب میں مارا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ جانتا ہو کہ میں منع بھی کر سکتا ہوں اور مجھے خوف بھی نہیں تو اگر منع نہیں کرے گا تو گنہگار ہو گا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ لوگ گناہ تو نہیں چھوڑتے لیکن اسے مارتے بھی نہیں تو شریعت کے احترام کے سبب زُبان سے اِحتساب ضروری ہے کیونکہ وہ جس طرح دِلی انکار سے عاجز نہیں اسی طرح زُبانی انکار سے بھی عاجز نہیں چوتھی صورت یہ ہے کہ گناہ کو یہ مٹا سکتا ہو لیکن اسے مارنے پیٹنے کا خطرہ ہو جیسا کہ شراب کے شیشہ میں پتھر مار دے اور وہ اچانک ٹوٹ جائے یا چنگ و رباب پر پتھر مارے اور وہ دفعتاً ٹوٹ جائیں تو ایسا اِحتساب لازم نہیں ہاں کر کے مصائب پر صبر کرنا افضل ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے :

﴿ لَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَةِ ﴾ (البقرة)

تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی راہ میں مال صرف کریں تاکہ ہلاک نہ ہوں۔ حضرت براء بن العاذب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس سے مُراد یہ ہے کہ آدمی گناہ کرے اور کہے کہ اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول نہیں کریں گے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کا معنی یہ ہے کہ گناہ کرے اور اس کے بعد نیکی کے قریب نہ آئے۔ تو یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ الغرض ایک مُسلمان کے لیے یہ درست ہے کہ تن تنہا کافروں کی صف پر حملہ کرے اور ان سے لڑے یہاں تک کہ وہ اس کو مار ڈالیں تو گو کہ یہ اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے والی بات ہے لیکن فائدہ سے خالی نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ یہ بھی کسی کو مار سکے اور کفار کی جمعیت کو نقصان پہنچے اور انھیں یہ احساس ہو کہ سب مُسلمان ایسے ہی بہادر ہوتے ہیں تو اس اَمر سے بھی ثواب ہو گا لیکن اگر کوئی اندھا یا اپاہج کافروں کی صف پر حملہ کرے گا تو درست نہ ہو گا کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں اور یہ بلاوجہ اپنے آپ کو ہلاک کرنا ہے اسی طرح اگر ایسا موقعہ ہے کہ اگر اِحتساب کیا تو لوگ اسے مار ڈالیں گے یا رنج و تکلیف پہنچائیں گے اور گناہ نہیں چھوڑیں گے اور دین کے معاملہ میں جو سختی کرے گا اس سے کافر کوئی اثر قبول نہیں کریں گے اور کسی کو خیر کی رغبت نہیں بڑھے گی تو ایسا اِحتساب بھی نہ کرنا چاہیے اس لیے کہ بے فائدہ نقصان اٹھانے سے کیا حاصل؟

اس قاعدے میں دو اشکال ہیں ایک تو یہ کہ جو ہراس اور خوف ہے اس کا سبب ممکن ہے بزدلی اور بدگمانی ہو دوسرا یہ کہ مار سے تو نہ ڈرتا ہو البتہ جاہ و مال اور قرابت کے سبب ڈرتا ہو پہلے اشکال کی تفصیل یہ ہے کہ اگر اس بات کا ظن غالب ہو تو پھر تو معذور ہے اور محض احتمال ہو تو معذور نہیں اس لیے کہ احتمال تو ہمیشہ رہتا ہے اور اگر شک ہے تو پھر

ہمارے نزدیک اِحتساب واجب ہے اور شک کی وجہ سے وجوب ختم نہیں ہوتا اور یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اِحتساب ایسی جگہ واجب ہے جہاں سلامتی کا ظن غالب ہو۔

دوسرے اشکال کی تفصیل یہ ہے کہ محتسب کے مال یا جاہ یا بدن یا عزیزوں اور شاگردوں کا ضرر ہو یا اس بات کا خوف ہو کہ اسے گالیاں دیں گے یا دین یا دُنیا کا نقصان ہوتا ہو تو اس کے بہت سے اقسام ہیں اور ہر قسم کا ایک حکم ہے لیکن جب اپنے حق کے لیے ڈرتا ہو تو پھر اس کی دو قسمیں ہیں ایک تو یہ کہ اس بات سے ڈرتا ہو کہ آئندہ کوئی چیز فوت ہو جائے گی مثلاً استاد کا اِحتساب کرے گا تو آئندہ تعلیم سے محروم رہے گا یا کوئی امیر و حاکم ماہانہ وظیفہ بند کر دے گا یا کسی مجبوری میں حمایت نہیں کرے گا تو ایسی باتوں کے سبب آدمی معذور متصور نہیں ہوتا اس لیے کہ اس میں کوئی نقصان نہیں مستقبل میں ایک فائدہ کے ضائع ہونے کا احتمال ہے لیکن اگر بالفعل اس مدد کا محتاج ہے مثلاً خود بیمار ہے اور عجیب ریشمی کپڑے پہنے ہوئے ہے اب اگر اِحتساب کرتا ہے تو وہ علاج نہیں کرتا یا محتاج ہے اور توکل کر نہیں سکتا فقط ایک شخص اس کو نفقہ دیتا ہے اگر اس کا اِحتساب کرتا ہے تو وہ نفقہ دینا بند کر دے گا یا کسی بدذات کے ہاتھ میں پھنسا ہوا ہے اور ایک ہی شخص اس کی حمایت کرتا ہے تو چونکہ یہ چیزیں وقتی حاجات میں شمار ہوتی ہیں اس لیے ممکن ہے کہ سکوت اختیار کر لیا جائے اور اسے رخصت دے دی جائے کیونکہ یہ ایسے نقصان ہیں جو فی الفور ظاہر ہوتے ہیں لیکن ان کی مقدار کتنی ہو گی اس کا اِنحصار حالات پر ہے اور یہ بات اس کے اجتہاد پر موقوف ہے کہ دین کا لحاظ کر کے اِحتساب سے بلاضرورت ہاتھ نہ کھینچے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ اس بات کا خوف ہو کہ جو چیز بالفعل حاصل ہے وہ فوت ہو جائے گی مثلاً اس کا مال چھین لیتے ہیں یا مکان گرا دیتے ہیں یا بدن کی سلامتی متاثر ہوتی ہے یا عزت و جاہ میں خلل پڑتا ہے تو پھر معذور ہو گا لیکن اگر ایسی بات کا خوف ہو جو مُروت میں خلل نہ ڈالے لیکن شان و شوکت کے منافی ہو مثلاً اسے بازار میں پاپیادہ پھرائیں یا پر تکلف لباس نہ پہننے دیں یا اسے سخت ست کہتے ہوں تو ایسے اسباب کے پیش نظر معذور نہیں ہو گا۔ اس لیے کہ ایسے کاموں کی مداومت بجائے خود شریعت میں پسندیدہ نہیں۔ البتہ حفظ مراتب شریعت میں پسندیدہ ہے لیکن اگر اس بات سے ڈرتا ہو کہ اس کی غیبت کریں گے یا گالی دیں گے اور اس سے عداوت رکھیں گے اور کاموں میں اس کی متابعت نہیں کریں گے تو یہ باتیں کسی صورت میں عذر نہیں ہو سکتیں اس لیے کہ کسی بھی محتسب کو ان آفتوں سے چارہ نہیں۔ لیکن جب یہ اندیشہ ہو کہ غیبت کے ساتھ ساتھ گناہوں میں بھی اضافہ کریں گے تو پھر اِحتساب موقوف رکھنا درست ہے۔ لیکن اگر اپنے اقارب و احباب کے معاملہ میں ان باتوں کا خوف رکھتا ہو مثلاً یہ خود زاہد ہو اور جانتا ہو کہ مجھے تو نہ ماریں گے اور نہ میرے پاس مال ہے جو چھین لیں گے لیکن میرے اقارب و احباب کو ستائیں گے تو اِحتساب کرنا درست نہ ہو گا اس لیے کہ اپنے حق میں تو درست ہے دوسروں کے حق میں نہیں بلکہ ان کی رعایت دین حق ہے۔

چوتھا رُکن اِحتساب کی کیفیت کا بیان

اِحتساب کے آٹھ درجے ہیں پہلے تو ۱) حالات کا جاننا' ۲) پھر اس شخص کو بُرائی سے مطلع کرنا ۳) پھر نصیحت کرنا ۴) پھر سخت بات سے زجر کرنا ۵) پھر ہاتھ سے اس کی اصلاح کرنا ۶) پھر زخمی کرنے کی دھمکی دینا ۷) پھر مارنا اور ۸) پھر

ہتھیار کھینچنا اور مددگاروں کو بلانا۔

پہلا درجہ حالات کی تحقیق کا ہے محتسب کو یقینی طور پر حالات کی تحقیق کرنی چاہیے تجسّس سے بچنا اور دروازے یا چھت پر بیٹھ کر باتیں سننا اور پڑوسیوں سے معلوم کرنا صحیح نہیں کسی نے دامن میں کوئی چیز چھپائی ہو تو اس کو ٹٹولنا صحیح نہیں ہاں اگر تجسّس کے بغیر ساز کی آواز سنے یا شراب کی بو سونگھے تو پھر احتساب درست ہے۔ اس طرح دو گواہ اگر کسی بات کی خبر دیں تو بھی صحیح ہے۔ دو عادل گواہوں کے کہنے سے بغیر اجازت گھر میں گھس جانا درست ہے لیکن ایک گواہ کی بات سن کر ایسا نہ کرنا چاہیے کیونکہ گھر جو اس کی ملکیت ہے ایک عادل گواہ کے قول سے اس کی ملکیت باطل نہیں ہوتی۔ روایات میں ہے کہ حکیم لقمان کی انگوٹھی میں یہ کندہ تھا کہ ظاہری بُرائی کا چھپانا گمان کی بات پر رسوا کرنے سے اولیٰ ہے۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ اس کام کی بُرائی بیان کرو۔ ممکن ہے کہ وہ جو کام کر رہا ہے اس کی بُرائی سے بے خبر ہو جیسے کوئی گنوار مسجد میں نماز پڑھتا ہو اور رکوع سجود پورا نہ کرتا ہو یا اس کے جوتے میں نجاست لگی ہو ایسے آدمی کو بتلانا اور سکھلانا ضروری ہے لیکن سکھلانے میں نرمی اور سہولت کو ملحوظ رکھے تاکہ وہ بُرا نہ منائے۔ کیونکہ کسی شخص کو بلا ضرورت ناراض نہ کرنا چاہیے۔ کسی کو کچھ بتانے کا معنی یہ ہے کہ وہ نادان اور بے علم ہے اور اسے اس کے عیب سے مطلع کیا جا رہا ہے اور اس زخم کو بغیر مرہم کون سہہ سکتا ہے مرہم یہ کہ معقول عذر کر کے بات کی جائے مثلاً یوں کہا جا سکتا ہے کہ ماں کے پیٹ سے کوئی تھوڑا ہی سیکھ کر آیا ہے اور نادانی کی وجہ والدین اور استاد ہیں کہ انھوں نے پوری توجہ نہیں دی اور یہ کہ شاید تمھارے پڑوس میں کوئی ایسا عالم نہیں جو تمھیں یہ باتیں سکھلائے۔ الغرض ایسی باتوں سے اس کا دِل خوش کرنا چاہیے اور جو ایسی بات نہ کہے یا ناخوش ہو تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص خون سے آلودہ کپڑا پیشاب سے دھوتا ہو یعنی ایک نیکی کرے اور دوسرا گناہ سر لے لے۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ پند و نصیحت میں نرمی کا برتاؤ کرے اور سختی سے اجتناب کرے کیونکہ کرنے والا جب یہ جانتا ہے کہ وہ کام حرام ہے تو سختی کا فائدہ؟ اس لیے نرمی سے کام لے نرمی کا طریق یہ ہے کہ مثلاً کوئی شخص غیبت میں مصروف ہو تو اس طرح کے کلمات کہنے چاہئیں کہ ہم میں سے کون ہے جو ان عیبوں سے پاک ہو اس لیے اپنے عیوب پر نظر رکھنا زیادہ بہتر ہے یا پھر غیبت کی اخروی سزا کا ذکر کر دے یہاں ایک بڑی مصیبت ہے جس سے بچنا بجز توفیق خداوندی ممکن نہیں۔ کیونکہ نصیحت میں نفس کو دو طرح کی بُرائیاں حاصل ہوتی ہیں ایک تو اپنے علم اور زہد کی بڑائی ظاہر ہوتی ہے دوسری بڑائی حکومت و فوقیت کی ہے اور یہ دونوں باتیں حب جاہ سے پیدا ہوتی ہیں آدمی کا طبعی تقاضا یہی ہوتا ہے اور اکثر وہ یہی سمجھتا ہے کہ میں وعظ و نصیحت کر رہا ہوں اور شریعت کا متبع ہوں لیکن فی الحقیقت وہ حب جاہ کا شکار ہوتا ہے۔ اس لیے اس کا یہ گناہ دوسرے کے گناہوں سے بدتر ہو گا۔ اس صورت میں اپنے دِل میں سوچنا چاہیے کہ اگر خود یا دوسرے کی نصیحت کے سبب دوسرے کی توبہ کو اپنی نصیحت کے سبب توبہ کرنے سے زیادہ عزیز رکھتا ہو اور نصیحت سے کراہت رکھتا ہو تو ایسے شخص کو ضرور نصیحت کرنی چاہیے اور اگر اس کا یہ خیال ہو کہ میری ہی نصیحت سے یہ توبہ کرے تو ایسے جذبہ سے انسان کو ڈرنا چاہیے کیونکہ اس نصیحت کا مطلب اس کو اپنی طرف بلانا ہے اللہ کی طرف نہیں۔

حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے عرض کیا کہ اس شخص کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے جو بادشاہ کے پاس جا کر اِحتساب کرے؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ اسے کوڑیں لگیں گے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ وہ کوڑوں کی قوت رکھتا ہو تو؟ فرمایا کہ مجھے اس کے قتل کا خوف ہے۔ لوگوں نے کہا کہ وہ اس پر بھی قادر ہو تو؟ فرمایا کہ مجھے اس مصیبت کا ڈر ہے جو سب سے بڑی اور سب سے زیادہ چھپی ہوئی ہے اور وہ عجب یعنی خود پسندی ہے۔

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری خواہش ہوئی کہ فلاں خلیفہ کا اِحتساب کروں پھر میں سمجھا کہ وہ مجھے مار ڈالے گا لیکن اس سے تو میں نہ ڈرا تاہم وہاں چونکہ زیادہ لوگوں کا جمگھٹا تھا اس لیے میں نے احتراز کیا کہ یہ لوگ خیال کریں گے کہ میں بڑا سچا اور راست گو ہوں تو یہ بات میرے لیے عجب کا ذریعہ بنے گی اور میں دولتِ اخلاص سے محروم ہو جاؤں گا۔

چوتھا درجہ سخت بات کہنے کا ہے لیکن اس میں دو باتیں ملحوظ خاطر رہنی چاہئیں ایک تو یہ کہ جب تک نرمی اور تلطف سے بات کہی جا سکتی ہو تو اس پر اکتفا کرے سختی نہ کرے۔ دوسرے یہ کہ زبان پر فحش بات نہ آنی چاہیے اور سچی بات کہنی ضروری ہے مثلاً ظالم، فاسق، جاہل اور احمق جیسے الفاظ سے زیادہ کچھ نہ کہے اس لیے کہ جو شخص گناہ کرتا ہے وہ احمق ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عقل مند وہ ہے جو اپنا اِحتساب خود کرے اور موت پر نگاہ رکھے اور احمق وہ ہے جو خواہش نفس کی پیروی کرے اور غرور کا مظاہرہ کرے اور یہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرما دے گا نیز سخت گوئی اس وقت درست ہے جب یہ اُمید ہو کہ یہ مفید ہو گی اور جب یہ جانے کہ مفید نہ ہو گی تو ترش روئی سے اس کو دیکھے اور اس کی طرف سے مُنہ پھیر لے۔

پانچواں درجہ ہاتھ سے اصلاح کرنا ہے لیکن دو شرائط کے ساتھ۔ پہلی تو یہ کہ حتی الامکان زُبان سے اصلاح کی کوشش کرے مثلاً ریشمی لباس اتار دینے، غیر کی زمین و مکان خالی کر دینے، شراب ضائع کر دینے اور جنابت کی حالت میں مسجد سے دور رہنے کی تلقین کرے، دوسری شرط یہ ہے کہ اگر زبانی کہنا کافی نہ ہو تو ہاتھ سے پکڑ کر اسے ذرا سا جھنجھوڑے پھر اس باب میں یہ بات ملحوظ رکھے کہ تھوڑے کام سے ایک بات بن سکتی ہے تو زیادہ سے گریز کرے مثلاً ہاتھ پکڑ کر نکالنا ممکن ہو تو داڑھی پکڑنے یا پاؤں پکڑ کر گھسیٹنے سے گریز کرے ساز ہی توڑنا لابدی ہو تو ریزہ ریزہ مت کرے۔ ریشمی کپڑا اس طرح نہ کھینچے کہ بیکار ہو جائے شراب پھینکنا ہو تو برتن بچائے ہاں اس کے ہاتھ میں نہ ہو تو پتھر مار کر توڑ دینا درست ہو گا اور اس میں تاوان لازم نہیں ہو گا اور اگر برتن کا مُنہ تنگ ہو تو پھینکتے پھینکتے جوابی حملہ کا خدشہ ہو تو اس صورت میں برتن توڑ کر چلتا بنے۔ جب شراب حرام ہوئی تو ابتدا میں یہ حکم تھا کہ جس چیز میں شراب ہو اسے توڑ ڈالو لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ بعض علماء کی رائے میں وہ شراب کے خاص برتن تھے اس لیے اب بلا عذر توڑنا درست نہیں اگر کوئی بلا عذر توڑے گا تو اس پر جرمانہ لازم آئے گا۔

چھٹا درجہ تہدید اور ڈرانا ہے مثلاً یوں کہے کہ شراب پھینک دو ورنہ تمہارا سر پھوڑ دوں گا یا ذلیل کروں گا اگر آہستگی سے کام نہ نکلے تو پھر ایسا کہنا درست ہے۔ اس میں بھی دو باتوں کا خیال ضروری ہے ایک تو یہ کہ ایسی چیز میں تہدید نہ کرے جو درست نہ ہو مثلاً یہ کہنا کہ تیرا کپڑا پھاڑ دوں گا یا مکان گرا دوں گا اور تیرے اہل و عیال کو ستاؤں گا۔ دوسری یہ

کہ تہدید میں وہی بات کہے جو اس کے بس میں ہو مبادا جھوٹ ہو جائے مثلاً ایسے کہنا کہ تیری گردن مار دوں گا یا سولی پر لٹکا دوں گا ہاں ارادہ سے زیادہ مبالغہ اس نقطۂ نظر سے کرنا کہ وہ خوف زدہ ہو کہ کام چھوڑ دے گا تو پھر مبالغہ درست ہے جیسے دو آدمیوں میں صلح کے لیے دروغِ مصلحت آمیز درست ہے۔

ساتواں درجہ ہاتھ پاؤں یا لاٹھی سے مارنا ہے یہ بات ضرورت کے وقت ضرورت کی حد تک درست ہے۔ ضرورت کی تعریف یہ ہے کہ آدمی مار کھائے بغیر گناہ نہیں چھوڑے گا اور جب گناہ چھوڑ دیا تو مارنا درست نہ ہو گا۔ کیونکہ گناہ کے بعد سزا دینے کو تعزیر اور حد کہتے ہیں۔ تعزیر اور حد کا اجراء حکومت کا کام ہے۔ مارنے میں بھی اس بات کا خیال رکھے کہ جب ہاتھ سے کام چلے تو لکڑی سے نہ مارے اور مُنہ کو بطور خاص بچائے۔ اگر یہ کافی نہ ہو تو تلوار کھینچ کر ڈرائے' اگر کوئی شخص کسی عورت کے گلے میں ہاتھ ڈالے ہو اور تلوار دکھائے بغیر اسے نہ چھوڑے تو پھر تلوار لہرانا درست ہو گا' اگر محتسب اور مجرم کے درمیان از قسم ندی کوئی چیز حائل ہو تو کمان میں تیر رکھ کر اس کو للکارے کہ اگر تو باز نہ آیا تو پھر بچ نہ سکے گا اگر وہ باز نہ آئے تو تیر مارنا درست ہے لیکن ران اور پنڈلی جیسی جگہوں پر مارے اور نازک مقامات کو بچائے۔

آٹھواں درجہ یہ ہے کہ اگر محتسب اکیلا کافی نہ ہو تو لوگوں کو جمع کر کے باقاعدہ لڑائی کرے ممکن ہے فاسق بھی اپنے احباب کو جمع کر لے اور مقابلہ کی نوبت نہ آ جائے۔ اس صورت میں بعض علماء کا قول ہے کہ بادشاہ کی اجازت کے بغیر اقدام نہ کرے کیونکہ اس سے فتنہ بپا ہو گا جبکہ بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ جس طرح کافروں کے ساتھ جہاد کے لیے بادشاہ کی اجازت کی ضرورت نہیں اسی طرح فاسقوں کے ساتھ جنگ بھی درست ہے اور اگر محتسب مارا گیا تو وہ شہید ہو گا۔

محتسب کے آداب

محتسب میں تین باتوں کا ہونا ضروری ہے۔ علم' زہد اور حسن اخلاق اس لیے کہ اگر اس میں عِلم نہ ہو گا تو اچھے اور بُرے کی تمیز کیسے کر سکے گا؟ زہد نہ ہو گا تو گو کہ تمیز خوب و زشت کر لے گا لیکن اس کا کام نفسانیت سے خالی نہ ہو گا اور اگر اس میں حسن اخلاق نہ ہوں گے تو لوگ جب اسے اِیذا پہنچائیں گے تو وہ غُصّے کے سبب خُدا کو بھول جائے گا اور اس کے قدم جادۂ حق سے لڑکھڑا جائیں گے پھر وہ جو کام کرے گا اس میں نفسانیت ہو گی۔ اس صورت میں اس کا اِحتساب معصیت کا سبب بنے گا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک کافر کو زمین پر دے مارا۔ قریب تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ اسے قتل کر ڈالتے لیکن اُس نے آپ کے چہرہ پر تھوک دیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے چھوڑ دیا اور فرمایا کہ تمھاری اس حرکت سے مجھے غُصّہ آ گیا تو میں ڈر گیا کہ اب قتل کرنا اللہ کے لیے نہ ہو گا۔ حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک شخص کو درے مار رہے تھے اس بدبخت نے گالی جو دی تو آپ رضی اللہ عنہ نے مارنا موقوف کر دیا اور لوگوں کے استفسار پر فرمایا کہ میں اسے خُدا کے لیے مار رہا تھا اُس نے گالی جو دی تو مجھے غُصّہ آ گیا اس لیے اب مارتا تو اس میں میرے غُصّے کو دخل ہوتا اس لیے میں نے موقوف کر دیا۔ جنابِ نبی کریم علیہ السلام نے اسی لیے فرمایا ہے کہ اِحتساب وہ شخص کرے جو عالم ہو' بردبار ہو اور اس میں نرمی و مروت ہو۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تو جس کام کا حکم کرنا چاہے پہلے خود اس پر تجھے عمل کرنا چاہیے۔ یہ ادب تو ہے

لیکن شرط نہیں کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا کہ جب تک ہم سب خود عمل نہ کرلیں تب تک اَمر بالمعروف ونہی عن المنکر بھی نہ کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا نہیں اگرچہ وہ کام تم سب سے ادا نہ ہو لیکن اِحتساب ترک نہ کرو۔ نیز محتسب کو چاہیے کہ صبر و استقامت سے کام لے‘ مصائب کو جھیلنے کی عادت ڈالے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے :

﴿ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا اَصَابَكَ ﴾

”نیکی کا حکم کر اور بُرائی سے روک اور اس وجہ سے جو مصیبت آئے اس پر صبر کر“۔

تو جو شخص رنج پر صبر نہیں کرسکے گا اس سے اِحتساب نہ ہو سکے گا۔ ایک ادب یہ بھی ہے کہ محتسب کے تعلقات کم ہوں اور اس میں طمع بھی نہ ہو کیونکہ جب طمع دامن گیر ہو گا تو اِحتساب باطل ہو جائے گا ایک بزرگ قصاب سے بلی کے لیے چھیچھڑے لے جاتے ایک دن قصاب سے کوئی بُری حرکت جو دیکھی تو پہلے گھر جا کر بلی کو دفع کیا پھر قصاب کا اِحتساب کیا اُس نے چھیچھڑے کا جو طعن دیا تو فرمایا کہ میں اس کا علاج کر کے آیا ہوں۔ اس طرح جس شخص کی یہ خواہش ہو کہ لوگ مجھ سے مُحبت کریں میرے مداح ہوں اور مجھ سے راضی رہیں تو وہ شخص اِحتساب نہیں کرسکے گا۔ حضرت کعب الاحبار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو مسلم خولانی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ کی قوم میں آپ کا کیا حال ہے۔ انھوں نے کہا اچھا ہے۔ انھوں نے کہا کہ توریت میں لکھا ہے کہ جو شخص احتساب کرتا ہے اس کا حال اپنی قوم میں اچھا نہیں ہوتا۔ اُنھوں نے کہا کہ توریت میں سچ لکھا ہے۔ ابو مسلم جھوٹا ہے اِحتساب کی رُوح یہ ہے کہ محتسب میں دِل سوزی ہونی چاہیے اور مجرم کو شفقت کی نظر سے دیکھنا چاہیے۔ اور اسے اس طرح منع کرنا چاہیے جس طرح کوئی اپنے فرزند کو منع کرتا ہے۔ کسی محتسب نے خلیفہ مامون کے اِحتساب کے وقت سخت گفتگو کی تو خلیفہ مامون نے کہا کہ میاں تجھ سے زیادہ بہتر آدمی کو مجھ سے بدتر آدمی کے پاس بھیج کر اللہ تعالیٰ نے نرم بات کرنے کا حکم فرمایا تھا۔ یعنی حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس بھیج کر ارشاد فرمایا تھا ﴿ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا ﴾ (طٰہٰ) یعنی بات نرمی سے کرنا شاید فرعون قبول کرلے۔

انسان کو چاہیے کہ اس معاملہ میں حضور علیہ السلام کی پیروی کرے ایک نوجوان آپ ﷺ کی خدمت میں آیا کہ مجھے زنا کی اجازت دی جائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اُس پر غضب ناک ہوئے اور اسے مارنا چاہا لیکن آپ ﷺ نے منع کر کے اسے اپنے پاس بلایا اور اپنے زانو سے اُس کا زانو ملا کر اسے بٹھایا اور اُس سے پوچھا کہ کیا تم اِس بات کو پسند کرتے ہو کہ کوئی شخص تمھاری ماں کے ساتھ ایسا فعل کرے۔ اُس نے عرض کیا کہ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دوسروں کی بھی یہی خواہش ہے کہ اُن کی ماں کے ساتھ کوئی ایسا شنیع فعل نہ کرے۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم اپنی بہن یا پھوپھی یا خالہ کے معاملہ میں ایسی بات پسند کرتے ہو۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ نے تمام عزیز عورتوں میں سے ایک ایک کے متعلق سوال کیا۔ اُس نے ہر سوال کے جواب میں نہیں کہا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ دوسروں کی خواہش بھی یہی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے اس کے سینہ پر ہاتھ پھیر کر فرمایا کہ اے اللہ اس کے دِل کو پاک فرما۔ اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما اور اس کے گناہ بخش دے چنانچہ وہ نوجوان آپ ﷺ کی مجلس سے چلا گیا اور تمام عمر وہ زنا سے بدتر کسی گناہ کو نہیں سمجھتا تھا۔

حضرت فضیل عیاض رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے کہا کہ حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ بادشاہ سے خلعت لیا کرتے ہیں۔ آپ

نے فرمایا کہ بیت المال میں ان کا حق اس سے زیادہ ہے پھر حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ کو غصّہ میں دیکھ کر انھیں ڈانٹا۔ سفیان رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ اے ابو علی گو میں صالحین میں شامل نہیں لیکن مجھے ان لوگوں سے مُحبّت ضرور ہے۔ صلت بن اشیم رحمۃ اللہ علیہ اپنے شاگردوں کے ساتھ بیٹھے تھے۔ اُدھر سے ایک شخص کا گزر ہوا اس کا تہہ بند متکبروں کی طرح زمین پر لٹک رہا تھا اور ظاہر ہے کہ یہ بات شرعاً غلط ہے۔ شاگردوں نے اس شخص کے ساتھ سختی کرنا چاہی۔ انھوں نے شاگردوں کو روک دیا کہ تم چپ رہو اس کی اصلاح کی میں تدبیر کرتا ہوں۔ پھر اسے اپنے قریب بلا کر فرمایا اے بھائی مجھے آپ سے کچھ کام ہے۔ اُس نے پوچھا کیا؟ تو فرمایا کہ اپنا تہہ بند اُونچا کر لو اُس نے کہا بہت اچھا۔ آپ نے شاگردوں سے فرمایا کہ میں سختی کرتا تو وہ نہ مانتا بلکہ شاید گالی دے بیٹھتا۔ ایک شخص نے ایک عورت کو پکڑ کر چھری کھینچی عورت بیچاری چلّائی لیکن کسی کو قریب جانے کا حوصلہ نہ ہوتا۔ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے پاس جا کر اسکے کندھے سے کندھا بھڑا دیا وہ شخص بے ہوش ہو کر گر پڑا اور اس کے بدن سے پسینہ بہنے لگا اور چھری اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی۔ ہوش آنے پر لوگوں نے اس سے پوچھا تو وہ بولا بس مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور میرے قریب ہو کر مجھے کہا کہ دیکھ خُدا دیکھ رہا ہے تو کیا کر رہا ہے؟ اس کی اس بات سے مجھ پر ہیبت طاری ہو گئی اور وہیں گر پڑا۔ لوگوں نے بتلایا کہ وہ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ تھے اُس نے کہا کہ آہ۔ اب اِس ندامت کے ساتھ اُن کی زیارت کیونکر کروں؟ اس وقت اس شخص کو بخار نے آلیا اور ہفتہ بعد وہ اس دُنیا سے رخصت ہو گیا۔

تیسرا باب:

وہ منکرات جن کا عادۃً رواج ہے

اس وقت ساری دُنیا بُری باتوں سے اَٹی پڑی ہے اور لوگ ہیں کہ اس کی اصلاح سے مایوس ہیں اور اس وجہ سے سب کاموں کی قدرت نہیں رکھتے ہیں۔ حتیٰ کہ ان کاموں سے بھی ہاتھ کھینچ لیا ہے جن کی قدرت رکھتے ہیں۔ دینداروں کا یہ حال ہے اور اہل غفلت بذاتِ خود ان باتوں پر راضی ہیں۔ جن باتوں پر تم قادر ہو ان پر سکوت درست نہیں۔ ہم ان منکرات کی تمام اقسام کی طرف اشارہ کریں گے کیونکہ فرداً فرداً سب کا بیان ممکن نہیں۔ اس قسم کی منکرات میں سے بعض تو مساجد میں ہوتی ہیں بعض بازاروں اور راستوں میں اور بعض حماموں اور گھروں میں۔

مساجد سے متعلق: مثلاً کوئی شخص نماز پڑھتا ہے لیکن رکوع سجدہ کا اہتمام نہیں کرتا یا تلاوت کے وقت بے جا قسم کی راگنی کا مظاہرہ کیا جائے یا اذان کے وقت حد سے زیادہ الفاظ کھینچے جائیں جب کہ اس سے منع کیا گیا ہے حی علی الصلوٰۃ اور حی علی الفلاح کے وقت سارا بدن قبلہ کی طرف سے پھیر لیا جائے۔ خطبہ پڑھنے والا ریشمی لباس پہنے اور سونا چڑھی ہوئی تلوار ہاتھ میں رکھے۔ یہ تمام حرام فعل ہیں۔ لوگ مسجد میں ہنگامہ کریں قصے کہانیاں اور اشعار پڑھیں۔ تعویذ یا کسی دوسری چیز کی خرید و فروخت کریں۔ کم عمر لونڈے' دیوانے اور مست مسجد میں آئیں اور شور کریں جن سے نمازیوں کو اذیت ہو ہاں لڑکا چپ رہے' دیوانہ اذیت نہ دے اور مسجد کو ناپاک نہ کرے تو اس کا آنا درست

ہو گا۔ اگر کوئی لڑکا کبھی کبھار مسجد میں اس طرح کی حرکت کرے تو اسے منع کرنا واجب نہ ہو گا اس لیے کہ حبشی مسجد مدینہ میں گتکا کھیلتے تھے۔ حضرت اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اسے دیکھا لیکن مسجد کو بازی گاہ بنانے پر روکنا ضروری ہے کوئی شخص مسجد میں خیاطی یا کتابت کا کام کرتا ہے اور نمازیوں کو تکلیف نہیں ہوتی تب تو درست ہے لیکن ہمیشہ کے لیے مسجد کو دُکان بنا لینا مکروہ ہے۔ ایسا کام جس سے مسجد میں غلبہ ظاہر ہو نہ کرنا چاہیے مثلاً حکمرانی کرنا' قبالہ لکھنا ہاں کبھی کبھار ہو تو درست ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے کبھی کبھار ایسا کیا۔ لیکن آپ حکمرانی کے لیے مسجد میں جلوس نہ فرماتے اگر دھوبی مسجد میں کپڑے خشک کریں۔ رنگریز کپڑے رنگیں یا خشک کریں تو یہ سب بڑے کام ہیں بلکہ جو لوگ مساجد میں قصّے پڑھیں جن میں کمی زیادتی ہو اور وہ حدیث کی کتب معتبرہ میں نہ ہوں تو ان لوگوں کو وہاں سے نکال دینا چاہیے کہ اسلاف کا یہی معمول تھا۔ جو لوگ اپنے تئیں بناتے سنوارتے ہیں اور ان پر شہوت غالب ہوتی ہے اور وہ مسجع عبارت بولتے یا گاتے ہیں یا جوان عورتیں مسجد میں ہوتی ہیں تو یہ گناہ مسجد چھوڑ کر باہر بھی کبیرہ گناہوں کی فہرست میں شمار ہوتا ہے بلکہ واعظ ایسی شخصیت چاہیے جس کا ظاہر صلاح و تقویٰ سے آراستہ ہو اور وہ دینداروں کا لباس استعمال کرے۔ یہ بات کسی طرح درست نہیں کہ جوان عورتیں مردوں کے ساتھ مل کر بیٹھیں اور ان کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو بلکہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے زمانے میں عورتوں کو مسجد میں جانے سے منع فرمایا حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں وہ جایا کرتی تھیں۔ حضرت اُم المومنین نے فرمایا کہ جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس زمانہ کا حال دیکھتے تو عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے روک دیتے۔ یہ بات بھی منکرات میں شامل ہے کہ مساجد میں کچہری لگائی جائے اور معاملات اور حساب کتاب چکایا جائے یا بیٹھ کر اسے تماشا گاہ بنایا جائے۔ اسی طرح غیبت و بے ہودہ گوئی سب مکروہ کام ہیں اور مسجد کے تقدس کے بالکل خلاف!

بازار سے متعلقہ منکرات: خریدار سے جھوٹ کہنا' مال کے عیب کو چھپانا' ترازو باٹ اور گز وغیرہ صحیح نہ رکھنا۔ سودے میں خیانت کرنا' عید اور دوسرے مواقع پر بچوں کے لیے راگ کے ساز' حیوانوں کی تصاویر اور دوسرے آلات لہو و لعب فروخت کرنا' نو روز کے واسطے لکڑی کی ڈھال تلوار بیچنا' سدہ (فارسیوں کی عید) کے دن کی مناسبت سے متعلقہ اشیاء کی تجارت کرنا' رَفو کیا ہوا یا دھلا ہوا کپڑا بازار میں نیا ظاہر کر کے بیچنا' یہی ہر اس چیز کا حال ہے جس میں دغا بازی کا شائبہ ہو' سونا چاندی کی انگیٹھی 'کوزہ' دوات یا دوسرے برتن کہ ان میں سے بعض تو حرام ہیں اور بعض مکروہ جبکہ جانوروں کی تصویریں حرام ہیں اور آتش و نوروز کے واسطے جو اشیاء بیچی جاتی ہیں گو وہ فی نفسہٖ حرام نہیں لیکن ان میں آتش پرستوں سے مشابہت ہے اس لیے ان کی ممانعت ہے۔ اسی طرح اس دن کے لیے کوئی خاص چیز بنانا یا بازاروں کا آراستہ کرنا۔ مٹھائی بنانا اور تکلفات کرنا سب ممنوع ہے۔ کیونکہ مُسلمان کا کام ان رسوم و رواج کو مٹانا چاہیے کہ کوئی ان کا نام بھی نہ لے حتیٰ کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ مسلمان کو اس دن روزہ رکھنا چاہیے تاکہ وہ مٹھائی وغیرہ سے بچا رہے۔ نیز رات کو اگر بتی سے حتی الوسع پرہیز کرے جبکہ محقق علماء کی رائے یہ ہے کہ اس دن رزوہ رکھنا بھی ایک طرح اس دن کو یاد کرنا ہے اس لیے یہ بھی مناسب نہیں بلکہ عام دنوں کی طرح اسے بھی ایک دن سمجھ کر خاموش ہو جائے۔

راستوں سے متعلقہ منکرات : اپنی ضرورت مثلاً دوکان وغیرہ کے راستوں میں ستون بنانا یا عین راستہ میں درخت لگانا۔ سائبان' پرنالہ وغیرہ اس انداز سے بنانا کہ عام لوگوں کو تکلیف ہو۔ راستہ میں جانور باندھ دینا کہ ان کے سبب راستہ تنگ ہو جائے۔ یہ باتیں درست نہیں۔ ہاں حاجت کی حد تک درست ہے۔ مثلاً ایسا طرز اختیار کرنا کہ جلدی سے راستہ صاف ہو جائے۔ کانٹے یا اس طرح کی موذی چیز لاد کر گلی میں لانا کہ لوگوں کے کپڑے پھٹ جائیں ہاں جب اس کے سوا چارہ ہی نہ ہو تو جلدی میں گزار لے۔ جانور کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ نہ لادے۔ قصاب کے لیے بازار میں بکرا ذبح کرنا اور گوشت تیار کرنا درست نہیں کہ لوگوں کے کپڑے خراب ہونے کا خدشہ ہے۔ بازار میں کیلے یا دوسرے پھلوں کے چھلکے پھینکنا جس سے پھسلنے کا اندیشہ ہو۔ اسی طرح چھڑکاؤ کرنا ہو تب بھی بقدر ضرورت کریں کہ کیچڑ اور پھسلن نہ ہو جائے۔ جو شخص راستہ میں برف پھینکے یا اس کے کوٹھے کا پانی راستہ میں گرتا ہو اس پر لازم ہے کہ راستہ صاف کرائے۔ ہاں جہاں کئی لوگوں کی نالیاں بہتی ہوں وہاں کی صفائی سب پر لازم ہے اور یہ انتظامیہ کا کام ہے کہ لوگوں کو اس طرف متوجہ کرے کوئی شخص اپنے دروازے پر اس قسم کا کتا رکھے جس سے دوسرے خوفزدہ ہوں درست نہیں۔ اگر راستہ کو نجس کرنے کے سوا کتے سے کوئی تکلیف نہ ہو تو پھر منع نہ کرنا چاہیے کیونکہ اس سے بچاؤ ممکن نہیں۔ کتا راستہ میں سو جائے جس کے سبب راستہ تنگ ہو جائے تو یہ بھی مناسب نہیں۔

حمام سے متعلقہ منکرات : ناف سے زانو تک ستر عورت ننگا نہ کرے۔ کوئی شخص سامنے کھڑا ہو تو اس کے سامنے ران وغیرہ صاف نہ کرے حتیٰ کہ لنگی کے اندر ہاتھ ڈال کر ران کو نہ پکڑنا چاہیے۔ حمام کے دروازے پر حیوانات کی تصویریں بنانا بھی منکرات میں شامل ہے۔ انہیں مٹا دینا یا وہاں سے نکل آنا چاہیے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں نجس ہاتھ یا ناپاک برتن تھوڑے پانی میں ڈالنا منکرات میں سے ہے جب کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں درست ہے۔ مالکی مذہب پر اعتراض نہ کرنا چاہیے۔ (یاد رہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ قدس سرہٗ کے نزدیک بھی ایسا ہی ہے ان کے نزدیک زیادہ پانی کی مقدار دہ در دہ ہے یعنی اتنا بڑا حوض جو چاروں طرف سے دس دس گز ہو یا اس مقدار میں پانی کثیر ہو گا جو جاری پانی کے حکم میں ہو گا۔ مترجم) زیادہ پانی بہانا بھی درست نہیں۔

منکرات متعلقہ مہمانی : ریشمی فرش' چاندی کی انگیٹھی' گلاب پاش' عطردان اور اس قسم کے پردے جن میں تصویریں بنی ہوں سب ناجائز ہیں ہاں تکیہ یا بچھونے میں تصویریں ہوں تو مضائقہ نہیں (لیکن یہ بات بھی صحیح نہیں خدا معلوم امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کیسے لکھ دی فرحمہ اللہ تعالیٰ۔ مترجم) جو انگیٹھی جانور کی شکل کی ہو وہ بہت مکروہ ہے۔ اور اگر گانا بجانا ہو اور جوان رنڈیاں جوان مردوں کو دیکھنے آئیں تو اس میں بہت زیادہ فساد ہے ان سب باتوں کا روکنا ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو تو وہاں سے چلا آئے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے چاندی کی سرمہ دانی دیکھی تو اٹھ کر باہر چلے آئے اگر مجلس میں کوئی شخص ریشمی کپڑا پہنے ہو یا سونے کی انگوٹھی تو وہاں مت بیٹھے۔ باشعور لڑکا ریشمی لباس وغیرہ پہنے ہو تب بھی یہی حکم ہے کیونکہ ریشم شراب کی طرح مردوں کے لیے حرام ہے اور لڑکے کو بچانا اس لیے ضروری ہے کہ عادت ہو گئی تو نوجوان ہونے کے بعد بھی لت پڑ جائے گی۔ لڑکا باشعور نہ ہو تو پھر اس قسم کا لباس مکروہ ہے۔ اگر محفل میں کوئی مسخرہ بیٹھا ہو جو جھوٹ اور فحش بک کر لوگوں کو ہنسائے تو وہاں بھی بیٹھنا درست نہیں۔

منکرات کا باب طویل ہے اس قدر جاننے کے بعد مدرسہ و خانقاہ' دفتر و دربارِ شاہی کو خود قیاس کر لو۔ واللہ اعلم



فصل ۱۰:

رَعیت کی نگہبانی اور حکمرانی کا بیان

حکمرانی اگر عدل و انصاف کے مطابق کی جائے تو یہ بڑا مقدس کام ہے اور زمین پر اللہ تعالیٰ کی خلافت ہے اور معاملہ اس کے برعکس ہو تو ابلیس کی نیابت ہے اس لیے کہ والی ملک کے ظلم سے بڑھ کر باعث فساد کوئی چیز نہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ علم و عمل حکومت کی اصل بنیاد ہے اور حکومت کا یہ علم اگرچہ بڑا ہے لیکن اس کا عنوان یہ ہے کہ حاکم کو یہ جاننا چاہیے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے اس جہان میں کیوں بھیجا ہے اور اس کی منزل کیا ہے؟ دُنیا اس کے لیے گزرگاہ ہے قرار گاہ نہیں اور وہ مسافر کی مانند ہے کیونکہ رحم مادر اس کی منزل کی ابتدا ہے اور قبر اس کی منزل کی انتہا ہے رہ گیا وطن تو وہ اس کے سوا ہے جو برس، مہینہ یا دن اس کی عمر سے گزرتا ہے وہ ایک منزل کی مانند ہے کہ اس کے سبب وہ اپنی قرارگاہ سے بہت نزدیک ہو جاتا ہے جو شخص پل پر سے گزرتا ہے اور پل کی عمارت میں وقت گزارتا ہے اور اپنی اصلی منزل بھول جاتا ہے وہ احمق ہے عقلمند وہی شخص ہے جو دُنیا میں آخرت کے لیے زادِ راہ کے سوا کسی چیز کا طالب نہ ہو اور دُنیا میں محض اتنی چیز پر قناعت کرے جس کی وہ ضرورت رکھتا ہے۔ جو کچھ حاجت سے زیادہ ہو گا وہ زہر قاتل ہے اور موت کے وقت وہ چاہے گا کہ میرے تمام خزانوں میں خاک ہوتی سونا چاندی کچھ نہ ہوتا تو جس قدر زیادہ جمع کرے گا اس میں سے بقدرِ کفایت ہی اسے نصیب ہو گا۔ باقی سب حسرت و اندوہ کا تخم ہو گا اور موت کے وقت اس پر جانکنی دشوار ہو گی اور یہ حسرت حلال کی صورت میں ہو گی اور اگر مال حرام کا ہوا تو آخرت کا عذاب اس حسرت سے کہیں زیادہ ہو گا اور رنج اٹھائے بغیر دُنیوی خواہشات سے صبر ممکن نہیں ہاں آدمی کا ایمان اگر اس بات پر ٹھیک ہو کہ دُنیا کی چند روزہ لذت جو سراپا کدورت ہے اس کے سبب سے لذت آخرت جو سلطنت لازوال ہے اور کسی کدورت کا اس میں دخل نہیں وہ فوت ہو جائے گی۔ اس شکل میں چند روزہ صبر بہت آسان ہو گا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی عاشق کا کوئی معشوق ہو اور عاشق سے کہا جائے کہ آج کی رات اگر تم اس کے پاس جاؤ گے تو پھر ہمیشہ اس سے محروم رہو گے ہاں آج اگر صبر کر لیا تو بغیر کسی اختلال کے لوگ اس کو تیرے سپرد کر دیں گے تو اس کا عشق اگرچہ کتنا ہی بڑھا ہوا ہو مگر یہ شخص بے تامل ہزار شب وصل کی امید پر ایک رات صبر کر لے گا اور یہ اس کے لیے آسان ہو گا۔ دُنیا کی مدت آخرت کی مدت کا ہزارواں حصّہ بھی نہیں بلکہ دُنیا کو آخرت سے کوئی نسبت نہیں اور ابد کی طوالت آدمی کے وہم و گمان میں آ ہی نہیں سکتی۔ اس واسطے کہ اگر فرض کریں کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمین کو رائی کے دانوں سے بھر دیں اور ہزار برس بعد ایک چڑیا اس میں سے ایک دانہ چگے تو پھر بھی کیا بگڑے گا؟ اسی طرح آدمی کی عمر مثلاً سو برس ہو اور مشرق و مغرب کی تمام سلطنت بغیر مخالفت اس کو مل جائے تو بھی آخرت کی سلطنت کے مقابلہ میں اس کی کوئی قیمت نہیں۔ اور جس کو دُنیا میں بھی تھوڑا سا حصّہ ملے اور وہ بھی صاف نہ ہو اور جو کچھ ہو اس میں بھی خساست اور رذالت کی ملاوٹ ہو تو سلطنت جاوید کے مقابلہ میں اس کی کیا قدر ہے! پس حاکم ہو یا محکوم سب کو چاہیے کہ ہمیشہ اپنے جی سے ایسی باتیں کیا کرے اور اپنے دل پر اس

مضمون کو تازہ کر لیا کرے تا کہ چند روزہ خواہشوں پر صبر کرنا اور رَعیت پر مہربانی کرنا اور بندگانِ خُدا کو اچھی طرح رکھنا اور اللہ تعالیٰ کی خلافت کو بجا لانا اس پر آسان ہو جائے۔ جب یہ حقائق ذہن میں آ گئے تو انسان کو چاہیے کہ حکومت اس طرح کرے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اس طرح مشغول نہ ہو جس طرح دُنیا کی صلاح ہے اس لیے کہ عدل کے ساتھ حکمرانی سے بڑھ کر کوئی چیز خُدا کے قرب کا ذریعہ نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بادشاہ کا ایک دن عدل کرنا ساٹھ برس کی عبادت سے افضل ہے اور جن سات آدمیوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ عرش کے سایہ تلے ہوں گے ان میں پہلا بادشاہِ عادل ہی ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ عادل بادشاہ کے واسطے ساٹھ مستعد صدیقوں کی عبادت کا عمل فرشتے آسمان پر لے جاتے ہیں اور فرمایا کہ عادل بادشاہ اللہ تعالیٰ کا بڑا مقرب اور دوست ہے جبکہ ظالم بادشاہ خُدا کا بہت معذب اور دشمن ہے اور فرمایا کہ اس خُدا کی قسم جس کے دست قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے کہ تمام رعایا کے جتنے نیک عمل ہوتے ہیں عادل بادشاہ کے اس مقدار میں نیک عمل فرشتے آسمانوں پر لے جاتے ہیں اور اس کی نماز ستر ہزار نمازوں کے برابر ہوتی ہے جب حکومت عادلہ ایسا نیک عمل کرے تو اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہو گی؟ کہ اللہ تعالیٰ جس کو منصب سلطنت دے اس کی ایک ساعت دوسرے کی تمام عمر کے برابر ہو جائے اور کوئی شخص جب اس نعمت کا حق نہ پہچانے اور ظلم و خواہشات میں مشغول ہو تو معلوم ہوا کہ عذاب کا مستحق ہو گا۔ عدل کی بات تب پوری ہو سکتی ہے جب بادشاہ دس قاعدوں کا خیال رکھے۔

پہلا قاعدہ تو یہ ہے کہ جو مقدمہ پیش ہو اس میں یہ فرض کرے کہ تو خود رَعیت ہے اور بادشاہ کوئی اور ہے جو بات اپنے حق میں پسند نہ کرے وہ کسی دوسرے کے لیے بھی پسند نہ کرے اور اگر پسند کرے گا تو حق حکومت میں دغا بازی اور خیانت ہو گی۔ جنگِ بدر کے دن حضرت سلطان الانبیاء علیہ السلام سایہ میں تشریف فرما تھے اور آپ کے رفقاء دھوپ میں کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام تشریف لائے اور اتنی سی بات سے گلہ کیا کہ آپ سایہ میں ہیں اور آپ کے رفقاء دھوپ میں! نبی کریم علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جو شخص جنت کا طالب اور دوزخ سے پناہ چاہتا ہے اسے چاہیے کہ کلمہ پڑھتا ہوا مرے اور جو چیز اپنے لیے پسند نہیں کرتا دوسرے کے لیے بھی پسند نہ کرے اور فرمایا کہ جو شخص صبح کو اس حال میں اٹھے کہ اس کا دِل خُدا کے سوا کسی اور میں اٹکا ہوا ہو تو وہ مرد نہیں اور اگر مُسلمانوں کے کام اور خدمت سے بے پرواہ ہے تو مُسلمان نہیں۔

دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ اپنے دروازے پر حاجت مندوں کے منتظر رہنے کو آسان نہ جانے اور اس کے خطرات سے احتراز کرتا رہے اور جب تک کوئی حاجت مند مُسلمان باقی ہو نفل عبادت میں مشغول نہ ہو اس لیے کہ مُسلمان کی حاجت روائی تمام نوافل سے بڑھ کر ہے ایک دن حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ظہر کے وقت تک مخلوق کے کام میں مصروف رہے اور تھک کر گھر آ گئے کہ چند گھڑی آرام کر سکوں۔ ان کے بیٹے نے کہا کہ آپ کیونکر مطمئن ہیں جبکہ موت کسی بھی وقت آ سکتی ہے جبکہ کسی حاجت مند کا دروازہ پر آنا اور آپ کی طرف سے بلا ارادہ کوتاہی کا بھی امکان ہے انھوں نے بیٹے کی بات سچّی جانی اور فوراً باہر نکل آئے۔

تیسرا قاعدہ یہ ہے کہ خواہشات میں مشغول رہنے اور اچھا کھانے پہننے سے بچے بلکہ ہر بات میں قناعت و سادگی کو

اپنائے اس لیے کہ قناعت کرنے والا بالعموم عدل کر سکتا ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ میرے جو حالات آپ کو پسند نہ ہوں وہ آپ نے سنے ہیں انھوں نے کہا ہاں۔ پوچھا وہ کیا ہیں کہا کہ آپ کے دستر خوان پر دو طرح کا سالن ہوتا ہے اور آپ رات دن کے لیے الگ الگ لباس رکھتے ہیں اور یہ دونوں باتیں غلط ہیں اس کے علاوہ معاملہ صحیح ہے۔

چوتھا قاعدہ یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو ہر کام میں نرمی کرے، سختی سے بچے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ جو حاکم رَعیت کے ساتھ نرمی کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت میں اُس کے ساتھ نرمی کریں گے اور دُعا فرمائی کہ اے اللہ جو حاکم رَعیت کے ساتھ نرمی کرے تو بھی اُس کے ساتھ قیامت کو نرمی فرما اور جو سختی کرے تو بھی اُس کے ساتھ سختی فرما اور فرمایا کہ جو حاکم حکومت کا حق ادا کرے اس کے حق میں تو حکومت اچھی چیز ہے اور جو حق ادا نہ کرے اس کے حق میں بُری چیز ہے۔ ہشام بن عبدالملک خلفائے بنو امیہ سے تھے انھوں نے ابو حازم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا جو علمائے کبار میں سے تھے کہ حکومت سے نجات حاصل کرنے کی کیا تدبیر ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ تدبیر یہ ہے کہ جو دام تم لیتے ہو ایسی جگہ سے لو جو حلال جگہ ہو اور ایسی جگہ خرچ کرو جو صحیح مصرف ہو۔ ہشام نے پوچھا کہ ایسا کون کر سکتا ہے فرمایا کہ یہ وہ کر سکتا ہے جو عذابِ قبر کی طاقت نہ رکھے اور جنت کو دوست سمجھے۔

پانچواں قاعدہ یہ ہے کہ حاکم کی یہ کوشش ہونی چاہیے کہ شرعی دستور کے مطابق ساری رعایا اس سے خوش ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہترین حکام وہ ہیں جو تمھیں دوست رکھیں اور تم انھیں دوست رکھو جبکہ بدترین حکام وہ ہیں جو تمھیں دشمن رکھیں اور تم انھیں دشمن رکھو۔ اور وہ تمھیں لعنت ملامت کریں اور تم انھیں لعنت و ملامت کرو۔ حکمرانوں کو لوگوں کی تعریف سے مغرور نہ ہونا چاہیے اور یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ سب اس سے خوش ہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ وہ خوف کے سبب اس کی تعریف کرتے ہوں۔ اسے چاہیے کہ معتمد لوگوں کی ڈیوٹیاں لگائے جو حالات کی تحقیق کریں اور رَعیت کے حالات معلوم کریں کیونکہ آدمی اپنا عیب لوگوں کی زبانی ہی معلوم کر سکتا ہے۔

چھٹا قاعدہ یہ ہے کہ حکمران شریعت کی مخالفت کر کے کسی کی رضامندی نہ ڈھونڈے اس لیے کہ جو شخص شریعت کی مخالفت سے ناخوش ہو گا اس کی ناخوشی حاکم کو کسی طرح کا نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ امیرالمؤمنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے کہ دن کو جب میں اٹھتا ہوں تو آدھے لوگ مجھ سے ناخوش ہوتے ہیں اور ظاہر ہے کہ جب حاکم مجرموں کو سزا دے گا تو وہ ناخوش ہوں گے۔ بہرحال فریقین کو راضی کرنا ناممکن اور محال ہے اور وہ شخص نادان ہے جو مخلوق کی رضامندی کی خاطر خالق کی رضا چھوڑ دے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت اُم المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ مجھے مختصر سی نصیحت فرمائیں۔ جواب میں سیدہ کائنات نے لکھا کہ میں نے جنابِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جو شخص مخلوق کی ناخوشی میں اللہ کی خوشی و رضامندی چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہو جاتے ہیں بلکہ مخلوق کو بھی اس سے راضی فرما دیتے ہیں اس کے برعکس میں خدا تو ناراض ہوتا ہی ہے مخلوق کو بھی ناراض کر دیتا ہے۔

ساتواں قاعدہ یہ ہے کہ حاکم کے ذہن میں یہ بات ہمیشہ رہے کہ حکومت خطرناک کام ہے اور مخلوق کی حکومت کا

کفیل ہونا آسان کام نہیں جو شخص اس کا حق ادا کرنے کی توفیق پاتا ہے اس کے مقدر میں ایسی سعادت آتی ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی سعادت نہیں اور قصور وار کے مقدر میں ایسی بدبختی آتی ہے کہ باید و شاید؟ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ ایک دن میں نے جنابِ نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ تشریف لائے اور خانہ کعبہ کا حلقہ پکڑا اس وقت حرم میں قریش کے افراد موجود تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب تک تم تین کام کرتے رہو گے حکومت و سلطنت تمھارے اندر رہے گی: لوگ مہربانی چاہیں تو مہربانی کرو' فیصلہ چاہیں تو انصاف کرو اور جو اقرار کرو اسے پورا کرو۔ جو شخص ایسا نہیں کرے گا اس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو گی نہ تو اس کا کوئی فرض قبول ہو گا نہ نفل معلوم ہوا کہ حکومت میں کوتاہی بہت بڑا جرم ہے۔ جنابِ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص دو آدمیوں کے درمیان فیصلہ کے وقت ظلم کرتا ہے اس پر خدا کی لعنت ہوتی ہے اور فرمایا کہ تین شخص ایسے ہیں جن پر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نظر شفقت نہیں فرمائیں گے ایک جھوٹا بادشاہ' ایک بوڑھا زانی اور ایک متکبر فقیر۔ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ مشرق و مغرب عنقریب تمھارے ہاتھوں فتح ہوں گے اور وہاں کے حکمران دوزخ میں جلیں گے مگر وہ شخص جو اللہ سے ڈرا اور اس نے تقویٰ کی راہ اختیار کی اور امانت داری کی صفت پر قائم رہا۔

اور فرمایا کہ جس کو اللہ نے بندوں پر حکومت عطا فرمائی اور اس نے ایسی نگہبانی نہ کی جیسی اپنے گھر والوں کی کرتا ہے تو اس سے کہہ دو کہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں ڈھونڈے اور فرمایا کہ میری اُمت کے دو آدمی میری شفاعت سے محروم رہیں گے ایک ظالم بادشاہ دوسرا وہ بدعتی جو دین میں فساد کر کے حد سے گزر جائے اور فرمایا ہے کہ ظالم بادشاہ پر قیامت میں بڑا عذاب ہو گا۔

نیز ارشاد فرمایا کہ پانچ آدمیوں سے اللہ تعالیٰ ناخوش ہوتا ہے چاہے تو انھیں دُنیا میں عذاب میں مبتلا کرے ورنہ دوزخ میں تو اُن کی جگہ ہو گی ہی۔ ان میں ایک تو وہ حکمران ہے جو رعایا سے اپنا حق تو وصول کرے لیکن ان کے ساتھ انصاف نہ کرے اور ان پر ظلم کرے دوسرا وہ رئیس جس کی لوگ اطاعت کرتے ہوں اور وہ قوی و ضعیف کو یکساں نہ سمجھے اور طرفداری سے کام لے۔ تیسرا وہ شخص ہے جس نے کسی مزدور کو مقرر کیا۔ مزدور تو پورا کام کرے لیکن یہ اس کی پوری مزدوری ادا نہ کرے۔ چوتھا وہ شخص ہے جو اپنے اہل و عیال کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم نہ دے اور دین کی بات انھیں نہ سکھائے اور یہ فکر نہ رکھے کہ انھیں کھانا کہاں سے کھلاؤں گا۔ پانچواں وہ شخص ہے جو مہر کے معاملہ میں اپنی بیوی پر ظلم کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دن ایک شخص کی نماز جنازہ پڑھانا چاہی تو ایک شخص نے جلدی سے آگے بڑھ کر نماز جنازہ پڑھا دی اور تدفین کے بعد اس کی قبر پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا کہ اے اللہ اگر تو اس صاحب قبر کو عذاب دے تو تو ایسا کر سکتا ہے۔ رحمت کرے تو بھی اس پر قادر ہے اور تو رحیم ہے پھر مُردے کو مخاطب کر کے کہا کہ میاں اگر تم حاکم' نقیب' معین الحاکم' کاتب اور تحصیل دار نہ تھے تو پھر خوش رہو یہ کہا اور نظر سے غائب ہو گیا۔ امیر المؤمنین نے تلاش کرایا لیکن وہ شخص نہ ملا تو آپ نے فرمایا کہ وہ خضر علیہ السلام تھے اور آنحضرت ﷺ کا فرمان نقل کیا کہ آپ نے ان لوگوں پر افسوس کا اظہار فرمایا کہ یہ لوگ اپنے بالوں کے ساتھ آسمانوں سے قیامت کے دن لٹکے ہوں گے اور فرمایا کہ دس آدمیوں پر بھی جس کی حکومت ہو گی وہ بھی پابہ زنجیر لایا جائے گا پھر اس کی نیکوکاری کا ثبوت مل گیا تو رہا ہو گا ورنہ

اس کی زنجیر میں اضافہ ہو جائے گا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ افسوس ہے زمین کے حاکم پر جو آسمان کے حاکم سے قیامت کے دن کے معاملہ میں نہیں ڈرتا جب یہ حاکم اعلیٰ کو دیکھتا ہو گا۔ اس دن وہ سرخرو ہو گا جس نے خواہشات کی پیروی نہ کی ہو گی۔ قرابت داروں کو ناجائز رعایت نہ پہنچائی ہو گی اور کسی ڈر یا لالچ سے خُدا کا حکم نہ بدلا ہو گا اور اللہ کی کتاب کو آئینہ بنا کر اپنے سامنے رکھا ہو گا۔

حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ روزِ قیامت دُنیا کے حکمرانوں کو احکم الحاکمین کے سامنے پیش کر کے پوچھا جائے گا کہ میاں تم میرے بندوں کے چرواہے تھے اور میری زمین کے خزانوں کے امین تھے میرے حکم سے زیادہ تم نے کسی کو دُرے کیوں مارے؟ وہ عرض کریں گے کہ آپ کی نافرمانی کے سبب ہمیں غُصّہ آیا اور ہم نے سزا دی۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تمھارا غُصّہ میرے غُصّہ سے زیادہ تھا؟ اور جنھوں نے مقررہ حدود سے کم سزا دی ہو گی اس سے اس کی وجہ پوچھی جائے گی تو وہ عرض کریں گے کہ ہم نے اس پر رحم کیا۔ ارشاد ہو گا تم مجھ سے زیادہ رحیم تھے؟ پھر دونوں کو پکڑ کر جہنم کے کونوں میں بھر دیا جائے گا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں کسی حاکم کی تعریف نہیں کرتا خواہ وہ نیک ہو یا بد؟ اس کا سبب لوگوں نے پوچھا کہ جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے دن تمام حکمران لائے جائیں گے خواہ وہ نیک ہوں یا بد اور انھیں پل صراط پر کھڑا کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اسے حکم دیں گے کہ ذرا اِن کو جھٹکا دے جو جو ظالم یا راشی ہو گا یا جس نے جانب داری سے کام لیا ہو گا تو وہ دوزخ میں آ جائیں گے اور ستر برس کی مسافت کے بقدر جہنم میں نیچے کو گرتے گرتے اپنے ٹھکانے تک پہنچیں گے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام بھیس بدل کر نکلتے اور جو ملتا اس سے سوال کرتے کیوں میاں داؤد کی عادات کیسی ہیں اور وہ کیسے آدمی ہیں؟ ایک دن حضرت جبریل علیہ السلام انسانی شکل میں سامنے آئے انھوں نے اُن سے بھی حسب معمول وہی سوال کیا تو انھوں نے کہا کہ اگر تو اپنی محنت سے کما کر کھاتا ہے اور بیت المال سے اِحتراز کرتا ہے تو وہ یقیناً نیک مرد ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام یہ سن کر اپنی عبادت گاہ میں تشریف لے گئے اور رو رو کر مناجات کی کہ اے اللہ مجھے کوئی ہنر سکھا دے تاکہ میں اپنی کمائی کا کھا سکوں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انھیں زرہ بنانا سکھا دیا۔

(کما ذکرہ القرآن)

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ پہرہ دار کی بجائے خود پہرہ دیتے تاکہ جہاں فساد کی شکل نظر آئے فوراً دفعیہ ہو سکے اور فرماتے کہ اگر کوئی خارش زدہ بکری بغیر روغن فرات کے کنارے ہو تو مجھے ڈر ہے کہ قیامت کے دن اس کے متعلق بھی مجھ سے سوال ہو گا۔ یہ حقیقت ہے کہ آپ حد درجہ محتاط تھے اور آپ کا عدل مثالی تھا۔ پھر بھی انتقال ہوا تو حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے دُعا کی کہ اے اللہ مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خواب میں دکھلا دے بارہ برس بعد یہ دُعا عملاً پوری ہوئی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اس حال میں دیکھا کہ جیسے کوئی تازہ غسل کر کے لنگی باندھے چلا آتا ہے۔ میں نے پوچھا کہ امیر المؤمنین کیسے گزری؟ فرمایا مجھے تم سے رخصت ہوئے کتنا عرصہ گزرا میں نے عرض کیا کہ بارہ برس! فرمایا اب حساب سے فارغ ہوا ہوں اگر اللہ تعالیٰ رحم نہ فرماتے تو ڈر تھا کہ میرا کام تباہ ہو جاتا۔ باوجودیکہ دُنیا میں اسبابِ حکومت میں ایک درہ کے سوا میرے پاس کچھ نہ تھا پھر یہ حال ہوا۔

بزرجمہر نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایلچی بھیجا تاکہ وہ آپ کی سیرت سے آگاہ ہو سکے وہ مدینہ منورہ پہنچا تو

مسلمانوں سے پوچھا اَیْنَ الْمَلِکُ لوگوں نے کہا کہ ہمارے یہاں بادشاہ نہیں امیر ہوتا ہے اور وہ ابھی باہر تشریف لے گئے ہیں۔ ایلچی باہر جو گیا تو دیکھا کہ آپ دھوپ میں آرام فرما رہے ہیں سر کے نیچے درہ رکھا ہوا ہے اور ماتھے سے پسینہ یوں بہہ رہا ہے کہ زمین تر ہو گئی اس نے یہ حالت دیکھی تو بڑا متاثر ہوا اور تعجب کرنے لگا کہ اس شخص کی ہیبت سے ساری دُنیا کانپتی ہے۔ پھر کہنے لگا کہ آپ عدل کرتے ہیں اس لیے بے دھڑک سوتے ہیں اور ہمارا بادشاہ ظلم کرتا ہے اس لیے ہر وقت ہراساں رہتا ہے۔ میرا دِل گواہی دیتا ہے کہ آپ کا دین سچّا ہے اگر میں ایلچی بن کر نہ آیا ہوتا تو ابھی مسلمان ہو جاتا۔ پھر حاضر ہو کر اسلام قبول کروں گا۔ اس لیے ہم نے عرض کیا کہ حکومت میں خطرات بہت ہیں اور اس کا عِلم بڑا ضروری ہے۔ حکمران کی سلامتی اس میں ہے کہ وہ دیندار علماء کی مُحبّت اختیار کرے تاکہ وہ اسے عدل و انصاف کی راہ بتائیں اور دغاباز اور جھوٹے علماء سے بچے کہ وہ شیطان ہیں۔

آٹھواں قاعدہ یہ ہے کہ دیندار علماء کی ملاقات کا شوق اپنے دِل میں رکھے ان کی نصیحت توجہ سے سنا کرے اور دُنیا کے لالچی علماء کی مُحبت سے بچے کیونکہ وہ تعریف کر کے اس کو دھوکہ دیں گے اور اس کی خوشی کی تلاش میں رہیں گے۔ تاکہ جو حرام وہ کھاتا ہے اس میں حصّہ دار بن سکیں۔ دیندار عالم وہ ہے جو کسی قسم کا طمع نہ رکھے اور کسی حال میں سچ کہنے سے گریز نہ کرے۔ حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ ہارون الرشید مرحوم کے پاس گئے اُس نے پوچھا کہ آپ زاہد ہیں؟ فرمایا زاہد نہیں شقیق ہوں اس نے نصیحت کی خواہش کی تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مسند پر بٹھایا ہے جس طرح ان سے صدق و راستی چاہی گئی تھی اسی طرح تم سے بھی صدق و راستی کا مطالبہ کیا گیا ہے تم حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی جگہ بٹھائے گئے ہو جس طرح ان سے حق و باطل میں فرق چاہا گیا تھا۔ اسی طرح یہ بات تم سے چاہی گئی ہے تمھیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جگہ ملی ہے ان کی طرح تم سے شرم و حیا اور جناب علی رضی اللہ عنہ کی طرح تم سے بھی عِلم و عدل کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ ہارون نے مزید درخواست کی تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک گھر بنایا ہے جس کا نام دوزخ ہے تین چیزیں تمھیں دے کر اس کا دربان بنا دیا گیا ہے۔ بیت المال' تلوار اور تازیانہ اور حکم دیا کہ ان تین چیزوں کے ذریعہ مخلوق کو دوزخ سے بچا جو محتاج تیرے پاس آئے اسے محروم نہ لوٹا۔ حق کا فرمان ہو تو اسے تازیانہ سے سزا دے اور جو کسی کو ناحق مار دے اس کے ولی کی اجازت سے قاتل کا سر تلوار سے اُڑا دے اگر تُو ایسا نہیں کرے گا تو سب سے پہلے جہنم میں جائے گا اور لوگ تیرے پیچھے ہوں گے۔ ہارون نے مزید درخواست کی تو فرمایا کہ تمھاری مثال چشمہ کی ہے اور تمھارے اعمال کی مثال اس دُنیا میں نہروں کی ہے' چشمہ خود صاف ہو تو نہروں کی تیرگی نقصان کا باعث نہیں بنتی لیکن چشمہ ناصاف ہو تو نہروں کی صفائی کی اُمید نہ رکھنا چاہیے۔

خلیفہ ہارون الرشید مرحوم اپنے مصاحب عباسی کے ساتھ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جاتا جب ان کے دروازہ پر پہنچا تو وہ قرآن کی یہ آیت تلاوت فرماتے:

﴿ اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ اجْتَرَحُوا السَّیِّئَاتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَاءً مَّحْیَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ﴾ (عنکبوت)

"ان کا کیا خیال ہے کہ وہ لوگ جنھوں نے بُرے کام کیے ہم انھیں ان کے برابر کر دیں گے جو ایمان لائے اور

جنھوں نے اچھے کام کیے؟ ان کی زندگی اور موت برابر ہے بُرا حکم تھا جو انھوں نے کیا"

ہارون الرشید نے کہا کہ اگر ہم نصیحت حاصل کرنا چاہیں تو یہ آیت ہی کافی ہے۔ پھر ہارون نے دروازہ کھٹکھٹانے کا کہا۔ عباس نے کھٹکھٹایا اور کہا کہ امیرالمؤمنین حاضر ہوئے ہیں دروازہ کھولیں۔ انھوں نے فرمایا میرے پاس اس کا کیا کام ہے؟ عباس نے کہا کہ امیرالمؤمنین کی اطاعت کریں تب انھوں نے دروازہ کھولا۔ رات کا وقت تھا انھوں نے چراغ ٹھنڈا کر دیا۔ ہارون نے اندھیرے میں اِدھر اُدھر جو ہاتھ بڑھایا تو ہاتھ سے ہاتھ مل گئے۔ حضرت فضیل نے فرمایا کہ ایسا نرم و نازک ہاتھ دوزخ سے نہ بچے تو افسوس ہے۔ پھر فرمایا امیرالمؤمنین قیامت کے دن خُدا کے سامنے جواب کے لیے تیار رہو کیونکہ تمھیں قیامت کے دن ہر ایک مسلمان کے ساتھ الگ الگ بٹھا کر ہر ایک کو مطمئن کیا جائے گا۔ یہ سن کر ہارون رونے لگا تو عباس نے کہا فضیل خاموش رہیں۔ آپ نے امیرالمؤمنین کو مار ہی ڈالا۔ فضیل نے کہا اے ہامان (وزیر اعظم کی نسبت سے ایسا فرمایا) تُو نے اور تیرے ساتھیوں نے اسے ہلاکت میں مبتلا کر رکھا ہے اور کہتا مجھ سے ہے کہ میں نے اسے مار ڈالا۔ ہارون نے کہا کہ مجھے فرعون سمجھا گیا ہے تب ہی تو تمھیں ہامان کہا گیا ہے پھر ہزار دینار فضیل کے سامنے پیش کیے اور عرض کیا کہ حلال مال ہے چونکہ میری والدہ محترمہ کا مہر ہے حضرت فضیل نے فرمایا کہ میں آپ سے کہتا ہوں کہ جو کچھ تمھارے پاس ہے اس سے ہاتھ کھینچ لو اور جو اس کے مالک ہیں انھیں لوٹا دو۔ چنانچہ ہارون الرشید وہاں سے اُٹھ کر واپس آ گیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مجید بن کعب القرضی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ عدل کی تعریف فرمائیں۔ فرمایا کہ عدل یہ ہے کہ جو مسلمان تجھ سے چھوٹا ہو اس کے حق میں باپ کی مانند ہو جا اور جو بڑا ہو اس کے حق میں بیٹے کی مانند ہو جا۔ جو ہم عمر ہو اسے بھائی سمجھ اور ہر مجرم کو اتنی ہی سزا دے جو اس کے قصور اور قوت کے لائق ہو خبردار غُصّہ میں آ کر کسی کو تازیانہ نہ مار بیٹھنا ورنہ تمھارا ٹھکانا دوزخ ہو گا۔

ایک زاہد کسی خلیفہ وقت کے پاس تشریف لے گئے خلیفہ نے نصیحت کی درخواست کی۔ انھوں نے فرمایا کہ میں چین گیا تھا وہاں کا بادشاہ بہرا ہو گیا تھا وہ بہت روتا اور کہتا کہ میرے رونے کا سبب یہ نہیں کہ میں ثقل سماعت کا شکار ہو گیا ہوں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی فریادی اور مظلوم میرے دروازے پر آیا تو اس کی فریاد نہیں سن سکوں گا لیکن چونکہ میری بصارت الحمد للہ قائم ہے اس لیے منادی کر دو کہ جو داد خواہ ہو وہ سرخ کپڑے استعمال کرے۔ بادشاہ خود ہر روز ہاتھی پر سوار ہو کر نکلتا اور جس کو سرخ کپڑوں میں ملبوس دیکھتا اسے بلا کر اس کی داد خواہی کرتا۔ زاہد نے کہا کہ وہ کافر تھا اس کے باوجود خُدا کے بندوں پر اتنا مہربان تھا تم مسلمان ہو تم اپنے مقام کو پہچانو اور خُدا کی مخلوق سے حسن مروت سے پیش آؤ۔

ابو قلابہ عمر بن عبدالعزیز کے پاس تشریف لے گئے انھوں نے نصیحت چاہی تو فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے آج تک تیرے سوا کوئی خلیفہ باقی نہیں رہا۔ انھوں نے مزید درخواست کی تو فرمایا اب جو خلیفہ سب سے پہلے مرے گا وہ تو ہو گا۔ مزید درخواست کی تو فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ ہو تو پھر تمھیں کسی چیز کا ڈر نہیں اگر وہ ساتھ نہیں تو پھر تمھارے لیے کوئی جائے پناہ نہیں لہٰذا جو آپ نے فرمایا وہ کافی ہے۔ سلیمان بن عبدالملک نے ایک دن خیال کیا کہ یہاں تو میں بڑے مزہ میں ہوں قیامت کے دن معلوم نہیں میرا کیا حال ہو گا؟ حضرت ابو حازم رحمۃ اللہ علیہ جو اس دور کے بڑے عالم تھے

ان کے پاس کسی کو بھیجا اور درخواست کی کہ جس چیز سے آپ روزہ افطار کرتے ہیں اس میں سے تھوڑی سی مجھے عنایت فرمائیں۔ انھوں نے گیہوں کی تھوڑی سی بھوسی بھون کر ارسال کردی اور فرمایا کہ میں رات کو یہی کھایا کرتا ہوں۔ سلیمان اسے دیکھ کر بہت رویا اس کے دِل پر بڑا اثر ہوا۔ پے در پے تین روزے رکھے اور کوئی چیز نہیں کھائی۔ تیسرے دن شام کو اسی سے روزہ کھولا اسی روز اپنی اہلیہ سے ہم بستری کی تو عبدالعزیز پیدا ہوئے جن کے صاحبزادے حضرت عمرؒ ہیں جو عدل و انصاف میں اپنی مثال آپ تھے۔ اہل دِل نے فرمایا ہے کہ یہ اس کی نیک نیتی کی برکت تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کی توبہ کا سبب کیا ہے؟ فرمایا کہ میں ایک دن اپنے غلام کو مار رہا تھا وہ کہنے لگا کہ میاں اس رات کو یاد کرو جس کی صبح قیامت قائم ہوگی اس کی یہ بات میرے دِل پر اثر کرگئی کسی صاحب دِل نے ہارون رشید کو میدانِ عرفات میں دیکھا کہ ننگے پاؤں ننگے سر گرم پتھر پر کھڑا ہے اور ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگ رہا ہے۔ اے ارحم الراحمین تو تو ہے اور میں میں ہوں میرا کام ہر دم گناہ کرنا اور تیرا کام ہر گھڑی بخش دینا ہے میرے اوپر رحم فرما۔ بزرگ نے کہا کہ دیکھو زمین کا جبار آسمان و زمین کے جبار کے سامنے کس طرح آہ و زاری کر رہا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حضرت ابوحازم سے نصیحت کی درخواست کی تو انھوں نے فرمایا کہ زمین پر سویا کرو موت کا یقین رکھو اور اس کا دھیان رکھو۔

حکمرانوں کو چاہیے کہ ان حکایتوں کو اپنی نگاہ میں رکھیں اور اپنے دور کے اہل عِلم سے نصیحت حاصل کریں اور علماء کا بھی فرض ہے کہ حکمرانوں کو نصیحت سے نوازیں اور حق بات کہنے سے گریز نہ کریں اگر علماء ایسا نہیں کریں گے تو حکمرانوں کی وجہ سے دُنیا میں جو ظلم ہوگا اس میں یہ بھی شریک ہوں گے۔

نواں قاعدہ یہ ہے کہ حکمران صرف اسی کو کافی نہ سمجھے کہ خود ظلم سے دور رہے بلکہ اپنے نائبین و متعلقین کو بھی مہذب بنائے اور ان کے ظلم کی انہیں سزا دے کہ ان کے ظلم کی اس سے پُرسش ہوگی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو جو ان کے گورنر تھے خط لکھا —— اما بعد! بڑا نیک بخت وہ ہے جس سے رعیت خوش ہو اور بدبخت وہ ہے جس سے رعایا ناراض ہو اگر تم نے اپنی زندگی میں کشائش شروع کردی تو تمھارے عمال بھی ایسا ہی کریں گے پھر تمھاری مثال اس چوپایہ جیسی ہوگی جو گھاس دیکھے تو بہت کھا جائے تاکہ اس طرح موٹا ہو جائے حالانکہ یہ موٹاپا اس کی ہلاکت کا سبب ہوتا ہے یعنی لوگ اسے ذبح کرکے کھا جائیں گے۔

توریت میں لکھا ہے کہ بادشاہ کا عامل جو ظلم کرتا ہے وہ بادشاہ کے کھاتہ میں لکھا جاتا ہے بشرطیکہ بادشاہ اس پر چپ رہے۔ حکمرانوں کو سمجھنا چاہیے کہ اس شخص سے زیادہ کوئی نادان نہیں جو اپنے دین اور اپنی آخرت کو دو دن کی دُنیا کی خاطر داؤ پر لگا دے۔ تمام عمال اور خدام دُنیا کی خاطر خدمت کرتے ہیں اور ظلم کو والی کی نگاہ میں بڑا خوبصورت کرکے پیش کرتے ہیں تاکہ اسے تو جہنم رسید کریں اور اپنا الو سیدھا کریں۔ اس شخص سے بڑھ کر تیرا کوئی دشمن نہیں جو چند دراہم کی خاطر تیری تباہی کی کوشش کرے الغرض جو حکمران اپنے متعلقین کو عدل پر قائم نہیں رکھے گا وہ خود بھی رعایا سے انصاف نہیں کرسکے گا اور یہ کام وہی شخص کرسکتا ہے جو پہلے اپنے بدن کے اندر عدل کو پیدا کرے اور بڑا عدل یہ ہے کہ آدمی ظلم، غصّہ اور خواہش کو عقل پر غالب نہ کرے بلکہ ان کو عقل و دین کا قیدی بنا کر رکھے۔ عقل و دین کو

قیدی نہ بنائے اکثر لوگ ایسے ہیں کہ عقل کو غضب اور خواہش کا خدمت گار بنا دیتے ہیں یہاں تک کہ عقل و غضب کو اپنی خواہشات کے لیے حیلہ بناتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ عقل کی بات یہی ہے حالانکہ فی الواقع ایسا نہیں بلکہ عقل فرشتوں کے جوہر سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ہے جبکہ خواہش اور غُصّہ ابلیس کے لشکروں میں سے ہیں تو جو شخص اللہ کے لشکر کو ابلیس کے لشکر میں قید کرے گا وہ دوسروں پر کیا خاک انصاف کرے گا؟ تو عدل کا سورج پہلے اپنے سینہ میں طلوع کرنا چاہیے بعد میں گھر والوں اور مخصوص متعلقین کو اس سے منور کرنا چاہیے۔ اس کے بعد اس کی روشنی رعایا تک پہنچے گی اور اس ترتیب کے بغیر روشنی کا تصور محال ہے یاد رکھو عدل کمالِ عقل سے پیدا ہوتا ہے اور کمالِ عقل یہ ہے کہ آدمی ہر کام کو ویسا سمجھے جیسا وہ فی الواقع ہو اور ان کی حقیقت و باطن کو جاننے کی کوشش کرے ان کے ظاہر پر فریفتہ نہ ہو جائے مثلاً آدمی جب عدل سے ہاتھ روکے گا تو دُنیا کے واسطے روکے گا تو غور کرنا چاہیے کہ دُنیا سے اس کا مقصود کیا ہے؟ اگر یہی مقصد ہے کہ اچھا کھانا کھائے تو سمجھ لے کہ وہ چوپایہ کی شکل میں آدمی ہے اس لیے کہ کھانے کی حرص چارپایوں میں ہوتی ہے اور اگر مقصد اچھے کپڑے ہیں تو گویا مَرد عورت کی شکل میں ہے اس لیے کہ آرائش صنف نازک کا کام ہے اگر مقصد یہ ہے کہ اپنا غُصّہ دشمنوں پر اتارے تو گویا درندہ ہے کہ یہ درندوں کا کام ہے اگر مقصد یہ ہے کہ لوگ اس کی خدمت کریں تو جاہل بصورتِ عاقل ہے اس لیے کہ اگر عقل مند ہوتا تو سمجھ لیتا کہ سب خدمت گزار اپنے پیٹ' خواہش اور فرج کے خادم ہیں اگر ایک دن بھی ان کا روزینہ نہ دے گا تو وہ قریب بھی نہ بھٹکیں گے تو وہ جو اس کی خدمت کرتے ہیں تو دراصل انھوں نے اپنی خواہش کا پھندا بنا رکھا ہے اور وہ جو بندگی کرتے ہیں تو اپنی ہی کرتے ہیں اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر انھیں افواہ کے طور پر معلوم ہو جائے کہ حکومت دوسرے کو مل رہی ہے تو اس سے فوراً منہ موڑ لیتے ہیں اور دوسروں کا تقرب تلاش کرنا شروع کر دیتے ہیں اور جہاں روپے کا گمان ہوتا ہے۔ وہاں بندگی اور خدمت کرتے ہیں تو فی الحقیقت یہ خدمت نہیں بلکہ اس پر ہنستا ہے۔ عاقل وہ ہے جو کاموں کی روح اور حقیقت کو دیکھے' صورت کو نہ دیکھے اور ان کاموں کی حقیقت وہی ہے جو بیان کر دی گئی جو ایسا نہ سمجھے وہ عقلمند نہیں اور نہ وہ عادل ہے اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اسی لیے کہتے ہیں کہ عقل تمام سعادتوں کی سردار ہے۔

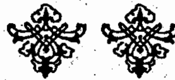
دسواں قاعدہ یہ ہے کہ حاکم پر تکبر غالب نہ ہو اس واسطے کہ تکبر کے سبب سے غُصّہ غالب آ جاتا ہے اور انتقام کی طرف مائل کرتا ہے نیز غُصّہ عقل سے انسان کو محروم کر دیتا ہے غُصّہ کے نقصانات اور اس کا علاج مہلکات کے بارے میں ہم بیان کر چکے ہیں لیکن جب تکبر غالب آ جائے تو انسان کو تمام کاموں میں عفو و درگزر کی عادت ڈالنی چاہیے اور کرم و بُردباری کو اپنا پیشہ بنا لینا چاہیے اور یہ خیال کرنا چاہیے کہ اگر میں نے اس کو پیشہ بنا لیا تو انبیاء و صحابہ اور اولیاء اُمت کے نقش قدم پر چلنے والا ہوں گا اور غُصّہ کو اپنا پیشہ بنا لیا تو احمق اور بیوقوف لوگوں کی صف میں شامل ہو جاؤں گا۔

حکایت : خلیفہ ابو جعفر نے ایک مجرم کے قتل کا حکم دے دیا۔ مبارک بن فضالہ رحمۃ اللہ علیہ تشریف فرما تھے انھوں نے ایک حدیث سننے کا فرمایا اور کہنے لگے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے جناب نبی کریم ﷺ کا ارشاد سنا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو ایک میدان میں جمع کریں گے تو ایک منادی آواز دے گا کہ جس کو اللہ کے حضور مجال ہو وہ اٹھے لیکن کوئی نہیں اٹھے گا البتہ وہ شخص جس نے خطائیں معاف کی ہوں گی وہ اٹھے گا

یہ سن کر خلیفہ نے کہا کہ اس کو چھوڑ دو میں نے اس کی خطا معاف کر دی۔ حکمرانوں کو عام طور پر غصّہ اس لیے آتا ہے کہ لوگ ان سے زُبان درازی کرتے ہیں اس وقت یہ چاہتے ہیں کہ انھیں مار ڈالیں ایسے وقت میں انھیں وہ بات یاد رکھنی چاہیے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حضرت یحییٰ علیہ السلام سے کہی تھی کہ جو کوئی تمھیں کچھ کہے لیکن سچ کہے تو شکر ادا کرو۔ جھوٹ کہے تو زیادہ شکر کرو۔ کیونکہ بغیر محنت کے آپ کے نامۂ عمل میں ایک عمل بڑھ گیا یعنی اس جھوٹ بولنے والے کی عبادت آپ کے نامۂ عمل میں فرشتے لکھ دیں گے۔ حضور علیہ السلام کے حضور ایک شخص کے متعلق لوگوں نے کہا وہ بڑا زور آور ہے۔ آپ ﷺ نے پوچھا وہ کیسا آدمی ہے لوگوں نے عرض کیا کہ جس سے کشتی لڑتا ہے اُسے گرا دیتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا زور آور وہ ہے جو اپنے غُصّہ پر قابو پالے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جب آدمی انھیں پالیتا ہے تو اس کا ایمان کامل ہو جاتا ہے جب غُصّہ آئے تو بیجا چیز کا قصد نہ کرے۔ جب خوش ہو تو کسی حق سے نہ چوکے، جب قادر ہو تو اپنے حق سے زیادہ نہ لے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کسی کے اَخلاق پر اس وقت تک اعتماد نہ کرو جب تک اس کو غُصّہ کی حالت میں دیکھ نہ لو اور کسی کے دین پر اس وقت تک اعتماد نہ کرو جب تک طمع کے وقت نہ آزمالو۔ حضرت علی بن الحسین ؒ ایک دن مسجد جا رہے تھے کہ کسی نے انھیں گالی دی تو غلاموں نے مارنے کا قصد کیا۔ آپ نے منع فرمایا اور اُس سے مخاطب ہو کر کہا کہ میاں ہمارے جو عیب تجھ سے پوشیدہ ہیں وہ اِن سے کہیں زیادہ ہیں جو تمھیں معلوم ہیں۔ اگر تمھیں کوئی حاجت ہے تو بتاؤ۔ وہ شخص از حد شرمندہ ہوا آپ نے جو لباس پہنا تھا وہ اسے دے دیا اور ہزار درہم مزید دینے کا حکم دیا۔ وہ شخص یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ بزرگ فرزند رسول ہے اور یہ بھی انھی کی حکایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے غلام کو آواز دی۔ دوسری مرتبہ پھر آواز دی اُس نے جواب نہ دیا۔ فرمایا تم سنتے نہیں۔ اُس نے کہا میں نے سنا تو ہے۔ فرمایا جواب کیوں نہیں دیا۔ اُس نے کہا کہ آپ کے حسن اَخلاق کے سبب بے خوف تھا کہ آپ مجھے سرزنش نہیں کریں گے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ میرا غلام مجھ سے بے خوف تھا۔ آپ کا ایک غلام تھا اُس نے بکری کا پاؤں توڑ ڈالا۔ آپ نے پوچھا تم نے یہ کام کیوں کیا۔ اُس نے کہا کہ میں نے ایسا قصداً کیا ہے تاکہ آپ کو غُصّہ دلاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ اب میں اسے غُصّہ دلاتا ہوں جس نے تجھے یہ کام سکھایا یعنی ابلیس کو یہ کہہ کر اس غلام کو آزاد کر دیا۔ ایک شخص نے آپ کو گالی دی آپ نے فرمایا کہ میاں میرے اور دوزخ کے درمیان یہی گھاٹی ہے اگر اس گھاٹی کو میں طے کر گیا تو جو کچھ تو کہتا ہے اس سے میں کچھ باک نہیں رکھتا اور طے نہ کر سکا تو تیری بات سے زیادہ بدتر ہوں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بردباری اور عفو کے سبب صائم الدہر اور قائم اللیل کا مقام پالیتے ہیں اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اس کا نام جبر کرنے والوں کے دفتر میں لکھا جاتا ہے حالانکہ گھر والوں کے سوا اس کی کسی پر حکومت نہیں ہوتی۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ دوزخ کا ایک ایسا دروازہ ہے جس سے صرف وہ لوگ اندر داخل ہوں گے جو خلافِ شرع غُصّہ کرتے ہیں۔ روایت ہے کہ ابلیس حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ میں آپ کو تین باتیں سکھاتا ہوں تاکہ اللہ تعالیٰ سے آپ میری مُراد مانگیں آپ نے وہ تین باتیں پوچھیں تو اُس نے کہا کہ ایک تو یہ ہے کہ غُصّہ سے پرہیز کریں کیونکہ جو تیز اور ہلکا ہوتا ہے اس سے میں ایسے کھیلتا ہوں جیسا لڑکے گیند سے کھیلتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے

کہ عورتوں سے پرہیز کریں اس لیے کہ میں نے مخلوق کے لیے جو پھندے بچھائے ہیں ان میں عورتوں کے سوا اور کسی پر مجھ کو اعتماد نہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ بخل سے بچ کر رہیں اس لیے کہ جو بخیل ہوتا ہے میں اس کا دین و دُنیا دونوں تباہ کر دیتا ہوں اور جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی پر غُصّہ نکال سکتا ہو وہ پی جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے دِل کو امن و ایمان سے بھر دیتا ہے اور جو کوئی بے ریا حق تعالیٰ کے سامنے عاجزی کی خاطر لباس فاخرہ نہیں پہنتا اللہ تعالیٰ اسے لباسِ تقویٰ پہناتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس شخص پر افسوس ہے جو غُصّہ میں آئے اور خُدا کے غُصّہ کو بھول جائے۔ ایک شخص نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی بات سکھا دیں کہ میں اس کے سبب بہشت میں چلا جاؤں۔ فرمایا غُصّہ سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ اس نے عرض کیا مزید؟ فرمایا کسی سے کچھ نہ مانگا کرو۔ مزید سوال کیا تو فرمایا کہ عصر کی نماز کے بعد ستر بار استغفار پڑھا کرو۔ اللہ تعالیٰ تیرے ستر برس کے گناہ معاف فرما دیں گے۔ اُس نے عرض کیا کہ میرے تو ستر برس کے گناہ نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا تیرے باپ کے گناہ۔ اُس نے کہا اُس کے بھی اتنے نہیں آپ ﷺ نے فرمایا تیرے مسلمان بھائیوں کے گناہ معاف فرما دیں گے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ایک دن آپ ﷺ کچھ مال تقسیم فرما رہے تھے ایک شخص نے انصاف کے اعتبار سے اعتراض کیا۔ اس شخص کا یہ قول آپ کے سامنے نقل ہوا تو آپ ﷺ غُصّہ میں آ گئے۔ چہرۂ مبارک سرخ ہو گیا لیکن آپ ﷺ نے اس سے زیادہ کوئی بات نہیں فرمائی کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے لوگوں نے انھیں اس سے زیادہ رنج دیا لیکن انھوں نے صبر فرمایا۔ حکماء اور امراء کی نصیحت کے لیے اس قدر حکایات اور احادیث کافی ہیں۔ اس واسطے کہ اصل ایمان برقرار ہو تو یہ اثر کریں گی اور اگر یہ حکایات و احادیث اثر نہ کریں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا دِل ایمان سے خالی ہو گیا ہے فقط زبانی اقرار باقی ہے ایمان کی بات جو دِل میں ہوتی ہے وہ اور ہے ایمان اور ہی چیز ہے میں نہیں جانتا کہ اس حکمران کے دِل میں ایمان کی حقیقت کیونکر رہے گی جو برس دن میں حرام کے کئی ہزار دینار حاصل کر کے اوروں کو دے دے تاکہ وہ سب دینار اس کی ضمانت میں رہیں اور قیامت میں اس سے طلب کیے جائیں حالانکہ اس کا نفع دوسروں نے حاصل کیا اور یہ نہایت غفلت اور بے ایمانی ہے وَاللّٰہ اعلمُ بالصوابِ وعندہٗ اُم الکتابِ!



تیسرا باب:

دین کی راہ میں بعض مقامات ایسے آتے ہیں جو ہلاکت کا باعث بن جاتے ہیں ان کی تفصیل کہ وہ کیا کیا ہیں؟ کتنے ہیں اور ان کا علاج کس طرح ممکن ہے؟

اس باب میں انھی چیزوں کا بیان ہے اور اس میں بھی دس فصلیں ہیں پہلی فصل نفس کی ریاضت اور بُرے اَخلاق کے علاج سے متعلق ہے دوسری فصل میں فرج و شکم اور ان کی حرص کا علاج بیان کیا گیا ہے تیسری فصل میں زُبان کی فتنہ سامانی اور اس کا علاج ہے۔ چوتھی میں غُصّہ و حسد' پانچویں میں دُنیا کی محبت کا بیان ہے اور اس بات کو ثابت کیا گیا ہے کہ دُنیا کی مُحبّت ہی تمام گناہوں کی جڑ ہے چھٹی فصل میں مال کی مُحبّت اور بخل کا ذکر ہے۔ ساتویں میں جاہ و حشمت کی مُحبّت آٹھویں میں ریا و نفاق کا علاج بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی پارسائی ظاہر کرنے کا بیان ہے جب کہ نویں فصل میں تکبر و عُجب کا علاج ہے اور دسویں میں غرور و غفلت کا بیان ہے۔ بُرے اَخلاق کی جڑیں یہی ہیں انھی سے تمام شاخیں نکلتی ہیں جو شخص ان دس گھاٹیوں کو طے کرے گا اس نے اَخلاقِ رذیلہ کی نجاست سے نہ صرف طہارت و پاکیزگی حاصل کر لی بلکہ اپنے آپ کو اس لائق بنا لیا کہ وہ حقائقِ ایمان مثلاً معرفت' محبت' توحید اور توکل وغیرہ سے آراستہ ہو۔

اس فصل نمبر ا میں پہلے تو اَخلاقِ فاضلہ کی فضیلت بیان ہو گی پھر ان کی حقیقت ذکر ہو گی پھر یہ کہ ریاضت سے اچھے اَخلاق کا حصول ممکن ہے پھر اس کا طریقہ سکھائیں گے پھر اپنے عیب پہچاننے کی تدبیر بیان کی جائے گی اس کے بعد نیک اَخلاق کی علامات اور پھر اولاد کی پرورش اور اسے ادب سکھانے کا گر بتائیں گے پھر مُرید کی ریاضت پر گفتگو ہو گی۔ وباللہ التوفیق۔

فصل : اَخلاقِ حسنہ کی فضیلت اور ان کا اَجر و ثواب

اللہ تعالیٰ نے جناب نبی کریم ﷺ کی اس حیثیت سے تعریف فرمائی ہے کہ آپ ﷺ اَخلاقِ عالیہ کے علمبردار ہیں:

﴿ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴾ (القلم) "بے شک آپؐ خلق عظیم پر پیدا کیے گئے ہیں"

اور حضرت نبی رحمت علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مکارمِ اَخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا ہے اور فرمایا کہ جو چیزیں ترازو میں تولی جائیں گی ان میں سب سے بھاری چیز اَخلاقِ حسنہ ہوں گے۔ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ دین کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اَخلاقِ عالیہ! وہ دائیں بائیں سے بار بار آ کر یہی پوچھتا رہا اور آپ یہی جواب دیتے رہے آخر میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میاں دین یہی ہے کہ تم غُصّہ میں نہ آؤ!

لوگوں نے آپ ﷺ سے بہترین اعمال سے متعلق سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھے اَخلاق بہترین اعمال ہیں۔ ایک شخص نے کچھ نصیحت کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم جہاں بھی ہو خُدا سے ڈرو۔ اُس نے عرض کیا مزید؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر بُرائی کے بعد بھلائی کرو تاکہ وہ بھلائی اس بُرائی کو مٹا دے۔ اُس نے عرض کیا کہ کچھ اور؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ خُدا کی مخلوق سے اچھے اَخلاق سے پیش آؤ۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے حسن صورت اور حسن سیرت سے نوازا وہ دوزخ میں نہیں جائے گا۔ آپ ﷺ سے لوگوں نے عرض کیا کہ فلاں عورت دن کو روزہ رکھتی ہے رات کو نماز پڑھتی ہے لیکن ہے بدخو کہ پڑوسیوں کو اپنی زبان سے رنج پہنچاتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی جگہ دوزخ ہے اور فرمایا کہ بُری عادات عبادت کو یوں ضائع کر دیتی ہیں جیسا سرکہ' شہد کو! آپ ﷺ دُعا میں عرض کرتے تھے کہ اے اللہ تو نے مجھے حسن صورت سے نوازا ہے تو حسن سیرت بھی عطا فرما اور عرض کرتے کہ اے اللہ مجھے صحت و عافیت اور نیک سیرت بخش! لوگوں نے پوچھا کہ اللہ کی عنایات میں سے بندوں کے حق میں بہترین چیز کونسی ہے تو آپ ﷺ نے جواب دیا کہ نیک اَخلاق اور فرمایا کہ نیک اَخلاق گناہوں کو یوں ختم کر دیتے ہیں جس طرح آفتاب برف کو! حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا آپ ﷺ نے فرمایا کہ کل میں نے ایک عجیب معاملہ دیکھا میں نے اپنی اُمت میں سے ایک شخص کو دیکھا جو زانو کے بل پڑا تھا اللہ تعالیٰ اور اس کے درمیان حجاب تھا اس کے نیک اَخلاق نے آکر وہ حجاب دُور کر دیا اور اس کو اللہ کے حضور پہنچا دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نیک اَخلاق کے سبب انسان صائم الدہر اور قائم اللیل کا درجہ پا لیتا ہے اور قیامت میں بڑا درجہ حاصل کر لے گا اگرچہ عبادت کم ہو۔ آپ ﷺ کا اَخلاق بہترین اَخلاق تھا۔ ایک دن عورتیں آپ ﷺ کے سامنے غل غپاڑہ کر رہی تھیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو سب بھاگ گئیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے دشمنو تم مجھ سے ڈرتی ہو رسول اللہ ﷺ سے نہیں ڈرتیں۔ انھوں نے کہا کہ تم حضور ﷺ سے بہت تند و تیز ہو۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اے ابن خطاب مجھے قسم ہے پرودگارِ عالم کی شیطان جس راہ میں تمھیں دیکھ لیتا ہے تمھاری ہیبت کے پیش نظر وہ راستہ چھوڑ کر چلا جاتا ہے۔ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نیک خو فاسق کی صحبت بدخو عالم کے مقابلہ میں مجھے پسند ہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بدخو آدمی سے راستہ میں پالا پڑا جب جدائی ہوئی تو آپ رونے لگے۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ وہ مجھ سے جدا ہو گیا لیکن اس کی خوئے بد نہ چھوٹی۔ حضرت کتانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں نیک خوئی صوفی پن ہے جو تجھ سے زیادہ نیک خو ہو وہ زیادہ صوفی ہے۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بُرے اَخلاق اتنے بُرے ہیں کہ کوئی عبادت اس شخص کو فائدہ نہیں پہنچاتی جبکہ اچھے اَخلاق والے کو کوئی گناہ نقصان نہیں پہنچاتا۔

اَخلاقِ حسنہ کی حقیقت کا بیان

اَخلاقِ حسنہ کی حقیقت و ماہیت علماء نے کئی طرح سے بیان فرمائی ہے گویا جو جس کے ذہن میں آیا وہ اس نے کہہ دیا لیکن پورا حال بیان نہیں کیا۔ چنانچہ کسی کے نزدیک تو اس کی حقیقت کشادہ روئی ہے کسی کے نزدیک دوسروں کی تکالیف اپنے اوپر سہہ لینا اور کسی کے نزدیک دشمن سے بدلہ نہ لینا اسی طرح باقی اقوال ہیں لیکن فی الحقیقت یہ چیزیں اَخلاقِ حسنہ

کی شاخیں ہیں اصل حقیقت نہیں۔ ہم بفضلہٖ اس کی حقیقت بیان کرتے ہیں۔ یہ بات تو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو چیزوں سے پیدا کیا۔ ایک جسم جسے ظاہری آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں دوسرے روح جسے چشم عقل ہی سے پہچانا جا سکتا ہے ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے خوبیاں ہیں تو بُرائیاں بھی ہیں ایک کا نام حسن خلق ہے کہتے ہیں تو ایک تو حسن خلق' جس طرح حسن خلق ظاہر سے عبادت ہے اسی طرح حسن خلق باطن سے عبارت ہے اور جس طرح ظاہری صورت محض اچھی آنکھ یا اچھے دین سے اچھی نہیں ہوتی تاوقتیکہ تمام اعضاء متناسب نہ ہوں اسی طرح باطنی صورت بھی اچھی نہیں ہوتی تاوقتیکہ اس میں چار قوتیں نہ ہوں۔ قوتِ علم' خشم' شہوت اور عدل' یعنی ان تینوں قوتوں کو اعتدال میں رکھنے کی قوت' جبکہ قوتِ علم سے مراد ہم عقل لیتے ہیں اس کا اچھاپن اس طرح ہوتا ہے کہ گفتگو میں سچ جھوٹ کی آسانی سے تمیز ہو جائے اور کردار میں نیک و بد میں اِمتیاز ہو سکے اور معتقدات میں حق و باطل کی تمیز کا ملکہ پیدا ہو سکے۔ آدمی کے دِل میں جب یہ ملکہ پیدا ہو جاتا ہے تو یہیں سے حکمت جنم لیتی ہے جو تمام سعادتوں کا منبع ہے۔

اِرشاد ربّانی ہے :

﴿ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴾ (البقرہ)

"جسے حکمت عطا فرمائی گئی اسے خیر کثیر مل گیا"

اور قوتِ غضب کی بھلائی اس طرح پر ہے کہ حکمت اور شریعت کی فرمانبرداری میں رہے اس کے حکم سے اٹھے بیٹھے جبکہ قوتِ شہوت کی بہتری کا راز اس میں ہے کہ سرکشی اختیار نہ کرے جو چیز شرعاً و عقلاً صحیح ہو اس کی تابعداری اس پر آسان ہو اور قوتِ عدل کا اُجلا پن اس میں ہے کہ غضب و شہوت کو ضبط کرے دین و عقل کے اشارہ پر ان کو رکھے۔ غضب کی مثال شکاری کتے کی سی ہے اور شہوت کی مثال گھوڑے کی جبکہ عقل کی مثال سوار کی سی ہے۔ گھوڑا کبھی تو سرکش ہوتا ہے اور کبھی فرمانبردار' کتا کبھی تو ہلا ہوا ہوتا ہے اور کبھی بگڑا ہوا جب تک کتا ہلا ہوا اور اطاعت گزار اور گھوڑا شائستہ اور فرمانبردار نہ ہو تب تک سوار کو یہ اُمید نہیں ہو گی کہ کسی شکار کو قابو کرے بلکہ اسے اپنے ہلاک ہونے کا خطرہ ہوتا ہے کہ گھوڑا گرا نہ دے اور کتا لپٹ نہ جائے اور عدل کا معنی یہ ہے کہ ان دونوں کو عقل اور دین کے تابع رکھے کبھی تو شہوت کو غُصّہ پر مسلط کر دے تاکہ اس کی سرکشی توڑی جا سکے اور کبھی غُصّہ کو شہوت پر تاکہ اس کی حرص کا علاج ہو۔ جب یہ چاروں قوتیں اس طرح ہو جائیں گی تو یہ مطلق نیک خوئی ہو گی اور اگر ان میں سے بعض اس طرح ہوں گی کہ مطلق نیک خوئی نہ ہو گی بلکہ اس کی مثال اس شخص کی طرح ہو گی جس کا کوئی عضو تو متناسب ہے اور کوئی نہیں۔ جب ان میں سے ایک قوتِ بُرائی کا شکار ہوتی ہے تو پھر بُرے آخلاق اور بُرے اعمال جنم لیتے ہیں اور ہر ایک کی بُرائی دو وجہ سے ہوتی ہے۔ ایک زیادتی کے سبب دوسرے نقص کے سبب۔ عِلم کی قوت بڑھ جائے تو اس سے مکاری اور بسیار دانی کا ادعا پیدا ہو گا اور نقص کے سبب حماقت و بے وقوفی پیدا ہو گی اور اعتدال کی شکل پیدا ہو تو اس سے اچھی تدبیر' درست رائے' صائب فکر اور صحیح فراست پیدا ہو گی۔ قوتِ غضبی حد سے بڑھ جائے تو تہور کا سبب ہو گی گھٹ جائے تو بزدلی اور کم ہمتی کا! اور جب اعتدال پر ہو تو اس کا نام شجاعت ہو گا جو عین مطلوب ہے شجاعت سے کرم' عالی ہمتی' دلیری' حلم و بردباری' آہستگی' غُصّہ کو پی جانا جیسی صفات پیدا ہوتی ہیں اور تہور سے کبر' عجب' لاف زنی' پہلوانی'

اپنے آپ کو خطرناک کاموں میں ڈالنا جیسی عادتیں جنم لیتی ہیں اور بزدلی سے اپنے کو ذلیل کرنا بیچارگی و خوشامد پیدا ہوتی ہیں۔ قوتِ شہوت افراط سے ہو تو اسے حرص کہتے ہیں جس سے شوخی' پلیدی' بے مروتی' ناپاکی' امراء کے سامنے ذلت برداشت کرنا' فقراء کو حقیر جاننا اور اس جیسی عادات پیدا ہوتی ہیں جب کہ تفریط سے سستی' نامردی' بے قراری پیدا ہوتی ہے اعتدال ہو تو عفت کا باعث ہے جس سے شرم' قناعت' سہل گیری' صبر' ظرافت اور موافقت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ ان قوتوں میں سے ہر ایک کے دو کنارے ہیں جو بہرحال برے ہیں جبکہ ان کا وسط صحیح اور مطلوب ہے ان دونوں کناروں میں جو وسط ہے وہ بال سے زیادہ باریک ہے اور وہی صراطِ مستقیم ہے باریکی کے اعتبار سے صراطِ آخرت کی مانند ہے جو یہاں سیدھا چلتا ہے وہ اگلے جہان میں بے خوف پل صراط سے گزر جائے گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ہر کام میں "وسط" کا حکم دیا ہے اور دونوں کناروں سے منع کیا ہے مثلاً خرچ کے باب میں فرمایا :

﴿ وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا ﴾ (الفرقان)

"اللہ کے بندے وہ ہیں جو خرچ کرتے ہوئے نہ تو اسراف کرتے ہیں نہ بالکل تنگی بلکہ بین بین چلتے ہیں"

اور حضور علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا :

﴿ وَلاَ تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلاَ تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ ﴾ (بنی اسرائیل)

"نہ تو اپنے ہاتھوں کو اپنی گردن سے باندھ لو (کہ کچھ بھی نہ دو) اور نہ ہی پوری طرح کھول دو (کہ سب کچھ لٹا دو)"

تو یاد رکھو کہ اصل نیک خوئی وہ ہے جس میں اعتدال ہو جیسے اصل خوبصورتی وہ ہے جس میں تمام اعضاء متناسب ہوں۔

اس نقطۂ نظر سے مخلوق کے چار گروہ ہیں ایک تو وہ طبقہ جس میں یہ تمام بھلائیاں بطریق اتم موجود ہوں۔ سب لوگوں کو ایسے سعادت مند افراد کی پیروی کرنی چاہیے۔ یہ کمال صرف محمد عربی ﷺ کو نصیب ہوا جیسے اپنے دور میں حضرت یوسف علیہ السلام حسن کا مرقع تھے دوسری قسم وہ ہے کہ کسی شخص میں یہ تمام برائیاں بطریق کمال موجود ہوں اور وہ محض برا ہو۔ ایسے لوگوں کو اپنے درمیان سے نکال دینا چاہیے کیونکہ ایسے اشخاص شیطان کی مانند پاس رہتے ہیں۔ تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جو ان دونوں درجوں کے بین بین ہوں لیکن اچھائی غالب ہو چوتھے اس کے برعکس جو برائی کے نزدیک تر ہوں۔ جیسے خوبصورتی میں کمال خوبی اور کمال زشتی کمتر ہوتی ہے اکثر وسط کا مرتبہ ہی ہوتا ہے ویسا ہی نیک سیرتی کا حال ہے تو ایک اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ اگرچہ کمال کے درجہ کو نہ پہنچے لیکن اس سے نزدیک تر ہو جائے اور اس کے سب اَخلاق اچھے نہ ہوں تو اکثر تو ہو جائیں نیک اَخلاق کے پورے معنی یہی ہیں اور یہ نہ ایک چیز ہے نہ دس نہ سو بلکہ بے شمار ہیں لیکن علم' غضب' شہوت اور عدل کی قوت ان کی جڑ ہے باقی سب شاخیں۔

فصل : اچھے اَخلاق پیدا کرنا ممکن ہیں

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ظاہری صورت جس طرح اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے وہ اسی طرح رہتی ہے بدلتی نہیں مثلاً کسی طریقہ سے ٹھگنا قد لمبا ہو جائے یا لمبا پست ہو جائے۔ یا بدصورت خوبصورت یا خوبصورت بدصورت ہو جائے ممکن

نہیں۔ اسی طرح انسانی اَخلاق جو باطن کی تصویر ہیں وہ بھی نہیں بدلتے لیکن اَخلاق کے معاملہ میں یہ مقولہ صحیح نہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو کسی کو ادب سکھانا' کسی پر محنت کرنا اور نصیحت کرنا سب فضول ہوتا حالانکہ حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے :

((حَسِّنُوا اَخلَاقَکُمْ)) "اپنی عادات کو خوبصورت بناؤ"۔

یہ بات اس لیے محال نہیں کہ آدمی محنت کر کے جانور تک کو تو سدھا لیتا ہے۔ اس لیے اَخلاق کو ظاہری شکل و صورت پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ تمام کاموں کی دو قسمیں ہیں ایک تو وہ جن میں انسان کے اختیارات کو دخل نہیں جیسے چھوہارے کی گٹھلی سے سیب پیدا کرنا' کیونکہ یہ ناممکن ہے لیکن اس گٹھلی سے چھوہارے کا درخت تو ممکن ہے آدمی جب محنت کرے اور اس کی نگہداشت و تربیت کرے تو یہ بات عین ممکن ہے۔ اسی طرح غصے اور شہوت کی جڑ کو کہ اپنے اختیار سے اُکھاڑ پھینکنا ممکن نہیں لیکن ریاضت اور محنت سے اسے اعتدال پر لانا بالکل ممکن ہے اور یہ بات تجربہ سے ثابت ہے البتہ بعض لوگوں کے حق میں یہ بہت دشوار ہوتا ہے اور اس دشواری کے دو سبب ہیں ایک تو یہ کہ اصل خلقت میں ہی غُصّہ اور شہوت بہت قوی ہو دوسرے یہ کہ آدمی ایک مدت تک ان کا تابع فرمان رہا ہو اور اس طرح وہ عادات پختہ ہو گئی ہوں۔ اس معاملہ میں لوگوں کو چار قسموں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

پہلی قسم تو یہ ہے کہ آدمی ایسا سادہ دِل ہو کہ اسے نیک و بد کی شناخت ہی نہ ہو' اس نے اچھے اور بُرے کاموں کی عادت ہی نہ ڈالی ہو۔ اس قسم کا انسان نصیحت و تربیت کا اثر جلدی قبول کر لیتا ہے لیکن ایسے افراد کے لیے ایسے مربی کی ضرورت ہوتی ہے جو تعلیم و تربیت کا کام کرے' بُرے اَخلاق کی تباہ کاریوں سے انھیں آگاہ کرے۔ تمام بچے ابتدا میں ایسے ہی ہوتے ہیں والدین ان کے حق میں رہنما ہوتے ہیں لیکن اکثر والدین انھیں دُنیا کا لالچی اور حریص بنا دیتے ہیں اور انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ جیسے چاہیں زندگی بسر کریں جبکہ ان کے دین و اَخلاق کی حفاظت ماں باپ کے ذمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

﴿ قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا ﴾ (التحریم)

"تم لوگ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ"۔

دوسری قسم یہ ہے کہ آدمی فی الحال بدعقیدگی کا شکار نہ ہوا ہو لیکن بُرے اَخلاق و عادات کا عادی ہو اور یہ جانتا ہو کہ یہ کام ناکردنی ہیں اس کا راہِ راست پر لانا ذرا مشکل کام ہے ایک تو یہ بات اس کے لیے ضروری ہے کہ بُری عادات اس سے دُور کی جائیں دوسری یہ کہ اس میں خیر و صلاح کا بیج بوئیں تاہم اگر اُس نے از خود جدوجہد شروع کر دی تو وہ جلدی راہِ راست پر آ جائے گا۔

تیسری قسم یہ ہے کہ آدمی بُرائی کا خوگر ہو گیا ہے لیکن اسے یہ نہ معلوم ہو کہ یہ کام کرنا بُرا ہے بلکہ وہ کام اسے اچھا لگتا ہے ایسا آدمی بہت کم اثر لیتا ہے۔ چوتھی قسم یہ ہے کہ باوجود بُرائی وہ شخص اس بات پر فخر کرے جیسے بعض لوگ لاف زنی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم نے اتنے آدمیوں کو قتل کیا اور اتنی شراب پی ایسے لوگوں پر آسمانی سعادت کا نزول ہو جائے تو الگ بات ہے ورنہ کھیر بہت ٹیڑھی ہے۔

علاج کا طریقہ

جو شخص بُرے اَخلاق سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہے اس کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ بُرے اَخلاق جس طرف لگانا چاہیں اس کے خلاف انسان عملدر آمد کرے کیونکہ مخالفت ہی خواہشات کا صحیح معنوں میں قلع قمع کرتی ہے اور ضد ہی اصل علاج ہے جس طرح گرمی سے پیدا ہونے والی بیماری کا علاج سردی ہے اسی طرح جو بیماری غُصّہ سے پیدا ہو اس کا علاج بردباری ہے اور جو تکبر سے پیدا ہو اس کا علاج فروتنی ہے بُخل سے پیدا ہونے والی بیماری کا علاج خرچ کرنا ہے الغرض جو شخص نیک کاموں کی عادت ڈالے گا اس میں اچھے اَخلاق پیدا ہو جائیں گے اور شریعت نے نیک کاموں کا جو حکم دیا ہے اس کا راز یہی ہے کہ دِل نیک اوصاف کی طرف پھر جائے اور آدمی جب تکلف سے کسی چیز کی عادت ڈالتا ہے تو وہ اس کی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے۔ ابتداء میں لڑکا تعلیم اور مکتب سے بھاگتا ہے لیکن زبردستی اس کو بھیجتے ہیں تو اس کی عادت بن جاتی ہے۔ حتیٰ کہ بڑا ہو کر اسے علم میں ہی مزا آتا ہے اور پھر وہ اسے چھوڑ نہیں سکتا۔ تجربہ یہ ہے کہ جو شخص کبوتر اُڑانے' شطرنج اور جوا کھیلنے کی عادت ڈال لیتا ہے تو وہی اس کی عادت بن جاتی ہے پھر وہ دُنیا بھر کی آسائشیں اسی پر خرچ کر دیتا ہے اور اس سے دست بردار نہیں ہوتا حتیٰ کہ بہت سی چیزیں جو طبیعت کے خلاف ہوتی ہیں وہ عادت کے سبب موافق بن جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ بعض آدمی ایسے بھی ہوتے ہیں کہ چوری کر کے بید کھاتے ہیں' ہاتھ کٹواتے ہیں لیکن اسی پر فخر کرتے ہیں۔ ہیجڑے اپنے ذلیل کام کو جاننے کے باوجود آپس میں فخر کرتے ہیں بلکہ جو شخص حجام اور خاکروب وغیرہ کو دیکھے وہ معلوم کرے گا کہ وہ اپنے اپنے پیشوں پر اسی طرح فخر کرتے ہیں جس طرح علماء و سلاطین اور یہ سب باتیں عادت کے سبب ہیں بلکہ جو شخص مٹی کھانے کی عادت بنا لیتا ہے وہ اس کے بغیر صبر نہیں کر سکتا اور اسے بیماری یا ہلاکت کا کوئی اندیشہ نہیں ہوتا۔

الغرض خلاف طبع چیزیں عادت کے سبب جب طبیعت میں رچ بس جاتی ہیں تو ایسی چیزیں جو طبیعت کے موافق ہوں اور دِل کے لیے کھانے پینے کی مانند ہوں ان کا طبیعت میں بس جانا بہت آسان ہے کیونکہ یہ باتیں مقتضائے طبیعت ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اطاعت اور غصے اور خواہش کو زیر کرنا انسانی طبیعت کا جب تقاضا ہے تو ذرا سی محنت سے کام آسان ہو جائے گا کیونکہ یہ باتیں فرشتوں کی اصل سے ہیں اور یہی چیزیں اس کی غذا ہیں۔ ان کے برخلاف جن چیزوں کی عادت پڑ گئی ہے اس کا سبب بیماری یا بگڑی ہوئی غذا ہے۔ بیمار آدمی معقول اور اچھی غذا سے دُور بھاگتا ہے اور مضر اشیاء کا اسے لالچ ہوتا ہے۔ اسی طرح جو شخص اللہ تعالیٰ کی معرفت و اطاعت کے سوا کسی اور کو دوست رکھتا ہے اس کا دِل بیمار ہو جاتا ہے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ﴾ (البقرہ) "ان کے دِلوں میں بیماری ہے"۔

اس کے برعکس جو دِل صحیح و تندرست ہوتا ہے اسے اللہ کی بارگاہ میں مقبولیت حاصل ہوتی ہے اِرشادِ ربّانی ہے:

﴿ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴾

"ہاں وہ شخص جو اللہ کے یہاں قلب سلیم لے کر آیا (وہ کامیاب ہے)"۔

تو جس طرح بیمار بدن کو اس جہان میں ہلاکت کا خطرہ ہے اسی طرح بیمار دِل کو اُس جہان میں بربادی کا خطرہ ہے۔ جسمانی مریض کی صحت کا راز اس میں ہے کہ وہ طبیب کے مشورہ کے مطابق اپنے نفس کے خلاف کڑوی دوائیں کھائیں اسی طرح دِل کو بھی صاحب شرع کی تدابیر پر عمل کرنا ہو گا اور وہ تدبیر یہی ہے کہ نفسانی خواہشات کی مخالفت کی جائے —— الغرض جسم و روح دونوں کی بیماری کے علاج کا ایک ہی انداز و طریق ہے۔ جس طرح گرمی کے لیے سردی اور سردی کے لیے گرمی موافق آتی ہے اسی طرح جس شخص پر تکبر غالب ہو گا وہ فروتنی سے شفا پائے گا اور اگر فروتنی غالب آ کر خساست کے درجہ پر پہنچ گئی تو اسے تکبر سے شفا نصیب ہو گی۔

معلوم ہوا کہ نیک اَخلاق کے تین سبب ہیں ایک تو اصل خلقت' یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و انعام ہے کہ کسی کو بنیادی طور پر سخاوت و فروتنی وغیرہ کی صفات سے مالا مال کر دیا۔ دوسرا یہ کہ تکلف سے نیک کام اختیار کئے جائیں حتیٰ کہ اسے نیک کاموں کی عادت ہو جائے۔ تیسرا یہ کہ کچھ لوگوں کو نیک افعال اور خوش اَخلاق دیکھے تو ان کی صحبت اختیار کرے تو از خود ہی طبیعت ان کے اَخلاق اپنانے پر آمادہ ہو جائے ممکن ہے کہ وہ اس سے بے خبر ہو لیکن بے شعوری میں بھی ایسا ہو جاتا ہے۔

اور جس شخص کو یہ تینوں سعادتیں حاصل ہوں وہ کمال درجہ کا سعید و نیک بخت ہے اور جو تینوں قسم کی سعادتوں سے محروم ہو وہ انتہا درجہ کا بدبخت ہے تاہم اس سعادت و شقاوت کے درجات بھی مختلف ہوتے ہیں جن کا مدار انسانوں کی سعادت و شقاوت پر ہوتا ہے۔

﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴾ (زلزال)

"جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہو گی وہ بھی دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہو گی وہ بھی دیکھ لے گا"

فصل : یاد رکھیں کہ عمل ہوتے تو ظاہری اعضاء سے ہیں لیکن اس سے مقصد دِل کا پھرنا ہے لیکن اس جہان کا سفر دِل ہی سے متعلق ہے اس لیے دِل کو صاحب جمال و صاحب کمال ہونا چاہیے تاکہ وہ بارگاہ الٰہی کے قابل ہو سکے اور آئینہ کی طرح ہموار اور بے رنگ ہو تاکہ اس میں ملکوتی صورتیں نظر آ سکیں اور وہ ایسا جمال دیکھے کہ جس جنت کی صفت سنی ہے وہ اس کے مقابلہ میں حقیر اور ناچیز ثابت ہو جائے گو کہ اس عالم میں بدن کو بھی حصہ نصیب ہو گا لیکن دِل بہرحال اصل ہے اور بدن اس کا تابع! دِل اور بدن جدا جدا ہیں کہ دِل کا تعلق عالم ملکوت سے ہے اور بدن کا تعلق عالم شہادت سے! اگرچہ بدن دِل سے جدا ہے مگر دِل کو اس کے ساتھ ایک علاقہ و تعلق ضرور ہے وہ یہ کہ جو نیک عمل بدن سے ہوتا ہے اس کے سبب دِل میں ایک نور پیدا ہوتا ہے اور جب بُرا عمل ہوتا ہے تو دِل میں ظلمت پیدا ہوتی ہے۔ نور تخم سعادت ہوتا ہے اور ظلمت تخم شقاوت! اسی تعلق کے پیش نظر آدمی کو دُنیا میں لایا گیا ہے کہ اس بدن سے ایسا پھندا اور آلہ بنائے کہ اسے صفت کمال حاصل ہو جائے۔

کتابت دِل کی صفت ہے لیکن کتابت کرنا انگلیوں سے متعلق ہے اگر کوئی شخص چاہے کہ اس کا خط اچھا ہو جائے تو اسے بہ تکلف اچھا لکھنا پڑے گا یہاں تک کہ اچھا خط اس کے دِل میں نقش ہو جائے جب نقش ہو گیا تو اس کی انگلیاں اس صورت کو دِل سے لے کر لکھنا شروع کر دیں گی۔ اسی طرح نیک کام سے دِل نیک اَخلاق حاصل کرتا ہے اور جب

نیک اَخلاق دِل میں رچ بس جاتے ہیں تو پھر کام بھی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ اس لیے تکلف سے نیک اعمال کرنا تمام سعادتوں کی بنیاد ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ دِل نیک صفات حاصل کرلیتا ہے پھراس کا نور چھم چھم برستا ہے اور جو نیک اعمال پہلے تکلف سے ہوتے تھے اب طبیعت اور رغبت سے ہونے لگتے ہیں اور اس کا راز اس تعلق میں مضمر ہے جو دِل اور بدن میں ہے اسی لیے جو فعل غفلت سے ہوتا ہے وہ حقیر و ناچیز ہوتا ہے کیونکہ دِل اس سے غافل رہتا ہے۔

فصل : جس مریض کو نمونیہ کی تکلیف ہو اس کے لیے یہ مناسب نہیں کہ جو گرم چیز ملے اور جس مقدار میں ملے کھا لے کیونکہ اس سے بھی تکلیف کا خطرہ ہے بلکہ گرم چیز کے استعمال کے لیے کانٹا باٹ مقرر ہے جس سے وزن کر کے استعمال کیا جاتا ہے اور مقصد یہ ہونا چاہیے کہ مزاج میں اعتدال آ جائے جب اعتدال آگیا تو علاج چھوڑ دینا چاہیے اور پھراس اعتدال کی حفاظت کرنے کی کوشش ہونی چاہیے جس کا عام طریق یہ ہے کہ معتدل چیزیں استعمال کرے۔ اسی طرح انسانی اُخلاق دو اطراف اور ایک وسط رکھتے ہیں۔ ایک طرف مذموم ہے تو دوسری طرف محمود اور وسط معتدل ہے۔ یہی اعتدال مقصود ہوتا ہے مثلاً بخیل سے مال خرچ کرنے کا مطالبہ اس وقت تک ہو گا جب تک مال دینا آسان ہو۔ اس قدر کا مطالبہ نہیں ہو گا جس سے اسراف کی حد تک پہنچ جائے اس لیے کہ اسراف تو مذموم ہے جس طرح بدن کے علاج کی ترازو عِلمِ طب ہے اسی طرح دِل کے علاج کی ترازو عِلمِ شرع ہے تو آدمی کو ایسا ہونا چاہیے کہ جو کچھ شریعت نے دینے کا حکم دیا ہے اس کا دینا اس پر آسان ہو اسے رکھ چھوڑنے اور اس میں بخل کی خواہش نہ ہونی چاہیے اور جس چیز کے رکھ چھوڑنے کا شریعت نے حکم فرمایا ہے اس کو دینے کی خواہش نہ ہو تاکہ حد اعتدال پر رہے اور اگر اس میں اس حکم شریعت کے تعمیل کی خواہش اور رغبت نہیں مگر تکلف سے کرتا ہے تو ابھی بیمار ہے لیکن بہرحال محمود ہے کہ دوا کھاتا تو ہے اگرچہ تکلف سے کھاتا ہے کیونکہ یہ تکلف اس کی اصلاح کے لیے ضروری ہے۔

اسی لیے جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم خوشی سے بجالاؤ اگر نہ ہو سکے تو جبر سے بجالاؤ کہ اس میں بھی نیکی ہے جو شخص مال تکلف سے خرچ کرتا ہے وہ سخی نہیں سخی وہ ہے جس کے لیے مال دینا آسان ہو اور جو شخص تکلف سے مال رکھ چھوڑے وہ بخیل نہیں بلکہ بخیل وہ ہے کہ مال رکھنا اس کی عادت بن جائے۔ اس لیے آدمی کو چاہیے کہ اس میں تکلف نہ رہے اور تمام اخلاق طبیعت ثانیہ بن جائیں۔ بلکہ کمال تو یہ ہے کہ آدمی اپنی لگام شریعت کے ہاتھ میں دے دے اور شریعت کی تابعداری اس پر آسان ہو جائے اور اس کے دِل میں کوئی جھگڑا باقی نہ رہے۔

ارشادِ ربانی ہے :

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ ﴾

"اے محمد ﷺ یہ لوگ اس وقت تک کمالِ ایمان والے نہیں ہو سکتے جب تک اپنی لڑائی میں آپؐ کو اپنا حاکم نہ بنائیں اور آپؐ کے فیصلوں سے اپنے دِل میں گرانی محسوس نہ کریں"۔

اس میں ایک راز ہے گو کہ اس کتاب میں وہ راز بیان کرنے کی گنجائش نہیں لیکن پھر بھی اشارہ کیا جائے گا۔

آدمی کی سعادت یہ ہے کہ وہ فرشتوں کی صفت سے متصف ہو جائے۔ اس لیے کہ اس کا اصل تعلق ان ہی سے

ہے اور وہ اس دُنیا میں مسافر ہے اور عالمِ ملائکہ اس کا معدنِ اصلی ہے اور جو اجنبی یہاں سے لے جائے گا وہ اسے فرشتوں سے دُور رکھے گی اس لیے اسے چاہیے کہ جب وہاں جائے تو فرشتوں کی صفت سے متصف ہو اور یہاں کوئی اجنبی صفت ساتھ نہ لے جائے اور جس شخص کو مال رکھ چھوڑنے کی حرص ہوتی ہے وہ مال کے ساتھ مشغول ہو جاتا ہے اور جس کو خرچ کی حرص ہے وہ بھی مال کے ساتھ مشغول ہے اور جو تکبر کا حریص ہے وہ مخلوق کے ساتھ مشغول ہے اور ملائکہ نہ مال کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں نہ مخلوق کے ساتھ بلکہ وہ حضرت حق کے عشق کے سوا کسی چیز کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے اس لیے مال اور مخلوق سے آدمی کا دِل الگ تھلگ رہنا چاہیے تاکہ ان سے بالکل پاک ہو جائے اور جس صفت سے بالکل پاک ہونا ممکن نہ ہو تو چاہیے کہ اس کے وسط پر قناعت کرے تاکہ من وجہ دونوں اطراف سے خالی رہے جس طرح پانی گرمی اور سردی سے خالی نہیں جب معتدل اور تازہ سا ہو تو وہ گویا دونوں سے خالی ہے تو ہر صفت میں وسط اور اعتدال کا جو حکم ہے وہ اسی راز کے سبب ہے تو انسان کو دِل پر نظر رکھنی چاہیے تاکہ سب سے ٹوٹ کر اللہ کی محبّت میں ڈوب جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ ﴾ (الانعام) "تم کہو اللہ پھر ان کو (باقی کو) چھوڑ دو"۔

لا الٰہ الا اللہ کی حقیقت یہی ہے اور چونکہ ممکن نہیں کہ آدمی تمام آلائش سے پاک ہو اس لیے فرمایا :

﴿ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴾ (مریم)

"اور تم میں سے ہر شخص اس پر سے گزرنے والا ہے تیرے ربّ کا یہ وعدہ طے شدہ ہے"

اس سے معلوم ہوا کہ سب ریاضتوں کی انتہا اور سب مشقتوں کی غایت اور مقصود یہ ہے کہ آدمی توحید کے مرتبہ کو پہنچ جائے اسی کو دیکھے اسی کو پکارے۔ اسی کی بندگی کرے اس کے سوا کسی کی خواہش دِل میں نہ رکھے جب آدمی ایسا ہو گیا تو اس نے اَخلاقِ عالیہ حاصل کر لیے بلکہ وہ بشریت سے مقامِ حقیقت تک پہنچ گیا۔

فصل : ریاضت بڑا مشکل کام اور بہت کٹھن بات ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ جان کندن ہے لیکن اگر اچھا طبیب اور اچھی دوا میسر آ جائے تو پھر معاملہ آسان ہو جاتا ہے اور طبیب یعنی مُرشد کا کمال یہ ہے کہ مُرید کو پہلے ہی موقعہ پر حقیقت کی طرف نہ بلائے کہ وہ اس کی طاقت نہیں رکھتا اس لیے کہ اگر کوئی شخص لڑکے سے کہے کہ تم مکتب جایا کرو تاکہ تمھیں تعلیم کے بعد حکومت مل جائے تو وہ خاک نہیں سمجھے گا کہ حکومت کیا ہوتی ہے بلکہ اسے یوں کہنا چاہیے کہ مدرسہ جاؤ تو شام کو تمھیں گیند بلا ملے گا یا کوا طوطا خرید کر دیا جائے گا تو ان چیزوں کے لالچ میں وہ ضرور مدرسہ جائے گا۔ جب وہ ذرا بڑا ہو جائے تو اچھے کپڑے اور زیبائش و آرائش کی ترغیب دینی چاہیے تاکہ وہ کھیل سے باز آ جائے جب اور بڑا تو پھر سرداری اور ریاست کا وعدہ کرنا چاہیے اور ریشمی کپڑوں سے منع کرنا چاہیے کہ یہ عورتوں کا شعار ہے جب اس سے بھی بڑا ہو جائے تو پھر اسے بتلایا جائے کہ سرداری اور حکومت سب بے اصل چیزیں ہیں۔ مرنے سے سب فنا ہو جائیں گی اس لیے اسے دائمی بادشاہی کی طرف رغبت دلائی جائے۔ اسی طرح مُرید کا معاملہ ہے ممکن ہے وہ ابتدا میں کمالِ خلوص پر قادر نہ ہو تو اسے یہ اجازت دینا چاہیے کہ بھیا ریاضت کرو تاکہ لوگ تمھیں اچھا جانیں اِس طرح رِیا کی آرزو میں پیٹ اور مال کا لالچ اس سے ختم ہو جائے گا جب اس سے ذرا فراغت ہو اور اُس میں کچھ رعونت پیدا ہو جائے تب

رعونت کا لالچ اس طرح چھڑائے کہ اس سے کہے کہ بازار میں مانگ تانگ کر وقت پورا کرو جب اس میں دِل لگ جائے تو اُس سے منع کر کے اور ذلیل کاموں مثلاً پاخانہ وغیرہ صاف کرنے میں لگا دے گویا اسی طرح بتدریج علاج کیا جائے سب چیزوں کا ایک بار ہی حکم نہ کر دے کہ وہ اس کی تاب نہ لا سکے گا اور نیک نامی کے لالچ میں سب رنج و محنت اُٹھانا اس کے لیے آسان ہو جائے گا۔ اِن سب صفات کی مثال تو سانپ بچھو کی ہے اور رِیا کی مثال اژدہا کی ہے جو سب کو نگل جاتا ہے اور تمام بُری صفات کے بعد جو صفت صدیقین سے دفع ہوتی ہے وہ رِیا ہے۔

نفس کے عیب اور دِل کی بیماری پہچاننے کی تدبیر

تندرستی اور ہاتھ پاؤں آنکھوں وغیرہ کی صحت اس سے معلوم ہوتی ہے کہ جس کو جس مقصد کی خاطر پیدا کیا ہے وہ اس پر بخوبی قادر ہو مثلاً آنکھ بخوبی دیکھے پاؤں خوب چلیں اسی طرح دِل کی درستگی اور صحت اس سے معلوم ہو گی کہ جو اس کی خاصیت ہے اور اسے جس واسطے پیدا کیا گیا ہے وہ اس پر آسان ہو اور جو اصل خلقت میں دِل کی طبیعت ہے اسے دوست رکھتا ہو اور یہ بات دو چیزوں سے ظاہر ہوتی ہے ایک تو ارادت سے اور ایک قدرت سے' ارادت تو یہ ہے کہ کسی چیز کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ دوست نہ رکھے کیونکہ اللہ کی معرفت دِل کی غذا ہے جیسے کھانا بدن کی غذا ہے اور جس بدن سے کھانے کی خواہش بالکل جاتی رہے یا کم ہو جائے وہ بیمار ہے اسی طرح جس دِل سے اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت بالکل جاتی رہے یا کم ہو جائے وہ دِل بھی بیمار ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآءُكُمْ ﴾ (توبہ)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اگر والدین' اولاد' بھائی' بیوی' کنبہ' مال' تجارت اور محلات وغیرہ کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ عزیز رکھتے ہو تو حکم الٰہی کا انتظار کرو۔ اور قدرت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اس پر آسان ہو گئی اپنے اوپر جبر کر کے اس کی اطاعت نہ کرے بلکہ اس کی لذت اور ذوق پیدا ہو گیا ہو جیسا کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے :

((جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ))

"میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے"

جب کوئی شخص اپنے اندر یہ بات نہ پائے تو اسے سمجھنا چاہیے کہ اس کا دِل بیمار ہے اس لیے اس کو علاج میں مشغول ہونا چاہیے ممکن ہے کہ وہ اس بات کو پہچان لے کہ میں بُری عادت کا شکار ہو گیا ہوں اور ایسا بھی ممکن ہے کہ نہ پہچانے کیونکہ اپنے عیب کے اعتبار سے آدمی اندھا ہوتا ہے۔ آدمی اپنے عیب کو چار طریقوں سے جان سکتا ہے ایک تو یہ کہ مرشد کامل کی خدمت میں بیٹھے تاکہ وہ اس کے عیوب کو دیکھ کر اسے بتلا سکے۔ یہ بات اس دور میں نادر و مشکل ہے۔ دوسرا طریق یہ ہے کہ کسی مہربان دوست کو اپنا نگہبان بنائے جو چکنی چپڑی باتیں کر کے اس کے عیب چھپائے نہیں اور حسد کے سبب بڑھائے نہیں۔ بلکہ جو حقیقت ہو وہ بیان کر دے یہ بات بھی اس دور میں کم ہے۔ حضرت داؤد طائی قدس سرہٗ سے لوگوں نے کہا کہ آپ لوگوں میں کیوں نہیں بیٹھتے؟ فرمایا کہ میں ایسے لوگوں میں بیٹھ کر کیا کروں جو میرا

عیب مجھ پر ظاہر نہ کریں تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اپنے حق میں دشمن کی بات سنے کیونکہ اس کی نظر ہمیشہ عیب پر جاتی ہے گو کہ وہ دشمنی کے سبب مبالغہ کرے گا لیکن اس میں سے سچ تلاش ہو سکتا ہے۔ چوتھا طریقہ یہ ہے کہ دوسرے لوگوں پر نظر رکھے جس میں جو عیب نظر آئے اس سے خود بچے اور اپنے اوپر یہ گمان کرے کہ میں بھی ایسا ہی ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو ادب کس نے سکھایا؟ آپ نے فرمایا کسی نے نہیں البتہ میں نے جو بری بات کسی میں دیکھی اس سے احتراز کیا۔

یاد رکھو جو شخص بڑا احمق ہوتا ہے وہ اپنے حق میں بہت نیک گمان رکھتا ہے اور عقلمند اپنے آپ سے بدگمان ہوتا ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقوں کے بھید تم سے ذکر کیے تھے تم نے میرے اندر نفاق کی کونسی نشانی دیکھی؟ (اللہ اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فروتنی کہ انھیں اپنے آپ کی کس قدر فکر تھی) اصل بات یہ ہے کہ ہر کسی کو اپنے عیوب کی فکر کرنی چاہیے کیونکہ جو شخص بیماری کو نہیں پہچانے گا علاج کس طرح کرے سکے گا اور تمام علاج شہوت کی مخالفت سے ہوتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴾ (النازعات)

"جس نے نفس کو خواہشات سے روکا اس کا ٹھکانہ جنت ہے"

حضور علیہ السلام جہاد سے واپس تشریف لاتے تو صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرماتے :

﴿ رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ ﴾

"ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف واپس پلٹے ہیں"

صحابہ رضی اللہ عنہم پوچھتے بڑا جہاد کیا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے جہاد بالنفس۔ اور فرمایا کہ اپنے رنج کو اپنے نفس سے باز رکھ اور خدا کی نافرمانی میں اس کی خواہش پوری نہ کر کہ وہ کل صبح قیامت میں تیرے ساتھ جھگڑے اور تجھ پر لعنت کرے حتیٰ کہ تیرے اعضا ایک دوسرے پر لعنت کریں۔

حضرت حسن بصری قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ نفس کو لگام دینا کسی منہ زور جانور کو لگام دینے سے زیادہ بہتر ہے۔ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شہد میں اخروٹ ڈبو کر کھانے کو چالیس برس سے نفس کا تقاضا ہے لیکن میں نے پورا نہیں کیا۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں کوہ لکام میں جاتا تھا وہاں انار بہت تھے جب دل میں خواہش پیدا ہوئی تو میں نے ایک انار توڑا لیکن وہ بہت ترش تھا۔ اسے پھینک کر چلا آیا ناگہانی ایک صاحب کو دیکھا جسے بھڑوں نے گھیرا ہوا ہے اور وہ اسے کاٹ رہی ہیں۔ میں نے اسے سلام کہا اُس نے میرا نام لے کر جواب دیا تو میں نے پوچھا کہ تم نے مجھے کیسے پہچانا۔ اُس نے کہا کہ جو اللہ کو پہچان لیتا ہے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں رہتی۔ میں نے کہا تم بھی اللہ کے مقرب ہو انار کی خواہش ختم ہونے کی دعا کیوں نہیں کرتے کیونکہ انار کی خواہش کا گھاؤ اگلے جہان میں ہو گا اور بھڑوں کا زخم یہیں تک ہے۔

برادر! انار مباح ہے لیکن اہل احتیاط کے نزدیک حلال و حرام کی خواہش یکساں ہے اگر کوئی شخص اپنے نفس پر حلال

خواہشات کا سدباب نہیں کرے گا اور بقدرِ کفایت پر قناعت نہیں کرے گا تو کل کلاں نفس حرام کا بھی طالب ہو گا۔ اس لیے مباحات کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لو تاکہ حرام کی خواہش سے نجات ملے۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ حرام میں مبتلا ہونے کے خوف میں ستر بار حلال سے ہاتھ کھینچتا ہوں۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ انسانی نفس جب مباح چیزوں سے مزا پاتا ہے تو دُنیا کی محبت پیدا ہوتی ہے اور دِل اس میں اٹک جاتا ہے پھر دُنیا اس کی جنت بن جاتی ہے اور موت دُشوار ہو جاتی ہے۔ فرطِ مسرت اور غفلت دِل میں پیدا ہو جاتی ہے پھر اگر ذکر اور مُناجات بھی کرتا ہے تو اس کی حلاوت اور لذت سے محروم رہتا ہے۔ اگر مباح چیزوں سے نفس کو روکے تو شکستہ اور ملول ہوتا ہے دُنیا سے نفرت کرتا ہے۔ آخرت کی نعمتوں کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ رنج اور شکستگی کے وقت ایک تسبیح دِل میں اتنا اثر کرتی ہے جتنا خوشی اور آسائش کے وقت سو تسبیحات بھی اثر نہیں کرتیں۔ نفس کی مثال باز جیسی ہے اسے مودب بنانے کے لیے گھر میں لاتے ہیں اس کی آنکھیں سیتے ہیں تاکہ گھر کے اثاثہ اور سامان خورد و نوش سے اسے کوئی سروکار نہ رہے پھر اسے تھوڑا تھوڑا گوشت کھلاتے ہیں تاکہ وہ مانوس ہو جائے اور مطیع ہو جائے اسی طرح نفس کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے انس نہیں پیدا ہوتا تاوقتیکہ تو اس کی سب عادتیں نہ چھڑا دے اور آنکھ' ناک' کان کو بند نہ کر دے اور گوشۂ تنہائی' بھوک' خاموشی اور بے خوابی کا اسے عادی نہ بنائے۔ یہ باتیں ابتداء میں دشوار ہوتی ہیں جیسے ابتداء میں دودھ چھڑانا بچے پر دشوار ہوتا ہے لیکن چند دن بعد ایسا ہو جاتا ہے کہ اسے دودھ دیا بھی جائے تو نہیں پیتا اسی طرح چندے بعد نفس عادی بن جاتا ہے۔

ریاضت کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی جس چیز سے بہت خوش ہوتا ہے اسے چھوڑ دے اور جو چیز اس پر غالب ہو اس کے خلاف عمل کرے پس جو شخص جاہ و حشمت سے خوش ہوتا ہو وہ اسے چھوڑ دے اور جو مال کے سبب خوش ہوتا ہو وہ اسے خرچ کر دے۔ اسی طرح جس شخص کے واسطے اللہ تعالیٰ کی محبت کے سوا آسائش و آرام کا کوئی محل ہو اسے زبردستی جدا کر دے اور صرف اسی کا ہو جائے جو ہمیشہ اس کے ساتھ رہے گا اور جس چیز کو موت کے سبب مجبوری سے رخصت کرے گا اسے قصداً خود ہی چھوڑ دے حقیقت یہ ہے کہ بندہ کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ ہی رہیں گے جیسے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی بھیجی گئی تھی کہ اے داؤد چونکہ میں ہی تیرا ساتھی ہوں اس لیے تو بھی بس میرا ہی رفیق بن اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے میرے کان میں پھونکا:

((اَحْبِبْ مَا اَحْبَبْتَ فَاِنَّكَ مُفَارِقُهٗ))

"دُنیا کی جس چیز سے چاہو جی لگاؤ دُنیا بہر حال چھوٹ جانے والی ہے"

اچھے اخلاق

اچھے اَخلاق کی علامتیں وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر فرمائی ہیں۔ ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ﴾ (المومنون)

ایک جگہ ارشاد ہے: ﴿ اَلتَّآئِبُوْنَ الْعَابِدُوْنَ ﴾ (التوبہ) اور ایک جگہ ہے ﴿ وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلٰى

الْاَرْضِ هَوْنًا ﴾ (الفرقان) اور جو مُنافقین کی علامات بیان فرمائی ہیں وہ بُری عادات کی علامتیں ہیں جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مسلمان کی زندگی کا مقصد نماز روزہ اور عبادات ہوتا ہے جبکہ مُنافق کا مقصد زندگی کھانا پینا ہے۔ حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ مسلمان تو فکر و نصیحت پذیری میں مشغول ہوتا ہے اور مُنافق حرص و آرزو میں۔ مسلمان اللہ تعالیٰ کے سوا سب سے بے خوف ہوتا ہے اور مُنافق اللہ تعالیٰ کے سوا سب سے ڈرتا ہے مسلمان اپنی امیدوں کا مرکز صرف اللہ تعالیٰ کو جانتا اور سمجھتا ہے جبکہ مُنافق اس کے سوا سب سے امیدوں کا طالب ہوتا ہے مسلمان اپنے مال کو دین پر خرچ کرتا ہے لیکن مُنافق دین پر مال کو ترجیح دیتا ہے۔ مسلمان عبادت بھی کرتا ہے اور اللہ کے ڈر سے روتا بھی ہے لیکن مُنافق گناہ کر کے بے شرموں کی طرح ہنستا ہے۔ مسلمان تنہائی اور خلوت کو پسند کرتا ہے تو مُنافق لوگوں کی بھیڑ اور اژدھام کو' مسلمان زمین میں محنت کر کے بھی ڈرتا ہے کہ اس کی فصل سے استفادہ کا موقع ملے یا نہ ملے لیکن مُنافق کچھ کیے بغیر اُمید رکھتا ہے کہ ڈھیر لگا لوں گا۔

اہل دل نے کہا ہے کہ نیک خصلت یہ ہے کہ آدمی شرمگیں' کم سخن' کم رنج' صداقت شعار' صلاح و تقویٰ کا حریص' عبادت گزار' کم چوکنے والا' فضول باتوں اور کاموں سے مجتنب' سب کا خیر خواہ' سب کے حق میں نیک کردار' صاحب وقار' مشفق و مہربان' دھیمے پن کا عادی' صابر و قانع' شاکر و بردبار' نرم دل' ہاتھ کھینچنے والا اور کم طمع ہو وہ نہ گالی دے نہ لعنت کرے نہ سخن آرائی کرے' نہ غیبت کرے' فحش گو اور جلد باز نہ ہو' حسد اور کینہ سے بچے' اس کی پیشانی کشادہ اور زبان شیریں ہو اس کی دوستی و دشمنی صرف اللہ کی خاطر ہو۔

اے برادر نیک اَخلاق بالعموم بردباری کے سبب ہوتے ہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ کو کافروں نے بہت ستایا دندان مبارک شہید کر دیئے اس کے باوجود آپ ﷺ نے فرمایا اللہ ان پر رحم فرما دے کہ یہ مجھے جانتے نہیں۔ حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ صحرا میں جا رہے تھے ایک سپاہی ملا۔ اُس نے آبادی کا پوچھا آپ نے قبرستان کی طرف توجہ دلائی اُس نے کہا کہ میں آبادی کا سوال کر رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا حقیقی آبادی یہی ہے۔ اس ظالم نے تڑاک سے سر پر لاٹھی ماری تو خون بہنے لگا اور اسی حال میں آپ کو شہر میں پکڑ کر لایا جب لوگوں نے اس حال میں دیکھا تو اسے ملامت کی کہ یہ تو حضرت ابراہیم ادھم ہیں وہ گھوڑے سے اُترا آپ کے پاؤں پڑا اور کہا کہ آپ نے اپنے آپ کو بندہ کیوں کہا؟ آپ نے فرمایا اس لیے کہ میں بندۂ ربّ ہوں۔ اُس نے معافی کی درخواست کی فرمایا کہ میں نے معاف کر دیا اور جس وقت تو نے میرا سر پھوڑا میں نے اسی وقت تیرے لیے دعا کی' لوگوں نے دعا کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ اس تکلیف کے سبب مجھے ثواب نصیب ہو گا میں نے یہ بات پسند نہ کی کہ مجھے تو اس کے سبب بھلائی نصیب ہو اور اسے میری وجہ سے بُرائی۔

حضرت ابو عثمان سری قدس سرہٗ کی کسی نے دعوت کی۔ اصل میں اس کا مقصد آپ کو آزمانا تھا۔ جب آپ تشریف لائے تو اُس نے کہا کہ اب تو کھانا ختم ہو گیا ہے آپ نے واپس جانا چاہا' تھوڑی دور چلے تو دوڑ کر آیا اور پھر بلایا آپ تشریف لائے تو پھر وہی حرکت کی اور یہ سلسلہ کافی دیر چلا۔ آخر اُس نے عرض کیا کہ یا شیخ میں آپ کو آزمانا چاہتا تھا آپ واقعی بلند اَخلاق کے مالک ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ جو کچھ تم نے دیکھا ہے یہ تو کتے کے اَخلاق ہیں کہ جب بلاؤ آ جاتا ہے اور بھگاؤ تو بھاگ جاتا ہے۔

ایک دن ایک شخص نے چھت سے راکھ کا بھرا ہوا طشت آپ کے سر پر ڈال دیا۔ آپ نے کپڑے جھاڑ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا لوگوں نے شکر کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ جو شخص آگ کے قابل ہو اس پر راکھ ڈال دی جائے تو شکر ہی کرنا چاہیے۔

حضرت علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام کا رنگ گندمی تھا اور نیشاپور میں آپ کے دروازے پر ایک حمام تھا جب آپ حمام میں جاتے تو لوگ خالی کر دیتے۔ ایک دن حمام خالی کر دیا گیا آپ اندر تشریف لے گئے اسی اثناء میں حمام کا مالک غافل ہو گیا تو ایک گنوار حمام میں گھس گیا۔ اُس نے آپ کو دیکھا تو سمجھا کہ حمام کا کوئی خادم ہو گا۔ اُس نے آپ کو پانی لانے کے لیے کہا آپ پانی لے آئے پھر مٹی کا کہا تو مٹی بھی لے آئے (ایک خاص قسم کی مٹی جو صابن کے طور پر استعمال ہوتی تھی) اسی طرح آپ سے ایک ایک کام کا کہتا رہا اور آپ تعمیل کرتے رہے۔ جب حمام کا مالک آیا اور گنوار کی آواز سنی تو ڈر کے مارے بھاگ گیا۔ آپ فارغ ہو کر نکلے تو لوگوں سے فرمایا کہ اسے بلا لو اس کا کوئی قصور نہیں بلکہ قصور اس کا ہے جس نے فرزند کا تخم سیاہ فام لونڈی کے رحم میں بویا۔

حضرت عبداللہ درزی رحمۃ اللہ علیہ ایک اہل دِل بزرگ تھے ایک بُت پرست ان سے کپڑے سلواتا اور ہر بار کھوٹا سکہ اُجرت میں دیتا آپ بغیر تردد سکہ لے لیتے ایک مرتبہ اتفاق سے آپ خود نہ تھے آپ کا شاگرد موجود تھا اُس نے کھوٹا سکہ لینے سے انکار کر دیا۔ جب آپ تشریف لائے تو شاگرد سے فرمایا کہ تو نے ایسا کیوں کیا وہ برسوں سے میرے ساتھ یہی معاملہ کرتا ہے لیکن میں نے کبھی اس پر ظاہر نہیں ہونے دیا اور ہمیشہ کھوٹا سکہ اس خیال سے لے لیا کہ اس سے کسی دوسرے مسلمان کو نقصان نہ پہنچے۔

حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ جب کہیں جاتے تو لڑکے آپ پر پتھر پھینکتے آپ ان سے کہتے کہ میاں چھوٹے چھوٹے پتھر مارو کہ بڑے پتھروں سے کہیں میرا پاؤں زخمی نہ ہو جائے پھر میں نماز میں کھڑا نہ ہو سکوں گا۔ حضرت احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ کو گالی دیتا ایک شخص ساتھ ساتھ چلنے لگا جب اس مقام کے قریب آئے جہاں اُن کے اَعزہ کا قیام تھا تو کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ جو گالیاں باقی ہوں وہ پوری کر لے اس لیے کہ میری قوم کے افراد نے گالیاں سن لیں تو وہ تجھے پریشان کریں گے۔

ایک عورت کے متعلق آتا ہے کہ اس نے حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ سے کہا او ریا کار؟ آپ نے فرمایا نیک بخت بصرہ کے لوگوں نے میرا نام گم کر دیا تھا تو نے کہاں سے ڈھونڈ نکالا۔

بہرحال کمالِ اَخلاق کی عادت یہی ہے جو ان بزرگوں کے واقعات میں موجود ہے اور یہ ان لوگوں کی صفت ہے جو محنت و ریاضت کرتے کرتے بشری خصائص سے پاک ہو چکے تھے اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں دیکھتے تھے اور جو کچھ دیکھتے اسی کے آئینہ میں دیکھتے۔ جو شخص اس صفت سے موصوف نہ ہو اسے اپنی نسبت نیک خلقی کا گمان نہ کرنا چاہیے اور نہ ہی اپنے تئیں فخر و غرور کرنا چاہیے۔ (واللہ اعلم)

اولاد کی تربیت

اولاد ماں باپ کے پاس ایک امانت کی مانند ہے جس کا دِل ایک نفیس موتی کی مانند ہے وہ موم کی طرح نقش پذیر اور

ہر قسم کے نقوش سے خالی ہے اس کی مثال پاک زمین جیسی ہے کہ اس میں جو کچھ بوئے گا وہی اُگے گا۔ اگر نیکی کا تخم بوئے گا تو لڑکا دارین کی سعادتوں کا حامل ہوگا۔ اور والدین نیز اساتذہ اس کے ثواب میں شریک ہوں گے اگر نیکی کا تخم نہ بویا تو لڑکا بدبخت ہو گا اور جو افعال اس سے سرزد ہوں گے ان میں بھی والدین اور اساتذہ شریک ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا ﴾ (التحریم)

"اپنے آپ کو اپنے اہل و عیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ"

دُنیا کی آگ کے مقابلہ میں آخرت کی آگ بہت سخت ہے اس سے حفاظت بھی اسی نسبت سے زیادہ ہونی چاہیے۔ اس آگ سے بچانا یوں ہو گا کہ اولاد کو مودب بنایا جائے اسے نیک اَخلاق کی تعلیم دی جائے اور بُری صحبت سے بچایا جائے کہ یہ تمام بُرائیوں کی جڑ ہے اور اسے پر تکلف کھانوں اور لباسِ فاخرہ کا عادی نہ بنایا جائے کہ اگر وہ عادی بن گیا تو اس کے بغیر صبر نہیں کر سکے گا اور انھی چیزوں کے حصول میں ساری عمر ضائع کر دے گا۔ ابتداء میں یہ کوشش ہونی چاہیے کہ جو عورت لڑکے کو دودھ پلائے وہ نیک خو' صالحہ اور حلال کھانے والی ہو اس لیے کہ انا کی عادات بچّے میں سرایت کرتی ہیں اور جو دودھ حرام سے حاصل ہوتا ہے وہ پلید و ناپاک ہے۔ جب لڑکے کا گوشت پوست اس سے پیدا ہو گا۔ اس کی طبیعت میں اس سے مُناسبت پیدا ہو جائے گی اور وہ مُناسبت جوانی کے بعد ظاہر ہو گی۔ جب لڑکا بولنے کے قابل ہو تو چاہیے کہ وہ پہلے اللہ تعالیٰ کا نام لے لیکن یہ بات سکھانے سے نصیب ہو گی اور اگر لڑکا بعض چیزوں سے شرمائے تو یہ خوشخبری ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ نورِ عقل اسے نصیب ہوا ہے اور عقل نگران اس پر شرم متعین کر رہی ہے جو بُری باتوں پر اسے شرم و عار دلاتی ہے۔ جب لڑکے میں کھانے کی خواہش پیدا ہو تو اسے کھانے کے آداب سکھائیں کہ دائیں ہاتھ سے بسم اللہ پڑھ کر کھانا چاہیے اور جلدی سے احتراز کرنا چاہیے نیز یہ کہ خوب چبا کر کھایا جائے۔ دوسروں کے نوالوں پر نظر نہ ہو۔ سامنے سے کھایا جائے اور جب تک ایک نوالہ نگل نہ لیا جائے دوسرا نہ اٹھایا جائے کہ یہ حرص کی دلیل ہے اپنے کپڑوں کو سالن وغیرہ سے بچانے کی نصیحت کرنی چاہیے اور کبھی کبھی بغیر سالن کے روٹی کھلانی چاہیے تاکہ وہ سالن کا عادی نہ ہو جائے۔ نیز بسیار خوری کی قباحت اس کے ذہن نشین کرائی جائے اور اسے سمجھایا جائے کہ بسیار خوری جانوروں اور احمقوں کا کام ہے اور جو بہت کھاتے ہیں ان کی قباحت و بُرائی اسے بتلائی جائے۔ باادب لڑکوں کی تعریف اس کے سامنے ضروری ہے کہ اسے بھی شوق پیدا ہو اور وہ بھی اچھے اعمال کرے۔ سفید کپڑے کی محبت اس کے دِل میں ڈالی جائے اور ریشمی نیز رنگین کپڑوں کی نفرت کا اسے خوگر بنایا جائے اور اسے کہا جائے کہ میاں اس قسم کے کپڑے پہننا رنڈیوں اور لونڈیوں کا کام ہے اور اپنے آپ کو بنانا سنوارنا ہیجڑوں کا کام ہے جو لڑکے خوش وضع اور خوش لباس ہوں ان کی دوستی مضر ہے بلکہ وہ انھیں دیکھے بھی نہیں تو اچھا ہے اس لیے کہ اس سے خرابی پیدا ہوتی ہے اور اس کے دِل میں بھی ایسی چیزوں کی آرزو پیدا ہو گی۔

والدین پر یہ بھی لازم ہے کہ بُری صحبت سے اسے بچائیں جن بچوں کو بُری صحبت کی لت پڑ جاتی ہے وہ شوخ' بے حیا' چور' جھوٹے' گستاخ اور بے باک ہو جاتے اور پھر مُدت العمر یہ باتیں نہیں چھوٹتیں۔ جب مکتب میں بٹھائے تو ابتداء

قرآن سے کرے پھر صالح اور پرہیز گار لوگوں کی حکایات اور صحابہ رضی اللہ عنہم و بزرگانِ سلف رحمہم اللہ کی عادات میں اسے مشغول کیا جائے۔ عشقیہ اشعار اور عورتوں کی تعریف وغیرہ سے سختی سے روکا جائے حتیٰ کہ ایسے معلم و ادیب سے بھی روکا جائے جو ان چیزوں کو جودتِ طبع اور تیزی ذہانت کا سبب بتلاتا ہے کیونکہ وہ معلم و ادیب نہیں بلکہ شیطان ہے کہ وہ خود برا ہے اور برائی کا بیج لڑکے کے دِل میں ڈالنا چاہتا ہے جب لڑکا نیک کام کرے اور اس میں نیک عادات پیدا ہوں تو اس کی تعریف کرے اور جس چیز سے وہ خوش ہو وہ اسے مہیا کرے بلکہ گاہ گاہ لوگوں کے سامنے اس کی تعریف بھی کی جائے۔ اگر کبھی کبھار کوئی خطا ہو جائے تو دو ایک بار تو انجان بن جائے تاکہ وہ گالیاں کھانے اور خفگی کی باتیں اٹھانے کا عادی نہ ہو جائے۔ بالخصوص جب وہ چھپ کر کوئی غلطی کرے اس واسطے کہ مسلسل کہنے سے بُرائی پر دلیر ہونے کا خطرہ ہے اور جب کھلم کھلا خطا کرنے لگے تو ایک بار علیحدگی میں سرزنش کرے اور کہے کہ خبردار جو آئندہ ایسا کیا۔ تمھاری یہ غلطی کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے ورنہ لوگوں کی نظر میں رسوا ہو جاؤ گے اور لوگ تجھے حقیر سمجھیں گے۔ باپ کا تو یہ فرض ہے کہ وہ اپنی عظمت کا لحاظ رکھے اور ماں پر لازم ہے کہ اسے باپ سے ڈرائے۔ دن کو اسے سونے سے روکا جائے کہ اس سے سستی و کاہلی پیدا ہوتی ہے اور رات کو زیادہ نرم بچھونوں پر نہ سلایا جائے تاکہ اس کا بدن مضبوط اور قوی ہو۔ دن میں گھر میں ہی اسے گھڑی بھر کھیلنے کی مہلت دی جائے تاکہ وہ چاق و چوبند رہے اور اداس و تنگ دِل نہ ہو جائے کہ اس سے بے دِلی کا شکار ہو جائے گا اور دِل مردہ ہو جائے گا اسے ہر ایک کے ساتھ فروتنی سے پیش آنے اور دوسروں کے سامنے فخر و لاف زنی سے روکا جائے۔ اسے نصیحت کی جائے کہ لڑکوں سے کوئی چیز مت لے بلکہ ان کی خدمت کرے یہ بات اس کے ذہن نشین کرائی جائے کہ دوسروں سے کچھ لینا فقراء اور بے ہمت لوگوں کا کام ہے کسی سے نقد یا جنس لینے کی خواہش سے سختی سے روکا جائے کہ اس سے خراب ہو کر برے کاموں میں پڑ جانے کا احتمال ہے۔ اسے یہ بھی ہدایت کی جائے کہ دوسروں کے سامنے تھوکنا یا ناک صاف کرنا مُناسب نہیں اسی طرح دوسروں کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھنا مناسب نہیں۔ بیٹھنے میں ادب و احترام ہونا ضروری ہے۔ ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ کا سہارا دے کر بیٹھنے سے روکے کہ یہ سستی کی علامت ہے۔ زیادہ گفتگو اور قسم کھانے سے احتراز کرے از خود بات کرنا مُناسب نہیں ہاں جب کوئی کچھ پوچھے تو مُناسب اور معقول جواب دے بڑے کا احترام بجالائے اس کے آگے نہ چلے فحش گوئی اور لعنت و تبرا سے زبان کو بچائے۔ استاد کی مار پر شور نہ مچائے اور نہ ہی سفارش لے کر جائے۔ صبر و تحمل کی عادت ڈالی جائے کہ یہ مردوں کا کام ہے جب کہ لونڈیوں اور عورتوں کا کام چلّانا ہے سات برس کا ہو جائے تو نرمی و محبت سے طہارت و نماز کی تلقین کی جائے اور جب دس برس کا ہو جائے اور قصور کرے تو گوشمالی اور ادب سکھانے کی خاطر مارنا بھی جائز ہے۔ چوری' حرام خوری اور دروغ گوئی کی قباحت اس پر واضح کی جائے اور ان چیزوں کی بُرائی اس کے ذہن نشین کر دی جائے۔ اس انداز سے جب تربیت ہو تو جوانی کی عمر میں اس اندازِ تربیت کے اسرار و بھید اس پر واضح کیے جائیں تاکہ زیادہ اثر قبول کرے پھر اسے بتلایا جائے کہ خورد و نوش سے مقصد یہ ہے کہ بندے کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کی قوت حاصل ہو اور دُنیا سے محض زادِ آخرت حاصل کرنا مقصود ہے کیونکہ دُنیا کسی کا ساتھ نہیں دیتی اور موت اچانک آ جاتی ہے عقل مند وہی ہے جو دُنیا سے زادِ آخرت حاصل کر لے تاکہ جنت کا مستحق ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوں۔ اسی طرح دوزخ کی کیفیت اس کو

بتلائی جائے اور اچھے کاموں کا ثواب اور برے کاموں کا عذاب اس پر واضح کیا جائے۔ جب ابتدا سے اس طرح تربیت کی جائے گی تو یہ باتیں پتھر کی لکیر بن جائیں گی اور اگر اسے اپنے حال پر چھوڑ دیا تو یہ باتیں ایسی ہوں گی جیسے دیوار سے خاک جھڑتی ہے۔

حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں تین برس کا تھا کہ میرے ماموں محمد بن سوار رحمۃ اللہ علیہ نماز پڑھتے تو میں انھیں دیکھتا۔ ایک مرتبہ انھوں نے مجھ سے کہا کہ بیٹا جس رب نے تجھے پیدا کیا ہے اسے یاد نہیں کرو گے؟ میں نے پوچھا ماموں کیسے یاد کروں؟ انھوں نے فرمایا کہ جب رات کو بستر پر لیٹو تو تین بار دل سے کہہ لیا کرو کہ اللہ میرے ساتھ ہے وہ میری طرف دیکھتا ہے جب کئی راتیں اس طرح گزر گئیں تو انھوں نے سات بار کہنے کو کہا پھر گیارہ مرتبہ حتیٰ کہ اس کی حلاوت و لذت میرے اندر پیدا ہو گئی۔ جب ایک سال گزرا تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے جو کچھ تم سے کہا تھا وہ تمام عمر یاد رکھنا۔ یہ شغل دونوں جہانوں میں تیرا معین و مددگار ہو گا۔ کئی برس یہ سلسلہ چلتا رہا حتیٰ کہ اس کی حلاوت میرے دماغ میں پیدا ہو گئی۔ پھر ایک دن ماموں جان نے کہا کہ اللہ میاں جس کے ساتھ رہتے ہوں اور جس کو دیکھتے ہوں وہ شخص اللہ کی نافرمانی نہیں کرتا خبردار جو تم نے کبھی اس کی نافرمانی کی۔ پھر مجھے معلم کے پاس بھیجا میرا دِل گھبرایا میں نے کہا مجھے گھڑی بھر کے لیے بھیج دیا کرو۔ زیادہ نہیں حتیٰ کہ میں نے کلام مجید پڑھ لیا اس وقت میں سات برس کا تھا اور جب دس برس کا ہوا تو مسلسل روزے رکھتا اور جو کی روٹی کھاتا حتیٰ کہ بارہ برس کا ہو گیا۔ تیرہویں برس ایک مسئلہ میرے دِل میں آیا تو میں نے کہا کہ مجھے بصرہ میں بھیج دو تاکہ میں وہاں مسئلہ پوچھ سکوں۔ الغرض وہاں گیا تمام علماء سے پوچھا کسی نے مسئلہ نہ بتایا اور ایک عابد کا پتہ دیا میں وہاں گیا انھوں نے اس مسئلے کو حل کر دیا اور ایک عرصہ تک ان کی خدمت میں رہا اس کے بعد اپنے وطن تستر واپس آیا اور ایک درم کے جو خرید کر اس کی روکھی روٹی سے روزہ کھولتا دال سالن کچھ ساتھ نہ ہوتا۔ ایک درم کے جو سال بھر کے لیے کافی ہوتا حتیٰ کہ میں نے ارادہ کر لیا کہ رات دن کچھ نہ کھاؤں گا تو اس پر بھی طاقت نصیب ہو گئی یہ سلسلہ ابتدا میں پانچ دن پھر سات دن حتیٰ کہ ۲۵ دن تک پہنچ گیا اور میں نے پچیس پچیس دن کچھ نہیں کھایا اور بیس برس اسی حالت میں گزر گئے اور اللہ کی توفیق سے رات بھر عبادت میں مشغول رہتا۔ اس حکایت کا مقصد یہ ہے کہ بچوں کے دِل میں ابتدا میں جو نیکی کا بیج بو دیا جاتا ہے وہ ضرور رنگ لاتا ہے۔

مجاہدہ کی ابتدا میں مرید کی شرائط اور دین کی راہ میں ریاضت کا بیان

جو شخص اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ پاتا اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ وہ حقیقی راہ پر نہیں چلتا اور حقیقی راہ پر نہ چلنے کا سبب یہ ہے کہ اس کی طلب صادق نہیں اور طلب صادق نہ ہونے کی وجہ سے عدمِ علم ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کو ایمان کی حقیقی حلاوت حاصل نہیں ہوئی۔

جو شخص یہ جانتا ہو کہ دُنیا یونہی ہے اور چند روزہ ہے اور اس کے مقابلہ میں آخرت ہی حقیقی زندگی اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔ زادِ آخرت کا طلب کرنا اس لیے دُشوار نہیں کہ حقیر چیز کے بدلے بڑھیا ملے تو کون نہیں لے گا۔ آج ایک شخص مٹی کا پیالہ اس لیے چھوڑ دیتا ہے کہ کل سونے کا کٹورا ملے گا تو کون اس سودے کو پسند نہیں کرے گا اس کے

برعکس کا سبب ضعف ایمان ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ حقیقی راہ بتلانے والے مفقود ہیں کیونکہ دین کے رہنما تو علماء ہیں اور یہ ختم ہو گئے اور جب رہنما ہی نہیں تو راہ کون بتائے نتیجہ یہ ہوا کہ مخلوق سعادت سے محروم ہو گئی۔ اور جو علم کے لبادے میں ہیں ان پر دُنیا غالب آ گئی۔ جب یہ لوگ دُنیا کی طلب میں پڑ گئے تو مخلوق کو دُنیا کے بجائے آخرت کی طرف کیسے بلائیں گے اور واضح بات ہے کہ دُنیا کی راہ آخرت کی راہ سے بالکل مختلف ہے۔ دُنیا و آخرت کے درمیان اتنا بُعد ہے جتنا مشرق و مغرب میں۔ جب آدمی ایک سے نزدیک ہوتا ہے تو دوسرے سے دور ہوتا ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ملنے کا ارادہ کرتے ہیں وہ ان میں شامل ہو جاتے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴾ (بنی اسرائیل)

"جو آخرت کو چاہتا ہے اس کے لیے بحالتِ ایمان محنت و سعی بھی کرتا ہے تو ایسے لوگوں کی کوشش قبول ہو جاتی ہے (یعنی وہ مقصد میں کامیاب ہو جاتے ہیں)"

اللہ تعالیٰ نے یہاں جس سعی کا ذکر کیا ہے وہ کیا ہے؟ اسی سے یہاں بحث مقصود ہے۔

یاد رکھیں کہ سعی سے مُراد راہ چلنا ہے اور راستہ قطع کرنے کے لیے پہلے ہی مرتبہ میں کئی شرطیں ہیں۔ ان شرطوں کو بجا لانا ضروری ہے۔ اس کے بعد ایک دستاویز ہے جس کو مضبوطی سے پکڑنا ضروری ہے پھر ایک قلعہ ہے جس سے پناہ چاہیے۔

پہلی شرط تو یہ ہے کہ اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان سے حجاب اٹھا دے تاکہ اس قوم میں شامل نہ ہو جائے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَجَعَلْنَا مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا ﴾ (یٰسین)

"اور ہم نے کر دی ان کے آگے اور پیچھے آڑ"

یہ حجاب اور آڑ چار ہیں مال' جاہ' تقلید اور معصیت۔ مال اس لیے حجاب ہے کہ دِل اس میں اٹک کر رہ جاتا ہے جب تک دِل فارغ نہ ہو آدمی کیا خاک سیدھی راہ چلے گا؟ اس لیے ضروری ہے کہ ضرورت سے زائد مال کو اپنے سے علیحدہ کر دے۔ اگر کوئی شخص ایسا ہو جو اپنے پاس کچھ رکھے ہی نہیں اور اللہ کے لیے محنت کرے تو اس کی راہ جلد طے ہو جاتی ہے اور جاہ و حشمت کا حجاب اس طرح اُٹھ جاتا ہے کہ آدمی دوڑ کر ایسی جگہ چلا جائے جہاں اسے کوئی پہچانتا نہ ہو اس لیے کہ جب شہرت و تعارف ہو گا تو مخلوق کے تعلق و قبول میں لذت حاصل کرے گا اور اس میں مشغول ہو جائے گا اور جو مخلوق میں مشغول ہو گیا وہ رب تک نہیں پہنچ سکتا اور تقلید اس لیے حجاب ہے کہ آدمی جب کسی طریق کو اپنا لیتا ہے تو پھر دوسری کسی بات کے سننے کے لیے اس کے دِل میں گنجائش نہیں ہوتی۔ پس چاہیے کہ ان سب باتوں کو بھلا کر لا الٰہ الا اللہ کے معانی پر ایمان لائے اور اپنے دِل کو اس پر پختگی کے ساتھ جمائے اور دِل سے تحقیق کرے جس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہی عبادت کا مستحق ہے جس شخص پر ہوا و ہوس غالب ہو وہی اس کی معبود بن جاتی ہے۔ جب یہ مضمون ذہن نشین ہو جائے تو اب مجاہدہ اور ریاضت سے کشف کی راہ چلے اور بحث و مباحثہ سے احتراز کرے۔ اور جہاں تک معصیت کا تعلق ہے تو وہ ایک طرح سے سب سے بڑا حجاب ہے اس لیے کہ جو شخص

گناہ پر مصر ہوتا ہے اس کا دِل تاریک ہو جاتا ہے پھراس پر تجلی حق کیسے منکشف ہو گی خصوصاً حرام کی روزی' اس لیے کہ حلال روزی دِل کو منور کرنے میں جو اثر کرتی ہے وہ کوئی دوسری چیز نہیں کر سکتی۔ اصل بات یہ ہے کہ آدمی حرام کے لقمے سے بچے اور حلال ہی کو اپنا وظیفہ بنائے جو شخص ظاہری شریعت پر عمل کرے اور تمام شرعی معاملات بجالانے سے پہلے دین و شریعت کے اسرار کی فکر کرے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص عربی زبان سیکھنے سے پہلے قرآن کی تفسیر پڑھنا چاہے۔

جب آدمی ان تمام حجابات سے پاک ہو گیا تو پھر وہ اس شخص کی مانند ہو گیا جو بالکل پاک ہو کر نماز کے قابل ہو جاتا ہے' اب اسے امام کی حاجت ہو گی تاکہ اس کی اقتدا میں نماز پڑھے وہ پیرو مرشد ہے اس لیے کہ اس کے بغیر راہ چلنا بڑا مشکل ہے کیونکہ راہ پوشیدہ ہے اور شیطانی راہیں بچی راہ سے خلط ملط ہو جاتی ہیں یا کردی جاتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بچی راہ ایک ہی ہے اور باطل راہیں ہزاروں ہیں تو رہبرو رہنما کے بغیر کیسے صحیح راہ پر چل سکے گا؟ جب صحیح رہبر مل جائے تو مرید کو چاہیے کہ اپنے تمام کام اس کے سپرد کردے اور اس بات کا یقین کرلے کہ اپنی صائب رائے کے مقابلہ میں پیر کی خطا (جو ظاہری طور پر نظر آتی ہے) میں فائدہ ہے۔

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

مرشد کی ایسی بات سامنے آئے جو معلوم نہ ہوتی ہو تو خود خضرو موسیٰ علیہ السلام کا قصہ یاد کرے کہ وہ حکایت پیرو مُرید کے لیے ہی ہے۔ مشائخ پر اللہ تعالیٰ ایسی بہت سی چیزیں منکشف فرمادیتے ہیں کہ مرید کی عقل ان کے بھید کو نہیں جان سکتی۔

حکیم جالینوس کے زمانہ میں ایک شخص کی داہنی انگلی میں درد ہو گیا نیم حکیم انگلی پر دوا رکھتے لیکن فائدہ نہ ہوتا۔ جالینوس نے اس کے بائیں کندھے پر دوا رکھی تو نیم حکماء نے اسے بے وقوفی سے تعبیر کیا اور کہا کہ درد انگلی میں ہے دوا کندھے پر؟ —— کیا فائدہ دے گی لیکن واقعتاً انگلی تندرست ہو گئی۔ اصل میں جالینوس سمجھ گیا تھا کہ اس کے پٹھے میں خلل پڑ گیا ہے اور پٹھے دماغ اور پشت سے آتے ہیں اور جو پٹھے بائیں طرف نکلتے ہیں وہ دائیں جانب آتے ہیں اور جو داہنی طرف نکلتے ہیں وہ بائیں جانب آتے ہیں۔

اس مثال سے سمجھانا یہ مقصود ہے کہ مرید کو اپنے باطن میں تصرف نہ کرنا چاہیے۔ خواجہ بو علی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ سے میں نے (امام غزالی نے) سنا کہ ایک بار شیخ ابوالقاسم گرگانی رحمۃ اللہ علیہ سے میں خواب نقل کرتا تھا کہ وہ مجھ سے ناراض ہو گئے اور مہینہ بھر بات نہ کی مجھے اس کا سبب معلوم نہ ہو سکا آخر انھوں نے فرمایا کہ تم نے خواب نقل کرنے میں مجھ سے کہا کہ آپ شیخ نے مجھ سے خواب میں ایک بات کہی اور میں نے خواب ہی میں کہا کیوں؟ یہ کہہ کر فرمایا کہ اگر تیرے دِل میں "کیوں" کی جگہ نہ ہوتی تو خواب میں تیری زبان سے لفظ کیوں نہ نکلتا۔ پھر جب مرید نے اپنے کام پیر کے سپرد کر دیئے تو پیر پہلے تو اسے حصار میں بند کرتا ہے کہ وہ آفتوں سے محفوظ ہو جائے۔

اس حصار کی چار دیواریں ہیں (ہر مکان اور قلعہ کی چار ہی دیواریں ہوتی ہیں) خلوت' خاموشی' گرسنگی اور بے

خوابی۔ گرسنگی شیطان کی راہ بند کرتی ہے تو بے خوابی سے دِل روشن ہوتا ہے اور خاموشی بدن کی پراگندگی سے دِل کو بچاتی ہے اور خلوت مخلوق کی ظلمتوں سے حفاظت کا ذریعہ ہے اور آنکھ کان کی حفاظت کرتی ہے۔ حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ابدال کو جو مرتبہ ملا تو گوشۂ تنہائی میں بیٹھنے' بھوکا رہنے' خاموشی اختیار کرنے اور جاگنے کی بدولت! جب مرید دُنیا کے دھندوں سے الگ ہو جائے تو اب راستہ قطع کرنا شروع کرے اس میں پہلے تو یہ کرے کہ راستہ کی گھاٹیاں صاف کرے یہاں عقبات سے مُراد وہ مذموم خیالات ہیں جو دِل میں آتے ہیں' جن کاموں سے بھاگنا ضروری ہے۔ یہ صفاتِ مذمومہ ان کی جڑ ہیں جیسے جاہ و مال کی حرص' اچھی خوراک اور پوشاک کی لالچ اور تکبر و ریا وغیرہ تاکہ وہ مادۂ مشغلہ کو باطن سے الگ کر دے اور دِل خالی ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی آدمی ان سب باتوں سے پاک ہو اور ایک ہی صفت ذمیمہ میں آلودہ ہو تو اس صفت کو چھوڑنے کے لیے بھی وہی طریقہ اختیار کرے جو پیر و مرشد مُناسب جانے۔ اور اس کے لائق سمجھے کیونکہ حالات کے پیش نظر علاج بدلتا رہتا ہے۔ اب جب زمین کو خالی کر چکا تو تخم ریزی کرے' تخم اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ جب ماسوی اللہ سے قطع تعلق ہو جائے تو گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر ہمیشہ دِل و زبان سے اللہ اللہ کرے حتیٰ کہ زبان چپ ہو جائے اور قلب جاری ہو جائے۔ پھر ایک وقت ایسا آئے گا کہ دِل بھی رک جائے گا لیکن اس کلمہ کا معنی و مفہوم دِل پر غالب آ جائے گا وہ معنی بے حرف ہے نہ عربی نہ فارسی۔ اس لیے کہ دِل سے کہنا بھی تو بات ہے جب کہ بات اس تخم کا غلاف اور چھلکا ہے عین تخم نہیں۔ پھر یہ معنی دِل میں اس طرح متمکن اور نقش ہو جانا چاہیے کہ اس کے ساتھ دِل کو وابستہ کرنے میں تکلف نہ کرنا پڑے بلکہ ایسا عاشق ہو جائے کہ تکلف بھی دِل کو اس سے باز نہ رکھ سکے۔

حضرت شبلی قدس سرہٗ نے اپنے مرید کو کہا کہ اگر تم ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک میرے پاس آؤ اور اس طرح کہ ماسوی اللہ کا خطرہ تمہارے دل میں گزر جائے تو تمہارا میرے پاس آنا حرام ہو گا۔

جب دِل کو دُنیوی وساوس سے پاک کر لے اور اس میں ذکر الٰہی کا بیج بو لے تو پھر کوئی چیز باقی نہ رہے گی جس سے اپنے اختیار سے تعلق رکھے۔ اخیار یہیں تک ہوتا ہے اس کے بعد منتظر رہے کہ کیا گزرتی ہے اور کیا ظاہر ہوتا ہے۔ غالب گمان یہ ہے کہ یہ تخم ضائع نہیں ہو گا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

﴿ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ﴾ (الشوریٰ)

"جو شخص آخرت کی کھیتی کا طالب ہوتا ہے ہم اس کی کھیتی میں اضافہ کر دیتے ہیں"

یعنی جو شخص آخرت کے کام میں مشغول ہوتا ہے اور بیج بوتا ہے تو اسے میں زیادتی نصیب کرتا ہوں۔ اس مقام پر مریدوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں کسی کو اس کلمہ کے معنی میں اشکال پیدا ہوتا ہے اور باطل خیالات پیش آتے ہیں اور کوئی اس سے تو نجات پا لیتا ہے لیکن فرشتوں کی اصل اور انبیاء علیہم السلام کی ارواحِ طیبات اسے اچھی اچھی صورتوں میں دکھائی دینے لگتی ہیں خواب میں نظر آئیں یا آنکھ کھول کر بھی دیکھے اس کے بعد حالات اور ہوتے ہیں اس کی تفصیل دراز ہے جس کے بیان کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ اس بیان میں راہ چلنے کا ذکر ہے راہ کا ذکر نہیں اور ہر کسی کو اور ہی راہ پیش آتی ہے اور جو شخص یہ راہ چلے گا اس کے حق میں اس چیز کا نہ سنا ہوا ہونا ہی بہتر ہے کہ اس چیز کا انتظار اس کے دِل کو

مشغول رکھے گا اور حجاب ہو جائے گا۔ علم کے تصرف کو جس قدر دخل ہے وہ یہیں تک ہے اور مقصود یہ ہے کہ اس بات کا ایمان پیدا ہو جائے۔ اس لیے کہ اکثر علماء اس کے منکر ہیں اور رسمی علوم سے جو چیز ماورا ہوتی ہے اسے وہ باور نہیں کرتے۔ واللہ اعلم

فصل ۲ : پیٹ اور شرمگاہ کی شہوت کا علاج اور ان کی حرص توڑنے کا بیان

معدہ بدن کا حوض ہے اور رگیں نہروں کی مانند ہیں۔ معدہ سب شہوتوں کا منبع ہے اور آدمی پر سب سے زیادہ شہوت ہی غالب ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا بہشت سے نکلنا اسی سبب سے ہوا۔ حقیقت میں یہ شہوت سب شہوتوں کی جڑ ہے اس لیے کہ جونہی پیٹ بھرتا ہے پھر نکاح کی شہوت پریشان کرتی ہے اور آدمی پیٹ اور شرم گاہ کی شہوت کے تقاضے بغیر مال پورے نہیں کر سکتا تو مال کا لالچ پیدا ہوتا ہے۔ مال بغیر جاہ و منصب بالعموم مشکل ملتا ہے تو جاہ کی حرص انگڑائیاں لیتی ہے اور جاہ کا انحصار لوگوں سے جھگڑنے پر ہے جس سے حسد' عداوت' تکبر اور کینہ پیدا ہوتا ہے اس لیے معدے کو اس کی حالت پر چھوڑ دینا سب گناہوں کی جڑ ہے اور اس کو زیردست رکھنا اور بھوکا رہنے کی عادت ڈالنا نیکیوں کی جڑ ہے۔ ہم پہلے تو بھوک کی فضیلت بیان کریں گے پھر اس کے فائدے۔ پھر تھوڑا کھانے میں ریاضت کا طریقہ اور آخر میں ان لوگوں کا ثواب اور فضیلت جو شہوت سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں۔

بھوک کی فضیلت

حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ بھوک اور پیاس سے جہاد کرو کہ اس کا ثواب کافروں کے ساتھ جہاد کی مانند ہے اور کوئی کام اللہ کے نزدیک بھوک اور پیاس سے زیادہ پسندیدہ نہیں اور فرمایا کہ جو پیٹ بھر لیتا ہے اسے آسمان کی بلندی کی طرف راستہ نصیب نہیں ہوتا۔ آپ ﷺ سے لوگوں نے پوچھا زیادہ فضیلت والا کون ہے تو فرمایا تھوڑا کھانے والا' تھوڑا ہنسنے والا اور ستر عورت کی مقدار کپڑے پر قناعت کرنے والا۔ اور فرمایا کہ بھوک سب کاموں کی سردار ہے آپ ﷺ نے فرمایا پرانا کپڑا استعمال کرو اور آدھے پیٹ کی مقدار کھاؤ پیو کہ یہ فعل نبوت کا جزو ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ کی مخلوق میں تفکر نصف عبادت ہے اور کم کھانا پوری عبادت ہے اور فرمایا کہ وہ شخص اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ افضل ہے جو بہت تفکر کرے اور بہت بھوکا رہے اور وہ شخص اللہ کا بڑا دشمن ہے جو بہت کھائے پیئے اور بہت سوئے۔ فرمایا کم کھانے والے کے سبب اللہ تعالیٰ فرشتوں پر فخر کرتے ہیں اور فرماتے ہیں دیکھو اُس نے شہوتِ طعام میں مبتلا ہونے کے باوجود محض میرے لیے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیا اے فرشتو تم گواہ رہو کہ جتنے لقمے اس نے چھوڑے اس میں سے ہر ایک کے عوض میں نے اس کا جنت میں ایک درجہ بڑھا دیا ہے اور فرمایا زیادہ کھا پی کر اپنے دِل کو مُردہ نہ بناؤ اس لیے کہ دل کھیت کی مانند ہیں زیادہ پانی سے بھی کھیت پژمردہ ہو جاتا ہے اور فرمایا کہ پیٹ سے زیادہ کوئی بدتر چیز نہیں جسے آدمی پُر کرے جبکہ آدمی کے لیے چند لقمے کافی ہیں جو اس کی پشت سیدھا رکھنے کا باعث بنیں۔ اگر چارہ نہ ہو تو پیٹ کا ایک تہائی کھانے کے لیے ایک تہائی پانی کے لیے اور ایک تہائی سانس کے لیے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ایک تہائی ذکر کے لیے ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اپنے آپ کو بھوکا ننگا رکھو تاکہ تمھارے دِل اللہ تعالیٰ دیکھیں اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ شیطان آدمی کے بدن میں اس طرح رواں دواں ہے جس طرح رگوں میں خون اس لیے بھوک پیاس سے شیطان کی راہ تنگ کرو۔ فرمایا کہ مومن تو ایک انتڑی میں کھاتا ہے اور مُنافق سات میں۔ یعنی مُنافق کی خوراک مسلمان کی بہ نسبت سات گنا ہوتی ہے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا جنت کا دروازہ برابر کھٹکھٹاتے رہو تاکہ دروازہ کھول دیا جائے۔ میں نے عرض کیا کس سے کھٹکھٹائیں۔ فرمایا بھوک پیاس سے۔ جناب رسول اللہ ﷺ کے سامنے حضرت جحیفہ رضی اللہ عنہ کو ڈکار آئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس ڈکار کو دور رکھو اس لیے کہ جو شخص اس جہان میں بہت سیر ہوتا ہے وہ اُس جہان میں بہت بھوکا ہو گا۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ آسودہ ہو کر کبھی کھانا نہ کھاتے حتیٰ کہ بھوک کی وجہ سے آپ پر مجھ کو ترس آتا اور میں آپ کے شکم مبارک پر ہاتھ پھیر کر عرض کرتی کہ میری جان آپ پر قربان اگر آپ ﷺ کم از کم اتنا کھانا نوش فرمالیں کہ بھوک کا احساس نہ رہے تو کیا جرم ہے۔ آپ فرماتے عائشہ میرے نبی بھائی جو پہلے گزر چکے ہیں انھوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قرب و ثواب حاصل کیا مجھے ڈر ہے کہ اگر میں نے تن پروری کی تو میرا درجہ ان سے کم ہو جائے گا کچھ دن تھوڑا سا صبر کرنا اس کے مقابلہ میں بہتر ہے کہ آخرت میں میرا حصّہ کم ہو۔ اور اس سے زیادہ کوئی چیز مجھے محبوب نہیں کہ میں اپنے بھائیوں کے پاس پہنچ جاؤں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بخدا یہ فرمانے کے بعد آپ ایک ہفتہ سے زیادہ دُنیا میں نہیں رہے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا روٹی کا ٹکڑا لے کر آپ ﷺ کی خدمت میں آئیں آپ ﷺ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ میں نے روٹی پکائی تھی میرا جی نہیں چاہا کہ آپ کے بغیر کھالوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ پہلا کھانا ہے جو تین دن کے بعد تیرے ابا کے منہ میں جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ کے گھر میں تین دن برابر کسی نے گندم کی روٹی نہیں کھائی۔ حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رات کے کھانے میں ایک لقمہ کم کھانا اس بات سے زیادہ محبوب ہے کہ رات بھر نفل نماز پڑھی جائے۔ حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ اپنے دِل کو مخاطب کر کے فرماتے کہ تو بھوکا رہنے سے کیوں ڈرتا ہے خبردار اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام اور آپ کے رفقاء کو تو بھوک دی تھی تو کیا تجھ جیسوں سے دریغ کرے گا۔ کہمش رحمۃ اللہ علیہ نے اللہ کے حضور عرض کیا کہ تُو مجھے بھوکا ننگا رکھتا ہے اور رات کو اپنے ساتھ خلوت میں دعا و مناجات کا موقعہ مہیا کرتا ہے تیرے نزدیک یہ مرتبہ میں نے کس طرح پایا حالانکہ یہ سعادت تو تو اپنے نیک بندوں کو دیتا ہے تو معلوم ہوا کہ بھوکا پیاسا رہنے کے سبب۔ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کو ٹھنڈک نصیب ہو گی جو مخلوق سے بے پرواہ ہو اور کفایت کی حد تک غلہ رکھے۔

حضرت محمد بن الواسع رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ بلکہ ٹھنڈک اس شخص کا مقدر ہے جو صبح و شام بھوکا رہ کر بھی اللہ سے خوش اور راضی ہو۔ حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ بزرگوں نے غور کے بعد محسوس کیا کہ دُنیا میں بھوکا رہنے سے زیادہ نافع کوئی چیز نہیں۔ اور آخرت کے بارے میں سیری سے زیادہ مضر کوئی شے نہیں۔ حضرت عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنا دوست نہیں بنایا مگر بھوک کے سبب اور پانی پر چلنے والوں کو یہ نعمت بھوک ہی کی وجہ سے ملی۔ اسی طرح کسی شخص نے زمین طے نہیں کی مگر بھوک کی قدرت سے اور حدیث میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے

ان چالیس دنوں میں جب اللہ تعالیٰ نے اُس سے کلام کی کچھ نہیں کھایا تھا۔

بھوکا رہنے کے فوائد اور پیٹ بھر کھانے کے نقصانات

بھوک کی فضیلت کا سبب یہ نہیں کہ اس میں تکلیف ہوتی ہے جس طرح دوا کی فضیلت اس وجہ سے نہیں کہ وہ کڑوی ہوتی ہے بلکہ بھوک میں دس فائدے ہیں:

پہلا فائدہ یہ ہے کہ دِل کو صاف اور روشن کرنے کا سبب ہے جب کہ سیری انسان کو کور دِل اور کند ذہن بنا دیتی ہے' اس کے سبب آدمی کا دماغ ایک طرح کے بخار کا شکار ہو جاتا ہے جو آدمی کو نادان کر دیتا ہے حتیٰ کہ اس کے خیالات پراگندہ ہو کر رہ جاتے ہیں اس لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ قلیل مقدار میں کھانے سے اپنے دِل کو زندہ رکھو اور بھوک سے پاک کرو تاکہ صاف اور رقیق ہو جائے اور فرمایا جو بھوکا رہتا ہے اس کا دِل تیز اور سمجھ بڑھ جاتی ہے۔ حضرت شبلی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ کوئی دن ایسا نہیں گزرا کہ جب میں نے اللہ کے لیے بھوک برداشت کی ہو اور میرے دِل میں تازہ حکمت و عبرت نہ پیدا ہوئی ہو۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ سیر ہو کر نہ کھایا کرو ورنہ تمہارے دِل سے معرفت فنا ہو جائے گی۔ پس چونکہ معرفت جنت کی راہ ہے اور بھوک معرفت کی درگاہ ہے تو بھوکا رہنا بابِ جنت کو کھٹکھٹانا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَدِیْمُوْا قَرْعَ بَابِ الْجَنَّةِ بِالْجُوْعِ))

"جنت کا دروازہ ہمیشہ بھوک سے کھٹکھٹاتے رہو"

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ بھوک سے دِل رقت کی طرف مائل ہوتا ہے جس سے ذکر و مُناجات میں مزہ آتا ہے جب کہ شکم سیری سے قساوت اور سخت دلی پیدا ہوتی ہے پھر آدمی جو ذکر کرتا ہے وہ نوکِ زُبان پر رہ جاتا ہے اور دِل پر اثر انداز نہیں ہوتا بقول حضرت جنید قدس سرہٗ کھانے کا حریص لذتِ مُناجات سے محروم رہتا ہے۔

تیسرا فائدہ یہ ہے کہ اترانا اور غفلت دوزخ کا دروازہ ہے جب کہ شکستگی و بے چارگی جنت کی ڈیوڑھی ہے۔ شکم سیری اترانے اور غفلت کا سبب ہے اور بھوک عاجزی و شکستگی پیدا کرتی ہے۔ جب تک آدمی اپنے آپ کو اس نظر سے نہ دیکھے کہ ایک نوالہ جو اسے نہیں ملتا تو تمام دُنیا اس پر تنگ و تاریک ہو جاتی ہے تب تک وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت کو نہیں جان سکے گا اسی لیے کہ تمام جہانوں کے خزانوں کی کنجیاں حضور علیہ السلام کو پیش کی گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اِن کے مقابلہ میں مجھے ایک دن کی بھوک اور ایک دن کی سیری زیادہ محبوب ہے' بھوکا ہوتا ہوں تو صبر کرتا ہوں سیر ہو کر شکر ادا کرتا ہوں۔

چوتھا فائدہ یہ ہے کہ آدمی سیر ہو کر بھوکوں کو بھول جاتا ہے اور اس طرح اللہ کی مخلوق پر مہربانی سے محروم ہو جاتا ہے اور عذابِ آخرت کو فراموش کر بیٹھتا ہے۔ بھوکا ہو گا تو دوزخیوں کی بھوک یاد رہے گی اور پیاس سے روزِ محشر کی پیاس ذہن میں رہے گی۔ خوفِ آخرت اور اللہ کے بندوں پر شفقت جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ خزانوں کا نگران ہونے کے باوجود آپ بھوکے کیوں رہتے ہیں فرمایا کہ مجھے ڈر لگتا ہے

کہ اگر میں سیر ہو گیا تو فقراء کو بھول جاؤں گا۔

پانچواں فائدہ یہ ہے کہ تمام سعادتوں سے بڑھی ہوئی سعادت یہ ہے کہ آدمی اپنے نفس کو قابو کرے اور نفس کی تابعداری شقاوت کی معراج ہے جس طرح سرکش جانور کو بھوک سے رام کرتے ہیں یہی حال حضرت انسان کا ہے اور یہ بات محض ایک فائدہ نہیں بلکہ فائدوں کی کیمیا ہے کہ گناہوں کا سبب شہوت ہے اور شہوت کا باعث شکم سیری! حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شکم سیری کے بعد گناہ یا اس کا ارادہ ضرور ہو جاتا تھا۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو پہلی بدعت پیدا ہوئی وہ شکم سیری کی بدعت تھی۔ لوگوں نے جب سیر ہو کر کھانا شروع کر دیا تو ان کے نفس نے سرکشی اختیار کی اگر بھوک کا اور کوئی فائدہ نہ ہو تو یہ کیا کم ہے کہ شرمگاہ کی شہوت ضعیف ہو جائے اور بات چیت کی خواہش کم ہو جائے کیونکہ جو خوب کھاتا ہے وہ لغو گوئی اور غیبت میں مشغول رہتا ہے اور اس پر شرمگاہی شہوت غالب آ جاتی ہے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خزانہ میں بھوک ایک گوہر گراں بہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر ناکس و ناکس کو یہ گوہر عطا نہیں فرماتے جسے دوست رکھتے ہیں اسی پر بخشش ہوتی ہے۔ ایک حکیم نے کہا کہ سال بھر عادت سے نصف اور وہ بھی سوکھی روٹی کھانے والے کے دل سے عورتوں کا خیال بالکل نکل جاتا ہے۔

چھٹا فائدہ یہ ہے کہ بھوک برداشت کرنے والا سوتا بھی کم ہے اور کم سونا عبادات اور ذکر و فکر کی جڑ ہے۔ بالخصوص عبادت شبانہ کی اور شکم سیری کا عادی شخص نیند سے مغلوب ہوتا ہے پھر وہ مردہ کی طرح پڑا رہتا ہے اور عمر عزیز ضائع کر دیتا ہے ایک شخص ہر شب دستر خوان پر مُنادی کرواتے کہ کھانا کم کھاؤ کھانا زیادہ کھاؤ گے تو زیادہ نیند کا شکار ہو جاؤ گے اور جو زیادہ سوتا ہے وہ صبح قیامت میں پچھتائے گا۔ ستر صدیقوں کا اس پر اتفاق ہے کہ بہت سونا پانی کے سبب ہوتا ہے اور عمر ایک عظیم سرمایہ ہے اور ہر سانس موتی کی مانند ہے جس سے اُخروی سعادت حاصل ہوتی ہے اور سونا عمر کو گھٹاتا اور ضائع کرتا ہے اور جو چیز نیند کو دور کرے اس سے زیادہ عزیز چیز کونسی ہے؟ شکم سیر شخص تہجد ادا کرے گا تو بھی لذتِ مُناجات سے محروم رہے گا اور وہ سستی و کاہلی سے عبادت کرے گا ایسے شخص کے لیے احتلام کا بھی امکان ہے اس شکل میں رات بھر غسل نہ کر سکے گا اور اس طرح عبادات سے محرومی لازمی ہے۔ غسل کا معاملہ مستقل تکلیف دہ ہے کہ ممکن ہے جیب میں پیسہ نہ ہو اور آدمی حمام میں نہ جا سکے اور یہ بھی ممکن ہے کہ حمام میں جا کر کسی عورت پر نظر پڑ جائے اور انسان کسی اور آفت کا شکار ہو جائے۔ بقول حضرت ابو سلیمان رحمۃ اللہ علیہ احتلام ایک عقوبت ہے اس لیے کہ اس کا سبب سیری ہے۔

ساتواں فائدہ یہ ہے کہ کم کھانے کے سبب آدمی پر زمانہ فراخ ہو جاتا ہے اور علم و عمل میں مشغولی کے سبب مہلت اور فراغت مل جاتی ہے اس لیے کہ زیادہ کھانے والے کو کھانے' خریدنے اور سامان کا انتظار کرنے کے لیے ایک مدت درکار ہے پھر بار بار پاخانہ جانا اور طہارت کرنی پڑے گی تو بہت وقت ان کاموں کی نذر ہو جائے گا اور سانس جیسی قیمتی متاع بے ضرورت خرچ کرنا حماقت ہے۔ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی جرجانیؒ کو دیکھا جو کہ ستو کھا رہے تھے میں نے کہا کہ آپ نے روٹی کیوں نہ کھائی انھوں نے کہا کہ اس کے نگل لینے اور روٹی کے کھانے میں ستر تسبیح کے زمانہ کا فرق ہے اسی وجہ سے چالیس برس سے میں نے روٹی نہیں کھائی۔ کیونکہ روٹی چبانے کے سبب وقت کا

ضیاع مُناسب نہیں' نیز بھوک کے عادی پر روزہ آسان ہو جاتا ہے۔ مسجد میں اعتکاف اور ہمیشہ پاک صاف رہنا معمولی بات ہوتی ہے۔ آخرت کی سوداگری کے خوگر حضرات کے نزدیک یہ فائدے حقیر اور ناچیز نہیں ہیں۔ حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو پیٹ بھر کر کھاتا ہے اس میں چھ چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں: عبادت کی حلاوت و لذت سے محرومی' یادداشت اور حافظہ کی کمزوری' مخلوق پر شفقت کی محرومی' عبادت کا گراں ہونا' شہوت کا بڑھ جانا' سب مسلمان تو مسجدوں کا رخ کرتے ہیں اور ایسے لوگ بیت الخلاء کے چکر میں ہوتے ہیں۔

آٹھواں فائدہ یہ ہے کہ کم خور تندرست رہتا ہے' بیماری کی تکلیف' دوا کا خرچ' طبیب کی ناز برداری' فصد کھلانے' پچھنے لگوانے اور کڑوی دواؤں کے صدمات سے آدمی محفوظ رہتا ہے۔ حکماء اور اطباء نے اس امر پر اتفاق کیا ہے کہ کم کھانے کے سوا ایسی کوئی چیز نہیں جو سراسر نفع نہ ہو اور اس میں کسی قسم کا ضرر اور نقصان نہ ہو۔ ایک حکیم کے بقول اشیاء خوردنی میں انار بہترین اور نافع ترین ہے جبکہ خشک گوشت بدتر چیز ہے تھوڑی مقدار میں خشک گوشت کھانے کے مقابلہ میں زیادہ مقدار میں انار کھالینا بہتر ہے حدیث میں آتا ہے کہ روزہ رکھو تاکہ تم تندرست رہو۔

نواں فائدہ یہ ہے کہ کم کھانے والے کا خرچ بھی کم ہوتا ہے اور اسے زیادہ مال کی حاجت و ضرورت نہیں ہوتی جبکہ تمام آفات' گناہ اور دل کی مشغولی بہت زیادہ مال کی حاجت و خواہش اور حرص کے سبب ہوتا ہے جو آدمی روزانہ اچھی اشیاء کے زیادہ مقدار میں کھانے کی فکر میں رہے گا تو وہ حرام اور مشتبہ چیزوں میں بھی پڑ سکتا ہے ایک عقلمند کا کہنا ہے کہ میری اکثر خواہشات یوں پوری ہو جاتی ہیں کہ میں ان سے ہاتھ کھینچ لیتا ہوں اور یہ معاملہ مجھ پر آسان ہو چکا ہے دوسرے نے کہا کہ کسی سے قرض مانگنے کی بجائے اپنے پیٹ سے قرض لینا ہی بہتر ہے کہ اسے بھوکا رکھا جائے۔ حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ مختلف چیزوں کے نرخ معلوم کرتے تو لوگ کہتے کہ بہت گراں ہے، تو فرماتے اَرخِصُوهُ بِالتَّركِ کہ اس کو چھوڑ دو خود بخود ارزاں ہو جائے گی۔

دسواں فائدہ یہ ہے کہ اپنے پیٹ پر جسے قدرت حاصل ہو جاتی ہے تو صدقہ دینے' لوگوں پر خرچ کرنے اور لوگوں کے ساتھ شفقت پر قادر ہو جاتا ہے اس لیے کہ جو کچھ پیٹ میں ہوتا ہے اس کی جگہ تو پاخانہ ہے اور جو صدقہ میں دیتا ہے تو وہ اللہ کی رحمت کے ہاتھ میں چلا جاتا ہے حضور علیہ السلام نے ایک پیٹو کو دیکھا تو فرمایا کہ پیٹ میں بھرنے کے بجائے تو صدقہ کر دیتا تو زیادہ بہتر ہوتا۔

کھانا کھاتے وقت کم کھانے میں مرید کے آداب کا بیان

حلال کھانے میں مرید کو تین باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ کم کھائے۔ انسان کو بتدریج کھانا کم کرنا چاہیے ایک دم کم کرنے سے نقصان ہو گا مثلاً جسے ایک دن ایک روٹی کی عادت ہو تو وہ پہلے ایک نوالہ کم کھائے پھر اسی طرح کم کرتا جائے۔ جب اس طرح کرے گا تو ایک مہینہ میں پوری روٹی سے دستبردار ہو جائے گا یہ معاملہ آسان بھی ہو گا اور تکلیف بھی نہیں ہو گی۔ طبیعت آمادہ اور عادی ہو جائے گی۔ اس کے بعد مقدار مقرر کر لے گا اس کے چار درجے ہیں:

پہلا درجہ تو صدیقین کا ہے یعنی بقدرِ ضرورت پر قناعت' حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ نے یہی طریق اختیار کیا تھا ان کا کہنا تھا کہ عبادت زندگی عقل اور قوت سے ہوتی ہے جب تک قوت گھٹنے کا خوف نہ ہو کھانا نہیں چاہیے اس لیے کہ جو شخص بھوک کے سبب ضعیف ہو اس کی نماز بیٹھ کر افضل ہے اس شخص کی نماز سے جو شکم سیر ہو اور جب زندگی یا عقل میں خلل کا خوف ہو تو پھر کھانا ضروری ہے کہ عقل کے بغیر بندگی نہیں ہو سکتی اور جان بجائے خود اصل ہے۔ ان سے جب پوچھا گیا کہ آپ کس طرح کھاتے تھے تو فرمایا کہ میرا سالانہ خرچ صرف تین دام تھا ایک دام کے چاول اور آٹا اور ایک دام کا شہد اور ایک کا روغن (تیل) جمع کر کے تین سو ساٹھ پیڑے بنا لیتا ہر روز ایک سے روزہ افطار کر لیتا لوگوں نے پوچھا اب کیا انداز ہے فرمایا جیسی آ پڑے گزر ہو جاتی ہے۔ بعض راہب روزانہ ایک دام سے زیادہ نہیں کھاتے یہ لوگ اس قلیل مقدار پر بتدریج پہنچتے ہیں۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ آدمی آدھے مُد پر قناعت کرے جو روٹی چار من کی ہو اس میں سے ایک روٹی پوری اور ایک تہائی آدھے مُد کی ہوتی اس سے ایک تہائی پیٹ بھر جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے:

((ثُلُثٌ لِلطَّعَامِ وَثُلُثٌ لِلشَّرَابِ وَثُلُثٌ لِلذِّكْرِ))

جبکہ ایک روایت میں ثلث للنفس (سانس) آیا ہے اور یہ بات ہے جو حضور علیہ السلام نے فرمائی کہ چند لقمے انسان کے لیے کافی ہیں۔ یہ روٹی بالعموم دس لقموں سے کم ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سات یا نو لقمے کھاتے اور بس!

تیسرا درجہ یہ ہے کہ آدمی ایک مد پر اکتفا کرے یہ مقدار اکثر لوگوں کے حق میں تہائی کے بجائے نصف پیٹ کے لیے کفایت کرے گی۔

چوتھا درجہ یہ ہے کہ من پورا ہو اور ممکن ہے کہ مد سے بڑھ جانے والی مقدار اسراف میں داخل ہو جائے اور اس آیت میں بتلائی گئی وعید میں آ جائے:

﴿ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴾ (الاعراف)

"کھاؤ پیئو لیکن اسراف نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"

یہ مسئلہ وقت' ہاتھ پاؤں اور کام کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے۔ یہ بات بہرحال طے شدہ ہے کہ کچھ لقموں کی بھوک باقی ہو تو ہاتھ کھینچ لینا چاہیے۔ بعض لوگوں نے اندازہ مقرر نہیں کیا مگر یہ کوشش کی کہ جب تک خوب بھوک نہ لگے نہ کھائیں اور ہنوز بھوک باقی ہو کہ ہاتھ کھینچ لیں اور بھوک کی علامت یہ ہے کہ آدمی سالن بغیر روٹی کی خواہش کرے اور جو جوار' باجرہ کی روٹی میسر ہو تو شوق سے کھا لے۔ اگر روٹی کے ساتھ سالن وغیرہ تلاش کیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ابھی سچی بھوک نہیں لگی۔ اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم نے آدھے مد سے تجاوز نہیں کیا۔ ایک جماعت وہ تھی کہ اس کا کھانا ہر ہفتہ میں ایک صاع ہوا کرتا تھا اور ایک صاع چار مد کے برابر ہوتا ہے۔ وہ لوگ اگر کھجور کھاتے ہیں تو ڈیڑھ صاع کے برابر' کیونکہ اس میں سے گٹھلی نکل جاتی۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں میری غذا پورے ہفتہ میں ایک صاع کے برابر ہوتی اور قسم اللہ تعالیٰ کی کہ اپنی موت تک اسی پر قائم رہوں گا۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بعض لوگوں پر بگڑتے کہ تم غذا کی سابقہ مقدار سے پھر گئے ہو حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرا بڑا دوست اور مقرب وہ

ہے جو اسی حال میں مرے جس میں آج ہے یہ فرما کر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم اس انداز سے پھر گئے ہو اب تم نے آٹا چھان کر اور پتلی پتلی روٹیاں پکا کر کھانا شروع کر دی ہیں۔ سالن دو طرح کے کھانے لگے اور رات دن کے کپڑے الگ الگ کر دیئے ہیں حالانکہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ایسا نہ تھا اہل صفہ میں سے دو آدمیوں کی غذا ایک مد کھجور ہوتی تھی جب کہ ان سے بھی گٹھلیاں نکل جاتی تھیں۔

حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر تمام جہان خون ہی خون ہو جائے تو بھی اس میں میری غذا حلال ہی ہو گی اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی شدید ضرورت سے زیادہ مقدار میں نہ کھائے۔ وہ مُراد نہیں جو فرقہ اباحیہ کے لوگوں نے سمجھی کہ حرام جب کسی کو مل جاتا ہے تو وہ حلال ہو جاتا ہے اس لیے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صدقہ کی کھجوریں آئیں تو ان کی پوزیشن جوں کی توں رہی۔

دوسری احتیاط کا تعلق کھانے کے وقت سے ہے اس کے تین درجے ہیں بڑا درجہ یہ ہے کہ تین تین دن سے زیادہ تک کچھ نہ کھائے بعض اہل اللہ ایسے تھے جو ایک ایک ہفتہ بلکہ دس دس دن تک کچھ نہ کھاتے تابعین میں سے بعض حضرات وہ تھے جو چالیس چالیس دن کچھ نہیں کھاتے تھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ چھ چھ دن کھانا تناول نہ فرماتے حضرت ابراہیم ادھم اور سفیان ثوری رحمہما اللہ تین دن بعد کھانا کھاتے۔

اہل اللہ کا کہنا ہے کہ جو شخص چالیس دن تک کچھ نہ کھائے گا تو ملکوتِ آسمان کے عجائبات میں سے اس پر ضرور کچھ ظاہر ہو گا۔

ایک صوفی نے ایک راہب سے مناظرہ کیا کہ حضور علیہ السلام پر ایمان کیوں نہیں لاتا راہب نے کہا کہ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چالیس دن تک کچھ نہیں کھایا اور یہ بات سچے نبی کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ تمہارے نبی نے ایسا نہیں کیا۔ صوفی نے کہا کہ اپنے نبی کی اُمت کا میں ایک فرد ہوں اگر میں چالیس دن تک کچھ نہ کھاؤں تو پھر ایمان لاؤ گے؟ اس نے وعدہ کر لیا تو صوفی پچاس دن تک صبر کیے رہا اور کہا کہ اور صبر کروں؟ راہب نے کہا ہاں' اس طرح صوفی نے ساٹھ دن پورے کیے چنانچہ وہ راہب ایمان لایا۔ یہ بہت بڑا درجہ ہے تکلف سے اس کو نہیں پہنچا جا سکتا مگر وہ شخص جسے اس عالم کے باہر کا کوئی کام پیش آیا ہو اور وہ کام اس کی قوت پر نگاہ رکھتا ہو اور اس شخص کو مشغول رکھتا ہو تو بھوک کا احساس نہیں ہو گا۔

دوسرا درجہ یہ ہے کہ دو دو اور تین تین دن کچھ نہ کھائے یہ ممکن ہے اور اکثر لوگ ایسا کر گزرتے ہیں۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ ہر روز ایک بار کھائے یہ درجہ سب درجوں سے کم ہے اور جب دو بار کھائے گا تو حد اسراف میں داخل ہو جائے گا اور کسی وقت بھوکا نہیں رہے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب صُبح کھانا تناول فرماتے تو شام کو ناغہ کرتے اور شام کو کھاتے تو صُبح ناغہ فرماتے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار اسراف نہ کرنا ایک دن میں دوبار کھانا اسراف ہے۔ جب آدمی ایک ہی وقت کھانے کی عادت بنا لے تو بہتر یہ ہو گا کہ صُبح کے وقت کھائے تاکہ تہجد میں ہلکا پھلکا رہے اور دِل صاف ہو اور اگر رات کو کھانے کا خیال ہو تو ایک روٹی افطار کے وقت کھائے اور ایک صبح۔

تیسری احتیاط طعام کی جنس سے متعلق ہے۔ گیہوں کا چھنا ہوا آٹا اعلیٰ جنس ہے اور جو کا بے چھنا آٹا ادنیٰ جنس' جبکہ جو کا چھنا ہوا آٹا متوسط جنس ہے روٹی کے ساتھ کھانے کی چیزوں میں سے بہتر تو گوشت اور مٹھائی ہے اور سب سے کمتر سرکہ او رنمک ہے اور چپڑی ہوئی روٹی متوسط درجہ کی ہے جو لوگ آخرت کی راہ اپنا لیتے ہیں ان کی عادت یہ ہوتی ہے کہ روٹی کے ساتھ دوسری چیز سے پرہیز کرتے ہیں اور دل میں جس چیز کی خواہش ہوتی ہے اس کو چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ نفس جب خواہش کی چیز پالیتا ہے تو اس میں غرور اور غفلت اور ظلمت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ دُنیا کی زندگی کو دوست رکھتا ہے موت سے اسے دشمنی ہو جاتی ہے آدمی کا فرض ہے کہ دُنیا کو اپنے اوپر تنگ کرے تاکہ وہ اسے قید خانہ معلوم ہو اور موت کے بعد اس قید خانہ سے نجات حاصل کر سکے۔ حدیث میں ہے :

((شِرَارُ اُمَّتِی الَّذِیْنَ یَاْکُلُوْنَ مُخَّ الْحِنْطَةِ))

"میری اُمت میں بدترین لوگ وہ ہیں جو گندم کا آٹا چھان کر کھائیں"

ایسا کرنا حرام تو نہیں لیکن کبھی کبھار کھانا چاہیے ہمیشہ کھانے سے طبیعت پر اچھے کھانوں کی خواہش غالب ہو جاتی ہے اور پھر غفلت کا ڈر پیدا ہو جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میری اُمت کے بدترین لوگ وہ ہیں جن کا بدن ہر قسم کی نعمتوں سے بنا ہوا رہے اور وہ ہر وقت مختلف النوع طعام اور لباس میں مشغول ہوں اور طرح طرح کی باتیں بنائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ اے موسیٰ آپ جان لیں کہ آپ کا ٹھکانہ قبر ہے اس لیے بدن کو شہوت پرستی سے بچائیں! جس شخص کے لیے اسبابِ تنعُّم مہیا ہوں اور ہر آرزو پوری ہو جائے اسلاف اسے نیک نہیں سمجھتے۔ حضرت وہب بن منبہ قدس سرہٗ نے فرمایا کہ چوتھے آسمان پر دو فرشتوں کی ملاقات ہوئی ایک نے کہا کہ فلاں یہودی نے فلاں قسم مچھلی کی تمنا کی ہے میں جا رہا ہوں تاکہ اسے ماہی گیری کے جال میں پھنسا دوں۔ دوسرے نے کہا کہ فلاں عابد کے پاس اس کی خواہش کے مطابق لوگ گھی کا پیالہ لائے ہیں میں اسے گرانے جا رہا ہوں۔

لوگوں نے ایک کٹورا ٹھنڈے پانی میں شہد بھر کر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حضور پیش کیا تو آپ نے پینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ اس کے حساب سے مجھے دُور رکھو۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما بیمار تھے بھنی ہوئی مچھلی کھانے کو جی چاہا بقول ان کے خادم حضرت نافع رضی اللہ عنہ مدینہ میں مچھلی دستیاب نہ تھی میں تلاش بسیار کے بعد ڈیڑھ درم میں خرید کر بھون کر ان کے پاس لے گیا تو اتنے میں ایک فقیر آ گیا آپ نے فرمایا کہ اسے دے دو۔ میں نے کہا آپ کو اس کی خواہش تھی اور میں بڑی کوشش سے لایا ہوں اسے رہنے دیں میں فقیر کو اس کی قیمت دے دیتا ہوں فرمایا کہ نہیں یہی دے دو میں نے وہ مچھلی فقیر کو دے دی اور اس کے پیچھے ہو لیا پھر اس سے مول لے کر قیمت ادا کر دی اور دوبارہ آپ کے پاس لایا اور بتلایا کہ میں نے قیمت ادا کر دی ہے آپ نے فرمایا یہ بھی اسے لوٹا دو اور قیمت بھی واپس مت لو اس لیے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس چیز کی خواہش ہو اور اللہ کے لیے انسان اس سے دستبردار ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتے ہیں۔ حضرت عتبہ الغلام رحمۃ اللہ علیہ خمیر کو سورج کی گرمی میں خشک کر کے کھایا کرتے تھے اور اسے کھانے نہ دیتے تھے تاکہ اس کا مزہ نہ مل سکے اور پانی دھوپ سے اٹھا کر نہ رکھتے اسی طرح گرم ہی پی لیتے۔ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے باوجود خواہش چالیس برس تک دودھ نہیں پیا کوئی شخص ان کے پاس تازہ کھجور لے گیا تو دیر میں ہاتھ میں لینے کے بعد فرمایا تم ہی کھا لو۔

میں نے چالیس برس سے نہیں کھایا۔ حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کے مُرید احمد بن الحواریؒ کہتے کہ میرے شیخ نے نمک کے ساتھ گرم روٹی کی خواہش کی تو میں لے آیا۔ انھوں نے نوالہ اٹھا کر رکھ دیا اور رو کر کہا کہ اے اللہ تو نے میری خواہش کی چیز میرے سامنے لا کر رکھ دی یہ میری عقوبت ہے میں توبہ کرتا ہوں میرے گناہ بخش دے۔ حضرت مالک بن ضیغم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بصرہ کے بازار سے گزرتے ہوئے ایک دن ایک ترکاری کی خواہش دِل میں پیدا ہوئی تو میں نے قسم کھائی کہ یہ نہیں کھاؤں گا اور پھر چالیس برس صبر کیا حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پچاس برس سے دُنیا کو طلاق دے دی ہے دودھ کے شربت کی آرزو ہے لیکن نہ پیا ہے نہ پیوں گا حتیٰ کہ اپنے رب کے پاس پہنچ جاؤں گا۔

حضرت حماد بن ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہما نے فرمایا ہے کہ جب میں حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کے دروازے پر گیا تو میرے کان میں آواز آئی کہ تو نے ایک مرتبہ گاجر کا تقاضا کیا تو میں نے مہیا کر دی اب کھجور مانگتا ہے یاد رکھ یہ تجھے کبھی نہیں مل سکتی۔ اندر جو گیا تو معلوم ہوا کہ انکے پاس کوئی دوسرا شخص نہیں خود اپنے آپ کو یہ کہہ رہے ہیں۔ حضرت عتبہ الغلام رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عبدالواحد بن زید قدس سرہٗ سے کہا کہ فلاں شخص اپنے دِل کی جو حالت بیان کرتا ہے میں اس سے محروم ہوں۔ انھوں نے فرمایا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ تو خشک اور روکھی روٹی کھاتا ہے اور تم کھجور کے ساتھ! عرض کیا کہ اگر کھجور چھوڑ دوں تو اس حالت کو پہنچ جاؤں گا؟ فرمایا ہاں چنانچہ انھوں نے کھجور چھوڑ دی اور رونا شروع کر دیا۔ لوگوں نے کہا کہ کھجور کے لیے روتے ہو حضرت عبدالواحد نے جواب دیا کہ ان کا نفس تو کھجور چاہتا ہے اور ان کا پختہ عزم یہ ہے کہ وہ اب کھجور نہیں کھائیں گے اس لیے رو رہے ہیں۔ حضرت ابوبکر جلا قدس سرہٗ نے فرمایا کہ میں ایک ایسے شخص کو جانتا ہوں کہ اس کا نفس ایک چیز کی تمنا کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں دس روز تک صبر کروں گا اور کچھ نہیں کھاؤں گا مجھے میری مطلوبہ چیز دے دو وہ شخص کہتا ہے کہ میں یہ نہیں چاہتا کہ تو اس دن تک کچھ نہ کھائے مجھے یہ مطلوب ہے کہ تو اس خواہش سے دست بردار ہو جا۔

بزرگوں اور سالکوں کی راہ یہی ہے کہ اگر کوئی شخص اس درجہ کو نہ پہنچنے پائے تو کم از کم اتنا تو کرے کہ بعض خواہشات سے دستبردار ہو جائے اور اپنی خواہش کی چیز دوسرے کو دے دے اور ہمیشہ گوشت ہی نہ کھایا کرے اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ جو شخص مسلسل چالیس دن گوشت کھاتا ہے اس کا دِل سخت ہو جاتا ہے اور جو مسلسل چالیس دن نہیں کھاتا وہ بدخو ہو جاتا ہے نقطۂ اعتدال وہ ہے جو حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے کو بتلایا کہ ایک بار تو گوشت کھاؤ۔ ایک بار دودھ ایک بار روغن' پھر سرکہ اور پھر روکھی روٹی اور مستحب یہ ہے کہ آدمی سیر ہو کر نہ کھائے۔ ورنہ دو غفلتیں اکٹھی ہو جائیں گی۔ حدیث میں ہے کہ کھانے کو نماز اور ذکر کے لیے چھوڑ دو اور سویا نہ کرو کہ اس سے دِل سیاہ ہو جاتا ہے۔ اسلاف نے کہا ہے کہ کھانے کے بعد ۴ رکعت نفل اور سو بار تسبیح کہنا چاہیے یا کچھ مقدار میں قرآن عزیز پڑھا لینا چاہیے۔ حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ جب سیر ہو کر کھانا کھاتے تو پھر رات بھر عبادت کرتے اور فرماتے کہ جب چارپائے کو پیٹ بھر کے کھلایا تو اس سے کام بھی سخت لینا چاہیے۔ ایک بزرگ اپنے مُریدین سے فرماتے کہ خواہش کی چیز سے احتراز کرو اگر کھاؤ تو تلاش نہ کرو (مل جائے تو الگ بات ہے) اور تلاش کرو تو محبوب نہ رکھو۔

بھوک کی ریاضت کے اسرار نیز اس میں پیر مُرید کے احکام مختلف ہونے کا ذکر

بھوک سے مقصد یہ ہے کہ نفس مطیع و منقاد ہو جائے تو اسے ادب سے زندگی گزارنے کا ڈھنگ آ جائے جب وہ راہِ راست پر آ گیا تو ان قیدوں سے بے پرواہ ہو جائے گا۔ اس لیے شیخ مُریدین کو ان ریاضتوں کا حکم دیتا ہے جبکہ وہ خود ان کا اہتمام نہیں کرتا کیونکہ بھوک مقصد نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ اتنی مقدار میں کھایا جائے کہ گرانی نہ ہو اور بھوک بھی معلوم نہ ہو کیونکہ یہ دونوں باتیں عبادت میں حارج ہیں آدمی کا کمال اس میں ہے کہ وہ ملائکہ کی صفت پر ہو جنہیں نہ تو بھوک کی تکلیف ہوتی ہے نہ کھانے کی گرانی۔ اور ابتداء میں نفس پر جبر کیے بغیر یہ حالت نہیں ہو سکتی۔ بعض بزرگ تو اپنے آپ سے ہمیشہ بدگمان رہتے ہیں اور محتاط طریق سے چلتے ہیں اور اپنے نفس کی نگہداشت کرتے رہتے ہیں اور جو شخص کامل ہوتا ہے وہ اعتدال کی حالت پر استقامت اختیار کر لیتا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کبھی تو اس قدر روزے رکھتے کہ لوگ سمجھتے کہ اب افطار نہیں ہو گا اور کبھی اس کے برعکس ہوتا اور جب گھر میں آپ ﷺ کچھ طلب فرماتے اور موجود ہوتا تو نوشِ جان فرما لیتے ورنہ ارشاد فرماتے کہ میں روزہ دار ہوں۔ آپ ﷺ کو گوشت اور شہد پسند تھا۔ حضرت معروف کرخی قدس سرہٗ کے پاس اچھا کھانا لایا جاتا تو تناول فرما لیتے جبکہ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ تناول نہ فرماتے اوّل الذکر سے اس کی وجہ پوچھی گئی تو فرمایا کہ میرے بھائی پر زہد اور ورع غالب ہے اور مجھے معرفت نصیب ہو گئی ہے میں اپنے مالک کا مہمان ہوں جو ملتا ہے کھا لیتا ہوں نہیں تو صبر کر لیتا ہوں۔ اختیار و انکار کا مسئلہ ہی باقی نہیں رہا۔ باقی جو شخص نفس کی مخالفت کی طاقت نہ رکھتا ہو اور کہے کہ میں حضرت معروف کرخی جیسا ہوں اور مجھ پر باب معرفت وا ہو گیا ہے وہ احمق ہے اور یہ بات اس کے غرورِ نفس پر دلالت کرتی ہے۔ ریاضت اور مشقت دو آدمی نہیں کرتے یا تو وہ صدیق جس نے اپنا کام بنا لیا اور یا وہ احمق جو سمجھتا ہے کہ میرا کام بن چکا۔ حضرت معروفؒ کو اپنی ذات میں تصرف و اختیار باقی نہیں رہا تھا ان کی انانیت ختم ہو گئی تھی کیونکہ اگر کوئی اُن سے گستاخی سے پیش آتا تو انھیں غُصّہ نہ آتا اور سمجھتے کہ یہ کام من جانب اللہ ہے یہ بات اسی کی درست ہو گی جو ان کے مثل ہو۔ اور حضرت بشر حافی، سری سقطی اور مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہم جیسے لوگ اپنے نفس سے مطمئن نہ ہوئے اور برابر ریاضت و مشقت کرتے رہے تو دوسرا کون ہے جو اپنی نسبت کمال کا گمان کرے اور حضرت معروف کرخی کی برابری کا دعویٰ کرے۔

کھانا پینا چھوڑ دینے کے نقصانات کا بیان

اس عمل سے دو آفتیں پیدا ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ بعض آدمی خواہشات چھوڑ دینے پر قادر نہیں ہوتے اور یہ نہیں چاہتے کہ لوگ اس بات کو جانیں تو تنہائی میں کھاتے ہیں اور ظاہر میں یوں رہتے ہیں کہ گویا انھوں نے کچھ نہیں کھایا یہ کھلا نفاق ہے۔ عین ممکن ہے کہ شیطان اسے فریب دے کر باور کرائے کہ یہ بات مُسلمانوں کے حق میں نفع کی ہے اس لیے عین ممکن ہے کہ وہ بھی تیری پیروی کریں حالانکہ یہ بات مُسلمانی کی نہیں منافقت کی ہے اور محض دغا ہے اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ لوگوں کو دکھانے کی غرض سے خواہش کی چیز مول لے لیتے ہیں اور گھر میں لے جا کر مخفی طریقہ سے خیرات کر دیتے ہیں یہ نہایت ہی سچائی کا کام ہے اور اس کی توفیق صدیقین کو نصیب ہوتی ہے یہ کام نفس پر بہت

دشوار ہے۔ اخلاص کی شرط یہ ہے کہ یہ چیز آسان ہو جائے کیونکہ جب تک یہ معاملہ شاق گزرتا ہے تو گویا ابھی دل میں کچھ ریا باقی ہے اور ایسا شخص ریا کا مطیع کہلانے کا مستحق ہے وہ حق کی تابعداری نہیں کرتا اور جو شخص کھانے کی شہوت سے بھاگ کر ریا کی شہوت میں گر پڑے وہ ایسا ہے جیسے بارش سے بھاگ کر پرنالہ تلے پناہ لینا۔ اس لیے آدمی پر لازم ہے کہ جب نفس میں خواہش پیدا ہو تو لوگوں کے سامنے قلیل مقدار میں کھا لے پیٹ بھر کر نہ کھائے تاکہ ریا اور بھوک دونوں کا علاج ہوتا رہے۔

شرمگاہ کی شہوت کے مصائب

اللہ تعالیٰ نے شہوت جو آدمی میں رکھی ہے تو اس کا مطلب و مقصد تخم ریزی ہے تاکہ نسل منقطع نہ ہو اور یہ بہشت کی لذت کا نمونہ بھی ہے اس کی آفت بڑی شدید ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شیطان نے کہا کہ کسی عورت کے پاس تنہائی میں بیٹھنے سے احتراز کریں اس لیے کہ خلوت کے دوران میں بھی ساتھ ہوں تاکہ انھیں مصیبت میں مبتلا کروں۔ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جس نبی کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا شیطان عورتوں کے معاملہ میں ان سے ناامید ہی رہا اور میں جتنا اس سے ڈرتا ہوں کسی چیز سے نہیں ڈرتا اسی سبب اپنے اور اپنے لڑکے کے سوا کہیں نہیں جاتا۔ یاد رکھنا چاہیے کہ اس میں افراط و تفریط بھی ہوتی ہے اور درجہ توسط و اعتدال بھی ہے افراط تو یہ ہے کہ آدمی فواحش تک سے نہ شرمائے اور اپنے آپ کو اس میں غرق کر دے ایسی شہوت کا موثر ترین علاج روزہ ہے اگر روزہ سے فائدہ نہ ہو تو پھر نکاح کرے۔ تفریط یہ ہے کہ شہوت سرے سے جاتی رہی اور یہ بھی نقصان کی بات ہے اعتدال کی شکل میں شہوت انسان کے مطیع ہوتی ہے۔ بعض لوگ شہوت میں اضافہ کی خاطر ایسی اشیاء استعمال کرتے ہیں جو اس کا سبب ہوتی ہیں یہ حماقت ہے اور اس شخص کی مثال اس شخص کی ہے جو زنبور کے چھتے کو چھیڑے ہاں اگر کسی نے کئی نکاح کیے ہوں تو بیویوں کا حق ادا کرنے کے لیے ایسا کرنا کچھ بڑا نہیں۔ اس لیے کہ مرد تو عورتوں کے حصار میں ہوتا ہے۔ غرائب الاخبار میں ہے کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے ضعف محسوس کیا تو حضرت جبریل علیہ السلام نے مجھے حریسہ پینے کا مشورہ دیا اس کا سبب یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیویاں تھیں جو تمام لوگوں پر حرام ہو گئی تھیں اور تمام جہان سے اُن کی امید منقطع تھی۔

اس شہوت کی آفتوں میں سے ایک عشق ہے وہ بہت گناہوں کا سبب ہوتا ہے اگر آدمی ابتدا میں احتیاط نہ کرے تو ہاتھ سے جاتا رہتا ہے اور احتیاط کی صورت یہ ہے کہ آنکھ کو محفوظ رکھے اگر اتفاقاً کسی پر آنکھ پڑ جائے تو اسے دوبارہ روکنا آسان ہو گا اور اگر آنکھ کو بلا قید چھوڑ دیا تو پھر مشکل ہو جائے گا۔ اس معاملہ میں نفس کی مثال چارپایہ جیسی ہے اگر وہ کسی طرف جانے کا قصد کرے تو پہلی ہی مرتبہ اس کی باگ پھیرنا آسان ہوتا ہے اور جب وہ مطلق العنان ہو گیا تو پھر معاملہ دگرگوں ہو جائے گا۔ حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے کو وصیت فرمائی کہ شیر اور سانپ کے پیچھے جانا تو درست ہے لیکن عورت کے پیچھے جانا بالکل صحیح نہیں۔ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام سے لوگوں نے پوچھا زنا کا منبع کیا ہے فرمایا آنکھ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نگاہ ابلیس کے تیروں میں سے زہر میں بجھا ہوا تیر ہے جو شخص اللہ کے ڈر سے اپنی آنکھ کو محفوظ رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے اسے ایسا ایمان عنایت فرماتے ہیں جس کی

حلاوت اپنے دِل میں محسوس کرتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے بعد مردوں کے لیے عورتوں سے بڑا کوئی فتنہ نہیں چھوڑا اور فرمایا کہ شرم گاہ کی طرح آنکھ بھی زنا کرتی ہے۔ دیکھنا آنکھ کا زنا ہے جو شخص آنکھ کو نہ بچا سکے اس پر لازم ہے کہ شہوت کا علاج روزہ سے کرے۔ ورنہ نکاح کرے اگر امرد لڑکوں سے آنکھ نہ بچا سکے تو یہ بڑی مصیبت ہے اس لیے کہ اس فعل کو آدمی حلال کر ہی نہیں سکتا اور جو شخص شہوت کے سبب امرد لڑکوں کو گھورے اور اس سے راحت محسوس کرے اس کا امرد لڑکوں کو دیکھنا حرام ہے لیکن اگر اس قسم کی راحت حاصل ہو جیسے سبزہ اور شگوفہ اور اچھے اچھے نقش و نگار دیکھنے سے حاصل ہوتی ہے تو خیر کیونکہ یہ کچھ نقصان نہیں کرتی اور اس کی پہچان یہ ہے کہ دیکھنے والے کے دِل میں لونڈے کے ساتھ قربت کا خیال اور تقاضا نہ ہو اس واسطے کہ گل اور شگوفہ اگرچہ اچھا ہو لیکن اسے بوسہ دینے اور چھونے کی خواہش تو بہرحال نہیں ہوتی اور جب قربت کی خواہش ہو تو یہ شہوت کی علامت اور لواطت کی طرف پہلا قدم ہے ایک صوفی نے کہا ہے کہ اگر غضب ناک شیر کسی پر جھپٹ پڑے تو وہ اتنا بُرا نہیں جتنا امرد لڑکوں سے ملنا۔

ایک صاحب کہتے ہیں کہ مجھ پر شہوت اس قدر غالب ہو گئی کہ میں تحمل نہ کر سکا میں نے بہت دُعا اور آہ و زاری کی ایک رات ایک بزرگ کو خواب میں دیکھا انھوں نے مجھ سے پوچھا تمہیں کیا ہوا؟ میں نے انھیں صورتِ حال بتلائی انھوں نے میرے سینہ پر ہاتھ پھیرا پھر جب جاگ آئی تو سکون ہو گیا۔ سال کے بعد پھر وہی حالت ہوئی۔ اب ان بزرگوں نے خواب میں فرمایا کہ تم چاہتے ہو کہ شہوت دفع ہو جائے میں نے عرض کیا ہاں' انھوں نے کہا گردن جھکاؤ میں نے جھکائی تو میری گردن پر تلوار ماری چنانچہ جب میں جاگا تو سکون ہو گیا ایک سال کے بعد پھر ایسا ہی ہوا اب اس بزرگ نے کہا اس چیز کا دفعیہ کہاں تک چاہے گا جس کو دفع کرنے کو اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتے چنانچہ میں نے شادی کر لی پھر نجات پائی۔

شہوت کی مخالفت کرنے والے کا ثواب

جتنی شہوت غالب ہو گی اسی قدر اس کے خلاف کرنے میں ثواب زیادہ ہو گا۔ آدمی پر شہوت سے زیادہ کوئی چیز غالب نہیں لیکن اس کا مطلوب بُرا ہے اور اکثر لوگ جو یہ شہوت نہیں بجھاتے تو اس کا سبب یا تو عجز ہوتا ہے یا شرم یا پھر خوف کہ بدنامی ہو گی اور جو شخص ان وجوہات سے پرہیز کرتا ہے اسے کوئی ثواب نہیں کیونکہ یہ دنیوی اغراض کی طاعت ہے۔ شریعت کی اطاعت نہیں۔ لیکن گناہ سے عاجز ہونا بھی سعادت ہے کہ آدمی گناہ اور عقوبت سے تو بچتا ہے اگر کوئی شخص حرام پر قادر ہو اور کوئی مانع بھی نہ ہو اور اللہ کے واسطے اس سے دست بردار ہو تو اس کا بڑا ثواب ہے اور ایسا شخص ان سات آدمیوں میں سے ایک ہے جو قیامت کے دن عرشِ الٰہی کے سایہ میں ہوں گے اور اس معاملہ میں اس کا درجہ حضرت یوسف علیہ السلام کے درجہ کے برابر ہو گا اس واسطے کہ یہ گھاٹی طے کرنے میں حضرت یوسف علیہ السلام پیشوا اور امام ہیں۔

حکایت : سلیمان بن بشار رحمۃ اللہ علیہ بہت ہی حسین آدمی تھے ایک عورت نے اپنے آپ کو ان کی خدمت میں پیش کیا۔ یہ بھاگے اسی شب حضرت یوسف علیہ السلام کو خواب میں دیکھا اور پوچھا آپ یوسف ہیں۔ فرمایا ہاں میں وہ یوسف ہوں جس نے قصد کیا اور تو وہ سلیمان ہے جس نے قصد بھی نہیں کیا۔ یہ اس آیت کی طرف اشارہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا ﴾ (یوسف) "اس عورت نے ان کا قصد کیا اور یوسف علیہ السلام نے اس کا"

اور یہی سلیمان بیان کرتے ہیں کہ میں صبح کو جاتا تھا مدینہ سے نکل کر ابوا نامی مقام میں پہنچا تو میرا ہمسفر تو سودا سلف خریدنے چلا گیا عرب کی ایک عورت انتہائی خوبصورت ٹھکا ٹھک میرے پاس آئی اور کہنے لگی۔ اے ساقی خُدا کے لیے مجھ پر الطاف و کرم کر اور وصل سے میرا پیمانہ بھردے۔ میں نے سوچا کہ اسے روٹی درکار ہے۔ میں نے دسترخوان طلب کیا تاکہ اسے کھانا دوں لیکن اس نے کہا کہ مجھے کھانا درکار نہیں بلکہ میں وہ مقصد پورا کرنا چاہتی ہوں جو عورت مرد کے باہمی ملاپ سے ہوتا ہے۔ یہ سن کر میں چکرا گیا اور زار و قطار رونے لگا۔ میرے رونے دھونے کو دیکھ کر وہ وہاں سے چلی گئی۔ ہم سفر واپس پلٹا تو رونے کے اثرات دیکھ کر اس کا سبب پوچھا تو میں نے کہا کہ اہل و عیال کا خیال آ گیا اس نے کہا کہ تم ہنوز فارغ البال ہو کوئی نئی بات پیش آئی ہے اس کے اصرار کے پیش نظر میں نے سارا واقعہ سنا دیا تو وہ بھی رونے لگا۔ میں نے اس سے رونے کا سبب پوچھا تو اُس نے کہا کہ اگر میرے ساتھ ایسا واقعہ پیش آتا تو میں ایسا نہ کر سکتا پھر جب ہم مکّہ معظمہ لوٹے تو طواف و سعی کے بعد میں ایک حجرہ میں سو گیا معاً ایک شخص کو دیکھا نہایت حسین و جمیل' کشادہ رو' دراز قد میں نے پوچھا تم کون ہو؟ انھوں نے فرمایا میں یوسف ہوں۔ میں نے عرض کیا یوسف صدیق؟ فرمایا ہاں۔ میں نے عرض کیا آپ علیہ السلام کے ساتھ عزیز مصر کی عورت کا قصد عجیب و غریب ہے انھوں نے فرمایا کہ زنِ اعرابی کا قِصّہ اس سے زیادہ عجیب ہے۔

حکایت : حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ گزشتہ دور میں تین آدمی سفر پر گئے جب رات ہوئی تو ایک غار میں چلے گئے تاکہ بے خوف و خطر آرام کر سکیں۔ اتفاق کی بات کہ ایک بڑا پتھر لڑھک کر غار کے مُنہ پر آ گیا اور نکلنے کا راستہ نہ رہا اور حالت یہ تھی کہ اس پتھر کو جنبش دینی ممکن نہ تھی۔ ان بیچاروں نے سوچا کہ اس کی کیا تدبیر کریں' بالآخر اس نتیجہ پر پہنچے کہ دُعا کے سوا کوئی چارہ نہیں ہمیں اپنے کسی خاص عمل کا واسطہ دے کر دُعا کرنی چاہیے امید کہ اس طرح اللہ تعالیٰ ہماری مشکل حل کر دے۔ ان میں سے ایک نے کہا اے اللہ آپ جانتے ہیں کہ میرے والدین تھے ان سے پہلے میں نہ تو خود کھاتا نہ اپنے اہل و عیال کو کھلاتا۔ ایک دن کسی کام کو گیا بہت رات گئے واپس آیا تو میرے والدین سو چکے تھے ایک گلاس دودھ جو میں لایا تھا ان کے جاگنے کے انتظار میں میرے ہاتھ میں رہا اور میرے بچّے روتے رہے میں نے ان سے کہا کہ جب تک میرے والدین نہ پی لیں گے اس وقت تک تمہیں نہیں ملے گا میرے والدین صبح تک نہیں جاگے اور میں دودھ کا پیالہ لیے رات بھر کھڑا رہا حالانکہ میں اور میرے لڑکے بھوکے تھے اے اللہ اگر آپ جانتے ہیں کہ میرا یہ عمل محض آپ کی رضا کی خاطر تھا تو اس کے صدقے میری مشکل آسان کر دے اس کی اس دُعا پر پتھر کچھ سرکا اور ہلکا سا سوراخ ہوا لیکن وہ اتنا نہ تھا کہ باہر نکل سکتے۔ پھر دوسرے نے عرض کیا کہ اے اللہ تو عالم الغیب ہے تجھے معلوم ہے کہ میری چچا زاد بہن تھی میں اس پر عاشق تھا لیکن وہ میرا کہنا نہ مانتی حتیٰ کہ ایک سال قحط پڑا اور وہ عاجز ہو گئی تو میرے ساتھ چھیڑ چھاڑ کرنے لگی میں نے ایک سو بیس دینار اسے اس شرط پر دیئے کہ وہ میرا کہنا مانے گی الغرض جب کام قریب ہوا تو اُس نے کہا کہ تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا نہیں کہ اللہ کی مہر اس کے حکم کے بغیر توڑتا ہے میں نے ڈر کر اسے چھوڑ دیا اور پھر اس کے قریب نہیں گیا۔ حالانکہ اس سے زیادہ مجھے کسی چیز کی خواہش اور

حرص نہ تھی اے اللہ اگر تُو جانتا ہے کہ یہ کام محض تیری رضا سے تھا تو اس کے صدقے ہماری مشکل آسان کر دے پھر پتھر کو جنبش ہوئی اور غار کا منہ کچھ مزید کھلا لیکن پھر بھی ایسا نہ تھا کہ باہر نکل سکے۔ تیسرے نے یوں عرض کیا کہ اے اللہ آپ دانائے راز ہیں ایک مرتبہ میں نے مزدور لگائے سب مزدوروں کی مزدوری ادا کر دی۔ لیکن ایک مزدور بغیر مزدوری لیے چلا گیا میں نے اس کی مزدوری سے ایک بکری خریدی اور تجارت کرتا رہا حتیٰ کہ بہت سا مال جمع ہو گیا ایک دن وہ اپنا حق لینے آ گیا اس وقت گائے' اونٹ بکری لونڈی غلام بہت سی چیزیں جمع تھیں۔ میں نے اس سے کہا کہ یہ سب تیری مزدوری ہے اُس نے کہا میرا مذاق اڑاتے ہو میں نے کہا واقعی یہ تمھارا مال ہے اسے تفصیلات بتا کر میں نے سارا مال اس کے حوالے کر دیا اور اس میں سے خود کچھ نہیں لیا اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ میرا یہ عمل تیری رضا کی خاطر تھا تو ہم پر رحم فرما چنانچہ غار پوری طرح کھل گئی اور مصیبت ٹل گئی۔

حکایت : حضرت بکر بن عبداللہ المزنی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ ایک قصاب اپنے پڑوسی کی لونڈی پر عاشق تھا ایک مرتبہ وہ لونڈیا کہیں جا رہی تھی کہ وہ قصاب اس کے پیچھے پیچھے جانے لگا اور اس سے لپٹ گیا اس نے کہا کہ اے اللہ کے بندے جتنی تجھے مجھ سے محبت ہے اس سے زیادہ مجھے تجھ سے ہے لیکن کیا کروں اللہ سے ڈرتی ہوں۔ قصاب نے کہا جب تو اللہ سے ڈرتی ہے تو میں کیوں نہ ڈروں چنانچہ اس نے توبہ کر لی اور لوٹ آیا۔ راستہ میں اس پر پیاس غالب آئی حتیٰ کہ ہلاکت کا خوف پیدا ہو گیا ایک شخص جو وقت کا رسول تھا آیا اور کہنے لگا کہ میاں تجھے کیا مصیبت آئی اس نے کہا پیاس غالب آئی ہے انہوں نے کہا کہ میں اور تم مل کر دُعا کرتے ہیں تم دُعا کرو میں آمین کہوں گا۔ الغرض ایسا ہی کیا۔ چنانچہ بادل آیا اور سر پر چھا گیا یہ ایک دوسرے سے جدا ہوئے قصاب تو بادل میں چلا اور رسول دھوپ میں۔ انھوں نے کہا میاں تو تو کہتا تھا کہ میرے پاس کوئی عبادت کا سرمایہ نہیں اب بات کھلی کہ یہ بادل تیری وجہ سے آیا ہے۔ اصل قِصّہ کیا ہے تب قصاب نے اپنی توبہ کا قِصّہ بیان کیا۔ اللہ کے رسول نے فرمایا واقعی بات صحیح ہے جو مقبولیت اللہ کے ہاں توبہ کرنے والے کو نصیب ہوتی ہے وہ کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوتی۔

دیدہ بازی کے مصائب اور نظر حرام کا بیان

یہ چیز نوادرات میں سے ہے کہ کوئی شخص ایسے کام پر قادر ہو پھر اپنے آپ کو بچا سکے۔ بہتر یہ ہے کہ آدمی ابتدا میں کام پر نظر رکھے اور ابتدا آنکھ ہے۔ حضرت علامہ بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ کسی عورت کی چادر پر نظر نہ ڈالے کہ اس سے دِل میں شہوت پیدا ہوتی ہے اور حقیقت میں عورتوں کے کپڑے پر نظر ڈالنے اور انکی خوشبو سونگھنے اور ان کی آواز سُننے سے پرہیز کرنا لازم و واجب ہے بلکہ پیغام بھیجنے اور سُننے اور ایسی جگہ گزرنے سے بھی پرہیز کرنا چاہیے جہاں عورتوں کا تجھے دیکھنا ممکن ہو اس لیے کہ جہاں حسن و جمال ہوتا ہے وہاں ہر چیز گناہ کا باعث بن جاتی ہے اور عورتوں کو بھی بالخصوص خوبصورت مردوں سے اسی طرح پرہیز کرنا چاہیے۔ قصداً دیکھنا تو حرام ہے البتہ بے اختیار نظر پڑ جائے تو گناہ نہیں مگر دوبارہ دیکھنا حرام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پہلی نظر جو اچانک پڑے وہ تو درست ہے لیکن دوسری حرام ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی پر عاشق ہو اور اپنے آپ کو محفوظ رکھے اور عشق کو چھپائے اور اس کے سبب مر جائے وہ

شہید ہے۔ اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ پہلی نظر اتفاقاً پڑ گئی نہ تو دوبارہ دیکھے اور نہ تلاش کرے اور عشق کو دل میں چھپائے رکھے۔

یاد رکھیں کہ مجالس اور دعوتوں میں مردوں اور عورتوں کے باہمی اختلاط اور نظارہ بازی سے بڑھ کر کوئی چیز فساد کا باعث نہیں جب کہ اس میں پردہ اور حجاب نہ ہو اور عورتیں چادر اور نقاب جو اوڑھتی ہیں یہ کافی نہیں بلکہ جب سفید چادر اوڑھتی ہیں اور تکلف کا نقاب ڈالتی ہیں تو اور بھی شہوت کا باعث ہوتی ہیں اور جب چہرہ کھلا رکھنے سے زیادہ اس نام نہاد شرم و حجاب میں اچھی معلوم ہوں تو سفید چادر اوڑھ کر پاکیزہ نقاب چہرہ پر ڈال کر باہر نکلنا عورتوں کے لیے حرام ہے اور جو عورت ایسا کرے گی گنہگار ہو گی۔ اور باپ، بھائی، شوہر جو کوئی ہو اور اس امر کی عورت کو اجازت دے وہ گناہ میں برابر کا شریک ہو گا۔ یہ بات کسی مرد کے لیے جائز نہیں شہوت کے ارادہ سے عورتوں کا پہنا ہوا لباس پہنے یا سونگھنے کے واسطے ہاتھ پھیرے یا ہار پھول یا ایسی کوئی چیز جس سے ملاطفت کرتے ہیں عورتوں کو دے یا لے یا میٹھی میٹھی باتیں کرے اور عورت کو بھی غیر مرد سے بات کرنا درست نہیں ہاں مجبوراً کرنی پڑے تو سختی کے ساتھ بات کرے جس میں کرختگی ہو اللہ تعالیٰ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

﴿ اِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴾

اسی طرح جس برتن سے عورت نے پانی پیا ہو تو اس کے مُنہ لگنے کی جگہ بالقصد مُنہ لگا کر پانی پینا اور جو میوہ دانت سے کاٹ کر چھوڑ دیا ہو اسے کھانا بھی درست نہیں۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی اہلیہ اور لڑکے اس گلاس کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم استعمال کرتے اس کو لے کر خاص اس جگہ انگلیاں اور لب لگاتے جہاں آپ کا دہن مبارک چھو گیا ہو یہ شکل تو ثواب کے ارادہ کی ہے لیکن تلذذ اور خوشی کی نیت سے غیر عورت کا جھوٹا کھائے گا تو گناہ اور عذاب ہو گا۔ اور جو چیزیں عورتوں سے متعلق ہیں ان سے زیادہ کسی چیز سے پرہیز نہیں۔ یاد رکھیں کہ کوئی عورت یا امرد راستہ میں آدمی کے سامنے آتا ہے تو شیطان تقاضا کرتا ہے کہ اس کو دیکھ کہ وہ کتنا خوبصورت ہے۔ شیطان کے ساتھ مناظرہ کرنا چاہیے اور کہنا چاہیے کہ میں کیوں دیکھوں یہ اگر بدصورت ہے تو رنجیدگی کے ساتھ گناہ بھی ہو گا اس لیے کہ میرا قصد تو اس لیے ہوا کہ خوبصورت ہے اور اگر واقعی خوبصورت ہے تو چونکہ دیکھنا گناہ ہے۔ اس لیے نہیں دیکھتا اور رنج و حسرت الگ ہو گی اور اس کے پیچھے چل پڑوں تو دین اور عمر اس کی نذر کرنا پڑے گی اور مطلب حاصل ہو گا یا نہیں پھر بھی علم نہیں۔ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر مبارک راستے میں اچانک کسی عورت پر پڑ گئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پلٹ کر گھر آئے اپنی اہلیہ سے صحبت کی اور فوراً غسل کر کے باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ جس کسی کے سامنے عورت آ جاتی ہے تو شیطان اس پر حملہ آور ہوتا ہے اس لیے فوراً اپنے گھر میں آ کر اپنی اہلیہ سے صحبت کر لو کہ جو چیز تمھاری بیوی کے پاس ہے وہی غیر عورت کے پاس بھی ہے۔

فصل ۳: گفتگو کی حرص کا علاج اور زُبان کی آفت

زُبان اللہ تعالیٰ کی صنعت و کاریگری کے عجائبات میں سے ایک ہے ظاہر میں تو یہ گوشت کا ایک ٹکڑا ہے جبکہ حقیقت

میں تمام موجودات پر اسی کا تصرف ہے بلکہ جو چیز معدوم ہے وہ بھی اس کے تصرف میں ہے اس واسطے وہ عدم کا بھی بیان کرتی ہے اور وجود کا بھی بلکہ کہنا چاہیے کہ زبان عقل کی نائب ہے اور عقل ایسی چیز ہے جس کے احاطہ سے کوئی چیز باہر نہیں اور جو کچھ عقل اور وہم اور خیال میں آتا ہے زبان اس کی تعبیر کرتی ہے۔ دوسرے اعضاء کو یہ امتیاز حاصل نہیں کیونکہ شکلوں اور رنگوں کے سوا اور کوئی چیز آنکھ کی حکومت میں نہیں اور آواز کے سوا کوئی چیز کان کے تصرف میں نہیں۔ دوسرے اعضاء کا بھی یہی حال ہے کہ ہر عضو کی حکومت ایک کونہ میں ہے لیکن زُبان کی حکومت دِل کی طرح ساری مملکت میں ہے اور زبان چونکہ دِل کے مقابلہ میں ہے کہ دِل سے صورتیں لے کر تعبیر کرتی ہے اسی طرح صورتوں کو دِل میں پہنچاتی بھی ہے اور جو کچھ زبان کہتی ہے دِل اس کے سبب ایک صفت حاصل کرتا ہے مثلاً آدمی جب تضرع و زاری کرتا ہے اور اس قسم کے کلمات استعمال کرتا ہے اور نوحہ گری کے الفاظ کہتا ہے تو اس کے سبب سے دِل میں رقت اور سوز و گداز پیدا ہوتا ہے اور آتشِ دِل کا بخار دماغ کے راستے آنکھوں سے باہر آنے لگتا ہے اور جب زبان سے طرب و خوشی کے الفاظ کہتا ہے تو ان کے موافق دِل میں نشاط و خوشی کا سمندر موجزن ہو جاتا ہے۔ علی ہذا القیاس جو کلمہ زبان پر لاتا ہے اس کے موافق دِل میں ایک صفت پیدا ہو جاتی ہے حتیٰ کہ اگر بُری بات کہتا ہے تو دِل تاریک ہو جاتا ہے اور جب حق بات کہتا ہے تو دِل روشن ہو جاتا ہے اور جب جھوٹی اور ٹیڑھی بات کہتا ہے تو جس طرح آئینہ ناہموار ہوتا ہے اسی طرح دِل بھی ناہموار ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ چیزوں کی صورت کو سیدھا نہیں دیکھ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ شاعر اور جھوٹے کا خواب اکثر سچا نہیں ہوتا اس لیے کہ مسلسل جھوٹ لغو گوئی سے اس کا دِل ناہموار ہو جاتا ہے اور سچ بولنے والے کا خواب بالعموم سچا ہوتا ہے علی ہذا القیاس جھوٹا آدمی جو سچا خواب نہیں دیکھتا جب اس دُنیا سے رخصت ہو گا تو بارگاہِ قدس جس کی زیارت تمام نعمتوں کی غایت ہے وہ بھی اس کی نظر میں یونہی نظر آئے گی اور اسے بھی ٹھیک سے دیکھ نہ سکے گا اور اس لذت کی سعادت سے محروم ہو جائے گا بلکہ جس طرح ناہموار آئینے میں چہرہ بُرا ہو جاتا ہے یا جس طرح تلوار کے عرض یا طول میں آدمی دیکھے تو شکل کا حسن و جمال غارت ہو جاتا ہے اس جہان کے کاموں اور اللہ تعالیٰ کے کاموں کی حقیقت بھی ایسی ہی ہے تو دِل کی ناہمواری اور ناہمواری زبان کی سچائی اور کجی کے تابع ہے اسی لیے جناب سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ ایمان کی صحت و درستگی کا انحصار دِل پر ہے اور دِل کی درستگی کا مدار زبان پر ہے تو زبان کے شر اور آفت سے بچنا ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ ہم اس فصل میں پہلے تو خاموشی کی فضیلت بیان کریں گے پھر بہت باتیں کرنے اور فضول بکنے کی آفت اور جھگڑے کے نقصانات اسی طرح فحش گوئی' گالی گلوچ اور زبان درازی کے نقصانات اور پھر ٹھٹھا مذاق' مسخرا پن' جھوٹ بولنے' غیبت و نکتہ چینی کے نقصانات اور پھر ہجو و تعریف اور جو کچھ ان سے متعلق ہے ان کے نقصانات اور علاج بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

خاموشی کا ثواب

زبان کے نقصانات چونکہ بہت ہیں اور اپنے آپ کو ان سے بچانا آدمی پر دشوار ہے اور چپ رہنے سے بہتر اس کی کوئی تدبیر نہیں اس لیے آدمی پر لازم ہے کہ ضرورت سے زیادہ بات نہ کی جائے۔ اسلاف کا کہنا ہے کہ جو شخص کھانا'

بولنا' اور سونا ضرور تاً کرے وہ ابدال ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَجْوَاهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ﴾ (النساء)

"پوشیدگی میں باتیں کرنا اچھا نہیں اِلاّ یہ کہ کسی کو صدقہ سے متعلق کوئی بات کہنی ہو یا بھلائی کا حکم دینا ہو یا لوگوں میں صلح مقصود ہو"

اور حضور علیہ السلام نے فرمایا مَنْ صَمَتَ نَجٰی جو چپ رہا وہ بچ گیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جس کو پیٹ' شرم گاہ اور زبان کے شر سے محفوظ رکھا وہ سب برائیوں سے محفوظ رہ گیا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا کہ کونسا عمل افضل ہے؟ آپ ﷺ نے زبان مبارک مُنہ سے باہر نکالی اور اس پر انگلی رکھی۔ یعنی اشارے سے فرمایا کہ خاموشی! امیر المؤمنین حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ اپنی زُبان اُنگلی سے پکڑے ہوئے ہیں اسے کھینچتے ہیں میں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ اس مردار نے بہت سے کام کروائے ہیں اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ آدمی کی اکثر خطائیں زبان کے سبب ہیں اور فرمایا کہ سب سے آسان عبادت تمہیں بتا دوں؟ وہ خاموشی اور نیک خوئی ہے۔

اور فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسے کہہ دو کہ نیک بات کے سوا اور کچھ نہ کہے اور یا پھر خاموش رہے! حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لوگوں نے پوچھا کہ کوئی ایسی بات بتائیں جس کے سبب ہم جنت میں چلے جائیں۔ فرمایا خاموش رہ۔ لوگوں نے کہا کہ ایسا تو مشکل ہے تو فرمایا کہ جب بولو تو نیک بات کرو اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تم کوئی خاموش اور باوقار مُسلمان دیکھو تو اس سے تقرب حاصل کرو۔ کیونکہ ایسا شخص صاحب حکمت ہوتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے کہ عبادتیں دس ہیں نو کا تعلق خاموشی سے ہے اور ایک لوگوں سے بھاگنا! اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو باتونی ہوتا ہے اس کی گفتگو میں اکثر غلطی واقع ہو جاتی ہے اور ایسا شخص بڑا گنہگار ہوتا ہے اور جو بڑا گنہگار ہو جہنم کی آگ اس کے لیے اولیٰ ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بالعموم مُنہ میں پتھر رکھے رہتے تاکہ بات نہ کر سکیں۔ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قید میں رہنے کی خاطر زبان سے زیادہ کوئی چیز اولیٰ نہیں۔ حضرت یونس بن عبیداللہ نے کہا کہ خاموش شخص کے کاموں میں اکثر مجھے نیکی نظر آئی۔

حضرت ربیع بن خیثم رحمۃ اللہ علیہ نے بیس برس تک دُنیا کی بات نہیں کی صُبح کو اٹھتے تو کاغذ اور قلم دوات پاس رکھ لیتے جو کہنا ہوتا اسے لکھ لیتے اور رات کو اس کا اپنے آپ سے حساب کرتے ۔ خاموشی کے یہ فضائل اس سبب سے ہیں کہ زبان کے نقصانات بہت ہیں زبان کی نوک سے بالعموم بے ہودہ بات نکلتی ہے جس کا کہنا آسان ہوتا ہے لیکن نیک و بد میں تمیز کرنا دشوار ہوتا ہے اور خاموشی میں آدمی اس کے وبال سے بچ جاتا ہے ہِمّت جمع رہتی ہے اور ذکر و توفیق نصیب ہو جاتی ہے۔

یاد رکھیں کہ بات کہنے کی چار قسمیں ہیں ایک تو یہ کہ بالکل ہی نقصان ہو دوسری یہ کہ اس میں نفع و نقصان دونوں ہوں تیسری یہ کہ نفع نہ نقصان وہ لغو بات ہوتی ہے جس کا نقصان محض اتنا ہے کہ اتنا وقت ضائع کر دیا اور چوتھی قسم یہ ہے کہ سراسر نفع ہو تو گویا گفتگو میں تین چوتھائی نہ کرنے کے قابل ہے یہ وہی بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمائی ﴿ اِلَّا مَنْ

اَمَرَ بِصَدَقَۃٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ ﴾ اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ خاموش رہنے والا نجات پالیتا ہے ((مَنْ صَمَتَ نَجٰی))

جب تک زبان کے نقصانات واضح نہیں ہوں گے اس وقت تک بچنا مشکل ہے اس لیے انھیں وضاحت سے بیان کیا جاتا ہے۔

پہلا نقصان : انسان ایسی بات کہے جس کی ضرورت نہ ہو کہ اس کے نہ کہنے میں دینی یا دنیوی منفعت نہ ہو۔ ایسی بات کرنے سے آدمی اسلام کے حسن سے محروم ہو جاتا ہے۔ حضور رحمت دو عالم ﷺ نے فرمایا :

((مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَا لَا یَعْنِیْہِ))

"انسان کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ لایعنی باتوں کو ترک کر دے"

یعنی جو بات ضروری نہیں اسے چھوڑ دینا اسلام کے حسن میں سے ہے۔ ایسی بے فائدہ بات کی مثال یہ ہے کہ تم لوگوں میں بیٹھ کر اپنے سفر کی حکایت شروع کر دو اور پہاڑ یا باغات کا ذکر تذکرہ کرتے رہو اور سفر میں جو حالات پیش آئے انھیں بلا کم و کاست نقل کرو۔ یہ سب فضول باتیں ہیں جن کی قطعاً ضرورت نہیں اگر آدمی انھیں بیان نہ کرے تو کوئی نقصان نہ ہو گا۔ اسی طرح آدمی کسی کو دیکھے اور اس سے کوئی ایسی بات پوچھے جس میں کوئی فائدہ اور مقصد نہ ہو تو یہ بے فائدہ بات ہے اور یہ بھی اس شکل میں ہے جب پوچھنے میں کوئی نقصان نہ ہو مثلاً کسی سے روزہ کا پوچھنا اب اگر اُس نے سچ بولا تو عبادت کا اظہار ہو جائے گا۔ جھوٹ بولے گا تو گنہگار ہو گا اور چونکہ اس کا سبب تو ہے اس لیے تجھے بھی گناہ ہو گا اسی طرح مثلاً تم پوچھو کہ کہاں سے آ رہے ہو کیا کرتے ہو یا کیا کرتے تھے تو شاید وہ کسی مصلحت سے اظہار نہ کر سکے اور اس طرح جھوٹ کا ارتکاب کرے اور جھوٹ تو خود گناہ ہے جبکہ فضول بات وہ ہے جس میں گناہ کا شائبہ نہ ہو۔ کہتے ہیں کہ حضرت لقمان علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت کرتے اور وہ زرہ بناتے تھے۔ حضرت لقمان علیہ السلام کی خواہش تھی کہ مجھے معلوم ہو جائے کہ یہ کیا ہے لیکن کبھی پوچھا نہیں۔ سال بھر میں حضرت داؤد علیہ السلام نے اس کی تکمیل کی اور پہنی تو فرمایا کہ لڑائی کے لیے اچھا لباس ہے تب لقمان علیہ السلام نے حقیقت معلوم کر لی اور یہ بھی علم ہو گیا کہ خاموشی حکمت ہے لیکن بدقسمتی سے عام لوگوں کو اس کی رغبت نہیں۔ ایسی فضول باتیں پوچھنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ دوسرے کا حال معلوم ہو جائے یا بات چیت کی راہ کھلے یا کسی سے دوستی ظاہر ہو اس کا علاج یہ ہے کہ آدمی یہ سمجھ لے کہ موت درپیش ہے اور بہت نزدیک ہے اور جو تسبیح و ذکر کیا جائے گا وہ زادِ راہ ہو گا۔ وقت کو ضائع کیا تو اپنا نقصان کیا یہ تو علمی علاج ہے جبکہ عملی علاج یہ ہے کہ تنہائی اختیار کرے یا منہ میں پتھر رکھ لے۔ حدیث میں ہے کہ جنگِ اُحد میں ایک جوان شہید ہوا اسے دیکھا گیا تو بھوک کے سبب پیٹ پر پتھر بندھا تھا اس کی ماں اس کے چہرہ سے گرد پونچھتی اور کہتی ھَنِیْئًا لَکَ الْجَنَّۃُ (تجھے جنت مبارک ہو)۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ تجھے کیا معلوم' شاید اُس نے ایسی چیز میں بخل کیا ہو جو اس کے کام نہ آتی ہو یا کوئی ایسی بات کہی ہو جس سے اسے سروکار نہ ہو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس سے ان باتوں کا حساب ہو گا وہ ہونٹ اور زبان قابل تبریک ہیں جن کا حساب نہ ہو گا۔ ایک دن حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس وقت اہل بہشت میں سے ایک آدمی دروازے سے آ رہا تھا معاً حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ تشریف لائے انھیں لوگوں نے نبی علیہ السلام کا جملہ سنا کر مخصوص عمل پوچھا فرمایا

کہ میرا عمل تو محدود اور مختصر ہے لیکن جس بات سے میرا واسطہ نہیں ہوتا میں اس کی ٹوہ میں نہیں جاتا اور نہ ہی لوگوں کی بدخواہی کرتا ہوں۔ یاد رہنا چاہیے کہ جو بات تم دوسرے سے ایک کلمہ میں کہہ سکتے ہو اسے اگر دو کلموں سے کہو گے تو دوسرا کلمہ فضول ہو گا۔ ایک صحابیؓ فرماتے ہیں کہ کوئی شخص مجھے کوئی بات کہے اور میرے پاس اس کا جواب اتنا اچھا ہو جتنا پیاسے کے نزدیک ٹھنڈا پانی تو بھی فضول ہونے کے خوف سے میں جواب نہیں دیتا۔ حضرت مطرف بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا جلال اور اس کی عظمت تمہارے دل میں اتنی ہونی چاہیے کہ ہر بات میں تم اس کا نام لے کر بیٹھو جیسا کہ چارپایہ اور بلی کو کہہ دیتے ہو کہ اللہ تجھے ایسا کرے یہ مناسب نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ نیک بخت وہ شخص ہے جس نے زیادہ گفتگو سے احتراز کیا اور زیادہ مال اللہ کی راہ میں دے ڈالا۔ اور فرمایا کہ زبان درازی سے بڑھ کر کوئی چیز آدمی کے حق میں بُری نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴾ "آدمی جو کچھ کہتا ہے وہ لکھا جاتا ہے"

اگر ایسا ہوتا کہ فرشتے فضول بات نہ لکھتے اور لکھتے وقت اُجرت مانگتے اور اس کے خوف سے دس باتوں کو گھٹا کر ایک کر دیا کرتے تو اس اجرت کے نقصان کے مقابلہ میں وہ نقصان زیادہ ہے جو فضول گوئی کے سبب وقت کا ہوتا ہے۔

دوسرا نقصان: باطل اور معصیت آمیز گفتگو ہے۔ باطل تو یہ ہے کہ آدمی بدعات و خرافات کے متعلق بات کرے (یعنی ان کے حق میں) اور معصیت یہ ہے کہ اپنے اور دوسروں کے فسق و فساد کی حکایت بیان کرے اور شراب وغیرہ کی مجالس کا ذکر کرے یا کسی محفل میں دو آدمیوں کا جھگڑا ہوا ہو تو ایک نے دوسرے کے ساتھ فحش گوئی کی ہو تو یہ اس کا چرچا کرتا پھرے یہ نقصان پہلے نقصان جیسا ہے جس میں درجہ گھٹ جاتا ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ بعض لوگ ایسی باتیں کہتے ہیں جن سے انھیں ذرہ برابر باک نہیں ہوتا حالانکہ وہ باتیں دوزخ تک پہنچانے کا ذریعہ ہوتی ہیں اور بعض لوگ بعض باتیں بے باکی سے کہتے ہیں جو انھیں جنت لے جاتی ہیں۔

تیسرا نقصان ہے گفتگو میں مخالفت اور جھگڑا کیونکہ بعض آدمیوں کی عادت یہ ہوتی ہے کہ جو کوئی بات کرے وہ اختلاف کرتے ہیں اگلے کی بات رد کر کے کہہ دیتے ہیں کہ ایسی بات نہیں جس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ تو احمق' نادان اور جھوٹا ہے اور میں زیرک' عقلمند اور سچا ہوں۔ اس کلمہ سے دو مہلک عادتیں قوی ہوتی ہیں تکبر اور درندگی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص گفتگو میں مخالفت اور جھگڑے سے باز رہتا ہے اور ناحق بات نہیں کہتا تو اس کے لیے جنت میں ایک گھر بنایا جاتا ہے اور اگر احتیاط کے پیش نظر حق بات بھی نہیں کہتا تو اس کے لیے جنت الفردوس میں گھر بنایا جاتا ہے اور اس کا ثواب اس وجہ سے زیادہ ہے کہ دوسرے کی محال اور جھوٹ بات پر صبر کرنا بہت دشوار ہے۔ اور فرمایا کہ آدمی کامل ایمان والا تب ہی ہو سکتا ہے کہ اختلاف سے دستبردار ہو جائے اگرچہ حق پر ہو۔ یاد رہنا چاہیے کہ اختلافات کا تعلق صرف مذہب سے ہی نہیں بلکہ دوسری باتوں سے بھی ہے مثلاً کوئی شخص یہ کہے کہ یہ انار میٹھا ہے اور تم کہو کہ ترش ہے یا کوئی کہے کہ فلاں جگہ یہاں سے ایک میل ہے اور تم کہو کہ نہیں تو یہ سب باتیں جھگڑے کی ہی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر تو کسی کے ساتھ جھگڑا کرے تو دو رکعت نماز اس کا کفارہ ہے۔ جھگڑے کی باتوں میں یہ بھی ہے کہ کوئی شخص ایک بات کرتا ہے اور تم اس کی غلطیاں پکڑو اور خلل بتاؤ تو یہ سب باتیں حرام ہیں۔ اس لیے کہ اس سے دُنیا

کا رنج حاصل ہوتا ہے اور کسی مسلمان کو خواہ مخواہ رنج دینا غلط ہے اور ایسی باتوں میں کسی کی غلطی پکڑنا مناسب نہیں بلکہ خاموشی ایمان کا کمال ہے۔ اور اگر مذاہب میں مخالفت ہو تو اسے جدال کہتے ہیں یہ بھی مذموم اور بُرا ہے۔ ہاں بطور نصیحت علیحدگی میں حق بات ظاہر کرنے میں حرج نہیں بشرطیکہ امید قبولیت ہو ورنہ خاموشی بھلی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کسی قوم کی گمراہی کا سبب اس پر جدل کا غالب ہونا ہے۔ حضرت لقمان ؑ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی کہ اہل علم سے جھگڑنا نہیں۔ یاد رکھو کہ محال اور باطل بات پر خاموشی بڑے صبر کی بات ہے اور یہ بات مجاہدات کے فضائل میں شامل ہے۔ حضرت داؤد طائی قدس سرہٗ نے عزلت و گوشہ نشینی اختیار کی تو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ آپ باہر کیوں نہیں آتے؟ جواباً انھوں نے کہا کہ مجاہدہ کرکے اپنے طور پر جھگڑے سے بچتا ہوں۔ فرمایا کہ مجلس مناظرہ میں تشریف لائیں اور سنتے رہیں بولیں نہیں۔ فرمانے لگے کہ میں نے ایسا ہی کیا اور اس سے سخت محنت نہیں دیکھی۔ واقعہ یہ ہے کہ اس سے بڑی مصیبت اور کوئی نہیں کہ کسی شہر میں مذہبی تعصب ہو اور جو لوگ جاہ و مرتبہ کے طالب ہوں وہ یہ ظاہر کریں کہ جھگڑے کا تعلق دین سے ہے یعنی ہم دین کی خاطر جھگڑتے ہیں حالانکہ یہ درندگی اور تکبر کی صفات ہیں جو اس بات کا تقاضا کرتی ہیں کہ آدمی دینی تعصب کا عادی ہو جائے اور اس میں اس کی حرص پیدا ہو جائے پھر اس پر صبر مشکل ہوتا ہے کہ اس میں لذت ہے۔ حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جدل کا دین سے کوئی تعلق نہیں اور اکابرین سلف نے جدل سے منع فرمایا ہے اگر کوئی شخص بدعتی ہو اور قرآنی آیات اور احادیث سے منکر ہو گیا ہو تو اس سے بزرگوں نے نہ جھگڑا کیا نہ لمبی بات کی بلکہ نصیحت کی حد تک کہہ دیا اور جب فائدہ نہ دیکھا تو منہ پھیر لیا۔

چوتھا نقصان مال میں جھگڑا ہے کہ قاضی کے پاس یا اور کہیں پیش ہو اس کا نقصان بہت بڑا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو بے علم کسی سے جھگڑتا ہے جب تک وہ خاموشی اختیار نہ کرلے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا شکار رہتا ہے۔ بزرگوں کا قول ہے کہ مال کے متعلق جھگڑنا دل کو پراگندہ اور زندگی کو بے لذت بنا دیتا ہے اس سے دینی مروت گھٹ جاتی ہے۔ اکابر سے منقول ہے کہ اہل ورع میں سے کسی نے مال کے متعلق جھگڑا نہیں کیا اس لیے کہ زیادہ گفتگو کے بغیر جھگڑا پورا نہیں ہوتا اور اہل ورع اس بات کو بالکل پسند نہیں کرتے اور کچھ نہیں ہو گا تو جھگڑے میں آدمی دوسری طرف سے اچھی بات تو نہیں کہہ سکے گا اور اچھی بات کہنے کی فضیلت بہت ہے۔ جس شخص سے جھگڑا ہو اس سے الگ تھلگ رہنا ہی بہتر ہے اور اگر ایسا ممکن نہ ہو تو سچ کہے اور رنج دینے والی بات یا سخت کلامی یا یاوہ گوئی نہ کرے۔ اس واسطے کہ اس میں دین کی تباہی ہے۔

پانچواں نقصان فحش گوئی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فحش گو پر جنت حرام ہے اور فرمایا کہ دوزخ میں بعض لوگ ہوں گے ان کے منہ سے نجاست بہتی ہوگی اور اس کی بدبو کے سبب سے سب دوزخی فریاد کریں گے اور پوچھیں گے کہ یہ کون ہیں تو انھیں بتایا جائے گا کہ یہ فحش گو ہیں۔ حضرت ابراہیم بن میسرہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ فحش گو قیامت کے دن کتے کی صورت میں ہو گا۔ اے عزیز بالعموم فحش گوئی جماع کے متعلق ہوتی ہے جبکہ گالی یہ ہے کہ کسی کو اس کے غیر کی طرف منسوب کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر اللہ کی لعنت جو اپنے ماں باپ کو گالی دے لوگوں نے عرض کیا کہ ایسا کون کرے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو دوسرے کے والدین کو گالی دے گا اے عزیز جماع سے متعلق بات چیت اشارہ کنایہ میں

کرنی چاہیے کہ فحش نہ ہو جائے اور جو بد ہو اسے بھی اشارہ سے کہنا چاہیے صاف صاف کہنا مناسب نہیں۔ اسی طرح عورتوں کا نام صریحاً لینا مناسب نہیں اور اگر کسی کو کوئی بڑا مرض ہو جیسے بواسیر اور برص وغیرہ تو اسے بیماری کہنا چاہیے اور ایسے الفاظ میں ادب و احترام کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

چھٹا نقصان لعنت و ملامت ہے اے عزیز جانور اور کیڑے تک پر لعنت کرنا بڑا ہے حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ مُسلمان لعنت نہیں کرتا۔ آپ کے ساتھ سفر میں ایک عورت تھی اس نے ایک اونٹ پر لعنت کی تو آپ نے فرمایا کہ اس اونٹ کو ننگا کر کے قافلے سے باہر کر دو کہ یہ ملعون ہے ایک مدت تک وہ اونٹ یونہی پھرتا رہا اور کوئی اس کے پاس نہ گیا۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب آدمی زمین یا کسی اور چیز پر لعنت کرتا ہے تو وہ چیز کہتی ہے کہ ہم دونوں میں سے جو اللہ کا بڑا مجرم ہے اس پر لعنت ہو۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک دن کسی چیز پر لعنت کی تو حضور ﷺ نے فرمایا :

((يَا اَبَا بَكْرٍ صِدِّيْقٌ وَلَعَنْتَ لاَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ صِدِّيْقٌ وَلَعَنْتَ لاَ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ صَدِّيْقٌ))

آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہ جملہ فرمایا حضرت صدیق نے توبہ کی اور کفارہ کے طور پر ایک غلام آزاد کیا۔ کسی پر لعنت نہ کرنا چاہیے ہاں وہ لوگ جو مذموم ہیں ان پر درست ہے لیکن اس طرح کہ ظالموں، کافروں، فاسقوں اور بد عقیدہ لوگوں پر لعنت ہو لیکن اس طرح کہنا کہ معتزلی یا کرامی پر لعنت ہو مناسب نہیں کہ اس میں جھگڑے کا خطرہ ہے۔ شریعت میں جن پر لعنت آئی ہے یا حدیث میں ان پر تو درست ہے لیکن کسی سے کہنا کہ تجھ پر لعنت ہو یا فلاں پر لعنت ہو مناسب نہیں اِلاّ یہ کہ شرعاً معلوم ہو کہ وہ کافر ہے مثلاً ابو جہل، فرعون وغیرہ۔

حضور علیہ السلام نے محض چند کافروں پر نام لے کر لعنت کی ہے اس لیے کہ من جانب اللہ معلوم ہو گیا تھا کہ یہ مُسلمان نہ ہوں گے۔ لیکن کسی یہودی سے کہنا کہ تجھ پر لعنت ہو اس میں خطرہ ہے اس لیے کہ ممکن ہے کہ وہ مرنے سے پہلے مُسلمان ہو جائے۔ اور شاید اس لعنت کرنے والے سے بہتر ہو جائے۔ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ ہم مُسلمان کے لیے رحمت کی دُعا کرتے ہیں حالانکہ اس میں بھی معاذ اللہ مُرتد ہونے کا خطرہ ہے تو ہم گویا وقت کے تقاضہ کے مطابق کہتے ہیں اسی طرح وقتی تقاضا سے کافر پر لعنت کرتے ہیں تو یہ کلمہ صحیح نہ ہو گا اس لیے کہ رحمت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ میاں تجھے ایمان پر قائم رکھے اور یہ بات مناسب نہیں کہ خُدا تجھے کفر پر رکھے تو کسی شخص معین پر لعنت صحیح نہیں۔ اگر کوئی شخص یزید پر لعنت کرے تو یہ درست نہیں ہاں اس حد تک درست ہے کہ کہا جائے کہ جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا قاتل ہے اس پر لعنت ہو اور وہ بھی اس شکل میں کہ وہ توبہ کیے بغیر مر گیا۔ اس واسطے کہ قتل کفر سے بڑا جرم نہیں اور جب ایک قاتل توبہ کر لے تو پھر لعنت درست نہیں۔ وحشی نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا پھر مُسلمان ہو گئے تو ان سے لعنت ساقط ہو گئی بلکہ صحابی ؓ ہونے کے ناطہ سے وہ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ بن گئے اور یزید کے متعلق تو حالات ہی معلوم نہیں کہ اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اُس نے حکم دیا تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ راضی تھا۔ اس

لیے کسی کو تہمت سے گناہ کی طرف منسوب کرنا درست نہیں کہ یہ خود گناہ ہے۔ اس زمانے میں بہت سے حضرات شہید ہوئے اور کسی کو معلوم نہ ہوا کہ فی الحقیقت حکم کس کا تھا تو چار سو (اب تیرہ سو) برس کے بعد یہ حقیقت کیسے دریافت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس فضول بات اور خطرے سے مستغنی کیا ہے اس واسطے کہ اگر کوئی شخص ساری عمر ابلیس پر لعنت نہ کرے تو اس سے قیامت کے دن یہ نہیں کہا جائے گا کہ تو نے لعنت کیوں نہ کی اور لعنت کسی نے کسی پر کی ہو گی تو باز پرس کا اندیشہ ہے۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن میرے اعمال نامہ میں یا کلمہ توحید نکلے گا یا کسی پر لعنت اور مجھے یہ بات پسند ہے کہ کلمہ توحید نکلے۔ ایک شخص نے حضور ﷺ سے نصیحت کی درخواست کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی پر لعنت نہ کرنا۔ اسلاف کا قول ہے کہ مُسلمان پر لعنت کرنا اور اسے قتل کرنا برابر ہے اور بعض نے اس مضمون کو حدیث کی طرف منسوب کیا ہے۔ پس ابلیس پر لعنت کرنے سے بہتر ہے آدمی تسبیح میں مشغول ہو اور جو شخص کسی پر لعنت اس لیے کرے کہ اس میں دین کی مضبوطی ہے تو یہ شیطان کا فریب ہے اور یہ چیز بالعموم تعصب اور نفسانیت سے ہوتی ہے۔

ساتواں نقصان شعر و سرود ہے سماع کے باب میں ہم نے تفصیل سے بیان کیا کہ یہ حرام تو نہیں اس لیے کہ جناب نبی کریم ﷺ کے سامنے لوگوں نے شعر پڑھے ہیں۔ آپ ؐ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ کافروں کو جواب دو۔ ان کی ہجو کرو مگر جھوٹی بات یا مُسلمان کی ہجو یا غلط قسم کی تعریف پر مشتمل شعر پڑھنا صحیح نہیں جو شعر بر سبیل تشبیہ کہے جاتے ہیں اور ظاہر ہے کہ شعر کی صفت یہی ہے وہ اگرچہ جھوٹ ہوتا ہے لیکن حرام اس لیے نہیں کہ اس سے مقصد یہ نہیں ہوتا کہ لوگ کوئی عقیدہ قائم کریں ایسے اشعار دربارِ نبوت پر لوگوں نے پڑھے جو ثابت شدہ چیز ہے۔

آٹھواں نقصان مزاح اور خوش طبعی ہے حضور ﷺ نے ہر وقت خوش طبعی سے منع فرمایا لیکن کبھی کبھار ایسا کرنا مباح ہے اور نیک سرشت میں شامل ہے بشرطیکہ اسے عادت اور پیشہ نہ بنالے اور صحیح بات کہے اس لیے کہ زیادہ مزاح سے وقت ضائع ہوتا ہے اور ہنسی بہت آتی ہے جس سے دل سیاہ ہو جاتا ہے اور آدمی کی ہیبت و وقار ختم ہو جاتا ہے اور اس سے بگاڑ کا بھی امکان ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں مزاح کرتا ہوں لیکن حق کے سوا کچھ نہیں کہتا۔ نیز فرمایا کہ لوگ بات ہنسی کی خاطر کرتے ہیں تاکہ لوگ ہنسیں اور اس میں آدمی اپنے مرتبہ سے گر جاتا ہے جس طرح زمین و آسمان میں نشیب و فراز ہے اور جو چیز زیادہ ہنسانے کا باعث ہو وہ برابر برائی ہے اور ہنسی میں بھی مسکرانے تک بات رہنی چاہیے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو حقائق مجھ پر منکشف ہیں اگر تم پر منکشف ہو جائیں تو تم تھوڑا ہنسو اور بہت روؤ۔ ایک بزرگ نے ایک دوسرے صاحب سے کہا کہ تمھیں معلوم نہیں کہ دوزخ پر سے بہرحال گزر ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ وَإِنْ مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَىٰ رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ﴾ (مریم)

"تم میں سے ہر ایک کا دوزخ سے گزر ہو گا یہ بات اللہ کے نزدیک طے شدہ ہے"

اس نے کہا جانتا ہوں پھر پوچھا کہ یہ سنا ہے کہ پھر دوزخ سے نکلنا بھی ہے اس نے کہا نہیں۔ انھوں نے پوچھا پھر ہنسی کیوں آتی ہے اور ہنسی کا کونسا محل ہے؟ (کافر تو سدا دوزخ میں رہیں گے گنہگار مُسلمان اللہ کی رحمت سے سزا بھگت کر نکل آئیں گے اور یونہی ارحم الراحمین رحم کر دیں تو ان کے خزانہ میں کمی نہیں ہے اللھم ارحمنا۔ مترجم) حضرت عطا سلمی رحمۃ اللہ علیہ چالیس برس نہیں ہنسے۔ حضرت وہب بن الوارد رحمۃ اللہ علیہ نے ایک قوم کو عید کے دن ہنستے دیکھا کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو بخش دیا ہے اور روزے قبول کر لیے ہیں تو ہنسنا شکر گزاروں کا کام نہیں اور اگر قبول نہیں فرمائے تو پھر انھیں ویسے ہی اللہ سے ڈرنا چاہیے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ جو گناہ کرتا ہے اور ہنستا ہے وہ روتا ہوا دوزخ میں جائے گا۔ حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ اگر کوئی شخص بہشت میں روئے گا تو لوگوں کو تعجب ہو گا؟ لوگوں نے کہا ہاں! فرمایا کہ پھر جو شخص دُنیا میں ہنستا ہے اور اسے معلوم نہیں کہ اس کی جگہ دوزخ ہے یا جنت تو یہ بڑے تعجب کی بات ہے۔ حدیث میں ہے کہ ایک بدوی اُونٹ پر سوار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور سلام کیا اس کی خواہش تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ پوچھے وہ جتنا آگے بڑھتا اُونٹ پیچھے ہٹتا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اس کیفیت کو دیکھ کر ہنستے بالآخر اُونٹ نے اسے گرا دیا اور وہ بے چارہ مرگیا۔ لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ وہ بیچارہ اُونٹ سے گر کر مرگیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور تمھارا مُنہ اس کے خون سے پر ہے کہ تم ہنستے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرا کرو اور مزاح نہ کیا کرو اس سے دلوں میں کینہ پیدا ہوتا ہے اور دوسرے بڑے بڑے کام جنم لیتے ہیں جب مجلس جماؤ تو قرآن کی باتیں کرو ورنہ اہل صلاح و تقویٰ کی حکایات بیان کرو۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی کسی سے مزاح کرتا ہے تو اس کی نظر میں خوار و ذلیل ہو جاتا ہے صحابہ رضی اللہ عنہم نے تمام عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چند جملے مزاح کے ضمن میں نقل کیے ہیں ایک بار ایک بڑھیا سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بوڑھے جنت میں نہیں جائیں گے۔ وہ بے چاری رونے لگی تو معاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی دی کہ پہلے انھیں جوان کیا جائے گا (سورۃ الواقعہ) ایک عورت نے عرض کیا کہ میرا شوہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کرتا ہے فرمایا تمھارا وہی شوہر ہے جس کی آنکھ میں سفیدی ہے۔ اس نے کہا میرے شوہر کی آنکھ میں تو سفیدی نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ایسا شخص نہیں جس کی آنکھ میں سفیدی نہ ہو۔ ایک نے عرض کیا کہ مجھے اُونٹ عنایت فرمادیں فرمایا تجھے اُونٹ کا بچّہ دیا جائے گا۔ اُس نے کہا کہ مجھے اُونٹ کے بچّہ سے کیا کام؟ وہ تو مجھے گرادے گا فرمایا ہر اُونٹ دوسرے اُونٹ کا بچّہ ہی ہوتا ہے چاہے کتنا بڑا ہو جائے۔ حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کا لڑکا تھا جس کا نام ابو عمیر تھا اس کے پاس فاختہ تھی جو مرگئی تو وہ روتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا تو فرمایا یَا اَبَا عُمَیْر مَا فعلَ النُّغَیْر۔

بہرحال آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کی ظرافت و مزاح کی باتیں فرماتے جن میں حقیقت کا پہلو ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قسم کی باتیں مَردوں کے علاوہ خواتین اور بچّوں سے بھی کرتے تاکہ وہ وحشت زدہ نہ ہوں۔ اپنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن سے خوب دِل لگی فرماتے۔ حضرت اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا میرے پاس تشریف لائیں۔ میں نے دودھ کی کوئی خاص چیز کھائی تھی انھیں کھانے کو پیش کی۔ انھوں نے بوجوہ انکار کیا میں نے کہا کہ میں آپ کے مُنہ پر

مل دوں گی۔ انھوں نے پھر بھی انکار کیا میں نے ذرا سی ان کے منہ پر مل دی۔ حضور ﷺ بیچ میں تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے درمیان سے زانوئے مبارک ہٹا لیا تاکہ وہ بھی مجھ سے بدلہ لے سکیں چنانچہ انہوں نے بدلہ لے لیا اور آپ ﷺ مسکرانے لگے۔ ضحاک بن سفیان بہت بدصورت تھے وہ حضور ﷺ کے پاس بیٹھے تھے۔ کہنے لگے کہ میری دو بیویاں بہت خوبصورت ہیں آپ ﷺ چاہیں تو میں ایک کو طلاق دے دوں کہ آپ نکاح کر لیں اُس نے اپنی گفتگو میں یہ بھی کہا کہ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ خوبصورت ہیں۔ مقصد ظرافت و خوش طبعی تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سنا تو فرمایا کہ وہ خوبصورت ہیں کہ تم اُس نے کہا کہ میں! حضور ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوال پر مسکرائے۔ یہ واقعہ آیت حجاب سے پہلے کا ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت صعیبؓ سے فرمایا کہ میاں تمھاری آنکھ درد کرتی ہے پھر بھی کھجور کھاتے ہو اُس نے کہا کہ میں دوسری طرف کی داڑھ سے کھاتا ہوں۔ حضور ﷺ یہ سن کر مسکرائے۔ خوات بن جبیر کو عورتوں کی بڑی چاہت تھی مکہ معظمہ کی راہ میں کچھ عورتوں کے سامنے کھڑے تھے کہ حضور ﷺ تشریف لائے وہ بیچارے شرمندہ سے ہوئے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ تم کیا کر رہے ہو؟ اُس نے کہا کہ میرا ایک سرکش اُونٹ ہے اور میں چاہتا ہوں کہ یہ اس کے لیے رسّی بانٹ دیں۔ آپ ﷺ وہاں سے تشریف لے گئے اس کے بعد پھر دیکھا تو فرمایا خوات آخر وہ اُونٹ سرکشی سے باز نہ آیا میں شرمندہ ہو کر چپ ہو رہا۔ اس کے بعد آپ ﷺ جب دیکھتے یہی فرماتے۔ ایک دن گدھا آپ کی سواری سے مفتخر تھا اور آپ ﷺ نے دونوں پاؤں مبارک ایک ہی طرف لٹکائے ہوئے تھے۔ فرمایا اے خوات اس سرکش اونٹ کی کیا خبر ہے؟ اُس نے عرض کیا کہ قسم ہے اس ذات اقدس کی جس نے آپ ﷺ کو سچّا رسول بنا کر بھیجا کہ جب سے ایمان لایا ہوں تب سے اُس نے سرکشی نہیں کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ اکبر اللہ اکبر اللّٰھُمَّ اھْدِ ابا عبد اللہ۔ نعمان انصاری رضی اللہ عنہ بہت مزاح فرماتے ان کی عادت تھی کہ مدینہ میں کوئی نیا پھل آتا تو وہ حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے کہ ہدیہ ہے اور جب پھل والا قیمت مانگتا تو اسے آپ ﷺ کی خدمت میں لے آتے کہ تیرا پھل آپ ﷺ نے نوش جان کیا ہے قیمت مانگ لو۔ آپ ﷺ مسکرا کر قیمت تو ادا کر دیتے لیکن فرماتے کہ یہاں لائے کیوں تھے؟ وہ عرض کرتے کہ میرے پاس قیمت نہ تھی اور مجھے یہ بات پسند نہ تھی کہ آپ ﷺ کے بغیر کوئی کھائے۔ حضرت نبی کریم ﷺ کے مزاحی واقعات تقریباً اتنے ہی ہیں جو نقل ہوئے اور ان میں باطل کا شبہ تک نہیں حتیٰ کہ ان میں کسی کے رنج تک کی بات نہیں۔ اور اس قسم کی ظرافت سے وقار بھی ختم نہیں ہوتا اس قسم کی خوش طبعی کبھی کبھار درست ہے بلکہ سنت ہے۔

نواں نقصان استہزاء، کسی پر ہنسنا اور اس کی آواز اور لہجہ کی نقل اس طرح کرنا ہے کہ لوگ ہنس پڑیں۔ وہ شخص اس سے رنجیدہ ہو تو وہ فعل حرام ہے قرآن عزیز میں ہے ﴿ لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ ﴾ (الحجرات) کسی کو حقارت سے تمسخر نہ کرو کیا عجب کہ وہ تم سے بہتر ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ایسے گناہ میں کسی کی غیبت کرے جس سے وہ توبہ کر چکا ہو تو غیبت کرنے والا اس گناہ میں مبتلا ہو کر مرتا ہے اور جس سے خطا ہو جائے اس پر ہنسنے کو حضور ﷺ نے منع فرمایا اور فرمایا کہ جو بات خود اس سے ممکن ہے اس کی وجہ سے دوسرے پر ہنسنا صحیح نہیں اور فرمایا کہ جو استہزاء کرتا ہے اور لوگوں پر ہنستا ہے تو قیامت کے دن بہشت کا دروازہ کھولا جائے گا اور اس

سے کہا جائے گا کہ آ جاؤ وہ قریب ہو گا تو دروازہ بند کر لیں گے۔ پھر دوسرے دروازے پر بلایا جائے گا وہ اندر جانے کی طمع میں قریب ہو گا تو پھر اسی طرح دروازہ بند ہو جائے گا حتیٰ کہ اس کی یہ حالت ہو جائے گی کہ اسے بلائے جائیں گے لیکن وہ جائے گا نہیں اور اس میں اپنی سبکی محسوس کرے گا۔ اے عزیز جاننا چاہیے کہ مسخرے پر ہنسا نیز ایسے شخص کے ساتھ ٹھٹھا جو رنجیدہ نہ ہوتا ہو حرام نہیں یہ بھی ایک قسم کا مزاح ہے حرام تب ہے جب دوسرا تکلیف محسوس کرے۔

دسواں نقصان جھوٹ ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ کسی میں ایک بھی ہو گی تو منافق ہو گا گو کہ نماز روزہ کا پابند ہو۔ جھوٹ' وعدہ خلافی اور امانت میں خیانت۔ اور فرمایا کہ وعدہ کا ایفا فرض ہے۔ حضرت حق نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے متعلق صادق الوعد (سورۃ مریم) فرمایا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کسی مقام پر کسی شخص سے وعدہ کر لیا وہ شخص نہ آیا آپ نے ۲۲ دن انتظار کیا۔ ایک شخص نے کہا کہ میں نے حضور ﷺ کی بیعت کر کے وعدہ کیا کہ فلاں جگہ حاضر ہو جاؤں گا اور بد قسمتی سے بھول گیا تیسرے دن جو گیا تو آپ ﷺ وہیں تھے۔ فرمایا تیسرے دن سے تمہاری راہ تک رہا ہوں۔ آپ ﷺ نے ایک شخص سے وعدہ کیا کہ جب تم آؤ گے تو جو تمہاری حاجت ہو گی پوری کی جائے گی۔ جس وقت خیبر کا مالِ غنیمت آپ ﷺ تقسیم فرما رہے تھے وہ آیا اور اسی بکریاں مانگیں۔ آپ ﷺ نے دے دیں اور فرمایا کہ تو نے تھوڑی چیز مانگی۔ جس عورت کی نشاندہی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کی ہڈی ملی اس عورت سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حاجت براری کا وعدہ کیا تو اس عورت نے تیری نسبت بہت بہتر چیز مانگی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب پوچھا کہ کیا مانگتی ہو تو اُس نے کہا کہ اے اللہ میاں مجھے جوانی لوٹا دے اور جنت میں آپ کی رفاقت نصیب ہو۔ یہ شخص عرب میں شہرت پا گیا ار لوگ کہتے کہ فلاں تو اسی بکریاں مانگنے والے سے بھی زیادہ آسان چیز ہے۔ اے عزیز بہتر یہ ہے کہ آدمی حتمی وعدہ نہ کرے حضور ﷺ کی عادت تھی آپ ﷺ فرماتے کہ شاید میں ایسا کر سکوں۔ اور جب وعدہ کر لیا تو پھر ہر ممکن ایفا کرو۔ مجبوری الگ ہے کسی جگہ کا کسی سے وعدہ کر لینے کی شکل میں بقول علماء نماز کے وقت سے پہلے ہلنا درست نہیں۔ اسی طرح جو چیز کسی کو دے دی اس کا لوٹانا وعدہ خلافی کے ضمن میں آتا ہے۔ حضور ﷺ نے ایسے شخص کی مثال اس طرح دی جس طرح قے کر کے چاٹنا۔

گیارھواں نقصان جھوٹی بات اور جھوٹی قسم ہے جو گناہِ کبیرہ ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ نفاق کے دروازوں میں سے ایک دروازہ جھوٹ ہے اور فرمایا کہ آدمی ایک جھوٹ بولتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ کے نزدیک جھوٹا لکھا جاتا ہے نیز فرمایا کہ جھوٹ روزی کو گھٹا دیتا ہے اور فرمایا کہ تاجر نابکار لوگ ہوتے ہیں کہ بات بات پر جھوٹ بولتے ہیں۔ فرمایا وہ شخص قابل افسوس ہے جو لوگوں کو ہنسانے کی خاطر جھوٹ بولے۔ آپ ﷺ نے تین مرتبہ یہ جملہ دہرایا فرمایا کہ ایک مرد نے مجھ سے کہا کہ کھڑا ہو۔ میں کھڑا ہو گیا۔ میں نے دو مَردوں کو دیکھا ایک کھڑا تھا ایک بیٹھا تھا جو کھڑا تھا وہ ایک لوہے کا لٹھ بیٹھے ہوئے کے مُنہ میں ڈالتا اور اس کا کلہ اس طرح کھینچتا کہ اس کے کندھے تک پہنچ جاتا پھر دوسری طرف کا کلا کھینچتا یہ سلسلہ برابر جاری رہا میں نے پوچھا کہ کون لوگ ہیں معلوم ہوا کہ جھوٹا آدمی ہے قیامت کے دن تک اس پر یہی عذاب ہو گا (معراج کا واقعہ ہے)۔

حضرت عبداللہ بن جراد رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے پوچھا بھلا مُسلمان بھی زنا کر سکتا ہے آپ ﷺ نے فرمایا کہ ممکن

ہے۔ پھر پوچھا اور جھوٹ؟ فرمایا نہیں اور یہ آیت پڑھی ﴿ اِنَّمَا يَفْتَرِى الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ (النحل) یعنی جھوٹ تو وہ بولتے ہیں جو ایماندار نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک چھوٹا سا لڑکا کھیلنے جاتا میں نے کہا آؤ تمہیں کھانے کی چیز دوں گا۔ حضور ﷺ میرے گھر تشریف فرما تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا دو گے؟ میں نے عرض کیا کہ کھجور' فرمایا کہ اگر تم کھجور نہ دیتے تو فرشتے تمہیں جھوٹا لکھ دیتے اور فرمایا کہ میں تمہیں بتلاتا ہوں کہ گناہِ کبیرہ میں سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ وہ شرک ہے ماں باپ کی نافرمانی ہے اس گفتگو کے دوران آپ ﷺ مسند لگا کر بیٹھے تھے پھر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے اور فرمایا اَلَا اَقُولُ الزُّورَ یعنی میں کہتا ہوں کہ جھوٹ بولنا گناہِ کبیرہ ہے اور فرمایا کہ جو جھوٹ بولتا ہے فرشتہ اس کی بدبو سے میل بھر کے فاصلے پر چلا جاتا ہے اسی وجہ سے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ گفتگو کے دوران چھینک آ جائے تو یہ صداقت کی نشانی ہے اس لیے کہ حدیث میں ہے کہ چھینک فرشتہ کے سبب آتی ہے اور جمائی شیطان کے سبب! اگر وہ بات جھوٹی ہوتی تو فرشتہ نہ ہوتا شیطان ہوتا اور فرمایا کہ جو کسی کی طرف سے جھوٹی روایت کرتا ہے تو یہ بھی اس کا ایک جھوٹ ہے کہ بغیر تحقیق اس نے بات کیوں کی اور فرمایا کہ جھوٹ سے دوسرے کا مال ہتھیانے والا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کو دیکھے گا کہ وہ اس پر غضب ناک ہے نیز ارشاد ہوا کہ مسلمان میں سب خصلتیں ممکن ہیں لیکن جھوٹ اور خیانت ممکن نہیں۔ میمون بن شبیب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں خط لکھ رہا تھا اس دوران ایک ایسی بات ذہن میں آئی کہ اسے خط میں سجا دیتا تو وہ دلچسپ ہو جاتا لیکن چونکہ وہ بات جھوٹ تھی اس لیے میں نے ترک کر دی ایک منادی نے آواز دی۔ ﴿ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ ﴾ (ابراھیم) ثابت قدم رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو قول ثابت پر دُنیا و آخرت بسبب میں۔ حضرت ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جھوٹ نہ بولنے پر مجھے اجر نہیں ملے گا کیونکہ میں اس واسطے جھوٹ نہیں بولتا ہوں کہ اس سے مجھے شرم آتی ہے۔

فصل : اے عزیز جھوٹ بولنا اس لیے حرام ہے کہ یہ دِل میں اثر کرتا ہے اور یہ شکل دِل کو تاریک کر دیتی ہے لیکن جھوٹ بولنے کی ضرورت پڑے اور آدمی مصلحت کے پیش نظر جھوٹ بات کہے لیکن دل سے مکروہ سمجھتا ہو تو پھر حرام نہیں اس لیے کہ جب دِل سے مکروہ خیال کرے گا تو دِل متاثر نہیں ہو گا۔ گویا جب خیر کے ارادہ سے جھوٹ بولے گا تو دِل تاریک نہ ہو گا اور اس میں کچھ شک نہیں کہ اگر کوئی مُسلمان کسی ظالم سے بھاگ جائے تو سچ نہ بولنا چاہیے کہ وہ وہاں ہے بلکہ یہاں جھوٹ بولنا واجب ہے۔ حضور ﷺ نے تین مقامات پر جھوٹ کی اجازت دی ایک لڑائی میں کہ دشمن سے اپنا ارادہ سچ سچ نہ بتلایا جائے۔ دوسرے دو آدمیوں کے درمیان صلح کی خاطر' تیسرے اس شخص کے لیے جس کی دو بیویاں ہوں تو ہر کسی سے یہ کہنا ضروری ہے کہ مجھے تو ہی زیادہ عزیز ہے۔ اگر کوئی ظالم کسی کے مال کے متعلق پوچھے یا بھید معلوم کرنا چاہے تو اس کا چھپانا ضروری ہے اگر کسی کے گناہ سے مطلع ہونا چاہے تو پھر بھی انکار درست ہے اس لیے کہ شریعت نے بُرے کاموں کو چھپانے کا حکم دیا ہے اور اگر بیوی کسی وعدہ کے بغیر اطاعت نہ کرے تو خاوند کو وعدہ کر لینا چاہیے اگرچہ اس کو معلوم ہو کہ ایفا مشکل ہے۔ ایسی تمام صورتوں میں جھوٹ درست ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جھوٹ ناگفتنی ہے لیکن اگر سچ سے ایسی بات ہوتی ہو جو منع ہے تو عدل کی ترازو میں تولنا ضروری ہے۔ اگر اس بات کا نہ ہونا شرعاً جھوٹ کے نہ ہونے سے زیادہ مقصود ہے مثلاً لوگوں میں لڑائی میاں بیوی کا بگاڑ مال ضائع ہونا' بھید کا

فاش ہو جانا۔ گناہ کے سبب ندامت تو ایسے واقعات میں جھوٹ مباح ہے اس لیے کہ شرعاً ان باتوں کا شر جھوٹ سے زیادہ ہے یہ ایسے ہے جیسے جان کی ہلاکت کے خوف سے کوئی آدمی مردار کھا لے۔ اس لیے کہ شرعی طور پر مردار کھانے سے جان بچانا زیادہ ضروری ہے' لیکن جو بات ایسی نہ ہو اس کے سبب جھوٹ درست نہیں۔ گویا مال و جاہ کی زیادتی' ڈینگ ہانکنے' خود ثنائی اور اپنا مرتبہ بیان کرنے میں کوئی شخص جو جھوٹ بولے وہ بہرحال حرام ہو گا۔

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ جن چیزوں کی رعایت میرا شوہر نہیں کرتا وہ اگر میں اپنی سوت کو جلانے کی خاطر کر گزروں تو کیسا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایسی بات اپنے سرے لینا جو نہیں ہوئی وہ ایسے ہے کہ آدمی دغا و فریب کے دو کپڑے پہن لے یعنی خود بھی جھوٹ بولے اور دوسرے کو بھی بتلائے کہ فریب کرے کہ اُس نے کسی سے جو بات بلاوجہ نقل کی وہ بھی تو جھوٹ ہے۔ یاد رہنا چاہیے کہ مکتب کی خاطر لڑکے سے جھوٹ درست ہے حدیث میں ہے کہ جھوٹ لکھا جاتا ہے اور مباح جھوٹ بھی لکھا جاتا ہے تاکہ اس کے کہنے والے سے وجہ معلوم کی جا سکے اگر وہ صحیح وجہ بیان کر دے تو پھر وہ مباح ہو جاتا ہے اگر کوئی شخص کوئی روایت بیان کرے یا مسئلہ پوچھے اور بغیر تحقیق اس کا جواب دے دیا جائے تو یہ حرام ہے اس لیے کہ لوگ ایسی حرکت اس لیے کرتے ہیں کہ ان کی عزت و وقار میں نقصان نہ ہو۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ خیرات کا حکم دے کر اس کے فضائل کی خاطر جھوٹی روایات بیان کرنا درست ہے حالانکہ ایسا نہیں بلکہ یہ حرام ہے اس لیے کہ حضور ﷺ نے اپنے متعلق قصداً جھوٹ بولنے والے کو جہنم کی وعید سنائی اور ایسی غرض کے بغیر جو لابدی ہو جھوٹ بولنا درست نہیں اور چونکہ یہ بات ظنی ہے یقینی نہیں اس لیے بہتر یہ ہے کہ جھوٹ سے اور جھوٹی روایات سے بچے۔

فصل: بزرگوں کو جب جھوٹ بولنا پڑے تو انھوں نے حیلہ سے کام لیا اور ایسی بات تلاش کر کے بولتے جس سے جھوٹ بلوانے والا تو کچھ اور ہی سمجھا جو قائل کا مقصود نہ تھا اسے معاریض کہتے ہیں۔ حضرت مطرف رحمۃ اللہ علیہ ایک حاکم کے پاس گئے اُس نے کہا کہ آپ بہت کم تشریف لاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں جب سے آپ کے یہاں سے گیا زمین سے پہلو نہیں اٹھایا ہاں جب اللہ نے قوت دے دی تو چلا آیا۔ حاکم نے سمجھا کہ یہ بیمار تھے حالانکہ ایسا نہ تھا جبکہ بات بھی سچی تھی۔ حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ کو جب کوئی بلاتا تو لونڈی کو فرماتے کہ دروازہ میں ایک دائرہ کھینچ کر اس کے بیچ میں انگلی رکھ کر کہہ دو کہ یہاں نہیں یا پھر مسجد میں تلاش کرو۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جب گورنری سے واپس آئے تو ان کی اہلیہ نے پوچھا کہ میرے لیے کیا لائے؟ فرمایا کہ میرے ساتھ ایک نگہبان تھا اس لیے کچھ نہ لا سکا۔ ان کا مقصد نگہبان سے حضرت حق تھے جبکہ بیوی کے خیال میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے کہ انھوں نے کوئی نگہبان بھیجا ہو گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئیں اور شکایت کی کہ معاذ حضرت نبی کریم ﷺ اور خلیفۂ اوّل کے نزدیک امانت دار تھے آپؓ نے ساتھ نگہبان کیوں بھیجا۔ حضرت امیر المؤمنین نے حضرت معاذ کو بلا کر قصہ پوچھا تو ہنس دیئے اور انھیں کچھ مرحمت فرما دیا تاکہ اپنی اہلیہ کو دے سکیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ ایسا کرنا بھی اس وقت درست ہے جب حاجت ہو ورنہ لوگوں کو دھوکہ میں ڈالنا درست نہیں اگرچہ بات سچی ہو۔ حضرت عبداللہ بن عتبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے والد محترم کے ساتھ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا وہاں سے نکلا تو میرا لباس اچھا تھا۔ لوگوں نے کہا کہ خلیفہ وقت نے خلعت عطا کیا ہے میں

نے کہا کہ خدا انھیں جزائے خیر دے۔ میرے والد نے کہا کہ بیٹا جھوٹ یا جھوٹ کی مانند کوئی بات مت کہو یعنی یہ بات جھوٹ کی مانند ہے گو کہ تھوڑی سی غرض سے مباح ہو جاتا ہے جیسے خوش طبعی کرنا کسی کا دِل خوش کرنا جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کی بڑھیا جنت میں نہیں جائے گی اور تجھے اُونٹ کے بچّہ پر سوار کروں گا اور تیرے شوہر کی آنکھ میں سفیدی ہے لیکن جب کوئی ضرر ہو تو پھر درست نہیں جیسا کہ کسی کو فریب دینا کہ فلاں عورت تجھے چاہتی ہے تو وہ شخص بلاوجہ اپنا دِل اس عورت کی طرف مائل کر لے گا۔ اس طرح کی باتیں محض مزاح کی خاطر گناہ کے درجہ کو نہیں پہنچ پاتیں لیکن کمالِ ایمان کے منافی ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کا ایمان جب کامل ہوتا ہے جب وہ اپنے لیے وہی بات پسند کرے جو لوگوں کے لیے پسند کرتا ہو اور جھوٹ مزاح سے دست بردار نہ ہو علی ہٰذا القیاس۔ وہ مقولہ بھی ہے جو لوگ کہا کرتے ہیں کہ میں نے تمھیں سو بار بلایا اور میں سو دفعہ تمھارے گھر آیا یہ کہنا حرام کے درجہ کو تو نہیں پہنچتا کیونکہ یہ بات معلوم ہے کہ اس سے عدد مقرر کرنا مقصود نہیں محض کثرت مراد ہے لیکن اگر بہت دفعہ تلاش نہیں کیا تو پھر جھوٹ ہے اور یہ عادت ہے کہ جب لوگ کسی سے کہتے ہیں کہ کچھ کھا پی لو تو جواب میں یہ کہنا کہ مجھے کھانا نہیں۔ جب خواہش ہو تو ایسا کہنا مناسب نہیں۔ حضور علیہ السلام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی شب عروسی میں عورتوں کو دودھ کا پیالہ مرحمت فرمایا تو انھوں نے کہا کہ ہمیں حاجت نہیں فرمایا کہ جھوٹ اور بھوک کو ایک ساتھ جمع نہ کرو۔ انھوں نے عرض کیا کہ اتنی بات بھی جھوٹ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں۔ حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ کی آنکھ دکھتی تھی اس میں کوئی چیز داخل ہو گئی تھی لوگوں نے کہا کہ اس کو صاف کرا لیں تو بہتر ہے فرمایا کہ میں طبیب سے وعدہ کر چکا ہوں کہ تمھاری دوا استعمال کروں گا اور بس۔ اب کوئی دوسرا کام کروں تو جھوٹ ہو گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جھوٹ پر اللہ تعالیٰ کو گواہ بنانا بدترین قسم کا گناہِ کبیرہ ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جھوٹی خواب بیان کرنے والے کو قیامت کے دن جو کے دانہ میں گرہ لگانا پڑے گی۔

بارھواں نقصان غیبت ہے جو اکثر زبانوں پر رہتی ہے اور کوئی اس سے محفوظ نہیں الا ماشاء اللہ۔ اس کا وبال بہت سخت ہے۔ قرآن عزیز نے غیبت کو مردہ بھائی کا گوشت نوچنے سے تعبیر فرمایا اور حضور ﷺ نے اسے زنا سے بدتر قرار دے کر اس سے دور رہنے کا حکم دیا۔ زنا سے توبہ قبول ہو جاتی ہے غیبت نہیں۔ تاوقتیکہ جس کی غیبت کی ہے وہ معاف نہ کر دے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ شب معراج ایک قوم کو میں نے دیکھا کہ جو اپنے چہرے کا گوشت ناخنوں سے نوچ رہی ہے میں نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں تو معلوم ہوا کہ غیبت کرنے والے ہیں۔ حضرت سلیمان بن جابر رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام سے ایسی چیز معلوم کرنا چاہی جو دستگیر و معاون ثابت ہو فرمایا کہ نیکی کے کام کو حقیر مت جانو اگرچہ وہ محض اتنا ہو کہ تم اپنے ڈول سے کسی کے برتن میں پانی ڈال دو۔ نیز مُسلمان بھائی سے کشادہ رو ہو کر ملو اور غیبت نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ غیبت سے توبہ کر کے مرنے والا سب سے آخر میں جنت میں جائے گا اور بغیر توبہ مرنے والا سب سے پہلے دوزخ میں جائے گا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کے ہم سفر تھا دو قبروں پر آپ ﷺ کا گزر ہوا فرمایا کہ دونوں کو عذاب ہو رہا ہے ایک کا سبب غیبت' دوسرے کا سبب پیشاب کے قطرات سے اپنی حفاظت میں بے احتیاطی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے ایک ہری شاخ کے دو ٹکڑے کر کے دونوں قبروں پر رکھ دیئے اور فرمایا

کہ جب تک خشک نہیں ہوں گے تب تک عذاب میں تخفیف رہے گی۔ ایک شخص نے زنا کا اقرار کیا تو آپ ﷺ نے سنگسار کا حکم دیا حاضرین میں سے ایک نے دوسرے سے کہا کہ اس طرح اس کو بٹھایا جائے جیسے کتے کو بٹھاتے ہیں پھر حضور علیہ السلام ایک مردار کے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ اس میں سے کھالو۔ عرض کیا کہ مردار کیسے کھائیں؟ فرمایا کہ اس بھائی کے گوشت سے جو تم نے کھایا وہ اس سے بدتر اور نجس تر ہے۔ آپ ﷺ نے کہنے والے کے ساتھ سننے والے سے بھی گرفت کی کہ دونوں شریک جرم تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم آپس میں کشادہ روئی سے ملتے اور غیبت سے احتراز کرتے۔ اس فعل کو بہترین عبادت تصور کرتے اور اس کے خلاف کو منافقت جانتے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عذاب قبر کی تین قسمیں ہیں ایک ثلث غیبت کرنے سے ہے ایک ثلث سخن چینی کے سبب اور ایک ثلث پیشاب سے احتیاط نہ کرنے کے سبب! حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حواریوں سمیت ایک مرے ہوئے کتے کے پاس سے گزرے۔ ساتھیوں نے کہا کہ یہ بدبو کا ہے کی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کے دانتوں کی سفیدی بہت اچھی ہے۔ گویا آپ نے اس بات کی تعلیم دی کہ جس چیز کو دیکھیں اس میں سے جو اچھی ہو اس کا ذکر کریں۔ آپؑ کے سامنے سے ایک خنزیر کا گزر ہوا آپؑ نے فرمایا صحیح سلامت جاؤ لوگوں نے عرض کیا اے روح اللہ اس جانور کے متعلق ایسی اچھی بات؟ فرمایا اپنی زبان کی عادت ایسی ہے۔ حضرت علی بن الحسین رضی اللہ عنہ نے کسی کو غیبت کرتے دیکھا تو فرمایا کہ یہاں چپ رہو کہ یہ دوزخ کے کتوں کی خارش ہے۔

فصل: غیبت یہ ہے کہ کسی کے پس پردہ اس کا یوں ذکر کیا جائے کہ اگر وہ سنے تو برا مانے گو کہ تم نے سچ ہی کہا ہو اور اگر جھوٹ ہو تو پھر زور دار بہتان ہے جس بات کا انجام کسی کے عیب کی طرف ہو اس کا بیان کرنا غیبت ہے۔ اگرچہ یہ بات اس کے بدن، نسب، لباس، جانور، گھر اور کردار و گفتار میں سے کسی کے متعلق ہو۔ بدن کے متعلق مثلاً کوئی آدمی کہے کہ فلاں لمبا ہے یا کالا ہے وغیرہ ذالک۔ نسب کے متعلق کوئی کہے کہ فلاں ہندو بچہ ہے یا حمام والے کا یا جولاہے کا لڑکا ہے۔ اخلاق کے متعلق کسی کو بدگو، متکبر، زبان دراز یا کاہل کہا جائے افعال میں کسی کو چور خائن اور بے نماز کہنا۔ اور یہ کہنا کہ وہ رکوع سجدہ پورا نہیں کرتا، قرآن غلط پڑھتا ہے، کپڑے پاک نہیں رکھتا، زکوٰۃ نہیں دیتا حرام کھاتا ہے زبان نہیں روکتا یا بہت کھاتا ہے، بہت سوتا ہے، اپنی جگہ نہیں بیٹھتا۔ کپڑے کے متعلق یوں کہنا کہ آستین فراخ ہیں یا دامن دراز ہے کپڑے میلے رکھتا ہے۔ الغرض رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کچھ تم کسی کو کہو کہ اگر وہ سنے تو اسے برا معلوم ہو وہ غیبت ہے گو کہ وہ سچ ہے۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ایک عورت کو پستہ قد کہہ دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا عائشہ تم نے غیبت کی۔ تھوک دو میں نے تھوکا تو کالا خون تھا۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ جب کوئی شخص گناہ کرے اور لوگ اس کا گناہ نقل کریں تو یہ غیبت نہیں ایسی مذمت بھی دین کا حصہ ہے۔ علماء کا یہ کہنا غلط ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ فلاں آدمی فاسق ہے، شراب خور ہے یا بے نماز ہے مگر کسی عذر کے سبب ایسا درست ہے وہ عذر آگے بیان کیے جائیں گے۔ اس لیے کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ غیبت وہ ہے جس سے کراہت آئے اور ان سب باتوں سے بہرحال کراہت ہوتی ہے اور جب کوئی بات کہنے میں فائدہ نہ ہو تو کہنا مناسب نہیں۔

فصل : زبان غیبت سے نہیں ہوتی بلکہ آنکھ ہاتھ کے اشاروں اور لکھنے سے بھی ہوتی ہے اور یہ سب صورتیں حرام ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ فلاں عورت پست قد ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم نے غیبت کی۔ اسی طرح لنگڑا کر چلنا یا کسی کی آنکھ کا نقص ظاہر کرنے کے لیے آنکھ کو اس طریق پر ڈھالنا بھی حرام ہے لیکن اگر کسی کا نام لیے بغیر بات کریں یا اشارہ تو حرام نہیں۔ ہاں حاضرین سمجھ جائیں تو حرام ہو جائے گا کہ مقصد ہی لوگوں پر ظاہر کرنا ہوتا ہے۔ بعض پڑھے لکھے اور پرہیزگار لوگ بھی غیبت کرتے ہیں اور خیال ان کا یہ ہوتا ہے کہ یہ غیبت نہیں مثلاً کسی کا ذکر آیا تو کہہ دیا کہ الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس بات سے محفوظ رکھا۔ اس کا مقصد یہی ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ فلاں تو یہ کام کرتا ہے اور آپ ایسا نہیں کرتے یا کہہ دیا کہ فلاں آدمی بہت خوش وقت ہے مگر ہماری طرح وہ بھی مبتلائے مخلوق ہے دیکھیں اس آفت سے اسے کب نجات ملے اور بھی ایسی باتیں ہیں کہ اپنی مذمت کی آڑ میں اوروں کی بھی مذمت ہو جائے۔ یا کسی نے ان کے سامنے کسی کے متعلق کوئی بات کہی تو تعجب کا اظہار کر دیا اس کا مقصد غیبت کرنے والے کو خوش کرنا اور دوسرے حاضرین کو سنانا ہوتا ہے یہ بھی جرم ہے یا اس طرح کہا کہ یہ سن کر بڑا رنج ہوا کہ فلاں آدمی اس صورتحال سے دوچار ہوا اور مقصد رنج کی آڑ میں دوسروں کو آگاہ کرنا ہے یہ سب صورتیں غیبت کی ہیں بلکہ ان میں نفاق کا گناہ زائد شامل ہو جاتا ہے کہ آدمی اپنے آپ کو پرہیزگار ثابت کرتا ہے کہ ہم غیبت نہیں کرتے جبکہ وہ فی الحقیقت ایسا کرتا ہے اور اگر کسی غیبت کرنے والے کو کہا جائے کہ خاموش رہو ایسا نہ کرو اور خود دل سے آدمی اس بات کو بُرا نہ سمجھے تو یہ بھی غیبت اور منافقت ہے اسی طرح غیبت سننے والا شریک گناہ ہوتا ہے اور یہ کہ اسے دل سے مکروہ جانے۔ حضرات شیخین صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما ایک دن ساتھ جا رہے تھے ایک نے دوسرے سے کہا کہ فلاں بہت سوتا ہے پھر حضور ﷺ سے کھانے کو کچھ مانگا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم تو کھا چکے۔ عرض کیا کہ ہم نے کیا کھایا۔ فرمایا اپنے مردہ بھائی کا گوشت! حضور ﷺ نے دونوں کی گرفت کی جب کہ ایک نے کہا اور دوسرے نے سنا تھا اگر آدمی دل سے مکروہ جان کر ہاتھ یا آنکھ سے روکے تو بھی درست نہیں بلکہ سختی سے کہنا چاہیے تاکہ ناموجود شخص کے حق میں قصور نہ ہو کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ جو کوئی اپنے مُسلمان بھائی کی غیبت کرے اور وہ اپنے بھائی کی مدد نہ کرے اور اس سے کوتاہی برتے تو اللہ تعالیٰ اس کوتاہی برتنے والے کو نظر انداز کر دے گا جب اسے حاجت ہو گی۔

فصل : جس طرح غیبت زُبان سے حرام ہے اسی طرح دِل سے بھی حرام ہے جس طرح دوسرے سے کسی کا عیب کہنا درست نہیں اسی طرح اپنے دِل سے بھی نہ کہنا چاہیے دِل سے غیبت اس طرح ہوتی ہے کہ دیکھے سنے بغیر کسی کی طرف سے بدگمان ہو جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مُسلمان کا خون مال اور اس کی طرف سے بدگمانی حرام قرار دیا ہے اور ایسی بات دِل میں لانا جس کا نہ تو یقین ہو اور نہ ہی اس کے متعلق دو عادل گواہ ہوں تو وہ بات شیطان دِل میں ڈالتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا ﴾ (الحجرات)

یعنی "کوئی فاسق جب کوئی خبر لائے تو تحقیق کر لیا کرو"

گویا فاسق کی بات باور کرنے سے منع فرمایا اور ظاہر ہے کہ شیطان سے بڑھ کر کوئی فاسق نہیں۔ یہ بات حرام ہے کہ تمھارا

دِل اس بات پر جم جائے ہاں جو بے اختیار دِل میں آ جائے اور انسان اسے ناپسند کرتا ہو اس پر مواخذہ نہیں ہو گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بدگمانی سے انسان بمشکل بچ سکتا۔ ہاں سلامتی اس میں ہے کہ آدمی دِل میں بات کا یقین نہ کرے اور جہاں تک ممکن ہو نیک گمان سے کام لے۔ دِل میں تحقیق کرنے کی علامت یہ ہے کہ جس کی طرف سے بدگمانی ہو وہ شخص دِل میں گراں گزرتا ہے اور اس کے ساتھ رعایت میں انسان کوتاہی برتنے لگتا ہے البتہ دل، زبان اور اس ملامت میں اسی طرح کا سلوک کرتا رہے جیسا پہلے کرتا تھا تو یہ اچھی علامت ہے۔ اگر کوئی عادل آدمی بات کرے تو توقف کرنا چاہیے اس عادل کو جھوٹا سمجھنا مناسب نہیں۔ اس لیے کہ کسی عادل شخص کے متعلق بدگمانی صحیح نہیں حتیٰ کہ فاسق پر بھی بدگمانی درست نہیں اور کہے کہ جیسے اس کا حال مجھ سے پوشیدہ تھا اور ہے اسی طرح کا معاملہ اس کا ہے۔ اگر معلوم ہو جائے کہ ان میں کچھ حسد اور دشمنی ہے تو توقف اولیٰ تر ہے اور اگر اسے بڑا عادل سمجھتا ہو تو اس کی طرف سے زیادہ میل نہ کرنا چاہیے اور جب کسی کے دِل میں کسی شخص کی طرف سے بدگمانی آ جائے تو اس سے زیادہ میل جول کرنا چاہیے تاکہ اس سے شیطان کو غُصّہ آئے اور وہ گمان کم ہو جائے اور جب کسی بات کا یقین ہو جائے تو غیبت نہ کرے بلکہ تنہائی میں نصیحت کرے اور نصیحت میں بھی رویہ خیر خواہی کا ہو ذلیل کرنے کا نہ ہو اس طرح دوہرا اجر ملے گا۔

فصل: غیبت کی حرص آدمی کے دِل کی بیماری ہے اس کا علاج ضروری ہے اور علاج کی دو قسمیں ہیں علمی علاج دو چیزیں ہیں ایک تو یہ کہ جو احادیث غیبت کی برائی میں نقل ہوئی ہیں ان میں غور کیا جائے اور یہ خیال کیا جائے کہ غیبت سے میری نیکیاں دوسرے کے نامۂ اعمال پر منتقل ہو رہی ہیں اس طرح کا سلسلہ رہا تو میں خالی ہو جاؤں گا۔ اس لیے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ غیبت نیکیوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جس طرح آگ خشک لکڑی کو۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے گناہوں سے اس کی ایک ہی نیکی زیادہ ہو اور غیبت کے سبب گناہوں کا پلڑا بھاری ہو کر دوزخ کا باعث بن جائے۔ دوسرے اس بات پر نظر رکھے کہ اس کی ذات میں بھی عیب ہیں اور یہ خیال کرے کہ وہ بھی میری ہی طرح کا انسان اور معذور ہے اور اگر اپنی ذات میں بھی عیب ہیں اور یہ خیال کرے کہ وہ بھی میری ہی طرح کا انسان اور معذور ہے۔ اور اگر اپنی ذات میں کوئی عیب نظر نہ آئے تو سمجھ لے کہ یہ سب سے بڑا عیب ہے۔ پس اگر سچا بھی ہے تو مردار گوشت سے بڑھ کر کھانا کونسا عیب ہو گا؟ بے عیب ہو کر اپنے آپ کو عیب میں ملوث کرنا کونسی عقلمندی ہے؟ بلکہ شکر کرنا چاہیے اور محسوس کرے کہ اس کی تقصیرات اپنی جگہ لیکن اس سے خالی کون ہے۔ شریعت پر قائم رہنا مشکل ہے کہ آدمی کم از کم صغائر کا شکار تو ہو ہی جاتا ہے تو اوروں سے کیا گلہ؟ اور اگر عیب اس کی تخلیق نہیں ہے مثلاً کانا وغیرہ ہے تو یہ صانع مطلق پر حرف گیری ہے۔ تفصیلی علاج یہ ہے کہ آدمی عیب سبب تلاش کرے جو بالعموم آٹھ ہیں۔

پہلا سبب کسی سے بوجوہ غُصّہ ہو تو اس کے سبب اپنے آپ کو دوزخ میں ڈالنا حماقت ہے یہ اپنے ساتھ لڑائی اور دشمنی ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص غُصّہ کو پی جاتا ہے اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن برملا بلا کر فرمائیں گے کہ حوروں میں سے جس کو چاہے لے لے۔

دوسرا سبب یہ ہوتا ہے کہ آدمی دوسروں کی موافقت تلاش کرتا ہے تاکہ انکی رضا حاصل ہو۔ اس کا علاج یہ ہے کہ آدمی یہ سوچے کہ اللہ کی ناراضی مول لے کر بندوں کو راضی کرنا حماقت اور نادانی ہے بلکہ لوگوں پر غصہ کر کے اللہ کی

رضامندی کی تلاش ضروری ہے۔

تیسرا سبب کہ کسی خطا میں پکڑا جائے اور اب خلاصی کے لیے دوسرے پر الزام دھرے ایسے انسان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کا عذاب جو اپنے وقت پر یقیناً آئے گا وہ اس آفت سے بڑا ہو گا۔ جن سے یہ بچنا چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے غصہ کی بلا یقیناً آئے گی اور جس سے نجات کا طالب ہے وہ معاملہ مشکوک ہے اس لیے اپنے آپ سے خطا کے دفعیہ کی فکر کرنی چاہیے اور دوسرے پر الزام نہ دھرنا چاہیے اگر کوئی کہے کہ میں حرام کھاتا ہوں یا فلاں بات کرتا ہوں تو فلاں کا عمل بھی یہی ہے یہ حماقت ہے اس لیے کہ گنہگار کی پیروی درست نہیں۔ آخر اس بات میں کیا فائدہ اور عذر ہے کہ فلاں آگ میں جاتا ہے میں بھی جاؤں گا جیسے اسے کوئی پسند نہیں کرتا اسی طرح گناہ میں متابعت غلط ہے۔

چوتھا سبب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی تعریف چاہتا ہے اور کر نہیں سکتا۔ تو دوسروں کی عیب جوئی کرتا ہے تاکہ اس طرح اپنی پاک دامنی کا ڈھنڈورہ پیٹے۔ مثلاً یوں کہنا کہ فلاں کو کچھ پتہ نہیں یا وہ ریا سے پرہیز نہیں کرتا جس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ میں بہت کچھ جانتا ہوں اور میں ریا سے بچتا ہوں۔ تو عقلمند آدمی اس انداز سے اس کے فسق و جہل کا اندازہ لگا لے گا۔ فضیلت اور پارسائی کا معتقد نہ ہو گا اور جو بے عقل ہو گا اسکے معتقد ہونے سے کیا فائدہ؟ اصل فائدہ یہ ہے کہ انسان اللہ کا قرب اور اس کی حاصل کرے بندہ بے چارہ تو محض عاجز ہے۔

پانچواں سبب حسد ہے کسی کو علم مالی یا اور کوئی عزت ملی اور لوگ اس کی قدر کرنے لگے اور یہ دیکھ نہیں سکتا اور اس کی عیب جوئی کرتا ہے تاکہ اس سے جھگڑے اسے معلوم ہی نہیں کہ یہ جھگڑا اپنے ساتھ ہے کہ اس دُنیا میں رنج و حسد کا عذاب اور اس جہان میں غیبت کا عذاب ہے۔ گویا دونوں جہاں کی نعمتوں سے محرومی ہوئی اسے معلوم ہونا چاہیے کہ جاہ و حشمت اللہ کی طرف سے ہے حاسد اسے گھٹا نہیں سکتا بڑھا دیتا ہے۔

چھٹا سبب استہزاء ہے اور کسی کی رسوائی۔ جبکہ انسان کو سوچنا چاہیے کہ یہ اللہ کے نزدیک اپنی رسوائی کا سامان ہے۔ اگر تم سوچو کہ قیامت کے دن اس کے گناہ تمہاری گردن پر ہوں گے اور تمھیں گدھے کی طرح دوزخ کی طرف ہانکا جائے گا تو پھر تجھے اصل حقیقت معلوم ہو گی اور جان لے گا کہ جس کا انجام یہ ہے اسے ہنسنے اور استہزاء سے بچنا چاہیے۔

ساتواں سبب یہ ہے کہ کسی سے کوئی گناہ دیکھے تو اسے غم ہو اور غم کا سبب محض اس کی خیر خواہی ہو جیسا کہ اہل دین و تقویٰ کی عادت ہے اور اس میں ہے بھی مخلص۔ لیکن اس گنہگار کا ذکر کرنے سے اس کا نام جو زبان پر آئے گا تو اسے احساس کرنا چاہیے کہ یہ تو غیبت ہے اسے معلوم کرنا چاہیے کہ اس رنج کا باعث ابلیس بن رہا ہے کیونکہ سچا ہوتا تو غائبانہ تذکرے کے بجائے اسے نصیحت کرتا ہے۔

آٹھواں سبب اللہ کے لیے غصہ آئے یا تعجب ہو اس غصہ اور تعجب میں اس کا نام لے تاکہ لوگوں کو معلوم ہو اس سے بھی ثواب ضائع ہوتا ہے۔

عذر کے سبب غیبت کی اجازت

غیبت یقیناً حرام ہے جیسے جھوٹ اور بغیر معقول عذر اس کی اجازت نہیں جو اس کے جواز کا سبب بن سکتے ہیں :

۱) فریاد جو قاضی یا بادشاہ کے سامنے کی جائے یہ درست ہے اسی طرح مظلوم کا معاملہ ہے لیکن مظلوم کو ایسے آدمی کے سامنے بیان کرنے سے گریز کرنا چاہیے جس سے کوئی فائدہ نہ ہو۔ امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے ایک شخص نے حجاج بن یوسف کے مبینہ مظالم کا ذکر کیا تو انھوں نے فرمایا کہ جس طرح اللہ حجاج سے انتقام لے گا اسی طرح حجاج کا انتقام اس شخص سے لیا جائے گا جو غیبت کرتا ہے۔

۲) کہیں فساد اور برائی دیکھے اور اس شخص سے ذکر کرے جو احتساب پر قادر ہو اور اس برائی کرنے والے کو باز رکھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف گزرے اور سلام کیا۔ انھوں نے جواب نہ دیا آپ نے امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے گلہ کیا حتیٰ کی انھوں نے ان سے گفتگو کی گویا یہ گلہ غیبت نہیں۔

۳) فتویٰ پوچھنا کہ بیوی' آپ یا فلاں شخص میرے ساتھ ایسا کرتا ہے لیکن اس میں بھی بہتر ہے کہ اس طرح سوال کرے کہ اگر کوئی یوں کرے تو؟ تاہم نام لینے میں حرج نہیں۔ ممکن ہے کہ مفتی اس بات کو بعینہٖ سمجھ کر اور کوئی خیال کر گزرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ میرے خاوند حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ خرچ کرنے میں ہاتھ کھینچ کر رکھتے ہیں جس سے میرا اور بچوں کا خرچ پورا نہیں ہوتا اگر ان کی لاعلمی میں کوئی چیز لے لی جائے تو؟ آپ نے فرمایا جتنا ضروری خرچ ہو اتنا انصاف کے ساتھ لینے میں کوئی حرج نہیں۔

۴) اس شخص کے شر سے بچنا مقصود ہو مثلاً کوئی شخص بدعتی ہو یا چور یا اسی طرح کا مجرم اور اس پر کوئی اعتماد کر کے نقصان اٹھائے یا کسی عورت کی بہتری مقصود ہو یا لونڈی غلام کی خریداری پیش نظر ہو اور یہ محسوس کرے کہ ان کا عیب بیان نہ کرنے سے اگلے کا نقصان ہو گا تو پھر عیب کہہ دینا درست ہے اور بات کو چھپانا مسلمان کے ساتھ ناانصافی ہے اور مزکی کے لیے اجازت ہے کہ گواہ کے بارے میں جرح کرے اسی طرح جس سے مشورہ مقصود ہو اس سے بھی بات بالتفصیل جائز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فاسق کا عیب ظاہر کر دو تاکہ لوگ اس سے بچ سکیں اس حکم کا تعلق وہاں ہے جہاں آفت و مصیبت کا خوف ہو اس کے بغیر درست نہیں بقول اسلاف۔ تین آدمیوں کی شکایت غیبت نہیں ظالم بادشاہ' بدعتی اور کھلم کھلا فسق کا ارتکاب کرنے والا۔ اس کی اجازت یوں ہے کہ یہ لوگ خود ان عیوب کو پوشیدہ نہیں رکھتے اور لوگوں کے کہنے سے ان پر اثر نہیں ہوتا۔

۵) کوئی شخص کسی نام سے مشہور ہو گو کہ اس میں عیب ہو مثلاً اعمش یعنی بھینگا اور اعرج یعنی لنگڑا کیونکہ جب آدمی ایسے ناموں سے مشہور ہو گیا تو پھر رنج نہیں ہوتا۔ پھر بھی بہتر یہ ہے کہ کوئی اور نام لے لے مثلاً اندھے کو بصیر اور چشم پوشیدہ کہہ دے۔

۶) کوئی شخص فسق کو ظاہر کرتا ہو جیسے مخنث اور شرابی۔ گویا جو لوگ فسق و فجور کو معیوب نہیں سمجھتے ان کا ذکر درست ہے۔

غیبت کا کفارہ

غیبت کا کفارہ توبہ اور پشیمانی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نجات نصیب ہو اور جس کی غیبت کی ہے اس سے

معافی ضروری ہے ورنہ ایک دن آنے والا ہے جب اس کی نیکیاں بدلے کے طور پر مظلوم کو دی جائیں گی اور اگر نیکیاں نہ ہوں گی تو اس کے گناہوں کا بوجھ اس کے سر ڈالا جائے گا۔ اس دن انسان کے پلے نہ درہم ہوں گے نہ دنانیر! حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک عورت کو زُبان دراز کہا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم نے غیبت کی ہے اس کی معافی مانگو۔ حدیث میں ہے کہ جس کی تم نے غیبت کی اس کے لیے اللہ میاں سے معافی چاہو بعض علماء نے اس حدیث سے یہ سمجھا کہ اس کے لیے اللہ سے بخشش کافی ہے اس سے معافی کی ضرورت نہیں لیکن یہ بات درست نہیں بخشش وہاں ہے جہاں متعلقہ آدمی دُنیا سے رخصت ہو گیا ہو اور معافی اس طرح مانگنی چاہیے کہ فروتنی اور پشیمانی سے اس کے سامنے جائے اور کہے کہ میں نے خطا کی اور جھوٹ کہا تو معاف کر دے اور اگر وہ معاف نہ کرے تو اس کی تعریف کرے تاکہ اس کا دِل خوش ہو اور وہ معاف کر دے پھر بھی اگر معاف نہ کرے تو اس کا حق ہے بہرحال یہ تعریف نیکیوں میں شمار ہو گی اور کیا عجب کہ روزِ محشر یہی معاوضہ بن جائے۔ بہرحال معاف کر دینا بہتر ہے بعض اکابر نے معافی نہیں دی اور کہا ہے کہ ہمارے نامۂ اعمال میں اس سے بہتر کوئی نیکی نہیں۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ معاف کر دینا اس سے بڑی نیکی ہے حضرت حسن بصری قدس سرہٗ کی کسی نے غیبت کی آپ نے کھجوروں کا طباق اس کے پاس بھیجا اور فرمایا کہ میں نے سنا ہے کہ تم نے اپنی عبادت ہدیہ کے طور پر مجھے بھیجی ہے میں نے چاہا کہ بدلہ چکا دوں مجھے معاف کر دینا کہ پوری طرح بدلہ نہ چکا سکا۔

تیرھواں نقصان چغل خوری اور غمازی ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں ﴿ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ ﴾ اور فرمایا ﴿ وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ ﴾ مزید ارشاد ہے ﴿ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ﴾ ان سب آیتوں میں غمازی اور چغل خوری مراد ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ چغل خور جنت میں نہیں جائے گا اور فرمایا کہ میں تمہیں بتلاؤں کہ تم میں سب سے بدتر لوگ کون ہیں؟ بدتر لوگ وہ ہیں جو چغل خور ہیں اور جھوٹ گھڑ کر کہیں اور لوگوں کو برہم کریں۔ اور فرمایا کہ جب اللہ نے جنت کو پیدا کیا تو فرمایا کہ کچھ کہو اُس نے کہا وہ نیک بخت ہیں جو مجھ میں داخل ہوں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے قسم ہے اپنی عزت و بزرگی کی کہ آٹھ آدمی تیری راہ نہیں دیکھ سکیں گے۔ شراب خور' زناکار جو زنا پر قائم ہو' چغل خور' دیوث' عوان (سخت گیر حکمران) مخنث' قطع رحمی کرنے والا اور وہ شخص جو اللہ سے عہد کا ذکر کرے اور پھر عمل نہ کرے۔ حدیث میں ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک مرتبہ سخت قحط پڑا حضرت موسیٰ علیہ السلام کئی بار صلوٰۃ استسقاء کے لیے نکلے لیکن بارش نہ ہوئی۔ پھر وحی آئی کہ آپ کی دعا قبول نہ ہو گی کیونکہ اس مجلس میں ایک چغل خور ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اس کی خبر ہو جائے تو اسے نکال دیا جائے۔ اللہ نے فرمایا کہ میں چغل خوری کو پسند نہیں کرتا اور خود چغلی کھاؤں یہ کیسے درست ہے؟ الغرض موسیٰ علیہ السلام نے سب کو توجہ دلائی سب نے توبہ کی پھر بارش ہو گئی۔

حکایت : ایک صاحب نے سات سو میل سفر کر کے ایک حکیم تلاش کیا۔ اس سے پوچھا آسمان سے فراخ' زمین سے گراں' پتھر سے سخت' آگ سے نرم' زمہریر سے سرد' دریا سے تونگر یتیم سے ذلیل کونسی چیز ہے۔ اُس نے کہا کہ آسمان سے فراخ حق ہے بے گناہ پر بہتان زمین سے زیادہ گراں ہے' کافر کا دِل پتھر سے سخت ہے حسد آگ سے زیادہ گرم ہے جو شخص قریبی عزیز کی مشکل میں کام نہ آئے وہ زمہریر سے زیادہ سرد ہے قانع دِل دریا سے زیادہ تونگر ہے جس چغل خور کو لوگ پہچانتے ہیں وہ یتیم سے زیادہ ذلیل ہے۔

فصل: چغل خوری اور غمازی یہ ہی نہیں کہ آدمی ایک بات دوسرے سے کہہ دے بلکہ ایسا کام کرنا جس سے دوسرا رنجیدہ خاطر ہو اس کا بھی یہی حکم ہے خواہ ایسی حرکت زبان سے کرے یا اشارے سے یا لکھ کر' بلکہ ایسا کوئی راز فاش نہ کرنا چاہیے جس سے کوئی رنجیدہ خاطر ہو مگر یہ کہ کسی نے کسی شخص کے مال میں پوشیدہ خیانت کی ہو تو اس کا افشا درست ہے۔ اسی طرح جس بات میں کسی مسلمان کا نقصان ہو اس کا ظاہر کر دینا بھی درست ہے جس سے لوگ یہ بات نقل کریں کہ فلاں شخص تجھے ایسی بات کہہ رہا ہے یا تیرے حق میں ایسا کام کرتا ہے تو اس شخص کو چھ باتیں کرنی چاہئیں۔

(۱) ان کا کہنا باور نہ کرے اس لیے کہ چغل خور فاسق ہے اور اللہ کا فرمان ہے کہ فاسق کی بات نہ سنو۔
(۲) کہنے والے کو نصیحت کرکے اس گناہ سے منع کرے کہ منکر سے روکنا واجب ہے۔
(۳) اس کے ساتھ للہ دشمنی کرے کہ ایسا کرنا واجب ہے۔
(۴) کسی کے معاملہ میں بدگمانی سے کام نہ لے اس لیے کہ بدگمانی حرام ہے۔
(۵) اس کے تجسّس میں نہ پڑے کہ وہ صحیح ہے یا نہیں اس لیے کہ تجسّس سے اللہ نے منع فرمایا ہے۔
(۶) جو بات اپنے لیے پسند نہ کرے وہ دوسرے کے لیے پسند بھی نہ کرے اور اس کی چغل خوری کا حال دوسرے سے نقل نہ کرے یہ باتیں لازم ہیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کسی نے چغل خوری کی فرمایا کہ اگر تم نے جھوٹ کہا ہے تو تُو ان لوگوں میں شامل ہے جن کے حق میں یہ آیت اتری ﴿ اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌ ﴾ اور سچ کی صورت میں ﴿ هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيْمٍ ﴾ کا مصداق ہے اگر تو چاہے تو توبہ کر میں تجھے بخش دوں گا۔ اُس نے کہا کہ امیرالمؤمنین میں نے توبہ کی۔ ایک شخص نے کسی حکیم سے کہا کہ فلاں شخص تمھارے متعلق یوں کہتا ہے حکیم نے کہا کہ تم بہت دیر بعد ملنے کو آئے اور تین برائیوں کا ارتکاب کیا ایک تو یہ کہ ایک مُسلمان بھائی کے متعلق برائی کی۔ میرا دل فارغ تھا اسے تردد میں مبتلا کیا اور تو نے اپنے آپ کو میرے نزدیک مفتری اور فاسق بنایا خلیفہ سلیمان بن عبدالملک نے ایک شخص سے پوچھا کہ تو نے مجھے کچھ کہا ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ ایک شخص جو عادل و معتمد ہے وہ کل ایسی بات نقل کرتا تھا۔ امام زہری تشریف فرما تھے انھوں نے کہا کہ امیرالمؤمنین چغل خور عادل نہیں ہوتا۔ خلیفہ نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا اور اس شخص سے کہا تو صحیح سلامت اپنے گھر چلا جا۔

حضرت حسن بصری قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ جو شخص دوسرے کی بات تیرے سامنے کرتا ہے وہ تیری بات دوسرے کے سامنے بھی کرے گا۔ ایسے آدمی سے بچنا چاہیے اور حقیقت میں اسے دشمن سمجھنا چاہیے کیونکہ غیبت' غدر' خیانت' کھوٹ' حسد' اپنی طرف سے جھوٹ ملانا' نفاق' فریب یہ سب کام وہی کرتا ہے اور ان کا سبب خیانت ہے اسلاف کہتے ہیں کہ چغل خور کی سچائی بھی پسندیدہ نہیں۔ مصعب بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میرے نزدیک چغلی کہنے سے چغلی سننا بدتر ہے کیونکہ چغل خوری سے بھڑکانا مقصود ہوتا ہے اور چغلی سننے والا اس کو قبول کرکے اس کی اجازت دیتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ چغل خور حلال زادہ نہیں۔ یاد رکھو کہ چغل خور اور مفسد کا شر بہت زیادہ ہے اور ممکن ہے کہ ان کے سبب

خون بہہ جائے ایک شخص ایک غلام بیچتا تھا کہنے لگا کہ اس میں سوائے غمازی و فتنہ انگیزی کوئی عیب نہیں۔ ایک آدمی نے اسے خرید لیا اور کہا کہ کچھ پروا نہیں۔ غلام نے آقا کی اہلیہ سے کہا کہ میرے آقا تجھے پسند نہیں کرتے ایک لونڈی خریدنا چاہتا ہے اب جب وہ سونے لگے تو استرے سے اس کے حلق کے چند بال کاٹ کر مجھے دینا میں ان بالوں پر منتر پڑھوں گا تاکہ وہ تجھ پر عاشق ہو جائے اور آقا سے کہا کہ آپ کی اہلیہ کسی پر عاشق ہے وہ آپ کو مارنا چاہتی ہے۔ آپ سوتے ہوئے ذرا خیال رکھیں خاوند رساً سو گیا فی الحقیقت جاگتا تھا اس کی بیوی استرہ لے کر اس کی داڑھی کی طرف بڑھی تب اسے یقین آیا کہ واقعی مجھے قتل کرنا چاہتی ہے اس نے لپک کر اسے قتل کر دیا اب بیوی کے اعزہ نے آکر خاوند کو قتل کر دیا بس گھر صاف ہو گیا۔

چودھواں نقصان یہ ہے کہ دو دشمنوں میں دو روئی ہوتی ہے جیسے ہر ایک کے سامنے ایسی بات کہے کہ اسے اچھی معلوم ہو اور ایسا ہوتا ہے کہ اس کی بات اسے پہنچائے' اس کی اسے اور ہر ایک سے اپنی دوستی کا اظہار کرے یہ چغل خوری سے بھی بدتر ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اس جہان میں دو روئی کا مظاہرہ کرتا ہے وہ اگلے جہان میں دو زبان والا ہوگا اور فرمایا کہ ایسا شخص سب سے بدتر ہے جو شخص دو دشمنوں سے دوستی رکھے اس کا فرض ہے کہ جو بات سنے یا تو چپ رہے یا اس کے روبرو اور پس پشت صحیح بات کہے کہ منافق نہ ہو نہ تو ایک کی بات دوسرے سے کہے اور نہ ہر ایک سے یہ کہے کہ میں تیرا دوست ہوں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے کہا کہ ہم امراء کے پاس جاتے ہیں اور ایسی باتیں کہتے ہیں جو باہر نکل کر نہیں کہتے فرمایا کہ دورِ رسالت میں ہم اس کو منافقت سمجھتے تھے اور جس شخص کو ضرورت نہ ہو کہ حکمرانوں کے پاس جائے اور ان کے سامنے ایسی باتیں بنائے جو پیٹھ پیچھے زبان پر نہ لا سکے وہ منافق ہے۔

پندرھواں نقصان لوگوں کی تعریف اور اس میں مبالغہ ہے اس کے ضمنی نقصان چھ ہیں چار کا تعلق تعریف کرنے والے سے ہے دو کا سننے والے سے تعریف کرنے والے کا پہلا نقصان یہ ہے کہ فضول تعریف کر کے جھوٹا بن جائے۔ حدیث شریف میں ہے کہ لوگوں کی تعریف میں مبالغہ کرنے والا قیامت کے دن اتنا زبان دراز ہوگا کہ اس کی زبان زمین پر گھسٹتی ہوگی اس کا پاؤں اس پر پڑتا ہوگا اور بار بار گرتا ہوگا۔

دوسرا نقصان یہ ہے کہ تعریف کرنے میں نفاق کا شکار ہو جائے اسے کہتا ہو کہ میں تمھیں دوست رکھتا ہوں جبکہ فی الحقیقت ایسا نہ ہو۔ تیسرا نقصان یہ ہے کہ ایسی باتیں کہے جس کا اسے علم ہی نہ ہو مثلاً کہے کہ وہ پارسا اور پرہیزگار اور سراپا علم ہے اور ایسی باتیں کہے ایک شخص نے حضور علیہ السلام کے سامنے کسی کی تعریف کی آپ ﷺ نے فرمایا افسوس کہ تم نے اس کی گردن مروڑ دی پھر فرمایا کہ کسی کی ضروری تعریف کرنا ہو تو اس طرح کہنا چاہیے کہ میرا علم یہ ہے باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔ چوتھا نقصان یہ ہے کہ ممکن ہے کہ جس کی تعریف کر رہا ہے وہ ظالم ہو اور وہ اس کی بات سے خوش ہوتا ہو جبکہ ظالم کو خوش کرنا درست نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ لوگ جب ظالم کی تعریف کرتے ہیں تو اللہ کو ان پر غصہ آتا ہے اور ممدوح کو جو نقصان ہوتا ہے ان میں ایک یہ ہے کہ اس میں کبر پیدا ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک دن درہ لیے بیٹھے ہیں جارود نامی ایک شخص آئے ایک شخص نے کہا کہ یہ قبیلہ ربیعہ کے سردار ہیں وہ بیٹھ گئے تو آپ نے اسے درہ مارا اُس نے اِس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ تم نے سنا نہیں کہ اس نے کیا کہا۔ مجھے ڈر ہوا کہ اس بات سے تمھارے اندر

کبر پیدا ہو میں نے اس طرح اس کا علاج کیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر اس کی صلاحیت اور علم پر لوگوں نے تعریف کی تو یہ کامل ہو جائے گا یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ کے سامنے لوگوں نے کسی کی تعریف کی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم نے اسے ہلاک کر دیا اگر وہ سن لے گا تو مزید کوشش ترک کر دے گا۔ حضور علیہ السلام کا قول ہے کہ چھری لے کر کسی کے سامنے جانا اس سے بہتر ہے کہ منہ پر تعریف کی جائے۔ حضرت زیاد بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جو کوئی اپنی تعریف سنتا ہو شیطان اس کے پاس آکر اسے اٹھاتا ہے لیکن سچا مومن جانتا ہے اور فروتنی اختیار کرتا ہے جہاں یہ نقصانات نہ ہوں وہاں تعریف درست ہے۔ حضور ﷺ نے صحابہ کی تعریف فرمائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اگر اللہ میاں مجھے نبی نہ بناتا تو تمھیں بناتا۔ (وفی حدیث لو کان النبی بعدی لکان عمر) اور فرمایا کہ سب لوگوں کا ایمان ابوبکر کے ایمان کے مقابل لایا جائے تو ابوبکر کا پلڑا بھاری ہو گا۔ آپ ﷺ نے ایسی باتیں اس لیے کیں کہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ صحابہ پر غلط اثر نہیں پڑے گا۔ مگر اپنی تعریف کرنا بری اور مذموم بات ہے اللہ نے اس کی مخالفت فرمائی ارشاد ہے: ﴿ فَلَا تُزَكُّوْا اَنْفُسَكُمْ ﴾ لیکن جو شخص مخلوق کا رہنما ہو اور اپنا حال لوگوں کی رہنمائی کی خاطر بیان کرے تو درست ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ((اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ آدَمَ وَلَا فَخَرَ)) یعنی مجھے فخر نہیں کہ فخر کی مستحق وہ ذات ہے جس نے یہ عزت بخشی! اور حضرت یوسف علیہ السلام نے خزائن مصر پر نگرانی کی پیشکش کی (جس کی حقیقت یہ ہے کہ بادشاہ مصر نے اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ کہہ کر حضرت یوسف علیہ السلام کو نامزد تو کر لیا آپ نے الاھم فالاھم کے پیش نظر زیادہ بہتری کی خاطر خزانہ کی وزارت کو سنبھالا)

فصل ۱: لوگ جب کسی کی تعریف کریں تو کبر اور عُجب سے بچنا چاہیے اور خاتمے کی فکر کرنی چاہیے کہ اس کا کسی کو علم نہیں اور جو شخص دوزخ سے نہ بچ سکا اس سے تو کتا اور سور بہتر ہے اور دوزخ سے بچنے کی بات وقت سے پہلے کس کو معلوم ہے اور آدمی کو یہ بھی محسوس کرنا چاہیے کہ میرے حالات اگر پوری طرح معلوم ہو جائیں تو کوئی میری تعریف نہ کرے اس لیے شکر کرنا چاہیے کہ میری اندرونی کیفیت پوشیدہ ہے اور مناسب یہ ہے کہ لوگ تعریف کریں تو اسے مکروہ جانے۔ لوگوں نے ایک بزرگ کی تعریف کی انھوں نے کہا بار الٰہ یہ لوگ میرا حال نہیں جانتے تو ہی جانتا ہے ایک اور بزرگ کی لوگوں نے تعریف کی۔ انھوں نے فرمایا کہ اے اللہ لوگ ایسی چیز کو تقرب کا باعث جانتے ہیں جسے میں دشمن رکھتا ہوں تو گواہ رہ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی لوگوں نے تعریف کی تو عرض کیا اے اللہ یہ لوگ جو کہتے ہیں اس کے سبب میرا مواخذہ نہ کرنا اور جو نہیں جانتے اسے بخش دینا اور مجھے اس سے بہتر کر دے جو یہ سمجھتے ہیں۔ ایک شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دوست رکھتا تھا اور آپ کی منافقانہ انداز سے تعریف کرتا آپؓ نے فرمایا جو تم زبان سے کہتے ہو میں اس سے کمتر ہوں اور جو دل میں رکھتے ہو اس سے بڑھ کر ہوں۔

فصل ۴:

غُصّہ، کینہ، حسد اور اُن کا علاج

اے بھائی! یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب غُصّہ انسان پر غالب آ جائے تو یہ بہت بُرا ہے اس کی اصل

آگ ہے کہ اس کا دِل پر براہِ راست اثر ہو جاتا ہے اور آگ کی نسبت شیطان ہے جیسا کہ اُس نے خود کہا: خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ (القرآن) "تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا" اور آگ کا کام حرکت اور بے قراری ہے جبکہ مٹی کا کام سکون اور چین ہے جس پر غُصّہ غالب ہے اس کی جتنی نسبت آدم علیہ السلام کے ساتھ ہے اس سے کہیں زیادہ شیطان کے ساتھ ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے سرور کائنات ﷺ سے پوچھا کہ کونسی چیز مجھے اللہ تعالیٰ کے غُصّہ سے دُور رکھے گی تو فرمایا کہ غضبناک نہ ہونا۔ اور آپ ﷺ سے عرض کیا کہ کوئی مختصر عمل ارشاد فرمائیں جس میں اچھے انجام کی اُمید ہو تو فرمایا کہ جان بوجھ کر غضبناک نہ ہونا۔ کئی بار کے سوال پر آپ ﷺ نے یہی بات ارشاد فرمائی۔ حضور ﷺ نے مزید فرمایا کہ غُصّہ ایمان کو ایسے خراب کر دیتا ہے جیسے شہد کو ایلوا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یحییٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ غُصّہ نہ ہوا کریں فرمایا کہ ایسا ممکن نہیں کہ میں انسان ہوں مزید فرمایا کہ مال جمع نہ کریں فرمایا ایسا ممکن ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ غُصّہ سے آدمی کا خالی ہونا ممکن نہیں لیکن غُصّہ کو پی جانا ممکن بھی ہے اور ضروری بھی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ﴾ (آل عمران)

"غُصّہ کو پی جانے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے"

یہاں اللہ تعالیٰ نے غُصّہ کو پی جانے والوں کی تعریف فرمائی۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ غُصّہ کو پی جانے والے سے اللہ تعالیٰ عذاب اُٹھا لیتے ہیں اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل میں کوتاہی کرتا ہے اور پھر اس پر معذرت خواہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا عذر قبول کر لیتے ہیں جو شخص زبان کی حفاظت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی شرم چھپا لیتے ہیں اور فرمایا کہ طاقت کے باوجود غُصّہ کو پی جانے والا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی رضا خوب حاصل کرے گا اور فرمایا کہ دوزخ کا ایک دروازہ ہے جس میں وہی لوگ داخل ہوں گے جنھوں نے خلاف شرع غُصّہ نکالا اور فرمایا کہ آدمی جو جو گھونٹ پیتا ہے ان میں سے کوئی گھونٹ غُصّہ پی جانے سے زیادہ عند اللہ مقبول نہیں اور جو غُصّہ پیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے دِل کو ایمان سے معمور فرما دیتے ہیں۔ حضرت فضیل بن عیاض اور سفیان ثوری رحمہما اللہ اور بزرگوں کی ایک جماعت نے اس اَمر پر اتفاق کیا ہے کہ غُصّے کے وقت بردباری اور طمع کے وقت صبر سے زیادہ افضل کوئی کام نہیں۔ ایک صاحب نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے کوئی سخت بات کہہ دی انھوں نے سر جھکا لیا اور فرمایا کہ تمھاری خواہش تھی کہ مجھے غُصّہ آئے اور شیطان غرورِ سلطنت کے سبب مجھے اپنی جگہ سے اُٹھا دے تاکہ میں آج تجھ پر غُصّہ نکال کر کل صبح محشر میں بدلہ کی زد میں آؤں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ ایک نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی ایسا ہے جو مجھ سے قبول کرلے اور وعدہ کرے کہ غضبناک نہیں ہو گا ایسا شخص میرے بعد میرا خلیفہ ہو گا اور جنت میں میرے برابر ہو گا ایک شخص نے یقین دلایا پھر یہی بات ہوئی تو اُس نے پھر یقین دہانی کرائی یہ شخص وعدہ پورا کر کے ان نبی کے قائم مقام ہوئے اور ان کا نام ذوالکفل رکھا گیا۔

فصل: اللہ تعالیٰ نے غُصّہ اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ آدمی کا ہتھیار بنے اور جو چیز باعث نقصان ہے اسے اپنے سے دُور رکھے جیسا کہ خواہش کو اس لیے پیدا کیا کہ آدمی کا ہتھیار بنے تاکہ جو چیز مفید ہو اسے کھینچ کر حاصل کرے۔ کوئی آدمی ان دونوں چیزوں کے بغیر نہیں رہ سکتا لیکن جب افراط ہو گا تو باعث نقصان ہوں گی اور ان کی مثال اس آگ

جیسی ہو جائے گی جو دِل میں لگے اور اس کا دھواں دماغ میں بھر جاتا ہے تو اسے یوں تاریک کر دیتا ہے کہ راستہ سجھائی نہیں دیتا۔ یہ بات از حد بُری ہے اس لیے بزرگوں نے کہا ہے کہ غُصّہ' عقل کا غول ہے اور تھوڑا غُصّہ بھی بُرا ہے اس لیئے کہ دین اور ناموس کی حفاظت اور ان کے لیے لڑنے کا جذبہ بھی غُصّہ ہی سے پیدا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو فرمایا :

﴿ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ﴾ (التحریم)

"کفار اور منافقین سے جنگ کریں اور ان پر سختی کریں"

اور صحابہ علیہم الرضوان کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا ﴿ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ ﴾ (الفتح) یہ سب باتیں غُصّہ کا ہی ثمرہ ہیں اس لیے غُصّہ بھی دوسری صفات کی طرح اعتدال کی شکل میں ہونا چاہیے اور دین و عقل کے تابع ہونا چاہیے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ریاضت سے مقصد غُصّہ کی جڑ اکھاڑنا ہے۔ یہ درست نہیں کیونکہ غُصّہ ایک ہتھیار ہے جس سے چارہ نہیں اور زندگی میں اس کی جڑ کا کٹ جانا محال ہے۔ جس طرح اصل شہوت کا باطل ہونا ممکن نہیں ہاں یہ ممکن ہے کہ بعض کاموں کے سبب بسا اوقات غُصّہ بالکل پوشیدہ رہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ غُصّہ کا سبب یہ ہے کہ اسے کسی چیز کی حاجت ہو اور اسے کوئی چھین لے یا اسکا قصد کرے اور جس کی حاجت نہ ہو مثلاً کسی کا کتا ہو جس کے سبب مالک بے پرواہ ہو تو اگر کوئی شخص اس کتے کو لے جائے یا مار ڈالے تو ممکن ہے کہ مالک کو غُصّہ نہ آئے لیکن کھانا کپڑا' گھر' صحت اور اس قسم کی چیزوں سے آدمی بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ تم اگر کسی کو زخم کر دو جس سے اس کی سلامتی اعضاء متاثر ہوں یا کھانا' کپڑا چھین لو تو اسے یقیناً غُصّہ آئے گا اور جس کی ضرورت زیادہ ہو گی اس کو غُصّہ بھی زیادہ آئے گا۔ اس لیے کہ آزادی تب ہی ہے جب آدمی کو حاجت نہ ہو اور حاجت و محتاجی جتنی بڑھتی ہے آدمی اسی قدر قید سے زیادہ نزدیک ہوتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ کوئی شخص ریاضت کرتے کرتے اپنے آپ کو اس سانچہ میں ڈھال لے کہ اسے بقدرِ ضرورت ہی حاجت پڑے حتیٰ کہ جاہ و مال اور دُنیوی خواہشات کی حاجت بالکل ختم ہو جائے تو جو غُصّہ اس حاجت کا تابع ہے وہ بہرحال جاتا رہے گا۔ اس لیے کہ جو شخص جاہ کا متلاشی نہیں ہوتا تو اگر کوئی اس سے آگے آگے چلے یا مجلس میں اس سے برتر ہو کر بیٹھے تو اسے غُصّہ نہیں ہو گا۔ اس معاملہ میں لوگوں میں بڑا تفاوت ہے اس لیے کہ بالعموم غُصّہ کا سبب جاہ و مال کی زیادتی اور اس معاملہ میں طمع و حرص ہے حتیٰ کہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی شخص ادنیٰ چیزوں پر فخر کرتا ہے جیسے شطرنج' چوسر' کبوتر بازی' شراب خوری وغیرہ۔ اگر کوئی شخص ایسے آدمی کو کہے کہ شطرنج اچھا نہیں کھیلتا تو اسے غُصّہ آ جاتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ ریاضت سے اس قسم کا غُصّہ کافور ہو جاتا ہے لیکن ضروریات میں ایسا ممکن نہیں اور باطل ہونا یوں بھی مناسب نہیں کہ یہ اچھی بات نہیں کہ بالکلیہ اس صفت سے محروم ہو جائے البتہ غُصّہ کو بے لگام نہیں کر دینا چاہیے اور عقل و شرع کے خلاف اس کو قابو میں رکھنا ضروری ہے۔ ریاضت سے اعتدال کی شکل ممکن نہیں۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ غُصّہ سے خالی نہ تھے اور فرماتے تھے کہ میں انسان ہوں۔ اَغْضِبُ كَمَا يَغْضِبُ الْبَشَرُ یعنی دوسروں کو غُصّہ آتا ہے مجھے بھی آتا ہے میں جس کسی کو کوسوں یا مار بیٹھوں یا سخت بات کہہ دوں تو اے اللہ تو اُس کے لیے ان چیزوں کو رحمت کا سبب بنا دے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے عرض کیا کہ آپ ﷺ جو کچھ فرماتے ہیں میں

لکھ لیا کرتا ہوں۔ اگر آپ ﷺ غصہ میں کچھ فرمائیں تو؟ فرمایا وہ بھی لکھ لو قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے سچا رسول بنا کر مخلوق کی طرف بھیجا کہ غصہ میں بھی میرے منہ سے سچی بات ہی نکلتی ہے۔ تو آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھے غصہ نہیں آتا بلکہ فرمایا کہ غصہ مجھے حق و انصاف سے الگ نہیں کرتا۔ اُم المؤمنین سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک دن غصہ میں تھیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمھارا شیطان آیا ہے۔ انھوں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ کے ساتھ وہ نہیں؟ فرمایا کہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر غلبہ عطا فرما دیا ہے اور وہ میرا ماتحت ہو گیا ہے نیک بات کے سوا اور کوئی بات وہ نہیں کرتا۔ آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ مجھے غصہ آتا نہیں۔

فصل: گو کہ باطنی محنت سے غصہ کی جڑ نہیں اُکھڑتی لیکن ایسا ممکن ہے کہ بعض اوقات یا اکثر اوقات انسان پر توحید الٰہی غالب آ جائے جو کچھ دیکھے خدا کی طرف سے دیکھے تو اس طرح غصہ دب جاتا ہے بلکہ ایسے شخص میں سرے سے غصہ پیدا ہی نہیں ہوتا جیسا کہ کسی کو لوگ پتھر ماریں تو کسی بھی حال میں وہ پتھر پر غصہ نہیں کرتا گو کہ اس میں جڑ برابر موجود ہوتی ہے۔ اس لیے کہ وہ سمجھتا ہے کہ غلطی پتھر کی نہیں اُس کی ہے جس نے پتھر مارا۔ اگر کوئی بادشاہ آڈر دے کہ فلاں کو قتل کر دو تو کسی کو بھی قلم پر غصہ نہیں آتا کہ اس نے لکھا کیوں ہے اس لیے کہ وہ جانتا ہے کہ قلم تو ایک آلہ ہے جو انسان کے تابع ہے گو کہ اس میں حرکت نہیں لیکن ذاتی نہیں علی ہذا القیاس جس پر توحید خداوندی غالب ہو تو وہ بہرحال اس بات کو سمجھ لیتا ہے کہ مخلوق جو کام کرتی ہے اس میں وہ بے اختیار ہے۔ کیونکہ گو کہ حرکت تو قدرت کی قید میں ہے لیکن قدرت، ارادہ اور خواہش کی قید میں ہے اور ارادہ بندہ کے بس میں نہیں۔ بہرحال خواہش اس پر مسلط ہے وہ چاہے یا نہ چاہے جب خواہش بھی موجود ہے اور قوت بھی عنایت ہوئی تو فعل کا ظہور بھی ہو کر رہے گا تو اس کی مثال اس پتھر کی سی ہے جو اس پر پھینکا جائے اور پتھر سے دکھ درد حاصل ہو لیکن پتھر پر غصہ تو نہیں ہوتا۔ اگر روزی کا سبب بکری تھی اور بکری مر گئی تو رنج تو ہو گا لیکن غصہ نہیں اور جب کسی نے بکری کو مار دیا تو اگر توحید کا نور غالب ہے تو چاہیے کہ ویسا ہی رہے لیکن ظاہر ہے کہ توحید کا غلبہ ہمیشہ ہی ایسا نہیں ہوتا بلکہ اس کی مثال بجلی کی طرح ہے اور بشری تقاضے اور دوسرے اسباب جو درمیان میں پیدا ہو جاتے ہیں ان کی طرف توجہ ہو ہی جاتی ہے اور اکثر آدمی بالعموم ایسے ہوتے رہتے ہیں اور یہ کہ غصہ کی جڑ نکل گئی یہ نہیں ہوتا لیکن چونکہ وہ محسوس کرتا ہے کہ اس کا سبب خود انسان نہیں اس لیے رنج نہیں ہوتا اور بہت ممکن ہے کہ توحید کا غلبہ نہ ہو لیکن انسان کا دل کسی اور کام میں مشغول ہو اس لیے اس کا غصہ ظاہر نہ ہو۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کو ایک شخص نے گالی دی۔ فرمایا کہ اگر قیامت کے دن میرے گناہوں کا پلہ بھاری ہوا تو تمھارے کہنے سے میں زیادہ بُرا ہوں اور اگر اس کے برعکس ہوا تو تمھاری بات کا کیا ڈر؟ حضرت ربیع بن خیثم رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے گالی دی فرمایا کہ جنت اور میرے درمیان ایک گھاٹی ہے میں اسے طے کرنے میں مشغول ہوں اگر کامیاب ہو گیا تو تیری بات کا کوئی ڈر نہیں اور اگر طے نہ کر سکا تو تمھاری بات میرے حق میں بہت ہلکی ہے۔ یہ دونوں بزرگ فکر آخرت میں ایسے ڈوبے ہوئے تھے کہ گالی کے باوجود ان کا غصہ ظاہر نہیں ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کسی نے گالی دی فرمایا کہ میرا جو حال تم سے پوشیدہ ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہے۔ اپنی ذات میں مشغولیت کے سبب جناب صدیق کا غصہ ظاہر نہیں ہوا۔ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کو ایک عورت نے ریاکار کہا فرمایا کہ اے نیک بخت تیرے سوا مجھے کسی

نے پہچانا ہی نہیں۔ حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ کو ایک شخص نے کوئی بات کہی کہنے لگے کہ اگر تم سچے ہو تو مجھے اللہ بخش دے اور اگر جھوٹ کہتے ہو تو تجھے بخش دے۔ یہ باتیں اس کی دلیل ہیں کہ غُصّہ کا مغلوب کرنا ممکن ہے اور یہ بھی ہے کہ کسی کو علم ہو کہ غُصّہ نہ کرنے کے سبب اللہ تعالیٰ دوست رکھتے ہیں تو غُصّہ کے جو اسباب پیش آئیں انھیں اللہ کی محبّت کے سبب سے چھپا دیا جائے جیسا کہ کسی کا کوئی معشوق ہو اور اس کا بیٹا عاشق کو گالی دے اور عاشق محسوس کرے کہ میرے معشوق کی خواہش یہ ہے کہ میں اس سے درگزر کروں تو عشق کا غلبہ اسے یوں کر دیتا ہے کہ اس جفا کا درد و رنج عاشق کو معلوم نہیں ہوتا اور وہ غُصّہ میں نہیں آتا آدمی کو چاہیے کہ ان اسباب میں سے کسی بھی سبب کو اپنا کر ایسا ہو جائے کہ اپنے غُصّہ کو مار ڈالے اگر یہ ممکن نہیں تو اس کی قوت توڑ دے تاکہ کم از کم عقل و شرع کے خلاف تو کوئی بات نہ ہونے پائے۔

فصل : غُصّے کے علاج اور اس کے لیے کوشش فرض ہے اس لیے کہ اکثر لوگوں کے دوزخ میں جانے کا سبب غُصّہ ہو گا اور غُصّہ سے فساد بھی بہت ہوتے ہیں اس کا علاج دو طرح پر ہوتا ہے ایک کی مثل تو مسہل کی مانند ہے کہ غُصّہ کی جڑ اور مادے کو باطن سے نکال ڈالے اور ایک کی مثال سکنجبین جیسی ہے جو وقتی طور پر تسکین کا سامان کر دیتی ہے۔ مسہل تو یہ ہے کہ آدمی اس بات کو دیکھے کہ باطن میں غُصّہ کا سبب کیا ہے اس سبب کو جڑ سے اُکھاڑنا ضروری ہے اس کے سبب پانچ ہیں۔

پہلا سبب کبر ہے اس لیے کہ متکبر آدمی ذرا سی بات یا معاملے میں جو اس کی تعظیم اور وقار کے خلاف ہو غضبناک ہو جاتا ہے اس کا علاج فروتنی اور عاجزی ہے آدمی کو سمجھنا چاہیے کہ میں بھی انسان ہوں اور اصل انسانیت کا مدار نیک اخلاق پر ہے اور تکبر بداَخلاقی ہے جو فروتنی کے سوا کسی چیز سے زائل نہیں ہوتا۔

دوسرا سبب عجب ہے جو اپنی ذات میں کچھ اعتقاد رکھتا ہے اس کا علاج یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو پہچانے اس کا علاج اپنے مقام پر بیان ہو گا۔

تیسرا سبب مزاح ہے کہ اکثر اوقات اس کا نتیجہ غُصّہ کی شکل میں پیدا ہوتا ہے آدمی کو چاہیے کہ اپنے آپ کو آخرت کی تیاری میں مشغول رکھے اور مزاح سے بچے علی ہذا القیاس ہنسنا اور مسخرا پن بھی موجب غُصّہ ہے آدمی کو ان چیزوں سے بچنا چاہیے اس لیے کہ جو شخص دوسروں سے ہنسی کرے گا لوگ اس کے ساتھ بھی یہی سلوک کریں گے اور اس کی ہنسی کا جواب دیں گے تو اس طرح ذلت کا سامان ہو گا۔

چوتھا سبب کسی کو ملامت کرنا اور اس کے عیب تلاش کرنا ہیں یہ چیز بھی جانبین میں غُصّہ کا سبب ہوتا ہے اس کا علاج یہ ہے کہ آدمی سمجھ لے کہ اس میں بھی عیب ہیں کسی دوسرے کو ملامت کرنا مناسب نہیں۔

پانچواں سبب مال و جاہ کی حرص ہے انسان کو اکثر مال و جاہ کی حرص ہوتی ہے بخیل آدمی سے ایک دانہ لے لیں تو وہ غضبناک ہو جاتا ہے اور جس آدمی کو طمع ہوتا ہے تو اس کا ایک لقمہ چھن جائے تو وہ پاگل ہو جاتا ہے یہ تمام چیزیں بداَخلاقی کے زمرہ میں آتی ہیں اور غُصّہ کی جڑ یہی ہیں اس کا علاج عملی بھی ہے اور علمی بھی۔ علمی تو یہ ہے کہ آدمی اس کی بُرائی کو جانے کہ دارین میں اس کا کتنا نقصان ہے تاکہ دل میں نفرت پیدا ہو اس کے بعد عملی علاج کا اہتمام کرے۔

عملی علاج یہ ہے کہ ان صفتوں کی مخالفت کرے کہ بداَخلاقی کا سبب مخالفت ہی ہے جیسا کہ ہم نے ریاضت نفس کے علاج میں بیان کیا ہے۔ غُصّہ اور بداَخلاقی بُری صحبت سے پیدا ہوتے ہیں اور وہ اس کا نام صلابت و شجاعت رکھ چھوڑتے ہیں اور پھر اس سبب سے فخر کرتے ہیں اور پھر حکایات بیان کریں گے کہ فلاں بزرگ نے ایک بات کے سبب فلاں آدمی کو قتل کر دیا اور اس کا گھر برباد و ویران کر دیا اور کسی کو مجال نہ ہوئی کہ کوئی اس کے خلاف بات کرتا کیونکہ وہ مرد تھا اور مرد ایسے ہی ہوتے ہیں کسی کو چھوڑ دینا اپنی ذلت اور بے حمیتی ہے تو غُصّہ جو کتوں کی عادت ہے۔ اس کا نام شجاعت رکھ دیا جاتا ہے اور حلم و بردباری جو انبیاء علیہم السلام کا شیوہ ہے اسے نالائقی سے تعبیر کرتے ہیں اور شیطان کا کام یہ ہے کہ سب کو مکر و فریب اور بڑے الفاظ کے سبب نیک اخلاق سے باز رکھتا ہے اور اچھے اچھے الفاظ کا دھوکہ ایک بڑے اخلاق کی طرف راغب کرتا ہے اور عقل مند جانتا ہے کہ اگر ایسا ہی غُصّہ مردی کے سبب سے ہوتا تو چاہیے تھا کہ عورتیں اور لڑکے اور ضعیف و کمزور لوگ اور بوڑھے اور بیمار لوگ غُصّہ سے بہت دُور رہتے اور یہ معلوم ہے کہ یہ لوگ تو جلدی غُصّہ میں آ جاتے ہیں۔ اصل مردانگی یہ ہے کہ آدمی اپنے غُصّہ پر قابو پالے۔ انبیاء علیہم السلام اور اہل اللہ کی یہی صفت ہے اور وہ دوسری پہلوانوں اور ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو درندوں اور چرندوں کے بہت قریب ہوتے ہیں۔ اے عزیز تمھارا کمال انبیاء علیہم السلام اولیاء رحمہم اللہ کے اسوہ کو اپنانے میں ہے نہ کہ ان احمقوں کا اُسوہ اپنانے میں۔

فصل : اے عزیز اب تک جو باتیں بیان ہوئیں وہ غیظ و غضب کے مادہ کو دفع کرنے کے لیے مسہل کا حکم رکھتی ہیں جو شخص ایسا نہیں کرتا اس پر لازم ہے کہ غُصّہ جونہی ہیجان کی شکل اختیار کرے تو اس کی تسکین کا اہتمام کرے تسکین اس سکنجبین سے ہوتی ہے جو حلم کی شیرینی اور صبر کی تلخی سے بنائی جاتی ہے اور عِلم و عمل کی معجون تمام بیماریوں کا علاج ہے عِلم تو یہ ہے کہ ان آیات و روایات میں غور و تامل کرے جو غُصّہ کی بُرائی کے ساتھ ساتھ غُصّہ پی جانے کے ثواب میں وارد ہوئی ہیں چنانچہ اس کا بیان اوپر گزرا اور اپنے دل میں سوچے کہ جتنی قدرت اسے دوسروں پر حاصل ہے اس سے زیادہ قدرت اللہ کو اُس پر حاصل ہے اور اللہ کی مخالفت تیری مخالفت سے بڑھ کر ہے اگر آج تم کسی پر غضبناک ہو گئے تو کل اللہ کے غضب سے تم کیونکر بچ سکو گے۔ حضور ﷺ نے ایک خادم کو کسی کام کے لیے بھیجا وہ تاخیر کرکے آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر صُبح قیامت کا انتقام نہ ہوتا تو میں تمھیں سزا دیتا۔ انسان کو اپنے دل میں یہ بھی سوچنا چاہیے کہ تیرا غُصّہ اس لیے ہے کہ تیرا کام اس طرح ہوا جس طرح اللہ کی مرضی تھی گویا تیری مرضی پر عمل نہ ہو سکا۔ اس معاملہ میں جھگڑا ربوبیت کے نظام میں جھگڑا ہے۔ یہ اسباب جو آخرت سے متعلق ہیں اگر یہ علاج ثابت نہ ہوں تو دُنیوی اغراض خود تجویز کرے اور سوچنا چاہیے کہ اگر میں نے غُصّہ کا مظاہرہ کیا تو دوسری طرف سے بھی اس قسم کا احتمال اور خطرہ ہے۔ اپنے دشمن یا حریف کو کمزور سمجھنا حماقت ہے مثلاً لونڈی غلام خدمت میں کوتاہی کرتا ہے تو ممکن ہے اس کے پاس کوئی عذر ہو اور غُصّہ میں جو صورت بگڑ جاتی ہے اس کا بھی لحاظ و خیال کرے کہ اچھی بھلی صورت کیسے بگڑ جاتی ہے۔ ایسی ہو جاتی ہے جیسے بھیڑیئے کی شکل! اور باطن میں آگ لگ جاتی ہے اور انسان بھوکے کتے کی مانند ہو جاتا ہے اور بالعموم ایسا ہوتا ہے کہ جب انسان طرح دینے کا قصد کرتا ہے تو شیطان ابھارتا ہے کہ ایسا کرنا ذلت کی دلیل شمار ہو گی اور تیری عزت کی خاطر یہ بات از حد نقصان دہ ہے اسے یہ جواب دینا چاہیے کہ اصل عزت انبیاء علیہم السلام کی سیرت

اپنانے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے میں ہے اگر آج لوگ مجھے ذلیل و خوار جانیں تو اس سے بہتر ہے کہ کل صبح قیامت میں مجھے ذلیل تصور کیا جائے۔ عملی علاج یہ ہے کہ زبان سے کہے اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم سنت یہ ہے کہ غصّہ کے وقت اگر آدمی کھڑا ہو تو بیٹھ جائے بیٹھا ہو تو لیٹ جائے اس سے بھی بات نہ بنے تو ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا چاہیے اس لیے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ غصّہ کی بنیاد آگ ہے اور یہ پانی سے ٹھنڈی ہوتی ہے ایک روایت میں ہے کہ سجدہ کرے اور چہرہ مٹی پر رکھے تاکہ یاد آ جائے کہ میں مٹی سے پیدا ہوا ہوں اور بندہ ہوں غصّہ مجھے زیب نہیں دیتا۔
ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو غصّہ آیا تو ناک میں ڈالنے کی غرض سے پانی مانگا اور فرمایا کہ غصّہ کا باعث شیطان ہے ناک میں پانی اس کا علاج ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی ایک دن کسی سے لڑائی ہوئی تو اسے یا ابن الحمراء کہہ دیا گویا اس کی والدہ جو لونڈی تھی اس کا عیب بیان کیا حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے ابوذر تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم کسی سیاہ اور سرخ سے افضل نہیں۔ فضیلت کا دار و مدار تقویٰ پر ہے۔ حضرت ابوذر اس شخص کے پاس گئے اور معذرت چاہی وہ شخص سامنے آیا اور اُس نے حضرت ابوذرؓ کو سلام کیا اور یوں معاملہ رفع دفع ہو گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو غصّہ آتا تو حضور ﷺ ان کی ناک پکڑ لیتے اور فرماتے اے عائشہ کہو: ((اَللّٰھُمَّ رَبَّ النَّبِیِّ مُحَمَّدٍ اِغْفِرْلِیْ ذَنْبِیْ وَاَذْھَبْ غَیْظَ قَلْبِیْ وَاَجِرْنِیْ مِنْ مُّضِلَّاتِ الْفِتَنِ)) یہ کہنا بھی سنت ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اے ربّ میرے گناہ بخش دے، میرے دل کا غیظ نکال دے اور مجھے فتنوں کی گمراہی سے بچا لے۔

فصل: اگر کوئی شخص کسی پر ظلم کرے یا سخت بات کرے تو بہتر یہ ہے کہ وہ چپ ہو جائے جواب نہ دے مگر چپ رہنا واجب نہیں اور ہر بات کا جواب دینے کی بھی اجازت نہیں۔ گالی کے بدلے گالی، غیبت کے بدلے غیبت یا اور ایسی باتیں درست نہیں کیونکہ اس قسم کی باتوں سے تعزیر لازم آتی ہے لیکن اگر کوئی شخص ایسی بات کہہ دے جس میں کچھ جھوٹ نہ ہو اس میں اجازت ہے اور یہ قصاص کی مانند ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تیرے واقعی عیب کے سبب کوئی تیرا عیب بیان کرے تو تم اس کے غیر واقعی عیب بیان نہ کرو۔ یہ احتساب کا طریقہ ہے اور یہ کہنا واجب نہیں اگر گالی اور زنا کی طرف نسبت نہ ہو۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

((اَلْمُسْتَبَانِ مَا قَالَا فَعَلَی الْبَادِی حَتّٰی یَعْتَدِی الْمَظْلُوْمُ))

"دو آدمی ایک دوسرے کو بُرا کہیں تو مجرم وہ ہو گا جس نے ابتدا کی یہاں تک کہ مظلوم حد سے بڑھ جائے (پھر وہ بھی مجرم ہے)۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کو ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے توسط سے پیغام دیا کہ ہم میں اور عائشہ میں انصاف کا خیال رکھا کیجیے کیونکہ آپ ﷺ انھیں بہت چاہتے ہیں اور ان کی طرف بہت رغبت ہے۔ حضور ﷺ نیند میں تھے حضرت فاطمہؓ نے پیغام پہنچا دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے فاطمہؓ جسے میں دوست رکھتا ہوں اسے تم نہیں رکھتیں؟ انھوں نے عرض کیا کہ کیوں نہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں عائشہ رضی اللہ عنہا کو دوست رکھتا ہوں تم بھی انھیں دوست رکھو حضرت فاطمہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے پاس گئیں اور ان کے سامنے سارا ماجرا بیان کر دیا تب سب نے اپنے میں سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو نمائندہ بنا کر بھیجا۔ حضرت زینبؓ محبت میں مجھ سے برابری کا دعویٰ رکھتی

ہیں وہ آئیں اور کہنے لگیں کہ ابوبکر کی بیٹی ایسی ہیں اور ایسی ہیں وہ کوستیں میں چپ رہی۔ تاکہ حضور ﷺ مجھے جواب کی اجازت دیں جب آپ ﷺ نے اجازت دی اور میں جواب دینے لگی تو میں نے بھی کوسا یہاں تک میرا دہن خشک ہو گیا اور وہ عاجز آ گئیں۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا اے زینب یہ ابوبکرؓ کی بیٹی ہیں یعنی گفتگو میں تم اس سے بازی نہیں جیت سکتیں۔ یہ قِصّہ اس بات کی دلیل ہے کہ جواب دینے کی گنجائش ہے بشرطیکہ سچ ہو' حد اعتدال میں ہو اور جھوٹ نہ ہو مثلاً یوں کہے کہ اے احمق' اے جاہل شرم کر چپ رہ کیونکہ کوئی آدمی حماقت اور جہالت سے خالی نہیں۔ آدمی کو چاہیے کہ جو لفظ بہت بُرے نہ ہوں ان کی عادت بنا لے اور اگر غُصّہ آئے تو وہی کہے تاکہ فحش الفاظ زبان پر نہ آئیں مثلاً بدبخت' ناہموار' ٹکڑا گدا وغیرہ۔ الغرض جواب دینے میں چونکہ حد اعتدال میں رہنا مشکل ہے اس لیے جواب نہ دینا بہتر ہے۔ حضور ﷺ کے سامنے ایک شخص حضرت ابوبکرؓ کو بُرا بھلا کہتا تھا۔ حضرت ابوبکر چپ تھے جب جواب دینے لگے تو حضور ﷺ اُٹھ کھڑے ہوئے۔ انھوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ پہلے تو آپ ﷺ بیٹھے رہے میں جواب دینے لگا تو آپ اٹھ کھڑے ہوئے۔ فرمایا تم چپ تھے تو فرشتہ تمھاری طرف سے جواب دیتا تھا جب تم بولنے لگے تو شیطان آ گیا جس کی مجالست مجھے پسند نہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو انواع و اقسام پر پیدا کیا ہے بعض لوگ دیر میں غُصّہ ہوتے ہیں تو خوش بھی دیر میں ہوتے ہیں بعض سریع الغضب ہوتے ہیں اور خوش بھی جلدی ہو جاتے ہیں تم میں سے بہتر شخص وہ ہے جسے غُصّہ تو دیر میں آئے لیکن راضی جلدی ہو جائے اور تم میں بدترین وہ ہے جسے غُصّہ تو جلدی آئے لیکن وہ راضی دیر میں ہو۔

فصل ۴: جو شخص اختیار و دیانت سے غُصّہ پی جائے تو وہ نیک بخت ہے لیکن اگر عجز و ضرورت کے تحت ایسا کرے گا تو غُصّہ اس کے باطن میں جمع ہو کر سرمایۂ کبر بن جائے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے ((اَلْمُؤْمِنُ لَيْسَ بِحَقُوْدٍ)) کہ مومن کینہ پرور نہیں ہوتا تو کینہ غُصّہ کا بیٹا ہے اور اس کے آٹھ پوتے ہیں ان میں سے ہر ایک دین کی تباہی کا سبب ہوتا ہے۔

پہلا تو حسد ہے کہ جس کے ساتھ کینہ ہوتا ہے آدمی اس کی خوشی پر رنجیدہ ہوتا ہے اور اس کے رنج پر اسے خوشی ہوتی ہے۔ دوسرا شماتت کرنا ہے یعنی اس پر کوئی آفت آ جائے تو برملا خوشی کا اظہار کرنا۔ تیسرا یہ کہ اس سے زبان کو روک لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب نہیں دیتا۔ چوتھا یہ کہ اسے حقارت کی نظروں سے دیکھتا ہے۔ پانچواں یہ کہ اس کی غیبت کرتا ہے اس کے معاملہ میں جھوٹ بولتا ہے اس کے فحش راز افشا کرتا ہے۔ چھٹا یہ کہ اس کا مذاق اڑاتا ہے۔ ساتواں یہ کہ اس کے حقوق ادا کرنے کی کوتاہی کرتا ہے۔ رشتۂ قرابت توڑ دیتا ہے اس کا قرض ادا نہیں کرتا اس سے معافی نہیں چاہتا۔ آٹھواں یہ کہ اگر موقع پاتا ہے تو اسے مارنے اور ستانے سے گریز نہیں کرتا دوسروں کو بھی اسے مارنے اور ستانے کی ترغیب دیتا ہے اگر کوئی شخص بہت ہی دیانت دار ہو اور کوئی گناہ نہ کرتا ہو تو بھی اس سے خالی نہیں ہوتا کہ اپنا احسان اس سے پھیر لے اور اس کے ساتھ نرمی نہ کرے۔ اور اس کے کام میں مہربانی نہ کرے اور اللہ کی یاد میں اس کے ساتھ نہ بیٹھے اور اس کے حق میں دُعا اور تعریف نہ کرے یہ تمام باتیں اس کے درجات کو گھٹا دیتی ہیں اور ان کا نقصان بہت ہوتا ہے جیسے مسطح نامی ایک صاحب جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عزیز تھے انھوں نے واقعۂ افک میں

حضرت اُم المؤمنین سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق دروغ گوئی کی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کا نفقہ بند کر کے قسم کھائی کہ اب کبھی نہ دوں گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی :

﴿ وَلاَ یَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ ﴾ (النور)

"تم یہ قسم نہ کھایا کرو کہ جس نے جفا اور زیادتی کی ہے اس کے ساتھ نیکی نہیں کریں گے"

آگے فرمایا کہ کیا تمھیں یہ بات پسند نہیں کہ اللہ تمھیں بخش دے۔ حضرت صدیق نے عرض کیا کہ مجھے یہ بات پسند ہے اور اس کا نفقہ جاری کر دیا تو جس شخص کے دِل میں کینہ ہوتا ہے وہ تین حال سے خالی نہیں ہوتا یا تو اپنے ساتھ مجاہدہ کرتا ہے کہ اس کے ساتھ نیکی کرو اور مراعات زیادہ کرو یہ صدیقوں کا درجہ ہے یا نیکی نہیں کرتا تو بُرائی بھی نہیں کرتا یہ پرہیزگاروں کا درجہ ہے یا بُرائی کرتا ہے یہ فاسقوں اور ظالموں کا درجہ ہے جو شخص تمھارے ساتھ بُرائی کرے تم اُس کے ساتھ نیکی کرو کہ اس سے بڑھ کر کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذریعہ نہیں اگر یہ نہ ہو سکے تو معاف کر دو کہ اس کی بڑی فضیلت ہے۔ حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ میں تین باتوں پر قسم کھا سکتا ہوں۔

صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا اس لیے تم صدقہ دیا کرو اور جو شخص کسی کی غلطی معاف کرتا ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی عزت میں اضافہ فرمائیں گے اور جو شخص سوال کرتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ افلاس کا دروازہ کھول دیتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا کہ حضور ﷺ نے اپنے حق میں کسی سے بدلہ لیا ہو لیکن جب لوگ اللہ کے حق میں کوتاہی کرتے تو آپ ﷺ کے غُصّہ کی انتہا نہ ہوتی اور جن دو کاموں میں آپ ﷺ کو اختیار دیا جاتا ان دونوں میں سے آپ ﷺ وہ اختیار فرماتے جس میں مخلوق کے لیے آسانی ہوتی لیکن گناہ کی بات اختیار کرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب سرور کائنات ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ میں تمھیں بتاؤں کہ اہلِ دُنیا اور عقبیٰ کے اخلاق میں کونسا خلق افضل ہے؟ فرمایا کہ جو تم سے قطع تعلق کرے اس سے ملنا جو تمھیں محروم رکھے اس کو دینا اور جو ظلم کرے اسے معاف کرنا افضل ترین اخلاق میں سے ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے حضور عرض کیا کہ آپ کے بندوں میں سے آپ کا سب سے زیادہ مقرب کون ہے؟ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ وہ بندہ جو بدلہ لینے کی طاقت رکھنے کے باوجود معاف کر دے اور فرمایا کہ جس نے ظالم کے واسطے بددعا کی اُس نے اپنا حق چکا لیا۔ حضور ﷺ نے جب مکّہ معظمہ فتح کر لیا اور کفار پر آپ ﷺ کو پوری طرح غلبہ حاصل ہو گیا تو کفار کی حالت بہت پتلی تھی وہ اپنے مظالم کے سبب ڈرتے تھے اور انھیں اپنی موت صاف نظر آ رہی تھی لیکن آپ نے کعبۃ اللہ کے دروازے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا اور اپنے بندوں کو فتح عطا فرمائی اور اپنے دشمنوں کو شکست سے دوچار کیا تم لوگ کیا دیکھتے اور کیا کہتے ہو؟ قریش نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم خیر کی اُمید رکھتے ہیں آج قوّت و طاقت آپ ﷺ کے ہاتھ میں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں وہی بات کہتا ہوں جو میرے بھائی یوسف علیہ السلام نے اس وقت کہی جب اپنے بھائیوں پر انھیں غلبہ حاصل ہو گیا یعنی ﴿ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ ﴾ (یوسف) تم پر آج کوئی سرزنش نہیں یہ فرما کر سب کو امن دے دیا اور فرمایا کہ آج تم میں سے کسی سے کوئی سروکار نہیں۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب تمام مخلوق صبح محشر میں اُٹھے گی تو منادی آواز دے گا کہ جن لوگوں کا اجر اللہ تعالیٰ

کے ذمہ ہے وہ اُٹھیں چنانچہ کئی ہزار آدمی اُٹھیں گے اور بغیر حساب جنت میں چلے جائیں گے یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کے بندوں کے قصور معاف کر دیا کرتے تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غصّہ کے عالم میں صبر سے کام لو کہ تمھیں فرصت نصیب ہو اور فرصت پا چکو اور بدلے پر قادر ہو جاؤ تو معاف کر دو۔ خلیفہ ہشام رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لوگ ایک مجرم کو لے کر آئے وہ اپنے جرم کی تاویلیں کرنے لگا تو ہشام نے کہا کہ میرے سامنے تاویلیں کرتے ہو۔ مجرم نے عرض کیا ﴿ یَوْمَ تَاْتِیْ کُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا ﴾ (نحل) جب بندے اپنے اللہ کے حضور ایسا کرتے ہیں تو میں تمھاری سامنے ایسا کیوں نہ کروں؟ ہشام نے اسے کہنے کی اجازت دے دی۔ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی کوئی چیز چور لے گئے لوگ اس پر لعنت کرنے لگے۔ آپ نے کہا کہ اے اللہ اگر وہ ضرورت کے پیش نظر لے گیا ہے تو وہ چیز مبارک کر اور اگر معصیت پر دلیری کے سبب لے گیا ہے تو یہ اس کا آخری گناہ ثابت ہو یعنی اس کے بعد وہ کوئی اور گناہ نہ کرے۔ حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک شخص کو میں نے طواف میں دیکھا کہ چور اس کا مال لے گئے وہ رونے لگا میں نے پوچھا کہ تم مال کی خاطر روتے ہو۔ اُس نے کہا کہ میں تو اس وجہ سے روتا ہوں کہ اگر وہ روزِ محشر میرے ساتھ کھڑا ہو اور اپنے اس گناہ کا کوئی عذر بیان نہ کر سکا تو؟ گویا مجھے اس پر رحم آ گیا ہے اس لیے روتا ہوں۔ کچھ قیدیوں کو خلیفہ عبدالملک بن مروان رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے لایا گیا وہاں ایک بزرگ تشریف فرما تھے انھوں نے کہا کہ جو چیز تجھے عزیز تھی وہ اللہ نے عنایت کر دی یعنی فتح و ظفر اب تجھے وہ کام کرنا چاہیے جو اللہ کو عزیز ہے یعنی معافی۔ چنانچہ خلیفہ نے سب کا جرم معاف کر دیا۔ انجیل میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ظالم کی مغفرت کو چاہتا ہے وہ شیطان کو شکست دے دیتا ہے آدمی کو چاہیے کہ جب غصّہ آئے تو معاف کر دے اور غصّہ سے بچنے کی خاطر معاملات میں نرمی ضروری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ! اللہ تعالیٰ نے جس شخص کو نرمی کی صفت سے سرفراز فرمایا وہ دارین کی سعادتوں سے بہرہ مند ہوا اور جو اس سے محروم رہا وہ دارین کی سعادتوں سے محروم رہا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ رفیق ہیں اور انھیں رفیق سے پیار ہے اور وہ جو کچھ نرمی سے عنایت فرماتے ہیں سختی سے نہیں دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اہلیہ محترمہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تمام معاملات میں نرمی کا لحاظ رکھنا چاہیے کیونکہ جس کام میں نرمی کا دخل ہوتا ہے وہ کام بن جاتا ہے اس کے برعکس کام بگڑ جاتا ہے۔

حسد اور اس کے نقصانات

غُصّہ سے کینہ اور کینہ سے حسد پیدا ہونا لازمی ہے اور حسد ہلاک کرنے والی چیز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے اور فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں جو ہر کسی میں ہوتی ہیں بدگمانی، حسد اور بُری فال، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا علاج تجویز فرماتے ہوئے فرمایا کہ بدگمانی کا جب شکار ہونے لگو تو اس کی تحقیق میں مت پڑو اور اس خیال کو دل سے نکال دو۔ بدفالی پر اعتماد نہ کرو اور حسد پیدا ہو تو دست و زبان کو اس پر عمل کرنے سے بچاؤ۔ اور فرمایا کہ مسلمانو! تم میں وہ چیز پیدا ہونی شروع ہو گئی ہے جو تم سے پہلے متعدد قوموں کی ہلاکت کا باعث بن چکی ہے وہ چیز حسد اور عداوت ہے فرمایا قسم ہے ربِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تم لوگ بغیر ایمان جنت میں نہیں جا سکتے اور ایمان کا دارومدار ایک دوسرے کے ساتھ محبّت میں ہے۔ فرمایا کہ میں تمھیں بتاؤں کہ محبّت کا راز کس چیز میں ہے؟ ایک

دوسرے کو سلام کرو اس سے محبت بڑھے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو عرش کے سایہ میں دیکھا انھیں اس مقام کی خواہش ہوئی۔ پوچھا کہ اے اللہ یہ صاحب کون ہیں اور ان کا کیا نام ہے؟ اللہ تعالیٰ نے نام تو نہ بتلایا لیکن فرمایا کہ ان کے کردار سے آپ کو باخبر کیے دیتا ہوں۔ فرمایا کہ اِس نے کبھی حسد سے کام نہیں لیا۔ اپنے والدین کی نافرمانی نہیں کی اور چغل خوری سے اپنے آپ کو بچایا۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ حاسد ہی نعمت کا دشمن ہے وہ میرے حکم سے خفا ہوتا ہے اور اپنے بندوں کی جو قسمت میں نے پیدا کی ہے اسے پسند نہیں کرتا۔ حضرت سلطان الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ چھ گروہ ایسے ہیں جو چھ گناہوں کے سبب بغیر حساب دوزخ میں بھیجے جائیں گے۔ حکام ظلم کے سبب، عرب تعصب کے باعث، مالدار تکبر کے سبب، تاجر خیانت کے سبب، گنوار نادانی کے سبب اور علماء حسد کے سبب۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہم لوگ بیٹھے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس وقت ایک جنتی آ رہے ہیں۔ اسی اثنا میں انصار میں سے ایک بزرگ آئے ان کے ہاتھوں میں جوتے تھے اور داڑھی سے وضو کا پانی ٹپک رہا تھا۔ دوسرے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا اور وہی صاحب تشریف لائے۔ تیسرے دن ایسا ہی ہوا حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے چاہا کہ اس کا کردار معلوم کیا جائے چنانچہ وہ اس کے پاس گئے اور کہا کہ میرا اپنے باپ سے جھگڑا ہو گیا ہے تین دن تمھارے پاس رہنا چاہتا ہوں اُس نے اجازت دے دی۔ یہ تین راتیں برابر اسے دیکھتے رہے انھوں نے دیکھا کہ جب وہ سو کر اُٹھتا ہے تو اللہ کو یاد کرتا ہے تب انھوں نے کہا میری لڑائی نہیں ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن یہ بات فرمائی تھی اور میں تیرا عمل دیکھنا چاہتا تھا اُس نے کہا کہ میرا یہی عمل ہے جو تم نے دیکھا۔ جب میں چلنے لگا تو اُس نے پھر آواز دے کر بلایا اور کہنے لگا کہ ایک اور بات بھی ہے اور وہ یہ کہ میں نے کبھی کسی کی بھلائی پر حسد نہیں کیا فرمایا کہ اصل راز یہی ہے۔ حضرت عون بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بادشاہ کو نصیحت فرمائی کہ تکبر سے بچو اس لیے کہ پہلا گناہ جو دھرتی پر ہوا اس کا سبب تکبر تھا کیونکہ ابلیسؑ نے سجدہ نہیں کیا تو تکبر ہی کے پیش نظر اور حرص سے دُور رہو کہ آدم علیہ السلام کے جنت سے نکلنے کا سبب یہی بنی اور حسد سے بچو کہ پہلے ناحق خون کا سبب یہی تھا جب قابیل نے ہابیل کو مار ڈالا (سورۃ مائدہ) جب صحابہ رضی اللہ عنہم کا ذکر ہو یا اللہ تعالیٰ کی صفات کا بیان ہو یا ستاروں سے متعلق بات چیت ہو تو چپ رہنا چاہیے۔ بکر بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک بندۂ خُدا ہر روز بادشاہ کے سامنے کھڑا ہو کر کہتا کہ نیکوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو کیونکہ بدکردار لوگوں کے لیے ان کی بدکرداری ہی کافی سزا ہے۔ بادشاہ اس بندۂ خُدا کو عزیز رکھتا حتیٰ کہ ایک آدمی کے دل میں حسد پیدا ہوا اور بادشاہ سے شکایت کر دی کہ یہ شخص جہاں پناہ کو بدزبان کہتا ہے بادشاہ نے دلیل پوچھی تو کہا کہ آپ ان کو بلا کر دیکھ لیں کہ اپنی ناک پر ہاتھ رکھے آئیں گے تاکہ بو نہ سونگھ سکیں بعد میں وہ شخص اس مردِ خُدا کے پاس آیا اور انھیں گھر لے جا کر کھانا کھلایا جس میں لہسن کا سالن تھا اب بادشاہ نے اس کو جو بلایا تو اُس نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا تاکہ لہسن کی بو بادشاہ کی ناک میں نہ جائے۔ بادشاہ نے اسے سچا سمجھا بادشاہ کی عادت تھی کہ قیمتی لباس اور معقول انعام کے سوا کوئی حکم اپنے ہاتھ نہ لکھتا ایک غلام کو لکھا کہ اس خط پہنچانے والے کا سر کاٹ کر اور اس کی کھال میں بھس بھر کر میرے پاس روانہ کر دو اور مہر لگا کر یہ خط اسی آدمی کو دے دیا جب وہ باہر نکلا تو اس حاسد نے اسے دیکھ کر پوچھا کہ یہ کیا ہے اُس نے بتلایا کہ یہ شاہی عطیہ ہے۔ حاسد نے کہا کہ مجھے دے دو اُس نے دے دیا تو یہ لے کر عامل کے پاس چلا گیا اُس نے

کہ اس خط میں تمھارے قتل اور کھال میں بھوسہ بھرنے کا حکم ہے اب حاسد پریشان ہوا اور کہا کہ یہ حکم تو فلاں شخص کے متعلق ہے تم بادشاہ سے تحقیق کر لو۔ عامل نے کہا کہ بادشاہی حکم سے متعلق دوبارہ پوچھنے کی جرأت کون کرے الغرض حاسد قتل کر دیا گیا۔ عادت کے مطابق وہ مردِ خُدا اگلے روز بادشاہ کے حضور جا کر کھڑا ہوا اور ہر روز جو کلمات دہراتا تھا وہی دہرانے لگا تو بادشاہ کو تعجب ہوا اور پوچھا اس خط کا کیا بنا۔ اُس نے کہا کہ وہ تو فلاں شخص نے لے لیا۔ بادشاہ نے کہا کہ اُس نے تمھاری شکایت کی تھی کہ تم نے یوں کہا ہے کہ بادشاہ بد زبان اور گندہ دہن ہے اُس نے انکار کیا کہ میں نے ایسا نہیں کہا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ پھر تم نے اپنا ہاتھ منہ پر کاہے کو رکھا اس نے قصّہ بیان کر دیا کہ اسی نے مجھے لہسن کھلایا آپ کی خاطر میں نے ایسا کیا۔ بادشاہ نے کہا کہ تم ہر روز یہی کہتے تھے کہ بدکردار کے لیے اس کا فعل ہی کافی ہے واقعی بدکردار اپنے انجام کو پہنچ گیا۔ حضرت ابنِ سیرین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ دُنیا کے معاملہ میں میں نے کسی سے حسد نہیں کیا۔ اس لیے کہ اگر کوئی جنتی ہے تو جو نعمتیں جنت میں ہوں گی ان کے مقابلہ میں دُنیا کی کوئی حقیقت نہیں اور اگر دوزخی ہے تو ظاہر ہے کہ آگ میں جلے گا ایسی نعمت سے کیا فائدہ جو آگ سے نہ بچائے۔ حضرت حسن بصری قدس سرہٗ سے ایک شخص نے پوچھا کہ مسلمان حسد کرتا ہے تو فرمایا تم حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کو بھول گئے۔ اگر سینہ میں ایسا رنج رہے کہ معالمہ کرنے سے بھی نہ نکلے تو وہ نقصان نہیں کرتا۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جو موت کو بہت یاد کرتا ہے وہ نہ تو خوش ہوتا ہے نہ حسد کرتا ہے۔

حسد کی حقیقت کا بیان

حسد کی تعریف یہ ہے کہ کسی کو کوئی نعمت ملے اور تجھے بری معلوم ہو اور تو چاہے کہ یہ نعمت اس سے چھن جائے۔ احادیث کی رو سے یہ حرام ہے اور اس کے حرام ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس سے حکم الٰہی کی ناراضی اور خبث باطن کا ثبوت ملتا ہے کیونکہ جو نعمت ایک انسان کو ملی ہے اس کے چھن جانے کی خواہش زوالِ باطنی کے سوا کیا ہے لیکن اگر تمھاری یہ خواہش ہو کہ مجھے بھی ایسی نعمت مل جائے اور دوسرے کے پاس سے زوال کی خواہش نہ ہو۔ نہ ہی یہ بات تمھیں بری معلوم تو اسے غبطہ اور منافسہ کہتے ہیں۔ اگر یہ دین کے کاموں میں ہو تو اچھی بات ہے بلکہ واجب ہو جاتی ہے ارشاد باری ہے ﴿ وَفِی ذٰلِکَ فَلْیَتَنَا فَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴾ (اور اس شرابِ طہور میں رغبت کرنی چاہیے رغبت کرنے والوں کو) ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ سَابِقُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ ﴾ (یعنی اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف آگے بڑھو) اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو چیزوں میں حسد نہیں ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی کو علم اور مال عطا فرمائے اور وہ اپنے مال کو علم کے مطابق استعمال کرے دوسرے یہ کہ کسی کو علم تو ملا ہو لیکن مال نہ ہو اور اس کی خواہش یہ ہو کہ اگر مجھے بھی اللہ تعالیٰ مال عطا فرماتا تو میں بھی اسی طرح خرچ کرتا۔ یہ دونوں شخص ثواب کے اعتبار سے برابر ہیں اور اگر کوئی شخص مال کو لغو اور گناہ کے کام میں خرچ کرے اور کوئی دوسرا کہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو اسی طرح اُڑاتا تو یہ دونوں گناہ میں برابر ہیں۔ اس منافست کو بھی حسد کہتے ہیں مگر اس میں دوسرے کی نعمت سے کراہت نہیں ہوتی اور کراہت تو کہیں بھی درست نہیں مگر جو نعمت کسی ظالم و فاسق کو ملے جو اس کے فسق اور ظلم کا سبب ہو تو ایسی نعمت کا

زوال چاہنا درست ہے کیونکہ یہ فی الحقیقت فسق اور ظلم کی بربادی کی خواہش ہے کہ وہ مٹ جائیں اس کی علامت یہ ہے کہ وہ فاسق یا ظالم جب توبہ کرے تو پھر آدمی زوالِ نعمت کی خواہش سے باز آ جائے۔ ایک نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو کوئی نعمت دی اور کوئی آدمی اپنے لیے بھی ایسی ہی نعمت کا طالب ہے لیکن اس کے نہ ملنے سے ظاہر ہے کہ تفاوت پیدا ہوتا ہے اور اس تفاوت کو آدمی مکروہ جانے تو زوالِ نعمت کے سبب یہ فرق جاتا رہے گا اور یہ بات اس شخص کے دل پر آسان ہو گی اور خوف یہ ہوتا ہے کہ طبیعت اس خواہش سے خالی نہ رہے مگر جب اس کو مکروہ جانے گا تو ایسا ہی ہو جائے گا کہ اگر اُس کا کام اس کے اختیار میں ہو جائے تو یہ اس کی نعمت چھین لے گا اتنی سی بات جو طبیعت میں رہتی ہے اس سے آدمی کا مواخذہ نہیں ہو گا۔

حسد کا علاج

حسد دل کی بیماری ہے علمی اور عملی طور پر اس کا علاج ضروری ہے علمی علاج تو یہ ہے کہ حاسد سمجھ لے کہ حسد دارین میں اس کے نقصان اور محسود کے نفع کا سبب ہے حاسد کا نقصان یہ ہے کہ ہروقت غم و اندوہ اور عذاب میں مبتلا رہتا ہے کیونکہ ہروقت کسی نہ کسی کو کوئی نہ کوئی نعمت تو ملتی رہتی ہے اور جس رنج میں اپنے دشمن کے مبتلا ہونے کی خواہش رکھتا ہے خود ہی اس کا شکار ہو جاتا ہے کیونکہ حسد سے بڑھ کر کوئی غم اور روگ نہیں تو اس سے زیادہ کیا کم عقلی ہو گی کہ آدمی اپنے دشمن کے سبب خود رنج میں مبتلا ہو جائے۔ اور حسد سے دشمن کا تو کچھ نہیں بگڑے گا اس لیے کہ تقدیر الٰہی میں اس نعمت کی ایک مدت مقرر ہے جو کم زیادہ نہیں ہوتی اس لیے کہ تقدیر ازلی اس نعمت کا سبب ہے اور بعض لوگ اس سے نیک طالع تعبیر کرتے ہیں بہرحال اس پر سبھی لوگ متفق ہیں کہ اس میں تغیر کی گنجائش نہیں یہی وجہ ہے کہ ایک نبی نے ایک صاحب سلطنت عورت سے درماندہ ہو کر بارگاہِ قدس میں شکایت کی تو وحی آئی فِرَّ مِنْ قُدَّامِهَا حَتّٰی تَنْقَضِیَ اَیَّامُهَا کہ اس کے سامنے سے بھاگ جاؤ تاکہ اس کی مدت گزر جائے کیونکہ جو مدت لکھی جا چکی ہے وہ تو پھرنے سے رہی خُدا کے نبی کسی امتحان کا شکار ہو گئے بہت دعائیں مانگیں اور آہ و زاری کی تب اللہ کی طرف سے وحی آئی کہ جس دن میں نے زمین و آسمان کا اندازہ مقرر کیا تھا اس دن تمھاری قسمت میں یہی لکھا تھا کیا تمھاری خواہش یہ ہے کہ تمھارے لیے نئی قسمت کا محل تعمیر کیا جائے اور اگر کوئی حاسد یہ چاہے کہ حسد کی وجہ سے اس کی نعمت زائل ہو جائے تو اس کا نقصان خود اسی کو پہنچے گا اور دوسرے کے حسد کے سبب اپنی نعمت گنوا بیٹھے گا اور کافروں کے حسد سے نعمت ایمان بھی زائل ہو جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَدَّتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ﴾ (آل عمران)

"بعض اہل کتاب چاہتے ہیں کہ کاش تمھیں گمراہ کر سکتے"

پس حسد حاسد کے لیے سردست تو رنج و عذاب کا باعث ہے اور آخرت کا نقصان الگ ہے اس لیے کہ احکم الحاکمین کی تقدیر اور حکم پر گویا ناراضی ہے اور اس تقدیر کو بُرا جاننا ہے جو حکیم علی الاطلاق نے کمالِ حکمت کے ساتھ مقرر فرمائی اور کسی کو اس کے بھید سے آگاہ نہیں فرمایا تو حسد میں اس سے زیادہ کیا بدنصیبی ہے پھر اس میں مسلمانوں کے

حق میں نامہربانی کا جذبہ بھی ہے کہ اس میں ان کی بدخواہی ہے اور ایسا کر کے انسان ابلیس کا ساتھی بنتا ہے کہ وہی پہلا بدخواہ تھا اور ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی بدبختی نہیں۔ رہ گیا محسود تو اسے دُنیا میں یہ فائدہ ہے کہ وہ اس کے سوا اور کیا چاہے گا کہ اس کا حاسد ہمیشہ مبتلائے رنج و عذاب رہے۔ حسد سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں کیونکہ حاسد کی طرح کوئی ظالم مظلوم جیسا نہیں ہو جاتا اگر محسود کو حاسد کے مرنے کی خبر مل جائے یا یہ معلوم ہو جائے کہ وہ حسد کے عذاب سے چھوٹ گیا تو محسود رنجیدہ ہو گا اس لیے کہ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ میں ہمیشہ نعمت کے اعتبار سے محسود رہوں اور حاسد رنج میں مبتلا رہے اور محسود کا دینی فائدہ یہ ہے کہ وہ حاسد کا مظلوم ہے اور ممکن ہے کہ حاسد زبان اور معاملت سے بھی ظلم کرے اور اس وجہ سے اس کی نیکیاں محسود کے نامۂ عمل میں منتقل ہو جائیں اور محسوس کے گناہ حاسد کے نامہ عمل میں شامل کر دیئے جائیں۔ پس حاسد نے تو یہ چاہا کہ محسود کی نعمت چھن جائے لیکن اس کی نعمت بڑھ گئی کم از کم آخرت کا فائدہ تو یقینی ہے اور سردست مبتلائے رنج و عذاب ہوا اور آخرت کے عذاب کی بنیاد پڑ گئی اس کا خیال یہ تھا کہ میں اپنا دوست اور محسود کا دشمن ہوں لیکن فی الحقیقت معاملہ برعکس ہوا اور اپنے آپ کو مغموم رکھنے کے ساتھ ہی ابلیس جیسے دشمن کو مسرور و خوش وقت کیا اس لیے کہ شیطان نے جب یہ دیکھا کہ حاسد کو علم' ورع اور جاہ و مال کی نعمت میسر نہیں تو اسے خوف محسوس ہوا کہ اگر یہ راضی برضا ہو گیا تو اسے آخرت کا ثواب نصیب ہو گا اس نے اسے حسد میں مبتلا کر کے آخرت کے ثواب سے بھی محروم کر دیا جو شخص اہل عِلم و ورع کی نعمتوں کو عزیز اور انھیں دوست رکھتا ہے وہ صُبح قیامت میں ان کے ساتھ ہو گا کیونکہ بزرگوں کا قول ہے کہ ثواب کے مستحق وہ لوگ ہیں جو عالم ہوں یا متعلم ہوں اور یا پھر ان کا دوست ہو اور حاسد تینوں قسم کی سعادتوں سے محروم رہتا ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو اپنے دشمن کو مارنے کے لیے پتھر پھینکے لیکن وہ الٹ کر اس کی داہنی آنکھ پر لگ جائے اور وہ آنکھ ضائع ہو جائے۔ اس کو غُصّہ آئے اور دوبارہ زور سے پتھر پھینکے وہ پھر لوٹ کر اس کی دوسری آنکھ ضائع کر دے پھر پتھر مارے تو وہ اس کا ہی سر زخمی کر دے گویا اُس نے پتھر مار مار کر اپنے آپ کو زخمی کر لیا اور دشمن اسے دیکھ کر ہنسنے لگا۔ یہی حال حاسد کا ہے کہ شیطان اس کا مذاق اڑاتا ہے اور یہ سب آفتیں حسد کے سبب آتی ہیں اگر حاسد ہاتھ اور زبان سے غیبت بھی شروع کر دے اور جھوٹ بولنے لگے اور حق کا انکار کر دے تو اس کا ظلم اور بڑھ جائے گا اس لیے ہم نے کہا کہ جس نے یہ بات سمجھ لی کہ حسد زہر قاتل ہے اگر اسے اللہ نے عقل سلیم دی ہے تو یقیناً وہ حسد چھوڑ دے گا۔

اور عملی علاج یہ ہے کہ محنت و مشقت کر کے اسبابِ حسد اپنے اندر سے نکال پھینکے کیونکہ کبر' عجب' عداوت اور جاہ و مال کی مُحبّت وغیرہ ہی چیزیں ہیں جو حسد کا باعث بنتی ہیں جیسا کہ ہم نے غُصّہ کے باب میں بیان کیا انسان کو چاہیے کہ ان جڑوں کو نکال پھینکے یہی فی الحقیقت مسہل ہے تاکہ حسد سرے سے نہ رہے اور جب یہ بیماری پیدا ہونے لگے تو ایسا وطیرہ اختیار کرے کہ اس کی مخالفت عمل میں لائے۔ مثلاً اگر حسد کسی پر طعن کرنے کی ترغیب دے تو اس کی تعریف کرے اور جب حسد تکبر پر ابھارے تو فروتنی اختیار کرے اور جب وہ کسی کی نعمت کے زوال میں کوشش کی ترغیب دے اور دشمنی کا سبق پڑھائے تو اس آدمی کے ساتھ دوستی پیدا کر لینی چاہیے کہ اس سے بہتر کوئی علاج نہیں پس پردہ اس کی تعریف کرنی چاہیے اور اس کے کام کو خوبصورت انداز سے پیش کرے وہ سن کر یقیناً خوش ہو گا تو اس کا پر تو تجھ پر پڑے

گا اور اس کے عکس سے تمھارا دِل خوش ہو گا اور عداوت کی جڑ کٹ جائے گی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴾ (حم السجدہ)

"برائی کا دفاع بھلائی سے کرو پھر وہ شخص جس کے اور تمھارے درمیان دشمنی ہے وہ تمھارا جگری دوست بن جائے گا"۔

اس مقام پر شیطان یوں بھڑکاتا ہے کہ اگر تم فروتنی اختیار کرو گے اور اس کی تعریف کرو گے تو وہ تمھیں ذلیل تصور کرے گا۔ اب تمھیں اختیار ہے کہ تم اللہ کے فرمانبردار بندے بنو یا شیطان کے! یاد رکھو کہ یہ دوا بہت مفید اور نافع ہے۔ لیکن ہے کڑوی آدمی اس پر صبر نہیں کر سکتا مگر قوتِ عِلم سے' جب وہ جان لے گا کہ دارین میں میری نجات کا انحصار اسی پر ہے اور میری تباہی حسد میں ہے تو عمل آسان ہو گا۔ رہ گئی دوا تو وہ بہرحال تلخ اور کڑوی ہوتی ہے۔ بیماری کے دوران شفا کی اُمید پر تلخی برداشت کرنا پڑتی ہے ورنہ بیماری ہلاکت کا باعث ہو گی اور رنج خواہ مخواہ زیادہ ہو گا۔

فصل : اگر تم کثرت سے مجاہدہ کرو تو اُمید غالب ہے کہ تمھیں ستانے والے اور دوستی رکھنے والے میں فرق معلوم ہو جائے اور دونوں کی نعمت اور لعنت تیرے نزدیک برابر نہ رہے بلکہ دشمن کی نعمت سے تو بالطبع نفرت کرنے لگے اپنی طبیعت بدلنے کا تو اس لیے مُکلف نہیں کہ یہ بات تیرے اختیار میں نہیں تو دو چیزوں کا مُکلف ہے ایک تو اس بات کا کہ تو اس طبعی کراہت کو قول و فعل سے ظاہر نہ کرے۔ دوسرے یہ کہ عقلاً تو مکروہ جانے اور دل سے انکار کرے اور تیری یہ خواہش ہو کہ یہ صفت جاتی رہے جب ایسا کرو گے تو حسد کے وبال سے چھوٹ جاؤ گے لیکن اگر تم قول و فعل سے اظہار تو نہ کرو اور اس صفت کو اپنے دِل میں بُرا بھی نہ جانو تو بعض علماء کہتے ہیں کہ تم ماخوذ نہ ہو گے لیکن صحیح بات یہ ہے کہ تم ماخوذ ہو گے کیونکہ حسد حرام ہے اور یہ دِل کا کام ہے بدن کا نہیں اور جو شخص کسی مسلمان کے رنج کا خواہاں ہو اور اس کی خوشی اسے بُری لگے تو وہ ضرور ماخوذ ہو گا ہاں یہ بات تجھے ناپسند ہو تو حسد کے وبال سے نجات پا لے گا اور بالکلیہ نجات اسے نصیب ہو گی جس پر توحید الٰہی کا غلبہ ہو کسی کو دوست اور دشمن نہ سمجھے بلکہ سب کو اللہ کا بندہ سمجھ کر تمام چیزوں کو ایک ہی نظر سے دیکھے۔ یہ حالت کبھی کبھار نصیب ہوتی ہے جیسے بجلی کہ وہ چمکتی ہے لیکن تھوڑی دیر کے لیے اور پھر غائب ہو جاتی ہے۔

فصل : ۵

حُبِ دُنیا کا علاج اور اسکی وضاحت کہ دُنیا کی مُحبّت ہی گناہوں کی اصل جڑ ہے

اے عزیز یاد رکھ کہ دُنیا سب سروں کی سر ہے اور اس کی مُحبّت تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ اس چیز سے زیادہ مکروہ شے اور کونسی ہو گی جو اللہ' اس کے دوستوں حتیٰ کہ اس کے دشمنوں کی بھی دشمن ہو۔ اللہ کی دشمنی تو واضح ہے کہ اس کی راہ میں اُس کے بندوں پر شب خون مارتی ہے تاکہ وہ اپنے ربّ تک نہ پہنچ سکیں اور اس کے دوستوں کے ساتھ دشمنی یوں کہ انھیں اپنا جلوہ دکھاتی اور ان کی نگاہوں میں اپنے آپ کو آراستہ بناتی ہے تاکہ وہ صبر کی تلخیاں برداشت کریں اور

اس کے دشمنوں سے یوں دشمنی کرتی ہے کہ مکرو حیلہ سے انھیں اپنے دام میں لے لیتی ہے اور وہ جب عشق کے مراحل طے کر لیتے ہیں تو پھر ان سے دُور بھاگتی ہے اور ان کے دشمنوں کے قبضہ میں چلی جاتی ہے فاحشہ اور کسبی عورت کی طرح ایک کے بعد دوسرے کے بغل میں ہوتی ہے حتیٰ کہ آدمی اس جہان میں کبھی رنج کی تکلیف سہتا ہے تو کبھی اس کے فراق کی حسرت میں تڑپتا ہے رہ گئی آخرت تو وہاں اللہ تعالیٰ کا غصّہ اور عذاب یقینی ہے۔ دُنیا کے پھندے سے کوئی نہیں چھوٹ سکتا مگر وہ شخص جو اسے اور اس کی آفت کو کماحقہ پہچان لے اور اس سے پرہیز کرے اس طرح کا پرہیز جیسا جادوگروں سے کرتا ہے اس لیے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ دُنیا سے پرہیز کرو کہ اس کا جادو ہاروت اور ماروت سے بھی بڑھ کر ہے۔ ہم نے دُنیا کی حقیقت اس کے نقصانات اور دھوکے کتاب کی ابتدا میں تیسرے عنوان کے ضمن میں بیان کیے ہیں یہاں وہ احادیث ذکر ہوں گی جو اس کی مذمت میں وارد ہوئی ہیں اس لیے کہ اس مضمون کی آیات بہت ہیں قرآن اور دوسری کتابیں نیز انبیاء و رُسل علیہم السلام بھیجنے سے اللہ تعالیٰ کا مقصد ہی یہ ہے کہ مخلوق کو دُنیا سے آخرت کی طرف بلایا جائے اور دُنیا کے نقصانات اور مصائب لوگوں کو بتلائے جائیں کہ وہ اس سے بچ سکیں۔

دُنیا کی مذمت میں وارد ہونے والی احادیث

حضور علیہ السلام ایک دن ایک مردہ بکری کے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ دیکھو یہ مردار کس درجہ خوار ہے کہ کوئی اس کی طرف دیکھنے کو تیار نہیں۔ قسم ہے اس ربّ کی جس کے قبضہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی جان ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک دُنیا اس سے بھی زیادہ ذلیل و خوار ہے۔ اگر وہ اللہ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی وقعت رکھتی تو کوئی کافر چلو بھر پانی نہ پی سکتا۔ اور فرمایا کہ دُنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے ہاں وہ شے جو اللہ کے لیے ہو وہ ملعون نہیں اور فرمایا کہ دُنیا کی دوستی تمام گناہوں کی سردار ہے اور فرمایا کہ دُنیا کو دوست رکھنے والا آخرت کا نقصان کرتا ہے اور آخرت کو دوست رکھنے والا دُنیا کا نقصان کرتا ہے تو جو چیز باقی نہ رہے اسے چھوڑ کر وہ چیز اختیار کی جائے جو باقی رہنے والی ہے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں امیرالمؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا کہ لوگ آپ کے لیے پانی میں شہد ملا کر لائے۔ آپ منہ کے قریب لے گئے پھر لوٹا دیا اور اس شدت سے روئے کہ ہم سب رونے لگے حتیٰ کہ ایک مرتبہ چپ ہو کر پھر رونے لگے اور ہم میں سے کسی کو اس کی وجہ معلوم کرنے کی جراٴت نہ ہو سکی۔ آنسو بالکلیہ بند ہو گئے تو کسی نے کہا یا خلیفۃ الرسول کیا ماجرا تھا؟ فرمایا کہ میں ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا۔ میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ سے کوئی چیز دُور فرمارہے ہیں جبکہ ظاہر میں کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہے؟ تو فرمایا کہ دُنیا ہے وہ اپنے آپ کو میرے سپرد کرتی ہے میں اسے ٹالتا ہوں بار بار ایسا ہوا حتیٰ کہ اُس نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو مجھ سے بچ گئے لیکن بعد والے نہ بچ سکیں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ اب یہ مجھ پر حملہ آور ہے جبکہ میں نے آپ سے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی کوئی چیز پیدا نہیں کی جو اس کے نزدیک دُنیا سے زیادہ دشمن ہو جب سے اللہ تعالیٰ نے دُنیا کو پیدا کیا ہے اس کی طرف دیکھا تک نہیں اور فرمایا کہ دُنیا اُجڑے ہوؤں کا اور مفلسوں کا مال ہے اسے وہ لوگ جمع کرتے ہیں جو عقل سے محروم ہیں اس کے حصول میں لوگوں سے دشمنی وہ لوگ پیدا کرتے ہیں

جو علم سے کورے ہیں اور اس کے معاملہ میں حسد وہ کرتا ہے جو تفقہ کی نعمت سے خالی ہے اور اِس کا طالب دولتِ یقین سے محروم ہے اور فرمایا کہ جو صُبح اُٹھے اور اُسی وقت دُنیا کی طرف متوجہ ہو تو وہ خاصانِ خُدا میں نہیں کیونکہ وہ دوزخ کا ایندھن ہے اور چار باتیں ایسی ہیں جن سے وہ سدا دوچار رہے گا ایک تو رنج' دوسرے وہ شغل جس میں اس کی خاطر مشغول ہو تیسرے ایسا فقر جو کبھی تونگری تک نہ پہنچنے دے چوتھے وہ اُمید جس کی کوئی انتہا نہ ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم چاہتے ہو کہ تمھیں دُنیا اصل شکل میں دکھا دوں؟ یہ فرما کر میرا ہاتھ پکڑا اور ایک ایسی جگہ کے لیے جہاں آدمیوں اور بکریوں کی کھوپڑیاں پرانے کپڑے اور لوگوں کی گندگی پڑی تھی فرمایا کہ تمھارے سروں کی طرح یہ سر بھی حرص و ہوا سے پُر تھے آج یہ ایسی ہڈیاں ہیں جن پر گوشت نہیں اور یہ بھی جلد خاک ہو جائیں گی اور یہ گندگی وہ انواع و اقسام کے کھانے ہیں جن کو بڑی محنت سے لایا جاتا تھا اور اب اس طرح پھینک دیا ہے کہ سب لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں اور یہ کپڑے (چیتھڑے) وہ لباسِ فاخرہ ہیں جو ہوا میں اُڑتے تھے اور یہ ہڈیاں چوپایوں اور سواریوں کی ہیں ان کی پشت پر سوار ہو کر دُنیا میں سیر سپاٹے کرتے تھے بس یہی دُنیا کی حقیقت ہے اب جو شخص اس پر رونا چاہے اس سے کہہ دو کہ رو لے کہ یہی رونے کی جگہ ہے چنانچہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جتنے لوگ موجود تھے سب رونے لگے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب سے دُنیا پیدا ہوئی ہے وہ زمین و آسمان کے درمیان لٹک رہی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔ صُبح قیامت میں یہ عرض کرے گی کہ تیرے بندوں میں جو سب سے زیادہ کمتر ہے مجھے اس کے سپرد کر دے۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے ناچیز خاموش رہ اس جہان میں میں نے کسی کو دُنیا پسند نہیں کیا تو آج کیسے پسند کروں گا۔ اور فرمایا کہ روزِ محشر کچھ لوگ آئیں گے ان کے اعمال نامے تہامہ پہاڑ کے برابر ہوں گے لیکن وہ دوزخ کے سپرد کر دیئے جائیں گے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ غازی ہوں گے فرمایا ہاں پھر پوچھا روزہ دار ہوں گے فرمایا ہاں شب بیداری کا سوال ہو گا تو مثبت جواب ملے گا لیکن فرمایا جائے گا کہ یہ لوگ دُنیا پر گرے پڑے تھے۔ آپ ﷺ ایک دن باہر تشریف لائے تو صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تم میں سے ایسا کون شخص ہے جو اندھا ہو اور یہ خواہش رکھتا ہو کہ اللہ تعالیٰ اسے بینا کر دے۔ تم یہ سمجھ لو کہ دُنیا کی رغبت رکھنے والا جو بہت کچھ کی امید رکھتا ہو اسے اللہ تعالیٰ دِل کا اندھا بنا دیتے ہیں اور تھوڑی امید رکھنے والے زاہد کو کسی سے سیکھے بغیر بہت علم عنایت فرماتے ہیں اور کسی کی رہنمائی کے بغیر اسے رہنمائی نصیب ہوتی ہے۔ حضور ﷺ ایک دن باہر تشریف لائے' حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے بحرین سے کچھ مال بھیجا تھا۔ انصار کو یہ خبر ہوئی تو نماز کے وقت رش ہو گیا۔ آپ ﷺ نے نماز کا سلام پھیرا تو سب آپ ﷺ کے سامنے کھڑے تھے۔ حضور ﷺ مسکرائے اور فرمایا کہ شاید تم نے سنا ہے کہ مال آیا ہوا ہے۔ انھوں نے عرض کی جی ہاں' آپ ﷺ نے فرمایا تمھارے لیے بشارت ہو کہ آئندہ ایسے کام ہوں گے جن سے تمھیں خوشی ہو گی اور میں تمھاری محتاجی سے تو نہیں ڈرتا لیکن مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ دُنیا کا مال افراط کے ساتھ تمھیں عطا کرے جیسا ان لوگوں کو عنایت فرمایا جو تم سے پہلے تھے پھر تم اس سے مناقشہ کرو جیسا اگلوں نے کیا اور ہلاک ہو جاؤ جیسے وہ ہلاک ہو گئے اور فرمایا کہ دُنیا کی یاد میں کسی طرح مشغول نہ ہو۔ آپ ﷺ نے دُنیا کے ذکر سے جب ممانعت فرمائی تو دُنیا کی محبّت اور طلب کا کیا ذکر؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی ایک اونٹنی تھی

جس کا نام عضبا تھا وہ سب اُونٹوں سے بہتر دوڑتی ایک دن ایک بدوی ایک اُونٹ لایا اور اس کے ساتھ دوڑایا اتفاق کی بات یہ ہے کہ وہ اُونٹ بازی لے گیا جس پر مُسلمانوں کو افسوس ہوا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ دُنیا کی جس چیز کو سرفراز فرماتے ہیں اسے خوار و ذلیل نہ کریں یہ ان پر لازم ہے اور فرمایا کہ اس کے بعد دُنیا تمھاری طرف متوجہ ہو کر تمھارے دین کو اس طرح کھا جائے گی جیسے آگ لکڑی کو کھاتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ دُنیا کو خُدا نہ بناؤ کہ وہ تمھیں اپنا بندہ نہ بنائے خزانہ اس طرح رکھو کہ اس کے تلف ہونے کا ڈر نہ ہو اور ایسے شخص کے پاس رکھو جو اسے ضائع نہ کر دے کیونکہ دُنیا کا خزانہ مصیبت سے خالی نہیں اور جو خزانہ اللہ کے لیے رکھو گے وہ محفوظ رہے گا اور فرمایا کہ دُنیا اور آخرت ایک دوسرے کی ضد ہیں جتنا ایک کو خوش کرو گے اتنی ہی دوسری ناخوش ہو گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حوارین کو فرمایا کہ میں نے تمھارے سامنے دُنیا کو خاک میں ملا دیا تم اس سے پھر نہ چمٹ جانا کیونکہ یہ ایک نجاست ہے اسی میں اللہ کی نافرمانی ہوتی ہے اور یہ ایسی گندگی ہے کہ اسے ترک کیے بغیر آدمی آخرت تک نہیں پہنچتا۔ تم دُنیا سے باہر نکل جاؤ اس کی آبادی میں وقت ضائع نہ کرو اور یہ سمجھ لو کہ دُنیا کی مُحبّت اور خواہش سب گناہوں کی سردار اور جڑ ہے اور اس کا ثمرہ رنج و محن ہے اور فرمایا کہ جس طرح آگ اور پانی ایک جگہ اکٹھے نہیں ہو سکتے اسی طرح دُنیا اور آخرت کی مُحبّت ایک دِل میں جمع نہیں ہو سکتی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لوگوں نے کہا کہ آپؑ ایک مکان بنا لیں تو کیا حرج ہے فرمایا کہ میرے لیے دوسروں کے پرانے گھر ہی کافی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک دن مینہ اور کڑک و چمک نے جو گھیرا تو آپ پناہ گاہ کی تلاش میں دوڑے حتیٰ کہ ایک خیمہ تک پہنچے جس میں ایک عورت تھی اس سے بھاگے تو ایک غار نظر آیا لیکن اس میں شیر تھا۔ عرض کی اے اللہ تو نے ہر کسی کے لیے پناہ گاہ بنائی میرا ٹھکانہ کہاں ہے۔ اس پر وحی آئی کہ آپ کی آرام گاہ میری رحمت کا گھر ہے جنت میں سو حوریں تیرا جوڑا ہوں گی جن کو میں نے اپنے دست کرم سے پیدا کیا ہے چار ہزار برس تیری شب عروسی ہو گی ہر دن دُنیا کی کئی عمروں کے برابر ہو گا اور منادی سے ندا کراؤں گا کہ دُنیا بھر کے زاہد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شادی میں شریک ہوں چنانچہ سب حاضر ہوں گے۔ ایک بار حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے حوارین کے ساتھ ایک شہر سے گزرے تو راستہ میں سب مُردے ہی مُردے تھے آپؑ نے فرمایا کہ یہ سب اللہ کے غضب کا شکار ہیں ورنہ یہ زیر زمین ہوتے۔ حوارین نے عرض کیا کہ ہم سب معلوم کرنا چاہتے ہیں تو اس رات آپ پہاڑی پر تشریف لے گئے اور پکارا اے شہر والو! ایک شخص نے جواب دیا لبیک یا رُوح اللہ' فرمایا کیا ماجرا ہے۔ آواز آئی کہ رات کو ہم خیر و عافیت سے تھے صُبح اپنے آپ کو دوزخ میں محبوس پایا۔ پوچھا کیوں؟ اُس نے کہا کہ ہم دُنیا کو محبوب رکھتے تھے اور مجرم پیشہ لوگوں کی اطاعت کرتے تھے پوچھا کہ دُنیا کو کس طرح محبوب رکھتے تھے۔ اُس نے کہا جیسے لڑکا ماں کو محبوب رکھتا ہے جب دُنیا ہمارے پاس آتی تو ہم خوش ہوتے جب رخصت ہوتی تو ہمیں رنج ہوتا۔ آپ نے پُوچھا کہ سب نے کیوں جواب نہ دیا اُس نے کہا کہ ان میں سے ہر کسی کے منہ میں آگ کی لگام ہے۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا کہ تم نے کیسے جواب دیا اُس نے کہا کہ میں ان جیسا تو نہ تھا لیکن عذاب کے وقت ان کی مجلس میں موجود تھا۔ اب میں دوزخ کے کنارے ہوں معلوم نہیں کہ نجات پاؤں گا یا نہیں! حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حوارین سے فرمایا کہ دُنیا و آخرت کی عافیت کے ساتھ جو کی روٹی' کھاری نمک' ٹاٹ کے لباس اور کھردرے بستر پر قناعت کرنا ہی بہتر ہے اور فرمایا کہ اصل بات دین کی سلامتی ہے اس کے ساتھ

قلیل مقدار میں دُنیا پر قناعت کرو جیسا دوسروں نے دین تو قلیل مقدار میں لیا لیکن دُنیا کی سلامتی کی فکر کی اور فرمایا کہ کمینے لوگ ثواب کے واسطے دُنیا طلب کرتے ہیں اگر وہ دُنیا سے دستبردار ہو جائیں تو انھیں بہت ثواب حاصل ہو۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ایک دن اپنے تخت پر سوار چلے جا رہے تھے جانور، جن اور باقی مخلوق آپ کی خدمت میں حاضر تھی۔ بنی اسرائیل میں سے ایک عابد کے پاس سے گزر ہوا تو اُس نے کہا اے ابنِ داوٗد اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی سلطنت عطا فرمائی۔ فرمایا کہ مُسلمان کے نامۂ عمل میں ایک تسبیح اس سلطنت سے بہتر ہے جو مجھے عطا ہوئی اس لیے کہ سلطنت فنا ہو جائے گی اور وہ تسبیح باقی رہے گی۔

پس از سی سال ایں معنی محقق شد بخاقانی
کہ یکدم با خُدا بودن بہ از ملک سلیمانی

حدیث میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جب ممنوعہ دانا کھایا تو قضائے حاجت کی ضرورت محسوس ہوئی جگہ کی تلاش تھی تاکہ فراغت حاصل ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ ان کی خدمت میں بھیجا اُس نے پوچھا کہ آپ کو کس چیز کی تلاش ہے؟ فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنے پیٹ کا بوجھ ہلکا کروں اُس نے کہا کہ جنت کے کسی بھی کھانے میں اس قسم کی تاثیر نہیں سوائے اس دانہ کے، آپ عرش یا کرسی پر اور بہشت کی نہروں یا درختوں کے نیچے تو فارغ ہو نہیں سکتے لہٰذا دُنیا میں جائیں جو کہ نجاستوں کی جگہ ہے۔

حدیث میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت نوح علیہ السلام سے پوچھا کہ اتنی لمبی عمر آپ کو نصیب ہوئی، آپ نے دُنیا کو کیسا پایا؟ فرمایا کہ اس مکان کی مانند جس کے دو دروازے ہوں آدمی ایک سے داخل ہو کر دوسرے سے نکل آئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لوگوں نے پوچھا کہ ہمیں کوئی ایسی چیزیں بتلائیں جن سے اللہ تعالیٰ ہمیں محبوب بنا لے فرمایا کہ دُنیا کو دشمن بنا لو تو اللہ تعالیٰ تمھیں اپنا دوست بنا لیں گے۔ گو کہ احادیث بہت ہیں لیکن اسی پر اکتفا کرتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اکابر اسلاف کے چند اقوال پیش کیے جاتے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نے یہ کام کر لیے اس نے جنت کی تلاش اور دوزخ سے پناہ لینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اللہ کو پہچانا اور اس کی فرمانبرداری کی شیطان کو سمجھا اور اس کی مخالفت کی حق کو پہچان کر اسے مضبوطی سے تھاما اور باطل کو سمجھ کر اس سے دستبردار ہو گیا۔ اس طرح دُنیا کو پہچان کر تو اسے ترک کیا اور آخرت کو پہچان کر اس کی تلاش میں لگ گیا۔ ایک حکیم کا کہنا ہے کہ دُنیا میں جو چیز اللہ تعالیٰ تجھے دیتے ہیں وہ تجھ سے پہلے بھی کسی کو دے چکے ہوں گے اور تیرے بعد میں کسی کو دیں گے تو ایسی چیز میں دِل لگانا چہ معنی دارد۔ صبح و شام کے کھانے کے سوا دُنیا میں تیرا کوئی حصہ نہیں اتنی سی چیز کے لیے اپنے آپ کو ہلاک نہ کر اور دُنیا میں ایسا روزہ رکھ کہ افطار آخرت میں ہو کیونکہ دُنیا کا سرمایہ ہوا و ہوس ہے اور ہاویہ دوزخ اس کا ثمر! ایک شخص نے حضرت ابو حازم رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مجھے دُنیا عزیز ہے کیا طریقہ اختیار کروں کہ وہ میرے دِل سے محو ہو جائے۔ فرمایا کہ حلال کے سوا کوئی چیز مت کھا اور صحیح مصرف پر خرچ کر کہ اتنی معمولی سی مقدار کی دوستی نقصان نہیں پہنچائے گی۔ انھوں نے یہ نصیحت اس لیے کی کہ وہ سمجھ جائے کہ ایسا کرنے سے دُنیا خود بخود اس پر منغص ہو جائے گی اور اس کے دِل میں از خود بُری معلوم ہو گی۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ دُنیا شیطان کی دکان ہے اس کی دکان سے کچھ نہ اُٹھا ورنہ خواہ

مخواہ تیرے پیچھے پڑ جائے گی۔ حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر دُنیا سونے کی ہوتی اور فانی ہوتی اور آخرت مٹی کی ہوتی لیکن باقی ہوتی تو عقلی طور پر لازم تھا کہ باقی رہنے والی چیز کو فانی پر ترجیح دے۔ حضرت ابو حازم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دُنیا سے پرہیز کرو کیونکہ میں نے سنا ہے کہ جو شخص دُنیا کو بزرگ اور محبوب جانے گا قیامت میں اسے روک کر اس کے سر پر منادی کرائی جائے گی کہ یہ وہ شخص ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حقیر جانا اِس نے اُسے بزرگ سمجھا۔ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دُنیا میں جو شخص ہے وہ مہمان ہے اور اس کے پاس جو سامان ہے وہ عاریتاً ہے۔ مہمان کا انجام یہ ہے کہ اُس نے بہرحال واپس جانا ہے اور عاریت کا انجام لوٹانا ہے۔ حضرت لقمانؑ نے اپنے صاحبزادے کو نصیحت کی کہ دُنیا آخرت کے بدلے بیچ ڈالو تاکہ دونوں کا فائدہ اُٹھا سکو اور آخرت کو دُنیا کے بدلے بیچو گے تو دونوں کا نقصان ہو گا۔ حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخلوق کے پاس بھیجا تو شیطان کا لشکر اس کے پاس گیا کہ حق تعالیٰ نے ایسے رسول کو بھیجا ہے اب ہم کیا کریں۔ شیطان نے پوچھا کہ وہ لوگ دُنیا کو دوست رکھتے ہیں انھوں نے کہا کہ ہاں۔ تب ابلیس نے کہا کہ پھر فکر کی ضرورت نہیں اگر بُت کو نہ پوجا تو کیا ہوا میں ان لوگوں کو اس بات پر آمادہ رکھوں گا کہ لینا دینا ناحق پر کریں اور جو بچائیں وہ بھی ناحق طریق سے بچائیں اور شر اور فساد کی بنیاد یہی چیز ہے۔

حضرت فضیل رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ حلال طریق سے ساری دُنیا مجھے دے دے تو جس طرح تم مردار سے پرہیز کرتے ہو اس طرح میں اس سے پرہیز کروں گا۔ حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ شام کے گورنر تھے۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب وہاں پہنچے تو ان کے گھر میں کوئی چیز نہ تھی بس ایک تلوار ایک ڈھال اور ایک رحل (گویا جنگ کی ضروریات) پوچھا کہ تمھارے گھر میں ضروری چیزیں تک نہیں۔ انھوں نے کہا کہ جہاں مجھے جانا ہے یعنی قبر میں وہاں یہی کافی ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ وہ دن آیا ہے جس دن وہ شخص مرے گا جس کی موت سب سے اخیر میں لکھی ہے۔ خلیفہ نے جواب دیا کہ وہ دن آیا جانیں جس دن آپ کہیں گے کہ دُنیا گویا آئی ہی نہیں۔ کسی بزرگ کا قول ہے کہ موت کو حق جاننے والے پر تعجب ہے کہ وہ کیونکر خوش ہوتا ہے اور دوزخ کو حق جاننے والے پر تعجب ہے کہ وہ کیسے ہنستا ہے اور جو شخص یہ دیکھتا ہے کہ دُنیا کسی کے پاس نہیں ٹھہرتی۔ اس پر تعجب ہے کہ پھر اس سے کس طرح دل لگا لیتا ہے اور تقدیر کو حق جان کر پھر دُنیا میں مشغول ہونے والے پر تعجب ہے۔ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ آدمی توبہ اور اطاعت کو روزانہ پیچھے ڈال دیتا ہے (حالانکہ ان میں جلدی ضروری ہے) اور سچائی کو کارِ بیکار سمجھ کر چھوڑ دیتا ہے تاکہ اس کی منفعت دوسروں کو حاصل ہو (حالانکہ اس کو اپنانا ضروری ہے) حضرت ابو حازم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دُنیا میں ایسی کوئی چیز نہیں جو خوشی کا سبب ہو اور نہ ہی ایسی کوئی چیز ہے جو غمی کا باعث بنے۔ صاف خوشی اللہ تعالیٰ نے دُنیا میں پیدا ہی نہیں کی (وہ آخرت میں نصیب ہو گی)۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو شخص دُنیا سے رخصت ہوتا ہے تو مرتے وقت تین حسرتیں اس کو پریشان کرتی ہیں ایک تو یہ کہ جو کچھ جمع کیا تھا سیر ہو کر اسے کھا نہ سکا اور جو امیدیں تھی وہ پوری نہ ہوئیں اور آخرت کی تیاری جیسے چاہیے تھی ویسے نہ کی۔ حضرت محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ساری عمر روزانہ روزے رکھے اور رات بھر نماز پڑھے اور حج و جہاد کرے اور تمام حرام چیزوں سے پرہیز کرے لیکن دُنیا کو بڑی چیز جانتا ہو تو قیامت میں اس کو کہا جائے گا کہ یہ وہ شخص ہے جس نے

اس چیز کو بڑا مانا جس کو اللہ تعالیٰ نے حقیر فرمایا تھا پھر اس شخص کا کیا حال ہو گا؟ جب کہ ہم میں سے ہر شخص کا حال یہ ہے کہ اس کے گناہ بھی بہت ہیں اور فرائض میں کوتاہی بھی ہے

ع بگیرتم کہ سرانجام ماہ خواہد بود۔

اور بزرگوں نے کہا ہے کہ دُنیا ایک ویران سرائے ہے اور اس شخص کا دل اس سے بھی زیادہ ویران ہے جو دُنیا کی طلب میں مشغول ہے اور جنت ایک آباد سرائے ہے اور وہ دِل اس سے بھی زیادہ آباد ہے جو اس کی طلب میں مشغول ہے۔ حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص سے پوچھا کہ تم نیند میں درم کو دوست رکھتے ہو یا جاگتے میں دینار کو۔ اس نے کہا کہ جاگتے میں دینار کو۔ فرمایا کہ تم جھوٹ کہتے ہو کیونکہ دُنیا تو بذات خود خواب ہے اور آخرت جاگنے کی مانند ہے اور جو کچھ دُنیا میں ہے تم اس کو دوست رکھتے ہو۔ حضرت یحییٰ بن معاذ قدس سرہٗ کہتے ہیں کہ عقلمند وہ ہے جو تین کام کرے دُنیا سے تو دست بردار ہو جائے اس سے پہلے کہ دُنیا خود اس سے دست بردار ہو اور قبر میں جانے سے پہلے قبر کی تعمیر کرے اور اللہ تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہونے سے قبل اس کی خوشنودی کا سامان مہیا کرے اور فرمایا کہ دُنیا کی بدبختی اس درجہ ہے کہ اس کی آرزو اللہ تعالیٰ سے غافل کر دیتی ہے پھر جسے دُنیا حاصل ہو گئی اس کا کیا ٹھکانہ؟ حضرت بکر بن عبداللہ قدس سرہ' کہتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہے کہ دُنیا داری اور دُنیا سے بے پروائی اور بے نیازی اکٹھی ہو جائیں اس کی مثال اس احمق جیسی ہے جو آگ بجھانے کی فکر بھی کرتا ہے لیکن اس میں سوکھی لکڑیاں بھی ڈالے چلا جا رہا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دُنیا چھ چیزوں کا نام ہے۔ کھانا' پینا' پہننا' سونگھنا' سوار ہونا اور نکاح کرنا۔ کھانے میں سب سے بہتر شہد ہے وہ مکھی کے مُنہ سے نکلتا ہے۔ پینے میں سب سے بہتر پانی ہے اس میں تمام جہان برابر ہے۔ پہننے میں ریشم سب سے اچھا اور اس کا مادہ کیڑا' سونگھنے میں سب سے بہتر مشک جو ہرن کا خون ہے۔ سواری کے اعتبار سے گھوڑا خوب تر لیکن اس کی پشت پر سوار ہو کر سب کو قتل کرتے ہیں اور شہوات میں سب سے بڑھ کر عورت کی خواہش ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ شرمگاہیں آپس میں ملتی ہیں عورت میں جو چیز بہتر ہے یعنی چہرہ وہ اسے سنوارتی ہے اور جو بد تر ہے شرمگاہ تو اسے تلاش کرتا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں اے مُسلمانو! اللہ تعالیٰ نے تمھیں ایک کام کے واسطے پیدا کیا اگر تم ایمان نہ رکھو گے تو کافر ہو جاؤ گے اور اگر ایمان رکھ کر اسے آسان جانتے ہو تو احمق ہو اللہ نے تم کو ہمیشہ رہنے کی خاطر پیدا کیا ہے لیکن ایک سرا سے دوسرے سرا میں لے جائے گا۔

دُنیائے بد کی حقیقت

اسلام و مُسلمانی کے سلسلہ میں ایک فصل بیان ہو چکی ہے یہاں اتنا جاننا ضروری ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دُنیا خود بھی ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی ملعون ہے اِلاّ یہ کہ وہ چیز جو اللہ کے لیے ہو۔ اس لیے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ اللہ کے لیے کونسی چیز ہے جو مذموم نہیں تو سمجھنا چاہیے کہ جو کچھ دُنیا میں ہے اس کی تین اقسام ہیں ایک قسم تو ان اشیاء پر مشتمل ہے جن کا ظاہر و باطن دونوں ہی دُنیا سے متعلق ہیں وہ چیزیں اللہ کے لیے ہو ہی نہیں سکتیں کیونکہ ان کا تعلق گناہوں سے ہے اور گناہ کے کام نیت و ارادہ کی وجہ سے درست و صحیح نہیں ہو جاتے۔

مباح اشیاء میں عیش و عشرت اسی قبیل سے ہے کیونکہ وہ محض دُنیا ہے اور تکبر و غفلت کا تخم اور تمام گناہوں کا سرمایہ ہے۔ دوسری قسم ان اشیاء کی ہے جو صورۃً تو اللہ کے لیے ہے لیکن ایس ہو سکتا ہے کہ وہ نیت کے فتور کے سبب دُنیا کے قبیل سے ہو جائیں یہ تین چیزیں ہیں' ذکر' فکر اور خواہشات سے احتراز۔ یہ تین چیزیں اگر اللہ تعالیٰ اور آخرت کی محبّت کے سبب ہوں تو دُنیا میں ہونے کے باوجود اللہ کے لیے ہیں۔ اگر فکر سے عِلم کی طلب مقصود ہو تاکہ اس کے ذریعہ مقبولیت اور مرتبہ حاصل ہو یا ذکر سے یہ مقصد ہو کہ لوگ پارسا سمجھیں اور خواہشات سے احتراز سے مقصد یہ ہو کہ لوگ زاہد جانیں تو پھر یہ چیزیں مذموم و ملعون ہو جائیں گی گو کہ صورت سے ایسی ہی معلوم ہوتی ہیں کہ اللہ کے لیے ہوں۔

تیسری قسم ان اشیاء پر مشتمل ہے جو بظاہر تو حظ نفس کے لیے ہوتی ہیں لیکن ممکن ہے کہ ارادہ اور نیت سے وہ اللہ کے لیے ہو جائیں جیسے کھانا جب اس سے مقصد عبادت کے لیے قوت حاصل کرنی ہو اور نکاح جب اس سے نسل آدم بڑھانا مقصود ہو یا قناعت کی حد تک مال کی تلاش کہ اس سے فارغ البالی نصیب ہو تو پھر صحیح ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص دُنیا کو لاف و گزاف اور تفاخر کی خاطر تلاش کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر غضبناک ہو گا اور اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ مخلوق سے بے نیازی حاصل ہو جائے تو صُبح قیامت میں اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا ہو گا تو دُنیا وہ ہے جس میں حظ نفس ہو اور آخرت کا اس سے کوئی تعلق نہیں اور جو چیز آخرت کے لیے ہو تو وہ دُنیا نہیں رہتی جیسے حج کے سفر میں سواری کہ یہ حکم قرآنی ﴿ تَزَوَّدُوْا ﴾ (زادِ راہ کا انتظام کرو) کے ضمن میں آتی ہے جن چیزوں کا تعلق دُنیا سے ہے اللہ تعالیٰ نے انھیں ﴿ هَوٰى ﴾ سے تعبیر فرمایا۔ سورۂ نازعات میں ہے :

﴿ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِىَ الْمَاْوٰى ﴾

"جس نے اپنے آپ کو خواہشات سے بچایا اس کا ٹھکانہ جنت ہے"

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے تمام دُنیا کو پانچ چیزوں میں جمع کیا ہے ارشادِ باری ہے :

﴿ اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِيْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌ بَيْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِى الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ﴾ (الحدید)

"دُنیا کی زندگی کھیل کود اور زینت اور باہمی تفاخر اور مال و اولاد کے معاملہ میں کثرت کی خواہش کے سوا کچھ نہیں"

جن چیزوں میں یہ پانچوں چیزیں جمع ہیں ان کا ذکر سورۂ آلِ عمران میں ہے ﴿ زُيِّنَ لِلنَّاسِ ﴾ یعنی مخلوق کے دِل میں ان چیزوں کی مُحبّت کو آراستہ کر دیا گیا ہے۔ بیوی' بچّے اور سونے چاندی کے ڈھیر' گھوڑے' چوپائے اور کھیتی۔ آخر میں فرمایا : ﴿ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ یہ صرف دُنیا کی متاع ہے۔ ان تمام چیزوں میں سے جو چیز آخرت کے کام کے واسطے ہے وہ بھی آخرت کے حکم میں ہے ضرورت سے زیادہ دُنیوی سامان کا اہتمام آخرت سے نہیں بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ دُنیا کے تین درجے ہیں۔ ضرورت کے مطابق کھانا پینا اور مکان۔ اس سے جو زائد ہے وہ زیب و زینت اور عیش و تنعم میں شامل ہے جس نے ضرورت کی حد تک قناعت کی وہ سیدھا جنت میں گیا اور جو اس سے بڑھا وہ دوزخ کا ایندھن بنے گا جس شخص نے حوائج ضروریہ پر اقتصار کیا وہ خطرہ سے خالی نہیں کیونکہ حاجت کے دو کنارے ہیں ایک ضرورت کے نزدیک ہے اور دوسرا تنعم کے نزدیک۔ ان دونوں کے درمیان دو کنارے ہیں اور جنھیں جدوجہد سے حاصل کیا جا

سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ انسان کو جس چیز کی حاجت نہیں وہ اسے حاجت میں شمار کرے اور حساب کے دن خطرہ کا شکار ہو جائے۔ اہل احتیاط نے اس لیے ضرورت پر قناعت کی ہے اس قناعت میں حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ سب لوگوں کے امام و پیشوا ہیں کہ انھوں نے دُنیا سے ایسی کنارہ کشی کر رکھی تھی کہ لوگ انھیں دیوانہ کہتے تھے اور سال سال دو دو سال ان کی شکل نہیں دیکھ پاتے تھے۔ فجر کی اذان کے وقت باہر چلے جاتے اور عشاء کے بعد واپس آتے۔ راستہ میں کھجور کی گھٹلیاں چُن چُن کر کھاتے اگر ضرورت کے مطابق کھجور مل جاتی تو فبہا ورنہ گٹھلیوں سے ہی روزہ افطار کرتے۔ چیتھڑے چُن چُن کر صاف کر کے لباس بنا لیتے لڑکے پتھر مارتے کہ یہ شخص دیوانہ ہے وہ فرماتے کہ میاں چھوٹے چھوٹے پتھر مارو تاکہ میں وضو اور نماز سے معذور نہ ہو جاؤں۔ یہی سبب تھا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نہ دیکھنے کے باوجود ان کی تعریف فرماتے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ان کے متعلق وصیت کی جب امیر المؤمنین منبر پر تھے تو اہل عراق کو دیکھا اور فرمایا کہ عراقی حضرات کھڑے ہو جائیں اور جو کوفی ہیں وہ بیٹھ جائیں۔ پھر فرمایا کہ جو قرن کے رہنے والے نہ ہوں وہ بھی بیٹھ جائیں ایک شخص کھڑا رہ گیا آپ نے پوچھا کہ تم قرن کے باشندے ہو۔ اُس نے کہا ہاں۔ آپؓ نے پوچھا کہ اویس قرنی کو جانتے ہو اُس نے کہا جانتا ہوں وہ تو اتنا حقیر شخص ہے کہ اس کی بات کرنا بھی مناسب نہیں۔ ہم میں اس سے زیادہ احمق 'دیوانہ' محتاج اور ناقص آدمی کوئی نہیں۔ حضرت عمرؓ نے سنا تو رو دیئے اور فرمایا کہ مجھے ان کی اس لیے تلاش ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ قبیلہ ربیعہ اور مضر کے برابر لوگ ان کی شفاعت سے جنت میں جائیں گے۔ یہ دونوں قبیلے اپنے افراد کی کثرت کے باعث بہت معروف تھے۔ حضرت ہرم بن حبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ سنا تو کوفہ گیا اور انھیں تلاش کیا وہ مجھے فرات کے کنارے کپڑے دھوتے ہوئے اور وضو کرتے ہوئے ملے چونکہ ان کی تعریف سن چکا تھا اس لیے قریب ہو کر سلام کیا انھوں نے جواب دیا اور مجھے دیکھا میں نے چاہا کہ ان کا ہاتھ پکڑ لوں لیکن ایسا ممکن نہ ہو سکا میں نے کہا رَحِمَكَ اللّٰهُ يَا اُوَيْسُ وَغَفَرَلَكَ مجھے اُن کی بے کسی اور غریبی پر رونا آگیا تو وہ بھی رونے لگے اور کہا حَيَّاكَ اللّٰهُ يَا هَرَمُ بن حَبَان (اللہ تمھیں خوش رکھے اے ہرم) میرے بھائی تم کیسے ہو میرا پتہ تمھیں کس نے بتایا۔ میں نے پوچھا کہ آپ کو میرا اور میرے والد کا نام کیسے معلوم ہوا۔ انھوں نے کہا ﴿ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴾ (مجھے علیم و خبیر نے بتایا) میری رُوح نے تمھاری رُوح کو پہچان لیا کیونکہ مُسلمانوں کی روحیں ایک دوسرے سے مناسبت رکھتی ہیں۔ میں نے کہا کہ حضور علیہ السلام کی کوئی روایت بیان فرمائیں تاکہ آپ کی یادگار رہے۔ انھوں نے کہا کہ میرا سب کچھ اللہ کے نبی پر قربان ہو میں آپ کی قدم بوسی کا شرف حاصل نہیں کر سکا میں نے آپ کے ارشادات دوسروں سے سنے ہیں میں راوی نہیں بننا چاہتا اور نہ ہی محدث و مفتی اور واعظ کہلانے کا شائق ہوں۔ میرا شغل ہے کہ میں ان مشاغل میں وقت نہیں لگا سکتا میں نے قرآن شریف سنانے کی فرمائش کی اور دُعا و نصیحت کی درخواست کی کیونکہ میں انھیں بہت محبوب رکھتا تھا تو انھوں نے وہیں فرات کے کنارے میرا ہاتھ پکڑ کر تعوذ پڑھا اور پھر رونے لگے اس کے بعد فرمایا کہ میرا مالک یوں ارشاد فرماتا ہے اور اس کا کلام حق اور سچا ہے پھر یہ آیات پڑھیں :

﴿ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ مَا خَلَقْنٰهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ مِيْقَاتُهُمْ اَجْمَعِيْنَ يَوْمَ لَا يُغْنِيْ مَوْلًى عَنْ مَوْلًى شَيْئًا وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ○ اِلَّا

مَنْ رَّحِمَ اللّٰهُ اِنَّهٗ هُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ﴾ (الدخان)

"اور ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے اس کو اس طور نہیں بنایا کہ ہم کوئی عبث فعل کرنے والے تھے۔ ہم نے ان دونوں کو نہیں بنایا مگر کمال حکمت کے ساتھ لیکن ان میں سے اکثر لوگ نہیں سمجھتے یقیناً وہ فیصلے والا دن ان سب لوگوں کے وعدے کا وقت ہے جس دن کوئی اپنا کسی اپنے کے ذرا کام نہ آسکے گا اور نہ انکی مدد کی جائے گی مگر ہاں جس پر اللہ تعالیٰ مہربانی فرمادے بے شک وہی بڑا زبردست اور بڑی مہربانی کرنے والا ہے"۔ (کشف الرحمٰن)

قرآن کی یہ آیات پڑھ کر ایسی چیخ ماری کہ میں سمجھا کہ وہ بے ہوش ہو گئے اور فرمایا اے ابنِ حیان تیرا باپ مرگیا تو بھی عنقریب مرجائے گا اس کے بعد بہشت میں جائے گا یا دوزخ میں۔ تیرے دادا آدم علیہ السلام دُنیا سے رخصت ہو گئے۔ حضرت حوا مرگئیں حضرت ابراہیم خلیل اللہ، حضرت موسیٰ کلیم اللہ اور حضرت داؤد خلیفۃ اللہ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی دُنیا سے رخصت ہوئے۔ حضور علیہ السلام کے جانشین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دُنیا سے رخصت ہو گئے میرے بھائی اور دوست عمر فاروق چل بسے۔ واعمراہ۔ واہ عمراہ۔ واہ عمراہ۔ میں نے کہا اے اویس اللہ تعالیٰ آپ پر رحم کرے حضرت عمر تو ابھی زندہ ہیں۔ کہنے لگے کہ میرے رب نے مجھے خبر دی ہے کہ وہ دُنیا سے چل بسے ہیں۔ پھر فرمانے لگے کہ میرا اور تیرا انجام بھی یہی ہے پھر حضور علیہ السلام پر درود پڑھا دُعا کی اور فرمایا کہ نصیحت یہ ہے کہ کتاب اللہ اور صالحین امت کی راہ اختیار کرو اور ایک لحہ بھی موت سے غافل نہ ہو اپنی قوم کے پاس جاؤ تو ان کو نصیحت کرو اور اللہ کی مخلوق کو نصیحت کرنا نہ چھوڑو اور جماعت کی موافقت سے قدم اِدھر اُدھر نہ لے جانا ورنہ بے دین ہو جاؤ گے اور تمھیں شعور بھی نہیں ہو گا اور اس کا انجام دوزخ ہو گا۔ اور کہا اے ابنِ حیان دوبارہ نہ تو تم مجھے دیکھ سکو گے نہ میں تمھیں دیکھ سکوں گا تم مجھے دعا میں یاد رکھنا میں تمھیں دُعا میں یاد رکھوں گا تم اِدھر جاؤ میں اُدھر جاؤں گا۔ میں نے ایک لحہ کے لیے اُن کے ساتھ چلنا چاہا لیکن ایسا نہ ہو سکا وہ خود بھی رونے لگے اور مجھے بھی رُلایا میں انھیں پیچھے سے دیکھتا رہا حتیٰ کہ وہ ایک گلی میں چلے گئے پھر ان کی خبر نہ ملی۔ اے بھائی جن لوگوں نے دُنیا کے نقصانات کو پہچانا ان کی سیرت ایسی ہی ہوتی ہے اور انبیاء علیہم السلام و اولیاء رحمہم اللہ کی یہی راہ ہے۔ یہی لوگ محتاط اور عافیت اندیش ہیں اگر ایسا ممکن نہ ہو تو کم از کم بقدرِ حاجت پر اقتصاد کی عادت ڈال لے اور عیش و تنعم کی راہ سے بالکل بچ تا کہ تو خطرہ میں نہ پڑ جائے۔ اس قدر دُنیا کے حالات کافی ہیں باقی تو ہم بیان کر چکے۔ واللہ اعلم۔

فصل ۶ : حُبِ مال کا علاج نیز بخل و حرص کے نقصانات اور سخاوت کے فوائد

دُنیا کی ریاضت شاخوں میں سے ایک مال و نعمت اور ایک جاہ و حشمت ہے لیکن جہاں تک مال کا تعلق ہے وہ عظیم فتنہ کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا اَدْرٰكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعَامٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ﴾ (البلد)

"پس نہیں بیٹھا بیچ گھاٹی کے اور کیا جانے تو کیا ہے گھاٹی چھڑا دینا گردن کا یا کھانا کھلانا بیچ دن بھوک والے کے"

اور اس سے بڑھ کر کوئی گھاٹی نہیں کہ اس سے چارہ بھی نہیں اور یہ موجب عیش و عشرت بھی ہے اور زاد آخرت بھی اس لیے کہ انسان کو خوراک لباس اور گھر کی بہرحال ضرورت ہے یہ چیزیں مال ہی سے ہاتھ آتی ہیں اور یہ نہ ملے تو صبر نہیں آتا اور آدمی حاصل کرے تو سلامتی خطرہ میں ہے اگر یہ میسر نہ ہو تو محتاجی کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس سے کفر تک کا خطرہ ہے اور اگر میسر ہو تو آدمی فارغ البال ہوتا ہے لیکن اس میں غرور کا بھی خطرہ ہے۔ فقیر دو حال سے خالی نہیں یا تو حریص ہو گا یا قناعت پسند۔ قناعت اچھی صفت ہے اور حرص کی دو شکلیں ہیں لوگوں سے طمع رکھنا اور اپنے ہاتھ سے کام کرنا اور یہ دوسری شکل محمود ہے پہلی مذموم۔ اسی طرح تونگر آدمی یا بخیل ہو گا یا سخی۔ بخل تو بہرحال بُرا ہے اور جہاں تک دوسری کا تعلق ہے اس میں اسراف اور میانہ روی کی دونوں شکلیں ہوتی ہیں جن میں سے ایک بہرحال بُری ہے لیکن دونوں کا آپس میں گہرا تعلق ہے اس لیے اس کی پہچان اور امتیاز ضروری ہے الغرض مال کے نقصان بھی ہیں اور فائدے بھی' اس لیے دونوں کا پہچاننا ضروری ہے تاکہ لوگ نقصان سے بچیں اور فائدہ حاصل کریں۔

حُب مال کی کراہت : اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخَاسِرُوْنَ ﴾

(منافقون)

"نہ غافل کریں تم کو مال تمھارے اور نہ اولاد تمھاری یادِ خُدا سے اور جو کوئی کرے یہ کام' پس یہ لوگ وہی ہیں ٹوٹا پانے والے۔"

حضور علیہ السلام نے فرمایا حب جاہ و مال دِل میں نفاق کو اس طرح اُگاتی ہے جس طرح پانی سبزے کو اُگاتا ہے اور فرمایا کہ دو بھوکے بھیڑیئے بکریوں کے ریوڑ میں اس طرح تباہی نہیں پیدا کرتے جس طرح جاہ و مال کی محبت انسان کے دین کو غارت کرتی ہے۔ لوگوں نے اُمت کے سب سے بدتر افراد کے متعلق سوال کیا تو فرمایا کہ امراء اور ارشاد ہوا کہ میرے بعد ایک قوم پیدا ہو گی جو قسم قسم کے مزیدار کھانے کھائے گی اور طرح طرح کے عمدہ لباس پہنے گی اور خوبصورت عورتوں پر لٹو ہو گی اور بیش قیمت سواریوں کا اہتمام کرے گی (حدیث میں گھوڑے کا لفظ ہے جس کا مفہوم ہم نے سواریوں سے ادا کیا ہے) تھوڑی چیز سے ان کا پیٹ نہیں بھرے گا بہت پر بھی قناعت نہیں کریں گے' ان کی تمام تر جدوجہد دُنیا کی طلب میں خرچ ہو گی دُنیا کو معبود بنالیں گے اور سب کچھ اسی کی خاطر کریں گے میں جو محمدؐ ہوں میرا تمھیں حکم ہے کہ تمھاری اولاد میں سے جو شخص ایسے لوگوں سے ملے اسے نہ تو سلام کرے نہ ان کی بیمار پرسی کو جائے نہ جنازے میں شریک ہو اور نہ ہی ان کے بڑوں کا احترام کرے جس کسی نے ایسا کیا وہ اسلام کی ویرانی میں ان کا یار و مددگار ہو گا۔ آپ نے فرمایا کہ دُنیا کو دُنیا داروں کی خاطر چھوڑ دو کیونکہ بقدرِ ضرورت سے زیادہ لینے والے کے لیے یہ ہلاکت کا باعث ہے اور اسے اس کا شعور بھی نہیں ہو گا۔ فرمایا کہ آدمی ہمیشہ کہتا ہے کہ میرا مال' حالانکہ اس کے سوا تیرا کچھ نہیں کہ کھا کر فضلہ بنا دے پہن کر بوسیدہ کر دے اور صدقہ دے کر ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ کیا وجہ ہے کہ میں سامانِ مرگ نہیں رکھتا۔ پوچھا کہ تمھارے پاس مال ہے اس نے عرض کیا جی ہاں فرمایا کہ پہلے اسے آگے بھیج دو یعنی خیرات کر دو اس لیے کہ آدمی کا دِل تو مال میں مشغول رہتا ہے اگر چھوڑتا ہے تو مشکل لیتا ہے تو مشکل

اور فرمایا کہ آدمی کے تین دوست ہیں ایک تو وہ جو اس کے ساتھ مرتے دَم تک وفا کرے اور ایک قبر تک اور تیسرا قیامت تک وفا کرتا ہے مرتے دم تک وفا کرنے والا مال ہے قبر تک عزیز و اقارب ہیں اور قیامت تک کے ساتھی اعمال ہیں۔ فرمایا کہ جب آدمی مرتا ہے تو دُنیا کہتی ہے کہ کیا چھوڑ کر مرا جبکہ فرشتے کہتے ہیں کہ آگے کیا بھیجا اور فرمایا کہ سلطنت اور زمینداری سے بچو کہ یہ چیزیں دُنیا کی محبّت کا باعث ہیں۔

حواریین نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ کیا وجہ ہے کہ آپ تو پانی پر چل سکتے ہیں اور ہم نہیں چل سکتے۔ آپ نے پوچھا کہ تمھارے نزدیک سونے چاندی کی کیا حیثیت ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں محبوب ہیں۔ فرمایا کہ میرے نزدیک یہ مٹی کے برابر ہیں۔ ایک شخص نے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو ستایا انھوں نے دُعا کی کہ اے اللہ اس کو تندرستی' لمبی عمر اور بہت مال عنایت فرما۔ انھوں نے اس دُعا کو سب دعاؤں سے بدتر جانا تب کی کیونکہ جسے یہ چیزیں عطا ہوتی ہیں وہ خواہ مخواہ غفلت و غرور کا شکار ہو کر آخرت سے غافل ہو جاتا ہے اور یہ غفلت اسے ہلاک کر دیتی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک درم ہتھیلی پر رکھ کر فرمایا کہ تو وہ چیز ہے کہ جب تک میری ہتھیلی سے نکل نہ جائے مجھے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ بخدا جو سونے چاندی کو عزیز رکھے گا اللہ تعالیٰ اسے خوار و ذلیل کریں گے۔ ایک روایت ہے کہ لوگوں نے پہلے پہل درم و دینار بنائے تو شیطان انھیں اچک کر لے گیا اور اپنی آنکھوں پر مل کر بوسہ دیا اور کہا کہ جو تمھیں دوست رکھے گا سچ یہ ہے کہ وہ میرا بندہ نہ ہو گا۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ درہم و دینار بچھو ہیں۔ بچھو کے زہر کا علاج سیکھے بغیر اسے استعمال لانا ہلاکت کا باعث ہے۔ لوگوں نے جب اس کا علاج (یعنی جھاڑ پھونک) پوچھا تو فرمایا کہ حلال آمدنی سے ہو اور خرچ بے جا نہ ہو۔ مسلمہ بن عبدالملک حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ان کی وفات کے وقت گئے تو کہا کہ آپ نے ایسا کام کیا ہے جو ہم میں سے کسی نے نہیں کیا۔ آپ کے تیرہ بیٹے ہیں اور ایک درم محفوظ نہیں۔ انھوں نے کہا کہ مجھے ذرا بٹھا دو لوگوں نے جو بٹھایا تو فرمایا کہ میں نے ان کا حق کسی کو نہیں دیا اور نہ کسی کا حق انھیں دیا ہے میرا بیٹا یا تو قابل اور اللہ کا مطیع ہو گا یا اس کے برعکس۔ جو مطیع و قابل ہو گا اس کے لیے اللہ کافی ہے اور جو اس کے برعکس ہو گا وہ کسی حال میں ہو مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ حضرت محمّد بن کعب العرضی رحمۃ اللہ علیہ کو بہت سا مال مل گیا لوگوں نے کہا کہ اسے اپنی اولاد کے لیے چھوڑ دو۔ فرمانے لگے کہ اس کو اپنے رب کے پاس چھوڑوں گا اور اولاد کا کفیل اللہ میاں کو بناؤں گا تاکہ اللہ تعالیٰ انھیں اچھے حال میں رکھے۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مالدار آدمی مرتا ہے تو اس پر دو مصیبتیں مسلط ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ اس سے سارا مال چھین لیا جاتا ہے دوسرا یہ کہ سارے مال کا اسے حساب دینا ہوتا ہے۔

فصل: مال کئی وجوہ سے بُرا ہے تو ایک وجہ سے اچھا بھی ہے اس میں خیر و شر کے دونوں پہلو ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿اِنْ تَرَكَ خَيْرًا﴾ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ پہلے آدمی کے لیے حلال مال اچھی چیز ہے لیکن اُدھر فقر و فاقہ کفر کا باعث بھی بن سکتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جو ایک ایک ٹکڑے کا محتاج ہو اور اس کے اہل و عیال بُرے حال میں وقت گزارتے ہوں تو وہ جب دُنیا میں عیش و تنعم دیکھتا ہے تو شیطان اسے بہکاتا ہے کہ معاذ اللہ یہ کیا اللہ کے عدل ہے کہ اُس نے دولت کو بغیر کسی قرینہ کے تقسیم کیا ہے کہ فاسق کے پاس تو اتنا مال ہے کہ اسے اپنے مال کا اندازہ بھی نہیں

اسے معلوم نہیں کہ اس کو کہاں خرچ کروں وہ بیچاروں کو بھوکا مارتا ہے اور ایک درم نہیں دیتا اگر اللہ میاں میری حاجت و ضرورت سے واقف نہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کا عِلم ناقص ہے اور اگر جانتا ہے اور اسے نہیں دے سکتا تو اس کی قدرت ناقص ہے لیکن اگر عِلم بھی اور قدرت بھی ہو اور پھر نہیں دیتا تو اس کی رحمت کس کام کی اور اگر آخرت کے ثواب کی خاطر نہیں دیتا تو یہ کیا بات ہے۔ وہ بغیر فقر و فاقہ میں ثواب دے سکتا ہے اور نہیں دیتا تو گویا قادر نہیں یا کامل کم از کم نہیں۔ اور ان تمام باتوں کا یقین کرنا کہ وہ رحیم و جواد اور کریم ہے اور اس کا خزانہ تو نعمتوں سے پر ہے لیکن لوگوں کو مبتلائے رنج رکھتا ہے اور کسی مصلحت سے نہیں دیتا تو یہ دشوار ہے۔ یہاں شیطان وسوسہ میں مبتلا کر کے تقدیر کے مسئلہ میں اُلجھاتا ہے حالانکہ اس کا راز سبھی پر پوشیدہ ہے اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ فاقہ کش آدمی آسمان اور زمانے کو گالیاں دینے لگے اور یہ کہہ بیٹھے کہ آسمان احمق ہو گیا اور زمانہ اُلٹ کر غیر مستحقوں کو دیئے چلا جا رہا ہے اور مستحقوں کی فکر نہیں۔ اگر اس سے کہا جائے کہ آسمان و زمانہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تابع ہیں اور وہ کہہ دے کہ ایسا نہیں تو کافر ہو جائے گا اور اگر مذاق و تمسخر سے کہے کہ ہاں یہاں واقعی تابع ہے تو بھی کفر ہے۔ اس لیے کہ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے ((لا تسبو الدھر فان اللہ ھو الدھر)) کہ زمانے کو گالی نہ دو کہ اللہ میاں ہی زمانہ ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے کام جس کے حوالہ کر کے اسے زمانہ کا نام دیتے ہو وہ تو اللہ ہی کی تو ذات ہے تو گویا مفلسی سے کفر کی بو آتی ہے۔ ہاں جس کا ایمان مضبوط ہے اور وہ مفلسی میں بھی اللہ سے راضی ہے اور اس میں خیر سمجھتا ہے تو اس کا معاملہ جدا ہے لیکن چونکہ اکثر آدمی اس مرتبہ اور فہم کے مالک نہیں ہوتے اس لیے بقدرِ ضرورت مال کا ہونا ہی بہتر ہے اس لیے کہ وہ ایک اچھی چیز ہے اور دوسری بات ہے کہ اُخروی سعادت و نجات سبھی بزرگوں کا مقصود ہے اور اس سعادت کا حصول تین طرح کی نعمتوں کے بغیر مشکل ہے ایک کا تعلق اپنے نفس سے ہے جیسے عِلم اور حسن اخلاق وغیرہ ایک کا تعلق بدن سے ہے جیسے صحت و سلامتی وغیرہ اور ایک بدن سے باہر ہے وہ بقدرِ ضرورت مال ہے تیسری قسم کی نعمت بہت خسیس ہے اور مال میں حقیر تر سونا اور چاندی ہے جس میں فی نفسہٖ کوئی فائدہ نہیں۔ ہاں چونکہ وہ روٹی کپڑے ضروریات کے لیے ہے اس لیے اچھا ہے یہ چیزیں بدن کی سلامتی کے لیے اور بدن حواس کی بہتری کی خاطر اور حواس صیاد و عقل کا پھندا بننے کے لیے اور عقل اس لیے ہے کہ دِل کا چراغ روشن ہو اور انسان تجلی الٰہی کو دیکھ سکے اور معرفتِ الٰہی حاصل کر سکے۔ اللہ کی معرفت ہی سعادت کا بیج ہے اس لیے کہ سب کی غایت تو اللہ ہے جو اوّل بھی ہے اور آخر بھی اور سب کی ہستی کا سبب بھی وہی ہے جس نے یہ حقائق جان لیے وہ دُنیوی مال میں سے اتنی مقدار کے ساتھ تعلق رکھے گا جو اس راہ میں کام آئے اور باقی کو زہر قاتل تصور کرے گا۔

دُنیا کا مال اچھے آدمی کے واسطے اچھا ہے اس لیے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے اللہ آلِ محمدؐ کو بقدرِ کفایت روزی دے اس لیے کہ آپ سمجھتے تھے کہ زیادہ مقدار میں ہو تو اس میں ہلاکت کی بو ہے اور کم ہو تو کفر کی بو ہے اور کفر کی بو بھی ہلاکت کا سبب ہے جس شخص نے یہ سب کچھ جان لیا وہ مال کو دوست کبھی نہیں رکھے گا اس لیے کہ جو شخص کسی چیز کو کسی غرض کے لیے عزیز رکھتا ہے تو اس کا اصل مقصد اپنی غرض سے ہوتا ہے تو اس چیز سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا اور جو مال کو عزیز رکھتا ہے وہ اندھا اور اُلٹی کھوپڑی کا مالک ہے اُس نے مال کی حقیقت کو نہیں پہچانا۔ اس لیے کہ جناب

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دینار و درہم کا بندہ اندھا ہے اور جو شخص جس چیز کا ہو کر رہ جائے وہ پھر اس کا بندہ ہوتا ہے اور جس کی اطاعت کرتا ہے وہی اس کا معبود ہوتا ہے اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ :

﴿ وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَنْ نَعْبُدَ الْأَصْنَامَ ﴾ (ابراھیم)

"اے اللہ مجھے اور میری اولاد کو بتوں کی عبادت سے بچا"

اسلاف نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہاں بتوں سے سونا چاندی مُراد لیا ہے کیونکہ مخلوق کے اصل بُت یہی ہیں کہ سب لوگ سونا چاندی کی طرف ہی متوجہ ہیں۔ اصنام سے سونا چاندی مُراد لینے کا یہ بھی قرینہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنے منصب کے اعتبار سے اس بات سے برتر ہیں کہ انھیں بُت پرستی کا خوف ہو۔

مال کے فوائد اور اس کے نقصانات

مال سانپ کی مانند ہے کہ اس میں زہر بھی ہے اور تریاق بھی۔ جب تک زہر کو تریاق سے الگ نہ کرلیا جائے اس کا راز معلوم نہ ہو سکے گا اس لیے ہم مال کے فائدے اور نقصانات پوری وضاحت سے بیان کریں گے۔ مال کے فائدے دو طرح کے ہیں ایک تو دُنیوی جن کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں سبھی لوگ جانتے ہیں دوسرے دینی اس کی تین قسمیں ہیں :

پہلی قسم تو یہ ہے کہ آدمی مال کو عبادت اور عبادت کی ضروریات میں خرچ کرے جیسے حج اور جہاد کہ اس میں جو مال خرچ کرے گا وہ گویا عبادت میں ہی خرچ ہوا اور ضروریاتِ عبادت میں روٹی کپڑے اور دیگر ضروریات میں بقدرِ ضرورت خرچ کرنا ہے کیونکہ اس سے عبادت میں قوت اور فراغت حاصل ہوتی ہے کیونکہ جو چیزیں عبادت میں مدد و معاون ہوتی ہیں وہ چیزیں بھی عین عبادت ہیں اور جس کے پاس بقدرِ ضرورت مال نہیں ہو گا وہ سارا دن ہاتھ پاؤں کو اسی کے حصول میں لگائے رکھے گا اور عبادت جس کا خلاصہ ذکر و فکر ہے اس سے محروم رہے گا۔ عبادت کی فراغت کے لیے ضرورت کی حد تک جو مال خرچ ہو وہ عین عبادت ہی ہے اور دینی فوائد میں شمار ہونے کے قابل ہے یہ بات نیت کے ساتھ بدلتی رہتی ہے اگر راہِ آخرت کے لیے فراغت مقصود ہو تو یہ مال زادِ راہ بھی ہو گا اور راہ بھی۔ شیخ ابوالقاسم گورگانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس کچھ زمین تھی جس سے بقدرِ ضرورت سامان مہیا ہو جاتا خواجہ عبداللہ فارمدی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ ایک دن لوگ اس کا غلہ لائے شیخ نے اُس میں سے مٹھی بھر کر اُٹھایا اور فرمایا کہ میں سب متوکلوں کے توکل سے اسے بدلا نہیں کروں گا۔ یہ راز انھی پر منکشف ہوتا ہے جو مراقبہ دِل میں مشغول ہوں۔ وہ جانتے ہیں کہ اس راہ میں فارغ البالی کتنی مدد و معاون ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ مال لوگوں کو دے اس کے چار طریقے ہیں پہلا طریقہ تو صدقہ ہے جس کا دین و دُنیا میں بہت ثواب ہے کیونکہ فقراء کی دُعا کی برکت بڑی مؤثر ہوتی ہے اور جس کے پاس مال نہیں ہو گا وہ اس سے عاجز رہے گا۔ دوسرا طریقہ مروت ہے۔ دینی بھائی اگر مالدار ہوں تب بھی ان کے ساتھ نیکی کرے آپس میں ہدایا کا تبادلہ' باہمی غم خواری اور لوگوں کے حقوق کی ادائیگی ہونی چاہیے۔ یہ بات صاحب ثروت لوگ کریں تو بھی اچھی ہے کہ سخاوت کی صفت اس

سے حاصل ہوتی ہے اور سخاوت قابل تعریف خلق ہے تیسرا طریقہ یہ ہے کہ اس کے ذریعہ اپنی عزت کا تحفظ کرے مثلاً شاعر یا طامع کو دے دے کہ اگر نہیں دے گا تو وہ زُبان درازی کریں گے اور فحش بکیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس کے ذریعہ لوگ اپنی عزت بچائیں وہ صدقہ ہے کیونکہ یہ غیبت و بدگوئی کی راہ مسدود کرتا ہے اور انسان کو تشویش سے بچاتا ہے کیونکہ اگر ایسا نہ کرے گا تو ممکن ہے خود بھی بدلہ لینے پر تل جائے اور دشمنی بڑھ جائے۔ چوتھا طریقہ یہ ہے کہ ان لوگوں کی خدمت کرے جو اس کی خدمت کرتے ہیں کیونکہ جو شخص اپنے سبھی کام اپنے ہی ہاتھ سے کرے گا اس کا بہت وقت ضائع ہو گا اور جہاں تک فرض عین کا تعلق ہے تو وہ دوسرا نہیں کر سکتا مثلاً ذکر و فکر کہ وہ تو فرض عین ہے اس لیے آدمی کو خود ہی کرنا پڑے گا اور جو کام دوسرا کر سکتا ہے اس میں وقت خرچ کرنے سے افسوس ہو گا۔ اس لیے کہ عمر کم ہے اور موت قریب ہے سفر آخرت کا راستہ دُور اور طویل ہے اس کے لیے زادِ راہ کا اہتمام از بس ضروری ہے ایک ایک سانس کو غنیمت سمجھنا چاہیے جس کام سے انسان بچ سکتا ہے اس میں وقت خرچ کرنا مناسب نہیں اور وقت کا بچاؤ مال خرچ کیے بغیر ممکن نہیں۔ کیونکہ مال خدمت گزاروں کو دے گا تو وہ کام آئیں گے اور اسے محنت سے بچائیں گے اور سبھی کام اپنے ہاتھ سے کرنا اگرچہ باعث ثواب ہے لیکن یہ وہ کر سکے گا جو بدن سے عبادت کرے نہ کہ دِل سے لیکن جو شخص کامل دِل والا ہے اور ذکر و فکر کی لیاقت رکھتا ہے اس کے کام دوسروں کو کرنے چاہئیں تاکہ جو کام بدنی عبادت سے بہتر ہیں اس میں اسے فراغت حاصل ہو۔ تیسری قسم یہ ہے کہ کسی کو معین کیے بغیر عام خیرات کرے جیسے پل' سرائے' مسجد' ڈسپنسری فقراء کے لیے وقف وغیرہ کہ یہ چیزیں عام خیرات کی مد میں آتی ہیں اور ان کا فائدہ بہت دنوں تک چلتا ہے اور اُن کے سبب دعائیں اور برکتیں کرنے والے کے نامۂ عمل میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ یہ چیزیں بھی مال کے بغیر ممکن نہیں۔

دین میں مال کے یہی فائدے ہیں دُنیوی فائدے تو وہ پوشیدہ نہیں کہ انسان مال کے سبب معزز و مکرم کہلاتا ہے اللہ کی مخلوق اس کی حاجت مند ہوتی ہے اور یہ مخلوق سے بے پروا ہوتا ہے بہت سے بھائی اور دوست بنا سکتا ہے ایسا شخص سب کی نظروں میں محبوب ہوتا ہے وغیرہ ذالک

مال کے نقصانات

بعض نقصانات تو دُنیوی ہیں اور بعض دینی' نقصانات کی تین قسمیں ہیں ایک تو یہ کہ فسق و معصیت کا راستہ انسان پر مال ہی آسان کرتا ہے اور دِلی خواہشیں معصیت کا تقاضا کرتی ہیں لیکن عاجزی اور مفلسی' عصمت اور پارسائی کا ایک سبب ہے جب مال کی بدولت انسان کو قدرت حاصل ہو گئی تو اگر گناہ میں مبتلا ہوا تو تباہ ہو جائے گا اور اگر صبر کرے گا تو رنج و مصیبت کا شکار ہو گا کیونکہ قدرت کی شکل میں صبر مشکل ہوتا ہے۔

دوسرا نقصان یہ ہے کہ مالدار آدمی دین میں مضبوط ہو اور اپنے آپ کو گناہوں سے بچا بھی سکتا ہو تو عیش و عشرت کے وہ سامان جو مباح ہیں ان سے اپنے آپ کو بہرحال نہیں بچا سکے گا ایسا شخص کون ہو گا جو طاقت کے باوجود جو کی روٹی کھائے اور بوسیدہ کپڑے پہنے ہر کوئی حضرت سلیمان علیہ السلام نہیں ہوتا کہ بادشاہ ہو کر ایسا کرے۔ جونہی آدمی عیش و عشرت

میں پڑتا ہے تو پھر اس کا بدن ان چیزوں کا عادی ہو جاتا ہے اور اس کے لیے اس کے بعد صبر مشکل ہوتا ہے وہ اس دُنیا کو جنت سمجھتا ہے اور موت سے نفرت ہو جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ عیش و عشرت کا سامان سدا حلال مال سے نصیب نہیں ہوتا۔ جب حلال مال نہیں ہوتا تو پھر آدمی مشتبہ مال میں پڑ جاتا ہے اور ایسا مال بادشاہوں اور ان کے مقربین کی مدد کے بغیر حاصل نہیں ہوتا تو آدمی چکنی چپڑی باتیں بنا کر اور جھوٹ و نفاق کے ذریعہ قربِ شاہ حاصل کرتا ہے اور جب قرب حاصل ہو جاتا ہے تو پھر یہ اندیشہ ہوتا ہے کہ ہم سے خوش رہے گا یا نہیں اس کے قرب کی شکل میں حاسد پیدا ہو جاتے ہیں اور دشمن بن کر در پے آزار ہو جاتے ہیں نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ بھی بدلہ چکانے کے لیے ان کی دشمنی پر کمر باندھ لیتا ہے اور ان کے ساتھ حسد و جھگڑا کرنے لگتا ہے یہ تمام عادتیں گناہوں کا سبب ہوتی ہیں کیونکہ اسی وجہ سے جھوٹ‘ غیبت‘ بدخواہی اور دِل و زُبان کے دوسرے گناہ پیدا ہوتے ہیں۔ دُنیا کی محبّت جو تمام گناہوں کی جڑ ہے اس سے یہ تمام شاخیں پیدا ہو جاتی ہیں اور اس طرح یہ ایک دو‘ دس بیس یا سو دو سو نقصان نہیں بلکہ بے شمار نقصان ہیں بلکہ کہنا چاہیے کہ یہ ایک ایسی اندھی غار ہے جس سے خلاصی کا کوئی راستہ نہیں جیسے دوزخ کہ اللہ نے ایسے لوگوں کے لیے پیدا کیا اور اس سے مخلصی کی کوئی سبیل نہیں۔ تیسرا نقصان ایسا ہے جس سے کوئی نہیں بچ سکتا مگر جسے اللہ بچائے وہ یہ کہ آدمی گناہ اور عیش و عشرت سے بھی بچے اپنے آپ کو مشتبہات سے بھی بچائے۔ پارسا بن کر حلال ہی پر اکتفا کرے اور اللہ کی راہ میں خرچ بھی کرے لیکن مال دِل کے لیے اٹکاؤ بن جائے گا اور پھر یہ اٹکاؤ عظمت خداوندی میں فکر سے انسان کو محروم رکھے گا حالانکہ تمام عبادات کا خلاصہ اور مغز تو یہی ہے کہ اللہ کا ذکر انسان پر غالب آ جائے اور اس کے ساتھ کمالِ انس پیدا ہو جائے اور ماسوی اللہ سے انسان مستغنی ہو جائے اس کے لیے ایسا دِل چاہیے جو اور کسی طرف مشغول نہ ہو۔

مالدار آدمی کے پاس زمین ہوتی ہے تو اس کی آباد کاری‘ شرکاء کے جھگڑے‘ لگان کے مسائل اور مزارعین وغیرہ سے حساب کی ہی فکر رہتی ہے اس طرح تجارت کی شکل میں شریک و ہمسایہ کے جھگڑے‘ سفری تدبیریں‘ نفع کی سوچ وغیرہ میں سرگرم رہتا ہے چوپائے گائے‘ بکری وغیرہ ہوں تو انھی کا خیال رہتا ہے اور اس سے زیادہ کسی مال میں بے شغلی نہیں ہوتی مثلاً مدفون خزانہ اس کے پاس ہو تو آدمی اس میں سے بقدرِ ضرورت لے کر خرچ کرتا رہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی خطرہ رہتا ہے کہ کوئی نکال کر نہ لے جائے۔ الغرض دُنیا داروں کی فکر کا میدان بہت وسیع ہے اور جو شخص یہ چاہے کہ میں دُنیا داری کے ساتھ فارغ البال بھی ہوں تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو چاہے کہ پانی میں رہنے کے باوجود بھیگوں نہیں۔ مال کے فائدے اور نقصانات یہی ہیں اس لیے جب عقلمندوں نے یہ نقصانات دیکھے تو انھوں نے سمجھ لیا کہ مال بقدرِ ضرورت تو تریاق ہے اور اس سے زیادہ زہر ہے۔ حضور ﷺ نے اپنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے بقدرِ ضرورت ہی مال کا اہتمام کیا اور مختصر سی بات ارشاد فرمائی کہ جس نے اپنی مختصر ضرورت سے زیادہ مال لیا وہ گویا اپنی تباہی کا سامان کر رہا ہے اور وہ بے شعور آدمی ہے اور مال کو دفعتاً لٹا دینا بھی درست نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ﴾ (بنی اسرائیل)

”اے پیغمبر! اپنے ہاتھ بالکل ہی کھلے نہ چھوڑ دیں ورنہ آپ ندامت و حسرت کے ساتھ بیٹھ رہیں گے“۔

طمع اور حرص کے نقصانات اور قناعت کے فوائد

طمع انتہائی بداخلاقی ہے اس میں خواری و ذلت اور خجالت و شرمندگی ہے طمع میں جب کامیابی نہیں ہوتی تو اور کئی بداخلاقیاں پیدا ہو جاتی ہیں کیونکہ جو شخص جس سے طمع رکھتا ہے اس کے سامنے چکنی چپڑی باتیں کرتا ہے اور عبادت میں ریا کاری کا مظاہرہ کرتا ہے وہ شخص اگر تحقیر کرتا ہے تو مجبوراً صبر کرتا اور اس کی صحیح و غلط سبھی باتوں کے معاملہ میں سہل انگاری سے کام لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدمی کو لالچی بنایا ہے کہ اپنے پاس بہت کچھ رکھنے کے باوجود قناعت نہیں کرتا اور یہ چیزیں قناعت کے بغیر نہیں چھٹتیں۔ جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر آدمی کے پاس دو وادیوں کی مقدار میں سونا ہو تو وہ تیسری وادی کا لالچ کرے گا اور مٹی ہی ایک ایسی چیز ہے جو اس کا پیٹ بھرتی ہے اور جو شخص توبہ کرتا ہے اس کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول کرتے ہیں۔ اور فرمایا کہ آدمی کی متعلقہ تمام چیزیں بوڑھی ہو جاتی ہیں لیکن طویل زندگی کی خواہش اور مال کی محبت کا جذبہ ہمیشہ جوان رہتا ہے اور فرمایا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے ہدایت نصیب فرمادی اور بقدرِ ضرورت مال عنایت فرمادیا اور اُس نے اس پر قناعت کی وہ بہت ہی خوش قسمت ہے اور فرمایا کہ رُوح القدس نے میرے دِل میں القا کیا کہ بندہ اپنی مقرر شدہ روزی حاصل کیے بغیر نہیں مرتا۔

اے لوگو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور دُنیا طلب کرنے کے معاملے میں حد سے زیادہ لالچ نہ کرو اور فرمایا کہ مشتبہ مال سے پرہیز کرو تاکہ تم اللہ کی مخلوق میں بہت زیادہ عبادت کرنے والے ہو جاؤ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمایا ہے اسی پر قناعت کرو تاکہ تم اللہ کے بہت زیادہ شکر گزار بن جاؤ اور مخلوق کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو تاکہ تم مومن کامل بن جاؤ۔

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم سات یا آٹھ یا نو آدمی حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے رسول کی بیعت کرو ہم نے عرض کیا کہ کیا ہم نے ایک مرتبہ بیعت نہیں کی۔ آپ ﷺ نے پھر بیعت کی طرف توجہ دلائی چنانچہ ہم نے ہاتھ بڑھائے اور عرض کیا کہ کس بات پر بیعت کریں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو' پانچ وقت نماز پڑھو' اللہ تعالیٰ کے احکامات سنو اور ان پر عمل کرو اور ایک بات چپکے سے ارشاد فرمائی کہ کسی سے کسی چیز کا سوال نہ کرو اس کے بعد لوگوں کا یہ حال ہو گیا کہ اگر کوڑا ہاتھ سے گر جاتا تو سواری سے اتر کر خود اُٹھا لیتے کسی سے سوال نہ کرتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ اے اللہ تیرے بندوں میں سب سے زیادہ تونگر کون ہے؟ ارشاد ہوا کہ وہ شخص جو اس چیز پر قناعت اختیار کرے جو میں نے اسے عنایت کی ہے۔ پھر عرض کیا کہ عادل ترین کون ہے؟ فرمایا جو اپنے آپ سے انصاف کرے۔ حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ سوکھی روٹی بھگو کر کھاتے اور فرماتے کہ جو شخص اس پر قناعت کرتا ہے وہ مخلوق سے بے نیاز رہتا ہے۔ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر روز ایک فرشتہ منادی کرتا ہے کہ اے فرزند آدم تھوڑی مقدار میں جو مال تیری ضروریات پوری کرے وہ اس بکثرت مال سے بہتر ہے جس سے خوشی اور غفلت پیدا ہو۔ حضرت سمیط بن عجلان رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ تیرا پیٹ طولاً اور عرضاً ایک بالشت سے زیادہ نہیں پھر وہ تجھے دوزخ میں پھینکنے

کا باعث کیوں بنے؟ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے آدم کی اولاد اگر تمام دُنیا میں تجھے دے دوں تو اپنی بھوک سے زیادہ اس میں تیرا مقدر نہیں ہو گا اور جب بھوک سے زیادہ نہ دوں اور دُنیا کے حساب کے جھگڑے سے بھی تجھے بچا دوں تو اس سے بڑھ کر تجھ پر میرا کیا احسان ہو گا۔ ایک حکیم کا قول ہے کہ لالچی شخص سے زیادہ کوئی شخص رنجیدہ نہیں ہوتا اور قانع سے زیادہ کوئی خوش عیش نہیں ہوتا۔ حاسد سب سے زیادہ دُکھ اُٹھاتا ہے اور تارک الدنیا سے زیادہ کوئی سبکسار نہیں ہوتا اور بے عمل عالم سے زیادہ کسی کو پشیمانی اور شرمندگی نہیں ہوتی۔

حکایت: حضرت شعبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے ممولا پکڑا' اس نے پوچھا کہ تیرا کیا ارادہ ہے؟ اُس نے کہا کہ میرا ارادہ یہ ہے کہ تجھے ذبح کر کے کھا جاؤں۔ وہ بولا مجھے کھا کر تجھے کچھ حاصل نہیں ہو گا میں تجھے ایسی تین باتیں سکھائے دیتا ہوں جو میرے کھانے سے زیادہ بہتر ہیں۔ ایک بات تو تیرے ہاتھ میں بتا دوں گا دوسری جب رہا ہو کر درخت پر جاؤں گا اور تیسری اس وقت بتاؤں گا جب پہاڑی پر جا بیٹھوں وہ مان گیا اور پہلی بات پوچھی تو اُس نے کہا کہ جو چیز ہاتھ سے جاتی رہے اس پر افسوس نہ کیا جائے۔ اس شخص نے اسے چھوڑ دیا تو وہ درخت پر جا بیٹھا تو اس شخص نے تیسری بات معلوم کی تو اُس نے کہا کہ جو بات محال ہو اسے تسلیم نہ کرنا یہ کہہ کر پہاڑ پر جا بیٹھا اور از خود کہنے لگا کہ اے بدبخت اگر تو مجھے ذبح کرتا تو ایسا سرمایہ دار ہو جاتا کہ کبھی فقر کا مُنہ تک نہ دیکھتا اس لیے کہ میرے پیٹ میں دو موتی ہیں جن میں سے ہر ایک کا وزن بیس مثقال ہے وہ شخص دانتوں کے نیچے انگلی دبا کر افسوس کرنے لگا اور پھر کہا کہ اچھا اب تیسری بات بتاؤ۔ اُس نے کہا کہ ان دو کو تو بھول ہی گیا تیسری سن کر کیا کرے گا میں نے تجھے کہا تھا کہ جو چیز چلی جائے اس پر افسوس نہ کرنا اور محال بات باور نہ کرنا میرا کل وزن بال و پر سمیت دس مثقال بھی نہ تھا تو میرے پیٹ میں بیس بیس مثقال کے دو موتی کیسے ہوتے؟ یہ حکایت اس لیے بیان کی گئی تاکہ معلوم ہو جائے کہ جب انسان طمع کا شکار ہو جاتا ہے تو ہر چیز باور کر لیتا ہے۔ حضرت ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طمع تمہارے گلے کا پھندا اور تمہارے پاؤں کی بیڑی ہے اس کو کاٹ کر پھینک دے۔

حرص اور طمع کا علاج

حرص اور طمع کی دوا وہ معجون ہے جو صبر کی تلخی' عِلم کی شیرینی اور عمل کی دشواری سے تیار ہوتی ہے دِل کی تمام بیماریوں کی دوائیں ان ہی اجزا سے مرکب ہوتی ہیں۔ یہ علاج پانچ چیزوں سے ہوتا ہے۔ ایک تو عمل سے جس کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے خرچ کو گھٹا دے موٹا جھوٹا پہنے روکھی سوکھی کھائے کیونکہ اس مقدار میں کھانا کپڑا طمع اور حرص کے بغیر آسانی سے ہاتھ آ جاتا ہے لیکن اگر ناز و نعم کا مظاہرہ کرے گا اور اخراجات بڑھائے گا تو قناعت مشکل ہو جائے گی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ((مَا عَالَ مَنِ اقْتَصَدَ)) یعنی خرچ میں میانہ روی کرنے والا کبھی محتاج نہیں ہو گا اور فرمایا کہ تین چیزیں ایسی ہیں جن سے مخلوق کی نجات وابستہ ہے علانیہ اور پوشیدہ ہر حال میں اللہ سے ڈرنا تونگری و غربت ہر حال میں میانہ رَوی سے خرچ کرنا اور خوشی و ناخوشی ہر حال میں انصاف کرنا۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو ایک شخص نے دیکھا کہ چھوہارے کی گٹھلیاں چن رہے ہیں اور فرماتے جاتے ہیں کہ معیشت میں آسانی اور نرمی عقلمندی اور عِلم کی بات ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ خرچ میں میانہ روی کا لحاظ رکھنے والا مخلوق سے بے نیاز رہے گا اور جو فضول خرچی کرے گا وہ محتاج ہو جائے گا اور جو اللہ کو یاد کرے گا اسے اللہ تعالیٰ دوست رکھیں گے اور فرمایا کہ تدبیر سے خرچ کرنا نصف معیشت ہے دوسری بات یہ ہے کہ جب ایک دن کی ضرورت کے مطابق روزی مل گئی تو اگلے دن کی فکر نہ کرے کیونکہ اس قسم کے وسوسے شیطان پیدا کرتا ہے کہ شاید زندگی بہت ہو اور کل کوئی چیز نہ ملے اس لیے آج جیسے بھی ہو تلاش کرے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ ﴾ (البقرہ)

"شیطان تمہیں فقر سے ڈراتا ہے اور تمہیں گناہوں پر اُبھارتا ہے"۔

یعنی وہ چاہتا ہے کہ کل کی محتاجی کا ہوّا دکھا کر تجھے رنج و تشویش میں مبتلا رکھے لیکن آدمی اس سے آسانی سے بچ سکتا ہے کہ وہ یہ بات سمجھ لے کہ روزی کا انحصار حرص پر نہیں بلکہ وہ تو تقدیر میں لکھی جا چکی ہے اور جو لکھا جا چکا ہے وہ مل کر رہے گا۔

بے مگس ہرگز نماند عنکبوت
رزق را روزی رساں پر دیدہد

رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو غمگین دیکھا تو فرمایا کہ رنج اچھا نہیں اللہ تعالیٰ جو کچھ تمہاری تقدیر میں لکھ چکے ہیں وہ مل کر رہے گا۔ انسان کو سمجھنا چاہیے کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے جہاں سے اسے وہم و گمان ہی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ﴾ (الطلاق)

"جو اللہ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے مخلصی کی راہ پیدا فرما دیتے ہیں اور ایسی جگہ سے روزی پہنچاتے ہیں جہاں سے اسے گمان ہی نہیں ہوتا"

حضرت ابو سفیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پرہیزگار کبھی بھوک سے نہیں مرتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو اس پر مہربان کر دیتے ہیں کہ بن مانگے اس کے پاس دولت پہنچتی ہے۔ حضرت ابو حازم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے اس کی دو قسمیں ہیں جو کچھ میری روزی ہے وہ بغیر تعجیل مجھے ملے گی اور جو دوسروں کا مقدر ہے وہ زمین و آسمان میں بسنے والے سبھی لوگوں کی کوشش کے باوجود مجھے نہیں مل سکے گی اس لیے میری بے قراری کسی کام نہ آئے گی۔ تیسری چیز یہ ہے کہ آدمی یہ سمجھ لے کہ آدمی طمع نہ کرے اور صبر سے کام لے تو رنجیدہ رہے گا اور اگر طمع سے کام لے گا اور صبر کرے گا تو ذلیل و خوار ہو گا اور رنجیدہ بھی طمع کی وجہ سے لوگ اسے ملامت کریں گے جبکہ آخرت کے عذاب کا خطرہ الگ ہے اور اگر صبر سے کام لے تو ثواب کے ساتھ لوگ تعریف بھی کریں گے تو آخر ثواب اور تعریف اور عزت کے ساتھ جو رنج ہو وہ اس رنج سے اولیٰ ہے جو ذلت اور مذمت اور عقوبت کے ڈر کے ساتھ ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ مسلمان کی عزت مخلوق سے بے پروا رہنے میں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تو جس شخص کا محتاج ہے اس کا قیدی بھی ہے اور جو تیرا محتاج ہے تو اس کا امیر ہے اور جس سے تو بے پروا ہے اس کا مانند اور نظیر ہے۔

چوتھی چیز یہ ہے کہ خیال کرے کہ حرص و طمع کاہے کو کرتا ہے اگر پیٹ بھرنے کی خاطر ایسا کرتے ہو تو گدھا بیل وغیرہ اس سے زیادہ کھاتے ہیں اور اگر ایسا شرمگاہ کی شہوت کی خاطر کرتے ہو تو سور اور ریچھ میں اس سے زیادہ شہوت ہے اگر مقصد شان و شوکت اور خوش پوشاکی ہے تو یہود و نصاریٰ اس معاملہ میں کہیں بڑھے ہوئے ہیں اور اگر آدمی طمع چھوڑ دے اور تھوڑے پر قناعت کرے تو انبیاء و اولیاء کے سوا کسی کو اپنی طرح نہیں دیکھے گا تو ان بزرگ صفت لوگوں کی مانند ہونا اور ان کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرنا درندوں اور چوپایوں کی سیرت اپنانے سے بہتر ہے۔

پانچویں چیز یہ ہے کہ مال کے نقصانات کا خیال کرے کہ دُنیا میں جب مال بہت ہو گا تو نقصانات اور خطرے بھی بہت ہوں گے رہ گئی آخرت تو اس میں فقراء امراء سے پانچ سو برس پہلے جنت میں چلے جائیں گے۔ آدمی کو دُنیا میں اس حال میں رہنا چاہیے کہ اپنے سے کمتر حال والے پر نظر رکھے جبکہ شیطان دُنیوی اعتبار سے ترغیب دلاتا ہے کہ دیکھو فلاں آدمی کے پاس یہ ہے اور فلاں کے پاس وہ ہے جبکہ تمھارے پاس کچھ نہیں اور وہ یہ بھی کہتا ہے کہ فلاں شیخ اور فلاں عالم تو پرہیز نہیں کرتا تو تمھیں کیا مصیبت ہے۔ انسان کو دین کے معاملہ میں بزرگوں کے حالات کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ انسان میں نیکی کی رغبت اور خواہش پیدا ہو اور دُنیوی معاملات میں اپنے سے کمتر لوگوں کو دیکھنا چاہیے تاکہ وہ اپنے آپ کو تونگر اور خوشحال سمجھے۔

سخاوت کی فضیلت اور ثواب کا بیان

جو شخص مال سے محروم ہو اسے قناعت کی زندگی اختیار کرنی چاہیے۔ حرص اس کے لیے مہلک ہو گی اور جس کے پاس مال ہو وہ سخاوت کو اپنائے بخل نہ کرے۔ جناب رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سخاوت جنت کا ایک درخت ہے جس کی شاخیں دُنیا میں لٹکتی ہیں۔ سخی آدمی اس کی شاخ کو پکڑ لیتا ہے وہی اسے بہشت میں لے جاتی ہے جبکہ بخل جہنم کا ایک درخت ہے' بخیل آدمی اس کی شاخ پکڑ لیتا ہے اور وہی شاخ اسے جہنم میں لے جانے کا سبب بنتی ہے اور فرمایا کہ دو خلق ایسے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ دوست رکھتا ہے ایک تو سخاوت دوسری نیک عادت۔ جبکہ بخل اور خوئے بد کو اللہ تعالیٰ دشمن رکھتے ہیں اور فرمایا کہ اللہ نے جو ولی پیدا فرمایا اسے سخاوت اور نیک خلقی سے سرفراز فرمایا کہ سخی آدمی کی کوتاہیوں سے درگزر کیا کرو کیونکہ جب اسے حسرت اور تکلیف ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا دستگیر ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے ایک جہاد کے جنگی قیدیوں کو ان کے جرائم کے پیش نظر قتل کر دیا ہاں ایک آدمی کو چھوڑ دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا جبرئیل علیہ السلام نے مجھے کہا کہ یہ سخی ہے اس لیے اسے قتل نہ کیا جائے اور فرمایا کہ سخی کا کھانا دوا کی مانند ہے جبکہ بخیل کا کھانا بیماری کی مانند ہے اور فرمایا کہ سخی اللہ تعالیٰ' جنت اور لوگوں کے قریب تر ہوتا ہے جبکہ بخیل ان سبھی سے دُور ہوتا ہے۔ جاہل سخی کو اللہ تعالیٰ بخیل عابد سے زیادہ دوست رکھتا ہے اور بخل سب سے زیادہ بڑی بیماری ہے اور فرمایا کہ میری امت کے ابدال جنت میں نماز روزہ کے سبب نہیں گئے بلکہ اس کا سبب سخاوت ہے۔ پاک دلی اور مخلوق پر شفقت ہے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ سامری کو اس کی سخاوت کے سبب قتل نہ کیا جائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب دُنیا تیری طرف متوجہ ہو اُس وقت بھی اور جب منہ پھیر لے اس وقت

بھی خرچ کیا کر۔ ایک شخص نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنا حالِ زار لکھ کر پیش کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تیرا کام ہو جائے گا۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے کاغذ پڑھا تک نہیں۔ فرمایا کہ میں نے اس کو پسند نہیں کیا کہ وہ ذلت کے ساتھ میرے سامنے کھڑا رہے اور مجھے اللہ تعالیٰ کے یہاں جواب دہ ہونا پڑے۔ حضرت محمد بن المنکدر رحمۃ اللہ علیہ نے اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خادمہ حضرت اُم درہ سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے چاندی کی دو بھری ہوئی تھیلیاں اور ایک لاکھ اسی ہزار درہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجے۔ آپ نے طباق منگوا کر سب بانٹ دیا شام کو مجھ سے افطاری کے لیے کچھ طلب کیا تو میں روٹی اور روغن زیتون لے کر گئی کیونکہ گوشت موجود نہ تھا میں نے عرض کیا کہ آپ ہمارے لیے ایک درم کا گوشت ہی منگوا لیتیں۔ فرمایا کہ اگر اس وقت یاد کرایا ہوتا تو منگوا ہی لیتی۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ جب مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے بڑے بھائی حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کہا کہ انھیں سلام نہ کرنا۔ جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ باہر تشریف لے گئے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں قرض دار ہوں اور ان کے پیچھے ہو لیے اور اپنی حالت ان کے سامنے بیان کی ایک اُونٹ جو پیچھے رہ گیا تھا اس کے متعلق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا تو معلوم ہوا کہ اس پر اسّی ہزار دینار کا خزانہ لدا ہوا ہے فرمایا کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دو تاکہ قرض ادا کر سکیں (حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی یہ بات کہ انھیں سلام نہ کرنا صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان ﴿رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ کے خلاف ہے جبکہ ان حضرات میں باہمی قرابت بھی تھی۔ اس قسم کی روایات سے خدا معلوم راویوں کا کیا مقصد تھا کہ انھوں نے قرآن و سنت کے علی الرغم ایسی چیزیں گھڑیں۔ مترجم) حضرت ابوالحسن مدائنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم حج کے لیے تشریف لے گئے جس اُونٹ پر زادِ راہ لدا ہوا تھا وہ پیچھے رہ گیا ایک جگہ بھوک پیاس کے سبب ایک بڑھیا کے پاس گئے اور فرمایا کہ کچھ پینے کے لیے ہے اُس نے کہا کہ ہاں بکری ہے اور اس کا دودھ دوہ کر پیش کیا جب انھوں نے کھانے کا پوچھا تو اُس نے کہا کہ تیار تو نہیں اس بکری کو ذبح کر کے کھا لیجیے۔ چنانچہ بکری ذبح کر کے کھالی اور فرمایا کہ ہم قریش ہیں۔ سفرِ حج سے واپسی پر ہمیں ملنا تاکہ ہم حسن سلوک کر سکیں یہ کہہ کر روانہ ہوئے اس کا خاوند آیا تو ناراض ہوا کہ ایسے لوگوں کو بکری کھلا دی جنھیں تو جانتی بھی نہ تھی۔ تھوڑے دنوں بعد وہ میاں بیوی مفلسی کے سبب مدینہ آ گئے اور اُونٹ کی مینگنیاں چن چن کر بیچنے لگے۔ ایک دن وہ بڑھیا جا رہی تھی کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ دروازے پر کھڑے ہوئے تھے آپ نے اس کو پہچان لیا اور فرمایا کہ مجھے پہچانتی ہو۔ اُس نے کہا نہیں۔ آپ نے واقعہ یاد دلایا تو اسے بات یاد آ گئی۔ آپ نے ایک ہزار بکری اور ایک ہزار دینار اسے دے کر اپنے غلام کے ساتھ چھوٹے بھائی کے پاس بھیج دیا انھوں نے بھی اتنا ہی مال دے کر حضرت عبداللہ بن جعفر کے پاس بھیج دیا۔ انھوں نے پوچھا کہ ان دونوں حضرات نے کیا دیا اور پھر دونوں کی مقدار کے برابر بکریاں اور دینار دے کر رخصت کیا اور فرمایا کہ اگر تو پہلے میرے پاس آتی تو میں تجھے اتنا دیتا کہ وہ حضرات اتنا نہ دے سکتے۔ چنانچہ وہ عورت یہ سب سامان لے کر اپنے خاوند کے پاس لوٹ گئی۔

حکایت : عرب میں ایک بہت ہی سخی آدمی تھا۔ اس کے مرنے کے بعد کچھ مسافر بھوک کے سبب اس کی قبر پر آئے اور سو گئے۔ مسافروں میں سے ایک کے پاس اُونٹ تھا۔ اُس نے اس سخی انسان کو خواب میں دیکھا اور کہا کہ یہ

اُونٹ میرے نجیب اُونٹ کے عوض بیچو گے اُس نے کہا کہ ہاں۔ وہ شخص بہت ہی اچھا نجیب اُونٹ چھوڑ کر مرا تھا اس مسافر نے اپنے اُونٹ کو نجیب اُونٹ کے بدلے بیچ دیا۔ مُردے نے اس اونٹ کے مالک کو آواز دے کر کہا کہ تم نے فلاں شخص سے کوئی نجیب اُونٹ مول لیا ہے۔ اُس نے کہا کہ ہاں مگر یہ سارا قصہ خواب کا ہے انھوں نے نجیب اُونٹ اس کے سپرد کر دیا اور بتلایا کہ میں اس کا بیٹا ہوں۔ اُس نے مجھے خواب میں کہا کہ اگر تو میرا بیٹا ہے یہ اُونٹ فلاں کے سپرد کر دے۔

حکایت : حضرت ابو سعید خرگوش رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ مصر میں محتسب نامی ایک شخص تھا فقرا کو کچھ جمع کر کے دے دیتا۔ ایک شخص کے گھر فرزند پیدا ہوا اُس کے پاس کچھ نہ تھا وہ محتسب کے پاس گیا وہ میرے ساتھ چل کر کھڑا ہوا اور کئی ایک آدمیوں سے سوال کیا۔ کسی نے کچھ نہ دیا پھر وہ ایک قبر پر لے گیا وہاں بیٹھ کر کہنے لگا کہ اے مَردِ خُدا اللہ تجھ پر رحم کرے تو ایسا آدمی تھا کہ فقرا کی ضرورتیں اللہ کے حکم سے پوری کر دیتا تھا۔ آج میں نے اس شخص کے لیے بڑی کوشش کی لیکن ناکام رہا یہ کہہ کر وہاں سے جو اٹھا تو اپنے پاس موجود صرف ایک دینار سے نصف مجھے دیا اور کہا جب تک تجھے کوئی چیز نہ ملے اس قرض سے کام چلاؤ۔ رات کو وہ شخص محتسب کو خواب میں ملا اور کہا کہ میں نے تیری بات سن تو لی تھی لیکن ہمیں گفتگو کی اجازت نہیں۔ اب تم میرے لڑکے کے پاس جاؤ اور انھیں کہو کہ چولہے کے پاس والی جگہ کھودیں وہاں پانچ سو دینار دفن ہیں وہ اس شخص کو دے دیں۔ اگلے دن محتسب اس کے لڑکوں کے پاس گیا سارا ماجرا سن کر ان سے پانچ سو درہم لے لیے لیکن ساتھ ہی یہ کہا کہ یہ خواب حکمی تو نہیں اس لیے تم واپس لے لو۔ انھوں نے کہا کہ حیرت ہے کہ وہ مُردہ ہو کر سخاوت کرتا ہے اور ہم زندہ ہو کر بخل سے کام لیں۔ چنانچہ محتسب وہ دینار لے کر اس شخص کے پاس گیا اُس نے نصف دینار تو قرض چکایا اور باقی اسی کو دے کر کہا کہ جا کر محتاجوں کو دے دو کہ میری ضرورت اب پوری ہو گئی۔ حضرت ابو سعید فرماتے ہیں کہ نہ معلوم ان سب میں بڑا سخی کون ہے اور کہتے ہیں کہ میں جب مصر گیا تو میں نے اس مُردے کا گھر تلاش کیا اس کے لڑکوں سے ملا تو ان کے چہروں سے خیر کے آثار نمایاں تھے مجھے یہ آیت یاد آئی ﴿ وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا ﴾ (الکھف)

اے عزیز یہ سب سخاوت کی برکتیں ہیں اس پر تعجب کی ضرورت نہیں کہ یہ مرنے کے بعد بھی باقی رہتی ہے اس لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عادت تھی کہ لوگوں کی مہمان نوازی کرتے اور اب تک ان کے مزار پر وہ برکات موجود ہیں۔ ربیع بن سلمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام شافعی قدس سرہٗ مکہ معظمہ پہنچے تو ان کے پاس دس ہزار دینار تھے مکہ معظمہ کے باہر خیمہ نصب کیا اور یہ دینار چادر پر پھیلا دیئے جو شخص انھیں سلام کرتا اسے مٹھی بھر دینار دے دیتے۔ ظہر کی نماز کے وقت چادر جھاڑی تو کچھ باقی نہ تھا۔ ایک شخص نے سوار ہوتے ہی ان کی رکاب پکڑ لی۔ آپ نے ربیع کو حکم دیا کہ اسے چار سو دینار دے کر معذرت بھی کرو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک دن رو رہے تھے لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ سات دن سے میرے گھر میں کوئی مہمان نہیں آیا۔ ایک شخص اپنے دوست کے پاس گیا اور کہا کہ میرے ذمہ چار سو درم کا قرض ہے اُس نے اسے چار سو درم دیئے اور رونے لگا اس کی بیوی نے کہا کہ رونا ہی تھا تو دیئے کیوں تھے اُس نے کہا نادان میں رو اس لیے رہا ہوں کہ مجھے غفلت ہو گئی اور اسے مانگنے پڑے جب کہ مجھ سے بن مانگے دینے چاہئیں تھے۔

بخل کی مذمت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾

"یعنی جس نے اپنے آپ کو بخل سے بچالیا اُس نے کامیابی حاصل کرلی"

مزید ارشاد ہے :

﴿ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَا اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ﴾

"وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال میں بخل کرتے ہیں یہ نہ خیال کریں کہ یہ بات ان کے حق میں اچھی ہے بلکہ یہ چیز ان کے حق میں انتہائی بُری ہے جس مال میں وہ بخل کرتے ہیں وہی طوق بنا کر قیامت کے دن ان کی گردن میں ڈال دیا جائے گا"

اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم لوگ بخل سے دُور رہو اس لیے کہ تم سے پہلی قوم اسی کے سبب ہلاک ہوئی تھی اور بخل نے انھیں قتل اور حرام کو حلال ٹھہرانے پر ابھارا۔ اور فرمایا کہ تین چیزیں مہلک ہیں ایک بخل جب تم اسے اپنا لو حالانکہ اس کی مخالفت ضروری ہے دوسرے خواہش جس کی اتباع کی جائے تیسرے خود پسندی اور عجب! حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سرکار کی خدمت میں دو شخص آئے اور ایک اُونٹ کے لیے رقم مانگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دے دی تو انھوں نے باہر نکل کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا شکریہ ادا کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ کیفیت بیان کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فلاں شخص اس سے زیادہ لے گیا اور اس شخص نے شکریہ ادا نہیں کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص آئے اور الحاح کر کے مجھ سے کچھ لے جائے تو وہ گویا آگ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا جب آگ ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم عنایت کاہے کو فرماتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ الحاح کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت کی قسم کھا کر فرمایا کہ میں کسی بخیل کو جنت میں نہیں جانے دوں گا۔ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم طواف فرما رہے تھے اور ایک شخص کعبہ کا حلقہ پکڑ کر کہہ رہا تھا کہ اے ارحم الراحمین اس گھر کی برکت سے میرے گناہ معاف فرما دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تمھارا کیا گناہ ہے اُس نے کہا کہ میرا گناہ اتنا بڑا ہے کہ میں بیان نہیں کر سکتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ زمین سے بھی بڑا ہے؟ اُس نے کہا جی ہاں۔ پھر آسمان کا پوچھا تو اُس نے کہا کہ آسمان سے بھی میرا گناہ بڑا ہے پھر عرش کی بابت پوچھا تو اُس نے کہا کہ عرش سے بھی میرا گناہ بڑا ہے۔ پھر پوچھا کہ حق تعالیٰ سے بھی تمھارا گناہ بڑا ہے؟ اُس نے کہا کہ حق تعالیٰ تو سب سے بڑے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے تفصیل پوچھی تو اُس نے کہا کہ میں بڑا مالدار شخص ہوں جب کوئی محتاج سامنے نظر آتا ہے تو اسے آگ تصور کرتا ہوں جو مجھے جلا نہ دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے دُور رہو کہ کہیں تم اپنی آگ میں مجھے نہ جلا دو پھر فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھے سچائی کے ساتھ بھیجا اگر رکن اور مقامِ ابراہیم کے درمیان تو ہزار برس تک نماز پڑھے اور اتنا روئے کہ تیرے آنسوؤں سے نہریں جاری ہو جائیں اور تو بخل پر مرے تو

تیرا ٹھکانہ دوزخ ہو گا خبردار بخل کفر سے ہے اور کفر آگ میں ہے افسوس کہ تو نے یہ نہیں سنا کہ اللہ نے فرمایا ہے :

﴿ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ﴾

"بخیل اپنی ذات ہی سے بخل کرتا ہے یعنی اپنا نقصان کرتا ہے"

اور :

﴿ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾

"جس نے اپنے آپ کو بخل سے بچالیا وہ کامیاب ہے"

حضرت کعب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہر شخص پر روزانہ دو فرشتے مقرر ہوتے ہیں جو منادی کرتے ہیں کہ اے اللہ جو شخص مال رکھ چھوڑے تو اس کا مال ضائع کر دے اور جو خرچ کرے اسے نعم البدل عطا فرما۔ حضرت امام ابو حنیفہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں بخیل کو کبھی عادل نہیں کہوں گا اور نہ اس کی گواہی سنوں گا کیونکہ بخل اسے اپنے حق سے زیادہ لینے پر ترغیب دیتا ہے۔ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام نے ابلیس کو دیکھا اور پوچھا کہ تو سب سے زیادہ کس کو اپنا دشمن سمجھتا ہے اور کس کو سب سے زیادہ دوست؟ اُس نے کہا کہ بخیل زاہد تو میرا دوست ہے وہ جان کھو کر عبادت کرتا ہے لیکن بخل اس کی عبادت ضائع کر دیتا ہے اور فاسق سخی میرا دشمن ہے کہ وہ مزے کرتا اور چین سے گزارتا ہے مجھے ڈر ہے کہ سخاوت کے سبب اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرکے اس کو توبہ کی توفیق نہ دے۔

ایثار کے ثواب

ایثار کا درجہ سخاوت سے زیادہ ہے اس لیے کہ سخی وہ ہوتا ہے جسے احتیاج نہ ہو اور وہ کسی کو دے دے اور ایثار یہ ہے کہ خود محتاج ہو کر دوسرے کو دے دے جس طرح کمال سخاوت یہ ہے کہ احتیاج کے باوجود آدمی دوسرے کو چیز دے دے اسی طرح کمال بخل یہ ہے کہ آدمی خود اپنے آپ پر بھی خرچ نہ کرے مثلاً بیمار ہو تو دوا استعمال نہ کرے اور دِل ہی دِل میں منتظر رہے کہ کسی سے مانگ لوں اپنا مال خرچ نہ کرنا پڑے۔ ایثار کی بڑی فضیلت ہے اللہ تعالیٰ نے ایثار ہی کے سبب انصارِ مدینہ کی تعریف فرمائی :

﴿ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾

"ترجیح دیتے ہیں اپنے نفسوں پر اگرچہ انھیں خود سخت احتیاج ہو"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس کو کوئی ایسی چیز ملے جس کی اسے خواہش ہو اور وہ اپنی خواہش رکھ کر کے وہ چیز کسی کو دے دے تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آسودگی کے ساتھ ہم نے تین دن بھی کھانا نہیں کھایا لیکن اللہ نے ایثار کی توفیق دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مہمان آیا اتفاق سے گھر میں کچھ نہ تھا۔ انصار میں سے ایک صاحب اسے ساتھ لے گئے۔ اتفاق سے ان کے گھر میں بھی کھانا کم تھا۔ چراغ گل کرکے کھانا اس کے سامنے رکھ دیا اور خود ویسے ہی ہاتھ منہ چلاتے رہے۔ دوسرے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مہمان کے معاملہ میں جس سخاوت اور خوش خلقی کا تم نے مظاہرہ کیا اللہ تعالیٰ نے اس کو پسند فرمایا اور یہ آیت نازل ہوئی :

﴿ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ ﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ قدس میں درخواست کی کہ مجھے اپنے آخری نبی کی قدر و منزلت سے آگاہ فرما۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰ تمھارے اندر اس کے دیکھنے کی سکت نہیں۔ ہاں ان کے مراتب میں سے ایک مرتبہ تمھیں دکھاتا ہوں۔ جب دکھایا تو خطرہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام اس کے نور اور عظمت سے مدہوش ہو جائیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ اے اللہ! حضور ﷺ نے یہ درجہ کس چیز سے حاصل کیا؟ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰ جو بندہ زندگی میں ایک بار ایثار سے کام لیتا ہے مجھے شرم آتی ہے کہ اس سے حساب لوں اس کا ٹھکانہ جنت ہوتا ہے جہاں چاہے رہے۔ حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ سفر میں تھے کہ کھجور کے ایک باغ میں تشریف لے گئے ایک حبشی غلام اس کا نگہبان تھا۔ اس غلام کے لیے تین روٹیاں لائے اچانک کتا آگیا اُس نے ایک روٹی پھر دوسری پھر تیسری اس کے سامنے ڈال دی اور وہ کھا گیا۔ حضرت عبداللہ نے پوچھا کہ تمھاری یومیہ مزدوری کتنی ہے اُس نے کہا کہ یہی جو آپ نے دی۔ فرمایا کہ پھر تم نے ساری کتے کو کیوں کھلا دی۔ اُس نے کہا کہ یہ یہاں نہیں رہتا۔ میں نے خیال کیا کہ یہ کہیں دُور سے آیا ہے اس لیے میں نے چاہا کہ یہ بھوکا نہ جائے۔ آپ نے پوچھا اب تم کیا کھاؤ گے اس نے کہا کہ صبر۔ فرمایا کہ حیرت ہے کہ سخاوت کی وجہ سے لوگ مجھے ملامت کرتے ہیں یہ غلام تو مجھ سے بھی زیادہ سخی ہے اور پھر اسے خرید کر آزاد کر دیا اور وہ باغ خرید کر غلام کو دے دیا۔ جناب رحمۃ للعالمین ﷺ کافروں کو ایذا رسانی سے احتراز کرتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی جگہ پر سو رہے تاکہ خدانخواستہ کافر آپ ﷺ پر حملہ کریں تو اپنے آپ کو آپ ﷺ پر قربان کر سکوں۔

حضرت حق نے جبریل و میکائیل علیہما السلام سے فرمایا کہ ہم نے تمھارے درمیان بھائی چارہ پیدا کر دیا ہے اور ایک کی عمر دوسرے سے بڑھا دی ہے ایسا کون ہے جو اپنی عمر دوسرے کو دے دے ان میں سے ہر ایک نے اپنی عمر کی درازی چاہی تو فرمایا کہ تم نے ویسا کیوں نہ کیا جیسا کہ علی نے کیا میں نے اسے محمد کریم کے ساتھ بھائی چارگی نصیب کی اور وہ کمالِ فدویت و ایثار کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے بھائی کی جگہ سو رہا۔ تم دونوں جاؤ اور دشمن سے اس کی حفاظت کرو چنانچہ حضرت جبریل علیہ السلام سرہانے اور میکائیل علیہ السلام پائنتی کھڑے ہوئے اور کہتے رہے کہ واہ فرزند ابی طالب اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے تیری ذات پر فخر و مباہات کرتے ہیں اور یہ آیت نازل فرمائی:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ﴾

"اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اپنی جان بیچ ڈالتے ہیں رضائے الٰہی کی خاطر"

حضرت حسن انطاکی رحمۃ اللہ علیہ اکابر مشائخ میں سے تھے تیس سے زائد افراد جمع ہو گئے جو ان کے احباب میں سے تھے لیکن اتفاق سے سب کی ضرورت کے مطابق روٹی نہ تھی۔ جتنی روٹی تھی اس کے ٹکڑے کر کے سب حضرات کے سامنے رکھ دیئے اور چراغ اٹھا کر لے گئے وہ حضرات دسترخوان پر رہے اور جب چراغ واپس لائے تو روٹی جوں کی توں رکھی تھی انھوں نے ایثار کیا تو ان کے دوستوں نے بھی اسی طرح ایثار سے کام لیا۔ حضرت حذیفہ عدوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگِ تبوک کے موقعہ پر بہت سے حضرات شہید ہو گئے میں پانی لے کر اپنے عم زاد کو تلاش کر رہا تھا جب وہ ملا تو وہ دم بھر کا مہمان تھا میں نے پانی کا پوچھا تو اُس نے خواہش ظاہر کی ساتھ ہی دوسرے زخمی کے کراہنے کی آواز آئی تو میرے بھائی نے

اس کی طرف مجھے متوجہ کیا وہ حضرت ہشام بن العاص رضی اللہ عنہ تھے ان کی روح بھی نکلا ہی چاہتی تھی ان کو پانی پیش کیا گیا تو معاً ایک تیسرے کی آواز آئی میں جونہی اس کے پاس پہنچا تو راہِ خُدا میں جان قربان کر چکا تھا۔ واپس پلٹا تو حضرت ہشام اللہ کو پیارے ہو چکے تھے اور جب اپنے عم زاد کے پاس آیا تو وہ بھی اپنے دوستوں سے مل چکا تھا۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ کوئی شخص دُنیا سے ایسا نہیں گیا جیسا آیا تھا مگر حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کیونکہ عالمِ نزع میں ایک سائل آیا تو ان کے پاس ایک کرتہ تھا وہ اسے دے دیا اور عاریۃً پہنے ہوئے کپڑے میں اس دُنیا سے رخصت ہوئے۔

سخی کون ہے اور بخیل کون؟

ہر شخص اپنے آپ کو سخی کہتا ہے جبکہ ممکن ہے لوگ اسے بخیل تصور کرتے ہوں اس لیے اس کی حقیقت پہچاننا ضروری ہے کیونکہ یہ بڑی بیماری ہے تاکہ لوگ اسے پہچان کر اس کا علاج کر سکیں۔ ایسا تو کوئی شخص نہیں کہ لوگ اس سے جو کچھ مانگیں وہ دے دے اگر یہ بات بخل کا باعث ہو تو پھر سبھی بخیل ہیں۔ اس میں بہت سے اقوال ہیں اکثر لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ جو چیز شرعاً دینا واجب ہے وہ نہ دے تو بخیل ہے اور اگر اس کا دینا اس پر آسان نہ ہو تو بھی بخیل ہے لیکن یہ بات صحیح نہیں کیونکہ ہمارے نزدیک جو شخص نان بائی کو روٹی اور قصاب کو گوشت لوٹا دے کہ کم ہے تو وہ بخیل ہو گا اور جو شخص اہل و عیال کو اتنا ہی نان و نفقہ دے جتنا عدالت نے مقرر کیا ہے تو وہ بھی بخیل ہے اور جو روٹی کھا رہا ہو اور سائل کو دیکھ کر چھپا لے وہ بھی بخیل ہے کیونکہ شریعت اتنی مقدار پر ہی اکتفا کرتی ہے جتنے کی بخیل طاقت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَيُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴾ (الفتح)

"اگر تم سے تمہارا مال مانگے پھر سوال میں مبالغہ کرے تو تم بخل اختیار کرو گے اور تمہارا بخل تمہارے کینہ کو ظاہر کر دے گا"

تو صحیح بات یہ ہے کہ بخیل وہ ہے جو دینے کی چیز نہ دے اور اللہ تعالیٰ نے مال کو ایک حکمت کی خاطر پیدا کیا ہے جب حکمت الٰہی دینا چاہے تو نہ دینا بخل ہے اور دینے کی چیز وہ ہوتی ہے جس کے دینے کا شریعت یا مروّت نے حکم دیا ہو شریعت میں جو دینا ضروری ہے وہ تو معلوم ہے لیکن مروّت کی رو سے جو دینا لازم ہے وہ لوگوں کے حالات، مال کی مقدار اور بخیل کے ساتھ ساتھ بدلتا رہتا ہے بہت ساری باتیں ایسی ہیں جو امراء سے تو بُری معلوم ہوتی ہیں لیکن فقراء سے بُری معلوم نہیں ہوتیں، اہل و عیال کے حق میں بُری لیکن دوسروں کے حق میں نہیں۔ دوستوں اور بیگانوں کے معاملہ میں امتیاز ہوتا ہے، مہمان نوازی اور بیع و شرا کے معاملات میں فرق ہوتا ہے۔ بوڑھوں اور جوانوں اور مردوں عورتوں کا فرق ہوتا ہے تو اصل تعریف یہ ہے کہ جب انسان مال کو بچانا مقصد بنا لے اور خرچ کی ضرورت کے باوجود ایسا نہ کرے تو وہ بخیل ہے اور جب بچانا زیادہ ضروری ہو اور خرچ کی ضرورت کم درجہ کی ہو تو پھر خرچ اسراف کی مد میں آئے گا اور اسراف اور بخل دونوں ہی بری چیزیں ہیں۔ مہمان کی موجودگی میں مروّت کے نقطۂ نظر کو مال پر ترجیح دینی ضروری ہے۔ اس عذر کے پیشِ نظر کہ میں زکوٰۃ دے چکا ہوں مہمان سے حسن سلوک نہ کرنا بُری بات ہے۔ جب پڑوسی ضرورت مند

ہو اور آدمی کے پاس سرمایہ موجود ہو تو اس کی خبر گیری نہ کرنا بخل ہے۔

جب شریعت اور مروّت کے سارے تقاضے پورے ہو گئے اس کے باوجود سرمایہ بہت ہو تو خیرات کر کے آخرت کا ثواب طلب کرنا چاہیے تاہم وقت کا لحاظ کرتے ہوئے کسی قدر مال بچانا بھی بڑی بات نہیں لیکن اسے ثواب کی غرض پر مقدم کرنا بزرگوں کے نزدیک بُرا اور بخل ہے جبکہ عوام کے نزدیک بخل نہیں اس لیے کہ عوام کی نظر محض دُنیا پر ہوتی ہے اور یہ بات ہر کسی کے حالات کے موافق بدلتی رہتی ہے پس اگر کسی نے محض شریعت و مروّت کا لحاظ کیا تو وہ بخل سے تو بچ گیا لیکن سخاوت کا درجہ تب پائے گا جب اور خرچ کرے اور جتنا زیادہ خرچ کرے گا اتنا ہی سخاوت میں اسے درجہ ملتا جائے گا اور ثواب بھی بکثرت پائے گا۔ آدمی سخی جب ہوتا ہے جب اس پر دینا شاق نہ ہو اگر بمشکل دے تو وہ سخی نہیں اگر کبھی کبھار جذبۂ تشکر اور مکافات کے نقطۂ نظر سے دے تب بھی سخی نہیں بلکہ سخی فی الحقیقت وہی ہوتا ہے جو بغیر کسی غرض کے دے یہ بات آدمی کے بس میں نہیں بلکہ فی الحقیقت یہ اللہ ہی کی صفت ہے لیکن جو آدمی محض ثوابِ آخرت پر اکتفا کرے تو اسے مجازاً سخی کہہ دیا جاتا ہے کہ وہ بالفعل دُنیا میں کوئی بدلہ نہیں چاہتا اور دین میں سخاوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مُحبّت میں جان قربان کرنے سے انسان باک نہ رکھے اور آخرت میں ثواب کا امیدوار نہ ہو محض اللہ کی مُحبّت اس کے پیش نظر ہو۔ اپنے آپ کو فدا کرنا اس کی غرض ہو اور اس میں خدمت محسوس کرے اُمید کی شکل میں معاوضہ ہو جائے گا پھر سخاوت نہ ہو گی۔

بخل کا علاج

اس کا علاج بھی عِلم و عمل سے مرکب ہے عِلم تو یہ کہ پہلے اس کا سبب پہچانا جائے کیونکہ اس کے بغیر علاج ہی ممکن نہیں۔ خواہشات کی مُحبّت اس کا سبب ہے اس لیے کہ بغیر مال آدمی اپنی خواہشات کو پیدا نہیں کر سکتا اس کے ساتھ درازیٔ عمر کی امید بھی وابستہ ہوتی ہے کیونکہ اگر بخیل کو معلوم ہو جائے کہ ایک دن یا ایک برس سے زیادہ میری زندگی باقی نہیں رہے گی تو اس کا خرچ کرنا اُسے آسان ہو جائے گا ہاں اس کی اولاد ہو تو الگ بات ہے کیونکہ اس کی بقا ہی سمجھتا ہے اور اس کا بخل بڑھ جاتا ہے اسی لیے جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اولاد بخیلی' بزدلی اور نادانی کا سبب ہوتی ہے اور کسی وقت مال کی مُحبّت سے بڑی خواہشات جنم لیتی ہیں یا مال کی مُحبّت نفس کی خواہشات کے لیے نہیں بلکہ خود مال ہی اس کا معشوق بن جاتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آدمی کا مال عمر بھر پڑا رہتا ہے اور اس نقد کے علاوہ اس کی زمین وغیرہ کی آمدنی اس کے اہل و عیال کے لیے کافی ہوتی ہے لیکن بیمار ہوتا ہے تو علاج نہیں کرتا' زکوٰۃ نہیں دیتا' زمین میں مال کو دبا کر رکھتا ہے حالانکہ اسے معلوم ہوتا ہے کہ مجھے مرنا ہے اور دشمن میرا مال لے جائیں گے لیکن بخل پھر بھی خرچ کرنے سے روکتا ہے یہ بہت بڑی بیماری ہے بہت کم علاج پذیر ہوتی ہے۔ اگر تم نے اس کا سبب پہچان لیا تو قناعت سے اور خواہشات کو ترک کر کے اس کا علاج کر سکو گا پھر مال سے بے نیازی نصیب ہو جائے گی رہ گئی زندگی کی درازی کی اُمید تو اس کا علاج یہ ہے کہ موت کو بکثرت یاد کیا جائے اور ہم جنسوں کو دیکھے کہ کس طرح اچانک وہ مر گئے اور اپنے ساتھ حسرتیں لے گئے دشمنوں نے ان کا مال افسوس کر کے بانٹ لیا اور جہاں تک اولاد کی محتاجی کا تعلق ہے تو اس کا یوں علاج

کرے کہ یہ بات سمجھ لے کہ جس نے انھیں پیدا کیا ہے وہ ان کا رازق بھی ہے اس نے جو ان کے مقدر میں لکھا ہے وہ مل کر رہے گا اگر خدانخواستہ محتاجی ہی مقدر ٹھہری ہے تو کسی کے بخل سے تونگری نصیب نہیں ہوگی بلکہ وہ مال کو ضائع کر دیں گے اور اگر ان کے مقدر میں تونگری ہے تو انھیں کسی دوسری جگہ سے مل جائے گا۔ آدمی کو دیکھنا چاہیے کہ بہت سے صاحب ثروت ایسے ہیں جن کے والدین کچھ چھوڑ کر نہیں مرے اور بہت سے ایسے ہیں جنھوں نے خوب میراث حاصل کی لیکن تباہ کر ڈالی۔ اور انسان کو محسوس کرنا چاہیے کہ اگر اس کی اولاد اللہ کی فرمانبردار ہوگی تو اللہ میاں خود ہی اس کی ضروریات کی کفالت کرے گا ورنہ محتاجی ہی ان کے حق میں بہتر ہے کہ کم از کم مالی گناہوں سے تو بچیں گے اور جو احادیث بخل کی مذمت اور سخاوت کی تعریف میں وارد ہیں ان میں غور و فکر کرنا اور یہ سوچنا کہ بخیل کا ٹھکانہ دوزخ ہے ایک موثر علاج ہے یاد رہے کہ بخیل اپنی تمام تر عبادت کے باوجود جہنم میں جائے گا تو آدمی کو مال سے اور کیا فائدہ چاہیے کہ اپنے آپ کو اللہ کی ناراضی اور جہنم سے بچا لے۔ بخیلوں کے حالات پر غور کرنا چاہیے کہ وہ عام لوگوں کے نزدیک کتنے بڑے ہیں اور ان کی نظر میں کتنے حقیر ہیں یہ تو ہے علمی علاج جب ان باتوں پر غور کرے گا تو اگر بیماری علاج پذیر ہے اور خرچ کرنے کی رغبت دل میں پیدا ہوئی ہے تو انسان کو فوراً عمل میں مشغول ہو جانا چاہیے اور جونہی خیال آئے اسے خرچ کرنا شروع کر دے۔ حضرت ابوالحسن ابو سجد رحمۃ اللہ علیہ نے طہارت خانے میں اپنے خادم کو آواز دی کہ میرا پیراہن فلاں فقیر کو دے دے۔ خادم نے عرض کیا کہ باہر آنے تک صبر کر لیا ہوتا فرمایا کہ میں نے اس بات سے خوف محسوس کیا کہ مجھے کوئی دوسرا خیال آئے تو اس ارادہ کو بدل دے۔ بغیر مال خرچ کیے بخل کا علاج ممکن نہیں جس طرح یہ ممکن نہیں کہ بغیر سفر کیے آدمی معشوق سے جدا ہو جائے اور عاشق عشق سے نجات حاصل کر لے اسی طرح مال سے جدا ہونا اس کے عشق و محبّت کا علاج ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ بخل کے سبب مال کو سنبھال کر رکھنے سے یہ بہتر ہے کہ اس سے نجات حاصل کرنے کی خاطر اسے دریا میں ڈال دے اور یہ ایک لطیف حیلہ اور پاکیزہ علاج ہے کہ انسان اپنے آپ کو نیک نامی پر فریفتہ کرے اور اپنے دل سے کہے کہ خرچ کر تاکہ لوگ تجھے سخی کہیں۔ ریا اور جاہ کی مُحبّت کو مال کی مُحبّت پر مسلط کرنا بھی ایک علاج ہے اور جب مال کی حرص سے نجات ہو جائے تو ریا کا علاج کرے جس طرح لڑکے کا دودھ چھڑانے کے لیے اسے پہلے اس چیز سے مانوس کرتے ہیں جس کو وہ محبوب رکھتا ہے تاکہ اس کے شغل میں دودھ کو بھول جائے۔ اخلاقِ خبیثہ کا یہ بہترین طریقہ ہے کہ ایک صفت کو دوسری پر مسلط کر دیا جائے تاکہ جسے مسلط کیا ہے اس کے باعث پہلی صفت سے نجات حاصل ہو جائے۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ جو خون کپڑے پر پانی سے صاف نہیں ہوتا اسے پیشاب سے دھونا چاہیے تاکہ شوریت کے سبب پیشاب اس کا اثر زائل کر دے پھر پیشاب کو پانی سے دھونا آسان ہے تو جو شخص بخل کا علاج ریا سے کرے گا اُس نے گویا نجاست کا نجاست سے علاج کیا لیکن ریا جب اس کے دِل میں جگہ نہ پکڑے تو اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ علاج آسان ہو گا۔ اگرچہ بخل اور اپنی تعریف کا شوق دونوں ہی بشری کمزوریاں ہیں لیکن ان کی مثال ایسی ہے کہ بشریت کے کوچہ میں کانٹے اور پھول دونوں ہیں۔ سخاوت گلشن ہے جو نیک نامی کے لیے حرام نہیں کیونکہ ریا فقط عبادت میں حرام ہے اور مال کو چھوڑنا جبکہ اللہ کے لیے اس کو خرچ کرنا ضروری ہے اس کا بشریت سے کوئی تعلق نہیں اور وہ

محمود اور بہتر ہے تو بخیل شخص کو اس اعتراض کا حق نہیں کہ فلاں دکھلاوے کے لیے سخاوت کرتا ہے اس لیے کہ ریا کے ساتھ خرچ کرنا خرچ نہ کرنے اور بخل سے بہتر ہے جیسا کہ گلشن میں ہونا کانٹوں سے بہتر ہے۔ الغرض بخل کا علاج یہ ہے کہ آدمی جبر کر کے خرچ کرے تاکہ عادت ہو جائے اور بعض شیوخ نے اپنے مریدوں کا یوں علاج کیا ہے کہ ہر ایک کے لیے جدا جدا گوشہ مقرر کر دیتے تاکہ اس کے ساتھ دِل مانوس ہو جائے۔ جب دیکھتے کہ دِل مانوس ہو گیا تو اسے دوسرے گوشہ میں بھیج کر اس کا گوشہ کسی دوسرے کے سپرد کر دیتے اور اگر دیکھتے کہ مرید نے نیا جوتا پہنا ہے جو اس کے دِل کو لبھاتا ہے تو اسے کہتے کہ دسرے کو دے دے اور وہ دے دیتا۔ حضور علیہ السلام نے نعلین مبارک میں نیا تسمہ ڈالا نماز (نفل) میں اس پر نظر پڑی تو فرمایا کہ وہی پرانا تسمہ لانا اور نیا تسمہ نکال کر پرانا ڈال لیا جب حضور علیہ السلام نے ایسا کیا تو معلوم ہوا کہ دِل سے مال کی مُحبّت دُور کرنے کا یہی طریقہ ہے کہ اس کو اپنے پاس سے الگ کر دیا جائے۔ اس لیے کہ ہاتھ فارغ ہو گا تو دِل بھی فارغ ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ محتاج فراخ دِل ہوتا ہے اور جب اس کے پاس مال ہوتا ہے تو وہ ننانویں کے پھیر میں پڑ کر پھر بخیل ہو جاتا ہے اور آدمی کے پاس جو چیز نہیں ہوتی اس سے دِل فارغ رہتا ہے۔

حکایت : کسی بادشاہ کے پاس ایک شخص پیالہ بطور ہدیہ لایا جو فیروزے کا تھا اور جس میں جواہر کا جڑاؤ تھا ظاہر ہے کہ پیالہ اپنی مثال آپ تھا۔ ایک دانا آدمی دربار میں موجود تھا اس سے بادشاہ نے پوچھا کہ تم نے اس پیالے کو کیسا پایا؟ اُس نے کہا کہ اس کا انجام یا تو مصیبت ہے اور یا محتاجی' اور اس کے بغیر آپ دونوں باتوں سے مطمئن تھے بادشاہ نے وجہ پوچھی تو مَردِ دانا نے کہا کہ ٹوٹ جائے تو مصیبت کہ بے مثل چیز ہے اور چور لے جائیں تو محتاجی تاوقتیکہ دوبارہ نہ ملے۔ اتفاق کی بات کہ وہ ٹوٹ گیا اور بادشاہ نے کہا کہ مَردِ دانا کی بات صحیح تھی۔

مال کے زہر کا علاج

مال کی مثال سانپ جیسی ہے جس میں زہر بھی ہو اور تریاق بھی۔ جیسا کہ ہم نے بیان کیا تو جو شخص اس کے زہر کا ٹونا نہ جانتا ہو وہ اس کو ہاتھ میں لے گا تو ہلاک ہو جائے گا۔ چونکہ مال بالکلیہ بُرا نہیں اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم میں بعض مالدار بھی تھے جیسے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ۔ تو نفس مالدار ہونا بُرا نہیں جیسے کوئی لڑکا کسی جادوگر کو دیکھے کہ سانپ پکڑ پکڑ کر اپنی پٹاری میں بھر رہا ہے اور یہ خیال کرے کہ یہ سانپ اس لیے پکڑ رہا ہے کہ یہ نرم ہے اور ہاتھ میں اچھا لگتا ہے اور وہ بھی سانپ پکڑنے کے شوق میں ہلاک ہو جائے۔

مال کے پانچ ٹونے ہیں پہلا تو یہ کہ آدمی یہ سمجھ لے کہ اللہ نے مال کیوں پیدا کیا؟ ہم بیان کر چکے ہیں کہ خوراک لباس اور مسکن و رہائش کے لیے مال ضروری ہے اور بدن حواس کی خاطر اور حواس عقل کے لیے ہیں جب کہ عقل دِل کے لیے ہے تاکہ دِل اللہ کی معرفت سے آراستہ ہو۔ یہ بات ذہن نشین ہو جائے گی تو آدمی ضرورت کی حد تک مال اپنے قبضہ میں لے گا اور صحیح مصارف میں خرچ کرے گا۔ دوسرا ٹونا یہ ہے کہ آمدنی پر نگاہ رکھے کہ حرام اور مشتبہ تو نہیں نیز ایسے طریق سے کمائی تو نہیں ہو رہی جو مروتِ انسانی کے خلاف ہے جیسے رشوت اور بھیک وغیرہ تیسرا یہ کہ مال کی تعداد پر نظر رکھے اور ضرورت سے زیادہ جمع نہ کرے جو ضرورت سے زائد ہو اسے آخرت کے لیے زادِ راہ بنا کر محتاجوں کو دے

دے اس میں اگر ایثار کی طاقت نہیں تو حاجت کی جگہ تو ضرورت خرچ کرے۔ چوتھا ٹوتا یہ ہے کہ خرچ پر نگاہ رکھے اور اسراف سے کام نہ لے تھوڑے پر قناعت کرے اور اچھے کاموں میں خرچ کرے۔ اس لیے کہ بے جا صرف کرنا ایسا ہی ہے جیسے حرام طریقے سے کمانا۔

پانچواں ٹوتا یہ ہے کہ آمد و خرچ اور بچانے میں اپنی نیت درست کرلے۔ کمائی عبادت میں فراغت کی خاطر ہو اور جس مال سے دستبردار ہو اس سے دُنیا کو بُرا جاننے کے سبب دست بردار ہو اور اس کے خیال سے اپنے دل کو پاک رکھے تاکہ اللہ کی یاد میں مشغول ہو اور جو مال بچائے تو وہ اس لیے کہ دین کی راہ میں کام آئے گا۔ جب آدمی ایسا کرے گا تو مال اسے نقصان نہیں پہنچائے گا اور ایسا مال تریاق ہو گا زہر نہیں۔ امیرالمؤمنین سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی ساری زمین کی دولت حاصل کرلے تو وہ زاہد ہے اگرچہ ظاہری طور پر وہ امیر ترین آدمی ہے اور اگر تمام دُنیا کو ترک کر دے اور للہیت مقصود نہ ہو تو وہ بھی زاہد نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ اللہ کی عبادت اور آخرت کی طرف متوجہ رہے۔ اس شکل میں کھانا پینا حتیٰ کہ بیت الخلاء جانا عبادت بن جاتا ہے اور سب پر اسے ثواب ملے گا اس لیے کہ دین کی راہ میں ان تمام چیزوں کی حاجت ہے بس نیت درست ہونی چاہیے اور چونکہ اکثر لوگ ان چیزوں سے عاجز ہیں اور وہ ان علاجوں کو نہیں جانتے اور اگر جانتے ہیں تو عمل نہیں کرتے اس لیے بہتر یہ ہے کہ جتنا ممکن ہو مال سے دُور رہے اس لیے کہ مال کی اکثریت اترانے اور غفلت کا سبب نہ بھی ہو تب بھی آخرت کے درجات گھٹانے کا سبب تو ضرور ہو گی اور یہ کم نقصان کی بات نہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے انتقال کے وقت بہت سا مال چھوڑا تو بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ کثرتِ مال کے سبب ہمیں ان پر خوف آ رہا ہے۔ حضرت کعب الاحبار نے فرمایا سبحان اللہ ڈرنے کی کیا بات ہے۔ انھوں نے حلال مال حاصل کیا حق اور صحیح جگہ خرچ کیا اور جو چھوڑا حلال چھوڑا اس میں خوف کی کیا بات ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو غصہ میں باہر تشریف لائے اُونٹ کی ہڈی ہاتھ میں تھی حضرت کعب الاحبار کو مارنے کی خاطر تلاش کرنے لگے وہ ڈرتے ڈرتے امیرالمؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچ گئے اور وہاں پناہ لی۔ حضرت ابوذر بھی پیچھے پیچھے تشریف لے گئے اور کہا کہ او یہودی بچے تم کہتے ہو کہ حضرت عبدالرحمٰن نے جو مال چھوڑا ہے اس میں کیا نقصان ہے۔ حالانکہ ایک دن نبی علیہ السلام تشریف لے جا رہے تھے اور میں ساتھ تھا فرمایا کہ اے ابوذر میں نے جواب دیا لبیک یارسول اللہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مالدار لوگ قیامت میں سب سے کمتر اور آخر میں ہوں گے مگر وہ شخص جو دائیں بائیں آگے پیچھے مال پھینکتا ہو اور خرچ کرتا ہو۔ اے ابوذر میں نہیں چاہتا کہ میرے پاس کوہِ احد سے کئی گنا زیادہ مال ہو اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دوں اور جس دن دُنیا سے رخصت ہوں تو دو قیراط میرے پاس موجود ہوں۔ جب حضور علیہ السلام نے یہ فرمایا تو اے یہودی بچے تو یوں کہتا ہے تو جھوٹا ہے اور کسی نے بھی حضرت ابوذر کو جواب نہ دیا۔ ایک بار حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے تجارتی اُونٹوں کا لشکر یمن سے آیا۔ مدینہ میں غلغلہ بلند ہو گیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کیا ماجرا ہے؟ لوگوں نے بتلایا تو آپ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا حضرت عبدالرحمٰن بن عوف تک یہ خبر پہنچی تو وہ اس کلمہ سے فکر مند ہوئے اور اسی وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ رسول اللہ نے کیا فرمایا تھا۔ انھوں نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ مجھے جنت کا مشاہدہ کرایا گیا تو میں نے

اپنے محتاج دوستوں کو دیکھا کہ وہ دوڑے دوڑے جنت میں چلے جا رہے ہیں اور تونگر دوستوں کو نہیں دیکھا اور عبدالرحمٰن بن عوف کو کہ وہ گرتے پڑتے جنت میں پہنچے ہیں۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے ان اُونٹوں کو اور ان پر جو مال تھا فی سبیل اللہ صدقہ کر کے تمام غلاموں کو آزاد کر دیا تاکہ وہ بھی محتاج حضرات کے ساتھ جا سکیں۔

حضور علیہ السلام نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف سے فرمایا کہ میری امت کے امیروں میں سب سے پہلے تو جنت میں جائے گا مگر کوشش کے ساتھ اندر جا سکے گا۔ ایک بڑے صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نہیں چاہتا کہ روزانہ ہزار دینار حلال کماؤں اور اللہ کی راہ میں خرچ کروں اس وجہ سے نہ تو میں جماعت کی نماز سے محروم رہوں نہ کسی اور نیکی سے! لوگوں نے پوچھا کہ کیوں؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سوال کی جگہ مجھ سے استفسار فرمائیں گے کہ اے میرے بندے تو کہاں سے لایا تھا اور کہاں خرچ کیا تھا۔ میں سوال و جواب اور حساب کی طاقت نہیں رکھتا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن ایک شخص کو لایا جائے گا جس نے حرام طریقہ سے مال کمایا ہو گا اور حرام ہی میں اڑایا ہو گا اس کو جہنم میں بھیج دیا جائے گا پھر دوسرے کو لایا جائے گا جس نے کمایا تو حلال طریق سے ہو گا لیکن حرام میں لٹایا ہو گا اسے بھی دوزخ میں بھیج دیا جائے گا پھر تیسرے کو لائیں گے جس کی کمائی حرام کی ہو گی لیکن اس نے حلال جگہ پر خرچ کیا ہو گا اس کا بھی وہی انجام ہو گا حتیٰ کہ چوتھا حاضر ہو گا جس کی کمائی حلال کی ہو گی تو خرچ بھی صحیح ہو گا۔ اس کے متعلق حکم ہو گا کہ اسے ٹھہراؤ شاید اُس نے حلال کمانے میں کوئی قصور کیا ہو یا اس نے طہارت یا رکوع و سجود میں کوتاہی کی ہو یا بروقت اُس نے صحیح نماز نہ پڑھی ہو۔ وہ عرض کرے گا کہ اے اللہ میں نے حلال طریقہ سے کمایا اور صحیح جگہ پر خرچ کیا اور کسی فرض کی ادائیگی میں کوتاہی نہیں کی اور نہ ہی اس مال کے سبب تفاخر و غرور کا مظاہرہ کیا۔ ارشاد ہو گا کہ ممکن ہے تم نے تکلف سواری اور لباس استعمال کیا ہو اور زمین پر فخر و نخوت کی چال چلی ہو عرض کیا کہ اے اللہ ایسا نہیں۔ پھر ارشاد ہو گا کہ شاید تو نے کسی یتیم و مسکین پڑوسی کے حق میں کوتاہی کی ہو وہ عرض کرے گا کہ اے اللہ ایسا نہیں۔ میں نے سب کے حقوق پورے کیے حتیٰ کہ صاحب حقوق جمع ہو جائیں گے اور عرض کریں گے کہ اے اللہ آپ نے اسے نعمت سے سرفراز فرمایا ہمارے حقوق کے متعلق اس سے سوال کریں۔ چنانچہ ایک ایک حق کی نسبت سوال ہو گا اگر کامیاب ہو گیا تو ارشاد ہو گا کہ کھڑے رہو اور اب اِن نعمتوں کا شکریہ پیش کرو جو تم نے حاصل کیں جو لقمہ تو نے کھایا اس کا شکریہ جو لباس پہنا اس کا شکریہ وغیرہ ذالک ایک ایک بات کا سوال ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلاف میں سے عام لوگ مال کو پسند نہیں کرتے تھے کہ اگر عذاب نہیں ہو گا تو ذرا ذرا سی بات کا حساب تو ہو گا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو امت کے پیشوا تھے آپ نے اختیاری فقر کو پسند فرمایا تاکہ امت کو معلوم ہو جائے کہ فقر ہی بہتر ہے۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بے تکلفی نصیب تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا کہ آؤ فاطمہ کی عیادت کر کے آئیں ان کے دروازہ پر پہنچے تو دروازہ کھٹکھٹا کر السلام علیکم فرمایا اور اندر آنے کی اجازت چاہی اجازت ملی تو فرمایا کہ ایک تو میں ہوں اور ایک صاحب میرے ساتھ اور ہیں حضرت فاطمہ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے بدن پر ایک کمبل کے سوا کوئی کپڑا نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہی اپنے بدن پر لپیٹ لو۔ انھوں نے عرض کیا کہ لپیٹ تو لیا مگر سر کھلا ہے۔ آپ نے اپنی چادر پھینک دی کہ اسے سر پر ڈال لو پھر اندر تشریف لے گئے اور ان کی طبیعت معلوم کی انھوں نے کہا کہ بیمار ہوں اور ساتھ ساتھ گرسنگی

ہے اس وجہ سے زیادہ تکلیف ہوتی ہے کہ بیماری کے ساتھ بھوک بھی ہے اور کچھ نہیں ہے جو کھاسکوں۔ آپ ﷺ بے اختیار رونے لگے اور فرمایا میری بیٹی صبر سے کام لو۔ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی کہ تین دن سے میں نے بھی کچھ نہیں کھایا اور اللہ کے نزدیک میرا درجہ تجھ سے بڑھا ہوا ہے اگر میں مانگتا تو وہ ضرور دیتا لیکن میں نے دُنیا پر آخرت کو ترجیح دی۔ پھر اپنا دست مبارک ان کے کندھے پر رکھا اور فرمایا کہ تمھیں بشارت ہو کہ تم جنتی عورتوں کی سردار ہو۔ انھوں نے عرض کیا کہ حضرت آسیہ (امراۃ فرعون) اور حضرت مریم کا کیا مقام ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ اپنے اپنے زمانہ کی عورتوں کی سردار ہیں۔ تم سب ایسے ایسے مکانوں میں رہو گی جو سونے چاندی سے آراستہ ہوں گے ان میں نہ غل غپاڑہ ہو گا نہ دکھ دو۔ فرمایا اے میری بیٹی میں نے اپنے عم زاد بھائی کے ساتھ تیرا نکاح کیا جو دونوں جہانوں میں سردار ہیں۔

حکایت : ایک مَرد نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ میں آپ علیہ السلام کی محبّت میں رہنا چاہتا ہوں اور آپ علیہ السلام کے ساتھ چل پڑا۔ ایک شہر میں پہنچے تو وہاں تین روٹیاں ملیں جن میں سے دو کھالیں ایک بچ رہی۔ حضرت عیسیٰ وہاں سے کسی دوسری جگہ تشریف لے گئے واپس تشریف لائے تو روٹی ندارد۔ آپ علیہ السلام نے پوچھا تو اُس نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ وہاں سے آپ علیہ السلام آگے بڑھے تو ایک ہرنی دو بچوں سمیت نظر آئی آپ علیہ السلام نے ایک کو آواز دی تو آپ علیہ السلام کے پاس چلا آیا۔ آپ علیہ السلام نے اسے ذبح کیا وہی اس وقت ہی روسٹ ہو گیا۔ دونوں نے جی بھر کر کھایا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے فرمایا کہ زندہ ہو جا چنانچہ وہ زندہ ہو گیا اور چلا گیا پھر آپ علیہ السلام نے اس شخص سے کہا کہ قسم ہے اللہ تعالیٰ کی جس نے تجھے یہ معجزہ دکھایا اب بتا وہ روٹی کہاں ہے؟ اُس نے پھر لاعلمی کا اظہار کیا وہاں سے چلے تو ایک دریا کے قریب پہنچے۔ آپ علیہ السلام نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور دونوں آدمی پانی کے اوپر چل پڑے پھر آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ قسم ہے اُس ذات کی جس نے تجھے یہ معجزہ دکھایا بتا وہ روٹی کہاں ہے؟ اُس نے پھر لاعلمی کا اظہار کیا۔ وہاں سے آگے بڑھے تو ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں ریت تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس ریت کو جمع کیا اور فرمایا کہ اللہ کے حکم سے سونا ہو جا وہ سونا ہو گئی۔ آپ علیہ السلام نے اس کے تین حصّے کیے اور فرمایا کہ ایک حصّہ تیرا ہے ایک میرا اور تیسرا اس کا جو روٹی لے گیا حتیٰ کہ دو آدمی اس کے پاس آئے اور چاہا کہ اسے مار کر سونا حاصل کر لیں۔ اس نے لجاجت کی کہ مجھے قتل نہ کرو ان تینوں حصّوں میں سے ایک ایک حصّہ ہم تینوں لے لیتے ہیں۔ پھر ایک آدمی نے کہا کہ ہمارے لیئے کھانا لاؤ وہ گیا اور کھانا مول لایا لیکن اس کے جی میں آیا کہ وہ سونا کیوں لے جائیں۔ جب وہ کھانا لے کر آیا تو انھوں نے طے شدہ قرارداد کے مطابق اسے قتل کر ڈالا اور اس کا لایا ہوا زہریلا کھانا (جس کا انھیں عِلم نہ تھا) کھا کر خود بھی مر گئے اور سونا اسی طرح پڑا رہا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جب اُدھر سے پھر گزر ہوا تو سونا یونہی پڑا ہوا پایا اور پاس ہی تین مُردے نظر آئے انھیں دیکھ کر فرمایا کہ یارو دُنیا ایسی ہی چیز ہے اس سے بچو۔

اس حکایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آدمی کتنا ہی استاد اور افسوں گر ہو مگر بہتر یہ ہے کہ مال سے بچے اور اُس کے گرد نہ پھٹکے ہاں اتنا لے جتنا ضروری ہو اس لیے کہ سانپ پکڑنے والے کو آخر سانپ ہی مارتا ہے۔ واللہ اعلم

فصل ۷ : جاہ و حشمت کی مُحبّت کا علاج اور اس کے نقصانات

یاد رکھنا چاہیے کہ بہت سے لوگ جاہ و حشمت' نیک نامی اور مخلوق کی طرف سے تعریف و توصیف کی طلب کے سبب ہلاک ہوئے ہیں۔ بہت سے جھگڑے اور دشمنیاں اور گناہ اس وجہ سے ہوتے ہیں جونہی یہ خواہش پیدا ہوئی دین کی راہ سے انسان بھٹک گیا اس کا دِل نفاق اور بُرے اَخلاق سے بھرجاتا ہے جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جاہ و مال کی مُحبّت دِل میں نفاق کو اس طرح اُگاتی ہے جس طرح پانی سبزے کو اُگاتا ہے اور فرمایا کہ دو بھوکے بھیڑیئے بکریوں کے ریوڑ میں وہ تباہی نہیں مچاتے جیسی تباہی جاہ و مال کی مُحبّت مسلمان کے دِل میں مچاتی ہے۔ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مخلوق کو دو چیزوں نے ہلاک کیا ہے ہوس کی اتباع اور اپنی تعریف کی خواہش نے! اِس سے وہی شخص نجات پاتا ہے جو نیک نامی اور شہرت کا طالب نہ ہو اور گمنامی پر قناعت کرے۔ اللہ ربّ العزت کا ارشاد ہے :

﴿ تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ﴾ (قصص)

"دارِ آخرت کو ہم نے اُن لوگوں کی خاطر بنایا ہے جو زمین میں بزرگی کی خواہش نہیں رکھتے ہیں اور نہ فساد کرتے ہیں"

حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ لوگ جنتی ہیں جو خاک نشیں بکھرے بالوں والے' موٹا چھوٹا پہننے والے ہوں' کوئی اُن کی عزت نہ کرتا ہو' اگر اُمراء کے گھر جانا چاہیں تو وہ اجازت نہ دیں' نکاح کی خواہش ہو تو کوئی رشتہ نہ دے' بات کریں تو کوئی نہ سنے۔ ان کی اُمنگیں دِل ہی میں رہ جاتی ہیں۔ قیامت کے دن اِن لوگوں کا نور تقسیم کیا جائے گا تو تمام مخلوق اس سے بہرہ ور ہو گی۔

خاکسارانِ جہاں را بہ حقارت منگر
توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

اور فرمایا کہ بہت سے خاک نشین پھٹے پرانے کپڑوں والے ایسے ہیں کہ اگر وہ اللہ پر کوئی قسم کھالیں تو اللہ میاں ان کی قسم میں انھیں سچّا ثابت کر دے اور فرمایا کہ بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ اگر تم سے ایک دینار' درم یا حبہ مانگیں تو تم نہ دو لیکن اگر اللہ سے جنت مانگیں تو وہ عنایت کر دے اور اگر دُنیا مانگیں تو وہ نہ دے اور اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ ذلیل ہیں (بلکہ دُنیا ایسی ہے) حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لائے تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو روتے ہوئے دیکھا وجہ معلوم کی تو انھوں نے بتلایا کہ میں نے حضور علیہ السلام سے سنا ہے کہ ذرا سی رِیا بھی شرک ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے چھپے ہوئے پرہیز گاروں کو دوست رکھتا ہے کہ جو غائب ہو جائیں تو انھیں کوئی نہ ڈھونڈے اور حاضر ہوں تو کوئی پہچانے نہیں ان کے دِل راہِ ہدایت کے ایسے چراغ ہیں جو تمام شبہات اور ظلمتوں سے پاک ہیں۔ حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جو شخص نیک نامی اور شہرت کو عزیز رکھتا ہے وہ دینی اعتبار سے کامل نہیں۔ حضرت ایوب علیہ السلام فرماتے ہیں کہ سچائی کی علامت یہ ہے کہ آدمی یہ نہ چاہے کہ کوئی مجھے پہچانے۔ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کے پیچھے ان کے کئی شاگرد چلتے تھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انھیں درے مارے۔ انھوں نے عرض کیا کہ امیرالمؤمنین آپ کیا کرتے ہیں؟ فرمایا کہ یہ چیز

پیچھے چلنے والے کے حق میں ذلت کا باعث ہے اور آگے چلنے والے کے حق میں نخوت و غرور کا موجب ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جو اَحمق لوگوں کو اپنے پیچھے پیچھے چلتا دیکھتا ہے کہ اس کا دِل کسی بھی حال میں سلامتی کی راہ پر نہیں رہتا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کہیں تشریف لے جا رہے تھے کچھ لوگ اُنؑ کے پیچھے پیچھے چلنے لگے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ یہ نہ جانتا ہوتا کہ یہ چیز مجھے پسند نہیں تو میں اُس کے غضب سے ڈرتا۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ہمارے اسلاف اس کپڑے کو پسند نہیں کرتے تھے جو نیا یا پرانا ہونے کے سبب لوگوں کی توجہ کا مرکز بنیں۔ بلکہ انسان کو ایسا ہونا چاہیے کہ کوئی اس کا ذکر نہ کرے۔ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص نام و نمود اور شہرت و جاہ طلبی کو عزیز رکھتا ہے اس کا دین بہرحال تباہ ہو کر رہتا ہے۔

جاہ کی حقیقت

جس طرح تونگری کے معنی یہ ہیں کہ مال و زر انسان کی ملک میں ہو اور اس کے قبضہ و تصرف میں ہو اسی طرح صاحب جاہ کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کے دل اس کے مسخر ہوں اس کا تصرف لوگوں کے دِل میں جاری ہو اور جب کسی کا دِل تابع ہو جائے تو بدن اور مال بھی تابع ہو جاتا ہے اور بغیر حسن عقیدت دِل تابع نہیں ہوتا۔ جب کسی کی عظمت کسی کمال کی وجہ سے آدمی کے دِل میں سجا جائے مثلاً علم و عبادت کے سبب یا نیک اَخلاق یا کسی اور ایسی وجہ سے جسے لوگ کمال کا باعث سمجھتے ہوں تو سمجھئے کہ دِل تابع ہو گیا پھر آدمی اس کی تعریف کرتا اور بدن سے اس کی خدمت میں مستعد رہتا ہے اور مال نثار کرنے سے گریز تو نہیں کرتا جس طرح غلام اپنے آقا کا تابع ہوتا ہے اسی طرح وہ آدمی صاحب جاہ کا مرید و تابع رہتا ہے بلکہ غلام تو مجبوراً تابع ہوتا ہے اور یہ دِلی عقیدت سے۔ تو مال سے تو اشیاء کی ملکیت مقصود ہے اور جاہ سے دلوں کی اور بہت سے آدمی ایسے ہیں جنھیں جاہ مال سے زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ اس کے اَسباب مختلف ہیں جو تعداد میں تین ہیں۔

ایک تو یہ کہ مال سے پیار اس لیے ہوتا ہے کہ وہ بقول کسے "حاجت روا" ہے (فارسی اصطلاح جس کا مطلب ہے ضروریات کے پورا کرنے کا ذریعہ) اور یہی حال جاہ کا ہے بلکہ صاحب جاہ کے لیے مال حاصل کرنا آسان ہے کیونکہ کمینہ آدمی مال کے ذریعہ جاہ و عزت حاصل نہیں کر سکتا (یہ امام غزالی کے دور کی بات ہے اب تو مال ہی سب کچھ ہے فیاللعجب۔ مترجم) دوسرا یہ کہ مال میں تو ڈر ہے کہ ضائع ہو جائے یا چور لے جائیں یا خرچ ہو جائے لیکن جاہ میں ایسا خوف نہیں تیسرا یہ کہ مال میں تجارت وغیرہ کی مشقت کے بعد اضافہ ہوتا ہے اور جاہ سرایت کرتی اور زیادہ ہو تو اس لیے کہ جو تیرا عقیدت مند ہے وہ سارے جہان میں تیری تعریف کرتا پھرے گا اور جتنے لوگ بن دیکھے تیرے دامِ عقیدت کا شکار ہو جائیں گے اور جتنی شہرت بڑھے گی اتنا ہی جاہ میں اضافہ ہو گا اور متبعین و عقیدت مند بڑھیں گے گویا جس طرح مال مطلوب و عزیز ہے یہی حال جاہ کا ہے کہ دونوں ہی حاجت براری کا ذریعہ ہیں باقی اس بات کا انسان کی طبیعت پر انحصار ہے کہ ایسے شہر جہاں اس کے پہنچنے کا احتمال نہیں وہاں کے لوگوں کے متعلق بھی یہ خیال رکھے کہ وہ اس کے دامِ عقیدت کا شکار ہوں اگرچہ اسے معلوم ہو کہ وہ اس کا محتاج نہیں اس کا راز بہت بڑا ہے وہ یہ کہ انسان فرشتوں کے گوہر اور اللہ

کے کاموں میں سے ہے جیسا کہ ارشادِ باری ہے: ﴿ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ ﴾ تو چونکہ انسان حضرت ربوبیت سے بہت مناسبت رکھتا ہے اس لیے وہ اندازِ ربوبیت کی طلب میں رہتا ہے۔ فرعون نے ﴿ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی ﴾ جو کہا تو اس کی طلب و خواہش ہر کسی کے دِل میں موجود ہے اس لیے ہر شخص بالطبع ربوبیت کو عزیز رکھتا ہے جس کا معنی یہ ہے کہ سب وہی ہو اس کے ساتھ کوئی دوسری چیز نہ ہو کیونکہ جب کوئی دوسری چیز ہو گی تو کمال نہیں ہو گا نقصان ہو جائے گا آفتاب میں کمال ہے کہ وہ ایک ہی ہے اور سب روشنی اسی کے دم قدم سے ہے دوسرا سورج ہوتا تو یہ کمال نہ ہوتا اور یہ کمال کہ سب وہی ہو کوئی اور نہ ہو حضرت حق کی خصوصیت ہے اس لیے کہ فی الحقیقت وہی "ہست" ہے اس کے سوا کوئی دوسری چیز فی الحقیقت موجود نہیں۔ جو کچھ ہے اس کی قدرت کا نور ہے اس کا تابع ہے شریک و ساجھی نہیں جیسا کہ آفتاب کا نور اس کا تابع ہے۔ اس کے مقابل یا اس کا شریک و ساتھی نہیں تو آدمی کی طبیعت ایسی ہے کہ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ میں ہی میں ہوں۔ چونکہ یہ بات اس کے بس میں نہیں اس لیے چاہتا ہے کہ سب کچھ میرے ہی تابع ہو لیکن یہ بھی ممکن نہیں کیونکہ موجودات کی دو قسم ہیں ایک تو وہ کہ ان پر آدمی کا تصرف ممکن ہی نہیں جیسے آسمان، ستارے، ملائکہ، شیاطین اور جو کچھ زمین کے نیچے دریاؤں کی تہہ اور پہاڑوں کے عمق میں ہے تو آدمی کی خواہش یہ ہے کہ عِلم کے ذریعہ ان چیزوں پر مستولی ہو جائے تاکہ اگر سب چیزیں اس کی قدرت کے تصرف میں نہیں آسکتیں تو کم از اس کے عِلم کے تصرف میں آجائیں اس لیے اس کی خواہش ہوتی ہے کہ ملکوتِ آسمان و زمین بحر و بر کے عجائبات اور جو کچھ ہے اسے معلوم ہو جیسے جو شخص شطرنج بچھانے سے عاجز ہو تو وہ اتنی بات تو چاہتا ہے کہ اسے معلوم ہو جائے کہ یہ کیسے بچھائی جاتی ہے کیونکہ یہ بھی استیلاء و قبضہ کی ایک قسم ہے دوسری قسم موجودات کی ہے جس پر آدمی تصرف کر سکتا ہے روئے زمین کے علاوہ نباتات، حیوانات، جمادات وغیرہ اسی قبیل سے ہیں ان تمام چیزوں میں آدمی کا دِل بہت نفیس ہے وہ چاہتا ہے کہ یہ سب میرے ہی تابع ہوں اور میں ہی ان میں تصرف کروں تاکہ ہمیشہ میری ہی یاد میں مشغول رہیں۔ یہی معنی جاہ کے ہیں تو ربوبیت کو آدمی بالطبع دوست رکھتا ہے کہ اس کی نسبت اس طرف کھینچتی ہے اور ربوبیت کا معنی یہ ہے کہ سارے کمالات اسے حاصل ہوں اور کمال استیلاء سے ہوتا ہے جب کہ استیلاء کا تعلق عِلم و قدرت سے ہے اور آدمی کی قدرت مال و جاہ سے ہے تو جاہ و مال کی مُحبت کا یہی سبب ہے۔

فصل: اگر کوئی شخص یہ کہے کہ جب کمال ربوبیت کی طلب آدمی کی طبیعت ہے اور وہ عِلم و قدرت کے سوا حاصل نہیں ہوتی اور طلب عِلم اچھی بات ہے اور وہ تو کمال کو طلب کرتا ہے اس لیے جاہ و مال کی طلب بھی بُری نہیں کہ یہ بھی ایک قسم کی قدرت کا طلب ہے اور قدرت کی کمالات طلب سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے جیسے عِلم اور بندہ جتنا کامل ہوتا ہے اتنا ہی اللہ کے نزدیک ہوتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ عِلم و قدرت یقیناً کمال کی چیزیں ہیں اور اللہ کی صفات میں سے ہیں لیکن جہاں تک آدمی کا تعلق ہے وہ حقیقی عِلم تو حاصل کر سکتا ہے حقیقی قدرت اس کے بس میں نہیں۔ اور عِلم ایسا کمال ہے کہ اس کا حصول آدمی کے لیے ممکن ہے لیکن قدرت کا معاملہ ایسا نہیں۔ عِلم حاصل ہو کر ساتھ بھی رہتا ہے اور قدرت کا یہ سلسلہ ہی نہیں۔ آدمی بظاہر خیال کرتا ہے کہ اسے قدرت حاصل ہو گئی لیکن اسے استمرار و دوام حاصل نہیں کیونکہ قدرت کا تعلق مال اور مخلوق سے ہے اور مرتے ہی اس کا سلسلہ منقطع ہو

جاتا ہے اور جو چیز مرنے سے زائل ہو جائے ' سے باقیات صالحات میں سے کوئی نہیں کہتا اور اس کی تلاش میں وقت خرچ کرنا نادانی ہے تو قدرت اسی قدر کام آتی ہے جو علم کی تحصیل کا وسیلہ ہو۔ اور علم کا تعلق دِل سے ہے بدن سے نہیں اور جہاں تک دِل کا تعلق ہے تو وہ ابدی ہے۔ اَہل عِلم جب اس جہان سے جاتے ہیں تو عِلم ان کے ساتھ ہوتا ہے وہ ایک ایسا نور ہے جس کے سبب اَہل عِلم دیدارِ الٰہی کی سعادت سے لطف اندوز ہوں گے اور ایسی لذت پائیں گے جس کے سامنے جنت کی سب نعمتیں ہیچ محض ہوں گی اور عِلم ایسی چیز نہیں جو موت کے سبب زائل ہو جائے کیونکہ اس کا تعلق نہ مال سے ہے نہ مخلوق سے اس کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکومت جو ملک و ملکوت میں ہے اور معقولات کے عجائب جو جائزات واجبات اور محالات سے ہیں عِلم بھی ہے اور یہ چیزیں ازلی و ابدی ہیں کیونکہ یہ بدلتی نہیں اس لیے ہے کہ جو واجب ہے وہ محال نہیں اور محال ہرگز جائز نہیں ہوتا اور جو عِلم مخلوق اور فانی چیزوں سے تعلق رکھتا ہے وہ کسی شمار میں نہیں مثلاً عِلمِ لغت حادث اور فانی ہے اور اس کی قدر و منزلت محض اس لیے کہ قرآن و حدیث سمجھنے کا ذریعہ ہے جن کا سمجھنا اللہ تعالیٰ کی معرفت کا وسیلہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو گھاٹیاں ہیں وہ انھی کے سبب طے ہوتی ہیں تو متغیر اور فنا پذیر چیز کا عِلم ذاتی طور پر مقصود نہیں بلکہ یہ عِلم ازلی کا تابع ہے اور عِلمِ ازلی ہی باقیات صالحات میں سے ہیں۔ جنابِ الٰہی ہی ازلی و ابدی ہے تغیر کا اس میں کوئی دخل نہیں تو جس آدمی کو علومِ ازلیہ میں جتنی مہارت حاصل ہو گی وہ اتنا ہی حضرت حق کے قریب ہو گا۔ اس لیے آدمی کا عِلم تو حقیقی ہے قدرت حقیقی نہیں ہاں ایک طرح کی قدرت بھی ایسی ہے جو باقیات صالحات میں شمار ہوتی ہے اس کا نام حریت ہے جس کا مطلب خواہشات سے آزاد ہونا۔ کیونکہ جو شخص خواہشات کا پابند ہے وہ ان کا غلام ہے اسے جو حاجت ہوتی ہے اس کے سبب اس کا نقصان ہوتا ہے اس لیے خواہشات سے آزادی اور شہوات پر قدرت ایسا کمال ہے کہ اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کی صفات سے بایں طور قریب ہے کہ اس سبب سے آدمی تغیر اور حاجت سے دور رہتا ہے اور جس قدر ان سے دور رہتا ہے اسی قدر فرشتوں کے نزدیک ہو جاتا ہے۔ فی الحقیقت ایک کمال تو عِلم اور معرفت ہے جبکہ دوسرا کمال خواہشات کے ہاتھوں آزاد ہونا ہے اور جہاں تک مال و جاہ کا تعلق ہے یہ نہ تو کمال ہے اور نہ ہی مرنے کے بعد باقی رہتا ہے۔ پس لوگوں کے لیے کمال کا طلب تو بُری بات نہیں بلکہ ضروری ہے بلکہ مخلوق اس بات کی مامور ہے لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ لوگ حقیقی کمال سے جاہل ہیں اور جو چیز فی الحقیقت کمال نہیں اسے کمال سمجھ کر لوگ اس کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور کمال کی طرف پیٹھ کر لی ہے' چونکہ سب لوگ نقصان کی راہ پر جا رہے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ وَالْعَصْرِ! اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ﴾ (العصر)

"قسم ہے عصر کی تحقیق ہر آدمی نقصان میں ہے"

فصل : جاہ اور مال ایک طرح کی چیزیں ہیں ہر مال بُرا نہیں اس لیے بقدرِ ضرورت اس کا موجود ہونا راہِ آخرت کے لیے ضروری ہے اور اگر دِل مال میں مستغرق ہو جائے تو پھر وہ راہِ آخرت کا راہزن ہے یہی حال جاہ کا ہے۔ آدمی کے لیے ایک خادم و رفیق کی ضرورت ہے جو اس کی خدمت و معاونت کرے اور بادشاہ بھی ہونا چاہیے جو ظالموں کے شر سے بچائے اور ایک خاص حد تک لوگوں میں قدر و منزلت بھی ضروری ہے۔ ان مقاصد کے حصول کے لیے بقدرِ

ضرورت جاہ کا چاہنا بُری بات نہیں جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا ﴿ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ﴾۔ اسی طرح اگر استاذ کے دِل میں قدر نہ ہو گی تو وہ توجہ سے پڑھائے گا نہیں اور شاگرد کے دِل میں منزلت و احترام نہیں ہو گا تو اس سے تعلیم حاصل نہیں کرے گا تو معلوم ہوا کہ مال کی طرح بقدرِ کفایت طلب جاہ بُری بات نہیں۔

طلب جاہ کے چار طریقے ہیں جن میں سے دو تو مباح ہیں اور دو حرام' جو دو حرام ہیں ان میں سے ایک تو اپنی عبادت کا اظہار ہے کہ یہ رِیا اور حرام ہے۔ عبادت صرف اللہ کے لیے ہونی چاہیے۔ دوسرا حرام طریقہ دغا اور فریب ہے یعنی اپنے آپ کو ایسی صفت سے متصف کرنا جو فی الواقع اس میں نہیں مثلاً کسی ایسے نسب سے اپنے آپ کو وابستہ کرنا جو اس میں نہیں یا کسی پیشہ کے متعلق ظاہر کرنا کہ میں یہ جانتا ہوں اور حقیقت یہ نہ ہو مباح طریقوں میں سے ایک تو یہ ہے کہ ایسا طریقہ اختیار کیا جائے جس میں نہ تو فریب ہو اور نہ وہ چیز قبیل عبادت ہو دوسرا مباح طریقہ اپنے عیب کو چھپانا ہے کیونکہ اگر فاسق اپنا گناہ اس لیے چھپائے کہ اسے قربِ شاہ حاصل ہو جائے تو یہ مباح ہے۔

حُبِ جاہ کا علاج

جاہ دِل پر غالب ہو کر دِل کی بیماری اور روگ بن جاتا ہے پھر علاج کی ضرورت پڑتی ہے کیونکہ یہ حُب مال کی طرح آدمی کو نفاق' رِیا' جھوٹ' فریب' دشمنی' حسد' جھگڑے اور گناہوں کی طرف کھینچتی ہے بلکہ اس کا گناہ حب مال سے زائد ہے کیونکہ یہ مال کے مقابلہ میں دِل پر زیادہ غالب آتی ہے اور جو شخص اتنے ہی مال و جاہ پر قناعت کرے جس میں اس کا دین سلامت رہے تو وہ شخص بیمار نہیں اس لیے کہ ایسا کرنا مال و جاہ کو دوست رکھنا نہیں بلکہ فی الحقیقت دین کی خاطر فراغت حاصل کرنا ہے ہاں بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو جاہ کو اس قدر عزیز رکھتے ہیں کہ ہروقت اسی کا خیال رہتا ہے کہ لوگ مجھے کس نظر سے دیکھتے اور میرے متعلق کیا کہتے ہیں وہ کسی بھی کام میں مشغول ہو لیکن اس کے دِل میں یہی خیالات ہوتے ہیں یہ حالت ہو جائے تو علاج فرض ہو جاتا ہے اور اس کا علاج عِلم و عمل سے مرکب ہے علمی علاج تو یہ ہے کہ جاہ کے ان نقصانات پر آدمی غور کرے جو دین و دُنیا میں پیش آتے ہیں۔ دُنیوی نقصانات تو یہ ہیں کہ طالبِ جاہ ہمیشہ رنج و غم کا شکار رہتا اور لوگوں کی خوشامد سے اسے فرصت نہیں ہوتی اور پھر بھی مقصد حاصل نہیں ہوتا تو خود ذلیل ہو جاتا ہے اور جب حاصل ہو جائے تو اس کے حاسد پیدا ہو جاتے ہیں اور یہ ہمیشہ دشمنوں کے شر سے بچنے کی فکر میں رہتا ہے' وہ دشمنوں سے مامون نہیں ہوتا اگر مغلوب ہو جائے تو سراسر ذلت اور غالب آ جائے تو کیا اعتبار کہ کتنے دنوں یہ کیفیت رہے گی کیونکہ مخلوق کا دِل جلدی ہی بھر جاتا ہے۔ کیونکہ انسانی قلوب دریا کی موج کی مانند ہیں اور ایسی عزت نہایت بودی ہوتی ہے جس کی بنیاد چند بدبختوں کا دِل ہو کہ جو خطرہ دِل میں آئے اس کے سبب وہ عزت بدل جائے گی بالخصوص وہ آدمی جس آدمی کی جاہ حکومت و قیادت کے بل بوتے پر ہے اس کی جاہ تو منٹوں کی ہے کیونکہ ذرا سا خطرہ بادشاہ کے دِل میں آیا نہیں اور وہ معزول ہوا نہیں اس لیے ہم نے کہا کہ جاہ کا طالب دُنیا میں رنجیدہ خاطر رہتا ہے اور یہی حال آخرت میں ہو گا ضعیف العقل لوگ یہ بات نہیں سمجھ سکیں گے جسے اللہ نے بصیرتِ کامل دی ہو گی وہی جان سکے گا کہ اگر مشرق و مغرب کی سلطنت اسے مل جائے اور وہ تمام مخلوق کا معبود بن جائے تو کیا فائدہ ہے زندگی کے دن پورے ہوں

گے تو سب کچھ تارِ عنکبوت کی مانند ختم ہو جائے گا۔ اس کی مثال ان بادشاہوں جیسی ہوگی جو دُنیا سے رخصت ہو گئے اور جنھیں آج کوئی یاد ہی نہیں کرتا اس صورت میں اس چند روزہ لذت کے پیچھے سلطنت ابدی کو تباہ کرنا اور کھو دینا حماقت ہے کیونکہ جاہ سے دِل لگانے والا اللہ کی مُحبّت سے محروم ہو جاتا ہے اور اگلے جہان میں جانے والا شخص اللہ کی مُحبّت کے سوا کسی چیز کا غلبہ لے کر جائے گا تو وہ سخت عذاب کا مورد ہو گا یہ تو علمی علاج تھا عملی دوا میں سے ایک تو یہ ہے کہ جہاں جاہ حاصل ہو وہاں سے بھاگے اور ایسی جگہ چلا جائے جہاں اسے کوئی جانتا نہ ہو فی الحقیقت کامل دوا یہی ہے کیونکہ اپنے وطن میں گوشہ نشینی اختیار کرنے سے لوگ سمجھیں گے کہ اس کی عزت خاک میں مل گئی تو اسے نقصان ہو گا اس کی علامت یہ ہے کہ جب لوگ اس پر تنقید کریں اور کہیں کہ یہ منافقت سے ایسا کرتا ہے تو دِل میں بے صبری اور رنج پیدا ہو گا اور لوگوں نے کسی جرم کی طرف نسبت کر دی تو گو کہ بات جھوٹی ہو گی مگر لوگوں کی نظروں میں بُرا بننے سے بچنے کی خاطر عذر و معذرت کرنا پڑے گی اور یہ بات بجائے خود اس کی دلیل ہے کہ ابھی جاہ کا کانٹا باقی ہے دوسرا علاج یہ ہے کہ ملامتی بن جائے اور ایسے کام کرے کہ لوگوں کی نظروں سے گر جائے یہ نہیں کہ حرام کھانے لگے جیسا کہ احمقوں کا ایک گروہ کر رہا ہے بلکہ ایسا کام کرے جیسا ایک زاہد نے کیا۔ ایک زاہد کے پاس امیر شہر سلام کی غرض سے آیا تاکہ اس سے دُعاءِ برکت لے جیسے ہی زاہد نے اسے آتے دیکھا تو جلدی سے روٹی ترکاری منگوا کر بڑے بڑے نوالے کھانے لگا۔ امیر شہر نے دیکھا تو اسے حریص سمجھ کر واپس چلا گیا۔ ایک بزرگ کو کسی شہرمیں عزت و قبولیت حاصل ہو گئی اور مخلوق کا اس کی طرف رجوع ہونے لگا تو وہ ایک دن اچھے کپڑے پہن کر حمام سے باہر تشریف لائے اور راستہ میں کھڑے ہو گئے حتیٰ کہ لوگوں نے پکڑ کر خوب مرمت کی کپڑے چھین لیے اور کہا کہ یہ چور ہے اور ایک بزرگ شراب کی رنگ کا شربت پیالہ میں ڈال کر پینے لگے تاکہ لوگ رندی سمجھ کر الگ ہو جائیں۔

لوگوں کی تعریف کی مُحبّت اور شکایت سے کراہت کا علاج

آدمی اپنی تعریف کا حریص ہے وہ خلافِ شریعت کام کر کے بھی نیک نامی چاہتا ہے اور مخلوق اُسے بُرا کہے تو یہ بات اسے اچھی نہیں لگتی۔ یہ بھی دِل کی بیماری ہے جب تک مدح و ذم میں دِل کی تکلیف و راحت کا سبب معلوم نہ ہو اس وقت تک علاج ممکن نہیں۔

مدح کی لذت کے چار اَسباب ہیں ایک تو وہ جو ابھی بیان ہوا کہ آدمی کو اپنی تعریف عزیز ہے اور مدح و ثنا کمال کی دلیل ہوتی ہے، آدمی اپنے کمال میں شک کرتا ہے تو اسے لذتِ کاملہ نصیب نہیں ہوتی اور جونہی کسی سے اُس نے تعریف سنی تو اپنے کمال کی نسبت اسے یقین ہو جاتا ہے اور اس کے سبب وہ چین و آرام پاتا ہے اور لذت پوری ہو جاتی ہے کیونکہ جب بولے بغیر کمال نظر آتا ہے تو اپنے اندر ربوبیت کی علامتیں نظر آتی ہیں اور ربوبیت طبیعت کو محبوب ہے اور جب مذمت سنتا ہے تو اسے اپنے نقص و قصور کا اندازہ ہوتا ہے جس کے سبب وہ رنجیدہ خاطر ہوتا ہے۔ پس اگر اپنی تعریف ایسے شخص سے سنے جو دانا ہے اور فضول گو نہیں جیسے استاد، جج، عالم وغیرہ تو اسی تناسب سے رنج و راحت بھی زیادہ محسوس کرے گا اور جب کوئی بے بصیرت آدمی بات کرے گا تو لذت حاصل نہیں ہو گی، کیونکہ اس کی بات کا یقین

نہیں ہوتا۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ مدح و ثنا اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ مداح کا دِل ممدوح کی ملک ہے اور اس کا تابع و مسخر ہے اور مداح کے دِل میں اس کی بڑی جگہ اور جاہ و منزلت ہے اور جاہ چونکہ محبوب ہوتی ہے اس لیے اگر مدح کوئی باوقار شخص کرتا ہے تو اس کی تعریف سے بہت زیادہ لذت حاصل ہوتی ہے کیونکہ اس کا دِل اپنی ملک میں آنے سے بڑی قدرت حاصل ہو جاتی ہے لیکن مداح کمینہ ہے تو پھر وہ بات نہیں۔ تیسرا سبب یہ ہے کہ تعریف سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اور لوگوں کے دِل بھی اس کے دامِ عقیدت میں پھنس گئے کہ ایک کی تعریف سے اور لوگ بھی معتقد ہوں گے اسی طرح معتقد بڑھتے جائیں گے اور برملا تعریف ہو اور تعریف کرنے والا ایسا شخص ہو جس کی بات کی لوگ قدر کرتے ہوں تو اس کی تعریف میں بڑی لذت ہوتی ہے اور مذمت اس کے برخلاف ہے۔ چوتھا سبب یہ ہے کہ تعریف اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ تعریف کرنے والا اس کی قسمت سے مغلوب ہے اور حشمت بجائے خود مطلوب ہے اگرچہ اس کا سبب قہر ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اگر تعریف کرنے والا معتقد نہیں ہوتا تو پھر بھی کوئی نہ کوئی غرض ضرور ہوتی ہے تو اس میں یہ اپنی قدرت کا کمال سمجھتا ہے۔ تعریف کرنے والا ایسی بات کہے کہ وہ جھوٹ ہو اور کوئی اسے قبول نہ کرے تو پھر کوئی لذت محسوس نہیں ہو گی۔

اَسباب جان لینے کے بعد علاج آسان ہو جاتا ہے اگر کوشش ہو تو علاج عین ممکن ہے پہلا سبب یعنی تعریف سے اپنے کمال کا یقین ہونا تو اس پر آدمی کو چاہیے کہ وہ یہ خیال کرے کہ جو بات یہ کہتا ہے وہ ہے تو سچ لیکن چونکہ یہ بات اللہ کی عطا کردہ ہے اس لیے اصل تعریف کا مستحق وہ ہے کسی کے کہنے سے کوئی صفت نصیب نہیں ہوتی اور نہ ہی کسی کے کہنے سے کم یا زیادہ ہوتی ہے اور اگر وہ دُنیوی اَسباب مثلاً تونگری یا قیادت کے سبب تعریف کرتا ہے تو یہ باتیں خوشی کے لائق نہیں اور اگر ہیں تو پھر ان صفتوں کے سبب خوش ہونا چاہیے نہ کہ تعریف کے سبب۔ جبکہ جو عالم اپنے عِلم و ورع سے واقف ہے وہ خاتمہ کے خوف سے خوش نہیں ہوتا کیونکہ خاتمہ کا حال معلوم نہیں اور جب تک اس کا حال معلوم نہ ہو جائے تب تک تمام عِلم و ورع ضائع اور بے کار ہے جب عالم کا یہ حال ہے تو جس کا ٹھکانہ دوزخ میں ہے اس کو خوشی کا کیا حق؟ اور جب یہ معلوم ہو کہ جس بات پر تعریف ہو رہی ہے وہ سرے سے مجھ میں نہیں تو اس پر خوش ہونا ویسے ہی حماقت ہے اس کی مثال یوں ہے کہ کوئی کہے کہ خواجہ مَرد عزیز ہے اس کی انتڑیاں عطر اور مشک و عنبر سے بھری ہوئی ہیں تو یہ غلط ہو گا کیونکہ انتڑیاں تو گندگی سے بھری ہیں ایسی تعریف سے خوش ہونا جنون و دیوانگی ہے اور باقی جو اَسباب ہیں ان کا حاصل جاہ و حشمت کی مُحبّت ہے جس کا علاج بیان ہو چکا اور کوئی شخص تیری مذمت کرے تو اس سے رنجیدگی نادانی ہے کیونکہ اگر وہ سچ کہتا ہے تو فرِشتہ ہے جان بوجھ کر جھوٹ بولتا ہے تو شیطان ہے اور اسے جھوٹ کا عِلم نہیں تو گدھا اور اَحمق ہے اگر اللہ تعالیٰ کسی کو مسخ کر کے گدھا یا شیطان یا فرشتہ بنا دے تو تجھے کس بات کا رنج ہے پس اگر مذمت کرنے والا سچا ہے تو تجھ میں نقص ہے نقص دینی ہے تو رنجیدہ ہونے کے بجائے اصلاح کی فکر ضروری ہے دُنیوی ہے تو وہ نقص نہیں ہنر و کمال ہے۔

دوسرا علاج یہ ہے کہ تجھے یہ خیال کرنا چاہیے کہ اس نے یا تو سچ کہا کہ پھر تجھے اس کا احسان مند ہونا چاہیے مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ تیرے کپڑے میں سانپ ہے تو تجھے ممنون ہونا چاہیے اور دینی نقص تو سانپ سے بھی زیادہ نقصان دہ

ہیں کیونکہ اس میں عاقبت کی بربادی ہے اور اگر تو بادشاہ کے پاس جا رہا ہو اور کوئی شخص کہہ دے کہ تیرے کپڑے ناپاک ہیں پہلے ان کو پاک کر اور تیرے کپڑے واقعی گندگی سے آلودہ ہوں تو اس شکل میں بادشاہ کی ناراضی کا ڈر تھا اس لیے اس اطلاع کرنے والے کا ممنون ہونا ضروری ہے کہ اس کی وجہ سے تُو بادشاہ کے غضب سے بچ گیا اور اگر اس کا مقصد عیب جوئی تھا تو اس کے سچ کی شکل میں تیرا فائدہ ہے اور اس کی عیب جوئی اس کی بے دینی کی نشانی ہے جب تجھے فائدہ ہوا اور اسے نقصان تو اس میں غصّہ کی کونسی بات ہے؟ وہ جھوٹا ہے تو تجھے سوچنا چاہیے کہ اگر تو اس عیب سے پاک ہے تو تجھے اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس کے علاوہ تیرے ان گنت عیبوں سے وہ مطلع نہیں ہوا اور تیرے اس عیب کا ذکر کر کے اس نے اپنی نیکیاں تجھے دے دیں اور اگر تیری تعریف کرتا تو وہ تیرے قتل کے مترادف تھی تُو تو قتل پر خوش ہوتا ہے؟ اور ہدیہ سے ناراض؟ ایسے کام وہ شخص کرتا ہے جس کی ظاہر پر نظر ہوتی ہے اور روح و حقیقت سے وہ بے خبر ہوتا ہے۔ عقلمند اور بے وقوف میں یہی فرق ہے کہ عقلمند کام کی روح دیکھتا ہے اور بے وقوف ظاہر دیکھتا ہے۔ مختصر یہ کہ جب تک مخلوق سے طمع و اُمید منقطع نہیں ہو گی اس وقت تک یہ بیماری نہیں جائے گی۔

مدح اور مذمت میں لوگوں کے درجات کا تفاوت

لوگ اپنی مدح اور مذمت سننے میں چار درجات کے مالک ہیں پہلا درجہ عوام الناس کا ہے جو تعریف سے خوش اور مذمت سے ناخوش ہوتے ہیں اور بدلہ لینے پر مستعد ہو جاتے ہیں۔ یہ بدترین درجہ ہے دوسرا درجہ پارسا لوگوں کا ہے جو مدح سے خوش اور مذمت سے ناراض ہوتے ہیں لیکن وہ معاملت میں اظہار نہیں کرتے دونوں کو بظاہر برابر لیکن فی الحقیقت ایک کو دل میں بُرا اور دوسرے کو اچھا جانتے ہیں۔ تیسرا درجہ متقی لوگوں کا ہے کہ وہ دونوں کو برابر رکھتے ہیں دل سے بھی اور زبان سے بھی۔ تعریف کرنے والے کو دوست نہیں سمجھتے اور مذمت کرنے والے کو دشمن خیال نہیں کرتے کیونکہ وہ نہ تعریف سے خوش ہوتے ہیں نہ مذمت سے ناراض۔ اور بعض عابد یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم اس درجہ کو پہنچ گئے ہیں حالانکہ وہ غلطی کرتے ہیں اس درجہ پر پہنچنے کی علامت یہ ہے کہ اگر بُرا کہنے والا ان کے پاس ہو تو تعریف کرنے والے کی نسبت ان کے دل پر گرانی نہ ہو اور اگر وہ کسی کام میں معاونت چاہے تو تعریف کرنے والے کے مقابلہ میں آسانی و خوشی سے اس کی معاونت کریں۔ وہ ملاقات کا خواہش مند ہو تو تعریف کرنے والے کی طرح اس سے ملاقات کریں مرجائے تو اس کی تعزیت و تعریف میں کمی نہ کریں۔ مذمت کرنے والے کو کوئی ستائے تو اتنا ہی رنج ہو جتنا تعریف کرنے والے کو ستانے سے رنج ہوتا ہے اگر تعریف کرنے والا کوئی غلطی کرے تو وہ ہلکی معلوم نہ ہو۔ یہ باتیں بہت دشوار ہیں اور ممکن ہے کہ عابد یہ کہہ دے کہ مذمت کرنے والے پر میں اس لیے غُصّہ کرتا ہوں کہ وہ ایسا کر کے گنہگار ہو رہا ہے یہ اصل میں شیطان کا فریب ہے کیونکہ ایسے بہت سے لوگ ہیں جو گناہِ کبیرہ کرنے والوں اور لوگوں کی مذمت کرنے والوں پر ناخوش نہیں ہوتے۔ یہ بات اس چیز کی دلیل ہے کہ اس غُصّہ کا سبب نفسانیت ہے دینداری نہیں جاہل عابد ایسی باریکیوں کو مشکل سے سمجھتا ہے۔

چوتھا درجہ صدیقین کا ہے جو تعریف کرنے والے کو دشمن اور مذمت کرنے والوں کو دوست تصور کرتے ہیں کیونکہ

اس سے انھیں تین فائدے ہوتے ہیں ایک تو یہ کہ اس سے اپنا عیب معلوم ہو جاتا ہے (اس کی اصلاح آسان ہو جاتی ہے) دوسرے یہ کہ اس نے اپنی نیکیاں تحفہ میں دے دیں اور تیسرے یہ کہ اُس نے نقص و عیب سے پاک ہونے کی ترغیب دے دی۔

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ افسوس ہے اس روزہ دار اور تہجد گزار پر جو موٹا جھوٹا پہنے مگر یہ کہ اس کا دِل دُنیا سے آزاد ہو جائے اور وہ تعریف کو اور خدمت کو اچھا سمجھے۔ اگر یہ حدیث صحیح ہے تو بڑا سخت معاملہ ہے اس لیے کہ ایسے درجہ پر پہنچنا سخت مشکل ہے بلکہ دوسرے ہی درجہ پر پہنچنا دشوار ہے کہ آدمی بظاہر فرق نہ کرے اگرچہ دِل ایسا چاہے کیونکہ بالعموم ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی کام اور معاملہ پڑتا ہے تو مرید اور مادح کی جانب آدمی کا رجحان ہوتا ہے اور اس آخری درجہ کو تو وہی پہنچتا ہے جو اپنے نفس کا اتنا دشمن ہو کہ خود اپنا دشمن بن جائے کہ کسی سے اس کا عیب سنے گا تو خوش ہو گا اور عیب بتلانے والے کی عقل کا اعتراف کرے گا ایسا ہی جیسا کوئی کسی سے اپنے دشمن کا عیب سن کر خوش ہوتا ہے۔ یہ چیز بہت نادر ہے بلکہ اگر کوئی شخص تمام عمر کوشش کرے کہ تعریف اور مذمت کرنے والا اس کے نزدیک برابر ہو جائے تو بھی اس درجہ کو مشکل سے پہنچے گا۔ اس میں خطرہ کی وجہ یہ ہے کہ جب تعریف اور خدمت میں فرق پیدا کرے گا تو مدح کی طلب دِل پر غالب ہو جائے گی اور آدمی اس کے لیے حیلے بنائے گا اور عین ممکن ہے کہ وہ عبادت میں رِیا کرنے لگے اور کوئی گناہ جب مطلب براری کے لیے کرنا پڑے گا تو وہ بھی کر گزرے گا اور ابھی آقائے دو عالم ﷺ کا جو فرمان گزرا تو وہ شاید اسی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا ہو کہ جب تک دُنیا اور تعریف کی مُحبّت دِل سے بالکلیہ نہ نکل جائے اس وقت تک گناہ سے بچنا مشکل ہے بلکہ ایسا آدمی جلدی گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے لیکن مذمت سے کراہت کرنا اور سچی تعریف کو پسند کرنا فی نفسہٖ حرام نہیں بشرطیکہ اس سے کوئی اور فساد اور بُرائی پیدا نہ ہو اور نہ پیدا ہونا بہت بعید ہے اور لوگوں کے اکثر گناہ مدح کی مُحبّت اور مذمت کی عداوت کے سبب ہوتے ہیں اور لوگوں کو یہی خیال رہتا ہے جو کچھ کیا جائے لوگوں کی رواداری کی خاطر کیا جائے اور جب یہ خیال پک گیا تو آدمی ناشائستہ کام کرے گا ہاں بغیر رِیا و گناہ لوگوں کی رواداری بُری اور حرام نہیں۔ واللہ اعلم

فصل ۸ : رِیا کا علاج

اللہ تعالیٰ کی عبادت میں رِیا کرنا گناہِ کبیرہ اور شرک کے قریب قریب ہے اَہل تقویٰ کے نزدیک کوئی بیماری اس سے بڑھ کر نہیں کہ وہ جب عبادت کریں تو لوگ اس پر مطلع ہوں اور ان کی نیکی کے معتقد ہوں۔ جب عبادت سے لوگوں کی عقیدت مقصد ہو گی تو وہ اللہ کی نہیں مخلوق کی عبادت ہو جائے گی اور اگر لوگوں کی عقیدت اور اللہ تعالیٰ کی بندگی دونوں پیش نظر ہوں گی تو وہ شرک ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴾

"یعنی جو شخص اپنے ربّ کی ملاقات کی اُمید رکھتا ہو اسے اچھے کام کرنا چاہئیں اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہیں کرنا چاہیے۔"

مزید ارشاد ہے :

﴿ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ○ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ○ اَلَّذِيْنَ هُمْ يُرَآؤُوْنَ ﴾

"ان لوگوں کے لیے ہلاکت ہے جو نمازی ہیں ایسے کہ اپنی نمازوں میں غفلت کرتے اور لوگوں کو دکھلاتے ہیں"

ایک شخص نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ نجات کس چیز میں ہے فرمایا کہ عبادت نجات کا ذریعہ ہے اور فرمایا کہ قیامت کے دن ایک شخص لایا جائے گا اس سے عبادت کا سوال ہو گا تو وہ عرض کرے گا کہ میں نے جہاد کیا اور اپنی جان اللہ کی راہ میں قربان کر دی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ تو جھوٹا ہے تو نے اس لیے جہاد کیا کہ لوگ تجھے بہادر تسلیم کریں پھر اس کو دوزخ میں بھیج دیا جائے گا۔ دوسرے شخص کو لا کر یہی سوال ہو گا تو وہ کہے گا کہ جو کچھ میرے پاس تھا میں نے خیرات کر دیا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم جھوٹ کہتے ہو تمھارا مقصد یہ تھا کہ لوگ سخی کہیں اسے بھی دوزخ میں بھیج دیا جائے گا پھر ایک تیسرے شخص کو لایا جائے گا اور اس سے بعینہٖ یہ سوال ہو گا وہ کہے گا کہ میں نے بڑی محنت سے علم سیکھا اور قرآن پڑھا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تو جھوٹا ہے تیرا مقصد یہ تھا کہ لوگ تجھے عالم کہیں اسے بھی دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنی امت کے معاملہ میں چھوٹے شرک سے زیادہ کسی چیز سے نہیں ڈرتا۔ لوگوں نے چھوٹے شرک کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ "ریا" ہے۔ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے ریاکارو! ان کے پاس جاؤ جن کی خاطر تم نے عبادت کی ان سے جزا مانگو۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ ((جب الحزن)) (غم کا غار) سے پناہ مانگو اس کی تفصیل پوچھنے پر فرمایا کہ ریاکار عالموں کے لیے دوزخ میں ایک غار کا نام ہے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس نے عبادت میں میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو میں چونکہ شریک سے بے نیاز ہوں میں نے سب عبادت اس شریک کو دے دی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس عبادت کو قبول نہیں فرماتے جس میں ذرہ برابر ریا ہو۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ روتے تھے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے رونے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں نے پیغمبر اسلام ﷺ سے سنا تھا کہ برائے نام ریا بھی شرک ہے اور فرمایا کہ ریا کار کو قیامت کے دن ایسے بلایا جائے گا او ریاکار او غدار نابکار تیرا عمل ضائع ہو گیا اور اجر اکارت گیا اب اس شخص سے اجر مانگ جس کے واسطے تو نے عمل کیا تھا۔ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب نبی کریم ﷺ کو روتے دیکھا تو اس کی وجہ معلوم کرنا چاہی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ میری امت شرک کرے۔ بت' آفتاب اور ماہتاب کی نہیں بلکہ عبادت میں ریا کرے (کہ یہ شرک ہے) اور فرمایا کہ جس دن عرش کے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہو گا اس دن وہ شخص بھی اس سایہ تلے ہو گا جس نے دائیں ہاتھ سے اس طرح صدقہ دیا کہ بائیں کو خبر نہ ہو اور فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو وہ کانپنے لگی پہاڑ کو پیدا کیا تو وہ زمین کے لیے میخ ثابت ہوئے۔ فرشتوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے پہاڑ سے زیادہ کوئی قوی چیز پیدا نہیں کی پھر لوہے کو جو پیدا کیا تو اُس نے پہاڑ کو کاٹ ڈالا تو فرشتوں نے عرض کیا کہ لوہا پہاڑ سے بھی زیادہ سخت ہے پھر آگ کو پیدا کیا تو اُس نے لوہے کو پگھلا دیا پھر پانی پیدا کیا اُس نے آگ بجھا دی پھر ہوا کو حکم دیا اس نے پانی کو ایک جگہ ٹھہرا دیا۔ فرشتوں میں اختلاف ہوا تو انھوں نے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ سے پوچھتے ہیں کہ اے اللہ تیری مخلوق میں سب سے زیادہ قوی چیز کونسی ہے؟ ارشاد فرمایا کہ وہ آدمی جو دائیں ہاتھ سے اس طرح صدقہ دے کہ بائیں کو بھی خبر نہ ہو۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے

ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو پیدا کرنے سے قبل سات فرشتے پیدا کیے پھر آسمان کو پیدا کر کے ہر ایک کو ایک ایک آسمان پر متعین فرما دیا۔ زمین کے فرشتے جنھیں حَفَظَہ کہتے ہیں وہ بندوں کے اعمال جو انھوں نے صبح و شام کیے ہوتے ہیں اٹھا کر پہلے آسمان پر لے جاتے ہیں اور اس کی عبادت کی تعریف کرتے ہیں کہ اس کی عبادت آفتاب کے نور کی مانند ہے تو آسمان پر متعین فرشتہ کہتا ہے کہ یہ عبادت اس کے مُنہ پر دے مارو کیونکہ میں اَہلِ غیبت کا نگہبان ہوں اور مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ غیبت کرنے والے کی عبادت اوپر نہ آنے دینا۔ پھر جس نے غیبت نہیں کی ہوتی تو اس کا عمل دوسرے آسمان پر لے جاتے ہیں تو وہاں موجود فرشتہ اس عبادت کو اس کے مُنہ پر مارنے کا کہتا ہے کیونکہ عبادت کرنے والے نے دُنیا کی خاطر ایسا کیا اور مجلسوں میں لوگوں پر فخر کیا جب کہ ایسے شخص کی عبادت روکنے کا مجھے حکم دیا گیا ہے ان اعمال میں نماز روزہ اور صدقہ جیسے اعمال ہوتے ہیں حَفَظَہ (زمینی فرشتے) تو ان کے نور سے تعجب کرتے ہیں لیکن حشر یہ ہوتا ہے کہ تیسرے آسمان پر جانا ہوتا ہے تو وہاں کا فرشتہ کبر کے سبب عبادت لوٹانے اور مُنہ پر دے مارنے کا کہتا ہے کیونکہ وہ متکبروں کے لیے مانع ہے پھر کسی اور کے عمل چوتھے آسمان پر لے جاتے ہیں جو تسبیح نماز اور حج کی برکت سے ستاروں کی طرح درخشاں ہوتے ہیں اس آسمان کا فرشتہ عجب کے سبب یہ اعمال عابد کے مُنہ پر مارنے کا حکم دیتا ہے اور اپنے آپ کو اَہلِ عجب کا مانع و موکل بتلاتا ہے پھر کسی اور کے عمل پانچویں آسمان پر جاتے ہیں جو حسن و عمل میں بنی سنوری دلہن کی مانند ہوتے ہیں جو پہلے دن گھر سے رخصت ہوتی ہے وہاں کا فرشتہ وہی بات کہتا ہے اور اس کی وجہ بتلاتا ہے کہ اس کے اعمال اس کے مُنہ پر مار دو اور اس کی گردن پر لاد دو۔ یہ شخص عِلم و عمل میں اپنے برابر شخص پر حسد کرتا اور اس کے حق میں زبان دراز کرتا ہے پھر چھٹے آسمان تک کسی اور کے اعمال لے جائے جاتے ہیں جن میں نماز روزہ حج اور زکوٰۃ جیسے اعمال ہوتے ہیں وہاں کا فرشتہ ان اعمال کے متعلق کہتا ہے کہ یہ اس کے مُنہ پر دے مارو کہ یہ بے رحم شخص ہے کسی کو کوئی مصیبت پہنچے اسے احساس نہیں ہوتا بلکہ یہ خوش ہوتا ہے میں فرشتہ رحمت ہوں بے رحموں کے اعمال مجھے روکنے کا حکم ہے۔ پھر ساتویں آسمان تک اعمال لے جائے جاتے ہیں یہ اعمال روزہ' نماز' خیرات و جہاد اور تقویٰ و ورع سے بھرپور ہوتے ہیں ان کا نور سورج کی روشنی کی مانند اور بزرگی کے پیش نظر کڑک کی مانند ہوتے ہیں ان کے نور آسمانوں میں پھیل جاتے ہیں اور تین ہزار فرشتے ان کو پہنچانے آتے ہیں اور کوئی فرشتہ انھیں روک نہیں سکتا۔ لیکن ساتویں آسمان تک پہنچ کر وہاں کا فرشتہ انھیں اس شخص کے مُنہ پر دے مارنے کا حکم دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اس شخص کے دِل پر قفل چڑھا دو کیونکہ اس کا مقصد اللہ کی رضا نہ تھی بلکہ علماء کے نزدیک حشمت کا یہ طالب تھا اور شہروں میں نام و نمود اس کا مقصود تھا مجھے اس کے اعمال روکنے کا حکم ہے جو عمل خالص اللہ کے لیے نہیں ہوتے وہ رِیا میں شمار ہوتے ہیں اور رِیاکار کے اعمال اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتے۔ پھر اور کسی کے اعمال اوپر لے جائے جاتے ہیں اور ساتویں آسمان سے آگے بڑھا دیتے ہیں ان میں اچھے اَخلاق تسبیح اور طرح طرح کی عبادت ہوتی ہے ان اعمال کو سب آسمانوں کے فرشتے پہنچانے آتے ہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچ جاتے ہیں اور تمام فرشتے ان کے پاک اور بااخلاص ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے فرشتو تم اس کے اعمال کے نگہبان ہو تو میں اس کے دِل کا نگہبان ہوں اس نے یہ عمل میری خاطر نہیں کیا اس کا مقصد کچھ اور تھا اور یہ میری لعنت کا مستحق ہے؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ یہ

تیری اور ہم سب کی لعنت کا مستحق ہے آسمان اور زمین اور جو کچھ انہیں ہے سب اس پر لعنت کرتے ہیں۔ ریا کے متعلق بہت سی آیات و احادیث وارد ہیں جبکہ اسلاف و اکابر کے اقوال بھی بہت ہیں۔ مثلاً حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک شخص تصنع کی وجہ سے سر جھکائے ہوئے ہے گویا کہ وہ اپنی پارسائی کا اظہار کر رہا ہے۔ فرمایا اے ٹیڑھی گردن والے اپنی گردن سیدھی کر کیونکہ خشوع دل میں ہوتا ہے گردن میں نہیں۔ حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا جو سجدے میں پڑا رو رہا تھا۔ فرمایا کہ جو کچھ تم مسجد میں کر رہے ہو اگر یہ بات گھر میں کرتے تو تم جیسا کوئی نہ ہوتا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ریاکار کی تین علامتیں ہیں اکیلا ہو تو سست لوگوں کو دیکھے تو خوش ہو جب وہ اس کی تعریف کریں تو عمل میں اضافہ کر دے اور مذمت کریں تو عمل کم کر دے۔ ایک شخص نے حضرت سعید بن مسیب رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ جو آدمی ثواب اور لوگوں کی واہ واہ کی غرض سے مال خرچ کر دے اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا وہ یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنا دشمن بنا لے۔ سائل نے کہا نہیں فرمایا تو پھر اسے خرچ محض اللہ کے لیے کرنا چاہئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو درے مارے اور فرمایا کہ آؤ مجھ سے بدلہ لے لو۔ اُس نے کہا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی خاطر سے اور اللہ کے لیے میں نے معاف کر دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں یا تو محض میرا لحاظ کرو تاکہ میں تمھارا حق پہچان کر اس کا بدلہ چکا دوں یا محض اللہ کے لیے معاف کر دو۔ اُس نے کہا کہ میں نے محض اللہ کے لیے معاف کیا۔ حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دور میں تو لوگ ان کاموں میں ریا کرتے تھے جو ان کا عمل ہوتا تھا اور اب ایسے کاموں میں ریا ہے جو کیے بھی نہیں جاتے۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بندہ جب ریا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دیکھو میرا بندہ میرے ساتھ ٹھٹھہ کر رہا ہے (والعیاذ باللہ تعالیٰ)

جن کاموں میں ریا ہوتی ہے اُن کا ذکر

ریا کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی لوگوں کے سامنے اپنے آپ کو متقی ظاہر کرے اور اس مقصد کی خاطر اپنے آپ کو ان کے سامنے آراستہ و پیراستہ کر کے رکھے اور ان کے دلوں میں اپنا مقام تلاش کرے تاکہ وہ اسے نیک جان کر اس کی تعظیم کریں۔ یہ صورت اس طرح ہوتی ہے کہ جو چیز دین میں نیکی و تقویٰ کی دلیل ہوتی ہے اسے لوگوں پر ظاہر کیا جائے اس کی پانچ قسمیں ہیں پہلی قسم تو بدن کی ظاہری صورت ہے مثلاً آدمی اپنا چہرہ زرد کر لے تاکہ لوگ اسے دیکھ کر محسوس کریں کہ یہ شب بیدار آدمی ہے یا اپنے آپ کو دبلا پتلا بنا کر رکھے تاکہ لوگ اسے دیکھ کر ریاضت کا گمان کریں یا رونی صورت بنا کر رکھے تاکہ معلوم ہو کہ اسے دین کا غم بہت ہے اور بالوں میں کنگھی نہ کرے تاکہ لوگ محسوس کریں کہ یہ تو اتنا خود فراموش ہے کہ اسے اتنی بھی فکر نہیں۔ اور بات بہت آہستگی سے کرے تاکہ لوگ سمجھیں کہ اس کے دل میں دین کا وقار ہے اور یہ متدین آدمی ہے اور روزہ دار کی طرح ہونٹ خشک رکھے چونکہ یہ باتیں لوگوں کے گمان کا سبب بنتی ہیں اس لیے ان کو ظاہر کرنے میں حلاوت اور لذت محسوس ہوتی ہے اس لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ روزہ دار کو بالوں میں کنگھی تیل کا اہتمام کرنا چاہیے بلکہ ہونٹوں پر بھی تیل مل لے کہ کوئی اسے روزہ دار نہ سمجھے۔

دوسری صورت کپڑوں کے سبب وقوع پذیر ہوتی ہے مثلاً صوف پہننا، موٹا جھوٹا اور میلا کچیلا کپڑا استعمال کرنا تاکہ

لوگ اسے زاہد خیال کریں یا نیلا لباس اور گدڑی کی صوفیانہ جائے نماز استعمال کرے کہ لوگ ظاہری طور پر صوفی خیال کریں اور فی الحقیقت کچھ بھی نہ ہو اسی طرح پگڑی کے اوپر چادر اوڑھنا چمڑے کے موزے پہننا تاکہ لوگ سمجھیں کہ یہ شخص طہارت میں بڑا محتاط ہے لیکن فی الحقیقت ایسا نہ ہو یا اہل علم کا لباس استعمال کرے اور عالم ہو نہیں لباس میں ریاکاری کرنے والوں کے دو فریق ہیں ایک گروہ تو محض عوامی مقبولیت کا خواہاں ہوتا ہے اور ہمیشہ میلے کچیلے اور پھٹے پرانے کپڑے پہنتا ہے اگر ان لوگوں سے قیمتی باریک کپڑا کہا کہا جائے تو بہت برا جانتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہوتی ہے لوگ خیال کریں گے کہ اس نے زہد ترک کر دیا۔

دوسرا طبقہ عوام کے ساتھ خواص میں بھی نام آوری کا خواہاں ہوتا ہے اگر پرانے کپڑے استعمال کریں تو بادشاہ اور اس جیسے لوگوں کی نظر میں حقیر اور اگر لباسِ فاخرہ استعمال کریں تو عوام کی نظر میں رسوا۔ پھر ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ باریک صوف کا کپڑا اور دوسرے ایسے ہی قیمتی کپڑے استعمال کریں جو ہوں تو قیمتی لیکن جن کا رنگ وغیرہ صالحین کے کپڑوں کی مانند ہوتا ہے اس شکل میں عوام ظاہر کو دیکھیں گے اور خواص کی نظر قیمت پر ہوگی۔ ان لوگوں سے عام قسم کا سوتی کپڑا جو باریک اور کسی قدر قیمتی بھی ہو پہننے کو کہا جائے تو اگرچہ اس کی قیمت ان کے لباس سے کم ہوتی ہے اسے ایسا کریں گے نہیں الغرض جس لباس سے یہ خیال پیدا ہوتا ہو کہ عوام سوچیں گے کہ یہ شخص زہد و تقویٰ سے باز آگیا ہے اسے نہیں پہنے گا وہ احمق جب دل میں یہ سمجھتا ہے کہ یہ لباس حلال ہے اور دیندار لوگ اسے پہنتے ہیں تو بازار میں پھر نہیں سکتا گھر میں چھپ کر پہنتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگوں کی پوجا کرتا ہے اور ان کی نظروں میں جچنے کی فکر کرتا ہے۔

تیسری قسم گفتگو میں ریا ہے مثلاً لب ہلانا کہ لوگ ذاکر خیال کریں اور یہ سمجھیں کہ ہمیشہ ذکر کرتا رہتا ہے لیکن اگر وہ چاہے کہ ذکر دل میں ہو اور لب نہ ہلے تو ایسا نہ کر سکے محض اس ڈر کی وجہ سے کہ اس کے ذکر کا ڈھنڈورہ نہیں پٹے گا یا لوگوں کے سامنے جس قسم کا احتساب کرتا ہے خلوت میں اس کی پرواہ نہ کرے۔ صوفیا کی چند باتیں سیکھ کر انھیں دہرانا تاکہ لوگ خیال کریں کہ فلاں کو علمِ تصوف میں بڑا عبور ہے یا ہر وقت سر جھکا کر گردن ہلانا کہ لوگ خیال کریں کہ وجد میں آیا ہوا ہے یا غمگین رہنا کہ اس سے بھی لوگوں پر یہ ظاہر ہوگا کہ فلاں کو دین کا بڑا غم ہے یا چند روایات و حکایات سیکھ لینا اور انھیں اس لیے بیان کرنا کہ لوگوں پر علم کا جادو چل جائے اور لوگ سمجھیں کہ اس نے علم کی خاطر بہت سفر کیا ہوگا اور بہت سے لوگوں سے استفادہ کیا ہوگا۔

چوتھی قسم عبادت میں ریا ہے مثلاً دوسروں کے سامنے محتاط طریقہ سے نماز پڑھنا رکوع سجدہ لمبا کرنا لوگوں کو جتا کر خیرات کرنا۔ چلتے ہوئے لوگوں کی موجودگی میں آہستہ خرامی سے چلنا اور سر آگے کو جھکائے رکھنا لیکن اکیلا ہونے کی شکل میں اِدھر اُدھر دیکھنا اور جلدی جلدی چلنا اور دور سے کوئی نظر آجائے تو پھر چال میں محتاط ہو جانا۔

پانچویں قسم یہ ہے کہ یہ ظاہر کرے کہ میرے ارادت مند اور عقیدت مند اور شاگرد بہت زیادہ ہیں اور سردار اور امراء مجھے سلام کرنے آتے ہیں اور مجھ سے برکت کی دعائیں کراتے ہیں اور علماء میری تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور کبھی یہ باتیں اس کی زبان پر آتی ہیں کہ مثلاً کسی سے لڑائی ہو جائے تو کہے کہ تو ہے کون! اور پیر یا مرید کون ہے! میں اتنے پیروں

سے ملا ہوں اتنے برس فلاں شیخ کی خدمت میں رہا تو نے کس کو دیکھا ہے۔ ایسی باتیں کرنا اور خوب رنج اٹھانا۔ کھانے پینے میں ریا بہت آسان ہے ایک درویش نے اپنی غذا گھٹاتے گھٹاتے ایک چنا کردی تھی کیونکہ لوگ اس پر تعریف کرتے اور مزے لیتے تھے۔ اگر عبادت میں یہ باتیں بزرگی کے اظہار کی خاطر ہوں تو حرام ہیں اس لیے کہ عبادت اللہ کے لیے ہونی چاہیے لیکن جو کام عبادت نہیں اگر ان کے سبب مقبولیت اور جاہ پیش نظر ہو تو کچھ حرج نہیں اس لیے کہ اگر کوئی شخص اچھے کپڑے پہن کر اور آراستہ و پیراستہ ہو کر نکلے تو یہ مُباح ہے بلکہ سنت ہے کیونکہ اس سے مقصد اپنی مروّت کا اظہار ہے نیکی و تقویٰ کا دکھلانا مقصود نہیں۔ اگر کوئی شخص علمِ لغت یا علمِ نحو اور حساب و طب کے ذریعہ اپنی فضیلت ظاہر کرے یا ایسی چیز کے سبب سے جو نہ علمِ دین میں سے ہو نہ عبادت کے واسطے تو یہ ریا مباح ہے کیونکہ ریا طلب جاہ کا نام ہے اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ طلب جاہ اگر حد سے تجاوز نہ کرے تو مباح ہے لیکن طاعت اور عبادت سے نہ ہونی چاہیے۔ ایک دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمع تھے حضور ﷺ نے باہر جانا چاہا تو آپ نے پانی کے گھڑے میں چہرۂ انور دیکھ کر (بجائے آئینہ) اپنے بال اور عمامہ درست فرمائے۔ حضرت اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ﷺ ایسا کرتے ہیں تو فرمایا کہ ہاں یہ بات اللہ کو پسند ہے کہ اپنے بھائیوں میں آدمی جانے لگے تو اچھے انداز سے جائے ہرچند کہ یہ عمل حضور ﷺ ہی سے اصل دین تھا کیونکہ آپ ﷺ اس بات کے مامور تھے کہ لوگوں کے دِل اور نظر میں اپنے آپ کو آراستہ رکھیں تاکہ لوگوں کی آپ ﷺ کی طرف کشش ہو اور وہ ایمان و اطاعت کی فضیلت حاصل کریں لیکن کوئی دوسرا شخص بھی اس نقطۂ نظر سے ایسا کرے تو یہ سنت ہے اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ اگر آدمی اپنے آپ کو پریشان صورت رکھے گا تو لوگ اس کی غیبت کریں گے اور اس سے نفرت کریں گے۔ اور وہی خود اس کا سبب ہو گا لیکن عبادت میں ریا ہو تو دو وجہ سے حرام ہے ایک تو یہ کہ اس میں دغا اور فریب ہے کہ لوگوں کو دکھائے کہ میں مخلص ہوں لیکن چونکہ اس کا دِل ہی مخلوق کے چکر میں ہے اس لیے وہ مخلص نہیں۔ اور اگر لوگ یہ جان لیں گے یہ ہماری خاطر کرتا ہے تو لوگ اسے اپنا دشمن سمجھنے لگیں گے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ روزہ' نماز تو اللہ کی عبادت ہے جب ایسا کام لوگوں کی خاطر کیا تو گویا اللہ تعالیٰ سے مذاق کیا اور قوت و طاقت والے ربّ کے مقابلہ میں ضعیف و عاجز بندہ کو اپنا مقصود قرار دیا۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کھڑا تو بادشاہ کے حضور ہو لیکن اس کا دِل کسی لونڈی غلام میں اٹکا ہوا ہو وہ بادشاہ کو اپنی آمد اور اپنا کھڑا ہونا جتائے لیکن مقصد کچھ اور ہے تو یہ بادشاہ کے ساتھ دِل لگی ہے کیونکہ دوسری غرض بادشاہ سے اہم قرار پائی اسی طرح نماز میں کھڑا ہونے والا جب رکوع سجدہ میں کسی دوسرے کو مقصود بناتا ہے تو تعظیم بھی مقصد میں شامل ہو گی تو شرکِ جلی ہو گا ورنہ شرکِ خفی تو ہے۔

ریا کے درجات

ریا کے درجات مختلف ہیں ان کے فرق کا دار و مدار تین مقدمات پر ہے پہلا مقدمہ یہ ہے کہ ریاء کا قصد ثواب کے بغیر ہو مثلاً روزہ نماز لوگوں کی موجودگی میں تو کرے ویسے ٹرخا جائے یہ خطرناک قسم کی ریاکاری ہے جس کا شدید عذاب ہو گا اور اگر ثواب کا بھی قصد ہے لیکن تنہائی میں اہتمام یہاں بھی نہیں کرتا تو پہلے درجے کے قریب قریب ہے اور خفیف سا

قصد اسے اللہ تعالیٰ کے غضب سے نہیں بچائے گا اور اگر ثواب کا قصد غالب ہے جیسا کہ اگر اکیلا ہوتا تو بھی کرتا لیکن کسی کے دیکھنے سے زیادہ خوشی ہوتی ہے اور نماز روزہ اس پر اور آسان ہو جاتا ہے تو اُمید ہے کہ اس کی عبادت باطل اور ثواب اکارت نہیں ہوتا لیکن جتنی ریا ہوگی اس کے برابر عذاب ہوگا ثواب کم کر دیا جائے گا اور جب دونوں ارادے برابر ہوں تو یہ صورت شرکت کی ہے احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آدمی اس ریا کے سبب صحیح سلامت بچ کر نہیں جائے گا۔ اسے بہرحال عذاب ہوگا دوسرا مقدمہ اس چیز کا تفاوت ہے جس میں ریا کرتے ہیں اور وہ عبادت ہے جس کے تین درجات ہیں۔ پہلا درجہ اصل ایمان میں ریا کا ہے یہ ایمان منافق کا ہوتا ہے۔ اس کا انجام کافر سے بھی بدتر اور سخت ہے کیونکہ منافق باطن میں کافر اور ظاہر میں فریبی ہے۔ ابتدائے اسلام میں ایسے لوگ بہت تھے اب کم ہیں مگر اباحیت پسند لوگ اور ملحدین اور شریعت و آخرت پر ایمان نہ رکھنے والے اور ظاہری طور پر اس کے خلاف کرنے والے یہ منجملہ منافقین ہیں اور ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔

دوسرا درجہ اصل عبادت میں ریا ہے ایک شخص لوگوں کے سامنے تو بغیر طہارت کے نماز پڑھ لے اور تنہائی میں ایسا نہ کرے یہ بھی بڑی خطرناک ریا ہے لیکن ویسی نہیں جیسی اصل ایمان میں۔ الغرض جب آدمی اللہ کے بجائے اس کی مخلوق کی نظروں میں قدر و منزلت چاہے گا تو اس کا ایمان کمزور اور ضعیف ہوگا۔ اس سے کافر تو نہیں ہوتا لیکن اگر توبہ نہ کی تو مرتے وقت کفر کا خطرہ ہے۔

تیسرا درجہ اصل ایمان اور فرائض میں تو نہیں لیکن سنن و نوافل کو ریا سے آلودہ کرتا ہے۔ مثلاً تہجد پڑھنا صدقہ و خیرات کرنا، جماعت کا اہتمام اور عرفہ، عاشورہ اور دوشنبہ پنج شنبہ وغیرہ کے روزے رکھنا اور ان تمام کاموں میں یہ غرض کہ لوگ اس کو بُرا بھلا نہ کہیں یا تعریف کریں اور ممکن ہے کہ آدمی یوں کہے کہ اس کا کرنا نہ کرنا برابر ہے یہ بات مجھ پر واجب نہیں مجھے ثواب کی تمنا نہیں چاہیے کچھ عذاب بھی نہ ہو جبکہ ایسا نہیں ہے کیونکہ یہ عبادات بھی بہرحال اللہ کے لیے ہیں ان میں مخلوق کا کوئی حصہ نہیں جب انھیں مخلوق کی خاطر کرے گا تو ایسی چیز میں جو اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے اس میں مخلوق کا خالق پر ترجیح دینا حضرت حق جل و علیٰ مجدہ کے ساتھ ٹھٹھا و مذاق ہے اور یہ بات یقیناً موجب عذاب ہوگی اگرچہ عذاب کی وہ شدت نہ ہو جو فرائض میں ریا سے ہوگا اور جو سنن فرائض کے قریب ہیں ان میں ریا بھی فرائض میں ریا کے قریب ہوگی مثلاً جونہی کوئی شخص نظر آ گیا تو رکوع اچھی طرح کرنا شروع کر دیا قرأت لمبی کر دی جماعت اور پہلی صف کا قصد و اہتمام کرنا شروع کر دیا۔ زکوٰۃ دینے کی نوبت آئی تو بہترین مال کو منتخب کر لیا۔ روزہ میں زبان کو محفوظ رکھ لیا لیکن گوشہ تنہائی میں ان باتوں کا اہتمام نہ کرنا ریا ہی ہے۔

تیسرا مقدمہ ریا کار آدمی کے مقصود پر مشتمل ہے یعنی اس کا مقصد کیا ہے؟ ظاہر ہے اس کا مقصد تو کوئی غرض ہوگی اس کے بھی تین درجے ہیں۔ پہلا درجہ طلب جاہ کا ہے تاکہ کسی فسق و معصیت تک پہنچ سکے جیسا کہ اپنے آپ کو امین ظاہر کرنا، تقویٰ کی سی شکل اپنانا اور مشتبہ مال سے بچنا تاکہ لوگ اسے دیکھ کر وقف و قضا، وصایا و ودیعت اور امانت یا یتیم کے مال سونپ دیں اور وہ پھر خیانت کرے یا زکوٰۃ وغیرہ کا مال اسے دیں کہ غرباء میں بانٹ دے یا حج کی راہ میں مستحق لوگوں پر خرچ کر دے یا کسی خانقاہ و مسجد اور سرائے یا پل وغیرہ کی تعمیر میں استعمال کر دے اور یہ گڑبڑ کرے اور اپنے

آپ کو بظاہر پارسا بنا کر رکھنا لیکن کسی عورت کو اس طرح دیکھنا کہ وہ میری طرف راغب ہو اور بڑے ارادہ سے اس کے ساتھ مل بیٹھے یا کسی مجلس میں کسی رنڈی یا لونڈے کی خاطر جانا اس قسم کے بہت سے بڑے عزائم اور ارادے ہیں جن میں اللہ کی عبادت کو حیلہ بنا کر گناہ کا ارتکاب کیا جا سکتا ہے اس طرح ممکن ہے کہ کسی پر کسی عورت یا مال کے ضمن میں تہمت لگائی جائے اور وہ اپنا مال صدقہ کر کے پرہیزگاری کا رُعب جھاڑے تا کہ اس تہمت سے بچ سکے اور لوگ کہیں کہ نا میاں جو شخص اپنا مال اس طرح خرچ کرتا ہے وہ دوسروں کا مال کیونکر ضائع کر سکتا ہے!

دوسرا درجہ یہ ہے کہ کوئی مباح فعل اس کا مقصد ہو جیسے کوئی واعظ اپنے آپ کو پارسا ثابت کرے اس کا مقصد یہ ہو کہ لوگ اس کی مالی خدمت کریں یا کوئی عورت اس سے نکاح کو تیار ہو جائے یہ شخص بھی اللہ تعالیٰ کے عتاب کا شکار ہو گا اگرچہ اس کا گناہ ویسا سخت نہیں ہو گا جیسا پہلے درجہ والے کا ہے کیونکہ اس نے بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کو دنیا کی متاع کے لیے بطور حیلہ استعمال کیا جبکہ عبادت اللہ کے قرب کی خاطر ہوتی ہے اور اس سے انسان اُخروی سعادت حاصل کرتا ہے تو دُنیا کی خاطر اسے استعمال کرنا خیانت ہے۔

تیسرا درجہ یہ ہے کہ اس کی اس قسم کی خواہش نہ ہو لیکن وہ اِس بات سے ڈرتا ہو کہ لوگ اسے چشم حقارت سے دیکھیں اور یہ چاہتا ہو کہ لوگ اسے عابد و زاہد سمجھیں مثلاً چلتے چلتے کسی پر نظر پڑی تو سبک خرامی سے چلنا شروع کر دیا' سر جھکا کر پیروں کی مانند چلنے لگا تا کہ لوگ اہل غفلت میں شمار نہ کریں اور یہ سوچیں کہ یہ شخص راستہ میں بھی دین کے کام میں مشغول رہتا ہے یا ہنسی آئے تو روک لے تا کہ لوگ یہ خیال نہ کریں کہ اس پر بے ہودہ پن غالب ہے یا مسخرا کہلانے کی تہمت سے بچنے کی خاطر مزاح سے بچے یا سرد آہیں کھینچنا' استغفار پڑھنا اور اس طرح کے جملے بولنے کہ سبحان اللہ آدمی کس غفلت کا شکار ہے باوجود اس کے کہ جو حالات ہیں غفلت کسی طرح درست نہیں جبکہ اللہ تعالیٰ اس کے دِل سے واقف ہے کہ تنہائی میں اس طرح استغفار اور افسوس نہ کرنا یا اس کے سامنے کسی کی غیبت ہو تو ٹوک دے کہ اس سے اور زیادہ ضروری کام درپیش ہیں آدمی کو اپنے عیوب کی فکر کرنی چاہیے اور اس سے مقصد یہ ہو کہ لوگ سمجھیں کہ یہ غیبت نہیں کرتا یا لوگوں کی دیکھا دیکھی تراویح و تہجد میں شرکت ہو جائے مختلف ایام کے روزے رکھنا شروع کر دے محض اس خیال سے کہ اگر ایسا نہ کیا تو لوگ غافل کہیں گے یا ایسے ایام میں روزہ تو نہ ہو لیکن پیاسا ہونے کے باوجود پانی بھی نہ پیے تا کہ لوگ روزہ دار سمجھنا شروع کر دیں یا کسی نے کھانے کی دعوت دی تو روزہ کا عذر کر دیا اور حقیقت میں نہ تھا اس جواب کے دو نقصان ہیں ایک تو نفاق دوسرے یہ کہ میں صریحاً بات نہیں کرتا کہ روزہ دار ہوں اور اپنی عبادت کو پوشیدہ رکھتا ہوں کہ عذر کے لفظ سے بات بن جائے اور اس کے برعکس جب صبر نہ آئے تو پانی پہ پانی پینے لگے اور عذر یہ ہو کہ میں کل بیمار تھا روزہ رکھ نہیں سکا۔ یا فلاں نے بالاصرار میرا روزہ افطار کرا دیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ ریاکار کہلانے سے بچنے کی خاطر فوراً تو نہ کہے بلکہ تھوڑی دیر ٹھہر کر بات کرے یا ماں کے ضعف قلب کو اپنے روزہ نہ رکھنے کی بنیاد قرار دے کہ ماں کی خاطر ایسا نہیں کیا یا اس طرح کی گفتگو کی کہ روزہ ہو تو رات کو نیند جلدی آ جاتی ہے اور شب بیداری ممکن نہیں ہوتی۔ الغرض رِیا کا مرض دِل میں سما جائے تو اس طرح کی باتیں شیطان مُنہ سے نکلواتا ہے اور جاہل قاری اس سے غافل ہیں کہ اپنی جڑ اکھاڑتے ہیں اور اپنی عبادت کا نقصان کرتے ہیں اس رِیا کی پہچان تو آسان

ہے۔ لیکن بعض ریا کی وہ شکلیں ہیں کہ ان کا پہچاننا چیونٹی کے پاؤں کی پہچان سے بھی مشکل ہے جن کا پہچاننا اچھے اچھے زیرک علماء کے لیے مشکل ہے تو بیچارے سیدھے سادھے عابدوں کا کیا ٹھکانہ؟ اس کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص تہجد گزار تو ہے لیکن جب کوئی مہمان ہوا تو ویسے اتفاق سے آ گیا تو پھر اور اہتمام شروع کر دیا لیکن فی الحقیقت یہ بھی اس کی مثال نہیں کہ یہ بھی کبھی کبھار پہچانی جائے گی اس سے آگے سلسلہ ہے اور وہ ایسا کہ دوسرے کے دیکھنے سے بظاہر خوشی بھی نہیں ہوئی کوئی آسانی اور سبکساری بھی نہ ہو اور ہر رات کی طرح برابر نماز پڑھے یعنی ظاہری علامت کوئی نہ ہو لیکن جس طرح لوہے میں آگ ہے اسی طرح ریا بھی دل میں ہو اور یہ اس وقت ظاہر ہوتی ہے جبکہ لوگ سمجھ جائیں کہ یہ شخص ایسا ہے تو اس وقت اسے خوشی ہو اور یہ اپنے دل میں کشادگی و انبساط اور خوشی محسوس کرے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے باطن میں ریا پوشیدہ ہے۔ اگر خوشی و فرحت کو انکار و کراہت سے دور نہیں کرے گا تو اس بات کا خوف رہے گا کہ کہیں یہ چھپی ہوئی چنگاری بھڑک نہ اٹھے اور ریا کبھی اس سے بھی زیادہ پوشیدہ ہوتی ہے وہ بایں طور کہ آدمی نہ تو لوگوں کی موجودگی سے خوش ہو نہ ان کے مطلع ہونے پر خوش ہو لیکن ریا دل میں ہو تو اس کی علامت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس کے پاس آ کر کسی وجہ سے پہلے سلام نہ کرے تو اپنے دل میں حیران ہو اور اگر کوئی شخص اس کی حرمت و تعظیم کے معاملہ میں فروگزاشت سے کام لے یا خوشی سے اس کے کام کاج میں مستعد نہ ہو یا خرید و فروخت میں اس کے ساتھ رعایت نہ کرے یا بیٹھنے کی اسے اچھی جگہ نہ دے تو اپنے دل میں تعجب و انکار کا خوف محسوس کرے اگر وہ عبادت پوشیدہ نہ کی ہوتی تو تعجب نہ ہوتا تو گویا اس کا نفس اس عبادت کے سبب عزت و حرمت کا تقاضا کرتا ہے الغرض جب تک عبادت کا ہونا نہ ہونا آدمی کے نزدیک یکساں نہ ہو جائے تب تک اس کا دل ریائے خفی سے خالی نہ ہو گا کیونکہ اگر وہ کسی کو ہزار دینار دے کر لاکھ دینار کی چیز چاہتا ہے تو کسی پر نہ تو احسان جتلائے گا اور نہ ہی کسی سے عزت کی طلب کرے گا اور اس کام کا ہونا نہ ہونا اس کے نزدیک لوگوں کے حق میں برابر ہو گا تو جب سعادتِ اُخروی کی خاطر اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اس کے عوض اپنی عزت و حرمت کی امید کاہے کو رکھتا ہے؟ یہ سب سے مخفی ریا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن علماء سے کہا جائے گا کہ لوگوں نے تمھارے ہاتھوں سودا سستا نہیں بیچا اور وہ تمھارے مدد و معاون نہیں بنے اور کیا تمھیں پہلے سلام نہیں کیا؟ یہ تمام باتیں تمھارے اعمال کی جزا تھیں جو تم نے حاصل کر لیں اور تم نے اپنے اعمال کا خلوص ضائع کیا۔ ایک شخص جو مخلوق سے بھاگ کر عبادت میں مشغول ہوا تھا وہ کہتا ہے کہ ہم فتنہ سے بھاگے اور اب اس کا ڈر ہے کہ ہمارے اس عمل سے مخلوق میں کوئی اور فتنہ پیدا نہ ہو جائے کیونکہ جب ہم کسی کو دیکھتے ہیں تو خواہش ہوتی ہے کہ وہ ہماری عزت کرے ہمارے ساتھ نرمی برتے۔ اسی وجہ سے اہل اخلاص نے کوشش کی ہے کہ اپنی عبادت کو اس طرح چھپائیں جس طرح فواحش و معاصی کو چھپایا جاتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ جو خالص عبادت ہو گی وہی عند اللہ قیامت میں مقبول ہو گی اس کی مثال یوں ہے کہ ایک شخص سفر حج پر جاتا ہے اور جانتا ہے کہ جنگل میں زرِ خالص کام آئے گا وہاں جان کے خطرہ کے سبب زر خالص کا ہی اہتمام کرتا ہے اور کھوٹا سکہ پھینک دیتا ہے اور حاجت کے دن پر اس کی نظر ہوتی ہے تو قیامت سے بڑھ کر کونسا دن ایسا ہے جس میں اِنسان کی عاجزی و بیچارگی ظاہر ہو گی تو آج جو شخص خالص عمل نہیں کرتا وہ کل صبح قیامت اللہ کو کیا منہ دکھائے گا اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں ہو گا جب تک آدمی

یہ فرق کرتا ہے کہ میری عبادت کو چارپایہ دیکھتا ہے یا آدمی تب تک وہ ریا سے خالی نہیں ہوتا۔ جناب سرور کائنات ﷺ فرماتے ہیں کہ جو ریا بالکل پوشیدہ اور تھوڑی ہے وہ بھی شرک ہے۔

فصل : جو شخص اس سبب سے خوش ہوتا ہے کہ لوگوں کو اس کی عبادت سے اطلاع ہو وہ ریا سے خالی نہیں اور حق پر جو خوشی ہوتی ہے اس کے چار درجے ہیں :

پہلا درجہ تو یہ ہے کہ اس خیال سے خوش ہو کہ اس نے عبادت کو پوشیدہ رکھنے کا قصد رکھا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ارادہ کے بغیر بات ظاہر کر دی اور گناہ و قصور جو بہت تھے وہ اُس نے ظاہر نہیں کیے اس وجہ سے بڑا خوش ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس پر اللہ کا بڑا کرم ہے کہ اس کی برائی تو ظاہر نہیں ہوتی اور نیکی ظاہر ہو جاتی ہے تو یہ خوشی اللہ کے فضل کے سبب ہے لوگوں کی تعریف کا اس میں کوئی دخل نہیں جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے :

﴿ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ﴾

"اے پیغمبر کہہ دیجیے کہ اللہ کے فضل سے اور اس کی رحمت کے سبب خوش رہیں"

دوسرا درجہ یہ ہے کہ آدمی خوش ہو کہ اللہ تعالیٰ نے میری برائیاں دُنیا میں پوشیدہ رکھیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ذات آخرت میں بھی پوشیدہ رکھے گی کیونکہ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے کریم ہیں کہ یہ بات اس کی رحمت سے بعید ہے کہ دُنیا میں تو بندے کے گناہ چھپائے اور آخرت میں ظاہر کرے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ یہ سمجھ کر خوش ہو کہ لوگوں نے اس کی عبادت دیکھی تو وہ اس کی پیروی کریں گے اور سعادت حاصل کر سکیں گے۔ حتیٰ کہ اس کے لیے پوشیدہ کا ثواب بھی لکھیں گے کہ اس کا ارادہ تو یہی تھا کہ پوشیدہ رہے اور علانیہ کا بھی کہ اس کے ارادہ کے بغیر ظاہر ہو گئی۔ چوتھا درجہ یہ ہے کہ اس سبب سے خوش ہو کہ جس نے اس کی عبادت دیکھی وہ اس کی تعریف کرتا ہے اور اس سے عقیدت رکھتا ہے اور یہ شخص تعریف و عقیدت کے سبب اللہ تعالیٰ کا مطیع رہتا ہے اور اللہ کی اطاعت سے خوش ہوتا ہے نہ کہ اس جاہ سے جو لوگوں کے نزدیک حاصل ہے اس کی علامت یہ ہے کہ اگر دوسرے کی اطاعت گزاری کا علم ہو تو بھی ایسا ہی خوش ہو کہ میرا بھائی اللہ کا مطیع ہے۔

وہ ریا جو عمل کو تباہ کر دیتی ہے

ریا کا خیال یا تو عبادت سے پہلے پیدا ہوتا ہے یا بعد میں اور یا پھر بیچ میں! جو خیال پہلے پیدا ہوتا ہے وہ تو عبادت کو باطل و تباہ کر دیتا ہے کیونکہ نیت میں اخلاص شرط ہے اور جب ریا کا خیال آیا تو اخلاص تو باطل ہو گیا لیکن اگر اصل عبادت میں ریا نہ ہو مثلاً ریا کے سبب اوّل وقت آدمی نماز کی جلدی کرے اور تنہائی میں اصل نماز میں قصور نہیں کرتا تو نماز درست ہو جائے گی لیکن اوّل وقت کا ثواب باطل ہو جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل نماز میں اس کی نیت درست ہے اس کی مثال یونہی ہے کہ کوئی آدمی غصب شدہ مکان میں نماز پڑھے تو فرض ادا ہو جائے گا لیکن گنہگار ہو گا لیکن نفس نماز کے اعتبار سے گنہگار نہیں ہو گا۔ اسی طرح یہاں بھی نفس نماز میں ریاکار نہیں بلکہ محض وقت کے اعتبار سے مجرم ہے۔ اگر اخلاص کے ساتھ نماز ادا کرے پھر ریا کا خطرہ پیش آئے اور نماز کا اظہار کرے تو ادا شدہ نماز باطل

نہیں ہو گی لیکن ریا کے اس خیال کے سبب اسے عذاب ہو گا۔

روایت میں آتا ہے کہ ایک شخص نے کہا کہ میں نے کل سورۂ بقرہ نماز میں پڑھی تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عبادت میں یہی اس کا قصد تھا جو اُس نے ظاہر کر دیا۔ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ میں برابر روزے رکھتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نہ روزہ دار ہو نہ روزہ خور۔ محدثین نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ چونکہ تم نے اظہار کر دیا اس لیے روزہ باطل ہو گیا اور ہمارے نزدیک ظاہری معنی یہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ اس کے اظہار سے اندازہ ہوتا ہے کہ عبادت کے وقت یہ ریا سے خالی نہیں تھا۔ لیکن اگر خالی ہو تو جو عبادت درست ادا ہوئی اور تمام ہو گئی پھر ریا سے اس کا باطل ہونا بعید ہے اور اس حدیث کے یہ معنی بھی بیان کیے گئے ہیں کہ برابر روزہ رکھنا منع ہے لیکن جو ریا کا خیال عبادت کے درمیان آئے اور اصل عبادت کے درمیان آئے اور اصل عبادت کی نیت کو مغلوب کر دے تو پھر عبادت باطل ہو جائے گی۔ مثلاً نظارہ بازی کی کوئی چیز سامنے آ گئی یا کوئی چیز گم تھی وہ یاد آ گئی اور اب محض شرم سے نماز نہیں توڑتا۔ اکیلا ہوتا تو توڑ دیتا تو یہ نماز باطل ہو جائے گی کیونکہ عبادت کی نیت ہی ختم ہو گئی۔ اب جو کھڑا ہے وہ محض لوگوں کی خاطر ہے اور اگر اصل نیت برقرار ہو مگر لوگوں کے دیکھنے سے خوشی پیدا ہو اور نماز اچھے انداز سے پڑھنے لگے تو ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ نماز باطل نہیں ہو گی۔ اگرچہ اس ریا کے سبب گنہگار ہو گا لیکن اگر کوئی شخص اس کی عبادت دیکھے اور یہ اس کے سبب خوش ہو تو بقول حضرت حارث محاسی رحمۃ اللہ علیہ نماز کے باطل ہونے نہ ہونے میں اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ مجھے اس میں توقف تھا اور میرا غالب گمان یہ ہے کہ نماز باطل ہو جائے گی پھر فرمایا کہ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ کسی نے جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ یارسول اللہ میں عبادت پوشیدہ کرتا ہوں لیکن جب لوگ اس سے واقف ہوتے ہیں تو مجھے خوشی ہوتی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر تمہیں دو اجر ملیں گے ایک تو عبادت پوشیدہ کرنے کا اجر' دوسرے علانیہ کا اجر لیکن حارث محاسی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث متصل نہیں مرسل ہے اور ممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے یہ بات مراد لی ہو کہ فراغت کے بعد عبادت ظاہر کرنے والا خوش ہو یا یہ مُراد لی ہو کہ اپنی عبادت کے ظاہر ہو جانے میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے خوش ہو جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے بیان کیا۔ اس دلیل سے یہ معنی مراد لیے جاسکتے ہیں کیونکہ یہ تو کوئی نہیں کہتا کہ لوگوں کے آگاہ ہونے سے خوشی پر اجر زیادہ ہوتا ہے اگرچہ گناہ کا سبب نہ ہو تو حضرت حارث کی تقریر کا جواب ہے اور ہمارے نزدیک ظاہری معنی یہ ہیں کہ اس قدر جو خوش ہو وہ جب عمل میں زیادتی نہ کرے اور اصل نیت برقرار رہے اور اس نیت کے حکم سے عمل کرے تو نماز باطل نہ ہو گی۔

ریا کے سبب پیدا ہونے والی بیماری کا علاج

ریا بہت بڑی بیماری ہے اس کا علاج ضروری ہے اور بغیر کوشش علاج ممکن نہیں اس لیے کہ یہ بیماری دِل کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور دِل میں دخیل ہو گئی ہے اس لیے علاج مشکل ہوتا ہے۔ اس کی صعوبت کا سبب یہ ہے کہ آدمی بچپن سے دیکھتا ہے کہ لوگ باہم رِیا کا لحاظ رکھتے ہیں اور ایک دوسرے کی نگاہ میں اپنے آپ کو آراستہ رکھتے ہیں اور اکثر لوگ

اس کا شغل جاری رکھتے ہیں اس لیے یہ عادت بچّے کے دِل میں آنے لگتی ہے اور روز بروز زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ جب عقل کامل ہو جاتی ہے اور وہ جان لیتا ہے کہ یہ باعث نقصان ہے اس وقت تک یہ غالب آ چکی ہوتی ہے اس کا مٹانا مشکل ہے کوئی شخص اس بیماری سے خالی نہیں ہوتا اور اس سے چھٹکارے کے لیے مجاہدہ ساری مخلوق پر فرض عین ہے اور اس معالجہ میں دو مقام ہیں ایک طلب مسہل کہ اس مادہ کو باطن سے اکھاڑ پھینکے اور یہ عِلم و عمل سے مرکب ہے علمی تو یہ ہے کہ اس بات کو ضروری جانے کہ آدمی جو کچھ کرتا ہے اس سبب سے کرتا ہے کہ اسے اس وقت کچھ لذت حاصل ہو جب اسے معلوم ہو جائے گا کہ اس کا ضرر یہ ہے اور مجھ میں اس کی طاقت نہیں کہ یہ نقصان برداشت کر سکوں تو اس لذت سے دستبردار ہو جانا اس پر آسان ہو جائے گا جیسا کہ آدمی یہ جانے کہ شہد میں زہر قاتل ہے تو آدمی لالچ کے باوجود اس سے اِحتراز کرے گا اور اصل رِیا اگرچہ بالکل جاہ و منزلت کی مُحبّت سے جمتی ہے لیکن تین جڑیں ہیں۔ ایک جڑ ثنا و صفت کی مُحبّت ہے دوسری جڑ مذمت کا خوف ہے تیسری جڑ مخلوق سے طمع رکھنا۔ حضور ﷺ سے ایک اَعرابی نے پوچھا کہ اس شخص کے متعلق آپ ﷺ کا کیا ارشاد ہے جو دینی حمیت کی خاطر جہاد کرے یا اس لیے کہ لوگ اس کی بہادری کو دیکھیں یا اس خاطر کہ لوگوں میں اس کے چرچے ہوں آپ ﷺ نے فرمایا کلمۂ حق کی بلندی کے لیے جہاد کرنے والا فی سبیل اللہ ہے۔ یہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ آدمی اپنا چرچا اور تعریف نہ کرے اسی طرح مذمت سے بھی نہ ڈرے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص اونٹ باندھنے کی رسّی کی خاطر جہاد کرے گا تو اسے اتنا ہی ملے گا جو اس نے نیت کی یہی تین باتیں رِیا کا سبب ہوتی ہیں۔ ثناء و تعریف کی حرص اس طرح چھوڑ دینی کہ قیامت کے دن اپنی رُسوائی کا خیال کرے کہ سب کے سامنے آواز آئے گی او رِیا کار فاجر و گمراہ تجھے شرم نہ آئی کہ تو نے اللہ کی عبادت لوگوں کی تعریف کی خاطر بیچ ڈالی اور دِل کو مخلوق سے مشغول رکھا۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کی پرواہ نہ کی اور مخلوق سے نزدیک ہونے کی خاطر اللہ سے دوری اختیار کر لی اور تُو نے اللہ تعالیٰ کی قبولیت کے بجائے مخلوق کی قبولیت کا لحاظ کیا اور مخلوق کی تعریف کی اور واہ واہ کی خاطر اللہ تعالیٰ کی ناراضی مول لی۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ تیرے نزدیک کوئی نہ تھا کہ تو نے سب کی رضامندی کا خیال کیا لیکن اس کے غُصّہ کی پرواہ نہ کی جب عقلمند آدمی اس رُسوائی کو سوچے گا تو سمجھ لے گا کہ لوگوں کی تعریف ان رسوائیوں کے برابر نہیں ہو سکتی بالخصوص جب یہ سمجھے گا کہ جو عبادت میں کرتا ہوں اس کے سبب نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو گا اور جب رِیا کے سبب یہ عبادت تباہ ہو جائے گی تو پھر گناہوں کا پلڑا بھاری ہو گا اور اگر یہ رِیا نہ کرتا تو انبیاء و اولیاء کا رفیق ہوتا اب ریا کی وجہ سے دوزخ کے فرشتوں کے سپرد ہونا پڑا اور مجرموں کا ساتھی بننا پڑا اور یہ سب کچھ مخلوق کی رضامندی کی خاطر کیا حالانکہ ان کی بھی رضامندی حاصل نہیں ہوتی کہ ایک خوش ہوتا ہے تو دوسرا ناراض۔ ایک تعریف کرتا ہے تو دوسرا مذمت۔ اور اگر بالفرض سبھی تعریف بھی کریں تو ان کے ہاتھ نہ اس کی روزی ہے نہ عمر نہ دُنیا کی سعادت نہ آخرت کی بہتری۔ اس سے بڑھ کر نادانی کیا ہو گی کہ فی الحال تو اپنا دِل پریشان کرے اور عاقبت میں ایسی لچر غرض کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی ناراضی کا شکار ہو جائے آدمی کو ایسی باتوں کا خیال رکھنا چاہیے پھر وہ گناہوں سے بچ جاتا ہے۔

اور طمع کا علاج اس طرح کرے جو ہم نے حب مال کے ضمن میں بیان کیا ہے اور اپنے دِل میں سوچے کہ یہ طمع وفا کرے گا؟ اگر کرے بھی تو جنت اور ذلت کے ساتھ ساتھ ہو گی اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا نقد سودا ضائع ہو گا۔ رہ گئے

مخلوق کے دِل تو وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر مسخر نہیں ہوتے اور جب اللہ تعالیٰ کی رضا نصیب ہو جائے گی تو وہ ذات باری تعالیٰ خود مخلوق کے دِلوں کو مطیع کر دے گی اور اللہ کی رضا سے محرومی رسوائی کی شکل میں ظاہر ہو گی اور دِل بھی نفرت کا شکار ہوں گے۔ رہ گیا مخلوق کی مذمت کا خوف تو اس کا علاج اس طرح کرے کہ اپنے دِل میں سوچے کہ اگر میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بُرا اور مذموم ہوں تو مخلوق کی تعریف کا کیا فائدہ؟ اور اگر اخلاص اختیار کرے گا اور پراگندگی مخلوق سے دِل کو پاک رکھے گا تو اللہ تعالیٰ سب دِلوں کو اس کی دوستی سے آراستہ کر دے گا اور ایسا نہیں کرے گا تو لوگ اس کے نفاق اور اس کی رِیا کو پہچان لیں گے اور جس مذمت سے ڈرتا ہے وہی پھر سامنے آئے گی۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا فوت ہو جائے گی اور جب دِل کو ایک ہی ہمت اور خیال پر قائم رکھے گا یعنی اخلاص سے چلتا رہے گا تو اس کی لذت کی راہ اس کے دِل میں کھل جائے گی جبکہ عملی علاج یہ ہے کہ کارِ خیر اور نیکی کو یوں چھپائے جیسے کوئی خواہش اور معاصی کو چھپاتا ہے تاکہ عبادت میں اللہ تعالیٰ کے عِلم پر قناعت کی عادت ہو جائے۔ یہ امر ابتداء میں دشوار ہوتا ہے لیکن جب محنت اور مشقت کرے گا تو بات آسان ہو جائے گی۔ مناجات اور اخلاص کی لذت حاصل ہو گی اور ایسی شکل بن جائے گی کہ مخلوق دیکھے بھی تو یہ غافل ہو گا۔

دوسرا مقام تسکین ہے یعنی جب رِیا کا خطرہ اور خیال آنے لگے تو اس کو دور کرنا۔ اگرچہ آدمی نے اپنے آپ کو اس سانچہ میں ڈھال لیا ہے کہ مخلوق کی مال و دولت اور تعریف و توصیف سے بے نیاز ہو گیا ہے اور یہ سب چیزیں اس کی نظر میں حقیر ہو گئی ہیں لیکن شیطان عبادت میں رِیا کے خطرے اور وسوسے تو ڈالتا ہی ہے پہلا خطرہ تو یہ ہوتا ہے کہ آدمی یہ سوچنے لگے کہ کسی کو اطلاع ہو گئی ہے یا امید ہے کہ اطلاع ہو جائے۔ دوسرا خطرہ یہ ہوتا ہے کہ دِل میں رغبت پیدا ہوتی ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ لوگوں کے نزدیک اسے قدر و منزلت حاصل ہو۔ تیسرا خطرہ یہ ہے کہ یہ رغبت قابل قبول بن جاتی ہے پھر اس کی تحقیق کا قصد و شوق پیدا ہوتا ہے تو کوشش یہ ہونی چاہیے کہ پہلے خطرے کو دور کرے اور یہ سوچے کہ مخلوق کا کیا فائدہ خالق کو تو معلوم ہی ہے اور میرے لیے اسی کا عِلم و اطلاع کافی ہے میرا کام مخلوق کے ہاتھ میں نہیں دوسرا خطرہ پیدا ہو تو جو کچھ پہلے فرض کیا تھا اسے یاد کرے کہ مخلوق کی قبولیت اللہ تعالیٰ کے غُصّہ کی موجودگی میں کس کام کی؟ تاکہ اس رغبت کے مقابلہ میں اس خیال سے کراہت آ جائے جب دِل میں کراہت پیدا ہو گی تو مخلوق کی قبولیت کا خیال رفع ہو جائے گا اور یہ کراہت مانع ثابت ہو گی کیونکہ جو بات غالب اور قوی ہوتی ہے نفس اس کا مطیع ہوتا ہے۔ ان تین خطروں کے مقابلہ میں تین اور کام کرے ایک تو یہ معرفت کہ اللہ تعالیٰ کی لعنت اور غُصّہ کا شکار ہونا پڑے گا دوسرے اس کراہت کا خیال کرے جو اس سے پیدا ہو سکتی ہے۔ تیسرے رِیا کے خطرہ کو دُور کرے اور ممکن ہے کہ رِیا کی خواہش ایسا ازدحام کرے کہ دِل میں کچھ جگہ باقی نہ رہے اور معرفت اور کراہت سامنے بھی نہ آنے پائے اگرچہ اس سے پہلے اپنے دِل میں بہت کچھ فرض کر چکا ہو اور جب ایسا ہوتا ہے تو گویا شیطان جیت گیا۔

اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے آپ کو حلیم و بردبار رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور غُصّہ کی آفت اور نقصانات کو خوب جانتا ہے جب وقت آئے تو غُصّہ غالب ہو جائے اور وہ سب کچھ بھول جائے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ معرفت تو حاصل ہو اور یہ معلوم ہو کہ یہ رِیا ہے لیکن چونکہ خواہش قوی ہے تو کراہت پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن یہ بھی ہوتا ہے کہ

کراہت کے باوجود اس خواہش سے بر نہ آئے اور اسے دفع نہ کر سکے اور مخلوق کی طرف رجحان ہونے لگے۔ بہت سے اہل علم ایسے ہوتے ہیں کہ وہ جانتے ہیں کہ لوگوں کے ساتھ ہماری گفتگو ریا پر مبنی ہے اور یہ چیز باعث نقصان ہے اس کے باوجود ایسا کرتے اور توبہ میں تاخیر کرتے ہیں تو ریا کا دفعیہ فی الحقیقت کراہت کی قوت کی مناسبت سے ہوتا ہے اور کراہت کی قوت کا انحصار معرفت کی قوت پر ہے جبکہ معرفت کی قوت ایمان سے متعلق ہے جس کی امداد باذنِ الٰہی فرشتے کرتے ہیں رہ گئی ریا تو اس کی خواہش دُنیا کی مُحبّت کے سے انداز سے ہوتی ہے اور اس کی مدد شیطان کرتا ہے اور آدمی کا دل ان دو متحارب لشکروں کے درمیان ہوتا ہے اور ہر لشکر کے ساتھ اس کی ایک مناسبت ہے جس کی مناسبت غالب ہوتی ہے اس کا اثر قبول کرلیتا ہے اور اس کی طرف میلان ہوجاتا ہے اور یہ مناسبت پہلے سے حاصل ہوتی ہے کیونکہ نماز سے پہلے بندہ اپنے آپ کو ایسا کرلیتا ہے کہ فرشتوں کے اَخلاق اس پر غالب آ جائیں لیکن فی الحقیقت شیطانی اَخلاق غالب تر ہوتے ہیں جب عبادت کے اندر ریا کا خیال آتا ہے تو وہی ظاہر ہونے لگتے ہیں اور تقدیر اسے ایسی جگہ کھینچ لے جاتی ہے جو قسمت ازلی سے اس کے حصہ میں ہے۔

فصل : جب ریا کے تقاضوں کے خلاف تم نے قدم اٹھایا اور دل میں اس سے نفرت پیدا ہوگئی اس کے بعد بھی اس کی خواہش اور وسوسہ باقی رہے گا تو تم اس کی وجہ سے ماخوذ نہیں ہوگے کیونکہ وہ آدمی کی طبیعت ہے اور تجھے یہ حکم نہیں کہ تو اپنی طبیعت کو زائل کرے بلکہ اپنی طبیعت کو مغلوب اور زیردست کرنے کا حکم ہے تاکہ وہ تجھے دوزخ میں ڈالنے کا ذریعہ نہ بنے جب اس پر تجھے قدرت حاصل ہوگئی اور طبیعت کے تقاضوں پر عمل نہ کیا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تیری طبیعت مغلوب ہے اور اللہ کا حکم بجالانے کی خاطر یہی بات کافی ہے اور اس خواہش سے تیری کراہت اور مخالفت ان خواہشات کا کفارہ ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے جناب نبی کریم ﷺ سے سوال کیا کہ ہمیں ایسے وساوس آتے ہیں کہ اگر ہمیں آسمان پر سے پھینک دیا جائے تو یہ اس سے بہتر ہے لیکن ہم بہرحال ان وسوسوں سے نفرت کرتے ہیں آپ ﷺ نے پوچھا کہ واقعی تمھاری یہی حالت ہے۔ انھوں نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا کہ یہ تو صریح ایمان ہے وہ وساوس اللہ تعالیٰ کے حق میں آتے ان سے کراہت صحیح ایمان کی نشانی ہے ہاں ایسا بھی ہوتا ہے کہ جس شخص نے ایسے وسوسہ میں نفس و شیطان کی مخالفت کی تو شیطان حسد کے سبب دشمنی پر اتر آتا ہے اور اسے آمادہ کرتا ہے کہ اس کے دین کی بھلائی اس وسوسہ میں شیطان کے ساتھ جھگڑنے میں ہے لیکن دِل کا جھگڑا مناجات کی لذت سے محروم کردیتا ہے یہ بات مناسب نہیں اس کے چار درجات ہیں۔ ایک تو یہ جھگڑنے میں وقت ضائع کرے۔ دوسرا یہ کہ اسی پر اکتفا کر کے اس کی تکذیب کرے اور مناجات میں مشغول ہو جائے۔ چوتھا درجہ یہ ہے کہ اخلاص کی اور حرص کرے کیونکہ اس میں بھی کچھ وقت تو ضائع ہو گا بلکہ اس کی طرف اِلتفات ہی نہ کرے اور مناجات میں مشغول ہو جائے۔ چوتھا درجہ یہ ہے کہ اخلاص کی اور حرص کرے کیونکہ جب یہ جانتا ہے کہ شیطان کو اس سے غُصّہ آتا ہے تو وہ خود ہی اِلتفات نہیں کرے گا۔ اور کامل تر درجہ یہی ہے کیونکہ جب شیطان یہ بات معلوم کرلے گا تو اس سے نااُمید ہو جائے گا۔ اس کی مثال ان چار آدمیوں کی مانند ہے جو حصولِ علم کی خاطر کہیں جاتے ہیں اور کوئی حاسد ان کی راہ میں تیار کھڑا ہو جاتا ہے وہ ایک کو منع کرتا ہے اور نہ ماننے پر لڑنے کو تیار ہو جاتا ہے اس طرح وقت ضائع کرتا ہے دوسرا محض دفع کرنے پر اکتفا کرے اور

لڑنے سے گریز کرے تیسرا دفع کرنے میں بھی مشغول نہ ہو بلکہ اِلتفات ہی نہ کرے اور چلتا رہے اور چوتھا اِلتفات بھی نہ کرے اور چلنا بھی تیزی سے شروع کر دے تو حاسد نے پہلے والے سے تو کچھ نہ کچھ مراد حاصل کی لیکن تیسرے سے اسے کچھ نہ ملا اور چوتھے نے کچھ مزید حاصل کر لیا اگر ان تینوں کے منع کرنے سے وہ حاسد پشیمان نہ ہو گا تو اس چوتھے کے منع کرنے سے تو پشیمان ہو گا اور سوچے گا اے کاش میں نے منع کیا ہوتا اس لیے بہتر یہ ہے کہ آدمی حتی الامکان شیطانی وساوس اور جھگڑوں میں نہ پڑے اور اللہ کی مناجات و بندگی میں مشغول رہے۔

اطاعت ظاہر کرنے کی اجازت

اطاعت کو چھپانے کا فائدہ یہ ہے کہ آدمی رِیا سے بچ جاتا ہے جبکہ ظاہر کرنے میں یہ فائدہ ہے کہ وہ دوسروں کے لیے رغبت ہو اور وہ نیکی کی طرف متوجہ ہوں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے دونوں کی تعریف کی ہے :

﴿ اِنْ تَبْدُوْ الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَاِنْ تَخْفُوْهَا وَ تُؤْتُوْهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ﴾ (البقرہ)

"اگر تم صدقہ ظاہر کر کے دو تو بہت اچھا ہے اور اگر اسے چھپا کر فقراء کو دو تو بہتر ہے تمھارے حق میں"

ایک دن جناب نبی کریم ﷺ کو کسی دینی کام کی خاطر مال کی ضرورت تھی ایک انصاری بزرگ تھیلی لے کر آئے تو ان کی دیکھا دیکھی دوسرے حضرات بھی مال لانے لگے اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اچھی بات کی ابتداء کرنے والے کو اپنا ثواب بھی ملے گا اور دوسروں کی موافقت کا اجر بھی نصیب ہو گا۔ اسی طرح جو شخص حج یا جہاد کے سفر پر جانے والا ہے اور وہ اس کا اہتمام کر کے نکلے تاکہ دوسروں کو بھی شوق پیدا ہو یا تہجد کی نماز میں قرأت اس لیے بلند آواز سے پڑھنی چاہیے کہ دوسرے بھی جاگ کر نیکی میں مشغول ہوں تو حقیقت یہ ہے کہ اگر رِیا کاری کا ڈر نہ ہو اور اس اظہار کا مقصد دوسروں کو شوق دلانا ہو تو یہ جائز ہے بلکہ افضل ہے اور اگر رِیا کی طمع ہو اور لوگوں کو رغبت بھی نہ ہو تو اخفاء اَولیٰ و اَنسب ہے۔ جو شخص عبادت ظاہر کرنا چاہے اسے چاہیے کہ ایسی جگہ یہ کام کرے جہاں مناسب و ممکن ہو اور لوگ اس کی پیروی کریں اس لیے کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ اس کے اعزہ تو اس کی پیروی کرتے ہیں عام شہری نہیں اور بعض کا معاملہ برعکس ہوتا ہے ایک دسری قابل لحاظ بات یہ ہے کہ اپنے دِل کو ٹٹولے کیونکہ بعض لوگوں کے دِل میں رِیا کا شوق پوشیدہ ہوتا ہے اور وہ دوسروں کو ترغیب کے بہانے یہ شوق پورا کرتے ہیں اس طرح ہلاکت کا خطرہ ہے اور ان کی مثال اس شخص کی ہے جو تیرنا نہیں جانتا ڈوبنے لگتا ہے تو دوسرے کا ہاتھ پکڑ لے کہ دونوں ہلاک ہو جائیں اور قوی آدمی کی مثال یہ ہے جیسے کوئی تیرنے میں مشاق ہو خود بھی بچے دوسروں کو بھی بچائے۔ یہ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ کی نشانی ہے ہر کسی کو غرہ نہیں کرنا چاہیے کہ جو عبادت چھپا سکتا ہے اسے بھی نہ چھپائے۔ اس معاملہ میں سچائی کی علامت یہ ہے کہ فرض کرے کہ لوگ اس سے کہیں کہ تو اپنی عبادت پوشیدہ رکھ تاکہ لوگ اس دوسرے عابد کی پیروی کریں اور تجھے ویسا ہی اجر نصیب ہو جیسا کہ اظہار میں ہے اس پر اگر اپنے اظہار کی رغبت پائے تو اس کی دلیل ہو گی کہ اسے اپنی عزت مطلوب ہے آخرت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ایک طریقہ اظہار کا یہ ہے کہ اطاعت سے فراغت کے بعد بتلائے کہ میں نے کیا کیا نفس کو اس سے بھی حلاوت نصب ہوتی ہے اور ممکن ہے کہ اس طرح حکایت میں مبالغہ ہو جائے اس

لیے زبان پر کنٹرول کرنا اور ظاہر نہ کرنا ضروری ہے تاوقتیکہ مخلوق کی تعریف اور مذمت اس کے معاملے میں یکساں نہ ہو جائے اور ان کے رد و قبول کا اس پر کوئی اثر نہ ہو بلکہ دونوں برابر ہو جائیں۔ پھر جب یہ معلوم ہو جائے کہ کہنے سے دوسروں میں خیر کی رغبت پیدا ہوتی ہے تو کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ اہل قوت بزرگوں نے ایسا کیا۔ حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جب سے مُسلمان ہوا ہوں میں نے کوئی نماز ایسی نہیں پڑھی جس میں میرے دِل نے اس بات کے سوا کوئی اور بات کی ہو کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ مجھ سے یہ فرمائے گا تو میں یہ جواب دوں گا۔ اور حضور علیہ السلام سے جو سنا اس کو یقینی طور پر سچا جانا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے کوئی اندیشہ اور ڈر نہیں کیونکہ صبح اٹھتے ہی مشکل اور آسان کاموں میں سے خیر کے کاموں کا مجھے اندازہ ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں صبح جس حال میں اٹھتا ہوں اسی حال پر رہنا مجھے پسند ہے اور اس کی تبدیلی مجھے پسند نہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی نہ تو اپنی شرمگاہ کو دائیں ہاتھ سے چھوا نہ گانا گایا نہ جھوٹ بولا۔ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے مرتے وقت فرمایا کہ مجھ پر رونے سے گریز کرنا کیونکہ میں جب سے مُسلمان ہوا ہوں میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قضاءِ الٰہی سے مجھ پر ایسا کوئی حادثہ نہیں گزرا جس کے متعلق میں نے یہ خیال کیا ہو کہ یہ نہ ہوتا۔ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے میری تقدیر میں لکھ دیا ہے میں اس پر ہمیشہ خوش رہا۔ یہ سب باتیں اہل قوت کی ہیں ضعیف اور کمزور لوگوں کو اس کی نقالی نہ کرنی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر کام میں ایسی حکمتیں پوشیدہ رکھی ہیں کہ ہر شخص ان حکمتوں کی طرف راہ نہیں پا سکتا ہر شر کے نیچے خیر چھپی ہے۔ رِیا میں مخلوق کے واسطے خیر بھی بہت ہے اگرچہ اس میں ریاکار کی ہلاکت کا سامان ہے کیونکہ بہت سے لوگ کام ریاکاری سے کرتے ہیں لیکن لوگ انھیں مخلص جانتے ہیں اور یہی سمجھ کر ان کی پیروی کرتے ہیں۔ ایک حکایت یاد آئی کہا جاتا ہے ک بصرہ میں صبح کے وقت یہ عالم ہوتا کہ جس گلی محلّہ میں جاتے ذکر و تلاوت کی آواز آتی۔ اس کی طرف مخلوق کی رغبت بہت تھی ایک شخص نے رِیا کے دقائق پر ایک کتاب لکھی تو ان لوگوں نے ذکر و تلاوت ترک کر دی۔ اس کتاب کے سبب رغبت میں فتور پڑ گیا لوگ کہتے کاش یہ کتاب نہ لکھی جاتی تو ریاکار شخص اوروں کے لیے خیر کا باعث ہوتا ہے لیکن خود تباہ بھی ہو سکتا ہے ؎

پنڈت بہئے مشعلچی باتیں کرے بنائے
اور کو بھیجے چاندنی ۔ آپ اندھیرے جائے

معصیت چھپانے کی اجازت

عبادت کا اظہار کبھی کبھار رِیا ہو جاتا ہے لیکن گناہ کا اخفا سات وجوہات سے ہمیشہ درست ہے پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گناہ کو پوشیدہ رکھنے کا حکم دیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کسی سے کوئی معصیت سرزد ہو تو اسے چاہیے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا پردہ ڈالے رکھے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس دُنیا میں گناہ پوشیدہ ہونا اس امر کی بشارت ہے کہ اگلے جہان میں بھی ان شاء اللہ پوشیدہ رہے گا۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ لوگوں کی ملامت سے ڈرنا چاہیے جو دِل کو تشویش میں مبتلا کر دیتی ہے اس طرح دِل پراگندہ ہو گا عبادت میں خلل پڑے گا۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ علامت اور مذمت

سے دِل رنجیدہ ہو گا کہ یہ انسانی طبیعت ہے اور علامت سے رنجیدہ ہونا اور اس سے احتراز کرنا حرام نہیں ہے اور تعریف و مذمت کو برابر سمجھنا توحید کا اونچا مرتبہ ہے ہر ایک کو یہ مقام نصیب نہیں لیکن مذمت کے خوف سے عبادت کرنا درست نہیں کیونکہ عبادت اخلاص سے ہونی چاہیے اور تعریف و توصیف نہ ہو تو آدمی صبر کر سکتا ہے لیکن مذمت پر صبر مشکل ہے۔

پانچویں وجہ یہ ہے کہ لوگ اس کے درپے ہو جائیں گے اور اسے ستائیں گے اور شریعت نے اجازت دی ہے کہ اگر گنہگار پر حد بھی واجب ہو تو گناہ کو چھپائے اور توبہ کرے کیونکہ شر سے بچنا درست ہے۔

چھٹی وجہ یہ ہے کہ لوگوں سے شرم کرے شرم اچھی چیز ہے جس کا تعلق ایمان سے ہے ((اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ)) اور شرم اور ریا الگ الگ چیزیں ہیں۔ ساتویں وجہ یہ ہے کہ اس بات کا خوف کھانا چاہیے کہ گناہ ظاہر ہو گا تو فاسق لوگ اس کی پیروی کریں گے اور گناہ پر دلیر ہو جائیں گے جب ان وجوہات سے آدمی گناہ کو پوشیدہ رکھے گا تو معذور ہو گا اور اگر یہ نیت ہو کہ لوگ پرہیز گار سمجھیں تو یہ ریا ہے اور حرام ہے لیکن اگر ایسا ہو کہ اس کا ظاہر و باطن یکساں ہو تو یہ صدیقین کا مرتبہ ہے اور یہ درجہ اس سے حاصل ہوتا ہے کہ آدمی خفیہ کوئی گناہ نہ کرے لیکن جب گناہ کر کے کہتا ہے کہ جناب جب اللہ کی چوری نہیں تو بندہ کی کیا چوری؟ جو بات اللہ تعالیٰ جانتا ہے اسے مخلوق نے جان لیا تو کیا حرج ہے یہ باتیں مناسب نہیں بلکہ جہالت ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ستار ہیں۔ ان کا پردہ اپنے اور دوسروں پر ڈالے رکھنا لازمی ہے۔

ریا کے خوف سے کس جگہ اطاعت چھوڑنے کی اجازت ہے؟

اطاعت کی تین قسمیں ہیں ایک وہ جن کا مخلوق سے کوئی تعلق نہیں جیسے نماز روزہ وغیرہ دوسری وہ جن کا تعلق بالکل مخلوق سے ہی ہے جیسے خلافت' قضا' حکومت تیسری قسم وہ ہے جو مخلوق میں بھی اثر کرے اور عمل کرنے والے میں بھی جیسے وعظ و نصیحت وغیرہ۔

پہلی قسم سے ریا کے ڈر کے سبب دستبردار ہونے کی بالکل اجازت نہیں۔ لیکن اگر ریا کا خطرہ ابتدا یا درمیان میں آئے تو اس کے دفعیہ کی کوشش ضروری ہے اور عبادت کی نیت کو تازہ کر لینا چاہیے۔ مخلوق کے دیکھنے سے عبادت گھٹانا یا بڑھانا درست نہیں۔ ہاں جہاں یہ مشکل ہو جائے کہ عبادت کی مطلق نیت ہی نہ رہی ہو اور ریا ہی ریا ہو جائے وہاں عبادت کیسی؟ ہاں اصل نیت جب تک باقی رہے تو عبادت سے ہاتھ کھینچنا درست نہیں۔ حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مخلوق کے دیکھنے کے ڈر سے ترکِ عبادت ریا ہے اور مخلوق کو دکھانے کے واسطے عبادت کرنا شرک ہے۔ شیطان یہ چاہتا ہے کہ تو عبادت نہ کرے جب اس سے عاجز آتا ہے تو تجھ سے کہتا ہے کہ لوگ دیکھتے ہیں اور یہ ریا ہے طاعت نہیں تاکہ یہ فریب دے کر تجھے عبادت سے روک سکے۔ اگر تو اس کی طرف اِلتفات کرے گا اور مثلاً لوگوں سے بھاگے گا اور زمین کے نیچے چلا جائے گا تو بھی وہ یہی کہے گا کہ لوگوں کا خیال ہے کہ تو اس لیے بھاگ آیا ہے کہ تو زاہد ہے اور یہ زہد نہیں ریا ہے تو اس کا جواب یوں دینا چاہیے کہ مخلوق کا دھیان کر کے ان کے سبب سے عبادت ترک کر دینا بھی ریا ہے بلکہ مخلوق کا دیکھنا نہ دیکھنا برابر ہے مجھے جیسی عادت ہے میں ویسا ہی کرتا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ مخلوق دیکھتی نہیں کیونکہ

مخلوق کے خوف سے عبادت نہ کرنا ایسا ہے کہ کوئی شخص اپنے غلام کو صاف کرنے کی غرض سے گندم دے اور وہ صاف نہ کرے اور اس کا عذر یہ ہو کہ مجھے ڈر تھا کہ میں صحیح صاف نہ کر سکوں گا تو ظاہر ہے کہ آقا کہے گا کہ بے وقوف تو نے اصل کام ہی نہیں کیا تو اللہ تعالٰی نے بندوں کو اخلاص کا حکم دیا ہے بندے جب عمل سے دستبردار ہو جائیں تو اخلاص سے تو پہلے ہی دستبردار ہو گئے کیونکہ اخلاص عمل میں ہی ہوتا ہے لیکن وہ جو حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت لوگوں نے بیان کی ہے کہ تلاوت قرآن کے دوران کوئی آجاتا تو قرآن بند کر دیتے تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ ہر وقت قرآن ہی پڑھتا ہے تو اس کا سبب یہ ہو گا کہ وہ جانتے تھے کہ جب کوئی شخص آئے تو اس سے بات کرنا ضروری ہے اس لیے تلاوت بند کر دی اس لیے تلاوت کو پوشیدہ رکھنا اَولیٰ ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب کو رونا آتا تو وہ منہ چھپا لیتے تاکہ لوگ پہچانیں نہیں اور یہ بات درست ہے کیونکہ تنہائی میں رونا برملا رونے سے افضل اور بہتر ہے اور ویسے یہ کوئی عبادت تو نہیں جس کو آدمی ترک کر رہا ہو اور فرماتے ہیں کہ ایک صاحب راستہ سے تکلیف دہ چیزیں خواہش کے باوجود نہ اٹھاتے کہ لوگ ان کے نیک ہونے کا تصور قائم نہ کر لیں۔ یہ حکایت معلوم ہوتی ہے کہ کسی کمزور آدمی کی ہو گی جو اس بات سے ڈرتا ہو گا کہ مخلوق اسے نیک تصور کرے گی اور دوسری عبادات بے لطف ہو جائیں گی لیکن شہوت رِیا کے خوف کے سبب اس سے حذر کرنا اچھا نہیں ہوتا بلکہ اِنسان کو ایسا کرنا چاہیے لیکن رِیا کا دفعیہ ضروری ہے مگر وہ شخص جو کمزور ہو اور حذر و احتیاط میں اپنی بہتری سمجھے اس کا معاملہ الگ ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جس کا تعلق مخلوق سے ہے جیسے حکومت' قضا' خلافت کہ یہ چیزیں عدل سے آراستہ ہوں تو عبادت ہیں ورنہ معصیت اور جس شخص کو اپنے اوپر عدل کا اطمینان نہ ہو اس پر ان کاموں کا قبول کرنا حرام ہے کیونکہ ان میں بڑے نقصانات ہیں اور یہ کام نماز روزہ کی مانند نہیں کیونکہ محض نماز روزہ میں تو کوئی لذت نہیں لذت تو اس میں ہے کہ لوگ دیکھیں اور حکومت و قیادت میں فی نفسہٖ بڑی لذت ہے جس سے نفس پرورش پاتا ہے حکومت اسے زیب دیتی ہے جو اپنے معاملہ میں مطمئن ہو لیکن آدمی اگر اپنے آپ کو آزما چکا ہو اور حکومت کے پہلے کاموں میں امانت و دیانت کا مظاہرہ کر چکا ہو اس کے باوجود اسے ڈر ہو کہ میں بدل جاؤں گا اور معزول ہونے کے خطرہ سے چکنی چپڑی باتیں کروں گا تو اس شکل میں علماء کا اختلاف ہے ایک گروہ نے حکومت قبول کرنے کی رائے دی ہے کہ ان کے نزدیک ایسا سوچنا محض گمان ہے اور جب اپنے آپ کو آزما بھی چکا ہے تو اسی پر اعتماد رکھنا چاہیے جبکہ ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ ایسا نہ کرے اس لیے کہ جب نفس انصاف کا وعدہ کرے گا تو ممکن ہے کہ فریب ہو اور حکومت پانے کے بعد بدل جائے۔ پس جب پہلے ہی سے شک ظاہر کرتا ہے تو اس کے بدل جانے کا ظن غالب ہے۔ اس لیے احتراز بہتر ہے جبکہ حکومت اہل قوت ہی کر سکتے ہیں۔ امیرالمومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت رافع رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ حکومت کبھی قبول نہ کرنا اگرچہ دو ہی آدمیوں پر ہو جب انھوں نے خود خلافت قبول کی تو حضرت رافع نے عرض کیا کہ مجھے آپ رضی اللہ عنہ نے جس چیز سے منع کیا تھا وہ خود قبول فرمالی۔ فرمایا تمھیں اب بھی منع کرتا ہوں جو شخص انصاف نہیں کرتا وہ اللہ کی لعنت کا مستحق ہوتا ہے اور اس کمزور اعتراض کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنے لڑکے کو دریا پر جانے سے روکے اور

خود پانی کے اندر اتر جائے کیونکہ یہ تو تیرنا جانتا ہے جب کہ لڑکا ہلاک ہو جائے گا۔ جب بادشاہ ظالم ہو گا اور قاضی انصاف نہیں کرے گا تو خوشامد کا مرض پیدا ہو جائے گا۔ اس لیے ایسے آدمی کو عہدۂ قضا اور حکومت قبول نہ کرنی چاہیے۔ اگر قبول کرے گا تو معزول ہو جانے کا خوف خوشامد کے لیے عذر نہیں ہو گا بلکہ عدل ضروری ہے تاکہ بادشاہ معزول کر دے اگر خدا کے لیے حکومت یا قضا کا کام کرتا ہے تو اسے معزولی سے خوش ہونا چاہیے۔

تیسری قسم وعظ و فتویٰ وغیرہ کی ہے اس میں درس دینا اور حدیث روایت کرنا بھی شامل ہے اس میں بھی لذت ہے اور نماز روزے سے زیادہ اس میں ریا کا دخل ہے یہ چیزیں حکومت کے قریب قریب ہیں فرق اتنا ہے کہ وعظ و نصیحت اور حدیث جیسا سننے والے کو فائدہ دیتی ہے اسی طرح کہنے والے کو بھی فائدہ پہنچاتی ہے اور دین کی طرف بلانے کا ذریعہ بنتی اور رِیا سے باز رکھتی ہے جبکہ حکومت ایسی نہیں۔ اگر رِیا سامنے آجائے تو وعظ و نصیحت ترک کر دینے میں اختلاف ہے بعض علماء نے گریز کیا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم سے لوگ فتویٰ پوچھتے تو دوسرے کے سپرد کر دیتے۔ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کی کئی کتابیں زمین میں دفن کر دیں اور فرمایا کہ میں اپنے اندر محدثی کی خواہش پاتا ہوں ایسا نہ ہوتا تو ضرور حدیث روایت کرتا۔ بزرگان سلف کا کہنا ہے کہ حدثنا (حدیث بیان کرنا) دُنیا کے ابواب میں سے ایک باب ہے اور جو شخص حدثنا کہتا ہے وہ گویا یوں کہہ رہا ہے کہ مجھے صدر نشین بنا دو اور مسند پر بٹھا دو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے صبح کے وقت لوگوں کو وعظ و نصیحت کی اجازت مانگی تو آپ رضی اللہ عنہ نے منع فرمایا اور فرمایا کہ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ تمھارے پیٹ میں ہوا بھر جائے اور تو اُڑ کر ثریا پر پہنچ جائے۔ یعنی تیرا دماغ آسمان پر پہنچ جائے۔ حضرت ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنے دِل میں بات کرنے کی خواہش محسوس کرے تو اسے چپ رہنا چاہیے۔ اور چپ رہنے کا جذبہ پیدا ہو تو باتیں کرنی چاہئیں۔ ہمارے نزدیک بہتر بات یہ ہے کہ ناصح اور محدث اپنے دِل پر نظر کرے اگر تو رِیا کے ساتھ ساتھ اطاعت کی بھی کچھ نیت ہے تو دستبردار نہ ہونا چاہیے اور بات جاری رکھنا چاہیے اور اطاعت کی نیت کو اپنے دِل میں پالتا رہے تاوقتیکہ وہ ہی جم کر قوی ہو جائے۔ اس وعظ و نصیحت کا حکم سنن اور نوافل نمازوں جیسا ہے کہ جب تک اپنے دِل میں اصل نیت پاتا رہے تب تک رِیا کے خطرہ سے دستبردار نہ ہو۔

بخلاف حکومت کہ جب اس میں اندیشہ محسوس کرے تو اس سے بھاگنا اَولیٰ ہے کیونکہ باطل نیت جلدی غالب آ جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے عہدۂ قضا سے گریز کیا جبکہ یہ عہدہ انھیں ملتا تھا لیکن انھوں نے فرمایا کہ میں اس قابل نہیں۔ جب وجہ معلوم کی گئی تو فرمایا کہ اگر میں سچ کہتا ہوں تو واقعی قابل نہیں۔ جھوٹا ہوں تو جھوٹا کب اس قابل ہے حالانکہ امام ممدوح نے تعلیم و تعلّم سے فرارِ اختیار نہ فرمایا لیکن اگر دل میں کچھ بھی خیر کا ارادہ نہیں اور وعظ و نصیحت سے محض رِیا اور طلب جاہ مقصود ہے تو دستبردار ہونا آدمی پر فرض ہے لیکن اگر ہم سے پوچھے کہ میں کیا کروں تو ہم دیکھیں گے اگر اس کی بات سے مخلوق کو فائدہ نہ ہو جیسے وہ شخص جس کی گفتگو مسجع مقفی ہو یا بے ہودہ باتیں اور لطیفے اور گپ شپ اس کا سرمایہ ہو یا رحمت کے وعدے دے کر لوگوں کو معصیت پر دلیر کرنے کا باعث ہو یا جھگڑے، اختلافات اور مناظرہ بازی کی تعلیم دیتا ہو تو ایسے شخص کو ہم منع کریں گے کیونکہ یہ باتیں حسد باہمی اور فخر و مباہات کا بیج دِل میں بوتی ہیں اور اس شخص کو ایسے کاموں سے منع کرنا خود اس کے حق میں اور لوگوں کے حق میں خیر کا

باعث ہے اور اگر اس کا بیان مخلوق کے لیے نفع مند اور شریعت کے مطابق ہو اور لوگ اسے مخلص سمجھتے ہوں اور اس کی باتیں دینی علوم میں نفع کا ذریعہ ہوں تو اسے یہ اجازت نہیں دی جائے گی کہ ان باتوں سے دستبردار ہو۔ اس لیے کہ اس میں بہتوں کا نقصان ہے جب کہ کہنے میں محض اس کا نقصان ہے سو آدمیوں کی نجات اور بھلائی کا خیال رکھنا ایک آدمی کا خیال رکھنے سے بہرحال بہتر ہے اسے ان پر تصدق کر دیا جائے اس لیے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس دین کی مدد ایسے لوگوں کی توسط سے کرے گا جن کا بذاتہ دین میں کوئی حصہ نہ ہو گا۔ اس سے ایسے ہی لوگ مراد ہیں اس کو محض اتنا کہا جائے گا کہ میاں اس وعظ و نصیحت کو چندے موقوف کر کے ریا کو دور کرنے اور نیت درست کرنے کی فکر کرو اور وعظ میں نصیحت قبول کر کے پہلے خود ڈر پھر دوسروں کو ڈرا۔

سوال اگر کوئی کہے کہ ہم کس طرح معلوم کریں کہ واعظ کی نیت کیسی ہے؟ اس کی علامت کیا ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ نیت کی پاکی اور درستگی یہ ہے کہ واعظ یہ چاہے کہ مخلوق دُنیا کی راہ ترک کر کے اللہ کی راہ کو اختیار کر لے اس مقصود کا سبب وہ شفقت ہو گی جو اسے مخلوق پر ہے اور اگر کوئی اور شخص ایسا سامنے آ جائے جس کا وعظ بہت نفع مند ہو اور لوگ اس کی بات کا زیادہ خیال کریں تو پہلے واعظ کو خوش ہونا چاہیے کیونکہ اگر کوئی شخص کنویں میں گرا پڑا ہو اور کنویں کے منہ پر پتھر پڑا ہو اور ایک آدمی ازرہ شفقت اسے نکالنا چاہے اور دوسرا آ کر پتھر اٹھائے اور اسے پتھر اٹھانے کی تکلیف سے بچائے تو اسے اس بات سے خوش ہونا چاہیے۔ اگر پہلا واعظ خوش نہیں ہوتا اور اپنے دل میں حسد محسوس کرتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا مقصد لوگوں کی ہمدردی حاصل کرنا ہے انھیں اللہ کی طرف بلانا نہیں۔ ایک اور علامت یہ ہے کہ اگر کوئی حاکم یا دیندار آدمی دورانِ واعظ آ جائے تو اس کا رنگ بدل نہ جائے بلکہ پہلے اسلوب پر تقریر جاری رکھے۔ ایک اور علامت یہ ہے کہ کوئی ایسی اصل بات سامنے آ جائے جو نعرہ بازی یا رونے کا سبب بنے تو اسے ترک کر دے۔ ایسی باتوں سے متعلق اپنے دل میں تجسّس کر لینا چاہیے۔ اگر کوئی ایسی بات دیکھے اور کراہت معلوم نہ ہو تو ایسا شخص ریاکار ہے اور اگر کراہت معلوم ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی نیت میں خیر کا عنصر موجود ہے اس لیے مزید کوشش کرنی چاہیے کہ خیر نیت میں غالب آ جائے۔

فصل: بسا اوقات لوگوں کے دیکھنے سے عبادت میں خوشی محسوس ہوتی ہے ایسی خوشی درست ہے ریا نہیں کیونکہ مسلمان ہمیشہ عبادت کی طرف رغبت رکھتا ہے اور ممکن ہے کہ کوئی مانع عبادت سے باز رکھتا ہے اور لوگوں کے سبب اس مانع سے چھٹکارا پا لے اور وہ خوشی ظاہر ہو جائے مثلاً کوئی شخص گھر میں ہے اور تہجد گھر میں مشکل ہے کہ اپنی بیوی بچوں کے ساتھ مشغولیت ہو جاتی ہے یا کسی کے ساتھ گپ شپ یا بستر رکاوٹ بنتا ہے اور کسی دوسرے کے گھر میں یہ موانع نہیں اور عبادت کی لذت و حلاوت محسوس ہو یا اجنبی کے مکان میں نیند نہ آئے تو عبادت میں مشغول ہو جائے یا لوگوں کو مصروفِ عبادت دیکھ کر خوشی میں ان کے ساتھ شریک ہو جائے اور نیت یہ ہو کہ میں بھی ثواب کا محتاج ہوں یا ایسی جگہ ہو جہاں بالعموم لوگ روزہ رکھتے ہوں یا کھانے کا سامان موجود نہ ہونے کے سبب روزہ کا شوق پیدا ہو جائے یا لوگوں کو مسجد میں تراویح میں مشغول دیکھ کر گھر میں پڑا رہنے کی سستی جاتی رہے اور یہ بھی شریک ہو جائے یا جمعہ کے دن سب لوگوں کو مصروف عبادت دیکھ کر تسبیح و نماز کا زیادہ اہتمام کرنے لگے تو ان سب صورتوں میں ممکن ہے کہ ریا

نہ ہو اور شیطان یہ کہے کہ اس شوق کا سبب چونکہ دوسرے لوگ ہیں اس لیے یہ ریا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ خوشی لوگوں کے سبب سے ہو خیر کی رغبت اور مانع کا زوال پیش نظر نہ ہو اور شیطان کسی عبادت کی ترغیب دے اور کہے کہ اس کی رغبت تیرے اندر موجود تھی مگر مانع تھا جواب جاتا رہا تو ان دونوں صورتوں میں ایک کو دوسرے سے جدا کر دے اس کی شناخت یہ ہے کہ اس بات کو سوچے کہ اگر بالفرض یہ لوگ اسے نہ دیکھیں اور وہ لوگوں کو دیکھتا ہو تو اگر عبادت کی خوشی اسی طرح برقرار رہے تو ایسی رغبت خیر کا سبب ہے اور اگر برقرار نہ رہے تو ریا سے دست کش ہونا ضروری ہے اور اگر دونوں باتیں ہیں یعنی خیر کی رغبت بھی اور مخلوق کی تعریف کی محبت بھی تو غالب پہلو دیکھنا چاہیے جو غالب ہو اس پر اعتماد کرنا ضروری ہے اور ایسا ہی یہ بھی ہوتا ہے کہ قرآن شریف کی کوئی آیت سنے اور لوگوں کو روتا دیکھ کر یہ بھی رونے لگے اور تنہائی میں اسے رونا نہ آتا تو یہ ریا نہیں کیونکہ لوگوں کا رونا دِل کو رقیق کر دیتا ہے لوگوں کو غمزہ دیکھ کر اپنا حال یاد آ جاتا ہے اور رونے چلّانے لگتا ہے اور کبھی اصل رونا تو رقت قلب کے سبب ہوتا ہے اور نعرہ مارنا یا چلّانا ریا کے سبب تاکہ دوسرے لوگ سن لیں اور متوجہ ہو جائیں اور ممکن ہے کہ غم و اندوہ کے سبب گر پڑے اور فی الفور اٹھنے کی قدرت حاصل ہو جائے لیکن اس ڈر سے نہ اٹھے کہ لوگ کہیں گے کہ اس وجد و حال کی کوئی حقیقت نہ تھی تو ایسا شخص فی الاصل تو ریاکار نہ تھا لیکن اب ہو گیا اور ممکن ہے کہ رقص میں ہو اور قوت کے باوجود کسی کا سہارا حاصل کرے اور آہستہ آہستہ چلے تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ اس کا وجد تو آنی جانی چیز ہے اور ایسا ہی یہ بھی ہوتا ہے کہ استغفار کی یا اعوذ باللہ کہا اور ایسا اس لیے کیا کہ کوئی گناہ یاد آ گیا یا لوگوں کو مشغولِ عبادت دیکھ کر اپنی تقصیر کا خیال آ گیا تو یہ باتیں درست ہیں اور کبھی ان کا سبب ریا بھی ہوتا ہے تو ان خطرات پر نظر رکھنی چاہیے۔

جناب رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ ریا کے ستر دروازے ہیں اور اِنسان کو چاہیے کہ جونہی ریا کا خطرہ محسوس ہو تو اپنے میں سوچے کہ اس کی نجاتِ باطنی پر اللہ تعالیٰ مطلع ہے اور وہ اس کے غیظ و غضب میں ہے حتیٰ کہ اس خطرہ کو دور کر دے اور حضور ﷺ کا یہ قول یاد کرے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ((نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ خُشُوْعِ النِّفَاقِ)) یہ نفاق وہ ہے کہ بدن خشوع میں ہو اور دِل محروم ہو۔

فصل: جو کام عبادت ہیں مثلاً روزہ نماز ان میں اخلاص واجب ہے مثلاً کسی مُسلمان کی حاجت روائی میں ثواب کے واسطے کوشش کرے تو اپنی غرض اور نیت کو درست کرنا چاہیے اور اس مُسلمان سے شکریہ اور جزا و بدلہ کی امید نہ رکھے علی ہذا القیاس جو شخص معلم ہے وہ اگر شاگرد سے یہ توقع رکھے کہ وہ میرے پیچھے مؤدب ہو کر چلے یا میری خدمت کرے تو گویا معلم نے عوضانہ کی غرض سے ثواب کھو دیا لیکن اگر خدمت کی امید نہ ہو اور شاگرد از خود خدمت کرے تو بہتر ہے کہ معلم اس خدمت کو قبول نہ کرے اور اگر قبول کرے گا تو چونکہ اس کا مقصد خدمت نہ تھی اس لیے ظاہری طور پر اس کا ثواب ضائع نہیں ہو گا۔ بشرطیکہ کسی مقام پر شاگرد خدمت سے انکار کرے تو معلم کو تعجب نہ ہو لیکن جہاں تک محتاط لوگوں کا تعلق ہے۔ انھوں نے بھی اس سے پرہیز کیا حتیٰ کہ ایک بزرگ کنویں میں گر پڑے لوگ نکالنے کے لیے رسّی لائے تو انھوں نے قسم دلائی کہ جنھوں نے مجھ سے قرآن و حدیث پڑھا ہے وہ اس کو ہاتھ نہ لگائیں اس لیے کہ ان بزرگ کو خطرہ ہوا کہ اس طرح ثواب باطل ہو جائے گا۔ ایک شخص حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس

ہدیہ لے کر گیا انھوں نے قبول کرنے سے معذرت چاہی تو اُس نے قسم کھا کر کہا کہ میں نے آپ سے حدیث نہیں پڑھی۔ آپ نے فرمایا کہ تیرے بھائی نے تو پڑھی ہے اس لیے میں ڈرتا ہوں کہ دوسروں کی نسبت میرا دِل اس پر زیادہ مہربان ہو جائے۔ ایک شخص اشرفی کی دو تھیلیاں حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس لے گیا اور عرض کی آپ کو معلوم ہے کہ میرے باپ آپ کے دوست تھے اور وہ اکل حلال کے سخت پابند تھے ان کی حلال میراث سے مجھے یہ مال ملا ہے آپ قبول فرمالیں۔ آپ نے قبول کرلیں لیکن اپنے صاحبزادے کو اس کے پیچھے بھیج دیا اور تھیلیاں لوٹا دیں کیونکہ یہ بات یاد آ گئی کہ اس کے باپ کے ساتھ محض دوستی تھی ان کے بیٹے کہتے ہیں کہ میں واپس آیا تو صبر نہ کرسکا اور عرض کی کہ آپ کا دِل پتھر کا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں عیالدار شخص ہوں اور میرے پاس کچھ نہیں آپ کو مجھ پر رحم نہیں آتا۔ آپ نے فرمایا تو تم یہ چاہتے ہو کہ تم مزے اڑاؤ اور صبح محشر مجھ سے بازپرس ہو اس کی مجھ میں طاقت نہیں۔ اسی طرح شاگرد پر بھی لازم ہے کہ تعلیم سے اس کا مقصد محض رضائے الٰہی ہو معلم سے کوئی غرض وابستہ نہ رکھے۔ یہ سمجھنا کہ استاذ کی فرمانبرداری سے وہ مجھ پر مہربان ہو گا ایسی بات درست نہیں بلکہ یہ رِیا ہے۔ استاذ کی خدمت سے مقصد اللہ کی رضا اور اس کا قرب ہو اسی طرح والدین کی خدمت سے اللہ کی رضا مطلوب ہو اور اپنے آپ کو ان کے سامنے ظاہر نہ کرے کہ وہ اس سے خوش ہوں اس لیے کہ یہ گناہ ہے۔ الغرض ثواب کے کاموں میں خلوص پیش نظر رہنا چاہیے واللہ اعلم۔

فصل۹ : تکبر اور عجب کا علاج

تکبر یعنی اپنے آپ کو کچھ جاننا بہت بڑی بات ہے ایسا کرنا فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ لڑائی ہے کیونکہ بڑائی کا حقیقی مستحق وہی ہے اور یہ اس کو ہی زیب دیتی ہے اسی وجہ سے جبار و متکبر انسان کی مذمت کثرت کے ساتھ قرآنِ مجید میں موجود ہے :

﴿ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴾ (مومن)

"اسی طرح اللہ تعالیٰ مہر کر دیتے ہیں ہر دِل تکبر کرنے والے اور جبر کرنے والے پر"

﴿ وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴾ (ابراھیم)

"خائب و خاسر ہوا سرکشی کرنے والا دشمن"

﴿ اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّكُمْ مِنْ كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴾ (مومن)

"تحقیق میں نے پناہ مانگی اپنے اور تمھارے پروردگار سے ہر غرور کرنے والے سے جو یقین نہیں رکھتا قیامت کے دن پر"

اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس کے دِل میں رائی کے دانہ کے برابر کبر ہو گا وہ جنت میں نہیں جائے گا اور فرمایا کہ جو شخص اپنے آپ کو بڑا جاننے کی عادت بنالیتا ہے اس کا نام متکبروں کی فہرست میں لکھا جاتا ہے اور متکبروں کو جو عذاب ہو گا اس سے یہ بھی دوچار ہو گا۔ حدیث میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جن، پری، پرندوں اور آدمیوں سبھی کو حکم دیا کہ باہر نکلیں اس پر دو لاکھ آدمی اور دو لاکھ جن جمع ہو گئے۔ ہوا نے انھیں اُٹھا کر آسمان تک پہنچا دیا وہاں انھوں نے

فرشتوں کی تسبیح سنی وہاں سے واپسی ہوئی اور دریا کی تہہ تک لے جایا گیا جہاں ایک آواز آئی کہ اگر سلیمان کے دل میں ذرہ برابر کبر بھی ہوتا تو ہوا میں لے جانے سے قبل ہی اسے زمین کے اندر دھنسا دیتا اور جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ متکبر آدمی کا حشر قیامت میں چیونٹی کی شکل میں ہو گا۔ اللہ کے نزدیک جو ذلت اسے حاصل ہو گی اس کے سبب لوگوں کے پاؤں اس پر پڑ رہے ہوں گے اور فرمایا کہ دوزخ میں ھب ھب نامی ایک غار ہے گردن کشوں اور متکبروں کو اس میں ڈالا جائے گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس گناہ کو عبادت مفید نہیں وہ کبر ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کا فخر و غرور کی وجہ سے کپڑا زمین پر گھسٹتا ہو اس کی طرف اللہ تعالیٰ رحمت کی نظر نہیں فرماتے اور فرمایا کہ ایک شخص ناز و نخرے سے چل رہا تھا اُس نے خوبصورت کپڑے پہنے ہوئے تھے اور اپنے آپ کو بڑے غرور سے دیکھتا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے زمین میں دھنسا دیا اور اب تک دھنستا چلا جا رہا ہے اور قیامت تک یہی صورت رہے گی اور فرمایا کہ اپنے آپ کو بڑا سمجھنے والا اور چال ڈھال میں ناز نخرے کرنے والا اللہ تعالیٰ کو اپنے اوپر غضب ناک کر لیتا ہے حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو فخر و غرور سے چلتے دیکھا تو اسے آواز دی اور فرمایا کہ تمھیں معلوم ہے کہ تم کون ہو میں نے تمھاری ماں کو دو سو درم میں خریدا تھا اور تیرا باپ ایسا ہے کہ اس جیسے آدمی مُسلمانوں میں جتنے کم ہوں بہتر ہے۔ حضرت مطرف رحمۃ اللہ علیہ نے مہلب کو ناز سے چلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا اے بندۂ خُدا ایسی چال اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں اس نے کہا کہ تم مجھے جانتے نہیں فرمایا کیوں نہیں تم ابتدا میں ناپاک پانی انتہا میں مردار اور درمیان میں نجاست بردار ہو۔

تواضع کی فضیلت

حضور ﷺ فرماتے ہیں جو فروتنی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی عزت کو بڑھا دیتے ہیں اور فرمایا کہ ہر شخص کے سر پر دو فرشتوں کے ہاتھ میں لگام موجود ہے وہ فروتنی کرتا ہے تو فرشتے اس لگام کو اوپر کی طرف کھینچ کر عرض کرتے ہیں اے اللہ اسے سرنگوں رکھ اور فرمایا کہ نیک بخت وہ شخص ہے جو فی الحقیقت عاجز و کمزور نہ ہو اس کے باوجود فروتنی سے کام لے اور ایسا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرے جو گناہ سے جمع نہ کیا ہو اور کمزور لوگوں سے رحم کا معاملہ کرے اور دانا اور اہل علم سے میل جول رکھے۔ حضرت ابو سلمہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے دادا سے حکایت کرتے ہیں کہ ایک دن جناب سرور کائنات ﷺ ان کے گھر مہمان تھے۔ آپ ﷺ کا روزہ تھا افطاری کے وقت شہد ملا ہوا دودھ کا پیالہ پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے چکھا اور میٹھا پن معلوم ہوا تو پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کہا کہ حضرت اس میں شہد ملایا گیا ہے آپ ﷺ نے رکھ دیا اور فرمایا کہ میں یہ تو نہیں کہتا کہ یہ حرام ہے لیکن جو شخص اللہ کے لیے عاجزی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے سربلند فرماتے ہیں اور تکبر کرتا ہے تو اسے حقیر کر دیتے ہیں اور اِسراف کے بغیر خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے بے نیاز فرما دیتے ہیں اور اِسراف کرنے والا محتاجی کا شکار ہو جاتا ہے اور اللہ کو بکثرت یاد کرنے والا اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے۔ ایک بار زخمی دل محتاج فقیر نے حضور انور ﷺ کے درِ انور پر سوال کیا کہ آپ ﷺ کھانا نوش جاں فرما رہے تھے اسے بلا لیا۔ سب لوگوں نے اپنے آپ کو اس سے سمیٹا لیکن آپ ﷺ نے اسے اپنی ران پر بٹھایا اور فرمایا کہ کھاؤ اہل قریش میں سے ایک شخص نے اس کی تحقیر کی اور کراہت سے اس کی طرف دیکھا وہ اسی بیماری میں مبتلا ہو کر مرا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا

ہے کہ میں رسول اور بندہ بن کر رہوں یا رسول اور بادشاہ بن کر۔ میں نے توقف کیا تو فرشتوں میں میرے دوست حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف میں نے دیکھا انھوں نے فروتنی کا مشورہ دیا۔ میں نے بارگاہِ قدس میں عرض کر دیا کہ میں رسول بندہ بن کر رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ میں اس کی نماز قبول کرتا ہوں جو متواضع شخص ہوتا ہے اور میرے بندوں کے ساتھ تکبر نہیں کرتا اپنے دِل میں مجھ سے ڈرتا ہے اور سارا دن میری یاد میں بسر کرتا ہے اور میری خاطر اپنی خواہشات کو ترک کر دیتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کرم تقویٰ میں ہے اور شرف تواضع میں جبکہ تونگری یقین میں ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو تواضع کرتا ہے وہ نیک بخت ہے قیامت میں وہ منبر پر ہوگا اور لوگوں کے درمیان مصالحت کرانے والا فردوس میں ہوگا۔ جن کے دِل دُنیا سے پاک ہیں ان نیک بختوں کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا اور آپ ؑ نے فرمایا کہ جس کو اسلام کی نعمت نصیب ہوئی اور اسے اچھی شکل و صورت سے نوازا گیا اور اس کا حال ایسا نہ ہوا کہ لوگ اس سے ننگ و عار رکھیں اور پھر ان تمام باتوں کے ساتھ اسے فروتنی نصیب ہوئی وہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں میں سے ہے ایک شخص جس کو چیچک نکلی ہوئی تھی وہ آیا تو لوگ کھانا کھا رہے تھے وہ جس کے پہلو میں بیٹھتا وہ اٹھ جاتا۔ حضور ﷺ نے اسے اپنے پاس بٹھالیا اور فرمایا کہ میں اس شخص کو بہت عزیز رکھتا ہوں جو ضرورت کی چیزیں خود لے کر اپنے گھر جائے تاکہ اس کے گھر والوں کی روزی کا انتظام ہو اور خود سامان لے جانے سے اس کا کبر ختم ہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم سے آپ ﷺ نے فرمایا کیا ہے کہ میں تم میں ایمان کی حلاوت نہیں پاتا۔ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کیا ہے فرمایا کہ تواضع۔ اور فرمایا کہ جب فروتن شخص کو دیکھو تو فروتنی کرو اور متکبر کو دیکھو تو تکبر کرو تاکہ اس کی حقارت و ذلت ظاہر ہو۔ حضرت ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ تم لوگ تواضع جیسی بہترین عبادت سے محروم ہو۔ حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے کہ تواضع کا مطلب ہے حق بات کو قبول کر لینا چاہے کہنے والا کوئی ہو حتیٰ کہ کوئی بچہ ہو۔ حضرت عبداللہ ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تواضع یہ ہے کہ جو شخص دُنیوی اعتبار سے تجھ سے کم مرتبہ والا ہے تو اپنے آپ کو اس سے حقیر سمجھے تاکہ اسے معلوم ہو جائے کہ دُنیا کی زیادتی کی کوئی حقیقت نہیں اور جو دُنیوی طور پر تجھ سے بڑا ہو اس سے اپنے آپ کو بڑا سمجھ تاکہ وہ بھی دیکھ لے کہ یہ دُنیا کو کچھ نہیں سمجھتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اے عیسیٰ جب میں تمھیں کوئی نعمت دوں اور تم تواضع سے اس کا استقبال کرو تو نعمت کامل شکل میں تمھیں نصیب ہو گی۔ حضرت ابن سماک رحمۃ اللہ علیہ نے خلیفہ ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ سے کہا امیر المؤمنین آپ کی تواضع بزرگی کے عالم میں بڑائی سے زیادہ بہتر ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ آپ نے بڑی اچھی بات کہی پھر فرمایا امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ جس کو مال و جمال اور حشمت عطا فرماتے ہیں اور وہ اس کے ذریعہ دوسروں کی خدمت کرے حشمت میں تواضع اختیار کرے اور جمال میں پارسائی و تقویٰ اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اپنے دفتر میں اس کا نام مخلصین میں لکھ دیتے ہیں۔ خلیفہ نے قلم دوات منگوا کر یہ نصیحت لکھ دی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام صبح صبح اپنی رعایا کے تونگر حضرات کے احوال معلوم کرتے اور پھر خود مساکین کے زمرہ میں بیٹھ جاتے اور فرماتے کہ ایک مسکین کا یہی ٹھکانہ ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ تواضع یہ ہے کہ تم گھر سے نکلو اور جو ملے اس کو اپنے سے افضل جانو۔ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مسجد کے دروازے پر کہے کہ اے لوگو جو تم میں سب سے بدتر ہے وہ باہر آجائے تو میں سب سے پہلے نکلوں گا۔ کوئی خوشی سے مجھ

سے پہلے نہیں آئے گا۔ حضرت ابن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات سنی تو فرمایا کہ مالک کی عظمت کا راز اسی میں ہے۔ ایک شخص حضرت شبلی قدس سرہٗ کے پاس آیا۔ آپ نے حسب عادت اس سے پوچھا مَا اَنْت؟ تُو کیا چیز ہے اس نے کہا کہ میں وہ نقطہ ہوں جو حرف یا پر لگایا جاتا ہے یعنی اس سے کم تر کوئی چیز نہیں۔ آپ نے فرمایا اَبَادَ اللّٰهُ شَاهَدَكَ اللہ تجھے تیرے سامنے سے اٹھائے۔ یعنی تجھے بلند مقام حاصل ہو۔

ایک بزرگ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا تو کچھ نصیحت کی درخواست کی تو فرمایا کہ ثوابِ آخرت کی خاطر فقراء کے سامنے امیر کی تواضع خوب ہے اور اللہ کے فضل پر بھروسہ کر کے امراء کے ساتھ فقیروں کا تکبر اس سے بھی بہتر ہے۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شریف آدمی تقویٰ و ورع کا مقام حاصل کرتا ہے تو فروتنی اختیار کر لیتا ہے اور کمینہ نیک ہو کر متکبر ہو جاتا ہے۔

حضرت بایزید قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ بندہ جب تک کسی کو اپنے آپ سے بدتر سمجھتا ہے وہ متکبر رہتا ہے۔ حضرت جنید قدس سرہٗ نے ایک دن جمعہ کی مجلس وعظ میں فرمایا کہ اگر حدیث شریف میں یہ نہ آیا ہوتا کہ اخیر زمانہ میں قوم کا سردار وہ شخص ہو گا جو ان سب میں کمتر ہو تو میں تمہارے سامنے وعظ نہ کہتا اور فرماتے ہیں کہ اَہل توحید کے نزدیک تواضع بھی تکبر ہے یعنی تواضع وہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو گرائے جب گرانے کی حاجت ہو گی تو جب تک گراتا چلا جائے گا وہ اللہ کے نزدیک عالی مرتبہ ہو گا۔ آندھی یا بادل کے وقت حضرت عطائے سلمی رحمۃ اللہ علیہ حاملہ عورت کی طرح اپنا پیٹ پکڑ کر پھرتے اور کہتے کہ مخلوق پر یہ جو آفت آئی ہے وہ سب میری شومئی قسمت کا نتیجہ ہے۔ کچھ لوگ حضرت سلیمان رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور فخر کرنے لگے آپ نے فرمایا کہ میری ابتدا تو نطفہ ہے اور انتہا مردار۔ پھر ترازو کے پاس لے جایا جاؤں گا اس وقت نیکی کا پلڑا بھاری ہو گا تو بزرگ ہوں گا ورنہ ذلیل و کمتر!

تکبر کی حقیقت

تکبر بُری عادت ہے عادات و اَخلاق کا تعلق دِل سے ہے لیکن ان کا اثر ظاہر میں بھی محسوس ہوتا ہے تکبر کا معنی یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر گردانے اور اس سبب سے خوش ہو کر پھولا نہ سمائے جو ہوا اسے پھلاتی ہے وہی تکبر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اعوذبك من نفخة الكبر))

"اے اللہ میں کبر کی ہوا سے تیری پناہ مانگتا ہوں"

آدمی میں جب یہ ہوا بھر جاتی ہے تو لوگوں کو اپنے آپ سے کم جانتا ہے اور انھیں اپنے خدام کی شکل میں دیکھتا ہے بلکہ ممکن ہے کہ اپنی خدمت کے قابل بھی نہ جانے اور کہے کہ اس بے چارے کی کیا حقیقت وہ تو میری خدمت کے لائق بھی نہیں جیسا کہ سلاطین کہ کسی کو اپنے آستانہ پر آنے کی اجازت نہیں دیتے اور اپنے آپ کو ان کی طرف اضافت کر کے بندہ لکھتے ہیں یہ پرلے درجے کا تکبر ہے گویا اللہ تعالیٰ کی کبریائی سے بھی بڑھ گیا کیونکہ وہ تو ہر کسی کو عبادت و سجدہ کے ساتھ قبول فرما لیتا ہے اور اگر تکبر میں یہ درجہ نہیں تو پھر چلنے پھرنے اور اٹھنے بیٹھنے میں تقدمِ زمانی و مکانی کی تلاش

کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کی تعظیم کی جائے اور اس درجہ کو پہنچ جاتا ہے کہ اسے نصیحت کی جائے تو قبول نہ کرے اور خود سختی سے نصیحت کرے۔ اسے علم کی بات بتائیں تو غُصّہ میں آجائے اور لوگوں کو اس طرح دیکھے جیسے چوپایوں کو دیکھا جاتا ہے۔

حضور ﷺ سے لوگوں نے پوچھا یارسول اللہ اکبر کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ اللہ کے حضور گردن نہ جھکانا اور لوگوں کو چشم حقارت سے دیکھنا یہ دونوں باتیں اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان بڑی آڑ ہیں اس سے بُرے اَخلاق پیدا ہوتے ہیں اور آدمی نیک اَخلاق سے محروم رہتا ہے کیونکہ جس شخص پر اپنی خواجگی و عزت کا خیال غالب ہے وہ جو چیز اپنے لیے پسند کرتا ہے دوسرے مسلمانوں کے لیے کبھی پسند نہیں کرے گا اور کسی کے ساتھ عاجزی سے پیش نہیں آسکے گا یہ اَہل تقویٰ کی صفت نہیں۔ ایسا شخص کینے اور حسد سے دستبردار نہیں ہو سکے گا۔ غُصّہ اس پر غالب ہو گا اور زبان کو غیبت سے نہیں بچا سکے گا۔ اس کا دِل میل کچیل اور غبار سے آلودہ ہو گا اس لیے کہ جو اس کی تعظیم نہیں کرے گا اس کی طرف سے اپنے دِل میں کچھ نہ کچھ ضرور لائے گا اور کم سے کم یہ ہے کہ تمام دن خود پرستی اور اپنی ہی شخصیت کو دوبالا کرنے میں مشغول رہ کر وقت ضائع کرے گا۔ فریب' نفاق اور جھوٹ سے محفوظ نہیں رہ سکے گا اور اس طرح لوگوں پر اپنی بالادستی کا سکہ جمانے کی فکر کرے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسا آدمی اسلام کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکے گا تاوقتیکہ اپنے آپ کو فراموش نہ کر دے بلکہ اسے دُنیا کی راحت بھی نصیب نہیں ہو گی۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ اگر تم جنت کی خوشبو سونگھنا چاہتے ہو تو اپنے آپ کو ہر انسان سے کم تر سمجھو۔ اللہ تعالیٰ اگر کسی کو بینائی عطا فرما دے تو وہ دیکھ لے گا کہ دو متکبر آپس میں جب ملتے ہیں تو ایک دوسرے کو کیسے گھورتے ہیں صاحب بصیرت کے لیے وہ نجاست و عفونت دیکھنی مشکل ہو گی جو ان متکبروں کے دِل میں ہوتی ہے کیونکہ ان کا باطن کتوں کی مانند ہے اور اپنے ظاہر کو عورتوں کی طرح بنا سنوار کر پیش کرتے ہیں۔ آپس میں مل بیٹھنے سے مسلمانوں میں جو اُنس پیدا ہوتا ہے متکبر اس سے محروم رہتے ہیں تم کسی کو دیکھ کر راحت تب ہی پا سکو گے کہ اپنے آپ کو اس میں فنا کر دو اور اس کی ایسی تعظیم کرو کہ دوئی کا تصور مٹ جائے اور یگانگت پیدا ہو جائے وہی رہے تم باقی نہ رہو یا وہ تجھ میں آجائے اور تو ہی باقی رہے وہ نہ ہو یا دونوں ذات حق میں فنا ہو جائیں اور اپنی طرف دھیان بھی نہ کریں۔ اصل کمال یہی ہے اور اس کمالِ یگانگت سے حقیقی راحت نصیب ہوتی ہے الغرض جب تک دوئی نہ مٹے گی راحت نصیب نہیں ہو گی کیونکہ راحت یگانگت اور خدمت میں ہے کبر میں نہیں۔

تکبر کے درجات کا بیان

تکبر کی بعض شکلیں بہت ہی قبیح اور بڑی ہیں اور جس پر تکبر ہوتا ہے اس کے فرق سے تکبر میں بھی تفاوت ہو جاتا ہے۔ تکبر یا اللہ کے مقابلہ میں ہوتا ہے یا رسول کے مقابلہ میں یا بندوں کے معاملہ میں۔ پہلا درجہ اس تکبر کا ہے جو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں ہو جیسے نمرود' فرعون اور ابلیس کا تکبر دوسرے ان لوگوں کا تکبر جنھوں نے اُلوہیت کا دعویٰ کیا اور اللہ کی بندگی سے عار محسوس کی۔ ارشادِ باری ہے:

﴿ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴾ (النساء)

"عیسیٰ علیہ السلام اور ملائکہ مقربین اس بات سے عار محسوس نہیں کرتے کہ وہ اللہ کی بندگی کریں (بلکہ یہ تو عین مقصد زندگی ہے)"

دوسرا درجہ رسول مقبول ﷺ پر تکبر کا ہے جس طرح کفارِ قریش نے کیا اور کہنے لگے کہ ہم اپنے جیسے آدمیوں کی بات نہیں مانیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتہ کو رسول بنا کر ہمارے پاس کیوں نہ بھیجا اور انسان کو ہی بھیجنا تھا تو کسی "صاحب وقار" مرد کو کیوں نہ بھیجا یتیم کا انتخاب کیوں کیا؟

﴿ وَقَالُوْا لَوْ لاَ نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْآنُ عَلٰى رَجُلٍ مِنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ﴾ (زخرف)

"انھوں نے کہا کیوں نہ اتارا یہ قرآن ان دو بستیوں (مکہ و طائف) کے کسی بڑے آدمی پر"

اس قسم کے کفار دو طبقوں پر مشتمل تھے ایک طبقہ کا تکبران کے حق میں حجاب بن گیا حتیٰ کہ انھوں نے تفکر و تدبر سے کام نہ لیا اور نبوت کو نہ پہچان سکے۔

﴿ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيَاتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ﴾ (الاعراف)

"وہ لوگ جو زمین میں تکبر کرتے ہیں انھیں آیاتِ حق کے دیکھنے سے روک دیا جاتا ہے"

جبکہ دوسرا طبقہ جانتا تھا اور پھر انکار کرتا تھا۔ تکبر کے سبب ان میں اقرار کی طاقت نہ تھی جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا ﴾ (نمل)

"ان سب نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا ظلم اور بڑائی کے سبب انکار کر دیا حالانکہ ان کے دلوں کو اس کا یقین تھا"

تیسرا درجہ یہ ہے کہ آدمی اپنی جنس کے لوگوں کے معاملہ میں تکبر کرے اور انھیں حقارت کی نظر سے دیکھے حق بات قبول نہ کرے۔ اور اپنے آپ کو ان سے بہتر خیال کرے یہ درجہ ان دونوں درجوں سے کم ہے لیکن بہرحال برا ہے اور اس کے دو سبب ہیں۔ ایک تو یہ عظمت و کبریائی اور بڑائی اللہ تعالیٰ کو زیب دیتی ہے۔ بندہ تو عاجز و ضعیف ہے کوئی کام اس کے اختیار میں نہیں بڑائی کے دعوے اس کو زیب نہیں دیتے کہ یہ اپنے آپ کو کچھ سمجھے اور جب اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگے گا تو گویا اللہ تعالیٰ سے جھگڑا پیدا کر لیا۔ اس متکبر کی مثال ایسی ہے کہ کوئی غلام بادشاہ کا تاج اپنے سر پر رکھ کر تخت پر بیٹھ جائے تم اندازہ نہیں کر سکتے کہ بادشاہ اس پر کس طرح غضب ناک ہو گا۔ اسی لیے حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

((اَلْعَظْمَةُ اِزَارِيْ وَالْكِبْرِيَاءُ رِدَائِيْ فَمَنْ نَازَعَنِيْ فِيْهِمَا قَصَمْتَهُ))

"عظمت میری ازار اور کبریائی میری رداء ہے جو ان میں جھگڑے گا میں اسے مروڑ کر رکھ دوں گا"

اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں پر تکبر کا حق ہے لیکن بندے کو بندے پر نہیں اور جو ایسا کرے گا گویا اُس نے خالق سے لڑائی مول لے لی۔ جیسے کوئی شخص بادشاہ کے خاص غلاموں کو ایسا حکم کرے جو بادشاہ کے سوا کوئی نہ کرتا ہو اور دوسرا سبب یہ ہے تکبر دوسروں کی صحیح اور سچی بات بھی قبول کرنے میں رکاوٹ بنتا ہے حتیٰ کہ جو لوگ متکبر ہوتے ہیں وہ دین کے مسائل میں جھگڑتے ہیں تو جب حق بات کسی کے منہ سے نکلتی ہے تکبر دوسرے سے انکار کرا دیتا ہے اور حق کا انکار

کافروں اور منافقوں کی عادت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کا یہ قول قرآن میں ذکر فرمایا:

﴿ لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ ﴾ (حم السجدہ)

"اس قرآن کو مت سنو اور بے ہودہ بکواس کرو۔"

یا ارشاد باری ہے:

﴿ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ ﴾ (بقرہ)

"جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر تو اپنے آپ کو بڑا سمجھنا اس کو اور گناہ پر اُبھارتا ہے"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب کسی سے کہا جائے کہ خُدا سے ڈرو اور وہ کہے کہ میاں اپنے کام سے کام رکھو تو یہ سخت گناہ ہے۔ ایک دن جناب نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی سے کہا کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ اُس نے کہا میں نہیں کھا سکتا۔ اُس نے یہ بات تکبر کی وجہ سے کہی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ یوں تو یوں سہی اور پھر وہ ہاتھ ہلا ہی نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ابلیس کا قِصّہ بطور کہانی بیان نہیں فرمایا بلکہ اس کا مقصد تکبر کے نقصانات کو واضح کرنا ہے۔ ابلیس نے تکبر ہی کی وجہ سے یہ کہا تھا:

﴿ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴾ (ص)

"میں آدم سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے اور اسے مٹی سے پیدا کیا"

تکبر نے اسے اس درجہ پر پہنچا دیا کہ اُس نے اللہ کے حکم کی تعمیل نہ کی اور سجدہ نہ کیا اور ہمیشہ کے لیے ملعون قرار پایا۔

تکبر کے اسباب اور علاج

جو تکبر کرتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے میں ایسی بات محسوس کرتا ہے جو بقول اس کے دوسروں میں نہیں ایسے اسباب و وجوہات سات ہیں۔

پہلا سبب عِلم ہے جب عالم اپنے آپ کو عِلم سے آراستہ دیکھتا ہے تو دوسروں کو جانور سمجھتا ہے یہ تکبر اس پر غالب آ جاتا ہے کہ وہ لوگوں سے خدمت مراعات اور تعظیم و تقدیم کی اُمید کرنے لگتا ہے لوگ ایسا نہیں کرتے تو اسے تعجب ہوتا ہے اور اگر وہ لوگوں کی طرف دیکھتا ہے یا دعوت میں جاتا ہے تو احسان جتاتا ہے اور عاقبت کے کاموں میں اللہ کے نزدیک اپنے آپ کو بہتر خیال کرتا ہے اپنی نجات کا تو یقین رکھتا ہے اور دوسروں کے حق میں بہت ڈرتا ہے اور سوچتا ہے کہ سبھی میری دُعا اور نصیحت کے محتاج ہیں میرے طفیل دوزخ سے نجات پائیں گے اسی واسطے حضور ﷺ نے فرمایا:

((آفَةُ الْعِلْمِ الْخُيَلَاءُ)) "اپنے آپ کو بڑا جاننا عِلم کی آفت ہے"

اور فی الحقیقت ایسے عالم کو عالم کہنے سے جاہل کہنا زیادہ بہتر ہے کیونکہ حقیقت میں عالم تو وہ ہے جو آخرت کے خطرات کو سامنے رکھے اور صراطِ مستقیم کی باریکیوں کو پہچانے اور جس نے یہ بات پہچان لی وہ ہمیشہ اپنے آپ کو اس معاملہ

میں کوتاہ تصور کرے گا اور اپنے انجام کے خطرہ کے پیشِ نظر تکبر نہیں کرے گا نیز وہ اس لیے بھی تکبر سے بچے گا کہ علم کہیں اس کے خلاف حجت نہ بن جائے۔ جیسا کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ علم میں جتنا اضافہ ہوتا ہے اسی تناسب سے درد و مصیبت بڑھتی ہے۔ علم سیکھنے سے لوگوں کا جو تکبر بڑھ جاتا ہے تو اُس کے دو سبب ہیں ایک تو یہ کہ حقیقی علم یعنی علم دین نہیں سیکھتے۔ علم دین ہی وہ علم ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی اپنی حقیقت پہچانتا ہے دین کی راہ کی گھاٹیوں اور اخروی خطرات نیز اللہ تعالیٰ کے حق میں جو حجاب اور آڑ ہے اسے پہچان لیتا ہے اور اس وجہ سے دینی درد اور شکستگی زیادہ ہوتی ہے تکبر زیادہ نہیں ہوتا' لیکن آدمی جب طب' حساب' نجوم' لغت اور مناظرہ وغیرہ کا علم سیکھتا ہے تو اس سے تکبر ہی بڑھتا ہے قریب ترین علم فتویٰ کا علم ہے اور مخلوق کی اصلاح کا علم ہے یہ جو دُنیوی علم ہے اگرچہ دین کو بھی اس کی احتیاج ہے اس سے خوف پیدا نہیں ہوتا بلکہ اگر محض علم فتویٰ پر اکتفا کر لیا جائے اور دوسرے علوم یعنی سلوک و تصوف کو ترک کر دیا جائے تو دل تاریک ہو جاتا ہے اور تکبر زیاد بڑھ جاتا ہے۔

ع شنیدہ کے بود مانند دیدہ

علماءِ ظاہر کو دیکھ لو کہ ان کا کیا حال ہے اس طرح واعظین کا علم اور ان کی مسجع اور بے فائدہ باتیں اور ایسی باتیں جن سے لوگ نعرہ بازی کریں اور وہ نکتے جن سے لوگوں میں مذہبی تعصب پیدا ہو اور لوگ خیال کریں کہ یہ باتیں دین کی ہیں تو یہ سب اُمور دل میں کبر و حسد اور دشمنی کا بیج بونے کا باعث ہوتے ہیں ان کے سبب شکستگی نہیں بڑھتی بلکہ نخوت و تکبر بڑھتا ہے دوسرا سبب یہ ہے کہ ممکن ہے کہ کوئی شخص وہ علوم سیکھے جو نافع ہیں جیسے علمِ تفسیر' حدیث اور اگلے بزرگوں کے احوال اور اس قسم کے علوم جو ہم نے اس کتاب اور احیاء العلوم وغیرہ میں بیان کیے اور پھر بھی تکبر باقی رہے تو اس کا سبب یہ ہے کہ اس کا باطن خبیث ہے اور یہ شخص بد اَخلاق ہے اور اس کا مقصد ہی اس سے یہ ہے کہ اسے بڑا کہا جائے اس کا مقصد اس علم پر عمل کرنا اور برتنا نہیں ہوتا تو جب علم اس کے باطن میں جاتا ہے تو باطن ہی کی طرح ہو جاتا ہے جیسے تنقیہ سے پہلے جو دوا معدہ میں جاتی ہے وہ معدہ کی خلط کی مانند ہو جاتی ہے اور جیسے پانی جو آسمان سے برستا ہے وہ سارے کا سارا صاف شفاف ہوتا ہے لیکن وہ جس نبات یا زمین پر پڑتا ہے اس کی صفت اختیار کر لیتا ہے وہ کڑوی ہو تو اس میں کڑواہٹ آجاتی ہے میٹھی ہو تو مٹھاس آجاتی ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ کچھ لوگ قرآن پڑھتے ہیں اور وہ ان کے حلق سے تجاوز نہیں کرتا اس کے باوجود کہتے ہیں کہ ہماری طرح قرآن کون پڑھتا ہے اور جو کچھ ہم جانتے ہیں ایسے کون جانتا ہے؟ یہ فرما کر آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ یہ لوگ میری امت ہی میں سے ہیں (یعنی دعویٰ کی حد تک) اور سب دوزخی ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا اے لوگو تم متکبر علما میں سے نہ ہو جانا کہ اس وقت تمہارا علم تمہاری جہالت کو وفا نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو تواضع کا حکم دیا اور فرمایا :

﴿ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (حجر)

"جھکا لے اپنے بازو ان لوگوں کے لیے جو آپ کے تابعدار ہیں"

اسی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم تکبر سے ڈرتے رہتے تھے حتیٰ کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو ایک بار امامت کرنا پڑی تو دوسری

مرتبہ فرمایا کہ میاں کسی اور کو امام بنالو کیونکہ میرے ذہن میں آنے لگا ہے کہ شاید میں تم سے بہتر ہوں۔ جب یہ حضرات تکبر سے خطرات محسوس کرتے تھے تو دوسروں کا کیا ٹھکانہ؟ ایسا عالم اس دَور میں کہاں ملے گا یہ بات نوادرات میں سے ہے کہ ایسا عالم ہو جو محسوس کرے کہ یہ بڑی بات ہے اس لیے اس سے بچنا ضروری ہے کیونکہ اکثر علماء خود اس سے غافل رہتے ہیں اور تکبر پر فخر بھی کرتے ہیں کہ میں فلاں آدمی کو کسی قابل نہیں سمجھتا بلکہ اس کی طرف دیکھتا بھی نہیں اور ایسی ہی تکبر کی باتیں وہ کرتے ہیں۔ اگر کسی عالم کو اس کی حقیقت کا احساس ہو تو وہ عزیز رکھنے کے قابل ہے اور اس کی زیارت باعث اجر و ثواب ہے اس کی خاطر سب کو چھوڑ دینا مناسب ہے اگر حدیث میں یہ نہ آیا ہوتا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ تمھارے اعمال کا دسواں حصہ عبادت کرنے والا بھی نجات پائے گا تو ناامید ہو جانے کا خوف تھا لیکن اس زمانہ میں تھوڑا سا نیک عمل بھی بہت ہے کیونکہ دینی قدریں ڈھیلی پڑ گئیں اور حقائق دینی او جھل ہو گئے اور جو شخص دیندار ہوتا ہے وہ بالعموم تنہا رہتا ہے اسے دہرا رنج برداشت کرنا پڑتا ہے اس لیے وہ تھوڑے عمل پر ہی قناعت کرتا ہے۔

دوسرا سبب زہد و عبادت میں تکبر ہے کیونکہ عابد زاہد صوفی اور پارسا لوگ بالعموم تکبر سے خالی نہیں ہوتے حتیٰ کہ ان کا خیال ہوتا ہے کہ ہماری خدمت اور زیارت کرنا دوسروں کے حق میں بہتر ہے گویا کہ اپنی عبادت کے سبب لوگوں پر احسان رکھتے ہیں اور ممکن ہے کہ ان کا یہ بھی خیال ہو کہ اور لوگ تو تباہ ہونے والے ہیں مغفرت تو بس ہماری ہو گی اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی شخص انھیں ستائے اور اتفاق سے اسے کوئی تکلیف پہنچ جائے تو اسے اپنی کرامت پر محمول کرتے ہیں حالانکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص یہ سوچے کہ لوگ ہلاک ہوں وہ خود ہلاک ہوتا ہے یعنی لوگوں کو چشم حقارت سے دیکھنا خود ذلیل ہونا ہے اور فرمایا کہ کسی مسلمان بھائی کو حقیر جاننا سخت گناہ ہے' اس حقیر جاننے والے اور اس شخص میں بڑا فرق ہے جو مسلمان بھائی کی دُعا لے اور اسے اپنے سے بہتر تصور کرے اللہ کے لیے اس سے دوستی رکھے اور تکبر کے سبب خطرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عابد کا درجہ ان لوگوں کو دے دے اور اسے عبادت کی برکت سے محروم کر دے۔

بنی اسرائیل میں ایک صاحب تھے جن سے بڑھ کر کوئی عابد نہ تھا جبکہ ایک دوسرا شخص ایسا تھا جس سے بڑھ کر کوئی فاسق نہ تھا ایک مرتبہ بادل کے ایک ٹکڑے نے اس عابد کے سر پر سایہ کر لیا۔ فاسق نے کہا کہ میں بھی اس کے پاس جا بیٹھوں شاید کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے مجھ پر بھی رحم کر دے وہ جا کے بیٹھا تو عابد نے مُنہ چڑایا اور کہا کہ یہ کون ہے جو یہاں آ کر بیٹھ گیا یہ تو نابکار شخص ہے اسے اٹھا دیا اور وہ بیچارہ اٹھ گیا۔ اُٹھ کر وہ جو چلنے لگا تو بادل کا ٹکڑا اس کے ساتھ ہو لیا اس دَور کے رسول پر وحی آئی کہ اس فاسق اور عابد دونوں سے کہہ دو کہ نئے سرے سے عمل کریں کیونکہ فاسق کے گناہ اس کے ایمان کے سبب بخش دیئے گئے اور عابد کی عبادت اس کے تکبر کے سبب چھین لی گئی۔

ایک شخص نے ایک عابد کی گردن پر پاؤں رکھا تو اس عابد نے کہا پاؤں اٹھالو ورنہ اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ تم پر رحم نہیں کرے گا۔ اس زمانہ کے رسول پر وحی آئی کہ اس عابد سے کہہ دیں کہ تم مجھ پر قسم کھا کر فیصلے کرتے ہو کہ میں اسے نہیں بخشوں گا بلکہ میں تمھیں نہیں بخشوں گا اور اکثر یہ ہوتا ہے کہ جو کوئی کسی عابد کو ستاتا ہے تو عابد جانتا ہے کہ اس ستانے والے پر اللہ رحمت نہیں کرے گا اور ممکن ہے کہ یوں کہہ بیٹھے کہ یہ ستانے والا بہت جلد اس گستاخی کی سزا پائے

گا اور اگر اتفاقاً کوئی تکلیف کی شکل بن گئی تو عابد کہتا ہے کہ تم نے دیکھا اس پر کیا گزری؟ یہ میری کرامت ہے اور وہ احمق نہیں جانتا کہ اکثر کافروں نے جناب نبی کریم علیہ السلام کو ستایا اور اللہ تعالیٰ نے ان سے انتقام نہیں لیا اور بعض کو تو بعد میں اسلام کی دولت سے سرفراز فرمایا تو معاذ اللہ اس بے وقوف کا خیال ہے کہ اللہ کے نبی سے افضل ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے سبب انتقام لے گا اور جاہل عابد ایسے ہی ہوتے ہیں جب کہ زیرک عابد ایسے ہوتے ہیں کہ کسی پر کوئی تکلیف آتی بھی ہے تو وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ اس کا سبب ہماری ہی اعمال کی شامت ہے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس صدق و اخلاص کے باوجود جو انھیں نصیب تھا حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ میرے اندر نفاق کی کونسی علامت ہے گویا مخلص مسلمان تو اللہ سے ڈرتا ہے اور احمق عابد ظاہری طور پر تو عمل کرتا ہے لیکن اس کا دِل تکبر کی نجاست سے گندہ اور آلودہ ہوتا ہے اور وہ اس سے نہیں ڈرتا اور حقیقت یہ ہے کہ جس نے یہ یقین کر لیا کہ میں دوسروں سے بہتر ہوں اس نے اپنی عبادت کو غارت کر لیا کیونکہ جہالت سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم ایک دن کسی شخص کی تعریف کر رہے تھے اتفاق سے وہ بھی آ گیا تو انھوں نے عرض کیا کہ ہمارا ممدوح یہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس میں نفاق کی علامت محسوس کرتا ہوں۔ سب لوگوں کو اس پر تعجب ہوا جب وہ قریب آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ سچ بتاؤ کہ کبھی تمھارے دِل میں یہ خیال آتا ہے کہ اس قوم میں تم سے بہتر کوئی نہیں۔ اُس نے کہا ہاں آتا ہے۔ گویا آپ نے نورِ نبوت سے اس کے خُبثِ باطن کو محسوس فرما لیا۔

علما اور عابدوں کے لیے تکبر بڑی مصیبت ہے یہ لوگ اس معاملہ میں تین درجات رکھتے ہیں پہلا درجہ تو ان لوگوں کا ہے جو اپنے دِل کو اس سے پاک نہ کر سکے مگر کوشش اور تکلف سے فروتنی کا اظہار کرتا ہے اور اس شخص کی مانند کام بھی کرتا ہے جو اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر جانتا ہے حتیٰ کہ اس کے کسی قول و فعل سے تکبر ظاہر نہیں ہوتا ایسا شخص تکبر کا درخت تو باطن سے نہیں اکھاڑ سکے گا لیکن شاخیں تمام تر اس کو کاٹ دینی چاہئیں۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ آدمی اپنی زبان پر کنٹرول رکھے تاکہ کبر کا اظہار نہ ہو اور یوں کہے کہ میں اپنے آپ کو سب سے کمتر سمجھتا ہوں۔ لیکن اس کے معاملات اور اَفعال سے ایسی باتیں ظاہر ہوں جو اس کے تکبر باطنی کا اظہار کرتی ہوں۔ مثلاً ہر جگہ صدر نشین بننے کی کوشش کرے۔ چند آدمی مل کر چل رہے ہوں تو آگے آگے چلنے کی فکر کرے اور عالم ہو تو ایسا رویہ اختیار کرے گویا دوسروں سے نفرت کرتا ہے عابد ہو تو تیوری چڑھائے رکھے گویا دوسروں پر غُصّہ ہے حالانکہ ان دونوں احمقوں کو سمجھنا چاہیے کہ عِلم و عمل کا تعلق سر پھیرنے اور تُرش روئی سے نہیں بلکہ اس کا تعلق دِل سے ہے اور ظاہری طور پر تواضع، شفقت اور کشادہ روئی اس کا نور ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری دُنیا سے زیادہ متقی اور عالم تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی فروتنی اور کشادہ رو بھی نہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے ہوئے اور کشادہ روئی کے ساتھ دوسروں کو دیکھتے اور اسی حال میں ان سے ملتے اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا:

﴿ وَاخۡفِضۡ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴾ (الحجر)

"اپنے اَہل ایمان تابعداروں کے لیے اپنے بازو پھیلا دیجیے"

نیز فرمایا:

﴿ فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ﴾ (آل عمران)

"اللہ کی رحمتوں سے یہ بھی ایک رحمت ہے کہ آپ کا رویہ لوگوں کے ساتھ نرمی کا ہے اور اگر آپ تند خو اور سخت مزاج ہوتے تو یہ لوگ بکھر جاتے"

تیسرا درجہ یہ ہے کہ زبان سے تکبر کا اظہار کر کے فخر اور خود ستائی کرتا ہو اور صاحب دِل و کرامت ہونے کا مدعی ہو عابد کہے کہ فلاں کی حقیقت اور اس کی عبادت کیا ہے میں تو صائم الدہر اور قائم اللیل ہوں۔ روزانہ قرآن ختم کرتا ہوں جو میرے درپے ہوتا ہے ہلاک ہی ہو جاتا ہے فلاں نے مجھے ستایا تھا پھر اس کا جو حشر ہوا اسے وہ ہی جانتا ہے اس کا مال و اولاد سب غارت ہو گئے اور ممکن ہے کہ ایسا شخص لڑائی جھگڑے پر اُتر آئے حتیٰ کہ کچھ لوگ تہجد کی نماز پڑھیں تو یہ زیادہ پڑھنے لگے کہ وہ عاجز آ جائیں یا وہ روزے رکھتے ہوں تو یہ ایک عرصہ بھوکا بیٹھا رہے اور عالم ہو تو وہ یوں کہے کہ میں جتنا عِلم جانتا ہوں اتنا کون جانتا ہے فلاں تو فلاں اس کے استاد کی میرے سامنے کوئی حقیقت نہ تھی اور غلط کار ہونے کے باوجود مناظرہ میں دوسرے کو زیر کرنے کی کوشش کرے اور رات دن عبادت آرائی میں مشغول رہے تاکہ محفلوں میں سنا سنا کر لوگوں پر اپنی سبقت ظاہر کر سکے اور کبھی عجیب و غریب لغات اور الفاظِ حدیث یاد کر کے مزے لے اور دوسروں پر اپنا تفوق و برتری ظاہر کرے ایسا عابد اور عالم کون ہے جو ان باتوں سے خالی ہو یہ باتیں قریباً سبھی میں ہوتی ہیں کسی میں کم کسی میں زیادہ! بس جب وہ یہ سنے گا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس کے دِل میں رائی برابر تکبر ہو گا اس پر جنت حرام ہے تو وہ خوف زدہ ہو گا اور تکبر سے اپنے آپ کو بچانے کی سعی کرے گا اور سمجھ لے گا کہ اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ اے بندے اگر تُو اپنے آپ کو اپنی نظر میں کچھ نہ سمجھے تو پھر میرے نزدیک تیری بڑی قیمت ہے اور جو شخص حقائق دین میں سے اتنا بھی نہ سمجھے اسے عالم کے بجائے جاہل کہنا زیادہ مناسب ہے۔

تیسرا سبب نسب کی وجہ سے تکبر ہے حتیٰ کہ علوی یا خواجہ زادے تو یہ سمجھتے ہیں کہ باقی سب ہمارے غلام ہیں۔ اگرچہ ہم جاہل اور دوسرے اہل عِلم و صلاح ہی کیوں نہ ہوں مگر یہ تکبر ان کے باطن میں ہی رہتا ہے گو کہ اظہار نہ کریں۔ اس قسم کے لوگوں کو غُصّہ آ جائے تو آپے سے باہر ہو جاتے ہیں۔ اور ان کے قول و فعل سے غُصّہ ظاہر ہو ہی جاتا ہے پھر دوسروں سے اس قسم کی گفتگو کرتے ہیں کہ تمھاری کیا حقیقت ہے کہ مجھ سے بات کرتے ہو تم اپنی اصلیت نہیں پہچانتے؟ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا کسی سے جھگڑا ہو گیا تو میں نے اس کو کہہ دیا او حبشی بچے! حضور ﷺ نے فرمایا ابوذر آپے سے باہر نہ ہو کیونکہ کسی گورے کا بچہ کالے کے بچے پر فضیلت نہیں رکھتا۔ چنانچہ حضرت ابوذر لیٹ گئے اور بطورِ معافی اس بھائی سے کہا کہ اپنا پاؤں میرے مُنہ پر رکھو۔ گویا جب انھیں معلوم ہو گیا کہ میری گفتگو میں تکبر تھا تو اِس طرح عاجزی کی تاکہ تکبر ٹوٹ جائے۔ حضور ﷺ کے سامنے دو آدمی آپس میں فخر کرنے لگے تو ایک نے کہا کہ میں تو فلاں ابن فلاں کا بیٹا ہوں تم کون ہو؟ آپ نے فرمایا موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اسی طرح دو آدمیوں نے فخر کا اظہار کیا حتیٰ کہ ایک نے تو اپنی نو پشتیں گن ڈالیں تو موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ اس سے فرما دیں کہ وہ دوزخ میں ہیں اور تُو ان کا دسواں ہے اور آپ ؐ نے فرمایا کہ جو جہنم میں کوئلہ بن گئے ان پر بھی فخر نہ کرو ورنہ اللہ کے نزدیک مٹی سے بدتر ہو جاؤ گے کیونکہ ایسا آدمی فی الحقیقت نجاست سونگھتا اور چکھتا ہے۔

چوتھا سبب حسن و جمال ہے اور یہ بات عورتوں میں زیادہ ہوتی ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک عورت کے متعلق فرمایا کہ وہ کوتاہ قد ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم نے غیبت کی ہے اور یہ اپنے قد پر تکبر ہے کیونکہ اگر وہ خود کوتاہ قد ہوتیں تو ایسا نہ فرماتیں۔ پھر آپ نے ان سے معافی مانگی۔

پانچواں سبب تونگری ہے آدمی اپنے مال و دولت کا ذکر کرتا اور اس پر فخر کرتا ہے اور دوسروں کو ٹکڑ گدا اور مفلس کہتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تیرے جیسوں کو تو خرید سکتا ہوں سورۂ کہف میں دو بھائیوں کا قصہ ہے ایک نے کہا:

﴿ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالاً وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴾

"میرا مال تجھ سے زیادہ ہے اور مجمع بھی میرا زبردست ہے"۔

چھٹا سبب قوت ہے کہ آدمی کمزور لوگوں پر تکبر کرے۔ ساتواں سبب متبعین' شاگرد' غلام' نوکر اور مریدین کی کثرت ہے۔ الغرض آدمی جس چیز کو اپنے حق میں نعمت سمجھتا ہے اس کے سبب فخر اور تکبر کرتا ہے اگرچہ وہ فی الحقیقت نعمت نہ ہو۔ حتیٰ کہ مخنث اسباب مُخَنَّثِی کے سبب دوسروں پر اِتراتا ہے۔ تکبر کے یہی اسباب ہیں اور اس کا ایک سبب عداوت اور حسد بھی ہے کہ جب کسی سے دشمنی ہوتی ہے تو پھر اکڑتا بھی ہے اور کبھی کبھار ریا بھی تکبر کا سبب ہو جاتی ہے کہ آدمی دوسروں کے سامنے اپنی تعظیم کی خاطر تکبر کرنے لگتا ہے حتیٰ کہ کوئی شخص کسی سے مناظرہ کرے تو یہ جاننے کے باوجود کہ فریق ثانی کا مناظر بڑا فاضل ہے پھر بھی اپنے دِل میں متواضع رہے فقط ظاہری طور پر تکبر کا اظہار کرے کہ لوگ دوسری طرف مائل نہ ہو جائیں۔

تکبر کا علاج: اسبابِ تکبر جان لینے کے بعد اب ان کا علاج جاننا ضروری ہے۔ انسان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ جو بیماری انسان پر سعادت کی راہ بند کر دیتی ہے یا اسے جنت سے محروم کر دیتی ہے اس کا علاج ضروری ہے اگرچہ وہ رائی کے دانہ کے برابر ہو۔ تکبر کی بیماری ایسی ہے کہ اس سے کوئی محفوظ نہیں۔ اس لیے ہر کسی پر اس کا علاج فرض ہے اور اس کا علاج دو قسم پر ہے ایک تو مجمل دوسرا مفصل۔ مجمل علاج عِلم و عمل کی معجون سے مرکب ہے۔ علمی علاج تو یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کو پہچانے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کبریائی اور عظمت اللہ کے سوا کسی کو سزاوار نہیں اور اس کے ساتھ ہی اپنے آپ کو پہچانے کہ مجھ سے کوئی ذلیل و خوار اور حقیر و کمتر نہیں یہ ایسا مسہل ہے جو بیماری کی جڑ کو باطن سے بالکلیہ اُکھاڑ پھینکتی ہے۔ اگر کوئی شخص پورا علاج کرنا چاہے تو ایک آیت کافی ہے۔

﴿ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَا اَكْفَرَهٗ ۝ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ۝ مِنْ نُّطْفَةٍ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۝ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۝ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۝ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴾ (عبس)

"انسان ہلاک ہو جائے' وہ کس قدر ناشکرا ہے کس چیز سے پیدا کیا ہے اس کو نطفہ سے اس کو پیدا کیا پھر اس کا اندازہ کیا پھر راہ آسان کی پھر اس کو مارا پھر قبر میں گاڑا پھر اللہ تعالیٰ جب چاہیں گے زندہ کر کے اٹھائیں گے"

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی قدرت سے روشناس کرایا اور انسان کی ابتدا و انتہا اور درمیانی کڑیاں بیان کر دیں کہ تم کون ہو؟ اس لیے انسان کو چاہیے کہ وہ یہ بات سمجھ لے کہ "نیست" سے زیادہ کوئی شے ناچیز نہیں اور آدمی "نیست" تھا کیونکہ اس کا نام و نشان کچھ نہ تھا اور ازل سے پیدا ہونے کے وقت تک پردے میں چھپا ہوا تھا۔ ارشادِ باری ہے:

﴿ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا ﴾ (دھر)

"ہر انسان پر ایک مدت ایسی آئی ہے کہ وہ کوئی ذکر کی گئی چیز نہ تھا"

اللہ تعالیٰ نے مٹی کو پیدا کیا اس سے بڑھ کر کوئی چیز حقیر نہیں پھر نطفہ اور علقہ کو پیدا کیا جس کی حقیقت ذرا پانی اور خون ہے اور وہ بھی ناپاک۔ اور آدمی کو اس "نیست" سے "ہست" کیا اور اس کی اصل ناچیز مٹی، گندے پانی اور پلید خون سے بنائی۔ اس کے بعد انسان گوشت کا ٹکڑا تھا لیکن ایسا کہ اس میں سماعت و بصارت گویائی اور قوت و حرکت کچھ نہ تھی۔ گویا ایک جماد و پتھر تھا جسے اپنی بھی خبر نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں سماعت، بصارت، ذوق، گویائی قوت و قدرت ہاتھ پاؤں وغیرہ تمام اعضاء پیدا کیے۔ انسان دیکھتا ہے کہ ان میں سے کوئی چیز بھی نہ تھی نہ مٹی میں تھی نہ نطفہ اور خون میں اللہ تعالیٰ نے یہ عجائبات اس لیے پیدا کیے کہ انسان اپنے خالق کو پہچانے نہ کہ تکبر کرے کیونکہ اُس نے یہ چیزیں اپنی کوشش سے پیدا تو نہیں کیں کہ ان کو تکبر کا ذریعہ بنائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَمِنْ اٰيَاتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ﴾ (روم)

"اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اُس نے تمھیں مٹی سے پیدا کیا پھر اچانک آدمی ہو کر جگہ بہ جگہ پراگندہ ہوئے"

اب انسان اپنے آپ کو پہچانے کہ اسے تکبر زیب دیتا ہے یا اپنی اصلیت کو دیکھ کر اپنے آپ سے عار آنے لگتی ہے اور درمیانی مدت یہ ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ دُنیا میں لائے اعضاء اور قوتیں عنایت فرمائیں اگر اللہ تعالیٰ اس کے کام اس کے اختیار میں دے دیتا اور اسے بے پروا بنا دیتا تو پھر ممکن تھا کہ غلطی میں مبتلا ہو کر سمجھتا کہ میں کوئی چیز ہوں اس لیے اللہ تعالیٰ نے بھوک، پیاس، بیماری، گرمی، سردی، درد و رنج اور مختلف طرح کی بلائیں اس کے سر پر لٹکا دیں کہ ایک لمحہ بھی اپنی طرف سے مطمئن نہ ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس کی منفعت کڑوی دواؤں میں رکھی کہ فائدہ چاہتے ہو تو وقتی طور پر تکلیف برداشت کرو اور اس کا نقصان اچھی چیزوں سے وابستہ کر دیا گیا کہ اگر فی الحال لذت یاب ہو تو پھر رنج اٹھانا پڑے۔ الغرض اس کے کاموں سے کوئی کام اس کے ہاتھ میں نہیں دیا حتیٰ کہ جس چیز کو جاننا چاہتا ہے اسے جان نہیں سکتا اور جسے بھلانا چاہتا ہے اُسے بھول نہیں سکتا اور جس چیز کے خیال تک سے بچنا چاہتا ہے وہ اس کے دِل پر مستولی ہو جاتی ہے اور جس کا خیال لانے کی فکر کرتا ہے وہ بھاگتی ہے اور ان عجائب اور صنعتوں کے باوجود جو اللہ نے اس کی خاطر پیدا کیں اسے اتنا کمتر و عاجز اور ذلیل بنایا کہ انجام یہ ہے کہ مرجائے گا پھر نہ سماعت ہو گی نہ بصارت نہ قوت نہ قدرت نہ حسن و جمال۔ نہ بدن نہ اعضاء بلکہ ایسا مردار اور متعفن ہو جائے گا کہ سب لوگ اُس کے پاس کھڑے ہو کر اپنی ناک بند کر لیں گے اور کیڑوں مکوڑوں اور حشرات الارض کے پیٹ میں نجاست ہو کر رہ جائے گا اور دوبارہ خاک ہو کر ذلیل و رسوا ہو گا۔ اسی طرح مٹی ہی رہتا تو بھی ایک بات تھی کہ چارپایوں کی طرح حشر سے اسے دوچار نہ ہونا پڑتا لیکن اسے دوبارہ زندہ کر کے ہولناک جگہ کھڑا کیا جائے گا اس وقت یہ آسمان کو پھٹا ہوا، ستاروں کو گرا ہوا، سورج اور چاند کو بے نور، پہاڑوں کو روئی کی طرح پراگندہ اور زمین کو بدلا ہوا دیکھے گا اور دیکھے گا کہ دوزخ کے فرشتے اسے کمند ڈال رہے ہیں اور دوزخ شعلہ بار ہے فرشتے ہر کسی کے ہاتھ میں اعمال نامے دے رہے ہیں اور ہر کسی نے عمر میں جو رسوائیاں کی ہیں وہ اب سامنے آ رہی

ہیں۔ فرشتے کہتے ہوں گے کہ آؤ اور بتلاؤ کہ تم نے کیوں یہ کام کیا' کھایا کیوں؟ فلاں جگہ بیٹھے کیوں؟ اٹھے کیوں؟ دیکھا کیا اور خیال کیا کیا؟ اور اللہ نہ کرے جواب و سوال میں پورا نہ اترا تو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا اس وقت حسرت کے سبب کہے گا کہ اے کاش میں سور یا کتا ہوتا تاکہ خاک میں مل جاتا کیونکہ وہ اس عذاب سے تو مامون ہیں تو جس شخص کا حال سور اور کتے سے بھی بدتر ہونا ممکن ہو اسے تکبر کیسے زیب دیتا ہے کیونکہ اگر آسمان و زمین کے سب ذرات بھی اس کی رسوائی پر روئیں اور اس کی بدبختیوں کی داستان پڑھیں تو نہ پڑھ سکیں۔ یہاں تم نے کبھی تو دیکھا ہو گا کہ حکومت کسی مجرم کو پکڑ کر جیل میں ڈال دیتی ہے وہ قیدی سولی یا رسوائی کا خطرہ محسوس کرنے کے باوجود تکبر و فخر محسوس کرے یہ ناممکن ہے اور جہاں تک دُنیا کا تعلق ہے وہ ساری ہی خلاق کائنات کے بنائے ہوئے قید خانہ میں ہے (دُنیا قید خانہ ہے) اور اہل دُنیا کے گناہ بھی بہت ہیں اور انجام کا بھی پتہ نہیں تو ایسی جگہ میں فخر و تکبر چہ معنی دارد؟ پس جس شخص نے اس طرح اپنے آپ کو پہچان لیا تو یہی پہچان اس کے لیے سہل ہو جائے گی اور اس کے باطن سے تکبر کی جڑ بالکل نکل جائے گی۔ حتیٰ کہ وہ کسی بھی چیز کو اپنے سے زیادہ کمتر نہیں سمجھے گا بلکہ وہ یہ خواہش کرے گا کہ وہ خاک ہو جاتا یا پرندہ یا پتھر اور اس طرح خطرہ سے محفوظ ہو جاتا اور عملی علاج یہ ہے کہ اپنی گفتگو اور حالات میں متواضع لوگوں کا اُسوہ اختیار کرے جیسا کہ حضور ﷺ زمین پر بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے اس میں تکیہ سے اِحتراز فرماتے اور فرماتے کہ میں بندہ ہوں بندوں کی طرح کھاتا ہوں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نیا کپڑا نہیں پہنتے فرمایا کہ میں بندہ ہوں کسی دن آزادی نصیب ہو گئی تو صبح محشر میں نیا جوڑا زیب تن کروں گا۔

یاد رکھنا چاہیے کہ نماز کے اسرار میں ایک تواضع بھی ہے جو رکوع سجدے سے حاصل ہوتی ہے اور چہرہ جو تمام اعضائے انسانی میں زیادہ محترم ہے آدمی اسے مٹی پر رکھتا ہے وہ مٹی جو سب چیزوں سے زیادہ ذلیل ہے اس لیے کہ عربوں میں ایسا تکبر تھا کہ پیٹھ جھکانا ان کے لیے مشکل تھا اس لیے یہ سجدہ ان پر بہت بھاری تھا۔

پس انسان پر لازم ہے کہ ہر حال میں ذہنی تکبر کے خلاف عمل کرے اور صورت و زبان' آنکھ' نشست و برخاست اور لباس اور باقی حرکات و سکنات سے کبر ظاہر ہو تو تکلفاً اس کے خلاف عمل کرے تاکہ تواضع فطرتِ ثانیہ بن جائے۔

تکبر کی علامتیں بہت ہیں ایک یہ ہے کہ جب تک دوسرا آدمی ساتھ نہ ہو اکیلا کہیں نہیں جاتا حالانکہ یہ بات پرہیز کے قابل ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تیرے ساتھ جتنے آدمی زیادہ ہوں گے تو اتنا ہی اللہ تعالیٰ سے دُور رہے گا۔ حضور ﷺ ایسی حالت میں لوگوں کے درمیان گھل مل کر چلتے بلکہ کبھی دوسروں کو آگے بڑھا دیتے۔

ایک علامت یہ ہے کہ متکبر کی خواہش ہوتی ہے کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں اور وہ آئے تو سرو قد کھڑے ہو جائیں۔ ایک علامت یہ ہے کہ متکبر کسی کی ملاقات کے لیے نہیں جاتا۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ مکہ معظمہ پہنچے تو حضرت ابراہیم ادھم قدس سرہٗ نے انھیں بلایا کہ یہاں میرے پاس آکر حدیث روایت کریں۔ حضرت سفیان تشریف لے آئے تو حضرت ابراہیم ادھم نے فرمایا کہ میں تمھاری تواضع کا امتحان لینا چاہتا تھا۔

ایک علامت یہ ہے کہ متکبر فقراء اور دوسرے اس قسم کے لوگوں کا اپنے پاس بیٹھنا پسند نہیں کرتا۔ جب کہ حضور ﷺ اس قسم کے لوگوں کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیتے اور جب تک وہ نہ چھوڑتا آپ ﷺ نہ چھڑاتے اور جو ایسا بیمار

ہو تا کہ لوگ اس سے گریز کرتے آپ ﷺ اس کے ساتھ کھانا تک کھا لیتے ایک علامت یہ ہے کہ متکبر اپنے گھر تک کا کام نہیں کرتا جبکہ حضور ﷺ سبھی کام خود فرماتے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں کوئی مہمان تھا چراغ بجھنے لگا تو اُس نے چاہا کہ میں تیل لے آؤں آپ نے فرمایا کہ مہمان سے کام کرانا مروت کے خلاف ہے۔ مہمان نے غلام کو جگانا چاہا تو روک دیا اور خود تیل لے آئے۔ مہمان نے حیرت سے کہا کہ یہ کام آپ نے خود کیا فرمایا کہ جب تیل لینے گیا تھا تو تب بھی عمر تھا اور واپس آیا ہوں تب بھی عمر ہوں۔

ایک علامت یہ ہے کہ گھر کا سودا سلف بازار سے نہیں لاتا۔ حضور ﷺ ایک دن کوئی چیز لے جا رہے تھے کسی نے چاہا کہ میں اٹھا کر گھر پہنچا دوں۔ آپ ﷺ نہ مانے اور فرمایا کہ جس کی چیز ہے اس کا لے کر چلنا زیادہ بہتر ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ گورنری کے زمانے میں جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر اپنی پیٹھ پر لاد کر لاتے اور بازار میں گزرتے ہوئے فرماتے بھائی راستہ دے دو۔ حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ دائیں ہاتھ میں درہ اور بائیں میں گوشت وغیرہ ضروریات لے کر خود ہی چلے آتے۔

ایک علامت یہ ہے کہ گھر سے اچھا لباس پہنے بغیر باہر نہیں نکلتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو لوگوں نے دیکھا کہ ہاتھ میں درہ ہے اور چادر میں چودہ پیوند لگے ہیں ان میں سے بعض پیوند چمڑے کے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ معمولی درجے کا کپڑا زیب تن فرماتے۔ لوگوں نے شکایت کی تو فرمایا کہ میاں اس طرح دِل میں خشوع رہتا ہے اور لوگ پیروی کرتے ہیں ' فقراء خوش ہوتے ہیں۔ حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جب میں دھلے ہوئے کپڑے پہنتا ہوں تو پھر جب تک وہ میلے نہ ہو جائیں میرا دِل رعونت کا شکار رہتا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ خلافت سے پہلے ہزار ہزار دینار کا لباس زیب تن فرماتے اور فرماتے کہ یہ بھی اچھا ہے لیکن اور نرم ہو تو زیادہ اچھا ہے لیکن خلافت کے بعد پانچ درہم کے کپڑے پر قناعت کر لی اور ارشاد ہوتا کہ اس سے بھی زیادہ موٹا اور کھردرا ہو تو اچھا ہے۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایسا نفس دیا ہے جو لذت طلب ہے ایک چیز کی لذت چکھنے کے بعد اسے دوبارہ طلب نہیں کرتا اب خلافت کا مزہ چکھ لیا ہے تو اس سے بڑھ کر کوئی مزہ نہیں اس لیے اب ابد کی بادشاہی کی طرف دوڑتا اور اسے تلاش کرتا ہے۔ لیکن یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ جتنے اچھے کپڑے ہیں سبھی تکبر کے سبب ہیں کیونکہ بعض آدمی ہر چیز میں اچھائی کو محبوب رکھتے ہیں۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ خلوت و تنہائی میں بھی وہ آدمی اچھے کپڑے پہنتا ہو جبکہ بعض لوگ پرانے کپڑوں کو پہن کر تکبر کرتے ہیں کہ اس طرح اپنے زہد کا ڈھنڈورہ پیٹتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں سے فرمایا کہ تم نے باطن تو بھیڑیے کا سا بنا رکھا ہے لیکن ظاہر راہبوں جیسا ہے اس کے بجائے ظاہر بادشاہوں جیسا بناؤ اور دِل اللہ کے خوف سے معمور رکھو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شام کے دَورہ پر تشریف لے گئے تو کپڑے پھٹے پرانے تھے لوگوں نے دشمن کے علاقہ کے پیش نظر اچھے کپڑے پہن لینے کی درخواست کی تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ اسلام کے سبب مجھے عزت بخشی ہے اس لیے اب میں کسی اور چیز میں عزت تلاش نہیں کروں گا۔ الغرض جو تواضع سیکھنا چاہے اسے سیرت رسول ﷺ معلوم کر کے اس کی پیروی کرنی چاہیے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ جانوروں کو چارہ ڈالتے اونٹ کو باندھتے گھر میں جھاڑو خود دے لیتے بکری کا دودھ خود دوہ لیتے اپنے جوتوں میں خود ٹانکا لگا لیتے اور کپڑے میں بوقت

ضرورت پیوند لگا لیتے۔ خادم کے ساتھ مل کر کھانا کھاتے۔ چکی پیسنے میں اس کا ہاتھ بٹاتے بازار سے چادر میں سودا سلف باندھ کر لے آتے امیر فقیر سبھی کو سلام میں پہل فرماتے۔ دین کے معاملات میں کسی میں فرق نہ فرماتے آپ ﷺ کا دن رات کا لباس ایک ہی تھا۔ جو خاکسار پریشان حال آپ ﷺ کی دعوت قبول کرتا اسے قبول کر لیتے جو کھانا چاہے وہ کسی قسم کا ہو آپ ﷺ کے سامنے رکھ دیا جاتا اسے تناول فرما لیتے ایک وقت کے بعد دوسرے وقت کے لیے کھانا بچا کر نہ رکھتے۔ آپ ﷺ نیک خو، کریم الطبع، ملنسار اور شگفتہ رو تھے مسکراتے ضرور لیکن قہقہہ نہ لگاتے غم و اندوہ میں تیوری نہ چڑھاتے متواضع تھے لیکن مذلت کا رویہ اختیار نہ فرماتے خداداد ہیبت کے مالک تھے طبیعت میں درشتی و سختی نہ تھی سخی اور کریم تھے لیکن اِسراف نہ تھا۔ سب لوگوں کے ساتھ رحم کا معاملہ کرتے آپ ﷺ کا دِل بہت نرم تھا سر جھکا کر رکھنا آپ ﷺ کی عادت تھی اور اس کی وجہ شرم و حیا کا غلبہ تھا طبیعت میں کسی قسم کا طمع نہ تھا جو سعادت کو مطلوب رکھتا ہے وہ آپ ﷺ کی پیروی کرے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی تعریف میں فرمایا :

﴿ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ﴾ (ن) "ہم نے آپ ﷺ کو خلق عظیم کا مالک بنایا ہے"

اور تفصیلی علاج یہ ہے کہ انسان غور تو کرے کہ آخر وہ تکبر کیوں کرتا ہے اس کا سبب نسب ہے تو انسان کو اپنے نسب پر غور کرنا چاہیے ارشادِ باری ہے :

﴿ وَبَدَءَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِيْنٍ ○ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ ﴾ (السجدہ)

گویا تیری اصل مٹی ہے تو فرع نطفہ (ناپاک پانی) تو گندہ پانی باپ ہوا اور مٹی دادا۔ اور ان دونوں سے بڑھ کر ذلیل کوئی چیز نہیں۔ اگر تمھارا خیال ہو کہ باپ کا سلسلہ درمیان میں ہے تو تیرے اور تیرے باپ کے درمیان نطفہ، علقہ، مضغہ اور خدا معلوم کیا کیا ناپاکیاں اور رسوائیاں ہیں ان کو کیوں نہیں دیکھتے اور تعجب اس بات کا ہے کہ اگر تمھارا باپ یا دادا خاکروب یا حجام ہو تو تمھیں تعجب ہوتا ہے اور تم اس سے عار محسوس کرتے ہو کہ خاک و خون میں ہاتھ بھرتا ہے تو تم بھی تو انھی چیزوں سے بنے ہو پھر فخر کیوں کرتے ہو؟ اور جب تم نے یہ بات سمجھ لی تو تمھاری مثال اس شخص کی سی ہوگی جو اپنے آپ کو سید یا علوی سمجھتا ہے لیکن دو عادل گواہ یہ گواہی دیں کہ یہ خاندانِ غلاماں کا فرد ہے یا فلاں حجام کا لڑکا ہے تو اگر یہ بات ثابت ہو گئی تو پھر بھی تکبر کرو گے؟ پھر تو تم منہ چھپاتے پھرو گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جو شخص نسب کے سبب سے ناز کرتا ہے تو حقیقت میں اس کا سبب دوسرے ہی تو ہیں جبکہ انسان کو خود باکمال ہونا ضروری ہے اس لیے کہ آدمی کے پیشاب سے پیدا ہونے والا کیڑا اور گھوڑے کے پیشاب سے پیدا ہونے والے کیڑے میں کوئی فرق نہیں۔

دوسرا تکبر وہ بیان ہوا جس کا سبب حسن و جمال ہو ایسے شخص کو اپنے باطن کی طرف نظر کرنی چاہیے تاکہ اس کی برائیاں اس پر ظاہر ہوں اور پتہ چلے کہ اس کے پیٹ، مثانہ، رگوں، ناک، کان اور باقی اعضاء میں کیا کیا کثافتیں ہیں اور ہر روز اپنے ہاتھ سے کم از کم دو بار اپنی ایسی چیز دھوتا ہے جس کی نہ شکل دیکھنا گوارا ہے نہ بو سونگھنا جبکہ ہمیشہ اس کو گدھے کی طرح اٹھائے پھرتا ہے پھر انسان یہ سوچے کہ اس کی پیدائش خون، حیض اور نطفہ سے ہے اور یہ چیزیں پیشاب کی دو راہ گزروں سے گزرتی ہیں تو خیر سے عالم وجود میں آتا ہے۔

حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو لٹکتے مٹکتے دیکھا تو فرمایا کہ جس شخص کو اپنی اندرونی کیفیت کا علم ہو وہ ایسی چال نہیں چل سکتا کہ اگر ایک شخص ایک دن اپنی طہارت و پاکیزگی کا اہتمام نہ کرے تو کیڑے مکوڑے اور سنڈاس اس سے زیادہ پاکیزہ ہوں گے کیونکہ ان کے پیٹ سے بھی وہی کچھ نکلتا ہے جو آدمی کے پیٹ میں ہے اور اس کا حسن و جمال اس کا ذاتی نہیں نہ ہی دوسروں کی بدصورتی ذاتی ہے کہ ان پر طعن و تشنیع کی جائے اور حسن و جمال ہے کیا ایک بیماری سے زائل ہو سکتا ہے۔ چیچک جیسی بیماری لگ جائے تو بدصورت بنا کر رکھ دیتی ہے۔ الغرض یہ چیزیں تکبر کے لائق نہیں اور اگر آدمی اپنی طاقت کے بل بوتے پر تکبر کرتا ہے تو اسے معلوم کر لینا چاہیے کہ ذرا کہیں درد ہو گیا تو اس سے زیادہ عاجز کوئی نہ ہو گا مکھی پر اس کا کنٹرول نہیں' پتنگا ناک میں یا چیونٹی کان میں گھس جائے تو عاجز بلکہ بسا اوقات ہلاک ہو جاتا ہے کانٹا چبھ جائے تو ہلنا مشکل ہے اور اس کی طاقت سے بیل گدھے' ہاتھی اور اونٹ کی طاقت زیادہ ہے تو ایسی چیز کس طرح فخر کے قابل ہے اور اگر تونگری و مال اور نوکر و غلام کے سبب تکبر کرتا ہے یا حکومت و قیادت اس کا سبب ہے تو یہ سب چیزیں ایسی ہیں کہ اس کی ذات سے ان کا کوئی تعلق نہیں مال چوری ہو جائے' حکومت سے معزول ہو جائے تو اس کے قبضہ میں کیا رہے گا؟ مال ہو تو کیا یہودی بالعموم بڑے مالدار ہیں اور حکومت رہے بھی تو کیا کہ بڑے بڑے احمق اس سے وقتی طور پر سرفراز ہیں۔ الغرض جو چیز ذاتی نہیں وہ تیری مِلک میں نہیں اور جو مِلک میں نہیں اس کے سبب تکبر کرنا انتہائی حماقت ہے اور تکبر کا سبب عِلم اور عبادت بھی ہے اس کا علاج دشوار ہے کیونکہ یہ کمال کی چیزیں ہیں اللہ کو عِلم بہت عزیز ہے اور اس کی صفات میں سے ایک صفت ہے اور عالم اپنی طرف التفات نہ کرے بہت مشکل ہے۔ یہ مشکل دو طرح سے آسان ہو سکتی ہے ایک تو یہ کہ آدمی یہ سمجھ لے کہ عِلم کے سبب گرفت بھی سخت ہو گی اور عالم بڑے خطرناک حالات سے دوچار ہو گا۔ کیونکہ جاہل کو بہت سے کاموں میں طرح مل جائے گی جبکہ عالم کے لیے ایسی گنجائش نہ ہو گی۔ اَہل عِلم کی چھوٹی غلطی بھی بڑی ہوتی ہے اور جو احادیث اَہل عِلم کے متعلق وارد ہیں ان میں غور و تامل کرنا ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس عالم کو گدھے کی مانند قرار دیا جو اپنے عِلم پر عمل نہیں کرتا (الجمعہ) نیز ارشادِ ربّانی ہے:

﴿ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ﴾ (الاعراف)

یعنی جانے یا نہ جانے اپنی طبیعت اور سرشت سے باز نہیں آتا تو انسان کو سوچنا چاہیے کہ کتے اور گدھے سے زیادہ خبیث چیز کیا ہے؟ اور اگر عالم آخرت میں نجات سے محروم ہو گیا تو پتھر تک اس سے افضل ٹھہرے پھر باقی حیوانات کا کیا ذکر؟

اسی سبب سے ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے کہ کاش میں چڑیا ہوتا۔ ایک فرماتے کاش میں بکری ہوتا اور لوگ ذبح کر کے مجھے کھا لیتے۔ ایک فرماتے کاش میں گھاس ہوتا۔ بس جس کے دِل میں آخرت کا خطرہ جم جاتا ہے وہ تکبر نہیں کرتا۔ اگر کسی کو اپنے سے زیادہ جاہل دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ نادان ہے گناہ میں معذور ہے اور مجھ سے بہرحال بہتر ہے اور اگر کسی کو اپنے سے زیادہ عالم دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ وہ ایسی چیز جانتا ہے جو میں نہیں جانتا۔ مجھ سے بہتر ہے بوڑھے کو دیکھ کر کہتا ہے کہ اُس نے مجھ سے زیادہ اللہ کی عبادت کی اس لیے مجھ سے بہتر ہے۔ لڑکے کو دیکھ کر سوچتا ہے کہ اس معصوم سے

میرے گناہ زیادہ ہیں وہ مجھ سے بہتر ہے حتیٰ کہ کافر کو دیکھتا ہے تو سوچتا ہے کہ شاید مسلمان ہو جائے اور اس کا انجام بخیر ہو اور اللہ نہ کرے میرا انجام بُرا ہو اس لیے کہ بہت سے مسلمانوں نے اسلام سے قبل حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو دل میں اپنی بہتری کا خیال آیا لیکن یہ بات اللہ کو پسند نہیں کیونکہ اصل بزرگی اور فضیلت آخرت کی نجات میں ہے اور اس کا کسی کو عِلم نہیں اس لیے تکبر لغو اور فضول ہے۔

دوسری شکل علاج کی یہ ہے کہ اہل عِلم یہ خیال کریں کہ تکبر اس ذات بے ہمتا کے شایانِ شان ہے اور جو کوئی اس معاملہ میں اس سے جھگڑتا ہے وہ اللہ کا دشمن ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کر دیا ہے کہ میرے نزدیک تیری قدر و قیمت اس وقت ہو گی جب تو یہ سمجھ لے کہ میں کچھ نہیں اور اگر کسی کو معلوم ہو بھی جائے کہ میری عاقبت بخیر ہو گی تو اللہ کا حکم سمجھ کر تکبر سے باز رہے یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام سب سے زیادہ متواضع تھے کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ کو تکبر پسند نہیں۔ رہ گیا عابد تو اسے چاہیے کہ ایسے عالم پر بھی تکبر نہ کرے جو عبادت نہیں کرتا کیا عجب کہ اس کا علم ہی اس کی نجات کا ذریعہ بن جائے (مُراد یہ ہے کہ فرائض تو ادا کرتا ہو اس سے زیادہ اہتمام نہ کرتا ہو) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ عالم کو عابد پر اس طرح فضیلت حاصل ہے جس طرح مجھے کسی ادنیٰ صحابی پر۔ اور اگر کوئی عابد کسی جاہل کو دیکھے جس کا حال پوشیدہ ہو تو یہ سوچے کہ شاید یہ مجھ سے زیادہ عبادت کرتا ہو اور شہرت سے گریزاں ہو اور اگر فاسق ہو تو اپنے جی میں سوچنا چاہیے کہ سب وساوس اور خطرات کا تعلق دِل سے ہے اور قلبی گناہ ظاہری فسق سے زیادہ بد ہیں اور ممکن ہے کہ میرے باطن میں کوئی ایسا گناہ ہو جس کا مجھے عِلم نہ ہو اور میرے ظاہری عمل اس سے اکارت ہو جائیں اور اس کے باطن میں کوئی ایسی بھلائی ہو جو اس کے سب ظاہری گناہوں کا کفارہ ہو جائے بلکہ ممکن ہے کہ وہ توبہ کر لے اور اسے خاتمہ بالخیر نصیب ہو جائے اور مجھ سے کوئی ایسا گناہ سرزد ہو جائے جس کے سبب موت کے وقت اللہ نہ کرے ایمان خطرے میں پڑ جائے۔ الغرض جب یہ ممکن ہے کہ اس کا نام (اللہ نہ کرے) بدبختوں کی صف میں لکھا ہو تو تکبر چہ معنی دارد؟ اسی وجہ سے بڑے بڑے عالم اور مشائخ ہمیشہ متواضع رہے۔

عجب اور اس کے نقصانات

خود پسندی بھی بُرے اَخلاق میں سے ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین چیزیں مہلک ہیں۔ بخل، حرص، خود پسندی اور فرمایا کہ اگر تم گناہ نہ کرو تو بھی مجھے تم سے ایک ایسی چیز کا خوف ہے جو گناہ سے بھی بد تر ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے لوگوں نے پوچھا کہ آدمی کب بدکار ہوتا ہے۔ انھوں نے فرمایا جب اپنے آپ کو نیکوکار سمجھنے لگے اور ایسا سمجھنا خود پسندی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے بقول ہلاکت دو چیزوں میں ہے یعنی عجب اور مایوسی میں۔ اس لیے اسلاف نے کہا ہے کہ نااُمید آدمی طلب میں سُست ہوتا ہے اور عجب پسند آدمی کا خیال ہوتا ہے کہ میں طلب سے بے نیاز ہوں۔ حضرت مطرف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر میں تمام رات سو کر صُبح کو خوفزدگی اور دِل شکستگی کے عالم میں اٹھوں تو یہ اس بات سے بہتر ہے کہ ساری رات عبادت کر کے صُبح اس پر خود پسندی کا مظاہرہ کروں۔ حضرت بشیر بن منصور رحمۃ اللہ علیہ ایک دن لمبی نماز میں مشغول تھے ایک صاحب ان کے اس عمل سے متعجب تھے سلام کے بعد آپ نے فرمایا

میاں تعجب نہ کرو ابلیس نے طویل عبادت کی اور پھر جو انجام ہوا معلوم ہے۔

یاد رکھنا چاہیے کہ عجب سے کئی قسم کے نقصانات پیدا ہوتے ہیں ان میں سے ایک تو تکبر ہے کہ آدمی اپنے آپ کو دوسروں سے بہتر سمجھنے لگتا ہے۔ دوسرا یہ کہ اسے اپنے گناہ یاد نہیں ہوتے اور وہ ان کے تدارک کی فکر نہیں کرتا اور اس کا خیال یہ ہوتا ہے کہ میں بخشا ہوا ہوں اور وہ اپنے آپ کو عبادت کے سلسلہ تک شکر گزاری سے بے نیاز خیال کرنے لگتا ہے اور اس کے نقصان کی پروا نہیں کرتا۔ اس کے دل سے اللہ کا خوف جاتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تدبیروں سے نڈر اور بے خوف ہو جاتا ہے اور عبادت کے سبب اللہ تعالیٰ پر اپنا حق سمجھتا ہے کہ عبادت اس پر خود نعمت الٰہی ہے اپنی تعریف کرنی اور اپنے آپ کو پاک باز جاننا اس کا مشغلہ ہوتا ہے جب اپنے عِلم میں خود پسند ہوتا ہے تو کسی سے کچھ پوچھتا نہیں اور اگر اس کے خلاف کوئی رائے دے تو سنتا نہیں اس وجہ سے ہمیشہ ناقص رہتا ہے کیونکہ کسی کی نصیحت کی پروا نہیں کرتا۔

عجب و ناز کی حقیقت

اللہ تعالیٰ نے جسے کوئی نعمت عطا فرمائی ہو جیسے عِلم اور توفیق عبادت وغیرہ تو اس کے زوال سے جو خطرہ محسوس کرے وہ خود پسند نہیں اور اگر ڈرتا نہ ہو لیکن اس وجہ سے خوش ہو کہ اللہ کی نعمت ہے اور اسے ذاتی کمال نہ سمجھے تو بھی خود پسند نہ ہوگا اور اسے ذاتی کمال سمجھے اور اللہ کی نعمت خیال نہ کرے اور اس کے زوال کا خوف بھی نہ رکھے تو ایسا شخص خود پسند ہوگا اور اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنا کچھ حق جانے اور اس عبادت کو اپنے لیے پسندیدہ خدمت تصور کرے تو اسے اِدلال یعنی ناز کرنا اور اِترانا کہتے ہیں۔ جب کسی کو کوئی چیز دے اور اپنے دِل میں سمجھے کہ میں نے بڑا کام کیا تو یہ خود پسندی ہے اور اگر اس کے عوض میں کسی خدمت و بدلہ کی اُمید رکھتا ہو تو اسے ناز کہتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص اپنی نمازِ کے سبب ناز کرتا ہے اس کی نماز اس کے سر سے تجاوز نہیں کرتی (یعنی اوپر نہیں جاتی جس طرح مخلصانہ اعمال جاتے ہیں) اور فرمایا کہ ہنسنا اور اپنی کوتاہی کا اقرار کرنا بہتر ہے اس بات سے کہ آدمی روئے تو سہی لیکن اسے بڑا کام نہ جانے۔

عجب کا علاج

عجب ایسی بیماری ہے جس کا سبب محض جہالت ہے اس لیے معرفت محض اس کا علاج ہوگا پس جو شخص رات دن عبادت اور عِلم میں مشغول رہتا ہے ہم اس سے پوچھتے ہیں کہ یہاں تیری خود پسندی کا کیا سبب ہے؟ کیا یہ ہے کہ تو نے عمل کیا یہ عمل یا تو تیری قوت اور قدرت کے بغیر تجھ سے ظاہر ہوتا ہے کہ تو تو محض راہ گزر ہو اور یا اس کا سبب تیری ذات ہے اور تیری قوت کا اس میں دخل ہے اگر تو محض راہ گزر ہے تو خود پسندی کا کیا مقام؟ کیونکہ ایسا آدمی تو مسخر ہوتا ہے جس سے کوئی کام نہیں ہوتا اور اگر تیرا خیال ہو کہ اس کا سبب میری ذات ہے تو ہم سوال کریں گے کہ اس کی خواہش اور داعیہ کس نے پیدا کیا اور کون ہے جس نے اس کا خیال تجھ پر مسلط کیا جس نے خیال پیدا کیا اسی نے قہر کی

زنجیر تیری گردن میں ڈالی ہے اور تجھے کام میں مشغول رکھا ہے کیونکہ داعیہ پیدا کرنے کے ساتھ اُس نے ایک موکل مسلط کر دیا جو اس کے خلاف ہونے ہی نہیں دیتا۔ اور جہاں تک داعیہ کا تعلق ہے تو وہ کب تیرے اختیار میں ہے؟ تو یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور تیری خود پسندی کا سبب تیری جہالت ہے کیونکہ تیری ذات کا کوئی مسئلہ ہی نہیں جب ذاتی مسئلہ نہیں تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے تعجب کرنا چاہیے کہ وہی ذات ہے جس نے بہتیری مخلوق کو غافل کر دیا اور انھیں بُرے کاموں کا داعیہ پیدا کر دیا اور تجھ پر اپنا کرم کر کے اچھے کام کا داعیہ پیدا کر دیا اور تجھے اپنی بارگاہ میں لا کھڑا کیا۔ اگر کوئی بادشاہ اپنے غلاموں کو دیکھ کر کسی ایک کو خلعت فاخرہ پہنا دے تو غلام کو بادشاہ کے کرم کا مشکور ہونا چاہیے۔ کیونکہ بادشاہ نے بغیر استحقاق خود بخود خلعت سے سرفراز فرمایا اگر غلام کا یہ خیال ہو کہ بادشاہ حکیم و دانا ہے جب تک میرے اندر استحقاق کی صفت نہیں دیکھی اس وقت تک خلعت خاص عنایت نہیں کی تو اسے جواب دیا جائے گا کہ یہ استحقاق کی صفت کیسے نصیب ہوئی؟ یہ بھی بادشاہ کی نظر کا فیض ہے اس لیے تجھے خود پسندی زیب نہیں دیتی۔

اس کی مثال یوں ہے کہ بادشاہ اگر تجھے گھوڑا دے تو تجھے تعجب نہ ہو لیکن اگر وہ تجھے غلام دے تو تجھے تعجب ہو اور تو کہنے لگے کہ بادشاہ نے مجھے غلام اس لیے دیا ہے کہ میرے پاس گھوڑا ہے جو دوسروں کے پاس نہ تھا لیکن سوال یہ ہے کہ گھوڑا کس نے دیا۔ جب یہ بھی بادشاہ نے دیا ہے تو پھر تعجب و عجب کس بات کا؟ بلکہ اس کی مثال یہ ہے کہ دونوں چیزیں تجھے ایک ہی بار دیتا۔ اسی طرح اگر تیرا خیال ہو کہ اللہ نے تجھے توفیق عبادت اس لیے مرحمت فرمائی کہ تو اسے محبوب رکھتا ہے تو سوال یہ کیا جائے گا کہ دوستی کا داعیہ کس نے دل میں پیدا کیا اگر تم دوستی کا سبب اس کی معرفت اور اس کے جمالِ لازوال کو قرار دو تو سوال کیا جائے گا کہ معرفت اور جمال لازوال کس کا عطیہ ہے؟ پس جب سب چیزیں اسی کا عطیہ ہیں اور اسی کا جود و کرم ہے اس لیے اصل شکر اس کی نعمت کا ہونا چاہیے جس نے تجھے پیدا کیا اور تیرے اندر یہ صفات پیدا کیں' قدرت و ارادہ بخشا۔ رہ گئی تیری ذات کی بات تو حقیقت میں کچھ نہیں زیادہ سے زیادہ تو اللہ کی قدرت کا مظہر ہے اور بس (اور وہ اپنی قدرت کا مظہر کسی اور کو بھی بنا سکتا ہے)۔

وہم میں اپنے تھے بہت کچھ لیک
خوب دیکھا تو کچھ نہیں ہیں ہم!

س جب میں کچھ کرتا ہی نہیں اور سب کچھ اللہ ہی کرتے ہیں تو ثواب کی اُمید رکھنا کیسے روا ہے۔ جبکہ ثواب اس عمل پر ہوتا ہے جو اپنے اختیار سے ہوتا؟

ج حقیقی جواب تو یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا مظہر ہے اور بس' ارشادِ باری ہے :

﴿ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ﴾ (انفال)

"جو کچھ آپ نے پھینکا وہ آپ نے نہیں بلکہ اللہ نے پھینکا"

لیکن یاد رہنا چاہیے کہ چونکہ علم اور قدرت اور ارادہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے حرکت پیدا کی اس لیے تیرا خیال ہے کہ جو کیا میں نے کیا حالانکہ ایسا نہیں اور یہ راز بڑا ہی پوشیدہ و مخفی ہے اور اس کی سمجھ بڑی دشوار ہے اسے سمجھنا تیرے بس میں نہیں توکل و توحید کے ابواب میں ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا کچھ ذکر کیا جائے گا مگر یہاں اپنی فہم کے مطابق کچھ سمجھ

لو اور یہ فرض کر لو کہ عمل کا سبب تیری ہی قدرت ہے لیکن تیرا عمل ارادہ و علم اور قدرت کے بغیر ممکن نہیں تو تیرے عمل کی جو کنجی ہے وہ بھی اللہ کی عطا کردہ ہے یعنی ارادہ، علم اور قدرت۔ پس اگر خزانہ بھرپور ہو اور اس میں انعامات اور دولت کی کمی نہ ہو اور تو ان کے حصول سے بوجہ کنجی نہ ہونے عاجز ہو تو پھر؟ اور اگر خازن تجھے کنجی دے دے اور تو کھول کر دولت سمیٹ لے تو اس دولت کو کس کے سپرد کر دے گا اپنے یا اس کے جس نے کنجی دی؟ دولت کا خالی اُٹھانا تو بے قدر فعل ہے اصل قدر و قیمت اس کی ہے جس نے کنجی دی۔ بس تیری قدرت جو اعمال کی کنجی ہے اس کے سب اسباب اللہ تعالیٰ کے ہی عطا کردہ ہیں اس لیے تعجب اللہ تعالیٰ کی رحمت و عنایت کا ہونا چاہیے اپنی ذات کا نہیں! فضل اس کا ہے جس نے تجھے توفیق دی اور دوسروں کو محروم رکھا اور گناہوں کی کنجی انھیں دے کر عبادت کے خزانہ لاتعلق کر دیا انھیں عبادت کے خزانہ سے محروم کرنا عقل کا تقاضا ہے اور تجھے بخش دینا فضل کا۔ پس جس نے اللہ کی توحید کو پہچانا وہ عجب سے کام نہیں لے گا۔ تعجب اس پر کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے بے عقل مفلس کو مال عنایت فرمایا اور مجھ جیسے عقلمند کو محروم رکھا۔ عقل جو سب نعمتوں سے بہتر ہے اللہ کی ہی عطا کردہ ہے اگر عقل اور مال دونوں ہی اس کو عنایت فرماتا اور جاہل کو دونوں سے محروم رکھتا تو یہ بات عدل سے بعید ہوتی اور اگر اس عاقل سے جو شکایت کرتا ہے لوگ کہیں کہ اپنی عقل کو اس کے مال سے بدل لے تو یہ کبھی نہیں بدلے گا اور خوبصورت لیکن محتاج عورت بدصورت کو زیورات اور لباسِ فاخرہ میں بڑے ٹھاٹھ سے دیکھے اور کہے کہ اے اللہ یہ کیا حکمت ہے کہ بدصورت کو تو نے نعمت و دولت سے سرفراز فرمایا تو یہ درست نہ ہو گا کیونکہ اس نادان کو سوچنا چاہیے کہ حسن کی جو دولت مجھے ملی ہے وہ اس زر و زیور سے کہیں بہتر ہے۔ اگر دونوں نعمتیں اس کو ملتیں تو بعید از عدل ہوتا۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ بادشاہ ایک شخص کو غلام دے اور دوسرے کو گھوڑا اس پر گھوڑے والا کہے کہ غلام تو میرے پاس ہے گھوڑا اسے کیوں دیا؟ یہ نادانی اور حماقت ہے۔

حضرت داوٗد علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے اللہ ہر رات میں میری اولاد میں سے کوئی نہ کوئی صبح تک عبادت میں مشغول رہتا ہے اسی طرح کوئی نہ کوئی روزانہ روزہ رکھتا ہے اس پر وحی آئی کہ اے داوٗد کہ یہ سب کچھ میری توفیق کے سبب ہے میری توفیق نہ ہوتی تو یہ نعمت کیسے ملتی؟ اب ایک لحظہ کے لیے میں تجھے تیری رائے پر چھوڑتا ہوں پھر دیکھنا جب ایسا ہوا تو ان سے ایسی چوک ہو گئی کہ تمام عمر حسرت و ندامت کا اظہار کرتے رہے (تفصیل سورۂ ص میں ہے) حضرت ایوب علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے اللہ تُو نے مجھے مبتلائے مصیبت کیا جب کہ میں نے اپنی خواہش کے مطابق ذرا کام نہیں کیا ہمیشہ تیری رضا پر راضی رہا میں نے اس مصیبت میں بھی بے صبری نہیں کی۔ اچانک بادل کا ایک ٹکڑا نظر آیا جس میں دس ہزار آوازیں سنائی دیں کہ اے ایوب تمھارے صبر کو کیا ہوا؟ آپ فوراً متنبہ ہوئے اور مٹی سر پر ڈال کر التجا کرنے لگے۔ اے اللہ وہ جو تیرے ہی کام کا صدقہ تھا میں توبہ کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾

(نور)

"اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم میں سے کسی کو بھی گناہ سے پاک نہ کرتا اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے"

اسی وجہ سے حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص اپنے اعمال کے سبب نجات نہیں پائے گا لوگوں نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی؟ تو فرمایا ہاں میں بھی مگر اللہ کی رحمت سے ہر کوئی نجات پائے گا اور میں بھی اس کی رحمت کا محتاج ہوں (مفہوم حدیث) یہی سبب تھا کہ بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم عرض کرتے کہ کاش ہم مٹی ہوتے یا ہوتے ہی نہیں پس جو شخص ان حقائق سے واقف ہو وہ خوف کے مارے غرور و خود پسندی سے باز رہتا ہے۔

فصل: بعض نادان ایسی چیزوں کے سبب خود پسندی کرتے ہیں جو نہ ان کی وجہ سے ہوتی ہیں اور ان کی قدرت و طاقت کا ان میں کچھ عمل دخل ہوتا ہے۔ جیسے مردمی طاقت، حسب و نسب، حسن و جمال وغیرہ اس قسم کی خود پسندی بالکل نادانی ہے اس لیے اگر کوئی عالم یا عابد یہ کہے کہ میں نے یہ کیا اور وہ کیا تو اس کا کوئی محل بھی ہے لیکن یہ محض حماقت ہے کہ میں حسین و جمیل ہوں اور میں یہ اور وہ ہوں۔ بعض لوگ بادشاہوں کے نسب کے پیش نظر غرور اور ناز کرتے ہیں اگر ان ظالموں اور بادشاہوں کا اُخروی انجام دیکھ لیا جائے اور قیامت کے دن جو رسوائی ہوگی وہ معلوم ہو جائے تو ایسے لوگوں سے رشتہ داری کے بجائے عار محسوس ہوگی۔ واقعہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے نسب سے زیادہ شریف کسی کا نسب نہیں لیکن اس پر بھی فخر و ناز بے جا ہے۔ بعض لوگ اس درجہ غرور کرتے ہیں کہ ان کا خیال یہ ہو جاتا ہے کہ گناہ ہمارے حق میں کسی طرح نقصان دہ نہیں اس لیے وہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں وہ نادان اتنا نہیں سمجھتے کہ جب اپنے باپ دادا کے خلاف کرتے ہیں تو ان کے ساتھ سلسلۂ نسب منقطع ہو جاتا ہے ان کے آباؤ و اجداد تو تقویٰ و پرہیزگاری اور عاجزی و فروتنی میں ہی شرف و عزت سمجھتے تھے نسب پر انھوں نے کبھی غرور نہیں کیا اور یہ بھی ہے کہ ان کے اجداد میں بعض دوزخی بھی ہیں۔ حضور علیہ السلام نے نسب کے سبب فخر کرنے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ سب لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور وہ مٹی سے بنے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ جب اذان دیتے تو بزرگانِ قریش کہتے کہ اس حبشی غلام کو یہ عہدہ کیوں دے دیا گیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ﴾ (الحجرات)

"اللہ کے نزدیک بزرگ ترین وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ ڈرنے والا ہو"

اور جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴾ (طٰہ) کہ اپنے قریبی اعزہ کو ڈرائیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اے محمد کی بیٹی صبح محشر کے لیے اپنی فکر خود کرو مجھ سے تمھیں کوئی فائدہ نہ ہوگا (یعنی نسبی طور پر باقی آپ کی اطاعت تو ان شاء اللہ ہر کسی کے کام آئے گی) اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اے محمد کی پھوپھی اپنے کام کی فکر کرو میں تمھارے کام نہیں آسکوں گا۔ اگر آپ کے عزیزوں کو آپ کی عزیز داری کام آتی تو آپ کی صاحبزادی کو اتنی محنت و مشقت نہ کرنا پڑتی انھیں رنج و محن کی بجائے راحت و خوشی نصیب ہوتی (یعنی دُنیوی) اور دونوں جہان کی خوشیاں انھیں نصیب ہوتیں تاہم اہل قرابت کو شفاعت کی اُمید زیادہ ہے لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ گناہ ایسے ہوں جہاں شفاعت کام نہ آئے ارشاد باری ہے:

﴿ لَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى ﴾ (الانبیاء)

"اور نہیں سفارش کرتے مگر اسی کی جو پسندیدہ ہو"

باقی شفاعت کی اُمید پر کھل کھیلنا اور من مانے کام کرنا ایسا ہے جیسے کوئی بیمار اس بھروسے پر پرہیز نہ کرے کہ میرا باپ طبیب کامل ہے۔ اس بیمار کو سمجھنا چاہیے کہ بعض بیماریاں ایسی ہوتی ہیں جو علاج پذیر نہیں ہوتیں اور وہاں طبابت اور استاذی کام نہیں آتی۔ مزاج ایسا ہونا چاہیے کہ طبیب اس کی مدد کر سکے اور ایسی بات نہیں کہ کسی کو بادشاہ کا قرب حاصل ہو اور وہ ہر حال میں شفاعت کر سکے بلکہ جس کو بادشاہ دُشمن سمجھتا ہے اس کے حق میں سفارش قبول نہیں کرتا اور کوئی گناہ ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سبب نہ ہو کیونکہ اس ذاتِ حق نے گناہ میں اپنی ناراضی کو پوشیدہ رکھا ہے ممکن ہے کہ تیرے نزدیک جو گناہ بہت ہلکا ہے وہی اس کی ناراضی کا سبب بن جائے۔ ارشاد باری ہے :

﴿ وَتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴾ (النور)

"تم اسے ہلکی بات سمجھتے ہو لیکن وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات ہے"

شفاعت کی اُمید تو سبھی کو ہے لیکن اس اُمید پر خوفِ خُدا سے بے نیازی عقلمندی نہیں اور نہ ہی اس برتے پر غرور و عجب پسندیدہ ہے۔

فصل ۱۰ : غفلت و گمراہی اور غرور کا علاج

اُخروی سعادت سے محرومی کا سبب یہ ہے کہ آدمی سیدھی راہ پر نہیں چلتا اور سیدھی راہ نہ چلنے کا سبب یہ ہے کہ یا تو اُس نے اِس راہ کو پہچانا ہی نہیں اور یا پہچانا تو سہی لیکن چل نہ سکا اور پہچانکر چل نہ سکنے کا سبب خواہشات میں گرفتار ہونا ہے اور جس نے راستہ کو پہچانا ہی نہیں وہ غفلت کا شکار رہا اور بے خبر ہو گیا یا راستہ بھول گیا اور یا بھک گیا۔

راہ پر چل نہ سکنے کے پیش نظر جو شقاوت و بدبختی پلے پڑتی ہے اس کا فیصل بیان ہو چکا ہے اور جو شقاوت نادانی کے سبب حاصل ہوتی ہے اس کا یہاں بیان ہو گا۔

اس قسم کے لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی راستہ پر چلنا تو چاہے لیکن راستہ میں گھاٹیاں' اتار چڑھاؤ اور دشوار گزار حصے آ جائیں۔ انسان اپنے ضعف کے سبب ان راستوں کو قطع نہیں کر سکتا اور دین کی راہ میں جو گھاٹیاں ہیں مثلاً مال و جاہ کی خواہش شکم اور فرج کی شہوتیں وہ رکاوٹ بن جاتی ہیں ایک طے کرتا ہے تو دوسری راہ روک لیتی ہے وہ طے کرتا ہے تو تیسری مشکل میں مبتلا کر دیتی ہے۔ جب تک ہمت کر کے ساری ہی طے نہیں کرے گا منزلِ مقصود پر نہیں پہنچ سکے گا اور نادانی کے سبب جس بدبختی سے پالا پڑتا ہے اس کی تین قسمیں ہیں ایک تو غفلت و بے خبری ہے اس کی مثال یوں ہے کہ کوئی شخص سرِ راہ پڑا ہو اور قافلہ روانہ ہو جائے اور اگر اسے کوئی نہیں جگائے گا تو یہ غریب ہلاک ہو جائے گا۔ دوسری قسم ضلالت و گمراہی ہے اس کی مثال یہ ہے کہ کسی کی منزل تو مشرق کی طرف ہو اور وہ مغرب کی طرف چل پڑے جتنا زیادہ چلے گا اتنا ہی منزل سے دور ہو جائے گا۔ اسے ضلال بعید کہا جاتا ہے لیکن جو شخص مخالف سمت کے بجائے اِدھر اُدھر بھٹکتا رہے وہ بھی گمراہ ہے لیکن اس کی گمراہی ضلال بعید کی قسم سے نہیں۔ تیسری قسم غرور ہے جسے فریفتگی اور الٹی سمجھ کہا جاتا ہے اس کی مثال یوں ہے کہ کوئی شخص سفرحج کو جانے والا ہو تو اسے جنگل میں زرِ خالص کی حاجت ضرور ہو گی اس کے پاس جو کچھ ہے اسے بیچ بچا کر نقدی کا اہتمام کرتا ہے لیکن جو زرِ نقد لیتا ہے وہ کھوٹا ہے اور یہ نہ جانتا ہے نہ

پہچانتا ہے لیکن سمجھتا یہ ہے کہ میں زادِ راہ حاصل کر رہا ہوں اور اپنی منزل تک پہنچ جاؤں گا اور جب کسی موڑ پر پہنچے جہاں کسی کو کچھ دینا ہو تو کوئی اس کی طرف دیکھے بھی نہیں اور یہ غریب حسرت و افسوس سے ہاتھ ملنے لگے اور ممکن ہے کہ کوئی اسے دھوکہ باز سمجھ کر حکومت کے پاس شکایت کر دے اور پھر اور مصیبت ایسے لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴾ (الکہف)

"فرما دیجیے کہ کیا میں تمہیں بتاؤں کہ کون لوگ ہیں اعمال کے اعتبار سے نقصان اٹھانے والے؟ وہ لوگ کہ جن کی کوشش تو دُنیا کی زندگی میں رائیگاں گئی لیکن وہ خیال یہ کرتے ہیں کہ وہ اچھا کر رہے ہیں"

ایسے آدمی کا قصور یہ ہے کہ اسے چاہیے تھا کہ پہلے وہ علم حاصل کرتا جس سے کھرے کھوٹے کی پہچان حاصل ہوتی ہے اور اگر ایسا ممکن نہ تھا تو کسی صراف سے معلوم کرا لیتا اگر ایسا بھی ممکن نہ تھا کسوٹی ہی بہم پہنچائی ہوتی۔ صراف پیر اور استاذ کی مانند ہے آدمی کو چاہیے کہ یا تو وہ شیخ کے مرتبہ کو حاصل کرلے یا کسی ایسے کی خدمت کرے اور اپنے کاموں سے متعلق اس سے مشورہ کر لیا کرے اگر ان دو باتوں سے عاجز ہو تو کسوٹی کے حصول کی فکر کرنی چاہیے کسوٹی اس کی خواہش ہے جس کام کی طرف اس کی طبیعت کا میلان ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ یہ کام باطل ہے اس میں خطا بھی ہوتی ہے لیکن اکثر رائے درست ہوتی ہے تو گویا شقاوت میں نادانی پہلی بنیاد ہے جن کی تین قسمیں ہیں تینوں کی تفصیل جاننا اور علاج پہچاننا فرض ہے کیونکہ پہلی اصل تو راہ پہچاننا ہے اس کے بعد راہ چلنا ہے اگر یہ دونوں نصیب ہو گئیں تو کچھ باقی نہیں رہا۔ اسی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دعا میں اسی پر اکتفا فرماتے:

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ

"اے اللہ مجھے حق کی راہ دکھا اور اس پر چلنے کی توفیق بخش"

یہ جو کچھ ذکر ہو چکا اس میں راہ نہ چل سکنے کا علاج بیان ہوا ہے اب ہم راہ نہ جاننے کا علاج بیان کرتے ہیں۔

غفلت و نادانی کا علاج

اکثر مخلوق حضرت حق جل مجدہ سے آڑ میں ہے تیری آڑ کا سبب غفلت ہے اور ننانوے فیصد لوگ اسی کا شکار ہیں۔ غفلت کے معنی یہ ہیں کہ آخرت کے خطرات کی آدمی خبر نہ رکھے۔ اگر اس معاملہ میں آدمی خبردار ہوتا تو کوتاہی نہ کرتا اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کی یہ فطرت بنائی ہے کہ جس چیز میں خطرہ دیکھتا ہے اس سے اِحتراز کرتا ہے اگرچہ اِحتراز کے سبب رنج و محن سے دوچار ہونا پڑے۔ رہ گیا آخرت کا خطرہ تو اسے یا تو آدمی نورِ نبوت سے دیکھ سکتا ہے یا نبوت کی منادی سے سن سکتا ہے یا پھر ان علماء کے ذریعہ سیکھ سکتا ہے جو انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں اور جو شخص سرِ راہ سو رہا ہو اُس کا علاج اس کے سوا کچھ نہیں کہ کوئی مہربان دوست اس کو جگا دے ایسے مشفق و مہربان دوست حضور رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وہ لوگ ہیں جو انبیاء کے وارث ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو اسی واسطے دُنیا میں بھیجا تھا کہ وہ لوگوں کو خبردار کر دیں۔ ارشادِ ربّانی ہے :

﴿ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ ﴾ (یٰسین)

"تاکہ آپ ڈرائیں لوگوں کو اسی چیز سے جس سے ان کے آباؤ اجداد ڈرائے گئے پھر افسوس کہ وہ غافل ہیں"

مزید ارشاد ہے :

﴿ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اَتَاهُمْ مِّنْ نَّذِيْرٍ مِّنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴾ (السجدہ)

"تاکہ آپ ڈرائیں اس قوم کو جس کے پاس آپ سے قبل کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تاکہ اس کے افراد ہدایت پالیں"

اور ارشاد ہے :

﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍO اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ (العصر)

"سبھی لوگ نقصان و خسارے کا شکار ہیں مگر جنھوں نے ایمان کی روش اختیار کی اور اچھے کام کیے (وہ نقصان سے بچ گئے)"

﴿ فَاَمَّا مَنْ طَغٰى وَاٰثَرَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰىO وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰىO فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴾ (النازعات)

"جس نے سرکشی اختیار کی اور دُنیا کی زندگی کو ترجیح دی پس یقیناً دوزخ ہی اس کا ٹھکانہ ہے اور جو اپنے پالن ہار سے ڈرا اور اُس نے اپنے نفس کو خواہشات سے روکا تو اس کا ٹھکانہ جنت ہے"

پس جو شخص دُنیا کی طرف متوجہ ہوا اور ہوا و ہوس کی پیروی کرنے لگا وہ دوزخ کا شکار ہو گا کیونکہ خواہش کی مثال پرانی چٹائی جیسی ہے جو دوزخ کے غار پر بچھی ہوئی ہے اس پر چلنے والا اس میں گرے گا نہیں تو کیا ہو گا اور اپنی خواہشات کے خلاف چلنے والا جنت میں داخل ہو گا خواہش کی مثال راستہ کی گھاٹی کی ہے جو عبور کر لے گا وہ بہرحال منزل پر پہنچ جائے گا یہی وجہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((حُفَّتِ الْجَنَّةُ بِالْمَكَارِهِ وَحُفَّتِ النَّارُ بِالشَّهَوَاتِ))

"جنت مکروہات میں گھری ہوئی ہیں اور دوزخ شہوات میں"

تو جو اللہ کے بندے جنگل میں رہتے ہیں جیسے بدو اور کوہستانی وغیرہ جن میں عالم نہیں ہوتے یہ لوگ خوابِ غفلت کا شکار ہیں کہ انھیں کوئی بھی بیدار نہیں کرتا اور خود یہ لوگ آخرت کے خطرات سے بے خبر ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ کی راہ پر نہیں چلتے اور دیہاتیوں کا بھی یہی حال ہے کیونکہ ان میں بھی اہل علم کم ہوتے ہیں اس لیے کہ گاؤں قبر کی مانند ہیں حدیث میں ہے ((اَهْلُ الْكُفُوْرِ اَهْلُ الْقُبُوْرِ)) "گاؤں والے تو قبروں والے ہیں) اور جو شخص اس شہر میں ہو کہ جس میں ایسے اہل علم موجود ہوں جو منبر پر بیٹھ کر وعظ و نصیحت کریں یا اس شہر کے اہل علم اہل دُنیا میں مشغول ہوں اور دین کی محنت و مصیبت برداشت نہ کریں وہاں کے لوگ بھی غفلت کا شکار ہوں گے اس لیے کہ دُنیا میں مشغول اہل علم اور منبروں پر بیٹھ کر وعظ کہنے والے آرام کوش جب خود نیند کا شکار ہیں تو دوسروں کو کیا بیدار کریں گے اور اگر خطیب شہر منبر

پر بیٹھتا ہو مجلس وعظ منعقد ہوتی ہو اور ناصحانِ بے ہودہ کی طرح مسجع تقریر اور واہیات و خرافات باتیں اور نکتے بیان کرتا ہو اور رحمت الٰہی کے وعدوں سے لوگوں کو فریب دیتا ہو جس سے لوگ یہ گمان کرنے لگیں کہ ہم کسی حال میں ہوں رحمت الٰہی ہمارے شامل حال ہو گی تو ایسے لوگوں کا حال غافلوں سے بھی بدتر ہے اور ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جو سرراہ سوتا ہے کوئی اسے جگا کر ایسی شراب پلا دے کہ اس سے مست ہو کر گر پڑے تو یہ کم بخت پہلے تو ایسا تھا کہ ہر ایک کی آواز سن کر جاگ پڑتا لیکن اب ایسا ہو گیا ہے کہ اس کے سر پر پچاس لاتیں ماری جائیں تو بھی خبر نہ ہو۔ جو جاہل اس قسم کی مجالس میں بیٹھتا ہے تو اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ آخرت کا خطرہ اس کے دِل میں آئے گا ہی نہیں اور تم جو کہو گے وہ اس کا جواب دے گا کہ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے میرے گناہ سے اس کا کیا نقصان ہو گا اور اس کی جنت ایسی وسیع ہے کہ میرے جیسے گنہگاروں کے سبب تنگ نہ ہو گی۔ اس طرح کے خام خیال اس کے دماغ میں پیدا ہوتے ہیں اور جو واعظ ایسی باتیں کرے وہ جاہل ہے مخلوق کا دین برباد کر رہا ہے اس کی مثال اس حکیم کی سی ہے جو حرارت کے سبب قریب المرگ مریض کو شہد پلا دے اور یہ کہے کہ شہد میں شفا ہے۔ بات تو صحیح ہے لیکن اس بیماری کے لیے شفا ہے جس کا سبب سردی ہو۔ کلامِ الٰہی کی وہ آیات اور حضور علیہ السلام کے وہ ارشادات جو اللہ کی رحمت و اُمید کے بارہ میں ہیں وہ یقیناً باشفا ہیں لیکن دو ہی بیماریوں کے حق میں۔ ایک تو اس گنہگار کے حق میں جس نے اس قدر گناہ کیے ہوں کہ رحمت الٰہی سے نااُمید ہو گیا ہو اور نااُمیدی کے پیش نظر توبہ نہ کرے اور کہے کہ اللہ تعالیٰ میری توبہ ہرگز قبول نہیں کرے گا ایسے شخص کے حق میں اس قسم کی آیات اور احادیث باعث شفا ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴾ (زمر)

"فرما دیجیے اے میرے بندو جنھوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی' میری رحمت سے مایوس نہ ہو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بخشتا ہے وہ ذاتِ حق غفور بھی ہے رحیم بھی ہے"

لیکن یہ آیت تب نافع اور باعث شفا ہو گی جب اگلی آیت ساتھ شامل کر کے پڑھیں اور اس پر عمل کریں۔

﴿ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴾ (زمر)

"اور تم رجوع کرو اپنے پروردگار کی طرف اور اس کی تابعداری اختیار کرو اس سے پہلے کہ تم پر عذاب آ جائے پھر تمھاری مدد نہیں ہو گی"

دوسرا وہ بیمار جس پر اللہ تعالیٰ کا ایسا خوف غالب ہو کہ وہ عبادت سے کبھی خود آسودہ ہی نہ ہو اور اس بات کا ڈر ہو کہ وہ ریاضت کرتے کرتے اپنے آپ کو ہلاک کر لے گا کیونکہ اُس نے کھانا پینا اور سونا تک ترک کر دیا ایسے مریض کے زخمی دِل کے لیے اس قسم کی آیتیں مرہم شفا کا کام دیں گی لیکن ایسی آیات و احادیث غافل اور نڈر لوگوں کے سامنے پڑھنا گویا زخموں پر نمک پاشی ہے کہ ان کی بیماری بڑھ جائے گی اور جیسا وہ طبیب ہے جو حرارت کا علاج شہد سے کرتا ہے یعنی بیمار کے خونِ ناحق سے اپنے ہاتھ رنگتا ہے یہی حال اس عالم کا ہے یہ لوگوں کے دین کے درپے ہے اور دجال کا رفیق ہے اور اس کی ابلیس کے ساتھ دوستی ہے جس شہر میں ایسا عالم ہوتا ہے وہاں شیطان کی حاجت نہیں ہوتی کیونکہ یہ نام نہاد عالم

اس کا مستقل نائب ہے اور اگر واعظ کا بیان شریعت کے موافق ہے اور خوف دلا دلا کر نصیحت کرتا ہے تو اگر اس کی عادات اس کے قول کے برخلاف ہوں اور یہ دُنیا کا لالچی ہو تو اس کے کہنے سے دوسرے لوگوں کی غفلت دور نہیں ہو گی۔ اس واسطے کہ اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو لوزینہ کا طباق سامنے رکھ کر مزے سے کھا رہا ہو لیکن دوسرے لوگوں کو چلا چلا کر کہہ رہا ہو کہ خبردار اس کے قریب نہ جانا کہ یہ زہر آلود ہے کیونکہ اس کی بات سن کر تو لوگ اس پر ٹوٹ پڑیں گے اور اپنے جی میں یہ خیال کریں گے کہ یہ ہمیں اس لیے منع کر رہا ہے کہ خود ہی سارا ہڑپ کرنا چاہتا ہے لیکن اگر اس کا قول و عمل شریعت کے مطابق ہو اور وہ اسلاف کے قدم بقدم چلتا ہو تو اس کی نصیحت سے غافل لوگ ضرور بیدار ہوں گے بشرطیکہ اس کا احترام بھی ہو اور اگر اسے احترام حاصل نہ ہو اور یہ مقبولِ خلائق نہ ہو اور کچھ لوگ اس کی بات سنیں کچھ نہ سنیں تو اس پر لازم ہے کہ جہاں تک ہو سکے ان لوگوں کے درپے ہو ان کے گھروں میں جائے انھیں نیکی کی دعوت دے۔

اس تمام گفتگو سے معلوم ہوا کہ ہزار میں ۹۹۹ آدمی ایسے ہیں جو غفلت کا شکار ہیں اور آخرت سے بے خبر ہیں۔ غفلت ایسی بیماری ہے کہ اس کا علاج انسانی اختیار میں نہیں جب غافل کو اپنی غفلت کا احساس ہی نہیں ہو گا تو وہ علاج کیسے کرے گا۔ اس لیے غفلت کا علاج علماء کے ہاتھ میں ہے جیسا کہ لڑکے والدین اور اساتذہ کے کہنے سننے سے خوابِ غفلت سے بیدار ہوتے ہیں اسی طرح جوان اور بوڑھے واعظوں کے کہنے سے بیدار ہوتے ہیں چونکہ ایسے عالم اور واعظ مفقود ہیں اس لیے غفلت کی بیماری پھیل گئی ہے اور مخلوق پر پردہ پڑ گیا ہے۔ اگر کوئی آخرت کی بات کہتا بھی ہے تو محض رسم پوری کرنے کی غرض سے! ان کا دل اس کے درد اور خطرات سے محروم ہے ایسا کہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

ضلالت و گمراہی اور اس کا علاج

بعض لوگ آخرت سے غافل تو نہیں لیکن بدعقیدگی کی وجہ سے بھٹک گئے ہیں۔ یہی گمراہی ان کے واسطے حجاب اور آڑ ہے اس کی پانچ مثالیں ہم بیان کرتے ہیں تاکہ اس قسم کے لوگوں کا حال بخوبی معلوم ہو جائے۔

پہلی مثال یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے آخرت کا انکار کر کے یہ سمجھ لیا ہے کہ آدمی مر کر نیست و نابود ہو جاتا ہے جیسے گھاس خشک اور چراغ بجھ جاتا ہے اسی وجہ سے تقویٰ کی لگام اتار کر مطلق العنانی کے عالم میں عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام نے جو ہدایت اور نصیحت فرمائی ہے وہ محض مخلوق کی دُنیوی صلاح کی خاطر ہے یا معاذ اللہ اپنی جاہ اور ریا اپنے متبعین پیدا کرنے کی غرض سے کی ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ منکر لوگ صاف صاف کہہ دیتے ہیں کہ دوزخ کی بات ایسے ہے جیسے لڑکے کو کہا جائے کہ تو مکتب میں نہ گیا تو تجھے چوہوں کے بل میں ڈال دیں گے۔ یہ کم بخت اس مثال کی اصلیت پر غور نہیں کرتے اگر غور کرتے تو انھیں معلوم ہو جاتا کہ مکتب میں نہ جانے کے سبب لڑکا جس بدبختی کا شکار ہو جائے گا وہ چوہوں کے بل سے بھی بدتر ہے جیسا کہ اہلِ بصیرت اس کی حقیقت سے واقف ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے حجاب میں جو بدبختی ہے وہ دوزخ سے بھی بدتر ہے اور اس قسم کی باتیں کہنے کا سبب شہوت پرستی ہے لیکن اس کا انکار طبعی موافقت ہے۔ آخری دور میں مخلوق کے بڑے حصہ کے دل پر یہ انکار غالب ہو گیا ہے اگرچہ یہ

لوگ زُبان سے تو نہیں کہتے اور شاید کہ خود بھی اپنے اوپر بات کو پوشیدہ رکھتے ہوں لیکن ان کے معاملات اس انکار پر دلیل ہیں اس واسطے کہ ان کی عقل کا یہ حال ہے کہ دُنیا میں جو رنج پیش آنے والا ہے اس کے خوف سے پہلے ہی گھبراتے ہیں تو اگر عاقبت کے خطرات پر ان کی نظر ہوتی تو اس معاملے کو یوں آسان خیال نہ کرتے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ آخرت کی حقیقت اس منکر کو معلوم ہو جائے۔ اس کے تین طریقے ہیں ایک تو یہ کہ جنت و دوزخ اور اچھے بڑے لوگوں کا حال مشاہدہ کرلے یہ نظر تو انبیاء و اولیاء کو نصیب ہوتی ہے کیونکہ یہ حضرات گو اس دُنیا میں ہوتے ہیں لیکن اس فنا اور بے خودی کی حالت میں جو ان پر طاری ہوتی ہے اُس جہان کے احوال کا مشاہدہ کرلیتے ہیں اس لیے کہ انسانی حواس اور نفسانی شہوات کا مشغلہ اس مشاہدہ کے حق میں حجاب ہے۔ کتاب کی ابتدا میں اس مضمون کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔ یہ مشاہدہ بہت نادر ہوتا ہے اور جو شخص آخرت پر ایمان ہی نہ رکھتا ہو وہ اس پر ایمان کب لائے گا اور اس کی طلب اس میں کہاں پیدا ہوگی اور طلب کر بھی لیا تو اس مرتبہ کو کیسے پہنچ سکے گا۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ دلیل و بُرہان سے پہچانے کہ آدمی کی روح اور حقیقت کیا ہے تاکہ اسے معلوم ہو کہ وہ ایک جوہر ہے جو اپنی ذات سے قائم ہے اور اس ظاہری قالب سے بے پروا ہے یہ قالب تو اس کی سواری اور آلہ ہے اس کا قوام نہیں قالب کے ناپید ہونے سے حقیقت اور روح ناپید نہیں ہوتی۔ اس کی پہچان کا ایک طریقہ ہے لیکن وہ بھی نادر الوجود ہے جو راسخ العلم علماء کو نصیب ہوتا ہے ابتدا کتاب میں اس کا بھی اشارہ ہے تیسرا طریقہ عام مخلوق سے متعلق ہے اور وہ یہ کہ انبیاء و اولیاء اور راسخ العلم علماء سے اس معرفت کا نور لوگوں میں سرایت کرے جو ان کی زیارت و ملاقات کرتے ہیں اور ان کی صحبت سے سعادت حاصل کرتے ہیں اسے ایمان کہتے ہیں شیخ کامل اور پرہیزگار عالم کی صحبت جس کسی کو مدد نہیں کرتی وہ بدبختی کا شکار ہوتا ہے۔ پیر اور عالم جس قدر زیادہ بزرگ ہوتا ہے اس قدر اس کے نورِ ایمان کی سرایت سے آدمی کا ایمان مضبوط اور قوی ہوتا ہے اسی سبب سے رسول اکرم ﷺ کے صحابہ آپ ﷺ کی زیارت سراپا سعادت کی بدولت باقی لوگوں سے زیادہ خوش نصیب اور قوی الایمان تھے پھر صحابہ رضی اللہ عنہم کی زیارت کی برکت سے تابعین باقی لوگوں سے بہتر تھے اسی وجہ سے حضور علیہ السلام نے فرمایا ((خَیْرُ النَّاسِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ)) سب سے اچھے لوگ میرے زمانہ کے ہیں پھر وہ جو ان سے ملے ہوئے ہوں۔ ان لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسا لڑکا اپنے باپ کو دیکھے کہ جہاں سانپ کو دیکھتا ہے وہاں سے بھاگتا ہے اور سانپ کے سبب اپنا گھر تک چھوڑ دیتا ہے اور جب لڑکے نے بارِ دگر یہ دیکھا تو اسے اس کا یقین ہو جائے گا کہ سانپ نقصان دہ اور بُرا جانور ہے کہ اس سے بھاگنا ہی ضروری ہے حتیٰ کہ اس لڑکے کی عادت ہو جائے گی کہ جہاں سانپ دیکھے گا وہاں سے سانپ کی حقیقت دریافت کیے بغیر فوراً بھاگ جائے گا اور ممکن ہے کہ محض یہ سنا ہی ہو کہ سانپ میں زہر ہوتا ہے اور اُس نے محض زہر کا نام سنا ہو اس کی حقیقت سے واقف نہ ہو لیکن کمال مرتبہ کا خوف اس سے پیدا ہوگا۔ انبیاء علیہم السلام کے مشاہدہ کی مثال ایسی ہے جیسے لوگ دیکھیں کہ سانپ نے کسی کو کاٹا وہ مرگیا پھر کسی اور کو کاٹا وہ بھی مرگیا اور اس مشاہدہ سے سانپ کا ضرر معلوم ہو جائے۔ یہ یقین کی انتہا ہے اور راسخ العلم علماء کی دلیل کی مثال ایسی ہے کہ سانپ کے کاٹنے سے آدمی کا مرجانا آنکھوں سے تو نہ دیکھا ہو لیکن کسی طرح آدمی اور سانپ کا مزاج معلوم کر کے یہ بات جان لی ہو کہ ان دونوں میں ضد ہے تو اس سبب سے بھی یقین آجاتا ہے لیکن ایسا

یقین نہیں آتا جیسا مشاہدہ سے آتا ہے۔ علمائے راسخین کے سوا اور تمام لوگوں کا ایمان اہل حق علماء کی محبت کی تاثیر سے پیدا ہوتا ہے۔ یہ علاج بیمار کے حق میں بہت ہی قریب اور نافع ہے بشرطیکہ احترامِ عقیدت سے استفادہ کرے۔

دوسری مثال یہ ہے کہ کچھ لوگ آخرت کے بالکل منکر تو نہیں مگر اس میں متحیر رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آخرت کی حقیقت معلوم نہیں ہو سکتی۔ پس شیطان موقع پا کر ایک دلیل پیش کر دیتا ہے حتیٰ کہ یہ کہنے لگتے ہیں کہ دُنیا تو یقینی ہے اور آخرت میں شک ہے اور یقینی چیز کو وہمی چیز کے بدلے ہاتھ سے کھونا نہیں چاہیے۔ یہ بات بالکل باطل ہے اس لیے کہ یقین والوں کے نزدیک تو آخرت ہی یقینی ہے۔ اس متحیر کا علاج یہ ہے کہ لوگ اسے کہیں کہ دوا کی تلخی تو یقینی ہے لیکن شفا کا معاملہ مشکوک ہے اور دریائی سفر کا خطرہ یقینی ہے لیکن تجارت کا نفع مشکوک ہے اگر پیاس کی حالت میں کوئی کہہ دے کہ میاں یہ پانی مت پیو اس میں سانپ نے مُنہ ڈالا تھا تو پانی کی لذت یقینی ہے لیکن سانپ کا زہر وہمی اور مشکوک ہے تو پھر پانی کیوں چھوڑ رہے ہو اگر تو کہے گا کہ یہ یقین جاتا ہے تو چنداں نقصان نہیں اور اگر زہر کی بات سچ ہے تو اس کا نتیجہ ہلاکت ہے پیاس کی تکلیف برداشت ہو سکتی ہے لیکن ہلاکت پر صبر ممکن نہیں تو ہم کہتے ہیں کہ لذت بھی سو برس سے زیادہ نہیں جب گزر گئی تو خواب و خیال تھی اور آخرت تو ہمیشہ ہے اور ہمیشہ کی تکلیف اور مشقت برداشت نہیں ہو سکتی اگر یہ بات جھوٹ ہے تو تو سمجھ لے کہ میں دُنیا میں چند روز نہ تھا جیسا کہ ازل میں نہ تھا اور ابد میں نہیں ہوں گا اور اگر سچ ہے تو ہمیشہ کے عذاب سے نجات حاصل کر لی۔ اسی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک ملحد سے فرمایا تھا کہ جیسا تو کہتا ہے اگر واقع میں بھی ایسا ہی ہے تو سب نے چھٹکارا پا لیا ورنہ ہم تو چھوٹے لیکن تو عذاب کا شکار ہو گیا۔

تیسری مثال یہ ہے کہ کچھ لوگ آخرت پر ایمان تو رکھتے ہیں لیکن کہتے ہیں کہ آخرت قرض ہے جبکہ دُنیا نقد ہے اور نقد قرض سے بہتر ہوتا ہے وہ اتنا نہیں جانتے کہ نقد قرض سے تب بہتر ہوتا ہے کہ قرض کے برابر ہو اور اگر قرض ہزار ہو اور نقد ایک تو پھر؟ چنانچہ تمام مخلوقات کے معاملات کی بنا اسی پر ہے اور یہ بھی منجملہ ضلالت و گمراہی ہے۔

چوتھی مثال ان لوگوں کی ہے جو آخرت پر ایمان تو رکھتے ہیں لیکن چونکہ اس دُنیا میں کام ان کی حسب منشا ہوتے ہیں اور وہ دیکھتے ہیں کہ ہمیں دُنیا کی نعمتیں میسر ہیں تو کہتے ہیں جس طرح ہم یہاں ناز و نعم میں ہیں اسی طرح ہم وہاں بھی رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت ہمیں اس واسطے عنایت فرمائی ہے کہ وہ ہمیں دوست رکھتا ہے اور فردائے قیامت میں بھی ویسا ہی سلوک کرے گا جیسے وہ دو بھائی جن کا قصّہ سورۂ کہف میں ہے ان میں سے مالدار نے غریب بھائی کو کہا:
﴿ وَلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰی رَبِّیْ لَاَجِدَنَّ خَیْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴾ اگر مجھے اپنے رب کے یہاں جانا ہی پڑا تو میں اس سے بہتر پاؤں گا لیکن دوسرے غریب نے کہا ﴿ اِنَّ لِیْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰی ﴾ کہ میری خاطر تو میرے پروردگار کے یہاں ہی بہترین سرمایہ ہے۔

اس کا علاج یہ ہے کہ آدمی سمجھ لے کہ جو کوئی بیٹے کو عزیز رکھتا ہے اور غلام و نوکر کو ذلیل تو وہ بیٹے کو سارا دن مکتب میں مشغول رکھتا ہے اور غلام کو یونہی چھوڑ دیتا ہے کہ جو چاہے کرے وہ غلام عیش و آرام کی زندگی گزارتا ہے کیونکہ آقا کو اس کی بدبختی کی پروا نہیں ہوتی اگر غلام یہ سوچے کہ آقا مجھے دوست رکھتا ہے اس لیے مجھے کچھ نہیں کہتا اور میں چین سے زندگی گزارتا ہوں اور یہ اپنے فرزند سے زیادہ میری مدد کرتا ہے تو یہ اس غلام کی حماقت ہے اللہ تعالیٰ

کی عادت یہی ہے کہ وہ اپنے دوستوں کو دُنیا عنایت کرنے سے دریغ رکھتا ہے اور اپنے دشمنوں کو خوب دیتا ہے اس کی آسائش و راحت کی مثال ایسی ہے جیسے اس شخص کی راحت جو سستی کی وجہ سے کھیت نہیں بوتا تو ظاہر ہے کہ وہ وقت پر کاٹے گا بھی نہیں۔

پانچویں مثال یہ ہے کہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے جنت عطا کرنے میں کسی سے دریغ نہیں کرے گا۔ یہ بے وقوف اتنا نہیں جانتا کہ اس سے زیادہ کیا کرم اور رحم ہو گا کہ تجھے اس کے اسباب عطا فرما دیئے ہیں کہ تو ایک دانہ زمین میں ڈال اور سات سو حاصل کر لے اور تھوڑی سی مدت عبادت کر اور ہمیشہ کے لیے راحت و آرام حاصل کر لے۔ اگر کرم اور رحم کے یہی معنی ہیں کہ بغیر بوئے تو کاٹ لے تو سوال یہ ہے کہ زراعت و تجارت اور طلب معاش میں کیوں مارا مارا پھرتا ہے یہاں بھی صبر اور بیکار وقت گزار کیونکہ اللہ کریم اور قادر ہے کہ بوئے بغیر گھاس پیدا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ﴾ (هود)

"اور زمین پر جو بھی جانور ہے اس کی روزی اللہ کے ذمہ ہے"

اس کے باوجود تو اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم پر یقین نہیں رکھتا اور محنت و مشقت کرتا ہے اور آخرت جس کے متعلق اللہ کا فرمان ہے کہ ﴿ اَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ﴾ (کہ انسان کو وہی ملے گا جو اُس نے کمایا) لیکن تو کہتا ہے کہ وہ رحیم و کریم ہے تو یہ بات از حد گمراہی کی ہے اس لیے جناب نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اَلْاَحْمَقُ مَنِ اتَّبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَتَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ))

"وہ شخص احمق ہے کہ اس کا نفس پیروی تو کرتا ہے خواہشات کی لیکن بھلی اُمیدیں رکھتا ہے اللہ سے"

اور کوئی شخص نکاح و جماع کے بغیر یا جماع کر کے انزال کے بغیر بچّہ کی اُمید رکھے تو اس کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ کریم ہے بغیر جماع و نطفہ فرزند پیدا کرنے پر قادر ہے مگر اسباب کے بغیر اُمید رکھنے والا احمق ہے اور جو شخص جماع کر کے بیج جمائے اور اُمیدوار ہو کہ اللہ تعالیٰ آفات سے محفوظ رکھے اور میرا لڑکا پیدا ہو وہ شخص عقلمند ہے علیٰ ہذا القیاس جو شخص ایمان نہ لائے یا ایمان لائے لیکن نیک کام نہ کرے اور اُمید نجات رکھے وہ احمق ہے اور جو ایمان بھی لائے اور نیک کام بھی کرے اور اللہ کے فضل کا اُمیدوار بھی ہو کہ وہی ذات موت کے وقت ایمان کی حفاظت کرے گی تو یہ شخص عقلمند ہے جو مغرور لوگ یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے یہاں اچھا رکھا تو وہاں بھی اسی طرح رکھے گا کہ وہ رحیم و کریم ہے وہ اس ذات حق پر غرہ کرتے ہیں اور جو دُنیا کو نقد اور یقینی کہتے ہیں اور آخرت کو ادھار اور مشکوک بتلاتے ہیں تو اللہ نے ان دونوں باتوں سے روکا ہے ارشادِ باری ہے:

﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ﴾

"اے لوگو تحقیق اللہ نے جو وعدہ کیا ہے وہ سچّا ہے پس تمھیں نہ تو دُنیا کی زندگی دھوکہ میں مبتلا کرے اور نہ ہی کوئی اور دھوکہ میں مبتلا کرنے والا اللہ کے معاملہ میں فریب کا شکار کرے"

پندار اور اس کا علاج

پندار والے لوگ دھوکہ کا شکار ہوتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو اپنی طرف اور اپنے عملوں کی طرف نیک گمان رکھتے ہیں اور ان کی آفت سے غافل رہتے ہیں اور کھرے کھوٹے میں اس وجہ سے تمیز نہیں کرسکتے کہ انھوں نے صرافی کے علم کی تکمیل نہیں کی۔ محض ظاہری رنگ پر دھوکہ کھا جاتے ہیں اور جو لوگ علم و عمل میں مشغول ہیں اور غفلت و ضلالت کے حجاب سے باہر نکل آئے ہیں ان میں سے سو میں سے ننانوے دھوکہ میں ہیں اسی لیے جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت آدم علیہ السلام کو فرمائیں گے کہ اپنی اولاد میں سے دوزخیوں کو چھانٹیں وہ عرض کریں گے کہ کتنوں میں سے کتنوں کو چھانٹوں۔ ارشاد ہو گا کہ ہزار میں سے نو سو ننانوے کو۔ یہ لوگ گو کہ ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہیں گے لیکن انھیں دوزخ میں جانا ضرور پڑے گا کیونکہ ان میں بعض تو اہل غفلت ہوں گے بعض اہل ضلال، بعض اہل غرور اور بعض اہل عجز جو اپنی خواہشات میں پھنسے رہے ہوں گے۔ اگر وہ یہ جانتے ہوں کہ ہم کوتاہی کرتے رہے ہیں۔

اہل پندار کی قسمیں تو بہت ہیں جن کا شمار مشکل ہے لیکن ہیں چار طبقوں میں منحصر! علماء، عباد، صوفی اور مالدار۔ پہلا طبقہ اہل پندار میں سے علماء کا ہے کہ ان میں سے بعض اپنی ساری عمر حصول علم میں گنوا دیتے ہیں تاکہ بہت علم حاصل کرسکیں لیکن معاملہ اور عمل میں قصور کرتے ہیں اپنے ہاتھ، زبان، آنکھ اور شرمگاہ کو گناہ سے نہیں بچاتے اور سمجھتے ہیں کہ ہم علم میں اس مرتبہ کو پہنچ گئے ہیں کہ ہم جیسوں کو عذاب نہیں ہو گا۔ اور کسی معاملہ میں ہماری گرفت نہیں ہو گی بلکہ ہماری ہی شفاعت پر مخلوق کی نجات کا دارومدار ہے ان کی مثال اس بیمار جیسی ہے جو اپنی بیماری سے متعلق معلومات حاصل کرے رات بھر مباحثہ اور تکرار کرے نسخے خوب لکھے اور بیماری کو خوب جاننے کے باوجود نہ تو دوا پیے نہ اس کی تلخی پر صبر کرے اسے خالی نسخہ بار بار پڑھنے سے ظاہر ہے کوئی فائدہ نہیں ہو گا اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ﴾ (الاعلی)

"یقیناً اس نے نجات پائی جس نے اپنے آپ کو پاک صاف کرلیا"

گویا نجات فقط وہ نہیں پائے گا جو پاکی اور صفائی کا علم سیکھ لے بلکہ نجات اسے ملے گی جو اپنے آپ کو پاک کرلے۔ نیز ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰىo فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ﴾ (النازعات)

"اور جس نے اپنے آپ کو خواہشات سے بچایا اس کا ٹھکانہ یقیناً جنت ہے"

یعنی جنت میں وہ جائے گا جو خواہشات سے بچے نہ کہ وہ جو اس کے علم سے واقف ہو کہ بچنا چاہیے اس سادہ لوح میں یہ پندار اور کج فہمی اگر ان حدیثوں سے پیدا ہوئی ہے جو علم کی فضیلت کے ضمن میں آئی ہیں تو ان احادیث اور آیات کو کیوں نہیں پڑھتا جو بے عمل علماء سے متعلق وارد ہوئی ہیں کیونکہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے ایسے عالم کی مثال اس گدھے کے ساتھ دی ہے جس کی پیٹھ پر کتابیں لدی ہیں اور ایسا عالم پتھر کی مانند ہے۔ رسول مقبول ﷺ فرماتے

ہیں کہ بے عمل عالم کو اس طرح جہنم میں ڈالیں گے کہ اس کی گردن اور پیٹھ ٹوٹ جائے گی اور آگ اسے اس طرح گھمائے گی جیسے گدھا چکی گھماتا ہے سب دوزخی اس کے اردگرد اکٹھے ہو جائیں گے اور پوچھیں گے کہ یہاں تم کون ہو؟ اور یہ کیسا عذاب ہے وہ کہے گا بھائیوں میں وہ ہوں جو دوسروں کو کہتا تھا لیکن خود عمل نہیں کرتا تھا اور حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اس عالم سے زیادہ کسی پر عذاب نہیں ہوگا جو اپنے علم پر عمل نہ کرے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جاہل پر ایک بار افسوس ہے اور بے عمل عالم پر سات بار۔ یعنی علم اس کے خلاف حجت و دلیل ہو گا کہ تو نے جان بوجھ کر گناہ کیا اور بعض علماء نے تو علم و عمل دونوں میں کوتاہی نہیں کی لیکن انھوں نے ظاہر پر زور دیا دل کی طہارت سے غافل رہے انھوں نے اپنے باطن سے بڑے اخلاق دور نہیں کیسے جیسے تکبر' حسد' ریا' طلب جاہ' لوگوں کی بدخواہی' ان کے رنج پر خوش ہونا' راحت پر رنجیدہ ہونا اور ان احادیث سے غافل رہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ذرہ سی ریا بھی شرک ہے اور جس کے دل میں ایک ذرہ بھی تکبر ہے وہ جنت سے محروم رہے گا۔ اور حسد ایمان کو ایسے تباہ کر دیتا ہے جیسے لکڑی کو آگ اور وہ لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمھاری صورت کو نہیں بلکہ دلوں کو دیکھتا ہے ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کی کھیتی اُگی تو ساتھ ہی کانٹے اور گھاس بھی نکل آئی اس کا فرض ہے کہ وہ ان زائد چیزوں کو جڑ سے نکال پھینکے تاکہ اصل کھیت طاقتور اور زور آور ہو وہ اوپر اوپر سے گھاس کاٹتا ہو اور جڑیں باقی ہوں تو جتنی کاٹے گا وہ اتنی ہی بڑھیں گی۔ بُرے اخلاق بُرے کاموں کی جڑ ہیں انھیں اُکھاڑ کر دور کرنا چاہیے بلکہ جو شخص ظاہری طور پر آراستہ و پیراستہ ہو لیکن اس کا باطن گندہ اور پلید ہو اس کی مثال سنڈاس جیسی ہے کہ باہر سے تو چونا گچ ہے اور اندر گندگی کا ڈھیر ہے یا جیسے قبر کہ باہر سے تو آراستہ ہے لیکن اندر مردار مردہ ہے یا جیسے اندھیرا مکان کہ اس کی دیوار کے پیچھے چراغاں ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بے عمل عالم کی مثال دے کر فرمایا کہ تم چھلنی کی مانند مت بنو کہ اس میں سے آٹا تو گر جاتا ہے بھوسی رہ جاتی ہے تم علم و حکمت کی باتیں تو کہہ دیتے ہو لیکن جو بُری بات ہے وہ تم میں رہ جاتی ہے اور بعض علماء جانتے ہیں کہ یہ بُرے اخلاق ہیں ان سے اِحتراز ضروری ہے دل کو پاک رکھنا چاہیے مگر جانتے ہیں کہ ہمارا دل تو ان اخلاق سے پاک ہے ہی یہ لوگ ان سے بڑھ کر ہیں جن سے یہ امور سرزد ہوں کیونکہ یہ سب سے زیادہ اس کی برائی جانتے ہیں۔ لیکن جب ان میں تکبر کا اثر پیدا ہوتا ہے تو شیطان ان سے کہہ دیتا ہے کہ یہ تکبر نہیں بلکہ دین کی عظمت ہے۔ اگر تمھاری ہی عزت نہ ہو گی تو اسلام کی بدنامی ہو گی ایسا شخص اچھا کپڑے پہنے سواری' ساز و سامان اور سامانِ آرائش کا اہتمام کرے تو شیطان کہہ دیتا ہے کہ یہ رعونت نہیں بلکہ دشمنانِ دین کی شکست و خفت ہے کیونکہ اہل بدعت علماء کی شان و شوکت سے مغلوب ہوتے ہیں۔ یہ علماء جناب سید المرسلین اور خلفاء راشدین کی سیرت کو بھول کر یہ سمجھتے ہیں کہ ان حضرات کے افعال و اطوار معاذ اللہ اسلام کی رُسوائی کا ذریعہ تھے اب ہماری شان و شوکت سے اسلام کو عزت نصیب ہو گی اور اگر ان میں حسد پیدا ہوتا ہے تو اسے دین کی صلابت کہہ دیتے ہیں۔ ریا پیدا ہوتی ہے تو اسے مخلوق کے ساتھ نیکی تصور کرتے ہیں کہ اس سے ان میں عبادت کا شوق پیدا ہو گا۔ بادشاہوں کے یہاں جاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ ظالم کے ساتھ فروتنی نہیں کیونکہ یہ تو حرام ہے بلکہ اس میں فائدہ ہے کہ مسلمانوں کی سفارش اور ان کی خیر خواہی کا موقعہ ملتا ہے۔ حرام کا مال لیتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ حرام کا نہیں لاوارث ہے اسے دین کے کاموں

میں خرچ کرنا چاہیے اور دین کے کام ہم سے متعلق ہیں۔ یہ عالم اگر انصاف سے کام لے اور نفع نقصان کا حساب لگائے تو وہ یہ جان جائے گا کہ دین کے واسطے اس امر سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں کہ مخلوق دُنیا سے مُنہ پھیر لے اور جو لوگ اس کی وجہ سے دُنیا کی طرف راغب ہوتے ہیں وہ ان لوگوں سے زیادہ ہیں جو دُنیا سے اِعراض کرتے ہیں تو اسلام تو ایسے علماء کے نیست و نابود ہونے سے وابستہ ہے اور اسلام کی بہبود اور مصلحت اسی میں ہے کہ ایسے بد باطن علماء ہوں ہی نہیں ایسے پندار اور غلط خیالات بہت ہیں ان کا علاج اور ان کی حقیقت ان فصلوں میں ہم بیان کر چکے ہیں جو پہلے گزریں اور بعض علماء نفسِ عِلم میں غلطی کرتے ہیں اور جو عِلم ضروری ہیں جیسے تفسیر' حدیث' تصوف' اَخلاق اور طریق ریاضت اور جو کچھ اس کتاب میں بیان کیا گیا ہے۔

اور آخرت کا عِلم دین کی راہ میں پیش آنے والی مشکلات اور مراقبہ' دِل کا طریقہ' یہ سب فرض ہیں لیکن انھیں سیکھتے اور جانتے بھی نہیں کہ یہ منجملہ علوم ہیں باقی جدل و مناظرہ۔ تعصب مذہبی جھگڑے کے مسائل میں فتاویٰ اور اس قسم کے علوم جو دُنیا سے آخرت' حرص سے قناعت' ریا سے اخلاص اور غفلت سے پرہیزگاری کی طرف نہیں بلاتے ان میں ساری عمر ضائع کر دیتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ بس یہی علوم ہیں اور جو لوگ علومِ باطنیہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ان کے متعلق کہہ دیتے ہیں کہ یہ عِلم کے منکر ہیں' ایسے پندار جن کا کوئی اعتبار نہیں کی تفصیل بہت لمبی ہے۔ احیاء العلوم (امام غزالی کی کتاب) کے باب الغرور میں تفصیلی ذکر ہے یہاں گنجائش نہیں۔ بعض علماء علم وعظ میں مشغول ہوتے ہیں ان کی باتیں مسجع اور نکات و مضامین واہیات ہوتے ہیں عبارت آرائی ہی ان کا مقصد ہوتی ہے کہ لوگ ان کی باتیں سن کر نعرہ ماریں اور تعریف کریں وہ اتنا نہیں جانتے کہ اصل نصیحت یہ ہے کہ آدمی کے اندر ایسی آگ بھڑک اُٹھے جو آدمی کو آخرت کی طرف متوجہ کر دے۔ پھر اس کی نوحہ گری میں مشغول ہو اور وعظ و نصیحت اس مصیبت کا نوحہ ہے مگر جو نوحہ اصل مقصد کی آگ نہیں بھڑکائے گا وہ گویا مانگی ہوئی بات ہو گی کسی کے دِل پر اثر نہیں کرے گی ان لوگوں میں مغرور عنصر بہت ہے جس کی تفصیل طویل ہے اور بعض علماء ظاہری فقہ میں وقت بسر کر دیتے ہیں وہ اتنا نہیں سمجھتے کہ فقہ کی تعریف اس سے زیادہ نہیں کہ جس قانون سے بادشاہ مخلوق کی خدمت کرے سیاسی معاملات چلائے اسے یاد رکھنا اور جو چیز آخرت کی راہ سے تعلق رکھتی ہے اس کا عِلم ہی اور ہے فقیہ جانتا ہے کہ جو بات ظاہری فقہ میں صحیح اور درست ہوتی ہے وہ آخرت میں فائدہ دے گی۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص سال کے آخر میں اپنے مال کا اپنی بیوی کے مال کے ساتھ تبادلہ کرے تو ظاہری فتویٰ یہ ہے کہ اس کے ذمہ سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی یعنی بادشاہ کی طرف سے جو محصل مقرر ہے اس کو اس سے وصولی کا حق نہیں پہنچتا کیونکہ اس کی نگاہ ظاہری مِلک پر ہوتی ہے اور جب سال ختم ہونے سے پہلے ظاہری مِلک ختم ہو گئی تو زکوٰۃ کس کی؟ فقیہ تو ممکن ہے یہی فتویٰ دے گا لیکن وہ یہ نہیں سمجھے گا کہ جو شخص زکوٰۃ سے بچنے کے لیے یہ حیلہ کرتا ہے وہ عالم الغیب کے غُصّہ میں گرفتار ہو گا۔ اسی طرح وہ بھی اللہ کی ناراضی کا شکار ہو گا جو زکوٰۃ ادا ہی نہ کرے کیونکہ بخل مہلک ہے اور زکوٰۃ کے ذریعہ بخل کی نجاست سے انسان کو نجات نصیب ہوتی ہے اور بخل وہ مہلک ہوتا ہے جس کی اطاعت کی جائے اور حیلہ بخل کی اطاعت کی ایک شکل ہے اور جب حیلہ کے ذریعہ بخل کی اطاعت کی تو ہلاکت پوری ہو چکی پھر وہ حیلہ کر کے نجات پائے گا۔ علی ہذا القیاس جو شخص اپنی بیوی کے ساتھ بدخوئی

کرے اور اسے ستائے حتیٰ کہ وہ صلح کر کے مہر لوٹا دے تو ظاہری فتویٰ کی رو سے درست ہے کیونکہ دُنیا کا قاضی تو زبان سے ہی کام لیتا ہے دِل کا راز اسے معلوم نہیں لیکن وَہ شخص آخرت میں ماخوذ ہو گا کیونکہ یہ خلع یہ جبر و اکراہ کیا گیا ہے علی ہذا القیاس۔ کوئی شخص کسی آدمی سے کوئی چیز برملا مانگے اور وہ آدمی شرم سے دے دے تو ظاہری فتویٰ کی رو سے مباح ہے لیکن فی الحقیقت یہ مصادرہ یعنی زبردستی لینے والی بات ہے اس لیے کہ ظاہری طور پر لاٹھی مار کر لینے میں اور شرم دلا کر لینے میں کوئی فرق نہیں۔ ایسی اور بہت سی باتیں ہیں تو جو شخص ظاہری فقہ کے سوا کچھ نہ جانتا ہو وہی اس پندار و غرور کا شکار ہوتا ہے اور دین کی باریکیوں سے محروم رہتا ہے۔

دوسرا فرقہ عابد زاہد لوگوں کا ہے ان میں بھی اہل پندار بہت ہیں بعض تو مغرور ہیں کہ محض فضائل کے سبب فرائض سے باز رہتے ہیں جیسے وہ شخص جو طہارت میں مبالغہ و وسوسہ کے سبب نماز بے وقت پڑھتا ہے اور والدین اور دوست احباب کو سخت سُست کہتا ہے اور پانی کی نجاست کا دُور کا گمان اس پر مسلط ہوتا ہے اور کھانے پر بیٹھتا ہے تو سمجھتا ہے کہ یہ سب چیزیں حلال ہیں اور ممکن ہے محض حرام سے بھی پرہیز نہ کرے۔ بغیر جوتی تو زمین پر پاؤں نہیں رکھتا لیکن حرام کھا جاتا ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کی سیرت سے ناآشنا ہے۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حرام میں مبتلا ہونے کے خوف سے ہم نے ستر قسم کے حلال ترک کر دیئے (یعنی کئی حلال کیونکہ ستر کا عدد ایسے ہی مواقع پر بولا جاتا ہے) اس احتیاط کے باوجود بدعقیدہ عورت کے برتن سے آپ نے وضو کر لیا پس جھوٹ موٹ کے عابد زاہد احتیاطی لقمہ کے بدلے طہارت میں احتیاط پر عمل کرتے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص دھوبی کا دھویا ہوا کپڑا پہن لے تو اسے بڑا گناہ تصور کرتے ہیں حالانکہ سید کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے کافر جو ہدیہ بھیجتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے بھی استعمال فرما لیتے۔ صحابہ علیہم الرضوان غنیمت میں حاصل شدہ کپڑا بے تکلف استعمال کر لیتے کسی نے دھو کر پہننے کی روایت نہیں کی۔ حتیٰ کہ کفار سے چھینے ہوئے ہتھیار کمر میں باندھ کر نماز پڑھ لیتے یہ کوئی نہ کہتا کہ جو پانی لوہے کو دیا ہو یا لاکھ جو قبضہ وغیرہ میں بھری ہو یا چمڑا جو اس پر منڈھا ہوا ہو شاید ناپاک ہو پس جو شخص پیٹ' زبان' ہاتھ پاؤں وغیرہ کے بارہ میں تو احتیاط نہ کرے اور کرے تو بس طہارت کے معاملہ میں وہ شیطان کا مسخرہ ہے بلکہ آدمی اگر ہر قسم کی احتیاط برتے اور پانی بہانے میں اسراف کرے یا اول وقت نماز نہ پڑھے تو یہ بھی مغرور ہے اس احتیاط کی شرط طہارت کے بیان میں ذکر ہو چکی۔ بعض عابد ایسے ہیں کہ انھیں نماز کی نیت میں وسواس غالب ہوتا ہے حتیٰ کہ نیت کرتے وقت آواز نکالتے ہیں ہاتھ جھٹکتے ہیں اور اس چکر میں ممکن ہے پہلی رکعت فوت ہو جائے۔ وہ اتنا نہیں جانتے کہ جیسے قرض ادا کرنے کی نیت ہے یا زکوٰۃ دینے کی نیت ہے ایسے ہی نماز کی نیت ہے اور ان لوگوں میں سے نیت میں وسواس کے سبب نہ کوئی دوبارہ قرض دیتا ہے نہ دوبارہ زکوٰۃ ادا کرتا ہے! بعض لوگوں کو سورۂ فاتحہ ادا کرنے میں وسواس ہوتا ہے حتیٰ کہ حروف مخارج سے نکالتے ہیں اور نماز میں ہمہ تن اس میں مشغول ہوتے ہیں کہ بس حروف مخارج سے نکلیں حالانکہ نمازی کو دِل قرآن کے معنوں میں لگانا چاہیے تاکہ الحمد کہتے وقت سراپا تشکر ہو جائے اور ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ کہتے وقت بالکل توحید و عجز کی کیفیت ہو جائے اھدنا کہتے وقت دِل تضرع اور زاری میں ڈوب جائے اور وہ دِل سے بالکل متوجہ کاہے کی طرف ہوا کہ اِيَّاكَ مخارج سے ادا ہو۔ اس قسم کا نمازی ایسا ہے جیسے کوئی بادشاہ سے اپنی حاجت عرض کرنا چاہتا ہو اور کہے یَا اَیُّھَا الْاَمِیْنُ پھر یہی کہے تاکہ "ایھا"

ٹھیک ٹھیک زبان سے ادا ہو اور لفظ "امیر" کا "میم" کماحقہ ادا ہو ایسا شخص خفت اُٹھائے گا اور سلطانی عتاب کا مورد بنے گا۔ بعض لوگ ہر روز ایک قرآن ختم کرتے اور جلدی جلدی پڑھتے ہیں وہ زبان کے بل دوڑتے ہیں لیکن ان کا دِل غافل رہتا ہے ان کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ بس گنتی میں ایک ختم آ جائے۔ تاکہ یہ کہنے کا موقعہ ملے کہ ہم نے اتنے قرآن ختم کیے اور سات منزلوں میں سے آج اتنی منزلیں پڑھ لی ہیں یہ جلد باز اتنا نہیں جانتے کہ قرآن کریم کی ایک ایک آیت مستقل گرامی نامہ ہے جو احکم الحاکمین نے اپنے بندوں کو لکھا اس میں امر و نہی وعدہ وعید مثال نصیحت خوف دلانا ڈرانا سبھی کچھ ہے۔ قرآن پڑھنے والے کو چاہیے کہ وعید کے محل پر سراپا خوف ہو جائے' وعدہ کے مقام پر سراپا خوشی بن جائے' مثل کے محل پر اعتبار کامل ہو جائے' وعظ کے مقام پر ہمہ تن گوش ہو جائے' خوف دِلانے کے وقت ہراس میں ڈوب جائے۔ یہ سب کیفیتیں دِل کی حالتیں ہیں پھر زبان کی محض نوک ہلائے جانے سے کیا فائدہ؟ ایسے شخص کی مثال اس آدمی کی سی ہے جسے بادشاہ خط لکھے اس میں احکام ہوں وہ مکتوب الیہ اس نامہ کو ازبر کرے اور "تلاوت" کیا کرے اور اس کے معنوں سے غافل ہو اور بعض لوگ حج کو جا کر کعبہ کے مجاور بن کر بیٹھ جاتے ہیں ' روزے رکھتے ہیں نہ دِل و زبان کی حفاظت کر کے روزہ کا حق ادا کرتے ہیں نہ پاسِ حرمت کر کے کعبہ معظمہ کا حق بجالاتے ہیں نہ رزقِ حلال کی فکر کر کے راستہ کا حق ادا کرتے ہیں ان کا دِل ہمیشہ مخلوق ہی کے ساتھ متعلق رہتا ہے کہ مخلوق ہمیں کعبہ کا مجاور جانے یہاں بیٹھا ہوا دیکھے پھر خود کہتے ہیں کہ ہم اتنی مرتبہ عرفات گئے اتنے برس بیت اللہ کے مجاور رہے یہ لوگ اتنا نہیں جانتے کہ اپنے گھر میں رہ کر کعبہ معلّی کا اشتیاق اس سے بہتر ہے کہ آدمی ہو تو وہاں لیکن شوق اپنے گھر کا ہو یا اس کا شوق ہو کہ لوگ یہ کہیں اور وہ کہیں اور طمع ہو کہ لوگ روٹی دے دیں جو لقمہ وہ اُٹھاتا ہے اس میں بخل پیدا ہو جاتا ہے اسے خوف ہوتا ہے کہ کوئی مجھ سے مانگ نہ لے۔ بعض لوگ زہد کا طریقہ اختیار کر کے موٹا جھوٹا کپڑا پہنتے ہیں کھانا کم مقدار میں کھاتے ہیں' مال میں تو زاہد رہتے ہیں لیکن جاہ و مقبولیت میں زاہد نہیں رہتے۔ مخلوق ان سے حصولِ برکت کی خاطر دُعائیں کراتی ہے اور یہ اس سے خوش ہوتے ہیں۔ مخلوق کی نظروں میں اپنے آپ کو آراستہ کر کے رکھتے ہیں اتنا نہیں جانتے کہ جاہ مال سے زیادہ نقصان دہ ہے اور جاہ کا ترک بہت دشوار ہے کیونکہ جاہ کی اُمید پر ہر تکلیف برداشت کرنا سہل ہو جاتا ہے۔ اصل زاہد وہ ہے جو جاہ کو ترک کر دے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ناپختہ زاہد کو کوئی شخص کچھ دے دے تو نہیں لیتا مبادا لوگوں کو اس کے زہد میں شبہ ہو جائے اگر اس سے کہا جائے کہ ظاہری طور پر لے لو اور چھپ چھپا کر فقیروں کو دے دینا تو ایسی بات مار ڈالنے سے زیادہ اس پر شاق گزرتی ہے۔ حلال مال بھی اس نظریہ سے نہیں لیتا کہ لوگ زہد میں شبہ کرنے لگیں گے۔ ایسا زاہد فقیروں کی نسبت امیروں کی زیادہ عزت کرتا ہے ان کی رعایت زیادہ کرتا ہے یہ سب باتیں غرور و نادانی کی ہیں اور ترک کر دینے کی ضرورت ہے۔

بعض لوگ سبھی قسم کے کام کرتے ہیں مثلاً ہر روز ہزار رکعت نماز' کئی ہزار تسبیح' شب بیداری' مسلسل روزے لیکن اس کے باوجود دِل کی رعایت نہیں کرتے اور برے اخلاق سے بچنے کی فکر نہیں کرتے ان کا باطن حسد و ریا اور کبر سے بھرا رہتا ہے ایسے آدمی بالعموم ترش رو اور بد خو ہوتے ہیں' اللہ کے بندوں کے ساتھ غصّہ سے بات کرتے ہیں گویا ہر کسی سے لڑ رہے ہوں اتنا نہیں جانتے کہ بری عادت تمام قسم کی عبادت کو برباد کر دیتی ہے اور اچھے اخلاق کی وہی مثال ہے جو افسر کی ہوتی ہے گویا یہ کم بخت عبادت کر کے اللہ پر احسان کرتا ہے اور باقی سب کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اپنے آپ کو مخلوق سے الگ تھلگ رکھتا

ہے تاکہ کوئی اسے چھو نہ جائے۔ وہ یہ نہیں سمجھتا کہ اللہ کے رسول بھی عابدوں اور زاہدوں کے سردار ہونے کے باوجود ملنسار اور ہنس مکھ تھے جو شخص میلا کچیلا ہوتا ہے اور لوگ اس سے الگ تھلگ رہتے ہیں آپ اس کے پاس بیٹھتے اور اس سے مصافحہ فرماتے ایسے کم بخت سے زیادہ احمق کون ہے جو اپنی دُکان کو اُستاذ کی دُکان سے زیادہ اُونچا سجانے کی کوشش کرتا رہے یعنی مُرشد برحق سے بڑھ جانے کا اپنے دل میں خیال لاتا ہے۔ یہ سیدھے سادھے لوگ حضور علیہ السلام کی شریعت کی پیروی کا تو دَم بھرتے ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کی پرواہ نہیں کرتے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب سے بڑی بیوقوفی ہے۔ تیسرا طبقہ صوفی حضرات کا ہے جتنا غرور اور پندار ان لوگوں میں ہوتا ہے اتنا کسی دوسرے فرقہ میں نہیں ہوتا کیونکہ راستہ جتنا باریک اور مقصد جتنا زیادہ عزیز ہوتا ہے شبہات اور دھوکے بھی اتنے ہی زیادہ ہوتے ہیں۔ راہِ تصوف کا پہلا قدم یہ ہے کہ سالک تین درجے حاصل کرلے ایک تو اس کا نفس مغلوب و مقہور ہو جائے۔ اس میں کسی قسم کی خواہش باقی نہ رہے اور نہ ہی غصہ آئے۔ یہ مقصد نہیں کہ غصہ اور خواہش کی جڑ کٹ جائے بلکہ مقصد یہ ہے کہ وہ مغلوب ہو جائے کہ شریعت کے حکم کے بغیر کوئی تصرف کی شکل باقی نہ رہے جس طرح جو قلعہ فتح ہوتا ہے اس قلعہ کے لوگوں کو فتح کرنے والے مار تو نہیں ڈالتے مگر وہ لوگ مطیع ضرور ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح گویا سالک کے سینہ کا قلعہ حاکم شریعت کے ہاتھوں فتح ہوگیا۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ دونوں جہاں سالک کے سامنے گم ہو جائیں۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ حس اور خیال کے عالم سے وہ گزر گیا ہو اس واسطے کہ جو چیز حس اور خیال میں آتی ہے اس میں بہائم تو شریک ہیں اور ایسی چیز آنکھ' شرمگاہ اور پیٹ کی شہوت کا غصہ ہوتا ہے۔ جنت حس اور خیال کی دُنیا سے باہر نہیں اور جو شے جنت پذیر ہوتی ہے اور خیال کو اس سے واسطہ و سروکار ہوتا ہے وہ اس کے نزدیک ایسی ہو جاتی ہے جیسے اس کے نزدیک گھاس ہوتی ہے جس نے سوزینہ اور بھنا ہوا مرغ پایا کیوں کہ سالک سمجھ چکا ہے کہ جو چیز خیال میں آتی ہے وہ بے قدر اور بے حقیقت ہوتی ہے اور یہ چیز بھولے بھالے اہل جنت کو نصیب ہوتی ہے اَکْثَرُ اَھْلِ الْجَنَّةِ الْبُلَهُ (اکثر جنتی بھولے بھالے ہوتے ہیں۔)

تیسرا درجہ یہ ہے کہ سالک کو جناب احدیث اور اس کے جلال و جمال نے بالکل گھیر لیا ہے کہ جہت' مکان اور حس و خیال سے اس کا کوئی بھی تعلق نہ رہا ہو بلکہ حس و خیال اور جو علم ان دونوں کے ذریعہ پیدا ہوتا ہے اس کا حال سالک کے ساتھ ایسا ہو جیسے آنکھ کا آواز کے ساتھ اور کان کا رنگوں کے ساتھ حال ہے یعنی اس سے بالکل لا تعلق اور بے خبر ہو جائے جب سالک اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو وہ کوچہ تصوف کے سرے پر پہنچ جاتا ہے۔ ان درجات کے علاوہ سالک کے اور بھی حالات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس سے متعلق ہیں جن کا بیان میں آنا دشوار ہے حتیٰ کہ بعض لوگوں نے انھیں یگانگی اور اتحاد سے تعبیر کیا ہے اور بعض لوگوں نے حلال کے ساتھ۔ جس شخص کا قدم علم میں راسخ نہ ہو اور وہ اس حال سے دوچار ہو جائے وہ اسے بیان نہیں کر سکتا بلکہ جو کچھ کہنے لگتا ہے وہ فی نفسہٖ صحیح ہونے کے باوجود صریح نظر آتا ہے۔ ہم نے یہ جو کچھ بیان کیا یہ تصوف کی راہ کا ایک شائبہ ہے اب تم نوحہ کرو کہ صوفی کس اُلٹی سمجھ اور دھوکے کا شکار ہیں ان میں سے کچھ تو وہ ہیں جنھوں نے مصلیٰ و گدڑی اور نفلی باتوں کے سوا کچھ نہ دیکھا نہ سنا اسے اختیار کر کے خام صوفیا کا لباس پہن کر ان کی ظاہری وضع بنائی ان کی طرح مصلیٰ پر بیٹھ کر گردن نیچی کرلی۔ وسوسے اور خیال کا شکار ہو کر سمجھ لیا کہ یہی تصوف ہے۔ ان کی مثال اس عاجز بڑھیا جیسی ہے جو سر پر ٹوپی اور جسم پر زرہ پہن کر ہتھیار سجا کر جنگ کے اندر

بہادروں کا اندازِ لڑائی اور رجز خوانی سیکھ لے وہ سپاہیوں کے تمام انداز سیکھ کر فوج میں اپنا نام لکھوانے بادشاہ کے پاس چلی جائے۔ لیکن بادشاہ ایسا ہو جو صورت اور ظاہر سے بڑھ کر دلیل طلب کرے یا اسے برہنہ کرنے کا حکم دے یا کسی جوانمرد کے ساتھ کشتی کی تجویز پیش کرے اور یہ دیکھ کر کہ یہ ضعیف بڑھیا ہے حکم دے کہ اسے ہاتھی کے پاؤں تلے کچل دو کہ کسی دوسرے کو دھوکہ نہ دے سکے اور نہ ہی وقت ضائع کرے اور ان میں بعض وہ صوفی ہوتے ہیں جو ان باتوں سے بھی قاصر ہیں کہ وہ صوفیوں کی ظاہری وضع اختیار کر سکیں اور پھٹے ہوئے کپڑے پہنیں (گدڑی) بلکہ پاکیزہ گدڑی اور باریک سرمئی لنگی پہن کر سمجھ لیں کہ کپڑے رنگ لیے تو بس مقصد حاصل ہو گیا۔ وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ وہ رنگ ان کے حال کے موافق تھا اور یہ کم بخت نہ تو مستغرق ہیں کہ کپڑے کو دھو نہ سکے اور نہ ہی مصیبت زدہ ہے کہ یہ رنگ اس کے حال کے موافق ہو اور نہ ہی پھٹے ہوئے کپڑے کو پیوند لگانے سے عاجز ہے کہ وہ گدڑی ہو جائے بلکہ وہ نئے نئے کپڑے قصداً پھاڑتا ہے تاکہ گدڑی بن جائے تو اس کم بخت سے تو ظاہر میں بھی ان صوفیا کی نقالی نہ ہو سکی کیوں کہ پہلے گدڑی پوش حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ تھے جن کے لباس میں چودہ پیوند لگے ہوئے تھے اور ان میں سے بعض پیوند چمڑے کے تھے اور ان میں سے بعض ایسے بھی صوفی ہوتے ہیں کہ گویا وہ چھوٹا اور پھٹا ہوا کپڑا بھی پہننے کے متحمل نہیں اسی طرح ادائے فرض اور ترکِ معاصی کے بھی وہ متحمل نہیں ہوتے لیکن اس پر طرہ یہ ہے کہ اپنے عجزِ قصور کے معترف بھی نہیں ہوتے کیونکہ شیطان اور نفسانی خواہشات میں پھنسے ہوتے ہیں حتیٰ کہ وہ کہنے لگتے ہیں کہ اصل تو دل کا معاملہ ہے ظاہر داری کو کیا دیکھنا؟ ہمارا دل ہمیشہ نماز میں مشغول رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ راز و نیاز سے ہمیں فرصت نہیں ملتی ہمیں ظاہری اعمال کی ضرورت نہیں کیوں کہ اس مشقت کا حکم ان ہی لوگوں کو ہے جو اپنے نفس کے اسیر ہوں ہمارا تو نفس ہی مُردہ ہے۔ ہمارا دین ۱۰ x ۱۰[1] حوض کی مانند ہو گیا ہے کہ ایسی چیزوں سے خراب نہیں ہوتا جب یہ لوگ عابدوں کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ یہ تو بیگاری ہیں۔ علماء کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ صاحب یہ تو باتوں میں پھنسے ہوئے ہیں اور انھیں حقیقت کا علم ہی نہیں۔ ایسے گمراہ قتل کے قابل ہیں ان کا خون بالاجماع جائز ہے اور بعض ایسے لوگ ہیں جو صوفیا کی خدمت پر مستعد ہوتے ہیں۔ حق خدمت یہ ہے کہ آدمی اپنا جان و مال ان حضرات پر قربان کر دے اور اپنے آپ کو ان کے عشق میں بھول جائے جب کوئی ان کے توسط سے مال حاصل کرتا ہے اور انھیں اپنا مطیع کرتا ہے کہ خود خادم مشہور ہو اور لوگ اس کی عزت و حرمت کریں اور جہاں سے ملے حرام حلال کا مال بٹور لے اور انھیں دے دے تاکہ ان کا بازار مندا نہ پڑے اور یہ پتہ بھی نہ چل سکے کہ یہ فریب محض ہیں۔

بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ریاضت کی تمام راہیں طے کر لیتے ہیں۔ اپنی خواہش کو مغلوب کر کے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں اور گوشہ میں بیٹھ کر ذکر الٰہی کرنے لگتے ہیں حتیٰ کہ انھیں کشف ہونے لگتا ہے کہ جس چیز کی

---

1. ایک فقہی اصطلاح : جس کا مقصد یہ ہے کہ اتنی مقدار کا حوض ہو تو وہ ماءِ کثیر ادرا سے ماءِ جاری کے حکم میں ہوتا ہے جس پر پلیدی اثر انداز نہیں ہوتی۔ اِس کی علامت یہ ہے کہ ایک کنارے سے پانی پلائیں تو دوسری طرف حرکت نہ ہو۔ [مترجم]

چاہتے ہیں خبر حاصل کر لیتے ہیں اگر کوئی جرم و قصور کرتے ہیں تو تنبہ ہو جاتی ہے اور ممکن ہے کہ انبیاء اور فرشتوں کو خواب میں دیکھنے لگیں اور اپنے آپ کو آسمان پر دیکھنے لگیں۔ اس کی حقیقت اگر صحیح ہو تو یہ سچے خواب کی مانند ہے لیکن وہ خواب سوئے ہوؤں کو خیال میں آتا ہے اور یہ حال جاگتوں کے خیال میں آتا ہے اور وہ شخص اس خیال کے سبب مغرور ہو کر کہتا ہے کہ جو کچھ زمین و آسمان میں ہے بارہا میرے سامنے پیش کیا گیا اور اُس نے یہ سمجھ لیا کہ ولایت کا آخری کام یہی ہے حالانکہ دنیا میں اللہ تعالٰی کی جو عجیب عجیب صنعتیں ہیں ان میں سے کسی کو بھی نہیں جانتا اور خیال یہ کرتا ہے کہ جو کچھ موجود ہے بس یہی ہے جو میں نے دیکھ لیا۔ یہ حال ہو جائے تو آدمی سمجھ لیتا ہے کہ میں درجہ کمال کو پہنچ گیا اور اس بات کی خوشی میں مشغول ہو کر مزید طلب میں کوتاہی کرنے لگتا ہے اور عین ممکن ہے کہ جو نفس مغلوب ہو گیا تھا وہ پھر زور پکڑنے لگے اور یہ سمجھ لے کہ میں ایسی چیزیں دیکھ چکا تو اپنے نفس سے مطمئن ہو گیا اور کمال کے درجہ کو پہنچ گیا۔ یہ بڑا دھوکہ ہے اس پر کسی قسم کا اعتماد نہ ہونا چاہیے اعتماد کی بات یہ ہے کہ اس کی طبیعت بدل جائے۔ خوشی سے شریعت کا ایسا تابع ہو جائے کہ اس میں کسی قسم کی کوتاہی باقی نہ رہے۔

شیخ ابوالقاسم گورگانی قدس سرہٗ کہتے ہیں کہ پانی پر چلنا' ہوا میں اُڑنا' غیب کی خبریں دینا کرامت نہیں بلکہ کرامت یہ ہے کہ آدمی امرالٰہی کا دل و جان سے پابند ہو کر شریعت کی اتباع کرنے لگے حتیٰ کہ حکم الٰہی کے خلاف اس سے کوئی بات سرزد نہ ہو یہی حالت اعتماد کے قابل ہے ورنہ ہوا میں اڑنے جیسی باتیں ممکن ہے شیطان کی طرف سے ہوں کیونکہ اسے بھی غیب کی خبر ہے اور کاہن و نجومی بھی بہتیری اس قسم کی باتیں معلوم کر لیتے ہیں اور ان سے عجیب و غریب کام وقوع پذیر ہو جاتے ہیں۔ اعتماد کی بات یہ ہے کہ تیری ہنسی اور خواہش مٹ جائے اور اس کے بدلے شریعت کی اتباع کا جذبہ پیدا ہو جائے پھر اگر تم شیر پر سوار نہیں ہو سکو گے تو پرواہ نہیں ہو گی کیونکہ غیظ و غضب کا وہ کتا جو تیرے اندر ہے جب تُو نے اسے پامال کر لیا اور اسے مقہور بنا لیا تو بڑے شیر کی سواری کر لی اور غیب کی خبریں نہ ہوئیں تو کیا پرواہ اس لیے کہ جب تو نے اپنے نفس کے عیب اور غرور کو پہچان لیا اور اس کی آفت و مکاری سے آگاہی حاصل ہو گئی تو تیرا عیب ہی غیب ہے عیب جاننے سے تو عیب دان ہو جائے گا اس طرح پانی پر نہ چل سکا یا ہوا میں نہ اُڑ سکا تو کوئی پرواہ نہیں کیونکہ جب حس اور خیال کے باہر کوئی مقام تجھ پر کھلا اور تو اس میں چل نکلا اور پانی پر چلنا اور ہوا میں اڑنا ہو گیا اگر ایک رات میں تو جنگل اور صحرا طے نہ کر سکے تو پرواہ نہیں کیونکہ جب دنیا کے جنگل اور میدانوں سے تو چھوٹ گیا اور دنیا کے معمولات و مشغولات پیچھے چھوڑ آیا تو تو نے بڑا دشوار گزار جنگل طے کر لیا۔ اگر کسی بڑے پہاڑ پر تم قدم نہیں رکھ سکتے کیا ہوا جب تم نے ایک مشتبہ درہم پر لات مار دی تو گھاٹی طے کر لی اس لیے کہ اللہ تعالٰی نے اسے قرآن عزیز میں گھاٹی فرمایا ہے ﴿ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴾

ان لوگوں کے غرور اور دھوکہ کے چند اقسام ہم نے بیان کر دیئے سب کا بیان کرنا طوالت کا موجب ہو گا۔

چوتھا طبقہ مالدار لوگوں کا ہے ان میں دھوکے اور الٹی سمجھ والے بہت ہیں اس لیے کہ بعض مالدار اپنا مال مسجد' پل اور سرائے وغیرہ میں صرف کرتے ہیں اور ممکن ہے کہ وہ مال حرام سے پیدا کیا گیا ہو اصل میں ان پر فرض یہ تھا کہ وہ مال مالک کو پلٹا دیتے انھوں نے وہ مال تعمیر میں صرف کر کے زیادہ گناہ کمایا اور یہ سمجھ لیا کہ ہم نے ثواب کا کام کیا اور بعض

لوگ لوگوں کے دکھانے کی خاطر مال خرچ کرتے ہیں ایک دینار صرف کر کے یہ چاہتے ہیں کہ ہمارا نام پتھر پر کندہ ہو جائے۔ اگر اس سے کہا جائے کہ اپنے بجائے کسی اور کا نام کھدوا دو کیونکہ اللہ تعالیٰ تو غیب جانتے ہیں تو ایسا کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ اس ریا کی علامت یہ ہے کہ اس کے عزیز اور پڑوسی محتاج ہوتے ہیں اور ایک ایک ٹکڑے کو ترستے ہیں تو مال انھیں دینا زیادہ بہتر ہے لیکن ایسا نہیں کریں گے کیونکہ انھیں دے کر یہ عبادت ان کی پیشانی میں لکھنی مشکل ہے کہ "اس کو فلاں شیخ نے بنایا اللہ اس کی عمر لمبی کرے"۔ اور بعض سرمایہ دار اخلاص سے مال تو خرچ کرتے ہیں مگر مسجد کے نقش و نگار میں صرف کر دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ بڑا نیک کام ہے حالانکہ اس سے دو برائیاں پیدا ہوتی ہیں ایک تو نماز میں لوگوں کا دِل نقش و نگار میں مشغول رہتا ہے اور خشوع و خضوع سے محروم ہو جاتا ہے دوسرے یہ کہ ویسے ہی نقش و نگار اپنے گھروں میں بنانے کی آرزو پیدا ہوتی ہے اور دنیا ان کی نظروں میں آراستہ و پیراستہ ہونے لگتی ہے اور وہ اسے بڑا کام سمجھنے لگتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب تم مسجد میں نقش و نگار اور قرآن پر سونا چڑھانے کا اہتمام کرو تو تم پر افسوس ہے مسجد کی آبادی کا سبب وہ دِل ہیں جو دولتِ خشوع و خضوع سے آراستہ ہوں اور دنیا کی نفرت سے پیراستہ ہوں اور جو چیز لوگوں کے دِلوں سے حضوری قلب اور خشوع کو روک دے اور دنیا کو آراستہ و پیراستہ کر کے دکھائے وہ مسجد کی ویرانی کا سبب ہے اس کم بخت نے نقش و نگار کر کے مسجد کو ویران کر دیا اور یہ سمجھ لیا کہ میں نے بڑا اچھا کام کیا ہے اور بعض امراء اپنے دروازے پر فقراء کے جمگھٹے کو بڑا عزیز رکھتے ہیں تاکہ شہر میں ان کا شہرہ ہو یا ایسے فقراء کو صدقہ دیتے ہیں جو لسان اور نامور ہوں یا حجاج کے قافلوں پر خرچ کرتے ہیں یا خانقاہ نشینوں کی خدمت کرتے ہیں تاکہ خرچ کی بات بکثرت پھیل کر لوگوں کی احسان مندی کا باعث بنے اگر ان سے کہا جائے کہ میاں چھپ چھپا کر یتیموں کو دے دو کہ یہ چیز اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے افضل ہے تو ایسا کبھی نہیں کریں گے کیونکہ انھیں لوگوں سے اپنی تعریف میں مزہ آتا ہے اور وہ اسے کارِ خیر تصور کرتے ہیں۔ حضرت بشر حافی قدس سرہٗ سے ایک شخص نے مشورہ کیا کہ میرے پاس دو ہزار درہم ہیں حج پر جانا چاہتا ہوں فرمانے لگے کہ تمھارا مقصد تماشا یا اللہ کی رضا ہے اُس نے کہا کہ اللہ کی رضا۔ فرمایا کہ دس محتاجوں کا قرض ادا کر دے یا دس یتیموں میں یہ رقم بانٹ دے یا کسی عیالدار کی خدمت کر دے کیونکہ جو راحت قلب مومن کو نصیب ہو گی فرض حج کے بعد سو حج سے افضل ہے اُس نے کہا کہ میں نفل حج کا شوق رکھتا ہوں فرمایا تو نے چونکہ بغیر مشقت مال کمایا ہے جب تک یونہی خرچ نہیں کرے گا تجھے چین نہیں آئے گا۔ بعض مالدار زکوٰۃ کے سوا ایک کوڑی بھی نہیں دیتے اور زکوٰۃ و عشر بھی ایسے لوگوں کو دیتے ہیں جو ان کے کاروبار میں رہتے ہوں جیسے معلم اور شاگرد تاکہ یہ لوگ جمع رہیں تو صاحب کی قسمت برقرار رہے جیسے وہ مدرس جو اپنے ہی طلبہ کو زکوٰۃ دے لیکن جب وہ پڑھنا کسی اور جگہ شروع کر دیں تو پھر دینا ترک کر دے گویا یہ وظیفہ و تنخواہ ہوتی ہے اور وہ خیال کرتا ہے کہ میں اس لیے دیتا ہوں کہ یہ میرا شاگرد ہے حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے یہ تو ہر مستحق کو دینی چاہیے اور کبھی ایسے لوگوں کو دیتا ہے جو بزرگوں کی خدمت میں رہتے ہیں اور ان کی سعی سے اور لوگوں کو بھی دیتا ہے تاکہ ان پر احسان ہو اور اتنی سی زکوٰۃ دے کر کئی مطالب پورے کر لیتا ہے اور کبھی محض شکریہ و تعریف کی اُمید رکھتا ہے' اس کے باوجود خیال کرتا ہے کہ میں نے زکوٰۃ دی اور بعض مالدار تو ایسے بخیل ہوتے ہیں کہ زکوٰۃ بھی نہیں دیتے مال جمع کرتے ہیں اور پارسائی کے

مدعی ہوتے ہیں۔ صائم الدھر اور قائم اللیل بھی ہوتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کو دردِ سر ہو اور وہ ایڑی میں دوا لگائے اس کم بخت کو سمجھنا چاہیے کہ تیری بیماری کا سبب بخل ہے زیادہ کھا کر اس کا علاج ممکن نہیں بلکہ زیادہ خرچ کرنا اس کا علاج ہے۔ بھوکوں مرنا اس کی دوا نہیں۔ مالداروں کو اس قسم کے دھوکے بہت ہوتے ہیں کسی قسم کا آدمی اس سے نہیں بچتا ہاں جس نے علم حاصل کیا جو اس کتاب میں ہے وہ بچ جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ علم سے عبادت کو ضائع کرنے والی چیزیں اور نفس کا فریب اور شیطان کا مکر معلوم ہو جائے گا تو اللہ کی محبت غالب آ جائے گی دنیا گم ہو کر رہ جائے گی ہاں بقدرِ ضرورت تو کوئی حرج نہیں ایسے آدمی کا دھیان ہر وقت موت کی طرف رہے گا اور وہ مرنے کے لیے ہر وقت مستعد رہے گا۔ یہ باتیں اسی کے لیے آسان ہوتی ہیں جس پر اللہ آسان کرے۔ واللہ اعلم



باب : ۴

ان چیزوں کا بیان جو نجات کا ذریعہ ہیں

اس باب میں بھی دس فصلیں ہیں ۱) توبہ ۲) صبر و شکر ۳) خوف و رجا ۴) فقر و زہد ۵) نیت و اخلاص ۶) محاسبہ و مراقبہ ۷) تفکر ۸) توحید و توکل ۹) شوق و محبت ۱۰) موت کو یاد کرنا اور آخرت کے حالات۔

فصل ۱ : توبہ کا بیان

توبہ کرنا اور اللہ کی طرف رجوع کروانا مریدوں کا پہلا کام ہے پہلا قدم اور سالک کی راہ کا سرا ہے کسی آدمی کو اس سے مفر نہیں اس لیے کہ پیدائش سے موت تک گناہوں سے پاک رہنا فرشتوں کا کام ہے اور تمام عمر گناہوں میں غرق رہنا شیطان کا۔ جبکہ نادم ہو کر توبہ کرنا اور معصیت کی راہ چھوڑ کر شاہراہِ عبادت میں قدم دھرنا آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کا کام ہے۔ جس آدمی نے توبہ کر کے پچھلے گناہوں کی تلافی کر لی اُس نے حضرت آدم علیہ السلام سے اپنی نسبت درست کر لی اور جس نے مرتے دم تک گناہوں پر اصرار کیا اُس نے شیطان سے اپنی نسبت مضبوط کر لی۔ تمام عمر مصروفِ عبادت رہنا آدمی کے بس میں نہیں اس لیے جب اللہ نے اسے پیدا کیا تو ناقص و بے عقل پیدا کیا اور نفسانی خواہشات جو شیطان کا آلہ ہیں پہلے انھی کو انسان پر مسلط کیا اور عقل جو خواہش کی دشمن اور ملائکہ کے جوہر کا نور ہے اسے بعد میں پیدا کیا کہ جب تک یہ پیدا ہو تب تک آدمی پر خواہش غالب آ جائے اور انسانی قلعہ یعنی سینہ پر بخوبی قبضہ جما لے اور نفس بھی اس کے ساتھ خوگر ہو جائے پھر جب عقل پیدا ہوئی تو توبہ اور جہاد کی حاجت محسوس ہوئی تاکہ اس قلعہ کو فتح کیا جا سکے اور اسے شیطان و شہوت کے قبضہ سے چھڑا لے اس لیے توبہ آدمیوں کے لیے ضروری اور لازم ہے اور سالکوں کا پہلا قدم ہے جب نورِ عقل اور نورِ شرع سے آدمی کی آنکھیں کھلیں اور غلط سلط میں تمیز کرنے لگے تو توبہ کے سوا کوئی چارہ نہیں پہلے توبہ کرنا ضروری ہے جس کا معنی یہ ہے کہ آدمی ضلالت کا راستہ چھوڑ کر ہدایت کے راستہ پر آ جائے۔

توبہ کی فضیلت اور اس کا اَجر و ثواب

اللہ تعالیٰ نے سبھی لوگوں کو توبہ کا حکم دیا ہے۔ ارشادِ باری ہے :

﴿ تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ (نور)

"اے مسلمانو! اللہ کی طرف رجوع کرو تاکہ تم فلاح و کامیابی حاصل کرو"۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص مغرب کی طرف سے آفتاب نکلنے سے پہلے توبہ کر گیا تو اس کی توبہ ضرور قبول ہو گی اور فرمایا کہ پشیمانی و ندامت ہی توبہ ہے اور فرمایا کہ راستے میں لاف زنی کی جگہ کھڑے نہ ہو کیونکہ بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ وہاں کھڑے ہوتے ہیں اور جو گزرتا ہے اس پر ہنستے ہیں اور جو عورت وہاں پہنچتی ہے اس کے ساتھ بری بری باتیں کرتے ہیں۔ وہ شخص وہاں سے نہیں ہٹتا تاوقتیکہ اس پر دوزخ واجب نہ ہو جائے مگر یہ کہ توبہ کر لے اور فرمایا کہ میں ہر روز ستر بار توبہ اور استغفار کرتا ہوں اور فرمایا کہ جو شخص توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ اُن فرشتوں کو بھلا

دیتے ہیں جنھوں نے وہ گناہ لکھنے ہوتے ہیں اور اس کے ہاتھ پاؤں کو بھلا دیتے ہیں جن سے وہ گناہ کیے تھے اور اس جگہ کو بھی بھلا دیتے ہیں جہاں وہ گناہ سرزد ہوئے تھے تاکہ جب وہ شخص احکم الحاکمین کے سامنے حاضر ہو تو اس کے گناہ کا کوئی گواہ نہ نکلے اور فرمایا کہ اس سے پہلے کہ اس کے حلقوم میں جان آ جائے تو جو بندہ توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنا دست کرم اس شخص کے لیے پھیلائے ہوئے ہیں جس نے دن کو گناہ کیا ہو' تاکہ وہ رات کو توبہ کرے اور میں قبول کرلوں اور اس شخص کے واسطے جس نے رات کو گناہ کیا ہو تاکہ وہ دن کو توبہ کرے اور میں قبول کروں۔ یہ دست شفقت اس وقت تک کھلا رہے گا جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں دن بھر میں سو بار توبہ کرتا ہوں اور حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص گناہ سے توبہ کرتا ہے وہ ایسا ہے جس نے کبھی گناہ کیا ہی نہیں اور فرمایا کہ گناہ سے توبہ کا معنی یہ ہے کہ پھر اس گناہ کے قریب بھی نہ جائے اور فرمایا اے عائشہ! جو اللہ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ فَرَّقُوْا دِیْنَھُمْ وَ کَانُوْا شِیَعًا ﴾ (الانعام) اس سے اہل بدعت مُراد ہیں۔ ہر گناہ گار کی توبہ قبول ہوتی ہے لیکن بدعتی قبول توبہ سے محروم رہتا ہے میں ان سے بیزار ہوں' وہ مجھ سے بیزار ہیں اور فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آسمان پر گئے تو انھوں نے زمین پر دیکھا کہ ایک مرد عورت کے ساتھ بدکاری میں مشغول ہے۔ آپ نے بددعا کی اور وہ ہلاک ہو گئے۔ پھر دوسرے کو گناہ کرتے دیکھا تو اس کے لیے بھی بددعا کی۔ اس پر وحی نازل ہوئی کہ ابراہیم میرے بندوں سے درگزر کرو کیونکہ ان تین کاموں میں سے ایک تو ہو کر رہے گا یا تو وہ توبہ کرے گا اور میں قبول کروں گا یا معافی مانگے گا اور میں بخش دوں گا یا ان کے کوئی اولاد ہو گی جو میری بندگی و عبادت کرے گی۔ اے ابراہیم تمھیں معلوم نہیں کہ میرا نام صبور ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جناب سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جس بندے کو گناہ پر نادم جانتا ہے اسے بخشش مانگنے سے پہلے بخش دیتا ہے۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مغرب کی طرف ایک دروازہ ہے جس کی چوڑائی ستر یا چالیس برس کے سفر کے برابر ہے۔ جس دن زمین و آسمان پیدا کیے گئے وہ توبہ کے لیے کھلا ہے اور جب تک مغرب کی طرف سے سورج طلوع نہ ہو گا کھلا رہے گا اور فرمایا کہ دو شنبہ (پیر) اور جمعرات کے دن بندوں کے اعمال پیش کیے جاتے ہیں جس نے توبہ کی ہوگی اس کی توبہ قبول ہو گی۔ جو بخشش چاہتا ہے اس کی مغفرت ہو جاتی ہے اور جن کے دِلوں میں کینہ ہوتا ہے وہ اسی طرح گنہگار چھوڑ دیئے جاتے ہیں اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ سے اس بدوی کی نسبت زیادہ خوش ہوتے ہیں جسے خطرناک جنگل میں نیند آ جائے اس کے پاس ایک اونٹ ہو جس پر اس کا زادِ راہ اور سرمایہ لدا ہو۔ جب جاگے تو اونٹ موجود نہ ہو گھبرا کر اُٹھے اور سرگرمی سے اس کو تلاش کرنا شروع کر دے اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے یہ حال ہو جائے کہ بھوک پیاس کے سبب موت کا خطرہ لاحق ہو جائے۔ وہ بیزار ہو کر اپنی جگہ پلٹ آئے کہ مرنا ہے تو وہیں مرجائے اور مرنے کے لیے تیار ہو کر بازو پر سر رکھ کر سو جائے۔ اچانک آنکھ کھلے تو اونٹ اسی طرح لدا پھندا سامنے موجود ہو۔ اللہ کا شکر ادا کرنا چاہے اور خوشی میں یہ کہنے کے بجائے کہ تُو میرا رب اور میں تیرا بندہ ہوں' یہ کہنے لگے کہ تُو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں۔ یہ اَعرابی بدوی اپنے لٹے ہوئے سرمایہ کو پا کر جتنا خوش ہوتا ہے اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو اپنے گنہگار بندے کی توبہ

سے خوشی ہوتی ہے۔

توبہ کی حقیقت

ایمان و معرفت کا جو نور پیدا ہوتا ہے وہ توبہ کی اصل ہے۔ اس نور کے سبب آدمی دیکھتا ہے کہ گناہ زہر قاتل ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ اس زہر سے میں نے بہت کھالیا اور اب ہلاکت کے قریب ہوں تو خواہ مخواہ پریشانی اور ہراس پیدا ہوتا ہے جیسے وہ آدمی جس نے زہر کھالیا اور پشیمان ہوتا ہے اور ڈرتا ہے اور اس پشیمانی کے سبب انگلی حلق میں ڈال کر قے کرتا ہے اور اس پر اس کی وجہ سے دوائی' فکر و تدبیر کرتا ہے تاکہ زہر کا اثر جاتا رہے۔ اسی طرح مجرم جب دیکھتا ہے کہ میری شہوت پرستی زہریلے میوے اور شہد کی مانند تھی کہ اس وقت تو مٹھاس معلوم ہوتی تھی اور اب سانپ کی طرح ڈستی ہے تو وہ گزشتہ دَور کی غلطیوں پر پشیمان ہوتا ہے۔ اس کی جان میں خوف کی آگ لگ جاتی ہے۔ اپنے آپ کو ہلاک اور تباہ حال سمجھتا ہے۔ خواہش و گناہ کی جو حرص ہے وہ خوف و پشیمانی کی آگ میں جل جاتی ہے اور خواہش حسرت سے بدل جاتی ہے اور ارادہ کرتا ہے کہ گزرے دور کی تلافی کروں اور آئندہ اس کے قریب نہ جاؤں۔ پھر وہ جفا کا لباس اتار کر وفا کی بساط بچھاتا ہے اور اپنی حرکات و سکنات کو بدل دیتا ہے جس طرح اس سے قبل سراپا فخر و غرور اور غفلت و خوشی میں تھا اب ہمہ تن گریہ و حسرت ہو جاتا ہے۔ پہلے اہل غفلت اس کے یار باش تھے اب اہل معرفت کی مجالس ڈھونڈتا ہے۔ تو توبہ فی نفسہٖ پشیمانی ہے جس کی اصل معرفتِ نور ہے اور اس کی فرع حالات کو بدلنا اور معصیت و مخالفت سے طاعت و موافقت کی طرف اپنے آپ کو منتقل کرنا ہے۔

ہر شخص پر ہر وقت توبہ واجب ہے

ہر شخص پر توبہ کا واجب ہونا یوں معلوم ہو گا کہ تم معلوم کر لو کہ جو شخص بالغ ہو' اگر تو وہ کافر ہے تو اس پر کفر سے توبہ واجب ہے۔ مسلمان ہے تو دیکھنا ہو گا کہ اس کا اسلام محض آباؤ اجداد کی تقلید و پیروی کے سبب ہے کہ زبان سے کلمہ پڑھنا لیکن دِل سے غافل ہے تو اس پر غفلت سے توبہ واجب ہے اور اسے چاہیے کہ دِل سے ایسے کام کرے کہ اس کا دِل حقیقت ایمان سے لبریز ہو جائے۔ اس سے ہمارا مقصد یہ نہیں کہ عِلم کلام (وہ عِلم جس میں عقائد سے بحث ہوتی ہے) کی دلیلیں سیکھے کیونکہ ان کا سیکھنا سب پر واجب نہیں بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ ایمان کی دلیل و برہان اس کے دِل پر غالب آ جائے اور فقط اسی کی حکومت رہے۔ اسی کی حکومت اس وقت ہو گی کہ جو کچھ تن اور جسم میں ہوتا ہے سب ایمان کے احکامات کا پابند ہو جائے۔ شیطان کے حکم سے کوئی کام نہ کرے جب گناہ سرزد ہوتا ہے تو ایمان کامل نہیں رہتا۔ جیسا کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص زنا اور چوری کرتا ہے وہ زنا اور چوری کے وقت ایماندار نہیں رہتا اس سے آپ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس وقت کافر ہو جاتا ہے لیکن ایمان کی شاخیں اور ٹہنیاں بہت ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی سمجھ لے کہ زنا زہر قاتل ہے اور کوئی شخص زہر کو زہر جان کر نہیں کھاتا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ زنا کے وقت سلطانِ شہوت نے اس کے ایمان کو شکست دے دی (معاذ اللہ) یا غفلت کے سبب ایمان غائب ہو گیا ہو گا یا نورِ امان

ظلمت شہوت کے دھوئیں میں چھپ گیا ہو گا۔

اے عزیز! تم نے یہ تو جان لیا کہ پہلے کفر سے توبہ واجب ہوتی ہے اگر کفر نہ ہو تو تقلیدی ایمان سے توبہ واجب ہے اور جب اِس سے بھی توبہ کر لی تو خطرہ ہے کہ گناہ سے خالی نہیں رہے گا تو گناہ سے توبہ واجب ہو گی۔ اگر اپنے ظاہر کو صاف کر لیا تو باطن میں گناہ کا تخم موجود ہو گا جیسے کھانے گفتگو کرنے کی حرص، مال و جاہ کی محبت اور کبر و ریا وغیرہ کہ یہ ہی چیزیں گناہوں کی جڑ ہیں۔ ان سب سے توبہ لازم ہے تاکہ ان میں سے ہر ایک حد اعتدال پر رہے اور ان خواہشات کو عقل اور شریعت کا مطیع کر لے۔ یہ بات بڑے مجاہدے اور ریاضت سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر ان سے بھی نجات مل گئی تو وسوسے اور نفسانی باتوں، نیز باطل خیالات کا خطرہ ہے، ان سے بھی توبہ واجب ہے۔ ان سے نجات ہو جائے تو اللہ کی یاد میں بسا اوقات غفلت ہو جاتی ہے۔ اس سے توبہ لازم ہے۔ اللہ تعالیٰ کو بھول جانا اگرچہ لحہ بھر کے لیے ہو سب قصوروں اور گناہوں کی جڑ ہے۔ اس سے توبہ نہایت ضروری ہے۔ اگر بالفرض آدمی فعل ذکر و فکر میں مشغول رہتا ہے اور کبھی غافل نہیں ہوتا تو اس کے مختلف درجات ہیں۔

ایک درجہ تو یہ ہے کہ اپنے سے بلند مرتبہ اور کامل انسانیت کی نسبت ناقص ہوتا ہے۔ باوجودیکہ کامل کے مقام پر پہنچنا ممکن ہے لیکن اگر اس درجہ پر وہ قناعت کر کے بیٹھ جائے تو یہ نقصان کی بات ہے۔ اس سے توبہ ضروری ہے۔ وہ جو حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں دن بھر ستر ستر بار توبہ و استغفار کرتا ہوں وہ یہی بات ہو گی کیونکہ ہمیشہ ترقی آپ کا مقصد تھی تو جس مقام پر قدم مبارک پڑتا ہو گا وہاں ایسا کمال دیکھتے ہوں گے کہ پہلا قدم اس کی بہ نسبت ناقص معلوم ہوتا ہو گا تو اس پہلے قدم سے توبہ و استغفار فرماتے ہوں گے کیونکہ اگر کوئی شخص ایسا کام کرے جس سے ایک دام حاصل ہو سکتا ہے تو ایک دام حاصل کر کے خوش تو ہوتا ہے اور اگر معلوم ہو جائے کہ میں تو ایک دینار حاصل کر سکتا تھا اور میں نے دام پر قناعت کر لی تو ظاہر ہے کہ اسے رنج ہو گا اور اپنی تقصیر و کوتاہی پر نادم ہو گا۔ حتیٰ کہ جب دینار حاصل کر لیتا ہے تو خوش ہو کر سمجھتا ہے کہ اس سے آگے کچھ نہیں لیکن جونہی معلوم ہوتا ہے کہ میں ہزار دینار کا قیمتی موتی حاصل کر سکتا تھا تو اپنی کوتاہی پر نادم ہوتا ہے۔ اسی لیے اکابر نے فرمایا ہے کہ "حَسنات الابرارِ سیئاتُ المقربین" یعنی پارسا لوگوں کا حال بزرگ لوگوں کے حق میں نقصان ہے کہ وہ اس سے استغفار اور توبہ کرتے ہیں۔

س کہا جا سکتا ہے کہ کفر اور گناہ سے تو توبہ ہوئی لیکن غفلت اور بزرگانہ درجات کے سلسلہ میں جو تفصیل بیان ہوئی وہ فضائل تو ہو سکتے ہیں واجب نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ:

ج واجب کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ ہے جسے ظاہری فتویٰ کے اعتبار سے عوام کے درجہ کے مطابق اس قدر کہہ سکتے ہیں کہ اگر عوام اس میں مشغول ہوں تو دنیا ویران نہ ہو، یہ واجب مخلوق کو دوزخ کے عذاب سے بچانے کا ذریعہ ہے۔ دوسرا واجب وہ ہے کہ عوام اس کی طاقت نہیں رکھتے جو اس پر قائم نہیں رہے گا وہ دوزخ کے عذاب سے تو چھوٹا رہے گا مگر بلند مرتبہ کے حاصل نہ ہونے کی حسرت سے نہ بچ سکے گا۔ قیامت کے دن ایک گروہ کو اس طرح دیکھے گا جس طرح آسمان کے ستارے تو حسرت ہو گی اور یہ بھی ایک عذاب ہے جو ناقص رہ جانے کے سبب محسوس کرے گا۔ اس توبہ کو ہم نے واجب اس لیے کہا کہ اگر توبہ کر لی تو اس حسرت سے بچ جائے گا۔ جس طرح ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ

کسی کے یارباش کو مدارج میں ترقی حاصل ہوتی ہے تو دوسرے پر دنیا تنگ ہو جاتی ہے۔ اور غبن (رائے اور تدبیر میں غلطی کا واقع ہونا) وحسرت کی آگ سے اس کی جان سلگتی ہے۔ اگرچہ یہ شخص لاٹھیاں کھانے' ہاتھ کاٹنے اور جرمانہ کی سزا سے تو بچ گیا لیکن مدارج کی ترقی نہ ملی۔ اس لیے قیامت کے دن کو یوم التغابن کہتے ہیں اس لیے کہ وہاں کوئی شخص غبن سے خالی نہ ہو گا۔ جس نے بالکل عبادت نہ کی وہ پچھتائے گا کہ کیوں نہ کی اور جس نے کی وہ افسوس کرے گا کہ زیادہ کیوں نہ کی۔ اسی لیے انبیاء و اولیاء کا طریقہ یہ ہے کہ جو کر سکے کیا تاکہ قیامت میں اپنی کوتاہی کی حسرت نہ رہے۔
معترض یہاں کہے گا کہ جناب سرور کائنات ﷺ اپنے آپ کو قصداً بھوکا رکھتے حالانکہ آپ جانتے تھے کہ روٹی کھانا حرام نہیں حتیٰ کہ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ کے شکم مبارک پر ہاتھ پھیرا تو مجھے رحم آیا میں رونے لگی اور عرض کیا کہ میری جان آپ پر قربان ہو' اگر آپ سیر ہو کر کھانا تناول فرمالیں تو کیا حرج ہے۔ فرمایا کہ عائشہ میرے اولوا العزم بھائی جا چکے ہیں۔ انہوں نے بزرگی و سرفرازی کی خلعت حاصل کرلی۔ میں ڈرتا ہوں کہ دنیا سے کوئی حصہ پالیا تو ان کے درجات سے میرا درجہ گھٹ جائے گا۔ اپنے بھائیوں سے کم رہنے کی نسبت چند روزہ صبر آسان ہے۔
حضرت عیسیٰ علیہ السلام سر کے نیچے پتھر رکھ کر لیٹے ہوئے تھے۔ ابلیس نے کہا' آپ علیہ السلام نے تو دنیا ترک کردی تھی۔ اب پچھتاتے کیوں ہیں۔ فرمایا کہ میں نے کیا کیا اُس نے کہا کہ پتھر جو سر کے نیچے رکھا ہے۔ آپ علیہ السلام نے اُٹھا کر پھینک دیا اور فرمایا کہ میں نے اس کو بھی باقی دنیا کے ساتھ تیرے لیے چھوڑ دیا۔ حضور علیہ السلام کے نعلین مبارک میں نیا تسمہ لگا ہوا تھا۔ وہ آپ ﷺ کو پسند آیا تو فرمایا اِسے نکال کر پرانا تسمہ ڈال دو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے دودھ جو نوشِ جان فرمایا تو اس میں اشتباہ معلوم ہوا۔ حلق میں انگلی ڈال کر اتنی قے کی کہ دودھ کے ساتھ آپ کی جان کا خوف پیدا ہو گیا۔ یہاں معترض کہے گا کہ انھیں معلوم نہ تھا کہ عوامی فتویٰ کی رو سے قے واجب نہیں۔ عوام کا فتویٰ اور ہے اور صدیقین کے کام کا کھٹکا دوسرا ہے۔ آپس میں انھیں کوئی نسبت نہیں۔ اللہ کی مخلوق میں اس کو پہچاننے والے نیز راہِ خدا کی مشکلات و خطرات اور شیطانی مکروں کو جاننے والے بہت تھے۔ اس لیے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ انھوں نے یہ محنتیں بلاوجہ کی ہیں۔ انسان کو اپنے بڑوں کی اقتدا کرنی چاہیے اور عوامی فتووں سے احتراز کرنا چاہیے کہ یہ کہانی ہی دوسری ہے

ع چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

اس تقریر سے یہ معلوم ہوگیا کہ انسان کسی حال میں بھی توبہ سے بے پرواہ نہیں۔ اسی وجہ سے حضرت سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ انسان اگر کسی چیز پر نہ روئے اور فقط اس زمانے کا ماتم کرے جو اُس نے ضائع کیا تو مرتے دم تک یہی رنج کافی ہے تو اس شخص کا کیا حال ہو گا جو گزرے دَور کی طرح آئندہ وقت بھی ضائع کرتا ہے۔ یاد رکھو جو شخص نایاب موتی اپنے پاس رکھتا ہے وہ اگر ضائع ہو جائے تو اسے رونا زیب دیتا ہے اور اگر ضائع ہونے کے ساتھ ساتھ مصیبت وعذاب بھی سر پر پڑ جائے تو اور رونا پڑے گا۔ زندگی کا ہر سانس ایک قیمتی موتی ہے جس کے سبب انسان سعادتِ اَبدی کے ہما کو شکار کر سکتا ہے۔ جو شخص اس عزیز وقت کو گناہوں میں صرف کرے گا جو اس کی ہلاکت کا سبب ہو تو اگر اسے مستقبل کی مصیبت کی خبر ہو تو اس کا کیا حال ہو گا مگر یہ مصیبت ایسی ہے کہ آدمی اس سے اس وقت مطلع ہوتا ہے جب حسرت و ندامت کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے کتنی صحیح بات فرمائی :

﴿ وَاَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُوْلَ رَبِّ لَوْلَا اَخَّرْتَنِيْ اِلٰى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ﴾ (منافقون)

"اور خرچ کر لو اس سرمایہ سے جو ہم نے تمھیں دیا۔ اس سے قبل کہ تم میں سے کسی کے پاس موت آ جائے پھر وہ کہے کہ اے میرے رب مجھے تھوڑی دیر کی مہلت دے دے"

اہل علم نے کہا ہے کہ اس کا معنی یہ ہے کہ مرتے وقت بندہ "ملک الموت" کو دیکھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کوچ کا وقت آ گیا تو اس کے دل میں حسرت پیدا ہوتی ہے' اتنی جس کی کوئی حد نہیں اور کہتا ہے اے فرشتۂ اجل مجھے ایک دن کی مہلت دے دے کہ میں توبہ کر لوں۔ فرشتہ کہتا ہے کہ تجھے بہت مہلت دی گئی اب تیری زندگی کا کوئی دن باقی نہیں۔ وقت مقررہ آ پہنچا وہ ایک ساعت کی مہلت مانگتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ بڑی ساعتیں گزریں اب کوئی ساعت نہیں۔ ناامید ہوتا ہے تو اس کے ایمان میں اضطراب کی لہر اُٹھتی ہے اگر معاذ اللہ ازل سے شقاوت کا حکم ہو چکا ہے تو وہ اس دنیا سے اسی حالت پر چلا جاتا ہے اور بدبخت قرار پاتا ہے لیکن اگر ازل سے سعادت کا حکم ہو چکا ہے تو اصل ایمان سلامت رہتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّئَاتِ حَتّٰى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْاٰنَ ﴾ (النساء)

"جو لوگ گناہ کرتے ہیں ان سے قبولِ توبہ کا وعدہ نہیں ہے یہاں تک کہ جب موت آ پہنچتی ہے ان میں سے کسی کے پاس تو کہتے ہیں کہ اب توبہ کرتا ہوں"

اکابر کا کہنا ہے کہ ہر بندہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دو راز ہیں۔ ایک اس وقت جب بندہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے بندے میں نے تجھے پاک صاف پیدا کیا۔ تیری عمر بطور امانت تیرے سپرد کی۔ خبردار ہوش رکھنا کہ موت کے وقت یہ امانت واپس کرنی ہے۔ دوسرا راز موت کے وقت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تو نے اس امانت میں کیسا تصرف کیا اگر حفاظت کی ہے تو جزا پائے گا ورنہ دوزخ تیری منتظر ہے' تیار رہ۔

قبولِ توبہ کا بیان

توبہ جب اپنی شرائط کے ساتھ ہوتی ہے تو بفضلہٖ ضرور قبول ہوتی ہے۔ جب توبہ کرو تو اس کے قبول ہونے میں شک نہ کرو۔ البتہ اس میں ضرور شک کرو کہ شرائط پوری ہیں یا نہیں؟ جس شخص نے آدمی کے دل کی حقیقت پہچان لی کہ وہ کیا ہے اور اس کا بدن سے کیا تعلق ہے اور بارگاہِ قدس میں کیا مناسبت ہے اور اللہ کی بارگاہ سے حجاب کا سبب کیا ہے تو اسے کوئی شک نہیں رہتا کہ گناہ ہی حجاب کا سبب ہے اور توبہ حجاب کے اُٹھ جانے کا سبب ہے۔ توبہ قبول ہونے کی علامت یہی ہے کیونکہ دِل اصل میں ملائکہ کی جنس سے ایک پاک موتی ہے اور آئینہ کی مانند ہے مگر اِس دنیا سے زنگ کے بغیر صاف شفاف چلا جائے تو حضرت الہیت اس میں نظر آتی ہے۔ آدمی گناہ کرتا ہے تو اس کے سبب آئینہ دِل پر ظلمت چھا جاتی ہے اور ہر عبادت و نیکی کے سبب ایک نور دِل میں پیدا ہوتا ہے اور گناہ کی ظلمت کو دُور کرتا ہے۔ عبادت

کے انوار اور معصیت کی تاریکیاں دِل کے آئینہ پر پے بہ پے آتی ہیں۔ ظلمت جب بڑھ جاتی ہے اور آدمی توبہ کرتا ہے تو نیکی کے انوار اس ظلمت کو دُور کر دیتے ہیں اور دِل اپنی پاکی و صفائی کی طرف پلٹ آتا ہے۔ ہاں آدمی نے گناہوں پر اتنا اصرار کیا ہو کہ زنگ جوہرِ دِل میں پہنچ گیا ہو اور ایسی شکل ہو گئی ہو کہ علاج اثر ہی نہ کرے جیسے وہ آئینہ جس کے اندر زنگ سرایت کر جائے' ایسا دِل توبہ نہیں کر سکتا۔ آدمی زبان سے کہتا ضرور ہے لیکن فائدہ نہیں ہوتا۔ جس طرح میلا کپڑا صابن سے صاف ہو جاتا ہے اسی طرح دِل بھی عبادت کے انوار کے سبب معاصی کی ظلمت سے پاک ہو جاتا ہے۔ اسی لیے جناب رسول مقبول ﷺ نے فرمایا کہ ہر بدی کے بعد نیکی کر' تاکہ نیکی اس بدی کو محو کر دے اور فرمایا کہ اگر تم اتنے گناہ کرو کہ آسمان تک پہنچ جائیں پھر توبہ کرو تو بھی توبہ قبول ہو جاتی ہے اور فرمایا کہ کوئی بندہ ایسا ہو گا کہ گناہ کے سبب جنت میں جائے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یہ کیونکر ہو گا؟ فرمایا کہ وہ گناہ کر کے پشیمان ہو اور جنت جانے تک وہ پشیمانی اس کے پیش نظر رہے۔ اسلاف کا کہنا ہے کہ ابلیس توبہ کرنے والے کے حق میں کہتا ہے کہ کاش میں اسے اس گناہ میں مبتلا نہ کرتا۔

جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا ہے کہ نیکیاں گناہوں کو اس طرح مٹا دیتی ہیں جیسے پانی کپڑے کے میل کو اور فرمایا کہ جب ابلیس ملعون ہوا تو عرض کرنے لگا کہ اے اللہ قسم ہے تیری عزت کی جب تک آدمی کی جان اس کے بدن سے نہ نکل جائے گی تب تک میں بھی اس کے دِل سے نہ نکلوں گا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے بھی قسم ہے اپنی عزت کی جب تک اس کے بدن سے اس کی جان نہ نکل جائے گی میں بھی اس کے لیے توبہ کا دروازہ بند نہ کروں گا۔ ایک حبشی جناب رسالت مآب ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے بہت گناہ کیے ہیں بھلا میری بھی توبہ قبول ہو گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا ضرور! تھوڑی دُور کر چل کر پھر آیا اور کہنے لگا کہ میں جب گناہ کرتا تھا تو اللہ میاں مجھے دیکھتے تھے؟ فرمایا ہاں! حبشی نعرہ مار کر گر پڑا اور مر گیا۔ حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک نبی سے فرمایا کہ گنہگاروں کو خوشخبری دے دیں کہ اگر تم توبہ کرو گے تو میں تمہاری توبہ قبول کروں گا اور صدیقین کو ڈرا دیں کہ اگر تمہارے ساتھ ازراہِ انصاف معاملہ کروں گا تو سب کو عذاب میں مبتلا کر دوں گا۔ طلق بن حبیب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حقوق اس سے بڑھ کر ہیں کہ آدمی ان پر قائم رہ سکے لیکن صبح کو توبہ کے ساتھ اُٹھنا اور شام کو توبہ کے ساتھ سونا اکسیر ہے۔ حبیب بن ابی ثابت رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ گناہ بندے کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔ وہ ایک گناہ کو دیکھ کر کہے گا کہ آہ! میں تو ہمیشہ تجھ سے ڈرتا تھا۔ اسی ڈر کے سبب اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیں گے۔

حکایت : بنی اسرائیل میں ایک شخص بڑا گنہگار تھا۔ اُس نے توبہ کرنی چاہی یہ معلوم نہ تھا کہ توبہ قبول ہو گی یا نہیں۔ لوگوں نے ایک عابد کا پتہ بتایا۔ یہ عابد کے پاس گیا اور کہا کہ میں بڑا گنہگار ہوں۔ ننانوے آدمیوں کو بلاوجہ قتل کیا ہے۔ میری توبہ قبول ہو گی؟ عابد نے کہا نہیں۔ اُس شخص نے اِس عابد کو بھی قتل کر کے سو کا عدد پورا کر دیا۔ پھر لوگوں نے ایک عالم کا پتہ دیا۔ اُس نے اِس عالم سے پوچھا تو اِس نے کہا ضرور قبول ہو گی مگر اپنی زمین سے نکل جا کہ یہ فساد کی جگہ ہے اور فلاں جگہ چلا جا۔ وہاں صالح لوگ رہتے ہیں وہ چلا تو راستہ میں مر گیا۔ رحمت و عذاب کے فرشتوں میں اختلاف ہوا۔ ہر ایک نے کہا کہ اس پر ہماری ولایت ہے۔ ارحم الراحمین کا حکم ہوا کہ اس کی زمین ناپو۔ زمین جو ناپی تو وہ

صالح لوگوں کی طرف بالشت بھر بڑھ چکا تھا۔ پس رحمت کے فرشتے اس کی رُوح کو لے گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نجات کے لیے یہ شرط نہیں کہ گناہوں کا پلہ بالکل خالی ہو بلکہ نیکی کا پلہ بھاری ہونا چاہیے اگر تھوڑا سا ہی جھکا ہو تو ان شاء اللہ تعالیٰ نجات ہو جائے گی۔

صغیرہ اور کبیرہ گناہ

توبہ کا تعلق گناہ سے ہے اور گناہ جتنا چھوٹا ہو توبہ اسی قدر آسان ہے بشرطیکہ آدمی اس پر ہٹ دھرمی اور اصرار نہ کرے۔ حدیث میں ہے کہ فرض نماز ہی کبیرہ گناہوں کے سوا سب گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے اور گناہِ کبیرہ کے سوا جو گناہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک ہوتے ہیں ان سب کا کفارہ جمعہ کی نماز ہو جاتی ہے۔

﴿ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ ﴾ (النسا)

"اگر تم کبیرہ گناہوں سے اجتناب کرو جن سے تمھیں روکا گیا ہے تو تمھاری غلط فہمیوں کا ہم کفارہ کر دیں گے"

اس لیے کبیرہ گناہوں کا جاننا ضروری ہو جاتا ہے اور اس میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا اختلاف ہے۔ بعض نے سات کا کہا ہے بعض نے زیادہ اور بعض نے کم۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ سات فرماتے تھے۔ انھوں نے کہا کہ سات سے زیادہ ستر کے قریب ہیں۔ ابوطالب مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے احادیث اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے اقوال سے اپنی کتاب قوت القلوب میں ستر کبیرہ گناہ گنوائے ہیں۔ چار کا تعلق دِل سے ہے ایک کفر دوسرے گناہ پر اصرار اگرچہ وہ صغیرہ ہو۔ مثلاً کوئی برا کام کرتا ہے اور اس سے توبہ کا ارادہ اور داعیہ دِل میں پیدا نہیں ہوتا' تیسرے اللہ کی رحمت سے نااُمید ہونا۔ یعنی قنوط' چوتھے اللہ تعالیٰ کے غصہ سے نڈر ہو جانا۔ چار گناہ زبان سے متعلق ہیں : جھوٹی گواہی کیونکہ اس سے کسی کا حق مارا جاتا ہے۔ دوسرے کسی پر زنا کی تہمت لگانا جس سے حد واجب ہوتی ہے۔ تیسرے جھوٹی قسم کہ اس سے کسی کا مالی یا اور حق ضائع ہوتا ہے۔ چوتھے جادو کیونکہ یہ ایسے کلمات ہیں جو زبان سے کہے جاتے ہیں اور تین گناہ پیٹ سے متعلق ہیں۔ شراب اور دوسری نشہ آور چیز پینا' یتیم کا مال کھانا اور سود کھانا' دو گناہ شرم گاہ سے متعلق ہیں زنا اور لواطت دو ہاتھ سے متعلق ہیں قتل اور چوری جس پر شرعی سزا لازم آ جائے۔ ایک پاؤں سے متعلق ہے یعنی کافر کے مقابلہ میں جنگ سے فرار جبکہ ایک مسلمان دو کافروں سے بھاگ جائے یا دس مسلمان بیس کافروں سے بھاگ جائیں۔ ہاں کافر گنتی تعداد سے زیادہ ہوں تو پھر درست ہے ایک گناہ تمام بدن سے ہوتا ہے یعنی ماں باپ کو رنج پہنچانا۔

اس تفصیل کا سبب یہ ہے کہ ان میں سے بعض پر تو شرعی سزا لازم ہے اور بعض کے متعلق قرآن شریف میں سخت تہدید آئی ہے۔ اس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب احیاء العلوم میں ذکر کر دی ہے۔ یہ کتاب اس کی متحمل نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ آدمی ان سے بچے۔ یاد رہنا چاہیے کہ گناہِ صغیرہ پر اصرار بھی کبیرہ ہے۔ گو کہ ہم کہتے ہیں کہ فرض نمازیں صغیرہ گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں مگر اس میں ذرہ برابر اختلاف نہیں کہ اگر ایک دانہ کے برابر ظلم کا بار اپنی گردن پر لے گا (حقوق العباد کی بربادی) تو اس کا کفارہ سوائے اس کے ادا نہیں ہو گا کہ صاحب حق کا حق ادا کرے۔ الغرض جو گناہ اللہ تعالیٰ سے متعلق ہیں وہ ان گناہوں کے مقابلہ میں جو مخلوق سے متعلق ہیں بخشش کے زیادہ قریب ہیں۔ حدیث میں تین

اعمال ناموں کا ذکر ہے ایک میں وہ گناہ لکھے جائیں گے جو بخشے نہیں جائیں گے یعنی شرک۔ ایک میں وہ گناہ رقم ہوتے ہیں جو بخش دیئے جائیں گے۔ وہ وہی ہیں جن کا تعلق اللہ اور بندے کے درمیان ہے اور ایک میں وہ جن سے رہائی کی اُمید نہیں۔ وہ بندوں کے حقوق کا دفتر ہے۔ جس بات سے کسی مسلمان کو رنج پہنچے وہ اسی قبیل سے ہے خواہ اس کا تعلق مسلمان کی ذات سے ہو یا مال سے' خواہ حشمت سے ہو یا مروت سے اور خواہ دین سے۔ جیسے کسی کو بدعت کی طرف بلانا کہ یہ تو اس کا دین ضائع کرنے والی بات ہے یا مجلس آرائی کر کے ایسی باتیں کرنا کہ لوگ گناہوں پر دلیر ہو جائیں۔

وہ اسباب جو صغیرہ گناہوں کو کبیرہ بنا دیتے ہیں

صغیرہ گناہوں میں غفور الرحیم سے بخشش کی اُمید رہتی ہے لیکن بعض اسباب ایسے ہیں جو انھیں کبیرہ بنا دیتے ہیں اور پھر اس کا خطرہ بہت بڑھ جاتا ہے۔ ایسے اسباب چھ ہیں۔ پہلا سبب یہ ہے کہ آدمی صغیرہ گناہ پر ہٹ دھرمی کرے جیسا کہ غیبت یا ریشم پہننے کی عادت بنا لے اور لہو و لعب سمجھ کر گاتا سنے۔ اس لیے کہ جو گناہ ہمیشہ ہوتے ہیں وہ دِل کی تاریکی میں بڑے مؤثر ہوتے ہیں۔ اس لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمیشہ ہونے والا کارِ خیر بہت بہتر ہے اگرچہ وہ تعداد میں کم ہو اس کی مثال یوں ہے جیسے پانی کا قطرہ جو مسلسل کسی پتھر پر ٹپکتا رہے تو خواہی نخواہی سوراخ کر دے گا اور اگر سارا پانی ایک دم بہا دیا جائے تو خاک اثر نہ ہو گا۔ جو شخص صغیرہ گناہوں میں مبتلا ہو اسے استغفار سے علاج جاری رکھنا چاہیے' نادم و پشیمان ہونا چاہیے اور بارِ دِگر گناہ سے بچنے کا عزم بالجزم رکھنا چاہیے ~

درد مندان گنہ را روز و شب
شربتے بہتر ز استغفار نیست

حتیٰ کہ اہل اللہ نے کہا ہے کہ کبیرہ گناہ استغفار سے صغیرہ ہو جاتا ہے اور صغیرہ ہٹ دھرمی سے کبیرہ۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ آدمی گناہ کو حقیر جانے۔ چاہیے کہ آدمی گناہ کو بڑا جانے تو وہ خواہ مخواہ کم ہو جائے گا کیونکہ گناہ کو بڑا جاننا ایمان اور خوف کے سبب ہوتا ہے۔ گناہ کی ظلمت سے یہ امرِدل کی حمایت کرتا ہے کہ اس کا اثر نہیں ہونے پاتا اور گناہ کو حقیر جاننا غفلت اور گناہ کے ساتھ مناسبت کے سبب ہوتا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ گناہ دِل میں رچ بس گیا بہرحال کام دِل سے ہی رہتا ہے جو بات دِل سے اثر کرے وہ بڑی ہے۔ حدیث میں ہے کہ مسلمان اپنے گناہ کو اپنے حق میں پہاڑ سمجھ کر ڈرتا ہے کہ کہیں مجھ پر پھٹ نہ پڑے اور منافق گناہ کو مکھی سمجھتا ہے جو اس کی ناک پر بیٹھتی ہے اور اُڑ جاتی ہے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ وہ گناہ نہیں بخشے جاتے جن کے متعلق یہ ذہن میں ہو کہ یہ سہل اور ہلکے ہیں۔ کاش سبھی ایسے ہی ہوتے۔ ایک نبی پر وحی آئی کہ گناہ کی خودی کے بجائے اللہ کی عظمت پر نظر رہنی چاہیے بندہ جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کا جلال پہچانتا ہے اسی قدر وہ ہر چھوٹے گناہ کو بڑا سمجھتا ہے۔ ایک صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم لوگ ایسے کام کرتے ہو جنھیں بال برابر جانتے ہو اور میں ان میں سے ہر ایک کو پہاڑ کے برابر جانتا ہوں۔ الغرض گناہوں میں اللہ تعالیٰ کا غصہ پوشیدہ ہے ممکن ہے کہ اسی گناہ میں ہو جسے تُو سہل سمجھ رہا ہے۔ ارشادِ باری ہے :

﴿ وَتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴾ (النور)

"تم اسے ہلکا گمان کرتے ہو اور وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑا ہے"

تیسرا سبب یہ ہے کہ آدمی گناہ کے سبب خوش ہو' اسے غنیمت جانے' اس پر فخر کرے اور تعلّی کا مظاہرہ کرے کہ میں نے فلاں کو فریب دے دیا اور خوب لتاڑا اور اس کا مال چھین لیا' گالیاں دیں۔ مناظرے میں ہرا دیا اور ایسی واہیات باتیں کہے جو شخص اپنی ہلاکت و تباہی پر خوش ہو تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کا دِل سیاہ ہو گیا۔ یہی بات اس کی ہلاکت و خرابی کا باعث ہو گی۔

چوتھا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اس کی پردہ پوشی کرے اور انسان یہ سمجھ کر کہ یہ میرے اُوپر عنایت ہے اس بات سے نہ ڈرے کہ شاید اللہ تعالیٰ نے مہلت دی ہو اور میرے لیے آسانی کی ہو کہ میں بالکل تباہ اور ہلاک ہو جاؤں۔

پانچواں سبب یہ ہے کہ اپنے گناہ کو ظاہر کر دے اور اللہ کے پردے کو اپنے اوپر سے اُٹھا دے کہ شاید اور لوگ بھی اس کے سبب سے اس گناہ کی رغبت کریں۔ ان کی رغبت و معصیت کا وبال اسے حاصل ہو گا اور اگر کسی کو صریحاً ترغیب دی اور گناہ کے اسباب مہیا کیے کہ وہ سیکھ جائے تو دوہرا وبال ہو گا۔ بزرگان سلف نے کہا ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی خیانت نہیں کہ مسلمان کی نظر میں آدمی گناہ کو آسان اور ہلکا کر دے۔

چھٹا سبب یہ ہے کہ عالم مقتدا ہو کر گناہ کرے کہ اس کے سبب سے دوسرے دلیر ہو جائیں اور کہنے لگیں کہ یہ بات بری ہوتی تو فلاں عالم وغیرہ نہ کرتا۔ مثلاً کوئی عالم ریشمی لباس پہنے اور بادشاہوں کے پاس جائے' ان سے مال لے کر' مناظرے میں سفاہت اور بے وقوفی کی باتیں کرے۔ اپنے دَور کے علماء پر طعن کرے۔ مال و جان کی کثرت کے سبب فخر کرے تو ظاہر ہے کہ اس کے شاگرد بھی اس کی پیروی کریں گے اور استاد ہی کی مثل ہو جائیں گے۔ پھر شاگردوں کے شاگرد ان کی اقتدا کریں گے اور ہر ایک کے سبب بستی کی بستی تباہ ہو گی۔ اس لیے کہ ہر ہر بستی کے لوگ ان میں سے کسی نہ کسی کے معتقد ہوں تو سبھی کی تباہی کا وبال مقتدا کے اعمال نامہ میں لکھا جائے گا۔ اس لیے اسلاف نے کہا ہے کہ جس کے مرنے کے ساتھ اس کے گناہ بھی مر گئے تو وہ نیک بخت ہے اور ایسے کم بخت بھی ہوتے ہیں کہ ان کے ہزار برس بعد تک ان کے گناہ باقی رہتے ہیں۔ علماء بنی اسرائیل میں سے ایک نے توبہ کی تو اس دَور کے رسول پر وحی آئی کہ اس سے کہہ دیا جائے کہ اگر تیرے گناہ تیرے اور میرے درمیان ہوتے تو میں تیری توبہ قبول کر لیتا۔ اب تو نے اکیلے توبہ کی ہے اور جنھیں تو گمراہ کر چکا ہے وہ ویسے ہی مجرم ہیں ان کا کیا ہو گا؟ اس لیے علماء بڑے خطرات کا شکار ہیں کہ ان کا ایک ایک گناہ ہزار ہزار گناہوں کے برابر ہے۔ اسی طرح عبادت ہزار ہزار عبادتوں کے برابر ہے اس لیے کہ جو ان کی پیروی کرتے ہیں ان کے سبب ثواب بھی ہوتا ہے۔ اس لیے اہل عِلم پر لازم ہے کہ گناہوں سے بچیں۔ کبھی ہو جائیں تو پوشیدگی کا اہتمام کریں۔ اگر کوئی مباح کام ہو جس کے سبب غفلت کی وجہ سے لوگوں کی دلیری کا خطرہ ہو تو اس سے بھی بچنا ضروری ہے۔ بقول اِمام زہری رحمۃ اللہ علیہ پہلے تو ہنستے کھیلتے تھے اب جو مقتدا ہوئے تو مسکراتے بھی نہیں حتیٰ کہ عالم کی لغزش اور چوک نقل کرنا بھی درست نہیں کہ اس سے لوگ گناہ پر دلیر ہو جاتے ہیں۔ مخلوق کی برائیوں کو چھپانا لازم ہے تو عالم کی برائی کو چھپانا زیادہ لازمی ہے۔

سچّی توبہ کی شرط اور علامت

توبہ کی بنیاد تو پشیمانی ہے اور اس کا ثمرہ وہ ارادہ ہے جو ظاہر ہو۔ پشیمانی کی علامت تو یہ ہے کہ توبہ کرنے والا ہمیشہ حسرت میں مبتلا رہے۔ گریہ و زاری اور تضرع اس کا کام ہو جائے' اس لیے کہ جو اپنے آپ کو ہلاک ہوتے دیکھتا ہے وہ غم و حسرت سے کیسے خالی ہو گا۔ اگر کسی کا لڑکا بیمار ہو اور کوئی طبیب کہہ دے کہ بیماری خطرناک ہے' اُمید زیست کم ہے تو باپ کا جو حشر ہو گا وہ سبھی کو معلوم ہے اور ظاہر ہے کہ اپنی جان تو بیٹے سے بھی زیادہ عزیز ہوتی ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ طبیب حاذق سے زیادہ سچّے ہیں اور آخرت کی ہلاکت کا خوف موت کے خوف سے زیادہ ہے۔ اللہ کے غصّہ پر گناہ کی دلالت موت پر بیماری کی دلالت سے بڑھ کر ہے۔ پھر اگر آدمی کو ان امور سے خوف و حسرت پیدا نہ ہو تو مطلب یہ ہے کہ گناہ کے نقصان ابھی اَلَمْ نَشْرَحْ نہیں ہوئے اور جس قدر یہ آگ تیز ہوتی ہے اسی قدر گناہوں کو سیاہ مٹی بنانے میں زیادہ مؤثر ہوتی ہے کیونکہ گناہوں کے سبب آدمی کے آئینۂ دِل میں جو زنگ لگ جاتا ہے اور جو تاریکی چھا جاتی ہے۔ حسرت و ندامت کی آگ کے سوا کوئی چیز اسے دُور نہیں کر سکتی۔ اس کی سوزش سے آدمی کا دِل صاف اور رقیق ہو جاتا ہے۔ حدیث میں توبہ کرنے والوں کے ساتھ بیٹھنے کا حکم دیا کیونکہ ان کا دِل رقیق ہوتا ہے اور دِل جتنا صاف ہوا چلا جاتا ہے اتنی ہی گناہوں سے نفرت بڑھتی ہے اور گناہ کی حلاوت تلخی سے بدل جاتی ہے۔ ایک نبی نے بنی اسرائیل کے ایک شخص کی توبہ کے سلسلہ میں سفارش کی تو وحی آئی اور اللہ نے فرمایا کہ مجھے اپنی عزت کی قسم ہے جب تک اس کے دِل میں گناہ کی حلاوت ہے اس کی توبہ قبول نہیں کروں گا اگرچہ تمام فرشتے اس کی سفارش کریں۔ گناہ ہرچند مرغوب ہوتا ہے لیکن توبہ کرنے والے کے حق میں اُس کی مثال زہریلے شہد جیسی ہے جو یہ شہد ایک بار کھائے گا وہ رنج و صدمہ اُٹھائے گا اور جب دوبارہ دیکھنے کا یہی خیال کرے گا تو سارے جسم کے رُوئیں کھڑے ہو جائیں گے اور اس کی حلاوت کی خواہش اس کے نقصان کے خوف میں دَب جائے گی۔ پھر ایک گناہ نہیں سب گناہوں سے نفرت ہو جائے گی۔ اس لیے کہ جو گناہ اُس نے کیا تھا اُس کے زہر ہونے کا سبب یہ تھا کہ اس میں اللہ کی ناراضی تھی اور سب گناہوں کا یہی حال ہے۔ اس پشیمانی کے سبب جو ارادہ پیدا ہوتا ہے وہ تین زمانوں سے متعلق ہے۔ حال' ماضی' مستقبل' حال سے یہ بات متعلق ہے کہ سب گناہ ترک کر کے فرائض میں مشغول ہو جائے۔ مستقبل کا معاملہ یوں ہے کہ تمام عمر گناہوں سے بچنے کا عزم کرے اور ظاہر و باطن میں اللہ سے عہد کرے کہ گناہ نہیں کروں گا اور فرائض میں کوتاہی نہیں ہو گی جیسے جس بیمار کو یہ معلوم ہو کہ فلاں میوہ مجھے نقصان دیتا ہے اور یہ جان کر عزم کرے کہ اب وہ نہیں کھاؤں گا اور عزم کرتے وقت سستی اور تردد نہ کرے گو کہ ممکن ہے کہ خواہش پھر غالب آ جائے اور ممکن نہیں کہ آدمی توبہ کو نباہ سکے۔ ہاں عزت' خاموشی اور لقمہ حلال سے جو پیدا کر لیا ہو اس کے حاصل کرنے پر قادر ہو جب تک مشتبہ چیزوں سے آدمی دستبردار نہیں ہوتا تو یہ کامل نہیں ہوتی اور جب تک خواہشات کو ترک نہیں کرے گا مشتبہات سے بچ نہ سکے گا۔ اسلاف نے کہا ہے کہ جس پر کسی چیز کی خواہش غالب ہو وہ دِقت اُٹھا کر اور تکلیف برداشت کر کے سات بار اس چیز سے ہاتھ روکے تو اس چیز کا ترک آسان ہو جائے گا۔ رہ گیا زمانۂ ماضی تو اس سے یوں تعلق رکھتا ہے کہ گزشتہ گناہوں کے تدارک کی فکر کرے اور غور

کرے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں میں سے کس کس کا حق میں نے ضائع کیا۔

اللہ تعالیٰ کے حق دو قسم پر مشتمل ہیں ۔ فرائض ادا کرنا اور گناہوں سے بچنا۔ فرائض کے بارے میں چاہیے کہ آدمی جس دن سے بالغ ہوا ہے اس دن سے ایک ایک دن کا خیال کرے' اگر نماز فوت ہو گئی ہے یا کپڑا پاک نہیں رکھا' یا اس کی نیت میں فتور تھا اور یہ لاعلم تھا یا عقائد میں خلل تھا تو جتنی نمازیں نہیں ہوئیں سب کو قضا کرے اور جس تاریخ سے مالدار ہوا ہے اس تاریخ سے حساب کر کے جتنی زکوٰۃ نہیں دی زکوٰۃ دے یا دی تو ہو لیکن مستحق کے حوالہ نہ کی ہو یا چاندی سونے کے برتن گھر میں رکھ کر ان پر زکوٰۃ نہ دی ہو تو سب کا حساب کر کے زکوٰۃ دے یا اگر رمضان کے روزوں میں کوتاہی کی یا نیت بھول گیا یا اس کی شرط ادا نہیں کی تو روزوں کی بھی قضا کرے۔ ان میں سے جسے یقین جانتا ہے ان کی تو قضا کرے جن میں شک ہے ان میں جس طرف ظن غالب ہو اسے اختیار کرے اور غور و تامل کر کے جس قدر یقینی ہو اس کا حساب کر لے' باقی قضا کر لے۔ اصل بات تو یہی ہے اور جس میں ظن بھی غالب ہے اسے بھی منہا کر لے گا تو درست ہو گا۔ رہ گئے گناہ تو انھیں ابتدائے بلوغ سے دیکھنا چاہیے کہ آنکھ' کان' ہاتھ' زبان' معدہ وغیرہ اعضاء سے کیا کیا گناہ کیے ہیں۔ اگر کبیرہ گناہ ہیں جیسے زنا' لواطت' چوری' شراب نوشی اور دوسرے وہ گناہ جن پر شرعی حد واجب ہے تو ان سے توبہ کرنا ضروری ہے۔ حاکم کے سامنے جا کر اقرار کرنا ضروری نہیں کہ وہ حد جاری کرے بلکہ گناہوں کو پوشیدہ رکھے۔ توبہ اور کثرتِ عبادت سے ان کی تلافی کرے اور صغائر ہوں تو بھی ایسا ہی کرے مثلاً غیر محرم کی طرف دیکھا ہے یا بے وضو قرآن شریف کو چھوا ہے یا مسجد میں ناپاک بیٹھا ہے یا سماع سنا ہے تو جو کام ان گناہوں کی ضد ہیں وہ کر کے انکی تلافی کرے تاکہ وہ کام ان گناہوں کو مٹا دیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ﴾ (ھود) "نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں"

مگر ضد میں نیک کام وہ کرے جس کا اثر زیادہ ہو۔ سماع کا کفارہ قرآن شریف سن کر اور اہل عِلم کی مجلس میں بیٹھ کر کرے مسجد میں ناپاک بیٹھنے کا کفارہ اعتکاف اور عبادت سے کرے۔ قرآن شریف بے وضو چھونے کا کفارہ بکثرت تلاوت سے کرے اور شراب نوشی کا کفارہ یوں ادا کرے کہ مشروبات حلال میں سے مرغوب ترین چیز سے ہاتھ کھینچ لے اور اسے صدقہ کر دے تاکہ ان گناہوں سے جو تاریکی پلے پڑی اس کے مقابلہ میں ان نیک کاموں سے نور و معرفت نصیب ہو اور وہ ان تاریکیوں کو دور کر دے بلکہ دُنیا میں جو جو خوشی حاصل ہوتی ہے اس کا کفارہ یہ ہے کہ ہر خوشی کے مقابلہ میں دُنیا کی ایک ایک تکلیف برداشت کرے کیونکہ دنیوی خوشیوں کے سبب دِل دُنیا میں اٹک جاتا ہے اور جو رنج برداشت کرے گا اس کے سبب دِل دُنیا سے نفرت کرے گا۔ اس لیے حدیث میں ہے کہ مُسلمان کو جو رنج پہنچتا ہے حتیٰ کہ وہ کانٹا ہی کیوں نہ ہو وہ بھی گناہوں کا کفارہ ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ بعض گناہ ایسے ہیں کہ رنج ہی ان کا کفارہ ہو سکتا ہے اور ایک روایت میں ہے کہ غم و اندوہ' عیالداری اور معیشت کی تکلیف کے سوا کوئی دوسری چیز کفارہ نہیں بنتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جس بندے کے بہت گناہ ہوں اور کفارے کے لیے کوئی عبادت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کفارے کے لیے اس کے دِل میں رنج پیدا فرما دیتے ہیں۔

اگر کوئی کہے کہ غم و اندوہ انسان کے بس میں نہیں تو یہ بات درست نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ وہ خود دنیوی کاموں

سے رنجیدہ خاطر ہو۔ پھر اگر یہ سوال پیدا ہو کہ یہ تو خود عطا ہے خطا کا کفارہ کیسے بنے گا تو یہ بھی صحیح نہیں بلکہ جو چیز تیرے دِل میں دُنیا کی نفرت پیدا کرے اس میں بہرحال تیری بھلائی ہے اگرچہ وہ تیرے اختیار میں نہ ہو۔ اس لیے کہ اگر اس رنج و اندوہ کے بدلے مُراد پوری ہونے کی خوشی ہوتی تو پھر دُنیا کو ہی اپنی بہشت سمجھتا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا تم نے اس غمزدہ بڑے میاں کو کیسے چھوڑا (مُراد حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں) فرمایا کہ میں نے ان کو اس حال میں چھوڑا جتنا رنج ان مہربان ماؤں کو ہوتا ہے جن کے بچّے مارے جائیں۔ پوچھا کہ اس کے عوض انھیں کیا ملے گا فرمایا سو شہیدوں کا ثواب۔

رہ گئے بندوں کے حقوق تو آدمی کو چاہیے کہ ہر ایک کے ساتھ اپنے معاملے کا حساب کرلے بلکہ پاس بیٹھنے اور بات کرنے کا بھی حساب کرلے تاکہ اس پر کسی کا مالی حق ہو یا اس نے کسی کو رنج پہنچایا ہو یا کسی کی غیبت کی ہو تو اس سے چھٹکارا ہو جائے جو چیز لوٹا دینے کی ہو لوٹا دے جو معافی کی ہو معاف کرالے کسی کو قتل کیا ہو تو اس کے ورثاء کے سپرد کر دے کہ وہ قصاص لے سکیں یا معاف کردیں۔ کسی کا قرض ہو تو اسے تلاش کرکے دے دے۔ وہ نہ ہو تو اس کے وارثوں کو دے دے۔ یہ باتیں اَہلِ علم اور تاجروں کو بہت مشکل ہیں اس لیے کہ ان کے معاملات بہت ہیں جن جن لوگوں کی غیبت کی ہے ان کا تلاش کرنا مشکل ہے اور جب ایسا مشکل ہے تو پھر یہی شکل ہے کہ عبادت بکثرت کرے اتنی کہ اگر قیامت کے دن تمام اَہلِ حق کو عبادت میں سے ایک حصّہ دے کر حق ادا کردیا جائے تو اس کی نجات کو پھر بھی بچ جائے۔

توبہ کی مداومت

جس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے اسے چاہیے کہ اس کے تدارکُ اور کفارے میں جلدی کرے۔ اسلاف نے کہا ہے کہ آٹھ کام ایسے ہیں جو گناہ کا کفارہ بن جاتے ہیں۔ چار کا تعلق دِل سے ہے' ایک توبہ یا توبہ کا قصد اور اس بات کا ارادہ کہ آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔ اس امر کا خوف کہ اس کے سبب مجھ پر عذاب ہو گا اور معافی کی اُمید۔ اور چار کا تعلق بدن سے ہے۔ ایک تو یہ کہ دو رکعت نماز پڑھے۔ اس کے بعد ستر بار استغفار کرے اور سو بار سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ پڑھے' صدقہ کرے اور جس قدر ہو سکے روزہ رکھے۔ بعض بزرگوں کا قول ہے کہ خوب طہارت کرکے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھے۔ حدیث میں ہے کہ جب تو نے چھپ کر گناہ کیا تو چھپ کر عبادت بھی کر تاکہ کفارہ ہو جائے اور اگر کھلے بندوں گناہ کیا ہے تو کھلے بندوں عبادت بھی کر۔ یاد رکھنا چاہیے کہ زبانی استغفار جس میں قلب متاثر نہ ہو چنداں مفید نہیں بلکہ دِل کو اس میں شامل کرنا ضروری ہے جس کا طریق یہ ہے کہ استغفار کے وقت دِل میں خوف و ہراس اور تضرع کا جذبہ ہو اور دِل ندامت سے خالی نہ ہو۔ جب یہ حالت پیدا ہو جائے تو توبہ کا عزمِ مصمم نہ بھی ہو تب بھی انسان کی بخشش کی اُمید ہے۔ تاہم غفلت کے ساتھ زبانی استغفار بھی بالکلیہ فائدہ سے خالی نہیں کم از کم زبان بے ہودہ باتوں سے تو بچے گی اور چپ رہنے سے تو بہتر ہو گا اس لیے کہ زبان کو جب نیک عادت پڑ جائے گی تو گالی گلوچ اور بے ہودہ گفتگو کی بہ نسبت استغفار کی زیادہ رغبت ہو گی۔ حضرت ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کے ایک مرید نے کہا کہ بعض اوقات بے دلی سے میری زبان پر اللہ کا ذکر جاری ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ شکر کرو کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے

ایک عضو کو تو اپنی یاد میں لگا رکھا ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ اس امر میں شیطان بڑا دھوکہ دیتا ہے جب کہتا ہے کہ دل حاضر نہیں تو محض زبانی ذکر سے کیا فائدہ یہ تو بے ادبی ہے۔ شیطان کو جواب دینے میں لوگوں کے تین گروہ ہیں ایک تو سابق اور بہتر گروہ ہے جو جواب میں کہتا ہے کہ تم نے کہا تو سچ' اب میں تمھارے جلانے کی خاطر دل کو بھی حاضر کرتا ہوں۔ یہ شخص شیطان کے زخم پر نمک چھڑک دیتا ہے۔ دوسرا گروہ ظالم لوگوں کا ہے وہ شیطان کی ہاں میں ہاں ملا کر خاموشی اختیار کر لیتے ہیں۔ وہ اپنے طور پر عقلمندی کا کام کرتا ہے لیکن حقیقت میں شیطان کے ساتھ محبت و موافقت کرتا ہے۔ تیسرا گروہ مقتصد لوگوں کا ہے جس کا کہنا یہ ہوتا ہے کہ گو میں دِل کو حاضر نہیں کر سکتا لیکن زبان کو ذکر میں مشغول رکھنا چپ رہنے سے بہتر ہے گو کہ دِل سے ذکر کرنا زبانی ذکر سے بہتر ہے جیسے کہ بادشاہی صرافی سے اور صرافی خاکروبی سے بہتر ہے یہ تو ضروری نہیں کہ جو بادشاہی حاصل نہیں کر سکتا وہ صرافی سے بھی دستبردار ہو جائے اور خاکروبی کرنے لگے۔

توبہ کی تدبیر کا بیان

جو لوگ توبہ نہیں کرتے ان کے متعلق جاننا چاہیے کہ کس وجہ سے گناہ پر اصرار کرتے ہیں۔ اس قسم کے اسباب پانچ ہیں اور ہر ایک کا علاج جدا جدا ہے۔ پہلا سبب تو یہ ہے کہ آدمی کا آخرت پر ایمان ہی نہ ہو یا اسے آخرت میں شک ہو۔ اس کا علاج غرور کے باب میں بیان ہو چکا۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ خواہش اس قدر غالب آ گئی ہو کہ آدمی گناہ چھوڑنے کی طاقت نہ رکھے اور دُنیا کی لذتوں میں ایسا کھو گیا اور آخرت کے خطرات سے غافل ہو گیا ہو۔ اکثر لوگ زندگی کے حریص ہوتے ہیں۔ اسی لیے جناب سرور کائنات علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب دوزخ کو پیدا کیا تو حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ اسے دیکھو۔ انھوں نے دیکھ کر عرض کیا کہ آپ کی عزت کی قسم کوئی آدمی ایسا نہ ہو گا جو اس کی کیفیت سن کر اِدھر آئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دوزخ کے اِردگرد خواہشات کو پیدا فرما کر بارِ دگر دیکھنے کا حکم دیا۔ حضرت جبریل نے دیکھ کر عرض کی کہ کوئی شخص ایسا نہ ہو گا جو اس میں نہ رہے اور جنت کو پیدا کر کے دیکھنے کا حکم دیا تو حضرت جبریل نے دیکھ کر عرض کیا کہ کوئی شخص ایسا نہ ہو گا جو اس کی تعریف سنے اور اس کی طرف نہ جھپٹے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مکروہات اور ان تلخ کاموں کو جو جنت کی راہ میں واقع ہیں پیدا کر کے فرمایا کہ اب دیکھو تو انھوں نے عرض کیا کہ اس کی راہ میں تکالیف بہت ہیں' مجھے ڈر ہے کہ کوئی بھی اس تک نہ پہنچ سکے گا۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ آخرت کا تو ابھی وعدہ ہی وعدہ ہے اور دُنیا نقد موجود ہے۔ آدمی کی طبیعت نقد مال کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہے اور جو اُدھار چیز اس کی آنکھ سے دور ہوتی ہے اس کے دِل سے بھی دور رہتی ہے۔

چوتھا سبب یہ ہے کہ مُسلمان دن بھر تو توبہ کے قصد و ارادہ میں رہتا ہے لیکن پھر دوسرے دن پر اُٹھا رکھتا ہے اور جو خواہش سامنے آتی ہے کہتا ہے اسے تو کر لوں پھر کچھ نہ کروں گا ؎

روزی گویم کہ فردا ترک ایں سودا کنم
باز چوں فردا شود امروز را فردا کنم

پانچواں سبب یہ ہے کہ آدمی یہ خیال کرتا ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ یہ گناہ جہنم میں لے جائے بلکہ معافی ممکن ہے

اور آدمی کو اپنے حق میں اچھا گمان رکھنا چاہیے جب کوئی خواہش غالب ہوتی ہے تو کہتا ہے کہ اللہ معاف کر دے گا اور رحمت کی اُمید رکھنی چاہیے۔ پہلے سبب یعنی آخرت پر ایمان نہ رکھنے کا علاج ہم بیان کر چکے ہیں لیکن جو شخص آخرت کو اُدھار جانتا ہے اور دُنیا کو نقد ہونے کے سبب ترک نہیں کرتا اور آخرت چونکہ آنکھوں سے دور ہے اس لیے اسے دِل سے بھی دور رکھتا ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ یہ بات سمجھ لے کہ جو چیز یقیناً آنے والی ہے وہ آ کر رہے گی۔ اتنی سی بات ہے کہ جب آنکھ بند ہو گی تو آخرت موجود ہو گی اور ممکن ہے کہ یہ بات آج ہی ہو جائے یعنی وہ اُدھار نقد ہو جائے اور نقد خواب و خیال ؂

وائے نادانی کہ وقت مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

اور جو شخص ترکِ لذت نہیں کر سکتا اسے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جب پل بھر کی اس خواہش سے صبر نہیں کر سکتا تو آتش دوزخ کا کیسے تحمل کرے گا اور بہشت کی لذتوں سے کیونکر صبر آ سکے گا۔ آدمی بیماری کی حالت میں ٹھنڈے پانی سے زیادہ کسی چیز کو مرغوب نہیں رکھتا لیکن اگر طبیب چاہے وہ یہودی ہو یہ کہہ دے کہ یہ پانی نقصان دے گا تو خواہش کے باوجود آدمی اسے ترک کر دیتا ہے اور یہاں تو اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کے ارشاد کے مطابق ابدی سلطنت کی جو اُمید ہے وہ زیادہ بہتر ہے کہ ترکِ شہوت کر کے آدمی حاصل کر لے اور وہ شخص جو توبہ میں تاخیر کرتا ہے اسے کہنا چاہیے کہ تم کاہے کو بھولے بیٹھے ہو۔ توبہ کے لیے کل کا انتظار کیوں کر رہے ہو کل کا دن آئے گا' یہ کیوں ضروری ہے' تیری موت آج بھی تو ہو سکتی ہے ؂

آئے نہ آئے دَم کا کسے اعتبار ہے
ناپائیدار زندگی مستعار ہے

اسی وجہ سے حدیث میں آتا ہے کہ دوزخی لوگ تاخیر کرنے کی وجہ سے بالعموم واویلا کریں گے۔ ایسے شخص سے کہنا چاہیے کہ یہاں توبہ میں کیوں دیر کرتے ہو اگر دیر کا سبب یہ ہے کہ شہوات کا ترک کرنا آج مشکل ہے کل آسان ہو جائے گا تو یہ خیال محض ہے اسے اپنے دِل سے نکال دے۔ یہ بات آج مشکل ہے کل بھی مشکل ہو گی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی دن ایسا نہیں کیا جس میں شہوت کا ترک آسان ہو اور تیری مثال اس شخص کی ہے جسے کہا جائے کہ یہ درخت جڑ سے اُکھاڑ دو اور وہ کہے کہ یہ درخت مضبوط ہے اور میں کمزور ہوں۔ ایک سال توقف کرو آئندہ سال اُکھاڑ دوں گا اسے یہی جواب دیا جائے گا کہ احمق یہ درخت اگلے سال مزید مضبوط ہو جائے گا اور تمھارے ضعف میں اضافہ ہو جائے گا۔ اسی طرح خواہشات کا درخت روز بروز مضبوط و توانا ہو رہا ہے اور جب تو اس کی برابر تعمیل کرتا ہے تو ہر روز اس کی مخالفت سے تیرا عجز بڑھتا جائے گا اسے جتنی جلدی اُکھاڑ دے اتنا ہی بہتر ہے اور جو یہ بھروسہ رکھتا ہے کہ میں مُسلمان ہوں اور اللہ تعالیٰ مُسلمانوں کو معاف فرما ہی دیں گے اسے ہم کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف نہ کرے اور تو عبادت سے محروم رہے تو تیرے ایمان کا درخت کمزور ہو جائے اور مرتے وقت سکرات کے تھپیڑے اسے اُکھاڑ دیں اس لیے کہ ایمان ایک ایسا درخت ہے جسے عبادت کے پانی سے سینچنا ضروری ہے۔ جب اس پانی کے سبب مضبوط نہ

ہو رہا ہو تو اس کا خطرات سے شکار ہونا ممکن ہے بلکہ جس شخص نے بہت گناہ کیے ہوں اور عبادت سرے سے نہ کی ہو اس کے ایمان کی مثال ایسے ہے جیسے وہ بیمار جس کی بیماری بڑھ گئی ہو تو ہر دم یہی ڈر رہتا ہے کہ کہیں ہلاک نہ ہو جائے' پھر وہ شخص ایمان ساتھ بھی لے جائے تو دونوں باتیں ممکن ہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کاملہ سے اسے بخشے یا نہ بخشے اور عذاب میں مبتلا کر دے تو اس اُمید پر بیٹھ جانا سراسر حماقت ہے۔ اس احمق کی مثال اس بے وقوف جیسی ہے جو اپنا تمام سرمایہ ضائع کر کے اپنے اَہل و عیال کو بھوکا چھوڑ دے اور کہنے لگے کہ ممکن ہے کہ یہ کسی ویرانہ میں جا کر کوئی خزانہ حاصل کر لیں یا اس کی مثال اس نادان جیسی ہے کہ وہ جس شہر میں رہتا ہو وہاں کے ظالم لوگ اُسے لوٹنے آئیں اور وہ اپنے مال کی حفاظت کرنے کے بجائے اس طرح بکھیر کر بھاگ جائے اور سوچنے لگے کہ ممکن ہے یہ ظالم لوگ میرے گھر میں پہنچ کر مرجائیں یا غافل ہو جائیں یا ایسے اندھے ہو جائیں کہ میرا گھر دیکھ ہی نہ سکیں یہ باتیں ممکن تو ہیں لیکن ایسا سوچنا حماقت ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ کا بخش دینا بھی ممکن ہے لیکن اس ممکن پر اعتماد کر کے احتیاط کا دامن چھوڑ دینا حماقت ہے۔

فصل : اگر کوئی شخص اپنے بعض گناہوں سے تو توبہ کرے اور بعض سے نہ کرے تو یہ درست ہے یا نہیں اس میں علماء کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ چیز محال ہے کہ کوئی شخص زنا سے تو توبہ کرے لیکن شراب سے نہ کرے اس لیے کہ اگر گناہ سمجھ کر زنا سے توبہ کی ہے تو شراب بھی تو حرام اور گناہ ہے۔ شراب کے ایک پیالہ سے توبہ کرنا اور دوسرے سے نہ کرنا کیسے ممکن ہے حرمت اور گناہ میں تو دونوں برابر ہیں تو گناہ میں یہی بات ہے کہ معاملہ یوں نہیں اس لیے کہ ممکن ہے کہ آدمی زنا کو شراب سے زیادہ برا جانے اور اس سبب اس سے محض توبہ کر لے یا یہ سمجھ کر شراب سے توبہ کر لے کہ شراب زنا سے برا ہے اور یہ زنا اور دوسرے برے کاموں میں مبتلا کرنے کا باعث ہے یا مثلاً ایک آدمی غیبت سے توبہ کر لے اور شراب سے نہ کرے اور اس کا گمان یہ ہو کہ غیبت مخلوق سے متعلق ہے اور اس میں خطرہ زیادہ ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ شراب خوری سے تو توبہ کرے لیکن کثرت شراب نوشی سے منہ موڑ لے اور یہ سوچ کہ جتنی زیادہ پیوں گا اسی قدر عذاب زیادہ ہو گا اور میں اپنی خواہش سے باز نہیں آ سکتا کہ بالکل شراب پینی ترک کر دوں ہاں زیادہ پینے سے رک سکتا ہوں اور یہ ضروری نہیں کہ شیطان جب ایک گناہ میں مجھے عاجز کر دے اور وہ کرنا ہی پڑے تو دوسرا گناہ جس میں میں عاجز نہیں وہ بھی کرنے لگوں یہ سب باتیں ممکن ہیں مگر یہ جو حدیث میں آیا ہے' ((التَّائِبُ حَبِيْبُ اللّٰهِ)) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ ﴾ تو یہ محبت کا مرتبہ اسی کو حاصل ہو گا جو سب گناہوں سے توبہ کرے جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ بعض گناہوں سے توبہ درست نہیں ان کا یہی مطلب ہے ورنہ جن صغیرہ گناہوں سے آدمی توبہ کرتا ہے وہ ان کا کفارہ ہو جاتی ہے اور وہ گناہ نیست و نابود ہو جاتے ہیں سب گناہوں سے ایک ہی دفعہ توبہ کرنا مشکل ہے اور اکثر توبہ بتدریج ہی ہوتی ہے اور جس قدر گناہوں سے توبہ نصیب ہو گی۔ اسی قدر ثواب ملے گا۔ واللہ اعلم

فصل ۲ : صبر و شکر کا بیان

صبر کے بغیر صحیح توبہ نہیں ہو سکتی بلکہ کسی فرض کی صحیح ادائیگی اور کسی گناہ کا ترک بھی صبر کے بغیر ممکن نہیں۔ لوگوں نے جب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ ایمان کیا چیز ہے تو اسی وجہ سے آپ ﷺ نے فرمایا کہ صبر اور ایک حدیث میں صبر کو نصف ایمان قرار دیا گیا۔ صبر کی فضیلت کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ستر سے زائد مقامات پر صبر کا ذکر کیا ہے اور جو بڑا درجہ ہے اسے صبر پر موقوف رکھا ہے ارشاد باری ہے :

﴿ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ﴾ (السجدہ)

"اور ہم نے ان میں سے ان لوگوں کو حقدار بنایا جو ہدایت حاصل کرتے ہیں ہمارے حکم سے صبر کے ذریعہ"

اور بے حساب اجر و ثواب کا دار و مدار صبر کو قرار دیا جیسا کہ فرماتے ہیں :

﴿ اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ (الزمر)

"صابر لوگوں کو ان کا اجر بغیر حساب دیا جائے گا"

اسی طرح صابر لوگوں سے وعدہ فرمایا کہ میں تمھارے ساتھ ہوں جیسا کہ ارشاد ہے :

﴿ وَاللّٰهُ مَعَ الصَّابِرِيْنَ ﴾ "اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"

اللہ تعالیٰ نے درود، رحمت اور ہدایت تینوں نعمتیں صبر کرنے والوں کو اکٹھی مرحمت کیں کسی دوسرے کے لیے ایسا نہیں ہوا ﴿ اُولٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴾ (البقرہ) صابروں پر اللہ کی طرف سے صلوۃ اور رحمت ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں صبر کی یہ بھی فضیلت ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ عزیز رکھتے ہیں اور ہر کسی کو یہ نعمت نہیں ملتی اپنے دوستوں کو تھوڑا سا مرحمت فرماتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے :

((اِنَّ اَقَلَّ مَا اُوْتِيْتُمُ الْيَقِيْنُ وَعَزِيْمَةُ الصَّبْرِ))

"اللہ نے جو نعمتیں تمھیں دی ہیں ان میں سے یقین اور صبر بہت کم دیا ہے"

اور جسے یہ دو نعمتیں عطا ہو گئیں اسے کہہ دو کہ تجھے کوئی پرواہ نہیں گو کہ تیری نمازیں کم ہوں (یعنی نفلی) اے میرے اصحاب جس امر پر تم آج قائم ہو اگر اس پر صبر کرو اور اس سے پھر نہ جاؤ تو میں اسے اس سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں کہ تم میں سے ہر ایک اتنی اتنی عبادت کرے جتنی سب نے کی ہو مگر میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ میرے بعد تم پر دُنیا فراخ ہو جائے حتیٰ کہ تم ایک دوسرے کے منکر ہو جاؤ اور اہل ایمان تم سے منکر ہو جائیں اور جو شخص صبر کر کے ثواب کی اُمید رکھتا ہے وہ کامل ثواب پائے گا تم صبر کا رویہ اختیار کرو کیونکہ دُنیا ختم ہو جائے گی لیکن صبر اللہ کے یہاں باقی رہے گا یہ فرما کر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی :

﴿ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾

"جو تمھارے پاس ہے وہ فانی ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی ہے اور ہم جزا دیں گے ان لوگوں کو جنھوں نے صبر کیا بے حساب"

اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ صبر جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے اور فرمایا کہ صبر مرد ہوتا تو کریم ہوتا اور ارشاد ہوا کہ صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ دوست رکھتے ہیں حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اے داؤد میرے اخلاق کی پیروی کر اور میرے اخلاق میں سے ایک یہ ہے کہ میں صبور ہوں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تک تم لوگ اپنی تکلیف پر صبر نہیں کروگے اپنی مُراد کو نہیں پہنچو گے۔ حضور علیہ السلام نے کچھ انصار کو دیکھا فرمایا تم مُسلمان ہو۔ انھوں نے عرض کیا کہ ہاں۔ آپ ﷺ نے اس پر دلیل پوچھی تو انھوں نے عرض کیا کہ ہم نعمت پر شکر اور تکلیف پر صبر کرتے ہیں نیز اللہ کی رضا پر راضی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ((مُؤمِنُون وربِّ الكعبة)) یعنی ربِّ کعبہ کی قسم تم مُسلمان ہو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشاد ہے کہ صبر کو ایمان کے ساتھ ایسی نسبت ہے جیسے سر کو بدن کے ساتھ جس شخص کا سر نہیں اس کا بدن بھی نہیں جسے صبر نصیب نہیں وہ ایمان سے محروم ہے۔

صبر کی حقیقت

صبر کا تعلق خاص طور پر آدمی ہی کے ساتھ ہے اس لیے کہ بہائم کو تو اس کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ نہایت ناقص ہیں اور نہ فرشتوں کو صبر کی حاجت و ضرورت ہے اس لیے کہ وہ ہر طرح کامل اور ہر خواہش سے پاک ہیں۔ پس بہائم تو خواہش کے مطیع اور مسخر ہیں اور ان میں خواہش کے سوا کوئی تقاضا نہیں اور ملائکہ جنابِ الٰہی کے عشق میں یوں مستغرق ہیں کہ انھیں مزید کی فکر نہیں اور نہ انھیں اس سے کوئی روکنے والا ہے کہ اس کے دفع کرنے میں انھیں صبر سے کام لینا پڑے لیکن جہاں تک انسان کا تعلق ہے اسے اللہ تعالیٰ نے پہلے تو بہائم کی حالت پر پیدا کیا۔ کھانے پینے زیب و زینت اور لہو و لعب کی خواہش اس پر مسلط کر دی پھر جوانی کے وقت ملائکہ کے انوار میں سے ایک نور اس میں پیدا ہوتا ہے اس نور کے ذریعہ وہ انجام کو دیکھتا ہے بلکہ اللہ نے دو فرشتوں کو آدمی پر متعین کر دیا ہے بہائم ان سے محروم ہیں۔ ایک فرشتہ تو اسے ہدایت کرتا ہے اور راستہ بتاتا ہے اس طرح کہ اس فرشتہ کے انوار میں سے ایک نور آدمی میں سرایت کرتا ہے اس نور سے آدمی انجام کو پہچاننے اور مصلحت کار کو جاننے لگتا ہے حتیٰ کہ اس نور سے اپنے آپ کو اور اللہ تعالیٰ کو جان لیتا ہے اور اسے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ خواہشات کا انجام ہلاکت و تباہی ہے اگرچہ یہ اپنے وقت پر بھلی معلوم ہوتی ہیں اور وہ یہ بات بھی سمجھ لیتا ہے کہ خواہشات کے ذریعہ جو خوشحالی ہوتی ہے وہ تو جھٹ پٹ گزر جاتی ہے لیکن اس کا رنج مدت تک باقی رہتا ہے بہائم اور چوپایوں کو تو یہ ہدایت نہیں لیکن آدمی کو اتنی ہدایت کفایت نہیں کرتی کیونکہ وہ تو اتنا ہی جانے گا کہ خواہشات اس کے حق میں باعث نقصان ہیں اور انھیں دفع کرنے کی اپنے میں قدرت نہیں پائے گا تو کوئی فائدہ نہیں ہو گا اس لیے کہ بیمار تو یہ سمجھتا ہے کہ بیماری اس کے حق میں باعث نقصان ہے مگر اسے دفع کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس دوسرے فرشتے کو آدمی پر اس لیے متعین کیا ہے کہ اس کے لیے قوت کا باعث بنے اور اس کی تائید کر کے سدباب کرے حتیٰ کہ آدمی جس امر کو اپنے حق میں نقصان کا باعث سمجھتا ہے اس سے دستبردار ہو جائے۔ آدمی میں شہوت پرستی کی جیسی قوت ضروری تھی ویسی ہی ایک اور قوت چاہیے جو آدمی کو خواہشات کے خلاف آمادہ کر کے ان کے نقصان سے اس کی رہائی کا باعث ہو۔ یہ قوت فرشتوں کے لشکر میں ہے۔ شہوت پرستی کی وہ قوت جو شیطان

کے لشکر میں ہے اس کی مخالفانہ قوت کو ہم دین کا باعث سمجھتے اور گردانتے ہیں۔ اور شہوت پر اُبھارنے والی قوت کو ہوا و ہوس کا باعث سمجھتے ہیں پس ان دونوں لشکروں میں ہمیشہ لڑائی رہتی ہے فرشتوں کا لشکر آدمی سے یوں کہتا ہے کہ اپنے آپ کو شہوت پرستی سے بچاؤ اور شیطان کا لشکر اس پر اُبھارتا ہے۔ انسان بے چارہ اس دو عملی میں حیران و سرگردان ہوتا ہے کہ کس کی مانے اور کس کی بات کو جھٹلائے اگر ہوا و ہوس کی باعث طاقت کے ساتھ جنگ و مقابلہ میں دینی طاقت ثابت قدم رہے اور اپنی جگہ کو نہ چھوڑے تو اسی ثبات کو صبر کہا جاتا ہے اور ثابت قدمی کے ذریعہ غلبہ حاصل کرلے تو اس غلبہ کو ظفر و کامیابی کا نام دیا جاتا ہے اور جب تک مقابلہ کی شکل رہے تو اسے جہاد بالنفس کا نام دیا جاتا ہے۔ پس خواہشات کے باعث طاقت کے مقابلہ میں دینی قوت کا قائم رہنا یہی صبر کے معنی ہیں جہاں ان دونوں لشکروں کا مقابلہ نہیں ہوتا۔ وہاں صبر کی ضرورت نہیں ہوتی اسی لیے فرشتوں کو صبر کی ضرورت نہیں اور حیوانات اور بچوں میں اس کی قوت نہیں ہم نے جن دو فرشتوں کا ذکر کیا ہے یہی کراماً کاتبین ہیں۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے فکر و تامل اور استدلال کی راہ نصیب فرما دی ہے وہ جانتا ہے کہ ہر نئی چیز کا کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے جب دو مختلف چیزیں ہوں گی تو سبب بھی مختلف ہوں گے۔ آدمی دیکھتا ہے کہ حیوانات کو اور بچوں کو ابتدا میں نہ ہدایت کا علم ہوتا ہے نہ معرفت نصیب ہوتی ہے کہ وہ کسی کام کا انجام جان لیں اور نہ ہی انھیں صبر کی قوت ہوتی ہے۔ یہ دونوں چیزیں جوانی کے قریب پیدا ہو جاتی ہیں اور ان کے لیے دو سبب ہوتے ہیں تو یہ دو فرشتے انھی اسباب سے عبارت ہیں اور آدمی چونکہ یہ بھی جانتا ہے کہ اصل ہدایت ہے اور پہلے ہدایت ہی ہوتی ہے پھر اس پر عمل کرنے کی قدرت اور ارادہ نصیب ہوتا ہے پس جو فرشتہ ہدایت کا سبب ہوتا ہے وہ تو معزز و افضل ہے اس لیے سینہ کے دائیں ہاتھ اس کا مسکن ہوتا ہے اور سینہ ہے اس لیے کہ فرشتے تیرے موکل ہوں چونکہ دائیں ہاتھ کا فرشتہ تیری ہدایت کے لیے ہے اس لیے اگر تو ہدایت و معرفت کی خاطر اس کی طرف کان لگائے گا تو تیرا یہ کان لگانا ایسا ہے گویا تو نے اس پر احسان کیا اور اسے بیکار نہیں چھوڑا اور یہی بات تیرے نامۂ عمل میں ایک نیکی کا باعث ہوگی اور اگر اس سے انکار کر کے اسے بیکار چھوڑے گا تاکہ حیوانات اور بچوں کی طرح انجام کی ہدایت سے محروم رہے تو یہ کوتاہی ہوگی جو تو نے اپنے اور اس کے حق میں کی یہ کوتاہی تیرے کھاتہ میں لکھی جائے گی۔ اس طرح وہ قوت جو تُو نے اس فرشتہ کے ذریعہ پائی ہے اگر خواہشات کی مخالفت میں خرچ کرے گا اور کوشاں رہے گا تو یہ نیکی ہوگی ورنہ کوتاہی۔ اور یہ دونوں حالتیں تیرے نام لکھی جائیں گی نامۂ عمل میں بھی اور تیرے دل میں بھی مگر تیرے دل سے پوشیدہ رہے گی۔ یہ دونوں فرشتے اور ان کے نوشتے عالمِ شہادت سے متعلق ہیں انھیں ان آنکھوں سے آدمی نہیں دیکھ سکتا جب موت آئے گی اور یہ آنکھ باقی نہیں رہے گی اور دوسری آنکھ جس سے عالَمِ ملکوت کو دیکھنا ممکن ہے کھلے گی تب ان نوشتوں کو اپنے سامنے موجود پائے گا اور انھیں دیکھ کر قیامت صغریٰ سے آگاہی پائے گا مگر اس کی تفصیل قیامت کبریٰ یعنی حشر کے دن نظر آئے گی۔

قیامت صغریٰ تو موت کے وقت ہی قائم ہو جاتی ہے جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِیَامَتُهٗ اور جو خطرات قیامت کبریٰ میں ہیں ان کی جھلک تو یہاں بھی ہے اس کی تفصیل ہم نے اپنی کتاب احیاء العلوم میں بیان کی ہے یہ کتاب ان تفصیلات کی متحمل نہیں لیکن مقصد یہ ہے کہ تم یہ بات سمجھ لو کہ صبر کی ضرورت لڑائی میں ہے اور

لڑائی کا انحصار دو مخالف لشکروں پر ہے ان میں سے ایک ملائکہ کا لشکر ہے دوسرا شیاطین کا اور آدمی ایسا ہے کہ اس کے سینے میں دونوں جمع ہیں۔ اس لڑائی میں مشغول ہونا راہِ دین کا پہلا کام ہے اس لیے کہ بچپن سے سینے کے میدان میں شیاطین نے قبضہ کرلیا ہے اور ملائکہ کا لشکر جوانی کے وقت پیدا ہوتا ہے۔ جب تک شہوتوں کے لشکر کو تم مغلوب نہیں کر لوگے سعادت کو نہیں پہنچ سکتے اور اسے مغلوب کرنے کا انحصار لڑائی اور لڑائی میں صبر پر ہے جو اس جنگ سے گریز کرتا ہے گویا اس نے سینہ کی ولایت و سلطنت شیطان کے سپرد کردی اور جس نے اپنی خواہشات کو مطیع بنالیا وہ شریعت کا خادم و مطیع بن گیا اور اس نے میدان مار لیا جیسا کہ جناب سلطان المجاہدین ﷺ نے فرمایا ہے ((وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَعَانَنِیْ عَلٰی شَیْطَانِیْ فَاَسْلَمَ)) (میرے اللہ نے میرے شیطان کے مقابلہ میں میری مدد فرمائی اور وہ مُسلمان ہوگیا) جب آدمی اپنے نفس سے جہاد کرتا ہے تو کبھی فتح پاتا ہے کبھی شکست۔ کبھی خواہشاتِ نفسانی قبضہ کرلیتی ہیں کبھی ملکی طاقتیں (فرشتوں کی قوتیں) بغیر صبر اور ثابت قدمی یہ قلعہ فتح نہیں ہو سکتا۔

صبر کو نصف ایمان اور روزہ کو نصف صبر کیوں کہا گیا؟

ایمان ایک شے نہیں اس کی بہت سی شاخیں ہیں چنانچہ حدیث میں ہے کہ ایمان کے ستر سے زائد ابواب ہیں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تو سب سے بڑا دروازہ ہے اور راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا سب سے چھوٹا ہے۔ باوجودیکہ ایمان کی اقسام اور شاخیں بہت ہیں لیکن بنیادی تین ہی جنس سے تعلق رکھتی ہیں۔ معرفت' احوال اور اعمال' ایمان کے مقامات میں سے کوی مقام ان تینوں جنسوں سے خالی نہیں مثلاً توبہ کی حقیقت ندامت ہے اس کا تعلق دِل سے ہے اس کی اصل و بنیاد اس بات کی معرفت ہے کہ گناہ زہر قاتل ہے اور اس کی فرع یہ ہے کہ آدمی گناہ سے دستبردار ہوکر عبادت میں مصروف رہے۔ پس یہ حالت اور معرفت اور عمل سبھی منجملہ ایمان ہیں اور ایمان تین چیزوں کے مجموعہ سے عبارت ہے لیکن اسے کبھی معرفت کے ساتھ مختص کرتے ہیں کیونکہ وہ اصل ہے اس لیے کہ معرفت ہی سے حالت پیدا ہوتی ہے اور حالت سے عمل ظاہر ہوتا ہے پس معرفت گویا درخت کا تنا ہے اور معرفت کے سبب دِل کے حالات کا بدلنا درخت کی شاخیں ہیں۔ اور حالات کے تغیر سے جو افعال سرزد ہوتے ہیں وہ پھل کی مانند ہیں۔ پھر ایمان دو چیزوں کا نام ہے دیدار اور کردار اور یہ بغیر صبر ممکن نہیں اور صبر نصف ایمان ہے اور صبر دو جنس سے کرنا چاہیے ایک تو شہوت سے اور دوسرے دشمن سے روزے میں شہوت سے صبر ہوتا ہے پس روزہ نصف صبر ہے دوسرے اس وجہ سے بھی صبر نصف ایمان ہے تاکہ تو کردار ہی میں نظر کرے اور ایمان اسی سے مُراد لے تو رنج و مشقت میں مُسلمان کا کردار صبر کا ہے اور ناز و نعمت میں شکر کا ہے اس لیے نصف ایمان تو صبر ہوا اور نصف ایمان' شکر' جیسا کہ احادیث میں ہے اس بات کو نوٹ کرلو کہ صبر بہت مشکل اہے اگر صبر کو ہی تم ایمان کی اصل و بنیاد قرار دو گے تو صبر سے بڑھ کر کوئی چیز مشکل نہیں اس لیے صبر ہی پورا ایمان ہوگا جیسا کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے پوچھا کہ ایمان کس چیز کا نام ہے آپ ﷺ نے فرمایا صبر کا' یعنی ایمان میں صبر بہت مشکل امر ہے اور یہ فرمانا ویسا ہی ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میدانِ عرفات کی حاضری ہی حج ہے کہ بنیاد اسی پر ہے۔

ہر حال میں صبر کی ضرورت

بندہ کسی وقت ایسی چیز سے خالی نہیں رہتا جو اس کی خواہش کے موافق یا مخالف ہو وہ ہر حال میں صبر کا محتاج ہوتا ہے جو چیز آدمی کی خواہش کے موافق ہو جیسے مال' نعمت' عزت' تندرستی' بیوی بچے وغیرہ' دل پسند چیزیں۔ تو ان میں دوسری چیزوں کے مقابلہ میں صبر کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ اگر اپنے آپ کو کنٹرول نہ کیا اور ناز و نعم میں کھل کھیلنے لگا اور دِل پھنسا کر رہ گیا تو غرور و سرکشی پیدا ہو جائے گی۔ بزرگوں کا قول ہے کہ رنج و محنت پر سبھی صبر کرتے ہیں لیکن خوشی و عافیت کے ماحول میں صبر کرنا صدیقین ہی کا کام ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس مال کی بہتات ہو جاتی اور دُنیوی نعمتوں کا سلسلہ دراز ہو جاتا تو فرماتے کہ رنج و محنت کے دور میں ہم نے خوب صبر کیا اب ویسا صبر نہیں کر سکتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

﴿ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ﴾ (الانفال)

"یقیناً تمھارے مال اور تمھاری اولاد آزمائش و فتنہ کا باعث ہیں"

الغرض اچھے حالات میں صبر بہت مشکل ہے بڑی پاک دامنی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیوی نعمتیں دے ہی نہیں۔ نعمت پر صبر اس طرح ہوتا ہے کہ آدمی اس کے ساتھ دِل ہی نہ لگائے اس کے سبب زیادہ خوشیاں نہ منائے انہیں وقتی چیز تصور کرے اور یہ خیال کرے کہ یہ جلد ہی مجھ سے واپس لے لی جائے گی۔ بلکہ اصل بات تو یہ ہے کہ اسے نعمت سمجھے ہی نہیں کہ ممکن ہے کہ وہ قیامت کے دن اس کے درجات میں نقصان کا باعث ہو۔ اس لیے اس کے شکر میں مشغول رہنا ضروری ہے تاکہ مال و تندرستی اور دوسری نعمتیں جو کچھ ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کا حق ادا ہوتا رہے اور ان میں سے ہر ایک میں صبر کی حاجت و ضرورت تھی اور وہ مال جو خواہش کے موافق نہ ہوں ان کی تین قسمیں ہیں۔ ایک تو وہ جو آدمی کے اختیار میں ہوتے ہیں جیسے عبادت کرنا' گناہ کا ترک کرنا۔ دوسری قسم وہ ہے جو اس کے اختیار میں نہ ہو جیسے بلا اور مصیبت۔ تیسری وہ جس کی بنیاد تو اُس کے اختیار میں نہ ہو مگر اس کا دفع کرنا اور اس کا بدلہ لینا اس کے اختیار میں ہو جیسے لوگوں کا اسے رنج پہنچانا۔ پہلی قسم میں صبر کی احتیاج ہے اس لیے بعض عبادات سستی کی وجہ سے دشوار ہوتی ہیں جیسے نماز اور بعض بخل کے سبب مشکل ہے ابتداء میں بھی درمیان میں بھی اور آخر میں بھی۔ ابتدا میں تو یوں کہ نیت میں خلوص پیدا کرے ریا کو دِل سے نکال دے یہ بہت مشکل امر ہے درمیان میں یوں کہ وہ عبادت شرائط و آداب کے ساتھ کرے۔ آداب و شرائط کے خلاف کوئی نئی بات نہ ہونے پائے مثلاً اگر نماز ہے تو اس کے درمیان اِدھر اُدھر نہ دیکھے کسی چیز کا خیال نہ کرے آخر میں اس طرح صبر کی حاجت ہوتی ہے کہ عبادت کو ظاہر کرنے اس کا ڈھنڈورہ پیٹنے اور اس پر فخرو غرور سے صبر کرے رہ گیا گناہ کا ترک تو یہ کام صبر کے بغیر ہو ہی نہیں سکتا جس قدر خواہش زیادہ اور گناہ آسان ہوتا ہے اسی قدر اس سے صبر دشوار ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے زبان کے گناہوں سے صبر کرنا مشکل ہے اس لیے کہ زبان ہلا دینا بہت آسان بات ہے جب کوئی بری بات کہی جاتی ہے تو وہ عادت بن جاتی ہے بری بات بھی شیطان کے لشکر میں شامل ہے اسی وجہ سے جھوٹ' اپنی تعریف' دوسروں پر طعن و تشنیع وغیرہ میں زبان خوب چلتی ہے جب ایسی کوئی بات زبان پر آتی ہے جس سے لوگ متعجب ہوں اور پسند کریں تو کہنے والے کو بڑا رنج برداشت کر کے صبر آتا ہے۔ اکثر یہ ہے کہ لوگوں کی

صحبت میں بیٹھ کر اس سے صبر ممکن نہیں ہوتا ہاں گوشہ نشینی اختیار کر کے آدمی بچ سکتا ہے۔

دوسری قسم جس میں آدمی بے اختیار ہوتا ہے جیسے لوگوں کا اسے زبان اور ہاتھ سے رنج پہنچانا لیکن اس کا بدلہ اس کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ اس قسم میں کامل صبر کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ رنج پہنچانے والے سے بدلہ لینے میں حد سے نہ بڑھ جائے ایک صحابیؓ کا ارشاد ہے جب تک ایمان کے ساتھ لوگوں کے دیئے ہوئے رنج پر ہمیں صبر کی طاقت حاصل نہ ہو اس وقت تک ہم ایمان کو ایمان نہیں جانتے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا :

﴿ دَعْ اَذٰاهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ﴾ (الاحزاب)

"اے پیغمبران کی اذیتوں پر ان سے درگزر کریں اور اللہ پر بھروسہ کریں"

اور ارشاد ہوا :

﴿ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ﴾ (مزمل)

"اے پیغمبر وہ جو کہتے ہیں ان پر صبر کریں اور بھلائی کے ساتھ ان سے جدائی اختیار کریں"

اور فرمایا :

﴿ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ ﴾ (الحجر)

"اے پیغمبر ہم جانتے ہیں کہ آپ دشمن کی باتوں سے رنجیدہ خاطر ہوتے ہیں' آپ (انہیں چھوڑ کر) اپنے رب کی تعریف کی تسبیح بیان کریں"

ایک دن آپ ﷺ غنیمت کا مال تقسیم فرما رہے تھے ایک شخص نے معاذ اللہ آپ ﷺ پر بے انصافی کا الزام لگایا۔ آپ ﷺ کو یہ خبر ملی تو چہرۂ انور سرخ ہو گیا اور فرمانے لگے کہ اللہ تعالیٰ میرے بھائی موسیٰ علیہ السلام پر رحم کرے انھیں اس سے زیادہ لوگوں نے رنج دیئے اور انھوں نے صبر سے کام لیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴾ (الانفال)

"اگر تمھیں اذیت پہنچے اور تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تمھیں اذیت پہنچی ہے اور اگر صبر کرو تو یہ چیز صبر کرنے والوں کے حق میں بہت بہتر ہے"

اور میں نے انجیل میں لکھا ہوا دیکھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو نبی مجھ سے پہلے آئے انھوں نے کہا کہ ہاتھ کے بدلے ہاتھ کاٹ دو' آنکھ کے عوض آنکھ پھوڑ دو' دانت کے بدلے دانت توڑ دو میں ان کے حکم کو منسوخ تو نہیں کرتا لیکن تمھیں یہ نصیحت کرتا ہوں کہ برائی کے بدلے برائی اختیار نہ کرو بلکہ اگر کوئی شخص تمھارے دائیں گال پر چپت رسید کرے تو بایاں گال بھی سامنے کر دو کہ لو بھائی اِدھر بھی طمانچہ مار لو اور اگر کوئی تمہاری پگڑی چھین لے تو اپنا کرتہ بھی اس کے سپرد کر دو اور اگر کوئی ایک میل تمھیں بیگار میں ساتھ لے جائے تو تم دو میل ساتھ چلو اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص تمھیں محروم رکھے تم اسے عطیہ دو جو تمھارے ساتھ برائی کرے تم اس سے بھلائی کرو۔ ایسا صبر صدیقین کو نصیب ہوتا ہے۔

تیسری قسم جس کی ابتداء و انتہا انسانی اختیار میں نہیں وہ مصیبت ہے جیسے فرزند کا مرجانا' مال کا ضائع ہو جانا' کسی عضو

کا بیکار ہو جانا، جیسے آنکھ کا پھوٹ جانا اور سبھی آسمانی بلائیں، اس مصیبت اور آفت پر صبر سے زیادہ کسی اور صبر پر ثواب حاصل نہیں ہوتا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں تین قسم کے صبر ذکر کیے گئے ہیں، عبادت پر صبر، اس کا ثواب تین سو درجے ہے حرام چیز سے صبر جس کا ثواب چھ سو درجے ہے تیسرا مصیبت کی ابتدا میں صبر جس پر ثواب نو سو درجے ہے۔

یاد رکھیں کہ بلاؤں اور مصائب پر صبر صدیقوں کا کام ہے اسی وجہ سے جناب رسول اللہ ﷺ نے دُعا کی اے اللہ ہمیں اس قدر یقین نصیب فرما کہ دُنیا کی مصیبتیں ہم پر آسان ہو جائیں۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس بندے پر میں بیماری بھیجتا ہوں اگر وہ صبر سے کام نہ لے اور لوگوں سے میرا گلہ شکوہ نہ کرے تو میں اگر اسے صحت بخشوں تو پہلے سے زیادہ بہتر اسے گوشت پوست عطا کرتا ہوں۔ اور اگر دُنیا سے لے جاتا ہوں (یعنی موت آ جاتی ہے) تو اپنی رحمت کے ساتھ لے جاتا ہوں (یعنی ایمان کی موت نصیب ہوتی ہے)۔

حضرت داؤد علی نبینا وعلیہ السلام نے عرض کی کہ اے اللہ جو شخص مصیبت میں خاص تیری رضا کی خاطر صبر کرے اس کی کیا جزا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کی جزا یہ ہے کہ میں اسے ایمان کی خلعت پہناؤں گا اور واپس کبھی نہیں لوں گا۔ جناب سید المرسلین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ صبر کے ساتھ خوشحالی اور فارغ البالی کی انتظار عبادت ہے اور فرمایا کہ جو شخص مصیبت و ابتلا کا شکار ہو اور یہ کلمات پڑھے:

((اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاَعْقِبْنِيْ خَيْرًا مِنْهَا))

"ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور تحقیق ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، اللہ تو میری مصیبت میں مجھے اجر نصیب فرما اور مجھے اس سے بہتر بدلہ دے"۔

تو اللہ تعالیٰ اس کی یہ دُعا قبول فرماتے ہیں اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ جس آنکھ کی بینائی میں لے لیتا ہوں اس کی جزا کیا ہے پھر خود ہی فرمایا اس کی جزا یہ ہے کہ میں اس شخص کو اپنے دیدار سے مکرم کروں گا۔ ایک بزرگ نے ایک کاغذ پر لکھا تھا ﴿ وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا ﴾ (صبر کر اپنے رب کے حکم سے اس لیے تو ہمارے سامنے ہے) جب انھیں کوئی تکلیف پہنچتی اس کاغذ کو جیب سے نکال کر پڑھ لیا کرتے۔ فتح موصلی کی زوجہ رحمۃ اللہ علیہا گر پڑیں اور ناخن اکھڑ گیا لیکن یہ ہنسنے لگیں۔ لوگوں نے پوچھا درد نہیں ہوتا فرمایا مجھے ثواب کی خوشی میں کوئی درد نہیں۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کا تقاضا یہ ہے کہ تم بیماری میں اس کے شکوے نہ کرو اور مصیبت کو پوشیدہ رکھو۔ ایک راوی نے نقل کیا ہے کہ میں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام سالم رحمۃ اللہ علیہ کو راستہ میں زخمی پڑا دیکھا۔ میں نے پوچھا کہ آپ کو پانی کی ضرورت ہو تو لاؤں؟ فرمایا کہ میری ٹانگ پکڑ کر دشمن کے قریب کر دے اور پانی میرے سر میں بھر دے کیونکہ میرا روزہ ہے اگر رات تک زندہ رہا تو پی لوں گا۔ یاد رکھنا چاہیے کہ رونے اور غمزدہ ہونے سے صبر کی فضیلت ضائع نہیں ہوتی بلکہ اس کی فضیلت اس وقت ضائع ہوتی ہے جب چیخیں ماری جائیں کپڑے پھاڑے جائیں اور بہت زیادہ ہنگامہ کیا جائے اس لیے کہ جناب نبی کریم علیہ السلام کے فرزند حضرت ابراہیم کا انتقال ہوا تو آپ ﷺ رونے لگے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ آپ ﷺ نے تو رونے سے منع فرمایا ہے۔ آپ

ﷺ نے فرمایا کہ یہ رونا تو رحمت کا ہے جو رحیم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر رحمت فرماتے ہیں۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ صبر جمیل یہ ہے کہ جو مصیبت کا شکار ہو اسے دوسرے لوگوں سے تمیز نہ کر سکیں۔ پس کپڑے پھاڑنا' منہ پیٹنا' چیخیں مارنا سب باتیں حرام ہیں بلکہ اپنی حالت میں تغیر پیدا کرنا' چادر سے منہ لپیٹنا' پگڑی چھوٹی کر دینا وغیرہ جیسے کام بھی پسندیدہ نہیں۔ بلکہ انسان کو سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک بندہ پیدا کیا تھا اسے واپس بلا لیا۔ رمیضا اُم سلیم رضی اللہ عنہا کا قِصّہ ہے کہتی ہیں کہ میرے خاوند ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کہیں گئے ہوئے تھے قضائے الٰہی سے میرا بیٹا مرگیا میں نے اس پر کپڑا ڈال دیا۔ خاوند آئے تو پوچھا کہ لڑکا بیمار تھا اب اس کی طبیعت کیسی ہے میں نے کہا کہ سابقہ راتوں کے مقابلہ میں آج بہت اچھا ہے پھر میں نے خاوند کو کھانا کھلایا اور اس رات میں نے دوسری راتوں کے مقابلہ میں زیادہ بناؤ سنگار کیا حتیٰ کہ میرے شوہر نے مجھ سے ہم بستری کی۔ میں نے اس سے کہا کہ فلاں پڑوسی کو میں نے عاریتاً ایک چیز دی تھی واپس جو مانگی تو اُس نے شور مچایا۔ میرے شوہر نے کہا تعجب کی بات ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پڑوسی بڑا احمق ہے۔ تب میں نے اس سے کہا کہ تیرا وہ چھوٹا سا بیٹا تیرے پاس اللہ تعالیٰ کا ہدیہ اور امانت تھا جو اللہ نے لے لیا۔ اِس پر اُس نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا اور صُبح کو حضور علیہ السلام سے سارا قِصّہ سنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہ رات تمھیں مبارک کرے کیا اچھی رات تھی؟ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے جنّت کا مشاہدہ کیا تو وہاں رمیضا اُم سلیم کو دیکھا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ بندہ کسی وقت بھی صبر سے بے نیاز نہیں بلکہ اگر آدمی اپنی خواہشات سے چھٹکارا پا لے اور گوشۂ تنہائی کو اختیار کرے تو بھی ہزاروں طرح کے وسوسے اور خیالات اس کے دِل میں آئیں گے جو یادِ الٰہی سے رکاوٹ بنیں گے وہ خیال اگرچہ مباح چیزوں کے ہوں مگر چونکہ وہ عمر اور وقت جیسی عزیز پونجی کے ضیاع کا ذریعہ ہے اس لیے وہ بھی نقصان کا باعث ہوں گے اس سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو وظائف و اوراد میں مشغول رکھے اور اگر نماز میں ایسی بات ہو تو ان کے ازالہ کے لیے خوب کوشش کرنی چاہیے۔ وساوس اور خیالات و اَوہام سے آدمی تب ہی چھوٹ سکتا ہے جب کسی ایسے کام میں مشغول ہو جو اس کے دِل کو اپنی طرف لگا لے۔ حدیث میں ہے کہ بے فکرے جوان کو اللہ تعالیٰ دشمن سمجھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ جو آدمی ظاہر میں فارغ ہو کر بیٹھ جاتا ہے وہ وسوسوں سے آزاد نہیں رہ سکتا۔ شیطان اس کے قریب ہو جاتا ہے وسوسے اس کے دِل میں گھر بنا لیتے ہیں اگر اللہ کی یاد سے ان کا دفعیہ نہ کر سکے تو کسی پیشے یا خدمت میں مشغول ہو تاکہ وہ وسوسوں سے بچانے کا ذریعہ بن سکے۔ ایسے آدمی کو خلوت میں بیٹھ نہ رہنا چاہیے بلکہ جو شخص دِل کے کام سے عاجز ہو جائے اسے اپنے بدن کو کسی کام دھندہ میں مشغول رکھنا چاہیے۔

صبر کرنے کا علاج

صبر کا ایک ہی باب نہیں کئی ابواب ہیں۔ ہر ایک سے صبر کرنے میں ایک نئی دقت اور دشواری پیش آتی ہے اور ہر کسی کا علاج جدا جدا ہے۔ ہرچند کہ عِلم و عمل کا معجونِ مرکب اس کا علاج ہے اور جو کچھ مہلکات (ہلاک کرنے والی چیزیں) کے باب میں بیان ہوا ہے وہ سب ابواب سے صبر حاصل کرنے کی دوا ہے لیکن یہاں تمثیلاً ایک نسخہ بیان کیا جاتا ہے تاکہ

وہ نمونہ ثابت ہو اور دوسرے ابواب کو اسی پر قیاس کیا جا سکے۔ ہم بیان کر چکے ہیں کہ وہ چیز جو شہوت کا باعث ہے اس کے مقابلہ میں دین پر ثابت قدمی ہی صبر ہے اور ان دونوں قوتوں کے درمیان لڑائی رہے جو شخص ان دونوں کو لڑانا چاہتا ہے کہ ایک غالب آ جائے تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ جس کا غلبہ اسے مطلوب ہے اسے قوت و امداد مہیا کی جائے اور دوسرے کو ضعیف و کمزور کیا جائے۔ اگر کسی پر جماع کی شہوت اتنی غالب آ گئی کہ وہ فرج کو نہیں بچا سکتا تو ایسا چاہیے کہ آنکھ کو نظر سے اور دل کو خیال سے باز رکھا جائے اور اسے باز نہیں رکھ سکتا اور صبر نہیں کر سکتا تو پھر یہ تدبیر اختیار کرے کہ پہلے اس چیز کی قوت کو توڑے جو شہوت کا باعث ہے۔ قوت توڑنے کے تین طریقے ہیں ایک تو یہ کہ اگر یہ معلوم ہو اچھا کھانا شہوت کا باعث بنتا ہے تو روزے رکھ لیا کرے۔ رات کو تھوڑی سی روٹی کھائے گوشت اور مقوی کھانے سے گریز کرے دوسرے یہ کہ جو اسباب شہوت کی آگ بھڑکاتے ہیں ان کا سدباب کرے اچھی صورت سے ایسا ہوتا ہے تو آدمی کو گوشہ نشینی اختیار کرنی چاہیے اور اپنی آنکھ کو بچائے اور جہاں رنڈیاں اور لونڈے ہوتے ہیں وہاں نہ ٹھہرے۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ مباح فعل سے تسکین کا سامان حاصل کرے تاکہ اس کے ذریعہ حرام شہوت سے بچ سکے یہ سکون نکاح سے حاصل ہو سکتا ہے اکثر لوگ بغیر نکاح حرام شہوت سے نہیں بچ سکتے کیونکہ نفس کی مثال سرکش چارپائے جیسی ہے اس کی اصلاح جتنے آب و دانہ سے اس کی تسکین ہوتی ہے اتنا دے۔ شہوت کے یہی تین علاج ہیں یہ تو اس چیز کا بیان ہوا جو شہوت کے اسباب کو کمزور کرنے کا باعث ہے اور دینی تقویت کی جو چیزیں باعث ہیں وہ دو طرح سے حاصل ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ اسے شہوت کے ساتھ کشتی لڑنے کے فائدہ کا لالچ دے یا ان احادیث میں غور و تامل کرے جن میں شہوت سے صبر کا ثواب مذکور ہے۔ جب اس بات پر ایمان قوی ہو جائے گا کہ شہوت کا مزہ تو لمحہ بھر کا ہے اور صبر کا صلہ سلطنت ابدی کی شکل میں ملے گا۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ وہ چیز دینی تقویت کے باعث کو شہوات انسانی کی مخالفت کا بتدریج عادی بنائے حتیٰ کہ وہ دلیر ہو جائے اس کی فکر کرے۔ اس لیے کہ جب کسی کی خواہش ہوتی ہے کہ میں مضبوط اور قوی ہو جاؤں تو اس کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ قوت آزمائی کرے اور کچھ نہ کچھ ورزش کرے اور تھوڑی تھوڑی ترقی کرتا رہے اور جو کسی پہلوان کے ساتھ کشتی کا ارادہ رکھتا ہو اسے ابتدا میں چھوٹے چھوٹے پہلوانوں سے نبرد آزما ہونا چاہیے۔ اس طرح اس کی قوت اور کشتی کا طریقہ بڑھتا رہے گا اور وہ اس فن میں تاک ہو جائے گا۔ یہ ہی طریقہ سب کاموں میں حاصل کرنے کا ہے۔

شکر کی فضیلت اور اس کی حقیقت

شکر اللہ کے نزدیک بہت بلند مرتبہ چیز ہے۔ ہر کوئی اس درجہ کو حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا ہے:
﴿ وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ ﴾ (سبا) اور ابلیس نے مردود ہونے کے بعد انسان پر جو طعنہ مارا تو اُس میں کہا ﴿ لَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ ﴾ (الاعراف) یعنی اے اللہ ان میں سے اکثر شاکر نہیں ہوں گے۔

جن صفات کو ہم نے منجیات (باعث نجات) کہا ہے وہ دو قسم پر مشتمل ہیں۔ ایک قسم تو ان کی ہے جو فی نفسہٖ مقصود نہیں راہ دینی کے مقدمات ہیں اس لیے کہ توبہ، صبر، خوف، زہد، فقر، محاسبہ وغیرہ سب ایک بڑے کام کا وسیلہ ہیں جو اِن

کے علاوہ ہے۔ دوسری قسم ان چیزوں کی ہیں جو فی نفسہٖ مقاصد کہلانے کے مستحق ہیں اور فی نفسہٖ مقصود ہیں۔ وہی آخرت میں باقی رہیں گی۔ شکر انھیں میں داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ وَاٰخِرُ دَعْوٰهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ (یونس)

"ان کی آخر دُعا یہ ہے کہ سب تعریفوں کی مستحق اللہ کی ذات ہے جو پروردگار عالم ہے۔"

اس لیے شکر کو کتاب کے آخر میں بیان کرنا ضروری تھا لیکن چونکہ اس کا صبر سے گہرا تعلق ہے اس لیے یہیں بیان کیا جا رہا ہے۔ شکر کا درجہ بلند تر ہونے کی علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے ذکر کے ساتھ بیان فرمایا ہے :

﴿ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴾ (بقرہ)

"پس تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کروں گا اور تم میرا شکر کرو اور ناشکری نہ کرو"

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ کھانا کھانے والے شکر گزار کا درجہ روزہ رکھنے والے صابر کے برابر ہے اور فرمایا کہ جب قیامت میں یہ اعلان ہو گا لِیَقُمِ الْحَمَّادُوْنَ (حمد کرنے والے اُٹھیں) تو وہی شخص اُٹھے گا جو ہر حال میں شکر کرتا رہا۔ مال جمع کرنے کی ممانعت میں یہ آیت اتری : ﴿ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ ﴾ (توبہ) تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مال میں سے پھر کیا جمع کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ذکر کرنے والی زبان، شکر کرنے والا دل اور ایماندار عورت۔ یعنی دُنیا میں انھی تین چیزوں پر قناعت کرنی چاہیے۔ کیونکہ ذکر و شکر کی راہ میں صالح بیوی مدد و معاون ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شکر نصف ایمان ہے۔ حضرت عطا رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اُم المؤمنین، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عجیب و غریب حالات میں سے کچھ ارشاد فرمائیں۔ انھوں نے رو کر فرمایا کہ وہ کونسی بات تھی جو آپ میں تھی اور عجیب نہ تھی۔ پھر فرمایا کہ ایک رات آپ آرام کی غرض سے میرے حجرہ میں تشریف لائے اور بستر پر لیٹ گئے حتیٰ کہ آپ کا جسم مبارک مجھ سے مس ہوا تو فرمایا کہ عائشہ مجھے چھوڑ دو کہ میں اپنے رب کی عبادت کر سکوں۔ میں نے کہا کہ گو میری، خواہش یہ ہے کہ میں آپ کے ساتھ رہوں لیکن آپ کی خواہش ہے تو بسم اللہ۔ پس آپ اُٹھے، مشک سے پانی لیا وضو فرمایا اور تھوڑا سا پانی ٹھنڈک کی خاطر بہا دیا۔ پھر نماز شروع فرما دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل نماز پڑھتے رہے اور روتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ تشریف لائے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نمازِ فجر کے لیے تشریف لائیں۔ میں نے عرض کیا کہ جب اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام گناہ بخش چکا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں روتے ہیں؟ فرمایا کہ میں شکر گزار بندہ ہوں، میں کیوں نہ رووں۔ یہ آیت مجھ پر ہی نازل ہوئی ہے :

﴿ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ ﴾ (آل عمران)

"تحقیق آسمان اور زمین کی تخلیق اور رات دن کے اختلاف اور ادل بدل کے آنے میں عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ عقلمند وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو کھڑے، بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے ہر حال میں یاد کرتے ہیں۔"

مقصد یہ ہے کہ ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے اور زمین و آسمان کے عجائبات میں غور و تدبر سے نظر کرتے ہیں اور یہ

درجہ حاصل کرنے کی خواہش میں روتے ہیں۔ خوف سے نہیں جیسا کہ بعض لوگوں نے روایت کی ہے ایک نبی ایک چھوٹے سے پتھر کے پاس سے گزرے۔ اس میں سے خوب پانی بہہ رہا تھا۔ انھیں تعجب ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پتھر کو 4
گویائی دی وہ کہنے لگا کہ جب سے میں نے یہ خبر سنی ہے کہ:

﴿ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةِ ﴾ (البقرہ) "جہنم کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں"۔

تب سے میں یونہی رو رہا ہوں۔ نبی نے دُعا کی کہ اے اللہ اِس پتھر کو بے خوف اور مطمئن کر دے۔ دُعا قبول ہو گئی۔ پھر جو اُدھر سے گزرے تو اُسی طرح پانی بہہ رہا تھا۔ اب جو اس کا سبب پوچھا تو اُس نے کہا کہ جب خوف سے روتا تھا اب شکر کی وجہ سے روتا ہوں۔ یہی مثال آدمی کے دِل کی ہے۔ وہ پتھر سے زیادہ سخت ہے۔ اسے کبھی رنج اور کبھی خوشی سے روتا رہنا چاہیے تاکہ دِل نرم رہے۔

شکر کی حقیقت کا بیان

ہم بیان کر چکے ہیں کہ دین کے سب مدارج اور مقامات کی تین اصلیں ہیں علم' حال اور عمل۔ عِلم اصل الاصول ہے اس سے حال پیدا ہوتا ہے اور حال سے عمل۔ اسی طرح نعمت کو منعم حقیقی کی طرف سے پہچاننا شکر کا عِلم ہے۔ اس نعمت کے سبب دِل کی خوشحالی ہے اور اس نعمت سے منعم حقیقی کا جو اصلی مقصد ہے۔ یعنی نعمت کو اس کام میں لانا عمل ہے۔ یہ عمل دِل سے بھی تعلق رکھتا ہے' زُبان سے بھی اور بدن سے بھی۔ جب تک یہ سب باتیں معلوم نہ ہوں گی تب تک شکر کی حقیقت بھی معلوم نہ ہو گی۔ عِلم یہ ہے کہ جو نعمت تمھیں ملی ہے اس کے متعلق پہچان لو کہ وہ اللہ نے ہی دی ہے اس نعمت کے عطا کرنے میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ جب تک تم کسی درمیانی سبب کو دیکھتے ہو اور اسی کی طرف ٹکٹکی باندھے رہتے ہو اور سمجھتے ہو کہ نعمت دینے میں اس کا بھی دخل ہے تب تک یہ معرفت اور شکر ناقص اور ناتمام ہے۔ اگر بادشاہ تجھے لباسِ فاخرہ دے اور تیرا خیال ہو کہ اس کا سبب وزیر کی عنایت ہے تو تیرا شکر یہ بادشاہ کے لیے نہ ہو گا۔ اس میں وزیر کا بھی حصہ ہو جائے گا اور تیری خوشی کا انحصار بادشاہ پر نہیں ہو گا۔ لیکن اگر تمھیں یہ یقین ہو کہ حکم تو بادشاہ کا ہی ہے اور یہ لکھا قلم کاغذ کے ذریعہ گیا ہے تو اس سے کوئی نقصان لازم نہیں آتا اس لیے کہ ہر کوئی جانتا ہے کہ قلم اور کاغذ تو مسخر اور مطیع ہیں۔ لباسِ فاخرہ دینے میں ان کا کیا دخل ہے بلکہ اگر کسی کا یہ خیال ہو کہ فلاں شاہی کارندہ مجھے لباس پہنچا کر گیا ہے تو بھی کچھ نقصان نہیں کیونکہ وہ تو بادشاہ کے حکم کا پابند ہے۔ جب بادشاہ حکم دیتا ہے تو وہ خلاف ورزی نہیں کر سکتا اور جب حکم نہیں دیتا تو اپنے طور پر کچھ نہیں دے سکتا اس کی مثال کاغذ و قلم جیسی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ روئے زمین کی نعمتوں کا سبب تم بارش کو سمجھو اور بارش کا سبب بادل کو خیال کرو اور کشتی کے سفر میں کامیابی کا سبب موافق ہوا کو سمجھو تو صحیح شکر ادا نہ ہو گا۔ لیکن اگر تمھارا یہ خیال ہو کہ بادل' بارش' ہوا' آفتاب و ماہتاب' ستارے وغیرہ جو کچھ ہیں سب اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور اسی طرح اس کے تابع ہیں جس طرح لکھنے والے کے ہاتھ میں قلم۔ کیونکہ قلم خود کچھ نہیں کر سکتا تو ایسا سمجھنا شکر میں نقصان کا باعث نہ ہو گا۔ اگر کوئی نعمت کسی انسان کی وساطت سے ملے اور تم اسی کو خدا کی نعمت جاننے لگو تو یہ حماقت ہے اور ایسا سوچنا شکر کے مرتبے سے حجاب اور بُعد کی علامت

ہے۔ بلکہ تجھے یہ خیال کرنا چاہیے کہ اس آدمی نے تجھے اس لیے نعمت دی ہے کہ اللہ نے اس کے دِل میں تحریک پیدا کی۔ وہی تحریک اس کا سبب بنی وہ اس تحریک کا خلاف کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا۔ اگر اس کے خلاف کرنا اس کے بس میں ہوتا تو ایک حبہ تجھے نہ دیتا۔ تحریک (سرِاول) وہ قصد و ارادہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے دِل میں پیدا کر کے یہ بات اس کے دِل میں ڈال دی کہ تیری سعادت و نیکی بختی اس میں ہے کہ یہ نعمت فلاں کو دے دو۔ حتیٰ کہ وہ اس طمع کے پیش نظر کہ دُنیا یا عقبیٰ میں فلاں مُراد نصیب ہو گی وہ نعمت تجھے دے دے گا جبکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ اُس نے یہ نعمت تجھے نہیں دی۔ اپنے آپ کو دی اور اسے اپنی مُراد پوری کرنے کا وسیلہ بنایا اور تجھے فی الحقیقت اللہ ہی نے یہ نعمت بخشی کہ اس پر ایسا خیال مسلط کر دیا اور اس کے بدلے میں کوئی غرض نہیں پس تم نے حقیقت میں یہ بات جان لی کہ سب آدمی بادشاہ کے کارندے کی مانند ہیں اور وہ کارندہ درمیانی اسباب کے نقطۂ نظر سے قلم کی مانند ہے اور کسی کے قبضۂ قدرت میں حقیقت میں کچھ نہیں۔ ہاں اللہ ہی کی ذات ہے جو انہیں حکم دیتا ہے تو تُو اس نعمت کے سبب اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر سکے گا بلکہ یہ بات سمجھنا عین شکر ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مناجات میں عرض کی کہ بارِ خدایا' حضرت آدم علیہ السلام کو اپنے دست قدرت سے بنا کر انھیں یہ یہ نعمتیں دیں۔ انہوں نے تیرا شکر کیسے ادا کیا تو اللہ نے فرمایا کہ آدم کا یہ سمجھنا کہ نعمتوں کا دینے والا میں ہی ہوں' یہی اس کا شکر تھا۔

یاد رکھیں کہ ایمان کی معرفت کی کئی راہیں ہیں۔ پہلی راہ تو تقدیس ہے کہ آدمی یہ جان لے کہ مخلوق کی تمام صفات اور حالات اور وہم و خیال میں جو کچھ آ سکتا ہے۔ اللہ پاک ہے اسی کو سبحان اللہ کہہ کر تعبیر کیا جاتا ہے۔ دوسری راہ توحید ہے کہ آدمی یہ سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ اس پاکی کے ساتھ یگانہ ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں اسی کو "لا اِلٰہ الا اللہ" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ تیسری راہ تحمید ہے کہ آدمی یہ جان لے کہ جو کچھ ہے' سب اسی کی ذات سے ہے اور اسی کی نعمت ہے۔ اسی کو "الحمد للہ" کہہ کر تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ ان دونوں سے بڑھ کر ہے کہ وہ دونوں معرفتیں اس کے تحت میں ہیں۔ اسی لیے جناب نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سبحان اللہ کہنے سے دس' لا الٰہ الا اللہ کہنے سے بیس اور الحمد للہ کہنے سے تیس نیکیاں ملتی ہیں۔ یہ نیکی و حسنات وہ کلمات نہیں جو زُبان سے نکلتے ہیں بلکہ وہ معرفتیں مراد ہیں جن سے یہ کلمات' عبارت ہیں۔ عِلم شکر کے یہی معنی ہیں۔

اور جہاں تک شکر کے حال کا تعلق ہے اس سے مراد وہ فرحت ہے جو اس معرفت سے دِل میں پیدا ہو اس لیے کہ جو شخص کسی سے نعمت پاتا ہے اس سے خوش ہوتا ہے۔ یہ خوشی تین وجہ سے ہو سکتی ہے ایک تو یہ کہ نعمت پانے والا اس وجہ سے خوش ہو کہ اسے اس نعمت کی ضرورت تھی۔ نعمت مل گئی تو گویا ضرورت پوری ہو گئی۔ یہ شکر نہیں اس لیے کہ اگر کوئی بادشاہ سفر میں جانے لگے اور اپنے نوکر کو گھوڑا دے دے۔ اگر نوکر اس وجہ سے خوش ہو کہ اسے گھوڑے کی ضرورت تھی اور وہ پوری ہو گئی تو یہ خوشی بادشاہ کا شکر نہ ہو گی اس لیے کہ اگر گھوڑا صحرا میں مل جاتا تو بھی خوشی ہوتی۔ دوسرے یہ کہ اس وجہ سے خوش ہو کہ بادشاہ نے یہ گھوڑا دے کر مجھ پر عنایت فرمائی اور یہ سمجھ کر اور نعمتوں کی اُمید رکھے۔ اس شکل میں یہ گھوڑا صحرا میں پا لیتا تو خوش نہ ہوتا۔ اس لیے کہ یہ خوشی منعم کے سبب سے منعم کے واسطے نہیں بلکہ انعام کی اُمید کے لیے ہے۔ اس میں ناقص شکر ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ اس وجہ سے خوش ہو کہ اس

پر سوار ہو کر بادشاہ کے حضور جائے گا اس کی زیارت کر سکے گا اور اس کے سوا اس کا کوئی اور مقصد نہ ہو تو یہ خوشی کے سبب ہو گی اور پورا شکر متصور ہو گی۔

اسی طرح جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے کوئی نعمت عطا فرمائی اور وہ اس نعمت کے سبب ہی خوش ہوا۔ منعم کا لحاظ نہ کیا تو یہ شکر نہ ہو گا اور اگر منعم کا خیال تو کیا لیکن یہ بھی سوچا کہ نعمت دینا اس کی رضامندی اور عنایت کی دلیل ہے تو یہ ناقص شکر ہو گا اور اگر فراغت دینی کا نعمت کو سبب سمجھ کر خوش ہوا اور علم و عبادت میں مشغول ہو کر منعم حقیقی کا قرب ڈھونڈنے لگا تو یہ کمالِ شکر ہے۔ اس کی علامت یہ ہے کہ دُنیا کی جو چیز اس کی عبادت میں رکاوٹ کا سبب بنے' ان کے سبب اندوہ گیں اور غمزدہ ہو تو اسے نعمت نہ سمجھے بلکہ اس کے چھن جانے کو نعمت سمجھ کر اس پر شکر ادا کرے۔ پس جو چیز دین کی راہ میں اس کی مدد و معاون نہ ہو اس کو خوشی کا باعث نہ سمجھے۔ اسی لیے حضرت شبلی قدس سرہٗ کہتے ہیں کہ شکر کا معنی یہ ہے کہ تو بس منعم کو دیکھے' نعمت پر تیری نظر نہ ہو۔ جو شخص محض محسوسات میں ہی مزہ سمجھے۔ جیسے آنکھ' فرج اور پیٹ ہی کی شہوت میں مزہ سمجھے۔ اس سے یہ شکر ادا ہونا ممکن نہیں۔ اس لیے کم از کم دوسرے درجے سے تو کم نہ ہو کیونکہ پہلا درجہ تو شکر ہے ہی نہیں۔ رہ گیا شکر کا عمل تو یہ دِل زُبان اور بدن سے ہوتا ہے۔ دِل سے یوں شکر ہوتا ہے کہ سب کا بھلا چاہے' کسی کی نعمت دیکھ کر حسد نہ کرے۔ زُبان سے یوں شکر ہوتا ہے کہ ہر حال میں شکر کرے اور الحمد للہ کہے اور منعم حقیقی کے سبب سے خوشی ظاہر کرے۔ حضور علیہ السلام نے ایک شخص سے اس کا حال پوچھا تو اُس نے عرض کیا خیریت سے ہوں اور الحمد للہ کہا۔ فرمایا کہ مجھے اسی کی تلاش تھی۔ اَسلاف جو ایک دوسرے سے حال احوال پوچھتے تھے انکا یہی مطلب ہوتا تھا کہ جواب میں اللہ کا شکر ہو گا تو کہنے اور سننے والا دونوں ہی ثواب میں شریک ہوں گے۔ جو شخص شکایت کرے گا وہ گنہگار ہو گا اگرچہ وہ مصیبت اور پریشانی میں مبتلا ہو۔ اس سے زیادہ کون سی چیز بری ہے کہ ناچیز انسان دوسرے اپنے جیسے عاجز سے اللہ تعالیٰ کا شکوہ کرے۔ جس طرح یہ بے اختیار ہے دوسرا بھی بے اختیار ہے۔ اصل یہ ہے کہ مصیبت اور تکلیف پر آدمی شکر ادا کرے۔ کیا عجب کہ وہ شکر اس کی سعادت کا سبب بن جائے۔ اگر شکر نہیں کر سکتا تو صبر سے ہی کام لے۔

اور بدن سے یوں عمل ہوتا ہے کہ سب اعضاء اللہ کے عطا کردہ ہیں۔ انہیں ان کاموں میں مصروف رکھے جن کی خاطر اللہ نے پیدا کیا ہے۔ تمام اعضاء کو اللہ تعالیٰ نے آخرت کے لیے پیدا کیا ہے اور اسے یہ بات پسند ہے کہ تُو آخرت میں مشغول رہے۔ جب تو نے اس نعمت کو اس کے محبوب اور پسندیدہ کام میں صرف کیا اور اس کے باوجود کہ اس کام میں سے کچھ حظ اور حصہ نہیں کیونکہ وہ ان باتوں سے منزہ ہے مگر تو نے اس کا شکریہ ادا کیا۔ اس کی مثال یوں ہے کہ مثلاً کسی بادشاہ کی اپنے غلام پر نظر ہو اور وہ غلام بادشاہ سے دُور ہو۔ بادشاہ اس کے واسطے گھوڑا اور دوسرا سامان بھیجے تاکہ وہ بادشاہ کے حضور حاضر ہو اور مقرب ہو کر عزت و حشمت حاصل کرے اور بلند مرتبہ پائے۔ بادشاہ کو اس غلام کی دُوری اور قرب اپنے حق میں یکساں محسوس ہو کہ اس کی مملکت میں اس غلام کے آگے بڑھنے سے کچھ بڑھے گا نہیں اور نہ آنے سے کچھ گھٹے گا نہیں مگر وہ غلام کی بھلائی چاہتا ہے کیونکہ حلیم و کریم بادشاہ سبھی کی بھلائی چاہتا ہے اور یہ بھلائی اور بہبودی چاہنا مخلوق کی خاطر ہوتا ہے۔ اپنے لیے نہیں تو اگر غلام گھوڑے پر سوار ہو کر درِ دولت کی طرف متوجہ ہو گا اور زادِ راہ

خرچ کرے گا تو گویا اُس نے زادِ راہ اور گھوڑے کی نعمت کا شکریہ ادا کیا اور اگر گھوڑے پر سوار ہو کر مخالف سمت چل پڑے اور پہلے سے زیادہ دُور ہو جائے تو اُس نے کفرانِ نعمت کیا اور اگر گھوڑے اور زادِ راہ کو یونہی بیکار چھوڑ دیا جائے نہ درِ دولت سے نزدیک ہو نہ دُور تو بھی کفرانِ نعمت ہے مگر پہلی شکل سے کم۔ اسی طرح مالک الملک کی نعمت کو بندہ اس کی عبادت میں صرف کرے گا کہ اس کے قرب سے سرفراز ہو تو وہ شکر گزار ہو گا اور اگر گناہ میں صرف کرے گا تاکہ اس سے اور دُور ہو جائے تو کفرانِ نعمت کا ارتکاب کرے گا اور اگر مباح عیش و عشرت میں صرف کرے اور اس کی نعمت کو بیکار چھوڑ دے تو بھی کفرانِ نعمت ہی ہے اگرچہ اس قدر نہ ہو۔ جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ ہر نعمت کا یہی شکر ہے کہ بندہ اس کو اللہ تعالیٰ کے محبوب و مرغوب کاموں میں صرف کرے تو ایسا کوئی نہیں کر سکتا۔ ہاں جو شخص اللہ تعالیٰ کے محبوب کاموں کو ان کاموں سے الگ کر سکے جو اللہ کے نزدیک مکروہ اور برے ہیں' تب وہ صحیح عمل کر سکے گا۔ یہ بہت باریک عِلم ہے جب تک آدمی یہ نہیں پہچانے گا کہ اس کے پیدا کرنے میں کیا حکمت ہے' تب تک یہ معلوم ہو سکے گا۔ ہم چھوٹی چھوٹی چند مثالوں کو اشارتاً بیان کریں گے کہ زیادہ کی گنجائش نہیں۔ تفصیل احیاء العلوم میں دیکھیں۔

کفرانِ نعمت کا بیان

ہر نعمت کی ناشکری اور کفران یہ ہے کہ لوگ اسے اس کی حکمت کی راہ سے پھیر دیں اور جس مقصد کی خاطر اللہ نے اسے پیدا کیا ہے اس میں اسے صرف نہ کریں۔ اللہ کی دی ہوئی نعمت کو اس کے محبوب و مرغوب کام میں خرچ کرنا تو شکر ہے اور جو کام اس کے نزدیک مکروہ ہیں ان میں خرچ کرنا کفران ہے۔ رہ گئی یہ بات کہ مکروہ کام کون سے ہیں اور محبوب کون سے؟ تو یہ چیز شریعت مطہرہ کے بغیر پہچانی نہیں جا سکتی۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اس کی عبادت میں ہی خرچ کیا جائے جیسا کہ اس کا حکم ہے۔ جو لوگ اہل بصیرت ہیں ان کے لیے ایک راہ ہے اس راہ سے وہ نظر و اِستدلال کے ذریعہ نیز الہام کے طریق سے ان کاموں کی حکمت پہچان لیتے ہیں۔ اس لیے کہ ممکن ہے کوئی شخص یہ جان لے کہ بادل پیدا کرنے میں یہ حکمت ہے کہ بارش برسے اور بارش میں یہ حکمت ہے کہ گھاس اُگے اور گھاس اُگنے میں یہ حکمت ہے کہ وہ جانوروں کی غذا بنے۔ اسی طرح آفتاب کے پیدا کرنے میں یہ حکمت ہے کہ دن رات ظاہر ہوں تاکہ رات میں سکون و اطمینان نصیب ہو اور دن میں معیشت اور دُنیا کا کاروبار چل سکے۔ اس قسم کی باتوں کی حکمت تو ظاہر ہے کہ ہر کوئی جانتا ہے مگر آفتاب میں اس کے سوا اور بھی بہت سی حکمتیں ہیں جنھیں ہر ایک نہیں پہچان سکتا۔ نیز آسمان پر لاتعداد ستارے ہیں جن کی پیدائش میں مضمر حکمتوں کو ہر کوئی نہیں جان سکتا۔ جیسا کہ ہر ایک یہ تو جانتا ہے کہ ہمارے اعضاء میں سے ہاتھ' پکڑنے کی خاطر ہیں تو پاؤں چلنے کے لیے۔ اسی طرح آنکھ کا کام دیکھنا ہے اور ممکن ہے اسے یہ معلوم نہ ہو کہ جگر و طحال کو کیوں پیدا کیا اور آنکھ میں دس پردے کیوں ہیں تو ان حکمتوں میں بعض تو باریک ہوتی ہیں اور بعض باریک تر کہ خاص لوگوں کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ اس کی تفصیل تو لمبی ہے مگر اتنی بات جاننا ضروری ہے کہ آدمی کو اللہ تعالیٰ نے آخرت کی خاطر ہی پیدا کیا ہے۔ دُنیا کے لیے نہیں اور آدمی کا حصہ دُنیا میں اس واسطے پیدا کیا ہے تاکہ وہ زادِ آخرت بن سکے۔ آدمی کو یہ گمان کرنا چاہیے کہ ہر چیز اللہ نے اسی کی خاطر پیدا کی ہے اور جس چیز میں اسے

اپنا فائدہ نظر نہ آئے اس کے متعلق کہہ دے کہ اسے کیوں پیدا کیا (یہ صحیح نہیں) مثلاً کوئی کہنے لگے کہ صاحب اللہ نے مکھی اور چیونٹی کو کیوں پیدا کیا اور سانپ کی کیا ضرورت ہے؟

یاد رکھنا چاہیے کہ چیونٹی بھی تعجب کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدمی کو کیوں پیدا کیا جو بغیر کسی وجہ کے اسے پاؤں کے نیچے دبا کر مار ڈالتا ہے تو جیسا تعجب انسان کو ہوتا ہے ایسا ہی اسے بھی ہوتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے فیضِ اَتم کے لیے یہ ضروری ہے کہ جس چیز کا پیدا ہونا ممکن ہے سب اجناس' انواع' حیوانات' نباتات' معدنیات وغیرہ میں سے وہ بہت اچھی صورت پیدا ہو پھر جسے جس قدر اپنی ضرورت کے موافق درجات و زینت اور آرائش چاہیے وہ پیدا کی جائے۔ اس واسطے کہ اس کی سرکار مبدا فیاض ہے جس میں منع و بخل کی قطعاً گنجائش نہیں اور جو کمال اور زینت و جمال پیدا نہیں ہوتا وہ اس وجہ سے نہیں ہوتا کہ وہ محل اس قابل نہیں ہوتا اور اس کے ضد و خلاف کے ساتھ مشغول ہوتا ہے اور شاید کہ وہ ضد کسی اور کام کے لیے مقصود ہو کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ آگ پانی کی سردی اور لطافت کو قبول کر لے کیونکہ گرم چیز سردی کو قبول نہیں کرتی اس لیے کہ سردی گرم چیز کی ضد ہے اور گرم چیز کی گرمی بھی مقصود ہے کہ اس سے اس کا زائل کرنا بھی نقصان دہ ہوتا ہے۔ حقیقت میں جس رطوبت سے اللہ تعالیٰ نے مکھی کو پیدا کیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مکھی اس رطوبت سے کامل تر ہے۔ جو رطوبت اس کمال کے قابل تھی اسے اس کمال سے باز نہیں رکھا کیونکہ باز رکھنا منجملہ بخل ہے۔ مکھی رطوبت سے اس وجہ سے کامل تر ہے کہ اس میں زندگی ہے' قدرت ہے' حس و حرکت ہے اور عجیب و غریب شکل اور اعضاء ہیں۔ یہ چیزیں اس رطوبت میں نہ تھیں اس رطوبت سے آدمی کو اس واسطے نہیں بنایا کہ اس رطوبت میں آدمی کی تخلیق کی گنجائش نہ تھی اس لیے کہ اس رطوبت میں ایسی صفات تھیں جو ان صفات کی ضد ہیں جو آدمی کی تخلیق کے لیے ضروری ہیں اور مکھی کو جس جس چیز کی ضرورت تھی ان چیزوں سے اسے محروم نہیں رکھا۔ وہ چیزیں ہیں پر' بال' ہاتھ' پاؤں' آنکھ' منہ' سر' پیٹ' غذا کا ٹھکانہ' غذا ٹھہر کر ہضم ہونے کی جگہ' غذا باہر نکلنے کا مقام اور جتنی کچھ لطافت اس کے بدن کے لیے ضروری تھی وہ سب اسے عنایت فرما دی۔ چونکہ اسے دیدار کی ضرورت تھی اور اس کا سر چھوٹا تھا۔ پلک دار آنکھ کی اس میں گنجائش نہ تھی اس لیے بغیر پلک کے دو نگینے اس میں پیدا کر دیئے تاکہ وہ ان کے ذریعہ شوقِ دیدار پورا کر سکے اور چونکہ پلک اس لیے ہوتی ہے کہ جو گرد آنکھ پر پڑے اسے وہ صاف کر دے اور آنکھ کی پتلی آئینہ کی مانند رہے اور چونکہ اس کی پلک نہ تھی تو اس کے بدلے دو زائد ہاتھ پیدا کر دیئے تاکہ ہر وقت ان دونوں ہاتھوں سے ان دونوں نگینوں کو صاف اور پاک کرتی رہے۔ پھر وہ دونوں ہاتھ مل ڈالتی ہے تاکہ ہاتھ سے گرد جھڑ جائے۔

اس تفصیل کے بیان کا مقصد یہ ہے کہ تجھے معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت اور مہربانی عام ہے وہ کوئی انسان کے ساتھ ہی مخصوص نہیں اس لیے کہ ہر کیڑے مکوڑے کی جو ضروریات تھیں وہ اللہ تعالیٰ نے بکمال و تمام پوری فرمائیں۔ یہ کیڑے مکوڑے آدمی کے لیے پیدا نہیں کیے بلکہ ہر ایک کو اسی کے واسطے پیدا کیا ہے جس طرح تجھے تیرے واسطے پیدا کیا ہے اس لیے کہ تو اپنی پیدائش سے قبل کوئی ایسا وسیلہ اور قرابت نہیں رکھتا تھا کہ وہ تیری پیدائش کا باعث بنے اور جو چیزیں وہ وسیلہ نہیں رکھتیں تو اللہ کی بخشش اور اس کے لامتناہی فیض کا دریا ہی ہے جس میں سب چیزیں موجود ہیں تو بھی اس میں ہے تو مکھی' مچھر' چیونٹی بھی اور ہاتھی و مرغ بھی علیٰ ہذا القیاس۔ ان میں سے جو ناقص ہے اسے کامل

پر فدا کر دیا اور جو کچھ روئے زمین پر ہے ان سب میں چونکہ آدمی کامل تر ہے اس لیے اکثر چیزیں اس پر فدا کر دی ہیں لیکن زمین کے نیچے اور دریا کی گہرائی میں بہت سی ایسی چیزیں ہیں جن میں آدمی کا کوئی حصہ نہیں مگر ان کے ساتھ بھی ظاہری و باطنی خلقت میں وہی عنایت فرمائی اور ممکن ہے کہ ان کے ظاہر و باطن میں اتنے نقش و نگار بنائے ہوں کہ آدمی ان سے عاجز آ جائیں۔ یہ جاننا ان علوم کے دریاؤں سے تعلق رکھتا ہے جن میں اکثر علماء بھی عاجز رہتے ہیں۔ اس کی تفصیل بیان کرنے میں طوالت سے مقصود یہ ہے کہ تجھے اپنے کو جنابِ الٰہی میں ایسا برگزیدہ شمار نہ کرنا چاہیے کہ سب کو تو اپنے لیے سمجھے اور جس میں تجھے کوئی فائدہ نہ نظر آئے اس کے متعلق کہنے لگے کہ اسے کیوں پیدا کیا۔ اس میں تو کچھ بھی حکمت نہیں جب تو نے یہ جان لیا کہ چیونٹی کو تیرے لیے پیدا نہیں کیا اسی طرح تجھے یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ آفتاب و ماہتاب ستارے' آسمان اور فرشتے وغیرہ کو بھی تیرے لیے پیدا نہیں کیا اگرچہ ان میں سے بعض کے سبب تجھے نفع پہنچتا ہے جس طرح مکھی کو تیری خاطر پیدا نہیں کیا اگرچہ اس سے تیرا فائدہ ہے کیونکہ اسے اس بات کا ذمہ دار ٹھہرایا ہے کہ جس چیز میں بدبو ہو اور سڑنے والی ہو اسے کھالے تاکہ بدبو کم ہو اور قصاب کو مکھیوں کے لیے پیدا نہیں کیا اگرچہ قصاب کے کام میں مکھیوں کا فائدہ ہے۔ تیرا یہ خیال کرنا کہ سورج روزانہ میرے لیے ہی نکلتا ہے' ایسا ہی ہے جیسا مکھی یہ سوچنے لگے کہ قصاب روزانہ میری خاطر دکان سجاتا ہے کہ وہ اس کی دکان سے نجاست اور خون خوب کھاتی ہے جس طرح قصاب اور ہی کام کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ مکھی کے کام کا اسے بالکل خیال نہیں رہتا اگرچہ قصاب کے کام کے فضلات مکھی کی غذا اور زندگی کا باعث ہوتے ہیں۔ اسی طرح آفتاب بھی اپنے طواف اور گردش میں جنابِ الٰہی کی فرمانبرداری کی طرف متوجہ ہے وہ تجھے سرے سے یاد ہی نہیں کرتا اگرچہ اس کے نور کے فضلات سے تیری آنکھ روشن ہوتی ہے اور اس کی گرمی کے فضلات سے زمین کا مزاج معتدل ہوتا ہے حتیٰ کہ سبزی جو تیری غذا ہے وہ اُگتی ہے تو جو چیز تجھ سے متعلق ہی نہیں شکر کے باب میں اس کی تخلیق کا بیان کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا اور جو چیزیں تجھ سے متعلق ہیں وہ بھی بہت ہیں' سب کا بیان مشکل ہے چند مثالیں بیان کی جائیں گی۔

ایک یہ کہ تیری آنکھ دو کاموں کی غرض سے پیدا کی گئی ہے ایک تو یہ کہ تو اس دُنیا میں اپنی حاجتوں اور ضروریات کی راہ کو پہچان لے۔ دوسرے یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کی صنعتوں کا نظارہ کرے اور ان کے سبب اللہ کی عظمت کو پہچانے۔ جب تو کسی نامحرم کو دیکھے گا تو گویا تو نے آنکھ کی نعمت کی ناقدری کی بلکہ آنکھ کی نعمت سورج کے بغیر ناتمام ہے کیونکہ بغیر نور تو دیکھ ہی نہیں سکتا اور زمین و آسمان بغیر آفتاب ممکن نہیں کیونکہ رات دن آفتاب کی وجہ سے ظاہر ہوتے ہیں تو نامحرم کو دیکھنے سے آنکھ اور آفتاب ہی نہیں بلکہ آسمان و زمین کی نعمتوں تک کی ناقدری ہے اسی وجہ سے حدیث میں ہے کہ جب کوئی گناہ کرتا ہے تو زمین و آسمان اس پر لعنت کرتے ہیں اور تجھے اللہ تعالیٰ نے ہاتھ اس لیے دیئے کہ تاکہ تو ان کے ذریعہ سے اپنے کام بجا لائے' کھانا کھائے' طہارت کرے' ہاتھوں سے گناہ کا مقصد کفرانِ نعمت ہے۔ مثلاً داہنے ہاتھ سے استنجا اور بائیں ہاتھ سے قرآن کریم پکڑنا تو کفرانِ نعمت ہے اس لیے کہ تو نے اللہ تعالیٰ کے محبوب و مرغوب کاموں کی تعمیل نہیں کی اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کو عدل پسند ہے اور عدل یہ ہے کہ شریف شریف کے لیے اور حقیر حقیر کے لیے۔ اور دونوں ہاتھوں میں سے اکثر آدمیوں کا ایک ہاتھ زور آور پیدا کیا وہی شریف ہے اور تیرے کام بھی دو طرح کے ہیں۔

بعض حقیر ہیں تو بعض شریف جو اچھے کام ہیں انھیں دائیں ہاتھ سے کرنا چاہیے اور جو حقیر ہیں انھیں بائیں ہاتھ سے کرنا چاہیے۔ تاکہ تقاضائے عدل پورا ہو ورنہ بہائم کی طرح حکمت وعدل کو تو چھوڑ گیا اور اگر قبلہ کی طرف منہ کر کے تھوکے گا تو قبلہ اور چاروں طرف کی نعمتوں کی ناقدری ہو گی کیونکہ چاروں سمت برابر تو نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تیری صلاح کے لیے ایک سمت کو بزرگ و شریف بنایا ہے تاکہ تو عبادت میں اس طرف منہ کر سکے اور وہ تیری طمانیت کا باعث ہو۔ اس طرف جو گھر ہے اللہ نے اسے اپنی طرف منسوب کیا۔ تیرے بعض حقیر کام ہیں جیسے قضاءِ حاجت' تھوکنا۔ اور بعض باعث احترام ہیں جیسے وضو کرنا' نماز پڑھنا۔ ان سب کو برابر سمجھنا اپنے آپ کو حیوانات کی صف میں شمار کرنا ہے اور عقل کی نعمت جو عدل و حکمت ظاہر کرنے کا باعث ہے اس کا اور نعمت قبلہ کا حق ضائع ہو گا اور اگر مثلاً تو کسی درخت کی شاخ کو یا کونپل کو بے مقصد توڑے تو ہاتھ اور درخت کی نعمت کا ضیاع ہے اس لیے کہ اللہ نے اس شاخ کو پیدا کیا اس میں رگیں اور ریشے بنائے تاکہ وہ شاخ اپنی غذا حاصل کر سکے اور اس میں غذا کھانے کی قوت اور دوسری قوتیں بھی کسی کام کی خاطر پیدا کی گئی ہیں۔ وہ شاخ کامل ہو جاتی ہے تو مطلوبہ کام کے قابل ہو جاتی ہے۔ وقت سے پہلے اس کا توڑنا ضیاع ہے اور جب وہ کامل ہو جائے گی اور تیرے کام کے قابل ہو گی تو وہ تجھ پر قربان ہو جائے گی اس لیے کہ ناقص کا کامل پر قربان ہو جانا بھی عدل ہے۔ کسی دوسرے کی ملکیت سے کوئی چیز اڑا لینا گو کہ تجھے ضرورت ہے یہ بھی کفرانِ نعمت ہے کیونکہ مالک کی حاجت تیری حاجت سے مقدم ہے۔ ہرچند کہ حقیقت میں کوئی چیز بندہ کی ملکیت میں نہیں مگر دُنیا کی مثال دسترخوان جیسی ہے اور دُنیا کی نعمتوں کی مثال دسترخوان پر چنے ہوئے کھانوں کی طرح ہے اور اللہ کے بندے اس دسترخوان کے مہمان ہیں۔ مہمان کی مِلک میں کچھ نہیں ہوتا اور چونکہ ہر ایک لقمہ لب تک نہیں پہنچ سکتا اس لیے ہر مہمان کے ہاتھ میں جو آتا ہے وہ اسے کھا لیتا ہے اور دوسرا وہ نہیں کھا سکتا (دانے دانے پر مہر) دوسرا مہمان اس سے چھینتا نہیں۔ تو بندوں کی ملکیت بس اتنی ہے جتنی دسترخوان پر رکھے ہوئے کھانے پر مہمان کی۔ مہمان کو یہ حق نہیں کہ وہ کھانا اُٹھا کر ایسی جگہ رکھ دے جہاں کسی کا ہاتھ نہ پہنچے۔ اسی طرح یہ بات بھی ناپسندیدہ ہے کہ دُنیا کا مال اپنی ضرورت سے زیادہ رکھ چھوڑے اور خزانوں میں جمع کرائے اور محتاجوں کو محروم رکھے۔ ظاہری فتویٰ میں یہ حکم نہیں اس لیے کہ کسی کی حاجت کا دوسرے کو عِلم نہیں۔ اگر ہم یہ راز کھول دیں تو ہر ایک دوسرے کا مال چھین لے گا اور کہہ دے گا کہ اسے اس کی ضرورت نہیں۔ اس لیے یہ حکم ضرور تاہم نے ترک کر دیا لیکن یہ حکمت کے خلاف اس لیے مال جمع کرنے سے روکا گیا ہے خصوصاً غلّہ جمع کرنے سے کیونکہ وہ لوگوں کی غذا ہے اور جو اس نقطۂ نظر سے غلّہ جمع کرے کہ گراں ہو گا تو بیچوں گا تو وہ اللہ کی لعنت کا شکار ہو گا بلکہ جو اس کی تجارت کر کے غلّہ کے بدلے غلہ سود پر بیچے وہ بھی ملعون ہے اس لیے کہ یہ مخلوق کی غذا ہے۔ جب اس طرح مہنگے داموں اس کی تجارت ہو گی تو غریب لوگ اس سے محروم رہیں گے اور یہ جرم میں پکڑا گیا تو غلّہ بند ہو کر رہ جائے گا۔ سونے چاندی میں بھی ایسا کرنا حرام ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے سونا چاندی دو حکمتوں کی خاطر پیدا کی ہے ایک تو یہ کہ اس سے مال کی قیمت ظاہر ہوتی ہے اس لیے کہ یہ تو کوئی نہیں جانتا کہ ایک گھوڑا کتنے غلاموں اور ایک غلام کتنے کپڑوں کے بدلے بکے گا اور یہ چیزیں بہرحال بیچنا پڑتی ہیں اس لیے ایسی چیز کی ضرورت پڑتی ہے جس پر سب کو قیاس کیا جا سکے اس لیے سونے چاندی کو پیدا کیا تاکہ اس حاکم کی مثل ہو جو ہر چیز کی

تعداد ظاہر کر دیتا ہے۔ جو شخص سونے چاندی کو خزانے میں رکھ دے وہ ایسا ہے کہ گویا مسلمانوں کے حاکم کو قید کر دیا اور جو شخص سونے چاندی کا لوٹا اور کٹورا بنائے وہ ایسا ہے جیسے مسلمان حاکم کو ڈولی اٹھانے کا حکم دیا جائے اس لیے کہ لوٹا پانی محفوظ رکھنے کے لیے ہے اور یہ کام مٹی تانبے سے بھی ہو سکتا ہے۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ سونا چاندی دونوں عزیز الوجود گوہر ہیں۔ ان کے سبب ہر چیز ہاتھ آ سکتی ہے اور سب لوگ ان کی رغبت رکھتے ہیں کیونکہ جس کے پاس سونا چاندی ہے اس کے پاس گویا سب کچھ ہے۔ شاید کسی کے پاس کپڑا ہو اور اسے غلّہ کی ضرورت ہو اور جس کے پاس غلّہ ہو اسے کپڑے کی ضرورت ہو وہ کپڑے کے بدلے غلّہ نہ بیچنا چاہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے سونے چاندی کو پیدا کیا اور اسے ہر دلعزیز بنا دیا تاکہ ان کے سبب دُنیا کے معاملات جاری رہیں اور سونا چاندی جو فی الحقیقت محتاج الیہ نہیں اس سے ضرورت کی سب چیزیں حاصل ہوتی ہیں اس لیے جب لوگ سوئے چاندی کے بدلے سونا چاندی نفع میں خریدنے بیچنے لگیں تو دونوں ایک دوسرے سے اُلجھ کر قید میں پڑ جائیں گے کام نہیں نکل سکے گا اسلئے یہ گمان نہ کرنا چاہیے کہ شریعت میں کوئی چیز عدل و حکمت سے الگ ہے بلکہ جو چیز ہے وہ جیسی ہونی چاہیے ویسی ہی ہے لیکن بعض حکمتیں ایسی باریک ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے سوا کوئی نہیں جانتا اور بعض ایسی ہیں جنھیں بڑے بڑے اہل عِلم جانتے ہیں جو عالم تقلیدی کام کرے وہ ناقص ہوتا ہے اور عوام کے قریب قریب ہوتا ہے۔[1] اہل عِلم جب یہ حکمتیں جان لیتے ہیں تو جس چیز کو وہ مکروہ جانتے ہیں اسے یہ حرام جانتا ہے۔ حتیٰ کہ ایک بزرگ نے غلطی سے پہلے بایاں پاؤں جوتے میں ڈال لیا تو گیہوں کے کئی گٹھے اس خطا کے کفارے میں دے دیئے۔ کوئی عام آدمی درخت کی شاخ توڑ دے یا قبلہ کی طرف تھوکے یا بائیں ہاتھ میں قرآن شریف پکڑ لے تو اس پر اتنا اعتراض نہیں ہو گا جتنا خواص پر ہو گا۔ عام لوگ ایسی بے ادبی اپنے ناقص ہونے کے سبب کرتے ہیں کیونکہ وہ بہائم کے قریب ہوتے ہیں۔ انھیں ان باتوں کی تمیز نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ ان کے حالات حکمت سے ایسے خالی ہوتے ہیں کہ وہ ان دقائق کو نہیں سمجھ سکتے۔ اگر کوئی جاہل آدمی صبح کی اذان کے وقت کسی آزاد کو بیچ دے تو اس پر یہ عتاب نہیں ہو گا کہ اس وقت بیع مکروہ ہے۔ اس لیے کہ آزاد کو بیچنے کا گناہ اس کراہت کو چھپا لے گا معاذ اللہ کوئی جاہل مسجد کی محراب میں قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے قضا حاجت کرے تو قبلہ کی طرف پیٹھ کرنے کے سبب وہ محل عتاب نہیں رہا اس لیے کہ وہ گناہ اتنا بڑا ہے کہ یہ ذرہ سی خطا اس میں پوشیدہ رہے گی۔ اس لیے عوام کے معاملہ میں سہل انگاری کی جاتی ہے اور ظاہری فتویٰ عوام کے لیے ہی ہوتا ہے۔ راہِ آخرت کے سالک کو ظاہری فتویٰ کی طرف نہ دیکھنا چاہیے اور آدمی کو ان دقائق کا لحاظ رکھنا چاہیے تاکہ عدل و حکمت میں وہ فرشتوں کے قریب ہو جائے ورنہ سہل انگاری میں عوام الناس کی طرح جانوروں جیسا ہو جائے گا۔

---

1. امام رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد تقلید کا انکار نہیں کیونکہ وہ خود حضرت امام شافعی قدس سرہٗ کے مقلد تھے۔ مقصد یہ ہے کہ قوتِ اجتہاد سے بالکل محروم ہو جانا اور لکیر کا فقیر بن کر رہ جانا حتیٰ کہ جدید مسائل میں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہ رہے۔ [مترجم]

نعمت کی حقیقت

جو چیز اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہے وہ بندہ کے حق میں چار قسم پر مشتمل ہے۔ پہلی قسم ان چیزوں کی ہے جو اس کے لیے دُنیا اور آخرت دونوں میں مفید ہے جیسے عِلم ہے نیک اَخلاق ہیں درحقیقت اس دُنیا میں یہی نعمت ہے۔ دوسری قسم ان اشیاء کی ہے جو یہاں بھی نقصان دہ ہیں اور وہاں بھی جیسے نادانی اور بدخوئی اور حقیقی معنوں میں یہی چیز بلا اور مصیبت ہے۔ تیسری قسم ان چیزوں کی ہے جو یہاں تو راحت معلوم ہوتی ہیں لیکن وہاں رنج کا باعث ہوں گی جیسے دُنیوی مال و منال کی کثرت اور آدمی کا اس سے بہرہ یاب ہونا کہ اَحمق لوگوں کے نزدیک تو یہ نعمت ہے اور عقلمند اور عارفین کے یہاں مصیبت۔ اس کی مثال یوں ہے جیسے بھوکا آدمی شہد حاصل کرے جس میں زہر کی آمیزش ہو۔ اگر وہ اَحمق ہے اور اسے معلوم نہیں کہ اس میں زہر ملا ہے تو اسے نعمت تصور کرے گا عقلمند ہو گا تو مصیبت اور پریشانی کا باعث سمجھے گا۔ چوتھی قسم ان اشیاء کی ہے جو یہاں رنج کا باعث ہیں لیکن وہاں راحت کا سبب ہیں۔ مثلاً ریاضت' نفس و شہوت کی مخالفت۔ اہل عقل و دانش کے یہاں یہ نعمت ہے۔ ایسے ہی جیسے عقلمند بیمار کے نزدیک کڑوی دوا نعمت ہے لیکن اَحمق کے نزدیک باعث تکلیف۔

فصل : دُنیا کے اکثر اسباب باہم ملے جلے ہیں۔ ان میں سے بعض برے لیکن بعض بھلے ہیں جس کی منفعت ضرر سے زیادہ ہو وہی نعمت ہے۔ یہ کیفیت لوگوں کے حالات کے ساتھ بدلتی رہتی ہے اس لیے کہ جو مال بقدرِ کفایت ہوتا ہے اکثر لوگوں کے حق میں اس کا نفع مضرت سے زائد ہوتا ہے اور بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کے حق میں ذرا سا مال بھی نقصان کا باعث ہوتا ہے کیونکہ وہ مال ان کے حق میں حرص کی زیادتی کا ذریعہ بن جاتا ہے اور بالکل مال نہ ہو تو حرص و طمع سے بچا رہتا ہے جبکہ بعض لوگ ایسے کامل ہوتے ہیں کہ بکثرت مال بھی انھیں نقصان نہیں پہنچاتا۔ وہ لوگ حاجت مند افراد کو ضرورت کے وقت دے دیتے ہیں یہ بات اس کی غماز ہے کہ ایک چیز ایک شخص کے حق میں نعمت ہوتی ہے تو دوسرے کے حق میں زحمت و مصیبت اور یہ عین ممکن ہے۔

فصل : جس چیز کو لوگ اچھا سمجھتے ہیں وہ تین حال سے خالی نہیں یا تو وقتی بات ہے یا مستقبل پر اس کا انحصار ہے اور یا فی نفسہٖ اچھی ہے اور جسے بُرا جانتے ہیں وہ یا تو بالفعل بری ہوگی یا آئندہ مضر ہوگی یا فی نفسہٖ بُری۔ پس جس چیز میں تینوں خوبیاں ہیں وہ نہایت اچھی چیز ہے۔ ایسی چیز عِلم و حکمت ہی ہے جس کے مقابلہ میں جہل ہے جو کمال درجے کی بری چیز ہے۔ کیونکہ جو شخص ایک چیز نہ جانتا ہو اور اس کو خیال آ جائے کہ میں اسے جان لوں تو وہ اس وقت اپنی جہالت کے دُکھ سے بے چین ہو جائے گا اور جہاں تک جہالت کا تعلق ہے وہ یقیناً بری چیز ہے مگر اس کی برائی الم نشرح نہیں۔ اس سے دِل میں برائی پیدا ہوتی ہے اس لیے کہ وہ دِل کی صورت بگاڑ دیتا ہے اور یہ بات کھلی ہوئی برائی سے زیادہ بری ہے اور بعض چیزیں نافع ہونے کے باوجود ناگوار معلوم ہوتی ہیں جیسے تمام ہاتھ کے ضائع ہو جانے کے خوف سے انگلی کا کاٹ ڈالنا' جبکہ بعض چیزیں کسی وجہ سے مفید ہوتی ہیں اور کسی وجہ سے مضر جیسے کوئی شخص کشتی ڈوبتے وقت اپنی جان بچانے کی غرض سے سارا مال دریا میں پھینک دے تو یہ سستا سودا ہے کہ جان تو بچی۔

فصل: لوگوں کا کہنا ہے کہ جو چیز بھلی معلوم ہو وہی نعمت ہے حالانکہ خوشی اور لذت کے تین درجے ہیں ایک وہ جو نہایت بدتر اور خسیس ہے جیسے پیٹ اور فرج کی لذت۔ اکثر لوگ اسی لذت کو لذت جانتے ہیں اور اسی کے چکر میں مشغول رہتے ہیں اور انکی بھاگ دوڑ کا محور اسی کا حصول ہوتا ہے۔ اس لذت کے برا ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اس میں سب حیوانات شریک ہیں بلکہ وہ آدمی سے اس معاملہ میں بڑھے ہوئے ہیں اس واسطے کہ جانور کی غذا اور جفتی پن کا شوق آدمی سے کہیں زیادہ ہے حتیٰ کہ مکھی' چیونٹی اور کیڑے مکوڑے سبھی اس لذت میں انسان کے شریک و سہیم ہیں۔ جب کوئی شخص اپنے آپ کو اسی لذت کے حوالہ کردے تو گویا اُس نے حشرات الارض کے مرتبہ پر قناعت کرلی۔ دوسرا درجہ غلبۂ ریاست اور دوسروں پر فوقیت پانے کی لذت ہے اور یہی چیز غُصّہ اور غضب کی قوت ہے۔ یہ اگرچہ پیٹ اور شرم گاہ کی لذت سے بہتر ہے مگر پھر بھی بری چیز ہے کیونکہ اس شوق میں بعض جانور' انسان کے شریک و سہیم ہیں جیسے شیر' چیتا وغیرہ کہ ان میں غلبہ اور حملہ کرنے کی حرص موجود ہے بلکہ بہت زیادہ۔ تیسرا درجہ عِلم و حکمت اور اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی عجیب عجیب صنعتوں کے پہچاننے کی لذت ہے۔ یہ لذت بہت بہتر ہے اس واسطے کہ جانور اس لذت کے شناسا نہیں بلکہ یہ ملائکہ کی صفت ہے بلکہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی صفتوں میں سے ہے جو شخص ان ہی چیزوں سے لذت یاب ہوتا ہے اور اس کے سوا کسی چیز سے محظوظ نہیں ہوتا وہ کامل درجے کا آدمی ہے اور جو ان کی لذت سے بالکل محروم ہے وہ سراسر ناقص ہے بلکہ بیمار اور قریب الہلاکت ہے۔ اکثر مسلمان انھی دو لذتوں کا شکار ہوتے ہیں بلکہ ان چیزوں کی لذت بھی پاتے ہیں ہاں جس پر معرفتِ ربانی کی لذت غالب آجاتی ہے اور باقی چیزوں کی لذت مغلوب ہو جاتی ہے وہ درجہ کمال کے نزدیک پہنچ جاتا ہے اور جس پر دوسری لذت غالب ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ ایسا تکلف سے ہی ہوتا ہے اور اگر وہ اس لذت کے غالب ہو جانے کی کوشش نہ کرے تو وہ درجہ نقصان کے نزدیک تر ہو جاتا ہے نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو جانے کا یہی معنیٰ ہے۔

نعمت کے اقسام اور درجات

حقیقی نعمت تو آخرت کی سعادت ہے اس لیے کہ وہی بالذات مطلوب ہے اپنے سوا وہ کسی دوسری نعمت کا وسیلہ نہیں ایسی چار چیزیں ہیں ایک تو وہ بقا جس میں فنا کا دخل ہی نہیں۔ دوسرے وہ خوشی جس کے بعد کبھی رنج نہیں' تیسرے وہ عِلم اور کشف جو جہل و ظلمت کی کدورت سے پاک ہے' چوتھے وہ استغناء جس میں فقر و محتاجی کی گنجائش ہی نہیں۔ ان چار چیزوں کا خلاصہ یہ ہے کہ آدمی کو حضرت حق کے جمالِ جہاں آراء کی لذت ہمیشہ کے لیے نصیب ہو جائے اور زوال و ملال کو اس میں قطعاً دخل نہ ہو۔ حقیقی نعمت تو بس یہی ہے اس کے علاوہ جس چیز کو دُنیا میں نعمت خیال کرتے ہیں تو محض اس لیے کہ وہ سعادتِ اُخروی کا وسیلہ ہوتی ہے۔ وہ فی نفسہٖ مطلوب نہیں ہوتی اور پوری نعمت وہی ہوتی ہے جس سے آخرت کی سعادت تلاش کریں۔ اسی لیے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

«اَلْعَيْشُ عَيْشُ الْاٰخِرَةِ» "حقیقی عیش تو آخرت کی ہے"

ایک بار آپ ﷺ نے نہایت پریشانی کے وقت یہ کلمہ ارشاد فرمایا۔ مقصد یہ تھا کہ دُنیوی رنج سے اپنے آپ کو تسلی

تشفی دی جا سکے اور ایک بار جب فرمایا جب دین کامل ہو چکا تھا۔ حجۃ الوداع کا موقع تھا سبھی لوگ آپ ﷺ کی طرف متوجہ تھے' آپ ﷺ اونٹ پر سوار تھے۔ لوگ آپ ﷺ سے حج کے مسائل معلوم کرتے۔ یہ منظر دیکھ کر آپ ﷺ نے یہ کلمہ فرمایا۔ اس وقت مقصد یہ تھا کہ دِل دُنیا کی اس خوشی کی طرف مائل نہ ہو جائے اور حقیقی منزل پر نگاہ رہے۔ ایک شخص نے عرض کیا: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ تَمَامَ النِّعْمَةِ (اے اللہ میں پوری نعمت کا سائل ہوں) حضور علیہ السلام نے سنا تو فرمایا کہ تجھے معلوم بھی ہے کہ پوری نعمت کیا ہے؟ اُس نے عرض کیا نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ پوری نعمت یہ ہے کہ تجھے جنت نصیب ہو اور دُنیا میں جو نعمتیں نصیب ہوتی ہیں ان میں سے جو نعمتیں وسیلۂ آخرت نہیں وہ حقیقت میں نعمت ہی نہیں۔ اور جو وسیلۂ آخرت ہیں وہ تعداد میں سولہ ہیں۔ چار کا دِل سے تعلق ہے چار کا بدن کے اندر' چار باہر اور ان بارہ کے جمع کرنے سے چار حاصل ہوتی ہیں جو چار دل سے متعلق ہیں۔ وہ عِلمِ مکاشفہ' عِلمِ معاملہ' عفت اور عدل ہیں۔ عِلمِ مکاشفہ تو یہ ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کو اور اس کی صفات کو اور اس کے فرشتوں کو اور رسولوں کو پہچانے عِلم معاملہ وہ ہے جو اس کتاب میں ہم نے بیان کیا جو راہِ دین کی گھاٹیاں ہیں جیسا کہ مہلکات کے باب میں بیان ہوا اور یہ زادِ راہ ہے جیسا کہ عبادات اور معاملات میں ذکر ہوا اور وہ منزلِ راہ ہیں جو اس باب میں بیان ہو رہے ہیں۔ آدمی ان سب کو بخوبی جان لے اور عفت یہ ہے کہ آدمی خواہش اور غُصّہ کی قوت کو توڑ کر اخلاقِ عالیہ حاصل کر لے اور عدل یہ ہے کہ خواہش اور غُصّہ کو درمیان سے بالکل بھی نہ ہٹا دے کیونکہ اس میں بھی نقصان اور گھاٹا ہے اور بالکل بھی مسلط نہ کرے کہ حد سے گزر جائے اس واسطے کہ یہ طوفان اور سرکشی ہے بلکہ اسے راستی و اعتدال کی ترازو میں تول کر رکھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ اَلَّا تَطْغَوْا فِی الْمِیْزَانِ وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ ﴾ (الرحمٰن)

یہ چاروں چیزیں بالکلیہ نعمت نہیں ہیں مگران نعمتوں کے سبب جو بدن سے متعلق ہیں وہ چار ہیں۔ تندرستی' قوت' خوبصورتی اور دراز عمر۔ ان کے ساتھ آخرت کی سعادت کا جو معاملہ اور تعلق ہے وہ ڈھکا چھپا نہیں۔ اس لیے کہ عِلم و عمل اور اچھے اَخلاق اور وہ فضائل جو آدمی کے دِل میں بیان کیے گئے ہیں ان کے بغیر حاصل نہیں ہوتے۔ تاہم جمال و خوبصورتی کی ضرورت کم پڑتی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ خوبصورت آدمی کی غرض زیادہ ہوتی ہے اس اعتبار سے جمال بھی مال کی مانند ہے اور جو چیز دُنیا کی ضرورت میں کام آتی ہے وہ آخرت کی ضروریات میں کام آئے گی اس لیے کہ دُنیا کی ضروریات پوری ہوتی رہیں تو آخرت کے معاملات میں دلجمعی نصیب رہتی ہے اور ظاہر ہے کہ دُنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ دوسرے یہ بھی کہ ظاہر کی خوبصورتی باطن کی نیک سیرتی کا عنوان ہے کیونکہ یہ ایک عطا شدہ نور ہے جو پیدا ہونے کے ساتھ ہی آدمی میں چمکنے لگتا ہے۔ اکثر یہی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب آدمی کا ظاہر آراستہ کر دیا تو باطن بھی نیک اَخلاق سے آراستہ ہو جاتا ہے اسی وجہ سے بزرگوں نے کہا ہے کہ برا آدمی ایسا نہیں ہوتا جو اپنی بُری سیرت کی بہ نسبت خوبصورت ہو۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خوبصورت لوگوں سے اپنی ضروریات کا تقاضا کرو۔ حضرت امیرالمؤمنین فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب کہیں نمائندہ بھیجنا ہو تو اچھے نام والا اور خوبصورت آدمی تلاش کر کے بھیجو۔ فقہا کا ارشاد ہے کہ جب نماز میں امامت کرنے والے عِلمِ قرأت اور تقویٰ میں برابر ہوں تو ان میں سے جو سب سے خوبصورت ہو وہ امامت

کے لیے اَولیٰ ہے۔

یاد رہنا چاہیے کہ اس خوبصورتی سے وہ خوبصورتی مراد نہیں جو شہوت بھڑکانے کا ذریعہ ہو اس لیے کہ یہ تو عورتوں کی صفت ہے بلکہ آدمی ایسا کشادہ قامت وجیہ اور متناسب الاعضاء ہو کہ لوگوں کے دیدۂ و دِل اس سے نفرت نہ کریں جو نعمتیں بدن سے باہر ہوتی ہیں اور بدن کو ان کی ضرورت ہوتی ہے وہ مال و جاہ' زن و فرزند شرافت نسب ہے۔ آخرت کے لیے مال بایں طور ضروری ہے کہ جس شخص کے پاس مال نہ ہو گا وہ تمام دن روزی کی تلاش میں مارا مارا پھرے گا علم و عمل میں بہت کم مصروف رہ سکے گا پس بقدرِ ضرورت مال دینی نعمت ہے اور جاہ کی بایں طور ضرورت ہے کہ جو شخص جاہ و منزلت نہیں رکھتا وہ لوگوں کی نظروں میں ہمیشہ ذلیل اور بے قدر ہوتا ہے۔ دشمنوں سے وہ مامون نہیں ہوتا۔ ہاں یہ بات بھی درست ہے کہ مال و جاہ کی زیادتی میں مصائب بھی بہت ہیں۔ اسی لیے جناب رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ جو صبح کو تندرست اور مامون اٹھے اور اس دن کی روٹی کا سرمایہ اس کے پاس ہو وہ ایسا ہے کہ گویا اسے ساری دُنیا حاصل ہے اور یہ امور بغیر جاہ و مال کے حاصل نہیں ہو سکتے اور حضور علیہ السلام فرماتے ہیں :

((نِعْمَ الْعَوْنُ عَلٰی تَقْوَی اللّٰهِ الْمَالُ))

"مال پرہیزگاری کے حق میں بڑا اچھا مددگار ہے"

اور زن و فرزند بایں طور نعمت ہیں کہ بیوی تو بہت سے مشاغل سے فراغت کا سبب بنے گی اور شہوت کے شر سے بچائے گی۔ اس لیے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ نیک بیوی دینی امور میں بہت مددگار ہوتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب عرض کیا کہ ہم دُنیا میں سے کیا جمع کریں تو آپ ؐ نے فرمایا ذاکر زبان' شاکر دِل اور مومن عورت اور فرزند کا جہاں تک تعلق ہے وہ مرنے کے بعد والدین کے حق میں دُعا کرے گا۔ زندگی میں یار و مددگار ہو گا۔ نیک اولاد بال و پر کی مانند ہے کیونکہ اس سے بڑے کام پورے ہوتے ہیں اس لیے یہ نعمت ہے بشرطیکہ آدمی ان کی آفات سے بچتا رہے یعنی ان کے سبب سے اپنی تمام تر صلاحیتیں دُنیا میں ہی نہ کھپا دے اور شرافت نسب بھی نعمت ہے کیونکہ امامت و امارت قریش کے نسب کے ساتھ مخصوص[1] ہے اور حضور ﷺ فرماتے ہیں :

((تَخَيَّرُ الْاَكْفَارَ وَاِيَّاكُمْ وَخِضْرَاءَ الدِّمَنِ))

"پاکیزہ جگہ میں بیج ڈال اور جو سبزہ ہو اس سے پرہیز کرو"

اس کی تفصیل آپ ﷺ نے یہ فرمائی کہ خوبصورت عورت جو کم ذات ہو۔

یاد رکھنا چاہیے کہ اس نسب سے دُنیا کی بڑائی اور قیادت مقصود نہیں بلکہ دینی نسب مراد ہے جو صالح اور صاحب علم لوگوں سے ہوتا ہے اس لیے کہ یہ بھی ایک نعمت ہے۔ آدمی میں بالعموم آباؤ اجداد سے اَخلاق سرایت کرتے ہیں جن کا اچھا ہونا شاخوں کے اچھا ہونے کی دلیل ہوتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری ہے : ﴿ وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ﴾ (قصۂ خضر کے دو یتیم بچوں کے متعلق فرمایا کہ ان کا باپ نیک تھا) اور وہ چار نعمتیں جو ان بارہ نعمتوں کو جمع کرتی ہیں وہ ہیں ہدایت' رشد'

---

[1] اس سے مراد اہل بیت ہیں کہ حضور علیہ السلام کے دَور میں یہی قبیلہ دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ باصلاحیت تھا۔ واللہ اعلم [مترجم]

تائید اور تشدید۔ ان سب کو توفیق کہا جاتا ہے کیونکہ بغیر توفیق کوئی نعمت' نعمت ہی نہیں۔ توفیق کے معنی ہیں قضاءِ الٰہی اور بندہ کے ارادہ میں موافقت ہو جانا۔ یہ بات خیر و شر دونوں میں ہوتی ہے مگر تقاضائے عادت کے مطابق توفیق کا لفظ خاص اس مقصد سے عبارت ہو گیا کہ بندے کا ارادہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے ساتھ کارِ خیر میں جمع ہو جائے۔ توفیق کی تکمیل چار چیزوں سے ہوتی ہے ایک تو ہدایت کہ کوئی بھی شخص اس سے مستغنی نہیں کیونکہ اگر کوئی شخص آخرت کی سعادت کا طالب ہو اور اس کی راہ نہ چلے اور بے راہ روی کو ہی راہ سمجھے تو کیا فائدہ؟ پس ہدایت کے بغیر اسباب کچھ کام نہیں آتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے دونوں چیزوں کے سبب احسان جتلایا۔ ارشاد باری ہے :

﴿ رَبُّنَا الَّذِیْ اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ﴾ (طٰہٰ)

"(موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا) ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو صورت بخش کر ہدایت نصیب فرمائی"

دوسری جگہ ارشاد ہے :

﴿ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی ﴾ (الاعلیٰ)

"اللہ کی ذات بابرکات وہ ہے جو اندازہ کرتی ہے' پس ہدایت نصیب فرماتی ہے"

یاد رکھنا چاہیے کہ اس ہدایت کے تین درجے ہیں پہلا درجہ تو یہ ہے کہ آدمی خیر و شر میں فرق کرے۔ یہ درجہ سب عقلمندوں کو اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمایا ہے بعض کو عقل کے ذریعہ' بعض کو انبیاء کے ذریعہ۔ اللہ تعالیٰ کا یہ جو ارشاد ہے : ﴿ وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ ﴾ (البلد) اس سے یہی مراد ہے کہ ہم نے عقل کے ذریعہ آدمی کو خیر و شر کی راہ بتائی اور یہ جو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے :

﴿ وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَیْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰی عَلَی الْهُدٰی ﴾ (حم السجدۃ)

"اور جہاں تک قوم ثمود کا تعلق ہے ہم نے انھیں ہدایت دی لیکن انہوں نے اندھے پن کو ہدایت کے مقابلہ میں پسند کیا اور دوست رکھا"

تو اس سے وہ ہدایت مراد ہے جو نبی کے ذریعہ نصیب فرمائی۔ اس سے محروم شخص یا تو حسد و تکبر کا مریض ہے یا دُنیاداری میں مشغولیت کے سبب انبیاء و علماء کی بات نہیں سنتا۔ ورنہ کوئی عقلمند یہ ہدایت پانے سے عاجز نہیں۔

دوسرا درجہ یہ خاص ہدایت ہے جو مجاہدے اور معاملے میں تھوڑی تھوڑی حاصل ہوتی ہے اور حکمت کی راہ کھلتی جاتی ہے۔ یہ ہدایت مجاہدہ کا نتیجہ ہوتی ہے۔ ارشاد باری ہے :

﴿ وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ﴾ (عنکبوت)

"جو لوگ ہماری راہ میں جدوجہد کرتے ہیں تو ہم انھیں اپنی ہدایت کے راستے بتا دیتے ہیں"

اس میں یہ نہیں کہا گیا کہ ہم خود بخود ہدایت کر دیتے ہیں بلکہ کوشش کی بات پہلے ارشاد فرمائی اور یہ جو ارشادِ باری ہے : ﴿ وَالَّذِیْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًی ﴾ (سورۃ محمد) تو اس سے خاص ہدایت مراد ہے۔ تیسرا درجہ خاص الخاص ہدایت کا ہے۔ نبوت اور ولایت کے عالم میں یہ نور پیدا ہوتا ہے۔ یہ ہدایت خاص اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرف ہوتی ہے۔ اس کی راہ کی طرف نہیں۔ یہ ہدایت ایسی ہے کہ اس میں عقل کی مجال نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿ قُلْ اِنَّ الْهُدٰی هُدَی اللّٰهِ ﴾

اس سے یہی ہدایت مقصود ہے کیونکہ یہ ہدایت مطلق بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس ہدایت کا نام حیات رکھا ہے جیسا کہ ارشاد ہے :

﴿ اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ ﴾ (انعام)

"آیا وہ کوئی مردہ تھا کہ زندہ کیا ہم نے اس کو (یعنی گمراہ تھا پھر ہم نے اس کو ہدایت بخشی) اور عطا کیا اس کو نور کہ چلتا ہے اس کے ذریعہ لوگوں میں"

اور رُشد کے معنی ہیں کہ بندہ کو ہدایت کے ذریعہ جو راستہ نصیب ہو گیا اس پر چلنے کی خواہش پیدا ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا اِبْرَاهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ ﴾ (انبیاء)

"ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اس سے قبل رُشد سے سرفراز فرمایا"

جو لڑکا جوان ہو اور یہ سمجھ لے کہ مال کی حفاظت یوں ہوتی ہے لیکن وہ پھر بھی حفاظت نہ کرے اسے رشید و شبہ نہیں کہا جاتا ہے گو کہ اسے مال کی حفاظت کی ہدایت مل چکی ہے۔ اور ترشید کے معنی ہیں کہ بندے کی حرکات اور اعضاء آسانی کے ساتھ بھلائی کی طرف حرکت کر سکیں تاکہ وہ جلد از جلد اپنے مقصد کو پہنچ جائے۔ پس ہدایت کا ثمرہ معرفت میں اور رُشد کا نتیجہ خواہش اور ارادے میں اور ترشید کا مآل قدرت اور حرکت کے آلات میں ہے۔ رہ گئی تائید تو اس سے مراد غیبی مدد ہے جو باطن میں تیری بصیرت اور ظاہر میں حرکت کی قوت سے پہنچے۔ ارشاد ربانی ہے :

﴿ وَاَيَّدْنَاهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ﴾ (البقرہ) "ہم نے مدد کی اس کی رُوح القدس کے ذریعہ"

پھر عصمت اس سے بہت ہی قریب ہے۔ عصمت کا معنی ہے کہ آدمی کے باطن میں شرک اور گناہ سے باز رکھنے والی قوت پیدا ہو جائے اور انسان اس کو بخوبی جان لے کہ وہ کہاں سے آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ﴾ (یوسف)

"اور یقیناً مائل ہوئی زلیخا یوسف علیہ السلام کی طرف اور یوسف علیہ السلام بھی مائل ہو جاتے اگر اپنے ربّ کی بُرہان نہ دیکھ لیتے۔"

دُنیوی نعمتیں آخرت کے لیے زاد راہ ہیں۔ یہ نعمتیں دوسرے اسباب کی اور وہ پھر آگے اسباب کی احتیاج رکھتے ہیں حتیٰ کہ بندہ آخر میں اس ذات تک پہنچ جاتا ہے جو حیرت زدوں کا رہنما' ربّ الا رباب اور مسبّب الاسباب ہے۔ سلسلہ اسباب کی کڑیوں کی تفصیل بہت طویل ہے یہاں اتنا ہی کافی ہے۔

شکر کے معاملہ میں مخلوق کی کوتاہی کا بیان

شکر میں دو درجہ سے کوتاہی ہوتی ہے ایک تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی کثرت نہ جاننے کے سبب سے' کیونکہ اس کی نعمتوں کا تو کوئی شمار نہیں جیسا کہ ارشاد ہے :

﴿ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ﴾ "اور اگر تم اللہ کی نعمتیں گننے لگو تو نہ گن سکو"

اللہ تعالیٰ کی قلیل نعمتیں جو کھانے سے متعلق ہیں وہ احیاء العلوم میں ذکر کی گئی ہیں تاکہ آدمی اس پر قیاس کر کے سمجھ لے کہ اس کی سب نعمتوں کو پہچاننا ممکن ہی نہیں اس کتاب میں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عام نعمتوں کو انسان نعمت سمجھتا ہی نہیں اور اس کا شکر ادا کرتا ہی نہیں چنانچہ یہ لطیف ہوا جو سانس میں کام آتی ہے یہ اس حیوانی روح کی امداد کرتی ہے جس کا معدن دِل ہے اور دِل کی گرمی کو یہ معتدل بنا دیتی ہے۔ اگر ایک سانس رک جائے تو آدمی ہلاک ہو جائے لیکن آدمی اسے نعمت جانتا ہی نہیں۔ ایسی لاکھوں نعمتیں ہیں جن کی طرف توجہ ہی نہیں۔ ہاں اگر لحہ بھر کے لیے کسی کنویں میں جائے جس کی ہوا غلیظ ہوتی ہے اور سانس روک لے یا کسی کو گرم حمام میں قید کر دیا جائے اور گھڑی بھر وہاں مقید رہے تو آدمی کو اس نعمت کی قدر کا اندازہ ہو گا۔ جب تک انسان کو آنکھ میں تکلیف نہیں ہوتی یا خدانخواستہ آنکھ بالکل ضائع نہیں ہو جاتی اس وقت تک چنگی بھلی آنکھ کا آدمی شکر نہیں ادا کرتا۔ ایسے بندے کی مثال اس غلام جیسی ہے جسے جب تک مار نہ پڑے تب تک وہ سزا نہ ملنے کی قدر نہیں کرتا۔ اسے اگر پیٹا نہ جائے تو اس میں سرکشی اور غفلت پیدا ہو جاتی ہے اس لیے شکر کی تدبیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو آدمی اپنے دِل میں یاد کرتا رہے۔ ہم نے احیاء العلوم میں بعض نعمتوں کی تفصیل ذکر کی ہے یہ تدبیر تو کامل آدمی کے لیے ہے ناقص اور کم فہم کو یہ تدبیر کرنی چاہیے کہ روزانہ سنٹرل ہسپتال' قید خانے یا قبرستان میں جایا کرے تاکہ مصیبت اور پریشانی میں پھنسے ہوؤں کو دیکھ کر اپنی صحت و سلامتی کا اسے اندازہ ہو۔ ممکن ہے اس وقت اللہ کے شکر میں مشغول ہو جائے۔ قبرستان میں جائے تو یہ جان لے کہ یہ تمام مردے ایک دن کے لیے دوبارہ زندگی پانے کی خواہش رکھتے ہیں تاکہ اپنے گناہوں کا تدارک و مداوا کر لیں لیکن انہیں ایک دن کی زندگی نصیب نہیں ہوتی اور یہ عجیب زندہ ہے کہ اس کی زندگی کے بہت سے دن باقی ہیں اور ان کی قدر نہیں کرتا۔ اور جو عام نعمت ہے بندے اس کا شکر کرتے ہی نہیں جیسے ہوا' سورج چشم بینا اور مال اور محض اسی نعمت کو نعمت سمجھتا ہے جو اس کے ساتھ خاص ہو۔ اسے سمجھنا چاہیے کہ یہ اس کی نادانی ہے۔ کیونکہ کسی چیز کا نفع عام ہو جائے تب بھی وہ نعمت ہی رہتی ہے۔ پھر غور کرے تو خاص نعمتیں بھی اسے بہت سی حاصل ہیں اس لیے کوئی شخص ایسا نہیں جو یہ گمان نہ کرتا ہو کہ میری عقل کے برابر کسی کی عقل نہیں اور میرے اَخلاق جیسے کسی کے اَخلاق نہیں۔ اسی گمان کے سبب اوروں کو اَحمق اور بد اَخلاق سمجھتا ہے اور اپنے آپ کو نہیں جانتا تو یہ گمان کر کے اپنی عقلمندی اور خوش اخلاقی کا شکر کرے اور دوسروں کی عیب جوئی نہ کرے۔ ایسا کون ہے جس میں کوئی نہ کوئی عیب نہ ہو۔ یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیبوں پر پردہ ڈال رکھا ہے۔ آدمی کو خطرات اور وساوس سے پالا پڑتا ہے اگر وہی دوسروں کو معلوم ہو جائیں تو کتنی ندامت ہو گی۔ یہ بات ہر ایک کے حق میں خاص نعمت ہے۔ انسان کو اس کا شکر کرنا چاہیے اور ہمیشہ اسی نعمت کی فکر میں نہیں رہنا چاہیے جس سے محروم ہو اس طرح آدمی شکر سے بھی محروم ہو جاتا ہے بلکہ انسان کو ان نعمتوں کو دیکھنا چاہیے جو بغیر کسی استحقاق اللہ نے عطا فرمائیں۔ ایک شخص کسی بزرگ کے پاس جا کر اپنی مفلسی کا رونا رونے لگا تو ان بزرگ نے کہا کہ تو یہ چاہتا ہے کہ تیری آنکھ پھوٹ جائے اور تجھے دس ہزار درم ملیں۔ اُس نے کہا کہ نہیں۔ فرمایا کان اور ہاتھ اور پاؤں چلے جائیں اور دس ہزار درم ملیں۔ کہنے لگا کہ نہیں فرمایا عقل چلی جائے اور دولت مل جائے کہنے لگا نہیں فرمایا کہ تیرے پاس پچاس ہزار درہم کا سرمایہ تو موجود ہے پھر شکایت کیوں کرتا ہے؟ اگر تم اکثر لوگوں سے پوچھو

کہ تم اپنا حال فلاں شخص سے بدل لو تو نہیں بدلیں گے تو پھر جب اللہ تعالیٰ نے تجھے جو کچھ دیا ہے وہ دوسروں کو نہیں دیا تو تجھے ضرور شکر کرنا چاہیے۔

فصل : انسان کو مصیبت اور تکلیف میں بھی شکر کرنا چاہیے اس لیے کہ کفر اور گناہ کے سوا کوئی مصیبت اور تکلیف ایسی نہیں جس میں کچھ بھلائی نہ ہو لیکن ضروری نہیں کہ تو اسے جانتا بھی ہو لیکن اللہ تعالیٰ تو بہرحال جانتا ہے۔ ان مصیبتوں میں پانچ قسم کے شکروں میں سے ایک قسم کا شکر لازم ہے۔ پہلی قسم یہ ہے کہ دُنیوی کام میں مصیبت ہو تو انسان کو یہ شکر کرنا چاہیے کہ ایسا دینی کام میں نہیں ہوا۔ حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے کہا کہ میرے گھر کا سب سامان چور لے کر چلے گئے ہیں۔ فرمایا کہ اگر شیطان تیرے دل میں گھس کر تیرا ایمان لے جاتا تو کیا بنتا؟ دوسری قسم یہ ہے کہ کوئی مصیبت اور تکلیف ایسی نہیں جس سے سخت تر دوسری بیماری اور تکلیف ممکن نہ ہو تو انسان کو شکر کرنا چاہیے کہ اس سے سخت تر مصیبت نہیں آئی جو شخص ہزار لاٹھیاں مارنے کے قابل ہو اسے سو مار کر چھوڑ دیں تو اسے شکر کرنا چاہیے۔ مشائخ میں سے کسی کا واقعہ منقول ہے کہ ان کے سر پر کسی نے راکھ کا بھرا ہوا برتن غلطی سے جو ڈال دیا تو شکر کرنے لگے اور کہنے لگے کہ میں تو آگ کا مستحق تھا' راکھ سے بلا ٹل گئی۔ اس لیے یہ کمال نعمت ہے۔ تیسری قسم یہ ہے کہ دُنیا کی کوئی مصیبت ایسی نہیں کہ اگر اسے آخرت پر ملتوی کر دیا جاتا تو وہ بد تر اور سخت عذاب کا باعث ہوتی اس لیے شکر کرنا چاہیے کہ دُنیا میں ٹل گئی اور آخرت کے عذاب سے چھٹی کا باعث بنی۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس پر اللہ نے دُنیا میں سختی کر لی اس پر آخرت میں سختی نہیں ہو گی کیونکہ مصائب گناہوں کا کفارہ ہوتی ہیں۔ جب آدمی بے گناہ ہو گیا تو مصیبت کیسی؟ پس جو طبیب کڑوی دوا پلائے اور غصّہ کھلوائے تو گو کہ اس میں تکلیف ہے مگر شکر کا مقام یہ ہے کہ تھوڑا رنج سہہ کر بڑے رنج و عذاب سے نجات ہو گئی۔ چوتھی قسم یہ ہے کہ یہ مصیبت لوحِ محفوظ میں تیرے حق میں لکھی تھی۔ اسے بہرحال آنا تھا جب آ گئی تو شکر کرنا چاہیے۔ شیخ ابو سعید قدس سرہٗ گدھے پر سے گر پڑے تو کہنے لگے الحمد للہ' لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ ایک مصیبت جو مقدر تھی وہ طے ہو گئی۔ (رسیدہ بود بلائے ولے بخیر بہ گزشت)

پانچویں قسم یہ ہے کہ دُنیوی مصیبت کے سبب آخرت میں دو وجہ سے ثواب حاصل ہوتا ہے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔ دوسرے یہ کہ سب گناہوں کی سردار دُنیا کی محبت ہے۔ دُنیا تمھارے لیے بہشت بن جاتی ہے اور اللہ کے حضور جانا جیل خانے میں جانے کے برابر معلوم ہوتا ہے جو دُنیا میں مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے اس کا دل دُنیا سے نفرت کرنے لگتا ہے اور دُنیا اس کے نزدیک قید خانہ بن جاتی ہے اور موت اس قید خانہ سے رہائی کا سبب بنتی ہے اور ہر مصیبت اللہ کی طرف سے تنبیہ اور تادیب کا ذریعہ ہوتی ہے۔ لڑکے میں عقل ہو تو وہ والدین کی تادیب پر ان کا شکریہ ادا کرے۔ حدیث میں ہے کہ جس طرح تم لوگ اشیائے خورد و نوش کے ذریعہ بیمار کی خبر لیتے ہو اسی طرح اللہ تعالیٰ مصائب و آلام کے ذریعہ اپنے دوستوں کی غم خواری کرتے ہیں۔ ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ میرا مال چور لے گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کا بدن بھی تندرست ہو اور مال بھی چور نہ لے جائیں اس میں خیر نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ جب بندے کو

35 B دوست رکھتا ہے تب ہی اس پر مصائب کا نزول ہوتا ہے اور فرمایا کہ جنت میں کئی درجات اور مرتبے ایسے ہیں کہ بندہ اپنی محنت و کوشش سے وہاں تک نہیں پہنچ سکتا لیکن اللہ تعالیٰ مصیبت میں گرفتار کر کے وہاں تک پہنچا دیتے ہیں۔ ایک دن حضور علیہ السلام آسمان کی طرف دیکھتے دیکھتے ہنسنے لگے اور فرمایا کہ مومن کے حق میں اللہ کی تقدیر سے مجھے تعجب ہو رہا ہے کہ اگر نعمت کا حکم دیتا ہے تو خود بھی راضی ہوتا ہے اور اس میں بندے کی بھلائی ہوتی ہے اور مصیبت نازل ہوتی ہے تو بھی یہی ہوتا ہے کہ وہ راضی ہوتا ہے اور بندہ کی بھلائی کا راز اس میں مضمر ہوتا ہے یعنی بندہ مصیبت میں صبر کرے اور نعمت میں شکر تو دونوں میں اس کی بھلائی ہے اور فرمایا کہ جو لوگ دُنیا میں خیر و عافیت سے رہتے ہیں وہ دُنیا میں مصیبت زدوں کے بڑے بڑے درجات دیکھ کر خواہش کریں گے کہ کاش ہمارا گوشت دُنیا میں کترنی سے کاٹا گیا ہوتا۔

ایک نبیؑ نے عرض کیا کہ اے اللہ! آپ کافروں کو اتنی دولت سے نوازتے ہیں اور مومن یوں مصائب کا شکار رہتے ہیں۔ اس کا سبب کیا ہے؟ فرمایا کہ بندہ' نعمت اور مصیبت سبھی ہماری مِلک میں ہیں۔ مومن کے گناہ دیکھ کر میرا دِل چاہتا ہے کہ مرتے وقت گناہوں سے پاک صاف ہو کر میرے حضور حاضر ہو۔ میں اس دُنیا کی مصیبتوں کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہوں اور کافروں کی جو بھلائیاں ہوتی ہیں نعمتوں کے ذریعے ان کا معاملہ دُنیا میں صاف کر دیتا ہوں' تاکہ وہ میرے دربار میں آئے تو اس کا کوئی حق باقی نہ ہو تاکہ اس پر عذاب مسلط کر سکوں۔ جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْءًا يُّجْزَ بِهٖ ﴾ کہ جو بُرائی کرے گا اس کی جزا بھی پائے گا۔ تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم اس سے کیسے نجات پائیں گے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم بیمار اور غمگین نہیں ہوتے؟ مومن کی یہی جزاء ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک فرزند کا انتقال ہو گیا آپؑ نہایت غمزدہ تھے۔ دو فرشتے لڑتے جھگڑتے آپؑ کے پاس آئے۔ ایک نے کہا کہ میں نے زمین میں بیج بویا تھا دوسرے نے روند ڈالا۔ آپؑ نے مدعی سے کہا کہ تم نے راستہ میں بیج کیوں بویا تمھیں معلوم نہیں کہ راستہ پر لوگ گزرتے ہیں۔ اُس نے کہا کہ آپ کو یہ خیال نہ آیا کہ آدمی موت کی شاہراہ پر جا رہا ہے پھر اپنے بیٹے کی وفات پر غم کیوں؟ حضرت سلیمان علیہ السلام نے توبہ و استغفار کی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیمار بیٹے کو قریب المرگ دیکھا تو فرمانے لگے کہ بیٹا اگر تو پہلے دُنیا سے رخصت ہو کر میرے لیے ذخیرۂ آخرت بنے تو یہ بات مجھے اس سے عزیز ہے کہ میں تیری ترازوں میں رکھا جاؤں۔ بیٹے نے کہا کہ ابا جان جو بات آپ کو پسند ہے وہی مجھے پسند ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو لوگوں نے صاحبزادی کی موت کی اطلاع دی فرمانے لگے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اس کا ستر ڈھانپ دیا گیا خرچ کم ہو گیا (یعنی شادی کا) اور نقد ثواب اللہ نے دے دیا پھر کھڑے ہو کر ۲ رکعت نماز پڑھی اُور فرمانے لگے کہ اللہ کا یہی ارشاد ہے: ﴿ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ﴾ (البقرہ) الحمدللہ کہ مجھے دونوں کی توفیق مل گئی۔ حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن چار آدمیوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ چار گواہوں پر الزام رکھے گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام سے تونگروں پر' حضرت یوسف علیہ السلام سے غلاموں پر' حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے درویشوں پر اور حضرت ایوب علیہ السلام سے ان لوگوں پر جنھوں نے مصیبتوں پر صبر نہیں کیا —— عِلمِ شکر کا بیان اسی قدر کافی ہے۔ (واللہ اعلم)

فصل ۳ : خوف و رَجا کا بیان

خوف و رَجا راہِ حق کے مسافر کے لیے دو بازوؤں کی مانند ہیں۔ وہ جن بلندیوں پر پہنچتا ہے انھی دو بازوؤں کے ذریعہ اُڑ کر پہنچتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ بارگاہ قدس تک پہنچنے کے لیے سالک کو راستہ میں بڑی اونچی اونچی رکاوٹوں سے پالا پڑتا ہے جب تک سچّی اُمید نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے بے مثال جمال کی لذت سے آنکھ شناسا نہ ہو تب تک ان رکاوٹوں کو طے کرنا مشکل ہوتا ہے شہوات نفسانی جو دوزخ کی راہ پر ہیں وہ بڑے غالب فریب دینے والی اور اپنی طرف مائل کرنے والی ہیں اور ان کے پھندے خطرناک اور پیچ در پیچ ہیں جب تک خوف و ہراس دِل پر غالب نہیں ہوتا تب تک آدمی ان سے بچ نہیں سکتا اسلیے خوف و رَجا کی بڑی فضیلت ہے کیونکہ رَجا تو مہار کی مانند ہے کہ اس کے ذریعہ بندہ آگے کھینچتا ہے اور خوف کوڑے کی مانند ہے جس کے سبب بندہ آگے بڑھتا ہے ـــــ ہم اس ترتیب سے پہلے رَجا کا بیان کریں گے پھر خوف کا!

رَجا کی فضیلت : اللہ کے فضل و کرم کی اُمید پر جو عبادت ہوتی ہے وہ اس عبادت سے بہتر ہے جو عذاب کے خوف سے ہو اس لیے کہ اُمید سے مُحبّت پیدا ہوتی ہے اور محبت ایسی چیز ہے جس سے بالاتر کوئی درجہ نہیں اور خوف سے نفرت پیدا ہوتی ہے اس لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا : ((لَا يَمُوْتَنَّ اَحَدُكُمْ اِلَّا وَهُوَ يُحْسِنُ الظَّنَّ بِاللّٰهِ)) یعنی تم میں سے ہر کسی پر لازم ہے کہ اپنے اللہ سے اچھا گمان رکھ کر مرے! اور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ میرا بندہ جہاں گمان کرتا ہے میں وہیں موجود ہوتا ہوں اس لیے میرے بندے سے کہہ دیں کہ تو جو چاہے میرے ساتھ گمان کر (میں اس کے مطابق تیرے ساتھ سلوک کروں گا) حضور علیہ السلام نے ایک شخص سے اس کی جان کنی کے وقت اس کی کیفیت پوچھی تو اُس نے عرض کیا کہ اپنے گناہوں کا تو ڈر ہے لیکن اس کی رحمت کا اُمیدوار ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسے وقت میں جس کے دِل میں یہ دونوں باتیں جمع ہوں اللہ تعالیٰ اسے ڈر کی بات سے بچاتے اور اس کی اُمید پوری فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یعقوب علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ تم جانتے ہو کہ میں نے یوسف کو تم سے کیوں جدا کیا تھا؟ آپ نے اپنے بیٹے سے کہا تھا کہ ﴿ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غَافِلُوْنَ ﴾ یعنی آپؑ نے بھیڑیئے کا خوف تو محسوس کیا اور مجھ سے بھلائی کی اُمید نہ رکھی اور یوسف کے بھائیوں کی غفلت کا تو خیال کیا لیکن میری حفاظت کا دھیان نہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ اپنے گناہوں کی کثرت کے سبب مایوسی کا شکار ہے فرمایا میاں مایوس نہ ہو اللہ تعالیٰ کی رحمت تیرے گناہوں سے کہیں زیادہ ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فردائے قیامت میں بندہ سے فرمائیں گے کہ دوسروں کو گناہ میں مبتلا دیکھ کر تو نے اجتناب کیوں نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ اس کی زبان کو توفیق دے گا تو وہ عرض کرے گا کہ اے اللہ میں مخلوق سے ڈرتا تھا اور تیری رحمت کا اُمیدوار تھا ارحم الراحمین اس پر رحم فرمائیں گے۔ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن فرمایا کہ جو کچھ میں جانتا ہوں تم بھی جان لو تو تمھارا ہنسنا کم لیکن رونا زیادہ ہو جائے اور تم صحراؤں میں جا کر سینہ کوبی کر کے نالہ و زاری کرنے لگو۔ پھر حضرت جبریل علیہ السلام آئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ میرے بندوں کو نااُمید کیوں کرتے ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور

لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم کی خوب خوب اُمیدیں دلائیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اے داؤد مجھے اپنا دوست رکھو اور میرے بندوں کے دِل میں بھی میری مُحبّت کا بیج ڈال دو۔ انہوں نے اس کی ترکیب پوچھی تو فرمایا کہ انھیں میرا فضل و کرم یاد دلائیں کیونکہ انہوں نے بھلائی کے سوا مجھ سے کچھ دیکھا ہی نہیں۔ کسی شخص نے یحییٰ بن اکثم رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا برتاؤ کیا۔ فرمایا کہ مجھے سوال و جواب کے کٹہرے میں کھڑا کر کے پوچھا کہ میاں تم نے فلاں فلاں کام کیے ہیں؟ مجھ پر خوف و ہراس طاری ہوا تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ مجھے آپ کی طرف سے ایسی کوئی خبر نہیں ملی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ پھر کیسی خبر ملی تھی میں نے عرض کیا کہ مجھ سے عبدالرزاق نے، ان سے معمر نے، ان سے امام زہری نے اور ان سے حضرت انس رضی اللہ عنہ ان سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حضرت جبریل علیہ السلام نے اور ان سے آپ نے فرمایا کہ میں بندے کے ساتھ وہی سلوک کرتا ہوں جس کا وہ مجھ سے گمان رکھتا ہے اور میرا گمان یہ تھا کہ آپ مجھ پر رحم فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جبریل نے سچ کہا میرے رسول نے سچ کہا انس و زہری نے اور معمر و عبدالرزاق سبھی نے سچ کہا۔ میں نے تجھ پر رحم کیا پھر مجھے بہت قیمتی اور خوبصورت جوڑا پہنایا اور جنت کے خدام میرے آگے آگے چلتے تھے اور مجھے ایسی خوشبو حاصل ہے کہ اس جیسی کبھی نہ دیکھی تھی۔ حدیث میں ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک صاحب تھے جو لوگوں کو اللہ کی رحمت سے مایوس و محروم کیا کرتے تھے اور ان کے ساتھ سخت گیری کا معاملہ کرتے قیامت میں اللہ تعالیٰ ان صاحب سے فرمائیں گے کہ جس طرح تم دُنیا میں میرے بندوں کو میری رحمت سے مایوس کیا کرتے تھے اسی طرح میں آج تمھیں اپنی رحمت سے مایوس کرتا ہوں۔ نیز حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص ایک ہزار برس تک جہنم میں رہنے کے بعد عرض کرے گا یا حنّان یا حنّان۔ اللہ تعالیٰ حضرت جبریل علیہ السلام کو حکم فرمائیں گے کہ میرے اس بندے کو لے کر آئیں وہ لے آئیں گے تو اللہ تعالیٰ سوال فرمائیں گے کہ دوزخ میں تیری جگہ کیسی ہے وہ عرض کرے گا کہ سب سے بدتر۔ ارشاد ہو گا کہ اس کو دوبارہ جہنم میں لے جاؤ جب اسے لے جائیں گے تو وہ مڑ مڑ کر دیکھے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ کیا دیکھتے ہو وہ عرض کرے گا کہ اے ارحم الراحمین میرا گمان یہ تھا کہ اب دوزخ سے تو نے جو نکلوایا ہے تو دوبارہ اس میں نہیں بھیجے گا۔ بس اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے کہ اچھا اس کو جنت میں لے جاؤ گویا اس اُمید کے صدقے وہ نجات پالے گا۔

رَجا کی حقیقت

مستقبل میں بھلائی کی اُمید کا نام رَجا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس اُمید کو تمنا، غرور یا حماقت کہیں۔ احمق لوگ ان میں فرق نہیں کرتے اور سبھی کو اُمید کا نام دیتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اگر کوئی شخص اچھا بیج ڈھونڈ کر نرم زمین میں بوئے اور اس زمین کو کانٹے گھاس وغیرہ سے صاف رکھے اور وقت پر اس کی سیرابی کا اہتمام کرے اور پھر اس کی اُمید رکھے کہ اللہ تعالیٰ حوادث و آفات سے بچائیں گے تو پیداوار حاصل کروں گا تو اس کو اُمید اور رَجا کہتے ہیں اور اگر سڑا ہوا بیج ہو یا زمین سخت ہو اور اس کو خود رو گھاس وغیرہ سے صاف بھی نہ کرے یا اس کی سیرابی کا اہتمام بھی نہ کرے اور پھر پیداوار کی توقع رکھے تو یہ غرور اور حماقت ہے رَجا نہیں لیکن اگر اچھا بیج صاف ستھری زمین میں بوئے لیکن

اسے سیراب نہ کرے اور مینہ برسنے کی تمنا رکھے اور جگہ ایسی ہو جہاں بالعموم بارشیں نہ ہوتی ہوں لیکن بارش کا برسنا محال بھی نہ ہو تو اس کو آرزو اور تمنا کہتے ہیں۔ اسی طرح جو شخص ایمان کا صحیح بیج سینہ کے میدان میں بوئے اور سینہ کو بُرے اَخلاق سے صاف رکھے اور عبادت سے ایمان کے پودے کو سینچتا رہے اور اللہ سے آس وابستہ رکھے کہ وہی آفتوں سے بچانے والا ہے اور مرتے دم تک یہ شخص محتاط رہے اور ایمان کی سلامتی کا پروانہ لے کر دُنیا سے رخصت ہو تو یہ اُمید و رَجا ہے اس کی علامت یہ ہے کہ مستقبل میں جو نیکی ممکن ہو اس میں کوتاہی نہ کرے اور احتیاط کا دامن ملحوظ رکھے اس لیے کہ کھیت کی حفاظت سے غافل ہونا نااُمیدی کی نشانی ہے اُمید کی نہیں اور اگر ایمان کا بیج ہی خدانخواستہ سڑا ہوا ہو یعنی یقین کامل کی دولت سے محروم ہو یا یقین کامل تو ہو لیکن بُرے اَخلاق سے سینہ کو پاک نہ کرے اور عبادت سے سیرابی کا اہتمام نہ کیا جائے تو رحمت کی اُمید حماقت ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں :

((اَلْاَحْمَقُ مَنِ اتَّبَعَ نَفْسَهٗ هَوَاهَا وَ تَمَنّٰى عَلَى اللّٰهِ))

"وہ شخص احمق ہے جو اپنے نفس کی خواہشات کی پیروی کرتا ہے اور پھر اللہ کی رحمت کی اُمید رکھتا ہے"

بلکہ خود حضرت حق ارشاد فرماتے ہیں :

﴿ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُلَنَا ﴾ (الاعراف)

"ان کے بعد ان کے اَخلاف کتاب کے وارث بنے وہ دُنیا کی حقیر متاع حاصل کرتے تھے اس کے باوجود کہتے ہیں کہ عنقریب ہمیں بخش بھی دیا جائے گا"۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مذمت فرما رہے ہیں جنھیں انبیاء علیہم السلام کے بعد عِلم حاصل ہوا لیکن وہ دُنیا میں مشغول رہے اسکے باوجود یہ کہتے کہ ہمیں اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم پر رحمت فرمائیں گے۔

پس جس چیز کے اسباب بندے کے اختیار میں ہوں وہ اسباب جب بکمال و تمام مہیا کر لے تو اس کی نگرانی بھی ضروری ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ((لَيْسَ الدِّيْنُ بِالتَّمَنِّي)) کہ دین کا معاملہ محض اچھی آرزوؤں سے درست نہیں ہوتا اس لیے جس نے توبہ کی اسے قبولیت کی اُمید رکھنی چاہیے اور جس نے توبہ تو نہ کی مگر اپنے گناہوں کے سبب سے رنجیدہ خاطر اور ملول رہا اور اس بات کی اُمید رکھی کہ اللہ تعالیٰ مجھے توبہ نصیب فرمائیں گے تو یہ رَجا ہے اس لیے کہ اس کا ملول ہونا ہی توبہ نصیب ہونے کا سبب ہے اور اگر ملول بھی نہیں رہتا اور پھر توبہ کی اُمید رکھتا ہے تو یہ غرور اور حماقت ہے علی ہذا القیاس۔ اگر توبہ کے بغیر مغفرت کی اُمید رکھتا ہے تو یہ بھی غرور اور حماقت ہے اگرچہ احمق لوگوں نے اس کا نام بھی اُمید رکھ چھوڑا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (البقرہ)

"جو لوگ ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں ہجرت کی اور راہ حق میں جہاد کیا یہی لوگ اللہ کی رحمت کے اُمیدوار ہیں اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے"

یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس سے بڑھ کر کوئی حماقت نہیں کہ آدمی دوزخ کا بیج بوئے اور جنت کی اُمید رکھے۔ مقام نیکوں کا تلاش کرے لیکن کام گنہگاروں والے کرے اور بغیر نیک کام کیے ثواب کی اُمید رکھے۔ ایک شخص کو لوگ "زید الخیل" کہتے وہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور عرض کرنے لگا کہ میں آپ ﷺ سے یہ پوچھنے آیا ہوں کہ اس کی علامت کیا ہے کہ حق تعالیٰ فلاں کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے اور فلاں کے ساتھ بھلائی نہیں چاہتا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہر روز تو جو اٹھتا ہے تو تیرا کیا حال ہوتا ہے اس نے عرض کیا کہ میں نیک کاموں اور نیک لوگوں کو عزیز اور محبوب رکھتا ہوں نیک کام پیش آ جائے تو جلدی کرنے کی فکر کرتا ہوں اور اس کے ثواب کا یقین رکھتا ہوں نیکی فوت ہو جائے تو غم زدہ ہو جاتا ہوں اور اس کی آرزو رکھتا ہوں (کہ موقع ملے) آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہی اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ تیری بھلائی چاہتے ہیں اگر بُرائی چاہتے تو تجھے اسی میں مشغول کرتے پھر تجھے دوزخ کی کس وادی میں ڈال کر ہلاک کرتے اس کی کچھ پروا نہیں کہ (دوزخ تو سارا دزوخ ہے)۔

رَجا کیسے حاصل ہو؟

دو بیمار ایسے ہیں جن کے سوا کسی کو اس دوا کی ضرورت نہیں ایک تو وہ آدمی جو گناہوں کی کثرت کے سبب مایوسی کا شکار ہو کر توبہ نہ کرتا ہو اور اس کا خیال یہ ہو کہ میری توبہ کیسے قبول ہو۔ دوسرا وہ شخص جو ریاضت و عبادت کی کثرت سے اپنے آپ کو ہلاک کرنے پر تلا ہوا ہو اور اپنی طاقت سے زیادہ محنت کرتا ہو۔ ان دونوں کو اس دوا کی ضرورت ہے اور جہاں تک غافلوں کا تعلق ہے ان کے حق میں رَجا دوا نہیں بلکہ زہر قاتل ہے اور دو سبب ایسے ہیں جن کی وجہ سے اُمید غالب ہو جاتی ہے۔ ایک تو یہ کہ آدمی عبرت حاصل کرے۔ دُنیا کے عجائبات' نباتات' حیوانات' انواع و اقسام کی نعمتیں ان سب کے معاملہ میں غور و فکر کرے جیسا کہ ہم نے شکر کے باب میں بیان کیا ہے تاکہ اسے اللہ تعالیٰ کی ایسی ایسی رحمت اور مہربانی نظر آئے جس سے بڑھ کر کوئی چیز ممکن نہ ہو پہلے تو آدمی اپنی ذات میں نظر کرے کہ اس کی ضرورت کو کس خوبی سے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے جس چیز کی ضرورت تھی جیسے سر اور بال یا فقط حاجت تھی ضرورت نہ تھی جیسے ہاتھ پاؤں یا نہ ضرورت تھی نہ حاجت بلکہ محض زیب و زینت مقصد تھی جیسے لبوں کی سرخی' بھنوؤں کا خم' آنکھوں کی سیاہی' پلکوں کا سیدھا ہونا' یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ نے خوب خوب پیدا کیں اور سب حیوانات پر اللہ تعالیٰ نے رحمت فرمائی ہے حتیٰ کہ مکھی کو دیکھیں بظاہر کتنی حقیر ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے کتنے خوبصورت طریقہ سے اسے بنایا ہے۔ پھر اللہ کی صنعت کو دیکھیں کہ اسے اپنا گھر بنانے کی راہ بتائی اور وہ کس انداز سے گھر بناتی ہے اور پھر کس انداز سے شہد جمع کرتی ہے' اپنے بادشاہ کی اطاعت کا کیسا جذبہ اس میں ہوتا ہے اور بادشاہ ان کے اجتماعی معاملات کی کیسے نگہبانی کرتا ہے جو شخص ان عجائبات میں غور و تامل کرتا ہے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ ارحم الراحمین کی رحمت میں مایوسی اور غلبۂ خوف کی گنجائش ہی نہیں بلکہ چاہیے کہ خوف و رَجا دونوں برابر رہیں اگر رَجا غالب ہو جائے تو بجا ہے پھر اللہ کی رحمت اور مہربانی جو بندوں کے شامل حال ہے اس کی کوئی انتہا نہیں حتیٰ کہ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ قرآن شریف میں آیت مداینت ﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَایَنْتُمْ بِدَیْنٍ ﴾ (البقرہ) سے بڑھ کر کوئی آیت تسلی دلانے والی نہیں اس لیے کہ اللہ

تعالیٰ نے یہ ایک بڑی آیت نازل فرمائی جس میں اُمید و تسلی کا بہترین سامان موجود ہے مطلب یہ ہے کہ اس آیت میں اس ذات کریم نے قرض کے اصول بیان فرمائے کہ جب ہم کسی کو قرض دیں تو اگلے پر لازم ہے کہ ہمارا مال سنبھال کر رکھے اسے ضائع نہ کرے جس کی عنایت کا یہ عالم ہو وہ ہماری بخشش میں کیا کمی کرے گا؟ کہ ہم سب دوزخ میں جائیں؟ رَجا حاصل کرنے کا یہ مؤثر علاج ہے اس کے فوائد بے انتہا ہیں مگر ہر شخص اس درجہ کو نہیں پا سکتا دوسرا سبب یہ ہے کہ جو آیات اور احادیث رَجا کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں ان میں آدمی غور و تامل کرے یہ آیات و احادیث حد سے زیادہ ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ﴿ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ﴾ (الزمر) کہ تم لوگ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو اور ارشادِ ربّانی ہے ﴿ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ﴾ (شوریٰ) کہ تم لوگوں کی بخشش تو فرشتے بھی چاہتے ہیں۔ نیز ارشاد ہے: ﴿ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهٖ عِبَادَهٗ ﴾ (زمر) یعنی دوزخ اس لیے ہے کہ کفار تو اس میں پھینکے جائیں اور مُسلمانوں کو اس سے ڈرایا جائے۔ اور حضور علیہ السلام اپنی اُمت کی بخشش کی خاطر برابر سرگرم عمل رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملہ میں ہمیشہ ساعی و کوشاں رہے۔ حتیٰ کہ اللہ نے فرمایا ﴿ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ﴾ (الرعد) یعنی یقیناً آپ کا ربّ بخشنے والا ہے لوگوں کو ان کے گناہوں پر اور جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ﴾ (الضحیٰ) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تک میری اُمت کا ایک گنہگار بھی دوزخ میں رہے گا میں راضی نہیں ہوں گا۔ اسی طرح اس ضمن میں بکثرت احادیث وارد ہیں حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میری اُمت مرحومہ ہے اس کا عذاب دُنیا میں تو فتنہ اور زلزلہ ہے اور صبح قیامت میں ہر مُسلمان کے ہاتھ میں ایک کافر کو دے کر کہا جائے گا کہ یہ دوزخ سے تیرا فدیہ ہے۔ اور فرمایا کہ بخار دوزخ کی آنچ ہے دوزخ سے مُسلمان کا یہی حصّہ ہے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے دُعا فرمائی کہ اے اللہ میری اُمت کا حساب میرے ساتھ کر تاکہ کوئی اُمت میری اُمت کے برابر دکھائی نہ دے۔ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ یہ آپ کی اُمت ہے تو میرے بندے ہیں میں ان پر سب سے زیادہ رحیم ہوں میں نہیں چاہتا کہ کوئی کسی اُمت کو ان کے برابر دیکھے نہ تم نہ اور کوئی۔ اور فرمایا کہ میری زندگی تمھاری بھلائی ہے اور میری موت بھی تمھارے لیے بھلائی ہو گی۔ میں زندہ رہا تو تمھیں شرعی مسائل سکھاؤں گا مرگیا تو تمھارے اعمال مجھ پر پیش کیے جائیں گے ان میں سے جو اچھے ہوں گے ان پر اللہ کا شکر ادا کروں گا اور بُرے ہوں گے تو ان پر بخشش و معافی چاہوں گا۔ ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یَا کَرِیمُ العَفو حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا۔ آپ جانتے ہیں کہ اس کے کیا معنیٰ ہیں؟ اس کے معنیٰ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر بُرائی کو معاف فرماتے ہیں اور نیکی کے ساتھ بدل دیتے ہیں اور فرمایا کہ بندہ جب گناہ کر کے بخشش چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے فرشتو دیکھو میرے بندے نے ایک گناہ کیا اور اس کا احساس کیا کہ میرا کوئی مالک ہے جو گناہ کے سبب گرفت کرے گا اور معافی کے سبب بخش دے گا چنانچہ میں تمھیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے اسے بخش دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے حتیٰ کہ گناہوں سے آسمان بھر جائے اور وہ پھر میری رحمت کا اُمیدوار ہو کر مجھ سے معافی چاہے تو میں تب بھی بخش دیتا ہوں اور اگر کوئی بندہ گناہوں کی اتنی مقدار رکھتا ہو جن سے زمین بھر جائے تو میں بھی اس کی معافی طلب کرنے پر زمین بھر جانے کی مقدار رحمت سے نوازتا ہوں اور حضور علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ فرشتہ بندے کے نام پر گناہ نہیں لکھتا جب تک کہ چھ ساعتیں نہ گزر جائیں۔ اس عرصہ

میں اگر بندہ توبہ اور استغفار کرے تو فرشتہ اسے سرے سے لکھتا ہی نہیں اور اگر توبہ نہ کرے اور کوئی نیکی کا کام کرے تو دائیں ہاتھ والا فرشتہ بائیں ہاتھ والے فرشتہ سے کہتا ہے کہ اس گناہ کو اس کے نامۂ عمل سے حذف کر دے تاکہ میں بھی اس کے عوض ایک نیکی نہ لکھوں اور ہر نیکی دوچند ہوتی ہے نو حصے نیکی اس گنہگار کے واسطے باقی رہ جاتی ہے اور حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اس کے نام پر وہ گناہ لکھ لیا جاتا ہے۔ ایک بدوی نے عرض کیا کہ اگر بندہ توبہ کر لے تو؟ فرمایا کہ پھر اسے محو کر دیتے ہیں اس نے عرض کیا پھر گناہ کرے تو؟ فرمایا اسے لکھ لیں گے۔ اُس نے کہا توبہ کر لے تو؟ فرمایا اسے مٹا دیں گے۔ اس نے کہا کہ یہ صورت کب تک جاری رہے گی۔ فرمایا جب تک بندہ استغفار جاری رکھے گا اور فرمایا کہ جب بندہ استغفار سے ملول نہیں ہوتا تب تک غفور رحیم بھی بخشش سے ہاتھ نہیں کھینچتا اور جب بندہ نیکی کا ارادہ کرتا ہے ابھی نیکی عملاً ظہور پذیر نہیں ہوتی لیکن فرشتہ نیکی لکھ لیتا ہے اور اگر نیکی عملاً ظہور پذیر ہو جاتی ہے تو دس نیکیاں لکھ لی جاتی ہیں پھر یہ سلسلہ سات سو تک بڑھ جاتا ہے اور جب بندہ گناہ کا تصور کرتا ہے تو فرشتہ نہیں لکھتا تاوقتیکہ وہ گناہ نہ کرے اور جب گناہ ہو جاتا ہے تو صرف ایک ہی گناہ لکھا جاتا ہے جبکہ معافی اور بخشش اس کے علاوہ ہے۔ ایک شخص نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں رمضان کے روزے بھی رکھتا ہوں' پانچ وقت کی نماز بھی پڑھتا ہوں لیکن اس سے زیادہ عبادت نہیں کر سکتا جہاں تک زکوٰۃ اور حج کا تعلق ہے تو وہ مجھ پر فرض ہی نہیں کیونکہ میں مالدار نہیں ہوں۔ اے اللہ کے رسول ارشاد فرمائیں کہ میں صبح قیامت میں کہاں ہوں گا؟ آپ ﷺ نے تبسم فرماتے ہوئے کہا کہ میرے ساتھ بشرطیکہ تو اپنے دِل کو کینہ اور حسد سے محفوظ رکھے اور زُبان کو غیبت اور جھوٹ سے بچائے اور آنکھ کو نامحرم کی طرف اور اللہ کی مخلوق کو حقارت کی نظر سے دیکھنے سے بچائے جب ایسا ہو گا تو تو میرے ساتھ ہو گا اور میں تجھے اپنی اس ہتھیلی پر عزیز رکھوں گا۔ ایک اَعرابی نے آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ قیامت میں مخلوق سے حساب کون لے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ خود اللہ تعالیٰ۔ وہ ہنس پڑا آپ ﷺ نے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ میں اس لیے ہنستا ہوں کہ کریم جب قابو پالیتا ہے تو قصور معاف فرما دیتا ہے اور جب حساب لیتا ہے تو آسانی کر دیتا ہے۔ پس حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اَعرابی نے سچ کہا کہ کوئی کریم اللہ تعالیٰ سے زیادہ کریم نہیں پھر فرمایا کہ اَعرابی فقیہ اور سمجھ دار ہے پھر فرمایا کہ حق تعالیٰ نے کریم کو بزرگ اور شریف بنایا ہے اگر بندہ اسے مسمار کر ڈالے اور پتھر کو پتھر سے جدا کر دے تو اس کا گناہ اتنا بڑا نہیں ہوتا جتنا کہ اللہ تعالیٰ کے کسی ولی کی حقارت سے ہوتا ہے۔ اَعرابی نے پوچھا یارسول اللہ اللہ کے ولی کون لوگ ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ سب مُسلمان اللہ کے ولی ہیں' اے اَعرابی تو نے نہیں سنا اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

﴿ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ﴾ (بقرہ)

"اللہ تعالیٰ دوست ہیں ان لوگوں کے جو صاحب ایمان ہیں نکالتا ہے ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف"

اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے سے قبل یہ بات اپنے اوپر لکھ لی تھی کہ میری رحمت میرے غصے پر غالب ہے اور فرمایا کہ جس نے لا الٰہ اِلا اللہ کہا وہ جنت میں جائے گا اور جس کا آخری کلمہ یہ ہو گا وہ آتشِ دوزخ سے محفوظ رہے گا اور جو شخص شرک سے محفوظ رہ کر اس دُنیا سے رخصت ہو گا وہ دوزخ میں داخل نہیں ہو گا۔ اور فرمایا کہ اگر تم لوگ گناہ چھوڑ دو تو اللہ تعالیٰ دوسری مخلوق کو پیدا فرمائیں گے کہ وہ گناہ کرے اور معافی چاہے تو

اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہیں اور فرمایا کہ مادرِ مہربان جس طرح اپنے بیٹے پر مہربان ہوتی ہے اس سے زیادہ ارحم الراحمین اپنے بندے پر مہربان ہوتا ہے اور فرمایا کہ قیامت کے دن غفور رحیم اپنی رحمت کا ظہور فرمائیں گے اس طرح کہ کوئی دِل اس کا تصور نہیں کر سکتا حتیٰ کہ ابلیس رحمت کی اُمید پر گردن بلند کرے گا اور فرمایا کہ اللہ کی سو رحمتیں ہیں ننانوے اُس نے قیامت کی خاطر رکھ چھوڑی ہیں اور اس جہان میں ایک رحمت سے زیادہ نہیں۔ ظاہر کی یہی ایک رحمت ہے جس کے سبب سبھی کے دلوں میں ترحم کے جذبات موجود ہیں حتیٰ کہ ماں کی رحمت فرزند پر اور جانور کی رحمت اپنے بچے پر اسی ایک رحمت کے سبب ہے اور قیامت کے دن یہ ایک رحمت ۹۹ مزید رحمتوں سے ملا کر مخلوق پر پھیلائی جائے گی ہر ہر رحمت آسمان و زمین کے کئی کئی طبقات کے برابر ہو گی اس دن کوئی شخص ہلاک اور تباہ نہیں ہو گا مگر وہ شخص جو ازل میں ہی ہلاک اور تباہ ہو چکا ہے اس کی خیر نہیں اور فرمایا کہ اس اُمت کے اَہل کبائر کے لیے میں نے اپنی شفاعت رکھ چھوڑی تمہارا خیال یہ ہے کہ شفاعت مطیع اور پرہیزگاروں کے لیے ہو گی حالانکہ ایسا نہیں بلکہ یہ گنہگاروں اور بدکاروں کے لیے ہے۔ حضرت سعید بن بلال رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دو شخصوں کو دوزخ سے نکالا جائے گا اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے کہ تم نے یہ عذاب اپنے گناہوں کے سبب دیکھا ہے کیونکہ میں بندوں پر ظلم نہیں کرتا اور ارشاد فرمائیں گے کہ انھیں پھر دوزخ میں لے جاؤ ایک تو زنجیریں پہنے تیز تیز قدم بڑھائے گا لیکن دوسرا ٹھہر ٹھہر کر۔ اللہ تعالیٰ دونوں کو بلا کر پوچھیں گے کہ تم نے ایسا کیوں کیا؟ جو جلدی چلا تھا وہ عرض کرے گا کہ میں اے اللہ میں اپنے گناہوں کے وبال سے اس قدر ڈرتا ہوں کہ اب تعمیل حکم میں کوتاہی نہیں کر سکتا۔ جب کہ دوسرا عرض کرے گا کہ اے ارحم الراحمین میں آپ کی ذاتِ اقدس کے متعلق یہ گمان رکھتا ہوں کہ جب آپ نے ایک دفعہ دوزخ سے نکال دیا تو اب دوبارہ نہیں بھیجیں گے بس دریائے رحمت موج میں ہو گا اور دونوں کو دوبارہ جنت میں بھیج دے گا اور جناب رحمۃ للعالمین ارشاد فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن منادی اعلان کرے گا کہ اے اُمت محمدؐ میں نے اپنا حق معاف کر دیا اب تمھارے حقوق ایک دوسرے پر باقی رہ گئے ہیں تم انھیں آپس میں معاف کر کے سبھی جنت میں چلے جاؤ اور فرمایا کہ میری امت میں سے ایک شخص کو قیامت کے دن مخلوق کے سامنے پیش کیا جائے گا اور اس کے سامنے ۹۹ دفاتر جو گناہوں پر مشتمل ہوں گے، پیش کیے جائیں گے۔ ہر مکتوب اتنا بڑا ہو گا کہ جہاں تک نظر پڑے گی وہاں تک وہ دفتر پھیلا ہوا نظر آئے گا پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے شخص ان سب گناہوں میں سے تو کسی گناہ کا انکار کرتا ہے؟ یہ گناہ لکھنے میں فرشتوں نے کچھ ظلم اور زیادتی تو نہیں کی؟ وہ عرض کرے گا کہ نہیں پھر اللہ تعالیٰ اس سے اس کا عذر معلوم کریں گے تو وہ عرض کرے گا کہ کوئی عذر نہیں۔ اسے یقین ہو گا کہ اب دوزخ میں جانا پڑے گا پھر ارشاد ہو گا کہ اے بندے میرے پاس تیری ایک نیکی ہے میں تجھ پر ظلم نہیں کروں گا پھر ایک پرچہ لائیں گے اس میں لکھا ہوا ہو گا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ بندہ عرض کرے گا کہ بھلا اتنا سا مختصر پرچہ اتنے بڑے بڑے ۹۹ دفاتر کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ ارشاد ہو گا کہ اے بندے میں تجھ پر ظلم نہیں کروں گا پھر ان ننانوے دفاتر کو ایک پلڑے میں اور ایک اس کاغذ کو دوسرے پلڑے میں رکھا جائے گا تو ایک پرچے والا پلڑا غالب آ جائے گا۔ اس لیے کہ اللہ کی توحید کے مقابلہ میں کوئی چیز ٹھہر نہیں سکتی اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ فرشتوں سے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جس شخص کے دِل میں ایک

مثقال کے برابر ایمان ہے اسے دوزخ سے نکال لاؤ چنانچہ بہت سے لوگوں کو نکال کر فرشتے عرض کریں گے کہ اب اس قسم کا کوئی آدمی جہنم میں نہیں پھر ان لوگوں کو نکال لانے کا حکم ہو گا کہ جن کے دِل میں آدھا مثقال برابر ایمان ہو گا اس موقع پر بھی بہت سے لوگوں کو نکال کر عرض کریں گے کہ اب اس قسم کا کوئی آدمی جہنم میں نہیں رہا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ انبیاء، فرشتوں اور دوسرے مُسلمانوں کی شفاعت ہو گئی اور اسے قبول بھی کر لیا گیا اب میری رحمت کاملہ کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔ پس اللہ تعالیٰ دست رحمت بڑھا کر اپنی مٹھی سے ایسے لوگوں کو نکالیں گے جنھوں نے ذرہ برابر بھی نیکی نہ کی ہو گی۔ یہ سب لوگ جل کر کوئلہ کی طرح سیاہ ہو چکے ہوں گے۔ انہیں جنت کی نہروں سے نہرالحیوۃ نامی نہر میں ڈال دیا جائے گا وہ اس طرح پاک صاف ہو کر نکلیں گے جس طرح سیلاب سے سبزہ نکلتا ہے اور چمکتے موتیوں کے ہار ان کے گلے میں ہوں گے۔ اَہل جنت ان سب کو پہچانیں گے اور کہیں گے کہ یہ سب اللہ کے آزاد کیے ہوئے ہیں انہوں نے ذرہ برابر نیکی نہ کی تھی لیکن اللہ نے ان پر رحم فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم جنت میں جاؤ جو کچھ تم دیکھو سب تمھارے ہی لیے ہے وہ عرض کریں گے کہ اے اللہ آپ نے ہمیں وہ کچھ عنایت فرمایا جو دُنیا میں کسی کو نہیں دیا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میرے پاس تمھارے لیے اس سے بھی بڑی نعمت ہے وہ عرض کریں گے یا ارحم الراحمین اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے وہ نعمت میری رضا ہے میں تم سے آج ایسا خوش ہوں کہ کبھی ناراض نہیں ہوں گا۔ (بخاری مسلم) حضرت عمر بن حزم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جناب نبی کریم ﷺ تین دن غائب رہے فرض نماز کے علاوہ بالکل باہر تشریف نہ لائے۔ چوتھے دن باہر رونق افرزو ہوئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ تیری اُمت کے ستر ہزار آدمی بغیر حساب جنت میں جائیں گے۔ ان تین دنوں میں میں زیادہ کی خاطر التجا و فریاد کرتا رہا اور میں نے اللہ تعالیٰ کو بڑا کریم پایا کہ ان ستر ہزار میں سے ہر ایک کے ساتھ مزید ستر ہزار کا وعدہ ہوا ہے میں نے عرض کیا کہ اے اللہ میری اُمت اتنی ہو گی؟ فرمایا کہ اَعرابیوں کو ساتھ شامل کر کے یہ عدد پورا کر لینا۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک لڑکا کسی لڑائی میں اسیر بن گیا ایک دن شدت کی دھوپ تھی۔ خیمے سے ایک عورت کی نظر اس لڑکے پر پڑی تو وہ دوڑی حتیٰ کہ اور لوگ اس کے پیچھے دوڑے اور اس عورت نے اس لڑکے کو چھاتی سے لگا لیا۔ اور اپنا سایہ اس پر ڈال دیا تاکہ وہ دھوپ کی شدت سے محفوظ ہو جائے اور کہنے لگی کہ یہ میرا بیٹا ہے لوگوں نے یہ ماجرا دیکھا تو رونے لگے اور اس عورت کی بے انتہا شفقت پر متحیر ہوئے پھر حضور رحمت دو عالم ﷺ وہاں تشریف لائے۔ لوگوں نے یہ قِصّہ آپ ﷺ سے عرض کیا آپ ﷺ اس عورت کی شفقت اور لوگوں کے گریہ پر مسرور ہوئے اور فرمایا کہ تمھیں عورت کی اس شفقت سے تعجب ہوا۔ لوگوں نے عرض کیا ہاں فرمایا یہ عورت اپنے بیٹے پر جتنی رحیم ہے اس سے زیادہ ارحم الراحمین تم پر رحیم ہے۔ پس مُسلمان ہنسی خوشی وہاں سے اِدھر اُدھر اپنے اپنے کاموں پر چلے گئے مسلمان ایسے خوش تھے کہ ایسی خوشی کبھی نہ ہوئی تھی۔ حضرت ابراہیم بن ادھم قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں طواف میں تنہا رہ گیا اور ایک دم مینہ برسنے لگا میں نے عرض کیا کہ اے اللہ مجھے گناہ سے بچا کہ میں خانہ کعبہ میں کوئی گناہ نہ کروں۔ میں نے خانہ کعبہ سے ایک آواز سنی کہنے والا کہتا ہے کہ جس طرح تو گناہوں سے حفاظت چاہتا ہے اسی طرح تمام لوگوں کا حال ہے اور اگر میں سب کو گناہوں سے بچا دوں تو اپنی رحمت کا اظہار کس پر کروں گا؟ ایسی بہت سی احادیث ہیں جس شخص پر خوف غالب ہو اس کے حق

میں یہ حدیثیں شفا کا ذریعہ ہیں اور جس شخص پر غفلت غالب ہو اسے ان حدیثوں کے ساتھ یہ بات بھی معلوم ہے کہ بعض مُسلمان دوزخ میں بھی جائیں گے اور سب سے پچھلا وہ ہو گا جو سات ہزار برس بعد باہر نکلے گا اور بالآخر ایک ہی آدمی دوزخ میں رہ جائے گا جب بھی ہر ایک کے حق میں ممکن ہے کہ شاید یہی دوزخی ہو اس لیے ہر کسی کو احتیاط کرنی چاہیے اور جو ممکن ہو نیکی کرنی ضروری ہے تاکہ وہ دوزخی نہ ہو جائے اس لیے کہ سات ہزار برس کی مدت بڑی لمبی ہے۔ اگر دُنیا کی تمام لذتیں ایک شب دوزخ میں رہنے کے خوف سے آدمی ترک کر دے تو سودا سستا ہے الغرض خوف و رَجا ساتھ ساتھ ہونے چاہئیں جس طرح حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر قیامت میں یہ آواز آئی کہ جنت میں صرف ایک شخص جائے گا تو میرا گمان یہ ہو گا کہ وہ میں ہی ہوں اور اگر ایک ہی آدمی کے دوزخ میں ڈالے جانے کا اعلان ہو تو میں ڈرتا ہوں کہ وہ میں ہی ہوں گا۔

خوف کی فضیلت، حقیقت اور اقسام

خوف بہت بڑی نعمت ہے اس کی فضیلت، ثمرات اور اسباب کے موافق ہیں اور اس کا بڑا سبب عِلم و معرفت ہے۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنَّمَا یَخۡشَ اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا ﴾ (فاطر)

"اللہ تعالیٰ سے حقیقتاً علماء ہی ڈرتے ہیں"

اور حضور علیہ السلام نے فرمایا ((رَاْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ)) "دانائی اور حکمت کا سر اللہ کا خوف ہے"۔ اور پاک دامنی اور ورع و تقویٰ خوف کے ثمرات ہیں اور یہ سب چیزیں سعادت و نیک بختی کا تخم ہیں اس لیے کہ شہوات ترک کیے بغیر اور اس پر صبر کے بغیر آدمی آخرت کی راہ پر نہیں چل سکتا اور جیسا خوف کی آگ شہوات کو جلا کر کشتہ کر دیتی ہے ویسی کوئی چیز موثر نہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ڈرنے والوں کے لیے ہدایت، رحمت، عِلم اور رضوان کو تین آیات میں جمع فرمایا ہے:

﴿ هُدًى وَّرَحۡمَةٌ لِّلَّذِيۡنَ هُمۡ لِرَبِّهِمۡ يَرۡهَبُوۡنَ ﴾ (اعراف)

"ہدایت اور رحمت ان لوگوں کا مقدر ہے جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں"

﴿ اِنَّمَا يَخۡشَى اللّٰهَ مِنۡ عِبَادِهِ الۡعُلَمٰٓؤُا ﴾ (فاطر)

"اللہ تعالیٰ سے حقیقتاً اہلِ عِلم ہی ڈرتے ہیں"

﴿ رَضِیَ اللّٰهُ عَنۡهُمۡ وَرَضُوۡا عَنۡهُ ذٰلِكَ لِمَنۡ خَشِیَ رَبَّهٗ ﴾ (مبینه)

"اللہ ان سے راضی وہ اللہ سے خوش۔ یہ مرتبہ اس کا ہے جو اپنے رب سے ڈرے"

اور تقویٰ جو خوف کا ثمرہ ہے اس کی اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف اضافت کی اور فرمایا ﴿ وَلٰكِنۡ يَّنَالُهُ التَّقۡوٰى مِنۡكُمۡ ﴾ (الحج) یعنی تقویٰ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمھیں پہنچتا ہے اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مخلوق کو جس دن قیامت میں جمع کریں گے تو منادی ایسی آواز سے اعلان کرے گا کہ دُور و نزدیک والے سبھی سن لیں گے اور فرمائے گا کہ اے لوگو جس دن میں

نے تمھیں پیدا کیا اس دن سے آج تک میں نے تمھاری باتیں سنیں آج تم کان لگا کر میری بات سنو کہ میں تمھارے اعمال نامے تمھارے سامنے رکھوں گا۔ اے لوگو ایک نسب تو تم نے مقرر کیا اور ایک نسب میں نے تمھیں دیا تم نے اپنے خود ساختہ نسب کی تو فکر کی لیکن میرے مقرر کردہ نسب کی پرواہ نہ کی میں نے کہا تھا ﴿ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ﴾ (حجرات) یعنی تم میں سے بزرگ ترین شخصیت وہ ہے جو سب سے زیادہ صاحب تقویٰ ہو۔ لیکن تم نے فلاں بن فلاں کو تو بزرگ تر جانا۔ آج میں اپنے مقرر کردہ نسب کو بالا کرتا ہوں اور تمھارے خود ساختہ نسب کو پست کرتا ہوں۔ پھر ارشاد ہو گا اَیْنَ الْمُتَّقُوْنَ پرہیزگار لوگ کہاں ہیں پھر ایک جھنڈا کھول کر آگے آگے چلیں گے حتیٰ کہ سب پرہیزگار بغیر حساب جنت میں چلے جائیں گے اسی سبب سے ڈرنے والوں کا ثواب دہرا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

﴿ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ ﴾ (الرحمٰن)

"اور جو شخص اپنے رب سے ڈرتا ہے اس کے لیے دوہرا ثواب اور جنت ہے"

اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ قسم ہے مجھے اپنی عزت کی کہ دو خوف اور دو امن ایک بندے میں جمع نہیں کرتا اگر بندہ دُنیا میں مجھ سے ڈرے گا تو وہ آخرت میں بے خوف و خطر رہے گا اور اگر دُنیا میں بے خوف رہے گا تو آخرت میں خوف کا شکار ہو گا اور فرمایا کہ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اس سے سب چیزیں ڈرتی ہیں اور جو اللہ سے نہیں ڈرتا اللہ تعالیٰ اسے سب چیزوں سے ڈراتے ہیں اور فرمایا کہ اصل عقلمند وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا ہے اور فرمایا کہ جس مُسلمان کی آنکھ سے آنسو بہے گو کہ وہ مکھی کے برابر ہو اور وہ بہہ کر اُس کے رُخساروں پر آ جائے تو اس کے منہ پر دوزخ کی آگ حرام ہو جاتی ہے اور فرمایا کہ جو شخص خشیت الٰہی کے سبب روتا ہے اسے دوزخ نہیں جلاتی جس طرح دودھ کا قطرہ جو پستان سے نکل آیا وہ واپس نہیں جاتا اسی طرح اللہ کے ڈر سے رونے والا دوزخ میں نہیں جاتا۔ ام اُلمومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام سے لوگوں نے عرض کیا کہ آپ ﷺ کی اُمت سے کوئی شخص بے حساب بھی جنت میں جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں جو شخص اپنے گناہ یاد کر کے روئے گا وہ بے حساب جنت میں داخل ہو گا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ آنسو کا جو قطرہ اللہ کے خوف سے نکلے یا خون کا قطرہ اس کی راہ میں گرے اس سے زیادہ کوئی قطرہ اللہ کے نزدیک محبوب نہیں اور فرمایا کہ سات آدمی اللہ تعالیٰ کے خصوصی سایہ میں ہوں گے ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو تنہائی میں اللہ کو یاد کر کے روئے اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہیں۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آقائے دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا آپ ﷺ ہم لوگوں کو نصیحتیں فرما رہے تھے دلوں پر خوف کا غلبہ ہوا اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے پھر میں گھر آیا حتیٰ کہ میری بیوی مجھ سے باتیں کرنے لگی اور میں دُنیا کی باتوں میں مشغول ہو گیا پھر مجھے آپ ﷺ کی باتیں اور اپنا رونا یاد آ گیا میں باہر نکل آیا اور شور و فریاد کرنے لگا کہ آہ! حنظلہ منافق ہو گیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور فرمایا کہ منافق نہیں ہوا۔ میں حضرت نبی کریم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی یا رسول اللہ حنظلہ منافق ہو گیا آپ ﷺ نے فرمایا کَلَّا لَمْ یُنَافِق (ہرگز منافق نہیں ہوا) پھر میں نے اپنی کیفیات جو بیان کیں تو فرمایا کہ اے حنظلہ میرے پاس جس حال میں تم ہوتے ہو اگر وہی حالت رہے تو فرشتے راستوں اور گھروں میں تم سے مصافحہ کریں لیکن یہ حالت تو بہت تھوڑی دیر رہتی ہے۔

حضرت شبلی قدس سرہٗ کہتے ہیں کہ کوئی دن ایسا نہیں ہوتا کہ مجھ پر خوف غالب ہوا ہو اور اسی دن حکمت و عبرت کا دروازہ میرے دِل پر نہ کھلا ہو۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عذاب کے خوف اور رحمت کی اُمید کے درمیان مُسلمان کا گناہ اس طرح ہوتا ہے جیسے دو شیروں کے درمیان لومڑی۔ اور یہ بھی انھیں کا قول ہے کہ آدمی جس طرح افلاس سے ڈرتا ہے اسی طرح اگر دوزخ سے ڈرتا تو جنتی ہوتا۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ قیامت میں بہت زیادہ مامون کون ہوگا؟ آپ نے فرمایا جو آج بہت ڈرتا ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ ایسے لوگوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے جو ہمیں اتنا ڈراتے ہیں کہ ہمارے دِل ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ فرمایا کہ ایسے ہی لوگوں کی صحبت اختیار کرو کل قیامت میں بے خوف رہو گے اور یہ بات اس سے بہتر ہے کہ آج تم ایسوں کی صحبت رکھو جو تمھیں نڈر بنا دیں لیکن کل خوف ہی خوف ہو۔ حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو دِل خوف سے خالی ہو گیا وہ گویا ویران ہو گیا۔ ام المؤمنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ قرآن شریف میں ہے ﴿ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ ﴾ (مومنون) یعنی کام کرتے ہیں اور ڈرتے ہیں تو آیا اس سے زنا اور چوری مُراد ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس سے نماز روزہ صدقہ وغیرہ مُراد ہیں کہ انھیں کر کے ڈرتے ہیں کہ مبادا قبول ہو یا نہ ہو۔ حضرت محمد بن المنکدر رحمۃ اللہ علیہ جب روتے تو آنسو مُنہ پر مل لیتے اور فرماتے کہ میں نے سنا ہے کہ جس مقام پر آنسو پہنچتا ہے وہ جگہ دوزخ کی آگ سے محفوظ رہتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رو نہ سکو تو تکلفاً رونے والی شکل بنا لو۔ حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اتنا روؤں کہ آنسو میرے چہرے پر آ جائیں میں اس اَمر کو ہزار دینار صدقہ سے زیادہ بہتر سمجھتا ہوں۔

خوف کی حقیقت

خوف دِل کی حالتوں میں سے ایک حالت ہے وہ ایک ایسی آگ ہے جو دِل میں بھڑکتی ہے اس کا سبب تو عِلمِ معرفت ہے آدمی جب آخرت کے خطرات کو دیکھتا ہے اور اپنی ہلاکت و تباہی کے حاضر و غائب اسباب پر نظر دوڑاتا ہے تو یہ آگ خود بخود بھڑک اٹھتی ہے اور یہ بات دو معرفتوں سے پیدا ہوتی ہے ایک معرفت یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اور اپنے گناہوں ' عیوب اور عبادات کے لیے باعث نقصان چیزوں اور اَخلاق کی خباثتوں کو دیکھے اور ان کوتاہیوں کے ساتھ ساتھ اپنے اوپر اللہ کی نعمتوں کو ملاحظہ کرے اس آدمی کی مثال اس شخص جیسی ہے جو کسی بادشاہ سے لباسِ فاخرہ اور بہت سے دوسرے انعام حاصل کر رہا ہو پھر اس کی حرم سرا اور خزانے میں خباثت کا ارتکاب کرے اور اچانک اسے معلوم ہو کہ بادشاہ کی اس خباثتوں پر نظر ہے اور یہ محسوس کرے کہ بادشاہ غیور ' منتقم اور بے باک ہے اور بادشاہ کے پاس کوئی سفارش بھی نہ ملے اور دوسرا کوئی وسیلہ بھی بادشاہ کے پاس نہ رکھتا ہو جب اپنے کام کو خطرہ میں دیکھے گا تو خواہی نخواہی اس کے دِل میں خوف کی آگ پیدا ہو جائے گی۔ دوسری معرفت یہ ہے کہ اس شخص کے گناہ اور عیب کے سبب سے آتشِ خوف نہ پیدا ہو بلکہ اس کی قدرت اور بے باکی کی وجہ سے پیدا ہو کہ یہ شخص اس سے ڈرتا ہے جب کہ کوئی شخص شیر کے چنگل میں پھنس جائے اور ڈرے تو اپنے گناہ کے سبب سے نہیں ڈرے گا بلکہ اس کے ڈرنے کا سبب یہ ہو گا کہ یہاں شیر

ہے جو انسانوں کو ہلاک کر دیتا ہے اور یہ بات شیر کا طبعی تقاضا ہے رہ گئی اس شخص کی ضعیفی اور کمزوری تو اس کی شیر کوئی پرواہ نہیں کرتا تو جس شخص نے اللہ کی صفات کو پہچانا اور اس کے جلال' بزرگی' توانائی اور بے باکی کو سمجھا کہ اگر وہ تمام دُنیا کو ہلاک کر دے اور ہمیشہ دوزخ میں رکھے تو اس کی مملکت میں ذرہ برابر کمی نہ ہوگی اور جس صفت کو رقت اور شفقت کہتے ہیں اس کی حقیقت سے اللہ کی ذات منزہ ہے جب آدمی کو یہ بات معلوم ہو جائے تو ڈرنے کا محل ہے یہ ڈر انبیاء علیہم السلام کو بھی ہوتا ہے گو کہ وہ یہ جانتے ہیں کہ ہم گناہ سے معصوم ہیں اور جو شخص زیادہ عارف باللہ ہوتا ہے وہ ڈرتا بھی بہت ہے اسی واسطے جناب سید الانبیاء علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تم سب سے زیادہ عارف ہوں اور تم سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا ﴾ اور جو شخص زیادہ جاہل ہوتا ہے وہ اللہ سے بے خوف ہوتا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اے داؤد مجھ سے ایسا ڈر جیسا غضب ناک شیر سے ڈرتا ہے۔ خوف کا سبب یہی ہے جو بیان ہوا۔ رہ گیا خوف کا ثمرہ تو وہ دل' بدن اور جوارح میں ظاہر ہوتا ہے دِل میں یوں کہ دُنیوی' خواہشات بڑی معلوم ہونے لگتی ہیں اور خواہشات کی ذرہ برابر پرواہ نہیں رہتی اس واسطے کہ اگر کسی کو نکاح یا طعام کی خواہش ہوتی ہے وہ جب شیر کے چنگل میں پھنس جاتا ہے یا سخت مزاج بادشاہ کے قید خانے میں قید ہو جاتا ہے تو اسے اس خواہش کی ذرہ برابر پرواہ نہیں رہتی بلکہ خوف میں دِل کا حال بالکل خشوع و خضوع اور خواری و خاکساری ہو جاتا ہے اور وہ شخص سراپا مراقبہ و محاسبہ اور عاقبت اندیش ہو جاتا ہے نہ تکبر رہتا ہے نہ حسد نہ دُنیا کا لالچ نہ غفلت اور بدن میں خوف کا ثمرہ شکستگی اور لاغری و زردی ہے رہ گئے جوارح میں تو ان میں خوف کا ثمرہ یوں ظاہر ہوتا ہے کہ جوارح کو گناہوں سے پاک رکھا جاتا ہے عبادت اور ادب میں مشغول ہو جاتے ہیں باقی رہ گئے خوف کے درجات تو وہ متفاوت ہیں خوف اگر شہوت سے باز رکھے تو اس کا نام عفت ہے حرام سے روکے تو اس کا نام ورع ہے مشتبہات سے روکے تو اس کا نام تقویٰ ہے۔ زادِ راہ کے سوا ہر چیز سے روکے تو اس کا نام صدق ہے۔ عفتؔ اور ورع تقویٰ کے ماتحت ہیں اور یہ سب صدق کے نیچے ہیں اور یہ حالت جو آنسو نکال دیتی ہے اور آدمی آنسو پونچھ کر لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھ کر پھر غفلت میں پڑ جاتا ہے اسے زبانی رقت کہتے ہیں یہ خوف نہیں اس واسطے کہ جو شخص جس چیز سے ڈرتا ہے اس سے بھاگتا بھی ہے اور پرہیز کرتا ہے جس کی آستین میں کوئی چیز ہوتی ہے وہ اگر دیکھے کہ سانپ ہے تو ممکن نہیں کہ لاحول کہہ کر چپ ہو رہے بلکہ اسے آستین سے گرائے گا۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ خائف بندہ کون ہوتا ہے؟ فرمایا جو اپنے آپ کو اس طرح بیمار رکھے کہ موت کے سوا ہر خواہش سے اِحتراز کرے۔

خوف کے درجات

خوف کے تین درجے ہیں۔ ضعیف' قوی' معتدل ان میں سے معتدل بہتر ہے۔ ضعیف وہ ہے جو کام پر مستعد نہ رکھے جیسے عورتوں کی رقت' قوی وہ ہے جس سے نااُمیدی اور بے ہوشی اور موت کا خوف ہو' یہ دونوں مذموم ہیں اس لیے کہ خوف فی نفسہٖ کوئی کمال کی چیز نہیں۔ خوف' توحید' معرفت اور محبّت کی مانند نہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں خوف کا ہونا درست نہیں بلکہ بغیر جہل و عجز خوف ہوتا ہی نہیں اس لیے کہ جب تک عافیت نامعلوم نہ ہوگی

اور خطرات سے احتراز میں عجز نہ ہو گا تب تک خوف بھی نہیں ہو گا مگر غافلوں کے حق میں البتہ خوف کمال کی چیز ہے اس لیے کہ خوف اس تازیانے کی مانند ہے جو لڑکوں کی تادیب کی خاطر استعمال ہوتا ہے اور جانور کے لیے استعمال ہوتا ہے جب تازیانہ کمزور ہو کہ چوٹ نہ لگے تو نہ لڑکے کی تادیب میں کام آئے گا نہ جانور کو راہِ راست پر لا سکے گا اور اگر تازیانہ ایسا سخت ہو کہ لڑکے یا جانور کا بدن پھٹ جائے یا ہاتھ منہ کی ہڈی ٹوٹ جائے تو بھی نقصان ہے اس لیے خوف معتدل ہونا چاہیے تاکہ گناہوں سے باز رکھے اور عبادت کی رغبت دلائے جو زیادہ عالم ہوتا ہے اس کا خوف بھی زیادہ معتدل ہوتا ہے اس لیے کہ اس کا خوف جب حد سے بڑھ جاتا ہے تو وہ اسبابِ رَجا کا خیال کرتا ہے اور جب گھٹ جاتا ہے تو کام کے خطرات کا اندیشہ اسے لاحق ہو جاتا ہے جو شخص خائف بھی ہو اور اپنے آپ کو عالم کہے وہ عالم نہیں اس واسطے کہ اس نے جو کچھ سیکھا ہے وہ بے سود اور بے ہودہ ہے۔ علم نہیں ہے جیسے بازاری فال گو لوگ جو اپنے آپ کو حکیم کہتے ہیں حالانکہ حکمت سے ان کا دُور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا اس لیے معرفت کی بنیاد یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو پہچانے یعنی اپنے تو قصور اور کوتاہیوں پر نظر رکھے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال پر اور عالم کو ہلاک کر ڈالنے میں بیباکی کے ساتھ ان دونوں معرفتوں سے خوف کے سوا اور کوئی صفت پیدا نہیں ہوتی اسی لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا:

((اَوَّلُ الْعِلْمِ مَعْرِفَةُ الْجَبَّارِ وَاٰخِرُ الْعِلْمِ تَفْوِيْضُ الْاَمْرِ اِلَيْهِ))

"پہلا علم تو یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو جباری و قہاری کے ساتھ پہچانے اور انتہا یہ ہے کہ اپنے تمام کام اس کی مرضی پر چھوڑ دے"

اور جان لے کہ میں کوئی چیز نہیں ہوں اور میرے سبب سے کچھ نہیں اور یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ جانے تو سہی لیکن ڈرے نہیں۔

خوف کے انواع کا بیان

خطرات پہچاننے سے خوف پیدا ہوتا ہے اور ہر شخص کو اور ہی خوف پیش آتا ہے کسی کو دوزخ کا خطرہ پیش آتا ہے تو اس سبب سے اسے خوف ہوتا ہے اور کسی کو دوزخ کی راہ میں کوئی چیز پیش آتی ہے مثلاً ڈرتا ہے کہ کہیں بغیر توبہ نہ مر جاؤں یا اس بات سے ڈرتا ہے کہ توبہ کے بعد پھر گناہوں میں نہ پڑ جاؤں یا اس کے دِل میں سختی اور غفلت پیدا ہو جائے یا بری عادات اسے پھر گناہ کی طرف کھینچ کر نہ لے جائیں یا نعمت کے سبب اس کے دِل میں غرور غالب آ جائے یا قیامت کے دن لوگوں پر کیے گئے مظالم کے عتاب کا شکار ہو جائے یا اس کی رسوائیاں اور بُرائیاں ظاہر ہو جائیں اور وہ رسوا یا ذلیل ہو یا اس بات سے ڈرے کہ جو خیال مجھے آیا ہے اسے تو اللہ میاں دیکھتے اور جانتے ہیں اور وہ خیال ہے ناپسندیدہ۔ تو ان میں سے ہر ایک کا فائدہ یہ ہے کہ جس اَمر سے ڈرتا ہے اس سے باز رہے۔ مثلاً جب عادت سے ڈرتا ہے کہ وہ پھر گناہ کی طرف مائل کر دے گی تو اس عادت کو چھوڑ دے اور جب ناپسندیدہ خیالات پر اللہ تعالیٰ کے واقف ہونے سے ڈرتا ہے تو دِل کو پاک رکھے باقی باتوں کو اسی پر قیاس کر لینا چاہیے۔ اکثر لوگ جو خائف ہوتے ہیں ان کے دلوں پر خاتمہ اور عاقبت کا خوف غالب ہوتا ہے کہ شاید ایمان سلامت نہ لے جائیں اس سے سابق کا خوف کامل تر ہے کہ ازل میں اس کی سعادت

اور شقاوت کے باب میں کیا حکم کیا ہو اس واسطے کہ خاتمہ تو سابق کی فرع ہے اصل اس مسئلہ میں یہ ہے کہ ایک دن جناب رسول اللہ ﷺ نے سر منبر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کتاب لکھی ہے اس میں جنتی لوگوں کے نام ہیں اور داہنا ہاتھ پھیلا دیا اور فرمایا کہ دوسری کتاب لکھی ہے اس میں دوزخیوں کے نام و نشان اور نسب ہیں اور بایاں ہاتھ پھیلا دیا اور فرمایا کہ اس میں سے نہ کچھ بڑھے گا نہ گھٹے گا۔ ممکن ہے کہ اہل سعادت اہل شقاوت کے کام کریں حتیٰ کہ سب کہنے لگیں کہ یہ تو شقی ہیں پھر اللہ تعالیٰ موت سے ایک ہی ساعت پہلے اسے شقاوت کی راہ سے ہٹا کر سعادت کی طرف لے آئے کیونکہ سعید و نیک بخت وہی ہے جس کی سعادت کا ازل میں حکم ہو چکا ہے اور شقی بھی وہی ہے جس کی شقاوت کا ازل میں حکم ہو چکا ہے اس لیے اعتبار خاتمہ کا ہے اور انجام بالخیر کی ضرورت ہے یہی وجہ تھی کہ عارف لوگ ڈرتے ہیں اور یہ کامل تر خوف ہے جیسا کہ اللہ کی صفت جلال سے بندے کا ڈرنا اپنے گناہوں کے سبب ڈرنے سے زیادہ قیمتی ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے جلال تو خوف جاتا ہی نہیں لیکن جہاں تک گناہ کا تعلق ہے عین ممکن ہے کہ آدمی توبہ کر کے مغرور ہو جائے اور سوچنے لگے کہ اب تو میں نے گناہ سے ہاتھ کھینچ لیا اب میں کیوں ڈروں؟ الغرض حضرت رسول کریم ﷺ اعلیٰ علیین میں جائیں گے تو ابوجہل اسفل السافلین میں جب کہ آپ اور ابوجہل پیدا ہونے سے قبل نہ کوئی وسیلہ قرب رکھتے تھے نہ کوئی کوتاہی اور قصور۔ اللہ تعالیٰ نے جب پیدا کیا کہ آنحضرت ﷺ کو بغیر کسی سبب کے عبادت و معرفت کی راہ پر لگا دیا اور یہ بات اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے لیے لازم فرما دی۔ کیونکہ آپ ﷺ کے داعیہ کو اسی امر میں صرف کر دیا۔ کیا یہ ممکن نہ تھا کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دکھا دیا اور آپ ﷺ پر کشف فرمایا ہے اسے آپ ﷺ اپنے اوپر پوشیدہ فرما لیتے اور یہ بھی محال تھا کہ جسے آپ ﷺ زہر قاتل سمجھتے اس سے دُور نہ رہتے۔ رہ گیا ابوجہل تو اس پر اللہ تعالیٰ نے بصیرت کی راہ بند کر دی اسے اس بات کی قدرت ہی نہ تھی کہ دیکھ سکتا اور جب دیکھا تو بغیر اس کے کہ وہ خواہشات کی آفتوں کو پہچانے خواہشات سے دستبردار نہ ہو سکا۔ تو جناب محبوب خدا علیہ السلام اور ابوجہل دونوں ازل میں مجبور تھے جیسا اللہ تعالیٰ نے چاہا ویسا کر دیا۔ ابوجہل کو بغیر سبب شقاوت و بدبختی کا شکار کر کے دوزخ میں ڈال دیا اور حضور علیہ السلام کو محض اپنے فضل و کرم سے سعادت و نیک بختی کی معراج نصیب فرما کر ﴿ اعلیٰ علیین ﴾ میں پہنچا دیا۔ وہ بے نیاز ہے کچھ خیال نہیں کرتا جیسے چاہتا ہے کر گزرتا ہے اسے کسی کی پرواہ نہیں اس لیے اس سے ڈرنا ضروری ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا کہ جیسے شیر غراں سے ڈرتے ہو اسی طرح مجھ سے ڈرو۔ اس لیے کہ شیر ہلاک کر ڈالنے میں کچھ پرواہ نہیں کرتا اور اس بے باکی میں انسانی خطا کا دخل نہیں بلکہ شیر کی فطرت ایسے ہی ہے اور اگر تو شیر کے حملہ سے محفوظ رہتا ہے اور وہ حملہ کرتا ہی نہیں تو اس کا سبب یہ نہیں ہوتا کہ اسے تیرے ساتھ کوئی شفقت و قرابت داری ہے بلکہ وہ تجھے بے حقیقت سمجھ کر دستبردار ہوتا ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی یہ دونوں صفتیں پہچان لیں ممکن نہیں کہ وہ بے خوف رہے۔

سوءِ خاتمہ کا بیان

بہت ڈرنے والے اصل میں خاتمہ سے ڈرتے ہیں۔ اس لیے کہ آدمی کا حال ایک سا نہیں رہتا اور موت کا وقت

بھی کٹھن ہے اور یہ معلوم ہی نہیں کہ مرتے دم ولی کسی حال پر آڑ جائے چنانچہ ایک عارف نے کہا ہے کہ اگر کسی کو پچاس برس تک میں نے موحد خیال کیا وہ اگر مجھ سے اس قدر غائب ہو کہ دیوار کی آڑ میں ہو جائے تو پھر میں اس کے موحد رہنے پر گواہی نہیں دوں گا۔ کیونکہ دِل کا حال ہر آن بدلتا رہتا ہے میں نہیں جانتا کہ کس حال سے بدل گیا اور ایک بزرگ کہتے ہیں کہ اگر مجھ سے پوچھیں کہ گھر کے دروازے پر کسی کے باایمان مرنے کی گواہی دینا تجھے پسند ہے یا حجرے کے دروازے پر تو میرا فیصلہ حجرے کے دروازے کے حق میں ہو گا کیونکہ میں نہیں جانتا کہ گھر کے دروازے تک ایمان رہے یا نہ رہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ قسم کھا کر فرماتے کہ موت کے وقت ایمان چھن جانے سے کوئی شخص بے خوف نہیں۔ حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ صدیق حضرات ہر وقت بُرے خاتمے سے ڈرتے ہیں۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ انتقال کے وقت بے قراری سے رو رہے تھے۔ لوگوں نے کہا کہ روئیں نہیں اللہ کی بخشش تمھارے گناہوں سے بہرحال زائد ہے۔ انھوں نے جواب دیا کہ اگر مجھے یقین ہو کہ میں موحد مروں گا تو کچھ پرواہ نہیں گو کہ میرے گناہ پہاڑوں کے برابر ہوں۔ ایک بزرگ کے پاس جتنا مال تھا وہ ایک دوسرے شخص کے سپرد کر کے اسے وصیت کی کہ میرے باایمان مرنے کی یہ علامت ہے اگر تمھیں یہ نظر آ جائے تو اس مال سے شکر اور بادام مول لے کر شہر کے بچوں میں بانٹ دینا کہ یہ فلاں شخص کے ایصالِ ثواب کے لیے ہے لیکن اگر وہ علامت نظر نہ آئے تو لوگوں سے کہہ دینا کہ مجھ پر جنازہ نہ پڑھیں اور مجھ سے فریب نہ کھائیں تاکہ میں مرنے کے بعد تو ریاکار نہ بنوں۔ حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ مرید کو گناہ میں پڑ جانے کا خوف ہے لیکن مرشد عارف کو کفر میں مبتلا ہونے کا۔ حضرت ابویزید بسطامی قدس سرہٗ نے کہا ہے کہ میں جب مسجد میں جانے لگتا ہوں تو اپنی کمر میں ایک زنار دیکھتا ہوں اس لیے کہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ جب تک میں مسجد جاؤں ایسا نہ ہو کہ مجھے کلیسا لے جائیں ہر روز پانچ بار میری یہی حالت ہوتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں سے فرمایا کہ تم لوگ گناہوں سے ڈرتے ہو اور ہم پیغمبر کفر سے ڈرتے ہیں۔ ایک پیغمبر برسوں ننگے بھوکے پریشان حال رہے پھر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں روئے تو وحی آئی کہ میں تیرے مال کو کفر سے بچائے رکھتا ہوں کیا تُو اِس سے خوش نہیں۔ عرض کیا اے اللہ میں نے توبہ کی اور خوش ہوا اور اِس سوال کی ندامت سے اپنے سر پر خاک ڈالی۔ بُرے خاتمہ کی علامتوں میں سے ایک نفاق ہے۔ اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم ہمیشہ نفاق سے ڈرتے تھے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ اگر میں یہ بات مان لوں کہ مجھ میں نفاق نہیں ہے تو جو کچھ روئے زمین پر ہے اس سب سے میں اس کو زیادہ دوست رکھتا ہوں اور فرمایا کہ ظاہر و باطن اور دِل و زُبان کا اختلاف بھی منجملہ نفاق ہے۔

فصل : سوءِ خاتمہ جس سے سب اسلاف ڈرتے رہے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ موت کے وقت بندے کا ایمان چھن جائے۔ اس کے اسباب بہت ہیں جن کا عِلم پوشیدہ ہے۔ لیکن بالعموم جن اسباب سے ایمان میں خلل واقع ہوتا ہے وہ دو ہیں ایک تو یہ کہ انسان کسی بدعت اور باطل چیز کا اعتقاد کر کے ساری عمر اس میں بسر کر دے اور یہ خیال کرے کہ یہ عقیدہ بے جا ہے موت کے وقت شاید اس کی خطا اس پر اللہ تعالیٰ کھول دیں اس وجہ سے اور اعتقادات جو رکھتا تھا ان میں بھی شک واقع ہو جائے اور ان عقائد کی مضبوطی جاتی رہے اور اسی شک میں مرجائے۔ بدعتی کو بھی یہ خطرہ لگا ہوا ہے اور اسے بھی جو متکلم ہو اور عقائد میں بحث اور دلیل کی راہ چلنا چاہیے اگرچہ وہ شخص صاحب ورع اور

پارسا ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن وہ بھولے لوگ جن کا ایمان ظاہر قرآن و حدیث کے موافق ہے وہ اس سے بے خوف ہیں اسی وجہ سے جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ((عَلَيْكُمْ بِدِيْنِ الْعَجَائِزِ وَاَكْثَرُ اَهْلِ الْجَنَّةِ الْبُلْهُ)) یعنی بوڑھیوں کا دین لازم پکڑو اور اکثر جنتی لوگ بھولے لوگ ہوتے ہیں۔ اس لیے اسلاف علمِ کلام اور بحث و مباحثہ سے منع کرتے تھے کہ یہ ہر کسی کے بس کا روگ نہیں کسی نہ کسی بدعت میں گرفتار ہو کر رہ جائے گا۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ بنیادی طور پر ایمان کمزور ہو اور دُنیا کی مُحبّت غالب ہو اور اللہ تعالیٰ کی مُحبّت ضعیف ہو تو ایسا مرنے والا موت کے وقت جب دیکھتا ہے کہ اس کی خواہش کی سب چیزیں اس سے چھن رہی ہیں اور دُنیا سے جبراً و قہراً اسے ایسی جگہ لے جایا جا رہا ہے جہاں جانا اسے پسند نہیں تو اس وجہ سے اس قسم کی کراہت پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو کمزور سی دوستی ہوتی ہے وہ بھی جاتی رہتی ہے مثلاً جیسے کوئی شخص کسی چیز کو محبوب رکھتا ہے اور اپنے فرزند سے زیادہ چاہتا ہو اور ایسی چیز کو اس کا فرزند اس سے چھین لے تو وہ شخص اپنے فرزند کو دشمن سمجھ لیتا ہے اور ذرا سی دوستی جو فرزند کے ساتھ تھی وہ بھی جاتی رہتی ہے اسی لیے شہادت کا بڑا درجہ ہے کہ اس وقت دُنیا کو سامنے سے دُور کر دیتے ہیں اور اللہ کی مُحبّت دِل میں غالب ہوتی ہے اور مرنے پر دِل مستعد ہو جاتا ہے۔ ایسے وقت موت کا آنا بہت غنیمت ہوتا ہے اس واسطے کہ یہ حال بہت جلد جاتا رہتا ہے اور دِل اس حال پر سدا نہیں رہتا تو جس کے دِل میں اللہ کی مُحبّت سب چیزوں کی مُحبّت پر غالب ہوتی ہے تو اس بات سے اللہ تعالیٰ نے اسے ضرور باز رکھا ہو گا کہ وہ اپنے آپ کو بالکل دُنیا کے حوالے کر دے۔ ایسا شخص اس خطرہ سے مامون ہوتا ہے جب موت کا وقت آ پہنچتا ہے اور وہ شخص جانتا ہے کہ دوست کے دیدار کا وقت آگیا تو موت سے کراہت نہیں ہوتی اور اللہ کی مُحبّت اس کے دِل پر غالب آ جاتی ہے اور دُنیا کی دوستی زائل اور معدوم ہو جاتی ہے۔ خاتمہ بخیر ہونے کی یہی علامت ہے پس جو شخص اس خطرہ سے بہت دُور رہنا چاہے چاہیے کہ بدعت سے بہت دُور رہے اور جو کچھ قرآن و سنت میں ہے اس پر ایمان لائے جو سمجھے اسے قبول کرے اور سمجھ میں نہ آئے اسے بھی مانے اور سب پر ایمان لائے اور یہ کوشش کرتا رہے کہ حق تعالیٰ کی مُحبّت اس کے دِل پر غالب آ جائے اور دُنیا کی مُحبّت ضعیف ہو جائے اور دُنیا کی مُحبّت اس طرح ضعیف ہوتی ہے کہ شریعت کی حدوں پر نگاہ رکھے تاکہ شریعت اس پر دُنیا کو تنگ کر دے اور وہ دُنیا سے متنفر ہو جائے اور اس سبب سے اللہ کی دوستی قوی ہوتی ہے کہ آدمی ہمیشہ اللہ کا ہی ذکر کرتا رہے اور ہمیشہ اللہ کے محبوب بندوں کے ساتھ یاری و صحبت رکھے۔ اور دُنیا کے بندوں سے تعلقات نہ رکھے۔ اگر دُنیا کی دوستی غالب ہو تو ایمان خطرہ میں ہے جیسا کہ قرآن شریف میں ہے کہ اگر باپ بیٹا مال نعمت اور جو کچھ تمھارے پاس ہے اسے تم اللہ تعالیٰ سے زیادہ دوست رکھتے ہو تو اللہ کے حکم کے انتظار کرو ﴿ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ﴾ (التوبہ)



خوف حاصل کرنے کی تدبیر کا بیان

دین کے مقامات میں سے پہلا مقام یقین اور معرفت کا ہے اور پھر معرفت سے خوف پیدا ہوتا ہے اور خوف سے زہد اور صبر اور توبہ اور زہد و توبہ سے اخلاص اور ذکر کی مداومت نیز فکر پیدا ہوتی ہے اور اس سے انس و محبت ہویدا ہوتی ہے، محبت تمام مقامات کی انتہا ہے اور جہاں تک تسلیم و رضا اور شوق کا تعلق ہے وہ محبت کے تابع ہے پس یقین اور معرفت کے بعد خوف سعادت کا خزانہ ہے اور جو صفات خوف کے بعد پیدا ہوتی ہیں وہ خوف کے بغیر فٹ نہیں بیٹھتیں اور خوف تین طرح سے پیدا ہوتا ہے ایک تو علم و معرفت کے ذریعہ، اس لیے کہ جب آدمی اپنے آپ کو اور اپنے ربّ کو پہچان لیتا ہے تو خواہ مخواہ ڈرتا ہے اس لیے کہ جو شخص شیر کے چنگل میں پھنسا ہوا ہو اور شیر کو پہچانتا بھی ہو اسے شیر سے ڈرنے کے لیے کسی تدبیر کی ضرورت نہیں بلکہ وہ تو ہمہ تن خوف ہو جاتا ہے اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو کمالِ جلال، کمالِ قدرت اور کمالِ بے نیازی کے ساتھ پہچان لیا اور اپنی بے چارگی و عاجزی اس پر منکشف ہو گئی اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے شیر کے چنگل میں پھنسنا بلکہ جس شخص نے صرف اللہ کے حکم کو پہچانا کہ جو کچھ قیامت تک ہو گا اس کا اللہ تعالیٰ حکم کر چکے ہیں اور بعض کو تو انھوں نے بغیر کسی سبب سعادت سے سرفراز فرما دیا اور بعض کو شقی و بدبخت بنا دیا۔ الغرض جیسا چاہا ویسا کر دیا اور اس کا حکم کبھی نہیں بدل سکتا تو ایسا شخص خواہ مخواہ ڈرے گا۔ اس واسطے جناب سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام سے گلہ کیا اور حضرت آدم علیہ السلام نے بھی جوابی کارروائی کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنت میں جگہ دی اور آپؑ کے ساتھ یہ سلوک کیا۔ آپؑ نے ممنوعہ دانا کھالیا اور اس طرح اپنے آپ کو بھی اور ہم کو بھی آزمائش میں مبتلا کیا۔ آدم علیہ السلام نے فرمایا کہ یہاں وہ آزمائش ازل سے میرے مقدر میں لکھی تھی یا نہیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا کہ ہاں تب آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ پھر میں اللہ کے حکم کے خلاف کیسے کر سکتا تھا گویا آدم علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کے شکوہ کا جواب دے دیا اور مسکت جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام لاجواب ہو گئے۔

اور جس معرفت سے خوف پیدا ہوتا ہے اس کے بہت سے ابواب ہیں جو شخص جتنا بڑا عارف ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ ڈرتا ہے حتیٰ کہ احادیث میں آیا ہے کہ حضور علیہ السلام اور حضرت جبرئیل علیہ السلام دونوں روتے تھے ان پر وحی آئی کہ میں نے تو تمھیں مطمئن اور بے خوف کر دیا ہے پھر تم کیوں روتے ہو انھوں نے عرض کی اے اللہ ہم آپ کی تدبیر سے تو بے خوف نہیں۔ ارشاد ہوا کہ اسی طرح سمجھتے رہو۔ گویا یہ ان حضرات کا کمالِ خوف تھا جس کی بنیاد کمالِ معرفت تھی کہ انھوں نے یہ سمجھا کہ بے خوف رہنا نہیں چاہیے اور خیال کیا کہ یہ جو ارشاد ہے کہ تم بے خوف نہ ہو تو شاید یہ کوئی آزمائش ہو اور اس میں کوئی بھید ہو جس سے ہم بے خبر ہوں۔ جنگ بدر کے دن پہلے مسلمانوں کا لشکر کچھ کمزور سا ہو گیا حضور علیہ السلام نے ڈر کر عرض کی کہ اے اللہ اگر یہ مسلمان ہلاک ہو گئے تو رُوئے زمین پر تیری بندگی کرنے والا کوئی نہیں رہے گا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے قسم دلا کر آپ کے فتح و نصرت کا وعدہ کیا ہے وہ اپنے وعدہ کو ضرور سچا کرے گا۔ اس وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ مقام تھا کہ انھیں اللہ تعالیٰ کے وعدۂ کرم پر اعتماد تھا اور حضور علیہ السلام خیر الماکرین کی مکرو

تدبیر سے خوف زدہ تھے اور یہ کامل ترین لوگوں کا مقام ہے اس لیے حضور ﷺ نے سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کے کاموں کے بھید اور تدبیر مملکت میں اس کی مصلحت اور مقدر کی ہوئی باتوں کو کوئی نہیں جانتا۔

دوسرا طریقہ یہ ہے کہ آدمی معرفت سے عاجز ہو تو اہل خوف کے ساتھ محبت رکھے تاکہ ان کا خوف اس میں سرایت کر جائے اور یہ شخص اہل غفلت سے دُور ہو جائے۔ اس طریقہ سے بھی خوف پیدا ہو جاتا ہے گو کہ تقلیدی ہو اور ایسا ہو جیسے سانپ سے اس لڑکے کا خوف جس نے اپنے باپ کو سانپ سے بھاگتا ہوا دیکھا ہو تو وہ لڑکا بھی سانپ سے ڈرتا اور بھاگتا ہے گو کہ سانپ کا موذی ہونا نہ جانتا ہو جاننے والے کے مقابلہ میں اس خوف کی کیفیت کمزور ہوتی ہے اس لیے کہ اگر لڑکا چند بار سپیرے کو دیکھے کہ وہ سانپ کو پکڑتا ہے تو جس طرح تقلید کے سبب ڈرتا ہے اسی طرح تقلیداً نڈر ہو جائے گا اور یہ بھی سانپ کو پکڑنے کی جسارت کرے گا اور جو شخص سانپ کا موذی پن نہ جانتا ہے وہ اس تقلید سے بے خوف ہوتا ہے یعنی وہ تقلید نہیں کرے گا۔ اس لیے عقلاء کو بے فکروں اور غافلوں کی صحبت سے پرہیز کرنا چاہیے خصوصاً اس غافل سے جو اہل عِلم کی شکل میں ہو۔ تیسرا طریقہ یہ ہے کہ آدمی جب اہل خوف کو نہ پائے اور ان کی صحبت نہ اُٹھا سکے کہ یہ لوگ اس زمانہ میں بہت کم ملتے ہیں تو پھر طریقہ یہ ہے کہ ان کے حالات سنے اور پرانے تذکروں اور کتابوں میں پڑھے۔ اسی وجہ سے ہم بعض انبیاء علیہم السلام و اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کے خوف کا حال بیان کرتے ہیں تاکہ جو شخص ذرہ بھی عقل رکھتا ہے وہ یہ بات سمجھ لے کہ یہ حضرات تمام مخلوق سے بڑھ کر عاقل و عارف اور متقی تھے جب ان کے ڈر کا یہ حال ہے تو ما و شما کی کیا حقیقت ہے۔

انبیاء و ملائکہ علیہم السلام کی حکایات

روایات میں ہے کہ جب شیطان لعنت کا شکار ہوا تو حضرت جبریل و میکائیل علیہما السلام ہمیشہ روتے رہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر وحی آئی کہ تم کیوں روتے ہو؟ انھوں نے عرض کیا کہ اے اللہ تیرے غصہ اور تدبیر سے ہم مامون نہیں۔ اللہ نے ارشاد فرمایا کہ ایسا ہی ہونا چاہیے یعنی واقعی ڈرتے رہنا چاہیے۔ حضرت ابن منکدر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب دوزخ کو پیدا کیا تو تمام ملائکہ رویا کرتے تھے جب اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا تب وہ چپ ہوئے اس لیے کہ وہ سمجھ گئے کہ دوزخ ہماری خاطر پیدا نہیں کی گئی۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ حضرت جبریل امین علیہ السلام میرے پاس آتے تو خوفِ خداوندی سے لرزاں و ترساں آتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ میکائیل علیہ السلام کو میں نے ہنستے ہوئے نہیں دیکھا۔ انھوں نے کہا جب سے اللہ نے دوزخ کو پیدا کیا ہے تب سے وہ نہیں ہنسے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جب نماز میں مشغول ہوتے تو میل بھر کے فاصلہ سے ان کے آہ و بکا کی آواز سنائی دیتی۔ حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام چالیس دن برابر سجدے میں پڑے روتے رہے حتیٰ کہ ان کے آنسوؤں سے گھاس اُگ آئی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی کہ اے داؤد تم کیوں روتے ہو اگر تم ننگے، بھوکے، پیاسے ہو تو بتلاؤ تاکہ میں کپڑا کھانا اور پانی بھیجوں اس پر انھوں نے ایسا سانس لیا کہ ان کی سانس کی گرمی سے لکڑی میں آگ لگ گئی۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ انھوں نے عرض کی کہ اے اللہ میرا گناہ میری ہتھیلی پر نقش فرما

دے تاکہ میں اسے ہمیشہ یاد رکھوں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی درخواست قبول کرلی۔ پھر جب وہ کھانے پانی کے واسطے ہاتھ بڑھاتے تو اپنے اس نقش کو دیکھ کر روتے اور اتنا کہ پیالہ جو پانی سے بھرا نہ ہوتا ان کے آنسوؤں سے بھر جاتا۔ روایت میں آتا ہے کہ داؤد علیہ السلام اسقدر روئے کہ ان کی طاقت زائل ہوگئی۔ عرض کی اے ارحم الراحمین آپ میرے رونے پر رحم نہیں فرماتے۔ ارشاد ہوا اے داؤد تم رونے کا تو ذکر کرتے ہو اور تمھیں خطائیں بھول گئیں۔ عرض کی اے اللہ میں اپنی خطاؤں کو کیسے بھول سکتا ہوں کہ اس سے پہلے میں جب زبور پڑھتا تھا تو نہر میں بہتا ہوا پانی ٹھہر جاتا تھا اور چلتی ہوئی ہوا رُک جاتی تھی' اُڑتے ہوئے جانور میرے سر پر اور وحشی جانور میری محراب میں جمع ہو جاتے' اب ان میں سے کوئی بات بھی نہیں۔ اے اللہ یہ کیسی وحشت اور کیسی نفرت ہے۔ ارشاد ہوا اے داؤد وہ طاعت و بندگی کا انس تھا اور یہ معصیت کی وحشت ہے۔ اے داؤد آدم میرا بندہ تھا۔ اسے میں نے اپنے دست لطف سے پیدا کیا اپنی روح اس میں پھونکی ملائکہ کو اس کے سجدے کا حکم کیا کرامت و بزرگی کا لباس اسے پہنایا اور وقار کا تاج اس کے سر پر رکھا' اُس نے اپنی تنہائی کا گلہ کیا تو میں نے حوا کو پیدا کیا اور دونوں کو بہشت میں رکھا۔ اُس نے ایک خطا کی تو میں نے اسے ننگا کر کے اپنی بارگاہ سے زمین پر بھیج دیا۔ اے داؤد تو سن اور حق کو سمجھ کہ تو ہماری اطاعت و بندگی کرتا تھا تو ہم تیرے ساتھ ویسا ہی سلوک کرتے۔ تو نے جو سوال کیا ہم نے پورا کیا تو نے گناہ کیا ہم نے مہلت دی۔ اس کے باوجود اب بھی توبہ کر کے ہماری طرف رجوع کرو گے تو ہم قبول کرلیں گے۔ حضرت یحییٰ بن کثیر رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام جب اپنے گناہ پر نوحہ کرنا چاہتے تو ہفتہ ہفتہ بھر کچھ نہ کھاتے اور اپنی حرم میں تشریف نہ لے جاتے۔ پھر صحرا میں چلے جاتے اور حضرت سلیمان علیہ السلام سے منادی کا حکم کرتے وہ آواز لگاتے کہ اے اللہ کے بندو جو داؤد کا نوحہ سننا چاہتا ہے وہ آجائے تو بستیوں سے آدمی آشیانوں سے پرندے' بیابانوں اور پہاڑوں سے وحشی جانور اور درندے وہاں جمع ہو جاتے۔ حضرت داؤد علیہ السلام پہلے اللہ تعالیٰ کی ثنا فرماتے تمام مخلوق آہ و فریاد کرتی پھر جنت و دوزخ کا حال بیان کرتے پھر اپنے گناہ پر نوحہ کرتے حتیٰ کہ بہتیری مخلوق خوف و ہراس سے مرجاتی۔ تب حضرت سلیمان علیہ السلام ان کے کان کے پاس جا کر عرض کرتے کہ بابا جان بس کیجیے کہ بہت سی مخلوق تاب نہ لا کر ہلاک ہوگئی اور آواز دیتے کہ اپنے مردے کو اُٹھا کرلے جاؤ لوگ انھیں اُٹھا کرلے جاتے۔ حتیٰ کہ ایک دن چالیس ہزار مخلوق جو اس مجلس میں جمع تھی اس میں سے تیس ہزار مرگئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی دو لونڈیاں تھیں انکا یہی کام تھا کہ خوف کے وقت حضرت کو سہارا دے کر رکھتیں تاکہ ان کے اعضاء جو ڈر کے سبب مسلسل کپکپی اور رعشہ کا شکار تھے اُکھڑ نہ جائیں۔ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام جب بچے تھے تو بیت المقدس میں عبادت کرتے جب لڑکے انھیں کھیل کود کی خاطر بلاتے تو فرماتے کہ بھائی اللہ نے مجھے کھیلنے کے واسطے پیدا نہیں فرمایا جب پندرہ برس کا سن ہوا تو مخلوق سے نکل کر صحرا میں چلے گئے ایک دن ان کے والد حضرت زکریا علیہ السلام ان کے تعاقب میں تشریف لے گئے دیکھا کم پانی میں پاؤں رکھے کھڑے ہیں اور پیاس کے مارے ہلاکت کے قریب ہیں اور عرض کر رہے ہیں کہ اے اللہ قسم ہے تیری عزت کی جب تک مجھے یہ معلوم نہ ہولے کہ تیرے نزدیک میرا مرتبہ کیا ہے میں پانی نہیں پیوں گا اور اس قدر روتے کہ ان کے رخسار پر گوشت باقی نہ رہا دانت نکل آئے نمدے کے دو ٹکڑے ان کے رخساروں پر رکھ دیئے گئے تاکہ مخلوق یہ ہیئت کذائی نہ دیکھے۔ انبیاء علیہم السلام کے اس قسم کے حالات بہت ہیں۔

صحابہ رضی اللہ عنہم اور اسلاف رحمۃ اللہ علیہم کی حکایات

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنی تمام تر صداقت و بزرگی کے باوجود جب کسی پرندے کو دیکھتے تو کہتے کاش میں بھی تجھ سا ہوتا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے کاش میں کوئی درخت ہوتا۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتیں کاش میرا نام و نشان کچھ نہ ہوتا اور امیرالمؤمنین حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا کبھی تو یہ حال ہوتا کہ قرآن شریف کی کوئی آیت سن کر گر پڑتے اور بے ہوش ہو جاتے اور چند روز تک لوگ ان کی عیادت کے لیے آتے رہتے۔ کثرت سے رونے کے سبب ان کے رخسار پر دو کالی لکیریں پڑ گئی تھیں فرمایا کرتے کہ کاش عمر ماں کے پیٹ سے ہرگز پیدا ہی نہ ہوا ہوتا۔ ایک دن کسی دروازے پر آپ کا گزر ہوا۔ ایک شخص کی تلاوت سنی ﴿ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ ﴾ کی آیت جو سنی تو اونٹ سے اُتر پڑے اور اپنے آپ کو ایک دیوار کے سہارے گرا دیا نقاہت کے سبب لوگ آپ کو اُٹھا کر لے گئے اور مہینہ بھر تک یہ کیفیت رہی آپ کی اس بیماری کا کوئی سبب نہ جان سکا۔ حضرت علی بن الحسین رحمۃ اللہ علیہ وضو کرتے تو چہرہ مبارک زرد ہو جاتا لوگ عرض کرتے یہ کیا ہے تو فرماتے تم نہیں جانتے کہ میں کس کے سامنے کھڑا ہوا چاہتا ہوں۔ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ قرآن مجید سننے کی تاب نہ رکھتے تھے ایک دن کسی اجنبی مرد نے لاعلمی میں یہ آیت پڑھ دی:

﴿ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴾ (مریم)

"جس دن اکٹھا کریں گے ہم پرہیزگار لوگوں کو رحمٰن کے پاس مہمان کے طور پر اور ہانکیں گے مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسا"

انھوں نے کہا کہ میں مجرم ہوں متقی نہیں ایک بار پھر اسے پڑھو اس ناواقف نے پھر جو پڑھا تو چیخ مار کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بھیا اچھی جگہ کے سبب مغرور نہیں ہونا چاہیے اس لیے کہ جنت سے بہتر کوئی جگہ نہیں اور کثرتِ عبادت کے سبب غرور نہ کر کہ تو جانتا ہے کہ شیطان نے کئی ہزار برس عبادت کی اور زیادہ علم کے سبب گھمنڈ نہ کر اس لیے کہ بلعم باعور اس مرتبہ کو پہنچ گیا تھا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم جان لیا لیکن اس کی مذمت میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ﴾ (الاعراف)

"اس کی مثال کتے کی مثال ہے اگر اسے لاد دو تو وہ ہانپنے لگے اور چھوڑ دو تو بھی ہانپنے لگے"

اور نیک لوگوں کی زیارت کے سبب بھی انسان کو غرور نہیں کرنا چاہیے اس لیے کہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیزوں کو آپ کی زیارت و صحبت نصیب ہوئی لیکن وہ ایمان سے محروم رہے۔ حضرت عطا سلمی رحمۃ اللہ علیہ خائفوں میں سے تھے چالیس برس تک کسی نے ان کو ہنستے نہ دیکھا ایک بار آسمان کی طرف جو دیکھا تو خوف کے مارے گر پڑے رات میں کئی کئی دفعہ اپنے آپ کو ٹٹولتے کہ کہیں چہرہ مسخ تو نہیں ہو گیا جب قحط یا اس قسم کی کوئی مصیبت مخلوق پر آتی تو فرماتے کہ یہ میری ہی شامت ہے اگر میں مرجاؤں تو مخلوق اس سے نجات پالے۔ حضرت سری سقطی قدس سرہٗ کہتے ہیں کہ میں ہر روز اپنی ناک پر نظر کر کے اپنے آپ کو کہتا ہوں کہ شاید میرا منہ کالا ہو گیا ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ

میں نے دُعا مانگی کہ خوف کا ایک دروازہ مجھ پر کھل جائے تو میری دُعا قبول ہو گئی میں ڈرا کہ میری عقل جاتی رہے گی پھر میں نے عرض کی کہ اے اللہ میری طاقت کے مطابق اپنا خوف مجھے عطا کر پس میرا دِل مطمئن ہو گیا۔ ایک عابد کو لوگوں نے روتے ہوئے دیکھا تو رونے کا سبب پوچھا تو اُس نے کہا کہ میں اس گھڑی کے خوف سے رو رہا ہوں جب فردائے قیامت میں منادی ندا لگائے گا کہ مخلوق کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ آپ کا کیا حال ہے۔ آپ نے فرمایا جو دریا میں ہو اور کشتی ٹوٹ جائے اور ہر شخص ایک ایک تختے پر اٹک کر رہ جائے اس کا کیا حال ہو گا؟ اُس نے کہا کہ یہ تو بڑا کٹھن وقت ہو گا۔ کہا میرا بس یہی حال ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی کہا ہے کہ حدیث میں ہے کہ ایک شخص کو ہزار برس کے بعد دوزخ سے نکالیں گے یہ کہہ کر فرمایا اے کاش کہ وہ میں ہی ہوں۔ انھوں نے یہ بات اس لیے کہی کہ خاتمہ بالخیر نہ ہونے کے ڈر سے ہمیشہ دوزخ سے ڈرتے تھے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی ایک لونڈی تھی ایک دن سو کر جو اُٹھی تو کہنے لگی۔ امیرالمؤمنین آج میں نے عجیب و غریب خواب دیکھا ہے آپ نے فرمایا جلدی بیان کرو کہنے لگی کہ میں نے دوزخ کو دیکھا بھڑک رہی ہے اس پر پل صراط رکھا گیا ہے اور خلفاء کو فرشتے لائے پہلے خلیفہ عبدالملک بن مروان کو دیکھا کہ اسے فرشتے لائے اور حکم دیا کہ اس پر چلو وہ تھوڑی دُور چلا اور گر پڑا۔ آپ نے فرمایا جلدی بیان کرو پھر کیا ہوا۔ کہنے لگی اس کے بعد اس کے بیٹے ولید کو لایا گیا اس کا بھی وہی حال ہوا پھر سلیمان بن عبدالملک کو لایا گیا وہ بھی اسی حال سے دوچار ہوا۔ پھر آپ کو لایا گیا کنیز نے اتنا کہا تھا کہ آپ نعرہ مار کر بے ہوش ہو کر گر پڑے کنیز چیختی تھی کہ بخدا میں نے آپ کو سلامتی کے ساتھ پار اُترتے دیکھا وہ غریب شور مچاتی لیکن آپ کا بُرا حال تھا [یاد رہے کہ یہ خواب ہے اور خوابوں کی بنیاد پر سوائے انبیاء علیہم السلام کے خوابوں کے کوئی بنیاد نہیں رکھی جاتی۔ مسلمان خلفاء کے معاملہ میں یہ عام روش ہے اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ مترجم]

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سالہا سال نہیں ہنسے لوگوں نے ہمیشہ اسی کیفیت میں اُنھیں دیکھا جس کیفیت میں وہ قیدی ہوتا ہے جس کی گردن اڑانے کے لیے مقتل میں لایا گیا ہو۔ لوگ کہتے ہیں کہ اس عبادت و ریاضت کے باوجود جو آپ کرتے ہیں پھر یہ حالت کیوں؟ فرماتے مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کوئی ایسا عمل دیکھا ہو جس کے سبب میں اس کے دشمنوں کی فہرست میں شامل ہو گیا ہوں اور فرمائے کہ تو جو جی چاہے کر میں تجھ پر رحمت نہیں کروں گا اور بے فائدہ اپنی جان گنواتا ہوں —— غور کرو یہ بزرگ کیسے ڈرتے تھے اور تو بے خوف ہے ان کا خوف اور تیری بے خوفی یا اس وجہ سے ہے کہ ان کے گناہ بہت تھے اور تیرے گناہ نہیں یا اس سبب سے ہے کہ انھیں معرفت بہت تھی اور تجھے معرفت نصیب نہیں سچی بات یہ ہے کہ باوجود کثرتِ گناہ تو حماقت و غفلت کی وجہ سے بے خوف ہے اور کثرتِ طاعت کے باوجود وہ لوگ بصیرت و معرفت کے سبب خائف اور ترساں رہتے تھے۔

فصل : کوئی اگر کہے کہ خوف و رجا کی فضیلت میں بہت سی احادیث مروی ہیں ان دونوں میں سے افضل کون ہے کہ اس کا طالب رہنا چاہیے تو سمجھ لو کہ یہ دونوں دو دوائیں ہیں دوا کے حق میں فضیلت نہیں کہتے بلکہ منفعت کہتے ہیں اس لیے کہ خوف و رجا صفاتِ نفس ہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا جبکہ آدمی کا کمال اللہ کی مُحبّت میں ڈوبا رہنا ہے اور اللہ کی یاد نے اس کو گھیر لیا ہو وہ اپنے آغاز و انجام کا خیال نہ کرے۔ بلکہ وقت کو دیکھتا رہے اور وقت کو کیا خداوند

وقت کو دیکھے جب خوف و رجا کی طرف التفات کرے گا تو یہ التفات حجاب بن جائے گا۔ یہ حالتِ استغراق نادر ہوتی ہے جس کی موت کا وقت قریب ہو اسے رَجا کو مخاطب رکھنا چاہیے کیونکہ یہ مُحبّت کے اندر یاد کا باعث ہے اور جو اس دُنیا سے جائے اسے اللہ کی مُحبّت کے ساتھ جانا چاہیے کہ یہی اس کی سعادت ہے کہ محبوب کی ملاقات میں مزہ ہی مزہ ہے لیکن دوسرے اوقات میں اَہل غفلت پر خوف کا غلبہ ضروری ہے کہ غافل کے حق میں رجا کا غلبہ زہر ہے۔ اَہل تقویٰ کا حال مہذب ہے کہ دونوں برابر ہونی چاہییے۔ عبادت و طاعت والے شخص پر رجا غالب ہونی چاہیے اس لیے کہ مناجات میں مُحبّت سے ہی دِل صاف ہوتا ہے اور مُحبّت رجا کے سبب حاصل ہوتی ہے اور گناہ کے وقت خوف غالب ہونا چاہیے۔ آدمی اگر اَہل عادت سے ہو تو مباح کاموں کے وقت بھی خوف کا غلبہ ضروری ہے ورنہ گناہ میں مبتلا ہو جائے گا گویا خوف و رجا ایسی دوائیں ہیں کہ ان کی منفعت احوال اور اشخاص کے ساتھ بدلتی رہتی ہے اس سوال کا جواب مطلق نہیں ہو سکے گا۔

واللہ اعلم



فصل ۴ : فقر اور زہد

اس بات کو ایک بار پھر سمجھ لو کہ مسلمانی کے باب میں چار فصلیں بیان کی گئی ہیں جن پر دین کا مدار ہے۔ ایک تو نفس دوسرے حق تعالیٰ تیسرے دُنیا اور چوتھی آخرت۔ ان میں دو ترک کرنے کے قابل ہیں اور دو طلب کے قابل۔ یعنی اللہ کے لیے اپنے نفس سے دستبردار ہونا اور دُنیا کو آخرت کے لیے ترک کرنا۔ انسان کو اپنی خودی ترک کر کے اللہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اور دُنیا کو لات مار کر اس سے قطع تعلق کر لینا ضروری ہے خوف' صبر اور توبہ اس کے مقدمات ہیں جبکہ دُنیا کی محبت باعث ہلاکت ہے اور ہم اس کا علاج بھی بیان کر چکے ہیں اور دُنیا سے عداوت اور اس سے قطع تعلق باعث نجات ہے جس کی اب فضیلت بیان کی جائے گی فقر و زہد اسی سے عبارت ہے اس لیے پہلے فقر و زہد کی حقیقت پہچاننا ضروری ہے۔

فقر و زہد کی حقیقت : فقیر وہ ہے جس کے پاس اپنی ضرورت کی چیز نہ ہو اور نہ ہی وہ اس کے حصول پر قادر ہو۔ آدمی کے لیے پہلے اپنی ہستی مطلوب ہے پھر اپنی بقا پھر مال و غذا اور اسی طرح بہت سی چیزیں درکار ہیں اور ان میں سے کوئی چیز اس کے اختیار میں نہیں یہ ان سب کا حاجت مند ہے اور غنی وہ جو اپنے غیر سے بے نیاز ہو اور وہ حضرت حق کے سوا کوئی نہیں اور جو کچھ جن و انسان' فرشتے اور شیاطین موجود ہیں ان سب کی ہستی اور بقا ان کے سبب سے نہیں حقیقت میں یہ سب فقیر ہیں اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ ﴾ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فقیر کے یہی معانی بیان کیے ہیں اور فرمایا ہے کہ ((اَصْبَحْتُ مُرْتَهِنًا بِعَمَلِي وَالْاَمْرُ بِيَدِ غَيْرِي فَلَا فَقِيْرَ اَفْقَرُ مِنِّيْ یعنی میں اپنے کردار میں گرا ہوں اور میرے کردار کی چابی دوسرے کے ہاتھ میں ہے تو مجھ سے زیادہ محتاج کون ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے بھی یہی معنی بیان فرمائے ہیں اور ارشاد فرمایا :

﴿ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاءُ ﴾ (الانعام)

"اور تیرا پروردگار غنی اور رحمت والا ہے وہ چاہے تو تم سب کو ہلاک کر کے تمھاری جگہ جسے چاہے پیدا کر دے"

اس اعتبار سے سبھی فقیر ہیں لیکن اہل تصوف کے محاورے میں فقیر اس کو کہتے ہیں کہ جو اپنے آپ کو محتاجی کی صفت پر دیکھے اور یہ حالت اس پر غالب رہے کہ اسے احساس ہو کہ میرے پاس کچھ نہیں اور دونوں جہانوں کی کسی بھی چیز پر میرا عمل دخل نہیں اور احمق لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ آدمی فقیر اس وقت ہوتا ہے جب کچھ بھی عبادت نہ کرے اس لیے کہ جب تک عبادت کرے گا اور اس کا ثواب اپنے لیے جمع کرے گا تو اس کے لیے سرمایہ محفوظ ہو جائے گا اور پھر وہ فقیر نہیں رہے گا۔ یہ کہنا الحاد اور زندیقیت کا بیج ہے جو شیطان نے ایسے لوگوں کے دل میں بو دیا ہے اور جو احمق عقلمندی کا دعویٰ کرتے ہیں انھیں اسی طرح شیطان راہ سے بہکا دیتا ہے کیونکہ الفاظ تو بظاہر اچھے ہوتے ہیں لیکن شیطان بُرے معنی پہنا دیتا ہے تاکہ احمق لوگ اس کے سبب دھوکہ کھائیں۔ یہی معنی سمجھنا زیرکی عقلمندی ہے یہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ جس کے پاس اللہ ہے اس کے پاس سب کچھ ہے انسان کو چاہیے کہ اللہ کو چھوڑ دے تاکہ اس پر فقیر کا اطلاق ہو سکے۔ حقیقی معنوں میں فقیر وہ ہے جو عبادت و بندگی میں مشغول ہے۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ

طاعت و بندگی بھی میرے مِلک میں نہیں اور میں مرہونِ اطاعت ہوں الغرض صوفیا جسے فقیر کہتے ہیں نہ تو اس کا یہاں بیان مقصود ہے اور نہ ہی سب چیزوں میں آدمی کے فقر کو بیان کرنے کا ارادہ ہے بلکہ جو مال کی رو سے فقیر ہوتا ہے اس کا یہاں بیان ہو گا۔ مختلف النوع حاجات جو انسان کو چمٹی رہتی ہیں وہ سب فقر کی مد میں آتی ہیں ان میں سے ایک مال ہے۔

مال یا تو اس وجہ سے نہیں ہوتا کہ آدمی بالقصد اس سے دستبردار ہو جائے یا مال ہاتھ میں نہ آئے جو قصداً دستبردار ہو جائے اسے زاہد کہتے ہیں اور جس کے ہاتھ نہ آئے وہ فقیر ہے۔ فقیر کی تین حالتیں ہیں ایک تو یہ مال نہ رکھتا ہو مگر تلاش میں کمی نہیں کرتا اسے فقیر حریص کہتے ہیں دوسرا درجہ یہ ہے کہ تلاش نہ کرے اور اگر اسے دیں تو نہ لے اور مال سے نفرت کرے یہ زاہد ہے تیسرا درجہ یہ ہے کہ نہ تو تلاش میں کد کرے نہ آتے ہوئے مال کو رد کرے دیں تو لے لے نہ دیں تو بھی خوش رہے اسے فقیر قانع کہتے ہیں۔ پہلے فقر کی فضیلت بیان ہو گی پھر زہد کی۔ اس لیے کہ اگرچہ آدمی مال کا حریص ہو مگر مال نہ ہونے میں بھی فضیلت ہے۔

احتیاج کی فضیلت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِيْنَ ﴾ اس میں احتیاج کو ہجرت پر مقدم رکھا گیا ہے اور حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو درویش کثیر العیال اور متقی ہو وہ اللہ کا محبوب ہوتا ہے اور فرمایا کہ اے بلال تو یہ کوشش کر کہ جب اس دُنیا سے رخصت ہو تو درویشی کے عالم میں نہ کہ تونگری کے عالم میں۔ اور فرمایا کہ میری امت کے محتاج لوگ تونگروں سے پانچ سو برس پہلے جنت میں جائیں گے جب کہ ایک روایت چالیس برس کی ہے۔

جس فقیر کی فضیلت بیان کی گئی ہے اس سے مراد حریص فقیر ہے وہ جو فقر میں خوش اور راضی ہو اور فرمایا کہ میری امت کے فقیر لوگ سب سے بہتر ہیں اور ضعیف لوگ سب سے پہلے جنت میں پھرنے لگیں گے اور فرمایا کہ میرے دو پیشے ہیں ایک تو درویشی دوسرے جہاد جو ان کو عزیز رکھے گا اُس نے گویا مجھے دوست رکھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور علیہ السلام سے کہا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ سلام فرماتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ آپ کی کیا خواہش ہے کیا روئے زمین کے پہاڑ سونے کے کر دوں کہ جہاں آپ چاہیں وہاں موجود ہوں۔ فرمایا نہیں کیونکہ دُنیا بے گھروں کا گھر ہے اور مال مفلسوں کا۔ دُنیا میں مال جمع کرنا بے عقل لوگوں کا کام ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا کہ اے محمد يُثَبِّتُ اللّٰهُ بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ کہ اللہ آپ کو اس قول پر ثابت رکھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک سونے والے آدمی کے پاس سے گزرے اور فرمایا اُٹھو اللہ کو یاد کرو اُس نے کہا آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں میں نے تو دُنیا کو دُنیاداروں کے واسطے چھوڑ دیا ہے۔ آپؑ نے فرمایا اے دوست پھر خوب سو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک شخص کے پاس سے گزرے وہ مٹی پر سو رہا تھا سر کے نیچے اینٹ تھی اور ایک گدڑی کے سوا اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اللہ تیرا یہ بندہ بے چارہ کچھ بھی تو نہیں رکھتا۔ وحی آئی کہ اے موسیٰ تم نہیں جانتے میں جس کی طرف خوب متوجہ ہوتا ہوں اسے دُنیا سے باز رکھتا ہوں۔ حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جناب رسول کریم علیہ السلام کے پاس ایک مہمان آیا اُس وقت آپؐ کے پاس کچھ نہ تھا مجھے فرمایا کہ فلاں یہودی کے پاس جاکر تھوڑا سا آٹا بطور قرض لاؤ۔ میں نے جا کر یہودی سے کہا تو اُس نے قسم کھائی کہ

میں نہیں دوں گا۔ میں نے آپؐ سے عرض کیا تو آپؐ نے قسم کھا کر فرمایا کہ میں آسمان میں امین ہوں تو زمین میں بھی امین ہوں وہ یہودی اگر قرض دیتا تو میں ادا کر دیتا اب میری یہ زرہ لے جا اور اسے گروی رکھ کر لے آ۔ میں وہ لے کر گیا تب آپ کی طمانیت قلب کے لیے یہ آیت نازل ہوئی :

﴿ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ﴾ (طٰہٰ)

حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ جب تجھے فقر و درویشی سے دوچار ہونا پڑے تو کہہ مرحبا اے شعارِ صالحین۔ حضرت نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے جنت دکھائی گئی اس میں اکثریت اہل احتیاج کی تھی اور دوزخ دکھائی گئی اس میں اکثر تونگر و مالدار تھے اور فرمایا کہ میں نے جنت میں بہت کم عورتوں کو دیکھا تو پوچھا کہ وہ کہاں ہیں پتہ چلا کہ شَغَلَهُنَّ الْأَحْمَرَانِ الذَّهَبُ وَالزَّعْفَرَانُ یعنی زیور اور رنگین کپڑوں نے انھیں مشغول کر رکھا ہے۔ روایت ہے کہ ایک دریا کے کنارے ایک پیغمبر کا گزر ہوا دیکھا کہ ایک ماہی گیر نے اللہ کا نام لے کر جال پھینکا ایک مچھلی بھی نہ پھنسی دوسرے ماہی گیر نے شیطان کا نام لے کر جال ڈالا تو خوب مچھلیاں پھنسیں۔ اللہ کے رسول نے عرض کیا اے اللہ یہ ہے تو سب تیرے حکم سے۔ اس کی مصلحت کیا ہے اللہ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ ان دونوں کی جنت اور جہنم میں جگہ اس رسول کو دکھا دو۔ جب جگہ دیکھی تو عرض کیا کہ اے اللہ میں راضی ہوں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام میں سے تونگری کے سبب جو جنت میں سب سے بعد میں جائیں گے وہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام ہیں اور میرے صحابہ میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے کہ تونگر بہت دشواری سے جنت میں جائے گا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے کو دوست رکھتا ہے تو اسے مبتلائے آفات کر دیتا ہے اور محبت کاملہ کرتا ہے تو اقتنا کرتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کی حقیقت پوچھی تو فرمایا کہ اس بندے کا مال باقی رہے نہ اہل و عیال۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے اللہ مخلوق میں تیرے دوست کون سے لوگ ہیں کہ میں بھی انھیں دوست رکھوں۔ فرمایا فقیر۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت کے دن جب اللہ کے حضور درویش کو لایا جائے گا تو جس طرح ایک آدمی دوسرے آدمی سے عذر بیان کرتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ میں نے جو دُنیا کو تجھ سے دُور دُور رکھا تو یہ تیری ذلت و خواری کے سبب نہ تھا بلکہ اس کا سبب یہ تھا کہ تو خلعت فاخرہ اور بزرگیاں میرے دربار سے پائے تو مخلوق کی ان صفوں میں چلا جا اور جس نے میری وجہ سے تجھے کسی دن کھانا یا کپڑا دیا ہو اس کا ہاتھ پکڑ لے کہ میں نے اُسے تیرے سپرد کر دیا اس دن مخلوق پسینے میں غرق ہو گی وہ صفوں میں گھس جائے گا اور جس نے اس کے ساتھ نیکی کی ہو گی اس کا ہاتھ پکڑ کر نکال لائے گا اور فرمایا ہے کہ تم فقرا کے ساتھ دوستی رکھو اور ان کے ساتھ احسان کرو۔ اس لیے کہ راستہ میں ان کے لیے دولت مہیا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے دولت کی تفصیل پوچھی تو فرمایا کہ دولت یہ ہے کہ قیامت کے دن فقراء کو حکم ہو گا کہ جس نے تمھیں روٹی کا ایک ٹکڑا یا گھونٹ بھر پانی دیا ہو اس کا ہاتھ پکڑ کر جنت میں لے جاؤ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ مخلوق جب دُنیا جمع کرنے اور عمارات بنانے میں مصروف ہو گی

اور فقراء کو دشمن جانے گی تب اللہ تعالیٰ اسے چار مصیبتوں میں مبتلا کرے گا قحط زیاں' جورِ سلطان' قاضیوں کی خیانت' کافروں اور دین دشمنوں کی قوت و شوکت۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ وہ شخص ملعون ہے جو فقرو محتاجی کے سبب کسی کو ذلیل و خوار سمجھے اور تونگری کے سبب کسی کو ممتاز و معزز خیال کرے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ تونگر لوگ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس سے زیادہ کہیں ذلیل و خوار نہ ہوتے کیونکہ وہ انھیں پچھلی صف میں بٹھاتے اور محتاجوں کو اپنے قریب بٹھاتے۔ لقمان حکیم نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا کہ یاد رکھنا جو کوئی پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہو اسے فقیر نہ جاننا اس لیے کہ تیرا اور اس کا خدا ایک ہی ہے حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ آدمی اگر دوزخ سے اس طرح ڈرتا جس طرح محتاجی سے ڈرتا ہے تو دونوں سے بے خوف ہو جاتا اور جنت کو اس طرح تلاش کرتا جس طرح دُنیا کو تلاش کرتا ہے تو دونوں کو پالیتا۔ اور اگر دِل میں اللہ سے اس طرح ڈرتا جس طرح ظاہری طور پر مخلوق سے ڈرتا ہے تو دونوں جہان میں نیک بخت ہو جاتا۔ حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک شخص دس ہزار درہم لایا آپ نے قبول نہ کیے اس نے بہت خوشامد کی تو فرمایا کہ تم چاہتے ہو کہ میں اتنا مال لے کر اپنا نام فقراء کی فہرست سے نکلوا دوں۔ میں ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔ حضور علیہ السلام نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اگر تم قیامت میں میری رفاقت چاہتی ہو تو دُنیا میں فقیرانہ بسر کرو اور امراء کے ساتھ مل بیٹھنے سے اِحتراز کرو اور جب تک پیوند نہ لگالو اس وقت تک کپڑا نہ اتارو۔

قانع درویش کی فضیلت :

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ شخص نیک بخت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اسلام کی ہدایت فرمائی اور بقدرِ کفایت مال عنایت کیا اور اُس نے اس پر قناعت کی اور فرمایا کہ اے گروہ فقراء تم محتاجی پر بہ طمانیت قلب راضی رہو تاکہ تمھیں اس کا ثواب بھی حاصل ہو ورنہ ثواب سے محروم ہو جاؤ گے یہ اس طرف اشارہ ہے کہ حریص فقیر کو ثواب نہیں ملے گا مگر دوسری حدیثوں میں صراحت موجود ہے کہ حریص فقیر کو بھی ثواب ملے گا اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ فقیر سب بندوں سے زیادہ اللہ کا دوست ہے جو اتنی مقدار پر قانع ہو جتنی اس کے پاس ہے اور اللہ جو روزی اسے عنایت فرماتے ہیں اس میں خوش اور راضی رہے۔ اور فرمایا کہ ہر چیز کی ایک کنجی ہے صابر فقراء کی محبت جنت کی کلید ہے اس لیے کہ یہ لوگ قیامت کے دن اللہ کے ہم نشین ہوں گے اور فرمایا کہ قیامت کے دن کوئی امیر و فقیر ایسا نہ ہو گا جو یہ آرزو نہ کرتا ہو کہ دُنیا میں ضرورت کی مقدار سے زیادہ ہم نہ پاتے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اے اسماعیل مجھے شکستہ دلوں کے پاس ڈھونڈو۔ عرض کیا کہ اے اللہ وہ کون لوگ ہیں فرمایا فقراءِ صادق۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میرے خاص مقبول بندے کہاں ہیں فرشتے عرض کریں گے کہ اے اللہ وہ کون لوگ ہیں ارشاد ہو گا کہ وہ مسلمان فقیر جو میری عطا پر راضی تھے سب کو جنت میں لے جاؤ وہ سب جنت میں چلے جائیں گے اور ابھی تک تمام مخلوق حساب میں مشغول ہو گی۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جو شخص دُنیا زیادہ ہونے پر خوش ہوا اور عمر جو ہمیشہ کم ہوتی جاتی ہے اس کے سبب سے غم زدہ نہ ہو اس کی عقل میں فتور ہے سبحان اللہ اس بات میں کیا بھلائی ہو گی کہ دُنیا تو زیادہ ہو اور عمر کم ہوتی جاتی ہو۔ حضرت عامر بن عبد قیس کی طرف ایک شخص گزرا وہ روٹی ساگ کھا رہے تھے کہنے لگا کہ اے عامر تم نے اتنی سی دُنیا پر قناعت کرلی۔ جواب دیا کہ میں ایسے آدمیوں کو جانتا ہوں جنھوں نے اس سے بھی بدتر اور کم تر پر قناعت کی ہو گی۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ

ایک دن لوگوں سے بیٹھے باتیں کر رہے تھے ان کی اہلیہ آئیں اور کہا تم یہاں بیٹھے ہو بخدا گھر میں کچھ نہیں انھوں نے کہا بھلی عورت مجھے ایک سخت گھاٹی درپیش ہے اس سے وہی پار ہو گا جو سبکسار ہو گا وہ نیک بخت خوش ہو کر چلی گئی۔

فصل: اس معاملہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا صابر درویش بہتر ہے یا شاکر تونگر؟ صحیح بات یہ ہے کہ صابر درویش بہتر ہے۔ یہ جو احادیث ہم نے بیان کی ہیں یہ سب اس بات کی دلیل ہیں لیکن اگر تم اس کا بھید معلوم کرنا چاہو تو حقیقت یہ ہے کہ جو چیز بندے کو اللہ کی یاد اور محبّت سے باز رکھے وہ بہرحال بری ہے کوئی ایسا ہوتا ہے کہ اسے درویشی باز رکھتی ہے اور کوئی ایسا ہوتا ہے جسے تونگری باز رکھتی ہے تفصیل اس کی یہ ہے کہ بقدرِ کفایت ہونا نہ ہونے سے بہتر ہے کیونکہ اتنی مقدار دُنیا نہیں بلکہ زادِ آخرت ہے اس لیے کہ حضور علیہ السلام کی دُعا ہے کہ اے اللہ محمّد کے گھرانے کو بقدرِ کفایت عطا فرما اور بقدرِ کفایت سے زیادہ ہو اس کا نہ ہونا ہونے سے اَولیٰ ہے یہ بات جب ہے کہ حرص و قناعت میں دونوں کا حال یکساں ہو اس لیے کہ حریص فقیر ہو یا امیر دونوں کا دِل مال میں اٹکا ہوتا ہے مگر فقیر کی بشری صفات ٹوٹ جاتی ہیں اور جو رنج دیکھتا ہے تو دُنیا سے متنفر ہو جاتا ہے اور مسلمان کی دوستی دُنیا سے جتنی کم ہوتی جاتی ہے اسی قدر اللہ کی محبّت بڑھتی جاتی ہے جب دُنیا اس کا قید خانہ ہے تو گو کہ وہ اس بات سے متنفر ہے مگر مرتے دم تک اس کا دِل دُنیا کی طرف بہت کم التفات کرے گا اور امیر آدمی دُنیا سے اُنس و محبّت پیدا کر لیتا ہے اس لیے مرتے وقت اس کا ترک خاصا دشوار ہو جاتا ہے تو ان دونوں دلوں میں بڑا فرق ہے بلکہ عبادت اور مناجات میں بھی ایسا ہی فرق ہے اس لیے کہ مناجات اور عبادت میں فقیر جو لذت پاتا ہے امیر ہرگز نہیں پاتا۔ امیر کا ذکر فقط زُبان کی نوک اور دِل کے ظاہر سے ہوتا ہے جب تک دِل زخمی اور کوفتہ نہ ہو اور آتشِ رنج و اندوہ سے سوختہ نہ ہو تب تک لذتِ ذکر اس کے اندر نہیں آتی اسی طرح اگر قناعت میں فقیر اور امیر دونوں برابر ہوں تو بھی فقیر امیر سے افضل ہے لیکن اگر فقیر حریص ہے اور امیر شاکر و قانع ہے کہ اگر مال ضائع ہو جائے تو رنج نہیں ہوتا اور اس کا دِل شکر و قناعت کے سبب پاکیزگی و طہارت حاصل کرتا ہے اور دُنیا کی راحت و محبّت میں آلودہ نہیں ہوتا اور حریص فقیر کا دِل حرص میں آلودہ رہتا ہے مگر صدمہ اور رنج و اندوہ کے باعث طہارت حاصل کرتا ہے تو یہ دونوں آپس میں قریب قریب ہیں اور حقیقت میں اللہ سے ہر ایک کی دُوری و نزدیکی دُنیا سے نفرت و محبّت کے انداز سے ہوتی ہے لیکن اگر امیر ایسا ہو کہ اس کے نزدیک مال کا ہونا نہ ہونا یکساں ہو اور مال سے فارغ البال ہے اور جو کچھ رکھتا ہو اس سے غرض اللہ کی مخلوق کی خدمت ہو جیسا کہ اُم المؤمنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا حال تھا کہ ایک دن لاکھ درہم خرچ کر دیئے اور اپنے لیے ایک درم کا گوشت بھی مول نہ لیا کہ اس سے روزہ افطار کر لیتیں یہ درجہ اس فقیر کے درجہ سے جس کا دِل اس صفت پر نہ ہو بہت بلند ہے مگر دونوں کے احوال برابر ہوں تو فقیر افضل ہے اس لیے کہ امیروں کا بہت بہتر کام یہی ہے کہ صدقہ و خیرات کریں اور حدیث میں ہے کہ فقراء نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں گلہ کر بھیجا کہ دین و دُنیا کی نیکی تو امراء نے لوٹ لی کہ وہ صدقہ و زکوٰۃ اور حج و جہاد سبھی کام کرتے ہیں جبکہ ہم ایسا نہیں کرتے تو آپؐ نے فقراء کے نمائندے کو سرفراز فرمایا اور ارشاد کیا ((مَرْحَبًا بِكَ وَلِمَنْ جِئْتَ عِنْدَهُمْ)) تو ایسے لوگوں کے پاس سے آیا ہے کہ میں انھیں دوست رکھتا ہوں تو ان سے کہہ دے کہ جس نے اللہ کے لیے فقر پر صبر کیا اس کے لیے تین درجے ہیں جن سے امراء محروم ہیں ایک تو یہ کہ جنت میں روزن ہوں گے جو اَہل

جنت کو یوں معلوم ہوں گے جیسے دُنیا میں ستارے اور یہ جگہ یا تو فقیر نبی کو ملے گی یا فقیر مسلمان کو یا فقیر شہید کو۔

دوسرا یہ کہ فقراء امراء سے پانچ سو برس پہلے جنت میں چلے جائیں گے۔ تیسرا یہ کہ جب کوئی فقیر ایک بار سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ کہتا ہے اور امیر بھی کہتا ہے تو امیر فقیر کے درجے کو نہیں پہنچتا اگرچہ وہ اس کہنے کے ساتھ دس ہزار درہم صدقہ بھی دے۔ فقیروں نے یہ سن کر کہا رَضِیْنَا رَضِیْنَا۔ حضور علیہ السلام نے یہ اس لیے فرمایا کہ ذکر ایسا بیج ہے کہ بندہ کے دِل کو جب دُنیا سے فارغ اندوہگین اور شکستہ پاتا ہے تو اس میں بڑا اثر کرتا ہے اور امیر کا دل جو دُنیا سے خوش ہوتا ہے اس سے اُچھل جاتا ہے جیسے سخت پتھر سے پانی کی چھینٹیں اُڑ جاتی ہیں پس جب ہر ایک کا درجہ اللہ تعالیٰ کے قرب اور اس کے ذکر کے ساتھ محبت اور مشغولیت کی مقدار پر ہے اور وہ مشغولیت اسی قدر ہوتی ہو جس قدر دوسری چیز کی محبت سے فارغ البالی ہو اور امیر کا دِل دُنیا کی محبت سے فارغ نہیں ہوتا تو فقیر اور امیر کیسے برابر ہوں گے مگر ممکن ہے کہ امیر اپنی طرف گمان کرے کہ میرے پاس مال ہے اور مال سے فارغ البالی ہوتی ہے اس طرح کا دھوکہ ہوتا ہے لیکن اس کے سچا ہونے کی علامت وہی ہے جس کا مظاہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا کہ ایک لاکھ درہم کو مٹی سمجھ کر خرچ کر ڈالا۔ اور اگر دُنیا سے فارغ البال رہ کر مال جمع کرنا ممکن ہوتا تو حضور علیہ السلام اس سے اتنا اِحتراز کیوں فرماتے۔ اور دوسروں کو اِحتراز کا حکم کیونکر دیتے حتیٰ کہ جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دُنیا نظر آئی تھی اور اپنے آپ کو پیش کرنے لگی تھی تو آپؐ نے فرمایا میرے پاس سے دُور رہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم دینداروں کے مال کی طرف نہ دیکھو کہ اس کا پَرتو حلاوتِ ایمان کو ضائع کر دیتا ہے یہ اس لیے فرمایا کہ وہ حلاوت دِل میں پیدا ہوتی ہے اور حلاوت ذکر کو زحمت پہنچاتی ہے اس لیے کہ دو حلاوتیں ایک دِل میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ اور عالمِ وجود میں دو ہی چیزیں ہیں ایک حق ایک غیر حق۔ غیر حق میں دِل جتنا اٹکے گا اسی قدر حق سے دُوری ہو گی اور جس قدر غیر حق سے دُوری ہو گی اتنے ہی قرابت حق کے مزے نصیب ہوں گے ؎

غیر حق رامیدہی رہ در حریم دِل چرا
میکشی بر صفحہ ہستی خط باطل چرا

حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ فقیر ایک سرد آہ جو کھینچتا ہے ایسی چیز سے متعلق جس سے وہ عاجز ہے تو یہ تونگر کی ہزار برس کی عبادت سے افضل ہے۔ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے کہا کہ میں عیال دار بھی ہوں اور نادار بھی۔ میرے لیے دُعا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ جب تیرے گھر والے کھانا پانی مانگیں اور تو اُس کے حصول سے عاجز ہو اور اَہل و عیال کا درد تیرے دِل میں ہو اس وقت تو میری خاطر دُعا کرنا اس لیے کہ اُس وقت کی تیری دُعا میری دُعا سے افضل ہے۔

احتیاج کی حالت میں درویشی کے آداب :

باطنی رضا اور ظاہری طور پر گلہ نہ کرنا درویشی کے آداب میں شامل ہے اور درویش کی باطنی حالتیں تین ہیں ایک تو یہ کہ اس حالت میں خوش اور شاکر رہے اس لیے کہ یہ حالت اللہ تعالیٰ کی سچی عنایت ہے جو وہ اپنے مخصوص دوستوں کو عطا فرماتا ہے دوسری یہ کہ خوش نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے فعل سے ناخوش بھی نہ ہو گو کہ درویشی بری معلوم ہو جیسے کوئی شخص پچھنے لگواتا

ہے تو اس کا درد تو معلوم ہوتا ہے لیکن اس فعل سے ناخوش نہیں ہوتا۔ تیسری حالت یہ ہے کہ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ سے ناراض ہو۔ یہ امر حرام ہے اور فقر کے ثواب کو کھو دیتا ہے بلکہ انسان کو ہروقت یہی عقیدہ رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ وہی کرتا ہے جو کرنا چاہیے اور کسی کو اس کے فعل سے کراہت اور انکار کرنا مناسب نہیں اور ظاہری طور پر گلہ بھی نامناسب ہے صبر و تحمل سے کام لینا ضروری ہے۔ امیرالمؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ درویشی کبھی عذاب کا سبب ہوتی ہے۔ بدخوئی اور شکایت اور قضائے الٰہی پر جھنجلانا اور خفا ہونا اس کی علامت ہے اور کبھی سعادت کا سبب ہوتی ہے نیک خوئی گلہ نہ کرنا اور شکر بجالانا اس کی علامت ہے۔ حدیث میں ہے کہ اپنی محتاجی اور درویشی کو پوشیدہ رکھنا ایک بھرا ہوا خزانہ ہے اور اس کے آداب یہ ہیں کہ صاحب دولت لوگوں سے اختلاط اور فروتنی نہ کرے اور ان کے حق میں چکنی چپڑی باتیں نہ کرے۔ حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فقیر جب امیر کے گرد رہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ ریاکار ہے اور بادشاہ کے اِردگرد ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ چور ہے۔ دوسرا ادب یہ ہے کہ بعض اوقات جو ہو سکے اپنا خرچ کر کے صدقہ دے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ کبھی ایک درم لاکھ درم پر سبقت لے جاتا ہے لوگوں نے اس کا محل پوچھا تو فرمایا کہ جو شخص محض دو درہم رکھتا ہو اور ایک دے دے تو یہ اس سے افضل ہے کہ آدمی کے پاس بکثرت مال ہو اور وہ لاکھ درہم دے دے۔

کسی کی عطا کیسے لی جائے؟ :

مشتبہ چیز نہ لینی چاہیے اور جو اپنی حاجت سے زائد ہو وہ بھی نہ لے ہاں فقراء کی خدمت کرتا ہو تو کوئی حرج نہیں بلکہ اپنی ضرورت سے زائد علانیہ طور پر لینا اور خفیہ طریقوں سے فقیروں کو دے دینا صدیقین کا کام ہے اور جو شخص اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو وہ گریز کرے تاکہ صاحب مال خود مستحق لوگوں تک پہنچا دے ہاں دینے والے کی نیت دریافت کر لینا بہت ضروری ہے یا ہدیہ کی نیت ہوگی یا صدقہ کی یا ریا کی۔ ہدیہ قبول کرنا سنت ہے بشرطیکہ احسان سے خالی ہو اور اگر محسوس کرے کہ تھوڑی چیز میں احسان ہے اور تھوڑی میں نہیں تو جس مقدار میں احسان نہ ہو وہ لے لے۔ حضور علیہ السلام کی خدمت میں ایک صاحب گھی پنیر اور بکرا لے آئے آپؐ نے بکرا لوٹا دیا۔ باقی چیزیں رکھ لیں۔ حضرت فتح موصلی قدس سرہٗ کے پاس ایک شخص پچاس درہم لایا اور کہا کہ حدیث میں ہے کہ بغیر سوال جسے کچھ ملے وہ رَد کر دے تو یہ اللہ کی نعمت کا رد ہے آپ نے ایک درہم اُٹھا لیا اور باقی لوٹا دیئے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی حدیث روایت کی مگر ایک دن ایک شخص سونا چاندی سے بھری ہوئی تھیلی اور عمدہ کپڑے لایا تو آپ نے قبول نہ کیے اور فرمایا کہ جو شخص مجلس رکھتا ہو اور لوگوں سے کچھ لے وہ قیامت کے دن اللہ کو دیکھے گا اور اللہ تعالیٰ کے پاس اس کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔ حضرت حسن بصری کے لوٹانے کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ انھیں مجلس سے ثوابِ آخرت مقصود ہوگا اور آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ اس کا یہ عطیہ مجلس کے سبب سے ہے۔ ایک شخص نے اپنے کسی دوست کو کوئی چیز دی اُس نے کہا ٹھہر جا۔ دیکھ اگر تو قبول کرنے سے تیرے دل میں میری قدر بڑھتی ہے تو میں قبول کر لوں۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کسی سے کچھ نہ لیتے اور فرماتے کہ اگر میں جانتا کہ تو زبان پر اس بات کو نہیں لائے گا اور احسان نہیں جتائے گا تو میں لے لیتا۔ ایک اور بزرگ تھے جو خاص دوستوں سے تو لے لیتے باقی سے نہیں۔ سبھی بزرگ احسان سے اِحتراز کرتے۔ حضرت بشر حافی قدس سرہٗ کہتے ہیں کہ میں نے کسی سے سوال نہیں کیا مگر سری

سقطی سے کہ اُن کا زہد میں جانتا تھا کہ وہ اس بات سے خوش ہوتے ہیں کہ کوئی چیز ان کے ہاتھ سے نکل جائے۔ لیکن اگر کوئی ریا کی نیت سے دے تو بالکل نہ لے۔ ایک بزرگ نے کوئی چیز لوٹا دی لوگوں نے اُن پر غصہ کیا۔ آپ نے کہا کہ میں نے احسان کیا اس لیے کہ وہ دے کر ڈھنڈورہ پیٹتے نتیجہ یہ ہوتا کہ مال بھی جاتا اور ثواب بھی جاتا اور اگر صدقہ کی نیت سے دے تو لینے والا مستحق ہو تو لے ورنہ نہیں۔ حدیث میں ہے کہ جسے بغیر سوال لوگوں نے دیا وہ اللہ کا رزق ہے۔ بزرگوں نے کہا کہ لوگ جس کی خدمت کریں اور وہ قبول نہ کرے تو ایسا شخص اس مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ پھر خدمت چاہتا ہے لیکن نہیں ہوتی۔ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے ہمیشہ کچھ بھیجتے لیکن وہ نہ لیتے۔ آپ فرماتے احمد رَد کرنے کی آفت سے بچو ایک بار امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا پھر کہو انھوں نے پھر وہی الفاظ دہرائے تو سوچ کر کہنے لگے کہ اچھا اسے رکھ دو میرے پاس فی الحال ایک ماہ کا خرچ ہے وہ نمٹ جائے تو لے لوں گا۔

بلا ضرورت سوال کا حرام ہونا: سوال منجملہ فواحش کے ہے اور فواحش بلا ضرورت حلال نہیں ہوتے۔ سوال منجملہ فواحش اس وجہ سے ہے کہ اس میں تین بُرائیاں ہیں ایک تو یہ کہ افلاس کا بیان اللہ تعالیٰ کی شکایت ہے کیونکہ غلام کا غیر سے مانگنا اپنے آقا پر طعن کرنا ہے اس کا کفارہ یہی ہے کہ بلا ضرورت اور بطور شکایت کوئی بات نہ کہے۔ دوسری بُرائی اپنے آپ کو ذلیل کرنا ہے اور مُسلمان پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی کے سامنے اپنے آپ کو ذلیل نہ کرے۔ ذلت سے بچنے کی یہی صورت ہے کہ جب تک ہو سکے کسی دوست عزیز، فراخ دل اور ایسے شخص سے سوال کرے جو اسے چشمِ حقارت سے نہ دیکھے اور اس کے سامنے ذلیل نہ ہو اگر ایسا ممکن نہ ہو تو بلا ضرورتِ شدید کسی سے سوال نہ کرے۔ تیسری بُرائی یہ ہے کہ اس میں دوسرے کو رنج دینا ہے کیونکہ جس سے سوال کیا ہے ممکن ہے وہ بخوفِ شرم و ملامت کچھ دے یا بطور ریا دے اگر یونہی دے دے گا تو ملول رہے گا نہ دے گا تو شرم و ملامت کا رنج اُٹھانا پڑے گا اس سے بچنے کی یہی صورت ہے کہ بات صراحتاً نہ کہے کنایتاً کہے ایسا انداز اختیار کرے کہ اگلا تجاہل عارفانہ سے کام لینا چاہے تو لے سکے اور صراحتاً بات کہنی ہو تو ایک شخص کا تعین نہ کرے بلکہ سبھی سے کہے لیکن اگر وہاں صاحب ثروت ایک ہی ہے اور سبھی کی اس پر نظر ہے اور وہ نہ دے گا تو سبھی ملامت کریں گے تو یہ بھی یقین کی مانند ہے اور اگر مستحق زکوٰۃ کے لیے اس شخص سے کہے گا جس پر زکوٰۃ واجب ہے تو یہ بات درست ہے گو کہ اسے رنج پہنچے۔ اور اگر خود مستحق زکوٰۃ ہے تو بھی کہنا درست ہے اور اگر کوئی خوفِ ملامت یا شرم سے دے تو یہ حرام ہے کیونکہ ایسا کرنا زبردستی کے مترادف ہے۔ اور ظاہری فتویٰ میں محض زُبان کا اعتبار ہوتا ہے اور یہ فتویٰ اس دُنیا میں کام آتا ہے اس لیے کہ دُنیا کے بادشاہوں کا قانون ہے اور اس جہان میں دِل کے فتویٰ پر اعتماد ہو گا جب دل گواہی دیتا ہے کہ یہ شخص کراہت سے مال دیتا ہے تو اس کا لینا حرام ہے۔ اس تمام گفتگو سے معلوم ہوا کہ یہ سوال حرام ہے مگر ضرورتِ کے وقت جائز ہے لیکن شان و شوکت بڑھانے، اچھا کپڑا یا اچھا کھانا کھانے کے لیے سوال کی اجازت نہیں جو عاجز ہو نہ کوئی چیز رکھتا ہو نہ کچھ کر سکتا ہو یا کچھ کر سکتا ہو لیکن طلب عِلم میں مشغول ہو کہ کمائی کرے گا تو طلب عِلم سے محروم رہے گا۔ لیکن اگر عبادت میں مشغول ہو تو سوال نہ کرے بلکہ کمائی کرے اور اگر ضرورت مند ہے لیکن اس کے پاس ایسی کتاب ہے جس کی ضرورت نہیں یا کوئی کپڑا وغیرہ ضرورت سے زائد رکھتا ہے تو ایسا شخص سوال نہیں کر سکتا

پہلے ان چیزوں کو بیچ کر کھا لے۔ اس طرح اپنے آپ کو یا اپنے اہل و عیال کو مرفہ الحال رکھنے کی غرض سے سوال حرام ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس کے پاس کچھ ہو اور وہ سوال کرے تو وہ قیامت کے دن اس شکل میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر ہڈیاں ہی ہڈیاں ہوں گی' گوشت نہ ہو گا اور فرمایا کہ جو شخص کچھ رکھنے کے باوجود مانگے تو وہ جو لیتا ہے وہ دوزخ کی آگ ہے کم ہو یا زیادہ۔ حضور علیہ السلام سے لوگوں نے پوچھا کہ کس قدر مال رکھتا ہو تو سوال نہ کرنا چاہیے۔ آپ نے فرمایا صبح و شام کا کھانا۔ اور ایک روایت میں پچاس درم ہیں جس کا معنی یہ ہے کہ چاندی کے پچاس درم اس کے پاس ہوں کہ یہ ایک سال کے خرچ کو کافی ہیں اور اگر وہ اتنی مقدار میں نہیں رکھتا اور سال میں صدقہ خیرات کا ایک ہی موسم ہو کہ اگر اسے گزار دیا تو پھر مشکل میں مبتلا ہو گا تو اس مقدار کی غرض سے سوال درست ہے اور صبح و شام کا کھانا اس شخص کے حق میں آپ نے فرمایا ہو گا جو ہر روز سوال کر سکتا ہے تو ہر روز اس کے حق میں ایسا ہے جیسا اس کے حق میں سال۔ یہ حکم مدت کی نسبت ہے لیکن جہاں تک جنسی حاجت کا تعلق ہے اس کی فروعات تین ہیں۔ روٹی' کپڑا' مکان۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ دُنیا میں آدمی کا کچھ حق نہیں مگر تین چیزیں: کھانا جو اس کی پشت سیدھی کرنے کا باعث ہو' کپڑا جس سے ستر عورت ہو سکے اور گرمی جاڑے سے بچنے کی غرض سے مکان اور ضروری اثاث البیت بھی اس میں داخل ہے۔ اگر کوئی شخص نمدہ اور رضائی رکھتا ہو تو کمبل وغیرہ کے لیے سوال کی اجازت نہیں اور اگر مٹی کا لوٹا موجود ہو تو دھات کے لوٹے کے لیے سوال مناسب نہیں اور ضرورتیں متفاوت ہیں جو اندازے میں نہیں آ سکتیں اس لیے انسان کو چاہیے کہ جب تک کوئی بڑی حاجت درپیش نہ ہو سوال نہ کرے یہ بری بات ہے۔

فصل: درویش کئی قسم پر مشتمل ہیں بقول حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ درویشوں کی تین قسمیں ہیں۔ ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو نہ مانگیں نہ از خود کسی کے دینے سے لیں۔ یہ فقراء اعلیٰ علیین میں روحانیوں کے ساتھ قیام پذیر ہوں گے۔ دوسری قسم ان کی ہے جو مانگیں تو نہیں لیکن کسی کے دینے سے لے لیں یہ فردوس میں مقربین کے ساتھ ہوں گے تیسرے وہ لوگ ہیں جو مانگیں لیکن بقدرِ ضرورت! ان کا تعلق اصحاب الیمین سے ہے۔ حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے شقیق رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ اپنے شہر میں تم نے فقراء کو کس حال میں چھوڑا۔ انھوں نے جواب دیا کہ بہت اچھے حال میں۔ اگر مل جائے تو شکر کرتے ہیں نہیں تو صبر سے کام لیتے ہیں۔

حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ بلخ کے کتوں کا یہی حال ہے۔ شقیق رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ پھر فقیر آپ کے نزدیک کیسے ہوتے ہیں فرمایا نہ ملے تو شکر کریں مل جائے تو اپنا حرج کر کے دوسروں کو دے دیں۔ شقیق رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابراہیم کے سر پر بوسہ دیا اور کہا کہ حقیقت یہی ہے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ ہاتھ پھیلا کر سوال کر رہے ہیں مجھے تعجب ہوا اور میں نے حضرت جنید قدس سرہٗ سے ذکر کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ تو یہ نہیں سمجھتا کہ انھوں نے مخلوق سے کچھ مانگنے کے بجائے مخلوق کے حق میں دُعائے خیر کے لیے ہاتھ پھیلا رکھے ہوں تاکہ مخلوق کا بھلا ہو اور ان کا کچھ نقصان نہ ہو۔ اس کے بعد حضرت جنید نے ترازو کا حکم دیا سو درم تول کر ایک پیالہ بھرا اور بے حساب اس میں ڈال دیئے اور فرمایا کہ یہ نوری کے پاس لے جاؤ مجھے حیرانی ہوئی کہ تول کا مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ مقدار معلوم ہو پھر مزید ملانے سے کیا فائدہ؟ حضرت ابوالحسن نوری کے پاس لے گیا تو انھوں نے بھی ترازو منگا کر سو درم تول کر

کہا کہ یہ لے جا کر انھیں کو دے دینا اور باقی خود رکھ لیے اور فرمایا کہ جنید دانا انسان ہیں وہ جانتے ہیں کہ دونوں طرف سے اسے بچائے رکھنا ضروری ہے مجھے مزید حیرانی ہوئی اور میں سو درم واپس لایا اور سارا ماجرا بیان کیا۔ حضرت جنید نے فرمایا کہ اللہ غنی ہے جو درم ان کے لیے تھے وہ رکھ لیے باقی لوٹا دیئے میں نے راز معلوم کرنا چاہا تو فرمایا کہ یہ سو درم تو اب آخرت کی غرض سے تھے جبکہ باقی محض اللہ کے لیے جو اللہ کے لیے تھے انھوں نے قبول کر لیے اور جو میں نے اپنے واسطے دیئے تھے وہ لوٹا دیئے۔ اس زمانہ میں ایسے صاف دِل فقیر ہوتے کہ جو بغیر کہے دوسرے کے دِل کی بات معلوم کر لیتے۔ اگر کوئی شخص ایسا ہو تو کم از کم اس درجہ سے تو کم نہ ہو کہ اس بات کی آرزو میں رہے اور اگر یہ بھی نہ ہو تو ان باتوں پر ایمان تو لائے۔

زہد کی حقیقت اور فضیلت کا بیان :

جو شخص گرمی کے وقت ٹھنڈک پہنچانے کے انتظامات اور برف اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے اور اسے اس کی لالچ ہوتی ہے کہ بوقت ضرورت اس سے پانی ٹھنڈا کر کے پیوں گا اور دوسرا آدمی برابر کا سونا دے کر وہ خریدنے کا ارادہ کرے تو وہ شخص ٹھنڈا کر کے اسباب اور وقت لالچ جان کر اپنے جی میں سوچتا ہے کہ اگر آج گرم پانی پی کر صبر کر لوں اور یہ سونا تمام عمر میرے پاس رہے تو برف سے بہتر ہے کیونکہ اسے تو قرار نہیں رات کو پگھل جائے گی تو بہتر چیز یعنی سونے کے مقابلے میں برف کی خواہش نہ رہنے کو زہد کہتے ہیں یعنی انسان کو برف کے بارہ میں زہد حاصل ہو گیا۔ سو دُنیا کے معاملہ میں عارف کا بھی یہی حال ہے کہ وہ دُنیا کو رواں دواں دیکھتا ہے اور محسوس کرتا ہے کہ یہ تو ہمیشہ گھٹتی رہتی ہے اور موت کے وقت اس کا قصہ تمام ہو جاتا ہے اور اس کے مقابلہ میں آخرت کو صاف اور باقی موجود رہنا ہے جو کبھی ختم نہ ہو گی تو آخرت کے مقابلہ میں دُنیا کی اس کی نظر میں حقیر معلوم ہوتی ہیں وہ دُنیا کو آخرت کے بدلے بیچ ڈالتا ہے اور دُنیا ترک کر کے آخرت اختیار کر لیتا ہے کہ آخرت دُنیا سے بہتر ہے اس حالت کو زہد کہتے ہیں بشرطیکہ دُنیا کی مباح چیزوں میں ہو اس لیے کہ ممنوعاتِ شرعیہ سے بچنا تو لوگوں پر فرض ہے اور شرط یہ ہے کہ قدرت رکھنے کے باوجود دُنیا سے دستبردار ہو جائے۔ اگر کوئی شخص دُنیا پر قادر ہی نہ ہو تو اس کا کیا زہد ہو گا؟ ہاں اگر ایسا ہو کہ اسے متاعِ دُنیا دیں تو وہ لے لے یہ بات جب تک آزمائی نہیں جائے گی تب تک معلوم نہ ہو گی اس لیے کہ آدمی کو جب قدرت حاصل ہوتی ہے تو نفس کی اور ہی کیفیت ہو جاتی ہے اور اس نے جو فریب کا رُوپ دھار رکھا ہوتا ہے وہ ختم ہو کر رہ جاتا ہے اس میں شرط یہ ہے کہ مال و جاہ کو ترک کر دے ان کی حفاظت نہ کرے اس لیے کہ اصل زاہد وہی ہے جو دُنیا کی سب لذتوں کو بالائے طاق رکھ دے اور آخرت کی لذت ان کے بدلے اختیار کر لے ایک قسم کی تجارت اور سودا ہے اور اس میں بڑا ہی نفع ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ﴾ (التوبہ) یقیناً اللہ تعالیٰ نے معاملت کر لی ایمان والوں سے ان کی جانوں اور احوال کی جنت کے بدلے پھر ارشاد ہوا ﴿ فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ﴾ کہ تمھیں مبارک ہو وہ تجارت جو تم نے کی۔

یاد رکھو جو شخص سخاوت کے اظہار، طلب اُجرت یا کسی اور سبب سے دُنیا ترک کرتا ہے وہ زاہد نہیں ہوتا اور دُنیا کو آخرت کے عوض بیچنا یہ بھی عارفوں کے نزدیک ضعیف سا زہد ہے بلکہ عارف وہی ہے جو دُنیا کی طرح آخرت سے بھی

سروکار نہ رکھے اس لیے کہ بہشت بھی آنکھ' شرمگاہ اور پیٹ کی شہوت کا حصّہ ہے ان سب کو چشم حقارت سے دیکھنا چاہیے اور وہ اشیاء جن میں شہوت کی رو سے بہائم بھی شریک ہیں ان کی طرف مطلق توجہ نہ کرے اپنی عظمت کا لحاظ کرے اور دُنیا و آخرت میں اصل مطلوب اللہ تعالیٰ کو جانے اسی کی معرفت اور مشاہدے پر قناعت کرے اس کے سوا جو کچھ ہے اسے حقیر جانے۔ یہ عارفوں کا زہد ہے اور یہ درست ہے کہ یہ عارف مال سے گریز اور عذر نہ کرے بلکہ لے کر صحیح جگہ خرچ کر دے اور مستحق لوگوں میں بانٹ دے جیسے حضرت امیرالمومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہ تمام روئے زمین کا مال ان کے ہاتھ میں تھا لیکن وہ فارغ البال تھے بلکہ حضرت اُم المومنین سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہ ایک دن میں انھوں نے ایک لاکھ درم خرچ کر دیئے اور اپنے واسطے ایک درم کا گوشت تک نہ خریدا پس جہاں تک عارف کا تعلق ہے اس کے ہاتھ میں لاکھ درم ہوں تو بھی وہ زاہد ہے اور بعض ایسے لوگ ہوتے ہیں کہ فی الواقع ایک درم بھی ان کے پاس نہیں ہوتا لیکن وہ پھر بھی زاہد نہیں ہوتے کمال اس میں ہے کہ دُنیا سے دِل ٹوٹ جائے نہ اس کی تلاش ہو نہ اس سے بھاگے نہ اس سے جنگ ہو نہ صلح نہ اسے دوست رکھے نہ دشمن۔ اس لیے کہ دشمن رکھنے کی شکل میں بھی دِل کی مشغولیت کا خطرہ ہے کمال یہ ہے کہ ماسویٰ اللہ سے فارغ البال ہو جائے۔ دُنیا کا مال اس کے نزدیک دریا کے پانی کی مانند ہو اور اپنا ہاتھ اللہ تعالیٰ کے خزانہ کی طرح۔ وہ زیادہ ہو یا کم آئے یا جائے بہرحال اس سے فارغ البال رہے یہی کمال ہے مگر احمقوں کے دھوکہ کھانے کا محل ہے اس واسطے کہ جو شخص مال کو نہیں چھوڑ سکتا وہ بھی اپنے آپ کو دھوکہ دینے لگتا ہے کہ میں اس مال سے فارغ البال ہوں۔ اگر اس کا کوئی مستحق یا کسی اور کا مال یا دریا کا پانی اور وہ ان چیزوں میں فرق کرے تو گویا دھوکے کا شکار ہے۔ اور اس کے دِل میں مال کی خواہش ہے پس اصل بات یہ ہے کہ آدمی میں قدرت ہو اور وہ مال سے دستبردار ہو جائے اور بھاگے تاکہ اس کے جادو سے چھٹکارا حاصل کر سکے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کو ایک شخص نے کہا یا زاہد! انھوں نے فرمایا کہ زاہد تو عمر بن عبدالعزیز ہیں کہ دُنیا کا مال ہاتھ میں ہے اور وہ اس کے خرچ پر قادر ہیں اور پھر زہد اختیار کیا ہوا ہے میرے پاس تو کچھ ہے ہی نہیں میں کیسا زاہد ہوں۔ ابن ابی سلی رحمۃ اللہ علیہ نے ابن شبرمہ رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ تم دیکھتے ہو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ انصاری کا لڑکا ہو کر میرے فتویٰ کو رد کرتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ وہ کس کے لڑکے ہیں ہاں یہ جانتا ہوں دُنیا ان کی طرف متوجہ ہے لیکن وہ اس سے کوسوں بھاگتے ہیں اور ہماری طرف دُنیا کا رخ نہیں لیکن ہم اسے ڈھونڈتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تک یہ آیت نازل نہ ہوئی تھی: ﴿ مِنكُم مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنكُم مَّن يُرِيدُ الْآخِرَةَ ﴾۔ اس وقت تک میں نہیں سمجھتا تھا کہ ہم میں سے بھی کوئی دُنیا کو دوست رکھتا ہے اور جب مسلمانوں نے کہا کہ اگر ہمیں معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی محبّت کا راز کس میں ہے تو ہم وہی کام کرتے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿ وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنِ اقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ أَوِ اخْرُجُوا مِن دِيَارِكُم مَّا فَعَلُوهُ إِلَّا قَلِيلٌ مِّنْهُمْ ﴾ (النساء) اگر انھیں حکم دیا جاتا کہ اپنے آپ کو مار ڈالو یا اپنے آپ کو اپنے گھروں سے نکال لو تو تھوڑے سے لوگ ہی ایسا کرتے باقی انکار کر دیتے۔

اے عزیز! برف کو سونے کے بدلے بیچنا بڑی بات نہیں اس لیے کہ ایسا تو ہر عقلمند کر سکتا ہے دُنیا کی نسبت آخرت کے ساتھ اس سے بھی کم ہے جو برف کو سونے سے ہے لیکن لوگ تین وجہ سے اس بات کو نہیں جانتے ایمان کا ضعف'

غلبۂ شہوت جو فی الحال موجود ہے اور سستی کہ کل کرلوں گا پرسوں کرلوں گا اور آدمی اپنے آپ کو بھلاتا ہے کہ بعد میں یہ کام کرلیں گے بالعموم غلبۂ شہوت اس کا سبب ہوتا ہے کیونکہ سردست آدمی اس سے عہدہ برآ نہیں ہوتا اس کی نظر نقد پر ہوتی ہے اور وہ قرض کو بھول جاتا ہے۔

زہد کی فضیلت : جو کچھ دُنیا کی مذمت میں بیان ہوا وہ زہد کی فضیلت کی دلیل ہے اور دُنیا کی دوستی ہلاک کرنے والی ہے جبکہ اس کی دشمنی نجات کا باعث ہے دُنیا کے ساتھ دشمنی رکھنے کے باب میں آیات و احادیث وارد ہیں جنھیں یہاں بیان کیا جاتا ہے۔ زہد کی بڑی تعریف یہی ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے اہل علم کے ساتھ منسوب کیا اور فرمایا کہ قارون جب جاہ و حشم اور فوج و خدم سے آراستہ ہو کر باہر نکلا تو ہر ایک یہ کہتا تھا کہ اے کاش مجھے بھی یہ دولت و حشمت ملتی لیکن ایک اہل علم تھے جو کہتے کہ آخرت کا ثواب اس سے بڑھ کر ہے (القصص) اسی لیے کہ اسلاف کا کہنا ہے کہ چالیس دن تک زہد کی نعمت سے آراستہ شخص کے دل میں حکمت کی نہریں جاری ہو جاتی ہیں اور حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اگر تیری یہ خواہش ہے کہ اللہ مجھے دوست رکھے تو دُنیا میں زہد اختیار کر۔ اور جب حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ الحق میں مومن ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی دلیل؟ عرض کیا کہ میرا دل دُنیا سے ایسے بھاگتا ہے کہ میرے نزدیک پتھر اور سونا دونوں ہی برابر ہیں گویا میں جنت اور دوزخ کو دیکھ رہا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کچھ تجھے حاصل کرنا تھا وہ کرلیا اب اس کی حفاظت کر۔ پھر فرمایا عَبْدٌ نَوَّرَ اللّٰهُ قَلْبَهٗ یعنی یہ ایسا اللہ کا بندہ ہے جس کا دل اللہ تعالیٰ نے روشن کر دیا۔ اور جب یہ آیت نازل ہوئی : ﴿ فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ﴾ تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ یارسول اللہ یہ شرح کیا چیز ہے؟ فرمایا کہ ایک نور دل میں پیدا ہوتا ہے اور اس کے سبب سے سینہ کشادہ ہو جاتا ہے۔ صحابہ علیہم الرضوان نے عرض کیا کہ اس کی علامت کیا ہے؟ فرمایا کہ اس سرائے فانی سے دل اُچاٹ ہو عالم جاودانی کی طرف توجہ ہو موت سے پہلے آدمی موت کا سامان مہیا کرنے کی فکر کرنے لگے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شرم رکھنے کا جو حق ہے اسی نوعیت کی شرم اللہ سے رکھو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یارسول اللہ ہم تو شرم رکھتے ہیں۔ فرمایا پھر اتنا مال جمع کیوں کرتے ہو جسے کھا بھی نہ سکو اور ایسی جگہ گھر کیوں بناتے ہو جہاں رہنے کا موقعہ ہی نہ ملے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ ارشاد فرمایا اور فرمایا کہ جو شخص لا الٰہ الا اللہ سلامتی سے پڑھتا ہے اس کے بغیر کہ اس میں کسی اور چیز کی آمیزش کرے اس کا ٹھکانہ جنت میں ہو گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا یارسول اللہ اس چیز کی تفسیر فرما دیں۔ فرمایا وہ دُنیا کی محبت اور تلاش ہے اس واسطے کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ انبیاء کی سی باتیں کرتے ہیں ان کے کام جباروں جیسے ہوتے ہیں جو شخص اس سے لا الٰہ کو سالم لائے گا۔ اس کی جگہ جنت میں ہوگی اور حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے جو شخص دُنیا میں زاہد ہوتا ہے اس کے دل پر اللہ تعالیٰ حکمت کے دروازے کھول دیتے ہیں اس کی زبان حکمت کے ساتھ گویا ہوتی ہے دُنیا کی علت بیماری اور درد نیز درمان کا راز اسے بتا دیا جاتا ہے اور اسے دُنیا سے سلامتی کے ساتھ جنت میں لے جاتے ہیں۔ حضور علیہ السلام ایک دن صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ اونٹوں کے گلّے کی طرف سے گزرے۔ اتفاق سے سب اونٹنیاں اچھی اور گابھن تھیں اور اس قسم کا مال عرب میں بہترین شمار ہوتا ہے کہ اس کی مالیت اچھی ہوتی ہے اور دودھ، گوشت اور اون بھی حاصل ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرف سے منہ پھیر لیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ

یارسول اللہ یہ تو بہت اچھا مال ہے۔ آپ ﷺ اسے ملاحظہ کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف دیکھنے سے مجھے منع فرمایا ہے اور حکم دیا ہے کہ:

﴿ وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ ﴾ (الحجر)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لوگوں نے عرض کیا کہ اگر آپؑ حکم دیں تو ہم آپ کے واسطے گھر بنائیں تاکہ آپ اس میں عبادت کر سکیں۔ فرمایا جاؤ اور جا کر پانی پر مکان بناؤ۔ لوگوں نے عرض کیا حضرت پانی پر مکان کیسے بنے گا فرمایا کہ دُنیا کی محبت کے ساتھ عبادت کوئی کس طرح کر سکتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اگر تو چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تجھے دوست رکھے تو دُنیا سے دست بردار ہو جا اور اگر تو چاہتا ہے کہ لوگ تجھے دوست رکھیں تو جو کچھ ان کے پاس ہے اس سے ہاتھ کھینچ لے۔ اُم المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے اپنے والد ماجد امیرالمومنین حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے کہا کہ غنیمت کا مال جب مختلف شہروں سے آیا کرے تو اس کپڑوں سے بہتر لباس اور اس کھانے سے اچھا کھانا پکوایا کیجیے اور اپنے رفقاء کے ساتھ بیٹھ کر تناول فرمایا کیجیے۔ آپ نے فرمایا اے حفصہ شوہر کا حال بیوی سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔ تم حضور علیہ السلام کا حال خوب جانتی ہو (پھر مجھے یہ مشورہ کیوں دیتی ہو) تمھیں قسم ہے پروردگارِ عالم کی ذرا بیان تو کرو کہ حضور علیہ السلام کو کئی برس نبوت میں گزرے کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے گھر والے جب صبح کو سیر ہو کر کھاتے تو رات کو بھوکے رہتے اور جب رات کو آسودہ ہو کر کھاتے تو صبح کو بھوکے رہتے اور تمھیں قسم ہے اللہ کی فتح خیبر کے دن تک کئی برس آپ ﷺ کو پیٹ بھرنے کی حد تک کھجوریں نہیں ملیں اور قسم ہے تمھیں تم یہ جانتی ہو کہ میں ایک دن دسترخوان پر آپ ﷺ کے سامنے کھانا کھا رہا تھا آپ ﷺ کو اتنا بُرا لگا کہ آپ ﷺ کے چہرہ کا رنگ بدل گیا حتیٰ کہ آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق کھانا زمین پر رکھ دیا گیا اور تمھیں معلوم ہے کہ جب آپ ﷺ سوتے تو چادر کی دو تہیں کر کے سوتے ایک دن جو چار تہیں کر دی گئیں اور وہ زیادہ نرم ہو گئی تو اگلے دن فرمایا کہ اس کی نرمی نے میری نماز عشاء میں رکاوٹ ڈالنی چاہی پہلے کی طرح دو تہہ کر کے بچھاؤ۔ اور تمھیں معلوم ہے کہ آپ کے پاس ایک ہی جوڑا تھا جسے آپ ﷺ دھوتے۔ اُدھر بلال اذان دے دیتے تو اس کے خشک ہونے تک آپ ﷺ باہر نہ نکل سکتے اور تمھیں معلوم ہے کہ قبیلہ بنی ظفر کی ایک عورت آپ کا تہہ بند اور چادر بنتی تھی دونوں کپڑے نہیں ہوتے تھے۔ اُس نے ایک ہی آپ کے پاس بھیج دیا۔ آپ ﷺ اس طرح اوڑھے باہر تشریف لائے کہ بے پردگی سے بچنے کے لیے نہ گرہ لگی ہوئی تھی پشتِ مبارک پر بھی اس کا حصہ تھا کہ دوسرا کپڑا آپ کے پاس نہ تھا۔ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یہ سب حال مجھے معلوم ہے پھر دونوں باپ بیٹی اتنا روئے کہ بے ہوش ہو گئے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرے دو دوست حضرت نبی کریم علیہ السلام اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ چل بسے میں اگر ان کی راہ پر چلوں گا تو ان کے پاس پہنچوں گا ورنہ مجھے اور ہی راہ لے جائیں گے مجھے چاہیے کہ ان کی طرح میں بھی صعوبت کے ساتھ گزر بسر کروں۔ تاکہ ان کے ساتھ راحت جاوید حاصل کر سکوں۔ حضور علیہ السلام کے ایک صحابی نے پہلے طبقہ کے ایک تابعی سے کہا کہ تمھاری عبادت تو صحابہ رضی اللہ عنہم کی عبادت سے زیادہ ہے لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم تم سے بہتر تھے اس لیے کہ وہ تم سے زیادہ زاہد تھے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زہد دُنیا میں دِل کے ساتھ جسم کی بھی راحت کا باعث ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص دُنیا کے بارہ

میں زاہد ہے اس کی دو رکعت نماز سب مجتہدوں کی تمام عمر کی عبادت سے افضل ہے۔ حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ عبادت خلوص کے ساتھ جب ہوتی ہے کہ آدمی چار چیزوں سے نہ ڈرے گرسنگی، برہنگی، درویشی، خواری۔

زاہد کے درجات: زاہد کے تین درجات ہیں ایک تو یہ کہ آدمی دُنیا سے تو ہاتھ کھینچ لے مگر دل دُنیا سے لگا رہے لیکن مجاہدہ اور صبر کرے ایسے آدمی کو متزہد کہتے ہیں زاہد نہیں۔ مگر زاہد کی پہلی راہ یہی ہے دوسرا درجہ یہ ہے کہ اس کا دل بھی دُنیا میں نہ لگا ہو مگر اپنے زہد کا اسے خیال ہو اور وہ اسے بڑا کام جانتا ہے ایسا آدمی زاہد تو ہے مگر نقصان سے خالی نہیں۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ آدمی اپنے زہد میں بھی زاہد ہو یعنی اسے اپنے زہد کا بھی خیال نہیں آتا اور اسے بڑا کام نہیں جانتا اس زاہد کی مثال اس شخص کی سی ہے جو وزارت کا امیدوار ہو کر کسی بادشاہ کے درِ دولت پر جائے۔ وہاں ایک کتا ہو جو اسے اندر نہ جانے دے اور وہ شخص اس کتے کو روٹی کا ٹکڑا ڈال دے تاکہ وہ کتا اس سے باز رہے اور وہ شخص کتے سے پیچھا چھڑا کر بادشاہ کی حضوری سے سرفراز ہو اور عہدۂ نیابت سے ممتاز ہو تو یہ ممکن ہی نہیں کہ اس روٹی کے ٹکڑے کی کچھ حقیقت سمجھے۔ یاد رکھو کہ دُنیا لقمہ ہے اور شیطان کتا۔ جو درِ دولت پر بھونکتا ہے جب اس لقمے کو اس کتے کے سامنے پھینک دیا تو کاٹنے سے باز رہے گا اور تمام دُنیا آخرت کے سامنے اس سے بھی زیادہ کم حقیقت ہے جتنا روٹی کا ٹکڑا عہدہ وزارت کے مقابلے میں کم حقیقت ہوتا ہے اس لیے کہ آخرت کی کوئی انتہا نہیں اور دُنیا کی تو انتہا ہے۔ ان کی آپس کی کوئی نسبت نہیں۔ اسی واسطے جب لوگوں نے حضرت ابویزید بسطامی قدس سرہٗ سے عرض کیا کہ فلاں شخص زہد کی باتیں کرتا ہے تو پوچھا کس چیز میں؟ عرض کیا کہ دُنیا میں تو فرمایا کہ یہاں دُنیا تو کوئی چیز نہیں کہ آدمی اس میں زہد کر سکے پہلے تو کوئی چیز ہونی چاہیے کہ اس میں زہد کیا جا سکے اور جس واسطے زہد ہوتا ہے اس کے لحاظ سے زہد کے تین درجے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اس لیے زہد اختیار کیا جائے کہ آدمی آخرت کے عذاب سے نجات حاصل کر لے اور اپنے مرنے پر راضی ہو یہ خائف قسم کے لوگوں کا زہد ہے۔ حضرت مالک دینار رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن کہا کہ رات کو میں نے حق تعالیٰ سے بڑی دلیری کی کہ اس سے جنت مانگی۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ ثوابِ آخرت کے لیے زہد اختیار کیا جائے۔ یہ پورا زہد ہے اس لیے کہ زہد رجا و مُحبّت کے سبب سے ہوتا ہے یہ امیدواروں کا زہد ہے۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ زاہد کے دل میں نہ دوزخ کا خوف ہو نہ جنت کی امید بلکہ خود اللہ کی محبت نے دُنیا و آخرت دونوں اس کے دل سے بھلا دی ہو۔ اللہ کے سوا جو کچھ ہے اس کی طرف التفات کرنے سے ننگ و عار رکھتا ہو یہ کمال کا درجہ ہے جیسا کہ حضرت رابعہ بصری قدس سرہا سے لوگوں نے جنت کا ذکر کیا تو فرمایا اَلْجَارُ ثُمَّ الدَّار یعنی صاحب خانہ گھر سے بہتر ہے ؎

وعدۂ دیدار چوں در جنت آمد لا جرم
عاشقاں جنت برائے دوست میدارند دوست

جسے خُدا کی مُحبّت پیدا ہوئی اسے جنت کی لذت ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے بادشاہی کرنے کی لذت کے مقابلے میں لڑکوں کو چڑیا سے کھیلنے کی لذت۔ لڑکا اس کھیل کو بادشاہی سے زیادہ دوست رکھتا ہے اس واسطے کہ بادشاہی کی لذت سے بے خبر ہے۔ اور بے خبر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ لڑکے کی عقل ابھی ناقص ہے۔ اسی طرح جنابِ الٰہی کے مشاہدے کے سوا جس شخص کا اور کچھ مقصود ہے۔ وہ بھی ناقص اور نابالغ ہے ابھی وہ درجۂ مردمی کو نہیں پہنچا اور جس چیز کو ترک کر

کے زہد کرتے ہیں اس کے لحاظ سے بھی زہد کے مختلف درجے ہیں اس واسطے کہ کوئی تو دُنیا میں سے کچھ ترک کرتا ہے مگر کامل درجہ یہ ہے کہ جس چیز میں آدمی کے نفس کو کچھ بھی حظ ہے اور اس چیز کی کچھ ضرورت نہیں اور دین کی راہ میں اس کی کچھ حاجت نہیں اسے ترک کر دے کیونکہ مال جاہ' کھانے' پینے' کہنے' سونے' لوگوں کے پاس بیٹھنے' درس دینے' مجلس جمانے حدیث روایت کرنے سے نفس کو جو حظ حاصل ہوتے ہیں دُنیا سے مراد وہی ہے اور جو کچھ نفس کے شرف کے لیے ہو وہ سب دُنیا میں داخل ہے لیکن اگر درس دینے مجلس جمانے حدیث روایت کرنے سے فقط یہی مقصود ہے کہ لوگ اللہ کی طرف متوجہ ہوں تو یہ اُمور دُنیا میں داخل نہیں۔ حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ زہد کی تعریف میں میں نے بہت سے اقوال سنے ہیں مگر ہمارے نزدیک زہد یہ ہے کہ جو چیز تجھے اللہ سے دور رکھے اسے ترک کر دے اور کہا کہ جو شخص نکاح اور سفر کرنے اور حدیث لکھنے میں مشغول ہوا وہ تو دُنیا کی طرف متوجہ ہوا اور ان ہی سے لوگوں نے پوچھا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں : ﴿ اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴾ تو کونسا وہ دِل ہے جو سلیم ہے فرمایا کہ سلیم دِل وہ ہے جس میں اللہ کے سوا کوئی چیز نہ ہو۔ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام ٹاٹ پہنتے تھے تاکہ "کپڑے" کی نرمی سے آپ کے بدن کو آرام نہ پہنچے کیونکہ یہ حظ نفس ہے حتیٰ کہ ٹاٹ کی سختی کے سبب سے آپ کے بدن میں سوراخ ہو گئے تھے۔ آپؑ کی والدہ ماجدہ نے ازراہِ شفقت مادری فرمایا کہ بیٹا اون کا لباس پہنا کرو۔ آپؑ نے پہن لیا اس پر وحی نازل ہوئی کہ اے یحییٰ! تو نے مجھے چھوڑ کر دُنیا کو اختیار کیا۔ آپؑ بہت روئے اور پھر ٹاٹ پہن لیا۔ اے عزیز! یہ اعلیٰ درجہ کا زہد ہے ہر کوئی اس درجے کو نہیں پہنچ سکتا مگر زہد میں ہر ایک کا درجہ اسی قدر ہوتا ہے جتنی مقدار میں اس نے لذتوں کو ترک کیا اور جس طرح بعض گناہوں سے توبہ کرنا درست ہے اسی طرح بعض حظوظِ نفس میں زہد بھی درست ہے جس کا معنی یہ ہے کہ بے ثواب اور بے فائدہ نہ ہو گا۔ مگر توجہ کرنے والے اور زاہد کے لیے آخرت میں جن مقامات کا وعدہ ہے وہ اسی زاہد و تائب کے لیے ہیں جو سب لذتوں سے دست بردار ہو اور سب گناہوں سے توبہ کرے۔

زاہد کو کن چیزوں پر قناعت کرنی چاہیے؟

مخلوق دُنیا کے قید خانہ میں مقید ہے جس کی بلاؤں کی کوئی انتہا نہیں مگر دُنیا میں چھ چیزیں ایسی ہیں جو ناگزیر ہیں۔ ضرورت کے مطابق خوراک اور لباس' مکان' گھریلو ضروری سامان' بیوی' جاہ و مال۔ پہلی قسم تو خوراک کی ہے جس کی جنس مقدار اور اشیاء مختلف ہوتی ہیں جن پر ادنیٰ درجہ اس چیز کا ہے' جو بدن کا جزو بن سکے اگرچہ وہ بھوسی ہو اور متوسط درجہ جو' باجرہ وغیرہ کی روٹی کا ہے اعلیٰ درجہ گندم کے ان چھنے آٹے کی روٹی کا ہے اور چھانا گیا تو اس کا کھانے والا زہد کی حد سے نکل گیا اور تن پرور ہو گیا۔ مقدار میں ادنیٰ درجہ دس سیر ہے متوسط نصف من اور انتہائی درجہ ایک مد ہے شرعی طور پر درویش کے لیے یہی حد مقرر ہے۔ اگر اس میں زیادتی کرے گا تو معدہ میں زہد باقی نہیں رہے گا اور آئندہ کے لیے طعام رکھ چھوڑنے میں اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ جتنی مقدار ایک وقت کی بھوک کے ازالہ کے لیے کافی ہو اس سے زیادہ نہ رکھے۔ اس واسطے کہ امید سے دستبردار ہونا ہی اصل میں زہد ہے۔ اور لمبی امیدیں وابستہ کرنا حرص کی بنیاد ہے اوسط درجہ یہ ہے کہ ایک ماہ یا چالیس دن کے کھانے کی مقدار کی حد تک خوراک محفوظ کر لے اور کم تر درجہ یہ ہے کہ ایک برس کی ضرورت کے مطابق رکھ چھوڑے۔ اس سے زیادہ رکھے گا تو زہد سے محروم ہو گا۔ اس لیے کہ سال بھر سے زائد کی امید رکھنے والے کو

زہد راست نہیں آئے گا۔ حضور ﷺ اپنے اہل و عیال کے لیے ایک سال کی مقدار میں خوراک کا اہتمام فرماتے کیونکہ وہ بھوک پر صبر نہیں کر سکتے تھے [حضرت امام کا یہ ارشاد محل نظر ہے کیونکہ خاندانِ نبوت کا صبر و ایثار ایک حقیقت ہے اور ابھی گزشتہ فصل میں وہ خود اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت حفصہ سلام اللہ علیہما و رضوانہ کے واقعات اس ضمن میں نقل فرما چکے ہیں۔ علوی] مگر اپنے لیے رات کے کھانے کی بھی فکر نہ فرماتے خوراک کے لیے ذخیرہ کرنے میں ادنیٰ درجہ ساگ اور سرکہ جیسی چیزوں کا ہے متوسط درجہ گھی اور اس سے بننے والی اشیاء کا ہے جب کہ اعلیٰ درجہ گوشت کا ہے ہمیشہ گوشت کھانے والا زاہد نہیں ہو سکتا۔ ہفتہ بھر میں دو ایک بار سے زیادہ گوشت کھائے گا تو زہد سے محروم ہو جائے گا۔ کھانے کے وقت میں یہ لحاظ رکھنا چاہیے کہ دن میں ایک بار سے زیادہ نہ کھائے اگر دو دن میں ایک بار کھائے تو درست ہے ایک دن میں دو مرتبہ کھائے گا تو یہ زہد نہیں۔ جو شخص زہد کو جاننا چاہے اسے چاہیے کہ جناب سرورِ کائنات ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کا حال پڑھے۔ اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ چالیس چالیس شب آپ کے خانۂ مبارک میں چراغ نہ جلتا اور کھجور اور پانی کے سوا کوئی خوراک نہ ہوتی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص جنت طلب کرتا ہے اس کے واسطے جو کی روٹی کھانا اور سادہ کھردرے بستر پر سونا کافی ہے۔ حوارییّن سے فرمایا کہ جو کی روٹی اور ساگ کھایا کرو گندم کے گرد بھی نہ جاؤ اس لیے کہ تم اس کا شکر ادا نہیں کر سکو گے۔ دوسری مہم لباس ہے زاہد کو ایک کپڑے سے زیادہ نہ رکھنا چاہیے حتیٰ کہ جب اس کپڑے کو دھودے تو ننگا ہو جس کے پاس دو کپڑے ہیں وہ زاہد نہیں۔ کمتر لباس ایک کرتا ٹوپی اور جوتا ہے اور اکثر لباس یہ ہے کہ ایک پگڑی اور ازار بند بھی ہو جس لباس میں ادنیٰ ترین جنس ٹاٹ متوسط موٹا پشمینہ ہے اور اعلیٰ درجہ روئی کا موٹا کپڑا اب اگر روئی کا باریک اور نرم کپڑا پہنے گا تو زہد کی منزل سے نکل جائے گا۔ حضور ﷺ نے انتقال فرمایا تو اُم المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ایک چادر اور ایک موٹا تہہ بند لائیں اور فرمایا کہ آپ کا بس یہی لباس تھا۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص شہرت و ناموری والا لباس پہنے تو جب تک اسے پہنے رکھتا ہے اس وقت تک اللہ تعالیٰ اس سے ناراض رہتا ہے گو کہ اس کے نزدیک وہ درست ہو۔ حضور ﷺ کے دو کپڑوں یعنی کمبل اور تہہ بند کی قیمت دس درم سے زیادہ نہ تھی اور کبھی آپ کی پوشاک ایسی میلی ہو جاتی کہ لوگوں کو روغن گر کے کپڑوں کا گمان ہوتا۔ حضور ﷺ کے لیے ایک بار بطور ہدیہ ایک کپڑا آیا اُس میں گل بوٹے بنے ہوئے تھے آپ ﷺ نے پہن کر اُتار دیا اور فرمایا کہ اسے ابوجہیم کے پاس لے جاؤ اور اس کی وہ کملی لاؤ اور اس لیے کہ ان گل بوٹوں کے حسن نے میری آنکھ کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ایک بار آنحضرت ﷺ کے نعلین مبارک میں نیا تسمہ لگا ہوا تھا فرمایا کہ وہی پرانا تسمہ ڈال دو اس لیے کہ دُنیا مجھے پسند نہیں۔ نماز میں میری نظر اس پر پڑی۔ ایک مرتبہ آپ منبر پر تھے کہ مہروالی انگوٹھی نکال کر ڈال دی اس لیے کہ نظر مبارک اس کی طرف متوجہ ہو گئی تھی اور فرمایا کہ ایک نظر اس پر پڑے اور ایک تم پر یہ مناسب نہیں ایک مرتبہ کوئی صاحب نیا جوتا لائے۔ پہن کر آپ ﷺ نے حق تعالیٰ کا سجدۂ شکر ادا کیا اور باہر نکلے تو جو پہلا فقیر ملا اسے عنایت فرما دیا۔ فرمایا کہ یہ مجھے پسند آیا تو مجھے ڈر تھا کہ کہیں اللہ تعالیٰ مجھے دشمن نہ ٹھہرا لے اسی واسطے میں نے سجدہ کیا۔ حضور ﷺ نے حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اگر فردائے قیامت میں مجھ سے ملنے کی آرزو ہے تو دُنیا سے زادِ سفر کی حد تک پر قناعت کرو۔ اور جب تک پیوند لگالو کپڑا نہ اُتارو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کپڑے پر لوگوں نے چودہ پیوند

لگے دیکھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں تین درم کا پیراہن خریدا اور آستین بازوؤں سے جس قدر لمبی تھیں وہ پھاڑ ڈالیں اور فرمایا کہ اس اللہ کا شکر جس نے یہ لباس عنایت فرمایا ایک بزرگ کہتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے کپڑوں اور جوتوں کی قیمت لگوائی تو چار دانگ سے زیادہ نہ تھی۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص قیمتی لباس کی طاقت رکھنے کے باوجود محض فروتنی اور عاجزی کے نقطۂ نظر سے اس لباس سے دست بردار ہو جائے تو اللہ تعالیٰ پر اس کا حق ہو جاتا ہے کہ جنت کی بہترین پوشاک یا قوت کی کشتیوں میں رکھ کر اسے عنایت فرمائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ائمۂ ہدیٰ سے یہ عہد کیا ہے کہ ان کا لباس ادنیٰ لوگوں کے لباس کا سا ہو تاکہ امراء ان کی پیروی کریں اور فقراء شکستہ دِل نہ ہوں۔ فضالہ بن عبید رحمۃ اللہ علیہ مصر کے حکمران تھے لوگوں نے دیکھا کہ ان کا لباس مختصر ہے اور پاؤں سے ننگے تو کہا آپ کے لیے یہ مناسب نہیں۔ انھوں نے کہا کہ حضور علیہ السلام نے ہمیں ناز و نعم سے منع کیا ہے اور ارشاد فرمایا ہے کہ کبھی کبھی ننگے پاؤں بھی پھرا کرو۔ معہ بن واسع رحمۃ اللہ علیہ صوف کا لباس پہن کر قتیبہ بن مسلم کے پاس گئے انھوں نے اس لباس کی وجہ پوچھی انھوں نے جواب نہ دیا اس نے پھر پوچھا تو فرمایا کہ اگر زہد اس کا سبب بتلاؤں تو اس میں اپنی تعریف ہے اور مفلس بتاؤں تو اللہ تعالیٰ کی شکایت ہے۔ سلمان رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے پوچھا تم اچھے کپڑے کیوں نہیں پہنتے فرمایا اچھے کپڑوں سے بندوں کو کیا کام؟ اگر کل آزاد ہو گیا تو اچھے کپڑے نصیب ہو جائیں گے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ٹاٹ تھا۔ رات نماز کے وقت اسے زیب تن فرما لیتے لیکن دن کو نہیں تاکہ مخلوق نہ دیکھے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے فرقد سنجی نے کہا کہ آپ نے جو کمبل پہن رکھا ہے اس کے سبب آپ کا خیال ہو گا کہ آپ کو دوسروں پر فضیلت حاصل ہے میں نے سنا ہے کہ اکثر کمبل پوش دوزخ میں جائیں گے۔

تیسری مہم مسکن ہے جس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ آدمی اپنی رہائش کے لیے کوئی جگہ متعین نہ کرے بلکہ مسجد یا مسافر خانہ کے کونے میں قناعت کرے۔ اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک کوٹھی بطور ملک یا قبضہ اپنے پاس رکھے لیکن وہ بہت بلند نہ ہو نہ بہت اونچی ہو نہ اس میں نقش و نگار ہو اور ضرورت سے زیادہ وسیع بھی نہ ہو چھ گز سے بلند چھت درجہ زہد سے گرا دیتی ہے۔ مسکن سے مقصد یہ ہے کہ آدمی گرمی سردی سے اپنے آپ کو بچا سکے اس کے سوا کسی کی تلاش نہ کرے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ حضور علیہ السلام کے بعد بھی امیدوں کے ضمن میں جو پہلا فتنہ دُنیا میں پھیلا وہ یہی تھا لوگوں نے پختہ مکانات کی بنیاد ڈالی اور کپڑے میں متعدد چاک اور بٹن لگائے۔ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کپڑے میں ایک ہی چاک بٹن ہوتا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دو منزلہ مکان حضور علیہ السلام کے حکم سے منہدم کر دیا تھا۔ ایک دن قبہ نما مکان کے پاس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ہوا تو پوچھا یہ کس کا ہے لوگوں نے بتلایا کہ فلاں کا۔ وہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر التفات نہیں فرمائی اُس نے ناراضی کا سبب معلوم کیا تو لوگوں نے بتلایا اُس نے اسے مسمار کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے خوش ہوئے اور اس کے حق میں دُعا مانگی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے ساری عمر نہ تو اینٹ پر اینٹ جمائی نہ لکڑی پر لکڑی باندھی ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس کی خرابی اللہ کے یہاں مقرر ہو جاتی ہے اس کا مال پانی اور مٹی میں برباد کر دیتا ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام ہمارے پاس تشریف لائے اور پوچھا کہ کیا کر رہے ہو؟ ہم نے عرض کیا کہ نرکل کا ایک مکان تھا وہ خراب ہو گیا ہے اس کی اصلاح و مرمت کر رہے ہیں فرمایا کہ

موت کا معاملہ اس سے زیادہ قریب ہے کہ وہ سر پر کھڑی ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو شخص حاجت و ضرورت سے زیادہ مکان بنائے گا قیامت کے دن اسے حکم کیا جائے گا کہ اس گھر کو سر پر اُٹھالو۔ اور فرمایا کہ آدمی جو خرچ کرتا ہے اس پر اسے ثواب ملے گا لیکن خاک پانی میں جو خرچ کرتا ہے اس پر کسی قسم کا اَجر نہیں ملے گا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے نرکل کا گھر بنایا لوگوں نے کہا کہ پختہ اینٹوں کا بنا لیتے تو اچھا ہوتا۔ فرمایا جس کا مقدر مرنا ہے اس کے لیے یہ بھی کافی ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ بندہ جو عمارت بنائے گا وہ قیامت میں اس پر وبال ہوگی مگر گرمی سردی سے امن کی خاطر جو مکان ہوگا وہ وبال نہیں ہوگا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سفر شام کے دوران راستے میں اینٹوں کی پختہ اور بلند عمارت دیکھ کر فرمایا مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ اس اُمت میں لوگ ایسی عمارتیں بنائیں گے جیسی ہامان نے فرعون کے واسطے بنائی تھیں اس لیے کہ پکی اینٹ کی خواہش فرعون نے کی تھی اور کہا تھا ﴿ اَوْقِدْلِیْ یَا هَامَانُ عَلَی الطِّیْنِ ﴾۔

صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے سب سے زیادہ بلند مکان جب کوئی بناتا ہے تو ایک فرشتہ آسمان سے آواز دیتا ہے گنہگاروں کے سردار تو کہاں چلا جا رہا ہے یعنی تیرا ٹھکانہ تو زیر زمین ہے اور تو آسمانوں کی طرف چڑھ رہا ہے۔ بقول حضرت حسن رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کے حجروں کی چھتیں اتنی بلند تھیں کہ کھڑے آدمی کا ہاتھ لگ جاتا تھا۔ حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ مجھے اس شخص سے کوئی تعجب نہیں جو مکان بنا کر چھوڑ کر چلا جائے۔ البتہ اس سے تعجب ہے جو اس سے عبرت حاصل نہ کرے۔

چوتھی قسم گھریلو سامان و اسباب کی ہے اس بارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا طریقہ سب سے اعلیٰ تھا کہ ان کے پاس کنگھی اور پیالے کے سوا کوئی اسباب نہ تھا انھوں نے کسی کو دیکھا کہ انگلیوں سے داڑھی کے بال سنوار رہا ہے تو کنگھی بھی پھینک دی اور کسی کو چلو سے پانی پیتے دیکھا تو پیالہ بھی پھینک دیا۔

اوسط درجہ یہ ہے کہ ضرورت کے اعتبار سے ایک ایک چیز رکھے مٹی کی ہوں یا لکڑی کی لیکن اگر پیتل تانبے کی ہوں تو زہد کے منافی ہوگا اگلے بزرگوں کا معمول تھا کہ ایک ایک چیز سے کئی کئی کام لیتے تھے۔ حضور علیہ السلام کے پاس جو تکیہ تھا اس میں کھجور کے چھال بھرے ہوئے تھے اور بچھونے کے لیے دوہری کی ہوئی کملی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دن وجودِ اطہر پر چٹائی کے نشان دیکھے تو رونے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رونے کی وجہ پوچھی تو عرض کیا کہ قیصر و کسریٰ وغیرہ دشمنانِ خُدا نعمتوں میں رہیں اور اللہ کا نبی اور دوست اس حال میں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم خوش نہیں کہ انھیں دولتِ دُنیا نصیب ہو اور ہمیں دولت آخرت۔ عرض کیا کہ میں خوش ہوں۔ فرمایا اللہ تعالیٰ ایسا ہی ہوگا۔ ایک شخص حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے گھر گیا تو گھر میں کچھ نہیں فرمایا میرا ایک اور گھر ہے جو ہاتھ لگتا ہے وہیں بھیج دیتا ہوں۔ اُس نے کہا کہ اس گھر کے لیے بھی تو کچھ اثاث البیت چاہیے۔ فرمایا گھر کا حقیقی مالک جب یہاں رہنے ہی نہیں دے گا تو ضرورت؟ جب حضرت عمر بن سعد رضی اللہ عنہ امیر حمص حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا کہ دُنیوی اسباب سے تمھارے پاس کیا ہے؟ تو انھوں نے کہا کہ ایک عصا ہے جو سہارے اور سانپ مارنے کے کام آتا ہے ایک مٹی کا برتن ہے جس میں کھانا رکھتا ہوں ایک پیالہ ہے اس میں کھاتا ہوں اور اس سے سر اور کپڑے دھوتا ہوں جبکہ ایک لوٹا ہے جو طہارت وضو

اور پانی پینے کے کام آتا ہے۔ یہ تو اصل چیزیں ہیں اور جو دُنیوی اسباب میرے پاس ہیں وہ فرع ہیں۔ حضور علیہ السلام ایک مرتبہ سفر سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے تو دروازے پر پردہ تھا اور حضرت فاطمہ کے ہاتھ میں چاندی کا زیور۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بُری معلوم ہوئی تو پلٹ گئے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو معلوم ہوا تو دونوں زیور بیچ کر پردہ سمیت خیرات کر دیئے۔ پھر حضور علیہ السلام خوش ہوئے اور دُعا دی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں ایک دن پردہ تھا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اسے دیکھتا ہوں تو دُنیا یاد آجاتی ہے یہ فلاں شخص کو دے دو۔ اُم المومنین ہی فرماتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو دوہرے بچھونے پر سوتے ایک رات میں نے نیا بچھونا بچھا دیا تو تمام رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیچ و تاب کھاتے رہے دوسرے دن فرمایا کہ اس بچھونے نے میری نیند اچاٹ کر دی۔ تب ہم نے وہی بچھونا بچھا دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک مرتبہ بہت مال آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سارا بانٹ دیا۔ چھ درم رہ گئے تو ساری رات نیند نہ آئی اور فرمایا ان چھ درم کی موجودگی میں میری موت واقع ہو جاتی تو میرا کیا حال ہوتا؟ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس حال میں دیکھا کہ ان کے پاس وہی جوڑا ہوتا جو ان کے لباس میں موجود ہوتا وہ اپنے بدن کو مٹی سے بچانے کی فکر نہیں کرتے تھے زمین پر سو جاتے اور اس کپڑے کو اوڑھ لیتے۔

پانچویں مہم نکاح کی ہے حضرت سہل تستری' سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہم اور علماء کے ایک طبقہ نے کہا ہے کہ نکاح نہ کرنے میں زہد نہیں ہے اس لیے کہ حضور علیہ السلام ساری دُنیا سے زیادہ زاہد ہونے کے باوجود ازواج مطہرات کو محبوب رکھتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیک وقت نو بیویاں تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے معروف زہد کے باوجود چار منکوحہ خواتین اور دس بارہ لونڈیاں رکھتے تھے۔ اس سے ان حضرات کا مقصد یہ ہو گا کہ کوئی شخص زہد کی وجہ سے نکاح کی سنت سے دستبردار نہ ہو جائے کہ اسے لذتِ مباشرت حاصل نہ ہونے پائے اس لیے کہ نکاح کے سبب اولاد ہونے کی راہ کھلتی ہے اور اس میں بقائے نسل کے ساتھ اور بھی فوائد ہیں نکاح نہ کرنا ایسے ہے جیسے کوئی شخص کھانا پینا چھوڑ دے تاکہ اسے کچھ لذت حاصل نہ ہو ظاہر ہے کہ اس سبب سے آدمی ہلاک ہو جائے گا اور اس وجہ سے نسل منقطع ہو جائے گی۔ نکاح اگر کسی شخص کو اللہ سے غافل کر دے تو پھر نہ کرنا اَولیٰ ہے۔ اگر شہوت غالب ہو تو زاہد وہ ہے جو ایسی عورت سے نکاح کی خواہش کرے جو حسینہ جمیلہ نہ ہو یعنی شہوت بجھانے والی ہو بھڑکانے والی نہ ہو۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نکاح کی بات ایک خوبصورت عورت کے ساتھ کر کے لوگوں نے کہا کہ اس کی ایک بہن اس سے زیادہ عقلمند ہے لیکن یک چشم ہے۔ آپ نے اس عقلمند کو پسند کیا اور خوبصورت کو ناپسند۔ حضرت جنید قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں چاہتا ہوں کہ مبتدی مرید اپنے دِل کو تین باتوں سے بچائے رکھے۔ کسب' نکاح اور حدیث لکھنے سے! اور یہ بھی ان ہی کا قول ہے کہ میں اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ صوفی لکھنے پڑھنے میں مشغول ہو اس لیے کہ لکھنے پڑھنے سے دِل بٹ جاتا ہے اور دلجمعی نہیں ہو پاتی۔

چھٹی مہم جاہ و مال ہلاک کرنے والی چیزوں میں ہم ذکر کر چکے ہیں کہ یہ دونوں چیزیں زہر کی مانند ہیں لیکن جو چیز بقدرِ حاجت ہے وہ تریاق ہے اسے دُنیا نہیں کہا جائے گا بلکہ ان کا تعلق ان چیزوں سے ہے جو دین کی راہ میں ضروری ہیں۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے کسی دوست سے قرض مانگا وحی آئی کہ میں تمہارا برحق دوست ہوں مجھ سے قرض کیوں نہ مانگا؟ عرض کی کہ میں نے سمجھا کہ آپ دُنیا کو دشمن رکھتے ہیں اس لیے مجھے ڈر محسوس ہوا۔ فرمایا کہ جس چیز کی حاجت

و ضرورت ہو وہ دُنیا نہیں۔ الغرض جب آدمی نے خواہشات اور ضرورت و حاجت سے زیادہ چیزوں کا خیال آخرت کے نقطۂ نظر سے چھوڑ دیا اور بقدرِ ضرورت جاہ و مال پر اکتفا کی تو اس کا دِل جاہ و مال سے الگ رہتا ہے اور وہ دُنیا کو دوست نہیں رکھتا۔ اس سے مقصد یہ ہے کہ آدمی جب اس دُنیا سے جائے گا تو اس کا سر نیچے اور منہ پیچھے نہ ہو گا یعنی دُنیا کی طرف پھر پھر کر نہ دیکھے گا۔ دُنیا کو وہی پھر پھر کر دیکھے گا جو دُنیا کو آسائش و آرام کی جگہ سمجھتا ہو اور جس کے خیال میں دُنیا کی مثال بیت الخلا کی ہو تو اس کی خواہش ضرورت کے بغیر دِل میں پیدا نہیں ہوتی۔ مر کر آدمی ضرورت و حاجت سے آزاد ہو جاتا ہے اس لیے پلٹ کر نہیں دیکھتا۔ اور جو اپنے دِل کو دُنیا میں مشغول کر لیتا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی جگہ رہنے نہ پائے گا لیکن اپنی گردن وہاں زنجیروں سے مضبوط باندھ لے یا اپنے سر کے بالوں سے وہاں مضبوط گرہ لگا لے حتیٰ کہ اسے جب اس جگہ سے اُٹھائیں تو سر کے بندھے ہوئے بالوں کے سبب لٹکتا رہے اور جب تک سر کے سارے بال اُکھڑ نہ جائیں تب تک اس جگہ سے نہ ہلے اور اس مصیبت کے بعد جب یہاں سے ہلے تو بال اُکھڑنے کا زخم مستقل درد بن جائے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک قوم کو دیکھا وہ مصیبت اور تکلیف میں اتنے خوش تھے جتنا تم نعمت سے خوش نہیں ہوتے۔ وہ تمھیں دیکھ لیں تو تمھیں شیطان سمجھیں اور تم انھیں دیکھ لو تو انھیں دیوانہ سمجھو وہ لوگ تکلیف اور مصیبت سے اس لیے خوش ہوئے کہ دِل سے دِل برداشتہ رہیں اور ان کا دِل مرتے وقت دُنیا کی کسی چیز میں اٹکا نہ ہو۔ واللہ اعلم

فصل ۵ : نیت' صدق اور اخلاص کا بیان

یاد رکھیں کہ اہل بصیرت پر یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ سوائے عابدوں کے ساری مخلوق ہلاکت کا شکار ہے اور عابدوں میں سے بھی وہ بچتے ہیں جو عالم ہوں اور عالم بھی وہ بچتے ہیں جو مخلص ہوں اور مخلص لوگ بڑے ہی خطرات کا شکار ہیں گویا بغیر اخلاص تمام محنت و مشقت ضائع ہے اور جہاں تک صدق و اخلاص کا تعلق ہے تو وہی نیت میں ہی ہوتے ہیں جب کوئی شخص نیت ہی کو نہیں جانے گا تو اخلاص کا کیونکر لحاظ رکھے گا۔ ہم پہلے تو نیت کے معانی پھر اخلاص کی حقیقت اور پھر صدق کی حقیقت کو بیان کریں گے۔

نیت کا بیان : پہلے نیت کی فضیلت معلوم کریں کیونکہ سب اعمال کی روح نیت ہے اور اسی پر احکامات کا دارومدار ہے اللہ تعالیٰ کسی بھی عمل میں نیت ہی کو دیکھتے ہیں۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمھارے دوسرے اعمال کو نہیں دیکھتے بلکہ تمھارے دِل اور کردار کو دیکھتے ہیں —— دِل کو جو دیکھتے ہیں تو اسی لیے کہ وہ نیت کا محل ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کاموں کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کو اپنی عبادت سے وہی اَجر ملے گا جس کی وہ نیت رکھتا ہے جو شخص ہجرت کرے یعنی حج پر یا لڑائی پر اللہ کے لیے جائے تو اس کی ہجرت تو اللہ کے لیے ہو گی اور جو شخص ہجرت مال یا کسی عورت سے نکاح کی غرض سے کرے تو اس کی نیت اور نہیں بلکہ اس کی ہجرت اللہ کے لیے نہیں بلکہ جو نیت ہے اس کے لیے ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میری امت میں ایسے شہیدوں کی کمی نہیں جو بستر پر مرتے ہیں اور بہت سے لوگ وہ ہیں جو دو صفوں کے بیچ میں مارے جاتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ان کی نیت کو خوب جانتے ہیں اور فرمایا

کہ بندہ بہت سے نیک کام کرتا ہے جن میں فرشتے بڑی اہمیت دیتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے کہ انھیں نامۂ اعمال سے نکال دو کہ یہ میرے لیے نہیں کیے گئے اور فلاں فلاں کام اس کے نامۂ عمل میں لکھو۔ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اُس نے تو یہ عمل نہیں کیے ارشاد ہوتا ہے کہ ان کی نیت کی ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ لوگ چار طرح کے ہیں ایک گروہ اپنے پاس مال رکھتا ہے اور علم کے تقاضوں کے مطابق خرچ کرتا ہے۔ دوسرا گروہ کہتا ہے کہ میرے پاس مال ہوتا تو بھی میں یونہی خرچ کرتا یہ دونوں اَجر میں برابر ہیں۔ تیسرا گروہ مال کو بیجا خرچ کرتا ہے چوتھا کہتا ہے کہ میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی یونہی بیجا خرچ کرتا یہ دونوں گروہ گناہ میں برابر ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جنگِ تبوک کے دن جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے اور فرمانے لگے کہ مدینہ میں بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ سفر اور بھوک کی جو سختیاں ہم برداشت کر رہے ہیں وہ ان میں شریک ہیں ہم نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ وہ عذر کی وجہ سے نہیں آسکے لیکن ان کی نیت ایسی ہی ہے جیسے ہماری! بنی اسرائیل میں ایک صاحب کا قحط کے زمانہ میں گندم کے ڈھیر پر گزر ہوا تو کہنے لگا کہ اگر گیہوں مجھے میسر آجاتا تو سب فقراء کو دے دیتا اس وقت میں جو رسول تھے ان پر وحی آئی کہ فلاں شخص سے کہہ دو کہ اللہ نے تیرا صدقہ قبول فرمالیا اور تجھے اتنا ثواب دے دیا کہ اگر واقعتاً تیرے پاس اتنی گندم ہوتی اور تو خیرات کرتا تو اتنا ہی ثواب ملتا۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس کی نیت اور ہمت محض دُنیا کا شکار ہوگی وہ فقر و افلاس کا شکار رہے گا اور دُنیا سے جائے گا تو اس کے عشق میں گرفتار۔ اور جس کی نیت و ہمت آخرت کی ہوگی اللہ تعالیٰ اس کا دل غنی رکھیں گے اور وہ دُنیا سے زاہدوں کی طرح جائے گا اور فرمایا کہ مسلمان جب میدانِ جنگ میں لڑنے لگتے ہیں تو فرشتے ان کے نام لکھنا شروع کر دیتے ہیں کہ فلاں تو تعصب سے لڑتا ہے اور فلاں حمیت سے اور آخر میں کہتے ہیں کہ فلاں فلاں مسلمان اللہ کی راہ میں شہید ہوا جو مسلمان کلمۂ اسلام کی بلندی کے لیے لڑتا ہے اس کی لڑائی تو فی سبیل اللہ ہے اور فرمایا کہ جو نکاح کرے لیکن نیت یہ ہو کہ مہر نہیں دینا تو وہ زانی ہے اور جو اس نیت سے قرض لے کہ ادا نہیں کرنا وہ چور ہے۔ علماء کہتے ہیں کہ پہلے عمل کی نیت سیکھو پھر عمل کرو۔ ایک شخص کہتا تھا کہ مجھے نیک عمل سکھاؤ کہ رات دن اس میں مشغول رہوں اور خیر سے کسی بھی وقت خالی نہ رہوں۔ لوگوں نے کہا کہ خیر کرنا ممکن نہیں تو اس کی نیت کر لے کہ اس کا ثواب تجھے نصیب ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت میں لوگوں کا حشر ان کی نیتوں پر ہوگا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جنت کا مدار چند روزہ عمل پر نہیں نیت پر ہے کہ نیا کی انتہا نہیں۔

نیت کی حقیقت : آدمی اس وقت تک کوئی حرکت نہیں کرتا جب تک پہلے سے تین چیزیں موجود نہ ہوں۔ علم، ارادہ، قدرت یعنی سمجھ بوجھ۔ چاہت اور سکت مثلاً جب تک کھانا نہیں دیکھتا نہیں کھاتا دیکھنے کے بعد بھی تب کھائے گا جب چاہت ہوگی اور چاہت کے بعد بھی سکت و قدرت ضروری ہے کہ اگر ہاتھ ہی شل ہے تو کھا نہیں سکے گا۔ گویا یہ تین حاجتیں ہر حرکت کا مقدمہ ہیں مگر حرکت قدرت کے تابع ہے اور قدرت ارادہ کے تابع ہے اس لیے کہ ارادہ قدرت کو کام میں رکھتا ہے اور ارادہ علم کے تابع نہیں اس لیے کہ آدمی بہت سی چیزیں دیکھتا ہے اور اس کا ارادہ اور خواہش نہیں کرتا مگر علم کے بغیر ارادہ اور خواہش کرنا محال ہے اس واسطے کہ جو چیز آدمی کو معلوم نہ ہوگی اس کا ارادہ اور خواہش کیسے کرے گا؟ ان تین خواہشات میں ارادے کا نام نیت ہے نیت علم و قدرت سے عبارت

نہیں۔ ارادہ وہ چیز ہے جو آدمی کو کسی کام پر قائم کرے اور اس کام میں مشغول رکھے۔ اسے غرض' قصد اور نیت بھی کہتے ہیں تو ان تینوں لفظوں کے ایک ہی معنی ہیں تو غرض جو آدمی کو کام میں مستعد رکھتی ہے وہ کبھی ایک ہوتی ہے اور کبھی دو۔ اگر ایک ہی غرض ہوتی تو اسے خالص کہتے ہیں اس کی مثال یوں ہے کہ کوئی شخص بیٹھا ہے اور شیر اس کے مار ڈالنے کا قصد کرتا ہے اور وہ شخص اُٹھ کر بھاگتا ہے تو اس کی غرض اور قصد ایک ہی ہے یعنی بھاگ جانا۔ اسی طرح جو شخص کسی محترم و معزز آدمی کے آنے سے سرو قد کھڑا ہوتا ہے اعزاز و اکرام کے سوا اس کی کوئی غرض نہیں ہوتی تو یہ خالص غرض ہے اور ایک کام میں دو غرضیں تین قسم پر ہوتی ہیں ایک تو یہ ہر ایک غرض ایسی ہو کہ اگر وہی غرض ہوتی تو بھی آدمی مستعد اور مشغول رہتا جیسے کوئی محتاج قرابت دار ایک درم مانگے اور آدمی اسے اپنا عزیز اور محتاج سمجھ کر دے دے اور اپنے جی میں خیال کرے کہ اگر یہ محتاج نہ ہوتا تب بھی دے دیتا اور محتاج ہوتا اور عزیز نہ ہوتا تب بھی دے دیتا تو یہ غرضیں دو ہیں اور نیت مشترک ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ درم دینے والا اپنے جی میں جانتا ہے کہ یہ مانگنے والا اگر عزیز ہوتا تو محتاج نہ ہوتا۔ یا محتاج ہوتا اور عزیز نہ ہوتا تو میں درم نہ دیتا یہ دونوں باتیں جمع ہوئیں تو میں نے درم دیا۔ پہلی قسم کی مثال یہ ہے کہ دو آدمی مل کر پتھر اُٹھائیں اور ہر ایک تنہا بھی پتھر اُٹھانے پر قادر ہو اور دوسری قسم کی مثال یہ ہے کہ ایک دوسرے کی مدد سے دو ضعیف آدمی ایک پتھر اُٹھاتے ہیں ہر ایک تنہا وہ پتھر اُٹھانے سے عاجز ہے۔ تیسری قسم یہ ہے کہ دو غرضوں میں سے ایک غرض خفیف ہو کہ اس کی وہ غرض آدمی کو کام میں مستعد نہ کر سکے اور دوسری غرض شدید ہو جو مستعد کر دے مگر اس غرض سے کام بہت آسان ہو جائے جیسا کہ کوئی شخص تنہا تہجد کی نماز پڑھتا ہو مگر جب لوگ جمع ہو جائیں تو نماز پڑھنا اس پر بہت آسان ہو جائے اور بہت خوشی سے نماز پڑھے لیکن اگر ثواب کی امید نہ ہوتی تو ان لوگوں کو دکھانے کے واسطے نہ پڑھتا اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی زور آور آدمی ایک پتھر اُٹھا سکتا ہے اور کوئی کمزور بھی اس کی مدد کر دے تاکہ پتھر اُٹھانا اس زور آور پر بہت آسان ہو جائے ان اقسام میں سے ہر ایک کا حکم جدا ہے جیسا کہ اخلاص کے باب میں بیان ہو گا۔ یہاں سر اتنا ہی مقصود ہے کہ تجھے یہ معلوم ہو جائے کہ غرض اور باعث اور محرک نیت کے معنیٰ میں نہیں اور یہ کبھی خالص ہوتے ہیں کبھی ملے جلے!

فصل: حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ ((نِيَّةُ الْمُؤْمِنِ خَيْرٌ مِنْ عَمَلِهٖ)) کہ مومن کی نیت اس کے عمل و کردار سے بہتر ہے۔ اس سے آپ کا یہ مقصد نہیں کہ نیت بے کردار بے نیت سے بہتر ہے اس واسطے کہ بات تو ظاہر ہے نیت کے بغیر عمل عبادت نہیں اور عمل کے بغیر نیت عبادت ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ عبادت بدن سے ہوتی ہے اور نیت دل سے اور یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں ان دونوں میں سے جو دل سے تعلق رکھتی ہے وہ بہتر ہے اور اس کے بہتر ہونے کا سبب یہ ہے کہ بدن عبادت سے مقصد یہ ہے کہ بدن کی صفت بدل جائے لوگ جانتے ہیں کہ عمل کے واسطے نیت چاہیے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ نیت کے لیے عمل درکار ہے کیونکہ سب کاموں سے مقصد دل کا پھیرنا ہے اس لیے کہ اس جہان میں دل ہی سفر کرے گا اور دل ہی کے واسطے سعادت و شقاوت ہے اور بدن گو کہ درمیان میں ہو گا مگر وہ دل کے تابع ہے جیسے سواری کہ اس کے بغیر حج مشکل ہے لیکن وہ حاجی نہیں ہو جاتی اور دل کا پھیرنا ایک ہی بات ہے اور وہ یہ کہ دُنیا کی طرف سے منہ پھیر کر آخرت کی جانب متوجہ ہو جائے بلکہ دُنیا اور آخرت دونوں سے منہ پھیر کر صرف

حضرت حق کی طرف توجہ ہو جائے اور دل کی خواہش اور ارادہ یہی روئے دل ہے۔ جب دُنیا کی خواہش آدمی کے دل پر غالب ہوتی ہے تو دل کا منہ دُنیا کی طرف ہوتا ہے دُنیا کے ساتھ تعلق رکھنا دل کی خواہش ہے! ابتدائے خلقت میں دل کا یہی حال ہوتا ہے جب جناب احدیت اور آخرت کے دیدار کی خواہش غالب ہوتی ہے تو دل کی صفت بدل جاتی ہے اور وہ دوسری طرف متوجہ ہوتا ہے تو سب اعمال سے مقصد دل کا پھرنا ہے سجدہ سے مقصد پیشانی پھیرنا نہیں کہ ہوا سے زمین میں لگ جائے بلکہ یہ مقصد ہے کہ دل کی صفت بدل جائے تکبر سے فروتنی کی طرف اور اللہ اکبر کہنے سے یہ مقصد نہیں کہ زُبان پھر کر ہلنے لگے بلکہ مقصد یہ ہے کہ دل طاعت اور بندگی کی طرف متوجہ ہو جائے اور نفسانی خواہش کی متابعت اور اپنی عقل کے تصرف کو بالائے طاق رکھ کر اللہ تعالیٰ کے حکم کا مطیع ہو جائے۔ اپنی باگ اپنے ہاتھ سے چھوڑ کر اللہ کے فرمان کے ہاتھ میں دے دے جیسا کہ کہا ہے لَبَّيْكَ بِحَجَّةٍ حَقًّا تَعَبُّدًا وَّرِقًا اور قربانی سے یہ مقصد نہیں کہ بکرا ذبح ہو جائے بلکہ مقصد یہ ہے کہ تیرے سینے سے بخل کی نجاست نکل جائے اور جانوروں پر طبعی تقاضوں کے پیش نظر شفقت رکھے۔ جب حکم ہو کہ ذبح کرلو تو یہ نہ کہے کہ اس بے چارے نے کیا قصور کیا ہے اسے مصیبت اور ہلاکت میں کیوں مبتلا کروں؟ بلکہ اپنا تمام اختیار چھوڑ دے اور حقیقت میں نیست ہو جائے کیونکہ تو خود نیست ہے اس لیے کہ جب بندہ اپنے حق میں نیست ہے اور اللہ تعالیٰ ہی فی الحقیقت ہست ہے۔ باقی سب عبادتوں کا یہی حال ہے مگر اللہ تعالیٰ نے دل کو ایسا پیدا کیا ہے کہ جب کوئی ارادہ اور خواہش اس میں پیدا ہوتی ہے اور بدن اس کے موافق حرکت کرتا ہے تو وہ صفت دل میں بہت مضبوط ہو کر جم جاتی ہے مثلاً جب دل میں یتیم پر رحم آتا ہے کہ اُس کے سر پر آدمی ہاتھ پھیرنے لگے تو وہ رحم بہت زیادہ قوی اور مضبوط ہو جاتا ہے اور دل کی آگاہی زیادہ ہوتی ہے جب فروتنی کی صفت دل میں پیدا ہوتی ہے تو آدمی اپنا سر جھکا کر زمین سے لگا دے تو وہ فروتنی دل میں جم جاتی ہے۔ طلب خیر سب عبادتوں کی نیت ہے یعنی آدمی دُنیا کی طرف نہیں بلکہ آخرت کی طرف متوجہ ہو جائے اور اس نیت پر عمل کرنا اس خواہش کو قائم اور مضبوط کر دیتا ہے تو عمل فی الحقیقت خواہش اور نیت کی مضبوطی کے لیے ہے گو کہ وہ سرزد نیت ہی کے سبب ہوتا ہے جب یہ حال ہے تو اس نیت کا عمل سے بہتر ہونا ظاہر ہے اس واسطے کہ نیت کا محل دل ہے اور عمل دوسری جگہ سے دل میں سرایت کرے گا۔ اگر دل میں عمل سرایت کرتا ہے تو کام آتا ہے اگر ایسا نہیں اور محض غفلت کا شکار ہے تو سب کچھ اکارت جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ بغیر عمل کے نیت حبط نہیں ہوتی کہ وہ تو نفس دل میں ہے غفلت کو اس میں دخل ہی نہیں اس کی مثال یوں ہے جیسے معدہ میں درد ہو تو جب آدمی دوا کھاتا ہے تو وہاں پہنچتی ہے اور اگر سینے پر لیپ کرے تاکہ معدہ میں اثر پہنچے تو بھی فائدہ کرے گی مگر جو دوا معدہ میں پہنچتی ہے وہ سینہ میں لیپ کرنے والی دوا سے بہرحال فائدہ میں زیادہ ہے کہ مقصد معدہ ہے سینہ نہیں اور جب سینے سے معدہ میں سرایت نہ کرے تو محض بیکار ہے اور جو معدے میں تو پہنچ جائے لیکن سینہ میں نہ پہنچے وہ رائیگاں نہیں۔

جو نفسانی وساوس معاف ہیں اور جو معاف نہیں

حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری اُمت کے واسطے خیالاتِ نفسانی معاف کیے ہیں۔ بخاری اور مسلم میں ہے کہ جو شخص گناہ کا قصد تو کرے لیکن عملاً گناہ نہ کرے تو فرشتوں کو حکم ہوتا ہے کہ یہ اس کے نامۂ اعمال میں نہ لکھا جائے اور نیکی کا قصد کرے تو ایک نیکی نامۂ عمل میں لکھ لو اگرچہ عملاً اس نیکی کا ظہور نہ ہو عملاً ہو جائے تو دس گنا ثواب لکھ لو۔ اور بعض احادیث میں ہے کہ سات سو نیکیوں تک فرشتے بڑھاتے جاتے ہیں اس موقعہ پر ایک گروہ نے یہ بات سمجھی ہے کہ قصداً اور سوچ کر جو کچھ دِل میں آتا ہے اس پر آدمی سے مواخذہ نہ ہو گا حالانکہ یہ بات صحیح نہیں اس لیے کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ دِل اصل ہے اور بدن اس کا تابع۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْکُمْ بِهِ اللّٰهُ ﴾ (البقرہ)

"جو تمھارے دِلوں میں ہے اسے ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تعالیٰ تمھارا حساب ضرور لے گا"۔

اور ارشادِ باری ہے :

﴿ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴾ (بنی اسرائیل)

"یقیناً کان، آنکھ اور دِل میں سے ہر ایک کے متعلق سوال کیا جائے گا"

نیز ارشاد ہے :

﴿ لَا یُؤَاخِذُکُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِیْٓ اَیْمَانِکُمْ وَلٰکِنْ یُّؤَاخِذُکُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَیْمَانَ ﴾ (المائدہ)

"نہیں مواخذہ فرمائیں گے تمھارا اللہ تعالیٰ تمھاری لغو قسموں میں ہاں ان قسموں میں مواخذہ ہو گا جن میں دِلی قصد شامل ہو"

اور اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ کبر، نفاق، عجب، ریا، حسد کے سبب سے آدمی ضرور ماخوذ ہو گا اور یہ سب دِل کے کام ہیں۔ پس اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ جو کچھ دِل سے متعلق ہے اس کی چار قسمیں ہیں دو چیزیں وہ ہیں جن میں آدمی کا اختیار نہیں ان کے سبب سے تو وہ ماخوذ نہیں ہو گا اور دو میں اختیار ہے ان پر مواخذہ ہو گا۔ مثال یوں ہے کہ ایک آدمی اپنے راستے پر چلا جا رہا ہے اور کوئی عورت اس کے پیچھے پیچھے چلتی ہو انسان کے دِل میں آئے کہ میں پلٹ کر دیکھوں تاکہ اس عورت کو دیکھ سکوں تو اس خطرہ کو حدیثِ نفس کے عنوان سے یاد کیا جاتا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ تیری طبیعت میں پھر کر دیکھنے کی رغبت پیدا ہو اسے میلانِ طبع کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ایسی رغبت کے سبب شہوت پیدا ہوتی ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ دِل کا تقاضا ہو کہ پھر کر دیکھنا چاہیے یہ حکم اور تقاضا ایسی جگہ ہوتا ہے جہاں کوئی ڈر اور شرمانع نہ ہو۔ اس واسطے کہ یہ بات ضروری نہیں کہ شہوت جس بات کی متقاضی ہو دِل بھی اس کا حکم کرے کہ یہ بات ہونی چاہیے بلکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ دِل حکم کرتا ہے کہ یہ بات مناسب نہیں اس کا نام دِل کا حکم ہے۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ پھر کر دیکھنے کا قصد کرے پھر اللہ تعالیٰ سے یا بندوں سے ڈر کر اس دِلی حکم و تقاضا کو رد نہ کرے گا یا اس حکم کو باطل نہیں کرے گا تو وہ ارادہ جھٹ پٹ پختہ ہو جائے گا تو پہلی دو حالتوں یعنی حدیثِ نفس اور میلانِ طبع کے سبب

تو آدمی ماخوذ نہیں ہو گا۔ اس لیے کہ وہ بندے کے اختیار میں نہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ﴾ اور حدیثِ نفس کی مثال یوں ہے جیسے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے حضرت نبی کریم علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے نفس کا تقاضا یہ ہے کہ میں اپنے آپ کو خصی کر ڈالوں تا کہ نکاح کی شہوت سے چھوٹ جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کرنا کیونکہ میری اُمت میں روزہ رکھنا اپنے آپ کو خصی کرنے کے مترادف ہے۔ عرض کیا کہ میرا نفس کہتا ہے کہ بیوی کو طلاق دے دوں۔ فرمایا تیزی نہ کرو کیونکہ نکاح تو میری سنت ہے۔ عرض کیا کہ میرا طبعی تقاضا یہ ہے کہ راہبوں کی طرح پہاڑ پر جا بیٹھوں۔ فرمایا ایسا نہ کرنا کیونکہ حج اور جہاد کرنا میری اُمت کے حق میں رہبانیت ہے۔ عرض کیا کہ جی چاہتا ہے کہ گوشت نہ کھاؤں تو فرمایا کہ میاں گوشت تو مجھے پسند ہے اگر مل جائے تو میں ضرور کھاؤں اور اللہ سے مانگوں تو وہ ضرور عنایت فرمائے۔ پس انھیں جو یہ خطرے پیدا ہوئے سب حدیثِ نفس کے زمرہ میں آتے ہیں اور معاف ہیں اس لیے کہ یہ کام کرنے کا قصد نہیں کیا تھا فقط دِل کا مشورہ تھا اور وہ دو حالتیں جو آدمی کے اختیار سے دِل میں پیدا ہوتی ہیں ان میں ایک تو دِل کا حکم ہے دوسرے اس طرف طبیعت کا میلان کہ یہ کام کرنے کے لائق ہیں اور وہ کام کرنے کی طرف دِل کا قصد۔ ان دونوں حالتوں کے سبب ضرور قابل مواخذہ ہے اس کا یہ معنی نہیں کہ کسی کو اس پر غُصّہ آئے اور اب اس گناہ کے عوض اس شخص پر سختی کرے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ غُصّہ کرنے اور بدلہ لینے سے پاک ہیں ہاں اس کا یہ معنی ہے کہ اس نے جو قصد کیا اس کے سبب سے اس کے دِل نے ایسی صفت پیدا کی کہ جناب الٰہی سے دور ہو گیا' یہی اس کی شقاوت ہے۔ اس واسطے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ آدمی کی سعادت اسی میں ہے کہ اپنی طرف سے اور دُنیا کی جانب سے منہ پھیر کر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے خواہش اور تعلق ہی اس کا منہ ہے اس واسطے کہ وہ جو ایسی خواہش اور ایسا قصد کرتا ہے کہ دُنیا سے تعلق رکھے تو دُنیا کے ساتھ اس کا تعلق بہت مستحکم ہو جاتا ہے اور جو چیز اسے حاصل ہونی چاہیے اس سے بہت دور ہو جاتا ہے اور آدمی مُواخذہ اور لعنت کا شکار ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ دُنیا کی لعنت میں گرفتار ہو گیا اور اللہ تعالیٰ سے دور ہو کر رہ گیا۔ یہ کام اسی سے ہے اور اسی کے ساتھ ہے اور اسی میں ہے نہ کسی کو اس کی عبادت سے خوشی ہوتی ہے اور نہ اس کے گناہ سے غُصّہ ہوتا ہے کہ اس سے انتقام لے مگر مخلوق کی عقل کے موافق یوں کہا جاتا ہے جس شخص نے یہ راز سمجھ لیا اسے اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں رہتا کہ دِلی احوال کے سبب آدمی ماخوذ ہوتا ہے اس پر بڑی دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب دو آدمی آپس میں تلوار کھینچ کر آمنے سامنے ہوتے ہیں اور ایک مارا جائے تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یارسول اللہ مقتول کیوں دوزخ میں جائے گا؟ فرمایا اس لیے کہ وہ دوسرے کو قتل کرنے کا حریص تھا۔ اسے موقع ملتا تو ضرور ایسا کرتا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ ایک شخص کے پاس مال ہے اور وہ شرعی طور طریق سے خرچ نہیں کرتا۔ دوسرا کہتا ہے کہ میرے پاس مال ہوتا تو میں بھی یونہی بے جا اُڑاتا تو گناہ میں دونوں برابر ہوں گے اور یہ دونوں باتیں دِلی قصد سے متعلق ہیں اور اس میں ذرا بھر شک نہیں کہ اگر کوئی شخص اپنے بستر پر کسی عورت کو دیکھ لے اور یہ خیال کر کے کہ یہ میری بیوی نہیں پھر اس کے ساتھ جماع کرے تو گنہگار ہو گا اگرچہ وہ اس کی بیوی ہو بلکہ اگر کوئی آدمی یہ جان کر کہ میں وضو سے ہوں نماز پڑھ لے اور حقیقت میں وضو نہ ہو تو ثواب ہو گا۔ اور یہ سمجھ کر کہ میں بے وضو ہوں اور نماز پڑھ لے تو

گنہگار ہو گا اگرچہ پھر اسے یاد آ جائے کہ میں باوضو تھا اور یہ باتیں دِل کی حالتیں ہیں لیکن اگر گناہ کا قصد کرے اور اللہ کے ڈر کی وجہ سے گناہ کا ارتکاب نہ کرے تو اس کے واسطے نیکی لکھی جاتی ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ آدمی کا قصد طبیعت کے موافق ہوتا ہے اور طبیعت کے برخلاف کسی کام سے دستبردار ہونا مجاہدہ ہے کیونکہ اس قصد کا دِل تاریک کرنے میں جتنا اثر ہے اس مجاہدہ کا دِل روشن کرنے میں اس سے زیادہ اثر ہے نیکی لکھنے کا یہی معنی ہے اور اس حدیث کا یہی مطلب ہے اور اگر کوئی شخص گناہ کا قصد کر کے عاجزی کے سبب اس گناہ سے باز رہا تو باز رہنا اس مقصد کا کفارہ نہ ہو گا اور وہ تاریکی دور نہ ہو گی اور وہ اس قصد کے سبب ماخوذ ہو گا جیسے وہ مقتول جو عاجزی کے سبب اپنے قاتل کو قتل نہ کر سکا۔

وہ عمل جو نیت کے سبب بدل جاتے ہیں

اعمال تین قسم پر ہیں طاعات' مباحات اور معاصی' یہ جو حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے ((اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ)) اس سے شاید لوگ سمجھیں کہ معصیت بھی اچھی نیت کے سبب سے طاعت ہو جاتی ہے ایسا سمجھنا غلط ہے۔ معصیت جو عمل کی ایک قسم ہے اس میں اچھی نیت کچھ بھی اثر نہیں کرتی مگر بری نیت سے اور بھی بدتر بنا دیتی ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کسی کا دِل خوش کرنے کی غرض سے کسی کی غیبت کرے یا حرام کے مال سے مسجد' پل اور مدرسہ بنائے اور کہے کہ میری تو نیت بخیر ہے اور وہ اس قدر نہ جانتا ہو کہ برائی میں اچھی نیت کرنا دوسری برائی ہے اور اگر اس برائی کو برائی جانتا ہو تو فاسق ہی ہے اور اگر سمجھے کہ یہ کارِ خیر ہے تو بھی فاسق ہے اس واسطے کہ طلب عِلم فرض ہے اور مخلوق بالعموم جہالت کے سبب ہلاک اور تباہ ہوتی ہے اس واسطے حضرت سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جہل سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں اور اپنے جہل کو نہ جاننا جہل سے بدتر گناہ ہے اس لیے کہ ایک آدمی جب یہ نہیں جانے گا کہ میں جاہل ہوں تو وہ سیکھنے کی طرف کبھی توجہ نہیں دے گا اور یہ جہل اس کے حق میں حجاب اور آڑ بن جائے گا اسی طرح ایسے شاگرد کو تعلیم کرنا بھی حرام ہے جس کا مقصد عہدۂ قضا اور وقف اشیاء اور یتیموں کے اموال اور بادشاہ کے مال سے دُنیا حاصل کرنا ہے اور جو اپنی بڑائی جتانے مباحثہ و مناقشہ کرنے میں مشغول ہو اگر مدرس کہے کہ میری نیت تو یہی ہے کہ شریعت کا عِلم پھیلے شاگرد اگر برائی میں عِلم صرف کرے گا تو میری بلا سے مجھے تو اپنی نیت پر اجر نصیب ہو گا تو مدرس کا یہ کہنا محض نادانی ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص ایسے آدمی کو تلوار دے جو رہزنی کا پیشہ کرتا ہو یا شراب بنانے والے کو انگور دے اور کہے کہ میرا مقصد تو سخاوت ہے اس لیے کہ حق تعالیٰ سخی سے زیادہ کسی کو محبوب نہیں رکھتے تو یہ سب باتیں نادانی کی ہیں بلکہ جب یہ معلوم کر لے کہ یہ شخص رہزنی کرے گا تو اس کے ہاتھ سے تلوار کھینچ لے دوسری تلوار اسے دینا کیونکر روا ہو گا؟ اسلاف نے تو فاجر عالم سے پناہ مانگی ہے اور جس شاگرد میں گناہ کا اثر دیکھا اسے دور کیا حتیٰ کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک قدیم شاگرد کو محض اتنی سی بات پر نکال دیا کہ اس نے اپنے گھر کی دیوار میں باہر سے ذرا سا اضافہ کر لیا۔ آپ نے فرمایا کہ تو نے ایسی حرکت کر کے مُسلمانوں کی شاہرا میں ذرا سی زمین دبا لی تجھے عِلم سکھنا درست نہیں۔

پس گناہ خیر کی نیت سے خیر نہیں ہو جاتے بلکہ خیر وہی ہے جس کا حکم ہوا ہے۔ اعمال کی دوسری قسم طاعت ہے اور ان میں دو وجہ سے نیت اثر کرتی ہے ایک تو اس اصل سے جس سے عمل درست ہوتا ہے دوسری یہ کہ نیت جتنی زیادہ ہوتی ہے اتنا ہی ثواب بڑھتا ہے اور جو شخص نیت کا علم سیکھتا ہے وہ ایک طاعت میں دس نیک نیتیں کر سکتا ہے تاکہ وہ ایک طاعت دس طاعتوں کے برابر ہو جائے۔ مثلاً جب کوئی شخص مسجد میں اعتکاف بیٹھے ایک تو یہ نیت کرے کہ مسجد خانۂ خُدا ہے جو خُدا کے گھر جاتا ہے وہ گھر والے کی زیارت کو جاتا ہے اس واسطے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص مسجد جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کو جاتا ہے اور جس کی زیارت کو کوئی جاتا ہے اس پر لازم ہے کہ زائر کی تکریم کرے۔ دوسری نیت یہ ہے کہ دوسری نماز کا انتظار کرتا ہے اور حدیث میں ہے کہ جو شخص نماز کا انتظار کرے وہ گویا نماز میں مشغول ہے۔ تیسری نیت یہ ہے کہ اس اعتکاف کے سبب آنکھ' کان' زبان' ہاتھ' پاؤں کو بے جا حرکات سے باز رکھوں گا یہ ایک قسم کا روزہ ہے اس لیے کہ حدیث میں ہے کہ مسجد میں بیٹھنا میری اُمت کے حق میں رہبانیت ہے۔ چوتھی نیت یہ ہے کہ دُنیا کے مشغلوں کو اپنے سے دور کر دے۔ پانچویں نیت یہ ہے کہ لوگوں کے اختلاط اور مخلوق کے شر سے بچوں گا۔ چھٹی نیت یہ ہے کہ اگر مسجد میں کوئی بری بات دیکھوں گا تو منع کروں گا اچھی بات دیکھوں گا تو حکم کروں گا کوئی غلط طریقہ سے نماز پڑھے گا تو اسے سکھا دوں گا۔ ساتویں نیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے گھر میں گناہ کرتے ہوئے یا گناہ کا خیال کرتے ہوئے اس سے شرم رکھے۔ اے عزیز! اس پر طاعت کو قیاس کر لے کہ ہر ایک میں بہت سی نیتیں آدمی کر سکتا ہے تاکہ ثواب بڑھ جائے۔

اعمال کی تیسری قسم مباحات ہے کسی آدمی کو حیوانات کی طرح مباح کاموں میں غفلت کی چال نہ چلنا چاہیے اس میں نیک نیتی سے بھی غفلت نقصان کی بات ہے اس لیے کہ تمام حرکات و سکنات کا سوال کیا جائے گا اور سب مباحات کا حساب کیا جائے گا بری نیت ہو گی تو اُس پر عذاب ہو گا اچھی نیت ہو گی تو اُس کا ثواب ہو گا۔ کچھ نیت نہ ہو گی تو سراسر نقصان ہے کہ اپنے اوقات ضائع کیے کہ نیت درست کیے بغیر اس کام میں وقت صرف کیا اور فائدہ کچھ نہ ہوا اور اس آیت کریمہ کے خلاف عمل کیا ﴿ فَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا ﴾ یعنی دُنیا گزرنے والی ہے اس سے اپنا حصہ لے لے تاکہ وہ تیرے ساتھ رہے اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ بندے سے ہر کام پر سوال ہو گا جو اُس نے دُنیا میں دیکھا ہو حتیٰ کہ سرمہ جو آنکھوں میں لگایا یا مٹی کا ایک ڈھیلا جو ہاتھ میں ملایا ہاتھ جو کسی بھائی کے کپڑے میں لگایا ہو۔ مباحات کی نیت کا علم بھی بہت بڑا عِلم ہے اسے سیکھنا ضروری ہے اس کا استعمال یوں ہے کہ خوشبو کا استعمال مباح ہے ممکن ہے کہ کوئی شخص جمعہ کے دن خوشبو استعمال کرے اور تونگری ظاہر کر کے تفاخر کرنا یا لوگوں پر اپنی نفاست ظاہر کرنا یا برے خیال سے غیر عورتوں کے دِل میں جگہ کرنا اسے مقصود ہو۔ خوشبو کے استعمال میں اچھی نیتیں یہ ہیں کہ خانۂ خُدا کی تعظیم و تکریم کا خیال کرے اور یہ ارادہ کرے کہ میری خوشبو کے سبب سے پاس بیٹھنے والوں کو راحت نصیب ہو اور وہ محظوظ اور آسودہ ہوں اور یہ خیال کرے کہ خوشبو استعمال کر کے اپنے بدن سے بدبو دور کرتا ہوں تاکہ لوگوں کو تکلیف نہ پہنچے اور میری غیبت کر کے گناہ کے مرتکب نہ ہوں اور یہ نیت کرے کہ اس طرح میں اپنے دماغ کو تقویت دیتا ہوں کہ صاف ہو کر زیادہ ذکر و فکر پر قادر ہو سکوں اور ایسی نیک نیتی اس شخص سے ہوتی ہے جس پر نیکیوں کا ارادہ غالب ہو اور ان میز

ہر نیت جنابِ احدیت کے قرب کا ذریعہ ہوتی ہے۔

اگلے بزرگوں کا یہی حال تھا حتیٰ کہ وہ کھانا کھانے پائخانہ جانے بیوی سے صحبت کرنے میں ایسی نیت کرتے جو خیر کا سبب ہو۔ آدمی جب کارِ خیر کا قصد کرتا ہے تو اسے ثواب حاصل ہوتا ہے مثلاً بیوی کے ساتھ جماع میں یہ نیت ہو کہ اولاد پیدا ہو تاکہ حضور علیہ السلام کی اُمت زیادہ ہو اور اپنی اہلیہ کو راحت پہنچانے اور اسے نیز اپنے آپ کو گناہ سے بچانے کی نیت کرے۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن اُلٹا کپڑا پہن لیا لوگوں نے کہا کہ ہاتھ پھیلایئے تو ہم کپڑے کو سیدھا کر دیں گے۔ انھوں نے ہاتھ سمیٹ لیا اور فرمایا کہ میں نے یہ کپڑا اللہ کے لیے اُلٹا پہنا ہے اسی کے لیے سیدھا کروں گا۔ حضرت زکریا علیہ السلام مزدوری کے لیے تشریف لے گئے لوگ ان کے پاس حاضر ہوئے تو وہ کھانا کھا رہے تھے آپ نے ان سے یہ نہ فرمایا کہ تم بھی کھالو۔ فراغت کے بعد فرمایا کہ اگر میں یہ سب کھانا نہ کھاتا تو مجھ سے پوری محنت نہ ہو سکتی کام میں تھک جاتا اور ہمت و سخاوت کے سبب فرض کی ادائیگی سے محروم رہتا۔ حضرت سفیان ثوری کھانا کھا رہے تھے ایک شخص ان کے سامنے سے گزرا۔ اس سے یہ بھی نہ فرمایا کہ تم بھی کھالو جب کھا چکے تو فرمایا کہ اگر یہ کھانا قرض لیا ہوا نہ ہوتا تو میں تجھے شریک ہونے کو کہتا۔ پھر فرمایا جب کوئی شخص کسی آدمی کو کھانے کا حکم کردے اور دل میں اس کے کھانے سے راضی نہ ہو تو اگر اُس نے نہ کھایا تو بلانے والے سے ایک ہی گناہ سرزد ہوا یعنی نفاق اور کھالیا تو بلانے والے سے دو گناہ ہوئے ایک نفاق دوسرا خیانت کیونکہ اسے ایسی چیز کھلائی کہ اگر وہ جانتا ہوتا تو نہ کھاتا۔

نیت اختیار میں نہیں

جب کوئی سلیم الفطرت انسان سنے گا کہ ہر مباح میں نیت ممکن ہے تو شاید دِل یا زُبان سے کہے کہ میں اللہ کے لیے نکاح کرتا ہوں یا کھانا کھاتا ہوں یا جلسہ کرتا ہوں یا درس دیتا ہوں اور اس کا خیال ہو کہ دِل یا زُبان سے کہنا نیت ہے حالانکہ یہ حدیثِ نفس ہے یا زبانی بات ہے اس واسطے کہ نیت ایک سبب ہے جو دِل میں پیدا ہوتی ہے تاکہ آدمی کو کام میں مشغول کرے جیسا کوئی صاحب تقاضہ الحاح کرے تاکہ بدن اس کا کہنا مان کر وہ کام کرنے لگے یہ بات اس وقت پیدا ہوتی ہے کہ غرض ظاہر ہو اور غالب ہو جائے جب یہ تقاضا نہیں ہوگا تو زبانی نیت یوں ہوگی جیسا کوئی پیٹ بھرا آدمی کہے کہ میں نے بھوکا رہنے کی نیت کی ہے یا کوئی بے پرواہ آدمی کہے کہ میں نے فلاں کو دوست رکھنے کی نیت کی ہے حالانکہ یہ باتیں محال ہیں علیٰ ہذا القیاس جو شخص شہوت کے مارے جماع کرے اور کہے کہ میں نے اولاد پیدا کرنے کی غرض سے جماع کیا ہے تو یہ بے ہودہ بات ہے اسی طرح جب شہوت پرستی کے باعث نکاح کرے اور کہے یہ کہ میں نے ادائے سنت کے واسطے نکاح کیا ہے تو یہ بھی بے ہودگی ہے اصل یہ ہے کہ پہلے تو شریعت کے ساتھ ایمان قوی ہونا چاہیے پھر اولاد پیدا کرنے کی غرض سے ثواب کی جو حدیثیں وارد ہیں ان میں آدمی غور و تامل کرے تاکہ اس کے دِل میں اس ثواب کا لالچ پیدا ہو اور اس سے نکاح کرائے اس وقت بغیر اس کے کہ وہ زبان سے کہے خود ادائے سنت کی نیت ہوگی اور جس شخص کی فرمانبرداری کی حرص نے آمادہ کرکے نماز کے واسطے کھڑا کر دیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل خود ہی اس کی نیت ہوگی اور زُبان سے کہنا کہ میں نے نیت کی بے سود ہوگی۔ جیسا کہ بھوکے آدمی کو کہنا بھوک کے واسطے میں نے روٹی کھانے کی

نیت کی ہے بے فائدہ ہے اس لیے کہ جب وہ بھوکا ہے تو روٹی کھانا چار و ناچار خود بھوک ہی کے واسطے ہے اور جہاں حظ نفس پیدا ہو وہاں آخرت کی نیت مشکل سے ہوتی ہے مگر یہ کہ کارِ آخرت فی الجملہ غالب پڑا ہو۔ پس معلوم ہوا کہ نیت وہ ہے جو تیرے اختیار میں نہیں کیونکہ نیت اصل میں اس خواہش سے عبارت ہے جو تجھے کام میں مشغول رکھے اور تیرا کام تیری قدرت سے ہوتا ہے اگر تو چاہے تو کر لے اگر نہ چاہے تو نہ کرے مگر تیری خواہش تیرے اختیار میں نہیں کہ تو چاہے تو خواہش ہو جائے نہیں تو نہیں بلکہ خواہش کبھی پیدا ہوتی ہے کبھی نہیں اور خواہش پیدا ہونے کا سبب یہ ہوتا ہے کہ تجھے اس بات کا اعتقاد ہو جائے کہ اِس یا اُس جہان میں تیری غرض کسی سے متعلق ہے تاکہ تو اس کا خواہش مند رہے اور جو شخص یہ راز جان لیتا ہے بہت سی عبادتوں سے دستبردار ہو جاتا ہے اس واسطے کہ اس کی نیت حاضر نہیں ہوتی۔ ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے جنازہ کی نماز نہ پڑھی اور کہا کہ میں نیت نہیں پاتا۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے کہا کہ آپ حضرت حماد بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کے جنازہ کی نماز کیوں نہیں پڑھتے۔ ان کا علمائے کوفہ میں بڑا اہم مقام تھا فرمایا کہ میاں نیت ہوتی تو پڑھتا۔ حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے دُعا کی خواہش کی انھوں نے فرمایا کہ جب تک نیت پیدا ہو توقف کرو۔ لوگ جب ان سے روایت حدیث کی خواہش کرتے تو ایسا بھی ہوتا کہ روایت سے گریز فرماتے اور کبھی اپنے آپ ہی روایت شروع فرما دیتے اور فرماتے کہ میں نیت کا منتظر رہتا ہوں۔ ایک بزرگ نے کہا کہ مہینہ ہونے کو ہے کہ فلاں مریض کی عیادت کے لیے جانے کو نیت درست کر رہا ہوں اور ہنوز کامیاب نہیں ہوا۔ الغرض آدمی پر جب تک دُنیا کی حرص غالب رہتی ہے اس وقت تک کسی عبادت کے معاملہ میں اس کی نیت مخلص نہیں ہوتی حتیٰ کہ فرائض تک کے معاملہ میں مشکل سے درست ہوتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی جب دوزخ کی آگ کا اندیشہ نہیں کرتا اور اپنے آپ کو اس سے نہیں ڈراتا تب تک نیت درست نہیں ہوتی۔ جب کوئی شخص ان حقائق کو پہچان لیتا ہے تو ایسا ہوتا ہے کہ فضائل کو چھوڑ کر مباحات میں مشغول ہو جاتا ہے کیونکہ مباحات میں نیت پاتا ہے مثلاً کسی شخص کی قصاص میں تو نیت ہو اور معاف کر دینے کی نہ ہو تو اس کے حق میں قصاص لینا افضل ہے اور ایسا ہوتا ہے کہ تہجد کی نماز کے لیے نیت نہیں ہوتی لیکن سونے کی ہوتی ہے اور اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ صبح کی نماز کے لیے سویرے اُٹھ سکوں تو اس کے حق میں سو رہنا افضل ہے بلکہ اگر عبادت سے ملول اور پریشان ہو اور یہ محسوس کرے کہ اپنی اہلیہ سے دِل لگی کرنے یا کسی سے خوش طبعی کی باتیں کرنے سے فرحت و انبساط حاصل ہو گا اور اس سے عبادت میں دِل لگے گا تو اس نیت سے یہ دِل لگی اور خوش طبعی اس بے دِلی کی عبادت سے افضل ہے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں کبھی دُنیوی مشاغل سے اپنے آپ کو بہلاتا ہوں تاکہ عبادت میں نشاط اور فرحت حاصل ہو۔ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں کہ اگر ہمیشہ ایک کام میں جبراً دِل لگایا جائے تو دل اندھا ہو جاتا ہے یہ ایسا امر ہے جیسے طبیب بیمار کو گوشت کھلائے گو کہ اس بیمار کو حرارت ہو اور گوشت سے طبیب کی غرض یہ ہو کہ اس بیمار کی اصلی قوت پھر پلٹ آئے اور دوا ہضم کرنے کی طاقت اس میں پیدا ہو۔ بعض لوگ میدانِ جنگ سے بھاگ جاتے ہیں لیکن ان کا مقصد یہ ہے کہ پشت سے دشمن پر اچانک حملہ کر کے اسے مارے۔ اساتذہ نے ایسے بہت سے حیلے اختیار کیے ہیں جہاں تک دین کی راہ کا تعلق ہے اس میں نفس و شیطان کے ساتھ برابر جنگ کی کیفیت ہے اور جنگ میں حیلے اور حاجتیں لامحالہ پیدا ہوتی ہیں اور

اس اعتبار سے ترقی و حیلہ بزرگانِ سلف کے نزدیک پسندیدہ بات ہے اگرچہ ناقص العلم لوگوں کو اس کا پتہ نہیں۔

فصل : جب تم یہ بات جان چکے کہ عمل کا جو باعث ہوتا ہے اسے نیت کہتے ہیں تو یہ جاننا چاہیے کہ کوئی شخص دوزخ کے ڈر کی وجہ سے عبادت کرتا ہے تو کوئی جنت کی نعمت کے سبب جو جنت کی وجہ سے ایسا کرتا ہے وہ پیٹ اور فرج کا بندہ ہے اس واسطے کوشاں ہے کہ ایسی جگہ پہنچ جائے جہاں پیٹ اور فرج کی مراد حاصل ہو اور جو دوزخ کے ڈر کے مارے ایسا کرتا ہے وہ بد ذات غلام کی مانند ہے کہ لاٹھی سے دھمکائے بغیر کام نہیں کرتا۔ ان دونوں کا اللہ تعالیٰ سے کیا کام؟ اصل بندہ وہی ہے جو کام کرے اللہ ہی کے واسطے کرے نہ مقصد بہشت ہو نہ دوزخ سے بچاؤ۔ اس بندے کی مثال ایسی ہو گی جب کوئی اپنے معشوق کی طرف دیکھتا ہو تو اس کا مقصد معشوق کو دیکھنا ہے نہ یہ کہ معشوق اسے سونا چاندی دے گا اور جس کا مقصد سیم و زر ہو گا تو اس کا معشوق سیم و زر ہو گا پس جنابِ الٰہی کا جلال و جمال جس کا محبوب نہیں اس سے ایسی نیت ممکن نہیں اور جسے صحیح نیت حاصل ہو گی اس کی عبادت بالکل خیالِ الٰہی میں تفکر اور اس کے ساتھ مناجات کی شکل میں ہوتی ہے اگر بدن سے عبادت کرتا ہے تو اس واسطے کرتا ہے کہ محبوب کی فرمانبرداری کو بھی دوست رکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ بدن کو بھی ریاضت دے اور حتی المقدور درگاہِ محبوب کی بندگی اور خدمت کی طرف کھینچے اس کے جمالِ بے مثال کے نظارے سے اپنے دِل کو محظوظ کرے اور اگر گناہ سے دست بردار ہوتا ہے تو اس واسطے ہوتا ہے کہ مشاہدہ اور مناجات کی لذت میں شہوت پرستی خلل انداز ہوتی ہے اور آڑ ہوتی ہے۔ حقیقت میں ایسا ہی بندہ عارف ہوتا ہے۔ احمد بن خضرویہ رحمۃ اللہ علیہ نے حق سبحانہ وتعالیٰ کو خواب میں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سب لوگ مجھ سے مانگتے ہیں مگر ابویزید مجھے طلب کرتا ہے۔ حضرت شبلی قدس سرہٗ کو لوگوں نے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا معاملہ کیا۔ جواب میں فرمایا کہ اللہ نے مجھ پر عتاب فرمایا اس لیے کہ ایک بار میری زبان سے نکل گیا تھا کہ جنت فوت ہو جانے سے زیادہ کسی چیز کا نقصان نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا دیدار فوت ہونے سے زیادہ اور کیا نقصان ہو گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس دوستی اور لذت کی حقیقت محبّت کے بیان میں آئے گی۔



دوسرا باب :

اخلاص اور اس کی فضیلت و حقیقت نیز اس کے درجات کا بیان

فضیلت اخلاص اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :

﴿ وَمَا اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾ "انھیں حکم دیا گیا ہے کہ خالص اللہ ہی کی عبادت کریں۔"

﴿ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ﴾

"خبردار دین خالص اللہ ہی کے لیے ہے۔"

حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اخلاص میرے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے جس بندے کو میں دوست رکھتا ہوں اس کو اس بھید سے نواز تا ہوں نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے : کہ اے معاذ اخلاص کے ساتھ عمل کر تاکہ تھوڑا عمل ہی تجھے کفایت کرے اور جو کچھ ریا کی مذمت میں ہم بیان کر چکے ہیں وہ سب اخلاص کی تعریف ہے کیونکہ مخلوق کو دکھلانا بھی منجملہ ان اسباب کے ہے جن کے باعث اخلاص زائل ہوتا ہے حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ اپنے آپ کو کوڑے مارتے اور فرماتے يَا نَفْسِي اَخْلِصِيْ تَخْلِصِي کہ اخلاص سے رہ تاکہ تجھے خلاصی نصیب ہو۔ حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص نیک بخت ہے جس نے ساری عمر میں ایک قدم ایسا اُٹھایا ہو جو خالص اللہ کے لیے ہو۔ حضرت ابوایوب سختیانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نیت میں اخلاص اصل نیت سے زیادہ دشوار ہے۔ کسی صاحب نے ایک بزرگ کو خواب میں دیکھا پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمھارے ساتھ کیا معاملہ کیا فرمایا کہ جو کچھ میں نے اللہ کے لیے کیا تھا اسے نیکیوں کے پلڑے میں دیکھا حتیٰ کہ ایک انار کا دانا جو راہ میں گر پڑا تھا اور میں نے اُٹھا لیا تھا اور ایک بلی جو میرے گھر میں مری تھی اور ریشم کا ایک تار جو میری ٹوپی میں تھا اسے برائیوں کے پلڑے میں دیکھا' سو دینار میں ایک گدھا لیا وہ نیکیوں کے پلڑے میں تھا۔ میں نے کہا سبحان اللہ بلی تو نیکیوں کے پلڑے میں اور گدھا برائیوں کے پلڑے میں۔ جواب ملا کہ جہاں بھیجا وہاں پہنچ گیا کیونکہ جب تو نے سنا تھا کہ گدھر مرگیا تو کہا اِلٰی لَعْنَتَ اللّٰهِ اگر فی سبیل اللہ کہتا تو گدھے کو نیکیوں کے پلڑے میں پاتا اور ایک بار میں نے اللہ کے لیے صدقہ دیا لوگ دیکھ رہے تھے ان کا دیکھنا مجھے پسند آیا اس صدقہ سے نہ مجھے نفع ہوا نہ نقصان۔ حضرت سفیان ثوری قدس سرہٗ نے یہ سن کر کہا کہ اُس نے بڑی دولت پائی کہ صدقہ اس کے لیے باعث ضرر نہ ہوا۔ ایک شخص کا کہنا ہے کہ میں کشتی میں سوار جہاد کے لیے جا رہا تھا ہمارا ایک ساتھی توبڑہ بیچنے لگا میرے جی میں آیا کہ میں یہ مول لے لوں اور اسے کام میں لے آؤں فلاں شہر میں بیچ دوں گا نفع ہو گا اس رات خواب میں دیکھا کہ دو شخص آسمان سے اترے ایک نے کہا کہ غازیوں کے نام لکھو اور یہ بھی لکھو کہ فلاں تماشے کی غرض سے آیا اور فلاں تجارت کے لیے اور فلاں ریاکاری کی خاطر۔ پھر میری طرف دیکھ کر کہا کہ اس کا بھی لکھ لو کہ یہ تجارت کے لیے آیا ہے میں نے کہا اللہ سے ڈرو میرا حال تو دیکھو میرے پاس کچھ نہیں میں کب تجارت کے لیے آیا ہوں میں تو اللہ کے لیے آیا ہوں۔ اُس نے کہا کہ میاں فلاں توبڑہ سے تمھاری غرض کیا تھی میں رونے لگا اور کہا کہ

واللہ میں تجارت کے لیے نہیں آیا دوسرے نے کہا یوں لکھ لو کہ فلاں آیا تو جہاد کی غرض سے تھا راستہ میں نفع کی غرض سے تو بڑہ مول لے لیا پھر اللہ کو جیسے منظور ہو گا اس کے ساتھ برتاؤ کریں گے۔ اسی لیے اسلاف نے کہا ہے کہ لحہ بھر کے اخلاص میں بندے کی نجات کا سامان ہے لیکن اخلاص ہے نادر الوجود اور اسلاف کا کہنا ہے کہ علم بیج کی مانند ہے تو عمل کھیتی اور اخلاص پانی کی مانند ہے۔ بنی اسرائیل کے ایک عابد کا قصّہ ہے اس سے کہا گیا کہ فلاں جگہ ایک درخت ہے اس کی لوگ پوجا کرتے ہیں اور اسے خُدا مانتے ہیں عابد غُصّہ میں تیشہ ہاتھ میں لے کر چل کھڑا ہوا کہ اس درخت کو کاٹ دے۔ راستے میں ایک بوڑھے کی شکل میں ابلیس ملا اُس نے عابد سے مقصد سفر پوچھا تو اُس نے کہا کہ میرا یہ مقصد ہے۔ ابلیس نے کہا میاں جا کر اللہ کی عبادت کرو وہ اس کام سے بہتر ہے جس کے لیے تم جا رہے ہو۔ عابد نے کہا کہ میں ہرگز نہیں پلٹوں گا یہی میری عبادت ہے۔ ابلیس نے کہا کہ میں نہیں جانے دوں گا اور وہ عابد سے لڑنے لگا۔ عابد نے ابلیس کو دے مارا اور اس کی چھاتی پر چڑھ بیٹھا۔ تب شیطان نے کہا کہ مجھے چھوڑ دے میں ایک بات کہتا ہوں عابد نے اسے چھوڑ دیا تو شیطان نے کہا کہ دیکھو اللہ کے ہزاروں نبی ہیں اللہ تعالیٰ کو یہ درخت کٹوانا منظور ہوتا تو ان میں سے کسی کو حکم دیتا اور تجھے بھی کونسا اس نے حکم دیا ہے کہ تو یہ کام کرے۔ عابد نے کہا کہ مجھے تو ایسا ہی کرنا ہے پھر ابلیس مصر ہوا کہ میں نہیں کرنے دوں گا پھر عابد نے پکڑا اور دے مارا پھر شیطان نے کہا کہ تو مجھے چھوڑ دے میں تجھے ایک بات کہتا ہوں اگر وہ بھی تجھے پسند نہ آئے تو تیری مرضی؟ عابد نے چھوڑ دیا تو اُس نے کہا کہ تو درویش آدمی ہے لوگ تیری خدمت کرتے ہیں اگر تیرے پاس کچھ ہو اور تو دوسرے عابدوں کو دے دے تو یہ تیرے حق میں اس کام سے بہتر ہے اس لیے کہ تو اس درخت کو کاٹ دے گا تو اس کی پوجا کرنے والوں کا کچھ نقصان نہیں ہو گا وہ دوسرا درخت لگا لیں گے تو اس خیال کو ترک کر دے میں ہر روز صبح کے وقت تیرے تکیہ کے نیچے دو دینار رکھ دیا کروں گا۔ عابد نے سوچ کر کہا کہ یہ تو ٹھیک کہتا ہے ایک دینار میں صدقہ کر دیا کروں گا اور ایک اپنے کام میں لاؤں گا۔ اس درخت کو کاٹنے سے یہ بہتر ہے اللہ نے نہ تو مجھے اس کا حکم دیا ہے نہ میں نبی ہوں کہ یہ درخت کاٹنا میرے لیے ضروری ہو الغرض عابد اپنے گھر میں واپس چلا آیا۔ ایک دن دو دینار اسے مل گئے دوسرے دن بھی ایسا ہی ہوا۔ دِل میں سوچنے لگا کہ یہ تو بہت اچھا ہوا کہ میں نے درخت نہیں کاٹا لیکن تیسرے دن معاملہ صاف تھا پھر غُصّہ میں تیشہ لے کر چل پڑا۔ ابلیس سے پھر ملاقات ہوئی اُس نے کہا کہاں کا قصد ہے کہ وہی درخت کاٹنے جا رہا ہوں۔ شیطان نے کہا میاں تم غلط کہتے ہو اور جھوٹے ہو۔ اب جو گتھم گتھا ہوئے تو ابلیس نے دے مارا۔ اب عابد ابلیس کی گرفت میں یوں تھا جیسے باز کے پنجے میں چڑیا۔ ابلیس نے کہا کہ واپس چلا جا ورنہ بکری کے بچے کی طرح تجھے ذبح کر دوں گا۔ عابد نے کہا کہ اچھا مجھے چھوڑ دے میں واپس چلا جاؤں گا لیکن یہ تو بتا کہ پہلے میں کیوں غالب آیا اور اب تو کیوں؟ ابلیس نے کہا کہ پہلے تیرا غُصّہ اللہ کے لیے تھا تو تُو غالب آ گیا اس واسطے کہ جو شخص اللہ کے لیے کام کرتا ہے میں اس پر غالب نہیں آ سکتا اور اب تو دینار کی غرض سے غُصّہ میں تھا اور ہوا و ہوس کا بندہ مجھ پر غالب نہیں آ سکتا۔

اخلاص کی حقیقت

جب تم نے یہ جان لیا کہ نیت عمل کا باعث اور عمل کے لیے متقاضی ہے تو اگر وہ ایک ہی متقاضی ہے تو اسے خالص کہتے ہیں اور دو ہیں تو گویا اس میں شرکت ہو گئی۔ اسے خالص نہیں کہتے۔ شرکت کی مثال یوں ہے کہ کوئی شخص اللہ کے لیے روزہ رکھے لیکن پرہیز سے یہ بھی مقصد ہو کہ اس سے تندرستی رہے گی یا گھر کا خرچ کم ہو گا اور کھانے پکانے کی محنت سے بچے گا یا اور کوئی کام جو اسی نوعیت کا ہو اور اس میں مشغول ہو یا یہ کہ مثلاً جاگتا رہے اور کچھ کام کر سکے یا غلام آزاد کرے کہ اس کے خرچ اور بدخوئی سے بچ جائے یا حج کے لیے جائے کہ آب و ہوا تبدیل ہو جائے اور اسے قوت و تندرستی حاصل ہو یا شہروں کی سیر ہو جائے اور تماشے دیکھنے کا موقع مل جائے یا اہل و عیال اور ان کے نان و نفقہ کی فکر سے کچھ دن آرام نصیب ہو جائے یا کسی دشمن کے رنج سے چھٹکارا حاصل ہو جائے یا رات کو نماز پڑھتا رہے کہ نیند نہ آئے اور اس طرح مال کی بھی حفاظت ہو سکے یا روزی کی خاطر علم سیکھے یا اس طرح مال و متاع اور زمین و باغات کا انتظام رکھ سکے یا لوگوں کی نظروں میں معزز و ممتاز ہو یا جلسہ و درس کا انتظام کرے کہ چپ رہنے کی مصیبت سے بچا رہے یا قرآن شریف کی کتابت کرے تاکہ اس کا خط صاف اور پختہ ہو جائے یا پیدل سفر اس لیے کرے کہ خرچ کی بچت ہو یا ٹھنڈا و پاک رہنے کی غرض سے وضو کرے یا جسم کی بدبو سے بچنے کی خاطر غسل کرے یا مکان کے کرایہ سے بچنے کی خاطر مسجد میں اعتکاف کرے یا کسی سائل کو خیرات دے تاکہ اس کی خوشامد اور الحاح سے بچ جائے یا فقیر کی خدمت اس لیے کرے کہ اسے ناکام لوٹانے میں شرم محسوس ہوتی ہے یا بیمار کو اس لیے دیکھنے جائے کہ میں بیمار ہوا تو لوگ مجھے دیکھنے آئیں گے اور مجھے ملامت و عتاب نہ کریں یا کوئی اور نیک کام کرے تاکہ نیکوکار اور صالح مشہور ہو جائے۔ یہ سب باتیں ریا کے حکم میں ہیں جس کی تفصیل بیان ہو چکی۔ یہ خیالات تھوڑے ہوں یا زیادہ اخلاص کے لیے زہر قاتل ہیں بلکہ عمل خالص وہی ہے جس میں اپنی ذات کا کوئی فائدہ یا حصہ نہ ہو بلکہ وہ کام محض اللہ کے لیے ہو جیسا کہ حضور علیہ السلام سے لوگوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ اخلاص کیا چیز ہے۔ فرمایا اخلاص یہ ہے کہ: ((اَنْ تَقُوْلَ رَبِّیَ اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقِمْ کَمَا اُمِرْتَ)) یعنی یہ کہو کہ میرا پروردگار اللہ ہے پھر اس پر ایسے ڈٹ جاؤ جیسا حکم دیا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آدمی جب تک بشری صفات سے نہیں چھوٹے گا اس وقت تک یہ معاملہ اس پر سخت دشوار ہو گا۔ اسی لیے بزرگانِ سلف نے کہا ہے کہ اخلاص سے زیادہ سخت چیز کوئی نہیں اگر ساری عمر میں ایک کام بھی اخلاص کے ساتھ ٹھیک ٹھیک ہو تو بھی تو نجات کی امید ہے فی الحقیقت بشریت کی صفات اور اغراض سے ایک کام کو خالص اور صاف نکالنا ایسا مشکل ہے جیسے گوبر اور خون میں سے دودھ نکالنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿مِنْ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ﴾ اس کی تدبیر یہ ہے کہ آدمی کا دل دُنیا سے ٹوٹ جائے تاکہ محبّت الٰہی غالب ہو جائے اور آدمی عاشق صادق کی مانند ہو جائے کہ جو کچھ خواہش کرے اپنے معشوق ہی کی خاطر کرے ایسا آدمی اگر کھانا کھاتا ہے یا قضائے حاجت کے لیے جاتا ہے تو ممکن ہے کہ اس میں بھی اخلاص کی نیت کر سکے اور جس شخص پر دُنیا کی مُحبّت غالب ہو اس کے لیے نماز روزہ میں بھی اخلاص دشوار ہے اس لیے کہ انسانی اعمال دِل کی صفت سے متصف ہوتے ہیں اور دِل جدھر غالب ہوتا ہے اس طرف میلان ہوتا ہے۔ جس

شخص پر جاہ کی محبّت غالب ہوتی ہے اس کے سب کام مخلوق کو دکھانے کی غرض سے ہوتے ہیں حتیٰ کہ صبح کو منہ دھونا اور کپڑے پہننا بھی اسی لیے ہوتا ہے۔

مجلس ' درس ' روایت حدیث اور جو کام مخلوق سے متعلق ہیں ان میں اخلاص سب سے مشکل ہے اس لیے کہ اس قسم کے کاموں میں بالعموم یہ خواہش ہوتی ہے کہ مخلوق واہ واہ کرے یا اللہ تعالیٰ کے قرب کی خواہش تو ہوتی ہے لیکن ساتھ مخلوق کا قصّہ بھی ہوتا ہے اس صورت مخلوق کا قصّہ قربِ الٰہی کے برابر ہوگا یا کم یا زیادہ بہرحال آمیزش ہوگی اور نیت اس سے پاک رہے یہ تو علماء سے بھی مشکل ہے [بلکہ اس دور میں یہ طبقہ اس معاملہ میں زیادہ ملوث ہے اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھے۔ مترجم]

بعض احمق اپنے آپ کو مخلص سمجھتے ہیں اور غرورِ نفس کا شکار ہیں وہ اپنا عیب تک نہیں پہچانتے بلکہ بہت سے زیرک لوگ بھی اس معاملہ میں عاجز اور حیران و درماندہ ہیں۔ ایک بزرگ نے کہا ہے کہ تیس برس تک میں نے پہلی صف میں نماز پڑھی وہ میں نے قضا کی اس لیے کہ ایک دن جو مجھے دیر ہو گئی اور آخری صف میں جگہ ملی تو مجھے دل میں لوگوں سے شرمندگی محسوس ہوئی کہ کہیں گے کہ دیکھو آج دیر سے آیا ہے تب مجھے معلوم ہوا کہ تمام خوشی تو محض اس کی تھی کہ لوگ پہلی صف میں دیکھ لیں۔ پس اخلاص ایسی صفت ہے جس کا جاننا دشوار ہے اور اس کا کرنا اور بھی دشوار ہے اور جو عمل مشترک اور بے اخلاص ہو وہ قبول ہی نہیں۔

فصل : اسلاف کا کہنا ہے کہ عالِم کی دو رکعت نماز جاہل کی سال بھر کی عبادت سے افضل ہے اس لیے کہ جاہل اپنے عمل کی آفتوں کو پہچان نہیں سکتا اور اغراض سے عمل کی آمیزش کیسے پاک ہو' اسے معلوم نہیں وہ بے چارہ سب ہی اعمال کو خالص سمجھتا ہے اس لیے کہ عبادت کا کھوٹا پن سونے کے کھوٹے پن کی مانند ہے اور کبھی صراف بھی سونا پرکھنے میں غلطی کر گزرتا ہے البتہ کامل صراف اسے پرکھ لیتا ہے رہ گئے جاہل تو اتنی بات وہ بھی جانتے ہیں کہ سونا وہی ہے جو زرد رنگ کا ہو اور عبادت کا کھوٹا پن جس سے اخلاص ضائع ہو جاتا ہے اس کے چار درجے ہیں بعض ان میں سے بہت پوشیدہ ہیں ان درجات کو ہم ریا کی صورت پر فرض کرتے ہیں تاکہ ان کا حال معلوم ہو سکے۔

پہلا درجہ یہ ہے کہ بندہ نماز پڑھتا ہو اسی حالت میں لوگ آ جائیں شیطان اس سے کہے کہ اچھی طرح نماز پڑھ تاکہ لوگ ملامت نہ کریں یہ تو ظاہری ہے دوسرا درجہ یہ ہے کہ نمازی اس شیطانی فریب کو پہچان کر اس سے احتراز کرے۔ شیطان اس طرح دھوکہ دے کہ میاں تُو اچھی طرح نماز پڑھ تاکہ لوگ تیری اقتدا کریں اور تجھے ان کی اقتدا کا ثواب حاصل ہو تو ممکن ہے کہ نمازی اس فریب کا شکار ہو جائے اور اتنا خیال نہ کرے کہ اقتدا کا ثواب اس وقت حاصل ہوتا ہے کہ اس کے خشوع کا نور دوسروں میں سرایت کرے اور جب اس میں خشوع ہی نہ ہو لیکن مقتدی خاشع سمجھیں تو انھیں تو ثواب ہو گا لیکن یہ نفاق کے جرم میں ماخوذ ہو گا۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ اس کا خیال یہ ہو کہ خلوت میں برملا نماز پڑھنے کے برخلاف نماز پڑھنا نفاق ہے اور خلوت میں اچھی طرح نماز پڑھنے کی کوشش کرے تاکہ لوگوں کے سامنے بھی اس طرح پڑھ سکے یہ درجہ بہت پوشیدہ ہے اور ریا بھی ہے مگر اس ریا کا تعلق اپنے سے ہی ہے اس لیے کہ اپنے آپ ہی سے شرم محسوس کرتا ہے کہ تنہائی میں جماعت کے برخلاف نماز پڑھے تو جماعت میں اچھی طرح پڑھنے کے واسطے تنہائی

میں بھی اچھی طرح پڑھتا ہے اور سمجھتا ہے کہ برملا ریا کرنے سے میں چھوٹ گیا لیکن ہو گا تنہائی میں بھی ریا کار ہی۔

چوتھا درجہ بہت ہی پوشیدہ ہے اور وہ یہ کہ یہ تو جانتا ہو کہ خلوت اور جلوت میں مخلوق کے واسطے خشوع سے کام لینا کچھ بھی کام نہیں آتا اور شیطان کہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا خیال کر' کیا تجھے خیال ہے کہ کس کے سامنے کھڑا ہے حتیٰ کہ وہ شخص جو یہ خیال کر کے خاشع ہو جائے اور لوگوں کی نظروں میں آراستہ ہو جائے اگر خلوت میں ایسا خطرہ اس کے دل میں نہیں آتا تو لوگوں کے سامنے ایسا خطرہ آنے کا سبب ریا ہے جب اس وقت کی عظمت کو آدمی یاد کرتا ہے جس وقت مخلوق ذرہ برابر کام نہیں آئے گی تو یہ خطرہ جاتا رہتا ہے انسان کو چاہیے کہ سب آدمیوں اور چارپایوں کی نظر اس کے نزدیک برابر ہو جائے گی جب تک کچھ بھی فرق محسوس کرے گا اس وقت تک ریا سے خالی نہیں ہو گا۔ یہ مثالیں جو ہم نے بیان کیں اسی طرح کے بہتیرے دھوکے ان اغراض میں بھی ہوتے ہیں جو اوپر ذکر ہوئیں اور جو شخص ان باریکیوں کو نہیں پہچانتا اسے عبادت کا اجر نہیں ملے گا وہ مفت میں اپنی جان گنواتا ہے جو کچھ کرتا ہے ضائع ہوتا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ایسے ہی لوگوں کے حق میں ہے ﴿ وَ بَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴾ یعنی ان کے لیے وہ کچھ ظاہر ہو گا اللہ کی طرف سے جس کا انھیں گمان تک نہیں۔

فصل : جب نیت میں آمیزش ہو گئی تو اگر ریا یا کوئی دوسری خواہش عبادت کی نیت پر غالب آ گئی تو یہ چیز عقوبت کا سبب ہو گی برابر قصہ ہوا تو نہ عذاب ہو گا نہ ثواب اور ریا کی نیت ضعیف ہو گی تو اگرچہ وہ عمل ثواب سے خالی نہ ہو گا لیکن کم ہو گا کیونکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب نیت میں شرکت ہو اور خلوص نہ رہے تو اللہ کا حکم ہو گا کہ جا کر اس سے اجر مانگو جس کے لیے تم نے یہ کام کیا تھا اسی سے اجر مانگ۔ اور جہاں حدیث عذاب کی دلیل ہے وہاں یہ مراد ہے کہ عمل میں بالکل ریا پیش نظر ہو یا غالب ہو لیکن اگر باعث اصلی تقربِ الٰہی کا قصد ہو اور ریا وغیرہ کی نیت ضعیف ہو تو چاہیے کہ ثواب ملے اگرچہ اتنا نہ ملے جتنا صحیح نیت پر ملتا ہے یہ امر دو دلیلوں کی وجہ سے ہم نے اختیار کیا ہے ایک تو یہ کہ ہمیں برہان سے معلوم ہوا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی حاضری سے دِلی شائستگی کی محرومی ہی عقوبت ہے اور یہ اسی آتشِ حجاب میں جلنے کا سبب ہوتی ہے اور قربِ الٰہی کا قصد سعادت کا بیج ہے جب کہ دُنیا کا قصد شقاوت کا باعث ہے جب اُس نے ان دونوں قصدوں کی مدد کی تو گویا انھیں قبول کر لیا ایک تو بارگاہِ الٰہی سے اس کی دوری کا سبب دوسرا اس کی قربت کا موجب۔ جب دونوں قصد برابر ہوں تو ایک قصد اسے بالشت بھر دور کر دیتا ہے' دوسرا بالشت بھر نزدیک۔ اس صورت میں یہ جہاں تھا وہیں آ گیا اور اگر آدھی بالشت نزدیکی نصیب ہوئی تو کچھ دوری رہ جائے گی اور آدھی بالشت دوری حاصل ہوئی تو کچھ نزدیکی باقی رہ جائے گی جیسے کوئی بیمار گرم دوا کھا کر اسی قدر سرد دوا کھائے تو دونوں مل کر برابر ہو جائیں گی اگر سرد دوا کم مقدار میں کھائے گا تو حرارت زیادہ ہو جائے گی اور جو سرد دوا زیادہ کھالی تو حرارت کم ہو جائے گی دل کی روشنی اور تاریکی میں گناہ اور اطاعت کا اثر ایسا ہے جیسے بدن کے مزاج میں دواؤں کا اثر گناہ اور اطاعت ایک ذرہ بھی ضائع نہ ہوں گے۔ عدل کی ترازو میں کمی بیشی کھل جائے گی۔ سورۂ زلزال کے آخر میں ﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ○ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴾ کے یہی معنی ہیں لیکن احتیاط ہوشیاری کی دلیل ہے کہ شاید غرض کا قصد قوی ہو اور آدمی اسے ضعیف خیال کرے اور عمل کی سلامتی اسی میں ہے کہ نفسانی اغراض کا دخل ہی نہ ہونے پائے۔ دوسری

دلیل یہ ہے کہ بالاجماع یہ بات ثابت ہے کہ اگر کوئی شخص حج کی راہ میں تجارت کا بھی قصد کرے تو اس کا حج ضائع نہیں ہو گا۔ اگرچہ ثواب مخلص کے ثواب کے برابر نہ ہو مگر چونکہ اس کا اصلی قصد حج ہے اور تجارت کا ارادہ اس کے تابع ہوا تو اس کا ثواب بالکل اکارت نہیں ہو گا لیکن ناقص ضرور ہو جائے گا اور اگر کوئی شخص اللہ کے لیے جہاد کرنا چاہے اور دو طرف جانا ممکن ہو ایک طرف مالدار کفار ہوں وہاں غنیمت کا احتمال ہو دوسری طرف محتاج کافر ہو اور یہ مالدار کافر کی طرف جائے تو اس کا ثواب ضائع نہ ہو گا اس لیے کہ غنیمت پانے نہ پانے میں آدمی فرق کرتا ہے۔ ممکن ہی نہیں کہ اس فرق کو اپنے باطن میں نہ پائے اور اگر معاذ اللہ مالِ غنیمت شرطِ جہاد ہو تو ثواب میں خطرہ اور ڈر ہے اس واسطے کہ ایسی شرط سے کوئی عمل درست نہیں ہوتا خصوصاً مجلس درس و تصنیف اور جو اعمال مخلوق سے متعلق ہیں کیونکہ جب تک آدمی کو دفعتاً خودی سے اللہ میاں نکال نہ دے تب تک وہ ایسے خیال سے خالی نہیں ہوتا مثلاً اس کی تصنیف کو دوسرے کی طرف منسوب کریں اور اس کے کلام کی دوسرے کی طرف نسبت کریں اور وہ اس بات سے آگاہ ہو جائے تو اگرچہ یہ آگاہی اسے بری معلوم ہو لیکن اگر خودی اور نفسانیت اس میں باقی ہو گی تو اسے اس کا خیال ہو گا اور دوسرے کی طرف کرنے کا ملال ہو گا۔



تیسرا باب :

صدق کے بیان میں

صدق اخلاص کے قریب قریب ہے اور اس کا بڑا درجہ ہے جو شخص کمالِ صدق کو پہنچتا ہے اسے صدیق کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کی تعریف کی اور فرمایا : ﴿ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ﴾ نیز ارشاد ہوا : ﴿ لِيَسْئَلَ الصَّادِقِيْنَ عَنْ صِدْقِهِمْ ﴾ حضور علیہ السلام سے لوگوں نے پوچھا کہ آدمی کا کمال کس میں ہے فرمایا قول و عمل کی صدق و راستی میں۔ پس صدق کے معنی جاننا ضروری ہیں سو صدق راستی کو کہتے ہیں جو چھ چیزوں میں ہوتی ہے جو کوئی ان چھ چیزوں میں کمال کو پہنچ جائے وہ صدیق ہے۔ پہلا صدق زُبان میں ہے کہ آدمی جھوٹ نہ بولے نہ تو گزشتہ کی خبر دینے میں نہ نئی بات کہنے میں اور نہ ہی آئندہ کے لیے وعدہ کرنے میں۔ اس واسطے کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ زُبان سے دل صفت حاصل کرتا ہے ٹیڑھی بات کہنے سے وہ کج ہوتا ہے اور سچّی بات کہنے سے راست ہو جاتا ہے۔ دو چیزوں کے سبب سے صدق کا کمال ہوتا ہے ایک تو یہ کہ معاریض سے بھی اجتناب کرے یعنی کنایہ سے بھی ایسی مجمل بات نہ کہے کہ وہ فی الواقع تو سچّی ہو۔ لیکن دوسرا شخص اس سے کچھ اور سمجھے اگر ایسا محل ہے جہاں سچ بولنا مصلحت نہیں مثلاً میاں بیوی کی لڑائی یا مُسلمانوں کے درمیان صلح کرانے میں جھوٹ کی اجازت ہے مگر کمالِ صدق یہ ہے کہ ایسے موقع پر بھی جہاں تک ممکن ہو تعریض سے کام لے اور صراحتاً جھوٹ نہ بولے یعنی ایسی بات کہے جو فی الواقع سچّی ہو مگر دوسرا فریق اس کا مطلب اپنے موافق غلط سمجھ لے اور اگر سچّا آدمی ہے اور صریح جھوٹ کہے تو اگر اللہ کے لیے مخلوق کی مصلحت کی غرض سے کہے گا تو صدق کے درجہ سے نہیں گرے گا۔

دوسرا کمال یہ ہے کہ مناجاتِ الٰہی میں سچّا رہے جب وَجَّهْتُ وَجْهِيَ کہے اور اس کا دِل دُنیا کی طرف متوجہ ہو تو اُس نے جھوٹ بولا اللہ کی طرف متوجہ نہیں ہوا اور جب کہا ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ ﴾ کہ میں تیرا بندہ ہوں تیری بندگی کرتا ہوں اور پھر دُنیا کی خواہشات میں پھنسا ہوا اور خواہش اس کے زیردست نہ ہوں بلکہ وہ خود خواہشات کے زیردست ہو تو اس نے جھوٹ کہا اس لیے کہ وہ اسی کا بندہ ہے جس کی قید میں پھنسا ہے اسی لیے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں : ((تَعِس عبدُا الدرھم وعبدُالدینارِ)) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی کو درم و دینار کا بندہ فرمایا بلکہ جب تک تمام دُنیا سے آزاد نہ ہو جائے اس وقت تک اللہ تعالیٰ کا بندہ نہیں ہوتا اور دُنیا سے آزادی کا کمال یہ ہے کہ آدمی جس طرح مخلوق سے آزاد ہو اسی طرح اپنے آپ سے بھی آزاد ہو جائے اور خودی باقی ہی نہ رہے حتیٰ کہ اس کے ارادے ہی نہ ہوں اور اللہ کے سوا کسی چیز کی خواہش نہ کرے اور جو ربّ دے اس پر راضی ہو۔ بندگی میں کمالِ صدق یہی ہے جسے یہ درجہ حاصل نہیں وہ صدیق نہیں بلکہ وہ صادق بھی نہیں۔

دوسرا صدق نیت میں ہوتا ہے کہ جس کام کے سبب آدمی اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کرے اس میں اللہ کے سوا اور کوئی مقصد نہیں اس کے ساتھ اور کسی کو شریک نہ کرے یہ اخلاص ہے۔ اخلاص کو بھی صدق کہتے ہیں اس واسطے کہ اس کے دِل میں قربِ الٰہی کے سوا جب اور کچھ خیال ہو گا تو جو عبادت کرے گا اس میں جھوٹا ہے۔ تیسرا صدق عزم میں

ہے کوئی شخص عزم کرے کہ مجھے حکومت مل گئی تو میں عدل کروں گا' مال ملا تو صدقہ کروں گا اگر دوسرا شخص پیدا ہو جو حکومت یا درس و تدریس میں مجھ سے اچھا ہوا تو اس کے حوالے کر دوں گا یہ عزم کبھی تو قول اور بالجزم ہوتا ہے اور کبھی اس میں ضعف اور تردد ہوتا ہے جو قوی اور بے تردد ہوتا ہے اسے صدق عزم کہتے ہیں جیسا کہ کہتے ہیں کہ یہ اشتہائے کاذب ہے یعنی بے اصل ہے اور یہ صادق ہے یعنی قوی ہے اور صدیق وہ ہے جو اپنے دل میں خیرات کے عزم کو ہمیشہ قوی پائے جیسا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ اگر لوگ میری گردن اڑا دیں تو پھر بھی یہ بات مجھے عزیز ہے اس کے مقابلے میں کہ جس قوم میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوں میں اس کا امیر بنوں۔ جناب فاروق نے یہ اس واسطے کہا کہ اپنے قتل پر صبر کرنے کا عزم قوی ان کے دل میں تھا۔ اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ اگر اسے اس کے اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے قتل کا اختیار دے دیا تو وہ اپنی زندگی کو دوست رکھے تو اس شخص میں اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ میں جنھوں نے صدیقی خلافت کو اپنے قتل سے زیادہ عزیز سمجھا کتنا فرق ہو گا؟

چوتھا صدق عزم پورا کرنے میں ہوتا ہے کیونکہ ایسا ممکن ہے کہ یہ قصد تو قوی ہو کہ جنگ میں جان فدا کر دوں گا اور جب کوئی رہنما پیدا ہو گا تو حکومت اس کے سپرد کر دوں گا مگر جب وہ وقت آتا ہے تو ایفائے عہد میں نفس تندہی نہیں کرتا اس لیے ارشادِ باری ہے ﴿ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ﴾ یعنی ان لوگوں نے اپنے عزم کو پورا کیا اور اپنی جان کو قربان کر دیا اور جن لوگوں نے مال خرچ کرنے کا عزم کر کے وفا نہ کی ان کے متعلق فرمایا :

﴿ وَمِنْهُمْ مَّنْ عَاهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتَانَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ تا وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴾

پانچواں صدق یہ ہے کہ آدمی کا باطن جس صفت سے موصوف ہو وہی اس کے عمل سے ظاہر ہو مثلاً اس کے باطن میں وقار نہ ہو اور ظاہر میں آہستہ آہستہ چلے تو وہ صادق نہیں ظاہر و باطن کو یکساں رکھنے سے یہ صدق حاصل ہوتا ہے یہ بات اسی میں ہوتی ہے جس کا باطن ظاہر سے بہتر ہو یا ظاہر کے مثل اس واسطے حضور علیہ السلام نے دُعا کی کہ اے اللہ میرے ظاہر کو بہتر فرما دے اور باطن کو ظاہر سے بھی بہتر کر دے جو شخص ایسا نہ ہو اور دعویٰ یہ کرے کہ میرا ظاہر باطن کا عکاس ہے وہ جھوٹا ہے چھٹا صدق یہ ہے کہ آدمی دین کے مقامات کے حقائق اپنے دل سے طلب کرے فقط ان کے ظواہر پر قناعت نہ کرے مثلاً زہد' توکل' خوف' رجا' شوق کہ ہر مسلمان ان صفات سے کچھ نہ کچھ متصف ہوتا ہے اور جو مسلمان ان میں قوی ہو وہ سچے ہوں ارشادِ باری ہے : ﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے اسے سچا فرمایا جس کا ایمان کامل ہو اس کی مثال یہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی چیز سے ڈرتا ہے تو اس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ وہ کانپتا ہے اس کا چہرہ زرد ہو جاتا ہے کھانا پینا کھا پی نہیں سکتا بے قرار رہتا ہے اگر اللہ تعالیٰ سے کوئی اس طرح ڈرے تو کہیں گے کہ یہ ڈرنے میں سچا ہے اور اگر کہے کہ میں گناہوں سے ڈرتا ہوں اور اس سے باز نہ رہے تو وہ جھوٹا ہو گا۔ اسی طرح سب مقامات و صفات میں بڑا فرق ہے پس جو شخص ان چھ وجھوں سے سب مقامات میں صادق ہو اس کا صدق کامل ہوتا ہے اور اسے صدیق کہتے ہیں اور جو شخص بعض مقامات میں صادق ہو وہ صدیق نہیں ہاں جتنا ہے اتنا اس کا درجہ ہے۔ واللہ اعلم۔

فصل ۶ : محاسبہ اور مراقبہ کا بیان

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

﴿ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ﴾ الخ (الانبیاء)

"اور ہم ترازو رکھیں گے انصاف کے روزِ قیامت پھر کسی انسان پر ذرہ برابر ظلم نہیں ہو گا اور جس کسی نے رائی کے دانہ کے برابر عمل کیا ہو گا اسے بھی موجود کریں گے اور لوگوں کے حساب کے لیے ہم کافی ہیں۔"

اس وعدہ کے ساتھ لوگوں کو حکم دیا ﴿ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ﴾ (الحشر) کہ اس دُنیا میں اس بات کو دیکھتے رہو کہ تمھارے نفس نے آئندہ کے لیے کیا کیا اور ایک حدیث میں ہے کہ عقل مند وہ آدمی ہے جو چار ساعتوں کا مالک ہو ایک میں اپنا حساب کرے ایک میں اللہ تعالیٰ سے مناجات' ایک میں معاش کی تدبیر اور ایک میں ان چیزوں سے آرام و راحت حاصل کرے جو مباح ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے ((حَاسِبُوْا قَبْلَ اَنْ تُحَاسَبُوْا)) یعنی اس سے پہلے کہ تمھارا حساب ہو اپنا حساب خود کرو۔

اور ارشادِ باری ہے : ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ﴾ (آل عمران) اصبرو کا معنی ہے کہ صبر کرو یعنی اپنے نفس اور خواہش کے ساتھ خوب جہاد کرو۔ تاکہ اچھے اور بہتر بن جاؤ۔ رابطو کا معنی ہے اس جہاد میں ثابت قدم رہو اس لیے اہل بصیرت اور بزرگانِ دین نے یہ خیال کیا ہے کہ ہم اس دُنیا میں تجارت کی غرض سے آئے ہیں اور نفس کے ساتھ ان کا معاملہ ہے جس کا نفع نقصان جنت اور جہنم ہے بلکہ ابدی سعادت اور شقاوت! تو ان حضرات نے اپنے نفس کو شریک تجارت ٹھہرایا اور جس طرح شریک کاروبار سے ابتدا میں کچھ شرائط طے کی جاتی ہیں اور پھر اس کے معاملات پر کڑی نظر رکھی جاتی ہے اور اس سے حساب باقاعدگی کے ساتھ کیا جاتا ہے اور اگر اُس نے خیانت کی ہو تو پھر اس پر عقوبت اور عتاب کیا جاتا ہے اسی طرح ان حضرات نے اپنے نفس کے ساتھ چھ مقام مقرر کیے ہیں یعنی مشارطہ' مراقبہ' محاسبہ' معاقبہ' مجاہدہ اور معاتبہ' پہلا مقام مشارطہ ہے معلوم کرنا چاہیے کہ جس شریک تجارت کو محض مال دیا جاتا ہے وہ نفع حاصل کرنے میں مددگار ہوتا ہے لیکن ممکن ہے کہ خیانت کی رغبت کے پیش نظر وہ دشمن ہو جائے تو شریک سے شرکت سے قبل شرائط طے کرنا اس کے معاملات پر نظر رکھی جاتی ہے حساب کتاب میں مبالغہ ہوتا ہے اسی طرح نفع کے ساتھ بھی یہ معاملات ضروری ہیں اس لیے کہ یہ نفع تو ابد تک باقی رہے گا جبکہ دُنیوی نفع چند روزہ ہے اور جو چیز باقی نہ رہے وہ عقلمند کے نزدیک بے حقیقت ہے بلکہ عقلمندوں نے کہا ہے کہ باقی رہنے والا شر اس خیر سے بہتر ہے جو باقی نہ رہے اور چونکہ اَنفاس عمر میں سے ہر نفس ایک گوہر نفیس ہے جس کے سبب ایک خزانہ پس انداز کیا جا سکتا ہے اس لیے اس گوہر میں جد و کد اور حساب کتاب اَولیٰ ہے پس عقلمند وہی ہے جو نماز فجر کے بعد لحہ بھر اس کام میں مشغول ہو اور اپنے نفس سے مخاطب ہو کر کہے کہ عمر کے سوا تیرے پاس کوئی پونجی نہیں اور جو دم گزر گیا اس کا بدلہ ناممکن ہے اس لیے کہ اَنفاس اللہ کے عِلم میں معدود اور مقرر ہیں زیادہ نہیں ہو سکیں گے عمر گزر گئی تو تجارت محال ہو جائے گی جو کام کرنا ہے ابھی کرے کیونکہ زندگی کا وقت تنگ ہے اور آخرت جس کا زمانہ وسیع ہے وہاں کام کا موقع نہیں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ

نے سونے کے بعد آج نئے سرے سے زندگی عنایت فرمائی اگر رات کو سوتے میں مرجاتا تو یہی آرزو رہتی کہ کاش ایک ہی دن کی مہلت ملتی کہ کچھ کام درست کر لیتے اب خدا نے یہ نعمت دی ہے یعنی زندگی بخشی ہے اس لیے اے نفس اللہ کا کہنا مان اس سرمایہ زندگی کو غنیمت سمجھ اور ضائع نہ کر ممکن ہے کل مہلت نہ ملے اور حسرت سے کف افسوس ملنا پڑے۔ آج یہی سمجھ لے کہ تو نے مرکر ایک ہی دن کی مہلت مانگی اور اللہ تعالیٰ نے مہلت دے دی اس سے بڑھ کر اور کیا نقصان ہو گا کہ تو وقت ضائع کرے اور سعادت حاصل کرنے سے محروم رہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ فردائے قیامت کو ہر دن جس کے ۲۴ گھنٹے ہوتے ہیں کے عوض چوبیں خزانے بندے کے سامنے رکھ کر ایک خزانہ کا دروازہ کھولیں گے۔ بندے نے اس ساعت میں جو نیکیاں کی ہیں ان کے سبب سے اس خزانے کو نور سے بھرا ہوا دیکھے گا اور اس وجہ سے اس کے دِل کو خوشی و راحت اور نشاط و فرحت اس طرح حاصل ہوگی کہ اگر اسے دوزخیوں میں بانٹ دیا جائے تو وہ آتشِ دوزخ سے بے خبر ہو جائیں اس خوشی کا سبب یہ ہو گا کہ بندہ سمجھے گا کہ یہ انوار اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی قبولیت کا وسیلہ ہوں گے۔ پھر دوسرے خزانے کا دروازہ کھولیں گے وہ سیاہ اور تاریک ہو گا اس میں سے ایسی بدبو آئے گی کہ سب لوگ ناک بند کر لیں گے وہ خزانہ معصیت کی ساعت کا ہو گا پھر تیسرا دروازہ کھولیں گے جہاں نہ نور ہو گا نہ تاریکی یہ وہ ساعت ہو گی جس میں بندے نے نہ تو گناہ کیا ہو گا نہ عبادت! اس وقت اس کے دِل میں ایسی حسرت و ندامت پیدا ہو گی جیسے کوئی شخص کسی بڑے خزانے اور حکومت کا مالک ہو اور وہ اس کی قدر نہ پہچانے حتیٰ کہ وہ ضائع ہو جائے۔ تمام عمر کے لحاتِ زندگی اسی طرح بندے کے سامنے پیش ہوں گے اس لیے آدمی کو چاہیے کہ اپنے نفس سے کہے کہ اے نفس اللہ تعالیٰ نے چوبیں خزانے تیرے سامنے رکھے ہیں خبردار کسی کو خالی نہ چھوڑنا اس لیے کہ اس کی حسرت کی تاب نہ لا سکے گا۔

اے عزیز! بزرگوں نے کہا ہے کہ تو فرض کرے کہ اللہ تعالیٰ تجھے بخش دے گا لیکن صالحین کا ثواب اور درجہ تجھے نہیں ملے گا اور تو اس نقصان کے رنج میں رہے گا پس چاہیے کہ اپنے سب اعضاء کو ان کے سپرد کر کے کہے کہ خبردار زُبان کو بچائے رکھنا' آنکھ پر نگاہ رکھنا اسی طرح ہفت اندام کے بارے میں تاکید کرے کہ ان کی حفاظت کر اس لیے کہ یہ جو کہا گیا ہے کہ دوزخ کے سات دروازے ہیں تو وہ بھی تیرے سات اعضاء ہیں کہ ہر عضو کے گناہ کی پاداش میں دوزخ میں جانا پڑے گا پس ان اعضاء کے معاصی کو یاد کر کے اعضاء کو ان سے بچائے رکھ پھر جو اوراد و وظائف اس دن کر سکتا ہے وہ یاد کر کے ان کی رغبت دلا اور عزم کر اور نفس کو دھمکی دے کہ اگر تو میرے کہنے کے خلاف کرے گا تو میں تجھے سزا دوں گا' تکلیف پہنچاؤں گا اس واسطے کہ نفس اگرچہ سرکش ہے مگر نصیحت پذیر بھی ہے اور ریاضت اس میں اثر کرتی ہے یہ محاسبہ ہے جو عمل سے پہلے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ﴾

"اور تم اس حقیقت کو جان لو کہ جو کچھ تمھارے جی میں ہے اللہ اسے جانتا ہے پس اللہ سے ڈرتے رہو"

اور حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ عقلمند وہ شخص ہے جو اپنا حساب کرتا ہے اور وہ کام کرے جو مرنے کے بعد کام آئے اور فرمایا جو کام پیش آئے اس میں غور کر صحیح درست ہے تو کر ورنہ چھوڑ دے۔ پس ہر روز صبح کے وقت نفس کے لیے

ایسی شرائط کی ضرورت ہے اور جو شخص ثابت قدم ہو اسے بھی ہر روز کوئی نہ کوئی کام پیش آئے گا جس میں نفس کے ساتھ شرائط طے کرنی پڑیں گی۔

دوسرا مقام مراقبہ ہے اس کا معنی ہے پاسبانی اور نگہبانی کرنا جس طرح کوئی شخص اپنی پونجی شریک کار کو سپرد کر کے شرائط طے کر لیتے ہیں اور اس سے غافل نہیں رہتے اس کے تمام معاملات پر نظر رکھتے ہیں اسی طرح ہر گھڑی نفس کی خبر رکھنا بھی ضروری ہے اس سے غافل رہے گا تو وہ کاہلی اور شہوت کی وجہ سے پھر اپنی طبعی کج روی پر اتر آئے گا اور سرکشی کرنے لگے گا۔ اصل مراقبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو میرے افعال و خیالات کی پوری پوری خبر ہے مخلوق تو محض ظاہری طور پر دیکھتی ہے اور اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن دونوں کو دیکھتے ہیں جس شخص پر یہ بات غالب آگئی اس کا ظاہر و باطن ادب سے آراستہ ہو جائیں گے جو اس پر ایمان نہ رکھے گا اگر ایمان رکھ کر اس کے خلاف کرے گا تو اسے دیدہ دلیری اور ڈھیٹ پنے کا نام دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں :

﴿ اَلَمْ یَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰہَ یَرٰی ﴾

"کیا بندہ یہ نہیں جانتا کہ حق تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے"

حضور علیہ السلام سے ایک حبشی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میں نے بہت گناہ کیے ہیں میری توبہ قبول ہوگی۔ پھر عرض کیا جب میں گناہ کرتا تھا اس وقت اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا تھا فرمایا ہاں۔ یہ سنتے ہی اس حبشی نے ایک آہ ماری اور چیخ مار کر اللہ کو پیارا ہو گیا۔ اور حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اس طرح کر کہ تو اسے دیکھ رہا ہے اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ جب تک تو یہ نہیں جانے گا کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت تیرے ساتھ ہے اور ہر حال میں دانا بینا ہے تب تک تیرا کام درست اور صحیح نہیں ہوگا جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں ﴿ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا ﴾ کمال یہ ہے کہ تو ہمیشہ مشاہدے میں رہے اور اللہ کو دیکھتا ہے۔

حکایت : ایک پیر صاحب کا کوئی مرید تھا پیر صاحب دوسرے مریدوں سے زیادہ اس کی رعایت کرتے۔ دوسرے مرید اسے محسوس کرتے۔ پیر صاحب نے ہر مرید کو ایک ایک چڑیا دے کر فرمایا کہ اسے ایسی جگہ ذبح کر کے لاؤ جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو ہر مرید خالی جگہ جا کر اسے ذبح کر لایا مگر وہ محبوب مرید اسی طرح زندہ چڑیا واپس لایا اور عرض کیا کہ مجھے کوئی ایسی جگہ نہیں ملی جہاں کوئی نہ دیکھتا ہو اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ دیکھتے ہیں۔ چنانچہ پیر صاحب نے باقی مریدوں سے فرمایا کہ اس بات سے تم اس شخص کا مرتبہ معلوم کر لو کہ یہ ہمیشہ مشاہدے میں رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کسی چیز کی طرف اس کی توجہ ہی نہیں۔ زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خلوت میں بلایا تو اس بت کے منہ پر کپڑا ڈال دیا جس کی وہ پرستش کرتی تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تم اس پتھر سے شرماتی ہو میں اس رب سے نہ شرماؤں جو زمین و آسمان کا خالق ہے اور دیکھ رہا ہے حضرت جنید قدس سرہٗ سے ایک صاحب نے عرض کیا کہ میں نگاہِ بد سے اپنی آنکھ نہیں بچا سکتا کیسے بچاؤں۔ فرمایا اس طرح بچاؤ کہ تم یقین کر لو کہ جس قدر تم کسی کو دیکھتے ہو اس سے زیادہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جنت عدن ان کا مقدر ہے جو کسی گناہ کا قصد کریں اور میری عظمت کو یاد کر کے شرمائیں اور اس سے باز رہیں۔ حضرت عبداللہ بن دینار رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مکہ معظمہ کی راہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ

کے ساتھ تھا ایک جگہ جو پڑاؤ کیا تو ایک چرواہے کا غلام بکریاں لے آیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک بکری قیمتاً دے دو۔ اُس نے کہا کہ میں تو نوکر ہوں یہ میری مِلک نہیں۔ آپ نے امتحاناً فرمایا کہ مالک سے کہہ دینا کہ بکری بھیڑیا لے گیا اسے کیا پتہ چلے گا۔ غلام نے کہا کہ اسے پتہ نہیں چلے گا تو اللہ تعالیٰ تو جانتے ہیں۔ پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے اختیار رونے لگے اور اس کے مالک کو بلا کر اسے خرید کر کے آزاد کر دیا اور فرمایا کہ اے غلام اس بات کی وجہ سے تو دونوں جہانوں میں آزاد ہوا۔

فصل : مراقبہ کے دو درجے ہیں پہلا درجہ صدیقوں کا ہے کہ ان کا دِل اللہ تعالیٰ کی عظمت میں مستغرق اور ان کی ہیبت سے چور رہتا ہے اس میں ماسوی اللہ کی طرف التفات کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ یہ چھوٹا مراقبہ ہے کیونکہ جب دِل ٹھہر گیا اور اعضاء تو اس کے تابع ہوتے ہیں وہ مباحات سے باز رہنے لگے تو گناہوں میں کیسے مشغول ہوں گے۔ ایسے مراقب کو اعضاء کے واسطے تدبیر اور حیلہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ وہی بات ہے جو حضور علیہ السلام نے فرمائی کہ ((مَنْ اَصْبَحَ وَهُمُوْمُهٗ وَاحِدٌ كَفَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى هُمُوْمَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ)) یعنی جو شخص صبح کے وقت یکسو ہو کر اُٹھے اللہ تعالیٰ دُنیا اور آخرت دونوں میں ہی حامی و ناصر ہوتے ہیں اور بعض مراقب ایسے مستغرق ہوتے ہیں کہ ان سے بات کریں تو سنیں نہیں کوئی سامنے جائے تو دیکھیں نہیں۔ حضرت عبدالواحد بن زیاد رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ ایسے کسی شخص کو جانتے ہیں جو مخلوق سے غافل ہو کر اپنے ہی حال میں مشغول ہو گیا ہو۔ فرمایا ایک شخص کو جانتا ہوں وہ ابھی آتے ہیں اسی دوران حضرت عتبۃ الغلام رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے تو پوچھا کہ آپ نے راستہ میں کس کس کو دیکھا فرمایا کسی کو بھی نہیں حالانکہ وہ کھلی شاہراہ سے ہو کر آ رہے تھے۔ حضرت یحییٰ بن زکریا علیہما السلام ایک عورت کے پاس سے گزرے تو ناگہانی اس پر گر پڑے۔ لوگوں نے پوچھا آپ نے کیا کیا۔ فرمایا میں نے دیوار خیال کی۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرا جو تیراندازی کر رہی تھی۔ ایک آدمی دور بیٹھا تھا میں نے چاہا کہ اس سے بات کروں۔ اُس نے کہا کہ گفتگو کرنے سے اللہ کا ذکر بہتر ہے۔ میں نے کہا اے شخص تو اکیلا نہیں۔ اُس نے کہا نہیں میرے ساتھ دو فرشتے ہیں اور ایک اللہ کی ذات ہے۔ میں نے پوچھا کہ اس پر کون سبقت لے گیا۔ کہنے لگا وہ شخص جسے بخشش نصیب ہو گئی۔ میں نے راستہ کا پوچھا تو وہ آسمان کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو گیا اور چلایا اور کہنے لگا اللہ تیرے بہت سے بندے ایسے ہیں جو تجھ سے باز رکھنے والے ہیں۔

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گئے تو انھیں مراقبہ میں ایسا مستغرق پایا کہ ان کے جسم کا رواں بھی نہیں ہلتا تھا پوچھا کہ اس سکون کے ساتھ مراقبہ تم نے کس سے سیکھا۔ فرمایا بلی سے کیونکہ میں نے اسے چوہے کے بل پر چوہے کے انتظار میں اس سے بھی زیادہ سکون کی حالت میں بیٹھے دیکھا۔ عبداللہ بن حنیف رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ لوگوں نے مجھے خبر دی کہ شہر صور میں ایک بوڑھا اور ایک جواں ہمیشہ مراقب رہتے ہیں میں وہاں گیا تو دو آدمیوں کو قبلہ رو بیٹھے دیکھا۔ میں نے تین بار سلام کیا انھوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ میں نے کہا کہ تمھیں اللہ کی قسم سلام کا جواب تو دو۔ چنانچہ جوان نے سر اُٹھا کر کہا اے ابنِ حنیف دُنیا کی عمر بہت کم ہے اور اس میں سے بھی بہت کم رہ گئی اس تھوڑی میں زیادہ کام کی فکر کرنی چاہیے ابن حنیف آپ بڑے غافل اور فارغ ہیں کہ ہمارے سلام میں مشغول ہیں۔ یہ کہہ کر پھر گردن جھکا

لی میں بھوکا پیاسا تھا سب بھول گیا ان کی نصیحت نے مجھے از خود رفتہ کرلیا میں کھڑا رہا انھوں نے اور میں نے نہ کچھ کھایا نہ سوئے میں نے سوچا کہ انھیں خدا کی قسم دلاؤں کہ مجھے کچھ نصیحت کریں اسی جوان نے پھر سر اُٹھا کر کہا کہ کوئی ایسی شخصیت تلاش کرو جن کی زیارت سے تمھیں اللہ یاد آجائے اور ان کی ہیبت تمھارے دِل میں سما جائے اور وہ شخص زُبانِ حال سے تجھے نصیحت کرے زُبانِ قال سے نہیں۔ صدیقوں کے مراقبہ کا یہی حال اور یہی درجہ ہے کہ وہ بالکل اللہ تعالیٰ میں مستغرق ہو جاتے ہیں۔

دوسرا درجہ پارساؤں اور اصحاب الیمین کا ہے یہ لوگ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے حالات سے مطلع ہیں وہ اللہ تعالیٰ سے شرم کرتے ہیں مگر اس کی عظمت و جلال میں مدہوش نہیں ہوتے بلکہ اپنے اور دُنیا کے حالات سے خبردار رہتے ہیں ان لوگوں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص تنہا ایک کام کرتا ہے یا برہنہ ہو اور کوئی لڑکا آجائے وہ شخص اس لڑکے سے شرم کرکے اپنے آپ کو چھپائے اور اس دوسرے کی مثال ایسی ہے جیسے ناگاہ بادشاہ کسی کے سامنے آجائے اور وہ ہیبت سلطانی سے بے خود اور مدہوش ہو جائے پس جو شخص اس درجہ پر ہو اسے اپنے احوال اور خطرات نیز حرکات و سکنات کا مراقبہ و دھیان کرنا چاہیے اور جو کام کرنا چاہے اسے دو نظروں سے دیکھنا چاہیے پہلی نظر تو کام کرنے سے پہلے ہوتی ہے بلکہ پہلا خطرہ جو اس کے دِل میں آئے اسی کو دیکھے بلکہ ہمیشہ دِل کا مراقبہ کرتا ہے کہ دِل میں کیا خیال پیدا ہوتا ہے اور جو خیال آئے اسے دیکھے اگر اللہ کے لیے ہو تو اسے تکمیل تک پہنچائے۔ خواہش نفسانی کی وجہ سے ہو تو اس سے باز رہے اور اللہ تعالیٰ سے شرمائے اور اپنے آپ کو ملامت کرے کہ یہ خیال میرے دِل میں کیوں پیدا ہوا اس کا انجام اور رسوائی کا اپنے دِل میں خیال کرے۔ یہ مراقبہ تمام خیالات سے پہلے فرض ہے اس لیے کہ حدیث میں ہے کہ بندہ اپنے اختیار سے جو حرکت و سکون کرتا ہے اس میں بندہ سے تین سوال ہوں گے ایک یہ کہ کیونکر کیا اور تیسرا یہ کہ کس واسطے کیا۔ کیوں کیا کے معنی یہ ہیں کہ بندے سے کہا جائے گا کہ میاں تجھ پر لازم تھا کہ جو کام کرتا اللہ کے لئے کرتا۔ نفسانی خواہشات اور شیطانی موافقت کی خاطر تم نے ایسا کیوں کیا؟ اگر اس مواخذہ سے بچ گیا اور اُس نے وہ کام اللہ ہی کے لیے کیا تھا تو اس سے پوچھا جائے گا کہ تو نے یہ کام کیونکر کیا یعنی ہر کارِ خیر کے لیے کچھ شرائط ہیں کچھ آداب ہیں' ان کا ایک مستقل عِلم ہے تو نے یہ کام عِلم کے موافق کیا یا محض جہل و نادانی سے آسان سمجھ کر کیا اگر وہ اس مواخذہ سے بچ گیا اور اُس نے شرط کے موافق کام کیا تھا تو پوچھا جائے گا کہ کیا کس واسطے تھا یعنی تجھ پر لازم تھا کہ اخلاص کے ساتھ اللہ کے واسطے کام کرے۔ آیا تو نے اللہ ہی کے لیے کیا تھا کہ تجھے اَجر نصیب ہو یا ریاکاری مقصد تھا تاکہ مخلوق واہ واہ کرے یا دُنیا پیش نظر تھی کہ ثواب سرے سے اکارت ہو جائے اگر تو نے مخلوق کی خاطر کیا ہے تو خالق کے غصے اور عذاب سے چھٹکارے کی کوئی شکل نہیں کیونکہ تجھے کہہ دیا گیا تھا ﴿ اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ﴾ اور یہ بھی بتلا دیا گیا تھا کہ "جو لوگ اللہ کے بغیر دوسروں کو پکارتے ہیں انھیں سمجھنا چاہیے کہ جنھیں پکارتے ہیں وہ بھی ان کی طرح عاجز بندے ہیں" (الاعراف) جس نے یہ مضمون سمجھ لیا وہ اگر عقلمند ہے تو مراقبہ دِل سے غافل نہیں رہے گا۔ اصل بات یہ ہے کہ آدمی پہلے خطرہ پر نظر رکھے اگر اس خطرہ کو دور نہیں کرے گا تو اس سے رغبت پیدا ہو گی پھر وہ ہِمّت ہو جائے گی اس کے بعد قصد ہو کر اعضاء سے صادر ہو گا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ((اِتَّقِ اللّٰهَ عِنْدَ هَمِّكَ اِذَا هَمَمْتَ)) یعنی جونہی کسی کام کی ہمت پیدا ہو اسی

وقت اللہ سے ڈر۔ اے عزیز! یہ پہچان ہی اصل میں دشوار اور نایاب علم ہے کہ کونسا خطرہ اللہ کے لیے ہے اور کونسی خواہش نفسانی کے واسطے! جو اس سے محروم ہو اسے کسی عالم باعمل کی صحبت میں بیٹھنا چاہیے۔ تاکہ اس کی صحبت کا نور اس کے دل میں سرایت کرے اور دُنیا دار علماء کی صحبت سے اللہ کی پناہ مانگے کیونکہ یہ لوگ شیطان کے نائب ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داوٗد علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ اے داوٗد جس عالم کو دُنیا کی مُحبّت نے مست کر دیا ہو اس سے کچھ نہ پوچھ کیونکہ وہ تجھے میری مُحبّت سے محروم کر دے گا اس لیے کہ ایسے عالم میرے بندوں کے حق میں راہزن ہیں اور حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو دوست رکھتا ہے جو مشتبہ چیزوں میں دور اندیش ہو اور غلبہ شہوت کے وقت اس کی عقل کامل رہے۔ ان ہی دو باتوں میں آدمیؑ کا کمال ہے کہ حقیقت حال کو مبصرانہ تنقید سے پہچان کر شہوات کو عقل کامل سے دفع کرے یہ دونوں باتیں باہم ملی ہوئی ہیں جس کی عقل دافع شہوات نہیں ہوتی اس کی بصیرت بھی شبہات کا نقد نہیں کر سکتی اس واسطے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص گناہ کرتا ہے عقل اس سے ایسی جدا ہو جاتی ہے کہ پھر پلٹ کر نہیں آتی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ کام تین قسم پر ہیں ایک صاف حق ہے وہ کر گزر ایک صاف باطل ہے اس کو چھوڑ دے اور ایک مشتبہ ہے وہ کسی عالم سے پوچھ لے۔

دوسری نظر وہ مراقبہ ہے جو کام کرتے وقت ہو وہ تین حال سے خالی نہیں یا طاعت ہو گا یا معصیت یا مباح۔ طاعت میں مراقبہ کی شکل یہ ہے کہ اسے اخلاص کے ساتھ بجالائے اس میں حضور قلب ہو سب آداب پر نظر ہو اور جو چیز مزید موجب فضیلت ہو اس سے باز رہے۔ معصیت میں مراقبہ کی شکل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے شرم رکھے اور توبہ کرے' کفارہ دے۔ مباح میں مراقبہ کا انداز یہ ہے کہ باادب رہے اللہ کی نعمت میں منعم پر نظر رکھے اور یہ سمجھے کہ ہر وقت اس کی درگاہ میں حاضر ہوں مثلاً اگر بیٹھے تو ادب سے سوئے تو دائیں جانب قبلہ رو ہو کر' کھانا کھائے تو دل کے تفکر سے غافل نہ ہو اس لیے کہ تفکر سب اعمال سے افضل ہے کیونکہ ہر طعام کی صورت اور رنگ و بو اور مزہ و شکل میں کتنی عجیب عجیب صنعتیں ہیں۔ علی ہذا القیاس آدمی کے اعضاء میں جو اس طعام کو کام میں لاتے ہیں جیسے انگلیاں' منہ' دانت' حلق' معدہ' جگر' مثانہ اور جو اعضاء قبولِ طعام کے واسطے ہیں اور جو اس کی حفاظت کے واسطے ہیں تاکہ ہضم ہو جائے اور جو بھوک دور کرنے کے واسطے ہیں یہ سب عجائباتِ صنع الٰہی ہیں ایسی چیزوں میں تفکر بڑی عبادت ہے اور یہ علماء کا کام ہے۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو عجیب عجیب صنعتیں دیکھتے ہیں تو عظمت صانع کی طرف ترقی کرتے ہیں اور اس کے جلال و جمال اور کمال میں مستغرق ہو جاتے ہیں یہ موحدوں اور صدیقوں کا درجہ ہے بعض لوگ کھانے کو غصہ کی نظر سے دیکھ کر خواہش کے برخلاف مکروہ جانتے ہیں اور بقدرِ ضرورت ہی کھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کاش ہمیں اس کی بھی حاجت نہ ہوتی اور یہ جو کھانے کی ضرورت ہے اس میں تفکر کرتے ہیں یہ زاہدوں کا درجہ ہے اور بعض لالچی لوگ کھانے کو نظر شوق سے دیکھتے ہیں اور اسی خیال میں رہتے ہیں کہ کیسے پکائیں کہ بہتر اور خوش مزہ پکے تاکہ بہت سا کھا سکیں پھر کھانے' پکانے والے میوہ وغیرہ سب میں عیب نکالتے ہیں اتنا نہیں جانتے کہ یہ سب اللہ کی صنعت ہیں اور صنعت میں عیب نکالنا صانع میں عیب نکالنا ہے یہ اہل غفلت کا درجہ ہے۔ سب مباحات میں اسی طرح کے درجے پیش آتے ہیں۔ تیسرا مقام وہ محاسبہ ہے جو عمل کے بعد کرتے ہیں انسان کو چاہیے کہ رات کو سوتے وقت بندہ تمام دن کا حساب اپنے نفس سے کرے

تاکہ معلوم ہو کہ سرمایہ میں کس قدر نفع اور نقصان ہوا۔ فرائض تو سرمایہ ہے اور نوافل اس کا نفع ہے اور جس طرح شریک تجارت سے حساب لینے میں مبالغہ کرتے ہیں تاکہ نقصان نہ ہو جائے اسی طرح اپنے نفس سے بھی بہت چھان پھٹک کرنا چاہیے کیونکہ وہ بڑا طرار' مکار اور حیلہ انگیز ہے اور اپنی غرض کو تیرے سامنے طاعت کے حساب میں شمار کرتا ہے تاکہ تو یہ سمجھے کہ یہ بھی نفع ہے اور ہوتا نقصان ہے بلکہ سب مباحات میں نفس سے حساب لینا چاہیے کہ تو نے یہ کیوں کیا اور کس واسطے کیا اگر اپنے نفس سے کچھ قصور دیکھے تو اس عمل کو اپنے نفس کے ذمہ لگائے اور اس سے تاوان مانگے۔ حضرت ابنِ الصمہ رحمۃ اللہ علیہ ایک بزرگ تھے انھوں نے اپنی عمر کا حساب کیا تو ساٹھ برس بنے دنوں کا حساب کیا تو اکیس ہزار چھ سو دن ہوئے۔ کہنے لگے کہ اگر ہر دن ایک گناہ ہوا ہے تو اکیس ہزار چھ سو گناہوں سے کیونکر میری رہائی ہو گی۔ خصوصاً جب کوئی دن ایسا ہو جس میں ہزار گناہ سرزد ہوئے ہیں پس ایک چیخ مار کر گر پڑے اور لوگوں نے دیکھا کہ روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی مگر آدمی اپنے نفس سے غافل ہے جو اپنا حساب نہیں کرتا جو گناہ وہ کرتا ہے اس میں ہر گناہ کے بعد اگر ایک ایک پتھر کسی مکان میں ڈالتا رہے تو تھوڑے عرصہ میں وہ گھر پتھروں سے بھر جائے اگر کراماً کاتبین اس سے گناہ لکھنے کی مزدوری مانگے تو اس کا سب مال خرچ ہو جاتا اور اگر غفلت کے ساتھ چند بار سبحان اللہ کہنا چاہے تو تسبیح ہاتھ میں لے کر گنتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے سو بار سبحان اللہ پڑھا اور سارا دن جو بے ہودگی کرتا اور بکتا ہے اس کی گنتی کے واسطے کوئی چیز ہاتھ میں نہیں رکھتا تاکہ معلوم ہو کہ بے ہودہ باتیں ہزار سے زیادہ بکیں پھر یہ جو امید رکھے کہ نیکی کا پلہ بھاری ہو گیا تو یہ اس کی حماقت ہے۔ اسی واسطے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اس سے پہلے کہ تمھارے اعمال تولے جائیں تم خود اپنے اعمال تولو۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ جب رات کو گھر تشریف لاتے تو اپنے پاؤں پر مارتے اور کہتے کہ آج تو نے کیا کیا۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ سلام اللہ علیہا ورضوانہ فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت فرمایا کہ عمرؓ سے زیادہ کوئی میرا دوست نہیں پھر فرمایا کہ اے عائشہ میں نے کیا کہا؟ میں نے عرض کیا کہ آپ نے کہا ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی میرا دوست نہیں۔ فرمایا نہیں بلکہ عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی مجھے عزیز نہیں تو جناب صدیق نے اتنی ہی بات کا حساب کیا اور اتنی سی بات میں جو جھول تھی تو اس کا تدارک کر لیا۔ حضرت ابنِ سلام رحمۃ اللہ علیہ نے لکڑیوں کا گٹھا اپنی گردن پر رکھا لوگوں نے کہا کہ یہ کام غلاموں کا ہے فرمایا کہ اپنے نفس کو آزماتا تھا کہ اس میں اس کی حیثیت کیا ہوتی ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ایک باغ میں دیوار کی آڑ سے لگا کھڑا دیکھا اور آپ اپنے نفس سے کہہ رہے تھے کہ لوگ تجھے امیر المؤمنین کہتے ہیں تو اللہ سے نہیں ڈرتا اس کے عذاب میں مبتلا ہونے کے لیے تیار رہ۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نفس لوامہ وہ ہے جو اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے کہ تو نے فلاں کام کیوں کیا فلاں کھانا کیوں کھایا! اور اپنے آپ کو اس بات پر ملامت کرتا ہے کہ گزشتہ کاموں کا حساب کرنا ضروریات سے ہے۔

چوتھا مقام معاقبۂ نفس ہے جب تم نفس کے حساب سے غافل رہو گے اور قصور و جرم کرو گے اور اسے اپنے حال پر چھوڑ دو گے تو وہ دلیر اور ڈھیٹ ہو جائے گا پھر اسے روکنا مشکل ہو گا بلکہ وہ جو برا کام کرے اسے اس پر سزا دینی ضروری ہے شبہ کی چیز کھالے تو بھوکا رکھ کر اسے سزا دیں۔ نامحرم کو دیکھے تو آنکھیں بند رکھ کر سزا دینی ضروری ہے اسی طرح تمام

اعضاء کو قیاس کر لے۔ اسلاف کا یہی معمول تھا ایک عابد نے کسی عورت پر ہاتھ ڈالا پھر اپنے ہاتھ کو آگ میں رکھ کر جلایا۔

بنی اسرائیل میں ایک عابد تھے جو مدت تک صومعہ (عبادت گاہ) میں قیام پذیر رہے۔ ایک عورت نے اپنے آپ کو ان کے سامنے پیش کیا اس کے پاس آنے کے لیے انھوں نے عبادت خانہ سے ایک قدم باہر رکھا پھر اللہ سے ڈر کر توبہ کی اور چاہا کہ عبادت گاہ میں پلٹ جائے پھر اپنے جی میں چاہا کہ یہ پاؤں جو گناہ کے لیے باہر نکلا ہے یہ عبادت گاہ کے اندر آنے نہ پائے اور اس پاؤں کو مسلسل باہر ہی رکھا حتیٰ کہ جاڑے اور گرمی کے سبب وہ پاؤں خراب ہو گیا اور گل کر اس کے بدن سے گر گیا۔ حضرت جنید قدس سرہٗ کہتے ہیں کہ ابن الکرنبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ایک رات مجھے احتلام ہو گیا میں نے چاہا کہ اسی وقت غسل کر لوں جاڑے کی رات تھی میرے نفس نے کاہلی و غفلت اختیار کی اور کہا کہ اپنے آپ کو ہلاک نہ کر آرام کر لے صبح جا کر حمام میں غسل کر لینا۔ میں نے قسم کھائی کہ اب تو کپڑوں سمیت غسل کروں گا اور کپڑوں کو نچوڑوں گا بھی نہیں حتیٰ کہ وہ میرے بدن پر ہی خشک ہو جائیں اور ایسا ہی کیا اور کہا کہ اس نفس کی یہی سزا ہے جو اللہ تعالیٰ کے کام میں قصور اور کوتاہی کرے۔ ایک شخص نے کسی رنڈی کو گھورا پھر نہایت پشیمان ہو کر قسم کھائی کہ اس گناہ کی سزا یہ ہے کہ ٹھنڈا پانی کبھی نہیں پیوں گا اور اپنی قسم پوری بھی کی۔ حضرت حسان بن ابی سنان رضی اللہ عنہ نے ایک خوشنما منظر جو دیکھا تو پوچھا کہ یہ کس کی تخلیق ہے؟ پھر اپنے نفس سے کہا کہ جس چیز سے تجھے کوئی سروکار نہیں اس کا حال کیوں پوچھتا ہے؟ بخدا سال بھر روزے رکھ کر تجھے سزا دوں گا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اپنے باغ میں نماز ادا فرما رہے تھے ایک خوبصورت چڑیا وہاں اُڑی۔ اس کی خوبصورتی کا جو خیال آیا تو نماز میں غفلت سی ہو گئی اور رکعتوں کی گنتی بھول گئی سارا باغ صدقہ کر دیا۔ حضرت مالک بن ضیغم قدس سرہٗ کہتے ہیں کہ رباح القیسی رحمۃ اللہ علیہ تشریف لائے اور میرے باپ کو نماز عصر کے بعد بلایا میں نے کہا وہ سو رہے ہیں۔ انھوں نے کہا یہ کونسا سونے کا وقت ہے یہ کہہ کر چل دیئے میں پیچھے ہو لیا وہ اپنے نفس سے کہتے جاتے تھے کہ اے فضول تو کہتا ہے کہ یہ کونسا سونے کا وقت ہے تجھے یہ بات کہنے سے کیا ملا۔ میں نے عہد کیا کہ سال بھر تکیے پر سر نہیں رکھوں گا یہ کہتے جا رہے تھے اور روتے جاتے تھے اور یہ بھی کہتے جاتے تھے کہ تو اللہ سے نہیں ڈرے گا۔ حضرت میم داری قدس سرہ ایک رات ایسا سوئے کہ تہجد کی نماز فوت ہو گئی انھوں نے عہد کیا کہ اب سال بھر نہیں سوؤں گا۔ حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص ننگے بدن گرم پتھروں پر لیٹتا تھا اور اپنے نفس سے کہتا تھا کہ اے رات کے مرداروں کے کاہل تیرا ظلم میں کب تک سہوں گا۔ نبی کریم علیہ السلام وہاں پہنچے تو فرمایا اے شخص تو ایسا کیوں کرتا ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ میرا نفس مجھ پر غالب آ جاتا ہے فرمایا کہ اس وقت آسمانوں کے دروازے تیری خاطر کھلے ہیں اور تیری وجہ سے اللہ تعالیٰ فرشتوں پر فخر و مباہات فرما رہے ہیں۔ پھر صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ اس شخص سے اپنا توشہ لے لو چنانچہ ہر صحابی اس کے پاس جاتا اور اس سے دُعا کی درخواست کرتا وہ ہر کسی کی خاطر دُعا کرتا پھر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ سب کے لیے اجتماعی دُعا کرو۔ اُس نے دُعا کی اے اللہ ہمارے لیے تقویٰ کو زادِ راہ بنا اور سب کو راہِ راست پر رکھ۔ آپ نے دُعا فرمائی کہ اے اللہ اس کو روک یعنی جو دُعا بہتر ہو وہ اس کی زُبان سے جاری فرما تب وہ شخص دُعا کرنے لگا کہ اے اللہ ان کا ٹھکانہ جنت کو بنا۔ مجمع نامی ایک بزرگ تھے انھوں نے ایک مرتبہ کسی چھت کی طرف

دیکھا تو ایک عورت پر نظر پڑ گئی۔ انھوں نے عہد کیا کہ اب کبھی آسمان کی طرف بھی نہیں دیکھوں گا۔ حضرت آصف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ رات کو چراغ لیتے اور ہر گھڑی چراغ کی لو پر انگلی رکھتے اور اپنے نفس سے فرماتے کہ تم نے فلاں دن فلاں کام کیوں کیا اور فلاں چیز کیوں کھائی۔ الغرض محتاط لوگ ایسے ہی تھے وہ نفس کی سرکشی سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ اگر ہم نے سختی نہ کی تو یہ غالب ہو جائے گا اور ہم ہلاک و تباہ ہو جائیں گے۔

پانچواں مقام مجاہدہ ہے بعض بزرگوں نے جب اپنے نفس کو بہت ہی سستی کرتے دیکھا تو اسے اس طرح سزا دی کہ تنبیہ اور سیاست کے طور پر بہت سی عبادت ضروری قرار دے لی۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کا یہ حال تھا کہ اگر جماعت سے نماز فوت ہو جاتی تو رات بھر نہ سوتے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک نماز جماعت سے فوت ہو گئی تو اس کے کفارہ کے طور پر اتنی زمین صدقہ دی جس کی قیمت دو لاکھ درہم تھی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مغرب کی نماز سے تاخیر ہو گئی حتیٰ کہ دو ستارے نکل آئے۔ اس کے کفارہ میں انھوں نے دو غلام آزاد کر دیئے اور بہت سی حکایات ہیں جب عبادت میں نفس تندہی نہ کرے تو اُس کا یہی علاج ہے کہ آدمی کسی صاحب ریاضت کی خدمت میں رہے تاکہ اس کی ریاضت دیکھ دیکھ کر دِل میں رغبت پیدا ہو۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ جب ریاضت میں مجھ سے سستی ہو جاتی ہے تو میں حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھتا ہوں انھیں دیکھ کر ہفتہ بھر میرے دِل میں عبادت کی رغبت موجود رہتی ہے اور اگر کوئی صاحب ریاضت نہ ملے تو ایسے لوگوں کے حالات اور حکایات سننی چاہئیں۔ ہم یہاں بعض لوگوں کے حالات لکھتے ہیں حضرت داؤد طائی قدس سرہٗ روٹی نہ کھاتے بلکہ رات کو پانی میں آٹا گھول کر پی لیتے اور فرماتے کہ اس طرح اتنا وقت بچ جاتا ہے کہ پچاس آیات کی تلاوت ہو سکتی ہے پھر میں اتنا وقت کیوں ضائع کروں۔ ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ تمھاری چھت کا یہ شہتیر کب سے ٹوٹا ہے فرمایا تیس برس سے میں یہاں رہتا ہوں مگر میں نے چھت کی طرف نہیں دیکھا۔ بے فائدہ کسی چیز کی طرف دیکھنے کو بزرگوں نے مکروہ کہا ہے احمد بن زرین رحمۃ اللہ علیہ فجر کی نماز کے بعد عصر کی نماز تک بیٹھے رہتے اور کسی کی طرف نظر نہ اُٹھاتے۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ کیوں بیٹھے رہتے ہیں؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آنکھیں اس واسطے دی ہیں کہ بندہ اس کی عجیب عجیب صنعتوں اور قدرتوں کو دیکھے اور جو شخص ان چیزوں کو نظر عبرت سے نہ دیکھے اس کے نام ایک غلطی لکھی جائے گی۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے زندگی تین چیزوں کی خاطر عزیز ہے ایک بڑی راتوں میں سجدوں کی خاطر' دوسرے بڑے دنوں میں روزے کی خاطر اور تیسرے ایسے لوگوں کی صحبت کی خاطر جن کی باتیں پاکیزہ اور سراپا حکمت ہوں۔ حضرت علقمہ ابنِ قیس رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ اپنے نفس کو اتنی تکلیف کیوں دیتے ہیں۔ فرمایا کہ اس دوستی کی وجہ سے جو مجھے نفس کے ساتھ ہے اسے دوزخ کے عذاب سے بچاتا ہوں۔ لوگوں نے کہا کہ آپ پر تکالیف واجب نہیں فرمایا کہ جو کچھ ہو سکتا ہے کرتا ہوں تاکہ فردائے قیامت میں کچھ حسرت باقی نہ رہے کہ یہ کام کیوں نہ کیا۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ میں نے کسی میں عجیب بات نہیں دیکھی۔ اُن کی عمر اٹھانوے برس کی ہو گئی مرنے سے پہلے ان کا پہلو زمین پر کسی نے نہیں دیکھا۔ حضرت ابو محمد جریر قدس سرہٗ سال بھر مکہ معظمہ میں رہے نہ بات کی نہ سوئے نہ پیٹھ لگائی نہ پاؤں پھیلائے۔ حضرت ابو بکر کتانی قدس سرہٗ نے ان سے پوچھا کہ اتنی بڑی ریاضت تم نے کیسے کی' فرمایا کہ اس فہم کی بدولت جو صدقِ باطن سے مجھے حاصل ہے۔ اُس نے اس ریاضت

کی خاطر میرے جسم کو قوت بخشی۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے فتح موصلی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ روتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے اشک خون آمیز رواں ہیں میں نے پوچھا اس کی وجہ؟ فرمایا کہ ایک عرصہ اپنے گناہوں پر روتا رہا اب ان بے اخلاص آنسوؤں پر خون کے آنسو روتا ہوں۔ انتقال کے بعد لوگوں نے انھیں خواب میں دیکھا۔ پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا۔ فرمایا کہ اس گریہ زاری کے سبب سے حق تعالیٰ نے مجھے عزت و بزرگی عنایت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اپنی عزت کی قسم چالیس برس کے نامہ عمل میں کوئی خطا نہیں۔ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ سے لوگوں نے کہا کہ آپ اپنی داڑھی میں کنگھی کیجیے تو اچھا ہو فرمایا کہ اس میں مشغول ہو کر غافلوں کی فہرست میں نام لکھاؤں گا۔ حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے راتوں کو عبادت کے واسطے تقسیم کر رکھا تھا۔ فرماتے کہ آج رکوع کی رات ہے اور ایک ہی رکوع میں صبح کر دیتے۔ کبھی فرماتے کہ آج سجدہ کی رات ہے تو ساری رات سجدہ کی نذر ہو جاتی۔ حضرت عتبۃ الغلام رحمۃ اللہ علیہ کثرتِ ریاضت کی وجہ سے کوئی خوش ذائقہ چیز نہ کھاتے نہ پیتے۔ ان کی والدہ نے شفقت مادری کی وجہ سے کہا کہ اپنے اوپر رحم کھاؤ تو عرض کیا کہ مادرِ مہربان اللہ تعالیٰ کے رحم کا طالب ہوں۔ چند سانس کی کسر ہے اصل خواہش یہ ہے کہ یہ جیسے کیسے گزر جائیں پھر ابد الآباد اس کی رحمت و راحت نصیب ہو۔ حضرت ربیع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ کو دیکھنے لگا۔ صبح کی نماز میں مشغول تھے۔ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے اپنے جی میں کہا کہ اگر میں بات کروں گا تو ان کی تسبیح میں خلل پڑے گا۔ میں نے صبر کیا وہ اس طرح بیٹھے رہے حتیٰ کہ وہیں ظہر اور عصر کی نماز پڑھی۔ یہاں تک کہ دوسرے دن فجر کی نماز وہیں پڑھی اس وقت ان کی آنکھ ذرا جھپک گئی تو چونک کر عرض کیا کہ اے اللہ میں بہت سونے والی آنکھ اور بہت کھانے والے پیٹ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ میں نے اپنے جی میں کہا کہ مجھے اتنا ہی کافی ہے اور کوئی بات کیے بغیر پلٹ آیا۔ حضرت ابوبکر عباس رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس برس پہلو زمین پر نہیں رکھا پھر ان کی آنکھوں میں سیاہ پانی اتر آیا۔ بیس برس تک اسے اپنے گھر والوں سے چھپایا۔ پانچ سو رکعت روزانہ کا معمول تھا اور جوانی میں ہر روز تیس ہزار بار سورۂ اخلاص کی تلاوت کرتے۔ زبن دہرہ رحمۃ اللہ علیہ ایک ابدال تھے ان کی ریاضت یہ تھی کہ ہر دن میں تین قرآن ختم کرتے۔ لوگوں نے کہا کہ آپ بڑی مشقت کرتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ دُنیا کی عمر کتنی ہے۔ لوگوں نے کہا سات ہزار برس۔ پھر پوچھا کہ قیامت کا دن کتنا بڑا ہے؟ لوگوں نے کہا پچاس ہزار برس۔ کہنے لگے کہ وہ کونسا آدمی ہو گا جو پچاس دن آرام پانے کی غرض سے سات دن مشقت برداشت نہ کرے۔ یعنی اگر میں سات ہزار برس جیوں اور محض قیامت کے ایک دن کے واسطے محنت و ریاضت کروں تو بھی کم ہے پھر ابدی مدت کا کیا ذکر جس کی انتہا ہی نہیں بالخصوص میری اس تھوڑی سی عمر کی بہ نسبت۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں بی بی رابعہ بصری قدس سرہٗ کے پاس گیا وہ خلوت خانہ میں صبح تک نماز پڑھتی رہیں۔ اور میں اس گھر کے گوشہ میں نماز پڑھتا رہا۔ میں نے ان سے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کا شکر کس طرح ادا کریں کہ اُس نے ساری رات نماز کی توفیق دی۔ انھوں نے کہا کہ شکر کے طور پر ہم کل روزہ رکھیں پس محنت و ریاضت کرنے والوں کے یہ حالات تھے اور ایسی بہت سی حکایتیں ہیں جنھیں نقل کرنا موجب طوالت ہے۔ احیاء العلوم میں ہم نے بہت سی حکایتیں نقل کی ہیں۔ بندہ اگر اس قسم کی ریاضت نہ کر سکے۔ اگلے بزرگوں کے حالات پڑھ کر اپنا قصور تو پہچانے اور اپنے اندر کچھ رغبت تو پیدا کر لے اور اپنے نفس کے ساتھ مقابلہ تو کر سکے۔

چھٹا مقام نفس پر عتاب کرنا اور اسے جھڑکنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نفس کو اس طرح پیدا کیا ہے کہ یہ خیر سے گزرتا ہے اور شر کے لیے آمادہ رہتا ہے۔ شہوت رانی اور کاہلی اس کی خاصیت ہے اور تجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ نفس کی اصلاح کر اور اسے بے راہ روی سے راہ پر لے آ۔ اور نفس کی درستی سختی سے ہوتی ہے اور کبھی نرمی سے بھی کبھی کردار سے تو کبھی گفتار سے۔ کیونکہ اس کی طبیعت میں یہ بات پیدا کی ہے کہ جب کسی کام میں اپنی بھلائی دیکھتا ہے تو اس کام کا قصد کرتا ہے اگرچہ اس کام میں رنج و تکلیف ہو لیکن یہ برداشت کرتا ہے لیکن بالعموم جہالت و غفلت اس کے لیے آڑ ہوتی ہے۔ آدمی جب اسے خوابِ غفلت سے بیدار کرتا ہے اور صاف صاف آئینہ اس کے سامنے رکھتا ہے تو وہ قبول بھی کر لیتا ہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿ وذکر فان الذکری تنفع المومنین ﴾ اور آدمی کا اپنا نفس بھی دوسرے لوگوں کے نفس کی مانند ہے کہ پند و نصیحت بہرحال اس میں اثر کرتی ہے۔ پس پہلے اسے نصیحت اور عتاب کرنا چاہیے بلکہ کسی وقت اس پر عتاب کرنا موقوف ہی نہ کرے اور اس سے کہتا رہے کہ اے نفس تو زیرکی کا دعویٰ کرتا ہے اگر کوئی تجھے احمق کہتا ہے تو تو برا مانتا ہے اور غُصّہ کرتا ہے اور تجھ سے زیادہ کوئی احمق نہیں اس لیے کہ اگر کسی کے انتظار میں پورا لشکر شہر کے دروازے پر ٹھہرا ہوا ہو اور اس شخص کو پکڑ کرلانے کے لیے کوئی آدمی بھیجا ہو کہ اسے اپنے ساتھ لے جا کر ہلاک [illegible] اور وہ شخص اس وقت کھیل میں مشغول ہو تو اس سے زیادہ کوئی احمق نہیں اے نفس مُردوں کا لشکر شہر [illegible] دروازے پر تیرا منتظر ہے اور اُس نے عہد کرلیا ہے کہ جب تک تجھے ساتھ نہ لے لے گا تب تک کوچ نہیں کرے گا اور جنت و جنہم تیرے واسطے پیدا ہوئی ہے ممکن ہے وہ لشکر آج ہی تجھے ساتھ لے لے۔ بالفرض آج نہ لیا تو ایک نہ ایک دن ضرور ساتھ لے گا اس لیے جو کچھ ہونے والا ہے اس کے متعلق یہی سمجھ کہ گویا ہو چکا کیونکہ موت نے کسی کے ساتھ کوئی وقت طے نہیں کیا کہ میں رات کو آؤں گی یا دن میں جلد آؤں گی یا تاخیر سے بہت سردی میں آنا ہو گا یا گرمی میں موت اچانک آتی ہے اور ایسے وقت آتی ہے جب بالعموم آدمی مطمئن ہوتا ہے پس اگر تو مرنے کے لیے تیار نہیں رہے گا تو اس سے زیادہ کیا حماقت ہے۔

اے نفس افسوس کی بات ہے کہ سارا دن تو گناہوں میں مشغول رہتا ہے اگر تیرا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے گناہ نہیں دیکھتا تو تو کافر ہے اور اگر جانتا ہے کہ وہ دیکھتا ہے تو پھر تو بے حیا اور ڈھیٹ ہے کہ اس کے مطلع ہونے کی پرواہ نہیں کرتا۔ اے نفس ذرا غور کر کہ اگر تیرا کوئی غلام تیری نافرمانی کرتا ہے تو تجھے اس پر کس قدر غُصّہ آتا ہے پھر اللہ تعالیٰ کے غُصّہ سے تو کیوں کر مطمئن ہے اگر تو اس بھولپن کا شکار ہے کہ تیرے اندر عذابِ الٰہی سہنے کی طاقت و قدرت ہے تو ذرا اپنی انگلی چراغ کی لو پر رکھ کر یا لمحہ بھر کڑی دھوپ میں کھڑا رہے یا گرم حمام میں کھڑا ہو تا کہ تجھے اپنی بے چارگی کا اندازہ ہو جائے اور اگر تیرا یہ خیال ہے کہ جو کچھ تو کرتا ہے اس پر تیرا مواخذہ نہیں ہو گا تو ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کا منکر ہے اور سب کو جھوٹا تصور کرتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ﴾ یعنی جو برا کام کرے گا بری سزا پائے گا۔ اے نفس شاید تیرا خیال ہو کہ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے مجھ پر عذاب نہیں کرے گا تو اس کا جواب گوشِ ہوش سے سن وہ رحیم و کریم دُنیا میں لاکھوں انسانوں کو بھوک سے کیوں مارتا اور ہزاروں کو بیمار کیوں کرڈالتا ہے وہ رحیم و کریم ہے تو بوئے بغیر کھیت کیوں نہیں کاٹ لیتا۔ اے نفس جب وہ رحیم و کریم ہے تو سیم و زر کی خواہش پوری کرنے کے

لیے تو دُنیا بھر کے حیلے کیوں اختیار کرتا ہے کیوں نہیں کہتا کہ اے اللہ تو رحیم و کریم ہے مجھے تکلیف نہ کرنی پڑے یونہی مجھے چھت پھاڑ کر دے دے۔

اے نفس تجھ پر تف ہے اب تو یہی کہے گا کہ میں ہارا تم جیتے' جیسا تم کہتے ہو ویسا ہی ہے لیکن میں کیا کروں میرے اندر تکلیف اُٹھانے کی طاقت نہیں اور بے وقوف تو اتنا نہیں جانتا کہ جو بڑی تکلیف اور رنج نہیں اُٹھا سکتا اس پر ذرا سی تکلیف برداشت کرنا فرض ہے تاکہ کل قیامت کے دن دوزخ کی رنج و تکلیف سے بچ جائے اس لیے کہ جو رنج کا مزہ نہیں چکھتا وہ رنج سے محفوظ نہیں رہتا۔ آج تو اتنا سا رنج اُٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا کل فردائے قیامت میں دوزخ کا عذاب اور ذلت و خواری اور لعنت و ملامت کا اتنا بڑا عذاب کیسے برداشت کرے گا؟ او بے حیا سیم و زر کی تلاش میں اتنی محنت کرتا ہے' تندرستی کی خاطر یہودی طبیب کے کہنے سے سب خواہشات سے دستبردار ہو جاتا ہے پھر اِتنا نہیں جانتا کہ دوزخ مفلسی اور بیماری سے زیادہ سخت ہے اور آخرت کی مدت دُنیا کی عمر سے بہت دراز ہے۔

شاید تم اس خیال میں ہو کہ میں توبہ کر لوں گا اور ان کاموں سے بہتر کام کرنے لگوں گا تو ہم کہتے ہیں کہ شاید جب تک تو توبہ کرے تب تک اچانک موت آ جائے اور حسرت کے سوا کچھ پلے نہ پڑے۔ اے نفس اگر تو جانتا ہے کہ آج کی بہ نسبت کل توبہ کرنا مجھ پر آسان ہے تو یہ تیری جہالت ہے اور نادانی ہے جتنی تاخیر ہو گی اتنی ہی توبہ مشکل ہو گی۔ موت قریب آئے گی تو اس وقت توبہ ایسی مشکل ہو گی جیسے چڑھائی پر چڑھتے وقت چوپایہ کو جو کھلانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا یعنی اگر اسے پہلے سے جو کھلائے جاتے تو اسے طاقت ہوتی وقت پر کھلانے سے کیا حاصل ہو گا۔ اے نفس اس صورت میں تیری مثال اس شخص کی ہو گی جو طلب عِلم کے لیے نکلے اور سستی کر کے یہ سوچ کہ جب وطن کو مراجعت کروں گا تو محنت کر کے عِلم سیکھ لوں گا اور اتنا نہ خیال کرے کہ عِلم کے لیے بڑا وقت درکار ہے اور نفس پر خیانت کو زمانہ دراز تک محض محنت اور ریاضت کے گھڑیا میں صاف کرنا چاہیے تاکہ پاک صاف ہو کر انس و مُحبّت اور معرفت الٰہی کے درجہ کو پہنچ جائے اور اللہ کی راہ میں سب گھاٹیاں طے کر لے جب تمام عمر گزر گئی اور ضائع ہو چکی تو پھر بے مہلت یہ ریاضت کیسے کر سکے گا۔ بڑھاپے سے پہلے جوانی کو' بیماری سے پہلے تندرستی کو' مشغولیت سے پہلے فارغ البالی کو اور موت سے پہلے زندگی کو غنیمت جان۔ اے نفس تو گرمی کے موسم میں ٹھنڈک کی خاطر کیوں اہتمام کرتا ہے۔ اللہ کے فضل پر بھروسہ کیوں نہی کرتا۔ آخر دزخ کے زمہریر کی سردی' چلہ کے جاڑوں سے اور اس کی گرمی جون جولائی کی گرمی سے کچھ کم تو نہیں۔ دُنیا میں جاڑے گرمی کا سامان درست کرنے میں تو کوتاہی نہیں کرتا اور آخرت کے سنوارنے میں اس طرح تقصیر و کوتاہی کرتا ہے؟ ہو نہ ہو اس کا یہی سبب ہے کہ تو آخرت اور قیامت کے دن پر ایمان ہی نہیں رکھتا۔ یہ کفر و انکار اپنے باطن میں رکھتا ہے اور اپنے ظاہر کو اس سے بچاتا ہے۔ نادان یہ تیری ہلاکت اور خرابی کا باعث ہو گا۔ او نفس سن' تو جو یہ سمجھتا ہے کہ نورِ معرفت سے میں پناہ نہ لوں گا تو بھی مرنے کے بعد آتشِ شہوت مجھے کچھ نہ نقصان پہنچائے گی اس کی مثال اس شخص کی ہے کہ میں جبہ نہیں پہنوں گا۔ پھر بھی اللہ کے فضل سے سردی میں جاڑا مجھے نقصان نہیں پہنچائے گا تو یہ شخص اتنا بڑا بیوقوف ہے کہ اس قدر نہیں سمجھتا کہ اس کا فضل یہی ہے کہ جب اُس نے سردی کو پیدا کیا۔ جبہ بنانے کا موقعہ دیا اور سامان بھی مہیا کر دیا تو اُس کا نام فضل نہیں کہ جبے کے بغیر سردی معلوم نہ ہو او نفس گناہ کے سبب تجھ پر

اس لیے عذاب ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کو تیری نافرمانی پر غصہ آئے گا تاکہ تو یہ کہنے لگے کہ خبردار یہ گمان نہ کرنا کہ میرے گناہ سے اللہ تعالیٰ کا کیا نقصان ہے۔ اس لیے کہ عذاب اس وجہ سے نہ ہو گا بلکہ تیری شہوت ہی سے تیرے اندر آتشِ دوزخ پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح زہر یا بری چیز ہی کھانے سے آدمی کے بدن میں بیماری۔ یہ بات نہیں ہے کہ تیری نافرمانی کے سبب سے طبیب خفا ہوتا ہے۔ اس وجہ سے تجھ میں بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔ او نفس تف ہے تجھ پر کہ دُنیا کی نعمت اور لذت میں تو پھنس کر اس پر دِل سے عاشق ہو گیا اس لیے کہ اس کے سوا تیری غفلت کا کوئی سبب معلوم نہیں ہوتا۔ ارے کمبخت اگر جنت و دوزخ پر تو ایمان نہیں رکھتا تو موت پر بھی ایمان نہیں رکھتا کہ تو مرگیا اور دُنیا کی سب نعمتیں اور لذتیں تجھ سے چھن جائیں گی اور ان کے فراق کی آگ میں جلتا رہے گا۔ بیٹے سمجھانا ہمارا کام ہے۔ پھر تو مختار ہے دُنیا کی مُحبت اپنے دِل میں جتنی چاہے مضبوط کر لے مگر اتنی بات سمجھ لے کہ جس قدر مُحبت ہوتی ہے اسی قدر فراق میں اذیت ہوتی ہے۔ او نفس تجھے اللہ ہدایت کرے۔ دُنیا کے پیچھے تو کیوں خراب ہو رہا ہے۔ اگر مشرق سے مغرب تک تمام دُنیا تجھے مل جائے اور تمام جہان تجھے سجدے کرنے لگیں تو تھوڑے ہی زمانے میں تو اور وہ سب خاک ہو جائیں گے اور جس طرح اگلے بادشاہوں کو آج کوئی یاد نہیں کرتا۔ تیرا بھی کوئی نام نہیں لے گا۔ پھر جب تھوڑی سی دُنیا تجھے ملے اور وہ بھی خراب میلی کچیلی خستہ حالت میں تو ہمیشہ رہنے والی بہشت کو اس کے عوض کیوں بیچتا ہے۔ او نفس سمجھنے کی بات یہ ہے کہ اگر کوئی مٹی کا ٹوٹا ہوا پیالہ کسی گوہر نفیس کے بدلے حاصل کرے تو اس پر ہر کوئی ہنستا ہے۔ یاد رکھ دُنیا مٹی کا پیالہ ہے جو دفعتاً ہاتھ سے چھوٹ کر ٹوٹ جاتا ہے اگر اسے پسند کیا تو یہ گوہر جاوداں سمجھ لے کہ اب نہیں ملے گا اور جان لے کہ اس کے چھوٹنے اور اس کے نہ ملنے کا افسوس اور عذاب ہی باقی رہے گا۔ آدمی کو چاہیے کہ اس طرح نفس پر مسلسل عتاب کرتا رہے تاکہ اپنا حق ادا ہو جائے اور پہلے ہی اپنے تئیں نصیحت شروع کر دے۔

فصل ۷ : تفکر کا بیان

حضور نبی رحمت ﷺ نے فرمایا ہے کہ ایک ساعت کا تفکر ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے اور قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے کئی جگہ تفکر، تدبر، نظر اور اعتبار کا حکم دیا ہے یہ سب تفکر ہیں۔ آدمی جب تک تفکر کی حقیقت اور کیفیت نہیں پہچانے گا اور یہ نہیں جانے گا کہ تفکر کس چیز میں ہے اور ہے کیا؟ اس کا فائدہ کیا ہے۔ تب تک اس کی فضیلت معلوم نہ ہو سکے گی۔ ان سب باتوں کا بیان کرنا ضروری ہے۔ پہلے اس کی فضیلت بیان کی جائے گی پھر اس کی حقیقت بیان ہو گی اس کے بعد جس کے لیے تفکر ہوتا ہے اسے ذکر کیا جائے گا اور آخر میں جس چیز میں تفکر ہوتا ہے اسے لکھا جائے گا۔

تفکر کی حقیقت : سال بھر کی عبادت سے گھڑی بھر کا تفکر جب بہتر ہے تو ظاہر ہے اس کا بڑا درجہ ہے۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے بقول کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات میں تفکر میں مشغول تھے کہ حضور ﷺ نے انھیں ہدایت کی کہ تم اس کی مخلوق میں تو تفکر کرو اس کی ذات میں نہیں اس لیے کہ تم اس کی تاب نہ لا سکو گے اور اس کی قدر نہیں پہچان سکو گے۔ حضرت اُم المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا و رضوانہ فرماتی ہیں کہ حضور

علیہ السلام نماز میں روتے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ تو معصوم ہیں پھر کیوں روتے ہیں؟ فرمایا کہ میں کیسے نہ روؤں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر یہ آیت اتاری ﴿ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴾ پھر فرمایا کہ اس شخص پر افسوس ہے جو یہ آیت پڑھے اور ان چیزوں میں تفکر نہ کرے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لوگوں نے پوچھا کہ یا روح اللہ روئے زمین پر کوئی اور بھی آپ کی مانند ہے فرمایا جس کا کلام محض ذکر اور خاموشی فکر ہو اور نظر عبرت ہو وہ میری مانند ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ عبادت میں تم اپنی آنکھوں کو حصہ دو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ کیسے؟ فرمایا کہ مصحف میں دیکھ کر قرآن پڑھا کرو اور اس کے معنی پر تفکر کرو اور اس کے عجائبات سے عبرت حاصل کرو۔ حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ دُنیا میں تفکر کرنا آخرت کے لیے حجاب ہے اور آخرت میں تفکر کرنا حکمت کا ثمرہ اور دلوں کی زندگی ہے۔ حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ ایک رات چھت پر چڑھے ہوئے ملکوتِ آسمان میں تفکر کر رہے تھے کہ روتے روتے پڑوسی کے گھر میں گر پڑے۔ پڑوسی نے تلوار سنبھال لی اور سمجھا کہ چور ہے۔ اُس نے دیکھا کہ یہ تو حضرت داؤد رحمۃ اللہ علیہ ہیں پوچھا آپ کو کس نے گرا دیا؟ فرمایا مجھے خبر ہی نہیں کہ کس نے گرایا۔

تفکر کی حقیقت: تفکر کے معنی طلب علم ہیں اور جو علم فی البدیہہ معلوم نہ ہو اسے طلب کرنا چاہیے اور جاننا اور دریافت کرنا ممکن نہیں مگر اس طرح کہ دو معرفتیں جمع کر کے ان میں ترتیب پیدا کریں تاکہ مل جائیں اور ان سے تیری معرفت پیدا ہو جیسے نر مادہ سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ دونوں معرفتیں اس تیسری معرفت کی دو اصل کی مانند ہیں۔ پھر اس تیسری معرفت کو کسی اور معرفت کے ساتھ جمع کریں تاکہ اس سے چوتھی معرفت پیدا ہو۔ اسی طرح ایک معرفت کو کسی دوسری معرفت میں ملاتے جانا علوم کی نسل کو بڑھانا ہے جو شخص اس طرح علوم حاصل نہیں کر سکتا اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ جو علوم اصل ہیں ان کی طرف وہ راہ نہیں پاتا اس کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے کسی شخص کے پاس سرمایہ نہ ہو تو وہ تجارت کیسے کرے گا اور اگر اصل علوم جانتا ہے لیکن ایک کو دوسرے کے ساتھ جمع نہیں کر سکتا تو اس کی مثال اس سرمایہ دار کی ہے جو تجارت کے رموز سے بے خبر ہے اس کی حقیقت کی تفصیل دراز ہے۔ ایک مثال ہم بیان کرتے ہیں مثلاً کوئی شخص جاننا چاہے کہ آخرت دُنیا سے بہتر ہے تو وہ یہ نہیں جان سکتا تاوقتیکہ دو باتیں نہ جان لے ایک یہ کہ باقی فانی سے بہتر ہے۔ دوسری یہ کہ آخرت باقی ہے اور دُنیا فانی جب یہ دونوں باتیں معلوم ہو جائیں تو تیسری بات کہ دُنیا سے آخرت بہتر ہے خود بخود معلوم ہو جائے گی۔ اس پیدا ہونے سے ہم وہ مضمون مراد نہیں لیتے جو معتزلہ کا مقصد ہے اس کی تفصیل بھی دراز ہے تو سب تفکرات کی حقیقت اس علم کی طلب ہے جو دو علوم کو دل میں حاضر کرنے سے پیدا ہوتا ہے مگر جس طرح گھوڑے کے جوڑے سے بکری پیدا نہیں ہوتی اسی طرح دو علموں سے وہ علم پیدا نہیں ہوگا جو تو چاہے گا بلکہ ہر نوعِ علم کے دو جدا جدا کلیے ہیں ان کلیوں کو جمع کرنے سے فرع ظاہر ہوگی۔

تفکر کس واسطے کیا جائے: اللہ تعالیٰ نے آدمی کو ظلمت و جہل میں پیدا کیا ہے اسے ایک نور کی ضرورت ہے تاکہ ظلمت سے نکل کر روشنی میں آسکے اور یہ جان سکے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے اور کس طرف سے چلنا چاہیے دُنیا کی طرف یا آخرت کی طرف سے! اور اپنے ساتھ مشغول ہونا چاہیے یا اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ اور یہ سب کچھ معلوم ہونے کا ذریعہ نورِ معرفت ہے اور نور معرفت تفکر کے بغیر پیدا نہیں ہوتا۔ حدیث میں ہے کہ

مخلوق ظلمت میں پیدا کی گئی پھر اس پر نور کا چھڑکاؤ کیا گیا تو جس طرح کوئی شخص تاریکی میں عاجز ہوتا ہے اور راستہ میں چل نہیں سکتا تو پتھر کو لوہے پر مارتا ہے تاکہ آگ چمکے اور اس سے اپنا چراغ جلالے اور اس چراغ سے حالت بدل جائے اور وہ دیکھنے لگے اور صحیح و غلط راہ میں تمیز کر سکے اسی طرح ان دونوں علوم کی مثال ہے جو اصل ہیں ان دونوں علموں کو تیسرے کی خاطر جمع کرنا ایسا ہے جیسے پتھر اور لوہا اور تفکر کی مثال ایسے ہے جیسے پتھر کو لوہے پر مارنا اور معرفت کی مثال یوں ہے جیسے وہ نور جو پتھر کو لوہے پر مارنے سے پیدا ہوتا ہے تاکہ اس کے دِل کی حالت بدل جائے اور جب دِل کا حال بدل جاتا ہے تو کام اور عمل بھی بدل جاتا ہے مثلاً جب یہ معلوم کر لیا کہ آخرت بہتر ہے تو دُنیا سے منہ پھیر کر آخرت کی طرف متوجہ ہو گا پس تفکر سے تین چیزیں پیدا ہوتی ہیں معرفت، حالت، عمل مگر عمل حالت کے تابع ہے اور حالت معرفت کے اور معرفت تفکر کے پس تفکر نیکیوں کی اصل اور کنجی ہے اسی سے اس کی فضیلت بھی ظاہر ہے۔

تفکر کا میدان: یاد رکھیں کہ فکر کے میدان اور جولان گاہ کی کوئی انتہا نہیں اس لیے کہ عِلم کی انتہا نہیں اور فکر سب چیزوں میں جاری و ساری ہے لیکن جن جن چیزوں کا دین سے کوئی تعلق نہیں اس کی شرح سے ہمیں بھی کوئی سروکار نہیں اور جو چیزیں دین کی راہ سے متعلق ہیں اگرچہ ان کی تفصیل بے انتہا ہے لیکن اجمالی طور پر ان کا بیان ممکن ہے۔ دین سے وہ معاملہ مراد لیا جاتا ہے جو بندے اور اللہ کے درمیان ہو اس لیے کہ بندے کی راہ وہی ہے اسی طرح بندہ ربّ کو پہچانتا ہے اور بندہ یا تو اپنے اندر تفکر کرتا ہے یا ربّ کے اندر تفکر یا تو اس کی ذات میں ہوتا ہے یا صفات میں اور یا اس کے افعال میں عجائبات میں اور مصنوعات میں اگر اپنے اندر تفکر کرتا ہے تو وہ یا ان صفات میں ہوتا ہے جو اللہ کو ناپسند ہیں اور بندے کو اللہ سے دور کرتی ہیں ایسی صفات معاصی اور منجیات شمار ہوتی ہیں یا تفکر ان صفات میں ہوتا ہے جو اللہ کو محبوب و مرغوب ہیں اور بندے کو اللہ سے نزدیک کرتی ہیں ایسی صفات طاعت اور منجیات میں شمار ہوتی ہیں۔ گویا یہ چار میدان ہیں اور بندے کی مثال عاشق کی سی ہے کہ اسے معشوق کے سوا اور کسی کا دھیان نہیں ہوتا اگر دھیان چلا جائے تو گویا اس کا عشق خام اور ناقص ہے اس لیے کہ عشق کامل وہی ہے جس نے معشوق کے سوا عاشق کے دِل میں اور کسی چیز کی گنجائش ہی نہیں رکھی پس عاشق کو معشوق کے حسن و جمال کا خیال ہوتا ہے یا اس کے اخلاق و افعال کا ۔

ہر چہ آید در دلم غیر از تو نیست
یا توئی یا بوئے تو یا خوئے تو

اور اگر عاشق اپنے اندر فکر کرتا ہے تو ایسی بات اس کی فکر کی جولانگاہ ہوتی ہے جو اس کی مقبولیت کو معشوق کے نزدیک اور زیادہ کر دے تاکہ اس بات کو تلاش کرے اور یا ایسی بات میں تفکر ہوتا ہے جو معشوق کو بری لگتی ہے تاکہ اس سے اِحتراز کرے اور جو خیال عشق کے سبب ہوتا ہے وہ ان چار خیالوں سے باہر نہیں۔ دین کے عاشق اور اللہ کی مُحبت کا خیال ایسا ہی ہوتا ہے۔

پہلا میدان یہ ہے کہ بندہ اپنی ذات میں فکر کرے کہ میری بری صفات اور بداعمالیاں کیا ہیں تاکہ ان سے اپنے آپ کو پاک کروں یہ تو ظاہری گناہ ہوتے ہیں یا باطنی اخلاقِ خبیثہ اور ان کی تعداد بہت ہیں اس لیے کہ بعض ظاہری گناہ ہفت

اندام آنکھ ہاتھ پاؤں وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں اور بعض سارے بدن سے اور یہی حال خبث باطن کا ہے اور ان میں سے ہر ایک کے تفکر کے تین انداز ہیں ایک یہ کہ فلاں کام اور فلاں وقت مکروہ ہے یا نہیں کیونکہ یہ بات بغیر فکر کے معلوم نہیں ہوتی دوسرے یہ کہ جو صفت مکروہ ہے وہ میرے اندر ہے یا نہیں؟ اس لیے کہ صفاتِ انسانی آسانی سے معلوم نہیں ہوتیں فکر کرنی پڑتی ہے۔ تیسرے یہ کہ اگر وہ صفاتِ مذمومہ میرے اندر ہیں تو ان سے خلاصی کی تدبیر کیا ہے۔ پس ہر روز صبح کے وقت آدمی کو اپنے تئیں ساعت بھر کے لیے فکر کرنی چاہیے۔ پہلے ظاہری گناہوں میں جو زُبان سے ہوتے ہیں کہ آج میں کس بات میں مبتلا ہوں گا شاید غیبت اور جھوٹ کا شکار ہو جاؤں اس سے بچنے کی تدبیر کرے علی ہذا القیاس۔ اپنے اعضاء کے بارے میں تفحُّص کرے اور سب طاعات کے بارے میں بھی فکر کرے جب طاعات سے فارغ ہو تو فضائل اعمال کے بارے میں سوچے تاکہ انھیں بجالا سکے مثلاً اپنے جی میں رکھے کہ یہ زُبان اللہ کے ذکر اور مسلمانوں کی راحت کے واسطے پیدا کی گئی ہے اور میں فلاں ذکر کرنے فلاں شخص کو راحت پہنچانے اور فلاں اچھی بات کہنے پر قادر ہوں اور آنکھ اس واسطے پیدا کی گئی ہے تاکہ دین کا پھندا ہو تاکہ اس سے سعادت کی ہما کا شکار کر سکوں اور فلاں عالم کو تعظیم اور فلاں بدعتی اور فاسق کو تحقیر کی نظر سے دیکھ سکوں۔ تاکہ آنکھ کا حق ادا ہو اور مال مسلمانوں کی راحت کے لیے پیدا ہوا ہے۔ میں فلاں صدقہ کروں اور اپنے کام کا حرج کر کے دوسروں پر ایثار کروں ہر روز اس طرح کی باتیں سوچا کرے۔ شاید ساعت بھر کی فکر میں اسے ایسا خطرہ محسوس ہو جو ساری عمر کے گناہوں سے بچانے کا ذریعہ بن جائے۔ اسی لیے ساعت بھر کی فکر سال بھر کی عبادت سے افضل ہے کہ اس کا فائدہ ساری عمر رہتا ہے اور جب ظاہری طاعات اور معاصی کے تفکر سے فارغ ہو تو باطن کی طرف متوجہ ہو اور خیال کرے کہ مہلکات میرے باطن میں کون کون سے ہیں اور منجیات کون کون سے؟ اس کی تفصیل تو دراز ہے لیکن مختصراً یہ ہے کہ مہلکات دس ہیں بخل، تکبر، عجب، ریا، حسد، غصہ، طعام کی حرص، باتوں کی حرص۔ حب جاہ اور حب مال ان سے نجات حاصل کرنا ہلاکت سے بچنے کے لیے کافی ہے۔ اسی طرح منجیات بھی دس ہیں توبہ، صبر، رضا بقضاء، شکر نعمت، خوف، رجا، زہد، اخلاص فی الطاعت، مخلوق کے ساتھ حسن سلوک اور محبت الٰہی ان صفات میں سے ہر ایک صفت میں تفکر کی بڑی گنجائش ہے۔ یہ راہ اس شخص پر کھلتی ہے جو ان کے علوم کو جان لے اور مرید کو چاہیے کہ صفات کی فہرست لکھ رکھے جب ایک صفت نصیب ہو جائے تو اس پر خط کھینچ دیا کرے اور دوسری کی فکر میں لگ جائے ممکن ہے ان تفکرات میں سے بعض کسی کے لیے بہت ضروری ہوں مثلاً وہ کسی بری صفت میں پھنسا ہو جیسے کوئی متورع عالم جو دوسری مصائب سے تو بچ گیا ہو لیکن علم پر اتراتا اور فخر کرتا ہو اور علم کے ذریعہ بزرگی و ناموری تلاش کرتا ہو اور مخلوق کی نگاہ میں اپنی عبادت اور صورت آراستہ رکھتا ہو۔ مخلوق کی مقبولیت سے خوش ہوتا ہو کوئی اس پر طعن کرے تو اس سے دِل میں کینہ رکھتا ہو اور بدلے کی تاک میں لگا رہتا ہو۔ یہ سب باتیں انتہا درجہ کی خباثت اور دین میں خلل ڈالنے کا ذریعہ ہوتی ہیں اس لیے ضروری ہے کہ یہ عالم ہر روز تفکر سے کام لے کہ اس بری خصلت سے کیسے بچ سکوں اور مخلوق کا ہونا نہ ہونا میرے نزدیک برابر ہو جائے اور میری نظر صرف اللہ تعالیٰ پر مرتکز ہو جائے اس بات میں فکر کی بڑی گنجائش ہے اس سے معلوم ہوا کہ بندہ جو اپنی صفات مہلکات و منجیات میں فکر کرتا ہے اس کی کوئی انتہا نہیں اور اس کی تفصیل بیان کرنا ممکن نہیں۔ دوسرا میدان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور اس

کے افعال و مصنوعات میں تفکر کیا جائے۔ جو تفکر اس کی ذات و صفات میں ہوتا ہے وہ بہت بڑا مقام ہے مگر چونکہ مخلوق اس کی سکت نہیں رکھتی اور وہاں تک عقل کی رسائی نہیں اس لیے شارع ﷺ نے منع فرمایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میں تفکر نہ کرو ((فَاِنَّکُمْ لَنْ تَقْدِرُوا وَقَدْرَهٗ)) یعنی تمھارے اندر اس کی قدر جاننے کی قدرت نہیں' اس دشواری کا یہ سبب نہیں کہ اس کا جلال پوشیدہ ہے بلکہ اس کی روشنی کے سبب ہے کہ وہ نہایت روشن ہے اور آدمی کی بصیرت ضعیف ہے اس کی طاقت نہیں رکھتی بلکہ وہ اس میں مدہوش اور متحیر ہو جاتی ہے جس طرح چمگادڑ دن میں اس لیے نہیں اُڑتا کہ اس کی بینائی کمزور ہے وہ نورِ آفتاب کی تاب نہیں لا سکتی۔ آفتاب کی وجہ سے وہ دن کو نہیں دیکھتا شام کو جب برائے نام سورج کی روشنی ہوتی ہے' تب دیکھتا ہے عوام الناس کی یہی مثال ہے ہاں صدیق اور صالح لوگ اس نظر کی طاقت رکھتے ہیں لیکن ہمیشہ نہیں ایسا ہو تو بے طاقت ہو جائیں جیسے آفتاب کو آدمی دیکھ سکتا ہے لیکن اگر ہمیشہ دیکھتا رہے تو اندھا ہو جانے کا خوف ہے اسی طرح مسلسل نظر میں دیوانگی اور بے ہوشی کا خوف ہے پس اللہ تعالیٰ کی صفات کے حقائق سے بزرگ جو کچھ جانتے ہیں ان کے مخلوق سے بیان کرنے کی اجازت نہیں مگر ان الفاظ سے جو مخلوق کی صفات سے قریب تر ہوں مثلاً کوئی کہے کہ اللہ تعالیٰ عالم' مرید اور متکلم ہے کہ مخلوق ان الفاظ سے اپنی ہی صفات کی جنس سے کچھ سمجھ لے تو یہ ایک تشبیہ ہے مگر اتنا اور بھی کہہ دینا چاہیے کہ اس کا کلام تمھارے کلام جیسا نہیں کہ حرف و صوت ہو اور اس میں پیوستگی ہو جب ایسا کہے گا تو ممکن ہے مخلوق اس کے سمجھنے کی طاقت سے محروم ہو کر انکار کر بیٹھے کہ اللہ کا کلام بھلا حرف و صوت کے بغیر کیسے ہو گا جیسا کہ تو مخلوق سے کہے کہ اللہ کی ذات تیرے جیسی نہیں کیونکہ وہ نہ جوہر ہے نہ عرض' نہ جگہ پر نہ جہت میں نہ عالم سے متصل ہے نہ منفصل نہ عالم کے اندر ہے نہ باہر تو شاید اس کا بھی انکار کر دے اور کہہ دے کہ یہ ممکن ہی نہیں اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کو وہ اپنی ذات پر قیاس کر لے اور اس سے عظمت و بزرگی نہ سمجھے کیونکہ مخلوق نے جو عظمت دیکھی ہو گی وہ سلطان کی عظمت ہے کہ وہ ایک تخت پر بیٹھتا ہے اور اس کے سامنے غلام کھڑے رہتے ہیں پس اس طرح کا خیال اللہ تعالیٰ کے حق میں محال ہے حتیٰ کہ کوئی کہنے لگے کہ ضرور بالضرور اللہ تعالیٰ کے بھی ہاتھ' پاؤں' آنکھ' منہ اور زُبان ہو گی کیونکہ لوگوں نے جب اپنی ذات میں یہ کچھ دیکھا تو سمجھیں گے کہ اللہ کی ذات میں ان اعضاء کا نہ ہونا نقص کی بات ہے اگر مکھی کو بھی ان عوام الناس کی عقل ہوتی تو وہ بھی کہتی کہ بے شک میرے خالق کے بھی بال و پر ہوں گے اس لیے کہ یہ بات محال ہے کہ میری قوت و توانائی کے لیے جو چیز میرے پاس ہے وہ اس کے پاس نہ ہو اسی طرح آدمی بھی سب کاموں کو اپنے اوپر قیاس کرتا ہے اسی لیے اللہ کی ذات و صفات میں تفکر ممنوع ہے اور بزرگان نے اس میں کلام کرنے سے روکا ہے اور صاف صاف یہ کہنا کہ وہ نہ عالم کے اندر ہے نہ باہر' نہ متصل ہے نہ منفصل' جائز نہیں رکھا بلکہ ﴿لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ﴾ پر اکتفا کیا ہے اجمالاً اتنا ہی کہا اس کی تفصیل سے گریز کیا اور اسے بدعت سمجھا اس سبب سے اکثر مخلوق کی عقل میں اس کی تفصیل نہیں آ سکتی اور بعض انبیاء پر اس وجہ سے وحی نازل ہوئی کہ میرے بندوں کے سامنے میری صفات کا حال بیان نہ کیا جائے کیونکہ وہ انکار کر بیٹھیں گے ان سے ایسی بات کہو جو ان کی عقل میں آئے۔ پس مناسب یہی ہے کہ اس بات میں نہ گفتگو کریں نہ تفکر مگر کامل شخص کے لیے اجازت تو ہے لیکن اس کے لیے بھی خطرہ ہے کہ وہ دہشت و حیرت میں مبتلا ہو جائے۔ پس چاہیے کہ اس کی عظمت اس

کے عجائبات سے معلوم کریں کیونکہ جو کچھ اس دُنیا میں ہے وہ اس کے عظمت و قدرت کے انوار میں سے ایک نور ہے اگر کسی میں سورج دیکھنے کی ہمت نہیں تو زمین پر پھیلی ہوئی اس کی روشنی کو دیکھنا تو مشکل نہیں۔

تیسرا میدان اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے عجائبات میں تفکر کا ہے۔ یاد رکھیں جو کچھ دُنیا میں موجود ہے وہ اس کی صفت ہے اور سب عجیب و غریب ہے۔ زمین و آسمان کے ذرات میں سے ہر ذرہ زُبانِ حال سے اپنے خالق کی تسبیح و تقدیس اور قدرتِ کاملہ بیان کرتا ہے۔ یہ عجائبات اس کثرت سے ہیں کہ ان کی تفصیل ممکن نہیں بلکہ اگر سب دریا سیاہی بن جائیں اور سب درخت قلم اور تمام مخلوق کاتب اور مدتِ دراز تک لکھنے کا سلسلہ جاری رہے تو حقیقت میں جو کچھ ہے اس سے بہت تھوڑا لکھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ قُلْ لَّوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْجِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴾ (الکھف) ہاں اجمالاً اتنی بات جان لو کہ مخلوق کی دو قسمیں ہیں ایک کی تو ہمیں خبر ہی نہیں کہ اس میں فکر کر سکیں ارشادِ باری ہے: ﴿ سُبْحٰنَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّهَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ وَمِنْ اَنْفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا یَعْلَمُوْنَ ﴾ (وہ ذات پاک ہے جس نے اجناس پیدا کیں۔ سب کو زمین اُگاتی ہے اور آدمی اور ایسی چیزوں سے جنھیں کوئی نہیں جانتا)۔ ایک قسم کی ہمیں خبر ہے وہ بھی دو قسم پر ہے ایک وہ جنھیں آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے جیسے عرش، کرسی، فرشتے، جن وغیرہ ان میں تفکر کرنے کے اطوار اس مختصر کتاب میں بیان ہونے مشکل ہیں۔ پس جو چیزیں دیکھنے کی ہیں ان پر ہی اکتفا کیا جائے گا وہ آسمان، سورج، چاند ستارے، زمین اور زمین کی موجودات ہیں۔ جیسے پہاڑ، جنگل، دریا شہر جواہر و معادن مختلف النوع نباتات۔ بحری و بری حیوانات اور فکر کرتا ہوا جب آدمی پر پہنچنا ہوتا ہے تو یہ سب سے زیادہ عجیب معلوم ہوتا ہے۔ اسی طرح زمین و آسمان کے درمیان جو کچھ ہے مثلاً ابر، باران، اولے، رعد، قوسِ قزح اور جو علامات ہوا میں پیدا ہوتی ہیں پس یہ چیزیں سب کا خلاصہ ہیں اور ہر ایک میں تفکر کی گنجائش ہے اور سب صنع الٰہی کے عجائبات ہیں پس انھی سے ہم بعض کو مختصر بیان کریں گے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں ان میں فکر و نظر کا حکم ہے۔ ارشادِ باری ہے:

﴿ وَکَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴾

"کتنی ہی قدرت کی نشانیاں آسمانوں اور زمین میں ہیں جن پر وہ لوگ اعتراض کرتے ہوئے گزر جاتے ہیں"

مزید ارشاد ہے:

﴿ اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ ﴾

"کیا انھوں نے آسمان و زمین کی حکمتوں اور ان چیزوں میں جنھیں اللہ نے پیدا فرمایا، نہیں دیکھا؟"

ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿ اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ﴾

"یقیناً آسمان و زمین کی تخلیق اور رات دن کے ادل بدل پر عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں"

پس اے عزیز ان نشانیوں میں فکر کر پہلی نشانی جو تیرے نزدیک تر ہے وہ تو خود ہے سطح ارضی پر تجھ سے زیادہ کوئی چیز عجیب نہیں اور تو خود اپنے آپ ہی سے غافل ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ندا آتی ہے: ﴿ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا

تُبْصِرُوْنَ ﴾ کیا تم اپنے آپ میں تامل نہیں کرتے۔ اے انسان تو پہلے اپنی ابتداء کا خیال تو کر کہ تو کہاں سے آیا۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے ایک قطرہ پانی سے پیدا کیا اس سے پہلے باپ کی پیٹھ اور ماں کی چھاتی میں جگہ دی پھر اسے تیری پیدائش کا تخم بنایا۔ والدین پر شہوت مسلط کی ماں کے بچہ دان کو زمین بنایا اور باپ کے پانی کو بیج قرار دیا۔ شہوت کو دونوں پر تعینات کیا حتیٰ کہ زمین میں بیج پڑا پھر حیض کے خون سے اسے سینچا اور تجھے نطفہ اور حیض کے خون سے پیدا کیا۔ اس خون کو ابتداء میں تھکایا جسے علقہ کہتے ہیں پھر گوشت کا لوتھڑا بنایا جسے مضغہ کہتے ہیں پھر اس میں جان ڈالی پھر اس طرح کے خون ملے پانی سے تیرے اندر مختلف اشیاء پیدا کیں جیسے گوشت پوست' رگ' پٹھے' اور ہڈی پھر ان سب سے تیرے اعضاء کی صورت بنائی۔ سر گول بنایا تو ہاتھ پاؤں لمبے ان کے سروں پر پانچ پانچ انگلیاں بنائیں پھر باہر آنکھ' ناک منہ زبان اور اعضاء پیدا کیے تو اندر معدہ جگر گردے' تلی' رحم' مثانہ اور انتڑیاں پیدا کیں ہر ایک کی شکل صفت اور مقدار جدا جدا ہے پھر انھیں سے ہر عضو کے کئی کئی حصے بنائے۔ ہر انگلی کے تین تین پورے ہیں ہر جوڑ گوشت پوست' رگ پٹھے اور ہڈی سے مرکب ہے۔ تیری آنکھ جو مقدار میں انڈے سے زیادہ نہیں (کبوتر کا انڈا) اس کے ساتھ طبقات بنا ڈالے ہر طبقہ کی اور ہی نوعیت ہے انھیں سے ایک کی خرابی پر سارا جہان تاریک ہو جاتا ہے اگر فقط آنکھ کے عجائبات کی تفصیل بیان ہو تو بہت سے اوراق سیاہ ہو جائیں پھر اپنی ہڈیوں کو دیکھ کہ لطیف اور رقیق پانی سے کیسی مضبوط اور سخت بنائی ہیں انھیں سے ہر جوڑ اور ٹکڑے کی شکل و مقدار الگ الگ ہے۔ بعض ہڈیاں گول بعض لمبی اور بعض چوڑی ہیں بعض اندر سے خالی اور بعض بھری ہوئی ہیں سب کو باہم جوڑ دیا گیا ہے ہر ایک کی مقدار اور شکل و صورت میں ایک حکمت بلکہ بہت سی حکمتیں رکھی ہیں پھر ہڈیوں کو تیرے جسم کا ستون بنا کر انھیں پر سب اعضاء کو استوار کیا ہے اگر ایک سخت ہڈی ہوتی تو کمر نہ جھک سکتی اگر ہڈیاں جدا جدا ہوتیں تو کمر سیدھی نہ رکھی جاتی اور تو پاؤں پر زور دے کر کھڑا نہ ہو سکتا۔ اسے ٹکڑے کیا تاکہ بدن جھک سکے پھر ایک ہڈی کو دوسری سے ملا کر رگ اور پٹھے لپیٹ کر اسے مضبوط کر دیا تاکہ آدمی سیدھا کھڑا رہ سکے اور ہر مہرے میں چار زائرے گولی کی مانند پیدا کیے۔ اس کے نیچے چار سوراخ گڑھوں کی مانند بنائے تاکہ وہ زائرے ان گڑھوں میں جم سکیں اور مہروں کے کناروں کو بازوؤں کی طرح باہر نکلا رکھا تاکہ پٹھے جو مضبوطی کے لیے ان پر لپٹے ہوئے ہیں ان پر اڑے رہیں اور تیرے سر کو ۵۵ ہڈیوں سے پیدا کیا اور باریک درزوں سے آپس میں جوڑ دیا تاکہ اگر ایک کونے کو کوئی آفت پہنچے تو دوسرا سلامت رہے اور سبھی نہ ٹوٹ جائیں اور اللہ نے دانتوں کو پیدا کیا۔ نوالہ چبانے کے لیے بعض کا سر چوڑا ہے اور بعض کا باریک اور تیز تاکہ اس سے کھانے کی چیز کاٹی جا سکے اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر کے چکی میں ڈال سکے۔ تیری گردن سات مہروں سے بنائی اور رگ اور پٹھے لپیٹ کر اسے مضبوط بنا دیا اور سر کو اس کے ساتھ مرکب کیا' کمر ۲۴ مہروں سے پیدا کی اور اس پر گردن رکھ دی پھر سینے کی ہڈیاں ان مہروں کی چوڑائی میں بنائیں یہی حال باقی ہڈیوں کا ہے جن کی تفصیل دراز ہے الغرض تیرے بدن میں ۲۴۷ ہڈیاں ہیں ہر ایک میں الگ حکمت ہے تاکہ تیرا کام بنا رہے اور ان سب کو ایک نحیف پانی سے پیدا کیا اگر ان ہڈیوں میں سے ایک بھی کم ہو جائے تو تو کوئی کام نہ کر سکے اور ایک بھی زیادہ ہو جائے تو تیرا آرام مختل ہو جائے اور چونکہ تجھے ان ہڈیوں اور اعضاء کے ہلانے کی عادت تھی اس لیے سب اعضاء میں ۵۲۷ عضلات پیدا کیے ہر ایک عضلہ مچھلی کی طرح بیچ سے باریک ہے بعض چھوٹے ہیں بعض بڑے ہر ایک گوشت اور

پٹھے اور پردے سے مرکب ہے پردہ غلاف کی طرح ان پر چڑھا ہوا ہے ان میں سے چوبیں فقط اس لیے ہیں کہ ہر طرف سے تو آنکھ اور پلک ہلا سکے اوروں کو بھی اسی پر قیاس کرلیا جائے اس لیے کہ تفصیل بہت دراز ہے۔ پھر خلاقِ اکبر نے تیرے جسم میں تین حوض بنا کر ان سے سارے جسم میں نہریں جاری کردیں ایک دماغ ہے جس سے پٹھوں کی نہریں نکل کر سارے بدن میں پہنچتی ہیں تاکہ بدن میں حس و حرکت کی قدرت پیدا ہو اور اس سے ایک نہر کمر کے مہروں میں رکھی تاکہ پٹھے مغز سے دور نہ ہوں کیونکہ اگر وہ دور ہوتے تو خشک ہو جاتے۔ دوسرا حوض جگر ہے اس سے اللہ نے ہفت اندام میں رگیں پھیلا دیں تاکہ انھیں غذا پہنچتی رہے۔ تیسرا حوض دِل ہے اس سے تمام بدن میں رگوں کا پھیلاؤ ہے تاکہ اس میں روح رواں اور جاری رہے اور روح دِل سے ہفت اندام میں پہنچتی ہے۔

جانِ پدر ایک ایک عضو میں تفکر کر تاکہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جوڑ کو کیونکر اور کس واسطے پیدا کیا۔ آنکھ کو سات طبقوں سے ایسی ہیئت اور رنگت پر پیدا کیا جس سے بہتر ممکن نہ تھا پلک کے پپوٹوں کو اس واسطے پیدا کیا تاکہ گرد و غبار سے آنکھ کی حفاظت ہو اور مژگان' سیدھی' سیاہ' حسین صورت اور قوتِ بصارت کے لیے پیدا کیا تاکہ جب غبار ہو تو انھیں بند کرے اور آنکھ میں گرد نہ پڑ سکے اور ان کے درمیان سے تو سیدھی طرح دیکھ سکے اور جب خس و خاشاک اوپر سے گرے تو مژگان آنکھ کی نگہبان ہو جائیں۔ ان سب صنعتوں سے زیادہ عجیب یہ قدرت ہے کہ آنکھ کی سیاہی جو محض دو تین مسور کے برابر ہے اس میں زمین و آسمان کی اتنی بڑی صورت نظر آتی ہے حتیٰ کہ جب تو آنکھ کھولتا ہے تو اس بُعد کے باوجود فوراً آسمان نظر آتا ہے۔ اگر نظر کے عجائبات اور آئینہ دیکھنے کے عجائبات اور جو کچھ جھوٹ موٹ اس میں نظر آتا ہے اس کی کیفیت بیان کی جائے تو دفتر کے دفتر سیاہ ہو جائیں پھر کان کو پیدا کر کے کڑوا میل اس میں پیدا کردیا تاکہ کوئی کیڑا اس میں نہ گھس سکے پھر کان کا گونگھا بنایا تاکہ آواز کو جمع کر کے کان کے چھید میں پہنچائے اور کان کے اندر پیچ در پیچ اس واسطے بنایا کہ جب تو سو جائے اور چیونٹی کان کے اندر جانا چاہے تو اس پر راستہ دراز ہو جائے اور اسے بہت پھیر کھانے پڑیں حتیٰ کہ تو چونک پڑے اگر مُنہ ناک اور اعضاء کا مفصل حال بیان کروں تو طوالت ہو جائے گی۔ اس گفتگو سے مقصد یہ ہے کہ تجھے تفکر کی راہ معلوم ہو اور ہر جوڑ میں فکر کر کہ یہ جوڑ کس واسطے ہے اور اس کے سبب سے خالق کی حکمت و عظمت' لطف و رحمت اور عِلم و قدرت سے آگاہی ہو کہ تیرے سر سے پاؤں تک عجائبات ہی عجائبات ہیں اور باطن کے عجائبات اور دماغ کے خزانے اور حس کی قوتیں جو اس میں رکھی ہیں سب سے زیادہ عجیب ہیں بلکہ جو کچھ سینہ اور پیٹ میں ہے وہ بھی عجیب تر ہے اس لیے کہ اللہ نے معدے کو دیگ کی مانند پیدا کیا ہے جو ہمیشہ جوش کھاتا رہتا ہے حتیٰ کہ اس میں کھانا پک جاتا ہے اور جگر اس کھانے کو خون بنا دیتا ہے۔ رگیں اس خون کو ہفت اندام میں پہنچاتی ہیں اور پتہ اس خون کے پھین کو جسے صفرا کہتے ہیں لے لیتا ہے اور تلی اس خون کے تلچھٹ کو جو سودا کہلاتا ہے لے لیتی ہے اور گردے اس خون سے پانی کو جدا کر کے مثانے کی طرف بہا دیتے ہیں علیٰ ہذا القیاس۔ بچہ دان اور آلات ولادت کے عجائبات بھی ایسے ہیں اور ظاہر و باطن قوتیں اور حواس جیسے بصارت' سماعت' عقل' عِلم جو آدمی کو عطا کیے گئے عجیب و غریب ہیں سبحان اللہ علیٰ قدرتہ۔

اے عزیز کوئی مصور کسی دیوار پر اچھی سی صورت بنائے تو اس کی کاریگری پر حیران ہوتا ہے اس کی تعریف کرتا ہے

اور خالق برحق صانع مطلق کی صنعت و کاریگری کو تو دیکھتا ہے کہ پانی کے ایک قطرہ پر ایسے ایسے نقش ظاہر و باطن میں پیدا کرتا ہے یہاں نہ قلم نظر آتی ہے نہ نقاش اور ایسے نقاشِ حقیقی کی عظمت سے تجھے تعجب اور حیرانگی نہیں ہوتی اور ایسے باکمال صانع کی قدرتِ کاملہ اور علمِ اَتم سے تو بے خود اور مدہوش نہیں ہوتا اور ایسے خالق برحق کی بے غایت شفقت اور بے انتہا رحمت سے تو تعجب نہیں کرتا کہ تو جب رحم مادر میں غذا کا محتاج تھا تب وہاں اگر تو منہ کھولتا تو اندازے سے زیادہ حیض کا خون تیرے معدے میں چلا جاتا تو تو ہلاک ہو جاتا اس لیے اُس نے ناف کے راستہ سے تیری غذا کا اہتمام کیا پھر جب تو بچہّ دانی سے باہر آیا تو ناف کا راستہ بند کر کے تیرا مُنہ کھولا اس واسطے کہ اب ماں اندازے کے مطابق تجھے غذا فراہم کر سکتی ہے۔ پھر چونکہ اس وقت تیرا بدن ضعیف اور نازک تھا ثقیل کھانوں کی تیرے اندر قوت نہ تھی لہٰذا ماں کا دودھ جو بہت ہی لطیف ہوتا ہے اس سے تیری غذا کا اہتمام کیا اور ماں کے سینے میں چھاتیاں پیدا کر دیں اس کی چھاتیوں کی بھٹنی تیرے مُنہ کے بقدر بنائی تاکہ دودھ زور سے تیرے مُنہ میں نہ گرے اور ماں کے سینہ میں ایک قدرتی دھوبی بٹھا دیا تاکہ سرخ خون جو سینہ میں آتا ہے اسے دھو کر سفید دودھ میں تبدیل کر دے اور پاک صاف کر کے تیرے پاس بھیجے اور تیری ماں کو شفقت مادری سے مالا مال کر دیا کہ اگر تو لحہ بھر کے لیے بھوکا ہوتا ہے تو وہ بے قرار اور بے چین ہو جاتی ہے چونکہ دودھ پینے کے لیے دانتوں کی حاجت نہ تھی اس لیے پہلے دانت نہ پیدا کیے تاکہ تو اپنی ماں کی چھاتیوں کو زخمی نہ کر دے جب کھانا کھانے کی قوت پیدا ہوئی تو دانت پیدا فرما دیئے تاکہ تو کھانے کی چیزیں کھا سکے۔ وہ شخص اندھا ہے جو یہ سب صنعتیں اور تخلیقات دیکھے اور ان کے صانع اور خالق کی عظمت سے دنگ اور مدہوش نہ ہو اور اس کے کمالِ لطف و شفقت سے متحیر نہ ہو اور اس کے جلال و جمال پر عاشق نہ ہو۔ وہ آدمی کی شکل میں جانور کی سیرت کا مالک ہے اور انتہائی غافل جو ان چیزوں میں تفکر نہ کرے اور اپنے بدن کا خیال نہ کرے اور جو عقل کہ اسے عنایت ہوئی ہے اور وہ تمام اشیاء میں سے بہترین چیز ہے اسے ضائع کر دے اور اس سے زیادہ اور کچھ اسے معلوم نہ ہو کہ جب بھوکا ہو تو کھانا کھا لے جب غصہ ہو تو کسی سے لڑے بھڑے اور معرفتِ الٰہی کے گلستان سے جانوروں کی طرح محروم رہے۔ آدمی کی تنبیہ کے لیے اتنا بیان کافی ہے اے اللہ تیری تخلیق کے عجائبات کا یہ لاکھواں حصہ بھی نہیں اور یہ عجائب مچھر سے لے کر ہاتھی تک سب حیوانوں میں قریب قریب موجود ہیں اس کی تفصیل دراز ہے۔

دوسری نشانی زمین اور وہ اشیاء ہیں جو زمین کے اندر اور اوپر ہیں اگر تمھارے خیال میں یہ ہو کہ اپنے جسم کے عجائبات معلوم کر کے آگے بڑھو تو زمین پر نظر دوڑاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کس طرح تمھارے لیے بچھونا بنایا اور اسے ایسی وسعت دی کہ تم اس کے کناروں تک نہیں پہنچ سکے اور اس پر پہاڑوں کی میخیں گاڑ دیں تاکہ تیرے قدم کے نیچے وہ ٹھہر سکے اور حرکت نہ کرے اور اُس نے سخت پتھروں کے نیچے سے پانی نکالا تاکہ بتدریج نکل کر روئے زمین پر جاری ہو اگر سخت پتھر اس پانی کے لیے رکاوٹ نہ ہوتے تو وہ ایک دفعہ ہی نکل کر ساری دُنیا کو غرق کر دیتا۔ اور موسم بہار کا خیال کر کہ زمین ساری کی ساری جمی ہوئی مٹی ہے جب مینہ برستا ہے تو وہ کس طرح زندہ ہو کر گل بوٹوں کی بہار سے اطلس ہفت رنگ بلکہ ہزار رنگ ہو جاتی ہے اور جو سبزہ اُگتا ہے اس میں فکر کر کہ ان میں پھول بھی ہوتے ہیں کلیاں بھی اور ہر گل و شگوفہ کی رنگت جدا جدا ہوتی ہے اور ایک دوسرے سے بہتر! پھر میوے اور درختوں میں تفکر کر کہ ان کی

خوبصورتی' ذائقے' بوباس اور فائدوں کو دیکھ بلکہ ہزارہا بوٹیاں جن کا نام بھی تجھے معلوم نہیں' اللہ نے اُگا کر ان میں ایسے ایسے نادر فوائد رکھے کہ سبحان اللہ کوئی تلخ ہے کوئی شیریں اور کوئی ترش' کسی کی خاصیت یہ ہے کہ بیمار کر دیتی ہے اور کسی کی منفعت یہ ہے کہ شفا بخش دیتی ہے۔ ایک جان بچانے کا ذریعہ ہوتی ہے اور ایک زہر کا کام دیتی ہے۔ بعض صفراء کو تحریک دیتی ہیں بعض اسے دور کرتی ہیں ایک خلط سودا کو رگوں کے اندر سے نکالتی ہے۔ ایک اسے ابھارتی ہے کوئی گرم ہے کوئی سرد کوئی خشک ہے کوئی تر' کسی سے بہت نیند آتی ہے کوئی نیند اڑا دیتی ہے ایک دِل کو فرحت پہنچاتی ہے ایک اس کے برعکس عمل کرتی ہے۔ کوئی آدمیوں کی غذا کا کام دیتی ہے تو کوئی جانوروں کا چارہ اور کوئی چڑیوں کا دانہ۔ اے عزیز خیال کر کہ یہ ہزاروں ہیں اور ان میں ہزاروں عجائبات ہیں تاکہ تجھے ایسی قدرتِ کاملہ نظر آئے کہ تمام مخلوق دنگ رہ جائے۔ یہ اشیاء بھی بے حد و حساب ہیں۔

تیسری نشانی وہ نفیس اور بے بہا امانتیں ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں میں پوشیدہ رکھا بعض تو ان میں سے زینت و آرائش کے کام آتی ہیں جیسے سونا چاندی لعل فیروزہ' یاقوت یشب بلور ہیرا وغیرہ اور بعض ان میں سے برتن بنانے کے واسطے ہیں جیسے لوہا' تانبا' پیتل' کانسی' قلعی اور بعض متفرق کاموں کے لیے ہیں جیسے نمک گندھک وغیرہ ان میں سے نمک سب سے کمتر ہے جو کھانا ہضم ہونے کا ذریعہ ہے اگر کسی بستی میں نمک میسر نہ آئے تو وہاں کے سب کھانے خراب اور بدمزہ ہو جائیں لوگ بیمار پڑ جائیں ہلاکت کا خوف پیدا ہو جائے پس اللہ کے لطف و کرم کو دیکھو کہ تیرا کھانا اگرچہ اللہ ہی مہیا فرماتے ہیں مگر اس کے خوش ذائقہ ہونے کے لیے ایک اور چیز درکار تھی وہ بھی بے دریغ عنایت فرما دی اور برسات کے پانی سے نمک بنا دیا۔ پانی زمین میں جمع ہو کر نمک بن جاتا ہے ان عجائبات کی بھلا کوئی انتہا ہے۔

چوتھی نشانی روئے زمین کے حیوانات ہیں بعض چلتے ہیں بعض اڑتے ہیں پھر چلنے والوں کے دو پاؤں ہیں تو چار بھی ہیں اور بعض پیٹ کے بل چلتے ہیں پھر مرغانِ ہوا کو دیکھو اور حشرات الارض کی اقسام میں فکر و تامل کرو ہر ایک کی شکل و صورت جدا جدا ہے اور ایک دوسرے سے اچھا ہے ہر جانور کو جو چیز درکار تھی۔ ربّ العالمین نے مرحمت فرما دی۔ ہر ایک کو حکمت اور ترکیب سکھائی کہ یوں اپنی غذا حاصل کی جاتی ہے۔ یوں اپنے بچوں کی تربیت کی جاتی ہے اس طرح رہائش گاہ بنائی جاتی ہے۔ چیونٹی کو دیکھو کس طرح وقت پر غذا جمع کرتی ہے۔ گندم کا دانہ لیتی ہے تو یہ بات سمجھ کر کہ ثابت رہا تو خراب ہو جائے گا اس کے دو ٹکڑے کر دیتی ہے تاکہ اسے کیڑا نہ لگے اور اگر دھنیا ثابت نہ رہے تو خراب ہو جاتا ہے یہ سمجھ کر دھنیا کو ثابت رکھ چھوڑتی ہے اور مکڑی کو دیکھو کہ وہ اپنا گھر کس طرح بناتی ہے۔ گھروندہ بنانے میں جو اندازہ کام آتا ہے اس پر کس طرح نظر رکھتی ہے اپنے لعابِ دہن سے ڈوری بناتی ہے دیوار کے دو کونے ڈھونڈ کر ایک طرف بنیاد بناتی اور دوسری طرف لے جاتی ہے جب اس حکمت سے تانا تن چکتی ہے تو بانا بننے لگتی ہے اور تاروں کا پیچ برابر رکھتی ہے تاکہ کوئی تار دور اور نزدیک نہ ہو اور گھر خوشنما معلوم ہو پھر خود دیوار کے گوشے میں ایک تار میں لٹکی ہوئی مکھی کی منتظر رہتی ہے تاکہ اپنی غذا حاصل کر سکے پھر جب کوئی مکھی اُلجھتی ہے تو مکڑی حملہ کر کے اس کو شکار کرتی ہے اور وہ تار اس کے ہاتھ پاؤں میں لپیٹ دیتی ہے تاکہ اس کے اُڑ بھاگنے کا خوف نہ رہے پھر اس مکھی کو رکھ چھوڑتی ہے اور دوسری تلاش میں لگ جاتی ہے اور پھر شہد کی مکھی کو دیکھو وہ اپنا گھر مسدس شکل میں بناتی ہے کیونکہ اگر مربع بنائے

گی تو چونکہ اس کی شکل گول ہے اس لیے گھر کے گوشے بیکار خالی رہیں گے اور گول بنانے سے مدوّرات کو ملا کر رکھنے سے بیچ میں جگہ بیکار رہتی ہے۔ مدوّر کے قریب قریب مسدس کی شکل ہے اس لیے اُس نے اِس کا انتخاب کیا اور یہ بات دلیل ہندسہ سے ثابت ہے تو اندازہ کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس چھوٹے سے جانور پر کتنی رحمت کرتا ہے کہ اسے یہ ترکیب سمجھا دیتا ہے اور مچھر کو الہام کرتا ہے کہ تیری غذا خون ہے اس کے واسطے تیز اور باریک سونڈھ بنا دی جو اندر سے خالی ہوتی ہے تاکہ اسے انسان یا جانور کے بدن میں چبھو کر خون کھینچ سکے اور اسے اس بات کا ادراک بخشا کہ جب آدمی اسے پکڑنا چاہتا ہے تو وہ اڑ جاتا ہے اور اسے دو ہلکے ہلکے پر دیئے تاکہ ان کے زور سے اڑ کر جھٹ پٹ بھاگ جائے اور فوراً پلٹ بھی سکے اگر اس کی زُبان اور عقل ہوتی تو اپنے خالق کا اتنا شکر بجالاتا کہ سب آدمی تعجب میں رہتے اب وہ زُبانِ حال سے مشغولِ شکر و تسبیح ہے اس کا ہمیں عِلم نہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ﴾ اس قسم کے عجائبات کی کوئی انتہا نہیں بھلا یہ کس کی مجال ہے کہ لاکھوں عجائبات میں سے ایک بھی پہچانے اور بیان کرے۔

عزیزم! اب تم کیا کہتے ہو کہ یہ حیوانات عجیب شکلوں' طرفہ رنگوں' عمدہ صورتوں اور سڈول اعضاء کے ساتھ کیونکر پیدا ہوئے۔ آیا انھوں نے خود اپنے آپ کو پیدا کیا یا تو نے انھیں پیدا کیا سبحان اللہ اس کی کیا شان ہے کہ اس روشنی اور بینائی کے ساتھ آنکھوں کو اندھا کر سکتا ہے کہ وہ نہ دیکھ سکیں اور دلوں کو غافل رکھ سکتا ہے تاکہ نہ سوچیں۔ بہت سے لوگ ایسے ہیں جو ظاہری آنکھ سے دیکھتے ہیں اور دِل کی آنکھ سے عبرت حاصل نہیں کرتے جو بات سننی ضروری ہے اس کے سننے سے ان کے کان بہرے ہیں حتیٰ کہ بہائم کی طرح آواز کے بغیر کچھ نہیں سنتے چڑیوں کی بولی جس میں حرف و صوت کو دخل نہیں وہ نہیں سمجھتے اور جو چیز دیکھنی ضروری ہے اس کے دیکھنے سے ان کی آنکھیں اندھی ہیں حتیٰ کہ وہ خط جو سیاہی سے سفیدی پر حروف و رقوم سے لکھا ہو اسی کو دیکھتے ہیں اور بس اور اللہ تعالیٰ کا کھینچا ہوا خط جو نہ حرف ہے نہ رقم اور دُنیا بھر کے ذرات ہر قدرت کے قلم سے لکھا ہوا ہے اسے نہیں دیکھ سکتے۔ چیونٹی کا انڈا جو ذرہ کے سر کے برابر ہوتا ہے اس میں غور کرو اور کان لگا کر سنو کہ کیا کہتا ہے؟ وہ فصیح زُبان سے پکار کر کہہ رہا ہے کہ او سادہ دِل انسان اگر کوئی شخص ایک تصویر کسی دیوار پر کھینچ دے تو تو اس کی نقاشی اور استادی سے تعجب میں مبتلا ہو جاتا ہے آ مجھے دیکھ تاکہ تجھے اللہ تعالیٰ کی نقاشی اور مصوری نظر آئے میں ایک ذرہ سے زائد نہیں اور نقاشِ ازل ابتدائے خلقت میں مجھ سے چیونٹی بنائے گا دیکھ وہ میرے اجزاء کیسے تقسیم کرے گا وہ میرا دل' سر' ہاتھ' پاؤں اور اعضاء بنائے گا اور میرے سر اور دماغ میں کئی ایک خزانے اور خانے رکھے گا۔ ایک میں چکھنے کی قوت ہو گی تو ایک میں سونگھنے کی اور ایک میں سننے کی اور میرے سر کے باہر کتنے پیالے بنائے گا جن میں نگینوں کا جڑاؤ کرے گا اُس نے ناک اور منہ بخشا' ہاتھ پاؤں عطا فرمائے اور باطن میں ایسی جگہ رکھی جہاں پہنچ کر کھانا ہضم ہو اور ایسا مقام بنایا جہاں سے غذا نکل جائے سب آلات پیدا کر کے میری شکل تیز و چالاک بنائی اور میرے جسم کے تین حصے بنا کر ہر ایک کو دوسرے سے ملا دیا اور چوکی پہرے والوں کی طرح میری کمر پر خدمت کا پٹکا باندھ مجھے کالی قبا پہنا دی اور یہ دُنیا جس کے متعلق تو سمجھتا ہے کہ خاص اللہ نے میرے لیے ہی پیدا کی اس میں مجھے ظاہر کیا تاکہ تیری ہی طرح چلوں پھروں بلکہ تجھے میرے لیے مسخر کر دیا تاکہ رات دن تو کاشت کاری'

تخم ریزی، آب پاشی اور زمین کی اصلاح و درستگی میں لگا رہے اور جب گندم، جو، اناج اور مغزیات حاصل کر کے جہاں کہیں تو چھپا کر رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی راہ بتادی حتیٰ کہ میں اپنے گھر کے اندر زمین کے نیچے اس کی بو سونگھ کر وہاں آ دھمکتی ہوں اور تو تمام تر محنت و مشقت کے باوجود سال بھر کا غلہ نہیں حاصل کرپاتا اور میں سال بھر بلکہ اس سے بھی زائد کا غلہ فراہم کرلیتی ہوں اور محتاط طریقہ سے محفوظ کر کے رکھ دیتی ہوں اور اگر خشک کرنے کے لیے اپنا سرمایہ باہر لاتی ہوں تو بارش ہونے سے قبل اللہ تعالیٰ مجھے الہام فرما دیتا ہے میں وہاں سے اٹھا کر ایسی جگہ لے جاتی ہوں جہاں مینہ کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اگر تو نے میدان میں غلہ کا ڈھیر لگایا ہو اور بارش آ جائے تو تجھے خبر تک نہیں ہوتی حتیٰ کہ سارا ڈھیر ضائع ہو جاتا ہے پس میں اس ربّ کا شکر کیسے بجالاؤں جس نے مجھے ایک ذرہ سے اس خوبصورتی و چستی اور چالاکی کے ساتھ پیدا کیا اور تیرے جیسے کو اس تمام تر عظمت و بزرگی کے باوجود میرا خدمت گار بنایا کہ تو میری غذا جوتتا بوتا اور کاٹتا پیٹتا ہے اور رنج و محنت برداشت کرتا ہے اور میں چین سے کھاتی ہوں اور کوئی چھوٹا بڑا جانور ایسا نہیں جو اپنی زبانِ حال سے اپنے خالق کے جلال کی تعریف و ثنا نہیں کرتا بلکہ ہر ایک بوٹی اور ذرہ جما ہونے کے باوجود ربّ العالمین کا ثناخوان ہے لیکن آدمی ان کی آواز اور ندا سننے سے غافل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿ اِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُوْلُوْنَ ﴾ بلاشبہ وہ لوگ سننے سے معطل ہیں۔ اور فرمایا:

﴿ وَاِنْ مِّنْ شَیْ ءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ ﴾

"اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے زمزمے نہ گاتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح نہیں سمجھ سکتے"

اس دُنیا کے عجائبات کی بھی کوئی انتہا نہیں اسے تفصیل سے بیان کرنا محال ہے۔

چوتھی نشانی دریا ہیں جو سطح زمین پر جاری ہیں دریائے محیط جو زمین کو گھیرے ہوئے ہے ہر ایک دریا اسی کا ٹکڑا ہے اور دریا میں زمین کے محض چند جزیرے ہیں حدیث میں ہے کہ زمین دریا میں ایسی ہے جیسے زمین پر اصطبل جیسا تم خشکی کی عجائبات کی سیر سے فارغ ہوئے تو اب دریا کے عجائبات کی طرف متوجہ ہو اس لیے کہ دریا زمین سے جتنے بڑے ہیں اسی قدر ان کے عجائبات زیادہ ہیں کیونکہ جو جانور زمین پر رہتا ہے دریا میں بھی اس کی نظیر موجود ہے اور بہت سے جانور ایسے ہیں جو دریا میں ہیں لیکن زمین میں نہیں۔ ان جانوروں میں سے ہر ایک کی صورت سیرت جدا جدا ہے بعض تو اتنے چھوٹے ہیں کہ دکھائی نہیں دیتے اور بعض اتنے بڑے ہیں کہ جب جہاز ان کی پیٹھ پر آ جاتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے گویا وہ زمین پر آ گیا جب آگ سلگاتے ہیں تو شاید وہ جانور آگاہ ہو کر جنبش کرتا ہے تب لوگ جانتے ہیں کہ یہ زمین نہیں جانور کی پیٹھ ہے۔ دریا کے عجائبات میں لوگوں نے بڑی بڑی کتابیں لکھی ہیں اس مختصر کتاب میں کیا ذکر ہو؟ اللہ تعالیٰ نے دریا میں ایک ایسا جانور پیدا کیا ہے جس کا پوست سپی ہے اسے الہام فرمایا جب مینہ برستا ہے تو وہ دریا کے کنارے آ کر مُنہ کھولتی ہے مینہ کی شیریں بوندیں اس کے مُنہ میں پڑ جاتی ہیں وہ مُنہ بند کر کے پھر پلٹ جاتا ہے۔ یہ بوند ہی اس کے اندر اس طرح رہتی ہے جیسے رحم میں نطفہ اس جوہر صدف کو اللہ تعالیٰ نے موتی کی صفت پر پیدا کیا ہے اور یہ قوت اسے مدتِ دراز میں حاصل ہوتی ہے کہ ہر قطرہ موتی کا دانہ ہو جائے کوئی چھوٹا اور کوئی بڑا تاکہ تو اس سے زیور بنائے اور آرائش و زیبائش کا سامان حاصل کرے اور دریا کے اندر پتھر سے ایک سرخ درخت پیدا کیا اس کی صورت درخت کی سی

ہے اور اس کا جو ہر پتھر کا ہے اس کو مرجان یعنی مونگا کہتے ہیں اس کے جھاگ سے ساحل پر ایک چیز پیدا ہوتی ہے جو عنبر کہلاتا ہے ان جواہر کے عجائبات حیوان کے جسم کے باہر بھی ہیں۔ روئے دریا پر کشتی چلانا اور کشتی کو ایسی شکل میں بنانا کہ وہ دریا میں غرق نہ ہو اور کشتی بانوں کو یہ ہدایت فرمانا کہ بادِ موافق و مخالف کو پہچانیں اور ستارے کو پیدا کرنا تاکہ جہاں پانی ہی پانی ہو اور کسی قسم کا نشان نہ ہو وہاں رہنما ثابت ہو سب سے زیادہ عجیب بات ہے پانی کی صورت عجب لطافت' صفائی اور اتصالِ اجزاء کے ساتھ بنائی اور اسے تمام حیوانات' نباتات' حتیٰ کہ سب مخلوق کے لیے مایۂ زندگی قرار دیا یہ سب سے زیادہ عجیب بات ہے۔ عزیزم اگر تجھے چلو بھر پانی درکار ہو اور تجھے میسر نہ ہو تو اس کے لیے روئے زمین کا سارا سرمایہ خرچ کر ڈالتا ہے الغرض پانی اور دریا کے عجائبات بھی بے انتہا ہیں۔

پانچویں نشانی ہوا اور وہ چیزیں ہیں جو ہوا میں ہیں۔ ہوا میں ایک دریائے موجزن ہے ہوا کا چلنا بھی موج مارتا ہے۔ عزیزم ایسا لطیف جسم جو نظر نہ آئے اور دیکھنے میں آڑ نہ ہو وہ ہمیشہ تیری جان کی غذا ہے کیونکہ کھانے پینے کی تو دن بھر میں ایک ہی بار ضرورت ہوتی ہے لیکن گھڑی بھر تو سانس نہ لے اور ہوا کی غذا تیرے باطن میں نہ پہنچے تو تُو ہلاک ہو جائے اور تو اس بات سے غافل ہے کہ ہوا کی ایک خاصیت یہ ہے کہ کشتیاں اس میں تھمی رہتی ہیں کیونکہ ہوا کشتی کو پانی میں ڈوبنے نہیں دیتی۔ ہوا کی کیفیت کی تفصیل دراز ہے عزیزم آسمان تو پہلا درجہ ہے پہلے تو ہوا کو دیکھ کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے کیا کیا چیزیں بنائیں جیسے بارش' بادل' رعد' بجلی اور برف اس غلیظ ابر کو دیکھ کر دفعتاً لطیف ہوا پیدا ہو جاتی ہے گویا وہ دریا سے پی کر اٹھتے ہیں یا بخار کے طور پر پہاڑوں سے یا نفس ہوا سے پیدا ہوتا ہے اور جو مقام پہاڑ' دریا اور چشموں سے دور ہیں وہاں قطرہ قطرہ بتدریج پانی برستا ہے جو قطرہ آتا ہے ایک خط مستقیم پر آتا ہے اور تقدیرِ الٰہی میں جو جگہ اس کے لیے مقرر ہے اسی جگہ گرتا ہے تاکہ فلاں کیڑا جو پیاسا ہے وہ سیراب ہو جائے اور فلاں سبزہ جو خشک ہو چلا ہے وہ تر ہو جائے اور فلاں بیج جو پانی کا محتاج ہے اسے پانی مل سکے اور فلاں میوہ جو فلاں درخت کی چوٹی پر سوکھا جا رہا ہے۔ پانی اس کی جڑ میں پہنچ کر سرایت کر سکے اور ان رگوں کی راہ جو بال سے زیادہ باریک ہے جا کر اس میوے تک پہنچ جائے تاکہ وہ تر و تازہ ہو جائے اور تم اللہ کی رحمت اور اس کی مہربانی سے غافل ہو کر اسے کھاتے ہو اور بارش کے ہر ہر قطرے پر لکھا ہے کہ فلاں جگہ گرے اور فلاں بندے کی روزی کا باعث ہو۔ اگر ساری مخلوق متفق ہو کر چاہے کہ قطروں کا حساب معلوم کرے تو یہ ناممکن ہے پھر اگر پانی دفعتاً آ کر برس جاتا تو نباتات کو بتدریج نہ پہنچ سکتا اس لیے اللہ تعالیٰ نے سردی کے موسم کو اس پر مسلط کیا تاکہ پانی کو برف بنا دے وہ برف دھنی ہوئی روئی کی طرح ذرہ ذرہ ہو کر گرتی ہے اور قدرت نے پہاڑوں کو برف خانہ بنا دیا وہاں برف جمع ہوتی ہے چونکہ وہاں کی ہوا ٹھنڈی ہوتی ہے اس وجہ سے برف جلدی پگھل کر بہہ نہیں جاتی اور موسم گرما کی گرمی پیدا ہوتی ہے اس سے بقدرِ ضرورت نہریں جاری ہوتی ہیں تاکہ گرمی کے موسم میں تھوڑا تھوڑا پانی کھیتوں میں صرف ہو اس لیے کہ اگر ہمیشہ بارش برستی تو مخلوق کو تکلیف ہوتی اور ایک ہی بار برس جاتی تو سال بھر سبزہ خشک رہتا۔ اللہ نے برف میں ایسی ایسی لطف و رحمت مضمر فرما دی اور ایک برف پر کیا موقوف ہے۔ ہر چیز میں اللہ کی رحمت ہے بلکہ زمین و آسمان کے تمام اجزا کو اللہ تعالیٰ نے حق اور عدل اور حکمت کے ساتھ پیدا کیا اسی واسطے فرمایا :

﴿ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ مَا خَلَقْنٰهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾

"اور ہم نے پیدا نہیں کیا زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی مخلوق کو بطور کھیل تماشا بلکہ ہم نے انھیں حق و عدل کے ساتھ پیدا فرمایا لیکن اکثر لوگ حقائق سے ناواقف ہیں"

چھٹی نشانی آسمان اور ستاروں کی مملکت ہے ان کے عجائبات کی دُنیا زمین اور روئے زمین کے عجائبات سے کہیں زیادہ ہے۔ آسمان اور ستاروں میں تفکر کے واسطے قرآن مجید میں تنبیہ موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

﴿ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴾

"اور ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا جب کہ لوگ اس کی نشانیوں سے اعراض کرتے ہیں"

نیز ارشاد ہے :

﴿ لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾

"آسمان و زمین کی پیدائش آدمیوں کے پیدا کرنے کے مقابلہ میں بہت بڑی حقیقت ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں"

عزیزم اللہ تعالیٰ نے یہ جو حکم فرمایا ہے کہ آسمان کے ملکوت میں تفکر کرو تو یہ بات اللہ نے اس لیے نہیں فرمائی کہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر آسمان کے نیلے پن اور ستاروں کی سپیدی کو دیکھو اس لیے کہ اس طرح تو سبھی بہائم دیکھتے ہیں بلکہ اپنے تئیں اور اپنے عجائبات کو جو تجھ سے بہت ہی قریب ہیں اور زمین و آسمان کے عجائبات کے سامنے ذرہ برابر بھی نہیں ہیں جب تو انھیں پہچانے گا تو آسمان کے ملکوت کے عجائبات کو کیا جانے گا اس لیے تجھے بتدریج ترقی کرنا چاہیے پہلے اپنے آپ کو پہچان پھر زمین اور نباتات اور حیوانات اور جمادات کو پھر ہوا اور ابر اور ان کے عجائبات کو پھر آسمان اور ستاروں کو پھر کرسی پھر عرش ربّ العالمین کو پھر عالمِ اجسام سے نکل کر عالمِ ارواح کی سیر کر پھر ملائکہ اور شیطان اور جن کو پہچان پھر ملائکہ کے درجات اور ان کے مختلف مقامات کو معلوم کر پھر آسمان اور ستاروں میں اور ان کی حرکت اور گردش میں اور ان کے مشارق اور مغارب میں تفکر کر اور دیکھ کہ وہ کیا ہیں اور کیوں پیدا ہوئے ہیں اور ستاروں کی کثرت کو دیکھ کہ گو ان کی تعداد کوئی نہیں جانتا ہر ایک کا اور ہی رنگ ہے کوئی سرخ ہے اور کوئی سپید ہے کوئی سیماب کا سا کوئی چھوٹا کوئی بڑا پھر ان کے ہر گروہ کی شکل جدا جدا ہے کوئی بکری کی صورت پر ہے کوئی بیل کی شکل پر کوئی بچھو کی ہیئت پر' باقی شکلیں اس پر قیاس کر لیں بلکہ جو جو صورتیں زمین پر نظر آتی ہیں ان کے مطابق آسمان پر ستاروں کی شکلیں موجود ہیں پھر تاروں کی مختلف گردشوں کو دیکھ کہ کوئی مہینہ بھر میں تمام آسمان کو طے کرتا ہے کوئی سال بھر میں کوئی بارہ برس میں کوئی تیس برس میں اور اکثر ستارے ایسے ہیں کہ اگر باقی رہے اور قیامت نہ آجائے تو ۳۶ ہزار برس میں آسمان کو طے کریں اور ان کے عجائبات کے علوم کی انتہا نہیں۔

جب زمین کے تھوڑے سے عجائبات تو نے معلوم کر لیے تو اب یہ سمجھ کہ عجائبات کا تفاوت ہر ایک کی شکل کے تفاوت کے برابر ہوتا ہے اس واسطے کہ اگرچہ زمین اتنی وسیع ہے کہ کوئی اس کی انتہا کو نہیں پہنچ سکتا ہاں آفتاب زمین سے ایک سو ساٹھ گنا بڑا ہے۔ اسی سے اندازہ ہو گا کہ آفتاب کی مسافت کتنی دور دراز ہے جو اس قدر چھوٹا نظر آتا ہے

پھر ظاہر ہو گا کہ اس کی حرکت میں کتنی سرعت ہے آدھی ساعت میں آفتاب کا تمام گھیرا زمین سے نکلتا ہے اور مسافت زمین کی ایک سو ساٹھ مسافتوں کے برابر اس ساعت میں قطع کر کے حرکت کر جاتا ہے۔ یہی سبب تھا کہ جناب رسول کریم ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ آفتاب کو زوال ہو گا۔ جبرئیلؑ نے کہا لا۔ نعم یعنی نہیں۔ ہاں آپ نے فرمایا کیا بات ہوئی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ لا کہنے سے نعم کہنے کے وقت تک آفتاب پانچ سو برس کی راہ طے کر گیا آسمان پر موجود ستارہ زمین سے سو گنا بڑا ہے لیکن بلندی کی وجہ سے وہ اتنا سا نظر آتا ہے۔ عزیزم جب ایک ستارے کا یہ حال ہے تو تمام آسمان کو اسی پر قیاس کر لے کہ کتنا بڑا ہو گا۔ اتنے بڑے آسمان کی شکل تیری چھوٹی سی آنکھ میں نظر آتی ہے تاکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور عظمت کو تو پہچان لے پس ہر ستارے میں ایک حکمت ہے اور اس کے ثبات و سیر رجوع و استقامت طلوع و غروب میں حکمتیں ہیں۔ آفتاب میں سب سے بڑی حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے فلک کو فلک البروج کے ساتھ ایک مناسبت عنایت فرمائی حتیٰ کہ ایک فصل میں تیرے سر سے نزدیک ہے اور ایک فصل میں دور ہو جاتا ہے حتیٰ کہ اس کے سبب سے ہوا کی کیفیت بدل جاتی ہے کبھی سرد کبھی گرم اور کبھی معتدل ہو جاتی ہے اس وجہ سے رات دن میں تفاوت و اختلاف رونما ہوتا ہے کبھی بڑے ہو جاتے ہیں کبھی چھوٹے۔ یہ حال تمام و کمال لکھا جائے تو بڑی طوالت ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ نے اس تھوڑی سی عمر میں جو علوم ہمیں عنایت فرمائے اگر ہم انھیں بیان کریں تو ایک مدت صرف ہو جائے گی اور ہمارا علم انبیاء علیہم السلام ' اولیاء رحمۃ اللہ علیہم کے علم کی بہ نسبت بہت ہی کم اور مختصر ہے اور اولیاء کرام رحمۃ اللہ علیہم کا علم مخلوقات کی تفصیلات کے بیان میں انبیاء علیہم السلام کے علوم سے کمتر ہے اور انبیاء علیہم السلام کا علم مقرب فرشتوں کے علوم کے سامنے تھوڑا ہے (فقیر مترجم کے نقطۂ نظر سے یہ بات درست نہیں کم از کم سرور کائنات ﷺ کے علوم اللہ کے بعد سب سے زائد ہیں) اور ان سب کے علوم اللہ تعالیٰ کے علوم کے سامنے اس طرح ناچیز اور ہیچ محض ہے کہ علم کو علم کہنا بھی سزاوار اور مناسب نہیں۔ سبحان اللہ وبحمدہ اس کی کیا شان ہے کہ اس کے باوجود کہ بندوں کو علوم سے بہرہ ور کیا پھر انھیں نادانی کا داغ لگا دیا اور فرمایا :

﴿ وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ﴾ "تمھیں علم نہیں دیا گیا مگر تھوڑا سا"

عزیزم تفکر کے اطوار کے باب میں جو کچھ بیان کیا گیا یہ ایک نمونہ ہے تاکہ اس کے سبب سے تو اپنی غفلت کا حال معلوم کر سکے اس لیے کہ تو جب کسی امیر و رئیس کے ایسے گھر میں جاتا ہے جو نقش و نگار اور سیمنٹ و چونا سے آراستہ ہو تو بہت دنوں تک اس کی تعریف کرتا ہے اور دنگ رہتا ہے اور اللہ کے بنائے ہوئے کارخانہ میں تو ہمیشہ رہتا ہے مگر تجھے تعجب نہیں ہوتا یہ عالمِ اجسام اللہ کا گھر اور اس کا کارخانہ ہے زمین اس کا فرش اور آسمان اس کی چھت ہے اتنی بڑی چھت کا بغیر ستون کے قائم رہنا بڑے ہی تعجب کی بات ہے اس کا خزانہ پہاڑ ہیں اور دریا گنجینہ ہیں حیوانات' نباتات اثاث البیت ہیں چاند اس گھر کا چراغ ہے اور آفتاب مشعل اور ستارے قندیلیں ہیں اور فرشتے مشعل بردار ہیں مگر تم اس گھر کے عجائبات سے غافل ہو اس واسطے کہ یہ گھر بڑا ہے اور تیری آنکھ چھوٹی اس گھر کو نہیں دیکھ سکتی تیری مثال اس چیونٹی کی مانند ہے جو بادشاہ کے عالیشان مکان میں چھید کر کے رہتی ہے اپنے گھر اور غذا اور اپنے احباب کے سوا اسے کسی چیز کی خبر نہیں ہوتی اور قصر شاہی کی رونق و زینت اور غلاموں کی کثرت اور تخت سلطنت سے وہ بے خبر رہتی ہے اگر چیونٹی

کے درجے پر تو رہنا چاہتا ہے تو بڑے شوق سے! حالانکہ معرفتِ الٰہی کے باغ کا تماشہ دیکھنے کی راہ تجھے بتائی گئی ہے باہر نکل کر آنکھ کھول تاکہ عجائباتِ صنعت الٰہی تجھے نظر آسکیں اور تو مدہوش و متحیر ہو جائے۔ واللہ اعلم

فصل ۸ : توکل کے بیان میں

اے جان سے زیادہ عزیز تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ توکل اللہ کے مقرب و محبوب لوگوں کے مقامات میں سے ایک مقام ہے جس کا بہت بڑا درجہ ہے مگر توکل کے مقام کا عِلم حاصل ہونا فی نفسہٖ بہت نازک اور مشکل بات ہے اور اس پر کلی طور سے کماحقہ' عمل کرنا از حد دشوار ہے۔ اس میں دشواری اس وجہ سے ہے کہ جو شخص یہ سمجھے کہ دُنیا و کائنات اور اس کے اپنے افعال میں خداوند کریمؐ کے علاوہ کسی بھی دوسری چیز کا عمل دخل ہے وہ پکا موحد نہیں اور اگر اپنے اور کائنات کے مظاہر میں سب اسباب کو اٹھا دے گا تو شرع پر طعن کرے گا اور اگر اسبابِ ظاہری کا بھی کوئی سبب نہ دیکھے گا تو اپنی عقل کے خلاف کرے گا اور اگر دیکھے گا تو شاید اسبابِ ظاہری میں سے کسی سبب پر توکل کرے تو اس طرح اس کے موحد ہونے میں نقصان آ جائے گا۔ اس لیے توکل کا ایسا بیان جس طرح عقل' شرح اور توحید کہتی ہے جو ان سب معارف کا جامع ہو۔ بہت دقیق اور نازک عِلم ہے اسے ہر ایک نہیں جان سکتا مگر اپنے ذوق کے اعتبار سے جو درجہ بدرجہ شوق' عِلم اور عمل میں پختہ ہونے کے بعد شریعت کی پابندی اور توحید میں کامل ہونے سے اس عِلم کی حقیقت کو ذوقاً اور وجداناً پا سکتا ہے۔ اب ہم توکل کی فضیلت بیان کرتے ہیں پھر اس کی حقیقت کا بیان کرنے کے بعد اس کے احوال اور اعمال پر سیر حاصل بحث کریں گے۔

توکل کی فضیلت کا بیان

اے عزیز تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ﴿ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ یعنی حق تعالیٰ نے تمام مسلمانوں کو توکل کا حکم فرمایا ہے اور اسے شرطِ ایمان قرار دیا اور ارشاد فرمایا ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴾ یعنی حق تعالیٰ متوکل لوگوں کو دوست رکھتا ہے اور فرمایا ہے ﴿ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ﴾ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے اس کے واسطے اللہ بس ہے اور فرمایا ہے : ﴿ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ﴾ یعنی اپنے بندے کے لیے اللہ کیا بس نہیں ہے۔ اور توکل کی فضیلت میں ایسی آیاتِ قرآنی ہیں اور جناب سید المرسلین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے میرے سامنے اُمتیں پیش کیں میں نے اپنی امت کو دیکھا کہ وہ کوہ و بیابان میں بھری پڑی ہے اس کی کثرت دیکھ کر پس متعجب رہا اور خوش ہوا۔ حق تعالیٰ نے مجھ سے پوچھا کہ تم خوش ہوئے ہو' میں نے عرض کیا باری تعالیٰ میں خوش ہوا ہوں۔ پھر رحمت حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ان میں سے ستر ہزار آدمی بغیر حساب کے جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کون لوگ ہیں فرمایا کہ جو منتر اور داغ اور فال پر کاربند نہیں ہوتے بلکہ خدا کے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کرتے۔ تب حضرت عکاشہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا کہ اے رسول اللہ دُعا فرمایئے کہ حق تعالیٰ مجھے بھی ان ستر ہزار میں سے کرے۔ آپ ﷺ نے دُعا فرمائی کہ بار خدایا اسے ان

لوگوں میں سے کر دے پھر ایک اور صحابی نے اٹھ کر اس دُعا کی درخواست کی۔ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا سبقت بہا عکاشۃ یعنی عکاشہ اس امر میں سبقت لے گیا۔ اور رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ پر ایسا توکل رکھو جیسا کہ توکل رکھنے کا حق ہے حق تعالیٰ تمھیں اس طرح روزی پہنچائے جس طرح پرندوں کو پہنچاتا ہے جو صبح کو بھوکے ہوتے ہیں اور شام کو سیر ہو کر آتے ہیں اور فرمایا کہ جو شخص اللہ کی پناہ چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے سب کاموں کی نگرانی کرتے اور اس کے لیے کافی ہو جاتے ہیں اور ایسی جگہ سے روزی پہنچاتے ہیں جہاں سے اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا اور جو شخص دُنیا کی پناہ لیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جب کافروں نے آگ میں ڈالنا چاہا تو آپؑ نے فرمایا ﴿حسبی الله ونعم الوکیل﴾ جب آپؑ ہوا میں تھے تو حضرت جبریل علیہ السلام نے آپؑ سے پوچھا کوئی حاجت؟ فرمایا کچھ نہیں چونکہ انھوں نے حسبی الله کہا تھا اس لیے اسے وفا کرنے کی غرض سے حضرت جبریل علیہ السلام کو یہ جواب دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عنوان سے ان کا تعارف کرایا اور فرمایا وابراهیم الذی وفی اور حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ جب کوئی سب کچھ چھوڑ کر میری پناہ چاہتا ہے تو گو کہ زمین و آسمان تمام تر تدابیر سے اس کی مخالفت کریں اس کی مشکل آسان کر ہی دیتا ہوں۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ بچھو نے مجھے کاٹ لیا میری ماں نے مجھے قسم دے کر کہا کہ ہاتھ بڑھاؤ تاکہ لوگ منتر کریں دوسرا ہاتھ جو چنگا بھلا تھا میں نے پھیلا دیا اس لیے کہ میں نے جناب سرور کائنات علیہ السلام سے سنا تھا کہ جو شخص منتر اور داغ پر بھروسہ کرتا ہے وہ متوکل نہیں۔ اور حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ایک راہب سے میں نے اس کی روزی کا سوال کیا تو اُس نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں دینے والے سے پوچھو۔ لوگوں نے ایک شخص سے پوچھا تو ہمیشہ مصروف عبادت رہتا ہے روزی کہاں سے کھاتا ہے اُس نے دانتوں کی طرف اشارہ کیا جس نے یہ چکی بنائی وہ روزی بھی دیتا ہے۔ حضرت حرم بن حیان رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اویس قرنی قدس سرہ سے پوچھا کہ میں کس ملک میں قیام کروں فرمایا شام میں۔ پوچھا وہاں روزی کا کیا بنے گا فرمایا اف لهذه القلوب قد خالطها الشك ولا تنفعها الموعظة یعنی افسوس ہے ایسے دلوں پر کہ جن پر شک غالب ہے اور نصیحت سود مند نہیں ہوتی۔

توحید کی حقیقت جو توکل کی بنا ہے: توکل دِل کی حالتوں میں سے ایک حالت ہے اور وہ ایمان کا ثمرہ ہے۔ ایمان کے بہت سے ابواب ہیں مگر دو باتوں پر ایمان لانا توکل کی بنا ہے۔ ایک توحید دوسرے کمال لطف و رحمت۔ رحمت کی تفصیل دراز ہے اس کا علم سب علوم کا منتہا ہے ہاں جس قدر توکل کی بنا ہے اس حد تک ہم بیان کریں گے۔ توحید کے چار درجے اور ایک مغز ہے اور اس مغز کا بھی ایک مغز ہے اور ایک چھلکا۔ اور اس چھلکے کا بھی ایک چھلکا ہے گویا توحید کے دو مغز اور دو چھلکے ہیں اس کی مثال کچے اخروٹ جیسی ہے کہ ظاہری طور پر اس کا ایک مغز اور دو چھلکے ہوتے ہیں اور تیل مغز کا مغز ہے۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ آدمی زبان سے تو لا اله الا الله کہے اور دِل سے اعتقاد نہ رکھے یہ منافقوں کی توحید ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ اس کلمے کے معنی کا دِل سے تقلیداً اعتقاد رکھے جیسے عوام الناس یا ایک نوع کی دلیل سے اعتقاد رکھے جیسے متکلمین۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ آدمی مشاہدے سے دیکھے کہ سب کی اصل ایک ہی ہے اور سب کاموں کا ایک ہی فاعل ہے اور کسی کو کوئی کچھ کر ہی نہیں

سکتا۔ یہ ایک نور ہے جو دل میں پیدا ہوتا ہے اس نور میں یہ مشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔ یہ مشاہدہ عوام اور متکلمین کے اعتقاد کی مانند ہیں اس لیے کہ ان کا اعتقاد ایک گرہ ہے جس کو تقلید یا دلیل کے حیلے سے دل پر لگا لیا جائے اور یہ مشاہدہ دل کا کھل جاتا ہے یہ سب گرہوں کو کھول اور قیدوں کو اٹھا دیتا ہے۔ اور ایک شخص کسی کے کہنے سے اپنے دل میں یہ اعتقاد کرے کہ فلاں سردار گھر میں ہے تو یہ عوام الناس کی تقلید کی مثال ہے کہ انھوں نے اپنے والدین سے سنا اور دوسرا شخص دروازے پر گھوڑے اور غلام کو دیکھ کر اعتقاد کرے کہ فلاں سردار گھر میں ہے یہ متکلمین کے اعتقاد کی مثال ہے کہ انھوں نے دلیل سے ایک بات جان لی۔ تیسرا شخص اس سردار کو گھر میں دیکھ لے۔ یہ عارفوں کی توحید کی مثال ہے کہ وہ مشاہدہ کرتے ہیں تو ان تینوں میں بڑا فرق ہے اور گو کہ اس توحید کا بڑا درجہ ہے مگر تاہم عارف اس درجہ پر پہنچ کر مخلوق کو بھی دیکھتا ہے اور خالق کو بھی۔ اور جانتا ہے کہ مخلوق خالق سے ہے تو اس درجہ کی توحید میں کثرت کو دخل ہے اور عارف جب تک دو دیکھتا ہے تب تک تفرقہ میں پڑا رہتا ہے جمع نہیں ہوتا یہ کمال توحید نہیں۔ چوتھا درجہ یہ ہے کہ آدمی ایک کے سوا دوسرے کو دیکھے ہی نہیں اور سب کو ایک ہی دیکھے اور ایک ہی سمجھے اس مشاہدے میں تفرقہ کو کچھ دخل نہیں صوفی لوگ اس درجہ کو فنا فی التوحید کہتے ہیں جیسا کہ حسین حلاج نے خواص علیہ الرحمۃ کو دیکھا کہ جنگل میں پھرتے ہیں تو پوچھا کہ آپ کیا کر رہے ہیں کہنے لگے توکل میں اپنے آپ کو ثابت قدم کر رہا ہوں۔ کہنے لگے تم نے اپنی عمر تو آبادانی باطن میں گزار دی بھلا نیستی سے توحید کے مقام تک کب پہنچو گے تو یہ چار مقام ہیں۔ اوّل منافق کی توحید یہ چھلکے کا چھلکا ہے عزیزم جس طرح اخروٹ کا اوپر کا چھلکا ہوتا ہے اگر تو اسے کھائے گا تو برا معلوم ہو گا اگرچہ بظاہر وہ سبز ہوتا ہے لیکن اگر اس کے اندر کی طرف تو دیکھے تو بڑا ہے اگر اسے جلائے گا تو دھواں ہو گا اور آگ کو بجھا کر رکھ دے تو کچھ کام نہیں آئے گا بلکہ جگہ رک جاتی ہے وہ اور تو کسی کام کا نہیں ہاں اسے چند روز درخت پر رہنے دے تاکہ اندر والے چھلکے کو تازہ رکھے اور آفتوں سے بچائے رکھے اسی طرح منافق کی توحید بھی کسی کام کی نہیں۔ ہاں یہ ہے کہ منافق کے پوست کو تلوار سے محفوظ رکھتی ہے اور منافق کا پوست اس کا بدن ہے اُس نے توحید ربّانی کے سبب تلوار سے نجات پالی یعنی وہ دُنیا میں قتل نہ ہو سکا مگر جب بدن گیا اور جان رہ گئی یعنی وہ مرا تو توحید زُبانی کچھ کام نہ آئی اور جس طرح اخروٹ کے اندر والا چھلکا جلانے کے قابل نہیں ہوتا محض اس کام کا ہوتا ہے کہ وہ مغز پر لگا رہے تاکہ مغز اس کی حفاظت اور حمایت میں رہے اور خراب نہ ہو اور یہ چھلکا مغز کی نسبت ناچیز اور حقیر ہوتا ہے اس طرح عوام اور متکلمین کی توحید بھی اسی کام کی ہے کہ اس کے مغز کو یعنی اس کی جان کو دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھے یہ توحید اگرچہ اس کام کی ہے مگر مغز اور روغن کی لطافت اس میں کہاں؟ اور جس طرح اخروٹ کا مغز مرغوب اور عزیز ہوتا ہے مگر جب روغن کے ساتھ اس کا مقابلہ کرتے ہیں تو یہ ثقل اور پھوک سے خالی نہیں ہوتا اور فی نفسہٖ کمال صفائی کو نہیں پہنچتا پس توحید کا تیسرا درجہ بھی کثرت اور تفرقہ اور زیادتی سے خالی نہیں بلکہ چوتھے درجے کی توحید کمال مرتبہ صاف ہے اس واسطے کہ اس میں فقط حق ہی حق رہتا ہے اس درجہ کا موحد ایک کے سوا اور کسی کو نہیں دیکھتا بلکہ اپنے آپ کو بھی بھول جاتا ہے جس طرح اور چیزیں اس کے دیکھنے میں نیست ہو جاتی ہیں اسی طرح وہ خود بھی اپنے دیکھنے میں نیست ہو جاتا ہے یعنی اللہ کے سوا کسی کو نہیں دیکھتا۔

فصل: عزیزم، ممکن ہے کہ تم کہو کہ توحید کے یہ درجات مجھے مشکل معلوم ہوتے ہیں اس کی تفصیل ضروری ہے تاکہ مجھے معلوم ہو کہ سب کو ایک ہی سے کیونکر معلوم کر سکوں میں بظاہر بہت سے اسباب دیکھتا ہوں سب کو ایک ہی کس طرح دیکھوں میں آسمان و زمین اور مختلف النوع مخلوق کو دیکھتا ہوں حالانکہ یہ سب ایک نہیں عزیزم جان لو کہ منافق کی توحید زُبانی ہے اور عوام کی اعتقادی جبکہ متکلمین کی توحید دلیلی ہے یہ تین اقسام تو تُو سمجھ سکتا ہے ہاں چوتھے درجہ کی توحید کا سمجھنا تیرے لیے مشکل ہے۔ توکل کو چوتھے درجہ کی توحید کی حاجت و ضرورت نہیں اس کے لیے تیسرے درجہ کی توحید کافی ہے اور چوتھے درجہ کی توحید کو اس سے زیادہ تفصیل سے بیان کرنا دشوار اور مشکل ہے ہاں اس قدر مجملاً سمجھ لو کہ بہت سی اشیاء ہوں اور ان میں ایک نوع کا ارتباط ہو جس کے سبب وہ ایک سی ہو جائیں تو چونکہ وہ عارفوں کو اسی طرح نظر آتی ہیں تو وہ ایک ہی سمجھتا ہے جیسے آدمی کی مثال اس میں گوشت پوست سرپاؤں جگر معدہ وغیرہ بہت سی اشیاء ہیں مگر فی الحقیقت آدمی ایک ہی چیز کا نام ہے حتیٰ کہ ممکن ہے کہ کوئی شخص کسی آدمی کو ایک چیز کی مانند جانے اور اس کے اعضاء کی تفصیل اس کے خیال میں نہ ہو اس سے اگر پوچھیں کہ تو نے کیا دیکھا تو وہ یہی جواب دے گا کہ میں نے ایک چیز کے سوا کچھ نہیں دیکھا یعنی محض ایک ہی آدمی کو دیکھا اور اگر اس سے پوچھیں تو کیا سوچتا ہے تو وہ یہی جواب دے گا کہ بس ایک چیز سے متعلق سوچتا رہتا ہوں یعنی اپنے محبوب سے متعلق اور ظاہر ہے کہ محبوب ایک ہی چیز ہے۔ عزیزم معرفت میں ایک مقام ہے جو آدمی اس مقام پر پہنچتا ہے وہ حقیقت میں دیکھتا ہے کہ جو کچھ عالمِ وجود میں ہے وہ ایک دوسرے کے ساتھ مرتبط ہے اور سب ایک ہی حیوان کی مانند ہیں اور آسمان زمین ستارے وغیرہ اجزائے عالم کی آپس میں ایسی نسبت ہے جیسے حیوان کے بدن کی مملکت کو روح اور عقل کے ساتھ کیونکہ وہ مدبر بدن ہیں عالمِ تدبیر میں سب درجات کو ایسی نسبت نہیں جیسی بدن اور عقل روح میں ہے جب تک آدمی ان الله خلق آدم علی صورته کو نہ جان لے گا یہ باریک مضمون اس کے فہم میں نہیں آئے گا۔ کتاب کے عنوان میں ہم نے اشارتاً کچھ بیان کر دیا ہے۔ اس باب میں خاموشی ہی بہتر ہے اس لیے کہ یہ بات دیوانوں کی زنجیر ہلاتی ہے اور مستوں کو سرور میں مبتلا کرتی ہے اور ہر کسی کی سمجھ میں نہیں آتی ؎

دَم بخود ہو رہیے کچھ کہیے نہ بات
حق کہا جس نے وہی مارا گیا

اور جس قدر شکر کی فصل میں ہم بیان کر چکے ہیں یہاں اسی قدر جاننا کافی ہے یعنی آفتاب ماہتاب، ستارے، ابر و باراں اور ہوا جنھیں تو اسباب سمجھتا ہے۔ یہ سب اس طرح مطیع و مسخر ہیں جیسے کاتب کے ہاتھ میں قلم اس لیے کہ ان میں سے کوئی بھی اپنے آپ حرکت نہیں کرتا بلکہ انھیں بوقت بقدر ضرورت حرکت دیتے ہیں پس کاموں کو ان کے حوالے کرنا غلط ہے جیسے کہ خلعت سرفرازی کو قلم اور کاغذ کے حوالہ کرنا غلط ہے مگر جو چیز محل نظر ہے وہ حیوانات کا اختیار ہے۔ اس واسطے کہ تو سمجھتا ہے کہ آدمی کا بھی کچھ نہ کچھ اختیار ہے حالانکہ یہ سمجھنا درست نہیں اس لیے کہ آدمی فی نفسہٖ مجبور و مضطر ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کیونکہ اس کا کام قدرت سے وابستہ ہے اور قدرت ارادہ کے مطیع ہے حتیٰ کہ جو ارادہ ہوتا ہے وہی کرتا ہے مگر جب اللہ تعالیٰ ارادہ کو پیدا کرتا ہے تب وہ خواہ مخواہ کوئی نہ کوئی بات چاہتا ہے پس

جب قدرت ارادہ کے مطیع ہوئی اور ارادہ اس کے اختیار میں نہیں تو کچھ بھی اس کے اختیار میں نہیں اور وہ مجبورِ محض ہے۔ عزیزم یہ حال تجھے اس وقت بخوبی معلوم ہو گا جب تو جان لے کہ آدمی کے افعال تین قسم پر ہیں ایک مثلاً یہ کہ جب پانی پر پاؤں رکھتا ہے تو پانی کے اندر چلا جاتا ہے اور کہتے ہیں کہ اُس نے پانی کو چیر کر اس کے ایک جزو کو دوسرے سے جدا کر دیا اسے فعل طبعی کہتے ہیں دوسرے یہ کہ کہتے ہیں کہ آدمی سانس لیتا ہے یہ فعل ارادی ہے۔ تیسرے یہ کہ کہا جاتا ہے کہ آدمی نے بات کی اور چل دیا یہ فعل اختیاری ہے جہاں تک فعل طبعی کا تعلق ہے ظاہر ہے وہ آدمی کے اختیار سے نہیں ہوتا کیونکہ جب وہ پانی پر پاؤں رکھے گا تو اس کی گرانی سے پانی پھٹ جائے گا یہ فعل اس کے اختیار میں نہیں۔ وہ چاہے یا نہ چاہے ایسا ہو کر رہے گا حتیٰ کہ اگر تو پتھر کو پانی میں پھینکے گا تو وہ بھی پانی میں ڈوب جائے گا اور ڈوب جانا پتھر کا فعل نہیں بلکہ پتھر کے بھاری پن سے ایسا ہی ہو جاتا ہے آدمی کا فعل ارادی جیسے سانس لینا تو اگر غور کیا جائے تو اس کا بھی یہی حال ہے۔ اس لیے کہ آدمی سانس تو روک نہیں سکتا اسے پیدا ہی اس لیے کیا گیا ہے کہ سانس لینے کا ارادہ خواہ مخواہ اس میں پیدا ہوتا ہے اور جب کوئی شخص چاہتا ہے کہ دور سے کسی کی آنکھ میں سوئی مارے تو وہ آدمی ضرور بالضرور پلک جھپکا لیتا ہے اگر چاہے کہ پلک نہ جھپکاؤں تو یہ اس کے اختیار میں نہیں کیونکہ آدمی کی تخلیق ہی اس طرح ہوئی ہے کہ وہ ارادہ خواہ مخواہ اس میں پیدا ہو جاتا ہے جیسے کہ اس کی تخلیق اس بات کو متقاضی ہے کہ پانی میں کھڑا ہو تو ڈوب جائے پس ان دونوں فعلوں میں آدمی کی مجبوری معلوم ہو گئی مگر فعل اختیاری جیسے چلنا اور بولنا اس میں اشکال ہے کہ اگر چاہے تو ایسا کرے نہ چاہے تو نہ سہی!

مگر عزیزم تو یہ جان لے کہ آدمی کسی کام کا ارادہ اس وقت کرتا ہے جب اس کی عقل حکم کرتی ہے کہ اس کام میں تیری بھلائی ہے تو اس کا ارادہ ضرور بالضرور پیدا ہو جاتا ہے اور آدمی اپنے اعضاء کو حرکت دیتا ہے جیسے دور سے سوئی پھینکتے وقت پلک جھپکا لینا مگر چونکہ اس بات کا علم ہمیشہ حاضر ہے اور معلوم ہے کہ سوئی کے سبب سے آنکھ کو نقصان ہو گا اور پلک بند کر لینے میں بھلائی ہے لہٰذا اس میں غور و تامل کی حاجت ہی نہیں اس واسطے کہ وہ بے تامل سمجھتا ہے کہ آنکھ بند کر لینے میں ہی بھلائی ہے۔ بھلائی جاننے سے اس میں ارادہ پیدا ہوتا ہے اور ارادے کے سبب سے قدرت بالضرور کام میں آ جاتی ہے اس جگہ جب تامل کر چکا تو اسی صفت پر ہو گیا جس صفت پر اس جگہ تھا اور وہی ضرورت پیش آ جاتی ہے اس واسطے کہ اگر کوئی شخص کسی آدمی کے مارنے کو لاٹھی اٹھاتا ہے تو وہ آدمی بالطبع بھاگتا ہے حتیٰ کہ اگر چھت پر ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کود پڑنا لاٹھی کھانے سے آسان ہے تو کود پڑتا ہے اور اگر جانتا ہے کہ کود پڑنا لاٹھی کھانے سے بڑھ کر ہے تو پھر مجبوراً ٹھہر جاتا ہے اور کود پڑنے کی طاقت نہیں رکھتا اس لیے کہ پاؤں کی حرکت ارادہ کی قید میں ہے اور ارادہ عقل کے حکم کے تابع ہے کہ عقل کہے کہ یہ کام اچھا ہے اور کرنے کے لائق ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص خود کشی کرنا چاہتا ہے تو اگرچہ ہاتھ بھی ہیں اور چھری بھی مگر بالعموم ایسا نہیں کرتا اس لیے کہ ہاتھ کی قدرت ارادے کی مقید ہے اور ارادہ اس بات کا مقید ہے کہ عقل حکم کرے کہ یہ کام تیرے حق میں اچھا اور کرنے کے قابل ہے اور عقل بھی مجبور و مضطر ہے اس لیے کہ وہ آئینہ کی طرح صاف اور شفاف ہے کہ جو کچھ بہتر ہوتا ہے اس کی صورت عقل میں آ جاتی ہے چونکہ خود کشی بہتر نہیں اس کی صورت بھی آئینۂ عقل میں ظاہر نہیں ہوتی مگر اس وقت جب آدمی کسی مصیبت میں مبتلا

ہو جس کا وہ متحمل نہ ہو اور خود کشی کو اس مصیبت سے بہتر جانتا ہو پس اسے فعل اختیاری اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی بھلائی تمیز میں آتی ہے ورنہ جب یہ فعل بالضرور ظاہر ہوا تو سانس لینے اور آنکھ بند کر لینے کی ضرورت کے مثل ہو گیا اور ان دونوں افعال کی ضرورت پانی میں ڈوب جانے کی ضرورت کی مانند ہے اور یہ اسباب ایک دوسرے سے وابستہ ہیں اور سلسلۂ اسباب کے حلقے بہت ہیں' احیاء العلوم میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آدمی میں جو قدرت پیدا کی ہے یہ اس سلسلہ کے حلقوں میں سے ایک حلقہ ہے یہیں سے آدمی گمان کرتا ہے کہ مجھے اختیار ہے ایسا گمان محض غلط ہے اس لیے کہ آدمی کا اس سے اتنا ہی تعلق ہے کہ آدمی اس کی گزرگاہ ہے۔ پس آدمی اختیار اور قدرت کا محل اور مد ہے کہ اللہ تعالیٰ پیدا کر دیتا ہے پس چونکہ درخت ہوا کی وجہ سے ہلتا ہے اور اس میں اللہ نے قدرت و ارادہ کچھ بھی پیدا نہیں کیا لہٰذا درخت کو کوئی بھی محل قدرت و ارادہ نہیں سمجھتا پس اس ہلنے کا نام اضطرارِ محض ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتے ہیں اس کی قدرت اسکے سوا اور کس چیز کی قید میں نہیں اس لیے اسے اختراع کہتے ہیں اور آدمی نہ ایسا ہے نہ ویسا اس لیے اس کی قدرت و ارادہ اور ہی اسباب سے متعلق ہے جو اس کے اختیار میں نہیں تو اس کا فعل نہ تو اللہ کی مانند ہے کہ اسے خلق و اختراع کہیں اور چونکہ آدمی محل قدرت و ارادہ ہے کیونکہ یہ اللہ نے اس میں پیدا کیا ہے تو وہ درخت کی مانند بھی نہیں کہ اس کے فعل کو محض اضطرار کہیں بلکہ ایک اور ہی قسم ہوتی ہے اس لیے اور نام تلاش کیا جو کسب کہلایا۔ اس سب بیان سے معلوم ہوا کہ اگرچہ آدمی کا کام آدمی ہی کے اختیار میں ہے مگر چونکہ وہ نفس اختیار میں مجبور و مضطر ہے وہ چاہے یا نہ چاہے تو گویا فی الحقیقت اس کے اختیار میں کچھ بھی نہیں۔

فصل: عزیزم! اس تفصیل سے تیرے ذہن میں سوال پیدا ہو گا کہ پھر ثواب و عذاب کیوں ہے! اور شریعت کس لیے ہے اس لیے کہ آدمی کا تو کوئی اختیار ہی نہیں تو یہی وہ مقام ہے جسے توحید در شرع اور شرع در توحید کہتے ہیں اس دریائے عمیق میں اکثر ضعیف الاعتقاد غرق ہو جاتے ہیں اس بھنور سے اسی کا بیڑا پار ہوتا ہے جو پانی پر چل سکے اگر چل نہ سکے تو کم از کم تیر سکے بہت سے لوگ اس طرح بچتے ہیں کہ وہ اس دریا میں پیر ہی نہیں رکھتے تاکہ غرق نہ ہو جائیں۔ رہ گئے عوام تو وہ جانتے ہی نہیں ان کے حال پر یہی کرم ہے کہ انھیں اس کے کنارے کے قریب آنے ہی نہ دیں تاکہ وہ اچانک ڈوب نہ جائیں اور جن لوگوں نے دریائے توحید میں پاؤں رکھا ان میں سے اکثر تیرنا نہ جاننے کے سبب ڈوب جاتے ہیں اور ممکن ہے کہ انھیں تیرنا سیکھنے کی سمجھ ہی نہ ہو یا وہ غرور کے سبب کوشش ہی نہیں کرتے اور اس دریا میں ڈوب جاتے ہیں اس لیے کہ وہ جانتے ہیں کہ ہمارے اختیار میں کچھ بھی نہیں اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ کرتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ازل میں جس کی نسبت شقاوت کا حکم ہو چکا ہے وہ کوشش کے باوجود اس سے بچ نہیں سکتا اور جس کے متعلق سعادت کا حکم ہو چکا ہے اسے کوشش کی ضرورت نہیں یہ عقیدہ جہل و ضلالت اور موجب ہلاکت ہے اور ہرچند کہ ان امور کی حقیقت کتاب میں لکھنا مناسب نہیں لیکن جب سلسلۂ سخن یہاں تک پہنچ گیا تو کچھ نہ کچھ بیان کیا جاتا ہے۔

عزیزم تم نے کہا کہ ثواب و عذاب کیوں ہو گا؟ تو سمجھنا چاہیے کہ عذاب اس لیے نہیں ہو گا کہ تو نے برا کام کیا اور اللہ تجھ پر ناراض ہو کر اس کے عوض میں عذاب دے گا اسی طرح ثواب کی وجہ یہ نہیں کہ تو نے اچھا کام کیا اور وہ تجھ

سے خوش ہو کر اس کے صلہ میں تجھے خلعت و انعام سے سرفراز فرمائے گا۔ اس لیے کہ ایسی باتیں اس کی شان عفت سے بہت دور ہیں ہاں خون' صفرا یا کوئی اور خلط جب تیرے بدن میں غالب ہو جاتی ہے تو اس سے ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے جسے بیماری کہا جاتا ہے اور جب علاج معالجہ کا اثر غالب ہوتا ہے تو اس سے ایک حالت پیدا ہوتی ہے اسے صحت کہتے ہیں اس طرح جب خواہش اور غصہ غالب ہوتا ہے اور تو ان کا قیدی ہو جاتا ہے تو اس سے ایک آگ پیدا ہو کر جان و روح میں لگ جاتی ہے اس سے تیری ہلاکت ہوتی ہے اسی واسطے نبی کریم ﷺ نے فرمایا ((اَلْغَضَبُ قطعةٌ مِنَ النَّارِ)) یعنی جب غصے کو تو نے اپنے اوپر مسلط کر لیا تو وہ غصہ نہیں آگ کا ٹکڑا ہے اور جس طرح عقل کا نور قوی ہو تو وہ خواہش اور غصہ کی آگ کو بجھاتا ہے اسی طرح ایمان کا نور دوزخ کی آگ کو بجھاتا ہے اور دوزخ کہتی ہے :

جُزْ یَا مُؤْمِنُ فَاِنَّ نُوْرَكَ اَطْفَا نَارِیْ

"اے مومن گزر جا کہ تیرے نورِ ایمان نے مجھے ٹھنڈا کر دیا ہے"

گویا یہاں دوزخ ایمان سے فریاد کرتی ہے درمیان میں بات چیت نہیں ہوتی بلکہ دوزخ کو یہ نور دیکھنے کی بھی طاقت نہیں ہوتی وہ اس طرح بھاگتی ہے جس طرح مچھر ہوا سے بھاگتے ہیں تو خواہش کی آگ بھی عقل کے نور سے بھاگ جاتی ہے پس اے عزیز تیرے عذاب کے واسطے دوسری جگہ سے کوئی چیز نہیں لائی جائے گی بلکہ تیری ہی چیز تجھے دے دی جائے گی اِنَّمَا هِیَ اَعْمَالُكُمْ تُرَدُّ اِلَیْكُمْ (یہ تمھارے ہی اعمال ہیں جو تمھاری طرف لوٹائے جا رہے ہیں) پس تیری شہوت اور تیرا غصہ ہی آتشِ دوزخ کی اصل ہے اور وہ تیرے باطن میں موجود ہے اگر تجھے عِلم الیقین ہوتا تو تو انھیں یقیناً دیکھ لیتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ﴿ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْیَقِیْنِ لَتَرَوُنَّ الْجَحِیْمَ ﴾ (اگر تمھیں عِلم یقین ہوتا تو تم جہنم کو یقیناً دیکھ لیتے)

عزیزم جس طرح زہر کھانا آدمی کو قبر میں لے جاتا ہے اس بات میں نہ کسی کا غصہ ہے نہ انتقام اسی طرح معصیت اور شہوت آدمی کے دِل کو بیمار کر دیتی ہے اور وہی بیماری تیری آگ ہو جاتی ہے اور وہ آگ آتشِ دوزخ کی جنس سے ہے اس دُنیا کی آگ کی جنس سے نہیں اور جس طرح سنگ مقناطیس بحق تقاضائے مجانست لوہے کو اپنی طرف کھینچتی ہے اس میں کسی کے غصے کو دخل نہیں رہ گیا ثواب کا معاملہ تو اسے بھی اس پر قیاس کر لینا چاہیے۔ اس لیے کہ اس کا بیان طوالت کا باعث ہو گا۔ یہ تو اس اعتراض کا جواب ہے جو تو نے کیا تھا کہ ثواب و عذاب کیوں ہوتا ہے اور تیرا اعتراض کہ شریعت کیوں نازل ہوئی' رسول کو کیوں بھیجا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی ایک حکمت اور زبردستی ہے تاکہ مخلوق کو جبراً قہراً باندھ کر جنت میں لے جایا جائے۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا : ((اَلْعَجَبُ من قومٍ یُقَادونَ اِلی الجنةِ بِالسَّلاسِلِ)) (تم ایسی قوم پر تعجب کرتے ہو جو زنجیروں سے باندھ کر جنت کی طرف کھینچی جاتی ہے) اور شریعت کا فائدہ یہ بھی ہے کہ قوم قہر کے کمند میں اٹک کر دوزخ میں نہ جانے پائے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ((اَنْتُمْ تَتَهَافَتُوْنَ عَلَى النَّارِ وَاَنَا اٰخذ کم بِحُجَزِكُمْ (کہ تم پروانوں کی طرح آگ پر گرتے ہو اور میں تمھاری کمر پکڑ کر تمھیں اس سے کھینچتا ہوں) پس اے عزیزم تمھیں جان لینا چاہیے کہ انبیاء کی بات اللہ کی جباری کی زنجیر کی ایک کڑی ہے تاکہ تیرے اندر سمجھ پیدا ہو اور تو غلط اور صحیح راہ کو سمجھ لے اور پیغمبروں کے ڈرانے سے ہراس پیدا ہو اور یہ معرفت و ہراس عقل کے آئینہ پر

سے غبار کو دور کرلے تاکہ یہ بات کہ آخرت کی راہ دُنیا کی راہ سے بہتر ہے عقل کے آئینہ سے معلوم ہو جائے اور یہ چیز نظر آکر آخرت کی راہ اختیار کرنے کا تیرے اندر جذبہ و داعیہ پیدا ہو جائے اور اس جذبہ کے سبب سے اعضاء حرکت میں آئیں اس لیے کہ اعضاء ارادے کے تابع ہیں اور اس زنجیر میں تجھے باندھ کر جبراً اور قہراً دوزخ سے بچاتے ہیں اور جنت میں لے جاتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی مثال اس گلہ بان کی سی ہے جو بکریوں کا گلہ رکھتا ہو اس کے دائیں ایک ہری بھری چراگاہ ہو اور بائیں غار جس میں بہت سے بھیڑیئے ہوں پس یہ گلہ بان غار کے کنارے کھڑا ہو کر لاٹھی ہلاتا ہو تاکہ لاٹھی کے خوف سے بکریاں اِدھر سے واپس چلی جائیں اور غار کی طرف نہ آئیں انبیاء کی محبّت کا یہی فائدہ ہے۔

اور عزیزم تم نے جو یہ اعتراض کیا ہے کہ جب روزِ اوّل میں بندے کی شقاوت کا حکم لکھا جاچکا ہے تو کوشش و محنت سے کیا فائدہ؟ ایک وجہ سے یہ بات صحیح ہے اور ایک وجہ سے غلط۔ صحیح بات تیری ہلاکت کا سبب ہے اس واسطے کہ جس کسی کی نسبت شقاوت کا حکم ہو چکا ہے اس کی علامت یہ ہے کہ یہ بات اس کے دِل میں ڈالے تاکہ وہ کوشش سے باز رہے نہ بیج بوئے نہ کھیت کاٹے اور اللہ نے کسی کی موت کا یوں حکم فرمایا ہو کہ یہ بھوک کے مارے مرجائے اس کی علامت یہ ہے کہ یہ بات اس کے دِل میں ڈال دی جائے کہ جب یہ طے ہو چکا ہے کہ فاقوں کے سبب مروں گا تو روٹی سے کیا فائدہ؟ وہ روٹی کو ہاتھ لگائے گا اور نہ روٹی کھائے گا حتیٰ کہ مرجائے گا اور کہے گا کہ جب فقرو محتاجی طے ہے تو بیج کا فائدہ؟ وہ نہ بیج بوئے گا نہ کھیت کاٹے گا اور اللہ نے جس کی سعادت مقدر کی ہے اسے یہ سمجھا دیتا ہے کہ جس کی نسبت مالدار ہونے اور زندہ رہنے کا حکم ہے اس کے لیے تونگری اور زندگی کے اسباب کا کیا حکم ہے؟ یعنی زراعت کرے' تجارت کرے اور روٹی کھائے بس یہ حکم بے ہودہ نہیں بلکہ اسباب سے تعلق رکھتا ہے اور اللہ نے جسے جس کام کے لیے پیدا کیا ہے اسے اس کام کے اسباب مہیا کر دیتا ہے ایسا نہیں ہوتا کہ بغیر اسباب اس کام تک پہنچ جائے۔ اسی واسطے حضور ﷺ نے فرمایا ((اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ)) (عمل کیے جاؤ ہر شخص کو توفیق دی گئی ہے جس کے لیے وہ پیدا ہوا ہے) عزیزم اللہ تعالیٰ جو اعمال و افعال جبراً تجھ سے سرزد کراتے ہیں ان سے تو اپنی عاقبت کی بشارت معلوم کر جب عِلم پڑھنے میں جہد و تکرار تجھ پر غالب ہو تو جان لے کہ یہ اس بات کی بشارت ہے کہ تو امامت و خلافت کی سعادت سے مشرف ہو گا۔ بشرطیکہ تو پوری کوشش کرے اور بیکاری و سستی چھوڑ دے اگر تجھ پر بیکاری اور سستی غالب ہو تو بے ہودہ بات تیرے دِل میں ڈالی ہے کہ اگر ازل میں میری یہی حالت مقدر ہے تو تکرار و جہد کا کیا فائدہ۔ یہاں سے تو اپنی جہالت کا حکم نامہ پڑھ لے اور جان لے کہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ تو کبھی امامت کے درجے کو نہیں پہنچ سکے گا۔ الغرض آخرت کے امور کو دُنیا کے کاموں پر قیاس کر جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ مَا خَلْقُكُمْ وَلَا بَعْثُكُمْ اِلَّا كَنَفْسٍ وَّاحِدَةٍ ﴾ اور فرمایا ﴿ سَوَاءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ ﴾ عزیزم جب تم ان حقائق کو پہچان لو گے تو تینوں اشکال اُٹھ جائیں گے اور توحید ثابت ہو جائے گی اور معلوم ہو جائے گا کہ شریعت' عقل اور توحید میں اَہل بصیرت کے نزدیک کوئی تناقض نہیں اس سے زیادہ بیان نہیں ہو سکتا اس کتاب میں ان باتوں کی گنجائش نہیں۔

بنائے توکل ایمان کا بیان

ہم بیان کر چکے ہیں کہ توکل دو ایمانوں کا ثمرہ ہے ایک توحید کا ایمان دوسرے یہ کہ تو ایمان لائے اور جان لے کہ اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے اور سب اسی کے سبب سے ہیں وہ سب کے ساتھ رحمت و حکمت اور مہربانی کا معاملہ کرتا ہے اس کی شفقت و عنایت ایک چیونٹی اور مچھر سے لے کر آدمی تک کے حق میں ماں کی اس شفقت و رحمت سے زیادہ ہے جو اسے اپنی اولاد پر ہوتی ہے یہی مضمون حدیث شریف میں آیا ہے اور تو جان لے کہ یہ جہان اور جو کچھ اس میں ہے سب کو اللہ تعالیٰ نے کمال و جمال اور لطف و حکمت سے اس طرح پیدا کیا ہے کہ اس سے بڑھ کر ہونا محال تھا اور تو سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو اپنی رحمت و مہربانی سے محروم نہیں رکھتا اور جو چیز پیدا کی ہے وہ جیسی چاہیے تھی ویسی ہی پیدا کی ہے اگر روئے زمین کے تمام عقلمند جمع ہوں اور ان میں عقل و زیرکی کمال درجہ کی ہو اور وہ غور کریں کہ دُنیا میں سرمو اور پرپشہ اس انداز پر ہے کہ ایسا نہ ہونا چاہیے تھا چھوٹا یا بڑا بدتر یا بہتر ہونا مناسب تھا تو ایسی چیز موجود نہیں پائیں گے اور جان لیں گے کہ سب کچھ ایسا ہی چاہیے تھا جیسا ہے جو چیز بہت بری ہے اس کا کمال اس میں ہے کہ بری ہو اگر بری نہ ہوتی تو ناقص ہوتی اور حکمت فوت ہو جاتی اس واسطے کہ مثلاً اگر کوئی چیز بری نہ ہوتی تو اچھی چیز کی قدر کوئی بھی نہ جانتا اس سے راحت نہ پاتا اور اگر ناقص چیز نہ ہوتی تو کامل بھی نہ ہوتی اور کامل کو اپنے کمال سے لذت نہ ہوتی۔ اس واسطے کہ کامل و ناقص کو باہم نسبت دے کر پہچان سکتے ہیں مثلاً جب باپ ہوگا تو بیٹا بھی ہوگا اور جب بیٹا نہ ہوگا تو باپ بھی نہ ہوگا۔ اس لیے کہ یہ چیزیں ایک دوسرے کے مقابل ہیں اور مقابلہ دو چیزوں میں ہوتا ہے دوئی اُٹھ جائے تو دو چیزیں ایک ہو جائیں مقابلہ اور جو چیز مقابلے پر موقوف ہے وہ باطل ہو جائے گی اور یہ بھی معلوم کر لو کہ ایسا جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کاموں کی حکمت بندوں پر پوشیدہ رکھے مگر اس بات پر ایمان لازم ہے کہ سب کاموں میں اللہ تعالیٰ نے جو حکم کیا ہے اس میں خیریت ہے اور ایسا ہی ہونا چاہیے تھا کیونکہ جس نے محتاج بنایا اُس نے اسی سبب سے بنایا کہ محتاجی ہی میں اس کی بھلائی تھی وہ اگر مالدار ہوتا تو تباہ ہو جاتا اور جسے مالدار پیدا کیا اس کا بھی ایسا ہی حال ہے یہ مضمون بھی دریائے توحید کی مانند ایک بڑا دریا ہے۔ بہت سے لوگ اس دریا میں ڈوب گئے ہیں اس میں قضا و قدر کا راز ہے جسے کھولنے کی اجازت نہیں اگر اس میں خوض کیا جائے تو بات بڑھ جائے مگر آدمی کے تمام ایمان کا بھید یہی ہے اور توکل کو بھی اس کی حاجت ہے۔

توکل کی حقیقت کا بیان

توکل دِل کی حالتوں میں سے ایک حالت ہے اور خالق کی وحدانیت اور مہربانی پر ایمان لانے کا نتیجہ ہے۔ اس حالت کے معنی یہ ہیں کہ وکیل یعنی کارساز پر دِل سے اعتماد کرنا اور اس اعتماد کو مضبوط رکھنا اور اس کے سبب سے آرام لینا تاکہ روزی میں دِل الجھ کر نہ رہ جائے اور ظاہری اسباب میں خلل پڑنے کی وجہ سے آدمی شکستہ دِل نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے کہ وہی مجھے روزی پہنچائے گا اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص کسی پر دغا اور فریب سے جھوٹا مقدمہ دائر کر

دے اور یہ آدمی فریب دفع کرنے کی خاطر وکیل کھڑا کرے اگر اس آدمی کو وکیل کی تین خصلتوں پر ایمان ہو گا تو وکیل پر اعتماد کرے گا۔ ایک یہ کہ وکیل دغا اور فریب کی صورتیں خوب جانتا ہے دوسرے یہ کہ جانتا ہو کہ وکیل اس کے اظہار کی دو وجہ سے قدرت رکھتا ہے دلیری اور لسانی سے۔ اس لیے کہ بعض لوگ ہوتے ہیں جو بات جانتے ہیں مگر بزدلی یا کند زُبانی کی وجہ سے اظہار نہیں کر سکتے تیسرے یہ کہ وہ یہ جانتا ہو کہ میرا وکیل مجھ پر خوب مہربان ہے حتیٰ کہ میرے حق کی حفاظت کی خاطر جان دینے سے بھی گریز نہیں کرے گا ان تین باتوں پر یقین کے بعد آدمی کا دِل مطمئن ہو گا اور وکیل پر اعتماد کرے گا۔ اور اپنی طرف سے اس مقدمہ میں جلد و تدبیر نہیں کرے گا۔ اسی طرح جو شخص نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ الْوَکِیْل کے معنی بخوبی جانتا ہو اور اس بات پر ایمان رکھتا ہو کہ دُنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ہی کے سبب ہوتا ہے۔ اس کے سبب سے اس کے سوا اور کوئی فاعل نہیں اور بایں ہمہ اس کے علم اور اس کی قدرت میں کچھ نقصان نہیں اور اس کی رحمت و عنایت ایسی بے نہایت ہے کہ اس سے بڑھ کر ہونا محال ہے تب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر دِل سے اعتماد کر کے حیلہ تدبیر کو ترک کرے گا اور سمجھے گا کہ روزی مقدر ہے اپنے وقت پر مجھے ملے گی اور اللہ کے فضل و کرم سے میرے سب کام بن جائیں گے اور ممکن ہے کہ ان صفات پر یقین ہو مگر وہ شخص بالطبع دِل کا کچا اور ڈرپوک ہو اس واسطے کہ یہ ضروری نہیں کہ آدمی بایقین جو کچھ جانتا ہو طبیعت بھی اس کے تابع ہو بلکہ طبیعت کبھی وہم کے تابع ہوتی ہے حالانکہ وہ یقیناً جانتا ہے کہ وہ وہم خطا ہے مثلاً کوئی شخص حلوہ کھاتا ہو اور کوئی آدمی اسے نجاست کے ساتھ تشبیہ دے تو اس کھانے والے کی طبیعت میں ایسی کراہت آ جاتی ہے کہ وہ پھر کھا نہیں سکتا حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ تشبیہ جھوٹ ہے اور اگر آدمی چاہے کہ مردے کے ساتھ گھر میں تنہا سو جائے تو نہیں سو سکتا اگرچہ یقیناً جانتا ہے کہ مردہ کنکر پتھر کی مانند ہے اُٹھ نہیں سکتا پس توکل کے لیے یقین قوی اور مضبوط دِل کا ہونا ضروری ہے تاکہ دِل سے اضطراب جاتا رہے اور جب تک اعتمادِ کامل اور مکمل آرام حاصل نہ ہو تب تک آدمی متوکل نہیں ہوتا کیونکہ توکل کے معنی یہی ہیں کہ کاموں میں اللہ تعالیٰ پر مکمل اعتماد کرنا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یقین واثق اور ایمانِ کامل تھا اس کے باوجود عرض کیا کہ ﴿ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی ﴾ الآیہ یعنی اے میرے ربّ مجھے دکھا تو مُردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے یعنی مجھے یقین تو ہے مگر چاہتا ہوں کہ دِل کو آرام اور اطمینان ہو جائے اس لیے کہ ابتدا میں دِل کا آرام وہم اور خیال کے تابع ہوتا ہے پھر جب نہایت کو پہنچتا ہے تو دِل بھی یقین کے تابع ہوتا ہے پھر مشاہدۂ ظاہر کی اسے حاجت نہیں رہتی۔

توکل کے درجات

توکل کے تین درجے ہیں ایک یہ کہ متوکل کا حال اس آدمی کے حال کی مانند ہو جائے جو جھگڑے میں ایک چالاک وکیل' رہنما' فصیح اللسان' دلیر اور مہربان مقرر کرتا ہے اور اس پر مطمئن رہتا ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ متوکل کا حال بچّہ کی مانند ہو جو ہر آفت میں اپنی ماں کے سوا اور کسی کو نہیں جانتا بھوک ہو تو ماں کو پکارتا ہے' ڈرے تو ماں کی پناہ لیتا ہے اس کی سرشت ہے اس میں تکلف کو دخل ہی نہیں۔ یہ متوکل اپنے وکیل میں ایسا مستغرق ہوتا ہے کہ اسے خود اپنے توکل کی خبر نہیں ہوتی۔ پہلے درجے والے کو اپنے توکل کی خبر تھی وہ تکلف اور اختیار سے اپنے تئیں توکل کی صفت پر

ایمان لایا تھا۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ متوکل کا حال ایسا ہو جیسے غسال کے سامنے مردہ کا حال ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو مردہ سمجھے اور جانے کہ میں ازلی قدرت سے جنبش کرتا ہوں اپنے اختیار سے نہیں جیسے مردہ غسال کے ہلانے سے ہلتا ہے اور اگر کوئی کام اسے درپیش ہو تو اس لڑکے کی مانند آواز بھی نہیں دے سکتا جو کسی کام کے لیے اپنی ماں کو پکارتا ہے بلکہ اس لڑکے کی مانند ہو جائے جو جانتا ہے کہ اگرچہ میں اپنی ماں کو نہ پکاروں ماں پھر بھی میرے تمام حال سے واقف ہے وہ خود میری تدبیر کرے گی پس تیسرے درجے میں متوکل کا کچھ اختیار نہیں ہوتا اور دوسرے درجے میں کچھ اختیار نہیں رہتا ہاں عاجزی اور آواز و دُعا اور وکیل پر اعتماد کرنا باقی رہتا ہے اور پہلے درجے میں اختیار ہوتا ہے مگر ان ہی اسباب کی تدبیر میں جو وکیل کی وضع اور عادت سے معلوم ہوئے ہیں مثلاً جب وہ جانے کہ وکیل کی یہ عادت ہے کہ جب تک مؤکل حاضر نہ ہو اور اپنی فائل پیش نہ کرے وہ کام نہیں کرتا تو لامحالہ وہ یہ سارے کام کرے گا پھر انتظار میں محو ہو جائے گا کہ وکیل کیا کرتا ہے اور جو کچھ ہو گا اس کا سبب وکیل ہی سمجھے گا فائل پیش کرنے کو بھی وکیل کی طرف سے ہی سمجھے گا۔ اس لیے کہ اس نے وکیل کے ہی اشارے سے مہیا کی پس جو شخص توکل میں اس مقام پر ہوتا ہے وہ تجارت' زراعت اور ظاہری اسباب جن پر عادت اللہ جاری ہے ان سے دستبردار نہیں ہو گا اور اس دستبردار نہ ہونے کے باوصف وہ متوکل ہو گا۔ اس لیے کہ اپنی زراعت اور تجارت پر وہ بھروسا نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر اعتماد کرتا ہے کہ اُس نے جس طرح حرکات اور اسبابِ زراعت مجھ سے صادر اور مہیا کروائے اور یہ کام کرنے کی ہدایت فرمائی۔ اسی طرح تجارت اور زراعت سے وہی مقصود کو پہنچائے گا اور جو بات آنکھوں کے سامنے آتی ہے اسے اللہ ہی کی طرف سے دیکھتا ہے چنانچہ اس کی تفصیل آگے آئے گی اور لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کے یہی معنی ہیں اس لیے کہ حول حرکت کو کہتے ہیں قوت قدرت ہے بندہ جب جانتا ہے کہ حرکت اور قدرت میرے سبب سے نہیں بلکہ اللہ ہی کے سبب سے ہے جو کچھ دیکھتا ہے اسی کی طرف سے دیکھتا ہے الحاصل جب کاموں کو اسباب کے سپرد کرنا آدمی کی نظر سے اُٹھ گیا حتیٰ کہ سب کاموں کو اللہ کی طرف سے دیکھنے لگا اور کسی بھی معاملہ میں غیر خدا کی طرف نہیں دیکھتا تو وہ متوکل ہے متوکل کا بلند ترین مقام وہ ہے جس کا ذکر حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ نے کیا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ دلی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ سے میں نے پوچھا کہ توکل کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ تم کسے توکل کہتے ہو۔ میں نے کہا مشائخ نے فرمایا ہے کہ توکل یہ ہے کہ اگر تیرے دائیں بائیں سانپ ہی سانپ اور اژدہے ہی اژدہے ہوں تو بھی تیرے دل میں سرمو جنبش نہیں آنی چاہیے۔ آپ نے فرمایا یہ بات تو بہت سہل ہے میرے نزدیک یہ ہے کہ کوئی شخص اَہل دوزخ کو عذاب اور اَہل جنت کو مزے میں دیکھے اور دِل سے ان دونوں میں فرق کرے وہ متوکل نہیں مگر وہ جو حضرت ابو موسیٰ نے کہا وہی تو توکل کا بہت بلند مقام ہے اور یہ ضروری نہیں کہ متوکل عذر بھی نہ کرے اس واسطے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب حضرت نبی کریم علیہ السلام کے ساتھ غار میں تھے تو سانپ کے بل میں ایڑی اڑا رکھی تھی حالانکہ وہ متوکل تھے انھیں سانپ سے ہراس نہیں تھا بلکہ وہ سانپ کے خالق سے ڈرتے تھے کہ سانپ کو وہ قوت اور حرکت نہ دے دے۔ ایسا متوکل سب چیزوں میں لَا حَولَ وَلا قُوَةَ کے معنی پر نظر رکھتا ہے اور حضرت ابویزید کے قول میں اس طرف اشارہ ہے جو اصل توکل ہے ایسا ایمان بہت ہی نادر الوجود ہے اللہ تعالیٰ کے حکمت و عدل اور رحمت و فضل پر وہ ایمان ہوتا ہے کہ بندہ جانتا ہے اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا

ہے وہ ایسا ہی کرتا ہے جیسا کرنا چاہیے اس لیے عذاب و ثواب میں فرق نہیں کرتا۔

اعمالِ توکل

عزیزم اللہ تعالیٰ نے تین بنیادوں پر دین کا دار و مدار رکھا ہے۔ علم' حال اور عمل۔ توکل کا علم اور حال تو بیان ہو چکا عمل باقی ہے شاید کسی کا یہ خیال ہو کہ توکل کی شرط یہ ہے کہ بندہ سب کاموں کو اللہ ہی پر چھوڑ دے اپنے اختیار سے کچھ نہ کرے حتیٰ کہ کسب بھی نہ کرے اور کل آئندہ کے لیے کوئی چیز نہ رکھے۔ سانپ بچھو شیر سے نہ بھاگے بیمار ہو تو علاج نہ کرے' یہ سب باتیں غلط ہیں اس لیے کہ خلافِ شرع ہیں اور توکل کی بنا شرع ہے پس شریعت کا مخالف متوکل کیونکر ہو گا بلکہ آدمی کا اختیار یا تو اس مال کے حاصل کرنے میں ہو گا جو اسکے پاس نہیں ہے یا اس مال کی حفاظت میں ہو گا جو اسکے پاس ہے یا اس ضرر سے بچنے کے لیے ہو گا جو اسے پہنچا نہیں اور یا اس ضرر کے اِزالہ کے لیے جو پہنچ چکا ہے ان باتوں میں سے ہر ہر بات میں توکل کرنے کا حکم جدا جدا ہے ان چاروں مقامات کو تفصیل سے بیان کرنا ضروری ہے۔

پہلا مقام منفعت حاصل کرنے میں ہے اس کے تین درجات ہیں پہلا درجہ یہ ہے کہ عادت اللہ میں سے کوئی عادت معلوم ہو جس کے بغیر کام نہیں ہوتا یا یقین ہو کہ اس کا ترک کرنا دیوانہ پن ہے تو یہ توکل نہیں مثلاً کوئی شخص کھانے میں ہاتھ نہ ڈالے نوالہ بنا کر منہ میں نہ رکھے اور سوچے کہ اللہ میاں یونہی اس کا پیٹ بھر دیں گے یا کھانے کو بلائے تو وہ خود بخود اس کے منہ میں چلا جائے یا کوئی شخص نکاح اور جماع نہ کرے تاکہ اس کی اولاد پیدا ہو اور سمجھے کہ یہ توکل ہے۔ حقیقت میں یہ حماقت ہے بلکہ جو اسباب یقینی ہیں ان میں عمل اور کردار سے توکل نہیں علم اور حالت سے ہے علم یہ ہے کہ آدمی جان لے کہ ہاتھ' کھانا' قدرت' حرکت' منہ' دانت سب اللہ ہی نے پیدا کیے ہیں اور حال یہ ہے کہ اس کے دل کو اللہ کے فضل پر بھروسہ ہو کھانے اور ہاتھ پر نہیں اس لیے کہ عین ممکن ہے کہ عین وقت پر ہاتھ شل ہو جائے یا کوئی کھانا چھین لے۔ پس چاہیے کہ اللہ کے فضل اور اس کے پیدا کرنے اور محفوظ رکھنے پر آدمی کی نظر رہے کہ اُس نے کھانا پیدا کیا اور اسے محفوظ رکھا دوسرا درجہ وہ اسباب ہیں جو یقینی نہ ہوں مگر اکثر ان کے بغیر مطلب حاصل نہ ہوتا ہو لیکن شاذ و نادر ان کے بغیر مطلب حاصل ہونا ممکن ہو جیسے سفر میں زادِ راہ لینا کہ اس سے دستبردار ہونا بھی توکل کی شرط نہیں اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت اور اسلاف کی عادت یہی ہے مگر وہی شخص متوکل ہے جس کے دِل کو زادِ راہ پر بھروسہ نہ ہو کہ شاید زادِ راہ چھن جائے بلکہ اس کا بھروسہ زادِ راہ کے پیدا اور محفوظ رکھنے والے پر ہو لیکن اگرچہ زادِ راہ لیے بغیر جنگل بیابان کو جانا درست ہے اور کمال توکل ہے تو یہ کھانے کی مانند نہیں اس لیے کہ وہ توکل نہیں مگر ایسا اس مسافر کے لیے ہے جس میں دو باتیں پائی جائیں ایک تو یہ کہ اُس نے اتنی قدرت حاصل کر لی ہو کہ ہفتہ بھر کھانا نہ ملے تو وہ بھوکا رہ سکے دوسرے گھاس پھوس کھا کر زندگی بسر کر سکے جب مسافر اس قسم کا ہو گا تو عین ممکن ہے کہ اسے جنگل میں ایسی جگہ سے کھانا ملے جہاں سے وہم و گمان بھی نہ ہو۔ حضرت ابراہیم خواص قدس سرہٗ ایسے ہی متوکل تھے ان میں یہ دونوں خوبیاں تھیں وہ تنہا اور بغیر زادِ راہ جنگل میں جاتے ہاں سوئی' نہنی اور ڈول رسی ان کے پاس موجود ہوتا کیونکہ یہ یقینی اسباب ہیں۔ کیونکہ ڈول رسی کے بغیر کنوئیں سے پانی نہیں نکل سکتا اور جنگل میں یہ چیزیں دستیاب نہیں ہوتیں اور

جب کپڑا پھٹ جائے تو سوئی کے بغیر کسی دوسری چیز سے سیا نہیں جاتا پس ایسے اسباب کا ترک توکل نہیں بلکہ ان میں بایں طور توکل ہے کہ اللہ کے فضل پر بھروسہ ہو ان اسباب پر نہ ہو۔ اگر کوئی شخص ایسی غار میں بیٹھ جائے جہاں کسی کا گزر نہ ہو وہاں کھانا دستیاب نہ ہو اور انسان کہے کہ میں متوکل ہوں تو یہ حرام ہے اُس نے اپنے آپ کو ہلاک کر لیا وہ عادت اللہ سے ناواقف ہے اس کی مثال اس متوکل کی ہے جو وکیل کے پاس جائے لیکن فائل نہ لے جائے حالانکہ وہ وکیل کی عادت سے واقف ہے کہ وہ بغیر فائل بات نہیں کرتا گزشتہ زمانہ میں ایک زاہد شہر سے باہر نکل کر غار میں بیٹھ گیا اور توکل کیا کہ اس کا رزق اسے یہاں پہنچے ایک ہفتہ گزرنے لگا کوئی چیز نہ آئی اور وہ مرنے لگا اس زمانہ کے رسول پر وحی آئی کہ اس زاہد سے کہہ دیا جائے کہ مجھے اپنی عزت کی قسم جب تک تو شہر میں مخلوق خدا میں واپس نہیں آئے گا تب تک میں تجھے روزی نہیں دوں گا۔ جب وہ شہر میں پلٹا تو ہر جگہ سے چیزیں آنے لگیں اور اس کے دِل میں وسوسہ پیدا ہوا پھر وحی آئی کہ تو نے یہ چاہا تھا کہ اپنے زہد و توکل سے میری حکمت کو باطل کر دے تو نے یہ نہیں سمجھا کہ اپنے بندے کی روزی دوسرے بندوں کے ہاتھ سے دینا مجھے زیادہ پسند ہے اپنے ہاتھ سے دینے سے! اگر کوئی شخص شہر میں اپنے گھر کے اندر چھپ جائے اور توکل کے سبب کواڑ بند کر لے تو ایسا کرنا حرام ہے کیونکہ یقینی اسباب سے کنارہ کشی درست نہیں اگر دروازہ بند کیے بغیر بیٹھ جائے تو پھر درست ہے بشرطیکہ ٹکٹکی باندھے دروازے کی طرف دیکھتا نہ رہے کہ کہیں سے کوئی کچھ لائے اور اس کا دِل لوگوں میں نہ اٹکا رہے بلکہ اللہ کی ذات میں اٹکا رہے اور عبادت میں مشغول ہو اور اس بات کو یقینی جانے کہ چونکہ اسباب سے بالکل کنارہ نہیں کیا اس لیے روزی سے محروم نہیں رہے گا۔ اس جگہ وہ بات صادق آئے گی جو بزرگوں نے کہی ہے کہ اگر بندہ اپنی روزی سے بھاگتا ہے تو روزی اسے تلاش کرتی پھرتی ہے اور اگر دُعا کرے کہ یااللہ مجھے روزی نہ دینا تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے نادان کیا میں نے تجھے روزی نہ دینے کے لیے پیدا کیا ہے یہ ہرگز نہ ہو گا پس توکل اس طرح ہوتا ہے کہ آدمی اسباب سے کنارہ نہ کرے اور روزی کو اسباب کے بجائے مسبب الاسباب کی طرف سے سمجھے کیونکہ مخلوق اللہ ہی کی دی ہوئی روزی کھاتی ہے ہاں بعض لوگ سوال کی ذلت سے کھاتے ہیں تو بعض انتظار کے رنج و محن برداشت کرتے ہیں جیسے تاجر اور بعض کوشش و مشقت سے برداشت کرتے ہیں جیسے پیشہ ور اور بعض عزت سے کھاتے ہیں جیسے صوفیا جن کی نظر اللہ پر رہتی ہے اور جو چیز انھیں پہنچتی ہے اسے اللہ ہی کی طرف سے سمجھتے ہیں مخلوق کو درمیان میں نہیں دیکھتے۔

تیسرا درجہ وہ اسباب ہیں جو قطعی نہ ہوں اور ان کی حاجت اکثر ہوتی ہو بلکہ انھیں منجملہ حیلہ و جستجو سمجھا جاتا ہو۔ کسب کے ساتھ ان کی نسبت ایسی ہے جیسے بیماری کے ساتھ فال اور منتر اور داغ کی نسبت ہوتی ہے اسی لیے نبی کریم ﷺ نے متوکل آدمی کی یہ تعریف فرمائی ہے کہ وہ منتر اور داغ نہیں کرتے آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ کسب نہیں کرتے اور شہر سے نکل کر جنگل میں بیٹھ رہتے ہیں پس اس مقام میں توکل کے تین درجے ہیں۔

پہلا درجہ وہ ہے جس کا ذکر حضرت ابراہیم خواص قدس سرہٗ کے ضمن میں ہوا کہ وہ جنگل میں زادِ راہ کے بغیر چلتے پھرتے یہ درجہ سب سے بلند ہے اور یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب آدمی بھوکا رہے یا گھاس پات کھا لے اگر یہ بھی دستیاب نہ ہو تو موت کا خوف اس کے دِل میں نہ ہو اور خیال کرے کہ اسی میں میری بہتری ہے اس لیے کہ جو شخص زاد

راہ لیتا ہے ممکن ہے اسے چور چرا لے جائیں اور وہ شخص مرجائے راستہ میں ہمیشہ نادر احتمال پیش آتے ہیں اس سے احتراز و حذر واجب ولازم ہیں۔

دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ متوکل کسب بھی نہیں کرتا اور جنگل میں بھی نہیں جاتا مگر کسی شہر میں مسجد میں بیٹھ جاتا ہے لیکن لوگوں سے اُمید نہیں رکھتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل کی اُمید رکھتا ہے۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ آدمی کسب کرنے باہر نکلے مگروہ اسباب اور آدابِ شرع جن کا بیان ہو چکا ان کے مطابق کسب کرے۔ حیلہ' جستجو' بڑی تدبیروں اور چالاکی سے روزی پیدا کرنے سے احتراز کرے اور ایسے اسباب اختیار کرے گا تو وہ منتر اور داغ کرنے والے کی مانند ہو گا اس کو توکل نہیں کہا جاتا جب کہ کسب سے باز رہنا توکل کی شرط نہیں اس پر دلیل یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ باوجود متوکل ہونے کے جب خلیفہ ہوئے تو کپڑوں کا گٹھا اُٹھا کر تجارت کی غرض سے بازار تشریف لے جاتے لوگوں نے عرض کیا کہ آپ عہدۂ خلافت کے باوجود تجارت کیوں کرتے ہیں تو فرمایا کہ اگر میں نے اپنے اہل و عیال کو ضائع کر دیا تو دوسروں کو جلدی ضائع کر دوں گا۔ اس کے بعد لوگوں نے بیت المال سے آپ کا روزینہ مقرر کیا اس کے بعد آپ دلجمعی سے سارا وقت کاروبارِ خلافت میں صرف فرماتے۔ آپ کے توکل کا یہ عالم تھا کہ ذرہ برابر مال و زر کی حرص نہ تھی جو حاصل ہوتا اسے مطلق اپنا خیال نہ کرتے بلکہ سمجھتے کہ یہ اللہ کی بخشش ہے اپنے مال کو مسلمانوں کے مال سے زیادہ عزیز نہ رکھتے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ توکل زہد کے بغیر نہیں ہو سکتا اس کے لیے زہد شرط ہے اگرچہ توکل زہد کی شرط نہیں۔ حضرت جنید قدس سرہٗ کے مرشد حضرت ابو جعفر مراد رحمۃ اللہ علیہ انتہائی متوکل بزرگ تھے۔ وہ فرماتے کہ بیس برس تک میں نے اپنا توکل پوشیدہ رکھا بازار میں جاتا۔ ہر روز ایک دینار کماتا اس میں سے ایک قیراط دے کر حمام تک نہ جاتا بلکہ سب خیرات کر دیتا۔ حضرت جنید ان کے سامنے توکل کا ذکر نہ کرتے اور فرماتے کہ مجھے شرم آتی ہے کہ پیر کے سامنے ایسے مقام کی گفتگو کروں جو ان ہی کا مقام ہے۔

رہ گئے وہ صوفی جو خانقاہ میں گوشہ نشین رہتے ہیں اور ان کے خادم کسب کے واسطے باہر جاتے ہیں ان کا توکل بہت ضعیف ہے۔ اس توکل کی مثال ایسے ہے جیسے کسب کرنے والے کا توکل۔ توکل درست ہونے کی بہت سی شرطیں ہیں اگر کوئی شخص فتوحات کی اُمید پر بیٹھا رہے تو وہ توکل کے قریب ہے لیکن جہاں وہ بیٹھا اگر وہ جگہ مشہور ہے تو وہ شخص بازاری کی مانند ہو گا اور اس بات کا ڈر رہے گا کہ شہرت کی وجہ سے اس کے دل کو سکون حاصل ہو اور اگر اس کا دل اس طرف متوجہ نہیں تو اس کا توکل کسب کرنے والے کے توکل کی مانند ہے۔ اس باب میں اصل یہ ہے کہ آدمی خلائق پر نظر نہ رکھے اور کسی سبب پر بھروسہ نہ کرے اُس کی نظر مسبب الاسباب پر ہو۔ حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ میں نے حضرت خضر علیہ السلام کو دیکھا وہ میرے ساتھ رہنے پر راضی تھے لیکن میں نے انکار کر دیا کہ مبادا میرا دل ان پر بھروسہ کر کے اس وجہ سے آرام و سکون پائے اور میرا توکل ناقص ہو جائے۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مزدور لگایا اور شاگرد سے فرمایا کہ اسے مقررہ روزی سے کچھ زیادہ دو لیکن مزدور نے قبول نہ کی جب وہ مزدور چلا گیا تو آپ نے شاگرد سے فرمایا کہ اس کا تعاقب کرو ممکن ہے لے لے۔ شاگرد نے کہا کیوں؟ فرمایا کہ اس وقت میں اُس نے اپنے دل میں اس کی حرص پائی ہو گی اس وجہ سے اُس نے نہ لی۔ اب حرص رخصت ہو گئی اس لیے ممکن ہے لے لے۔

الغرض کسب کرنے والے کا توکل یہی ہے کہ پونجی پر دِل سے اعتماد نہ کرے اس کی شناخت یہ ہے کہ اگر مال چوری ہو جائے تو اس کا دِل مکدر نہ ہو اور رزق سے ناامید نہ ہو جائے جب اللہ کے فضل پر بھروسہ ہو تو سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ ایسی جگہ سے اسے روزی بہم پہنچائے گا جہاں سے اس کے خیال میں بھی نہ ہو گی اگر نہ پہنچے تو سمجھ لے کہ اس میں بہتری ہے۔

یہ حالت کیسے پیدا ہو؟

عزیزم یہ حالت نادر الوجود ہے کہ کوئی شخص مالدار ہو اس کا دِل پھر بھی مطمئن رہے اور پراگندہ نہ ہو گو کہ یہ حالت نادر ہے لیکن محال نہیں یہ حالت اس طرح حاصل ہوتی ہے کہ آدمی کو اللہ تعالیٰ کے کمالِ فضل و رحمت اور کمالِ قدرت پر ایمان و یقین حاصل ہو یہاں تک کہ وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ بہت لوگوں کو بغیر پونجی و مایہ روزی بہم پہنچاتا ہے اور بہت پونجی و مایہ ایسی ہوتی ہے جن کے سبب وہ شخص ہلاک ہو جاتا ہے پس اس پونجی کا ضائع ہو جانا ہی بہتر ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسا ہوتا ہے کہ بندہ رات کو ایسے کام کا خیال کرتا ہے جس میں اس کی ہلاکت پوشیدہ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ عرش پر سے اسے بنظرِ عنایت دیکھتے ہیں اور اس کا وہ کام نہیں ہوتا صبح وہ شخص غمگین ہوتا ہے اور بدگمانی کرتا ہے کہ یہ کام کس نے بگاڑا اور کیوں بگاڑا اسے خیال آتا ہے شاید پڑوسی نے بگاڑا یا شاید ابن عم نے بگاڑا حالانکہ اللہ کی رحمت اس کے شامل حال ہوتی ہے اسی وجہ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے کچھ باک نہیں کہ میں صبح فقر کی حالت میں اُٹھوں یا امارت و ثروت کی حالت میں کیونکہ مجھے معلوم نہیں کہ خیر کس میں ہے!

آدمی کو یہ بھی جان لینا چاہیے کہ فقر و محتاجی کا خوف اور بدگمانی شیطان تلقین کرتا ہے ارشاد باری ہے ﴿ الشیطان یعدکم الفقر ﴾ (کہ شیطان تمھیں فقر سے ڈراتا ہے) اور اللہ کی نظرِ عنایت پر اعتماد رکھنا کمالِ معرفت ہے خصوصاً یہ بات جان لے کہ جنہیں کوئی جانتا بھی نہیں انھیں پوشیدہ اسباب سے اکثر روزی ملتی ہے انسان کو پوشیدہ اسباب پر بھی اعتماد نہ کرنا چاہیے بلکہ مسبب الاسباب کی ضمانت پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ ایک متوکل عابد کسی مسجد میں تھے امام مسجد نے کئی بار اُن سے کہا کہ تم نادار آدمی ہو کوئی کسب و محنت کر لو تو بہتر ہے۔ عابد نے کہا کہ پڑوس کا ایک یہودی روزانہ دو روٹیاں پہنچانے کا کفیل ہے۔ امام نے کہا اگر ایسا ہے تو پھر کسب کی ضرورت نہیں۔ عابد نے کہا کہ میاں بہتر یہ ہے کہ تم امامت نہ کرو کیونکہ تمھارے نزدیک یہودی کی کفالت اللہ تعالیٰ کی ضمانت سے قوی تر ہے اور اللہ کی کفالت پر تیرا ایمان نہیں۔ جن لوگوں نے یہ بات آزمائی ہے انھوں نے ایسی جگہ سے فتوحات حاصل کیں جہاں سے ذرہ برابر اُمید نہ تھی یہ جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿ وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ اِلاَّ عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ﴾ تو اس پر ان لوگوں کا ایمان اور مضبوط ہو گیا۔ حضرت حذیفہ مرعشی قدس سرۂ سے لوگوں نے پوچھا کہ حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کی کونسی عجیب بات تم نے دیکھی ہے کہ تم نے ان کی خدمت کی۔ انھوں نے کہا کہ مکہ معظمہ کی راہ میں ہم دونوں آدمی بہت بھوکے رہے جب کوفہ میں پہنچے تو اس کا اثر میرے اندر پیدا ہوا۔ حضرت ابراہیم ادھم نے فرمایا بھوک کی وجہ سے تیرے اندر ضعف پیدا ہو گیا ہے میں نے کہاں ہاں فرمایا قلم دوات اور کاغذ لے آ میں جو لایا تو انھوں نے اس میں یہ لکھا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اے وہ

ذات کہ تو ہی ہر حال میں مقصود ہے اور سب کا اشارہ تیری ہی طرف ہے میں تیرا ثنا خواں اور شاکر و ذاکر ہوں مگر ننگا بھوکا اور پیاسا ہوں یہ تین چیزیں یعنی ثنا اور ذکر اور شکر جو میرا حق ہے ان کا میں ضامن ہوں اور وہ تین چیزیں یعنی کھانا پانی اور کپڑا دینا جو تیرا حق ہے تو اس کا ضامن ہے۔ یہ رقعہ لکھ کر مجھے دیا اور فرمایا کہ باہر چلے جاؤ دِل کسی سے نہ لگانا جسے پہلے دیکھو اسے یہ رقعہ دے دینا۔ میں باہر آیا تو ایک اونٹ سوار کو دیکھا اسے رقعہ دے دیا وہ اسے پڑھ کر رونے لگا اور پوچھا کہ اس رقعے کا لکھنے والا کہاں ہے؟ میں نے کہا مسجد میں۔ اُس نے چھ سو دینار کی تھیلی مجھے دی میں نے لوگوں سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ انھوں نے بتلایا کہ ایک نصرانی ہے۔ حضرت ابراہیم ادھم کی خدمت میں جا کر سارا قصہ سنایا انھوں نے فرمایا اس تھیلی میں ہاتھ نہ لگانا لمحہ بھر میں اس تھیلی کا مالک آیا ہی چاہتا ہے فوراً وہ نصرانی آیا اور حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے قدم کو بوسہ دے کر ایمان سے مشرف ہوا۔ حضرت ابویعقوب بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ میں مکہ معظمہ میں دس دن تک بھوکا رہا آخر بیتاب ہو کر باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ زمین پر ایک شلجم پڑا ہے جی میں آیا اُٹھا لوں تو میرے دِل سے آواز آئی دس دن سے بھوکا ہے۔ آخر سڑا ہوا شلجم تجھے نصیب ہوا میں نے ہاتھ کھینچ لیا اور مسجد میں چلا آیا۔ ایک شخص آ پہنچا اور پٹاری بھر روغنی ٹکیاں' شکر اور مغز بادام لا کر میرے سامنے رکھا اور کہنے لگا کہ میں دریائی سفر میں تھا ناگہانی طوفان آیا میں نے منت مانی کہ اگر میں سلامت بچا تو یہ چیزیں اس درویش کو دوں گا جس سے پہلے پہل ملاقات ہو گی۔ میں نے ہر ایک میں سے مٹھی بھر کی مقدار لے کر کہا کہ باقی میں نے تجھے بخش دیا پھر میں نے اپنے دِل سے کہا کہ دیکھ اللہ تعالیٰ کیسے رازقِ مطلق ہیں کہ دریا میں ہوا کو تیری روزی کے بندوبست کا حکم دیا جبکہ تو دوسری جگہ سے تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ ایسی نادر حکایات کا عِلم آدمی کے ایمان کو مضبوط اور قوی بناتا ہے۔

عیالدار کا توکل

عیال دار آدمی کا کسب و تجارت سے دستبردار ہو کر جنگل بیابان میں پھرنا مناسب نہیں بلکہ عیالدار کا توکل وہی ہے جو تیسرے درجہ میں مذکور ہوا وہی کسب کرنے والے کا توکل رہے جیسا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کرتے تھے اس لیے کہ توکل اس کو لائق ہے جس میں دو صفتیں پائی جائیں۔ ایک یہ کہ بھوک پر صبر کر سکے اور جس قدر میسر ہو اس پر قناعت کر سکے اگرچہ وہ گھاس ہی ہو دوسرے یہ کہ وہ اسباب پر ایمان رکھتا ہو کہ شاید بھوک اور موت میری روزی ہے اور اسی میں میری بہتری ہے مگر عیال کو اس بات پر مستقل نہیں رکھا جا سکتا بلکہ حقیقت میں اس کا نفس بھی اس کے عیال کا حکم رکھتا ہے اگر بھوک پر صبر کی طاقت نہیں رکھتا اور مضطرب ہو جاتا ہے تو ایسے شخص کو کسب چھوڑ کر توکل نہیں کرنا چاہیے اور اگر عیال بھی صبر کی طاقت رکھے اور توکل کی اجازت دے تو کسب نہ کرنا درست اور صحیح ہے پس فرق یہی ہے کہ اپنے آپ کو جبراً اور قہراً بھوکا رکھنا درست ہے اور عیال کو بھوکا رکھنا درست نہیں اور جب آدمی کا ایمان کامل ہوتا ہے اور وہ تقویٰ و پرہیزگاری میں مشغول ہوتا ہے تو اگرچہ وہ کسب نہ کرے مگر اس رزق کے اسباب ظاہر اور مہیا ہو ہی جاتے ہیں جیسے وہ بچّہ جو اپنی ماں کے پیٹ میں کسب سے عاجز ہے لیکن اللہ تعالیٰ اسے اس کا رزق ناف کی راہ سے پہنچاتا ہے۔ جب بچّہ پیٹ سے نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ ماں کی چھاتیوں سے رزق پہنچاتا ہے اور جب کھانا کھا سکتا ہے تو وقت پر دانت پیدا فرما دیتا

ہے اور اگر ماں باپ مرجاتے ہیں اور بچہ یتیم ہو جاتا ہے تو جس طرح ماں پر شفقت کو مسلط کر دیا تھا کہ اس کی خوب دیکھ بھال کرتی تھی اسی طرح دوسروں پر شفقت کو مسلط کر دیتا ہے حتیٰ کہ یتیم پر مہربانی کرنا مخلوق کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے پہلے تو ایک ہی مادرِ مشفقہ تھی دوسروں نے بچہ کی تربیت اسی پر چھوڑ دی تھی جب ماں دُنیا سے رخصت ہو گئی تو ہزاروں آدمیوں کو شفقت کے لیے کھڑا کر دیا جب وہ لڑکا بڑا ہوا تو اسے کسب و تجارت کی قدرت مرحمت فرمائی اور اس کی خواہش اس پر مسلط کر دی تاکہ جو شفقت اس پر تعینات کر دی گئی ہے اس کے سبب سے وہ اسی طرح اب غم خواری سے کام لے جس طرح مادرِ مشفقہ اپنی شفقت سے اس کی غم خواری کرتی تھی اگر کسب کی اس خواہش کو اللہ تعالیٰ اس سے واپس لے لیتے ہیں تاکہ اپنے کسب سے یتیم ہو کر زہد و تقویٰ کی طرف متوجہ ہو تو تمام مخلوق کے قلوب اس کے معاملہ میں شفقت و مہربانی سے بھر دیتے ہیں حتیٰ کہ سب لوگ کہنے لگتے ہیں کہ فلاں صاحب اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہیں جو چیز بہتر اور بہت خوب ہو وہ اسے دینی چاہیے پہلے تو یہ اکیلا ہی اپنے اوپر شفقت کرتا تھا اب تمام مخلوق اس پر یتیم کی طرح شفقت کرنے لگتی ہے لیکن اگر وہ کسب کر سکتا ہے اور سستی اور بے ہودہ پن میں مشغول ہوتا ہے تو شفقت کی یہ حالت لوگوں کے دلوں میں پیدا نہیں ہوتی۔ ایسے آدمی کے حق میں توکل اور کسب کا ترک درست نہیں اس لیے کہ جب وہ اپنے نفس کی طرف مشغول ہے تو اسے اپنی غم خواری بھی کرنی چاہیے پس آدمی اگر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اپنے سے یتیم ہو جاتا ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ مخلوق کے دلوں کو اس پر مشفق و مہربان کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی کسی نے کوئی متقی ایسا نہیں دیکھا جو بھوک کی وجہ سے مرگیا ہو پس جو کوئی اس بات میں غور کرے کہ اللہ تعالیٰ نے ملک و ملکوت کے معاملات میں کیسی تدبیر فرمائی اور کیسا خوب انتظام کیا تو ضرور بالضرور اس آیت کا مضمون اس کے مشاہدہ میں آ جائے گا ﴿ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ﴾ اور وہ سمجھ لے گا کہ اللہ تعالیٰ نے مملکت کا ایسا اچھا انتظام کیا ہے تاکہ کوئی تباہ اور برباد حال نہ ہو مگر نادار لوگ ہوتے ہیں اور یہ بھی اس سبب سے ہوتا ہے کہ اس کی بہتری اسی میں ہوتی ہے اس سبب سے نہیں کہ وہ کسب سے دستبردار ہو گیا ہے اس لیے کہ جس نے بہت سا مال کمایا اس کا بھی تباہ اور خراب رہنا نادر ہے۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے چونکہ یہ حال مشاہدے سے دیکھا تو فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ بصرے کے سب لوگ میرے عیال ہوں اور ایک دانہ گندم ایک دینار کا ہو جائے۔ حضرت وہب ابن الورد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ اگر آسمان لوہے اور زمین کانسی کی ہو جائے اور میں اپنے دِل میں اپنی روزی کا رنج محسوس کروں تو ڈرتا ہوں کہ مشرک ہو جاؤں اور اللہ تعالیٰ نے رزق کو آسمان کے حوالہ کیا ہے تاکہ لوگ جان لیں کہ کسی کی اس پر دسترس نہیں۔ لوگوں کی ایک جماعت حضرت جنید قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ ہم اپنی روزی ڈھونڈیں؟ فرمایا اگر تمھیں معلوم ہے کہ کہاں ہے تو تلاش کرو کہنے لگے کہ اللہ سے مانگیں فرمایا اگر تمہارا خیال ہے کہ وہ تمھیں بھول گیا ہے تو اسے یاد دلاؤ کہنے لگے کہ توکل کریں اور دیکھیں کہ کیا ہوتا ہے تو فرمایا کہ آزمائش کے طور پر توکل کرنا شک ہے کہنے لگے پھر کیا تدبیر ہے۔ فرمایا تدبیر سے دستبردار ہونا۔ پس در حقیقت رزق کے معاملہ میں رازقِ مطلق کی ضمانت کافی ہے جسے رزق چاہیے وہ اسی کی طرف متوجہ ہو۔ دوسرا مقام توکل میں ذخیرہ جمع کرنے کا ہے۔ عزیزم تم جانو کہ جو شخص سال بھر کا خرچ جمع کرتا ہے وہ درجۂ توکل سے گر جاتا ہے اس لیے کہ اُس نے مخفی اسباب کو چھوڑ کر علانیہ اسباب پر بھروسہ کیا کیونکہ سال کا دور تو

جاری رہتا ہے پورا توکل وہ ہے جو وقت پر بقدرِ ضرور کھانے پر اور بقدر ضرور لباس پر اکتفا کرے ہاں چالیس دن کے ذخیرہ سے بقول حضرت ابراہیم خواص قدس سرہٗ توکل باطل نہیں ہوتا زیادہ سے توکل کا قصہ ختم ہو جاتا ہے اور بقول حضرت ابراہیم تستری قدس سرہٗ کسی قدر ذخیرہ ہو وہ توکل کو ضائع کر دیتا ہے۔ حضرت ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ چالیس دن سے زیادہ کے واسطے ذخیرہ سے توکل اس شکل میں ضائع نہیں ہو گا کہ آدمی ذخیرہ پر بھروسہ نہ کرے حسین مغازنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت بشر حافی قدس سرہٗ کے مرید تھے انھوں نے کہا کہ ایک دن ایک ادھیڑ عمر شخص حضرت کی خدمت میں آیا آپ نے مٹھی بھر چاندی لے کر مجھے دی اور فرمایا کہ بہت اچھا اور خوش مزہ کھانا لے کر آؤ حالانکہ میں نے ایسا کبھی پہلے نہیں دیکھا تھا میں کھانا لایا تو انھوں نے اس نووارد کے ساتھ مل کر کھایا حالانکہ میں نے کبھی کسی کے ساتھ کھانے میں ان کی شرکت نہیں دیکھی تھی جب وہ کھا چکے تو اس میں سے بہت سا کھانا بچ گیا اور وہ نووارد لے کر چلا گیا مجھے تعجب ہوا کہ اُس نے اجازت کے بغیر ایسا کیا حضرت نے فرمایا تمھیں تعجب ہوا ہے۔ میں نے کہا جی ہاں۔ فرمایا وہ حضرت فتح موصلی شہر موصل سے میری ملاقات کی غرض سے تشریف لائے اور کھانا اس لیے لے گئے کہ مجھے تعلیم دے سکیں کہ جب توکل پورا اور درست ہو تو ذخیرہ قابل نقصان نہیں پس حقیقت یہ ہے کہ تھوڑی دیر توکل کی اصل ہے اس کا حکم یہ ہے کہ اپنے واسطے ذخیرہ نہ کرے پس اگر ذخیرہ کرے اور اپنے ہاتھ میں مال کو یوں سمجھے جیسا اللہ کے خزانے میں ہے اور اس پر بھروسہ نہ کرے تو توکل ضائع نہیں ہوتا یہ تقریر مجرد مرد کے لیے ہے اہل و عیال ہوں تو سال بھر کا خرچ رکھنے سے بھی توکل ضائع نہیں ہوتا زیادہ سے البتہ ضائع ہو جاتا ہے جناب نبی کریم علیہ السلام اپنے اہل و عیال کی تقویت قلب کے لیے سال بھر کا خرچ محفوظ فرما دیتے تھے اور اپنے لیے صبح شام کی بھی پرواہ نہ کرتے حالانکہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکھ لیتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا توکل متاثر نہ ہوتا اس لیے کہ اس مال کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یا کسی دوسرے کے ہاتھ میں ہونا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک یکساں تھا مگر مخلوق کو اس کے کمزور ترین درجہ کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم دی۔ حدیث شریف میں ہے کہ اصحابِ صفہ میں سے ایک صحابی کا انتقال ہوا تو ان کے کپڑوں میں سے دو دینار ملے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ دو داغ ہوں گے اس میں دو احتمال ہیں ایک تو اُس نے بظاہر اپنے آپ کو مجرد ظاہر کیا اب سزا کے طور پر دو داغ ہوں گے دوسرا یہ کہ اس کے ذخیرہ کرنے سے اس کے درجات میں دو درجہ کی آگئی ہو جس طرح چہرے پر دو داغ ہوں تو جمال و خوبصورتی میں نقصان ہوتا ہے ایسے ہی اس کے درجات میں نقصان ہو گا۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے درویش کے حق میں فرمایا جب اس کا انتقال ہوا تو صبح قیامت میں اس کا چہرہ چودھویں کے چاند کے جیسا ہو گا اور اگر اس میں ایک خصلت نہ ہوتی تو آفتاب کی مانند ہوتا وہ خصلت یہ تھی کہ ایک گرم جوڑا دوسرے موسم سرما تک اور ایک گرمی کا جوڑا دوسرے موسم گرما تک سنبھال کے رکھتا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یقین و صبر سب چیزوں سے کم تمھیں ملے ہیں یعنی کپڑا رکھ چھوڑنا یقین کی کمی کے باعث ہوتا ہے اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ دستر خوان گھڑا' لوٹا' کٹورا اور جو چیزیں ہمیشہ کام آتی ہیں انھیں رکھنا درست ہے اس واسطے کہ اللہ کی سنت اور طریقہ ایسے ہی جاری ہے کہ روئی کپڑا ہر سال اور ہی وجہ سے پیدا ہوتا ہے مگر برتن وغیرہ ہر گھڑی میں پیدا نہیں ہوتے اور اللہ کی عادت کے خلاف کرنا درست نہیں لیکن گرمی کے کپڑے جاڑوں میں چونکہ کام نہیں آتے اس لیے ان کا رکھ چھوڑنا ضعف یقین کے سبب ہے۔

فصل: اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ ذخیرہ نہ کرنے سے اس کا دِل مضطرب ہو گا اور مخلوق سے لالچ وابستہ رکھے گا تو ایسے آدمی کو ذخیرہ کرنا بہتر ہے بلکہ اگر ایسا ہو کہ اس کا دِل مطمئن نہ رہے اور ذکر و فکر میں مشغول نہ ہو سکے مگر بقدرِ کفایت زمین رکھنے سے مطمئن اور مشغول ہو تو اس کے حق میں یہی اولیٰ ہے کہ بقدرِ کفایت زمین رکھ لے اس لیے کہ ان سب باتوں سے دِل ہی تو مقصود ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ڈوبا رہے اور بعض دِل ایسے ہوتے ہیں کہ مال کا ہونا ان کے حق میں یادِ الٰہی سے رکاوٹ بنتا ہے اور انھیں املاک میں تسکین حاصل ہوتی ہے ایسا دِل بہت شریف ہوتا ہے اور بعض دِل ایسے ہوتے ہیں کہ کفایت کی مقدار کے بغیر انھیں تسکین نہیں ہوتی ایسے شخص کو زمین رکھنا اولیٰ ہے اگر تجمّل اور شان و شوکت کے بغیر تسکین نہ ہو تو ایسا دِل دیندار نہیں اس کا کچھ حساب نہیں۔

تیسرا مقام ان اسباب کا بیان ہے جن سے ضرر رفع ہو عزیزم جو سبب یقینی یا اکثر ہوتا ہے اس سے احتراز کرنا توکل کی شرط نہیں بلکہ متوکل اگر دروازہ بند کر کے قفل لگا دے تاکہ چور مال نہ لے جائے تو توکل باطل نہیں ہو گا اور ہتھیار سنبھال کر دشمن سے بچے تو بھی توکل باطل نہیں ہو گا اگر لباس پہنے تاکہ سردی معلوم نہ ہو تو بھی توکل باطل نہیں ہو گا لیکن اگر مثلاً سیر ہو کر کھانا کھائے تاکہ اندرونی حرارت غالب رہے اور سردی معلوم نہ ہو تو ایسے باریک اسباب توکل کو توڑ دیتے ہیں جیسے داغ اور منتر مگر جو چیز ظاہری اسباب میں سے ہو اس سے دستبردار ہونا توکل کی شرط نہیں۔ حضور علیہ السلام کی خدمت میں ایک اَعرابی حاضر ہوا۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو نے اپنے اونٹ کا کیا کیا اُس نے کہا میں نے اسے چھوڑ دیا اور اللہ پر بھروسہ کیا۔ فرمایا اسے باندھ کر توکل کر لیکن اگر انسان سے کوئی رنج اور تکلیف پہنچے اس کا متحمل ہونا اور اسے دفع نہ کرنا منجملہ توکل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَدَعْ اَذٰاهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ﴾ (ان کی تکلیف کو چھوڑ اور اللہ پر بھروسہ کر) اور ارشاد ہوا ﴿ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴾ (ہم نے ہر اس تکلیف پر صبر کیا جو تم نے ہمیں دی اور اللہ ہی پر توکل کرنے والوں کو توکل کرنا چاہیے) لیکن اگر سانپ بچھو اور درندوں سے رنج پہنچے تو صبر کے بجائے اسے دفع کرنا ضروری ہے پس جس نے دشمن سے بچنے کی خاطر ہتھیار سنبھالا وہ بایں طور متوکل ہے کہ اپنے قوتِ بازو اور ہتھیار پر بھروسہ نہ کرے اور جب گھر کے دروازے پر قفل چڑھا دیا تو قفل پر بھروسہ نہ کرے اس لیے کہ بہتیرے قفل ہیں جو چور کو دفع نہیں کرتے۔

متوکل کی علامت یہ ہے کہ گھر میں جائے اور چور مال لے گیا ہو تو اللہ کی قضا پر راضی رہے رنجیدہ نہ ہو بلکہ جب گھر سے باہر جانے لگے تو زُبانِ حال سے کہے کہ اے اللہ میں اس واسطے قفل نہیں لگاتا کہ تیری مشیت اور قضا کو دفع کروں بلکہ قفل تیری عادت کے موافق لگاتا ہوں اگر اس مال پر تو کسی کو مسلط کر دے گا تو میں تیرے حکم پر راضی ہوں اس لیے کہ مجھے معلوم نہیں کہ تو نے یہ مال کسی اور کی روزی کی خاطر پیدا کر کے عاریتاً مجھے دے دیا ہے یا میری ہی خاطر پیدا کیا ہے۔ پس اگر گھر کا دروازہ بند کر جائے اور پھر آ کر مال کو گھر میں نہ دیکھے اور رنجیدہ ہو تو اس کا نتیجہ یہی ہے کہ جان لے کہ میرا توکل درست نہیں توکل کا جو خیال آیا تھا یہ نفس کا دھوکہ تھا ہاں چپ رہے اور گلہ نہ کرے تو اس نے صبر کا درجہ پایا اور شکایت کرنے پر مستعدی دکھائے گا اور چور کی تلاش میں نکلے گا تو صبر کا مرتبہ کھو لے گا ایسے شخص کو جان لینا چاہیے کہ میں صابر ہوں نہ متوکل تاکہ وہ صبر و توکل کا دعویٰ چھوڑ دے اسے چوری سے یہی فائدہ ہوا۔

سوال اگر کوئی کہے کہ اگر وہ مال کا محتاج نہ ہوتا تو دروازہ بند نہ کرتا اور مال کی حفاظت نہ کرتا جب اس نے اپنی حاجت کے واسطے مال کی حفاظت کی اور چور چُرا لے گئے تو کیسے ممکن ہے کہ رنجیدہ نہ ہو جواب یہ ہے کہ اس طرح ممکن ہے کہ جب تک وہ مال اللہ نے اسے دیا تھا تو وہ خیال کرتا تھا کہ میری بھلائی اسی میں ہے کہ یہ میرے پاس رہے اور اس بھلائی کی علامت یہ ہے کہ اللہ نے وہ مال اسے دیا تھا اب اس کی بھلائی اسی میں ہے کہ اس کے پاس نہ رہے اور اس کی علامت یہ ہے کہ اللہ نے اس سے لے لیا۔ پس دونوں حالتوں میں اپنی بھلائی کی وجہ سے خوش رہے اور اس بات پر ایمان لائے کہ اللہ تعالیٰ اس کے حق میں وہی کرتے ہیں جس میں اس کی بھلائی ہے وہ اپنی بھلائی نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں اس کی مثال اس بیمار کی سی ہے جس کا باپ مشفق طبیب ہو اگر اس بیمار کو گوشت کھلاتا ہے تو بھی وہ بیمار خوش ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ اس میں میری تندرستی کے آثار نہ ہوتے تو یہ کھانے کو نہ دیتا اور اگر گوشت اس کے ہاتھ سے چھین لیتا ہے تو بھی وہ بیمار خوش ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر یہ میرے حق میں مضر نہ ہوتا تو یہ نہ چھینتا۔ آدمیؑ کا جب تک اس طرح کا ایمان نہ ہو گا اس وقت تک توکل کا دعویٰ بے جا اور بے اصل ہے۔

متوکل کے آداب

عزیزم متوکل کو چاہیے کہ جب مال چوری ہو جائے تو چھ آداب کا لحاظ کرے۔ پہلا یہ کہ دروازہ بند کرنے میں بہت مبالغہ اور اصرار نہ کرے اور بہت سی زنجیریں اور قفل نہ لگائے اور پڑوسیوں سے زیادہ رازداری سے کام نہ لے بلکہ سہولت کرے۔ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ گھر کے دروازے پر تاگا باندھتے اور فرماتے کہ اگر کتے کا امکان نہ ہوتا تو یہ بھی نہ باندھتا۔ دوسرا ادب یہ ہے کہ جس مال کے متعلق یقیناً معلوم ہے کہ اسے چور لے جائے گا اسے گھر میں نہ رکھے۔ اس لیے کہ ایسا مال چور کی رغبت گناہ کا سبب ہو گا۔ مغیرہ نے حضرت مالک دینار قدس سرہٗ کو زکوٰۃ کا مال بھیجا انھوں نے تھوڑی دیر کے بعد وہ مال لوٹا دیا کہ اپنا مال لے لو کیونکہ شیطان میرے دِل میں وساوس پیدا کرتا ہے کہ چور لے جائے گا۔ انھوں نے یہ نہ چاہا کہ میرے دِل میں وساوس ہوں اور چور گناہ میں مبتلا ہو۔ حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ حال سنا تو فرمایا کہ یہ صوفیا کی بزدلی ہے۔ مالک بن دینار دُنیا کے باب میں زاہد ہیں انھیں اس سے کیا غرض کہ چور لے جائے گا یہ باطل خیال ہے۔ تیسرا ادب یہ ہے کہ جب باہر نکلے تو نیت کرے کہ اگر میرا مال چور لے جائے تو اسے مبارک ہو مال اس کے لیے مباح ہے کیونکہ ممکن ہے کہ چور محتاج ہو اور اس کا کام اس طرح بن جائے۔ اور اگر تونگر ہو تو شاید اس مال کے بعد کسی دوسرے مسلمان بھائی کا مال چوری نہ کرے اور اس شخص کا مال دوسرے مسلمان پر صدقہ ہو جائے یہ بات چور اور دوسرے مسلمان بھائیوں سب کے حق میں مہربانی کا باعث ہے۔ اسے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اس نیت کے سبب اللہ کی حیثیت بدل نہیں جاتی چور چرا لے جائے یا نہ اسے صدقہ کا ثواب ملے گا۔ جس کی قدر ایک درم کے مقابلے میں سات سو درم کی ہو گی۔ اس لیے کہ وہ اپنی نیت کر چکا۔ حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنی بیوی سے صحبت کرنے میں عزل نہ کرے تو فرزند پیدا ہو یا نہ ہو اس کے حق میں ایک ایسے غلام کا ثواب لکھا جاتا ہے جو راہِ خدا میں جنگ کرے حتیٰ کہ کفار اسے شہید کر دیں یہ ثواب اس لیے ہے کہ جو کام اس کے ذمہ تھا اُس نے کر دیا اگر فرزند ہوتا تو اس کا پیدا کرنا،

زندہ رکھنا اس کے اختیار میں نہ تھا اس کا ثواب و عذاب اس کے افعال پر ہوتا۔

چوتھا ادب یہ ہے کہ مال کی چوری سے رنجیدہ نہ ہو اور جانے کہ میری بہتری اس میں تھی کہ چور لے جائیں اور اگر کہہ چکا کہ میں نے یہ مال فی سبیل اللہ کر دیا تو اسے تلاش نہ کرے وہ اگر از خود واپس کریں تو واپس نہ لے اور اگر لے لے گا تو اسی کا مال ہو گا کیونکہ محض نیت سے مال مِلک سے نہیں نکل جاتا۔ لیکن واپس لینا توکل کے اعتبار سے اچھی بات نہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اونٹ چور چرا کر لے گئے۔ آپ نے اسے ڈھونڈنا شروع کیا حتیٰ کہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئے تو فرمایا فی سبیل اللہ اور مسجد میں آ کر نماز پڑھنے لگے ایک شخص نے بتایا کہ اونٹ فلاں جگہ ہے آپ نے ڈھونڈنے کے واسطے جوتے میں پاؤں ڈالا اور استغفر اللہ کہہ کر بیٹھ گئے اور کہنے لگے کہ میں نے فی سبیل اللہ کہا تھا اب اس کے قریب بھی نہیں جاؤں گا۔ ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں ایک مسلمان بھائی کو جنت میں غمگین دیکھا۔ پوچھا کہ کیا بات ہے کہنے لگا کہ قیامت تک یہ غم میرے ساتھ رہے گا اس لیے کہ علیین میں ایسے بلند مقامات مجھے دکھائے گئے کہ تمام جنت میں ویسے نہ تھے میں نے خوش ہو کر ان کا قصد کیا تو آواز آئی کہ اسے نکال دو کیونکہ یہ مقامات ان کا حق ہیں جنھوں نے سبیل جاری رکھی میں نے اس کا مطلب پوچھا تو جواب ملا کہ تو نے کہا تھا فلاں چیز فی سبیل اللہ ہے پھر اس کا نباہ نہ کیا اگر تو نے اپنا قول پورا کیا ہوتا تو یہ مقامات تجھے مل جاتے۔ ایک شخص مکہ معظمہ میں سو کر اُٹھا تو روپوں کی بھری ہوئی ہمیانی کھو چکی تھی ایک عابد بزرگ وہاں تھے ان پر تہمت لگائی۔ عابد نے مالک کو بلا کر پوچھا کہ اس میں کتنا روپیہ تھا؟ اُس نے جتنی مقدار بتائی اسی قدر گھر لے جا کر اسے دے دیا جب روپیہ لے کر آیا تو معلوم ہوا کہ کسی دوست نے دِل لگی سے ہمیانی اُٹھالی تھی۔ اب وہ عابد کے پاس گیا کہ روپیہ واپس لے لے لیکن وہ کسی طرح نہ مانا کہ میں نے اپنی نیت میں اسے فی سبیل اللہ کر دیا ہے آخر اس عابد نے کہا کہ یہ روپیہ فقراء میں بانٹ دو اور وہ روپیہ فقراء میں بٹ گیا۔ اس طرح کوئی شخص اگر روٹی لے کر فقیر کو دینے گیا اور فقیر چل دیا تو بزرگانِ سلف رحمۃ اللہ علیہم کہتے ہیں کہ روٹی لے کر واپس جانا مکروہ ہے۔ وہ روٹی کسی دوسرے فقیر کو دے دینی چاہیے۔

پانچواں ادب یہ ہے کہ ظالم چور کے واسطے بددُعا نہ کرے کیونکہ اس سے توکل کا نقصان ہوتا ہے اور زہد کا بھی۔ اس لیے کہ گزشتہ پر تاسف کرنے والا زاہد نہیں۔ حضرت ربیع بن خیثم قدس سرہٗ کا کئی ہزار کا قیمتی گھوڑا چور لے گئے۔ حضرت ربیع کہتے ہیں کہ میں نے لے جاتے ہوئے دیکھا۔ لوگوں نے کہا کہ آپ نے پھرکیوں لے جانے دیا۔ فرمانے لگے میں نماز میں تھا اور وہ گھوڑے سے زیادہ قیمتی ہے۔ لوگ چور کے لیے بددُعا کرنے لگے تو آپ نے منع کیا اور فرمایا کہ میں نے اس کے واسطے مباح کر دیا اور صدقہ کر دیا۔ ایک بزرگ سے لوگوں نے کہا کہ اپنے ظالم کے لیے بددُعا کریں۔ فرمایا اس نے اپنے اوپر ظلم کیا مجھ پر نہیں اس کے لیے اتنا ہی شر کافی ہے۔ میں اس سے زیادہ شر کا بار اس پر نہیں ڈالتا۔ حدیث میں ہے کہ بندہ اپنے ظالم کے واسطے بددُعا کرتا ہے اور برا کہتا ہے حتیٰ کے اپنے حق کا پورا قصاص لے لیتا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ ظالم کا حق اس پر کچھ اُلٹا باقی رہ جاتا ہے۔

چھٹا ادب یہ ہے کہ چور کے لیے ازراہِ مہربانی رنجیدہ ہونا چاہیے کہ اس بے چارے سے گناہ سرزد ہو گیا اور وہ اس کے عذاب میں گرفتار ہو گیا۔ اور شکر کرے کہ میں مظلوم ہوں ظالم نہیں اور نقصان مال کا ہوا ہے دین کا نہیں۔ اس لیے

کہ اگر کسی شخص کا دل ایسے آدمی کے واسطے رنجیدہ نہ ہو جو گناہ کو حلال سمجھے تو وہ شخص گویا مخلوق کی نصیحت اور شفقت سے دستبردار ہو گیا۔ حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے علی قدس سرہٗ کو دیکھا کہ اُن کا مال چور چرا کر لے گئے اور وہ رو رہے ہیں۔ پوچھا کہ مال کے لیے روتے ہو۔ عرض کیا نہیں میں اس غریب مسکین کے حال پر روتا ہوں جس نے ایسا برا کام کیا اور قیامت میں اس کے پاس کوئی عذر نہیں ہو گا۔

چوتھا مقام بیماری کے علاج اور اس سے جو ضرر حاصل ہو اس کے دفع کرنے کے بیان پر ہے۔ عزیزم علاج کے تین درجے ہیں ایک یقین جیسے روٹی سے بھوک کا علاج اور پانی سے پیاس کا اور کہیں آگ لگ جائے تو پانی ڈالنے سے علاج۔ ایسے علاجوں سے دست بردار ہونا منجملہ توکل نہیں بلکہ حرام ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ علاج یقینی ہو نہ ظنی مگر احتمال ہے کہ اثر کرے جیسے منتر داغ خالی اس علاج سے دستبردار ہونا توکل ہے جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ایسی چیزیں کرنا اسباب میں مبالغہ کرنے اور ان چیزوں پر بھروسہ کرنے کی علامت ہے اور ان میں سب سے بڑھ کر داغ ہے پھر منتر اور سب سے کمتر فال کہ اسے طیرہ کہتے ہیں۔ تیسرا درجہ ان دونوں کے درمیان ہے یعنی یقینی ہو مگر ظن غالب ہو جیسے فصد کھلوانا' پچھنے لگوانا' مسہل پینا اور سردی سے گرمی اور گرمی سے سردی کا علاج کرنا نہ ان سے دستبردار ہونا حرام ہے نہ یہ شرطِ توکل ہیں بلکہ بعض اوقات ان کا انکار کرنا نہ کرنے سے اَولیٰ تر ہے اور بعض اوقات اس کے برعکس۔ ان کا ترک شرطِ توکل نہیں اس پر دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے یہ قول و فعل ہیں قول یوں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ کے بندو دوا کا استعمال کرو اور فرمایا کوئی بیماری ایسی نہیں جس کی دوا نہ ہو اِلاّ موت کے۔ لیکن کبھی لوگ جانتے ہیں کبھی نہیں لوگوں نے عرض کیا کہ دوا اور منتر تقدیرِ الٰہی کو لوٹا دیتے ہیں فرمایا یہ بھی تقدیرِ الٰہی ہیں اور فرمایا کہ میں ملائکہ کی جس قوم کی طرف گزرا اُس نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمت کو پچھنے لگوانے کا حکم کریں اور فرمایا کہ ۱۷ویں' ۱۹ویں' ۲۱ویں تاریخ کو پچھنے لگواؤ تاکہ ایسا نہ ہو خون کا غلبہ تمھیں ہلاک کر دے اور فرمایا اللہ کے حکم سے خون ہلاکت کا سبب ہے اور بدن سے خون نکلوانے اور کپڑوں سے سانپ نکالنے یا گھر میں آگ ہو تو اسے بجھانے میں کچھ فرق نہیں اس لیے کہ یہ سب موجب ہلاکت ہیں اور ان کا ترک شرطِ توکل نہیں اور فرمایا کہ منگل کے دن ۱۷ویں تاریخ کو پچھنے لگوانا سال بھر کی بیماری کو دور کر دیتا ہے۔ حدیث منقطع یہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو فصد کھلوانے کا حکم دیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی آنکھ میں درد تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ نہ کھانا یعنی تر چیزیں اور یہ کھانا یعنی ورقِ چقندر کشک جو کے ساتھ (گندم اور جو کے آٹے نیز بکری کے دودھ سے تیار ہونے والا کھانا) اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے حضور علیہ السلام نے فرمایا تمھاری آنکھ دکھتی ہے اور تم کھجوریں کھاتے ہو۔ انھوں نے مزاحاً عرض کیا جدھر کی آنکھ دکھتی ہے اُدھر کے کلے سے نہیں کھاتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر رات آنکھ میں سرمہ لگاتے۔ ہر مہینہ پچھنے لگواتے ہر سال میں دوا استعمال فرماتے اور جب وحی نازل ہوتی تو سر مبارک میں درد ہونے لگتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مہندی لگاتے اور جب جسم مبارک میں کہیں زخم ہو جاتا تو وہاں مہندی رکھ لیتے اور اکثر زخم پر مٹی ڈال لیتے۔ طب النبی ایک کتاب علماء نے جمع کی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک بیماری ہوئی بنی اسرائیل نے کہا کہ فلاں چیز اس کی دوا ہے فرمایا میں علاج نہیں کروں گا شافی مطلق خود صحت دے گا وہ بیماری بڑھی لوگوں نے کہا کہ اس کی دوا مشہور اور مجرب ہے

اس کے استعمال سے فوری صحت ہو جاتی ہے۔ فرمایا مجھے منظور نہیں حتیٰ کہ بیماری باقی رہی اور وحی آئی کہ اے موسیٰ مجھے اپنی عزت کی قسم جب تک تو دوا نہ کھائے گا میں تجھے صحت نہیں دوں گا۔ آپ علیہ السلام نے دوا کھائی اور صحت پائی۔ آپ علیہ السلام کے دل میں خطرہ محسوس ہوا تو وحی آئی کہ اے موسیٰ تمھارا کیا خیال تھا تم اپنے توکل سے میری حکمت کو باطل کرنا چاہتے تھے دواؤں میں میرے سوا کس نے اثر رکھا ہے؟ ایک نبی نے اپنے ضعف کی شکایت کی اس پر وحی آئی کی گوشت اور دودھ استعمال کرو ایک قوم نے اپنے زمانے کے رسول سے اپنی اولاد کے بدصورت ہونے کی شکایت کی وحی آئی کہ ان کی عورتوں سے کہہ دو کہ ایام حمل یں "بہی" استعمال کریں تو ان کی اولاد خوبصورت ہو ان کی عورتیں ایام حمل میں "بہی" اور ایام نفاس میں کھجور کھانے لگیں۔ ان سب روایات سے معلوم ہوا کہ جس طرح کھانا پینا سیری کا سبب ہیں اسی طرح دوا شفا کا موجب ہے اور ہوتا سب کچھ مسبب الاسباب کی تدبیر سے ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یا اللہ بیماری سے کیسے شفا ہوتی ہے اور شفا کا سبب کیا ہے؟ ارشاد ہوا دونوں میرے حکم سے! عرض کیا پھر طبیب کا کیا کام ہے؟ ارشاد ہوا تاکہ علاج کے ذریعہ روزی حاصل کریں اور میرے بندوں کو خوش دل رکھیں۔ پس علاج کے باب میں بھی توکل علم اور حال سے ہے تاکہ آدمی دوا پیدا کرنے والے پر بھروسہ رکھے دوا پر نہیں اس لیے کہ بہت سے لوگوں نے دوا کھائی اور ہلاک ہو گئے۔

فصل: عزیزم دفع مرض کر لیے داغ دینا بھی بعض لوگوں کی عادت ہے لیکن یہ فعل درجہ توکل سے آدمی کو گرا دیتا ہے بلکہ اس فعل کی خود ممانعت آئی ہے اور منتر کی ممانعت نہیں۔ اس لیے کہ آگ سے جلانے میں زخم خطرناک ہوتا ہے اور اس کے سرایت کرنے میں ڈر ہے یہ فصد اور پچھنے کی مانند نہیں اس کا نفع بھی فصد اور پچھنے کے نفع کی مانند ظاہر نہیں ہوتا اور دوسرا علاج بھی اس کے عوض ہو سکتا ہے۔ حضرت عمران ابن الحصین رضی اللہ عنہ کو کوئی بیماری ہوئی لوگوں نے داغ کا مشورہ دیا انھوں نے مشورہ نہ مانا لوگوں نے منت سماجت کی تو یہ مان گئے بعد میں فرماتے تھے کہ اس سے قبل میں ایک نور دیکھتا اور ایک آواز سنتا تھا اور فرشتے مجھے سلام کرتے تھے جب سے میں نے عمل کیا ہے وہ سب باتیں جاتی رہیں۔ پھر انھوں نے توبہ استغفار کی پھر مطرف بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مدت کے بعد اللہ تعالیٰ نے وہ کرامت مجھے عنایت فرمائی۔ یہ بات کہ بعض احوال میں دوا نہ کھانا اَولیٰ ہے اور رسول مقبول علیہ السلام کے فعل کے مخالف نہیں۔ عزیزم جان لو کہ اکثر بزرگوں نے علاج نہیں کیا۔ شاید کوئی اعتراض کرے کہ اگر علاج نہ کرنے میں کمال ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی دوا نہ کھاتے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تو سمجھ لے کہ دوا نہ کھانے کے چھ اسباب ہیں۔ پہلا سبب یہ ہے کہ وہ آدمی صاحب کشف ہو اور اسے معلوم ہو گیا ہو کہ موت کا وقت آگیا اسی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے جب کہا کہ طبیب بلانے پر کیا مضائقہ ہے تو فرمایا کہ طبیب مجھے دیکھ کر کہہ چکا ہے اِنِّیْ اَفْعَلُ مَا اُرِیْدُ (کہ میں جو چاہتا ہوں وہی کرتا ہوں)۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ بیمار خوفِ آخرت میں مشغول ہو اور اس کے دل میں علاج کا خیال ہی نہ آئے۔ جیسا کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے لوگوں نے بیماری کے عالم میں پوچھا کہ آپ نالاں کیوں ہیں؟ فرمایا گناہوں کے سبب لوگوں نے کہا کسی چیز کی خواہش؟ فرمایا اللہ کی رحمت کی! لوگوں نے کہا طبیب کو بلائیں فرمایا مجھے اسی نے تو بیمار کیا ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی آنکھ میں درد تھا لوگوں نے کہا کہ آپ علاج کیوں نہیں کرتے فرمایا کہ میں علاج سے بڑھ کر

ایک شغل میں ہوں اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کو بادشاہ کے پاس لیے جاتے ہوں تاکہ بادشاہ اس کی تہذیب کا اہتمام کرے اور کوئی شخص اس سے کہے کہ تو روٹی نہیں کھاتا؟ اور وہ جواب دے کہ بھوک کی کیا پروا ہے تو اس کا یہ کہنا روٹی کھانے والے پر طعن نہیں اور اس بات میں روٹی کھانے والے کی مخالفت نہیں اور یہ مستغرق آدمی ایسا ہوتا ہے جیسے حضرت سہل تسری قدس سرہٗ سے لوگوں نے پوچھا کہ قوت کیا ہے؟ فرمایا حَیٌّ و قَیُّوْمٌ کا ذکر۔ لوگوں نے کہا کہ ہمارا سوال غذا سے متعلق ہے۔ فرمایا غذا ذکر ہے لوگوں نے کہا بدن کے طعام کی بات ہے۔ فرمایا بدن سے دستبردار ہو کر اس کے بنانے والے کے سپرد کر دو۔ تیسرا سبب یہ ہے کہ وہ بیماری دیرپا ہو اور بیمار کے نزدیک اس کا علاج افسون کی مثل ہو یعنی اس کی منفعت نادر ہو جو شخص طب نہیں جانتا وہ اکثر دواؤں کو ایسا ہی سمجھتا ہے۔ حضرت ربیع بن خیشم قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ میں نے سوچا کہ اپنی بیماری کا علاج کروں پھر میں نے خیال کیا کہ عاد و ثمود وغیرہ جو لوگ گزرے ہیں ان میں بہتیرے طبیب تھے اس کے باوجود مر گئے اور انھیں طب سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔ ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ وہ طب کو اسباب ظاہر سے خیال نہیں کرتے تھے۔ چوتھا سبب یہ ہے کہ بیمار کی خواہش ہو کہ بیماری نہ جائے تاکہ اس کا ثواب حاصل ہو اور اپنے صبر کی آزمائش کرے اس لیے کہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو مصیبت سے اس طرح آزماتے ہیں جیسے سونے کو آگ سے پھر کوئی سونا خالص نکلتا ہے کوئی خراب! حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ دوسروں کو دوا کا حکم دیتے تھے اور خود علاج نہیں کرتے تھے اور فرماتے کہ بیماری پر راضی ہو کر بیٹھے بیٹھے نماز پڑھنا۔ تندرستی کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ پانچواں سبب یہ ہے کہ بیمار کے گناہ بہت ہوں اور اس کا خیال ہو کہ بیماری گناہوں کا کفارہ بن جائے۔ اس لیے کہ حدیث شریف میں ہے کہ بندے کو تپ ہوتا ہے تاکہ اسے گناہ سے پاک کر دے حتیٰ کہ اس پر کوئی گناہ باقی نہیں رہتا جس طرح اولے پر گرد نہیں ہوتی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص بدن کی بیماری اور مصیبت کی درماندگی میں گناہوں کے کفارہ کی امید پر خوش نہ رہے وہ عالم نہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک بیمار کو دیکھا تو جنابِ الٰہی میں عرض کیا کہ اے اللہ اس پر رحم فرما۔ ارشاد ہوا کیسے رحم کروں میں تو اس بیماری کے سبب اس پر رحم کر رہا ہوں۔ اس لیے کہ اس کے گناہوں کا کفارہ اور اس کے مدارج کی ترقی بیماری کی وجہ سے ہو رہی ہے۔ چھٹا سبب یہ ہے کہ بیمار کا خیال ہو کہ تندرستی غفلت' اترانے اور سرکشی کا سبب ہے اور وہ چاہے کہ بیماری باقی رہے تاکہ غفلت نہ آنے پائے اور اللہ تعالیٰ جس کی بھلائی چاہتے ہیں اسے بیماری کے سبب ہمیشہ متنبہ رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے بزرگوں نے کہا ہے کہ مسلمان تین چیزوں سے خالی نہیں رہتا محتاجی! بیماری' ذلت حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بیماری میری قید اور محتاجی میرا قید خانہ ہے اپنی قید اور قید خانے میں میں اسی کو رکھتا ہوں جسے دوست سمجھتا ہوں۔ پس چونکہ تندرستی گناہوں کی طرف کھینچتی ہے تو بیماری ہی میں خیریت ہے۔ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ و رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو مزے میں دیکھا تو پوچھا اس کا سبب؟ لوگوں نے کہا آج ان کی عید کا دن ہے فرمایا جس دن ہم گناہ نہ کریں وہی ہماری عید کا دن ہوتا ہے۔ ایک بزرگ نے کسی سے پوچھا کہ کیسے ہو؟ اس نے جواب دیا مَعَ الْخَیْرِ ہوں۔ فرمایا جس دن تم گناہ نہیں کرتے واقعی مع الخَیْرِ ہوتے ہو اور گناہ کرتے ہو تو اس سے زیادہ سخت کوئی بیماری نہیں۔ اسلاف سے منقول ہے کہ فرعون نے اس لیے خدائی دعویٰ کیا کہ چار سو برس جیا اور اسے سر درد تک نہ ہوا' نہ ہی بخار آیا اگر اسے ساعت بھر

آدھا سیسی سر کا درد ہوتا تو ہرگز ایسا باطل دعویٰ نہ کرتا۔ اسلاف سے منقول ہے کہ بندہ جب ایک دن بیمار ہوتا ہے اور توبہ نہیں کرتا تو حضرت عزرائیل علیہ السلام کہتے ہیں کہ او غافل کئی بار میں نے اپنا قاصد تیرے پاس بھیجا اور تجھے کچھ فائدہ نہ ہوا۔

بزرگوں نے کہا ہے کہ ایسا نہیں چاہیے کہ بندۂ مومن چالیس دن رنج' بیماری' خوف یا نقصان سے خالی رہے۔ جناب نبی کریم علیہ السلام نے ایک عورت کے ساتھ نکاح کرنا چاہا۔ لوگوں نے کہا یارسول اللہ وہ تو کبھی بیمار نہیں ہوئی لوگوں نے یہ بات تعریف کے انداز میں کہی لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس کی خواہش نہیں۔ ایک دن آپ صداع کا ذکر کر رہے تھے ایک اعرابی نے کہا صداع تو کیا چیز ہے مجھے کبھی کوئی بیماری نہیں ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے دور ہو جا جسے دُنیا میں جہنمی دیکھنا منظور ہو وہ اسے دیکھ لے۔ ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جناب سرور کائنات علیہ السلام سے پوچھا کہ یارسول اللہ کسی کو شہید کا درجہ بھی نصیب ہوتا ہے؟ فرمایا اس شخص کو جو دن بھر میں بیس بار موت کو یاد کرے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ میں ایسا ہی کرتا ہوں۔

یہ ہیں وہ اسباب جن کی وجہ سے کچھ لوگ علاج نہیں کرتے اور جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کے محتاج نہ تھے اس لیئے آپ علیہ السلام نے علاج فرمایا۔ الغرض ظاہری اسباب سے احتراز خلاف توکل نہیں۔ امیرالمؤمنین حضرت عمرفاروق رضی اللہ عنہ شام کے علاقہ میں جا رہے تھے آپ کو خبر ملی کہ وہاں طاعون کی شدت ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ ہم وہاں نہیں جائیں گے بعض نے کہا ہم قضا و قدر سے کیوں بھاگیں؟ آپ نے فرمایا ہم تقدیر الٰہی سے تقدیر الٰہی کی طرف بھاگیں گے اور فرمایا کہ اگر تم میں سے کسی کے پاس دو وادیاں ہوں ایک ہری بھری ایک خشک تو چرواہا بکریوں کو جس وادی میں لے جائے گا وہ تقدیر الٰہی ہی ہو گی۔ پھر آپ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بلایا کہ اس بارے میں ان کی کیا رائے ہے؟ انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تمھیں معلوم ہو جائے کہ فلاں جگہ وبا ہے تو وہاں نہ جاؤ اور جب تم ایسی جگہ ہو جہاں وبا ہو تو وہاں سے نہ بھاگو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ الحمدللہ میری رائے اس حدیث کے مطابق ہوئی اور صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اس پر متفق ہوئے مگر جہاں وبا ہو وہاں سے نکل جانے کی جو ممانعت ہے اس کا سبب یہ ہے کہ اگر تندرست لوگ نکل جائیں تو بیمار یونہی خراب و خستہ پڑے رہیں گے اور ہوا جب باطن میں اثر کر گئی تو باہر نکل جانا بے فائدہ ہے اور بعض احادیث میں ہے کہ وبا کی جگہ سے بھاگ جانا ایسا ہے جیسے کوئی کافر جہاد سے بھاگ جائے۔ اس مشابہت کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح جہاد سے بھاگنے میں بقیہ مجاہدین اور زخمیوں کا دِل ٹوٹ جاتا ہے اسی طرح یہاں بیماروں پر برا اثر پڑتا ہے اور بھاگ جانے کی صورت میں ایسا کوئی نہیں رہے گا کہ بیماروں کو کھانا پانی دے اور ان کی تیمارداری کرے تو وہ یقیناً ہلاک ہو جائیں گے اور بھاگنے والے کا بھاگ کے بچنا مشکوک و مشتبہ ہے۔

فصل: بیماری کا چھپانا توکل کی شرط ہے بلکہ اظہار اور شکوہ مکروہ ہے ہاں عذر ہو تو الگ بات ہے جیسے بیمار طبیب سے بیماری کا حال بیان کرے یا اپنی پریشانی کا اظہار کرے تاکہ رعونت اور تیزی و بدزماغی کا کانٹا نکل جائے۔ جیسا کہ امیرالمؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ بیمار تھے آپ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ اچھے ہیں خیریت سے ہیں تو فرمایا نہیں۔ لوگوں نے تعجب سے ایک دوسرے کو دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ کیا اللہ کے حضور بہادری اور تیزی کا مظاہرہ کروں۔ یہ بات

انہی کو زیبا تھی کہ قوت و بزرگی کے باوجود اپنی عاجزی ظاہر کرتے تھے۔ اسی سبب سے دُعا مانگی کہ اے اللہ میرے پروردگار مجھے صبر عطا فرما۔ اور جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے خیر و عافیت طلب کر مصیبت اور تکلیف نہ مانگ! پس جب کوئی عذر ہو تو بر سبیل شکایت بیماری کا اظہار حرام ہے اور شکایت کے طور پر نہ ہو تو درست ہے مگر اظہار سے باز رہنا زیادہ بہتر ہے اس لیے کہ ممکن ہے کہ کیفیت واقعہ سے زیادہ بیان ہو جائے اور لوگوں کو شکوے کا گمان ہو۔ علماء نے کہا ہے کہ بیماری میں واویلا اور نالہ و زاری نہ کرنا چاہیے کہ اس میں اظہار کی کیفیت ہے۔ ابلیس نے حضرت ایوب علیہ السلام سے نالہ و فریاد کے سوا اور کوئی بات نہ پائی۔ حضرت فضیل عیاض اور بشر حافی اور وہب بن الورد رحمۃ اللہ علیہم جب بیمار ہوتے تو گھر کا دروازہ بند کر لیتے تاکہ کسی کو بیماری کی اطلاع نہ ہو اور کہتے کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہم اس طرح بیمار ہوں کہ کوئی ہماری عیادت کو نہ آئے۔



فصل ۹ : مُحبّت اور شوق و رضا کا بیان

برادرم! اس بات کو معلوم کر لو کہ اللہ تعالیٰ کی مُحبت اعلیٰ ترین مقام ہے بلکہ سب مقامات حاصل کرنے سے یہی مقصود ہے کیونکہ ربع مہلکات ہیں اس لیے کہ جو چیز مُحبت الٰہی سے باز رکھنے کا سبب ہوتی ہے اس سے آدمی کا دِل پاک ہو اور تمام وہ چیزیں جو نجات کا باعث ہیں اور جنھیں ہم بیان کر چکے ہیں وہ بھی اسی کا مقدمہ ہیں جیسے توبہ' صبر' شکر' زہد' خوف و رجا وغیرہ اور اس کے بعد جو بیان کیا گیا ہے وہ اسی کا ثمرہ اور اسی کے تابع ہے جیسے شوق و رضا۔ الغرض بندے کا کمال اسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مُحبت اس کے دِل پر اس طرح غالب ہو جائے کہ اسے بالکل گھیر لے۔ اگر بالکل نہ گھیرے تو کم از کم دوسری چیزوں کی مُحبت کی نسبت غالب تر تو ہو۔ مُحبت الٰہی کی حقیقت کو پہچاننا ایسا مشکل ہے کہ متکلمین کے ایک گروہ نے انکار کر کے کہا ہے کہ جو کوئی اپنی جنس سے نہ ہو آدمی اسے دوست نہیں رکھ سکتا اور اللہ کی مُحبت محض اس کی فرمانبرداری ہی کا نام ہے جو یہ سمجھتا ہے وہ اصل دین کی خبر ہی نہیں رکھتا۔ اس کی شرح اور تفصیل بیان کرنا از حد ضروری ہے ہم پہلے مُحبت الٰہی کو ثابت کرنے والے شرعی دلائل بیان کریں گے پھر مُحبت کی حقیقت اور اس کے احکام کا بیان ہو گا۔

مُحبّت الٰہی کی فضیلت : سب مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مُحبت فرض ہے۔ ارشادِ باری ہے : ﴿ یُحِبُّھُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ ﴾ (اللہ تعالیٰ انھیں محبوب رکھتا ہے اور وہ اللہ کو)۔ اور جناب سرور انبیاء علیہ السلام فرماتے ہیں کہ بندہ جب تک اللہ اور اس کے رسول کو سب چیزوں سے زیادہ دوست نہ رکھے تب تک اس کا ایمان درست نہیں۔ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اے اللہ کے پیغمبر ایمان کس چیز کا نام ہے فرمایا ایمان یہ ہے کہ بندہ اللہ اور اس کے رسول کو باقی تمام چیزوں سے زیادہ دوست رکھے اور حضرت نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جب تک بندہ اللہ اور رسول کو اپنے اہل و عیال' زر و مال اور تمام مخلوق سے زیادہ دوست نہ رکھے تب تک وہ ایمان والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بھی تہدید آمیز لہجہ میں فرمایا ﴿ قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآءُکُمْ ﴾ (التوبہ) یعنی اگر باپ' بیٹا' مال' تجارت گھر اور جو کچھ تمھارے پاس ہے اسے اللہ اور رسول سے زیادہ دوست رکھو تو اللہ کے حکم کا انتظار کرو۔ ایک شخص نے حضرت نبی کریم علیہ السلام سے عرض کیا یا رسول اللہ میں آپ کو دوست رکھتا ہوں۔ فرمایا فقر کے لیے تیار رہو۔ اُس نے کہا میں اللہ کو بھی دوست رکھتا ہوں۔ فرمایا مصیبتوں اور آزمائشوں کے لیے تیار رہو۔ حدیث میں ہے کہ جب ملک الموت حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی روح قبض کرنے لگے تو جناب خلیل نے فرمایا کہ کبھی تم نے دیکھا ہے کہ دوست کی جان لے۔ وحی آئی کہ کبھی تم نے دیکھا ہے کہ دوست دوست کے دیدار سے کراہت و نفرت کرے۔ پس آپ نے فرمایا اے عزرائیل! اب جان نکال لو میں نے اجازت دے دی۔ جناب سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاؤں میں یہ دُعا بھی شامل ہے :

((اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ اَحَبَّکَ وَحُبَّ مَا یُقَرِّبُنِیْ اِلٰی حُبِّکَ وَاجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ .))

"اے اللہ مجھے اپنی مُحبت اور اپنے محبوں کی مُحبت اور اس چیز کی مُحبت جو مجھے تیری مُحبت سے قریب فرما دے اور

اپنی مُحبّت کو مجھ پر اس سے زیادہ غالب فرما جتنی پیاسے کو ٹھنڈے پانی کی مُحبّت ہوتی ہے"

ایک اعرابی حاضر ہو کر آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کرنے لگا۔ یارسول اللہ! قیامت کب ہو گی؟ فرمایا تم نے اس دن کے لیے کیا تیار کیا ہے؟ اُس نے کہا کہ میرے پاس نماز روزہ کا تو زیادہ ذخیرہ نہیں لیکن میں اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہوں۔ فرمایا قیامت میں تو اس کے ساتھ ہو گا جسے تو دوست رکھتا ہے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس نے اللہ کی خالص مُحبّت کا مزہ چکھ لیا وہ دُنیا سے باز رہا اور مخلوق سے متنفر ہو گیا اور حضرت حسن بصری قدس سرہٗ کہتے ہیں کہ جس نے اللہ کو پہچان لیا اُس نے اسے دوست رکھا اور جس نے دُنیا کو پہچان لیا وہ اسے دشمن سمجھے گا اور مسلمان جب تک غافل نہیں ہوتا تب تک خوش نہیں ہوتا اس لیے کہ جب اندیشہ و فکر کرے گا تو غمگین ہو گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک قوم کے پاس سے گزرے تو اسے ضعیف و نزار دیکھا۔ آپ نے پوچھا تمھیں کس آفت و مصیبت سے پالا پڑا۔ انھوں نے کہا کہ ہم اللہ کے عذاب کے ڈر سے گل گئے ہیں۔ فرمایا کہ اللہ پر تمھارا حق ہے کہ تمھیں عذاب سے بے خوف کر دے۔ ایک اور قوم کے پاس سے آپ گزرے ان کا حال پہلوں سے پتلا تھا اس سے جو پوچھا تو کہنے لگی کہ جنت کی آرزو نے یہ حال کر دیا۔ فرمایا اللہ پر تمھارا حق ہے کہ تمھاری آرزو پوری کرے۔ ایک اور قوم دیکھی جو اس سے زیادہ کمزور و ضعیف تھی لیکن ان کے چہرے چمکتے تھے۔ ان سے پوچھا تو کہنے لگے کہ مُحبّت الٰہی کا کرشمہ ہے۔ آپ ان کے پاس بیٹھ گئے اور فرمانے لگے کہ تم اللہ کے مقرب ہو' تمھاری معیت کا مجھے حکم ہے۔

حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ قیامت کی صبح ہر قوم کو اس کے نبی کی نسبت سے بلایا جائے گا۔ اے اُمت موسیٰ' اے اُمت عیسیٰ' اے اُمت محمد علیہم السلام (وغیرہ ذالک) لیکن جو اللہ کے دوست ہیں انھیں اولیاء اللہ کہہ کر پکارا جائے گا تو ان کے دِل خوشی سے بھر جائیں گے۔ سابقہ انبیاء علیہم السلام کی بعض کتب میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے اے بندے میں تجھے دوست رکھتا ہوں اس کی وجہ وہ حق ہے جو تیرا مجھ پر ہے کہ تُو مجھے دوست رکھتا تھا۔

مُحبّت الٰہی کی حقیقت :

عزیزم! جان لو کہ اللہ کی مُحبّت اتنی مشکل چیز ہے کہ ایک گروہ نے اس کا انکار کرتے ہوئے کہا کہ حق تعالیٰ سے مُحبّت ہو ہی نہیں سکتی۔ اگرچہ یہ نازک بات ہے اور ہر شخص نہیں سمجھ سکتا لیکن اس کی شرح اور تفصیل بیان کرنا ضروری ہے۔ مثالوں کے ذریعہ ہم اس کی تفصیل اس طرح صاف بیان کرتے ہیں کہ جو توجہ کرے گا اسے سمجھ لے گا۔

عزیزم! پہلے مُحبّت کی حقیقت کو پہچاننا چاہیے کہ وہ کیا ہے؟ جان لو کہ جو چیز اچھی معلوم ہو اس کی طرف طبیعت کی رغبت کو مُحبّت کہتے ہیں۔ اگر وہ رغبت قوی ہے تو اُسے عشق کہتے ہیں اور جو چیز بری لگے اُس سے طبیعت کی نفرت کو عداوت کہتے ہیں اور جہاں اچھائی اور برائی نہ ہو وہاں مُحبّت اور عداوت بھی نہیں ہوتی۔

عزیزم! اب تمھیں یہ جاننا چاہیے کہ اچھائی کیا ہوتی ہے؟ جان لو کہ طبیعت کے حق میں تمام چیزیں تین قسم پر ہیں۔ بعض چیزیں طبیعت کے موافق ہوتی اور طبیعت سے تعلق رکھتی ہیں بلکہ طبیعت خود ان کی خواہش کرتی ہے۔ اُس موافق کو اچھی چیز کہتے ہیں۔ بعض چیزیں طبیعت کے مخالف' ناسازگار اور خواہش طبیعت کے برخلاف ہوتی ہیں۔ اس مخالف طبیعت کو بری چیز کہتے ہیں اور جو چیز نہ موافق طبع ہو' نہ مخالف طبع' تو اسے نہ اچھی کہتے ہیں نہ بری۔ عزیزم! اب تمھیں

یہ جاننا چاہیے کہ کوئی چیز تمھیں اُس وقت تک اچھی اور بری معلوم نہیں ہوتی جب تک تم اُس سے پہلے آگاہ نہ ہو لو اور چیزوں سے آگاہی حواس اور عقل کے ذریعہ ہوتی ہے اور یہ حواس پانچ ہیں۔ ہر حس کے لیے ایک لذت ہے جس کی وجہ سے آدمی اس چیز کو دوست رکھتا ہے یعنی طبیعت اُس کی طرف رغبت کرتی ہے۔ باصرہ کی لذت اچھے چہروں' سبزہ زاروں اور آبشاروں وغیرہ میں ہوتی ہے تو آدمی اُن کو ضرور دوست رکھتا ہے۔ سامعہ کی لذت اچھی اور موزوں آوازوں میں' شامہ کی لذت خوشبوؤں میں' ذائقہ کی لذت خوش مزہ کھانوں میں اور لامسہ کی لذت نرم و ملائم چیزوں کے چھونے میں ہے۔ یہ سب چیزیں آدمی کو محبوب و مرغوب ہیں کہ طبیعت کو ان کی طرف رغبت ہے اور یہ سب لذتیں جانوروں کو بھی حاصل ہیں۔

عزیزم! اب سمجھ لو کہ دِل ایک چھٹا حاسہ بھی ہے اسے عقل' بصیرت اور نور کہتے ہیں تم جس لفظ سے چاہو اُسے تعبیر کرلو' اُسی کے ذریعہ انسان جانوروں سے ممتاز ہے۔ اس کے بھی مدرکات ہیں کہ وہ اسے اچھے معلوم ہوتے ہیں جس طرح بیان کردہ لذتیں اُن حواس کو محبوب و مرغوب ہوتی ہیں اسی طرح ان مدرکات کی لذت اِس کو محبوب و مرغوب ہوتی ہے۔ اسی لیے جناب رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ "حق تعالیٰ نے تین چیزیں میرے لیے محبوب و مرغوب بنا دیں ہیں۔ "عورتیں' خوشبو اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے"۔ آپ ﷺ نے نماز کا درجہ بڑھا دیا۔ پس جو آدمی صورت' جانور سیرت' دِل سے بے خبر ہوتا ہے وہ ہرگز نہیں سمجھ سکتا کہ نماز اچھی معلوم ہوتی ہے اور آدمی نماز کو دوست رکھ سکتا ہے۔ لیکن جس شخص پر عقل غالب ہوتی ہے اور وہ جانوروں کی صفات سے دور تر ہوتا ہے وہ اچھی صورتوں' سبزہ زاروں اور آبشاروں وغیرہ میں چشم ظاہر سے نظارہ کرنے کی بجائے چشم باطن سے اللہ تعالیٰ کے جمال' اُس کی عجائب مصنوعات اور اُس کی ذات و صفات کے جلال و کمال کا نظارہ کرنے کو زیادہ دوست رکھتا ہے بلکہ جب جمالِ الٰہی اُس پر ظاہر ہوتا ہے تو یہ سب لذتیں اُس کی نگاہ میں حقیر ہو جاتی ہیں۔

اسبابِ محبّت کا بیان : تاکہ معلوم ہو جائے کہ حق تعالیٰ کے سوا اور کوئی محبّت کے قابل نہیں۔

عزیزم! جان لو کہ محبّت کے پانچ سبب ہیں۔ پہلا سبب یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اور اپنی زندگی کو دوست اور اپنی ہلاکت کو دشمن رکھتا ہے اگرچہ اس کا عدم بغیر کسی دکھ اور تکلیف کے ہو اور اپنی زندگی کو دوست کیوں نہ رکھے کہ جب طبیعت کے ساتھ موافقت ہی دوستی کی طلب ہے تو اپنی ہستی' دوام ہستی اور کمالِ صفات سے زیادہ کیا چیز اُسے موافق و سازگار ہو گی اور اپنی اور اپنے کمالِ صفات کی نیستی سے زیادہ کیا چیز اس کے مخالف اور ناسازگار ہو گی۔ اسی لیے انسان اپنے فرزند کو بھی دوست رکھتا ہے کیونکہ اس کی بقا کو اپنی بقا کی طرح جانتا ہے اور چونکہ آدمی اپنی بقا سے عاجز ہے اس لیے جو چیز کسی وجہ سے اُس کی بقا سے مشابہت رکھتی ہے اُسے بھی دوست رکھتا ہے اور حقیقت میں وہ اپنے آپ کو ہی دوست رکھتا ہے۔ آدمی مال کو بھی دوست رکھتا ہے کیونکہ بقائے صفات میں وہ اس کا آلہ ہے اور اقارب کو بھی دوست رکھتا ہے کیونکہ انھیں اپنے پر و بال اور قوّتِ بازو جانتا ہے اور سمجھتا ہے کہ ان کے ذریعہ مجھے کمال حاصل ہے۔ دوسرا سبب نیکی ہے کہ جو شخص انسان کے ساتھ نیکی کرتا ہے اُسے وہ طبعاً دوست رکھتا ہے اسی لیے بزرگوں نے کہا ہے

"الانسان عبید الاحسان" اور رسول مقبول ﷺ نے دُعا کی ہے کہ "یارب کسی فاجر کو یہ قدرت نہ دے کہ مجھ پر احسان کرے اس لیے کہ اس وقت میرا دِل اسے دوست رکھے گا"۔ یعنی یہ بات آدمی کی طبیعت ہے تکلف سے نہیں پھرتی' اس کی حقیقت بھی یہی ہے کہ اُس نے اپنے آپ کو دوست رکھا ہے اس لیے کہ احسان اس چیز کا نام ہے کہ کوئی شخص کسی آدمی کے ساتھ ایسا کام کرے جو اُس آدمی کی زندگی یا اُس کی صفات کے کمال کا سبب ہو۔ مگر آدمی تندرستی کو جو دوست رکھتا ہے تو اور کسی وجہ سے دوست نہیں رکھتا اور طبیب کو تندرستی کی وجہ سے دوست رکھتا ہے۔ اسی طرح اپنے آپ کو اور کسی وجہ سے دوست نہیں رکھتا اور جس نے اُس کے ساتھ احسان کیا اُس احسان کرنے کی وجہ سے دوست رکھتا ہے۔ تیسرا سبب یہ ہے کہ آدمی نیک آدمی کو دوست رکھتا ہے اگرچہ اُس نے اس کے ساتھ نیکی اور احسان نہ کیا ہو۔ اس لیے کہ آدمی جب سنتا ہے کہ مغرب میں ایک بادشاہ ایسا عالم اور عادل ہے کہ تمام رعایا اس کے سبب سے راحت و آرام میں ہیں تو اُس کی طبیعت اس بادشاہ کی مُحبّت کی طرف رغبت کرتی ہے اگرچہ وہ جانتا ہو کہ نہ میں مغرب میں جاؤں گا نہ اُس بادشاہ کا احسان اٹھاؤں گا۔ چوتھا سبب یہ ہے کہ جو شخص خوبصورت ہوتا ہے آدمی اُسے دوست رکھتا ہے تو اسے اس لیے نہیں کہ اُس سے یہ کچھ حاصل کرے بلکہ اُس کی ذات کو اس لیے دوست رکھتا ہے کہ حسن و جمال فی نفسہٖ طبیعت کو محبوب و مرغوب ہوتا ہے اور اچھی صورت کو بلا شہوت دوست رکھنا ممکن ہے جس طرح آدمی سبزہ اور آبِ رواں کو دوست رکھتا ہے اس لیے نہیں کہ اسے کھائے پئے بلکہ اس کے دیکھنے سے آنکھ کو لذت اور راحت ہوتی ہے اور حسن و جمال محبوب ہے تو اگر حق تعالیٰ کا جمالِ بے مثال آدمی کو معلوم ہو جائے تو ممکن ہے کہ اسے دوست رکھ سکے۔ جمال کے معنی آگے بیان ہوں گے۔

پانچواں سبب وہ مناسبت ہے جو طبیعتوں میں پائی جاتی ہے اس لیے کہ کوئی شخص ایسا ہوتا ہے کہ اُس کی طبیعت دوسرے کی طبیعت کے مناسب اور موافق ہو تو وہ اسے دوست رکھتا ہے۔ یہ مناسبت کبھی تو ظاہر ہوتی ہے جیسا کہ لڑکے کو لڑکے سے' بازاری کو بازاری سے' عالم کو عالم سے اور ہر ایک کو اپنے جنس سے اُنس ہوتا ہے۔ اور کبھی یہ مناسبت پوشیدہ ہوتی ہے اور اصلِ صفت و اسباب سماوی جو ولادت کے وقت غالب اور مستولی ہوتے ہیں ان میں اس طرح مناسبت واقع ہوئی ہو کہ کسی کو اس کی طرف راہ نہ ہو جیسا کہ سلطان الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے تعبیر کر کے فرمایا کہ ((اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُجَنَّدَۃٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْھَا ائْتَلَفَ وَمَا تَخَالَفَ مِنْھَا اخْتَلَفَ)) یعنی ارواح کو ایک دوسرے سے آشنائی بھی ہوتی ہے اور بیگانگی بھی۔ جب اصل میں آشنائی واقع ہوئی ہو تو باہم اُلفت کرتی ہیں۔ یہ آشنائی اسی مناسبت سے عبارت ہے جسے ہم کہہ چکے ہیں کہ اس کی تفصیل میں آدمی راہ نہیں پا سکتا۔

حسن و خوبی کی حقیقت کا بیان :

عزیزم! جان لو کہ جو شخص مرتبہ میں جانوروں کے قریب قریب ہو اور فقط بصارت رکھتا ہو' بصیرت نہ رکھتا ہو وہ کہے گا کہ رخسار کی سرخی و سفیدی اور اعضاء میں تناسب کے علاوہ حسن و خوبی کے اور کچھ معنی نہیں۔ حسن و خوبی' صورت اور رنگ ہی میں حاصل ہوتی ہے اور جو صورت و رنگ نہ رکھتا ہو اُس میں حسن و خوبی کا ہونا محال ہے حالانکہ یہ غلط ہے کیونکہ عقل مند لوگ کہا کرتے ہیں کہ یہ خط خوب ہے' آواز خوب ہے' کپڑا خوب ہے' گھوڑا خوب ہے' گھر خوب ہے' باغ خوب ہے' شہر خوب ہے۔ ہر

چیز میں خوبی کے یہ معنی ہیں کہ جو کمال اس چیز کے لائق ہو وہ اس میں موجود ہو اور کسی بات کی کمی نہ ہو۔ اور ہر چیز کا کمال مختلف قسم کا ہوتا ہے۔ اسی لیے خط کا کمال یہ ہے کہ اس کے حروف وغیرہ متناسب ہوں اور اس میں شک نہیں کہ اچھا خط اور اچھا مکان دیکھنے میں ایک لذت ہے۔ بس چہرہ کی خوبصورتی پر موقوف نہیں لیکن یہ سب چیزیں چشم ظاہر سے محسوس ہیں۔ شاید کوئی شخص اس بات کا اقرار تو کر لے لیکن کہے کہ جس چیز کو آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے وہ کیونکر خوب ہو گی۔ حالانکہ یہ بھی نادانی ہے اس لیے کہ تم کہتے ہو کہ فلاں شخص اچھے اخلاق رکھتا ہے اور مروت خوب رکھتا ہے اور کہتے ہو کہ عِلم با ورع خوب ہوتا ہے' شجاعت باسخاوت بہت اچھی صفت ہے۔ پرہیزگاری' بے طمعی اور قناعت سب چیزوں سے بہتر ہے یہ اور ایسی ہی اور باتیں مشہور و معروف ہیں جب کہ ان میں سے کسی چیز کو بصارتِ چشم سے نہیں دیکھ سکتے بلکہ بصیرتِ عقل سے دریافت کر سکتے ہیں۔ ریاضت نفس کے ذکر میں ہم نے بیان کیا ہے کہ صورتیں دو ہیں۔ پہلی ظاہر' دوسری باطن' خلق نیک صورتِ باطن ہے اور بالطبع محبوب ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ کوئی شخص امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کو بلکہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو دوست رکھے تو کچھ محال نہیں اور محال کیسے ہو سکتا ہے جبکہ بعض لوگ اس مُحبّت میں اپنا جان و دِل نثار کرتے ہیں۔ اور یہ دوستی شکل و صورت کی وجہ سے نہیں ہوتی کیونکہ انھوں نے ان حضرات کو خود دیکھا ہی نہیں اور ان حضرات کی صورت اب پیوند خاک ہو گئی بلکہ یہ دوستی ان حضرات کی صورتِ باطن کے جمال کے سبب ہے۔ جو علم' پرہیزگاری اور سیاست وغیرہ ہے۔ اسی طرح لوگ پیغمبروں کو بھی اسی سبب سے دوست رکھتے ہیں اور جو شخص حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو دوست رکھتا ہے تو وہ انھیں اسی صفت کی وجہ سے دوست رکھتا ہے جس صفت کی وجہ سے وہ صدیق ہیں اور صدیق کی ذات سے ایک چیز کی صفت صدق و عِلم ہے کہ اس چیز کو جزو "ولا یتجزی" کہتے ہیں کیونکہ وہ نہ شکل رکھتا نہ رنگ۔ اور یہ گروہ حکماء کے نزدیک ثابت نہیں وہ کسی صفت پر ہو بلکہ بے شکل اور بے رنگ ہے وہی صفت محبوب ہے۔ ظاہر کا گوشت و پوست کچھ محبوب نہیں۔ پس عقلمند شخص جمالِ باطن کا فکر مند ہو گا اور ظاہری صورت سے زیادہ جمالِ باطن کو دوست رکھے گا اس لیے کہ دیوار پر نقش کی ہوئی صورت کو دوست رکھنے والے اور کسی پیغمبر کو دوست رکھنے والے شخصوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے بلکہ جب چاہتے ہیں کہ چھوٹا لڑکا کسی کو دوست رکھے تو اُس کے سامنے مژگان و چشم و ابرو سے اُس کی تعریف نہیں کرتے۔ سخاوت اور عِلم و قدرت سے اُس کی صفت کرتے ہیں اور جب چاہتے ہیں کہ لڑکا کسی کو دشمن ٹھہرائے تو لڑکے کے سامنے اُس کی بدباطنی کا ذکر کرتے ہیں بدصورتی کا ذکر نہیں۔ اسی لیے مسلمان صحابہ رضی اللہ عنہم کو دوست اور ابوجہل کو دشمن رکھتے ہیں۔ پس یہ ظاہر ہو گیا کہ جمال دو ہیں ظاہری اور باطنی۔ اور ظاہری خوبصورتی کی طرح صورتِ باطن کا جمال بھی محبوب ہوتا ہے بلکہ جو شخص ذرا بھی عقل رکھتا ہے اُسے وہ خوبصورتی سے زیادہ مرغوب ہوتا ہے۔

اِس بات کا بیان کہ فقط خُدا ہی مُحبّت کے قابل ہے:

عزیزم! جان لو کہ حقیقت میں حق تعالیٰ کے سوا اور کوئی دوستی کے لائق نہیں جو کوئی ماسوائے اللہ کو دوست رکھتا ہے وہ حق تعالیٰ کو نہیں پہچانتا' البتہ جب وہ خدا کے ساتھ کسی کے تعلق کی وجہ سے اُسے دوست رکھے جیسا کہ محبوبِ خدا' سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو دوست رکھنا بھی خدا ہی کو دوست رکھنا ہے۔ اس لیے کہ جو شخص کسی کو دوست رکھتا

ہے تو اُس کے رسول اور محبوب کو بھی دوست رکھتا ہے بلکہ عالموں اور فقیہوں کی دوستی بھی منجملہ محبّت خدا ہے۔ یہ بات اس طرح معلوم ہو گی کہ آدمی اسباب محبّت کو دیکھے۔ پہلا سبب یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو اور اپنے کمال کو دوست رکھتا ہے تو اس دوستی کے لیے لازم ہے کہ آدمی حق تعالیٰ کو بھی دوست رکھے کیونکہ آدمی کی ہستی اور اس کے کمالِ صفات کی ہستی سب خدا کی بخشش ہے۔ اگر اس کا فضل و کرم نہ ہوتا تو یہ پردۂ عدم سے عالمِ وجود میں نہ آتا۔ اگر اس کا فضل نہ ہوتا تو یہ اُس کی حفاظت میں نہ رہتا۔ اور اگر اس کا کرم نہ ہوتا تو اُس کے اعضاء اور اوصافِ کمال کی خلقت میں اُس سے ناقص کوئی نہ ہوتا۔ پس یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ کوئی شخص دھوپ سے دوڑ کر درخت کے سائے کو تو دوست رکھے لیکن درخت کو دوست نہ رکھے جس کی وجہ سے سائے کا قیام ہے اور آدمی یہ جانتا ہے کہ جس طرح سائے کا قیام درخت کا سبب ہے اسی طرح اس کی اپنی ذات اور اُس کی صفات کا قیام حق تعالیٰ کے سبب سے ہے پس یہ حق تعالیٰ کو کیوں دوست نہ رکھے گا۔ ہاں اگر وہ یہ امر جانتا ہی نہ ہو اور اس میں کچھ شک نہیں کہ جاہل حق تعالیٰ کو دوست نہیں رکھتا اس لیے کہ اُس کی محبّت اُس کی معرفت کا ثمرہ ہے اور جاہل کو معرفت کہاں؟ دوسرا سبب یہ ہے کہ آدمی ایسے شخص کو دوست رکھتا ہے جو اُس کے ساتھ احسان کرے اس لیے اگر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کو دوست رکھے گا تو بڑا نادان ہو گا کیونکہ حق تعالیٰ کے علاوہ اُس کے ساتھ نہ کسی نے کچھ احسان کیا نہ کوئی احسان کر سکتا ہے اور حق تعالیٰ کے احسانات جو بندوں کے شامل ہیں انھیں کوئی شمار نہیں کر سکتا جیسا کہ شکر اور تفکر کے بیان میں ہم نے ذکر کیا ہے مگر اے عزیز جو احسان تو کسی دوسرے سے دیکھتا ہے وہ تیری نادانی ہے کیونکہ جب تک حق تعالیٰ اسے توفیق نہیں دیتے وہ تجھے کچھ نہیں دے سکتا کیونکہ حق تعالیٰ اُس کے دِل میں ڈال دیتے ہیں کہ اُس کے لیے دین میں ثواب اور دُنیا میں نفع اسی امر میں ہے کہ تجھے کچھ دے تاکہ وہ اپنی مراد کو پہنچے۔ پس اگرچہ بظاہر اُس نے وہ چیز تمھیں اپنے ثوابِ آخرت اور نیک نامی کے لیے سبب اور وسیلہ کے طور پر دی لیکن درحقیقت وہ چیز تمھیں خدا نے عنایت فرمائی کہ بغیر کسی غرض کے اُس کو توفیق دی اور اُسے اس اعتقاد اور داعیہ کی طرف لایا کہ اُس نے وہ چیز تیرے حوالہ کر دی۔ تیسرا سبب یہ ہے کہ کوئی شخص نیکی کرنے والے کو پسند کرتا ہے اگرچہ اُس نے اُس کے ساتھ نیکی نہ کی ہو جیسا کہ جو شخص سنتا ہے کہ مغرب میں ایک عادل بادشاہ رعایا پر مہربان، اپنا خزانہ محتاجوں پر کھلا رکھتا ہے اور اس بات کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ اُس کی مملکت میں کوئی ظلم کرے تو ضرور ضرور اس شخص کی طبیعت اُس بادشاہ کو دوست رکھے گی اگرچہ اُسے علم ہو کہ نہ تو اِس بادشاہ کو دیکھوں گا اور نہ مجھے اُس سے بھلائی پہنچے گی۔

اس سبب سے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو دوست رکھنا نادانی ہے کیونکہ اس کے سوا کسی کی طرف سے احسان نہیں اور دُنیا میں جو کوئی احسان کرتا ہے تو اُس کے حکم محکم اور تاکید اکید سے کرتا ہے اور مخلوق کے پاس جس قدر نعمت ہے احسان یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے ہی تمام مخلوق کو پیدا فرمایا اور جس چیز کی مخلوق کو ضرورت تھی وہ سب عنایت فرمایا۔ حتیٰ کہ جس چیز کی مخلوق کو ضرورت تو نہ تھی مگر اُس چیز کے ذریعہ فقط زیب و زینت تھی وہ بھی مرحمت فرمائی۔ یہ بات آدمی کو اس طرح معلوم ہو گی کہ ملکوتِ زمین و آسمان اور نباتات و حیوانات میں غور و تامل کرے تاکہ عجائبات اور احسان و انعام بے انتہا نظر آئیں۔ چوتھا سبب یہ ہے کہ آدمی کسی کو حسن و جمال کی وجہ سے دوست رکھتا ہے یعنی جمالِ باطنی کے سبب

سے۔ جیسا کہ امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما کو دوست رکھتا ہے اور امیرالمومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دوست رکھتا ہے اور کوئی امیرالمؤمنین حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو دوست رکھتا ہے اور کوئی سب کو دوست رکھتا ہے بلکہ پیغمبروں کو دوست رکھتا ہے ان سب حضرات کا حسن و جمالِ باطنی اور صفاتِ ذاتی اس مُحبّت کا سبب ہیں۔ عزیزم اگر تم نگاہ کرو گے تو یہ معلوم ہو جائے گا کہ اس حسن و جمالِ باطنی کا حاصل تین چیزیں ہیں۔ ایک عِلم کی خوبی' کیونکہ عِلم اور عالم اس لیے محبوب ہے کہ نیک اور شریف ہے اور جس قدر عِلم زیادہ اور معلوم شریف تر ہوتا ہے وہ جمال میں بھی زیادہ ہوتا ہے اور سب علموں سے زیادہ اشرف حق تعالیٰ کی معرفت ہے اور اُس کی درگاہ کی معرفت ہے جو فرشتوں' کتابوں' رسولوں اور انبیاء کی شریعتوں پر ملک و ملکوت اور دُنیا و آخرت کی تدبیروں پر شامل ہے اور صدیق لوگ اور انبیاء علیہم السلام اسی لیے محبوب ہیں کہ اُن کو اِن علوم میں کمال حاصل ہے۔ دوسری قدرت کی خوبی جیسے اپنے نفس کی اصلاح' بندگانِ خُدا کی اصلاح پر' اُن کی سیاست پر اور مملکت ظاہر اور حقیقتِ دین میں انتظام رکھنے پر انسان کی قدرت۔ تیسری تنزیہ اور پاکی کی خوبی یعنی عیب و نقصان اور اخلاقِ باطن کی خباثت سے منزہ اور پاک رہنے کی خوبی۔ آدمی سے یہی صفتیں محبوب ہوتی ہیں افعال محبوب نہیں ہوتے۔ کیونکہ جو فعل ان صفتوں کے سبب سے نہ ہو وہ قابلِ تعریف نہیں مثلاً وہ فعل جو اتفاقاً یا غفلت کے ساتھ سرزد ہو۔ پس جو شخص ان صفات میں کامل تر ہوتا ہے اُس کی مُحبّت بھی زیادہ تر ہوتی ہے اسی لیے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مثلاً امام ابوحنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہما سے زیادہ دوست رکھتے ہیں اور پیغمبروں کو حضرت صدیق اکبر سے زیادہ دوست رکھتے ہیں۔ عزیزم اب تو ان تینوں صفات کو دیکھ کہ حق تعالیٰ مُحبّت کے مستحق ہیں اور ان میں یہ صفتیں ہیں۔ کیونکہ کوئی سادہ دل ایسا نہیں جو نہ جانتا ہو کہ فرشتوں اور آدمیوں میں سے اولین و آخرین کا عِلم حق تعالیٰ کے سامنے ناچیز ہے اور حق تعالیٰ نے سب کو فرمایا ہے کہ ﴿ وَمَا اُوْتِیْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلاَّ قَلِیْلاً ﴾ بلکہ اگر تمام عالم جمع ہو کر چیونٹی اور مچھر کی خلقت میں عِلمِ الٰہی کے عجائب اور اُس کی حکمت کو تمام و کمال جاننا چاہے تو نہیں جان سکتا اور جس قدر عِلم حاصل کریں گے وہ بھی خدا ہی کی طرف سے ہو گا کہ اُس نے ان میں یہ عِلم پیدا کر دیا جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ ﴾ "اللہ نے انسان کو پیدا کیا اور تعلیم کیا اُس کو بات کہنا" پھر تمام مخلوق کے علوم متناہی ہیں اور جس چیز کی طرف حق تعالیٰ کے عِلم کی نسبت ہو وہ لامحدود ہے اور مخلوق کا عِلم اسی سے ہے اور اس کا عِلم مخلوق سے نہیں اور عزیزم تو اگر قدرت کو دیکھے گا تو معلوم ہو جائے گا کہ قدرت بھی محبوب و مرغوب ہے اسی لیے شیرِ خُدا حضرت علی مرتضیٰ کی شجاعت و بسالت اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی سیاست و صولت کو لوگ دوست رکھتے ہیں کیونکہ یہ دونوں چیزیں ایک قسم کی قدرت ہیں اور حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کے سامنے تمام مخلوق کی قدرت کیا چیز ہے بلکہ تمام مخلوق عاجز ہے' صرف اتنی ہی قدرت رکھتے ہیں جو قادرِ مطلق نے انھیں عنایت فرمائی۔ مکھی اگر اُن کی کوئی چیز کھا جاتی ہے تو اُس سے واپس نہیں لے سکتے حق تعالیٰ نے انھیں عاجز کر دیا ہے۔ پس خدا ہی کی قدرتِ کاملہ بے انتہا ہے کیونکہ زمین و آسمان اور جو کچھ جن و بشر اور حیوانات و نباتات ان میں ہیں سب اُسی کی قدرتِ کاملہ سے پیدا ہوئے ہیں اور وہ ایسی ہے کہ بے انتہا چیزیں پیدا کرنے پر قادر ہے پھر قدرت کی وجہ سے کسی اور کو دوست رکھنا لوگوں کے لیے کیسے ست ہو گا اور عیوب سے منزہ اور پاک رہنے کی صفت بھی کمال کے ساتھ آدمی میں پیدا نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کا پہلا

نقصان تو یہی ہے کہ وہ بندہ ہے اور اُس کی ہستی خود اس کے سبب نہیں بلکہ وہ دوسرے کا پیدا کیا ہوا ہے۔ اس سے زیادہ نقصان کیا ہو گا پھر آدمی اپنے باطن کے احوال سے بے خبر ہے تو دوسری چیزوں کو کیسے پہنچ سکے گا کیونکہ اگر اس کے دماغ کی ایک رگ ٹیڑھی ہو جائے تو دیوانہ اور مجنون ہو جاتا ہے اور یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کا سبب کیا ہے اور ایسا بھی ہوتا ہے کہ دوا سامنے رکھی ہوتی ہے اور اُسے عِلم بھی نہیں ہوتا۔

عزیزم اگر آدمی کی عاجزی اور نادانی کا تو حساب کرے تو ایک ذرہ سی قدرت اور ذرہ سا عِلم وہ اُس کے عجز و جہل میں نیست و نابود ہو کر رہ جائے خواہ وہ صدیق ہو یا پیغمبر۔ پس وہی خالق عیبوں سے پاک ہے جس کے عِلم کی انتہا نہیں اور جس میں کدورتِ جہل کو مداخلت نہیں اور جس کی قدرت بدرجۂ کمال ہے اس لیے کہ ساتوں زمین اور ساتوں آسمان اُس کے دست قدرت میں ہیں۔ اگر تمام مخلوق کو ہلاک کر ڈالے تو اس کی بزرگی اور بادشاہی میں کچھ کمی نہ ہو گی اور اگر لاکھوں جہان ایک لمحہ میں پیدا کر دے تو پیدا کر سکتا ہے لیکن اس سے اس کی عظمت ذرہ برابر بھی بڑھ نہیں جائے گی کیونکہ وہ سب عیبوں سے پاک ہے اس لیے بڑھنے کو اُس کی ذات میں دخل نہیں اور نیستی اُس کی ذات اور صفات کی طرف راہ نہیں پا سکتی بلکہ نقصان اس کی ذات میں ممکن ہی نہیں پس جو شخص اسے چھوڑ کر کسی دوسرے کو دوست رکھے وہ نادان ہے اور یہ محبّت اُس محبّت سے زیادہ کامل ہوتی ہے جو کسی احسان کی وجہ سے ہو اس لیے کہ ایسی محبّت نعمت کی کمی اور زیادتی کے ساتھ گھٹتی بڑھتی رہتی ہے اور جب حق تعالیٰ کی بزرگی اور پاکی ہی محبّت کا سبب ہوتی ہے تو بہرحال اس کا عشق دِل کا ہوتا ہے اسی لیے حق تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ میرے نزدیک وہ بندہ سب بندوں سے زیادہ پیارا ہے جو عذاب کے ڈر اور نعمت کے طمع سے میری بندگی نہ کرے بلکہ بندگی کر کے میری ربوبیت کا حق ادا کرے اور زبور میں لکھا ہے کہ اُس سے بڑھ کو کون ظالم ہو گا جو بہشت کی آرزو اور دوزخ کے خوف سے میری عبادت کرے کہ اگر میں جنت اور دوزخ پیدا نہ کرتا تو بندگی و اطاعت کا مستحق ہی نہ ہوتا۔ محبّت کا پانچواں سبب مناسبت ہے اور آدمی کو بھی حق تعالیٰ کے ساتھ ایک خاص مناسبت ہے کہ آیت کریمہ ﴿ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ ﴾ اور حدیث شریف ((اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِهٖ)) اسی نسبت کی طرف اشارہ ہے اور یہ جو حدیثِ قدسی میں آیا ہے کہ حق تعالیٰ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی فرمایا کہ میرا بندہ مجھ سے تقرب ڈھونڈتا ہے کہ میں اسے اپنا دوست بناؤں جب میں اسے اپنا دوست بنا لیتا ہوں تو میں ہی اس کا کان ہوتا ہوں، میں ہی اُس کی آنکھ اور زُبان ہوتا ہوں اور یہ بھی فرمایا کہ "مَرِضْتُ فلم تعدني یا موسی" یعنی اے موسیٰ میں بیمار ہوا، تو نے میری عیادت کیوں نہ کی؟ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا بار خدایا تو تمام عالم کا مالک اور خداوند ہے تو کیسے بیمار ہو گا؟ ارشاد ہوا کہ فلاں بندہ بیمار تھا اگر تو نے اس کی عیادت کی ہوتی تو گویا وہ میری ہی عیادت ہوتی۔ اور جنابِ الٰہی کے ساتھ صورتِ آدم کی مناسبت کی حدیث کا تھوڑا سا بیان ہم نے عنوان کتاب میں کیا ہے اور ایسے بہت سے مضامین ہیں کہ کتابوں میں ان کا بیان کرنا مناسب نہیں۔ عوام کے فہم اُن کے سمجھنے سے قاصر ہیں بلکہ بہت سے زیرک لوگ بھی اس مقام پر اوندھے منہ گرے۔ بعض تشبیہ کے قائل ہو گئے۔ اُن کی سمجھ میں یہ آیا کہ ظاہری صورت کے علاوہ اور کوئی صورت ہی نہیں ہوتی اور بعض حلول و اتحاد کے قائل ہو گئے بہرحال اس بات کا سمجھنا مشکل ہے۔

عزیزم! یہاں ہمارا مقصود یہ ہے کہ جب محبّت کے اسباب کا تجھے عِلم ہو گیا تو یہ بھی سمجھ لو کہ محبّت الٰہی کے سوا جو محبّت ہے وہ نادانی کی علامت ہے یعنی خدا کے سوا اور کسی کو دوست رکھنا حماقت ہے اور متکلم نے جو یہ کہا ہے کہ اپنے غیر جنس کو کیسے دوست رکھ سکتے ہیں۔ چونکہ خدا ہماری جنس سے نہیں تو اُسے دوست رکھنا محال ہے۔ پس محبّت الٰہی سے اُس کی اطاعت و فرمانبرداری مراد ہے۔ عزیزم اس بات سے تم متکلم کی سادہ لوحی پہچان لو' یہ بیچارہ نادان صرف اُس شہوت کو دوستی سمجھتا ہے جس سے عورتوں کو پیار کرتے ہیں اور یقیناً یہ شہوت اور مجانست کو چاہتی ہے مگر جو محبّت ہم نے بیان کی وہ جمال و کمالِ باطنی کو چاہتی ہے مجانست صوری کو نہیں چاہتی۔ اسی لیے جو شخص پیغمبروں کو دوست رکھتا ہے تو اس لیے نہیں کہ پیغمبر بھی اس شخص کی طرح سر' منہ' ہاتھ اور پاؤں رکھتا ہے بلکہ اس لیے کہ پیغمبر اُس کے ساتھ مناسبت باطنی رکھتا ہے کیونکہ وہ بھی اس کی طرح زندہ' عالم' ارادہ کرنے والا' بولنے والا' سننے والا اور دیکھنے والا تو ہے مگر یہ صفتیں پیغمبر کی ذات میں زیادہ کامل ہیں اور اس مناسبت کی اصل تو یہاں بھی مِلے گی مگر کمالِ صفات میں بہت زیادہ فرق ہے اور زیادتی کمال کی وجہ سے جو دوری ہوتی ہے وہ محبّت کو بڑھاتی ہے اور جو محبّت مناسبت پر موقوف ہے اس کی اصل کو منقطع نہیں کرتی سب لوگ اتنی مناسبت کا اقرار کرتے ہیں اور اتنی مناسبت کو سمجھتے ہیں اگرچہ مناسبت کے بھید اور اس کی حقیقت کو نہیں پہچانتے چنانچہ ((اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ آدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ)) اسی کی خبر ہے۔

باقی یہ بیان کہ کسی چیز میں خدا کے دیدار کی سی لذت نہیں۔ عزیزم جان لو کہ یہ تمام مسلمانوں کا زبانی مذہب ہے کہ کسی چیز میں خدا کے دیدار کی سی لذت نہیں لیکن اگر اپنے دِل میں تحقیق کریں کہ ایسی چیز کا دیدار جو کسی جانب میں نہ ہو ' شکل اور رنگ نہ رکھتی ہو کیا لذت رکھتا ہے تو یہ انھیں معلوم نہ ہو گا مگر اس خوف سے کہ یہ مضمون شریعت میں آیا ہے زبانی اقرار کر لیں گے لیکن دِل میں کچھ شوق نہ ہو گا اس لیے کہ آدمی جس چیز کو جانتا ہی نہیں اُس کا مشتاق کیسے ہو گا۔ ہر چند کہ اس راز کی تحقیق ایسی کتاب میں دشوار ہے لیکن ہم ذرا اشارتاً اس کا بیان کرتے ہیں۔ عزیزم جان لو کہ یہ معرفتِ چار اصلوں پر موقوف ہے۔ ایک یہ کہ آدمی جان لے کہ خدا کا دیدار خدا کی معرفت سے خوش تر ہے۔ دوسری یہ کہ معرفتِ خدا' معرفتِ غیر خدا سے خوش تر ہے۔ تیسری یہ کہ دِل کو عِلمِ معرفت میں راحت اور خوشی ہے بغیر اس بات کے کہ آنکھ اور بدن کا اس میں حصّہ ہو۔ چوتھی یہ کہ آنکھ 'کان اور دوسرے حواس کے مقابلہ میں دِل کی خوشی' خوش تر' غالب تر اور قوی تر ہے۔ پس آدمی جب یہ چاروں اصلیں جان لے گا تو اُسے یقیناً یہ بات معلوم ہو جائے گی کہ حق تعالیٰ کے دیدار سے زیادہ کوئی چیز خوش تر نہیں ہے۔ پہلی اصل اس بیان میں کہ معرفت میں دِل کو راحت ہے اور بے شرکت بدن اس میں دِل کو لذت ہے۔ عزیزم جان لو کہ حق تعالیٰ نے آدمی میں بہت سی قوتیں پیدا کی ہیں اور ہر قوت کو ایک ایک کام کے لیے بنایا ہے وہی کام اس کی طبیعت کا مقتضیٰ ہے اور اُس طبیعت کے مقتضیٰ میں اُس کی لذت ہے جیسا کہ قوّتِ غضب کو غلبہ اور انتقام کے لیے پیدا کیا تو اسی کیں اس کی لذت ہے۔ قوّتِ شہوت کو غذا حاصل کرنے کے لیے پیدا کیا۔ اُس کی لذت اسی میں ہے قوّتِ سمع' قوّتِ بصر اور دوسری قوّتوں کو بھی اسی پر قیاس کر لو۔ ہر قوت الگ لذت رکھتی ہے۔ یہ لذتیں مختلف ہیں اس لیے کہ جماع کی لذت غُصّہ کرنے کی لذت سے مخالف ہے۔ ان لذتوں میں قوت کی وجہ سے فرق ہے بعض قوی تر اور بعض ضعیف تر ہیں۔ اس لیے کہ خوشبو کو سونگھنے سے حاصل ہونے والی ناک کی لذت

سے اچھی صورتیں دیکھنے سے حاصل ہونے والی آنکھ کی لذت غالب تر ہے اور حق تعالیٰ نے آدمی کے دِل میں ایک قوت پیدا کی ہے جس کا نام عقل و نور ہے اُسے ان چیزوں کی معرفت کے لیے پیدا کیا گیا ہے جو حس و خیال میں نہیں آتیں۔ یہی معرفت عقل کی طبیعت کا مقتضیٰ ہے اور اسی میں لذت ہے کہ آدمی اس کے ذریعہ معلوم کرے کہ یہ جہان جو پیدا ہوا ہے اس کو ایک مدبر حکیم و قادر کی ہمیشہ حاجت ہے اور اسی طرح صانع کی صنعتوں اور مصنوعات میں اُس کی حکمت پہچانے اور یہ باتیں خیال اور حس میں نہیں آتیں اور اسی قوت سے نازک علوم و فنون کو جانے اور استنباط کرے جیسے وضع لغت، تصنیف کتاب، ہندسہ کا وضع کرنا اور دقیق علوم ایجاد کرنا اور اُسے ان سب باتوں سے حلاوت حاصل ہوتی ہے حتیٰ کہ اگر کسی حقیر عِلم کی مہارت کے سبب اُس کی تعریف کریں تو خوش ہوتا اور اگر کہیں کہ نہیں جانتا تو ناخوش ہوتا ہے کیونکہ عِلم کو کمال جانتا ہے بلکہ اگر شطرنج کھیلنے کی جگہ پر بیٹھے اور بہت سی شرطیں لگا کر اُسے کہا جائے کہ چال نہ بتانا تو بھی ہرگز خاموش نہیں رہتا۔ ایسے خسیس عِلم کی خوشی اور لذت سے بے تاب ہو کر چاہتا ہے کہ اُس کے ذریعہ تفاخر کرے اور آدمی عِلم کو پسند اور اُس کے ذریعے تفاخر کیوں نہ کرے کہ عِلم حق تعالیٰ کی صفت ہے اور آدمی کے نزدیک اس کے کمال سے زیادہ خوش تر اور کیا چیز ہوگی اور اس کمال سے بڑھ کر کون سا کمال ہوگا جو حق تعالیٰ کی صفات سے حاصل ہو۔ پس اس اصل سے تم نے یہ جانا کہ بہرحال دل کو معرفت سے لذت حاصل ہوتی ہے بغیر اس کے کہ آنکھ اور بدن کو اس میں دخل ہو۔ دوسری اصل اس بیان میں کہ دِل کو عِلمِ معرفت سے جو لذت حاصل ہوتی ہے وہ لذت محسوسات اور لذتِ شہوت سے قوی تر ہے۔ عزیزم جان لو کہ جب کوئی شخص شطرنج کھیلتے ہوئے تمام دن کھانا نہیں کھاتا۔ اُسے کہا جائے تب بھی وہ کھانا کھانے کی بجائے کھیل میں ڈوبا رہتا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ بازی جیتنے اور مات کرنے کی لذت کھانا کھانے کی لذت سے قوی تر ہے کیونکہ اُس نے شطرنج کھیلنے کو کھانا کھانے پر مقدم رکھا۔ پس قوتِ لذت اس طرح پہچانی جاتی ہے کہ جو دو خواہشیں جمع ہوں تو ایک کو مقدم رکھے۔ لہٰذا جو شخص بڑا عقلمند ہوگا باطن کی قوتوں کی لذت اُسے زیادہ پسند آئے گی اس لیے کہ اگر کسی عقلمند کو ہم اختیار دیں کہ لوزینہ اور بھنا ہوا مرغ کھالے یا ایسا کام کرے کہ دشمن مغلوب ہو اور ایک ریاست اُس کے ہاتھ آئے تو وہ ریاست اور فتح مندی کو اختیار کرے گا لیکن اگر اُس کی عقل کا دِل نہ ہو جیسے لڑکا یا عقل زائل ہو گئی ہو جیسے معتوہ یعنی کھاڑی تو اُن کی بات ہی جدا ہے۔ پس وہ شخص جس میں کھانے کا شوق اور جاہ و ریاست کی خواہش دونوں موجود ہوں وہ جاہ و ریاست ہی کی خواہش کو اختیار کرے گا۔ اس سے بے شک معلوم ہوتا ہے کہ عِلم و معرفت کی لذت دوسری سب لذتوں سے بہتر ہے۔ اسی طرح وہ عالم جو عِلمِ حساب، عِلمِ ہندسہ، عِلمِ طب یا عِلمِ شریعت وغیرہ پڑھتا ہے تو اس میں اسے ایک لذت حاصل ہوتی ہے اگر وہ اس عِلم میں ناقص نہیں کامل ہے تو یہ لذت سب لذتوں پر فائق ہوتی ہے بلکہ ریاست و حکومت پر بھی وہ اُسے ترجیح دیتا ہے۔ ہاں اگر عِلم میں نقص ہے اور اُس کی لذتیں خوب حاصل نہیں کیں تو اُس کی بات ہی جدا ہے۔ پس اس تقریر سے معلوم ہوا کہ عِلمِ معرفت کی لذت دیگر سب لذتوں پر فائق ہے مگر اُسی کے لیے جو عِلمِ معرفت میں ناقص نہ ہو اور اُس میں حق تعالیٰ نے دونوں خواہشیں بھی پیدا کی ہوں کیونکہ اگر کوئی بچہ پپیا بجانے کی لذت کو مباشرت اور ریاست کی لذت پر مقدم رکھے تو ہمیں اپنے دعوے میں کچھ شک واقع نہ ہوگا کیونکہ مقدم رکھنا اُس کے نقصان کی وجہ سے ہے کہ اُسے مباشرت ؟؟

ریاست کی لذت اور خواہش ہی نہیں۔ اس دلیل سے کہ جب دونوں خواہشیں جمع ہوتی ہیں تو مباشرت اور ریاست کی خواہش ہی مقدم رہتی ہے۔ تیسری اصل اس بیان میں کہ حق تعالیٰ کی معرفت دوسری سب معرفتوں سے بہتر ہے۔

عزیزم! جب تجھے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ عِلم و معرفت خوش تر ہے اور اس میں بھی شک نہیں کہ ایک عِلم دوسرے عِلم سے بہتر ہوتا ہے اس لیے کہ جس قدر معلوم شریف تر ہوتا ہے اس کا عِلم بھی اشرف ہوتا ہے کیونکہ شطرنج وضع کرنے کا عِلم شطرنج کھیلنے کے عِلم سے بہتر ہے۔ ملک رانی کا عِلم زراعت اور خیاطی کے عِلم سے بہتر ہے۔ حقائق شرع اور اس کے اَسرار کا علم، عِلمِ نجوم اور عِلمِ لغت سے افضل ہے۔ وزارت میں وزارت کے اَسرار، بازاریوں کے بھیدوں سے اور بادشاہ کے اَسرار جاننا، وزیر کے اَسرار جاننے سے بہتر ہے۔ پس معلوم جس قدر شریف تر ہو گا اُسی قدر اس کا عِلم بھی لذیذ تر ہو گا۔ عزیزم اب ذرا غور کرو کہ خداوند عالم جو ہر طرح کے کمال و جمال کا خالق ہے اس سے زیادہ دُنیا میں کوئی چیز بھی شریف، بزرگ اور کامل تر ہے؟ اور کسی بادشاہ کی تدبیر جو اس کی بادشاہت میں ہو وہ خُدا کی تدبیر کے مانند ہے جو آسمان و زمین کی بادشاہت اور دُنیا و آخرت کے کاموں میں ہے؟ اور کوئی بھی دربار اُس کی درگاہ سے بہتر اور کامل تر ہے؟ جس کسی کو حضرت الٰہی کا نظارہ کرنے کی آنکھ نصیب ہوئی اور اُس کی مملکت کے اَسرار کو اِس مملکت کے اَسرار سے بہتر سمجھا اُس سے کیونکر ممکن ہے کہ حضرت حق کا نظارہ چھوڑ کر اور کسی چیز کا نظارہ کرے۔ پس ان باتوں سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کی ذات و صفات اور اُس کی بادشاہت اور اسرارِ خدائی کی معرفت سب معرفتوں سے بہتر ہے اس لیے کہ یہ معلوم شریف تر ہے بلکہ اسے شریف تر کہنا بھی خطا ہے کیونکہ جب دوسری چیز کو تو اس کی طرف اضافت کرے گا تو اس چیز کو شریف کہنا بھی لائق نہیں تو پھر اس حضرت کو شریف تر کیونکر کہہ سکے گا۔ پس عارف اسی جہان کے اندر ایسی بہشت میں رہتا ہے جس کی صفت وہ ہے جو حق تعالیٰ نے فرمائی کہ ﴿ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ﴾ (اس کی چوڑائی زمین و آسمان کی چوڑائی کی مانند ہے) بلکہ اس سے بھی زیادہ اُس کی وسعت ہے کیونکہ آسمان و زمین کی چوڑائی کی حد ہے لیکن میدانِ معرفت کی کوئی انتہا نہیں اور وہ باغ جو عارف کا تماشہ گاہ ہے اس کا کنارہ ہی نہیں جبکہ آسمان و زمین کا کنارہ ہے اور اس باغ کے میوے نہ ٹوٹتے ہیں نہ کوئی ان سے مانع ہے بلکہ ہمیشہ رہتے ہیں جیسا حق تعالیٰ فرماتے ہیں:

قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ اس کے میوے لذیذ ہیں اس لیے کہ جو چیز عارف کے دِل میں ہے اُس سے زیادہ نزدیک اور کیا چیز ہو گی؟ اور اس بہشت میں مزاحمت، ممانعت، کینہ اور حسد کا دخل نہیں کیونکہ جتنا زیادہ عارف ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ اُنس حاصل ہوتا ہے اور یہ بہشت ایسی ہے کہ رہنے والوں کی کثرت کی وجہ سے تنگ نہیں ہوتی بلکہ اس کی وسعت زیادہ ہو جاتی ہے۔ چوتھی اصل اس بیان میں کہ نظر کی لذتِ معرفت کی لذت سے زیادہ ہے۔ عزیزم جان لو کہ جاننا دو قسم پر ہے ایک وہ جو خیال میں آئے جیسے رنگ اور اشکال اور دوسرا وہ جو عقل میں آئے خیال میں نہ آئے جیسے حق تعالیٰ اور اس کی صفتیں۔ بلکہ تیری بھی بعض صفتیں خیال میں نہیں آتیں جیسے قدرت، ارادہ اور حیات۔ اس لیے کہ ان کو چگونگی نہیں اور غصّہ، عشق، شہوت، درد اور راحت بھی چگونگی سے دور ہیں۔ ان سب کو عقل ہی دریافت کرتی ہے جو چیز خیال میں آتی ہے اُسے آدمی دو طرح اِدراک کر سکتا ہے۔ ایک یہ کہ وہ خیال کے روبرو ہے گویا کہ آدمی اسے دیکھ رہا ہے یہ اِدراک ناقص ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ نظر آئے یہ پہلے سے کامل ہے کیونکہ دیدارِ معشوق کی لذت اُس کے خیال سے

زیادہ ہوتی ہے۔ اس کا سبب یہ نہیں کہ دیدار میں صورتِ خیالی کے مخالف یا بہتر کوئی اور صورت ہوتی ہے بلکہ وہی ایک صورت ہوتی ہے لیکن دیدار میں روشن تر معلوم ہوتی ہے جیسا کہ اگر عاشق اپنے معشوق کو دن چڑھے دیکھتا ہے تو آفتاب نکلتے وقت دیکھنے سے زیادہ لذت پاتا ہے اس کا سبب یہ نہیں کہ صورت بدل گئی بلکہ وجہ یہ ہے کہ دن چڑھے صورت زیادہ روشن ہو گئی۔ اِسی طرح جو چیز خیال میں نہیں آتی اور عقل اسے اِدراک کر لیتی ہے اُس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک معرفت' دوسری معرفت سے بڑھ کر ایک درجہ ہے اسے رویت اور مشاہدہ کہتے ہیں اور کمالِ انکشاف میں اُس کی نسبت معرفت کے ساتھ ایسی ہے جیسے دیدار کی نسبت خیال کے ساتھ اور جس طرح پلک بند کرنا آنکھ کے لیے پردہ ہے لیکن خیال کو منع نہیں کرتا اور جب تک یہ حجاب نہ اٹھے۔ یعنی آنکھ نہ کھلے تب تک دیدار نصیب نہیں ہوتا۔ اسی طرح آب و گل سے بنے ہوئے اس بدن کے ساتھ آدمی کا علاقہ اور دُنیا کی خواہشوں کے ساتھ اس کا مشغول رہنا مشاہدہ کے لیے حجاب ہے لیکن معرفت کو منع نہیں کرتا البتہ جب تک یہ علاقہ نہیں ٹوٹتا مشاہدہ غیر ممکن ہے اسی لیے حق سبحانہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا ﴿ لَنْ تَرَانِيْ ﴾ "ہرگز نہ دیکھے گا تو مجھے" پھر جب مشاہدہ روشن اور کامل تر ہو تو ضرور بالضرور اس کی لذت ہی زیادہ ہوتی ہے جس طرح خیال کی بہ نسبت دیدار میں زیادہ ہوتی ہے۔ عزیزم! جان لو کہ جس طرح نطفہ آدمی اور خرمے کا بیج درخت ہو جاتا ہے اسی طرح یہ معرفت کل قیامت کو اس طرح دوسری صفت بن جائے گی کہ پہلی حالت کے ساتھ کچھ نسبت نہ رہے گی اور درجۂ کمال کو پہنچ جائے گی اور اس گردش سے نہایت روشن ہو جائے گی اسے مشاہدہ' نظر اور دیدار کہتے ہیں اس لیے کہ دیدارِ کمال اِدراک سے عبارت ہے اور یہ مشاہدہ اس اِدراک کا کمال درجہ ہے اسی لیے جس طرح معرفت اس جہان میں جہت نہیں چاہتی اسی طرح یہ مشاہدہ بھی جہت نہ چاہے گا پس معرفت دیدار کا تخم ہے جسے معرفت حاصل نہیں وہ دیدارِ الٰہی سے ابد الآباد محروم رہے گا۔ اس لیے کہ جو شخص تخم ہی نہیں رکھتا اُس سے زراعت بھی نہیں ہو سکتی اور جو بڑا عارف ہو گا اُس کا دیکھنا بھی کامل تر ہو گا۔ عزیزم! یہ خیال نہ کرنا کہ دیدار اور لذتِ دیدار میں تمام لوگ برابر ہوں گے بلکہ ہر ایک کو اپنی اپنی معرفت کی مقدار دیدار نصیب ہو گا جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ((اِنَّ اللّٰهَ يَتَجَلّٰى لِلنَّاسِ عَامَّةً وَلِاَبِيْ بَكْرٍ خَاصَّةً)) "بے شک اللہ تجلی فرمائے گا سب لوگوں کے لیے بالعموم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے بالخصوص) اس کے یہی معنی ہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حق سبحانہ تعالیٰ کو تنہا دیکھیں گے بلکہ جو دیدار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نصیب ہو گا وہ دوسروں کو نصیب نہیں ہو گا۔ وہ دیدار اُس کے ساتھ خاص ہے اس لیے اس خصوصیت کا سبب کمالِ معرفت ہے کہ دوسرے لوگ اُس سے محروم ہیں اور یہ جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دوسرے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم پر نماز' روزہ کی وجہ سے فضیلت نہیں بلکہ ایک بھید کی وجہ سے ہے جو اُس کے دِل میں قرار پکڑ گیا ہے۔ یہ اُسی معرفت کی طرف اشارہ ہے۔ یہی معرفت اس دیدارِ الٰہی کا سبب ہو گی جو خاص طور پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نصیب ہو گا۔ پس باوجودیکہ حق تعالیٰ ایک ہی ہے مگر دیدار میں مخلوق کا تفاوت ایسا ہے جیسے ایک ہی صورت کا تفاوت جو کئی آئینوں میں مختلف نظر آتی ہے کوئی چھوٹی' کوئی بڑی' کوئی روشن' کوئی تاریک' کوئی ٹیڑھی' کوئی سیدھی۔ حتیٰ کہ ایسا ہوتا ہے کہ اتنی ٹیڑھی ہو جاتی ہے کہ اچھی صورت کو بھی بری بنا دیتی ہے جس طرح اچھی صورت اچھی ہونے کے باوجود تلوار کی چوڑائی میں دیکھنے سے بری معلوم ہوتی ہے

اور جو شخص اپنا آئینۂ دِل اس جہان سے تاریک یا کج لے جاتا ہے۔ اُس کے لیے وہ چیز بھی رنج و اذیت کا باعث بن جاتی ہے جو دوسروں کے لیے راحت کا سبب ہوتی ہے۔ پس اے عزیز! یہ خیال نہ کرنا کہ دیدارِ الٰہی میں جو لذت پیغمبر علیہ السلام پائیں گے وہی دوسروں کو بھی حاصل ہو گی یا لذت علماء پائیں گے وہی عوام بھی پائیں گے اور جو لذت متقی اور محب علماء پائیں گے وہی اور عالم لوگ بھی پائیں گے اور جس عارف پر حق تعالیٰ کی مُحبّت غالب ہو اور جس پر اس قدر مُحبّت غالب نہ ہو ان دونوں میں لذت کی رو سے تفاوت ہو گا دیدار کی وجہ سے نہیں کیونکہ دونوں عارف ایک ذات کو ہی دیکھیں گے اس لیے کہ دیدار معرفت کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے اور معرفت دونوں کو ہے۔ ان دونوں عارفوں کی مثال ایسی ہے جیسے دو شخص جن کی بینائی برابر ہو کسی خوبصورت کو دیکھیں جبکہ دونوں میں سے ایک اُس کا عاشق زیادہ ہو اور دوسرا کم تو بھی اُسی کو زیادہ لذت حاصل ہو گی جس کا عشق زیادہ ہے۔ پس کمالِ سعادت کے لیے صرف معرفت کافی نہیں ہوتی جب تک اُس کے ساتھ محبت نہ ہو اور مُحبّتِ الٰہی اس طرح غالب ہو سکتی ہے کہ دُنیا کی مُحبّت سے آدمی کا دِل پاک وصاف ہو اور یہ پاکی زہد و تقویٰ کے سوا اور کسی چیز سے حاصل نہیں ہوتی پس جو عارف زاہد اور محب ہو گا اُسے لذت کامل حاصل ہو گی۔

فصل: عزیزم! شاید تم کہو گے کہ اگر دیدار کی لذت' لذتِ معرفت کی جنس سے نہ ہو تو وہ لذت ہی نہیں۔ تم یہ اس لیے کہو گے کہ تمھیں لذتِ معرفت کا علم ہی نہیں۔ صرف کسی کتاب میں چند باتیں ایک جگہ لکھی دیکھ کر تم نے یاد کرلی یا کسی سے سیکھ لی ہیں اور اس کا نام معرفت رکھ لیا ہے اس طرح تو تجھے لذت نہ ملے گی جیسے اگر کوئی شخص بھجیا کا نام لوزینہ رکھ لے اور اسے کھائے تو وہ لوزینہ کی لذت کبھی نہ پائے گا البتہ جو شخص حقیقت معرفت کی حلاوت چکھتا ہے وہ اس میں ایسا مزہ پاتا ہے کہ اگر اسی جہان میں معرفت کے بدلے اسے بہشت دی جائے تو بھی وہ معرفت کو ہی دوست رکھے گا جس طرح عقلمند آدمی سلطنت کو فرج اور شکم کی لذت سے زیادہ دوست رکھتا ہے لیکن اگرچہ معرفت کی لذت بہت بڑی لذت ہے تاہم دیدارِ الٰہی کی لذت سے کچھ نسبت نہیں رکھتی۔ یہ بات مثال کے بغیر سمجھ نہ آسکے گی۔ عزیزم فرض کرو ایک عاشق ہے مگر ابھی اس کا عشق کچا ہے' اس کی شہوت کم ہے۔ اس کے کپڑوں میں بھڑیں اور بچھو بھرے ہوئے ہیں اور اسے کاٹ رہے ہیں۔ ان مصیبتوں کے علاوہ دوسرے کاموں میں بھی مشغول ہے اور ہر چیز سے ڈرتا بھی ہے وہ اگر صبح کے وقت روشنی پھیلنے سے پہلے اپنے معشوق کو دیکھے تو اس حال میں یقیناً اسے دیدار کی لذت کم حاصل ہو گی البتہ اگر سورج نکل آئے' خوب روشنی پھیل جائے اُس کی شہوت خوب تیز اور اس کا عشق نہایت قوی ہو جائے۔ مشغلہ اور خوف اُس کے دِل سے جاتا رہے اور بھڑوں اور بچھوؤں کے درد سے نجات پالے تو اس حالت میں دیدارِ معشوق سے بہت لذت پائے گا۔ پہلے حاصل ہونے والی لذت اس کے ساتھ کوئی مناسبت نہ رکھتی ہو گی۔ دُنیا میں عارف کا بھی یہی حال ہے۔ اندھیرا دُنیا میں ضعف معرفت کی مثال ہے گویا کہ پردے کے اندر سے باہر کی طرف دیکھتا ہے اور ضعف عشق آدمی کے نقصان کے سبب ہوتا ہے اس لیے کہ آدمی جب تک دُنیا میں رہتا ہے ناقص رہتا ہے اور یہ عشق کمال کو نہیں پہنچتا اور بھڑیں اور بچھو دُنیا کی خواہشوں' غم و غصہ اور انواع رنج کی مثال ہے اس لیے کہ یہ سب لذتِ معرفت کو کم کر دیتے ہیں اور شغل' خوف' معاش اور قوت حاصل کرنے اور ایسی باتوں کی مثال ہے اور یہ سب باتیں موت سے جاتی رہتی ہیں اور دیدار کی رغبت اور محبت کامل ہو جاتی ہے۔ پوشیدگی احوال کشف کے ساتھ بدل جاتی ہے

اور دُنیا کا غم و اندوہ اور مشغلہ منقطع ہو جاتا ہے اس لیے وہ لذت کمال کو پہنچ جاتی ہے اگرچہ معرفت کی مقدار سے زیادہ نہیں ہوتی جس طرح بھوکا آدمی کھانے کی خوشبو سے جو لذت پاتا ہے وہ کھانا کھانے کی لذت سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی۔ اسی طرح معرفت کی لذت دیدار کی لذت سے بھی کوئی مناسبت نہیں رکھتی یعنی جس طرح کھانا کھانے کی لذت کھانا کو سونگھنے سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔

فصل : عزیزم! شاید تم کہو کہ معرفت دِل میں ہوتی ہے اور دیدار آنکھ میں۔ پھر دیدار کی لذت کس طرح زیادہ ہو سکتی ہے تو سمجھ لو کہ دیدار کو دیدار اس لیے نہیں کہتے کہ وہ آنکھ میں ہوتا ہے بلکہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ کمال خیال کی وجہ سے ہوتا ہے کیونکہ اگر حق تعالیٰ دیدار کو ماتھے میں پیدا کر دیتا تو بھی دیدار ہوتا پس دیدار کی جگہ پر اٹکے رہنا فضول ہے بلکہ جب دیدار کا لفظ شریعت میں وارد ہوا ہے اور ظاہراً دیدار آنکھ سے ہوتا ہے تو آخرت کے دیدار میں آنکھ کا دخل ہوگا اور تو جان لے کہ آخرت کی آنکھ دُنیا کی آنکھ کی طرح نہ ہوگی اس لیے کہ یہ آنکھ بغیر جہت کے نہیں دیکھ سکتی۔ اور وہ آنکھ بغیر جہت کے دیکھے گی اور عوام کو اس میں بحث و تکرار کرنا جائز نہیں کیونکہ یہ کام اُن کی قوت سے زیادہ ہے جس طرح بڑھئی کا کام بندر سے نہیں ہو سکتا اور دانشمند نے صرف فقہ' حدیث اور تفسیر میں محنت کی وہ بھی اس مضمون میں عامی ہے اس کا کام یہ نہیں بلکہ جس شخص نے عِلمِ کلام میں محنت کی وہ بھی اس حقیقت حال میں عامی ہے کیونکہ وہ عام آدمی کے اعتقاد کا نگہبان اور حفاظت کرنے والا ہے۔ یعنی عام آدمی نے جو اعتقاد قائم کیا ہے متکلم اپنے کلام سے اُس کی نگہبانی کرتا ہے اور بدعتی کے شر و فساد کو عامی سے دفع کرتا ہے۔ جنگ و جدل سے اس کا دفعیہ جانتا ہے مگر معرفت اور ہی کوچہ ہے اس کوچہ کے رہنے والے اور ہی لوگ ہیں ؎

منزلِ عشقش مکانِ دیگر اَست
مَردانِ رہ را نشانِ دیگر اُست

چونکہ یہ بات چھوٹی سی کتاب میں لکھنے کے قابل نہیں اس لیے اسی قدر پر کفایت کرنا بہتر ہے۔

فصل : اے عزیز اگر تُو یہ کہے کہ یہ بات میری سمجھ میں ہرگز نہیں آتی کہ لذتِ بہشت سے بڑھ کر بھی کوئی اور لذت ممکن ہو سکتی ہے اس سلسلے میں علماء نے بہت کچھ تحریر کیا ہے کہ اگر وہ لذت حاصل نہیں ہے تو کم از کم اُس پر ایمان لانے کی تدبیر تو معلوم ہونی چاہیے۔ عزیزم جان لو کہ چار چیزیں اس کی تدبیریں ہیں۔ ایک تو یہ کہ جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس پر بار بار غور کرنا کہ اچھی طرح تیرے ذہن نشین ہو جائے کہ ایک دفعہ کان میں پڑنے والی بات دِل میں نہیں اُترا کرتی۔ دوسرے یہ کہ آدمی کی لذت اور شہوت کی تمام صفات ایک بار ہی اُس میں پیدا نہیں ہو جاتیں کیونکہ جب وہ بچّہ ہوتا ہے تو صرف کھانے پینے کی لذت ہی اُس میں موجود ہوتی ہے۔ پھر جب چھ سات سال کا ہوتا ہے تو اُس میں کھیلنے کودنے کی خواہش اس قدر پیدا ہوتی ہے کہ وہ اس کے لیے کھانا پینا بھی اکثر چھوڑ دیتا ہے پھر دس سال کی عمر میں اچھے اچھے کپڑے پہننے اور اپنے آپ کو بنانے سنوارنے کی خواہش اُس میں اس طرح پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کے لیے کھیل کود بھی بھول جاتا ہے۔ پھر جب پندرہ برس کا ہوتا ہے تو عورتوں کی خواہش اُس میں پیدا ہوتی یہاں تک کہ عورتوں کے پیچھے سب کچھ ترک کر دیتا ہے اور جب بیس برس کے قریب پہنچتا ہے تو ریاست' طلب جاہ' فخر و ناز اور تکاثر کی لذت اس میں

پیدا ہو جاتی ہے دُنیاوی لذتوں کا یہ آخری درجہ ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ :

﴿ اِنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّزِیْنَةٌ وَّتَفَاخُرٌۢ بَیْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ ﴾

"بے شک دُنیا کی زندگی محض کھیل کود' ظاہری زینت' باہم فخر کرنا اور اموال و اولاد کا ایک دوسرے سے زیادہ بتانا ہے"

پس جب بیس برس سے زیادہ بڑھتا ہے تو اگر دُنیا نے اُس کا دِل بالکل خراب اور بیمار نہیں کر دیا تو معرفت کی لذت اُس میں پیدا ہو جاتی ہے یعنی دُنیا اور خالق دُنیا اور اُس کے اَسرار و رموز کو پہچاننے کی لذت اُس میں پیدا ہوتی ہے اور جس طرح ہر پرانی لذت ہر نئی لذت کے سامنے بے وقعت اور بے قدر ہو کر رہ جاتی ہے۔ اسی طرح یہ لذت بھی اس معرفت میں حقیر اور ناچیز ہو جاتی ہے اور بہشت کی لذت بھی پیٹ کی لذت' فرج کی لذت اور آنکھ کی لذت سے زیادہ نہیں کہ اہل بہشت باغوں میں بیٹھے محوِ نظارہ ہونگے اچھے اچھے کھانے کھا رہے ہوں گے۔ سبزہ و گل اور آبِ رواں کا تماشا' خوبصورت آرام گاہوں میں سے کر رہے ہوں گے اور یہ خواہش اس دُنیا میں بھی حکومت' غلبہ اور ریاست کی خواہش کے مقابلہ میں حقیر و ناچیز ہو جاتی ہے پھر معرفت کی لذت کے سامنے بطریق اولیٰ حقیر ہو جائے گی کیونکہ خلوت میں بیٹھنے والے زاہدوں کا کیا ہے؟ وہ تو اپنی اپنی عبادت گاہوں کو اپنے لیے قید خانہ بنا لیتے اور روزانہ ایک اخروٹ کی مقدار سے زیادہ کھانا نہیں کھاتے' اور یہ سب کچھ مقبولیت اور عزت کے حصول کے لیے ہے اور عزت و مقبولیت کی لذت انھیں بہشت کی لذت سے بھی زیادہ محبوب ہے کیونکہ اُن کے نزدیک بہشت کی لذت' پیٹ' فرج اور آنکھ کی لذت سے زیادہ نہیں ہوتی پھر عزت کی لذت جس نے پہلے سب خواہشوں کو حقیر بنا دیا ہے وہ لذتِ معرفت میں فنا ہو جاتی ہے۔ اس کے باوجود اگر تیرا ایمان یہ ہے کہ تو اس لذت کو پہنچا ہوا ہے تو تجھے مزید غور و فکر کی ضرورت ہے اور وہ بچّہ جو ابھی لذتِ جاہ تک نہیں پہنچا وہ اس پر ایمان بھی نہیں رکھتا تو اگر اُس کو ریاست کا مزہ بتانا چاہے تو یہ تیرے لیے بہت مشکل ہے اسی طرح تجھے اندھے کو معرفت کی لذت سمجھانا عارف کے لیے مشکل ہے اگر تو تھوڑا سا سرمایۂ عقل پیدا کر کے غور و تامل کرے گا تو تجھ پر یہ بات پوشیدہ نہ رہے گی۔

تیسرا علاج یہ ہے کہ تو عارفوں کے احوال کو غور سے دیکھے اور اُن کی باتوں کو دھیان سے سنے اس لیے کہ مخنث اور ہیجڑے اگرچہ شہوتِ مباشرت اور اُس کی لذت سے بے خبر ہوتے ہیں مگر جب دیکھتے ہیں کہ مرد اپنی جمع پونجی اس مزے کے پیچھے تباہ و برباد کر رہے ہیں تو انھیں بھی خواہ مخواہ اس بات کا پتہ چل جاتا ہے کہ یہ ساری جدوجہد ایک ایسی شہوت اور لذت کی ہے جو ہمیں نصیب نہیں اسی طرح اگر تو بھی ان احوال کا ذکر سنے تو تجھے بھی تھوڑی بہت معرفت حاصل ہو جائے گی۔ حضرت رابعہ رحمہ اللہ علیہا ایک نیکوکار عورت تھیں اُن کے سامنے جب جنت کا ذکر کیا گیا تو فرمایا کہ "اَلْجَارُ ثُمَّ الدَّارُ" کہ پہلے صاحب خانہ کا درجہ ہے پھر گھر کا۔ حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خُدا تعالیٰ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ دوزخ کا خوف اور بہشت کی اُمید بھی انھیں یادِ الٰہی سے غافل نہیں کرتی پھر وہ دُنیا کی خاطر خُدا کی یاد سے کیسے غافل ہو سکتے ہیں۔ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی دوست نے دریافت کیا کہ آپ کو کس چیز نے دُنیا سے متنفر' گوشہ نشین اور محوِ عبادت بنا دیا؟ کیا موت کے ڈر نے' قبر کے خوف نے' دوزخ کے اندیشے یا بہشت کی اُمید نے؟

فرمایا! ان چیزوں کی کیا حقیقت ہے جس بادشاہ کے دست قدرت میں یہ سب چیزیں ہیں اگر تو اُس کی دوستی اور مُحبت کا مزہ چکھ لے تو ان سب چیزوں کو خود بخود بھول جائے اور اگر تجھے اس کی معرفت اور آشنائی نصیب ہو جائے تو پھر انھی میں سے ہر چیز تیرے لیے باعث ننگ و عار بن جائے۔

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ سے کسی نے خواب میں دریافت کیا کہ ابونصر غار اور عبدالوہاب وراق کا کیا حال ہے؟ تو فرمایا ابھی تو اُن کو بہشت میں کھانا کھاتے چھوڑ آیا ہوں۔ پوچھا آپ کا اپنا کیا حال ہے؟ فرمایا اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ مجھے کھانے پینے کی طرف رغبت نہیں اس لیے مجھے اپنا دیدار نصیب فرمایا ہے اور وہی میرے لیے کافی ہے۔ حضرت علی ابن الموفق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ بہت سے لوگ بہشت میں کھانا کھا رہے ہیں اور فرشتے وہ اچھے' عمدہ اور پاکیزہ کھانے اُن کے مُنہ میں ڈال رہے ہیں۔ ایک شخص کو میں نے دیکھا کہ وہ آنکھیں اٹھائے حق تعالیٰ کے دیدار میں مبہوت و محو ہے۔ میں نے رضوان سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟ اُس نے کہا یہ معروف کرخی ہے کہ اُس نے دوزخ کے خوف یا بہشت کی اُمید پر عبادت نہیں کی بلکہ دیدارِ الٰہی کی خاطر کی ہے اس لیے یوں نظریں گاڑ کر دیکھنا اُن کے لیے مباح کر دیا گیا ہے۔ حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو شخص آج دُنیا میں اپنے آپ میں مشغول ہے وہ کل قیامت کے روز بھی اپنے آپ میں ہی مشغول رہے گا اور جو شخص آج خُدا کے ساتھ مشغول ہے وہ قیامت کے روز بھی دیدارِ الٰہی میں مشغول رہے گا۔ حضرت یحیٰی بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک رات بایزید رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ عشاء کی نماز سے فجر کی نماز تک ایڑیاں اٹھائے ہوئے دونوں پاؤں کی انگلیوں پر کھڑے اور دونوں آنکھیں کھولے مبہوت و بے خود تھے پھر ایک طویل سجدہ سے اُٹھ کر بڑی دیر تک کھڑے رہنے کے بعد عرض کیا کہ بار خدایا! بعض لوگوں نے تجھے طلب کیا اور تو نے انھیں کرامات عطا کر دیں کہ وہ لوگ پانی پر چلے' ہوا پر اُڑے۔ لیکن میں ان باتوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور ایک گروہ کو تو نے زمین کے خزانے مرحمت فرمائے اور کسی کو یہ طاقت بخش دی کہ وہ ایک رات کے اندر لمبی لمبی مسافتیں طے کر ڈالیں اور وہ لوگ ان کرامتوں سے خوش ہوئے اور میں ان سب باتوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اتنے میں مڑ کر مجھے دیکھا تو فرمایا۔ اے یحیٰی تم یہاں ہو۔ میں نے عرض کیا ہاں میرے آقا! میں یہاں ہوں۔ فرمایا کب سے یہاں ہو؟ میں نے کہا "کافی دیر سے"۔ پھر میں نے عرض کیا مجھے ان احوال کے بارے میں کچھ بتایئے۔ فرمایا ہاں جو تمھارے حال کے مطابق ہے وہ تم سے کہتا ہوں۔ حق تعالیٰ نے مجھے ملکوتِ اعلیٰ اور ملکوت اسفل تک عرش و کرسی' بہشت اور آسمانوں کی سیر کرائی اور پھر فرمایا کہ "ان چیزوں میں سے جو چیز تم مانگو گے تمھیں عطا کر دی جائے گی"۔ میں نے عرض کیا کہ "میں ان سب میں سے کچھ نہیں چاہتا"۔ تب ارشاد ہوا کہ بے شک تو میرا اور صرف میرا بندہ ہے۔ حضرت ابو تراب بخشی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بڑا مرید اپنے کام میں انتہائی مستغرق رہتا تھا۔ ایک دن حضرت ابو تراب رحمۃ اللہ علیہ نے اُسے کہا۔ اگر تو بایزید رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھے تو مناسب ہے۔ اُس نے جواب دیا میں اُس دیدار میں مشغول ہوں جو بایزید کے دیدار سے بڑھ کر ہے۔ چند مرتبہ ابو تراب رحمۃ اللہ علیہ نے پھر یہی کہا تو مرید نے جواب دیا میں بایزید کے خُدا کو دیکھ رہا ہوں تو بایزید کو دیکھ کر کیا کروں گا؟ حضرت ابو تراب نے کہا اگر تو ایک مرتبہ بایزید رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ لے تو وہ ستر بار خدا کو دیکھنے سے بہتر ہے مرید نے یہ سن کر حیران ہو کر پوچھا کہ یہ آپ نے کیسے کہہ دیا؟ حضرت ابو تراب نے کہا اے نادان! تو جو اپنے سامنے خُدا کو دیکھتا ہے وہ تو تیری ہمت اور بساط

کے مطابق جلوہ فرما ہوتا ہے اور اگر تم بایزید کو دیکھو تو خُدا کو اُن کی مقدار کے مطابق جلوہ فرما پاؤ گے۔ یہ باریک بات مرید کی سمجھ میں آگئی اور اُس نے عرض کیا کہ آیئے چلیں۔ چنانچہ وہ بایزید کے پاس پہنچے تو وہ جنگل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ دونوں جب اُن کے قریب پہنچے تو وہ الٹی پوستین پہنے ہوئے اپنے حجرے سے باہر تشریف لائے۔ مرید نے اُن کی طرف دیکھ کر ایک نعرہ مارا اور وہیں مرگیا۔ میں نے کہا "اے بایزید! جو کوئی آپ کو ایک نظر دیکھے کیا وہ واجب القتل ہو جاتا ہے"۔ فرمایا "نہیں" بلکہ یہ مرید صادق و باصفا تھا اس میں ایک راز پوشیدہ تھا جو اُس کی اپنی قوت سے اُس پر آشکارہ نہ ہو رہا تھا۔ جب اُس نے مجھے دیکھا تو وہ بھید کھل گیا چونکہ خود ضعیف تھا اس لیے اُس کی تاب نہ لاسکا اور مرگیا۔ اور حضرت بایزید کہتے ہیں کہ اگر خلت ابراہیم علیہ السلام ' مناجاتِ موسیٰ علیہ السلام ' اور روحانیت عیسیٰ علیہ السلام ' تجھے حق تعالیٰ عطا فرمائیں تو بھی اُن سے مُنہ نہ موڑ کہ اس کے علاوہ بھی بہت سے کام رکھتا ہے۔ حضرت بایزید کے ایک دوست نے ایک دن کہا کہ میں تیس برس سے رات کو نماز پڑھتا اور دن کو روزہ رکھتا ہوں مگر جو حالات آپ بیان کرتے ہیں وہ مجھ پر ظاہر نہیں ہوتے۔ حضرت بایزید نے فرمایا اگر تم تیس سو سال بھی عبادت کرتے رہو تو تمہیں کچھ حاصل نہ ہو گا۔ پوچھا اس کا سبب کیا ہے؟ فرمایا تو اپنی خودی سے ہی حجاب میں ہے۔ یعنی اپنے آپ سے ہی بے خبر ہے۔ پوچھا اس کا علاج کیا ہے؟ فرمایا اس کا علاج تجھ سے نہیں ہو سکے گا۔ اُس نے کہا آپ بتائیں میں ضرور علاج کروں گا۔ فرمایا نہیں تو نہیں کرے گا۔ اُس نے اصرار کیا تو فرمایا ابھی حجام کے پاس جا کر داڑھی منڈوا ڈالو اور ننگے ہو جاؤ۔ صرف ایک تہبند کمر کے ساتھ باندھ لو اور اخروٹوں کا بھرا ہوا تھیلا گلے میں لٹکا کر بازار میں ڈھنڈورا پیٹو کہ جو لڑکا مجھے ایک دھپا مارے گا اُسے ایک اخروٹ انعام دوں گا۔ پھر اسی طرح قاضی اور دیگر متشرع لوگوں کے پاس جاؤ اور یہی الفاظ دہراؤ! اُس نے کہا سبحان اللہ! یہ آپ نے کیا کہا۔ آپ نے فرمایا تو نے یہ جو سبحان اللہ کے الفاظ کہے گویا شرک کیا ہے کیونکہ یہ تو نے اپنی تعظیم کے لیے کہا ہے۔ اُس نے کہا اس کے علاوہ کوئی علاج بتایئے کہ یہ مجھ سے نہ ہو سکے گا۔ آپ نے فرمایا علاج یہی ہے جو میں نے بتا دیا کہنے لگا یہ تو مجھ سے نہیں ہو سکے گا۔ فرمایا میں نے بھی تو یہ ہی کہا تھا کہ تُو نہیں کرسکے گا۔ دراصل بایزید نے یہ علاج اس لیے تجویز فرمایا کہ وہ شخص جاہ و تکبر کی طلب میں مشغول تھا اور ایسے مرض کا یہی علاج ہوتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی آئی کہ اے عیسیٰ! میں جب اپنے بندے کے دِل میں نگاہ کرتا ہوں اور اُس میں طلب دُنیا اور طلب آخرت نہیں دیکھتا تو اپنی مُحبت اُس میں موجود پاتا ہوں اور اُس کی خود ہی حفاظت کرتا ہوں۔

ابراہیم ادھم نے عرض کیا اے بار خدایا تو جانتا ہے کہ تو نے جو محبت اور اپنے ذکر کا اُنس مجھے عطا فرمایا ہے اُس کے سامنے بہشت میرے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں۔ حضرت رابعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا سے لوگوں نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوستی کیسی ہے۔ فرمایا یہ بہت مشکل ہے لیکن مُحبت الٰہی نے مجھے مخلوق کی مُحبت سے بے نیاز کر دیا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لوگوں نے پوچھا کہ تمام اعمال میں سے کونسا عمل افضل ہے۔ فرمایا حق تعالیٰ کی مُحبت اور اُس کی رضا پر راضی رہنا۔ غرض اس قسم کی احادیث اور حکایات بہت سی ہیں اور بزرگوں کے احوال کے قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خُدا کی معرفت اور اُس کی مُحبت کی لذت بہشت کی لذت سے زیادہ ہے۔ عزیزم اس مقام میں تجھے غور و تامل کرنا چاہیے۔

معرفتِ الٰہی کے پوشیدہ رہنے کے سبب کا بیان :

یاد رکھو کہ جن چیزوں کے جاننے سے آدمی معذور ہوتا ہے اس کی دو وجوہ ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ چیز پوشیدہ ہو ظاہر نہ ہو۔ دوسری یہ کہ وہ چیز اس قدر روشن ہو کہ آنکھ اُس کو نہ دیکھ سکے۔ چمگادڑ اسی لیے رات کو ہی دیکھتا ہے دن کو نہیں دیکھ سکتا۔ اس کی یہ وجہ نہیں کہ رات کو چیزیں زیادہ ظاہر ہوتی ہیں بلکہ چیزیں تو دن کو ہی ظاہر اور روشن ہوتی ہیں مگر اُس کی بینائی ضعیف ہے اس لیے وہ دن کی روشنی کی تاب نہیں لا سکتی اسی طرح وحی کے کمال اور اُس کے حصول کے لیے دلوں کی قوّت کے کم ہونے کے باعث خُدا کی معرفت دشوار ہوتی ہے۔ خُدا تعالیٰ کے نور کی مثال ایسی ہے کہ جیسے جب تو ایک لکھا ہوا خط یا سلی ہوئی پوشاک دیکھتا ہے تو کاتب اور درزی کی قدرت، علم، حیات اور ارادے کو اپنے سامنے ظاہر و روشن پاتا ہے کہ اُن کا یہ فعل اُن کی صفات کو اس طرح ظاہر کرتا ہے کہ عِلمِ یقینی حاصل ہو جاتا ہے اسی طرح اگر حق تعالیٰ تمام جہان میں صرف ایک پرندے کو یا نباتات میں سے کوئی ایک چیز ہی پیدا کر دیتا تو دیکھنے والے پر صانع کے کمالِ علم، کمالِ قدرت، کمالِ عظمت اور کمالِ جلال کی معرفت ضرور بالضرور حاصل ہوتی کیونکہ صانع پر مصنوع کی دلالت، کاتب پر خط کی دلالت سے زیادہ واضح ہے مگر آسمان و زمین، حیوانات، نباتات، سنگ اور کلوخ، اور جو کچھ موجودہ مخلوق وہم و خیال میں آتے ہیں سب یک زُبان ہو کر صانع کی بزرگی پر گواہی دیتے ہیں ؎

ہر گیاہی کہ از زمیں روید
وحدہ لا شریک لہ گوید

دلائل کی کثرت اور روشنی کی شدت کی وجہ سے معرفت پوشیدہ ہے اس لیے کہ اگر کوئی فعل کسی صانع کا ہوتا اور کوئی کسی دوسرے صانع کا تو معرفت بھی ظاہر ہو جاتی لیکن اب چونکہ صانع ایک ہے اور مصنوعات ایک صفت پر ہو گئیں لہٰذا صانع کی معرفت پوشیدہ ہو گئی۔ اس کی مثال آفتاب کی سی ہے کہ کوئی چیز اُس سے زیادہ روشن نہیں کیونکہ تمام چیزیں اُسی طرح ظاہر ہوتی ہیں لیکن آفتاب اگر رات کو غروب نہ ہو جاتا یا دن کو سایہ کی وجہ سے چھپ نہ جایا کرتا تو کسی کو معلوم نہ ہوتا کہ روئے زمین پر ایک ہی نور ہے کیونکہ اس صورت میں سفیدی، سیاہی اور رنگوں کے علاوہ کچھ بھی نہ دیکھ پاتے۔ لہٰذا یہی کہتے کہ ان کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ پس اُن کا اس چیز پر آگاہ ہو جانا کہ نور کا وجود رنگوں سے یکسر علیحدہ چیز ہے اسی بنا پر تھا کہ رات کو رنگ پوشیدہ ہو جاتے ہیں بلکہ سایہ بھی اس قدر مبہم اور غیر واضح ہو جاتا ہے کہ نور آفتاب کی موجودگی میں پوری طرح واضح نہیں ہو پاتا۔ پس آفتاب کو جو پہچانا تو اُس کی ضد سے پہچانا۔ اب اگر اسی طرح خالق کا کبھی موجود اور کبھی معدوم ہونا ناممکن ہوتا تو آسمان و زمین تو خیر تباہ و برباد اور نیست و نابود ہو ہی جاتے لیکن البتہ مخلوق کو خالق کی پہچان ہو جاتی مگر چونکہ تمام موجودات و مخلوقات اپنے خالق پر بیک زُبان گواہ ہیں اور یہ گواہی بھی ہمیشہ کے لیے ہے تو گویا روشنی ہی روشنی ہے کہ معرفتِ الٰہی اس میں پوشیدہ ہو گئی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی مصنوعات و مخلوقات ہم بچپن سے ہی دیکھتے چلے آتے ہیں جبکہ بچپن میں ان باتوں کا شعور تک نہیں ہوتا کہ یہ صفتیں کس صانع کی گواہی دے رہی ہیں۔ پھر اُن کے خوگر ہوتے ہوتے اُن سے مانوس تو ہو جاتے ہیں بلکہ اُن کی مُحبّت میں گرفتار بھی ہو جاتے ہیں لیکن نہ اُن سے صانع کی گواہی طلب کرتے ہیں اور نہ اُن سے آگاہ ہو پاتے ہیں البتہ کبھی کبھار کوئی عجیب

الخلقت جانور یا کوئی نباتات دیکھ کر بے اختیار زُبان سے سبحان اللہ کے الفاظ نکل جاتے ہیں گویا اس کی گواہی پہلے سے دِل میں موجود تھی۔ پس اگر بینائی کمزور نہ ہو تو دیکھنے والے کو ہر چیز میں صانع ہی نظر آئے گا نہ کہ وہ صفت۔ وہ زمین و آسمان کو بھی صرف اس لیے دیکھتا ہے کہ وہ صانع کی صنعت پر گواہ ہیں۔ جس طرح کوئی شخص خط کو اس نظر سے نہ دیکھے کہ وہ سیاہی اور کاغذ ہے کیونکہ اس طرح وہی شخص دیکھتا ہے جو خط سے ناواقف ہو بلکہ اس نظر سے دیکھے کہ یہ خط آراستہ ہے حتیٰ کہ اس میں کاتب کو دیکھنے لگتا ہے جس طرح کسی تصنیف میں مصنف کی شخصیت کو موجود پاتے ہیں اور کتاب میں خط کو نہیں دیکھتا بلکہ صاحب کتاب کو دیکھتا ہے۔ جب یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے تو پھر جس چیز میں نظر کرتا ہے خدا کو ہی دیکھتا ہے۔ اس لیے کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو اس کی بنائی ہوئی نہ ہو بلکہ سارا جہان اسی کی صفت اور کتاب ہے۔ عزیزم! اگر تو ایسی چیز دیکھنا چاہے جو نہ اُس کی مصنوع ہو اور نہ اُس کی ذات ہو تو ہرگز نہ دیکھ سکے گا اور سب مخلوق زبان فصیح یعنی زُبان حال سے اُس کے کمالِ قدرت اور کمالِ جلال و عظمت پر گواہی دیتی ہے۔ جہان میں اُس سے روشن کوئی نہیں مگر مخلوق اپنے ضعف کی وجہ سے اُس معرفت سے عاجز رہتی ہے۔

محبت پیدا کرنے کی تدبیر کا بیان:

جان لو کہ مُحبّت تمام مقامات میں سے بزرگ ترین مقام ہے لہٰذا اس کی تدبیر کا جاننا ضروری ہے کہ جو شخص چاہتا ہے کہ خوبرو پر عاشق ہو تو سب سے پہلے وہ باقی تمام چیزوں سے مُنہ موڑ لیتا ہے اور ہمیشہ اُسی کو دیکھتا رہتا ہے پھر یہی نہیں کہ صرف اُس کا چہرہ دیکھتا رہتا ہے بلکہ اُس کے دوسرے اعضاء کو بھی دیکھنے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ وہ بھی اُس حسن کا حصہ ہوتے ہیں۔ جب اس نظارہ بازی پر مداومت کرے گا تو خواہ مخواہ اُس کے دِل میں تھوڑی بہت رغبت پیدا ہو جائے گی۔ پس مُحبّت الٰہی کا بھی یہی حال ہے۔ اس کی پہلی شرط یہ ہے کہ آدمی دُنیا کی طرف سے مُنہ موڑے اور اس نابکار کی محبت سے دِل کو پاک کرلے کہ غیر خُدا کی مُحبت آدمی کو خُدا کی مُحبّت سے روکتی ہے۔ یہ دِل کو پاک کرنا ایسا ہے جیسے کوڑے کرکٹ سے زمین کو پاک کرنا۔ یہ ہو چکے تو پھر اس کی معرفت کا طالب ہونا چاہیے جو شخص حق تعالیٰ سے مُحبّت نہیں کرتا اس کا سبب یہ ہے کہ اُس کی حقیقت سے ناواقف ہے ورنہ جمال و کمال تو آدمی کو فطری طور پر محبوب ہیں حتیٰ کہ جو شخص حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کو پہچان لے وہ ان کو لامحالہ دوست رکھے گا اس لیے کہ اوصافِ حمیدہ بالطبع محبوب ہیں اور معرفت حاصل کرنا ایسا ہے جیسے تخم ریزی کرنا پھر ذکر و فکر میں مشغول ہونا گویا اس کی آبیاری کرنا ہے کہ جب کوئی شخص کسی دوست کو یاد کرتا ہے تو خواہ مخواہ اُس کے دِل میں اُنس پیدا ہو جاتا ہے۔ عزیزم جان لو کہ کوئی بھی مسلمان اصل محبت سے خالی نہیں البتہ باہمی فرق تین وجہ سے ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ دُنیاوی مُحبّت میں ہر شخص کا درجہ مختلف ہوتا ہے اور ایک شے کی مُحبّت دوسرے شے کی مُحبّت پر اثر انداز ہوتی ہے یعنی اُسے کم کر دیتی ہے۔ دوسرا یہ کہ معرفت میں فرق پایا جاتا ہے مثلاً ایک عام آدمی امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو صرف اس لیے دوست رکھتا ہے کہ وہ ایک بلند پایہ عالم ہیں مگر جو فقیہہ ان کے عِلم و فضل سے واقف ہے وہ اُس عام آدمی کے مقابلہ میں ان سے زیادہ محبت کرے گا کیونکہ عام آدمی کی بہ نسبت وہ انھیں زیادہ جانتا ہے چنانچہ ان کے حالات، علوم اور اَخلاق سے زیادہ واقف ہونے کے سبب اُن کے شاگرد مزنی انھیں دوست بھی بہت زیادہ رکھتے تھے۔ اسی طرح جو شخص حق تعالیٰ کو جس قدر زیادہ جانتا ہے اُسی قدر وہ اسے دوست بھی زیادہ رکھتا ہے۔

تیسرے یہ کہ ہر کسی کے ذکر و فکر اور فرمانبرداری میں فرق ہوتا ہے اور اُنس و مُحبّت کی بنیاد یہی ہوتی ہے اور جب اسی ذکر و فکر میں فرق ہو گا تو یقیناً شوق و اُنس میں بھی فرق ہو گا پس کسی شخص کا حق تعالیٰ سے مُحبّت کرنا صرف اسی لیے ہوتا ہے کہ اُس کو اللہ تعالیٰ کی خبر ہی نہیں ہوتی ورنہ حسن و جمال تو جس طرح ظاہر میں پسندیدہ ہوتا ہے ویسے ہی باطنی جمال و حسن بھی مرغوب و محبوب ہوتا ہے۔ پس مُحبّت نتیجہ ہے معرفت کا اور حصولِ معرفت دو طرح ہو سکتا ہے پہلا تو وہ طریقہ جو صوفیاء کا ہے کہ مجاہدہ و ریاضت اختیار کرنا اور ذکر دوام سے باطن کی صفائی کرنا تاکہ غیراللہ سے بالکل چھٹکارا حاصل ہو جائے تب ان کے باطن میں وہ معاملات ظاہر ہوتے ہیں جن سے عظمت الٰہی مشاہدہ کی طرح روشن ہو جاتی ہے اُس کی مثال ایسی ہے جیسے جال بچھانا کہ ہو سکتا ہے کہ اس میں شکار پھنس جائے یا نہ پھنسے اور پھر ممکن ہے کہ چوہا آ پھنسے یا باز گرفتار ہو جائے گویا اپنا اپنا نصیب ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ ہر کسی کا نصیبہ دوسروں سے مختلف ہوتا ہے۔ دوسرا طریق یہ ہے کہ عِلمِ معرفت حاصل کیا جائے۔ عِلمِ کلام اور دوسرے علوم کا حاصل کرنا اتنا ضروری نہیں اور عِلمِ معرفت کی ابتدا یہی ہے کہ حق تعالیٰ کی صفتوں اور عجائب و غرائب میں غور و فکر کیا جائے چنانچہ ساتویں اصل میں اس کا بیان ہو چکا ہے۔ پھر ترقی کر کے جمال و جلالِ الٰہی میں تفکر کی منزل آتی ہے اور اسماءِ الٰہی کے اَسرار اُس پر منکشف ہوتے ہیں اور یہ ایک بہت عظمت والا عِلم ہے جس کی تفصیل طویل ہے لیکن عقلمند اور ہوشیار مرید اپنے مرشد کامل کے ذریعہ اسے حاصل کر لیتا ہے لیکن کند ذہن اس مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا کیونکہ اس میں جال لگانے اور دام بچھانے والی بات تو ہوتی نہیں کیونکہ یہ تو تجارت، زراعت اور کسب معاش کے لیے کسی پیشہ کی طرح ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی نے بکری کے نر اور مادے کا ایک جوڑا پالا تو نسل خواہ مخواہ بڑھے گی مال زیادہ ہو گا لیکن اگر اُن پر بجلی گرے اور وہ اچانک تباہ ہو جائیں تو مجبوری ہے اور اگر کوئی معرفت کے راستے کو چھوڑ کر کسی اور طریق سے حصولِ مُحبّت کا متلاشی ہے تو وہ طلب محال میں خواہ مخواہ اپنے آپ کو تباہ کر رہا ہے اور جو کوئی حصولِ معرفت کے لیے مذکورہ دو طریقوں کے علاوہ کسی اور طریق کا متلاشی ہے اسے بھی کامیابی نہیں ہو سکتی اور اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ آخرت کی سعادت کا حصول مُحبّت الٰہی کے بغیر بھی ممکن ہے تو سخت غلطی پر ہے کیونکہ آخرت کی حقیقت، اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ حق تعالیٰ تک رسائی حاصل ہو جائے۔ اور پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اگر رسائی کسی ایسی چیز تک ہو جائے جس سے پہلے بھی مُحبّت رہی ہو لیکن عوائق کی وجہ سے وقتی طور پر آنکھوں سے اوجھل تھی جب کہ محبوب ہونے سے پہلے ایک عرصہ اس کے اشتیاق میں گزر چکا ہو تو پردوں کے ہٹتے ہی پھر پہلے والا شوق اور ولولہ از سرنو تازہ ہو جائے گا اسی کا نام سعادت ہے لیکن اگر پہلے سے مُحبّت موجود ہی نہ ہو تو اُسے کچھ بھی لذت نہیں ملتی اور اگر کچھ معمولی سی مُحبّت اس سے پہلے رہ چکی ہو تو معمولی سی لذت بھی مل جاتی ہے۔ پس سعادت کی مقدار وہی ہو گی جو عشق و مُحبّت کی ہو گی اور اگر نعوذباللہ کسی نے اپنے باطن میں کسی ایسی چیز کا نقشہ الفت اور مناسبت پیدا کر رکھی ہو جو مُحبّت الٰہی کے مخالف ہو تو آخرت میں اس کا انجام اہل سعادت کے برعکس ہو گا اور وہ اس کی ہلاکت، رنج اور مصیبت کی صورت میں ظاہر ہو گا جو چیز دوسروں کے لیے سعادت کا باعث بنے گی وہی اس کے لیے ہلاکت کا سبب بن جائے گی۔ لوگ سعید کہلائیں گے اور یہ بدبخت شقی کہلائے گا۔

حکایت : ایک خاکروب عطر سازوں کے بازار میں گیا اور وہاں کی خوشبوئیں سونگھ کر بے ہوش ہو گیا اور گر

پڑا۔ لوگ آ آ کر اس پر گلاب چھڑکنے لگے اور اسے مشک سنگھانے لگے لیکن اس کا حال مزید بدتر ہوتا گیا حتیٰ کہ ایک شخص کا وہاں سے گزر ہوا جو کسی زمانہ میں خود خاکروب رہ چکا تھا۔ اُس نے اُس کا حال پہچانا اور گندگی و غلاظت اٹھا کر بھگوئی اور اُس کے ناک پر مل دی۔ وہ فوراً ہوش میں آگیا اور کہنے لگا "خوشبو تو یہ ہے" پس جس نے لذتِ دُنیا کے ساتھ اُنس پیدا کیا اُس کی مثال اُسی خاکروب کی مانند ہے۔ جس طرح عطاروں کے بازار میں گندگی اور غلاظت کا گزر نہیں ہوتا بلکہ ان کی دُکانوں پر جو کچھ ہے وہ نجاست و بدبو کی عین ضد ہے اور خود خاکروب کی طبیعت کے بھی بالکل خلاف ہے اور اُس کے لیے باعث تکلیف ثابت ہوتا ہے اور جس چیز کے ساتھ اُس نے الفت پیدا کی وہ وہاں موجود نہ تھی۔ اسی طرح آخرت کے بازار میں بھی دُنیا کی شہوتوں میں سے کوئی چیز نہ ملے گی اور جو نعمتیں وہاں ہوں گی وہ اس کی طبیعت کے خلاف ہوں گی۔ پس وہی چیزیں اُس کے لیے رنج و مصیبت اور اس کی شقاوت کا باعث ہوں گی۔ آخرت عالمِ ارواح اور جمالِ الٰہی ہے کیونکہ جمالِ الٰہی وہاں ظاہر ہوگا سعید وہی شخص ہے جس نے دُنیا میں اس کے ساتھ مناسبت پیدا کی حتیٰ کہ وہ اس کے موافق ہو جائے اور سب ریاضتیں، عبادتیں اور معرفتیں اسی مناسبت کے لیے ہیں اور محبّت خود یہی مناسبت ہے جو حق تعالٰی نے فرمایا ہے ﴿ قد افلح من تزکی ﴾ اس کے یہی معنیٰ ہیں اور دُنیا کی سب معصیتیں محبتیں اور شہوتیں اس مناسبت کی ضد ہیں۔ آیت کریمہ ﴿ وقد خاب من دسھا ﴾ سے یہی مراد ہے۔

اربابِ بصیرت نے اس مضمون کو حد تقلید سے گزر کر صدقِ پیغمبر سے پہچانا ہے بلکہ اس کی وجہ سے صدقِ پیغمبر کو بغیر کسی معجزہ کے یقینی سمجھے ہیں اس لیے کہ جو شخص عِلمِ طب جانتا ہے وہ اگر کسی طبیب کی بات سنتا ہے، پہچان جاتا ہے کہ یہ طبیب ہے اور جب وہ دکاندار حکیم کی بات سنتا ہے تو جان جاتا ہے کہ یہ جاہل ہے۔ پس اسی طرح سچے اور جھوٹے نبی کی پہچان ہو جاتی ہے پھر جو کوئی اپنی بصیرت کے زور سے پہچانتا ہے اصل میں اُس کا بیشتر حصہ نبی کی وجہ سے پہچانا ہوتا ہے اور یہی عِلم یقینی ہوتا ہے کہ یہ ایسے تو حاصل نہیں ہوا ہوتا جیسے اپنے سامنے لازمی عصا کو اژدہا بنتے دیکھ کر حاصل ہوا ہو کیونکہ اس قسم کا عِلم تو ہر وقت خطرے سے دور رہتا ہے کہ گوسالے کی آواز سے باطل ہو جائے کیونکہ پیغمبر کے معجزہ اور سامری کے جادو میں امتیاز کرنا اتنا آسان نہیں ہوتا جتنا کہ عِلم ضروری و یقینی آسان اور آسان فہم ہوتا ہے۔

محبت کی علامتوں کا بیان:

عزیزم! یاد رکھو کہ محبّت ایک گوہر عزیز ہے اور محبّت کا دعویٰ کرنا آسان نہیں۔ لہٰذا انسان کو سوچے سمجھے بغیر اپنے اوپر محبّت کا گمان نہ کرلینا چاہیے کہ میں بھی اہل محبّت میں سے ہوں کیونکہ محبّت کی چند نشانیاں ہیں پس دیکھنا چاہیے کہ وہ اُس میں موجود ہیں یا نہیں اور یہ نشانیاں سات ہیں۔

پہلی موت سے کراہت نہ کرے کیونکہ کوئی محب اپنے محبوب کے دیدار کو ناپسند نہیں کرتا۔ جناب رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص خُدا کے دیدار کو دوست رکھتا ہے خُدا بھی اس کے دیدار کو دوست رکھتا ہے۔ بوبطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک زاہد سے پوچھا کیا تو موت کو دوست رکھتا ہے؟ اُس نے جواب میں توقف کیا تو بوبطی نے کہا اگر تو صادق ہوتا تو موت کو ضرور دوست رکھتا۔ البتہ یہ بات جائز ہے کہ آدمی موت سے محبّت کرتا ہو لیکن اس کے جلدی آنے سے کراہت کرے نہ کہ خود اصل موت سے کراہت کرے۔ اس موت کے جلدی آنے کی کراہت کا سبب یہ ہو کہ ابھی آخرت کا سامانِ راہ تیار نہ ہوا اور وہ اسے تیار کرنے میں مصروف ہو اور اس خواہش کی خود ایک علامت ہوتی ہے کہ وہ ہر وقت

آخرت کا زادِ راہ تیار کرنے میں مصروف رہے۔
دوسری علامت یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے محبوب پر اپنے محبوب کو قربان کر دے جو چیز بھی اُسے اپنے حق میں قربِ خداوندی کا ذریعہ سمجھے اُسے ہرگز نہ چھوڑے اور جو چیز اُس سے دوری کا سبب ہو۔ اُس سے دور رہے اور یہ وہ شخص ہوتا ہے جو خلوصِ دِل سے صرف حق تعالیٰ کو ہی دوست رکھتا ہے جیسے کہ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا "اگر تم کسی ایسے شخص کے دیدار کے متمنی ہو جو صدقِ دِل سے پوری طرح خُدا کا دوست ہو تو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام سالم رضی اللہ عنہ کو دیکھ لو"۔ پس اگر کسی سے گناہ سرزد ہو جائے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اسے حق تعالیٰ سے مُحبّت نہیں بلکہ یہ اس بات کی نشانی ہے کہ اسے پوری طرح مُحبّت نہیں۔ ہمارے اس دعوے پر دلیل یہ ہے کہ نعمان رضی اللہ عنہ کو جب کئی دفعہ شراب پینے پر حد جاری کی گئی تو ایک شخص نے ان پر لعنت کی۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس پر لعنت نہ کرو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ مُحبّت کرتا ہے۔ حضرت فضیل عیاض رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اگر کوئی تجھ سے پوچھے کہ تجھے حق تعالیٰ سے مُحبّت ہے؟ تو جواب میں خاموشی اختیار کرو کیونکہ اگر تمھارا جواب نفی میں ہوگا تو کافر ہو جاؤ گے اور اگر جواب میں کہو گے کہ ہاں مجھے مُحبّت ہے تو تیرا یہ عمل خُدا کے دوستوں کا سا نہ ہوگا۔
تیسری علامت یہ ہے کہ ذکر اللہ کی تازگی سے اُس کا دِل کبھی بھی محروم نہ ہو اور بے تکلف ذکرِ الٰہی کا شائق رہے اس لیے کہ جو شخص کسی چیز کو دوست رکھتا ہے تو اکثر اس کا ذکر کرتا رہتا ہے۔ اگر مُحبّت کامل ہوتی ہے تو کبھی نہیں بھولتا لیکن اگر تکلف سے دِل کو ذکرِ الٰہی میں مشغول کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُس کا محبوب وہی ہے جس کی یاد اس کے دِل پر غالب ہے۔ خُدا کی مُحبّت غالب نہیں البتہ اُس کی مُحبّت کی محبت غالب ہے کیونکہ اُسے دوست بنانا چاہتا ہے۔ مُحبّت اور چیز ہے اور محبت کی مُحبّت اُس سے بالکل الگ چیز ہے۔
چوتھی یہ کہ قرآن شریف کو دوست رکھے کہ اُس کا کلام ہے۔ اُس کے رسول ﷺ کو دوست رکھے کہ اُس کے دوست ہیں بلکہ اُس کی طرف منسوب ہر چیز کو دوست رکھے۔ پھر جب دوستی مضبوط ہو جائے تو تمام مخلوق کو دوست رکھے کہ سب خُدا کے بندے ہیں بلکہ تمام موجودات کو دوست رکھے کہ سب اُسی کی مخلوق ہے کیونکہ انسان جب کسی کو دوست رکھتا ہے تو اس کی ہر چیز حتیٰ کہ اُس کے خط اور اُس کی تصنیف کو بھی پسند کرتا ہے۔
پانچویں یہ کہ خلوت میں مناجات کرنے کے حرص میں مبتلا اور ہمیشہ اس انتظار میں ہو کہ کب رات آئے اور میں دُنیا کے تمام مشغلوں سے نجات پا کر خلوت میں دوست کے ساتھ گفتگو کر سکوں لیکن اگر رات دن نیند اور دُنیاوی باتوں سے فرصت نہ ہو تو پھر گویا اُس کی مُحبّت ناقص ہے کہ اُسے حق تعالیٰ سے زیادہ دوسری چیزوں سے مُحبّت ہوئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اے داؤد مخلوق کے ساتھ اُنس و مُحبّت نہ کر کیونکہ انھیں میں سے دو قسم کے لوگ میری مُحبّت سے محروم رہتے ہیں ایک وہ جو ثواب کے حصول اور طلب میں جلدی کرے اور جب دیر سے ملے تو کاہل اور سست ہو جائے دوسرے وہ جو مجھے فراموش کر کے اپنے ہی خیالوں میں محو رہے۔ ان کی نشانی یہ ہے کہ میں انھیں دُنیا میں اُن کے حال پہ چھوڑ دیتا ہوں بلکہ خاصا حیران و پریشان رکھتا ہوں۔ پس جب اللہ کی مُحبّت غالب ہو تو غیر اللہ کی مُحبّت بالکل مغلوب بلکہ دب کر رہ جاتی ہے۔ بنی اسرائیل میں ایک عابد رات بھر عبادت میں مصروف رہتا۔ ایک درخت پر ایک خوش الحان

پرندہ بولا تو عابد نے اُس کے درخت کے نیچے نماز ادا کرنی شروع کی۔ اُس وقت کے پیغمبر پر یہ وحی نازل ہوئی کہ اُس عابد سے کہہ دو کہ تم نے ایک خوش آواز پرندے کے ساتھ بھی مُحبّت کی اس لیے تیرا ایک درجہ کم ہوگیا کہ پھر کسی عمل سے بھی وہ درجہ نہ پا سکے گا اور کچھ لوگ خُدا سے مُحبّت اور مناجات کر کے اس مرتبہ کو پہنچ چکے ہیں کہ اُن کے گھر کے دوسرے کونے میں آگ لگ گئی اور انھیں خبر بھی نہ ہوئی۔ ایک بزرگ کو کوئی بیماری تھی۔ اس سبب سے نماز کی حالت میں اُن کا پاؤں کاٹ دیا گیا انھیں احساس تک نہ ہوا۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اے داؤد! جس نے میری مُحبّت کا دعویٰ کیا لیکن رات بھر سویا رہا وہ جھوٹا ہے کہ دوست کیا دوست کا دیدار نہیں چاہتا اور جو مجھے تلاش کرتا ہے میں اُس کے ساتھ ہوں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ اے بار خدایا! تو کہاں ہے کہ میں تجھے ڈھونڈ سکوں؟ جواب ملا کہ تو نے مجھے تلاش کرنے کا ارادہ کر لیا تو سمجھ لیا کہ مجھے پا لیا۔

چھٹی یہ کہ اُس پر عبادت کرنا آسان ہو وہ اُسے گراں نہ سمجھے۔ ایک عابد نے کہا کہ پہلے تیس برس تک گویا میں نے تہجد کی نماز جان کنی کے عالم میں ادا کی لیکن میں نے اپنے آپ کو اس پر مستعد رکھا اور جب عادی ہو گیا تو پھر عبادت تیس برس مجھے عیش و عشرت محسوس ہوئی۔ حقیقت بھی یہ ہے کہ جب اللہ کی مُحبّت پکی ہو جائے تو پھر کوئی لذت عبادت کی لذت سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی تو عبادت دشوار کیسے ہو گی۔

ساتویں یہ کہ حق تعالیٰ کے تمام اطاعت گزار بندوں کے ساتھ مُحبّت رکھے اور اُن پر رحم کرے اور شفقت سے پیش آئے اور تمام کافروں اور گنہگاروں سے عداوت رکھے جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ کسی پیغمبر علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے سوال کیا کہ بار خُدا تیرے محب کون لوگ ہیں؟ فرمایا وہ لوگ ہیں کہ جس طرح بچّہ اپنی ماں کا دیوانہ رہتا ہے وہ میرے شیفتہ رہیں اور جس طرح چڑیا اپنے گھونسلے میں پناہ لیتی ہے اسی طرح وہ میرے ذکر میں پناہ لیں۔ نیز جب کسی گناہ کو دیکھ لیتے ہیں تو غصے میں آ کر اس طرح بے خوف ہو جاتے ہیں جس طرح شیر غصے میں بے خوف ہو جاتا ہے پس یہ اور اس قسم کی بہت سی نشانیاں ہیں جو محبانِ الٰہی میں ہوا کرتی ہیں جس کو مُحبّت کامل ہوتی ہے اس میں یہ سب علامتیں پائی جاتی ہیں اور جس میں بعض علامتیں ہوں اُس کی مُحبّت بھی ناقص ہوتی ہے۔

خُدا طلبی کے شوق کا بیان:

عزیزم جان لو کہ جو شخص مُحبّت الٰہی کا منکر ہے وہ اُس کے شوق کا بھی منکر ہے۔ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاؤں میں یہ دُعا بھی موجود ہے کہ "بار خدایا! میں تیری ملاقات کے شوق کا طالب ہوں اور تیرے حسین چہرے کے دیدار کی لذت کا آرزو مند ہوں"۔ اور حق تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زُبانی فرماتا ہے کہ میرے نیک بندے میری ملاقات کے شوق میں بے قرار رہتے ہیں اور میں اُن سے زیادہ اُن کی ملاقات کا شوق رکھتا ہوں۔ پس اے عزیز تمھیں شوق کے معنی سے واقف ہونا چاہیے کہ لوگ اسے بالکل نہیں جانتے۔ تو یاد رکھو شوق کے بغیر مُحبّت ہو ہی نہیں سکتی۔ لیکن جس کے بارے میں عِلم ہی نہ ہو اُس کا شوق دِل میں کس طرح پیدا ہو سکتا ہے؟ اور جس کے بارے میں واقفیت ہو وہ اگر سامنے موجود ہو اور اسے آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں تو بھی شوق کہاں؟ پس شوق اس چیز کا ہوا کرتا ہے جو ایک لحاظ سے حاضر ہو اور ایک اعتبار سے غائب ہو۔ مثلاً معشوق کہ خیال میں تو حاضر ہوتا ہے لیکن نظروں سے غائب بھی ہو جایا کرتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں شوق ظاہر ہوتا ہے لیکن بے قراری سے یہ

آرزو ہونے لگتی ہے کہ وہ آنکھوں کے سامنے آجائے تاکہ ادراک مکمل ہو جائے گویا شوق کے معنی تلاشِ محبوب کے ہوئے۔ پس اس سے یہ بات تو واضح ہو گئی کہ دُنیا میں حق تعالیٰ تک رسائی شوق کے باعث نہیں ہو سکتی اس لیے کہ حق تعالیٰ معرفت میں حاضر اور مشاہدہ میں غائب ہے۔ جیسے کمالِ خیال یہ ہوتا ہے کہ دیدار حاصل ہو جائے اور اس شوق کا خاتمہ موت کے سوا کوئی چیز نہیں کر سکتی بلکہ شوق کی ایک قسم وہ بھی ہوتی ہے جو آخرت میں باقی رہے گی اور وہاں بھی ختم نہ ہو گا کیونکہ اس دُنیا میں اِدراک کی تکمیل دو وجہ سے ناقص رہتی ہے ایک تو اس لیے کہ معرفت ایک ایسا اِدراک ہے جیسے پردے کی اوٹ میں کسی کا دیدار ہوتا ہے یہ پردہ باریک ہی کیوں نہ ہو یا اُس دیدار کی مثل ہے جو مُنہ اندھیرے آفتاب کے طلوع سے قبل حاصل ہو لیکن آخرت میں یہ پردے اٹھ جائیں گے' تاریکیاں دور ہو جائیں گی اور اِدراک بالکل مکمل اور روشن ہو جائے گا لہٰذا یہ شوق جاتا رہے گا۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ جیسے کسی نے اپنے معشوق کا چہرہ تو دیکھا ہے مگر اس کے بال اور اعضاء نہ دیکھے ہوں البتہ اسے یقین ہو کہ وہ سراپا حسن اور مجسمہ خوبصورت ہے تو اُس شخص کو اُس کے دیدار کا شوق ہوتا ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ کے جمالِ باکمال کی انتہا ہی نہیں۔ اگرچہ کوئی کتنی ہی معرفت نہ حاصل کر چکا ہو پھر بھی جو کچھ باقی ہے زیادہ وہی ہے اس لیے کہ خُدا کی معلومات کی کوئی حد و انتہا ہی نہیں۔ اور عاشق کی آرزو ہوتی ہے کہ وہ سب کچھ جان لے اور حق تعالیٰ اور اس کے جمال و کمال کے متعلق سب کچھ جاننا انسان کے لیے نہ اس دُنیا میں ممکن ہے اور نہ اُس جہان میں ممکن ہو سکتا ہے کیونکہ آدمی کا علم محدود و ناتمام بلکہ ناقص ہے اس لیے آخرت میں دیدار جس قدر زیادہ ہو گا اُسی قدر بلاشبہ لذت بھی زیادہ ہوگی لیکن بہرحال لامحدود ہو گی۔ بہرحال دِل کی نظر جب سامنے موجود کسی چیز پر پڑ جائے تو اُس سے جو خوشی اور فرحت حاصل ہوتی ہے اسے اُنس کہتے ہیں اور جب دِل کی نگاہ اُس چیز کی طرف ہو جو ابھی نگاہ کے سامنے نہیں تو اس وقت دِل کی جو کیفیت ہوتی ہے اُسے شوق کہتے ہیں۔ اس اُنس اور شوق کی دُنیا اور آخرت میں کوئی انتہا نہیں۔ ایسے لوگ آخرت میں ہمیشہ یہی کہتے رہیں گے : ﴿ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا ﴾ (اے ہمارے پروردگار ہمارے لیے ہمارا نور مکمل کر دیجیے) اس لیے کہ جمالِ الٰہی میں سے جو بھی ظاہر ہو گا وہ نور ہی نور ہو گا اور اُن لوگوں کو تمام و کمال کی طلب ہوتی ہے لیکن اس کی انتہا تک نہیں پہنچ سکتے اس لیے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کے علاوہ کوئی بھی حق سبحانہ وتعالیٰ کو بدرجہ کمال تک نہیں پہچانتا اور جب پہچان نہیں سکتا تو بدرجہ کمال دیکھ بھی نہیں سکتا مگر مشتاقوں کے لیے راہ کھلی رہے گی تاکہ کشف و دیدار ہمیشہ بڑھتا رہے اور بہشت کی وہ لذت جسے لذتِ بے نہایت کہا گیا ہے وہ یہ کشف و دیدار ہی تو ہے۔ ورنہ اگر یوں نہ ہوتا تو لذت سے آگاہی کے بعد اس میں کمی واقع ہو جاتی کیونکہ جو چیز ہمیشہ میسر ہوتی ہے اور دِل اس کا خوگر ہو جاتا ہے تو اُس سے لذت و حلاوت حاصل نہیں ہوتی جب تک کوئی نئی چیز اسے نہ پہنچے۔ پس جنت والوں کی لذتیں ہر لحہ تازہ ہوتی رہیں گی حتیٰ کہ جو لذت دِل میں ہو گی وہ ان نعمتوں کے سامنے حقیر اور ناچیز معلوم ہو گی اس لیے کہ وہ نعمتیں روز بروز زیادہ ہوتی جائیں گی۔ عزیزم اس اصل سے تو یقیناً یہ معلوم کر لیا ہو گا کہ دِل اگر حاضر کی طرف متوجہ ہو اور جو کچھ باقی ہے اُس کی طرف توجہ نہ کرے تو اُس کی یہ حالت اُنس کہلاتی ہے اور اگر باقی کی طرف بھی التفات کرے تو دِل کی اس کیفیت کا نام شوق ہے۔ پس حق تعالیٰ کے سب محب' دُنیا اور آخرت میں اُنس و شوق میں پھرتے رہتے ہیں۔ اخبار داؤد علیہ السلام میں ہے کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے داؤد زمین

کے باشندوں کو میری طرف سے خبر دے دو کہ جو مجھے دوست رکھے میں اُس کا دوست ہوں' جو میرے ساتھ خلوت میں بیٹھے میں اس کا ہم نشین ہوں' جو میری یاد سے اُنس کرے میں اُس کا مونس ہوں' جو میرا رفیق ہے میں اس کا رفیق ہوں' جو مجھے برگزیدہ رکھتا ہے میں اُسے برگزیدہ کر دیتا ہوں' جو میرا فرمانبردار ہے میں اُس کا فرمانبردار ہوں۔ جس نے مجھے دوست رکھا اور میں نے جانا کہ وہ واقعی دِل سے مجھے دوست رکھتا ہے تو میں بیشک اسے دوسروں پر مقدم رکھتا ہوں جو مجھے ڈھونڈے گا بیشک مجھے پالے گا اور جو شخص کسی دوسرے کو ڈھونڈے گا مجھے نہ پاسکے گا۔ اے زمین والو جن کاموں پر تم فریفتہ ہو ان میں غور و فکر کرو۔ میری صحبت و مجالست اور موانست کی طرف متوجہ ہو جاؤ اور میرے ساتھ اُنس کرو تاکہ میں تمھارے ساتھ اُنس کروں۔ میں نے اپنے دوستوں کی سرشت اور طبیعت اپنے دوست ابراہیم علیہ السلام' اپنے ہمراز موسیٰ علیہ السلام' اور اپنے برگزیدہ بندے محمد ﷺ کی سرشت اور طبیعت سے پیدا کی ہے اور میں نے اپنے مشتاقوں کے دِلوں کو اپنے نور سے پیدا کیا ہے اور اپنے جلال سے پرورش فرمایا ہے۔ کسی نبی پر وحی آئی کہ جو میرے بندے مجھے دوست رکھتے ہیں میں انھیں دوست رکھتا ہوں۔ وہ میرے آرزو مند ہیں' میں اُن کا آرزو مند ہوں' وہ مجھے یاد کرتے ہیں' میں انھیں یاد کرتا ہوں۔ اُن کی نظر میری طرف ہے میری نظر اُن کی طرف ہے۔ اگر تو بھی اُن کی راہ اختیار کرے گا تو تجھے میں ہمیشہ دوست رکھوں گا اور اگر اُن کی راہ سے پھرے گا تو تجھے دشمن رکھوں گا۔ یہ اور اس طرح کی بہت سی حدیثیں محبت' شوق اور اُنس کے مضمون میں وارد ہیں لیکن یہاں جتنا کچھ بیان ہو چکا وہی کافی ہے۔

رضا کی فضیلت کا بیان :

عزیزم! یاد رکھو کہ قضائے الٰہی پر راضی رہنا بہت بلند مقام ہے۔ اس سے بڑا کوئی مقام نہیں کیونکہ مُحبّت بہت بڑا مقام ہے اور خُدا کی رضا پر راضی رہنا مُحبّت ہی کا ثمرہ ہے لیکن یہ ثمرہ ہر مُحبّت کا ثمرہ نہیں ہوتا بلکہ صرف اس مُحبّت کا ثمرہ ہے جو درجۂ کمال تک پہنچی ہوئی ہو۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قضا پر راضی ہو جانا ہی بارگاہِ الٰہی کا سب سے بڑا دروازہ ہے۔ ایک دفعہ رسول مقبول ﷺ نے ایک قوم سے پوچھا کہ تمھارے ایمان کی نشانی کیا ہے؟ انھوں نے کہا ہم بلا اور مصیبت میں صبر کرتے' عطاء و نعمت پر شکر بجالاتے ہیں اور رضائے الٰہی پر راضی رہتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہی وہ لوگ ہیں جنھیں حکماء اور علماء کہنا چاہیے بلکہ کمال عِلم کے باعث ان کا مرتبہ انبیاء کے نزدیک ہے اور فرمایا کہ قیامت کے روز حق تعالیٰ میری امت کے ایک گروہ کو بال اور پر عطا فرمائیں گے کہ اُن کے ساتھ اُڑتے ہوئے بہشت میں پہنچیں گے۔ فرشتے اُن سے پوچھیں گے کہ کیا تم لوگ عدل و انصاف' ترازوئے عدل' اور پل صراط وغیرہ سے گزر چکے ہو؟ یہ لوگ کہیں گے کہ ہم نے تو ان چیزوں میں سے کچھ بھی نہیں دیکھا۔ فرشتے پوچھیں گے پھر تم کون لوگ ہو؟ یہ کہیں گے کہ ہم محمد ﷺ کی امت میں سے ہیں۔ فرشتے پوچھیں گے کہ تم نے کیا عمل کیا ہے جس کے سبب یہ بزرگیاں تم نے پائی ہیں؟ وہ کہیں گے ہم میں دو خصلتیں تھیں۔ ایک یہ کہ خلوت میں ہم اللہ تعالیٰ سے شرما کر گناہ نہ کرتے تھے' دوسری یہ کہ حق تعالیٰ نے ہمیں جو تھوڑا سا رزق عنایت فرمایا تھا ہم اس پر راضی رہے۔ فرشتے کہیں گے کہ پھر واقعی تمھارا حق ہے کہ یہ مرتبہ تمھیں نصیب ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے لوگوں نے عرض کیا کہ آپ علیہ السلام حق تعالیٰ سے پوچھے کہ اس کی رضا حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے تاکہ ہم بھی اس پر عمل کریں۔ وحی آئی کہ تم میرے حکم پر راضی رہو' میں تم سے راضی رہوں گا۔ حضرت داؤد علیہ السلام پر حق تعالیٰ نے وحی بھیجی

کہ میرے دوستوں کو دُنیا کے غم سے کیا واسطہ؟ کیونکہ غم دُنیا تو ان کے دِلوں میں مناجات کی لذت کو ختم کر دے گا۔ اے داؤد میں اپنے دوستوں سے یہی بات زیادہ پسند کرتا ہوں کہ وہ فرشتوں کی طرح کسی کا غم نہ کھائیں اور دُنیا سے کبھی دِل نہ لگائیں۔ جناب سید المرسلین ﷺ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے تقدیر بنائی۔ تدبیر کی اور اپنی صنعت کو مضبوط کر دیا اور جو کچھ ہونے والا ہے میں اُس کا حکم کر چکا ہوں جو اُس پر راضی ہے اُس سے میں بھی راضی ہوں اور جو اُس پر ناراض ہے اُس سے میں بھی ناراض ہوں۔ وہ میرے غصہ کے لیے تیار رہے جب مجھے دیکھے گا اور فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے خیر و شر پیدا کیے۔ خوش قسمت وہ انسان ہے جسے خیر کے لیے پیدا کیا اور خیر کو اس پر آسان کر دیا اور بدبخت وہ ہے جسے میں نے شر کے لیے پیدا کیا اور برائی کو اس پر آسان کر دیا اور افسوس ہے اُس پر جو چون و چرا سے کام لے۔ ایک نبی علیہ السلام بیس برس تک بھوک پیاس اور دوسری بہت سی مصیبتوں میں مبتلا رہے۔ کوئی دُعا قبول نہ ہوتی تھی' وحی نازل ہوئی کہ زمین و آسمان پیدا کرنے سے پہلے یہی کچھ آپ کے مقدر میں ہم نے لکھ دیا ہے اب تم کیا چاہتے ہو کہ زمین و آسمان کی پیدائش اور ساری حکومت کی تدبیر کو بدل کر نئے سرے سے ترتیب دوں؟ اور صرف تمھارے لیے سارے احکام بدل دوں تاکہ جو تو چاہتا ہے وہ ہو اور جو میں چاہتا ہوں وہ نہ ہو۔ مجھے اپنی عزت کی قسم ہے کہ اگر اس کے بعد بھی تمھارے دِل میں یہی خیال باقی رہا تو انبیاء کے دفتر سے تمھارا نام مٹا دوں گا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پورے بیس برس تک میں نے رسول مقبول ﷺ کی خدمت کی۔ جو کچھ میں نے کیا۔ آپ ﷺ نے کبھی یہ نہ فرمایا کہ تو نے یہ کیوں کیا اور جو کچھ میں نے نہیں کیا آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے یہ کیوں نہیں کیا۔ لیکن جب کوئی میرے ساتھ جھگڑا کرتا تو آپ ﷺ فرماتے کہ اگر تقدیر میں ہوتا تو یہ کام ہو جاتا۔ حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی کہ اے داؤد! تو بھی کچھ چاہتا ہے اور میں بھی کچھ چاہتا ہوں لیکن ہو گا وہی جو میں چاہتا ہوں۔ اگر تم میرے ارادے پر راضی رہو گے تو جو کچھ تم چاہتے ہو وہ بھی دوں گا اور اگر ناراض ہو گے تو تمھاری خواہش میں تمھیں غمگین کروں گا اور پھر وہی ہو گا جو میرا ارادہ ہے۔ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں اُسی پر راضی ہوں جو میری تقدیر میں ہے خواہ وہ کچھ بھی ہو۔ لوگوں نے پوچھا آخر آپ خود بھی تو کچھ چاہتے ہوں گے؟ فرمایا ہاں میں وہی چاہتا ہوں جو اللہ کی طرف سے حکم ہو چکا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "میں آگ کھانے کو اس بات کی نسبت زیادہ پسند کرتا ہوں کہ جو چیز میسر نہ ہو اس کے متعلق کہوں کہ کاش مجھے میسر ہو۔ اور جو چیز مجھے میسر ہو اُس کے متعلق کہوں کہ کاش مجھے میسر نہ ہوتی"۔

بنی اسرائیل کے ایک عابد نے مدت تک محنت' مجاہدہ' ریاضت و عبادت میں مصروف رہنے کے بعد ایک رات خواب میں دیکھا کہ کوئی اُسے کہہ رہا ہے "فلاں عورت بہشت میں تیری رفیق ہے"۔ عابد نے بڑی جستجو کے بعد اُس کو ڈھونڈا تاکہ معلوم ہو کہ اُس کی عبادت و ریاضت کس درجہ کی ہے۔ لیکن اُس نے دیکھا کہ وہ نہ تو رات کو نماز تہجد پڑھتی ہے اور نہ ہی کوئی نفلی روزہ رکھتی ہے مگر صرف فرائض بجا لاتی ہے۔ عابد نے اُس سے کہا کہ مجھے بتا تیرا کیا کردار ہے اور کون سا خاص عمل ہے؟ اُس نے کہا بس یہی جو تم نے دیکھ لیا۔ عابد نے جب بہت اصرار کے ساتھ منت سماجت کی تو اُس نے کہا کہ عمل کا تو مجھے عِلم نہیں البتہ ایک خصلت میری یہ ہے کہ جب بیماری میں مبتلا ہوتی ہوں تو یہ نہیں

چاہتی کہ آرام و صحت میں رہوں۔ اگر دھوپ میں رہتی ہوں تو یہ نہیں چاہتی کہ سایہ میں رہوں اور اگر سایہ میں رہتی ہوں تو دھوپ کی خواہش نہیں کرتی حق تعالیٰ جس اَمر کا حکم دیتا ہے اُسی میں راضی رہتی ہوں۔ عابد نے اپنا ہاتھ سر پر رکھتے ہوئے کہا۔ یہ کوئی معمولی خصلت نہیں۔ یقیناً یہ بہت بڑی خصلت ہے جو تمھیں حاصل ہے۔

رضا کی حقیقت کا بیان: عزیزم بعض لوگ کہتے ہیں کہ آفت و بلا اور مصیبت و رنج میں مبتلا ہو کر ان پر راضی رہنا ممکن ہی نہیں۔ بس زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ انسان صبر کرے لیکن یہ عقیدہ اُن لوگوں کی غلطی اور خطا ہے کیونکہ جب محبت غالب ہو تو خواہش کے خلاف راضی رہنا عین ممکن ہے اور یہ بات دو طرح سے حاصل ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ آدمی عشق میں ایسا مدہوش و مستغرق ہو جائے کہ اُسے تکلیف و درد کی خبر ہی نہ ہو جیسے کوئی آدمی جو جنگ میں غُصّہ کے غلبہ کی وجہ سے ایسا منہمک اور مشغول ہو جاتا ہے کہ جسم پر لگنے والے زخموں کے درد کا اُسے احساس بھی نہیں ہوتا جب تک کہ اپنی آنکھوں سے خون نہ دیکھ لے۔ اسی طرح دُنیا کے لالچ میں دوڑنے والے شخص کے پاؤں میں اگر کانٹا بھی چبھ جائے تو اُسے خبر نہیں ہوتی اور جب دِل ہوس و خواہش میں مبتلا ہو تو آدمی کو بھوک اور پیاس کا خیال نہیں رہتا۔ جب یہ باتیں مخلوق کے عشق اور دُنیا کے لالچ میں ممکن ہیں تو پھر حق تعالیٰ کے عشق اور آخرت کی محبت میں کیسے ممکن نہ ہوں گی پھر جبکہ یہ بھی معلوم ہے کہ باطن کا حسن ظاہر کے حسن سے بہت بڑا ہے کیونکہ ظاہری صُورت تو اس کھال کی طرح ہے جو گھوڑے پر بھی منڈھ دی جاتی ہے۔ اسی طرح باطنی آنکھ جو جمالِ باطنی کا مشاہدہ کرتی ہے ظاہری آنکھ سے کہیں زیادہ روشن اور تیز ہوتی ہے اس لیے کہ ظاہری آنکھ اکثر خطا کرتی ہے کہ کبھی بڑی چیز کو چھوٹی اور دور کو نزدیک دیکھتی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر درد اور تکلیف کا احساس ہو تو یہی سمجھتا ہے کہ جب دوست اس میں راضی ہے تو یہی سہی ہم بھی اسی پر راضی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی دوست حکم دیتا ہے کہ تو اپنے جسم سے خون نکال یا فلاں کڑوی دوا کھا لے تو اس اذیت میں بھی وہ اس لیے راضی رہتا ہے تاکہ اس حیلہ سے اپنے دوست کی رضامندی حاصل ہو۔ پس جو شخص اس حقیقت کو پالیتا ہے کہ حق تعالیٰ کی رضامندی اسی میں ہے کہ بندہ اس کی رضا پر راضی رہے تو وہ محتاجی بیماری، محنت، مصیبت اور آزمائش میں بھی راضی رہے گا جس طرح ایک لالچی انسان دُنیاوی نفع کی اُمید پر دریاؤں کے خطرات اور بہت سی مشقتوں کی پرواہ نہیں کرتا اور یقین کرو کہ بہت سے بندگانِ خُدا اس درجہ کو پہنچے ہوئے ہیں، جیسے حضرت فتح موصلی کی بیوی کا ناخن چوٹ لگنے سے اُکھڑ گیا وہ ہنسنے لگیں۔ حضرت فتح موصلی نے اُن سے پوچھا کیا تمھیں درد نہیں ہو رہا؟ آپ نے جواب دیا کہ ثواب کی خوشی میں مجھے درد کا احساس نہیں ہوا۔

حضرت سہیل تستری رحمۃ اللہ علیہ کو ایک تکلیف تھی وہ اُس کا علاج نہ کرتے تھے۔ لوگوں نے کہا آپ اس کی دوا کیوں نہیں کرتے۔ فرمایا دوستو! تمھیں عِلم نہیں کہ دوست کا لگایا ہوا زخم درد نہیں کرتا۔ حضرت جنید نے کہا ہے کہ حضرت سری سقطی قدس سرہٗ سے میں نے پوچھا جو محب خُدا ہوتا ہے وہ مصیبت پر غمزدہ ہوتا ہے؟ فرمایا ہرگز نہیں میں نے کہا اگر اُسے تلوار مار دیں تو؟ فرمایا اگرچہ ستر زخم تلوار سے لگائے جائیں پھر بھی غمزدہ نہ ہو گا۔ خُدا کے ساتھ ایک محبت کرنے والے کا قول ہے کہ جس چیز کو حق تعالیٰ پسند کرے میں بھی اسے پسند کرتا ہوں حتیٰ کہ اگر وہ یہ چاہے کہ میں دوزخ میں جاؤں تو میں اس پر بھی راضی ہوں اور دوزخ کو بھی دوست رکھوں گا۔ حضرت بشر حافی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ کسی نے

بغداد میں ایک شخص کو ایک ہزار لاٹھیاں ماریں اور اُس نے اُف بھی نہ کیا۔ میں نے پوچھا اے شخص اس ظلم و ستم پر بھی تمھارے مُنہ سے اُف تک نہ نکلی۔ آخر یہ کیسے اور کیوں؟ کہنے لگا اس لیے کہ میرا معشوق سامنے تھا اور دیکھ رہا تھا۔ میں نے اُسے کہا اور اگر وہ سب سے بڑا معشوق سامنے ہوتا تو پھر کیا کرتا"۔ یہ سنتے ہی اُس نے ایک چیخ ماری اور گر پڑا دیکھا تو مرچکا تھا۔ اور انھی سے روایت ہے کہ میں ابتدائے حال میں شہر عبادان کی طرف جارہا تھا کہ ایک کوڑھی مجذوب دیکھا کہ زمین پر پڑا ہے اور چیونٹیاں اس کا گوشت کھارہی ہیں۔ میں نے ترس کھا کر اُس کا سر اُٹھا کر اپنی گود میں رکھ لیا۔ جب اسے ہوش آیا تو کہنے لگا "یہ کون واہیات آدمی ہے جس نے میرے اور میرے خالق کے درمیان مداخلت کی ہے"۔

قرآن شریف میں موجود ہے کہ جو عورتیں حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھنے گئیں تھیں جب انھوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے جمال کی عظمت کو دیکھا تو مدہوش ہو گئیں اور اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے لیکن انھیں خبر بھی نہ ہوئی اور مصر میں جب قحط پڑا تو کتنے ہی لوگ ایسے تھے جو بھوک کی شدت کے وقت جاتے اور حضرت یوسف علیہ السلام کی زیارت کرتے تو اپنی بھوک بھول جاتے۔ اس سے اندازہ کیجیے کہ جب مخلوق کے جمال میں یہ تاثیر ہے تو پھر جس پر حق تعالیٰ کے جمال کا کشف ہو جائے' وہ اگر تمام مصیبتیں اور پریشانیاں بھول جائے تو اس میں تعجب والی کیا بات ہے؟ ایک شخص جنگل میں رہتا تھا اور خدا کے ہر حکم پر راضی ہو کر کہتا کہ اسی میں خیر ہے۔ اُس کے پاس ایک کتا تھا جو گھر کی رکھوالی کرتا۔ ایک گدھا بوجھ لادنے کے لیے رکھا ہوا تھا اور ایک مرغ صبح کے وقت بیدار کرنے کے لیے رکھا ہوا تھا۔ ایک دن ایک بھیڑیئے نے آکر گدھے کا پیٹ پھاڑ دیا اُس شخص نے کہا "خیر اسی میں ہے"۔ دوسرے دن اپنے ہی کتے نے مرغ کو مار ڈالا تو وہ بولا "اسی میں خیر ہے"۔ وہ کتا بھی کسی وجہ سے مر گیا تو پھر بھی اس شخص نے کہا "اسی میں خیر ہے"۔ اس کے اہل و عیال رنجیدہ ہو کر کہنے لگے کہ یہ کیا ہوا کہ جو کوئی حادثہ گزرتا ہے تم کہہ دیتے ہو۔ "اسی میں خیر ہے"۔ حالانکہ یہ جانور ہمارے ہاتھ پاؤں تھے۔ وہ ہلاک ہو گئے اور تم پھر بھی یہی کہہ رہے ہو کہ "اسی میں خیر ہے"۔ اُس نے کہا "میں تو اب بھی یہی سمجھتا ہوں کہ خیر اسی میں ہے"۔ دوسرے دن جو اٹھے تو ان کے گرد و پیش میں بالکل خاموشی اور سناٹا تھا۔ دیکھا تو معلوم ہوا کہ گرد و نواح کے تمام لوگوں کو ڈاکوؤں نے قتل کر کے اُن کے مال و اسباب کو لوٹ لیا ہے۔ کتے اور مرغ کی آواز نہ ہونے کی وجہ سے اُن لوگوں کی جان اور مال بچ گیا کہ ڈاکوؤں کو اس گھر کا علم ہی نہ ہوا۔ اس مردِ خُدا نے اہل و عیال سے کہا "تم نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں بہتری ہی ہوتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ایک ایسے آدمی پر گزر ہوا جو اندھا' کوڑھی اور برص کی بیماری میں مبتلا تھا۔ اُس کے دونوں ہاتھوں پر فالج گرا ہوا تھا وہ بے دست و پا پڑا ہوا کہہ رہا تھا کہ اُس خُدا کا شکر ہے کہ جس نے مجھے اس بلا سے محفوظ رکھا جس میں بہت سی مخلوق مبتلا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُس سے پوچھا "وہ کونسی بلا باقی ہے جس سے خُدا نے تمھیں محفوظ رکھا ہے؟" اُس نے کہا "میں اُس شخص کی بہ نسبت یقیناً عافیت میں ہوں جس کے دِل میں خُدا نے وہ معرفت نہیں پیدا کی جو میرے دِل میں پیدا کی ہے"۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تو نے واقعی سچ کہا۔ پھر اُس کا ہاتھ پکڑ کر اُس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو وہ فوراً بھلا چنگا تندرست ہو گیا اور اٹھ بیٹھا اور خوبصورت و بینا ہو گیا پھر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ عبادت کیا کرتا۔ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کو لوگوں نے دار الشفاء میں رکھا یعنی دیوانہ سمجھ کر پاگل خانے میں بند کر دیا۔ کچھ لوگ

اُن سے ملنے آئے تو آپ نے پوچھا تم کون ہو؟ کہنے لگے ہم آپ کے دوست ہیں۔ پس حضرت شبلی انھیں پتھر مارنے لگے تو وہ بھاگے۔ آپ نے فرمایا تم دوستی کے دعوے میں جھوٹے ہو کیونکہ واقعی اگر میرے دوست ہوتے تو میری بلا اور مصیبت پر صبر کرتے۔

فصل: بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ خدا کی رضا کی شرط یہ ہے کہ دُعا بھی نہ کی جائے۔ جو کچھ حاصل نہیں ہے وہ حق تعالیٰ سے طلب نہ کرے اور جو کچھ حاصل ہے اُس پر راضی رہے اور گناہ و فسق و فجور دیکھ کر بھی برا نہ منائے کیونکہ وہ بھی اللہ کے حکم سے ہے اور جس شہر میں جرم و گناہ کا دور دورہ ہو یا وبا پھوٹ پڑے تو وہاں سے فرار نہ ہو کیونکہ یہ قضائے الٰہی سے گریز کے مترادف ہے۔ لیکن یہ سب کچھ کہنا غلط ہے کیونکہ دُعا تو خود رسول مقبول ﷺ نے بھی مانگی ہے اور لوگوں کو ترغیب دے کر فرمایا ہے کہ دُعا عبادت کا مغز ہے اور حقیقت میں دُعا کے سبب سے رقت، عاجزی اور انکساری اور حق تعالیٰ سے التجا اور فریاد کی خواہش پیدا ہوتی اور ان تمام صفات کے نیک اور محمود ہونے میں کوئی شبہ نہیں اور جس طرح پیاس بجھانے کے لیے پانی پینا، بھوک مٹانے کے لیے روٹی کھانا اور سردی سے محفوظ رہنے کے لیے کپڑے پہننا رضا کے خلاف نہیں اسی طرح مصیبت کے دور کرنے کے لیے دعا مانگنا بھی رضائے الٰہی کے خلاف نہیں۔ البتہ جس شے کو حق تعالیٰ نے سبب قرار دیا ہو اور اُس کے کرنے کا حکم دیا ہو اُس کی تعمیل نہ کرنا ضرور خلافِ رضا ہے اور گناہ پر راضی رہنا کس طرح درست ہو سکتا ہے جبکہ گناہ پر راضی رہنا شرعاً ممنوع ہے۔ رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص گناہ پر راضی رہے گا وہ گویا گناہ میں شریک ہے اور فرمایا اگر کسی انسان کو مشرق میں ناحق قتل کیا جائے اور مغرب میں کوئی شخص اُس کے قتل پر راضی ہو تو گویا وہ بھی اس قتل میں شریک ہے۔ پس اگرچہ گناہ قضائے الٰہی ہے لیکن اس کے ہمیشہ دو رخ ہیں۔ ایک بندے کی طرف اس طرح کہ اُس کے اختیار میں ہے۔ علامت اس کی یہ ہے کہ بندے میں بھی صفات الٰہی موجود ہیں اور دوسرا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے کہ گناہ بھی قضا و قدرِ الٰہی سے ہوتا ہے۔ پس اس وجہ سے کہ حق تعالیٰ نے حکم کیا ہے کہ دُنیا کفر و معصیت سے خالی نہ رہے۔ گناہ پر راضی رہنا چاہیے مگر اس وجہ سے کہ بندے کے اختیار میں ہے اور اس کی صفت ہے گناہ پر راضی نہ ہونا چاہیے اور اس کی علامت یہ ہے کہ خدا خود گناہ کو دشمن رکھتا ہے اور اس بات میں کسی قسم کا تناقض ہرگز نہیں۔ اگر کسی شخص کا ایک ایسا دشمن مرجائے کہ وہ اس کے دشمن کا بھی دشمن ہو تو وہ شخص غمگین بھی ہو گا اور خوش بھی۔ اس حالت میں خوشی کا سبب اور ہے اور غم کا سبب اور ہے اور تناقض اس صورت میں ہوتا جب خوشی اور غم دونوں کا سبب ایک ہوتا۔

علیٰ ہذا القیاس! جہاں گناہ کی کثرت ہو وہاں سے بھاگ جانا بھی لازمی اور ضروری ہے جیسا کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ﴾ یعنی اے ہمارے رب نکال ہمیں اس قریہ سے کہ اس کے باشندے ظالم ہیں اور جس بستی میں گناہ کی کثرت ہوئی اس سے اگلے بزرگ بھی نکل گئے تھے کیونکہ معصیت سرایت کرتی ہے اور اگر معصیت سرایت نہ بھی کرے تو اس کی عقوبت اور اُس کے باعث نازل ہونے والا عذاب سب کو لے مرتا ہے۔ فرمایا: ﴿ وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً ﴾ یعنی اس فتنہ سے اپنے آپ کو بچاؤ کہ جو صرف ظالموں کو ہی نہیں پہنچتا اور اگر کوئی شخص ایسی جگہ پر ہو کہ جہاں اُس کی نگاہ نامحرم پر پڑتی ہو تو وہاں سے اُس کا

بھاگ جانا رضا کے خلاف نہیں۔ اسی طرح اگر کسی شہر میں تنگی اور قحط پیدا ہو تو وہاں سے نکل جانا درست ہے مگر جہاں طاعون ہو وہاں سے نکل بھاگنے کی ممانعت ہے اس لیے کہ اگر تندرست لوگ نکل جائیں گے تو بیمار لوگ تباہ اور خراب ہوں گے لیکن دوسری بلاؤں اور آفتوں میں ایسا حکم نہیں بلکہ حکم کے مطابق اس کی تدبیر کرنا چاہیے اور حکم کے موافق اس کی تدبیر کرنے کے بعد جو کچھ حکم الٰہی ہو اُس پر راضی رہنا چاہیے اور سمجھنا چاہیے کہ اسی میں خیر ہے۔

فصل ۱۰ : موت کو یاد کرنا

عزیزم! اس بات کو جان لو کہ جس نے یہ بات اپنے دل میں جان لی کہ میرا انجام بہرحال موت ہے اور میرا ٹھکانہ قبر ہے منکر نکیر میرے موکل ہیں۔ قیامت برحق ہے جنت یا دوزخ میں مجھے جانا ہے تو ایسا عقلمند موت سے زیادہ کسی چیز سے اندیشہ نہیں کرے گا اور سب چیزوں سے زیادہ زادِ آخرت کی تدبیر کی فکر کرے گا۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے ((اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهُ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ)) یعنی "دانا وہی شخص ہے جس نے اپنے نفس کو رام کر لیا اور موت کے بعد والی زندگی کے لیے عمل کیا"۔ اور جو شخص موت کو بہت یاد کرے گا وہ خواہ مخواہ اسی کا توشہ تیار کرے گا اور اسی کی فکر کرے گا۔ ایسا شخص قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ پائے گا اور جو موت کو بھول کر دُنیا میں مشغول ہو جائے گا اور زادِ آخرت سے غافل رہے گا اس کی قبر دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا بنے گی۔ اسی وجہ سے تو موت کی فضیلت ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں ((اَكْثِرُوْا مِنْ ذِكْرِهَا هَادِمِ اللَّذَّاتِ)) یعنی دُنیا میں مشغول لوگو موت کو کثرت سے یاد کرو جو دُنیوی لذتوں کو غارت کرتی ہے اور فرمایا کہ اگر چرندے موت کا وہ حال جان لیتے جو تم جانتے ہو تو کسی انسان کے مقدر میں فربہ گوشت نہ ہوتا یعنی موت کے ڈر سے جانور لاغر رہتے۔ اُم المؤمنین سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا ورضوانہ نے عرض کیا یارسول اللہ کوئی شخص شہدا کا مرتبہ بھی پائے گا۔ فرمایا وہ شخص جو دن بھر میں بیس مرتبہ موت کو یاد کرتا ہے وہ شہداء کا درجہ حاصل کرے گا۔ حضور ﷺ ایک ایسی قوم کے پاس سے گزرے جو زور زور سے ہنس رہی تھی۔ فرمایا اگر تم اپنی اس مجلس میں اس چیز کا ذکر کرو جو سب لذتوں کو مختصر کر دیتی ہے تو بہتر ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ وہ کیا ہے فرمایا موت۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا اے انس! موت کو بکثرت یاد کرو تاکہ وہ دُنیا میں تیرے زہد کا باعث بنے اور گناہوں کا کفارہ۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں ((كَفٰى بِالْمَوْتِ وَاعِظًا)) یعنی مخلوق کو نصیحت کی غرض سے موت کافی ہے۔ حضور ﷺ کے سامنے صحابہ رضی اللہ عنہم ایک شخص کی تعریف کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا رویہ موت کے معاملہ میں کیا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ ہم نے اس سے موت کا ذکر تو نہیں سنا۔ فرمایا جیسا تم جانتے ہو وہ ویسا نہیں۔ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں دس آدمیوں کے ساتھ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انصار میں سے ایک شخص نے پوچھا کہ بہت آدمیوں سے زیادہ زیرک اور کریم و شریف کون ہے؟ آپ نے فرمایا جو موت کو بکثرت یاد کرے اور زادِ آخرت مہیا کرنے میں حریص ہو' وہی دنیوی شرف اور اُخروی کرامت کا مستحق ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم تیمی قدس سرہٗ کہتے ہیں کہ موت کی یاد اور آخرت میں اللہ کے حضور کھڑا ہونے کا خوف میرے دل سے دُنیوی راحت کو چھین لیتے ہیں۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ ہر رات علماء کو جمع کر کے موت اور قیامت کا ذکر کرتے اور

44
B

اتنا روتے جتنا وہ ماتم زدہ لوگ روتے ہیں جن کے سامنے جنازہ رکھا ہو۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جب تشریف فرما ہوتے تو موت' دوزخ اور آخرت کا ہی ذکر کرتے۔ ایک عورت نے اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سامنے اپنی سخت دلی کا گلہ کیا۔ فرمایا موت کو بکثرت یاد کیا کرو' تمھارا دل نرم ہو جائے گا۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس کے دل سے سختی جاتی رہی۔ پھر وہ آئی وہ اس بات کا شکر بجا لائی۔ حضرت ربیع خیثم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے گھر میں ایک قبر کھودی تھی دن میں کئی مرتبہ اس میں لیٹتے تاکہ موت کی یاد تازہ ہو جائے اور فرماتے اگر میں لحہ بھر کے لیے موت بھول جاؤں تو میرا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص سے کہا کہ موت کو بہت یاد کیا کرو' اس میں دو فائدے ہیں۔ اگر تو محنت و مشقت میں ہو گا تو دل کو تسلی ہو گی۔ نعمت و راحت میں ہو گا تو اس سے وہ نعمت تلخ ہو جائے گی۔ حضرت ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اُم ہارون سے میں نے پوچھا کہ تمھیں موت عزیز ہے؟ اُس نے کہا نہیں۔ میں نے کہا کیوں؟ اس نے جواب دیا کہ اگر آدمی کا گناہ کرتی ہوں تو اسے دیکھنا منظور نہیں ہوتا چونکہ گناہ بہت ہے اس لیے دیدارِ الٰہی کی کیسے خواہش کروں۔

فصل : عزیزم! موت کی یاد تین طرح ہوتی ہے۔ ایک غافلوں کا یاد کرنا جو محض دُنیا میں مشغول ہیں اور موت کو یاد کر کے اس سے نفرت کرتے ہیں۔ انھیں یہ خطرہ ہوتا ہے کہ موت کی وجہ سے دُنیا کی شہوتیں اور لذتیں منقطع ہو جائیں گی۔ وہ لوگ موت کی شکایت کر کے کہتے ہیں کہ بڑی مصیبت سامنے آنے والی ہے۔ افسوس یہ دُنیا اس خوشی کے ساتھ ہم سے چھوٹ جائے گی۔ اس طرح موت کی یاد انھیں اللہ تعالیٰ سے اور بھی دور کر دیتی ہے لیکن اگر کسی وجہ سے انھیں دُنیا بری معلوم ہو اور دل اس سے نفرت کرے تو پھر فائدہ سے خالی نہیں۔ دوسرا توبہ کرنے والوں کی یاد کرے۔ وہ موت کو اس وجہ سے یاد کرتا ہے تاکہ اس پر خوف زیادہ غالب ہو اور وہ زیادہ سے زیادہ توبہ کر سکے اور تلافی مافات کی زیادہ کوشش کر سکے۔ اس طرح موت کو یاد کرنا بڑے ثواب کا باعث ہے اور توبہ کرنے والا موت سے نفرت تو نہیں کرتا۔ ہاں جلدی آنے سے اسے نفرت ہوتی ہے اس خیال سے کہ اس طرح بے مزد و سرمایہ مجھے جانا پڑے گا اس وجہ سے موت سے کراہت میں کوئی قباحت نہیں۔ تیسرا انداز عارفین کا ہے وہ اس لیے موت کو یاد کرتے ہیں کہ وعدۂ دیدار موت کے بعد کا ہے اور دوست کے وعدہ کے وقت کو کوئی نہیں بھولتا۔ ہمیشہ اس کا انتظار کرتا ہے بلکہ تمنا۔ جیسا کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے مرتے وقت کہا حَبِیْبٌ جَاءَ عَلٰی فَاقَۃٍ یعنی دوست آیا اور ضرورت و حاجت کے وقت آیا اور دُعا کی اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ میں محتاجی کو تونگری سے' بیماری کو تندرستی سے اور موت کو زندگی سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں تو مجھ پر موت آسان فرما دے تاکہ میں تیرے دیدار سے آسائش و راحت حاصل کر سکوں اور اس درجہ کے علاوہ بھی ایک درجہ ہے جو اس سے بہت بڑا ہے جس میں آدمی نہ تو موت سے بیزار ہوتا ہے نہ اس کا خواہاں۔ نہ موت کی تعجیل چاہتا ہے نہ تاخیر بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر راضی رہتا ہے۔ اپنے تصرف اور اختیار کو بالائے طاق رکھتا ہے اور تسلیم و رضا کے مرتبہ کو پہنچ جاتا ہے۔ یہ بات اس وقت ہوتی ہے جب موت اسے یاد تو ہو لیکن اکثر اس کا خیال نہ آئے اس لیے کہ وہ اسی دُنیا میں مشاہدۂ الٰہی میں غرق رہتا ہے اور اللہ کی یاد اس کے دل پر غالب ہوتی ہے۔ مرنا جینا اس کے نزدیک یکساں ہوتا ہے اس لیے وہ بہرحال اللہ کی یاد اور محبت میں مستغرق رہتا ہے۔

موت کا ذکر دِل میں کیسے اثر انداز ہو؟ :

عزیزم! جان لو کہ موت بڑا کام ہے اس کا خطرہ بہت بڑا ہے اور لوگ ہیں کہ اس سے غافل۔ اگر یاد بھی کرتے ہیں تو ان کے دِل میں اثر نہیں کرتا اس لیے کہ دُنیا کے شغلوں سے ان کا دِل ایسے پُر ہوتا ہے کہ اس میں کسی اور چیز کی گنجائش نہیں ہوتی ایسے لوگ اللہ کی یاد اور تسبیح سے حلاوت و لذت حاصل نہیں کرپاتے۔ اس کی تدبیر یہ ہے کہ آدمی گوشہ نشین ہو کر گھڑی بھر اپنے دِل کو دُنیا کے خیالات سے پاک کرے جس طرح وہ شخص جسے جنگل عبور کرنا ہوتا ہے تو اس کی تدبیر اور فکر اس کے دِل کو باقی چیزوں سے فارغ کر دیتی ہے۔ آدمی گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر اپنے دِل میں سوچے کہ موت تو آ پہنچی۔ شاید میں آج ہی مر جاؤں۔ اے دِل اگر تجھ سے کوئی کہے کہ اندھیرے تہہ خانے میں جا اور تجھے معلوم نہ ہو کہ وہاں کوئی کنواں ہے یا راستہ میں کوئی پتھر اور خطرہ ہے تو پتا پانی ہو جاتا ہے۔ موت کے بعد کی زندگی کے خطرات اور قبر کی تاریکی اس سے کم تو نہیں کہ تو غافل ہے۔ اس کا بہترین علاج یہ ہے کہ اپنے ہم عصر لوگوں کو یاد کرے جو مر گئے اور ان کی صورتوں کا تصور دِل میں جما کہ وہ دُنیا میں کس شان و شوکت سے رہتے تھے اور انھیں کس قدر خوشیاں حاصل تھیں اور وہ موت سے کس قدر غافل تھے۔ عین غفلت اور آخرت کی بے سروسامانی میں ناگہانی موت آ گئی اور تو اس بات کا خیال کر کہ اب قبر میں ان کی صورت کیسی ہو گی؟ اعضاء گل کر ایک دوسرے سے جدا ہو گئے ہوں گے۔ گوشت پوست' آنکھ' زبان' میں کیڑے پڑ گئے ہوں گے۔ ان کا یہ حال ہو گا اور یہاں ان کے وُرثاء نے ان کے مال تقسیم کر لیے اور مزے سے بیٹھے کھا رہے ہیں۔ ان کی بیویوں نے انھیں بھلا دیا اور دوسروں سے نکاح کر لیا۔ اب دوسرے ان سے داد عیش حاصل کر رہے ہیں۔ پس اپنے دور کے ایک ایک آدمی کو یاد کر ان کی فارغ البالی اور ہنسی' دِل لگی اور غفلت نیز دِل میں ان کی مشغولیتوں کا خیال کر۔ انھوں نے ایسے ایسے کاموں کا پہلے سے اہتمام کیا جن تک بیس بیس برس تک نہ پہنچے۔ ان کی تدابیر میں انھوں نے بڑے بڑے دکھ اُٹھائے۔ ان کا کفن بزاز کی دکان میں موجود تھا اور انھیں خبر نہ تھی۔ اس لیے اپنے دِل میں سوچ کہ تو بھی ان جیسا ہے۔ تیری غفلت اور حرص و حماقت انھی کی طرح ہے۔ تجھے یہ دولت ملی اور وہ لوگ تیرے سامنے سے گزر گئے تیری زندگی میں مر گئے۔ ان سے عبرت حاصل کر "اَلسَّعِیْدُ مَنْ وُعِظَ بِغَیْرِہٖ" نیک بخت وہ ہوتا ہے جو دوسروں کا حال دیکھ کر نصیحت اور عبرت حاصل کرے۔ میاں اپنے ہاتھ پاؤں' آنکھ زُبان اور انگلیوں کا خیال کر کہ یہ سب اعضاء ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں گے اور چند دن میں تیرا بدن کیڑوں اور حشرات الارض کی غذا ہو جائے گا وہ اسے کھائیں گے اور قبر میں جو ان کی صورت ہو جائے گی اس کا تصور دِل میں جما کہ تو سڑا ہوا گندا مُردار ہو گا۔ اور یہ اس نوع کی باتیں ہر روز گھڑی بھر کے لیے دِل میں سوچ تاکہ تیرا دِل موت سے آگاہ ہو جائے۔ اس لیے کہ محض زبانی یاد کرنے سے دِل میں اثر نہیں ہوتا۔ آدمی ہمیشہ جنازے دیکھتا ہے پھر بھی سوچتا ہے کہ میں یونہی رہوں گا۔ اس نے چونکہ اپنے آپ کو مُردہ نہیں دیکھا اس لیے اس سے غافل ہے اور یہ بات اس کے وہم و گمان میں نہیں آتی۔ اسی واسطے حضور علیہ السلام نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ کیا یہ موت ہمارے واسطے نہیں رکھی گئی؟ اور یہ جنازے جو لوگ اُٹھا کر لے جا رہے ہیں کیا یہ مسافر ہیں کہ پھر پلٹ آئیں گے؟ لوگ ان کی میراث کھاتے ہیں اور اپنے انجام سے غافل ہیں اور موت کو یاد نہ کرنا بالعموم لمبی لمبی امیدوں کی وجہ سے ہوتا ہے اور اسی وجہ سے سارے فساد ہوتے ہیں۔

مختصر اُمیدوں کا بیان اور اس کی فضیلت : عزیزم! جس نے دِل میں تصور کر لیا کہ میں بڑی عمر پاؤں گا اور مدتِ دراز تک نہیں مروں گا' اس سے کوئی اچھا کام نہیں ہوتا۔

اس لیے کہ وہ اپنے دِل میں کہتا ہے کہ ابھی بڑا وقت باقی ہے جب چاہوں گا دینی کام کر لوں گا ابھی تو چین اور آرام کر لوں اور جو شخص اپنی موت کو قریب سمجھتا ہے وہ ہر وقت اسی کی تدبیر میں لگا رہتا ہے اور یہی بات سب سعادتوں کی اصل اور جڑ ہے۔ حضور علیہ السلام نے حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ صبح کو جب تو سو کر اُٹھتا ہے تو اپنے جی میں یہ خیال مت کر کہ شام تک زندہ رہوں گا۔ اسی طرح شام کو یہ مت سوچو کہ صبح تک زندہ رہو گے۔ جو زندگی کی گھڑیاں نصیب ہوں ان میں زادِ مرگ کا اہتمام کرو اور تندرستی کی گھڑیوں میں زادِ بیماری کا۔ اس لیے یہ معلوم نہیں کہ کل اللہ کے نزدیک تیرا کیا نام ہو گا اور فرمایا کہ تم لوگوں کے معاملہ میں میں دو باتوں سے بہت ڈرتا ہوں ایک خواہش کی پیروی سے' دوسرے بہت جینے کی اُمید سے۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے کوئی چیز مول لی۔ وہ ایک ماہ تک کام آ سکتی تھی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اُسامہ پر کوئی تعجب نہیں کہ اُس نے ایسی چیز مول لی ((اِنَّ اُسَامَۃَ لَطَوِیْلُ الْاَمَلِ)) کہ "اسامہ لمبی زندگی کی اُمید رکھتا ہے۔ قسم ہے اس پروردگارِ عالم کی جس کے قبضہء قدرت میں میری جان ہے جب میں پلک جھپکتا ہوں تو جانتا ہوں کہ آنکھ کھولنے سے پہلے میری موت آ جائے گی اور جب آنکھ کھولتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ پلک جھپکنے سے پہلے ہی میری موت آ جائے گی اور جو لقمہ مُنہ میں رکھتا ہوں اس کے متعلق سوچتا ہوں کہ موت کے سبب میرے حلق میں رہ جائے گا۔ یہ کہہ کر آپؐ نے فرمایا اگر تمھارے اندر عقل ہے تو اپنے آپ کو مُردہ جانو۔ اس واسطے کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اُس نے تم سے جو وعدہ کیا ہے۔وہ پورا ہو کر رہے گا اور تم اس سے بچ نہیں سکو گے۔ حضور علیہ السلام قضائے حاجت کے فوراً بعد تیمم فرما لیتے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم عرض کرتے کہ پانی تو قریب ہے۔ آپؐ فرماتے ممکن ہے اس تک پہنچتے پہنچتے میری موت آ جائے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول مقبول علیہ السلام نے ایک مربع خط کھینچا اور اس کے بیچوں بیچ ایک سیدھا خط کھینچ کر اس کے دونوں طرف چھوٹی چھوٹی لکیریں کھینچیں اور اس مربع کے باہر ایک خط کھینچ کر فرمایا کہ جو خط مربع کے اندر ہے اس کی مثال آدمی جیسی ہے اور وہ مربع اس کی موت ہے جو چاروں طرف سے اسے گھیرے ہوئے ہے اور یہ اس سے بھاگ نہیں سکتا اور یہ چھوٹی چھوٹی لکیریں جو اس کے دونوں طرف ہیں' وہ بلائیں اور آفتیں ہیں جو اسے درپیش ہیں۔ اگر بالفرض وہ ایک آفت سے بچ گیا تو دوسری سے نہیں بچ سکے گا حتیٰ کہ مر جائے گا اور جو خط مربع کے باہر ہے وہ اس کی آرزو اور اُمیدیں ہیں۔ ہمیشہ ایسے کاموں کا خیال کرتا ہے' جو اللہ کے علم میں اس کے مرنے کے بعد ہوں گے اور فرمایا کہ آدمی روز روز بوڑھا ہوتا جا رہا ہے لیکن دو چیزیں اس میں جوان ہو رہی ہیں مال کی حرص اور جینے کی آرزو۔ حدیث میں ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے ایک بوڑھے کو دیکھا ہاتھ میں بیلچہ لیے کام کر رہا ہے۔ آپ نے دُعا کی کہ اے اللہ اس کے دِل سے آرزو کی جڑ نکال پھینک۔ اللہ تعالیٰ نے دُعا قبول کر لی اور وہ بوڑھا بیلچہ رکھ کر سو گیا۔ تھوڑی دیر بعد آپ نے پھر آرزو کی جو دُعا مانگی تو وہ اٹھ کر کام کرنے لگا۔ آپ نے اس سے اس کی وجہ پوچھی تو اُس نے کہا کہ میرے جی میں آیا کہ میں کب تک کام کرتا رہوں گا۔ اب بوڑھا ہو چلا ہوں جلد موت آ جائے گی' اس لیے میں نے کام چھوڑ دیا۔ پھر خیال آیا کہ جب تک جیوں گا اس وقت تک مجھے روٹی درکار ہے اس لیے میں

اٹھ کر کام کرنے لگا۔ جناب نبی کریم ﷺ نے لوگوں سے پوچھا کہ تم جنت میں جانا چاہتے ہو؟ لوگوں نے عرض کیا ہاں! فرمایا آرزوئیں کم کر دو اور ہمیشہ موت کو اپنے سامنے رکھو اور اللہ سے شرم کرو جیسا شرم کا حق ہے۔ ایک صاحب دِل نے اپنے بھائی کو اس مضمون کا خط لکھا کہ اما بعد! دُنیا خواب ہے اور آخرت بیداری اور درمیان میں موت ہے اور ہم جس دُنیا میں ہیں وہ محض پریشان خیالات ہیں۔

لمبی آرزوؤں کے اسباب : عزیزم! دو وجوہات سے آدمی اپنے دِل میں زندگی کی درازگی کا تصور کرتا ہے ایک نادانی۔ دوسرے دُنیا کی محبت۔ دُنیا کی محبت جب غالب ہوتی ہے تو موت اس محبوبہ کو آدمی سے چھین لیتی ہے اس لیے کہ آدمی موت کو تو دشمن رکھتا ہے اور موت اس کی طبیعت کے خلاف ہے اور جو چیز طبیعت کے خلاف ہوتی ہے آدمی اسے اپنے آپ سے دور رکھتا ہے۔ اور اپنے آپ کو پھسلا کر ہمیشہ اپنے دِل میں ان باتوں کی صورت باندھتا ہے جو اس کی آرزو کے موافق ہوں۔ پس ہمیشہ زندگی اور مال اور زن و فرزند اور دُنیوی اسباب فرض کرتا رہتا ہے کہ یہ برقرار رہیں گے اور موت جو اس کی آرزو کے برخلاف ہے اسے بھلائے رکھتا ہے۔ اگر کبھی اس کے دِل میں موت کا خیال آتا بھی ہے تو بھلا دیتا ہے اور کہتا ہے کہ او جی ابھی بڑا وقت باقی ہے موت کا سامان کر لیں گے جب بڑا ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ بڑھاپے تک صبر کرو۔ بوڑھا ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ ذرا یہ بلڈنگ مکمل کر لوں اس لڑکے کے واسطے فلاں چیز بنوا کر اس سے فارغ ہو جاؤں' اس زمین کو درست و ہموار کر لوں تاکہ موت سے مطمئن ہو جاؤں اور عبادت کی لذت پا سکوں اور فلاں دشمن نے جو میرے ساتھ زیادتی کی اس کی گوشمالی کر لوں۔ اسی طرح وہ تاخیر کرتا ہے کہ فارغ البال ہو جائے اور حالت یہ ہوتی ہے کہ ایک کام پر دس مزید کام نکل آتے ہیں۔ یہ بیوقوف اتنا نہیں جانتا کہ دُنیا سے تو کبھی فراغت نہیں ہو گی۔ ہاں جب اسے ترک کر دے تو فراغت ہو جائے اور یہ بیوقوف جانتا ہے کہ کبھی تو اس سے فراغت پا لوں گا۔ اسی طرح ہر روز تاخیر کرتا ہے حتیٰ کہ اچانک موت آ جاتی ہے اور حسرت کے سوا کچھ پلے نہیں پڑتا۔ اسی وجہ سے اہلِ دوزخ اکثر شور و فریاد کریں گے۔ دُنیا کی محبت ان سب باتوں کی جڑ ہے اسی سے غفلت ہوتی ہے کیونکہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا جس چیز کو چاہو دوست رکھو مگر بالآخر وہ تم سے چھن جائے گی اور بے وقوفی یہ ہے کہ آدمی جوانی پر بھروسہ کرے اور اتنی بات اسے معلوم نہ ہو کہ موت بڑھاپے سے پہلے بھی ممکن ہے۔ ہزاروں لڑکے اور جوان مرجاتے ہیں اور شہروں میں بوڑھے اسی لیے کم ہوتے ہیں کہ بوڑھاپا آتا کم لوگوں پر ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آدمی تندرستی میں مرگِ مفاجات کو بعید جانتا ہے وہ اتنا نہیں سمجھتا کہ دفعتاً مرجانا نادر الوجود ہے تو دفعتاً بیمار ہو جانا تو نادر الوجود نہیں اس لیے کہ بیماریاں یکایک آتی ہیں اور جب بیماری آ پہنچی تو بیمار کا مرجانا نادر نہیں ہوتا۔ انسان کو ہمیشہ یہی فرض کرنا چاہیے کہ موت ہمارے سامنے سورج کی مانند ہے اس کی شعاع ہم پر پڑی ہوئی ہے وہ سایہ کی مانند نہیں جو ہمارے آگے رہتا ہے اور ہم اسے پا نہیں سکتے۔

لمبی اُمیدوں کا علاج : عزیزم! سبب کو دفع کرنا ہی اصل علاج ہے۔ جب تو نے سبب جان لیا تو انھیں دفع کرنے کی فکر کر۔ دُنیا کی محبت جو طولِ اَمل کا سبب ہے اس کا علاج اس طرح کرنا چاہیے جو دُنیا کی محبت کے باب میں ہم نے ذکر کیا۔ الغرض جو شخص دُنیا کی حقیقت جانتا ہے وہ اسے دوست نہیں رکھتا اس لیے کہ اس کی

لذت چند روزہ ہے خواہ مخواہ موت سے زائل ہو گی اور دُنیا فی الحال بھی تکدر کا باعث ہے اور رنج سے خالی نہیں۔ یہ کبھی کسی کے واسطے صاف نہیں ہوئی اور جو شخص آخرت کی مدتِ درازی کا خیال کرے اور دُنیا کی کم عمری کا تصور کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ نقد دُنیا لے کر آخرت کا سرمایہ بیچنا ایسا ہے جیسے کوئی شخص خواب میں ایک دم جاگنے میں تمام دُنیا سے زیادہ دوست رکھے اس لیے کہ دُنیا خواب کی مانند ہے۔ "اَلنَّاسُ نِیَامٌ فَاِذَا مَاتُوْا اِنْتَبَھُوْا" (لوگ سو رہے ہیں جب موت آئے گی بیدار ہوں گے) اور نادانی کا علاج صرف تفکر اور یقینی معرفت سے ہوتا ہے۔ آدمی یہ سمجھ لے کہ موت اس کے اختیار میں نہیں کہ جس وقت وہ چاہے گا آئے گی۔ اس طرح وہ جوانی یا کسی اور چیز پر اعتماد نہیں کرے گا اور جب غلط اعتماد نہیں ہو گا تو نقصان نہیں ہو گا۔

طولِ اَمل اور اس کے درجات :

اس معاملہ میں لوگوں کے درجات مختلف ہیں۔ کوئی تو ایسا ہے کہ جو ہمیشہ دُنیا میں رہنے کا آرزومند ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے ﴿ یَوَدُّ اَحَدُھُمْ لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَۃٍ ﴾ اور کوئی محض بڑھاپے کی حد تک آرزو رکھتا ہے اور کوئی ایسے ہوتے ہیں جو سال بھر کی اُمید رکھتے ہیں اگلے سال کی انھیں فکر نہیں ہوتی اور بعض ایسے اللہ کے بندے ہیں جو ایک دن سے زیادہ کی اُمید نہیں رکھتے انھیں کل کی تدبیر کی فکر نہیں ہوتی جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ کل کے لیے روزی جمع نہ کرو اس لیے کہ اگر زندگی باقی ہے تو رزق بھی باقی ہے اور زندگی باقی نہیں تو دوسروں کے لیے مصیبت جھیلنا کہاں کی دانشمندی ہے اور کوئی ایسے لوگ ہوتے ہیں جنھیں پل بھر کی اُمید نہیں ہوتی۔ جیسا کہ جناب سرورِ کائنات علیہ السلام ایسے وقت میں تیمم فرما لیتے جب پانی ناممکن ہوتا۔ مبادا کہ پانی ملنے تک موت آ جائے اور کچھ ایسے ہوتے ہیں کہ موت ہر وقت ان کی آنکھوں میں سامنے رہتی ہے غائب ہوتی ہی نہیں۔ جیسا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے ایمان کی حقیقت پوچھی تو انھوں نے عرض کیا کہ میں جس چیز سے بہرہ مند ہو گیا اس کے متعلق سمجھ لیا کہ پھر نہیں ملے گی۔ حضرت اسود حبشی رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے اور ہر طرف دیکھتے تھے لوگوں نے پوچھا کیا دیکھتے ہو۔ فرمایا ملک الموت کا انتظار کرتا ہوں کہ کس طرف سے آتے ہیں۔ الغرض عالم اسباب میں مخلوق کے حالات مختلف ہیں جو ایک مہینہ سے زیادہ جینے کی امید نہیں رکھتا اسے اس شخص پر فضیلت حاصل ہے جو چالیس دن جینے کی امید رکھتا ہے اور معاملات میں اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے اس لیے کہ جس کے دو بھائی پردیس میں ہیں اور اسے ایک کی واپسی کی اُمید مہینہ بھر میں ہو' دوسرے کی سال بھر میں تو جو مہینہ بھر میں آنے والا ہوتا ہے اس کے لیے اسباب وغیرہ مہیا کرنے کی جلدی فکر ہوتی ہے۔ دوسرے کے معاملات میں تاخیر ہوتی ہے۔ پس ہر ایک چاہتا تو یہی ہے کہ میں کوتاہ امل ہوں اور میری امیدیں کم ہوں لیکن اس کی علامت یہ ہے کہ نیکی پر حرص کی جائے اور ایک ایک سانس کی جو مہلت ملتی ہے اسے غنیمت سمجھا جائے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ پانچ چیزوں کو پانچ دوسری چیزوں سے پہلے غنیمت جانو۔ بڑھاپے سے پہلے جوانی کو' بیماری سے پہلے تندرستی کو' محتاجی سے پہلے خوشحالی کو' مشغول ہونے سے پہلے فراغت کو اور موت سے پہلے زندگی کو۔ اور فرمایا کہ دو نعمتیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے اکثر لوگ نقصان میں رہتے ہیں۔ تندرستی اور فراغت۔ حضور علیہ السلام صحابہ رضی اللہ عنہم میں غفلت کا اثر دیکھتے تو انھیں متنبہ فرماتے اور کہتے کہ موت آ رہی ہے۔ وہ سعادت کا ذریعہ ہو گی یا شقاوت کا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ منادی ہر صبح ندا لگاتا ہے

"اَلرَّحِیْلُ اَلرَّحِیْلُ" (کوچ کی فکر کرو، کوچ کی فکر کرو) حضرت داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ کو لوگوں نے دیکھا کہ نماز کے لیے دوڑ کر جا رہے ہیں۔ پوچھا کیا جلدی ہے فرمایا شہر کے دروازے پر لشکر میرا منتظر ہے (یعنی قبرستان کے مُردے) جب تک وہ مجھے ساتھ نہیں لے لیں گے یہاں سے کوچ نہیں کریں گے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ آخری عمر میں محنت و ریاضت بہت فرماتے۔ لوگوں نے نرمی اور کمی کا مشورہ دیا تو فرمایا کہ گھڑ دوڑ میں آخری مرحلہ پر پورا زور لگایا جاتا ہے میری عمر کا یہ آخری دور ہے موت کا وقت قریب آ پہنچا اب محنت و ریاضت میں کمی مناسب نہیں۔

سکراتِ موت اور جاں کنی :

عزیزم! جان کنی اور اس کی شدت کے سوا کوئی خطرہ درپیش نہ ہوتا تو بھی لازم تھا کہ سکراتِ موت کا خوف دِل میں رکھ کر دنیوی عیش و نشاط سے آدمی پرہیز کرتا کیونکہ اگر اس بات کا خوف ہو کہ سپاہی گھر میں گھس کر مجھے مارے گا تو اسے کھانا دانہ اچھا نہیں لگتا۔ حالانکہ سپاہی کا آنا ایک مشتبہ امر ہے جبکہ ملک الموت کا آنا اور روح قبض کرنا یقینی بات ہے اور روح قبض ہونے کی تکلیف سپاہی کے گرز سے زیادہ دردناک ہے۔ لیکن لوگ ہیں کہ غفلت کے سبب پرواہ نہیں کرتے۔ سب بزرگ اس بات پر متفق ہیں کہ جاں کنی کی اذیت تلوار سے ٹکڑے ہونے کی اذیت سے سخت ہے اس لیے کہ زخم کے درد کا سبب یہی ہے کہ جہاں زخم کا اثر پہنچتا ہے وہاں کی روح کو اذیت ہوتی ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ زخم کی جگہ تلوار کتنی کاٹ دکھاتی ہے۔ آگ سے جلنے کا درد اس واسطے زیادہ ہوتا ہے کہ وہ سارے بدن میں سرایت کرتی ہے اور جاں کنی کی اذیت تو ہوتی ہی عین روح میں ہے جو آدمی کے تمام اجزائے بدن کو گھیرے ہوئے ہے اور سکرات کے وقت آدمی کمزوری کے سبب چپ رہتا ہے اس کی سختی کے سبب اس کی زُبان گنگ ہو جاتی ہے اور عقل بجا نہیں رہتی۔ یہ سختی اسی کو معلوم ہوتی ہے جس نے اس کا مزہ چکھا ہو یا چکھنے سے پہلے نورِ نبوت کے سبب اسے معلوم کر لیا ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں اے حواریو! تم دُعا مانگو کہ اللہ تعالیٰ مجھ پر جاں کنی آسان کر دے اس لیے کہ مجھے موت کا اتنا ڈر ہے کہ میں اس کے ڈر کی وجہ سے مرتا ہوں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سکرات کے وقت یہ دُعا مانگتے: "اَللّٰھُمَّ ھَوِّنْ عَلٰی مُحَمَّدٍ سَکَرَاتِ الْمَوْتِ" (محمد (علیہ السلام) پر سکرات موت آسان فرما دے۔

حضرت اُم المؤمنین سیدہ طاہرہ صدیقہ سلام اللہ علیہا و رضوانہ فرماتی ہیں کہ جسے جاں کنی میں آسانی ہو گئی اس سے میں کوئی اُمید نہیں رکھتی۔ اس لیے کہ میں نے جناب سرورِ کائنات علیہ السلام کی جاں کنی کی سختی اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے اس وقت آپؐ فرماتے۔ اے اللہ تو ہڈیوں اور رگوں میں سے روح کو نکالتا ہے۔ یہ سختی مجھ پر آسان فرما دے۔ حضور علیہ السلام جاں کنی اور تکلیف کا حال یوں بیان فرماتے ہیں کہ سکرات کا حال تلوار کے تین سو زخموں جیسا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا جو موت سب موتوں سے زیادہ آسان ہے اس کی مثال اس کیل کانٹے جیسی ہے جو پاؤں میں گڑ جائے اور اس کا نکلنا محال ہو۔ ایک بیمار نزع کی حالت میں تھا آپؐ اس کے پاس تشریف لے گئے۔ فرمانے لگے مجھے اس کی سختی کی اطلاع ہے۔ اس کے بدن میں کوئی رگ ایسی نہیں جس میں جداگانہ درد نہ ہو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں اے مسلمانو! کافروں سے جنگ کرو تاکہ قتل ہو اس لیے کہ تلوار کی ہزار ضربیں بستر پر پڑے پڑے جاں کنی سے زیادہ آسان ہیں۔ بنی اسرائیل کا ایک گروہ کسی قبرستان میں گزرا اور دُعا کی کہ اے اللہ ان مُردوں میں سے ایک کو زندہ کر دے۔ اللہ پاک نے ایک کو

زندہ کر دیا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اے لوگو! تم کیا چاہتے ہو مجھے مرے ہوئے پچاس برس ہو چکے ہیں اور ابھی تک جاں کنی کی تلخی مجھ میں باقی ہے۔ ایک صحابی کا قول ہے کہ مسلمان کے واسطے ایسے درجات باقی رہ جاتے ہیں کہ عمل کے ذریعہ ان درجات کو وہ حاصل نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ جاں کنی کو اس کے لیے مشکل کر دیتے ہیں تاکہ وہ ان درجات کو حاصل کر سکے اور اگر کافر نے دُنیا میں کوئی نیکی کی ہو تو اس پر جاں کنی آسان ہو جاتی ہے تاکہ اس کا کچھ باقی نہ رہے۔ حدیث میں ہے کہ مرگِ مفاجات مسلمان کے حق میں راحت اور کافر کے حق میں حسرت ہے۔ نیز حدیث میں ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے پوچھا کہ سکرات موت میں تم نے اپنے آپ کو کیسا پایا؟ عرض کیا کہ جیسے زندہ مرغ کو بھونا جائے وہ نہ تو اڑ سکے نہ مرے۔ امیر المؤمنین حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے حضرت کعب الاحبار رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ جاں کنی کا کیا حال ہے؟ فرمایا اس کی حقیقت کچھ یوں ہے جیسے کانٹے دار شاخ کسی کے پیٹ کے اندر چبھو دیں اور ہر ہر کانٹا رگ میں اُلجھ جائے اور طاقتور آدمی اس کو کھینچے۔

جاں کنی کی ہیبتیں : نزع کے علاوہ تین ہولناک ہیبتیں آدمی کو پیش آتی ہیں۔ ایک مَلک الموت کی صورت دیکھنا۔ حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت عزرائیل علیہ السلام سے کہا کہ میں تمھیں اس شکل میں دیکھنا چاہتا ہوں جس شکل میں تم گنہگاروں کی روح قبض کرتے ہو۔ انھوں نے کہا آپ تاب نہیں لا سکیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اصرار کیا تو مَلک الموت نے ایسی صورت دکھائی کہ ایک کالے رنگ کا موٹے موٹے بالوں والا کھڑا ہے۔ اس کا لباس سیاہ رنگ کا ہے۔ شعلے اور دھواں اس کے مُنہ سے نکل رہا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ جب یہ ہوش میں آئے اور وہ اپنی صورت میں آ گئے تو آپ نے کہا مَلک الموت! گنہگار شخص کے لیے تمھاری صورت دیکھنا ہی کافی ہے۔ عزیزم! اَہلِ اِطاعت اس ہول و ہراس سے بچے رہتے ہیں کیونکہ وہ مَلک الموت کو اچھی شکل و صورت میں دیکھتے ہیں چنانچہ اگر کوئی اور راحت نصیب نہ ہو گی تو جمال صورت کا نظارہ ہی کافی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مَلک الموت سے کہا کہ تم لوگوں میں عدل کیوں نہیں کرتے۔ ایک کی جان جھٹ پھٹ نکال لیتے ہو' ایک کو دیر تک تڑپاتے ہو۔ انھوں نے کہا یہ بات میرے اختیار میں نہیں ہر کسی کے نام کا صحیفہ مجھے ملتا ہے۔ جیسے حکم ہوتا ہے ویسے کرتا ہوں۔ حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بادشاہ ایک دن سوار ہوا چاہتا تھا۔ پوشاک جو طلب کی تو کئی جوڑے حاضر کیے گئے۔ پسند تو کوئی نہ آیا بہرحال جو سب سے اچھا جوڑا تھا وہ پہن لیا۔ اسے کئی گھوڑے پیش کیے گئے پسند نہ آنے کے باوجود سب سے بڑھیا گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ پھرے پورے لشکری کروفر کے ساتھ باہر آیا اور تکبر کی وجہ سے کسی کو دیکھتا ہی نہ تھا۔ حتیٰ کہ مَلک الموت فقیر کی شکل میں میلے کچیلے کپڑے پہنے سامنے آ گئے اور سلام کیا۔ وہ بھلا جواب کیوں دیتا۔ انھوں نے گھوڑے کی لگام پکڑ لی۔ بادشاہ نے کہا گستاخی نہ کرو۔ ہاتھ اُٹھا لو۔ مَلک الموت نے کہا مجھے کوئی کام ہے۔ بادشاہ نے کہا مجھے ذرا اتر جانے دو۔ فرشتے نے کہا کہ میں ابھی چاہتا ہوں اور پھر اس کے کان کے ساتھ مُنہ لگا کر کہا کہ میں موت کا فرشتہ ہوں۔ اسی لمحہ تمھاری روح مجھے قبض کرنا ہے۔ بادشاہ کا رنگ اُڑ گیا اور زبان سے بات نہ نکل سکی کہنے لگا کہ اتنی مہلت دے دو کہ ذرا گھر جا کر اَہل و عیال کو رخصت کر لوں۔ فرشتے نے کہا نہیں اور روح قبض کر لی۔ وہ سواری سے گر پڑا۔ مَلک الموت وہاں سے تشریف لے گئے۔ مَلک الموت نے ایک مسلمان سے کہا کہ میں ایک راز کی

بات تم سے کہنا چاہتا ہوں۔ اُس نے کہا کیا؟ کہا کہ میں مَلک الموت ہوں۔ اُس نے کہا مرحبا! میں مدت سے تمھارا منتظر ہوں۔ آپ کا تشریف لانا مبارک! ابھی میری جان نکال لیجیے۔ مَلک الموت نے کہا کہ جو کام وغیرہ ہو کرلو۔ اُس نے کہا یہی سب سے زیادہ ضروری کام ہے کہ اپنے ربّ کو دیکھوں۔ فرشتے نے کہا جیسی تمھاری مرضی ہو ایسے تمھاری جان نکالوں۔ بندۂ مومن نے کہا کہ بس اتنی مہلت درکار ہے کہ وضو کرکے نماز شروع کروں۔ سجدہ میں روح قبض کرلینا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی حکایت کرتے ہیں کہ ایک بادشاہ تھا۔ تمام روئے زمین پر اس سے بڑا بادشاہ کوئی نہ تھا۔ فرشتے نے اس کی روح قبض کرلی۔ آسمان پر جب پہنچے تو فرشتوں نے پوچھا اے ملک الموت جان نکالتے وقت تمھیں کبھی کسی پر رحم آیا؟ کہاہاں! ایک عورت جو حاملہ تھی وہ جنگل میں تھی۔ اس کالڑکا پیدا ہوا تو مجھے حکم ہوا کہ اس کی روح قبض کرلو۔ میں نے روح قبض کرلی اور اس لڑکے کو اسی طرح چھوڑ دیا۔ غریبی کی وجہ سے اس عورت پر اور تنہائی کی وجہ سے لڑکے پر مجھے بڑا رحم آیا۔ فرشتوں نے کہا کہ تو نے اس بادشاہ کو بھی دیکھا کہ ساری زمین پر کوئی اس کا ہمسر نہ تھا۔ فرشتے نے کہا کہ ہاں دوسروں نے کہا کہ یہ وہی لڑکا ہے جسے تم نے تنہائی میں چھوڑا تھا۔ تب مَلک الموت نے کہا "سُبْحَانَ اللَّطِیْف لِمَا یَشَاءُ" (اللہ پاک ہے اور مہربان جس پر چاہے) ایک صحابی فرماتے ہیں کہ پندرھویں شعبان کو ایک صحیفہ مَلک الموت کو ملتا ہے۔ اس میں ان لوگوں کے نام ہوتے ہیں جن کی روح قبض کرنا ہوتی ہے۔ حالت یہ ہوتی ہے کہ ان میں سے کوئی عمارت میں، کوئی شادی میں اور کوئی جھگڑوں میں مصروف ہوتا ہے۔ اعمش رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مَلک الموت علیہ السلام، حضرت سلیمان علی نبینا وعلیہ السلام کے پاس گئے اور وہاں ان کے ایک مصاحب کو گھور کر دیکھا۔ جب باہر نکلے تو مصاحب نے پوچھا یہ کون تھا جس نے میری طرف اس طرح گھور کر دیکھا۔ آپ علیہ السلام نے کہا کہ یہ مَلک الموت تھے۔ اُس نے کہا، معلوم ہوتا ہے کہ میری روح قبض کریں گے۔ آپ ہوا کو حکم دیں کہ مجھے ہندوستان کی سرزمین پر پہنچا دے تاکہ مَلک الموت آئیں تو میں انھیں نہ مل سکوں۔ آپ نے ہوا کو حکم دیا۔ اس نے اسے ہندوستان پہنچا دیا پھر جو مَلک الموت حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس آئے تو آپ نے پوچھا کہ تم نے میرے فلاں صاحب کو گھور کر کیوں دیکھا تھا۔ انھوں نے کہا کہ مجھے اللہ کا حکم تھا کہ اسی گھڑی ہندوستان میں اس کی روح قبض کروں۔ وہ یہاں تھا میں نے سوچا کہ یہ گھڑی بھر کے وقفہ میں ہندوستان کیونکر پہنچے گا۔ جب میں وہاں گیا تو اسے وہیں موجود پایا اور مجھے بڑا تعجب ہوا۔

عزیزم! ان حکایات سے غرض یہ ہے کہ تجھے معلوم ہو جائے کہ ملک الموت کو دیکھے بغیر چارہ نہیں۔ دوسری ہیبت ان دونوں فرشتوں کو دیکھنے کی ہے جو ہر آدمی پر مسلط ہیں۔ اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ موت کے وقت یہ دونوں فرشتے آدمی کو نظر آتے ہیں۔ اگر وہ آدمی مطیع ہے تو وہ کہتے ہیں "جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا" ہمارے سامنے تو نے بڑی اطاعت کی اور ہمیں خوب راحت دی اور اگر وہ آدمی گنہگار ہوتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں لَا جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا بہت ہی بری باتیں اور برے اعمال تو نے ہمارے سامنے کیے۔ اس وقت اس بیچارے کی آنکھیں ہوا میں کھلی ہوتی ہیں پھر بند نہیں ہوتیں۔ تیسری ہیبت یہ ہے کہ موت کے وقت آدمی جنت یا دوزخ میں اپنی جگہ دیکھتا ہے اس لیے کہ مَلک الموت مطیع و فرمانبردار آدمی اسے کہتے ہیں۔ اے اللہ کے دوست تجھے جنت کی بشارت ہو اور گنہگار سے کہتے ہیں اے دشمن خدا تجھے دوزخ کی بشارت ہو۔ اس ہیبت و خوف کا جاں کنی کی حالت میں دہرا رنج اور تکلیف ہوتی ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْهَا۔ اور یہ خوفناک

حالات آدمی دُنیا میں دیکھتا ہے اور جو کچھ قبر میں جا کر اور اس کے بعد دیکھے گا اس کے سامنے یہ حالات حقیر و ناچیز ہیں۔

مُردے کے ساتھ قبر کی باتیں : مخبر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس وقت مُردے کو قبر میں رکھتے ہیں تو قبر کہتی ہے اے ابنِ آدم تو کس وجہ سے مجھے بھول گیا تھا۔ تجھے معلوم نہیں کہ میں محنت کا گھر، ظلمت کا گھر، تنہائی کا گھر اور کیڑوں کا گھر ہوں۔ تو کس بات پر بھول گیا تھا کہ تو عالمِ حیرت میں ایک قدم آگے اور ایک پیچھے رکھ کر مجھ پر چلتا تھا۔ پس اگر وہ شخص صالح اور نیک ہوتا ہے تو کوئی دوسرا اس کی طرف سے جواب دے دیتا ہے کہ اے قبر تو کیا کہتی ہے۔ یہ صالح تھا اِس نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیا۔ تب قبر کہتی ہے کہ میں اس کے لیے باغ بن جاؤں گی۔ پھر اس کا بدن نور ہو جاتا ہے اور اس کی روح آسمان پر چلی جاتی ہے۔ اور حدیث میں ہے کہ مُردے کو قبر میں رکھتے ہیں تو اس پر عذاب ہونے لگتا ہے۔ پڑوسی مُردے اسے آواز دیتے ہیں کے اے پیچھے آنے والے تو ہم سے پیچھے رہ گیا اور ہم تجھ سے پہلے آئے۔ تو نے ہمارے حالات سے عبرت کیوں نہ حاصل کی تو نے یہ نہ دیکھا کہ ہم اس دُنیا میں آئے اور ہمارے اعمال پورے ہو گئے اور تجھے مہلت ملی تو جو نیکیاں ہم سے چھوٹ گئی تھیں تو نے ان کا پاس و لحاظ نہ کیا۔ اسی طرح زمین کے سب گوشے آواز دیتے ہیں کہ ظاہری دُنیا کے عاشقو تم نے ان لوگوں کے حالات سے کیوں نہ عبرت حاصل کی جو تم سے پہلے چلے آئے اور تمہاری طرح دُنیا کے عاشق اور فریفتہ تھے۔ حدیث میں ہے کہ شائستہ آدمی جب قبر میں رکھتے ہیں تو اس کے نیک کام اسے گھیر لیتے ہیں اور اسے عذاب سے محفوظ کر دیتے ہیں۔ جب عذاب کے فرشتے بائیں طرف سے وارد ہوتے ہیں تو نماز سامنے آ کھڑی ہوتی ہے اور کہتی ہے کہ نہ، نہ اسے کچھ نہ کہنا۔ اس نے اللہ کے لیے بہت قیام کیا اور جب سرہانے کی طرف سے عذاب آتا ہے تو روزے سامنے آ کر کہتے ہیں کہ اِس نے اللہ کے لیے بڑی بھوک پیاس برداشت کی اور جب بدن کی طرف سے وارد ہوتا ہے حج اور جہاد کہتے ہیں کہ اِس نے اللہ کی راہ میں سارے بدن کو مصروفِ عمل رکھا اور تکالیف برداشت کیں۔ ہاتھ کی طرف سے عذاب آتا ہے تو صدقہ کہتا ہے کہ اس کے پاس سے ہٹ جاؤ کہ اس نے اس ہاتھ سے بہت صدقہ دیا۔ پس عذاب کے فرشتے اس مُردے سے کہتے ہیں کہ تو خوش رہ اور تجھے مبارک ہو۔ ساتھ ہی رحمت کے فرشتے آ جاتے ہیں۔ قبر میں بہشت کا فرش بچھاتے ہیں اور قبر کو اتنا وسیع کر دیتے ہیں کہ جہاں تک نظر جاتی ہے وہ کھلی ہوتی ہے اور جنت کی ایک قندیل لا کر لٹکا دیتے ہیں تاکہ اس کی روشنی رہے۔ حضرت عبداللہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مُردے کو قبر میں رکھ دیتے ہیں وہ لوگوں کے پاؤں کی چاپ سنتا ہے جو اس کے جنازہ کے ساتھ آتے ہیں اور کوئی اس سے بات نہیں کرتا، مگر قبر اس سے کہتی ہے کہ لوگوں نے میرے خوف و خطر اور تنگی کا حال بارہا تجھ سے بیان کیا تو نے کیا تیاری کی۔

منکر نکیر علیہما السلام کا سوال : حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ بندہ جب مرتا ہے تو دو فرشتے آتے ہیں۔ ان کا چہرہ سیاہ اور آنکھیں نیلی ہوتی ہیں۔ ایک کا نام منکر اور دوسرے کا نام نکیر ہے۔ وہ مُردے سے پوچھتے ہیں کہ تو پیغمبر علیہ السلام کے متعلق کیا کہتا ہے۔ اگر وہ مُردہ مسلمان ہے تو کہتا ہے کہ پیغمبر اللہ کا بندہ اور رسول تھا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ایک ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ اس کے رسول ہیں۔ پس اس کی قبر ستر گز چوڑی اور ستر گز لمبی ہو جاتی

ہے اور اسے روشن کر دیا جاتا ہے اور وہ کہتے ہیں کہ تو دُلہن کی طرح سوجا ایسا کہ تجھے کوئی اُٹھائے گا نہیں۔ ہاں وہ تجھے اُٹھائے گا جسے تو دوست رکھتا ہے۔ مُردہ منافق ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں جانتا۔ لوگوں سے سنتا تھا وہ کچھ کہتے تھے میں بھی وہی کہتا تھا۔ پس زمین کو حکم ہوتا ہے کہ تو مل جا اور اس مُردے کو دبا۔ وہ مل جاتی ہے اور اسے دباتی ہے حتیٰ کہ اس کی پسلیاں آپس میں مل جاتی ہیں اور وہ قیامت تک اسی عذاب میں مبتلا رہے گا۔ حضور علیہ السلام نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔ اے عمر! تو اپنے آپ کو کیا دیکھتا ہے کہ تو مرجائے اور لوگ تیرے واسطے چار گز لمبی' سوا گز چوڑی قبر کھودیں۔ پھر تجھے نہلا کر' کفنا کر اس میں رکھ دیں اور تیرے اوپر مٹی ڈال کر واپس پلٹ آئیں اور قبر کے فتنے والے یعنی نکیرین آئیں۔ ان کی آواز رعد کی سی اور آنکھیں برق کی طرح ہوں۔ ان کے بال زمین پر لوٹتے ہیں وہ اپنے دانتوں سے قبر کی مٹی درہم برہم کرتے ہوئے تجھے پکڑ کر بلائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میری عقل میرے ساتھ ہو گی؟ آپؐ نے فرمایا ہاں۔ عرض کیا پھر مجھے کوئی ڈر نہیں۔ میں ان کو جواب دے لوں گا۔ حدیث میں آتا ہے کہ کافر پر قبر میں دو اندھے بہرے جانور مسلط ہوتے ہیں ہر ایک کے ہاتھ میں لوہے کا ایک گرز ہوتا ہے۔ اس گرز کا سر ایسا ہوتا ہے جیسے وہ ڈول جس سے اونٹوں کو پانی پلاتے ہیں۔ وہ جانور اس کافر کو ان گرزوں سے قیامت تک مارتے رہیں گے نہ تو ان کی آنکھیں ہیں کہ اس کا حال زار دیکھ کر اس پر رحم کریں اور نہ کان ہیں کہ اس کی فریاد سنیں۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قبر ہر ایک مُردے کو دباتی ہے اگر کوئی اس کے شر سے بچتا تو حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ بچتے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہو گیا۔ آپؐ نے انھیں قبر میں رکھا تو آپؐ کا چہرۂ مبارک زرد ہو گیا۔ باہر تشریف لائے تو چہرۂ مبارک کی نورانیت بحال ہو گئی۔ ہم نے عرض کیا کہ ایسا کیوں ہوا؟ فرمایا کہ میں نے قبر کے عذاب کو یاد کیا۔ پھر مجھے آگاہی ہوئی کہ اللہ نے اس بچی پر قبر کی منزل آسان فرما دی۔ قبر انسان کو اس طرح دباتی ہے کہ سب جانور اس کی آواز سنتے ہیں اور آپؐ فرماتے ہیں کہ قبر میں کافر کو اس طرح عذاب ہوتا ہے کہ اس پر ۹۹ اژدہے مسلط ہوتے ہیں اور تمھیں معلوم ہے کہ وہ کیسے ہوتے ہیں؟ ان میں سے ہر ایک کے ۹'۹ سر ہوتے ہیں۔ وہ اس کافر کو ڈستے ہیں اور اسے لپٹتے ہیں اور پھنکاریں مارتے ہیں اور قیامت تک یہی حال رہتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قبر آخرت کی پہلی منزل ہے۔ اگر اس میں آسانی ہو گئی تو اس کے بعد جو کچھ ہونے والا ہے وہ بہت ہی آسان ہو گا اور اس میں دشواری ہوئی تو بعد میں سب کچھ دشوار ہو گا۔ عزیزم! قبر کے ہیبت ناک حالات میں پہلے تو نفخ صور کی ہیبت ہے پھر روزِ قیامت کی سختی' وہ دن بہت لمبا ہے۔ گرمی کی شدت ہو گی' پسینہ بہے گا۔ پھر گناہوں کی پرسش کا مرحلہ ہے۔ پھر دائیں بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال پکڑانے کا مرحلہ ہے۔ پھر وہ رُسوائی اور فضیحت ہے جو نامہ اعمال ملنے کے سبب ہو گی۔ پھر یہ خطرہ ہے کہ میزان میں نیکی کا پلہ بھاری ہوتا ہے یا برائی کا۔ پھر مدعیوں اور حقداروں کے مظالم اور ان کے جواب کا مرحلہ ہے۔ پھر پل صراط کی ہیبت ہے۔ پھر دوزخ کی اور اس کے فرشتوں' طوق' زنجیروں' زقوم اور سانپ بچھو وغیرہ کی ہیبت ہے اور یہ عذاب دو قسم پر ہیں جسمانی اور روحانی۔ جسمانی عذاب کا مفصل حال احیاء العلوم (امام غزالی کی کتاب) میں مفصل مذکور ہے اور اس سے متعلق دلائل بھی وارد ہیں۔ علی ہذا القیاس موت کی حقیقت کہ موت کیا چیز ہے اور روح کی حقیقت اور مرنے کے بعد جو حال ہوتا ہے وہ ذکر ہو چکا اور جو

شخص جسمانی عذاب کی تفصیل دریافت کرنا چاہتا ہے وہ احیاء العلوم میں دیکھے اور جو روحانی عذاب کا حال معلوم کرنا چاہتا ہے وہ عنوان میں تلاش کرے اس لیے کہ ان چیزوں کا یہاں ذکر طوالت کا موجب ہے۔

مُردوں کے حالات جو بزرگان سلف رحمۃ اللہ علیہم کو خواب میں معلوم ہوئے۔ انھیں لکھ کر ہم کتاب کو ختم کرتے ہیں اس لیے کہ زندوں کو مُردوں کا حال کشف باطن سے معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ مُردے ایسے عالم میں چلے گئے ہیں کہ انسانی حواس ان کا حال دریافت نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ کان رنگ دریافت کرنے میں اور آنکھ آواز معلوم کرنے میں معزول و بیکار ہے۔ اسی طرح یہ حواس اس دُنیا کے حالات معلوم کرنے میں بیکار ہیں۔ ہاں آدمی میں ایک خاصیت ہے۔ اس کے ذریعہ وہ اس دُنیا والوں کو دیکھ سکتا ہے لیکن وہ خاصیت حواس اور دُنیاوی مشاغل کی بھیڑ میں پوشیدہ ہے۔ ان مشاغل سے آدمی کو نجات ملتی ہے تو اس کا حال مُردوں کے حال سے قریب تر ہو جاتا ہے اور مُردوں کا حال کھلنے لگتا ہے اور اسی خاصیت کے سبب سے مُردوں کو بھی ہماری خبر ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ ہمارے نیک کاموں سے وہ خوش اور ہمارے گناہوں سے رنجیدہ ہوتے ہیں اور یہ مضمون احادیث میں وارد ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں ان کی خبر اور انھیں ہماری خبر لوحِ محفوظ کی وساطت کے بغیر نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ ہمارا اور ان کا حال لوحِ محفوظ پر لکھا ہوا ہے۔ آدمی سوتا ہے تو اس کا باطن لوحِ محفوظ سے مناسبت پیدا کر لیتا ہے۔ وہ اس میں ہمارا حال دریافت کر لیتے ہیں اور لوحِ محفوظ کی مثال اس آئینہ کی سی ہے جس میں سب چیزوں کی صورت موجود ہے اور آدمی کی روح بھی آئینہ کی مانند ہے اور مُردے کی روح بھی۔ پس جس طرح ایک آئینہ سے دوسرے آئینہ میں تصویر پیدا ہوتی ہے اسی طرح لوحِ محفوظ سے ہم میں اور مُردوں میں بھی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ عزیزم یہ گمان نہ کر کہ لوحِ محفوظ لکڑی یا بانس وغیرہ کی طرح ایک چوکھونٹی تختی ہے کہ ظاہری آنکھ سے اس کو دیکھ لیں گے اور جو کچھ اس میں لکھا ہے پڑھ لیں گے بلکہ اگر تجھے اس کی مثال تلاش کرنی ہے تو اپنے باطن میں تلاش کر۔ کیونکہ جو کچھ تمام عالم میں ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا نمونہ تیرے باطن میں رکھ دیا ہے تاکہ اس کی وجہ سے تجھے سب چیزوں کی پہچان حاصل ہو مگر تو اپنے آپ سے غافل ہے تو دوسروں کو کیا پہچانے گا۔ اور لوحِ محفوظ کا نمونہ حافظ کا دماغ ہے جو تمام قرآن یاد رکھتا ہے۔ گویا اس کے دماغ میں تمام قرآن لکھا ہوا ہے اور وہ اسے اور اس کے حرفوں اور اس کی سطروں کو دیکھتا ہے۔ اگر کوئی شخص حافظ کے دماغ کو ریزہ ریزہ کر کے اس ظاہری آنکھ سے دیکھنا چاہے تو اس میں نہ کہیں قرآن دکھائی دے گا نہ کچھ لکھا ہوا نظر آئے گا تو جملہ امور کا لوحِ محفوظ میں لکھا ہوا ہونا اسی طرح سمجھ لے کیونکہ اس میں بے انتہا امور منقوش ہیں۔ اور آنکھ متناہی ہے تو نامتناہی کا متناہی میں نقش محسوس سے آنا ممکن نہیں۔ پس اس کا مُنہ اور اس کی لوح اور اس کا قلم اور اس کا ہاتھ کوئی بھی تیری طرح نہیں۔ جس طرح وہ تیری مانند نہیں یہ ایسے ہی ہے جیسے کسی نے کہا

ع از خانہ بکد خدائی ماند ہمہ چیز

عزیزم! اس سے مقصود یہ ہے کہ مُردوں کو ہماری خبر اور ہمیں مُردوں کی خبر ہونا معلوم ہو جائے جیسا کہ تو خواب دیکھتا ہے اور خواب میں مُردوں کو اچھے یا برے حال میں دیکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ راحت و نعمت میں یا عذاب و مصیبت میں وہ زندہ ہیں اور بالکل نیست و نابود نہیں۔ ارشاد باری ہے :

﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ○ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتَاهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ (آل عمران)

"اور تو گمان نہ کر ان لوگوں کو مُردہ جو اللہ کی راہ میں مارے گئے بلکہ وہ اپنے پروردگار کے یہاں زندہ ہیں۔ انھیں رزق دیا جاتا ہے۔ اس چیز پر خوش ہیں جو اللہ اپنے فضل سے انھیں عطا کرتا ہے۔"

خواب کے ذریعہ مُردوں کے معلوم ہونے والے حالات :

جناب سیّد المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مجھے خواب میں دیکھے گویا اس نے مجھے جاگتے میں دیکھا کیونکہ شیطان میری صورت میں نہیں آسکتا۔ امیرالمؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ میں نے رسول مقبول ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ مجھ سے ناراض سے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ مجھ سے کونسی خطا سرزدی ہوئی؟ آپ نے فرمایا کہ تم سے ایسا نہیں ہو سکتا کہ روزہ میں اپنی اہلیہ کو بوسہ نہ دو۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عمر بھر ایسا نہیں کیا۔ اگرچہ روزہ میں بیوی کا بوسہ حرام نہیں لیکن نہ لینا اولیٰ ہے۔ صدیق حضرات سے ایسی باریک باتوں میں درگزر نہیں کیا جاتا اگرچہ دوسروں سے کرلیں۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے محبت تھی۔ ان کے مرنے کے بعد میں نے چاہا کہ انھیں خواب میں دیکھوں۔ سال بھر کے بعد میں نے دیکھا کہ آنکھیں مل رہے ہیں۔ فرمانے لگے کہ اب فراغت نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ کا رحم و کرم نہ ہوتا تو بڑا خطرہ تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ ہی فرماتے ہیں کہ میں نے ابولہب کو خواب میں دیکھا' دوزخ کی آگ میں جل رہا تھا' میں نے پوچھا کیا حال ہے؟ کہنے لگا ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہتا ہوں مگر پیر کے دن چونکہ حضور ﷺ پیدا ہوئے تھے اور ان کی خبرولادت سے مجھے خوشی ہوئی تھی اور اس خوشی میں میں نے غلام آزاد کیا تھا اس لیے اس رات مجھ پر عذاب نہیں ہوتا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما آپ کے پاس بیٹھے تھے اور میں بھی اس محفل میں حاضر تھا۔ اچانک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حاضر کیا گیا اور انھیں ایک مکان کے اندر داخل کرکے دروازہ بند کر دیا گیا۔ میں نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو دیکھا کہ باہر نکلے اور فرمانے لگے : قضی لی و ربّ الکعبۃ یعنی ربِّ کعبہ کی قسم میرا ہی حق ثابت ہوا۔ پھر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ باہر تشریف لائے اور فرمایا : غفر لی و ربّ الکعبۃ بخدا میں بخش دیا گیا۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما' حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت سے قبل ایک روز جو سو کر اُٹھے تو کہنے لگے : ﴿ انا للہ وانا الیہ راجعون ﴾ لوگوں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا گیا۔ لوگوں نے پوچھا' آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ فرمانے لگے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو خواب میں دیکھا' خون سے بھرا ہوا گلاس آپ کے پاس ہے۔ فرمایا اے ابنِ عباس دیکھا میری اُمت نے میرے ساتھ کیا کیا؟ میرے بیٹے کو قتل کر دیا یہ اس کا اور اس کے ساتھیوں کا خون ہے۔ میں داد خواہی کے لیے اللہ کے حضور جا رہا ہوں۔ چوبیس دن کے بعد حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کی خبر آگئی۔ امیرالمؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو کسی نے خواب میں دیکھا اور کہا کہ آپ ہمیشہ زُبان سے اشارہ کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے بڑے کام درپیش ہیں' فرمایا۔ ہاں! اسی زُبان سے میں نے ﴿ لا الہ الا اللہ ﴾ کہا اللہ تعالیٰ نے میرے سامنے جنت رکھ دی۔ یوسف بن الحسین رحمۃ اللہ علیہ کو خواب

میں دیکھا گیا۔ پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ فرمایا۔ مجھ پر رحمت کر دی۔ پوچھا کس عمل کے سبب؟ فرمایا اس وجہ سے کہ میں نے حضرت حق کو ہزل سے کبھی نہیں بلایا۔ حضور بن اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بزاز کو میں نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ کیسے گزری؟ فرمایا کہ جس گناہ کا اقرار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے وہ بخش دیا لیکن ایک گناہ ایسا تھا جس کے اقرار سے مجھے شرم آئی تو اللہ نے مجھے دھوپ میں کھڑا کر دیا۔ حتیٰ کہ میرا منہ کا گوشت گر پڑا۔ میں نے وہ گناہ پوچھا تو کہا کہ ایک دن میں نے ایک خوبصورت لونڈا دیکھا۔ وہ مجھے بھلا معلوم ہوا۔

ابو جعفر حیدلانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ صوفیا کا ایک گروہ آپ کی خدمت میں بیٹھا ہے۔ دو فرشتے آسمان سے اُترے۔ ایک کے ہاتھ میں آفتابہ تھا۔ ایک کے ہاتھ میں طشت۔ پس آپ نے ہاتھ دھوئے اور ان صوفیا نے بھی۔ وہ فرشتے میرے سامنے آفتابہ اور طشت لائے کہ میں بھی ہاتھ دھو لوں۔ کسی نے کہا کہ اس کے ہاتھ نہ دھلاؤ۔ یہ ان لوگوں میں سے نہیں۔ میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! روایت ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی قوم کو عزیز رکھتا ہے وہ انھی میں سے ہوتا ہے اور میں اس قوم کو عزیز رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اس کے ہاتھ دھلا دو' یہ بھی اسی قوم سے ہے۔ مجمع رحمۃ اللہ علیہ نامی ایک بزرگ تھے۔ انھیں کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ تم نے کیا معاملہ دیکھا؟ فرمایا کہ دارین کی بھلائی زاہد لوگ لے گئے۔ زرارہ ابنِ ابی اوفی رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ آپ نے کس عمل کو افضل پایا؟ فرمایا اللہ کے حکم پر راضی رہنے اور اُمیدیں مختصر رکھنے کو۔ یزید رحمۃ اللہ علیہ بن مذعور کہتے ہیں کہ امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے خواب میں دیکھا اور کہا کہ بہتر عمل مجھے بتا دیں تاکہ میں اس کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کر سکوں۔ فرمایا کہ علماء کے درجہ سے بڑا کوئی درجہ نہیں۔ پھر غمگین لوگوں کا درجہ ہے۔ یہ یزید رحمۃ اللہ علیہ بزرگ آدمی تھے۔ خواب کے بعد ہمیشہ روتے۔ حتیٰ کہ نابینا ہو کر مرے۔

ابنِ عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بھائی کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا؟ کہنے لگے جس گناہ سے استغفار کیا تھا وہ بخش دیا جس سے نہیں کیا تھا' نہیں بخشا۔ بی بی زبیدہ رحمۃ اللہ علیہا کو کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کیا گزری؟ کہنے لگیں' مجھ پر رحمت کر دی گئی۔ اس نے پوچھا اس مال کے سبب جو تم نے مکّہ معظمہ کی راہ میں خرچ کیا تھا؟ فرمایا مال کا اَجر تو مالک کو ملا۔ مجھے محض نیت کے سبب رحمت کا مستحق قرار دیا گیا۔ حضرت سفیان ثوری قدس سرہٗ کو کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے کیا سلوک فرمایا؟ کہنے لگے کہ میں نے ایک قدم پل صراط پر رکھا اور دوسرا جنت میں۔ احمد بن الحواری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنی اہلیہ کو خواب میں دیکھا کہ اتنی خوبصورت ہے کہ اس جیسا حسن و جمال میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ روشنی اور نور کے سبب اس کا چہرہ چمکتا تھا۔ میں نے اس کی وجہ پوچھی تو کہنے لگیں۔ تمھیں یاد ہے فلاں رات تم اللہ تعالیٰ کو یاد کر کے روئے تھے۔ میں نے کہا ہاں۔ کہنے لگی۔ میں نے تمھارے آنسو اپنے چہرہ پر مل لیے تھے۔ یہ سب انھی کا فیض ہے۔ کنانی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ کو میں نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا برتاؤ کیا؟ فرمایا مجھ پر رحمت کر دی گئی۔ سب عبادتیں اور بشارتیں تو برباد ہو گئیں البتہ دو رکعت نماز جو رات کو پڑھتا تھا وہ کام آ گئیں۔ بی بی زبیدہ رحمۃ اللہ علیہا

کو کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ کیسے گزری؟ کہنے لگیں۔ یہ چار کلمے اللہ کی رحمت کا سبب بن گئے۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَفْنِیْ بِهَا عُمْرِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَدْخُلُ بِهَا قَبْرِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَخْلُوْبِهَا وَحْدِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَلْقِیَ بِهَا رَبِّیْ (یعنی لا اِلٰہ اِلاَّ اللہ میں اپنی عمر کے ساتھ فنا کروں، داخل ہوں میں کلمہ کے ساتھ اپنی قبر میں، خالص ہو جاؤں میں کلمہ کے ساتھ اور کلمہ کے ساتھ میں اپنے رب سے جاملوں) حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ کیا سلوک ہوا؟ کہنے لگے کہ مجھ پر رحمت کر دی گئی اور مجھ سے ارشاد فرمایا کہ تجھے مجھ سے شرم نہ تھی کہ اس سختی سے مجھ سے ڈرتے تھے۔ حضرت ابو سلیمان قدس سرۂ کو کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟ کہنے لگے کہ میں رحمت کا مستحق قرار دیا گیا اور دیندار لوگوں میں انگشت نمائی کے سوا اور کسی چیز سے مجھے نقصان نہیں ہوا۔ حضرت ابو سعد خراز قدس سرۂ کہتے ہیں کہ میں نے ابلیس کو خواب میں دیکھا۔ لاٹھی اُٹھائی کہ اسے ماروں۔ اس سے بھی وہ نہ ڈرا تو آواز آئی کہ یہ لاٹھی نہیں اس نور سے ڈرتا ہے جو دِل میں ہے۔ مسوحی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے ابلیس کو خواب میں دیکھا اور کہا کہ تجھے آدمیوں سے شرم نہیں آتی؟ کہنے لگا یہ آدمی نہیں۔ اگر آدمی ہوتے تو جس طرح لڑکے گیند سے کھیلتے ہیں میں ان سے نہ کھیلتا۔ آدمی وہ ہیں جنھوں نے مجھے نزار و بیمار کر دیا۔ اس نے یہ اشارہ صوفیا کی طرف کیا۔ ابو سعید خراز رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں دمشق میں تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے تشریف لا رہے ہیں۔ میں اپنے سینہ پر انگلیاں مار مار کر شعر پڑھتا تھا۔ آپؐ نے فرمایا اس فعل سے فائدہ سے نقصان زیادہ ہے۔ حضرت شبلی قدس سرۂ کو مرنے کے تین دن بعد کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ کیا بیتی؟ کہنے لگے کہ میرے حساب کو تنگ کیا گیا تو میں مایوس ہوگیا۔ میری مایوسی دیکھ کر مجھ پر رحمت فرما دی۔ حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا' کیا حال ہے؟ فرمایا اللہ نے رحم کر دیا۔ ان سے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا حال معلوم کیا تو فرمایا کہ انھیں دن میں دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوتا ہے۔ حضرت مالک بن انس رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ اللہ نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا؟ فرمانے لگے کہ اس حکم کے سبب مجھ پر رحمت کر دی گئی جو میں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے سنا تھا وہ جب جنازہ دیکھتے تو فرماتے: سُبْحَانَ اللّٰهِ الْحَيِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ (اللہ کی ذات جو زندہ ہے اور کبھی فنا نہیں ہو گی' پاک ہے) حضرت حسن بصری قدس سرۂ نے جس رات انتقال فرمایا۔ اسی رات کسی نے انھیں خواب میں دیکھا کہ آسمان کے دروازے کھلے ہیں اور آواز آ رہی ہے کہ حسن نے اپنے ربّ کو دیکھا اور بہت خوش ہوا۔ حضرت جنید بغدادی قدس سرۂ کہتے ہیں کہ میں نے ابلیس کو خواب میں دیکھا اور کہا کہ اے ابلیس! تو لوگوں سے نہیں شرماتا کہنے لگا یہ آدمی نہیں' آدمی وہ ہیں شعرنیزیہ (ایک گاؤں کا نام) ہیں۔ انھوں نے مجھے نزار کر ڈالا ہے۔ حضرت جنید فرماتے ہیں کہ میں صبح ہی اس گاؤں کی مسجد میں گیا۔ جیسے ہی اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ لوگ زانو پر سر رکھے محو تفکر ہیں۔ مجھے دیکھ کر کہنے لگے کہ اے جنید! اس ملعون کے کہنے کے دھوکہ میں نہ آنا۔ عتبۃ الغلام

رحمۃ اللہ علیہ نے جنت کی ایک حور کو خواب میں دیکھا۔ وہ بہت حسین تھی کہنے لگی۔ میں تجھ پر عاشق ہوں۔ خبردار ایسا کام نہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ تجھے باز رکھے۔ عتبہ نے کہا کہ میں نے دنیا کو تین طلاقیں دے دی ہیں۔ کبھی بھی اس کے قریب نہیں جاؤں گا تاکہ تجھے حاصل کر سکوں۔ حضرت ابو ایوب بجستانی رحمۃ اللہ علیہ ایک مفسد کا جنازہ دیکھ کر بالا خانہ پر چڑھ گئے کہ اس کی جنازہ نہیں پڑھنی چاہیے۔ اس مردے کو کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ کیسے گزری؟ اس نے کہا کہ اللہ نے مجھ پر رحمت کر دی اور کہا کہ ابوایوب سے کہنا کہ:

﴿ لَوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَائِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ﴾ (بنی اسرائیل)

"اگر تم مالک ہوتے تو میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے تو تم بخل کے مارے کچھ بھی خرچ نہ کرتے۔"

جس رات حضرت داؤد رطائی قدس سرہٗ نے انتقال فرمایا انھیں ایک شخص نے خواب میں دیکھا کہ آسمان کے فرشتے آتے جاتے ہیں۔ اس شخص نے پوچھا کہ آج کون سی رات ہے؟ فرشتوں نے کہا کہ آج حضرت داؤد طائی نے انتقال فرمایا ہے۔ جنت ان کے لیے آراستہ کی گئی ہے۔ حضرت ابو سعید شحام قدس سرہٗ کہتے ہیں کہ سہل معلوکی کو میں نے خواب میں دیکھا اور کہا۔ اے خواجہ۔ کہنے لگے خواجگی سے ہاتھ اُٹھا لو کہ وہ گئی' ختم ہو گئی۔ میں نے کہا کہ تمھارے کاردار وغیرہ کہاں گئے؟ کہنے لگے کچھ نہ کام آیا۔ سوائے ان مسائل کے جو بوڑھیاں پوچھا کرتی تھیں۔ ربیع بن سلیمان قدس سرہٗ کہتے ہیں کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا سلوک فرمایا؟ کہنے لگے مجھے سونے کی کرسی پر بٹھا کر مجھ پر آب دار موتی پھینکے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہی کہ مجھے ایک مشکل کام پیش آیا۔ میں اس میں عاجز ہوا تو خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص نے آ کر کہا۔ اے محمد ادریس (امام کا نام) کہہ:

اَللّٰهُمَّ لَآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّ لَآ اَسْتَطِيْعُ اَنْ اٰخُذَ اِلَّا مَآ اَعْطَيْتَنِيْ وَلَآ اَنْ اَتَّقِيَ اِلَّا مَا وَقَيْتَنِيْ اللّٰهُمَّ وَفِّقْنِيْ لِمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ فِيْ عَافِيَةٍ۔

اے اللہ! میں اپنے لیے نہ تو نقصان کا مالک ہوں' نہ نفع کا۔ موت کا' نہ زندگی کا اور نہ دوبارہ اُٹھائے جانے کا اور نہ میرے اندر اس کی طاقت ہے کہ میں کوئی چیز لے سکوں مگر جو تُو عطا فرمائے اور نہ میں کسی چیز سے بچ سکتا ہوں سوائے اس کے کہ تُو بچائے۔ اے اللہ! مجھے اس چیز کی توفیق بخش جسے تُو پسند کرے اور جس سے تُو راضی ہو قول و عمل میں۔

صُبح میں نے یہ دُعا پڑھی تو کچھ دن چڑھے میرا کام آسان ہو گیا۔ عزیزم تُو بھی اس دُعا کو یاد کر لے اور نہ بھول۔ حضرت عتبہ الغلام رحمۃ اللہ علیہ کو کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کیسے گزری؟ فرمایا دیوار پر لکھی ہوئی اس دُعا کے سبب بخش دیا گیا۔ میں جب جاگا تو حضرت عتبہ رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے یہ دُعا لکھی دیکھی:

يَاهَادِيَ الْمُضِلِّيْنَ وَ يَارَاحِمَ الْمُذْنِبِيْنَ وَ يَامُقِيْلَ عَثَرَاتِ الْعَاثِرِيْنَ اِرْحَمْ عَبْدَكَ ذَا الْخَطَرِ الْعَظِيْمِ وَالْمُسْلِمِيْنَ كُلَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ وَاجْعَلْنَا مَعَ الْاَحْيَاءِ الْمَرْزُوْقِيْنَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ مِنَ

النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاءِ والصَّالِحِيْنَ۔ آمِيْنَ يَا رَبَّ الْعَالِمِيْنَ۔

"اے گمراہوں کو راہ دکھانے والے' اور اے گناہ گاروں پر رحم کرنے والے' اے چوکنے والوں کی لغزشوں کو محو کرنے والے اپنے بندے پر رحم فرما۔ بڑا خطرہ درپیش ہے اور اب مسلمانوں پر بھی رحم فرما اور تو ہمیں ایسے زندہ لوگوں کے ساتھ کر دے جنہیں پاکیزہ رزق دیا گیا۔ وہ لوگ جن پر تو نے انعام فرمایا۔ انبیاء علیہم السلام' صدیقین' شہدا اور صالحین رحمۃ اللہ علیہم ۔ اے جہانوں کے رب ایسا ہی ہو۔"

موت کے ذکر میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں وہی کافی ہیں۔



نصیحت اور درخواست

اِس کتاب کو ہم نے اِسی پر ختم کیا جو لوگ اِس کا مطالعہ کریں اور اِس سے فائدہ اُٹھائیں اُن سے اُمید ہے کہ اِس کتاب کے مصنف اور مترجم کو دُعائے خیر میں نہ بھولیں گے اور اللہ تعالیٰ سے اُس کی مغفرت کی درخواست کریں گے تاکہ کوئی سہو اور قصور کتاب میں ہوا ہو یا نیت میں تکلف و ریا کی کوئی بات ہو گئی ہو تو اللہ تعالیٰ دُعا اور رحمت کی برکت سے معاف فرمادے اور اِس کتاب کے ثواب سے محروم نہ رکھے۔ اِس لیے کہ اِس سے بڑھ کر کیا نقصان ہوگا کہ کوئی شخص مخلوق کو اللہ کی طرف بلائے اور خود ریا کی وجہ سے بارگاہِ الٰہی سے دُور ہو جائے۔

نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْهُ وَ نَقُوْلُ فِیْ خَاتِمَةِ الْكِتٰبِ — ہم اللہ سے پناہ مانگتے ہیں اور خاتمہ کتاب میں درخواست کرتے ہیں۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِعَفْوِكَ مِنْ عِقَابِكَ وَ نَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَ نَعُوْذُ بِكَ مِنْ اَنْ لَّا اُحْصِیَ ثَنَاءً عَلَیْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِكَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ۔

اے اللہ! ہم پناہ مانگتے ہیں تیرے عفو و معافی کے ساتھ تیرے عذاب سے اور ہم پناہ مانگتے ہیں تیری رضا کے ذریعہ تیرے غُصہ سے اور ہم پناہ مانگتے ہیں اِس سے کہ ہم تیری ثنا کا احصا نہیں کرسکے ہم اس قابل ہیں جیسے اپنی تعریف آپ کرتے ہیں اور ہر قسم کی تعریف آپ کی تما ذات کے لیے ہے۔

اختتام ترجمہ : ۷/ شعبان المعظم ۱۴۰۰ھ ——— ۲۱/۶/۸۰

تمت بالخیر

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔
بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو از راہ کرم مطلع فرمادیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لیے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔ (ادارہ)